تاریخ پنجاب

سیّد محمّد لطیف

تاریخِ پنجاب

مصنّف : سیّد محمّد لطیف

تخلیقات

علی پلازہ 3- مزنگ روڈ، لاہور فون : 7238014

سید محمد لطیف کی شہرہ آفاق تصنیف

HISTORY OF THE PUNJAB

(FROM REMOTEST ANTIQUE TO THE PRESENT TIME)

کا اردو ترجمہ

مصنف: خان بہادر شمس العلماء جج
سید محمد لطیف

- فیلو رائل اسٹرونومیکل سوسائٹی
- فیلو رائل جیوگرافیکل سوسائٹی
- فیلو پنجاب یونیورسٹی
- ممبر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال
- ممبر ڈی لا سوسائٹی ایشیاٹک پیرس (فرانس)

مترجم:۔ افتخار محبوب

ناشر :۔ تخلیقات، لاہور
پرنٹرز :۔ اِن پریس۔ لاہور
سنِ اشاعت :۔ نومبر ۱۹۹۴ء
قیمت :۔ 500 روپے

سیّد محمدؐ لطیف کے والد منشی سیّد محمد عظیم

1815 - 1885ء

تاریخ پنجاب

فہرست

حصہ دوم --- اسلامی دور

حصہ سوم ۔۔۔ سکھوں کا عروج

حصہ چہارم --- مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حیات

حصہ پنجم ـــــ رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد کا دور

مصنّف :- سید محمد لطیف

1845 - 1902ء

سید محمد لطیف

میرے دادا سید محمد لطیف صاحب المعروف جج محمد لطیف ۱۸۴۵ء کے لگ بھگ منشی سید محمد عظیم صاحب کے گھر پیدا ہوئے، جن کا تعلق دہلی کے ایک معروف علمی و مذہبی خاندان سے تھا۔ سید محمد لطیف صاحب کے آباؤ اجداد مدینہ منورہ میں اپنی دینی خدمات اور علم پروری کے باعث ممتاز و اعلیٰ حیثیت کے حامل تھے۔ اس گھرانے کے ایک جید عالم و بزرگ مولانا حاجی محمد عرب صاحب کی شہرت سن کر مغل شہنشاہ شاہجہان نے انہیں ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ مولانا حاجی محمد عرب صاحب دہلی آ کر آباد ہو گئے اور اس شہر کے دینی و علمی حلقوں کو رونق بخشی۔ آپ کی بے حد عزت و توقیر کی گئی اور آپ کو شاہی خاندان کا معلم مقرر کیا گیا۔ آپ کی خدمات اور احترام کے پیش نظر مغل بادشاہ آپ کی اور آپ کے جانشینوں کی قدر و خبر گیری کرتے رہے۔

ایک قدیم خاندانی دستاویز کے مطابق سید محمد لطیف صاحب کا سلسلہ نسب ۲۷ ویں پشت میں امام دہم حضرت امام الہادی النقی علی ابن محمد التقی صدق اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ امام دہم کی چھ اولادیں تھیں، جن میں سے تین بیٹے لاولد تھے۔ ایک بیٹے امام یازدہم حضرت امام حسن عسکری اور دوسرے حضرت سید جعفر جلیل اللہ تھے۔ حضرت سید جعفر، جو زہد و تقویٰ میں یکتا تھے، کے بیٹے حضرت سید علی جمیل اللہ تھے، جنہوں نے اپنے والد بزرگوار کے ہدایت الی الحق کے مشن کو جاری رکھا۔ ان کے بیٹے حضرت سید عبداللہ تھے، جو بڑے زاہد اور اطاعت خداوندی میں نہایت برگزیدہ تھے۔ حضرت سید عبداللہ کے بیٹے حضرت سید احمد مقبول اللہ تھے، ان کے دو بیٹے حضرت سید علی اور حضرت سید محمود مختار اللہ تھے۔

سادات بخاری، حضرت سید محمود مختار اللہ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت سید محمود کے بیٹے حضرت سید محمد صفی الدین بخاری مسند نشین ہوئے۔ ان کے فرزند شیخ المشائخ قطب

الاقطاب حضرت سید محمد علی ثانی ہمدانی تھے' جنہوں نے اپنے زمانے میں کفر و ضلالت کے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور حق پرستوں نے ان کی حمایت و سرپرستی میں حق کا بول بالا کیا۔ ان کے فرزند شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت سید محمد اسحاق ختلانی تھے۔ ان کے فرزند شیخ المشائخ سید السادات جامع السادات حضرت سید محمد نور بخش تھے جن کے فرزند نور بخش حضرت سید محمد علی تھے۔ ان کے فرزند حضرت سید محمد غیاث نور بخش اعلی اللہ درجاتہ ہوئے۔ ان کے فرزند حضرت سید حسن محمد تھے' جن کے فرزند حضرت سید محمد' ان کے فرزند حضرت سید محمد مکرم' ان کے صاجزادے حضرت سید پیر محمد اور ان کے فرزند حضرت سید محمد عبدالرشید قادری تھے۔ ان کے جانشین فرزند شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت سید محمد قاسم تھے۔ ان کے فرزند حضرت سید پیر محمد مکرم ثانی تھے' جن کے فرزند شیخ المشائخ حاجی الحرمین حضرت مولانا سید محمد عرب (وفات ۱۰۵۸ھ) تھے' جو علم اور زہد و تقویٰ میں بہت اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کے رشد و ہدایت کی شہرت اس قدر ہوئی کہ اس زمانے کے بادشاہ بھی ان کے علم و فضل سے نہایت متاثر ہوئے' چنانچہ مغل شہنشاہ شاہجہان نے آپ کو مدینہ طیبہ سے ہندوستان بلایا اور ان کے فیوض و برکات سے بہرہ اندوز ہوا۔ حضرت سید محمد عرب' کے فرزند حضرت حاجی محمد عبدالرحیم (وفات ۱۱۱۸ھ) شیخ المشائخ تھے' جو اپنے والد کی مسند ارشاد پر فائز ہوئے۔ ان کے فرزند شیخ المشائخ حضرت حاجی محمد اکرم (وفات ۱۱۳۱ھ) تھے' جن کے صاجزادے حضرت سید حاجی محمد ماہ (وفات ۱۱۷۹ھ) تھے۔ ان کے فرزند حضرت حاجی محمد اعظم (وفات ۱۲۵۰ھ) تھے' جن کے فرزند ارجمند حضرت حافظ محمد صالح (وفات ۱۸۵۶ء) تھے۔ ان کے خلف الرشید منشی حاجی سید محمد عظیم صاحب (وفات ۱۸۸۵ء) غفراللہ ذنوبہ تھے۔ ان کے تین صاجزادے سید محمد لطیف صاحب (وفات ۱۹۰۲ء)' سید محمد شمس الدین صاحب (جج) (وفات ۱۹۲۹ء)' سید محمد سراج الدین صاحب (چیف جسٹس ریاست بہاولپور) (وفات ۱۹۴۹ء) تھے۔ سید محمد لطیف صاحب کے دو فرزند سید محمد غیاث الدین صاحب (وفات ۶ ستمبر ۱۹۰۶ء) اور میرے والد محترم خان صاحب سید محمد عزیز الدین (وفات یکم مئی ۱۹۵۳ء) تھے۔

دہلی میں آپ کے خاندان کے مشہور و معروف بزرگوں میں حاجی محمد عبدالرحیم صاحب' حاجی محمد اکرم صاحب' حاجی محمد ماہ صاحب' حاجی محمد اعظم صاحب اور حافظ محمد صالح صاحب کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ یہ سب حضرات اپنے اپنے دور میں دہلی کی بزرگ اور معتبر ہستیوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ سید محمد لطیف صاحب کے برادر صغیر سید محمد شمس الدین صاحب کے مطابق "نولکھا میں حضرت والد صاحب (سید محمد عظیم صاحب) کے پاس دہلی سے

ہمارے دادا صاحب حضرت حافظ محمد صالح صاحب" کی سناونی آئی' چنانچہ ان کا چہلم وہیں نہایت احترام سے کیا گیا۔ حضرت دادا صاحب کا مزار دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ" کے مزار پرانوار کی پائنتی سے پانچ سات گز کے فاصلہ پر جانب غرب ایک چبوترہ پر واقع ہے۔ لحد کے سرہانے الفاظ "حافظ محمد صالح" درج ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ" کا اصلی نام سید رضی الدین احمد تھا۔ وہ کابل سے تشریف لائے تھے۔ ہندوستان میں انہی کی ذات فیض آیات سے طریقہ نقشبندیہ کو رواج حاصل ہوا۔ دو مزارات ہمارے بزرگوں کے اس چبوترے پر واقع ہیں' جو جامع مسجد دہلی کی غلام گردش میں مسجد کے شمال کی طرف ہے۔ اس چبوترہ کے غربی حصہ میں یہ مزارات ہیں۔ تاریخ وفات حضرت دادا حافظ محمد صالح صاحب بمطابق "پنجابی اخبار" مورخہ ۸ مئی ۱۸۵۶ء ہے"۔

حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں ہزاروں افراد تھے اور کئی شعرا نے اس موقع پر قطعات کہے۔ فقط ایک قطعہ تاریخ وفات مل سکا جو کہ جناب حضرت انور حسین رسول شاہی ہما کا ہے۔

چوں محمد صالح نیکو سیر   بود ممتاز و حلیم و ہم فہیم
کردہ رحلت زیں جہاں بے ثبات   شد رواں سوئے مکان مستقیم
در سر تاریخ نوتش انچناں   بودہ ام سرگرم کر لطف عمیم
ای ہما ہاکف ز روئے التفات   گفت صالح یافت جناب النعیم

"جناب حافظ محمد صالح صاحب" اور ان کے برادر اکبر حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب" ایسے اصحاب تھے کہ ان کی زبان میں برکت تھی۔ وہ پیران طریقت اور مجیب الدعوات کہلائے۔ عقیدت مند ان کا طواف کیا کرتے تھے اور اسے فلاح اخروی سمجھتے تھے۔ حضرت حافظ محمد صالح صاحب بڑے خوش پوشاک اور نفاست پسند تھے۔ ان کی خیرد خیرات کا یہ عالم تھا کہ راستہ چلتے اگر کوئی سائل مل گیا اور اس نے سوال کیا تو بسا اوقات اسے تن کے کپڑے بھی اتار کر دے دیتے۔ سادگی اور فروتنی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت قیمتی دوشالہ زیب تن ہوتا تو دوسرے وقت پھٹا پرانا کمبل اوڑھ کر بازار میں نکلتے"۔

سید محمد شمس الدین صاحب کے مطابق "جامعہ مسجد دہلی کا ایک حصہ آثار شریف کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات ہیں۔ ان تبرکات کے محافظ ہمارے خاندان کے افراد ہیں۔ درگاہ آثار شریف پر حافظ محمد صالح صاحب اور ان کے بڑے بھائی حافظ عبدالعزیز صاحب بطور سجادہ نشین متمکن تھے۔ ان دونوں حضرات کی وفات

کے بعد یہ منصب حافظ عبدالعزیز صاحب کی اولاد کو منتقل ہوا اور ان کے خلف اکبر حافظ محمد داؤد صاحب اور خلف اصغر پیرجی عبدالرشید صاحب سجادہ نشین مقرر ہوئے اور آثار شریف والے کہلائے اور یہ منصب انہی اصحاب کی اولاد کو منتقل ہوتا رہا"۔

"درگاہ آثار شریف میں ہر شب کثرت سے چراغاں ہوتا ہے۔ حکومت کی طرف سے پانچ سو روپیہ نذرانہ یہاں خاص مواقع کے لیے مقرر تھا۔ ریاست رام پور سے بھی آثار شریف کے اخراجات کے لیے کچھ نہ کچھ سالانہ مقرر تھا۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر یہاں لوگ سلام کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے اور اب تک یہ رسم جاری ہے۔ حضرت والد صاحب کے بقول ہمارے خاندان کی یہ خصوصیت چلی آرہی ہے کہ ہر ایک پشت میں ایک نہ ایک حافظ قرآن ضرور ہوتا ہے"۔

سید محمد لطیف صاحب نے ایک علمی' ادبی اور مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ یوں تو آپ کے خاندان میں انگریزی تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا تھا' مگر اس روایت کو آپ کے والد محترم سید محمد عظیم صاحب نے توڑ ڈالا' لہٰذا آپ کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ فارسی' عربی اور دیگر مروجہ علوم کی ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے ہندوستان کی اعلیٰ درسگاہوں سے علم حاصل کیا۔ کٹڑہ تارکشاں (لاہور) میں قیام کے دوران آپ نے فارسی اور عربی منشی اسد اللہ صاحب سے پڑھی۔

نوجوانی کے ایام میں ہی سید محمد لطیف صاحب کا تعلق دہلی کے ایک اور علمی و ادبی خاندان سے ہوگیا' جب ان کی شادی قاضی ولی جان صاحب کی دختر سے قرار پائی۔ قاضی ولی جان صاحب' سر سید احمد خاں صاحب اور خان بہادر مولوی سمیع اللہ جج صاحب کے قریبی عزیز تھے۔ اس نسبت سے سید محمد لطیف صاحب اور سر سید احمد خاں ایک دوسرے کے خاصے قریب ہوگئے اور مختلف ملکی و مذہبی مسائل کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہتے تھے۔ دونوں کے درمیان سلسلہ خط کتابت کافی عرصے تک قائم رہا۔ سر سید احمد خاں کے دورۂ پنجاب (۱۸۸۴ء) کے دوران مراد آباد کے اخبار "نیر اعظم" نے ان کے خیالات پر نکتہ چینی کی تو سید محمد لطیف صاحب نے "پنجابی" اخبار میں اس کا مدلل جواب دیا۔

گھریلو علمی ادبی ماحول کے باعث شعرگوئی اور تصنیف و تالیف کا شوق سید لطیف صاحب کی طبیعت میں بہت پہلے سے ظاہر ہونا شروع ہوگیا تھا۔ ان کی پہلی تصنیف ایک شعری مجموعہ "دیوان لطیف" تھی' جو ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی۔ جب ۱۸۶۵ء میں اخبار "پنجابی" دوبارہ جاری کیا گیا تو اس کے مترجم اور ایڈیٹر محمد لطیف صاحب ہی تھے۔ سید محمد لطیف صاحب

۱۸۶۸ء میں پنجاب چیف کورٹ میں بعہدہ مترجم بہ مشاہرہ یک صد روپیہ ماہوار متعین کیے گئے۔ جلد ہی وہ چیف کورٹ کے ریڈر مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد انہیں ایکسٹرا اسسٹنٹ جوڈیشنل کمشنر کے عہدہ پر ترقی دے دی گئی۔ بعد ازاں انہوں نے کئی اضلاع میں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے فرائض منصبی سرانجام دیے۔ ۱۹۰۲ء میں ان کا نام پنجاب چیف کورٹ کے جج کے لیے تجویز کیا گیا لیکن تقرری سے پیشتر ہی ۹ فروری ۱۹۰۲ء کو وفات پا گئے۔

سید محمد لطیف صاحب کے گھر کا ماحول چونکہ شروع ہی سے علمی و ادبی تھا' چنانچہ بچپن ہی سے آپ کو علماء' مصنفین اور شعراء کرام کی صحبت حاصل رہی۔ ایسے ماحول میں ان کا تصنیف و تالیف میں دلچسپی لینا ایک فطری امر تھا۔ آپ کے والد سید محمد عظیم صاحب ہر ماہ ایک مشاعرہ منعقد کیا کرتے تھے۔ ان مشاعروں کی رنگینی نے سید محمد لطیف صاحب کو شعرگوئی کی طرف مائل کیا۔ وہ عربی' فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوجوانی میں ہی دیوان کی اشاعت کے بعد' ان پر نثرنویسی کا شوق غالب آ گیا۔ وہ اخبار "پنجابی" کے عملہ ادارت میں شامل تھے' لیکن جلد ہی ان کی ساری توجہ تاریخ نویسی پر مرکوز ہو گئی۔

۱۸۸۸ء میں انہوں نے "تاریخ پنجاب مع احوال شہر لاہور" کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی۔ ایک سال بعد شہر آگرہ کی تاریخ مکمل کی۔ ۱۸۹۱ء میں ان کا ایک کتابچہ "ملتان کی قدیم تاریخ" شائع ہوا۔ اسی سال ان کی کتاب "تاریخ پنجاب" (بزبان انگریزی) شائع ہوئی۔ ایک ہی سال بعد ان کی معرکہ الاراء کتاب "تاریخ لاہور" (انگریزی) منظرعام پر آئی۔ یہ کتابیں علم تاریخ میں مستند و معتبر قرار پائیں اور ان کے حوالہ جات دیگر علمی تحقیق کے علاوہ عدالتوں میں بھی دیے جانے لگے۔ اس کے علاوہ سید محمد لطیف صاحب کلکتہ سے شائع ہونے والے "جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" و "کلکتہ ریویو" کے مستقل قلمی معاون تھے۔ پنجاب یونیورسٹی کے علاوہ وہ رائل اسٹرونومیکل سوسائٹی اور رائل جیوگرافیکل سوسائٹی کے بھی فیلو تھے۔ نیز ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور سوسائٹی ڈی لاء پیرس (فرانس) کے رکن بھی تھے۔ سرکاری عہدوں کی بھاری ذمہ داریوں اور مصروفیت کے باوجود' چند سال کی قلیل مدت میں کئی کتابوں کی اشاعت' سید محمد لطیف صاحب کی غیر معمولی ذہنی استعداد کا بین اور منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کی نمایاں خدمات کے اعتراف میں حکومت نے انہیں خان بہادر اور شمس العلماء کے خطابات سے نوازا۔

سید محمد لطیف صاحب بڑی ہمہ گیر اور گوناگوں شخصیت کے مالک تھے۔ انہیں اردو' عربی'

فارسی کے علاوہ ہندی، سنسکرت، فرانسیسی اور انگریزی زبان پر بھی زبردست قدرت حاصل تھی۔ انگریزی زبان میں متعدد تصانیف کے علاوہ وہ انگلستان سے شائع ہونے والے انگریزی اخبارات و رسائل کے ہندوستان میں ریذیڈنٹ کارسپانڈنٹ (نامہ نگار) بھی تھے اور مختلف جرائد و رسائل میں باقاعدگی سے لکھتے تھے۔

سید محمد لطیف صاحب کے والد محترم منشی سید محمد عظیم صاحب ۱۸۱۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے زمانہ میں انگریزی تعلیم کو شجر ممنوعہ سمجھا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے گھریلو تعلیم کے بعد انگریزی پڑھنا شروع کی اور اپنے والدین سے خفیہ 'قدیم دہلی کالج میں داخل ہو گئے۔ کالج کے پرنسپل مشہور عالم مسٹر جے۔ ایچ ٹیلر تھے' جن کے کئی شاگرد ہندوستان میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے۔ ۱۸۳۰ء میں سید محمد عظیم صاحب کو انگریزی زبان پر دسترس کی بنیاد پر وظیفے کی سند ملی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سید محمد عظیم صاحب نے دہلی گزٹ پریس میں بطور کمپوزیٹر ملازمت حاصل کر لی۔ ان کے پرانے کاغذات میں سے بزبان انگریزی ایک چٹھی بھی دستیاب ہوئی' جو انہوں نے پنجاب کے چیف کمشنر کو لکھی تھی۔ اس میں لکھتے ہیں:

"میں نے اپنی تعلیم اپنے استاد مسٹر جے۔ ایچ ٹیلر سے پائی اور مسٹر رابرٹ نو بھی مجھے گھر میں تعلیم دیا کرتے تھے اور میرے بڑے مہربان تھے۔ سات برس کی تعلیم کے بعد میں مطبع دہلی گزٹ میں ڈاکٹر رینگر صاحب' سول سرجن دہلی کی سفارش پر ملازم ہو گیا اور تب سے میں مطبع کا کام بطور پرنٹر کرتا ہوں"۔

اس زمانہ میں یونیورسٹی کوئی نہ تھی۔ اگر تھی بھی تو دہلی کالج کے طالب علموں سے یونیورسٹی کا کوئی امتحان نہیں لیا جاتا تھا۔ سید محمد عظیم صاحب کا اور سید حادی حسین خان صاحب بہادر سابق ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پنڈت جوالا ناتھ صاحب کا زمانہ تعلیم ایک ہی تھا اور ان کے ساتھ بھائیوں جیسی محبت کیا کرتے تھے۔

کالج چھوڑنے کے کچھ عرصہ بعد سید محمد عظیم صاحب نے مسٹر پلیس (جو ایک بہت بڑے سوداگر تھے) کے چھاپہ خانہ میں ملازمت کر لی۔ یہاں ان کا وظیفہ پانچ روپیہ ماہوار مقرر ہوا۔ عظیم صاحب چونکہ بہت محنتی اور نہایت تعلیم یافتہ تھے' اس لیے چند ہی برس میں انہوں نے فن طباعت میں کمال حاصل کر لیا اور کل مطبع کے فورمین ہو گئے۔ نیز انہیں مطبع کی سیاہی اور دیگر ساز و سامان وغیرہ کا ٹھیکہ بھی دے دیا گیا' جس سے آپ نے خاصا روپیہ کمایا۔ اس چھاپہ خانہ کا نام دہلی گزٹ پریس تھا۔ یہاں سے دہلی گزٹ اخبار بھی نکلتا تھا۔ لاکھوں روپیہ کا کارخانہ تھا۔ سید محمد عظیم صاحب کی رائے کی قدر کی جاتی تھی۔ قدر و منزلت ان کی عروج پر

پہنچ گئی۔ رؤساء و دیگر شرفائے شہر کے ساتھ خاندانی لحاظ سے تو تعارف تھا ہی، مطبع کے اعلیٰ کارکن ہونے کی وجہ سے حلقہ احباب میں مزید وسعت ہو گئی۔ خاندان میں جب کوئی روزگار کی خواہش کرتا تو عظیم صاحب کے والد بزرگوار اسے سید عظیم صاحب کے پاس بھیج دیتے۔ ان کے چچازاد بھائی عبدالحکیم صاحب آگرہ والے (جو جناب خان بہادر پروفیسر مولوی ذکاء اللہ صاحب کی ہمشیرہ سے بیاہے ہوئے تھے)، ان کے برادر نسبتی میر عنایت علی صاحب اور ہم زلف مرزا محمد بیگ صاحب اور حقیقی بھائی محمد حفیظ اور دیگر بے شمار لوگ ان کے شاگرد اور زیر بار احسان تھے۔

سید محمد عظیم صاحب جس وقت دہلی گزٹ پریس میں تھے، تو انہیں پتہ چلا کہ آگرہ کے نزدیک سکندرہ آرفن پریس فروخت ہونے لگا ہے۔ پنجاب پر سرکار برطانیہ کا قبضہ ہوا تو انہوں نے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ سکندرہ آرفن پریس خرید کر لاہور میں مطبع جاری کریں گے، چنانچہ حکام سے سودا طے کر کے لاہور تشریف لائے اور مطبع کے لیے جگہ کا انتخاب کیا۔ یہ ایک شاہی محل تھا جو نولکھا کے نام سے مشہور تھا اور شہر سے باہر واقع تھا۔ اس میں محل کے علاوہ کئی ایک حویلیاں اور متعدد اندرونی صحن تھے۔ ان سب کے باہر جنوب کی طرف کھنڈر تھے۔ مشرق کی جانب بہت سی سفید زمین تھی اور تین اطراف میں لوگوں کے کھیت تھے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں اب لاہور ریلوے سٹیشن واقع ہے۔ یہ جائیداد آپ نے خرید لی۔ یہ مرحلہ طے کرنے کے بعد آپ دہلی سے ہوتے ہوئے آگرہ تشریف لے گئے اور سکندرہ آرفن کا تمام ساز و سامان اور مطبع کے لیے حسب ضرورت ملازمین ساتھ لے کر واپس لاہور تشریف لائے۔ سامان باربرداری اس قدر تھا اور اتنے لوگ ہمراہ تھے کہ جس گاؤں سے گزر ہوتا، لوگ یہی سمجھتے کہ کوئی غنیم آ گیا ہے۔ اسی محل میں مطبع جاری کیا گیا۔ ۱۸۴۸ء میں جاری ہونے والے اس مطبع کو پنجاب کا اولین مطبع قرار دیا گیا ہے۔ اس کا نام "لاہور کرانیکل" رکھا گیا۔ اس میں فارسی اور انگریزی کے الگ الگ شعبہ جات تھے، جن کے مہتمم اور کارکن بہت قابل افراد تھے۔ ان میں سے اکثر وہ یورپین، بنگالی اور ہندوستانی شرفاء تھے، جو سکندرہ آرفن پریس میں ملازم تھے یا جنہیں دہلی سے بلایا گیا تھا۔ ان کی تنخواہیں خاطر خواہ تھیں۔ مطبع کا ایک وسیع گودام تھا۔ اسی طرح دفتری خانہ، مستری خانہ اور لوہار خانہ میں چیدہ چیدہ اشخاص متعین تھے۔

اس مطبع سے ایک انگریزی روزنامہ اخبار "دی لاہور کرانیکل" کے نام سے جاری کیا گیا جو بعد ازاں سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کے نام سے ۱۹۶۳ء تک شائع ہوتا رہا۔ یہ نہایت اعلیٰ

درجے کا اخبار تھا۔ مسٹر ولبی مینجر اور مسٹر کوپ اس کے ایڈیٹر تھے۔ کوئی دفتر یا سرکاری محکمہ ایسا نہ تھا جس کا مطبع سے واسطہ نہ پڑتا ہو۔ معمولی سے اعلیٰ طباعت کا کام اس مطبع میں ہوتا تھا۔ بڑی بڑی سرکاری رپورٹیں نہایت صحت کے ساتھ چھاپی جاتی تھیں۔ عظیم صاحب خود تمام کاموں کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ انہی کی قابلیت اور مہارت تھی کہ انگریزی اخبار کے علاوہ مطبع کے اہم کام کو برسوں بخوبی نبھایا۔ عظیم صاحب کے بیٹے سید شمس الدین صاحب لکھتے ہیں "ہائی کورٹ لاہور کی لائبریری میں' میں نے کرانیکل پریس کی شائع شدہ ایک سرکاری رپورٹ دیکھی' جو بلحاظ طباعت و اشاعت ولایت کی طبع شدہ کتابوں سے کم نہ تھی"۔

سید شمس الدین صاحب ایک خاندانی دستاویز میں تحریر فرماتے ہیں "دہلی میں حضرت والد صاحب (منشی سید محمد عظیم صاحب) نے مطبع لاہور کرانیکل کے اجراء کے لیے ایک کمپنی قائم کی تھی۔ اس میں بائیس حصے والد صاحب کے تھے اور چند حصے بعض رؤسائے دہلی کے تھے۔ ایک حصہ ڈھائی سو روپیہ کا تھا۔ ان شراکت داروں سے مسٹر ولبی مینجر مطبع نے تنازعہ کرا دیا' جس کی بنا پر والد صاحب نے مطبع کو خیرباد کہہ دیا اور اپنے حامی و مربی سر رابرٹ مانٹ گری صاحب بہادر سابق چیف کمشنر پنجاب و بعدہ' نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب کی زیر حمایت ایک جدید ذاتی مطبع جاری کرنے کا ارادہ کیا۔

اس تفرقہ کی وجہ سے والد صاحب نے نولکھا والا مکان بھی چھوڑ دیا اور اہل خانہ کو لے کر چوک وزیر خاں کے متصل ایک حویلی میں رہائش اختیار کر لی جسے سلطانہ والی حویلی کہا جاتا تھا۔ سلطانہ والی حویلی میں آتے ہی انہوں نے انگریزی پریس اور ٹائپ کے لیے انڈنٹ کیا اور اس کے آنے پر دیوان شنکر ناتھ کے طویلہ' متصل مسجد وزیر خاں میں ۱۸۵۶ء میں مطبع جاری کیا۔ اس مطبع کا نام سر رابرٹ منٹگمری کے مشورہ سے "پنجابی پریس" رکھا گیا۔ تاریخ اجرائے مطبع پنجابی اخبار مورخہ ۲۴ جولائی ۱۸۵۶ء سے ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

قطعہ تاریخ مطبع پنجابی لاہور

از فقیر انور حسین رسول شاہی ہما

از کمال اہتمام منشی عالی ہمم	چوں بنا ایں مطبع پنجابی لاہور شد
سال تاریخ بنائش باہما گفتہ سروش	وہ کہ اشہر مطبع پنجابی لاہور شد

(۱۲۷۳ھ)

یہاں سے ایک اردو اخبار "پنجابی" بھی جاری کیا گیا جو ہفتہ میں دو بار اور پھر ہفتہ وار شائع ہوتا تھا۔ منشی محمد عظیم صاحب اس کے ایڈیٹر تھے' جبکہ مرزا محمد اکبر سیتانی خاور کو معاون ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ منشی محمد عظیم صاحب نے ایک عربی اخبار "نفع عظیم" جاری کیا' جو ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا تھا۔ حضرت والد صاحب کے شاگردوں اور ملازموں میں سے گریگری صاحب نے اپنا الگ مطبع جاری کیا جس کا نام انہوں نے "دامن گیر" رکھا۔ منشی عزیز الدین صاحب مطبع وکٹوریہ پریس کے مالک ہوگئے مگر والد صاحب کی اسی طرح عزت کرتے تھے اور خود کو ان کا نمک خوار سمجھتے تھے۔ اسی طرح مسٹر کینیڈی' جو پرنٹر تھے' انہوں نے ایک عرصہ کی ملازمت میں اس قدر ثروت پیدا کی کہ اپنا الگ انگریزی مطبع جاری کیا لیکن بہت زیادہ شراب پینے لگے اور اسی وجہ سے انتقال کر گئے۔ ان کے علاوہ بھی کئی افراد نے خاصا نام کمایا"۔

"۱۸۶۱ء میں قانون تعزیرات ہند جاری ہوا۔ اسی سنہ میں سید محمد عظیم صاحب کو سید محمد لطیف صاحب کی شادی کے سلسلے میں دہلی جانا پڑا' جن کی شادی قاضی ولی جان صاحب کی دختر سے قرار پائی تھی۔ اس دوران منشی محمد عظیم صاحب نے پنجابی اخبار' جو طویلہ دیوان شنکر ناتھ میں جاری کیا گیا تھا' اس خیال سے بند کر دیا کہ ان کی عدم موجودگی میں کہیں کوئی غلط بات نہ چھپ جائے"۔

کاروبار میں وسعت ہوئی تو سید محمد عظیم صاحب نے چھاپہ خانہ 'کٹڑہ تار کشاں والا میں ایک وسیع مکان میں منتقل کر دیا۔ پریس میں انگریزی اور ہندی کے ٹائپ تھے۔ اردو اور فارسی کے لیے کاتب اور محرر تھے' نیز مستری خانہ' دفتری خانہ اور جلد سازی کا بھی انتظام تھا۔ فارسی اور انگریزی میں طباعت کے لیے مشینیں الگ الگ نصب تھیں۔ یوں تو سبھی قسم کی چھپائی کا کام اس مطبع واقعہ کٹڑہ تار کشاں والا میں ہوتا تھا۔ انگریزی اور فارسی قوانین' اہل ہنود و اسلام کی مذہبی کتابیں' سرکاری محکمہ جات کے مختلف فارم اور رپورٹیں بزبان انگریزی' سررشتہ تعلیم کی کتابیں وغیرہ سب کچھ چھپتا تھا لیکن سب سے عجیب اور منفرد ایک کتاب "نغمہ صنم" چھاپی گئی' جو علم موسیقی کی اولین کتاب تھی۔ اس کتاب کے مصنف دیوان محمد مردان علی خاں رعنا تھے۔ دیوان صاحب علم موسیقی کے استاد تھے اور نغمہ صنم میں انہوں نے تمام راگ' راگنیوں اور گیتوں کو مفصل بیان کیا تھا اور نقشہ جات و تصاویر کے ذریعے ان کو عام فہم کر کے دکھایا تھا۔

اس وقت فقیر نور الدین صاحب حرم نہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ذہانت اور حاضر

جوانی کا ایک واقعہ سید عظیم صاحب کے فرزند سید شمس الدین صاحب بیان کرتے ہیں۔
"ایک موقع پر لارڈ کیننگ صاحب بہادر گورنر جنرل نے ازراہ تضحیک فقیر نور الدین صاحب سے پوچھا کہ مہاراجہ کی کون سی آنکھ کانی (کانڑی) ہے۔ تو فقیر نور الدین صاحب نے جواب دیا کہ مہاراجہ صاحب کی ہیبت اور شوکت کی وجہ سے آج تک فقیر کو اس امر کی تمیز نہیں ہوئی۔ قصہ پنجاب سنگھ' مصنفہ مولوی کریم الدین صاحب مرحوم ان دنوں سرکاری مدارس میں مروج تھا۔ اس میں یہ قصہ درج ہے۔ قصہ پنجاب سنگھ میں نے مدرسہ واقع حویلی راجہ دھیان سنگھ میں پڑھا تھا"۔
"منشی عظیم صاحب نے پنجابی پریس سے اردو کے ساتھ ایک انگریزی اخبار "دی پنجابی" کے نام سے شروع کیا جو ہفتہ میں تین بار شائع ہوا کرتا تھا۔ اعلیٰ یورپین اس کے مضمون نگار تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران اس کا ہفتے میں تین بار شائع ہونا بھی ناکافی ثابت ہوا تو حسب ضرورت روزانہ صبح اور شام بلکہ شب کے وقت موقع جنگ سے خبریں بذریعہ تار آتیں اور فوراً طبع ہو کر بذریعہ سانڈنی سوار تقسیم کی جاتیں اور بذریعہ ڈاک بیرون جات میں روانہ کی جاتیں۔ ان اضافی پرچوں کی اشاعت بلکہ خود اخبار کی اشاعت پر بے اندازہ روپیہ خرچ ہوتا لہٰذا کچھ عرصے کے بعد اسے بند کر دیا گیا۔ اخبار پنجابی (اردو) سنجیدہ مذاق کی ترجمانی کرتا تھا۔ مذہبی اور ذاتی بحث سے گریز کیا جاتا تھا۔ اس میں زیادہ جگہ خبروں کو دی جاتی تھی۔ نیم سیاسی مضامین' موسم کا حال اور بیرونی خبریں بھی شائع ہوتی تھیں۔ سادگی اور عمدگی میں یہ اخبار اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھا۔ بعد میں محمد عظیم صاحب نے انگریزی طباعت کا کام ترک کر دیا اور فارسی و اردو چھاپہ خانہ اور رہائش اس کوچے میں منتقل کر دی جو بازار حکیماں کے ساتھ ٹبی کے سامنے واقع ہے اور ان کے صاحبزادے کے نام پر "بازار جج محمد لطیف" کے نام سے مشہور ہے۔ جس حویلی میں آپ منتقل ہوئے' وہ "حویلی جج صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۶۱ء میں اخبار "پنجابی" کی اشاعت معطل کر دی گئی لیکن ۱۸۶۵ء میں اس کا دوبارہ اجرا کیا گیا' جس کے بعد یہ اخبار ۱۸۹۰ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا"۔
"جب مسٹر پرنپ' صاحب بہادر کمشنر بندوبست نے ضلع امرتسر کے کل دیہات کے شجرہ ہائے کشوار کی چھپائی کا ٹھیکہ منشی محمد عظیم صاحب کو دیا تو اس کے لیے سید محمد عظیم صاحب خود ایک شاخ مطبع کی لے کر امرتسر تشریف لے گئے اور کرمو نکی ڈیوڑھی میں مطبع جاری کیا اور وہیں سب کام مکمل کیا۔ ان دنوں میں سید عظیم صاحب کی آمدنی ایک لاکھ روپیہ ماہوار سے بھی زائد تھی۔ علم و فضل کی بنیاد پر اور اخبارات کے ناشر ہونے کے باعث سید عظیم صاحب

کا شمار شہر کے ممتاز ترین افراد میں ہوتا تھا۔ پنجاب میں صحافت کے بانی کے طور پر ان کا مقام مسلم ہے"۔

ایک خاندانی دستاویز کے مطابق "سید محمد عظیم صاحب بہت زیادہ عبادت گزار تھے اور ہر دم اللہ سے رجوع رکھتے تھے۔ دہلی میں سکونت کے ایام میں ان کے رفیقان طریقت میں سے دو صاحبان حافظ محمد بخش صاحب اور حافظ محمد حسین صاحب ان کے ہمراہ دہلی شہر کے باہر بیابانوں میں نکل جاتے اور وہاں عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ اس زمانہ میں انہیں کئی مرتبہ ایسی جماعتوں کی زیارت بھی نصیب ہوئی، جو نماز پڑھتی نظر آئیں مگر پھر اچانک نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔ اسی دوران انہیں آقائے دو جہاں سرور کائنات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت باسعادت نصیب ہوئی"۔

منشی عظیم صاحب چھریرے بدن کے مالک تھے۔ غذا بہت کم تھی۔ انہیں کیمیاگری اور ملمع سازی پر بھی خاصا عبور حاصل تھا۔ چند ادویہ مجرب بھی بناتے اور غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بندوق کا نشانہ لگانا اور تیراکی بھی جانتے تھے۔ مہمان و دوست نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ ضرورت مندوں کے لیے ان کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔

جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے بعد، اکثر روسائے دہلی کو لاہور آنے کی ضرورت پڑتی تو ان میں سے اکثر سید عظیم صاحب کے ہاں ٹھہرتے۔ کنبہ پروری سید محمد عظیم صاحب پر ختم تھی۔ ان کے فرزند سید شمس الدین صاحب کے بیان کے مطابق "جناب والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ دوستوں اور احباب کی مدارات میں پانچ سو روپیہ خرچ کر دینا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ ملنسار ایسے تھے کہ غریب سے غریب کے ہاں بھی شادی وغیرہ پر جانا عین باعث راحت سمجھتے تھے۔ بڑی شادیوں پر ان کا خزانچی پانچ سو روپیہ کی تھیلی ہمراہ لے جاتا تھا۔ کوئی دریافت کرتا کہ یہ بوجھ کیوں اٹھا رکھا ہے تو جواب ملتا کہ ابھی خرچ کثیر آن پڑے تو حضرت کو کیا جواب دوں گا۔ ملازمین سے کسی بھی قسم کا نقصان ہو جاتا تو سخت گیری نہ فرماتے تھے۔ ان کے استعمال میں اکثر اشیائے نقرئی مثلاً پان دان، خاصدان، حقہ، پیچوان، تھالیاں وغیرہ رہا کرتی تھیں"۔

سید شمس الدین صاحب ہی کے بیان کے مطابق "سید محمد لطیف صاحب پنجابی اخبار مورخہ ۳۱ جنوری ۱۸۸۵ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ حافظ ثناء اللہ صاحب مرحوم رئیس دہلی کی زبانی ہے کہ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ہمارے خاندان کے وظائف بند کر دیے گئے تھے مگر بادشاہ کو رات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو

سرزنش کی۔ چنانچہ بادشاہ نے فوراً وظائف بحال کر دیے "۔

"یہ اسی عبادت و ریاضت کا اثر تھا کہ عظیم صاحب نے تمام عمر چارپائی پلنگ پر استراحت نہ فرمائی۔ سردیوں میں زمین پر اور گرمیوں میں تخت پر بستر کر کے سوتے تھے۔ سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے تھے۔ دلائل الخیرات اور قصیدہ بردا شریف آپ کا ورد تھا۔ قرآن پاک سے آپ کو دلی محبت تھی۔ میاں قادر بخش صاحب نابینا امام مسجد کا بیان ہے کہ کسی شخص کو تلاوت قرآن مجید کرتے دیکھتے اور اس سے کوئی غلطی ہو جاتی تو فوراً اس کی اصلاح فرما دیتے تھے۔ طبیعت اس قدر گداز تھی کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر مبارک آتا تو فوراً آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ کوئی رات ایسی نہ گزرتی ہوگی جب ذکر الٰہی نہ فرماتے ہوں۔ ان کی اہلیہ بھی نہایت عبادت گزار تھیں"۔

سید محمد عظیم صاحب بادشاہ دہلی کے پیر و مرشد حضرت میاں غلام نصیرالدین عرف کالے میاں" کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ کٹڑہ تارکشاں کی سکونت کے زمانے میں نیاز سولہویں کا مختصر سلسلہ جاری رہا۔ سید شمس الدین صاحب کے مطابق "باوجود اختصار سینکڑوں آدمی خمیری روٹی اور دال نخود تناول کرتے۔ تعلیم نسواں کی طرف بھی عظیم صاحب کی خاص توجہ تھی' جس کے صلے میں حکومت نے انہیں خلعت عطا کی۔ حضرت والد صاحب کا معمول تھا کہ ہر سال اپنے مطبع کی چھپی ہوئی کئی سو روپے کی درسی کتب وغیرہ طلبہ کے انعام کے لیے جناب آرنولڈ صاحب بہادر ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم کے حوالے کیا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب وائسریگل درباری تھے۔ گورنر جنرل بہادر اور پرنس آف ویلز وغیرہ کے درباروں میں آپ کو فخر کرسی نشینی حاصل تھا۔

سکونت کٹڑہ تارکشاں میں حضرت والد صاحب ماہوار مشاعرہ منعقد کیا کرتے تھے' جس میں تمام شاعران وقت کے علاوہ اہل شہر کثرت سے شامل ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں اعزا کو شوق شعرگوئی تھا۔ نواب شیخ غلام محبوب سبحانی خلف نواب امام الدین خان صاحب رئیس اعظم لاہور اور اسی درجہ کے اور روٴساء اور شعراء شریک مشاعرہ ہوتے تھے۔ ان کی خاطر مدارات دل کھول کر کی جاتی تھی جو حضرت والد صاحب کا خاصہ تھا۔ برادر مکرم جناب مولوی محمد لطیف صاحب بہادر کو بھی شوق شعرگوئی اسی زمانہ میں ہوا تھا۔ ایک ماہوار رسالہ تخنواران عالی قدر کے کلام کا شائع کیا جاتا تھا۔

اسی مشاعرہ میں دیوان امرناتھ صاحب رئیس لاہور خلف دیوان دیناناتھ صاحب درباری مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی اپنا کلام پیش کیا کرتے تھے۔ ایک کتاب مثنوی بہار عشق مصنفہ دیوان

صاحب موصوف ہے' جس میں اول تو صفت خدا تعالیٰ اور بعد ازاں نعت سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پنج تن پاک درج ہے۔ فرماتے ہیں:

کیا نعت لکھوں میں مصطفےٰ کی — نور حق و جلوہ خدا کی
جو بات کہ فہم میں نہ آئے — کیا اس کا پتہ کوئی بتائے
کیا نعت کہے یہ ذرۂ خاک — حق میں جو ہو تیرے ما عرفناک
اب غنچہ دل چمن چمن ہے — خاک رہ پاک پنجتن ہے

اسی زمانہ کنڑہ تارکشاں میں حضرت والد صاحب علم برداری کیا کرتے تھے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں دہلی لٹ گئی تو وہاں کی لوٹ میں کسی امام باڑہ کے علم و شدے بھی لاہور پہنچے۔ حضرت والد صاحب نے انہیں خرید لیا۔ چند علم ان میں سے پیتل کے تھے' جو سالم ایک پرزہ کے بنے ہوئے تھے۔ باقی علم تانبہ کے تھے' ان پر والد صاحب نے سنہری روغن کرایا اور اپنے کاتب مولوی اسد اللہ صاحب سے ان پر کلمات مناسب بہ خط نسخ و خط نستعلیق تحریر کرائے۔ یہ علم چھڑیوں پر آویزاں کیے گئے اور چھڑیاں ایک قطار میں ایک مصفی فرش چوبی پر' جو چوکیوں کا تھا' رکھے گئے' جن پر کلمات متبرکہ بحروف نقرئی تحریر شدہ تھے۔ مکان کو شیشہ و آلات سے خوب آراستہ اور لوبان وغیرہ سے معطر کیا گیا تھا۔ لاہور میں یہ علم عجوبہ روزگار تھے۔ مجھے یاد ہے کہ نواب نوازش علی خاں صاحب قزلباش ان کی زیارت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ یہ ایک درگاہ تھی جو زنانہ مکان میں تھی۔ مجالس ہائے عزاداری میدان مطبع میں منعقد ہوتی تھیں' جن میں کئی سو آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ تمام مشہور سوز خوان اور تحت اللفظ پڑھنے والے اپنی خوش الحانی سے دلوں کو مسخر کرتے تھے۔ ہمارے ہاں عشرہ کی ساتویں تاریخ کو مہندی بھی اٹھائی جاتی تھی۔ سبیل ایام عشرہ میں جاری کی جاتی تھی۔ یہ سب نتیجہ آسودگی کا تھا۔ ماتم ہمارے ہاں کبھی نہیں ہوا۔ حضرت والد صاحب اہل سنت والجماعت تھے۔ ان کی بیعت بھی خاندان چشتیہ میں تھی"۔

"سلطنت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خاتمہ کے بعد جب گورنمنٹ (حکومت برطانیہ) کا تسلط ہوا اور حضرت والد صاحب لاہور تشریف لائے تو رانی جنداں' مہاراجہ کی بڑی رانی زندہ تھیں اور مہاراجہ کے امراء مثل تیجا سنگھ وغیرہ سب زندہ تھے۔ یہ سب اصحاب حضرت والد صاحب کی خدمت میں تشریف لایا کرتے اور ان کی خاطر مدارات کی جاتی تھی۔ ان دنوں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ شہر کا کوئی حصہ نہ تھا کہ وہاں کے رہنے والے والد صاحب کے پاس ملازم نہ ہوں۔ اس لیے شرفائے شہر والد صاحب کی توقیر و منزلت حد سے زیادہ کرتے تھے۔

امراء تو تعظیم و تکریم سے پیش آتے ہی تھے' حکام والا مقام بھی عزت افزائی میں کمی نہ فرماتے تھے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اس امر کے خواستگار رہتے تھے کہ ان کے انتظام کی بابت کوئی غلط بات اخبار "دی لاہور کرانیکل" میں شائع نہ ہو"۔

"سردار علی رضا خاں کابلی' جنہیں بعد میں گورنمنٹ نے نواب کا خطاب دیا' کے فرزند نواب نوازش علی خاں' اس زمانے میں چنداں آسودہ نہ تھے۔ حضرت والد صاحب کے ساتھ ان کے تعلقات تھے۔ یہ صاحب ہر سال عشرۂ محرم کے موقع پر والد صاحب سے خرچ مجالس عزاداری کے لیے پانچ سو روپے قرض لیا کرتے تھے اور سال بھر میں بتدریج ادا کرتے"۔

"نولکھا میں ہر چاند کی سولہ تاریخ کو والد صاحب نیاز بزرگان کی تقریب سے فیاضانہ دعوت غرباء و مساکین کرتے تھے۔ متوسط طبقہ کے اصحاب کی بھی دعوت کی جاتی تھی۔ کثرت اغذیہ لذیذہ اور مردمان کی مثل ایک شادی کے ہوا کرتی تھی۔

اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ بعد نواب حاجی محمد خان صاحب' نواب صادق محمد خاں صاحب والی ریاست بہاولپور کسی خانہ جنگی کی وجہ سے ثمن برج قلعہ لاہور میں نظربند تھے۔ والد صاحب سے ان کا اس قدر دوستانہ ہوگیا کہ وہ والد صاحب کے پگڑی بدل بھائی بن گئے۔ نواب صاحب کی کئی بیگمات تھیں مگر وہ بے اولاد تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں ثمن برج میں جاتا تو نواب صاحب میدان پریڈ کی طرف کے جھروکوں میں مجھے گود میں لے کر بیٹھے رہتے اور بیگمات' جو پانچ سے کم نہ تھیں' مجھے یکے بعد دیگرے اپنی گود میں رکھنے سے نہ تھکتی تھیں۔ نواب صاحب نے مجھے اپنا بیٹا بنانے کی خواہش کا اظہار کیا مگر والدہ صاحبہ نے انکار کر دیا کہ میں اپنا بچہ کسی کو نہیں دیتی۔

نواب صاحب کو سولہ سو روپیہ ماہوار خرچ ملتا تھا۔ انہوں نے والد صاحب سے استدعا کی کہ ہمارا خرچ آٹھ سو روپے ماہوار ہے' باقی آٹھ سو روپیہ ہمارا آپ جمع کر لیا کریں مگر والد صاحب نے امانت رکھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ شیخ رحیم بخش کلاں سوداگر انارکلی ایک دیانت دار شخص ہے' آپ آٹھ سو روپیہ اس کے پاس جمع کروا دیا کریں۔ چنانچہ نواب صاحب ایسا ہی کرتے رہے۔ عرصہ کے بعد نواب صاحب ثمن برج میں ہی ہیضہ سے فوت ہوگئے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے' نواب صاحب بعلت خانہ جنگی لاہور لائے گئے تھے۔ حضرت والد صاحب اخبار "لاہور کرانیکل" کے ذریعے ان کی بریت ثابت کیا کرتے تھے اور عنقریب یہ معاملہ نمٹ جاتا مگر عمر نے وفا نہ کی۔ نواب صاحب کا وعدہ تھا کہ اگر خدا نے ریاست میں واپس جانے کا موقع دیا تو والد صاحب کو اپنا مدارالمہام کر کے ریاست کے جزوی

و کلی معاملات ان کے سپرد کر دیں گے۔ نواب صاحب کی بیگمات کا انتظام محمد برکت علی خاں صاحب تحصیلدار لاہور کے سپرد ہوا۔ انہوں نے منشی شہامت خاں صاحب کو بیگمات کا داروغہ مقرر کرایا۔ یہ منشی صاحب اس وقت عرضی نویس تھے مگر بعد میں لاہور میونسپل کے کمشنر ہو گئے"۔

دسمبر ۱۸۸۴ء میں سید محمد عظیم صاحب کی طبیعت بگڑ گئی۔ سید محمد لطیف صاحب گورداسپور سے عیادت کے لیے تشریف لائے اور انہیں اپنے ساتھ ہی گورداسپور لے گئے۔ وہاں علاج معالجہ سب کچھ ہوا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بالاخر ۲۷ جنوری ۱۸۸۵ء کو اپنی جملہ اولاد کی موجودگی میں واصل بحق ہوئے۔ جسد خاکی لاہور لایا گیا اور رشید الدین مرحوم (جو آپ کے تیسرے صاجزادے تھے اور صغیر سنی میں ہی انتقال کر گئے تھے) کے پہلو میں قبرستان میانی صاحب میں دفن کر دیا گیا۔ سید محمد لطیف صاحب اور دیگر اقرباء بھی انہی کے پہلو میں آسودۂ خاک ہیں۔

قطعہ تاریخ وفات

از حضرت مرحوم مصنفہ حافظ عمر دراز فائض

مندرجہ پنجابی اخبار مورخہ ۳۱ جنوری ۱۸۸۵ء

صدر افسوس منشی محمد عظیم — کہ باحق ہمی داشت راز و نیاز
ہمیں داشت بر آستین وجود — ہمہ عمر دولت و دین طراز
غنی خاطرش بود از جاہ و مال — دلش پاک بودست از حرص و آز
دل از خلق بردے بخلق عظیم — بد ارچہ زا قران خود سرفراز
چناں ہمتی عالی افتادہ بود — کہ بود اوج گیرای چوں شاہباز
چو من بندگان دارشتہ بسیار بود — بر صادق اطلاق بندہ نواز
پے بیکساں و یتیماں شہر — در دولتس بود پیوستہ باز
بہ توحید و صوم الفتی بیش داشت — ادا کرد حج و زکوٰۃ و نماز
برفت از جہاں ورودہر کسے — اگرچہ زید عمر ہائے دراز
از اخلاف وا قران او ہر کہ ہست — دلش ہست زیں سانحہ در گداز
نجواں سال فوتش از روی عالم — برفت سوئے جنت آں پاکباز

۱۳۰۲ ہجری

قطعہ تاریخ

از مفتی امام بخش صاحب رئیس وٹالہ

شریف الزماں چوں محمد عظیم ز دنیا رواں شد بہ جنت نعیم
ز ترحیل سالش زہاتف نداست مکان ابد بین محمد عظیم
۱۳۰۲ ہجری

قطعہ

از مفتی امام بخش صاحب رئیس وٹالہ

چوں محمد عظیم کرد سفر سوئے عقبیٰ خیال غیر بہشت
سال ترحیل او از ہاتف غیب شد محمد عظیم دین بہشت
۱۸۸۵ عیسوی

قطعہ

از جناب مولوی گل محمد عالی گورداسپور

ز تاریخ حاجی محمد عظیم چہ خوش گفت عالی بازرنگار
سوئے خلدشد عزیز نامدار دریغا کزیں دار ناپائیدار
۱۳۰۲ ہجری

قطعہ

از جناب منشی محمد غیاث الدین نبیرہ حضرت موصوف

چوں جناب حاجی شوکت عظیم ایں جہان پر دغا پدر و دکرد
اشک جاری شندر چشم ناتواں از دل محزوں برآمد آہ سرد

الغیاث از مرگ عظیم الغیاث ‏ از ریاضت بد ہمہ تن حرف درد
بد فنا قبل از فنا اندر جہاں ‏ ذاتش اندر اتقا بودست فرد
رحم مثلش بر مساکین و غریب ‏ حق چنیں ست اندریں آواں کہ کرد
ہاتم گفت کشیدہ روی آہ ‏ جان بحق تسلیم کرد آن نیک مرد
۱۳۰۲ ہجری

قطعہ

از جناب مولوی محمد انور شاہ انور

مقیم امرتسر، ملازم سرکار رامپور

چوں منشی محمد عظیم معظم ‏ نمود انتقال اندریں سال پر غم
ز ہر سمت برخاست شور قیامت ‏ بصد غم جہانے نشستہ بماتم
ز ہر دیدہ بنیم رواں اشک حسرت ‏ ز ہر دل عیاں آہ پر سوز ہر دم
ز رنج و قلق شق گردید دلہا ‏ شد از بار مہجوریش پشت جان خم
مناسب ثمر کانچہ خوانم بدحش ‏ کہ بودہ نجیب و خردمند اعظم
بتحریر و تقریر و فہم و فراست ‏ نبودہ بہ پنجاب مثلش یکے ہم
رشید و وحید و فرید زمانہ ‏ حلیم و علیم و کریم و مکرم
غرض کان خدا بندہ زین بند فانی ‏ رہا گشتہ و شد بقایش مسلم
بہ انور علی گفت سال وفاتش ‏ بود عدن جائے محمد عظیم
۱۳۰۲ ہجری

قطعہ

از حافظ عمر دراز فائض

کرد جہان را وداع منشی محمد عظیم
گشت دل عالمی از غم ہجرش دو نیم

بسکہ بدل داشتی عشق رسول کریمؐ
رخت چو زین دار بست گشت بہ جنت مقیم
سال وصالش نوشت فائض غمگیں چنین
سید آل نبی حاجی محمد عظیم

منشی محمد عظیم صاحب کی زوجہ مبارک کی تاریخ وفات بمطابق "پنجابی اخبار" مورخہ ۲۶ فروری ۱۸۹۰ء سے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

قطعہ تاریخ

از حافظ عمر دراز فائض

جس سے غریب اور یتیم پائیں مراد دل مدام
موت سے اس عفیفہ کے سینہ و قلب چاک ہے
فائض غم رسیدہ شدت و رنج و درد میں
سال وفات لکھ دیا داخل خلد پاک ہے

سید محمد لطیف صاحب نے اپنی تصنیف "تاریخ لاہور" (انگریزی) میں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن کا وہ پیغام بھی نقل کیا ہے، جو انہوں نے منشی سید محمد عظیم صاحب کی وفات پر دیا تھا۔ "ان کا صحافتی کیریئر چالیس سال کی طویل مدت پر پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے ۱۸۴۹ء میں پرانا "کرانیکل" جاری کیا اور بعد ازاں "پنجابی" (اردو) کی اشاعت شروع کی جو مقامی زبان میں پہلا اخبار تھا۔ پنجاب میں صحافت کے بانی کی حیثیت سے ان کے کارناموں اور حکومت کے مقاصد و عزائم کے دانش مندانہ تجزیے کی صوبے سے متعلق ممتاز افراد قدر کرتے تھے"۔

سر لیپل گرفن (Sir Lepel Griffin) کے مطابق "منشی سید محمد عظیم زبردست قوتوں کے مالک تھے۔ ان کی وفات ایک بڑا نقصان ہے"۔ الغرض سید محمد عظیم صاحب ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے خطہ پنجاب میں صحافت کا جو بیج بویا، وہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

تاریخی تحقیق کے شوق نے غالباً سید محمد لطیف صاحب میں آثار قدیمہ، مجسموں اور سکوں

میں دلچسپی کو ابھارا۔ ملتان کی قدیم تاریخ پر ان کے کتابچے میں قدیمی کھنڈرات کے ڈھیروں کی نشاندہی سے آثار قدیمہ میں دلچسپی رکھنے والے افراد آج بھی مستفیذ ہو سکتے ہیں۔ "تاریخ لاہور" میں گندھارا فن کے نمونوں کے عکس بڑی تعداد میں شامل ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کم از کم ایک حد تک فن پاروں کو کسی قوم کے ارتقاء کا مظہر قرار دیتے تھے۔ کلکتہ سے شائع ہونے والے رسائل میں انہوں نے سکوں کے بارے میں متعدد مقالے لکھے۔ اس کے علاوہ لاہور کے عجائب گھر میں موجود مختلف ادوار کے سکوں کے متعلق انہوں نے جس قدر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، وہ شاید ہی کسی اور کتاب میں نظر آئے۔ ان کی اس تحقیق پر حیرت ہوتی ہے جو انہوں نے تاریخ کے اصل حقائق کو سامنے لانے کے لیے کی۔ لطیف صاحب نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر بیان کیا ہے کہ انہوں نے روایتی طریقہ کار سے ہٹ کر تاریخ کے بارے میں تحقیق کی ہے۔ اس سلسلے میں وہ خود بھی کئی مقامات پر تشریف لے گئے۔ آثار قدیمہ کا بچشم خود مشاہدہ کیا، اردگرد کے ماحول کا بغور جائزہ لیا۔ مقامی لوگوں سے رابطہ کر کے عمارات اور آثار کے متعلق قیمتی معلومات جمع کیں۔ سرکاری ریکارڈ میں درج اصل حقائق کو عام قاری کے روبرو پیش کیا، حالانکہ اس سے پیشتر مورخ حضرات زیادہ تر اپنے ذاتی مشاہدہ سے کام لینے کے بجائے لکیر کے فقیر ہوتے ہوئے پہلے سے موجود تاریخی کتب سے ہی استفادہ کو کافی سمجھتے تھے، کسی نئی بات یا تحقیق کے متعلق کوشش کو عبث اور لایعنی خیال کیا گیا۔۔۔ مگر سید محمد لطیف صاحب کی متجسسانہ طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا بلکہ سائنٹیفک طریقے سے تاریخ کے اصل اور مبنی بر حقیقت اور مبالغہ آرائی سے یکسر پاک حقائق اور حالات و واقعات کے متعلق نہایت باریک بینی اور احتیاط سے چھان بین کو اپنا نصب العین بنایا۔ اسی بنا پر انہوں نے کئی تاریخی کتب میں موجود متعدد غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح بھی کی۔ یقیناً یہ کام زبردست اور شبانہ روز تحقیق و جستجو کے بغیر ناممکن تھا۔

سید محمد لطیف صاحب کے انگریز حکمرانوں اور اعلیٰ سول و فوجی افسران و حکام بالا سے گہرے اور دوستانہ مراسم تھے۔ انگریز حکام نے ان کی خوب حوصلہ افزائی کی، لہٰذا اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے انگریزوں کو ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور یہاں کے قیمتی ورثوں اور نوادرات سے روشناس کرانے کے لیے تاریخی کتب (بزبان انگریزی) تصنیف کیں۔ اگرچہ سید محمد لطیف صاحب نے ایک مختصر زندگی پائی مگر اس قدر قلیل عرصہ میں تصنیف و تالیف کا یہ ریکارڈ ہر لحاظ سے شاندار اور لائق تحسین و آفرین ہے اور برصغیر کے مورخین کی صف میں سید محمد لطیف صاحب کا اعلیٰ مقام شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

سید محمد لطیف صاحب کی تحریروں سے ان کی عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں پر قدرت اور استعداد کا ہی پتہ نہیں چلتا بلکہ ان کی مستقل مزاجی اور اظہار رائے میں دیانت داری بھی واضح ہے--- سید لطیف صاحب کے چھوٹے بھائی سید شمس الدین صاحب کے مطابق "جناب بھائی صاحب قبلہ کی طبع مبارک کبھی ظرافت کی طرف مائل ہو جاتی تو وہ چٹکلہ دار مضامین اخبار میں لکھتے کہ اگر انہیں سنیں یا پڑھیں تو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں"۔

ان کے ذاتی خیالات، نظریات اور مشاہدات کا عکس ان کی ہر کتاب میں دکھائی دیتا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے، مسلمان حکومت کے زوال پر انہیں افسوس تھا لیکن وہ اس زوال کی وجہ مسلمانوں کی رجعت پسندی قرار دیتے تھے۔ نسلاً وہ پنجابی نہ تھے، لیکن تحریروں کے حوالے سے انہیں پنجابی قوم پرست کہنا غلط نہ ہوگا۔ وہ رنجیت سنگھ سے ازحد متاثر تھے۔ وہ مغل امراء اور سکھ حکام کے مظالم کو ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے ہر بات کو نہایت دیانت داری اور ہر قسم کے مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر بیان کیا ہے۔

سید محمد لطیف صاحب نے "تاریخ لاہور" لکھی تو اپنی اس کتاب میں ایسی باتوں اور چیزوں کا بھی اضافہ کیا، جس پر مورخین یا تو دھیان نہیں دیتے رہے یا جان بوجھ کر اس سے پہلو تہی کرتے رہے۔ انہوں نے اس خطہ کی قدیم ترین تاریخ کا ذکر کیا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ جدید دور کے متعلق اور اس کی فلاح و بہبود، لوگوں کے رہن سہن اور نئی نئی ایجادات کے بارے میں بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہاں تک کہ دریاؤں، ندی نالوں، پلوں، تاریخی عمارات، سکولوں، کالجوں، سرکاری دفاتر کا تذکرہ کیا ہے تو ساتھ ساتھ اس کے دروازوں، گلی محلوں، بازاروں، چیدہ چیدہ خاندانوں، دستکاریوں، سبزیوں، پھلوں، پھولوں، موسموں، آب و ہوا، میلوں ٹھیلوں، تہواروں، ملبوسات، اہل حرفہ اور دیگر دلچسپیوں کا بڑے خوبصورت اور دلکش پیرائے میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے صرف محاسن ہی بیان نہیں کیے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عیوب کو بھی واضح کیا ہے۔ انہوں نے جنگوں، قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی، ظلم و جبر، محلاتی سازشوں وغیرہ کا حال لکھا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ بادشاہوں اور حکمرانوں کی فیاضیوں، دریا دلی، عوامی فلاح و بہبود، درباری جاہ و جلال، شان و شوکت، چمن آرائی اور عشق و محبت کی داستانوں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ انہوں نے بادشاہوں کے عروج و زوال کی مکمل تصویر اپنی اصل حالت میں پیش کی ہے اور اس میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ سید محمد لطیف صاحب کی خدمات کے پیش نظر ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حقائق کو چھپانے کی ضرورت نہ سید محمد عظیم صاحب نے محسوس کی' نہ سید محمد لطیف صاحب نے اور نہ ہی میں اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں' لہٰذا اپنے دادا سید محمد لطیف صاحب کی نادر کتب کا اردو زبان میں ترجمہ کروا کر دوبارہ اشاعت کا بیڑہ اس مقصد کے تحت اٹھایا ہے کہ نہ صرف اس کتاب' بلکہ سید محمد لطیف صاحب کی دیگر کتب کو عام قاری تک پہنچایا جاسکے اور ان کتب سے صرف ایک مخصوص طبقہ' تاریخ کا طالب علم یا مورخ ہی مستفید نہ ہو بلکہ عام قاری بھی اس چشمہ فیض سے سیراب ہو سکے۔

میری اس ادنیٰ سی کوشش سے نہ صرف میرے بزرگوں کی شبانہ روز محنت کا ثمر حاصل ہو گا بلکہ آنے والی نسلیں بھی اپنے اسلاف کے کارناموں' تاریخی حقائق اور ماضی کے سربستہ رازوں سے واقفیت حاصل کر سکیں گی۔ مجھے امید ہے کہ یہ کاوش تاریخ نگاروں اور اصل تاریخی حقائق کے متلاشی افراد کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کر لے گی اور تاریخ کے طالب علموں کے لیے یہ کتب مینارۂ نور کا کام دیں گی۔

اس مشن کی تکمیل میں جناب آئی اے رحمٰن نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی' رہنمائی اور مدد کی۔ جناب اظہر جاوید نے تراجم پر نظرثانی کی اور مفید مشورے دیتے رہے۔ جناب مرزا محمد شعیب نے ان تراجم کی ابتدا سے تکمیل تک میرا ساتھ دیا۔ جناب افتخار محبوب کا کتابوں کے تراجم میں اور جناب لیاقت علی صاحب مالک ادارہ "تخلیقات" کا اشاعت میں بھرپور تعاون رہا' جس کی بدولت یہ کتاب آپ تک پہنچ سکی۔

سید منہاج الدین

۸-اے شمع روڈ' اچھرہ' لاہور

مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۹۴ء

حصہ اول

ابتدائی دور

باب ۱

پنجاب کے دریاؤں کا بیان

لفظ پنجاب کی ابتداء

یونانی مورخین کا پشاپوٹیمیہ اور ہندوستان کی سلطنت کا شمال مغربی علاقہ پنجاب' اس کے نام کو فارسی زبان کے دو الفاظ پنج (پانچ) اور آب (پانی) سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ نام دراصل اس کو پانچ دریاؤں کے باعث دیا گیا' جنہوں نے اس علاقہ پر نمایاں طبعی اثرات مرتب کئے ہیں۔ شمال کی جانب کوہ ہمالیہ کے بلند و بالا پہاڑی سلسلوں نے اس کو احاطہ کیا ہوا ہے' جو اسے چین' تبت اور کشمیر سے جدا کرتے ہیں۔ مشرق کی جانب دریائے جمنا' شمال مغربی صوبہ جات اور چینی سلطنت ہے۔ جنوب کی طرف سندھ اور ستلج کے دریا ہیں' جو اسے بہاولپور اور راجپوتانہ سے علیحدہ کرتے ہیں اور مغرب کی طرف کوہ سلیمان کا سلسلہ ہے' جو اسے بلوچستان اور افغانستان سے جدا کرتا ہے اور خیبر سے جا ملتا ہے۔ ہمالیہ کے بلند و بالا پہاڑی سلسلوں کے ساتھ شمالی سرحد میں چمبہ' منڈی' سکت اور ناہن کے علاوہ' شملہ کا پر فضا مقام بمع چھوٹی پہاڑی ریاستوں کے شامل ہے اور انتہائی شمال میں مشہور و معروف کانگڑا' ابوالفضل' کانگر کوٹ' بشمول' کلو سیوراج' لاہول' سپتی اور ڈلہوزی موجود ہیں۔ اس سلسلہ کی مغربی جانب مری کی پہاڑیاں اور سرسبز و شاداب ہزارہ کی وادی' ان پہاڑوں کی شان و شوکت میں زبردست اضافہ کر رہی ہیں۔ جنوب مشرق میں واقع دہلی اور حصار کی ڈویژنوں کو' جو پہلے آگرہ کی حکومت کے علاقے کا حصہ تھیں' انہیں ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد مقامی انتظامیہ کی سہولت کے لیے پنجاب میں منتقل کر دیا گیا۔

ملک کے جغرافیائی نقشہ میں اس کا نمایاں مقام

ملک کی جغرافیائی حالت میں سب سے زیادہ اہم خصوصیت اس کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے' جو عظیم الشان دریائے سندھ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ دریا سینکڑوں میل کا سفر طے کرتے اور ہمالیہ کے بلند و بالا پہاڑی سلسلوں سے گزرتے' میدانی علاقوں میں اترتے ہیں۔ زمین کو زرخیز کرتے' جنوب کی طرف اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے' ہندوستان کے نیل' دریائے سندھ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ مشترکہ دریا آخرکار سمندر میں گر جاتا ہے۔ یہ دریا سندھ اور جمنا کے درمیان بہتے ہیں اور سندھ کی مشرقی جانب سے ان کے نام بالترتیب' جہلم' چناب' راوی' بیاس اور ستلج ہیں۔

پنجاب کے نام کے حوالہ سے یہ بات قابل توجہ ہے کہ درحقیقت پانچ کی بجائے چھ دریا ہیں لیکن کیونکہ مذہبی طبقوں کو سندھ سے بڑا خدشہ رہتا تھا اور انتہائی مغرب میں اس کو ہندوستان کی مقدس سرحد سمجھا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے قدیم لوگوں نے اس علاقہ کو موجودہ نام دیتے وقت' اس کو نظر انداز کر دیا تھا۔ ان دریاؤں کا ذکر بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ صوبے کی جغرافیائی حالت میں نہ صرف بہت اہم مقام رکھتے ہیں' بلکہ انتہائی قدیم زمانے سے موجودہ دور تک فوجی' سیاسی اور تجارتی نکتہ نظر سے ان کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

سندھ

دریائے سندھ (۱) اگرچہ ان دریاؤں میں سے ایک ہے' جن کے ناموں کی نسبت سے اس علاقے کو یہ نام دیا گیا۔ ہماری خصوصی توجہ اس لیے اس طرف ہوتی ہے' کیونکہ اس کا منبع بھی دیگر دریاؤں کی طرح ہمالیہ کی چوٹیوں میں ہے اور یہ کابل اور پنجاب میں بہنے والے دریاؤں کا ذخیرہ ہونے کی وجہ سے بھی اہم مقام رکھتا ہے۔ پورے علاقے میں اس کے طویل' پرپیچ اور چکردار راستے کی طرح اور کوئی دریا نہیں ہے اور شمال مغرب کی جانب سے نیم وحشی قوموں کے دور سے اس کو ہندوستان کے راستے میں ایک زبردست رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ انتہائی مغرب اور شمال کی طرف سے آنے والے فاتحین ہندوستان کے زرخیز علاقوں کو فتح کرنے کے لیے اس رکاوٹ کو عبور کرنا پہلا قدم سمجھتے تھے' جبکہ سیاحوں اور مورخین نے مشرق اور مغرب کے ملکوں کے ساتھ اس کے روابط کی اہمیت کا اندازہ لگایا ہے۔ اس کے تند و تیز اور گرجدار بہاؤ اور اس کی وسعت نے ہندوؤں کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ شیر کے منہ سے نکلا ہے۔(۲) شیر کے منہ کی مناسبت سے وہ اس

کے منبع کو ''سنہ کا باب'' کہتے ہیں۔ یہ دریا ان کے دیوتاؤں کی آماجگاہ اور شیوا کی جنت، ہندو دیومالا کے اولمپس، ہمالیہ کے سلسلہ کیلاسہ میں غیر دریافت شدہ علاقے کنری، کنگری یا کانتیسی سے نکلتا ہے۔ یہ سطح سمندر سے ۲۲ ہزار فٹ بلند ہے۔ اس کی چوڑائی ۳۱ ڈگری ۲۰ فٹ شمالاً اور لمبائی ۸۱ ڈگری ۳۰ فٹ شرقاً'' ہے۔ اس کا منبع کیلاس کی شمالی ڈھلان میں ہے۔ یہ چینی قصبے گوری ٹوپ یا گری سے زیادہ دور نہیں اور جھیل راون راڑ سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ پہاڑوں کے درمیان اس کے راستے کے بارے میں یورپی سیاحوں، مورکرافٹ، ٹریبک، وگنے اور جیرارڈ نے بڑی احتیاط سے پتہ چلایا ہے۔ جبکہ قوم اس کے منصوبوں کے بارے میں مشہور زمانہ سیاح الیگزینڈر برنز کی طرف سے مہیا کردہ قیمتی معلومات کے سلسلہ میں بھی شکرگزار ہے۔ انہوں نے سمندر سے لے کر اس کے دہانے پنجند تک بحری سفر کیا۔ تبت میں ہمالیہ کے پہاڑوں کی بلند و بالا دیوار کے عقب میں سب سے پہلے اس کا راستہ شمال مغرب کی طرف تقریباً ۱۶۰ میل تک جاتا ہے۔ اس کے راستے میں اس حصہ میں دریا سنہ کا باب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے بعد بائیں کنارے سے دریائے گھار اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ نشیبی جانب کچھ فاصلے کے بعد یہ وادی کشمیر میں داخل ہوتا ہے اور شمال مغربی راستے پر سفر جاری رکھتے ہوئے لداخ کے صدر مقام ''لیب'' میں پہنچ جاتا ہے۔ لداخ سے گزرتے ہوئے اس میں بے شمار بڑی بڑی ندیاں اور پہاڑی نالے شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ کشمیر کی شمال مغربی جانب اسکارڈو کے عقب میں ایک گھائی میں گرتا ہے۔ چنانچہ جنوب کی طرف رخ کرنے کے بعد۔شمال مغربی جانب سے دریائے گلگت جیسا بڑا دریا اس میں آ ملتا ہے۔ یہ کپمانی شگرون کے جنوب میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ تب عظیم سلسلہ کوہ ہندوکش کی نشیبی پہاڑیوں سے گزر کر اس کا بہاؤ اور منہ زور ریلا ۱۲۰ میل تک چٹانی گھاٹیوں، گہری اور تنگ وادیوں، کھردرے اور دشوار گزار راستوں سے ہوتا ہوا دربند تک پہنچ جاتا ہے، جو پنجاب کا شمال مغربی کونہ ہے۔ اپنی بنیاد سے ۸۱۲ میل ہے۔ اس کی چوڑائی ۳۴ ڈگری ۲۵ فٹ شمالاً اور لمبائی ۷۲ ڈگری، ۵۱ فٹ شرقاً ہے۔

چچ کی وادی میں داخل ہونے کے بعد دریائے سندھ کا پاٹ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور یہ کشتی رانی کے قابل ہو جاتا ہے لیکن یہاں زیادہ گہرائی نہ ہونے کے باعث ریتلے کنارے اور جزیرے معرض وجود میں آ جاتے ہیں۔ نشیب کی جانب تقریباً ۴۰ میل کے بعد مغرب کی جانب سے اس میں عظیم دریائے کابل آ ملتا ہے۔(۳) جو کابل کے طاس کو بہاتے ہوئے

اور سفید کوہ ہندوکش اور چترال کی وادیوں کو زرخیز بناتا ہوا' بے شمار چٹانوں کو جلو میں لے لیتا ہے۔ دریائے کابل میں بھی پانی کا حجم دریائے سندھ جتنا ہی بڑا ہے اور اس کا راستہ بھی تند و تیز ہے۔ جب اس کا ملاپ دریائے سندھ سے ہوتا ہے' تو وہ بڑا پرجوش اور پرشور ہوتا ہے۔ موسم سرما میں دریا کوہ سلیمان کے پہاڑوں کی شاخوں کے درمیان تنگ دہانے سے گزرتا ہے تو بہت سے مقامات پر پایاب ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کو عبور کرنے کی کوشش بہت جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کی طغیانی' تندی اور سن کرنے والی ٹھنڈک کے باعث یہ کام بڑا مشکل نظر آتا ہے جبکہ اس میں اچانک سیلاب اور طغیانی بھی آ جانے کا امکان ہوتا ہے۔ ایک موقع پر رنجیت سنگھ دریا کے ایک پایاب مقام سے گزرتے ہوئے بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۲۰۰ سے ۷ ہزار گھڑسواروں پر مشتمل فوج سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ۱۸۰۹ء میں شاہ شجاع نے اس کو دریائے کابل کے سنگم کے مقام سے عبور کیا' لیکن اس کوشش کو انتہائی غیر معمولی سمجھا جاتا ہے۔ ان دریاؤں کے سنگم اور چٹانوں کے درمیان ان کے راستے سے اس قدر تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جب دریا انتہائی خراماں روی اور آہستگی سے گزرتا ہے تو لہریں اور گرداب پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کی آواز سمندر کی طرح پرشور ہو جاتی ہے لیکن معاملہ اس وقت بالکل برعکس ہوتا ہے' جب پانی کا حجم پہاڑوں پر ہونے والی بارشوں اور بلند چوٹیوں پر برف کے پگھلنے کے باعث بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ ایک بہت بڑا گرداب پیدا ہو جاتا ہے' جس کی چنگھاڑ سیاح کو کافی فاصلے پر سنائی دے جاتی ہے حالانکہ اس کے کان اس قسم کے شور کے عادی نہیں ہوتے۔

بپھری ہوئی ندی کشتیوں کو نگل جاتی ہے یا چٹانوں سے ٹکرا کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ کمالیہ اور جلالیہ نام کی دو سیاہ چٹانوں سے ایک کہانی منسوب ہے۔ یہ دریائے کابل کے ساتھ اس کے سنگم سے تھوڑی سی نچلی طرف واقع ہیں اور جو دریا کے درمیان سے باہر نکلی ہوئی ہیں' جس کی وجہ سے یہ راستہ بہت خطرناک ہوگیا ہے۔ ان چٹانوں کو مسلمانوں کے ایک فرقے' جسے روشنائی کہا جاتا ہے' کے بانی پیر روشن کے بیٹوں کمال الدین اور جلال الدین دونوں بھائیوں کے نام سے منسوب کیا گیا ہے' جن کو ۱۶ ویں صدی کے وسط میں شہنشاہ اکبر کے حکم سے ان چٹانوں کی چوٹیوں سے گرا دیا گیا تھا۔ اس فرقے کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے اور اس کی عبادت ضروری نہیں ہے۔ انہوں نے قرآن پاک کو نظرانداز کر دیا اور الہامی مذہب پر ان کا کوئی یقین نہیں تھا کیونکہ روشنائی بدعت کے دو دکیلوں نے روحانی طور پر بہت نقصان پہنچایا تھا' اس لیے مسلمانوں

نے' جو ان کے عقیدوں سے سخت نفرت کرتے تھے' انہوں نے ان چٹانوں کے خطرناک محل وقوع اور اس کی تہہ میں اٹھنے والے گردابوں کے باعث انسانی زندگی کے ضیاع کی وجہ سے ان چٹانوں کو یہ نام دے دیئے۔

لیکن اس کے سیلاب اور تند و تیز طغیانی' برف کے بڑے بڑے تودوں کے ساتھ مل کر بلند و بالا پہاڑوں کو گرا دیتے ہیں اور ان کو اچانک پہلوؤں سے توڑ کر دریا میں پھینک دیتے ہیں' جس کی وجہ سے دریائے سندھ ایک ہنگامہ خیز اور خطرناک دریا بن جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ڈھلوانوں اور ٹوٹنے والی چٹانوں سے رکاوٹیں پیدا ہوتی جاتی ہیں' جس کی وجہ سے جمع شدہ پانی بڑے غیظ و غضب کے ساتھ نشیب کی طرف بڑھتا ہے اور اپنے راستے میں زبردست تباہی پھیلاتا ہے۔ ۱۸۴۱ء میں چٹان گرنے کے باعث زبردست تباہی ہوئی اور دریا کے راستے کے ساتھ بہت نقصان ہوا اور یہ اٹک تک پہنچا۔(۴) ۱۰ر اگست ۱۸۵۸ء کو دریا اچانک ۹۰ فٹ بلند ہوگیا۔

دریائے کابل

دریائے کابل دریائے سندھ پر بڑے مخصوص اثرات مرتب کرتا ہے۔ موخرالذکر کے ساتھ سنگم سے اوپر یہ ۴۰ میل تک کشتی رانی کے قابل ہوتا ہے جبکہ سنگم سے ذرا اوپر ایک تند و تیز اور غضب ناک ریلا دریائے سندھ کو ناقابل عمل بنا دیتا ہے۔ دریائے سندھ کے بالائی راستے اور اس کی شاخوں کے ساتھ اٹک کے مضافات میں مختلف مقامات پر سونا پایا جاتا ہے۔ اٹک(۵) ۳۳ ڈگری ۵۴ فٹ شمالاً عرض اور ۲۲ ڈگری ۱۸ فٹ شرقاً طول پہنچنے پر دریا' جس کو یہ نام اس مقام پر دیا گیا ہے' دوبارہ تنگ راستوں اور حدود میں سمٹ کر ۲۶۰ گز سے ۱۰۰ گز تک رہ جاتا ہے لیکن اس کا بہاؤ گہرا اور تند و تیز ہوتا ہے۔ اٹک کے مقام پر خشک موسم میں دریائے سندھ کو کشتیوں کے پل یا گھاٹ کے ذریعے عبور کیا جاتا ہے۔ پشاور اور افغانستان کو جانے والی بڑی جرنیلی سڑک اس مقام سے گزرتی ہے۔ بعد میں محکمہ ریلوے نے اس پر ایک پل تعمیر کر دیا ہے۔ نشیبی جانب جب یہ پہاڑیوں میں داخل ہوتا ہے تو اس کی چوڑائی مزید کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اٹک سے پندرہ میل نیچے نیلاب کے مقام پر اس کی چوڑائی اتنی کم رہ جاتی ہے کہ پتھر کو بڑی آسانی سے دوسرے کنارے پر پھینکا جا سکتا ہے لیکن اس کے بہاؤ میں بڑی تیزی ہوتی ہے۔ اس مقام سے دریا کا راستہ جنوب اور جنوب مشرقی جانب کوہ سلیمان کے متوازی ہوتا ہے اور پنجاب کی مغربی جانب کے مساوی ہوتا ہے۔ دریا کا بہاؤ' جو اٹک کے دس میل نشیب میں پرسکون' گہرا اور رواں ہوتا ہے'

پتھریلی اور بلند و بالا چٹانوں کے درمیان تند و تیز ہو جاتا ہے اور جب یہ نوکیلی چٹانوں کے اردگرد سے تیزی سے گزرتا ہے تو پانی کی سطح میں زبردست گرداب پیدا ہو جاتے ہیں' جو کشتی رانی کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ اس مقام پر دریا کے پانی کا رنگ نیلے چونے کے پتھر کی پہاڑیوں کے قریب سے گزرنے کے باعث سیاہ سیسے کی مانند ہو جاتا ہے۔ تب سے اس دریا کو اٹک کے ۱۲ میل نشیب میں دریا کے کنارے آباد ایک قصبہ کی نسبت سے "نیلاب" یا "نیلا پانی" کا نام دیا گیا ہے۔(٦) پہاڑیوں کے درمیان سے بل کھاتا ہوا یہ اٹک سے ۱۱۰ میل نیچے کالا باغ پہنچتا ہے اور دوبارہ گہرے' شفاف اور پرسکون دریا کی مانند کوہ نمک کے عظیم الشان سلسلے سے گزرتا ہے۔ کالا باغ سے مٹھن کوٹ تک جنوب کی طرف ۳۵۰ میل کے فاصلے تک پانی کے زور کی وجہ سے عموماً اس کے کنارے کم بلند ہوتے ہیں اور اس کے اردگرد کے علاقے میں جہاں تک نگاہ پہنچتی ہے' پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ اس میں طغیانی موسم بہار میں' کوہ ہمالیہ اور کوہ ہندوکش میں برف پگھلنے سے شروع ہوتی ہے اور موسم خزاں کی آمد پر کم ہو جاتی ہے۔ مٹھن کوٹ سے دو یا تین میل نشیب میں اور ۲۸ ڈگری' ۵۵ عرض شمالاً' ۷۰ ڈگری ۲۸ فٹ طول شرقاً' دریا پنجند (چناب) میں شامل ہو جاتا ہے' جو پنجاب کے دریاؤں کے مشترکہ پانی کو ۱۶۵۰ میل راستے کے بعد یہاں پہنچاتا ہے۔ یہ ملاپ سمندر سے ۴۹۰ میل کے فاصلے پر ہوتا ہے۔ دریائے سندھ کے پنجند کے ساتھ ملاپ سے نشیب کی جانب زمین کی بنجر اور ریتلی نوعیت کے باعث' پانی بخارات میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور بہت زیادہ زمین میں جذب ہوتا رہتا ہے۔ پانی کے کم بہاؤ کی وجہ سے پانی کے ضیاع کو کھلی آنکھ سے واضح طور پر نہیں دیکھا جا سکتا۔ آخرکار دریا بہت سے دہانوں کے راستے بحیرہ عرب میں گر جاتا ہے۔ اس کے مغربی کنارے کے متوازی سندھ سے بنوں کو جانے والی شمالی بڑی شاہراہ سینکڑوں میل تک جاتی ہے جبکہ اس کے مشرقی کنارے پر ملتان سے راولپنڈی کو جانے والی سڑک واقع ہے۔ صوبہ سرحد کے دو بڑے اضلاع ڈیرہ اسماعیل خاں اور ڈیرہ غازی خاں کو یہ دریا قطع کرتا ہے۔ ایک مشرق میں واقع ہے اور دوسرا مغرب میں ہے۔ دریا کی چوڑائی ۴۸۰ سے ۱۶۰۰ گز کے درمیان ہے اور طغیانی میں مختلف جگہوں پر اس کا پاٹ ایک میل سے بھی بڑھ جاتا ہے' جبکہ اس کی گہرائی ۴ سے ۲۴ فٹ تک ہوتی ہے۔

اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود سندھ ایک نہایت شاندار دریا ہے۔ بوکیلو اسے دریاؤں کا شہزادہ کہتا ہے۔ درحقیقت جب اس کے راستہ کی لمبائی اس کی وسعت اور اس کے بہت

سے خصوصی اوصاف کے بارے میں غور کیا جاتا ہے تو یہ دنیا کے دریاؤں میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اورنگ زیب کے دور میں اس کے راستے بہت زیادہ تجارت ہوتی تھی اور ہملٹن، جس نے ۱۷ویں صدی کے اختتام پر سندھ کا دورہ کیا' اس نے اس دریا پر بہت زیادہ آمد و رفت دیکھی۔ اس کاروبار کو بے شمار چھوٹے سرداروں کے ظلم و ستم اور لوٹ مار نے بالکل تباہ کر دیا' جو اس دریا کے ساتھ واقع راستوں پر اپنی بالادستی کا دعویٰ کرتے تھے لیکن انگریزوں کی فتح کے بعد اس کو بہت وسیع پیمانے پر بحال کر دیا گیا۔ ۱۸۳۵ء میں اس دریا میں پہلی مرتبہ بھاپ والی کشتی (سٹیمر) چلائی گئی لیکن جب سے ۱۸۷۸ء میں انڈس دہلی ریلوے ڈیپارٹمنٹ کا آغاز ہوا ہے تب سے سٹیمر یا مقامی کشتیوں کے ذریعے کشتی رانی بہت کم ہوگئی ہے۔ اب محکمہ ریلوے سے وابستہ ایک چھوٹا بحری بیڑا چلایا جاتا ہے۔

دریائے سندھ پر ذوراک یا مسطح پیندے کی کشتیاں' دندھی یا باربرداری کی کشتیاں' کاؤنتھا یا گھاٹ والی کشتیاں اور دندا یا مچھلیاں پکڑنے والی کشتیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ میروں کی جھمپٹی یا ریاستی بجرے' ساگوان سے مختلف شکلوں میں تیار کئے جاتے ہیں۔ دگاہ کو سخت کماندار شکل میں بڑی مضبوطی سے بنایا جاتا ہے۔ اسے کالا باغ سے اوپر طغیانی والے حصوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس دریا میں مچھلیاں اور لمبی تھوتھنی والے مگرمچھ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ساحل کے ساتھ کلبی نیودھی بہت زیادہ استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی آبادی تقریباً دو عنصری (دوغلی) ہے۔ پلا کو مقامی استعمال کے لیے بہت زیادہ مقدار میں پکڑا جاتا ہے اور اسے برآمد کرنے کے لیے خشک بھی کیا جاتا ہے۔ کچھوے' لدھر اور مگرمچھ بے شمار ہیں۔ زیریں سندھ کے ملاح چینیوں کی مانند کشتیوں میں رہتے ہیں۔ زیریں سندھ میں اکثر پلا' جار مسافروں کو دریا کے پار لے کر جاتا ہے جبکہ سکھر میں مشک بہت زیادہ استعمال کی جاتی ہے۔

جہلم

جہلم (۷) جس کو قدیم باشندوں کے "ہائیڈاس پیس" سے منسوب کیا جاتا ہے' جسامت کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہے اور ان پانچ دریاؤں کے انتہائی مغرب میں واقع ہے' جو پنجاب کو سندھ کے مشرق میں قطع کرتے ہیں۔(۸)

یہ ان پہاڑوں سے نکلتا ہے' جو وادی کشمیر کو شمال مشرقی جانب سے احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس کا ماخذ یا منبع' انتہائی دور پہاڑی سلسلے میں لدر ہے۔ اس کی چوڑائی ۳۴ ڈگری ۸

فٹ اور لمبائی ۷۵ ڈگری ۴۸ فٹ ہے۔ جنوب مغربی جانب بہتے ہوئے اس کے راستے میں
جنوب مشرقی جانب سے برنگ آ جاتا ہے اور اس میں سیندرن' وشن اور بہت سے دوسرے
دریا شامل ہو جاتے ہیں' جن کا منبع پیر پنجال پہاڑی سلسلہ میں ہے۔
وشن پیر پنجال میں سطح سمندر سے تقریباً ۱۲ ہزار فٹ بلندی پر واقع "ایک چھوٹی سی
لیکن گہری جھیل "کوسب نگ" میں سے ایک زیر زمین راستے سے نمودار ہوتا ہے۔ یہاں
پر دریا بلند و بالا پہاڑوں کے دامن سے بہت تیزی اور زبردست زور و شور کے ساتھ گزر کر
اپنے راستے میں آنے والی چٹانوں کی رکاوٹ سے راستہ تلاش کرتا ہوا' ان کے گرد گھوم کر
سری نگر کے مضافات میں واقع خوبصورت جھیلوں سے گزر کر' نشیبی علاقے سے بہتا ہوا'
بلند و بالا کناروں کے درمیان مقید ہو جاتا ہے' جو وادی کو اس کے فالتو پانی سے محفوظ رکھتے
ہیں۔ ولر جھیل میں داخل ہونے سے قبل اس میں دریائے سندھ آ شامل ہوتا ہے' جو شمال
کے بلند و بالا پہاڑوں سے نمودار ہوتا ہے۔ یہ مشترکہ دریا بارہ مولا کے تنگ درے کے
راستے برف پوش پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مظفر آباد سے ہوتا ہوا' پکلی کی سرحد تک پہنچ جاتا
ہے۔ یہ درہ کشمیر کے مکمل طاس کے لیے اخراج کا کام دیتا ہے۔ بارہ مولا میں سات
محرابوں پر مشتمل ایک پل اسے قطع کرتی ہے اور یہاں دریا کی چوڑائی ۴۲۰ فٹ ہو جاتی
ہے۔ دریا کا مکمل راستہ اس کے منبع سے بارہ مولا کے زیریں کنارے تک تقریباً ۱۳۰ میل
ہے۔ اس میں سے ۷۰ میل کشتی رانی کے قابل ہے۔ مظفر آباد سے دو کوس نشیب کی
طرف یا اپنے منبع سے ۲۰۵ میل دور شمال کی طرف سے اسی جسامت کا ایک اور دریا "کشن
گنگا" یا سہرہ شامل ہو جاتا ہے' جو بلتستان یا چھوٹے تبت سے نکلتا ہے۔ ایک تنگ چٹانی
راستے کی طرف رخ کرنے کے بعد اور چند کھ اور ڈنگلی سے گزرتے ہوئے یہ امیرپور میں
"گکھر" کے علاقہ میں پہنچتا ہے۔ جنوب کی طرف رخ کرنے کے بعد اپنے منبع سے ۲۵۵
میل کا راستہ طے کرنے کے بعد یہ پہاڑوں کو خیرباد کہہ کر ایک بہت بڑے دریا "اوہندس"
کے قریب پنجاب کے میدانوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں سے سمندر تک یہ کشتی رانی کے
قابل ہو جاتا ہے۔ اس کے اوپر جہاں یہ دریا ریاست کشمیر اور پنجاب کے اضلاع ہزارہ اور
راولپنڈی کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے' وہاں کشمیر سے بہت زیادہ تعداد میں بہائے جانے
والے شہتیروں سے پیدا ہونے والی طغیانی کے باعث اس میں کشتی رانی نہیں کی جا سکتی۔
پہاڑوں کے درمیان سے گزرنے کے باعث اس کے بہاؤ میں بہت زیادہ شدت پیدا ہو جاتی
ہے اور دریا کی چوڑائی ایک سے دو سو گز تک ہو جاتی ہے۔ جہلم کے قصبہ کے مقام پر اس

کی چوڑائی ۴۵۰ فٹ ہو جاتی ہے' جو اٹک کے مقام سے اوپر دریائے سندھ سے زیادہ ہے۔ جہلم سے نیچے دریا مغرب کی طرف رخ کرتا ہے اور جلال پور و مونگہ سے ہوتا ہوا بھیرہ اور خوشاب کے میدانوں میں داخل ہوتا ہے۔ ضلع شاہ پور میں ساہیوال اور گیراٹ کے مقام پر جنوب کی طرف رخ کرنے کے بعد یہ جھنگ کے ہموار اور کشادہ علاقہ میں داخل ہوتا ہے' جہاں باڑیا جنگلوں کی حدود میں آ جاتا ہے۔

زبردست بارشوں کے باعث زیریں علاقوں کے اوپر دریا میں زبردست طغیانی رہتی ہے۔ سیلاب کے اثرات بہت سودمند ثابت ہوتے ہیں کیونکہ زمین کی سطح پر رہ جانے والی مٹی سے زمین بہت عمدہ ہو جاتی ہے اور اس کی پیداواری صلاحیت بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ آخرکار ۴۹۰ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد یہ چناب (۳۱ ڈگری ۱۱ فٹ شمالاً عرض اور ۲۷ ڈگری ۱۲ فٹ شرقاً طول) سے ملتان کے شمال میں تقریباً ۱۰۰ میل کے فاصلے پر شامل ہو جاتا ہے۔ ان دریاؤں کے سنگم کی جگہ "تریموں" کہلاتی ہے۔ یہ "ماگھیانہ" سے ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ دریائے جہلم پر اہم شہر کشمیر یا سری نگر' جہلم' پنڈ دادن خاں' بھیرہ' میانی اور شاہ پور ہیں۔ یہ مشترکہ دریا جو چناب یا چینا کہلاتا ہے' مشرق کی طرف سے احمد پور اور فاضل شاہ کے قریب ۲۶ کوس نشیب میں راوی سے مل جاتا ہے۔ ملتان کے مغرب میں ساڑھے چار میل کا راستہ طے کرنے کے بعد انہیں چناب کا نام ملتا ہے۔ جنوب کی طرف اچ تک بہنے کے بعد "شینی بکری" کے مقام پر یہ گھارا یا ستلج سے مل جاتے ہیں۔ ملتان سے ۵۸ کوس اور بہاولپور سے ۳۲ کوس نشیب میں یہ دریا بیاس سے مل جاتا ہے۔ اس مقام سے مٹھن کوٹ تک ۴۴ کوس مزید آگے یہ دریا آخرکار دریائے سندھ میں گر جاتے ہیں۔ ان پانچ دریاؤں کے مجموعہ کو پنجند (پانچ دریا) کا نام دیا گیا ہے۔ کچھ فاصلے تک سندھ اور پنجند ایک دوسرے کے برابر بہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ تمام دریا ایک بڑے دریا سندھ میں مدغم ہو جاتے ہیں' جو اپنے سنگم کے مقام سے بڑی شان کے ساتھ جنوب مغربی جانب رخ کرتا ہے۔ جہلم کے کناروں پر سکندر اعظم اور پورس کے درمیان جنگ لڑی گئی۔ تقریباً مخالف سمت میں گجرات کے کنارے پر چیلیانوالہ کا موجودہ میدان جنگ ہے۔ دریائے جہلم میں پنجاب کے دیگر تمام دریاؤں سے زیادہ مچھلی اور مگرمچھ کثیر تعداد میں ہیں۔

چناب

زمانہ قدیم کا اسیسائنز چناب (۹) پنجاب سے گزرنے والے باقی پانچ دریاؤں میں سب سے بڑا ہے۔ یہ ۳۲ ڈگری [illegible] شمالاً عرض [illegible] فٹ شرقاً طول میں نمودار

ہوتا ہے۔ ہندوستان کے دیگر اہم دریاؤں کی مانند اس کا منبع بھی کشمیر میں کوہ ہمالیہ کے برف پوش پہاڑوں میں ہے۔ وگنے کے مطابق یہ ایک چھوٹی سی جھیل، جو "چندرا بھاگا" کہلاتی ہے، سے نکلتا ہے اور دریا اپنے راستے کے بالائی حصہ میں، چندرا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ تبت سے شامل ہونے والے دریاؤں کے بعد دریا سطح سمندر سے ۱۳ ہزار فٹ بلندی پر واقع درہ "ریتانکہ" سے بڑے زور و شور کے ساتھ گزرتا ہے۔ شمال کی طرف سے ٹانڈی کے مقام پر ایک کم حجم کا دریا "سورج بھاگا" اس سے آ ملتا ہے، جہاں پر دریا کو "چناب" کا نام دیا جاتا ہے۔ تب شمال مغربی جانب، ۱۳۰ میل کا راستہ طے کرنے کے بعد یہ "کشتوار" تک بڑی تندی و تیزی کے ساتھ بہتا ہے، جہاں سطح سمندر سے ۵ ہزار فٹ بلندی پر شمال کی طرف سے دریائے سیند اس سے مل جاتا ہے۔ جنوب مغربی جانب رخ کرنے کے بعد اور جموں سے اوپر اکھنور سے گزرنے پر یہ کشتی رانی کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ پنجاب کے میدانوں میں چناب کے نام سے ضلع سیالکوٹ میں موضع خیری رہال کے قریب داخل ہوتا ہے۔ چناب کا لغوی معنی چین کا دریا ہے، جو اس خیال کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کا نقطہ آغاز چین کی سرحد کے اندر واقع ہے۔(۱۰) مغرب کی طرف راستہ اختیار کرنے کے بعد یہ وزیر آباد اور رام نگر سے گزرتا ہوا یہ جھنگ کے صحرائی علاقہ میں داخل ہوتا ہے اور دائیں طرف سے "تریموں" (عرض ۳۱ ڈگری ۱۲ فٹ شمالاً اور طول ۷۲ ڈگری ۱۲ فٹ شرقاً) کے مقام پر جہلم سے شامل ہو جاتا ہے۔ آریاؤں نے بیان کیا ہے کہ سنگم پر بہت زیادہ تلاطم خیزی ہوتی ہے لیکن اب دریاؤں کا ملاپ موسم گرما میں بھی ہر قسم کے شور اور خطرے سے مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے۔ حالانکہ اس دوران دریاؤں میں عموماً سیلاب ہوتا ہے۔ راوی یا ہائیڈرولکس فاضل پور سے مزید ۵۰ میل نشیب میں ملتان سے ۵۳ میل اوپر دریا کے بل کھانے کے باعث اس کے ساتھ بائیں جانب سے اچ سے تقریباً ۱۸۰ میل کے فاصلے پر ۳۰ ڈگری ۳۳ فٹ عرض شمالاً اور ۷۱ ڈگری ۴۶ فٹ طول شرقاً میں شامل ہو جاتا ہے۔ ابھی تک جنوب کی طرف راستہ طے کرنے کے بعد یہ ۱۱۰ میل تک ہلکا سا مغرب کی طرف جھک جاتا ہے اور اس میں گھارا یا ستلج اور بیاس کا ملا جلا پانی، عرض ۲۹ ڈگری ۲۱ فٹ اور طول ۷۱ ڈگری ۶ فٹ میں شامل ہو جاتا ہے۔ سنگم کے مقام پر دریا بڑے پرسکون ہیں۔ دائیں یا مغربی کنارے سے چند میل نشیب کی طرف دریائے چناب کا سرخ پانی بائیں طرف یا مشرقی کنارے سے گھارا کے زرد پانی سے نمایاں طور پر مختلف دکھائی دیتا ہے۔ آخرکار ۷۶۵ میل کا راستہ طے کرنے کے بعد یہ مشترکہ دریا ۲۸ ڈگری ۵۵ فٹ عرض

شمالاً اور ۷۰ ڈگری ۲۸ فٹ طول شرقاً میں سمندر سے ۴۵۰ میل کے فاصلے پر دریائے سندھ میں گر جاتے ہیں۔

چناب میں پنجاب کے دیگر دریاؤں کے مقابلہ میں زیادہ تیزی پائی جاتی ہے۔ اس کے کنارے کم اونچے لیکن کشادہ ہیں۔ ان پر بہترین جنگل اگے ہوئے ہیں اور بڑی بڑی ندیاں انہیں سیراب کرتی ہیں۔ پہاڑوں سے ۷۰ یا ۸۰ میل اوپر سے جلال آباد کے گھاٹ سے لکڑی کے شہتیر نشیب کی طرف بہائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ گھارا کے ساتھ اس کے ملاپ پر کوئی شور اور ہنگامہ پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ آریاؤں کے مطابق یہ نیل سے سبقت لے گیا ہے۔ پنجاب کے دریاؤں کو شامل کرنے کے بعد یہ تمیں سٹیڈیا چوڑائی کے ایک دہانے کے ذریعے دریائے سندھ میں گر جاتا ہے۔(۱۱)

راوی

قدیم جغرافیہ دانوں کا ہائیڈروٹس اور ہیروٹیس' راوی (۱۲) پنجاب کے دیگر دریاؤں سے بہت چھوٹا ہے۔ یہ درہ روتنگ کے مغرب میں کچھ فاصلے پر تقریباً ۳۲ ڈگری ۶ فٹ عرض اور ۷۷ ڈگری طول میں جنگل کے نشیبی پہاڑوں میں ضلع کانگڑا میں کلو سے پھوٹتا ہے۔ مغرب کی طرف رخ کرنے کے بعد یہ ایک ندی ببکیر روڈر سے مل جاتا ہے' جو منی میں یا مانی موحیس کے قریب ڈل کنڈ اور گوری کنڈ کے درمیان ایک چشمے سے نکلتی ہے' جس کو ہندو مقدس خیال کرتے ہیں اور یہ دونوں پہاڑی ندی نالوں کے باعث تلاطم کی وجہ سے جنوب مغربی کی طرف انتہائی تندی اور ہنگامہ خیزی کے ساتھ بہتے ہیں۔ ان پہاڑی راستوں میں لوگ اس دریا کو "رائند" کہتے ہیں۔ اس کی تنگ گھاٹیوں سے نکلنے کے بعد یہ شہر چمبہ کے دوسری جانب بہتا ہے۔ اپنے دائیں کنارے پر الانس تک بہتے ہوئے' دارالحکومت سے ۳۰ کوس کے فاصلے پر چمبہ علاقے میں بھاؤنسو سے اس میں لیانگ شامل ہو جاتا ہے۔ یہاں پر اسے راوی کہا جاتا ہے۔(۱۳) جموں سے ۱۰ کوس کے فاصلے پر بدروا کے علاقے میں "تریموں" کے گھاٹ پر دریائے توی اس میں شامل ہو جاتا ہے' جو سیوج کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ تمیں کوس نشیب میں لاہور سے ۱۵ یا ۲۰ کوس کے فاصلے پر اس دریا کو شاہ دولہ پل قطع کرتی ہے۔ یہ راج پور کے قریب میدانوں میں داخل ہوتا ہے۔ اس مقام سے پرانے وقتوں میں لاہور تک تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے تک شاہ نہر کھودی گئی تھی۔ چناب اور وزیر آباد گھاٹ سے راوی پر میانی کا فاصلہ ۵۵ میل ہے۔ میانی کے قرب و جوار میں دریا میں بہت سی ریتلی دلدلیں ہیں۔ اس کے کنارے چھوٹے ہیں لیکن ان پر جنگلات اگے

ہوئے ہیں۔ ضلع گورداسپور میں مادھوپور کے مقام پر باری دوآب نہر کے ہیڈورکس پر مصنوعی نہروں کے باعث دریا کا پانی بہت کم ہوگیا ہے۔ اسی ضلع میں ۱۸۷۰ء میں دریا قصبہ ڈیرہ نانک کے کناروں کو بہانے کے بعد سکھوں کی مقدس خانقاہ ٹاہلی صاحب کو بہا کر لے گیا تھا۔ اس کے کناروں پر سکھوں کے مقدس شہر کو ابھی تک خطرہ ہے۔ پہاڑوں سے نکلنے کے بعد عام طور پر دریا کا راستہ جنوب مغربی جانب ہوتا ہے اور اسی طرف گورداسپور اور امرتسر کے اضلاع میں سے گزرنے کے بعد یہ ضلع لاہور میں داخل ہوتا ہے۔ لاہور شہر کے قریب دریا تین شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک شہر کے قریب بہتی ہے۔ جنوب مغربی راستے کی طرف سفر جاری رکھتے ہوئے' لیکن بعد میں مغرب کی طرف رخ موڑتے ہوئے دائیں کنارے پر ضلع منٹگمری میں اس میں ڈیگ شامل ہو جاتی ہے اور ضلع ملتان سے گزرتے ہوئے آخرکار یہ احمدپور کے قریب ۳۰ ڈگری ۴۰ فٹ شمالاً عرض میں چناب اور جہلم کے مشترکہ دریا میں اپنے منبع سے ۴۵۰ میل اور ملتان شہر سے ۴۰ میل اوپر کے فاصلے پر مدغم ہو جاتا ہے۔ اس مقام کے بعد اس دریا (جو اب چناب ہے) کی طغیانی اور چوڑائی کا خاص طور پر سکندر اور تیمور کے مورخوں نے مشاہدہ کیا۔

راوی کا پانی چناب کے مقابلے میں زیادہ سرخ ہے اور سال میں آٹھ ماہ کے دوران کئی مقامات پر پایاب ہوتا ہے۔ دیگر دریاؤں کے مقابلہ میں اس کی تہہ میں کیچڑ زیادہ ہوتا ہے لیکن اس کے کنارے بلند اور مضبوط ہیں اور صرف چند مقامات پر اس کی چوڑائی میں ۱۵۰ گز سے زائد اضافہ ہوا ہے۔ تاہم اس کی پرپیچی سے کوئی چیز بڑھ نہیں سکتی' جو فاصلے کو دوگنا کر دیتی ہے اور کشتی رانی میں زبردست رکاوٹ ہے۔ چنانچہ لاہور راوی کے دہانے سے صرف ۱۷۵ میل کے فاصلے پر ہے لیکن دریا سے اس کا فاصلہ ۳۸۰ میل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ لاہور سے کشتیوں کے ذریعے غلے کی بہت بڑی مقدار برآمد کی جاتی ہے اور سیلاب کے موسم میں چمبہ کے جنگلوں سے دیودار کے شہتیر نشیبی علاقوں کی طرف بہا کر لائے جاتے ہیں۔

اپنی تہہ میں کیچڑ ہونے کی صورت میں (تقریباً ۱/5 حصہ کیچڑ اور باقی ماندہ ریت ہے) راوی ایک آلودہ دریا ہے اور اس کے کناروں پر ریت جمع رہتی ہے۔ ان میں سے بہت سی ریتلی دلدلوں کی شکل میں ہونے کے باعث بہت زیادہ خطرناک ہیں۔ لاہور کے قریب اس کے کنارے بعض اوقات عمودی شکل میں چالیس فٹ بلند ہو جاتے ہیں۔ دوسرے مقامات پر ان کی بلندی اس سے نصف ہوتی ہے اور اس کے باعث دریا ایک چھوٹی نہر کی طرح

دکھائی دیتا ہے۔ ۱۶۶۱ء میں شہر لاہور کی طرف دریا کا رخ ہونے کے باعث بہت زیادہ خطرہ پیدا ہوگیا۔ بادشاہ اورنگ زیب نے اس کے کنارے کے ساتھ تین میل تک پختہ اینٹوں کا ایک عظیم الشان پشتہ تعمیر کرا دیا۔ اس عظیم پشتے کے آثار اب بھی شہر کے شمال مغربی جانب دیکھے جا سکتے ہیں۔

بیاس

یونانی جغرافیہ دانوں کا ہائی فاسیس، بیاس (۱۴) یا بیاہ، سندھ کو شامل کرتے ہوئے پنجاب کے دریاؤں میں چھٹے نمبر پر ہے۔ یہ پنجاب کے شمال مشرق میں لاہول کے برف پوش پہاڑوں کے درمیان ریتانگ درے کی جنوبی ڈھلان سے سطح سمندر سے ۱۳٬۳۲۶ فٹ بلندی پر عرض میں ۳۲ ڈگری ۲۴ فٹ شمالاً اور طول میں ۷۷ ڈگری ۱۱ فٹ شرقاً نمودار ہوتا ہے۔ "آئین اکبری" میں ابوالفضل نے بیاس کے منبع کو ابیے کنڈ کا نام دیا ہے۔ یہ اکبر کے دور کے پرگنہ سلطان پور میں کلو کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ جنوب کی طرف راستہ اختیار کرتے ہوئے ریتانگ درے سے چالیس میل کے فاصلے تک یہ مغرب کی طرف زبردست تلاطم خیزی اور تندی و تیزی کے ساتھ بہتا ہے۔ مندی اور ناداؤں کے کناروں کے قریب بہتا ہوا سطح سمندر سے ۱۹۲۰ فٹ بلندی پر سنگھول کے مقام پر ضلع کانگڑہ میں داخل ہوتا ہے اور کانگڑہ کے نکاس کے لیے بڑے دریا کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ تب شمال مغربی راستہ اختیار کرنے پر تقریباً ۸۰ میل کے بعد یہ ۳۲ ڈگری ۵ فٹ عرض شمالاً اور ۷۰ ڈگری ۲۵ فٹ شرقاً طول میں سطح سمندر سے ایک ہزار فٹ بلندی پر میرتھات گھاٹ کے مقام پر پنجاب کے میدانوں میں داخل ہوتا ہے۔ ضلع ہوشیار پور میں سوالک کی پہاڑیوں کے گرد گھومنے کے بعد دریا مزید ۸۰ میل کے فاصلے تک پہلے جنوب کی طرف اور پھر جنوب مغربی جانب رخ کرتا ہے اور پہلے پہل ہوشیار پور اور گورداسپور کے درمیان بہتے ہوئے چند میل تک ضلع امرتسر کو چھوتا ہے اور پھر امرتسر اور ریاست کپور تھلہ کے درمیان سرحد کی شکل بناتا ہے۔ اپنے منبع سے ۲۹۰ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس کا چمکدار نیلا پانی امرتسر سے ۳۵ میل جنوب، جنوب مشرقی جانب اور ہری کا پتن سے تین میل اوپر، ستلج کے گدلے پانی سے مل جاتا ہے۔ وزیر بھولر گھاٹ پر ریلوے کی ایک پل اسے قطع کرتی ہے۔

دریا میں اکثر جوار بھاٹا کی شکل رہتی ہے لیکن موسم سرما میں یہ بہت سے مقامات پر پایاب ہوتا ہے۔ اس کی تہہ میں بہت سی ریتلی دلدلیں ہیں۔ جب دریا کا پانی کم ہو جاتا ہے تو بہت سے جزیرے اور [illegible] اپنے سنگم کے مقام پر

بیاس اور ستلج کی جسامت تقریباً ایک جیسی ہے۔ موخرالذکر دونوں سے ذرا بڑا ہے۔ راوی اور بیاس دونوں کا منبع چناب کے مغرب میں ہے۔ اگرچہ میدانوں میں یہ دریا کے مشرق میں بہتے ہیں، جو راوی کے ساتھ ہلال کی شکل بناتا ہے۔

اکبر کی بارہ دری

بیاس اور ستلج کے سنگم کے قریب اول الذکر کے ساتھ ملنے والا دریا کنگر، جھیل کی شکل بناتا ہے، جہاں شہنشاہ اکبر نے بمع تہہ خانوں کے ایک سرد بارہ دری یا شکارگاہ بنوائی تھی۔ اس وقت مضافات کے جنگل شکار اور تعاقب کے جانوروں مثلاً ٹائیگروں، چیتوں ہرنوں اور جنگلی سوروں سے بھرے پڑے تھے۔

قدیم تاریخ میں یہ دریا یادگار کے طور پر مشہور ہے کیونکہ اس نے مقدونیہ کے عظیم فاتح کو مشرق کی طرف بڑھنے سے روکا تھا۔ یہاں پر اس واقعہ کی یادگار کے طور پر ۱۲ عظیم الشان ستون ا-ستادہ کرنے کے بعد اسے ہندوستان کے بدشگون دیوتاؤں سے منہ موڑنا پڑا تھا۔ موجودہ دور میں برطانوی جرنیل لارڈ لیک نے جسونت راؤ ہولکر کا تعاقب کرتے ہوئے بیاس کی طرف پیش قدمی کی اور اس نے ۱۸۰۵ء میں صلح کر لی اور اس سال ۲۴ر دسمبر کو ایک معاہدے پر دستخط کر کے اس معاملے کو ختم کر دیا۔

ستلج

قدیم زمانے کا ہیسوڈرس، ستلج یا سیتلج (۱۵) پنجاب کے دریاؤں میں انتہائی مشرق کی طرف واقع ہے۔ سندھ کی طرح یہ مقدس پہاڑ کیلاس کی ڈھلانوں سے نمودار ہوتا ہے۔ اس کے انتہائی دور فاصلے پر واقع منبع جات عظیم جھیلوں مناسارو ارا اور راون راؤ ۳۰ ڈگری ۸ فٹ عرض اور ۸۱ ڈگری ۵۳ فٹ طول میں مشرق کی طرف سے شامل ہونے والے ندی نالے ہیں۔ ستلج کا منبع سندھ اور برہم پتر، تبت کا سانپو، دونوں کے قریب ہے۔ اس کے مضافات میں واقع چوٹیوں کی بلندی کا اندازہ ۲۲ ہزار فٹ لگایا گیا ہے۔ ۱۵۸۲ء میں لکھتے ہوئے ابوالفضل کہتا ہے کہ اس کا قدیم نام شیتودر تھا اور اس کا منبع چینی سلطنت میں کھبلور کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر تھا۔ ہندو کیلاسا کو اپنے دیوتا شیوا کا پایہ تخت ہونے کے باعث جنت خیال کرتے ہیں۔ پہاڑی بلندی سے سفر شروع کرنے کے بعد ستلج سب سے پہلے گوج کے وسیع و عریض دریا بر آمد راستے میں داخل ہوتا ہے۔ اپنے منبع سے ۱۸۸ میل کے فاصلے پر ہب کے قریب سطح سمندر سے ۸۵۹۲ فٹ کی بلندی پر یہ یا سپتی سے شمال مغربی

جانب ہے' اس میں اپنی جسامت سے کافی بڑا دریا شامل ہو جاتا ہے۔ سیاحوں نے بیان کیا ہے کہ ان دریاؤں کا سنگم بہت عظیم ہے اور قدرت کا ایک زبردست کارنامہ ہونے کے علاوہ دنیا کا ایک عظیم نمونہ ہے۔ ایک گہری اور تنگ چٹانی ندی سے پھوٹنے کے بعد' جو تقریباً زیرزمین ہے' اس کا پرسکون نیلا دھارا زبردست گھن گرج کے ساتھ ستلج کے گدلے پانی سے شامل ہو جاتا ہے۔ سنگم کے مقام سے نیچے دریا اتنا گہرا اور تیز ہو جاتا ہے کہ اگر دس پاؤنڈ کا بھاری بھرکم سیسہ اس میں گرایا جائے تو پھر بھی اس کی تہہ کا پتہ نہیں چل سکتا۔ مزید اسی میل اوپر لنگ کے مقام پر دریا کو آہنی زنجیروں کے ذریعے عبور کیا جاتا ہے۔ رسے کے پل کے لیے اس کی وسعت اور چوڑائی بہت زیادہ ہے۔ لنگ سے کچھ فاصلے پر نشیب میں دریا کی تہہ سطح سمندر سے ۱۰۷۹۲ فٹ بلند ہے۔ یہاں پر مقامی لوگ دریا کو لنگ رنگ کھمپ کہتے ہیں۔ اس کے نیچے اسے مک سنگ کہا جاتا ہے۔ پھر سپنو اور اس کے بعد دوبارہ زیونگتی زیریں علاقے میں ابھی تک سامی ڈرینگ' نشیبی علاقے بساھار میں ستودرا (یا سو ندیوں کا) اور اس کے نشیب میں ستلج کہلاتا ہے اور سندھ کے ساتھ سنگم تک اس کو اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ چین کے علاقہ میں شپکی کے قریب دریا کی بلندی سطح سمندر سے ۱۰ ہزار فٹ ہو جاتی ہے۔ شپکی کے نیچے دریا کے راستے میں چٹانیں اور ندی نالے آ جاتے ہیں اور ایک تنگ ندی میں مقید ہونے کے باعث اس میں تلاطم اور طغیانی پیدا ہو جاتی ہے۔ انتہائی تیزی کے ساتھ رخ تبدیل کرتے ہوئے یہ تقریباً ۱۵۰ میل تک شمال مغربی جانب سفر کرتے ہوئے ان پہاڑی علاقوں سے گزرتا ہے' جہاں انسان کا پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے بعد جنوب مغربی جانب مڑتے ہوئے اور بیرونی ہمالیہ کے کنارے سے گزرتے ہوئے یہ بہت سی ندیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور جب دریا سوالک کے سلسلہ میں پہنچتا ہے تو یہ ندیاں دوبارہ ایک دریا میں شامل ہو جاتی ہیں۔ اس کے شمال میں یا دائیں کنارے پر دریا سے دو یا تین فٹ کے فاصلے پر جوڑے کے مقام پر ۱۳۰ ڈگری فارن ہیٹ کے گرم چشمے پائے جاتے ہیں' جن کے پانی سے گندھک کی زبردست بو آتی ہے۔ بساھار میں شپکی سے رامپور تک ستلج کا اخراج تھوڑی سی استثناء کے ساتھ تقریباً یکساں ہے اور تقریباً ۶۰ فٹ ایک میل میں ہے۔

معلق پل

رامپور میں موسم سرما کے دوران دریا کو مشکوں کے ذریعے عبور کیا جاتا ہے جبکہ موسم برسات کے دوران اسے رسوں کے ایک معلق پل کے ذریعے پار کیا جاتا ہے۔ اس کے

لیے جھولے کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

بلاس پور سے ذرا نیچے ستلج شمال مغربی راستہ اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ دوبارہ جنوب مغربی طرف اور پھر جنوب مشرقی طرف بہتا ہے۔ روپڑ سے چند میل اوپر ۳۰ ڈگری 58 فٹ عرض اور ۷۶ ڈگری ۲۹ فٹ طول میں یہ ہمالیہ کے پہاڑی پشتے سے نکل کر بھربھرے پتھر کے پہاڑوں کے نشیبی سلسلہ **جھجوان** میں داخل ہوتا ہے اور پنجاب کے میدانوں میں ایک وسیع و عریض گدلے دریا کی صورت میں نمودار ہوتا ہے' حالانکہ اب اس کا پہاڑی نیلا رنگ باقی نہیں رہتا لیکن یہ کشتی رانی کے قابل ہو جاتا ہے۔ روپڑ سے سے یہ مغربی راستہ اختیار کر کے دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ لدھیانہ پہنچنے سے قبل یہ دونوں شاخیں دوبارہ مل جاتی ہیں۔ پھلور' جہاں اس کی چوڑائی ۲۱۰۰ فٹ ہے' ستلج وہاں سے تمام موسموں میں کشتی رانی کے قابل ہو جاتا ہے۔ ہری کا پتن کی طرف اپنے راستے پر سفر کرتے ہوئے یہ اپنے منبع سے ۵۷۰ میل کا راستہ طے کرنے کے بعد بیاس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ یہ مشترکہ دریا' جس کو سنگم سے نیچے گھارا کا نام دیا گیا ہے' سندھ کے ساتھ ملاپ پر تقریباً ۲۹ فٹ شمالاً پنجند کی شکل بنانے کے لیے اچ کے مقام پر چناب سے مل جاتا ہے۔

ستلج میں مچھلی بکثرت پائی جاتی ہے اور یہ اپنے سرد پانی کی وجہ سے بھی قابل ذکر ہے۔ اس سے اس کے منبع کی دوری اور بلندی کا پتہ چلتا ہے۔ ۱۸۰۹ء میں انگریزوں اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے درمیان یہ معاہدے کا دریا تھا۔

حوالہ جات

(ا) سندھو (لغوی مطلب سمندر یا پانی کا ذخیرہ) یا سنسکرت کا سندھوس' یونانیوں کا سنتھس' رومنوں کا سندس' چینیوں کا سنتو' ایرانیوں کا ابی سندھ' پلائنی اسے انڈس کہتا ہے۔ ابوالفضل' ''آئین اکبری'' میں اس کے بارے میں اس طرح بیان کرتا ہے: ''کچھ لوگوں کے مطابق سندھ کشمیر اور کاشغر کے درمیان سے نکلتا ہے جبکہ دیگر افراد اس کا منبع خت میں بتاتے ہیں۔ یہ سوات' اٹک (اٹک) بنارس' چانپارا اور بلوچیوں کے علاقوں سے گزرتا ہے''۔ یہاں پر جس بنارس کا حوالہ دیا گیا ہے' وہ مسلمان مورخین کا ''اٹک بنارس'' ہے اور سلطنت کی مخالف سمت میں اوڑیسہ میں واقع ''کٹک بنارس'' اس سے

مختلف ہے۔

(۲) تبتیوں کے خیالات کے مطابق' جو انہوں نے واضح طور پر ہندوؤں سے لیے ہیں' ہندوستان کے دریا مختلف جانوروں کے منہ سے نکلتے ہیں۔ پس سندھ ایک شیر کے منہ سے نکلتا ہے۔ مقدس گنگا مور (مچہ کا باب) کے منہ سے' ستلج ہاتھی (لنگچن کا باب) کے منہ سے اور دریائے تبت گھوڑے (سٹرچک کا باب) کے منہ سے نکلتا ہے۔ ("مور کرافٹ کا سفرنامہ" جلد اول' صفحہ ۲۶۱)

(۳) سٹریبو کا کوفاس اور آریاؤں کا کوفینس۔

(۴) یہ عظیم نقصان مہاراجہ شیر سنگھ کے دور حکومت میں رونما ہوا۔ ایک چشم دید گواہ اس کو یوں بیان کرتا ہے: "اٹک سے کچھ فاصلے کے اوپر بندش کی وجہ سے کئی ہفتوں سے دریا کا بہاؤ کافی ست ہو گیا تھا۔ ایک دن سہ پہر کے وقت دیہاتیوں نے دیکھا کہ شمال کی طرف کالے رنگ کا ایک عظیم الشان بادل آسمان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ یہ آندھی کا طوفان ہے۔ یہ بادل قریب سے قریب تر آتا گیا اور زمین اس کی وجہ سے بری طرح کانپنے لگی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ شاید زبردست زلزلے کے ہمراہ غیر معمولی طوفان بھی ہے۔ اس کے کچھ دیر بعد یہ دیکھنے میں آیا کہ پانی کی ایک بہت بڑی لہر بری طرح گھومتی ہوئی آ رہی ہے اور وہ میلوں تک پھیلی ہوئی اپنے ساتھ ہر چیز کو اڑاتی ہوئی لا رہی ہے۔ لوگوں نے بھاگنا شروع کر دیا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ کچھ لوگ اپنی جان بچانے کے لیے درختوں پر چڑھ گئے۔ ۵ ہزار سے ۶ ہزار تک افراد ہلاک ہو گئے۔ سینکڑوں مکانات تباہ و برباد ہوئے اور ہزاروں لوگ بے گھر ہو گئے۔ اٹک کا قلعہ پانی سے بھر گیا' جو تیسرے روز عظیم جانی و مالی نقصان کے بعد درست حالت میں آیا۔

(۵) اٹک ایک ہندی لفظ ہے' جس کا مطلب رکاوٹ' منع کرنا یا روکنا ہے۔ یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ دریا مغرب کی طرف ہندوستان کی مقدس سرحد تھا اور اس سمت میں ہندوؤں کو اسے عبور کرنے سے روکتا تھا۔ اٹک کا قلعہ دریائے سندھ کے مشرقی یا بائیں کنارے پر کافی بلندی پر دریا کے اوپر واقع ہے۔ خیر آباد کا قلعہ' جس کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے اکبر نے تعمیر کرایا اور کچھ کا خیال ہے کہ نادر شاہ نے بنوایا تھا' اٹک کی مخالف سمت میں دریا کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ اٹک کا قلعہ اکبر نے ۱۵۸۳ء میں دریا کے راستے کی رہنمائی کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ اس کو خواجہ شمس الدین حوافی کی زیر ہدایت اور نگرانی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ متوازی الاضلاع شکل کا ایک چھوٹا سا

قلعہ ہے، جو سامنے کی طرف سے تقریباً ۴۰۰ گز طویل اور دوسری اطراف میں تقریباً اس سے دو گنا ہے۔ اس کی دیواریں چمکدار پتھر کی ہیں۔ قلعہ بہت دلچسپ ہے۔ اس کا محل وقوع تجارتی اور فوجی نکتہ نظر، دونوں لحاظ سے بہت اہم ہے۔ یہ شمال کی طرف سے ہندوستان پر تمام حملہ آوروں کا راستہ رہا ہے اور تین مختلف ادوار میں اسکندر، تیمور اور نادر شاہ کی فوجوں نے اس جگہ سے دریا کو عبور کیا۔ اس راستے کو دریافت کرنے کا سہرا اسکندر اعظم کے سر رہتا ہے، جس نے پہاڑوں سے گزرنے کے بعد اسکندریہ پیرو پتمسانہ، موجودہ شہر قندھار پر پڑاؤ ڈالا اور دریائے سندھ کے مغرب کی طرف کے قبائل کو اطاعت گزار بنانے کے بعد ٹیکسلا، موجودہ اٹک کے مقام پر دریا کو عبور کیا۔ صرف اسی جگہ دریا پرسکون ہوتا ہے اور اس پر پل بنایا جا سکتا ہے۔ خیر آباد کے قریب مخالف سمت میں پرانے زمانے میں گرد و نواح کی زمینوں کو سیراب کرنے کے لیے خٹک قبیلے کے سردار نے ایک نہایت شاندار محرابی نالہ بنوایا ہوا ہے۔ قلعہ کے مغرب میں ۵۰ گز نشیبی جانب، صوفی بزرگ عبدالقادر جیلانیؒ کے دیوان کا مزار ہے۔ قبر پر نصب پتھر کے ایک کونے پر طغرا رسم الخط میں درج عبارت سے ان کے نام شیخ عبدالرحمان اور تاریخ ۱۱۳۲ ہجری یا ۱۷۱۳ء کا پتہ چلتا ہے۔ شمال کی جانب لاہوری دروازہ کے اوپر سفید سنگ مرمر کی تختی پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

سرشاہاں عالم شاہ اکبر - تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

(ترجمہ) "اکبر بادشاہ دنیا کے بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت عظیم ہے اور اس کی شان بلند ہے"۔

عبارت میں ۹۹۱ ہجری، ۱۵۸۳ء کی تاریخ درج ہے۔

مغل بادشاہوں کے دور میں شاہی فوجوں نے اس قلعہ میں چھاؤنی قائم کی۔ رنجیت سنگھ نے اپنی مخصوص عیاری سے ۱۸۱۳ء میں افغان گورنر کو رشوت دے کر اس کا قبضہ حاصل کر لیا اور یہ ۱۸۴۹ء میں برطانوی فتح تک سکھوں کے قبضہ میں رہا۔ ۱۸۴۸ء میں لیفٹیننٹ ہربرٹ نے بڑی دلیری سے اس کا دفاع کیا۔ اس وقت اس پر برطانوی دستے اور توپ خانے کے عملے کا قبضہ ہے۔

(۶) بطلیموس کا نین بیلس یا نیلاب۔

(۷) سنسکرت میں اس کا نام ویداستہ ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کو ویات اور د-لبت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ "آئین اکبری" میں جلال پور کے قریب سکندر اور

پورس کے درمیان لڑائی کے فرضی منظر میں اس کو بیتستا کہا گیا ہے۔ یہ آریاؤں کا ہائیڈاس پیس اور بطلیموس کا بیڈاس پیس ہے۔ تیمور کے مورخ شرف الدین نے اسے دیندن اور کمد دونوں ناموں سے پکارا ہے۔

(۸) شہنشاہ جہانگیر اپنی سرگزشت میں لکھتا ہے: "دریائے **دہبت** کا منبع کشمیر میں ایک چشمہ ہے، جسے ویرناگ کہا جاتا ہے۔ یہ نام ہندی زبان میں ایک سانپ کی نشاندہی کرتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک وقت میں ایک بہت بڑے سانپ نے اس جگہ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اپنے والد محترم کی زندگی میں میں نے دو مرتبہ اس جگہ کی سیر کی۔ یہ شہر کشمیر سے تقریباً ۲۰ کوس کے فاصلے پر ہے۔ یہ چشمہ ہشت پہلو شکل کے ایک طاس سے ابھرتا ہے، جو لمبائی میں ۲۰ گز اور چوڑائی میں بھی ۲۰ گز ہے۔ پجاریوں کے کمروں کے نشانات موجود ہیں۔ پتھر اور بید کے بنے ہوئے بے شمار کمرے مضافات میں موجود ہیں۔ پانی اس قدر صاف اور شفاف ہے۔ اگرچہ اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا لیکن اگر پوست کا ایک بیج اس میں پھینکا جائے تو وہ اس وقت تک دکھائی دیتا ہے جب تک تہہ تک نہیں پہنچ جاتا۔ اس میں بہت عمدہ مچھلی پائی جاتی ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ چشمہ ناقابل پیمائش حد تک گہرا ہے۔ میں نے حکم دیا کہ ایک رسے کے سرے کے ساتھ پتھر باندھ کر اس میں پھینکا جائے۔ چنانچہ پتہ چلا کہ اس کی گہرائی ڈیڑھ آدمی کی بلندی سے زیادہ نہیں ہے۔ حکومت سنبھالنے کے بعد میں نے حکم دیا کہ اس کے گرد پتھر کی دیوار بنا دی جائے اور ایک باغ اس کے اردگرد لگایا جائے اور اس کے درمیان میں بہنے والی ندی کو دونوں جانب سے اسی طرح آراستہ کیا جائے۔ اس طاس کے ہر طرف اتنی شاندار اور خوبصورت عمارات اور ایوان بنائے گئے، جو اس آباد دنیا میں ملنے بہت مشکل ہیں۔ جب دریا موضع بھیور کے نزدیک پہنچتا ہے، جو شہر سے دس کوس کے فاصلے پر ہے تو اس کا پاٹ بہت وسیع ہو جاتا ہے"۔ (ایلیٹ)

(۹) سنسکرت کا چندرا بھاگا یا چاند کا مقدر۔ آئین اکبری کا چندر بھاکا، آریاؤں کا ایسائنز اور بطلیموس کا سینڈابلیس۔ پہاڑوں میں سے گزرنے پر اپنے راستے کے مختلف حصوں میں یہ جندبالا اور شتدو کہلاتا ہے۔

(۱۰) مور کرافٹ اس سے اندازہ لگاتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یونانی نام ایسائنز بھی اس سے خلط ملط ہو گیا ہو۔ ("سفرنامہ" جلد ۱، صفحہ ۱۹۶)

(۱۱) برنز کی کتاب "بخارہ کا سفرنامہ" جلد ۳، صفحہ ۳۰۰۔

(۱۲) بطلیموس کا ایڈرس' آریاؤں کا ہائیڈروٹس' شیو کا ہائیوروٹس' پلائنی کا پھواڈیس' "آئین اکبری" کا اراودی' سنسکرت کا اراوتی (قدیم دیومالائی داستانوں میں یہ نام اندرا کے ہاتھی کا تھا) اور عرب جغرافیہ دان مسعودی کا رائیڈ۔ ضلع منٹگمری میں یہ ایک قبیلے کا بھی نام ہے۔

(۱۳) اس جگہ سب سے پہلے وگنے نے سیاحت کی۔ وگنے کی تصنیف ("کشمیر کا سفرنامہ" جلد ۱' صفحہ ۱۵۳) اور مور کرافٹ کی تصنیف ("ہندوستان اور پنجاب کے ہمالیائی صوبہ جات کے سفر" جلد ۱' صفحہ ۱۲۷) کا موازنہ کیجئے۔

(۱۴) بطلیموس کا بیباسس' پلائنی کا ہاپاسس' آریاؤں کا ہاپاسس اور سنسکرت کا دیاسا۔ رشی کے نام کی وجہ سے یہ ہندوؤں کے قدیم ادب میں بہت شہرت کا حامل ہے۔ اس کا مقامی نام ویپاسا یا بیپاشا' بیاسچا' بیاسس' بیاند اور بیہ یا ویاہ ہے۔

(۱۵) آریاؤں کا سرنگیز' بطلیموس کا زریڈرس' زوادرس یا زیاڑیوس' پلائنی کا سائیڈروس یا کیسیڈرس' سٹریبو کا ہاپانیس' "آئین اکبری" کا شیترور اور ستلج اور سنسکرت کا ستودا' ستادرد یا سوترودرا۔ نشیبی پہاڑی لوگ اسے ستادرو کے نام سے پکارتے ہیں۔ خانوور کے مقامی لوگ اسے زگتی اور تاتاری لینتگ کہا۔ (عام طور پر کہا کا مطلب دریا ہوتا ہے)۔

باب ۲

علاقے کے طبعی خط و خال' اس کا رقبہ' آبادی' آب و ہوا' مصنوعات اور کاروبار

علاقے کی حدود

اپنی جاگیری ریاستوں کے ہمراہ پنجاب کا علاقہ (۱) ایک لاکھ چوالیس ہزار چار سو چھتیس مربع میل رقبہ پر محیط ہے اور فروری ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہ پچیس لاکھ اکسٹھ ہزار نو سو چھپن نفوس کی آبادی پر مشتمل ہے۔(۲) یہ صوبہ' جو لیفٹیننٹ گورنر کے زیر انتظام ہے' ۲۷ ڈگری ۳۹ فٹ اور ۳۵ ڈگری ۲ فٹ عرض شمالاً اور ۶۹ ڈگری ۳۵ فٹ اور ۷۸ ڈگری ۳۵ فٹ طول شرقاً کے درمیان واقع ہے۔ پنجاب کے نقشے کی شکل تقریباً دائرے میں ہے۔ اس کے مرکز میں پنجند اور سندھ کا سنگم ہے۔ اس کے قطر کے انتہائی طرف کوہ سلیمان کا پہاڑی سلسلہ اور دریائے ستلج ہے اور چوڑائی کی انتہائی جانب نصف دائرہ ۳۵ ویں زاویہ کے برابر ہے۔

لاہور

پنجاب کا دارالحکومت لاہور' صوبہ کے تقریباً درمیان میں واقع ہے' جس کو اس نام سے مغلوں کے دور میں پکارا جاتا تھا لیکن آبادی' صنعت و حرفت اور تجارتی لحاظ سے سب سے اہم شہر دہلی ہے' جو ہندوستان کا قدیم عروس البلاد تھا۔

پنجاب ایک وسیع و عریض اور ہموار میدان ہے۔ اس کے شمال اور مغرب میں

پہاڑوں کی بلند و بالا دیواریں ہیں اور یہ جنوب اور مشرق کی طرف سے کھلا ہے۔ اس
علاقے کے شمالی اور جنوبی حصوں کے طبعی خط و خال امتیازی ہیں۔ شمال مشرقی زاویہ کانگڑہ
کے پہاڑی علاقے پر اور شمال مغربی زاویہ یوسف زئی' پشاور' کوہاٹ اور ہزارہ کی وادیوں پر
مشتمل ہے۔ اس کے بڑے دریاؤں کے راستوں' زرخیزی کے تاثر اور خصوصیات کے
بارے میں بتایا جا چکا ہے' نیم پہاڑی علاقوں کی دلکشی میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان کے راستے
میں سرسبز و شاداب وادیاں آتی ہیں اور ان کے گرد برف پوش پہاڑ ہیں۔ جنوبی یا میدانی
حصہ قدرتی طور پر راجپوتانہ کے خشک صحرا اور سندھ کے خشک اور ویران علاقے کی وجہ
سے اسی میدان کی سطح کے برابر ہے۔ یہ میدان دو آبوں میں تقسیم کیا گیا ہے' جو صوبے کو
قدرتی طور پر تقسیم کرتے ہیں۔ یہ دو آب ابھی تک ان ناموں سے مشہور ہیں' جو انہیں
مغلوں کے دور حکومت میں دیے گئے تھے۔ یہ دو آبے اپنے اپنے دریاؤں کے ناموں کے
ابتدائی حروف یا تلفظ کو ملا کر ان کے ناموں سے مشہور ہیں۔ سکندر کے مورخوں نے اس
حقیقت پر غور و خوض کیا۔ انہوں نے اپنی جستجو کا ثبوت مہیا کیا ہے۔ آریا کہتے ہیں کہ
"ملک کا بڑا حصہ ہموار اور میدانی ہے۔ کسی وجہ سے دریاؤں نے اپنے سیلابوں کے دوران
اس طرف بہت زیادہ مٹی دھکیل دی چنانچہ چند علاقوں کے نام ان سے گزرنے والے
دریاؤں کی نسبت سے مشہور ہوگئے"۔ پس بیاس اور راوی کے درمیان کا راستہ' باری دو
آب' راوی اور چناب کے درمیان' رچنا دو آب اور چناب اور جہلم کے درمیان کا علاقہ چج
دو آب کہلاتا ہے۔ ایک طرف سے جہلم اور چناب اور دوسری جانب سے سندھ کے
درمیان کا علاقہ موخرالذکر دریا کے نام سے مشہور ہے اور اسے "سندھ ساگر دو آب" کہا
جاتا ہے۔ پنجاب کے دو آخری دریاؤں بیاس اور ستلج کے درمیان کا علاقہ بست جالندھر
کہلاتا ہے۔ یہ پنجاب کے دو آبوں میں پانچواں ہے اور برطانوی اضلاع' ہوشیار پور' جالندھر
اور مقامی ریاست کپور تھلہ پر مشتمل ہے۔ ان دو آبوں میں باری دو آب میں کھجور بہت
زیادہ اگتی ہے اور یہ مرکزی مانجھا یا سکھوں کا مسکن اور لاہور' امرتسر اور ملتان جیسے بڑے
شہروں پر مشتمل ہے۔

پنجاب کے بارے میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ یہ مکمل طور پر ڈھلانی میدان کی صورت
میں نظر آتا ہے۔ یہ شمال کے بلند و بالا پہاڑوں سے جنوب کے ریتلے ریگستانوں تک جاتا
ہے۔ ڈھلان باقاعدہ اور بتدریج ہے۔ اسی وجہ سے اس کے بالائی حصے معتدل بلندی پر
ہیں۔ پس لاہور اور امرتسر جیسے بڑے شہر سطح سمندر سے ۹۰۰ فٹ بلند ہیں۔ یہ باقاعدگی سے

جنوب مغربی جانب ڈھلان کی صورت میں ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ مٹھن کوٹ ۲۲۰ فٹ کی بلندی پر ہے۔ اس سطح کی مسلسل ہمواری نے بڑے دریاؤں کے راستوں میں لگاتار اور بے شمار تبدیلیاں کی ہیں۔ چنانچہ ستلج اور لدھیانہ کے درمیان ریتلے نشیبی علاقے کے نالوں میں سے ایک پچاس سال پہلے دریا کا راستہ تھا۔ اسی کے باعث ستلج نے ٹھیک طور پر اپنا راستہ تبدیل کیا لیکن صحرا کی طرف رجحان کے باعث ان کے نالوں میں پنجاب کے زیادہ تر دریاؤں کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ریت کے پشتے علاقے کو شمال اور جنوب کی طرف قطع کرتے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دریاؤں کے قدیم راستے رہ چکے ہیں۔ راوی جو چالیس سال پہلے شہر لاہور کی فصیل کے نیچے بہتا تھا' اب شمال کی طرف تین میل کے فاصلے پر نالے کی صورت میں بہتا ہے۔ ستلج جس کا سابقہ راستہ شہر لدھیانہ کے قریب تھا' اب اس کے شمال میں سات میل کے فاصلے پر بہتا ہے۔ چناب جو رام نگر کے ساتھ بہتا تھا' اب اس سے جدا ہو کر چار میل کے فاصلے تک پہنچ گیا ہے اور جہلم میں بھی اسی قسم کی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔

مشرق میں کوئی ملک پانچ دریاؤں کے علاقے جیسی خصوصیات اور اقسام نہیں رکھتا۔ سیاح اس کے سرسبز و شاداب راستوں اور وسیع و عریض سرسبز میدانوں سے گزرتا ہوا انتہائی بنجر اور خشک صحراؤں اور خاردار جنگلوں تک پہنچتا ہے۔ شمالی راستوں سے گزرتے ہوئے وہ پنجاب کو ہندوستان کا باغ خیال کرتا ہے لیکن جیسے ہی وہ جنوب میں جنوب مغربی جانب ویران ریتلی سطح مرتفع جنوب' مشرق میں حصار کے ویرانوں اور بچ دو آب کے بار تک پہنچتا ہے' تو اس کو عجیب و غریب منظر دیکھنے کو ملتا ہے۔ اسے لامتناہی ویرانے' بیابان' کھلے میدان دیکھنے کو ملتے ہیں' جن پر گھاس پھوس اور جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔ دو آبوں کے مراکز میں بے انتہا چراگاہیں ہونے کے باعث یہاں اعلیٰ نسل کے مویشی' بھینسیں' بھیڑیں اور بکریاں پالی جاتی ہیں۔ اونٹ' جو پنجاب اور افغانستان کے درمیان باربرداری کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں' ان لامتناہی چراگاہوں میں پالے جاتے ہیں۔ یہ علاقے کے گھوڑوں کے لیے کثیر چارہ مہیا کرتی ہیں اور ریلوے' بڑے شہروں' قصبہ جات' اور برطانوی چھاؤنیوں کے لیے ایندھن کی لکڑی کا بڑا ذریعہ ہیں۔

اس ویرانے میں یہیں کہیں کوئی قریہ نظر آ جاتا ہے' جس میں نیم وحشی لوگ آباد ہوتے ہیں۔ ان کا گزارہ اونٹنی کے دودھ پر ہوتا ہے لیکن لوگوں کے پر ہجوم مسکنوں سے دور ان ویران راستوں میں قدیم شہروں کے آثار اور دیہاتوں' مندروں' تالابوں' کنوؤں اور

نالوں کے کھنڈرات موجود ہیں، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ علاقہ کسی دور میں منظور نظر اضلاع سے کم تر نہیں تھا۔

کوہ نمک

پنجاب کا عظیم الشان سلسلہ کوہ نمک، کوہ سفید سے نمودار ہو کر مشرق کی طرف دریائے سندھ تک پھیلا ہوا ہے، جو اسے کالا باغ کے مقام پر قطع کرتا ہے اور مشرق کی طرف اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے یہ سندھ ساگر دو آب کے پار پہنچ کر ایک دم قدرے دریائے جہلم کے دائیں کنارے کی طرف مڑ جاتا ہے۔ یہ کوئی زیادہ بلندی پر نہیں ہے، بہت تھوڑی جگہیں ہیں جہاں یہ سطح سمندر سے ۲ ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہوا ہے۔ اس سلسلہ ہائے کوہ میں چٹانی نمک کی بے شمار کانیں ہیں۔ اس میں سوڈیم کلورائیڈ، چونے کے پتھر، بھربھرے پتھر، جپسم اور سخت سرخ مٹی کے ذخائر بھی موجود ہیں۔ جنوبی حصوں میں ریتلے میدان ہیں جبکہ شمال میں سطح مرتفع کا چٹانی اور ڈھلانی خطہ ہے۔ شمال مشرقی سرحد پر مندی قصبہ کے قریب ہمالیہ کے نشیبی پہاڑوں میں سرخی مائل رنگ کے چٹانی نمک کی کانیں موجود ہیں، جو بہت ٹھوس اور بھاری ہوتا ہے۔ ان پہاڑوں میں چونے کے پتھر، بھربھرے پتھر، جپسم، سلیٹ اور بعض اوقات سنگ چینی کے ذخائر بھی مل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوہ نمک میں دیگر معدنیات بھی ملتی ہیں، جن کو سرمہ، پھٹکڑی اور گندھک کے نام دیے گئے ہیں۔ مندی میں لوہا اور عام نمک بھی پیدا ہوتا ہے۔ کھد کے کوہ نمک میں دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر کوئلہ پایا جاتا ہے۔ چناب، کرو اور سون کی تہوں میں تھوڑی سی مقدار میں سونا بھی موجود ہے اور کشمیر میں پیر پنجال کے پہاڑی سلسلہ میں گریفائٹ پایا جاتا ہے۔

آب و ہوا

پنجاب کی آب و ہوا میں گرمی اور سردی میں شدت پائی جاتی ہے۔ ہمالیہ کے جنوبی نشیبی علاقے تک پھیلے ہوئے خطوں میں جنوب مغربی مون سون ہوائیں چلتی ہیں اور بارشیں بہت زیادہ ہوتی ہیں لیکن پہاڑوں اور سمندر سے کافی فاصلے پر واقع مقامات پر گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے اور بارشیں بھی بہت کم ہوتی ہیں۔ ہمالیہ کے خطہ میں ۷۰ سے ۱۲۰ انچ تک سالانہ بارشیں ہوتی ہیں لیکن پہاڑوں کے دامن میں سیالکوٹ، گورداسپور، ہوشیارپور اور انبالہ کے نیم پہاڑی خطہ میں ۳۰ سے ۴۰ انچ تک، شرقی میدانوں میں ۱۴ سے ۲۰ انچ تک، شمال میں مرکزی اضلاع میں ۲۰ سے ۲۶ انچ تک اور مغربی میدانوں میں ۵ سے ۱۱ انچ تک

ہوتی ہیں۔ مون سون کا موسم٬ جس پر خریف اور ربیع کی فصلوں کا انحصار ہوتا ہے٬ جون کے وسط سے ستمبر کے اختتام تک قائم رہتا ہے۔ موسم بہار کی کٹائی کا موسم سرما میں جنوری کی بارشوں پر بہت زیادہ انحصار ہوتا ہے۔ گرم موسم خاص طور پر اپریل سے شروع ہو جاتا ہے۔ موسم گرما میں تپش بہت زیادہ ہوتی ہے٬ جھلسا دینے والی ہوائیں چلتی ہیں٬ زمین میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں٬ سبزہ مرجھا جاتا ہے اور بہت سے درخت پتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ملتان میں انتہائی جنوب مغربی جانب گرمی اس قدر شدت اختیار کر جاتی ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ لاہور میں مصنوعی طور پر ٹھنڈا کئے گئے خیمے میں تھرما میٹر ۱۱۲ ڈگری درجے تک بلند ہو جاتا ہے۔ برنیرؔ عربی صحرا کے جھلسا دینے والے تجربے کے ہمراہ لاہور اور کشمیر کے درمیان آب و ہوا کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ اس موسم میں بڑی اذیت اور تکلیف پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے خوف کا ذکر بھی کرتا ہے کہ ہر صبح کو شام تک ایسے محسوس ہوتا تھا کہ زندگی کا بچنا محال ہے۔ اس کے ساتھیوں میں سے چند سائے میں ہونے کے باوجود گرمی کی شدت سے ہلاک ہوگئے۔ ایک قسم کی گرم ہوا جو بہاولپور اور بلوچستان کے صحراؤں میں چلتی ہے٬ اکثر سیاحوں٬ حتیٰ کہ مقامی باشندوں کے لیے بھی مہلک ثابت ہوتی ہے اور اس کی شدت سے حادثے رونما ہوتے ہیں۔ ستمبر کے وسط میں موسم گرما کی انتہائی تپش میں اعتدال پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اکتوبر کے آغاز میں موسم بدل جاتا ہے اور راتیں قدرے ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ دن ابھی تک گرم ہی رہتے ہیں۔ جنوب میں جب گرمی اپنی انتہا پر ہوتی ہے٬ بادلوں کا ریلا امڈ آتا ہے اور جنوب مغربی مون سون قلیل اطلاع کے ساتھ پھٹ پڑتی ہے۔ طوفان بادو باراں٬ کڑک اور چمک کے ساتھ انتہائی غیظ و غضب کے ساتھ آتا ہے اور عناصر کی اس جنگ کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی ہے٬ جو فضا کو ٹھنڈا اور سبزے کو ہرا بھرا اور تروتازہ کر دیتی ہے۔ یہ خوشگوار موسم برسات تین ماہ تک جاری رہتا ہے۔ موسم سرما٬ جس کو انگریز بھی سرد محسوس کرتے ہیں٬ مارچ کے آخر تک رہتا ہے۔ جنوری کے آغاز میں موسم سرد اور خنک ہو جاتا ہے۔ یخ ہوائیں عام ہیں اور صوبے کے تمام حصوں میں رات کے وقت ہوا میں پانی واضح طور پر منجمد ہو جاتا ہے۔

قدرتی پیداوار

پہاڑوں کے سوا پنجاب کے مقابلتاً" درخت دیسی اور کم مقدار میں ہیں۔ میدانوں میں قدرتی جنگلات نہیں ہیں۔ و[illegible]وں٬ جڑی بوٹیاں اور

جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں' جن میں میموسہ قسم کے ببول کے درخت زیادہ اہم ہیں۔ کھجور کا درخت خاص ہے۔ اس کو خلافت کے ابتدائی دور میں سندھ کے مسلمان حملہ آوروں نے متعارف کروایا۔ جنگلی کھجور' جس کے ساتھ کوئی پھل پیدا نہیں ہوتا اور پیلو جو پھل دیتا ہے' ان کو بار جنگل کے لوگ بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ ریتلے خطوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ بید مجنوں' پیپل اور ون کے درختوں کی کئی اقسام ہیں۔ پنجاب کے جنوب مشرقی حصے میں آم کو بہت زیادہ کاشت کیا جاتا ہے اور ملتان اور ہوشیار پور میں اعلیٰ پیمانے پر اسے تحفظ حاصل ہے۔ دیہاتوں کے مقامات اور قصبوں کے قرب و جوار میں درختوں کے جھنڈ پائے جاتے ہیں۔ ببول یا کیکر' جھاؤ' ٹاہلی' جسے مشرقی ہندوستان میں سیسو کہا جاتا ہے' اس کی مختلف اقسام کو عمارتی مقاصد کے لیے بہت زیادہ استعمال میں لایا جاتا ہے۔ نیم' تلسی' مدر' کرمل' بیر' کریل اور جواسی بھی ملتے ہیں۔ پھلوں کے خود کاشت کئے گئے درخت بکثرت ہیں۔ ان میں سنگترہ' انار' سیب' آڑو' انجیر' شہتوت' بہی' خوبانی' بادام اور آلو بخارہ شامل ہیں۔ جس کا پھل یہاں کے باشندے بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ حکومت نے عمارتی لکڑی کے حصول کے لیے درختوں کی کاشت کو وسعت دینے کے لیے بہت کچھ کیا ہے اور بدیسی پودوں کو متعارف کرانے کے لیے چھاؤنیوں' سرکاری عمارات اور شجرکاری کے لیے موزوں مقامات کے اردگرد درختوں کے وسیع و عریض ذخیرے کاشت کئے ہیں۔ سڑکوں کے اطراف اور نہروں کے کناروں کو سایہ دار درختوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ بعد کے سالوں میں محکمہ تحفظ جنگلات نے نرسریوں کے قیام اور شجرکاری میں توسیع کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ انگریزوں کے ساتھ اس صوبے کے الحاق سے قبل اس کام پر بہت کم توجہ دی گئی۔

صوبے کے حیوانات کو اس کی نباتات سے زیادہ اقسام کے باعث بہت شہرت حاصل ہے۔ جنگلوں میں ہاتھی نہیں پائے جاتے' جن کے بارے میں یونانیوں نے ذکر کیا ہے کہ ہندوستانی فوجوں سے بے قابو ہو کر انہیں یونانی فوجوں کے آگے دریائے سندھ کے کناروں پر بھاگتے ہوئے دیکھا گیا۔ ٹائیگر ابھی تک جنگلوں میں پائے جاتے ہیں اور ببر شیر کبھی بھی جنگلوں میں کمیاب نہیں ہوا۔ شکار کے دیگر جانور چیتے' تیندوے' لکڑ بگڑ' جنگلی بلیاں' بھیڑیئے' ریچھ' گیدڑ' لومڑیاں' نیولے' سمور اور جنگلی جانوروں کی دیگر چھوٹی اقسام بکثرت ہیں۔ اس کے علاوہ نیل گائے' بارہ سنگھا اور ہرن بکروں' جنگلی سور' سیہہ' بندر' بڑے اور پوشیدہ خونخوار' جن کو ہندو مقدس سمجھتے ہیں اور چمگادڑوں کی بے شمار اقسام ہیں۔ پرندوں

میں طوطے، مور، جنگلی مرغ، مرغ زریں، عقاب، گدھ، شکرے، بٹیر، ماہی خور اور ہوپو (کوئل) فاختاؤں کی بے شمار اقسام ہیں۔ بلبل جسے بعض اوقات بلبل ہند بھی کہا جاتا ہے، اس کی شیریں اور مترنم آواز اور خوبصورت وضع قطع کی حافظ شیرازی جیسے شاعر نے بہت زیادہ تعریف کی ہے۔ اگرچہ اس کی آواز میں اپنی یورپی ہم جنس جیسا سوز و ساز نہیں ملتا لیکن ابھی تک اس کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔ زہریلے سانپوں میں زیادہ اہم کوبرا اور ایک چھوٹا سانپ سنگ چور ہے، جس کے کاٹنے سے فوری طور پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ دریا مگرمچھوں سے بھرے ہوئے ہیں اور مختلف اقسام کی مچھلی با افراط ہے۔ ریشم کے کیڑوں کو بڑی مہارت اور کاروباری لحاظ سے پالا جاتا ہے۔ شہد کی مکھیاں، موم اور شہد با افراط پیدا کرتی ہیں۔ اونٹ جنوبی ریتلے گرم میدانوں میں کامیابی سے پالے جاتے ہیں اور دریاؤں کے مضافات میں چراگاہوں میں بھینسوں کے گلے اور ریوڑ پالے جاتے ہیں۔ ملک کے شمال مشرقی حصہ میں عمدہ نسل کے گھوڑے پالے جاتے ہیں اور جو سردار ان کی نسل کشی کرتے ہیں، انہیں ان کی شہسواری کی صلاحیتوں پر بڑا فخر ہوتا ہے۔

زرعی اجناس

زرعی اجناس میں گنا ہر جگہ زرخیز خطوں میں اور درخت نیل کو جنوبی زریں علاقوں میں اگایا جاتا ہے۔ دونوں کو سندھ اور کابل کی طرف بہت زیادہ مقدار میں برآمد کیا جاتا ہے۔ کپاس کو بہت بڑی مقدار میں پیدا کیا جاتا اور برآمد کیا جاتا ہے۔ گندم اور جوار کو وسیع پیمانے پر کاشت کیا جاتا ہے اور ان کی نہایت اعلیٰ اقسام حاصل ہوتی ہیں۔ یہ نہ صرف گھریلو استعمال میں لائے جاتے ہیں، بلکہ ان کی بہت بڑی مقدار کو برآمد بھی کیا جاتا ہے۔ زرعی اجناس میں دوسری اشیاء گیہوں، چاول، جو، باجرا، جوار اور مونگ بھی ہیں۔ تیلی بیجوں میں تل اور سرسوں ہیں۔ مختلف اقسام کے مسور، گاجریں، مٹر، پیاز، شلغم، کھیرے، خربوزے اور کئی قسموں کے لکڑی دار پودے ہیں۔ ناریل اور کھجور کے درخت ملتان، مظفر گڑھ، جھنگ کے اضلاع اور ڈیرہ جات میں گھنے ذخیروں کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ نہروں کے ذریعے وسیع پیمانے پر آب پاشی کی جاتی ہے اور کنوؤں سے پانی نکالنے کے لیے رہٹ استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

ربیع اور خریف کی فصلیں

مذکورہ بالا فصلوں میں گندم' چنا اور جو ربیع میں کاشت کی جاتی ہیں اور باجرا' جوار' دیسی مکئی' چاول' کپاس' دالیں' نیل اور گنا خریف میں کاشت کیے جاتے ہیں۔ لاہور' امرتسر' جالندھر اور راولپنڈی کی ڈویژنوں اور ڈیرہ جات میں گندم وسیع پیمانے پر اگائی جاتی ہے۔ لاہور' انبالہ' گرگاؤں' راولپنڈی اور ڈیرہ غازی خاں کے اضلاع میں کپاس کی کاشت وسیع و عریض علاقے پر کی جاتی ہے۔ شکر پیدا کرنے والے بڑے اضلاع سیالکوٹ' گورداسپور' جالندھر' ہوشیار پور اور انبالہ ہیں۔ نیلگوں پھلیوں کو مکمل طور پر ملتان' مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خاں کے اضلاع میں اگایا جاتا ہے۔ انبالہ' شاہ پور اور کانگڑہ میں پوست کو وسیع پیمانے پر کاشت کیا جاتا ہے۔ چائے شملہ اور کانگڑا کے پہاڑی خطوں میں اگتی ہے۔

زرعی نباتاتی باغات

۱۸۸۲ - ۸۳ء سے صوبے کے زرعی باغات کو براہ راست حکومت کے زیر انتظام کر دیا گیا اور کمشنر آبادکاری و زراعت کی صدارت میں ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا' جس کے فرائض میں حکومت کی جانب سے تجربات کے لیے بیج اور پودے تقسیم کرنا' ماہر مالیوں یا باغبانوں کو تربیت دینا اور صوبے کے صدر مقاموں میں باغات کا انتظام کرنا شامل ہے۔

پنجاب کے جنگلات

پنجاب کے جنگلوں اور ذخائر میں درخت بافراط ہیں۔ دیودار' ہمالیہ کے بلند و بالا پہاڑوں میں ہزارہ' چمبہ' کلو اور بساھار میں اگتا ہے۔ چیل (چیڑ) سوالک اور کانگڑا' ہوشیارپور' گورداسپور اور راولپنڈی اضلاع کے دیگر پہاڑی خطوں میں اگتے ہیں۔ چھوٹا "سال" ضلع انبالہ میں کلیسر کے مقام پر اور کیکر' جنڈ' جال' پھلائی' کریل' بیر اور داخ صوبے کے بار خطوں میں رکھ میدانوں میں اگتے ہیں۔

دستکاریاں

پنجاب کی بڑی منڈیاں لاہور' امرتسر' ملتان اور دہلی ہیں۔ دیسی دستکاریوں میں ریشم' قالین اور اون شامل ہیں۔ نجاری (لکڑی کا کام)' آہن گری اور ہتھیاروں کی تیاری میں اچھی خاصی ترقی ہوئی ہے۔ ابھی تک پنجاب میں بھاپ والی مشینیں متعارف نہیں ہوئیں اور تمام دستکاریاں ہاتھوں سے تیار کی جاتی ہیں۔ پنجاب میں جن صنعتوں کو ترقی مل سکتی

ہے' وہ اونی کارخانے' ریشم کی کھڈیاں اور شکر سازی کا کارخانہ ہے لیکن یہ انگریزوں کے زیر انتظام ہیں اور یورپی تاجروں کی ملکیت ہیں۔

سوتی اور اونی پارچات

پشاور اور لدھیانہ میں سوتی پارچات بہت اعلیٰ معیار کے تیار کیے جاتے ہیں۔ پشاور میں سنہری یا رنگین کناروں والی خانے دار لنگیاں تیار کی جاتی ہیں' جن کو سرحد پر رہنے والے مسلمان پگڑیوں کی صورت میں پہنتے ہیں۔ ان کی اس عادت اور انداز کو پنجاب کے مشرق میں رہنے والے بہت سے معزز مسلمانوں نے بھی اپنا لیا ہے۔ لدھیانہ پٹکوں کی اقسام' لنگیاں' کھیس' ایک دھاری دار کپڑا' جسے گبرون کہا جاتا ہے' دریاں' جین' مختلف اقسام کے خانے دار کپڑے' موٹے اور سفید کھیس' چوتھائی کی اقسام کے لیے مشہور ہے۔ سوسی' ایک دھاری دار سوتی کپڑا' جو زیادہ تر زنانہ لباس میں استعمال ہوتا ہے' بٹالہ میں تیار کیا جاتا ہے۔ جھنگ گہرے نیلے اور سفید خانوں والے بہترین پارچات تیار کرنے کے لیے اور دہلی نہایت عمدہ ململ کے لیے مشہور ہے۔ کھتی ایک عمدہ' چمکدار اور تنگ بنت والا سفید کپڑا' ضلع جالندھر میں راہوں کے مقام پر بنایا جاتا ہے۔

شال کی مصنوعات

بہترین سوت کے قالین ملتان میں اور دریاں انبالہ میں تیار کی جاتی ہیں۔ امرتسر شال تیار کرنے کا مرکز ہے۔ اگرچہ کشمیر جیسی عمدگی اس کام میں نہیں پائی جاتی۔ کانگڑا اور شملہ کی ریاستوں میں خانے دار اور سادی چادریں اور قالین تیار کیے جاتے ہیں بعض اوقات یہ رنگین کناروں یا جھالروں سے مزین ہوتے ہیں۔ بکری کے بالوں سے پارچات اور پتو اونی کھال والا تنگ کپڑا۔ کشیدہ کاری کے کام سے مماثلت رکھنے والا کپڑا' پھلکاری' جو چمکدار ریشم' پھولوں یا دیگر ڈیزائینوں پر مشتمل ہوتا ہے' جن کو گہرے رنگ کی زمین پر بنایا جاتا ہے۔ انہیں امرتسر' سیالکوٹ' ہوشیار پور' گوجرانوالہ' ہزارہ' روہتک' حصار اور وزیری کے علاقوں میں تیار کیا جاتا ہے۔ اس کام کے رومال خواتین پہنتی ہیں۔ دہلی' لاہور اور امرتسر سنہری اور رنگین ریشمی کشیدہ کاری کے کام کے لیے مشہور ہیں۔

چوبی کندہ کاری

امرتسر، دہلی، بھیرہ، سیالکوٹ، جھنگ، شملہ، ہوشیارپور اور بھوانی میں لکڑی کا بہترین کام کیا جاتا ہے اور یہ چوبی کندہ کاری اور جڑاؤ کے لیے بھی مشہور ہیں۔ ہوشیارپور میں شیشم کی لکڑی پر ہاتھی دانت اور پیتل کے جڑاؤ کے کام کو کاروباری لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ گھریلو استعمال کے لیے پیتل کے برتن امرتسر، پنڈ دادن خان، ساہیوال (شاہ پور)، ریواڑی، بھوانی، جگادھری، ہوشیارپور اور کانگڑا میں بڑے وسیع پیمانے پر تیار کئے جاتے ہیں۔ کشمیر کا نائلو کام، امرتسر کا تانبے کا کام، سیالکوٹ اور نظام آباد (نزد وزیر آباد) کا چھری کانٹے اور بندوق سازی کا کام، سیالکوٹ، گجرات اور لاہور کا کوفتگری کا کام اور دہلی کے زیورات اعلیٰ معیار کی وجہ سے شہرت کے حامل ہیں۔ کشمیر میں چاندی، سونے اور تانبے پر نیلے اور سبز رنگوں کی آمیزش سے کیا جانے والا میناکاری کا کام بڑا متاثر کن ہے۔ پشاور کا "مجولیکہ" سامان اس جگہ سے ہی منسوب ہے۔ اس پر ایک طریقے سے روغن چڑھایا جاتا ہے، جو صرف اس کو بنانے والوں کو ہی معلوم ہے۔ ملتان اور دہلی کے ظروف پر روغنی کام علیحدہ ٹکڑوں یا چقماق اور القلی کے آمیزے سے کیا جاتا ہے۔ آتشی منقش ٹائلوں پر روغن اور خوبصورت رنگوں کا فن جالندھر کے مخصوص مقامی باشندوں کے پاس ہے جو لاہور میں مشہور و معروف مسجد وزیر خاں کو آراستہ کرنے والے قدیم کاریگروں کی اولاد ہیں۔ اسی طرح دہلی میں پتھر پر کندہ کاری کے کاریگر موجود ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ان کاریگروں کی اولاد ہیں، جنہوں نے چودہویں صدی میں مشہور زمانہ قطب مینار کو آراستہ کیا تھا۔ چمڑے پر ریشم اور سنہری دھاگے کی کشیدہ کاری کا کام پشاور، ڈیرہ جات اور ہوشیارپور میں کیا جاتا ہے۔ کاغذ سیالکوٹ میں بنایا جاتا ہے، جو صرف مقامی طور پر سرکنڈے سے بنائے گئے قلم سے لکھنے کے لیے موزوں ہے۔

درآمدات

بیرونی ممالک سے درآمد کی جانے والی اہم درآمدات میں برطانوی کپاس اور تھان ہیں۔ برطانوی ہندوستان کے دیگر حصوں سے چینی، مصالحہ جات اور دیگر اجناس، اونی و سوتی کپڑے، رنگین نمدے، دھاتیں اور مختلف اقسام کے دھاتی برتن، قیمتی پتھر، ہاتھی دانت، شیشہ، چینی کے برتن اور چھری کانٹے درآمد کئے جاتے ہیں۔ مغربی ممالک کی طرف سے کی جانے والی درآمدات سونا، چاندی، ریشم، خوردنی رنگ، بروزہ، تازہ اور خشک میوہ جات، سویابین، اون اور گھوڑوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔

برآمدات

برآمدات زیادہ تر غلے، گھی، کھالوں، ریشم، اون، قالین، سوتی کپڑوں، شالوں، نیل، روئی، تمباکو، نمک اور گھوڑوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔

حوالہ جات

(۱) کشمیر، جو حکومت پنجاب کے زیر انتظام ہے، اس کو تفصیل سے خارج کر دیا گیا ہے۔

(۲) برطانوی علاقہ ۲۷۹، ۸۰۵، ۲۰ مقامی ریاستیں، ۶۷۷، ۲۵۶، ۴، ماسوائے پنگی اور لاہول ان کی مردم شماری کا اندازہ ابھی تک نہیں لگایا جا سکا۔ فروری ۱۸۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق پنجاب کی آبادی، بشمول جاگیری ریاستوں کے (لیکن ماسوائے کشمیر کے) ۱۲۰، ۷۱۲، ۲۲ نفوس یا پورے علاقے کا ۱/۱۰ حصہ یا ہندوستانی سلطنت کی کل آبادی کا ۱/۱۱ واں حصہ تھی۔ (۱۸۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق) صوبے کی کل آبادی میں نصف مسلمان، ۲/۵ واں حصہ ہندوؤں کا اور ۱/۱۰ حصہ سکھوں کا تھا۔ گزشتہ مردم شماری کے مطابق کل آبادی میں ہر فرقے کے تناسب کا ابھی تک اندازہ نہیں لگایا جا سکا لیکن اس میں کوئی زیادہ تغیر و تبدل ہونے کا امکان نہیں ہے۔ مذکورہ بالا اعداد و شمار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۸۱ء میں برطانوی علاقے میں پنجاب کی آبادی میں انیس ملین اور ۱۸۹۱ء میں اکیس ملین تک اضافہ ہوا ہے۔ جبکہ ۱۸۸۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق مقامی ریاستوں میں ۹ فیصد تک زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ جیسا کہ زیادہ تر اضلاع کے بتائے گئے نتیجہ سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً پورے برطانوی ہندوستان میں مجموعی اعداد و شمار میں ۱۸۸۱ء کے اعداد و شمار سے زیادہ اضافہ نظر آتا ہے۔

✿

باب ۳

پنجاب کے قدیم باشندے

جزیرہ نما ہندوستان کے لیے بحیثیت قدرتی دروازے کے پنجاب کی حالت اور اس کی زمین اور آب و ہوا کی خوبیوں' وسیع و عریض شاداب میدانوں' سرسبز وادیوں اور بافراط پانی کی فراہمی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ ان علاقوں پر قبضہ کرنے والی ابتدائی قومیں' نسل انسانیت کی اولین آبادکاری کرنے والی قوموں میں شمار ہوتی ہیں۔ اس یقین کو جدید ماہرین کی موافق شہادت سے بھی مزید تقویت ملتی ہے کہ شمال مغربی جانب سے آنے والے سکائنتھا اور آریا حکمرانوں نے جن لوگوں کو سب سے پہلے اپنا ماتحت کیا' وہی پنجاب کے اصل قدیم باشندے تھے۔

ہندوؤں کی داستان شاعری میں "سندھ ڈیلٹا کے پار سیاہ سدرا کا ذکر کیا گیا ہے"۔ وادی گنگا میں آریاؤں نے جس آبادی کو غلام بنایا' اسے بھی یہی یعنی "سدرا" کا نام دیا گیا اور جب انہوں نے سندھ اور گنگا کی وادی سے جنوب کی طرف پیش قدمی کی تو انہیں اسی نوعیت کی قوموں سے واسطہ پڑا۔

یہ قدیم باشندے جن علاقوں میں آباد تھے ان میں عناصر کی طرف سے بچاؤ کے لیے کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں تھا اور سرد خطوں میں ان کے گھر بھدے اور نامناسب تھے۔ وہ ان قدرتی غاروں میں رہتے تھے جو کم یا زیادہ گول شکل کے تھے۔(۱)

پھل' جڑی بوٹیوں' نباتات' شکاری جانوروں اور پرندوں کی بہتات کی وجہ سے بڑی آسانی کے ساتھ ان کی گزربسر ہو جاتی تھی۔ ابھی تک انہیں دھاتوں کی خصوصیات کا علم نہیں ہوا تھا۔ ان کے استعمال میں آنے والے ہتھیار صرف پتھر' بھالے اور لکڑی کے بنے

ہوئے نیزے ہوتے تھے' جن کو آگ سے سخت کر لیا جاتا تھا۔ ان کے سروں پر جانوروں کے سینگ لگائے ہوتے تھے۔ وہ غیر مہذب زبانیں بولتے تھے اور اپنی عریانی کو جانوروں کی کھالوں سے چھپاتے تھے۔ یونان' اٹلی اور یورپ کے مشرقی خطوں میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرنے والے خاندانوں کی طرح کم تعداد اور علیحدہ گروہوں کی طرح رہنے کے باعث یہ جاہل اور وحشی ہی رہے۔

شکار جو وحشی پن سے نکلنے کے بعد لوگوں کی ترقی کے لیے پہلا قدم ہے' معلوم ہوتا ہے کہ ان وحشیوں کا اولین پیشہ تھا۔ جب یہ آپس میں خلط ملط ہوئے تو انہوں نے اپنے آپ کو چھوٹے قبائل میں تشکیل دیا اور گلوں کے مالک بن گئے۔ زمین کے قبضے کی اہمیت بڑھ گئی اور یہ چیز خاندانوں کے سربراہوں کے درمیان جھگڑے کا باعث بن گئی۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اپنے دفاع کے لیے ذرائع تلاش شروع کر دیے۔ جب بعد کے دور میں انہیں دھاتوں کی خصوصیات کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی لڑائیوں میں لوہے کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کر دیے۔ وہ اپنے آپ کو تانبے اور سونے کے ان گھڑ اور بھدے زیورات سے بھی آراستہ کرتے تھے۔ انہیں اس کے بعد ظروف سازی کے فن کا بھی علم ہوگیا۔ ان کے بنائے ہوئے برتن جسامت اور وضع قطع میں اتنے برے بھی نہیں تھے۔

ہیروڈوٹس ان قدیم باشندوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہمیں بتاتا ہے کہ یہ دریاؤں کے کناروں پر' دلدلوں میں رہتے تھے اور ان کی گزر بسر کچی مچھلی اور کچے گوشت پر ہوتی تھی۔ ان کی کشتیاں سرکنڈے سے بنائے گئے ڈونگوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔ وہ چھال کا لباس پہنتے تھے اور جب خاندان کا کوئی فرد بیمار پڑ جاتا تو باقی لوگ اسے فوراً مار ڈالتے اور لاش کو ہڑپ کر جاتے تھے۔ اسی طرح بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے والے آدمیوں کو بھی ذبح کر دیا جاتا اور جوان لوگ ان کی لاشوں پر دعوت اڑاتے تھے۔ کچھ لوگوں کا گزارا صرف جڑی بوٹیوں پر تھا اور دیگر شکاری جانوروں پر گزر بسر کرتے تھے۔ ہیروڈوٹس دریائے سندھ کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ دریائے نیل کے بعد واحد یہی دریا ہے جس میں گھڑیال اور مگرمچھ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ میگاس تھنیز کا خیال تھا کہ یہ دریائے نیل کے بعد دنیا میں سبھی دریاؤں سے بڑا تھا۔ ٹیسیس اسے عظیم دریا کہتا ہے' جو ہندوستان کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا اور جس میں لمبے اور موٹے سرکنڈے اگتے تھے۔ اس نے سب سے پہلے یونانیوں کو ہاتھی کے متعلق بتایا اور ہندوستان کے مخصوص پرندوں کے سرخ سر' کرچی دم' سیاہ چونچ' گہری نیلی گردن اور ان میں سے چند کی زبانوں کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ وہ

انہیں ہندوستانی زبان نہیں بولنے دیتیں۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ان پرندوں کو پڑھایا جائے تو وہ یونانی زبان بولیں گے۔

میگاس تھنیز ہمیں مطلع کرتا ہے کہ قدیم ہندوستانی باشندے خانہ بدوش تھے اور **سکانتھوں** (تورانیوں) کی مانند وہ زمین کو کاشت نہیں کرتے تھے بلکہ زمین کی خودرو جڑی بوٹیوں، درختوں کی چھال، جسے ہندوستانی "تلہ" کہتے ہیں یا ان جنگلی جانوروں پر گزارہ کرتے تھے جن کو آسانی سے مار سکتے تھے۔ وہ یونانیوں کی طرح اپنے آپ کو جانوروں کی کھالوں سے ڈھانپتے تھے۔ اس کے بعد ڈائیونی سس وہاں نمودار ہوا اور اس نے ہندوستانیوں کو زمین کاشت کرنا سکھایا۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے بیل کو ہل کے آگے جوتا اور ہندوستان کے باشندوں کو زرعی عوامل کے بارے میں بتایا۔ اس نے انہیں پگڑیوں کا استعمال اور ناچ سکھایا جسے یونانی ساطیری ناچ کہتے ہیں۔

اس نے انہیں جھانجھ اور نوبت کے ساتھ دیوتاؤں کی پرستش کرنا بھی سکھایا، جن کا استعمال انہوں نے سکندر کے زمانہ تک جاری رکھا۔ ابھی تک بگل ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی فوج میں عورتوں کی ایک بہت بڑی فوج رکھی ہوئی تھی۔ یونانی مورخین کے مطابق جب سکندر "اسوا کاس" کی سرزمین تک آگیا تو ناسائیوں کا ایک سفارتی وفد وہاں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ انہوں نے اسے مطلع کیا کہ ان کے شہر کو ڈائینوسس نے دریافت کیا تھا اور اس نے اسے "ناسا" کا نام دے دیا تھا اور مضافات کی پہاڑی میرن اسی دیوتا کے نام سے مشہور ہوگئی ہے۔

جیسا کہ ہندوؤں کی زبان اور شاعری کی قدیم ترین اور موجودہ یادگار رگ وید میں واضح طور پر اظہار کیا گیا ہے کہ قدیم باشندوں کی رنگت سیاہ تھی۔ قدیم باشندوں کے قبیلے جن ناموں سے مشہور تھے، ان میں سے ایک "آسورا" کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ "اندرا نے حملہ آور کی کالی جلد کو پھاڑ ڈالا"۔ ایک دوسری جگہ پر یہ کہا گیا ہے کہ "ورتا کے قاتل، شہروں کو غارت کرنے والے اندرا نے کالی رنگت کے حقیر لشکروں کو قتل کر دیا ہے"۔ نیگرو، وحشیوں کی طرح جسمانی خصوصیات رکھنے اور ان کی طرح لمبا قد، گھنگھریالے بال، چھوٹا بھدا ناک اور موٹے ہونٹ ہونے کے باعث انہیں بھی نیگریٹوس کا نام دیا گیا۔

۱۸۷۲ء میں ہندوستان میں قدیم باشندوں کی تعداد بیس ملین سے بڑھ گئی۔ ان میں سے حساب لگایا گیا کہ ۹۵۹۷۲۰ پنجاب میں ہیں۔ ۱۸۸۱ء کی مردم شماری میں ان قبائل کے بارے میں کوئی علیحدہ گوشوارہ پیش نہیں کیا گیا لیکن انہیں نچلی ذات کے ہندوؤں میں شمار کیا

گیا۔ اصل قدیم باشندوں نے خاص پنجاب میں کوئی آبادیاں اور بودوباش نہیں چھوڑی اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شمال مغرب سے آنے والے حملہ آور آریاؤں نے ان سب کو جنوب مشرقی جانب دھکیل دیا تھا۔ پنجاب میں ان کی باقیات میں سانسی یا خانہ بدوش شکل و صورت سے جنگلی دکھائی دینے والے' جو جنگلوں میں عارضی پناہ گاہوں میں رہتے ہیں اور زیادہ تر چوہوں اور آسانی سے پکڑے جانے والے چھوٹے جانوروں پر گزر بسر کرتے ہیں۔ پنجاب میں اس کے علاوہ اور بھی خانہ بدوش قبائل ہیں' جنھوں نے صوبے میں موروثی طور پر جرائم پیشہ طبقوں کی شکل اختیار کی ہوئی ہے اور ۱۸۷۱ء کے ایکٹ برائے جرائم پیشہ قبائل میں ان کی موجودگی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

پنجاب کے بہت سے نچلی اور بے خانماں ذات کے قبائل کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ ان کا تعلق قدیم قوموں سے ہے۔ وہ چوہڑے' چمار' پہاڑوں کے لوہار جہاں وہ کمی کمینوں کا کام کرتے ہیں مہتم' بیوریا' اہیری' تھوری' لبانہ اور کیہل یا جنگل اور دریا کے قبائل' سانسی' برنا' نٹ' بازی گر' پکھی واس' ہارنی' گھنڈیلے اوڈ اور ہسی یا خانہ بدوش اور آوارہ قبائل ہیں۔ مسٹر ابیٹسن ۱۸۸۱ء میں اپنی مردم شماری کی رپورٹ میں یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ "ان میں سے بہت سے یقینی طور پر قدیم باشندوں کی نسل سے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر میں وہی رسم و رواج ہیں اور وہ ایسی عبادت پر یقین رکھتے ہیں جو خاص طور پر انہی سے منسوب ہے"۔ ان طبقوں میں مکمل طور پر جادو ٹونے وغیرہ کا عمل کیا جاتا ہے۔ بھنگی اور خانہ بدوش' سانسی قبائل یکساں طور پر اپنے مردے کو اس کا منہ نیچے کی طرف کر کے دفن کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ روح فرار نہ ہوسکے۔ ہندوؤں کے ایک فرقے کے مطابق چوہڑے اور چند دیگر نچلی ذاتوں کے لوگ مرنے کے بعد بھوت یا شیطان بن جاتے ہیں اور بخار اور دیگر خطرناک بیماریوں کی صورت میں لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں۔(۲) ان تمام قبائل کو ہندو برادری سے خارج سمجھا جاتا ہے۔

قدیم باشندوں کے قبائل

عام طور پر قدیم باشندوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ہمالیہ کے پہاڑوں کے دامن کے ساتھ پنجاب سے مشرقی بنگال تک پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی پنجاب کے مغرب اور شمال مغربی سرحدوں کے پہاڑوں میں نہیں ملتا۔ یہ دریائے سندھ کے مغرب میں ہے۔ ہمالیہ کے نیم پہاڑی قدیم قبائل میں گیرد' جو اصل میں منگولیائی قوموں کی سرحد پر رہتے ہیں' ناگ' لوشائی' کوکائی' لیپچا' تھارو' کچاری اور بوکسا ہیں۔ یہ بہت وسیع علاقے

تک پھیلے ہوئے ہیں جو تبتی، چینی اور برمی نسلوں سے جا ملتا ہے۔ قدیم باشندوں کے قبائل وسطی اور مغربی ہندوستان اور دکن کے ناقابل رسائی علاقوں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ جنوب مغربی ہندوستان کے نائروں میں تعدد ازدواج کا رواج پایا جاتا ہے۔ ان میں حق وراثت، مالک کی طرف سے نہیں بلکہ بہن کی اولاد کی طرف سے ہوتا ہے۔ سنتال بے شمار افراد پر مشتمل اور بہت طاقتور قبیلہ ہے۔ کچھ سال پیشتران کی یورش نے حکومت کے لیے مصیبت اور پریشانی پیدا کر دی تھی۔ کلکتہ کے قریب راج محل کی پہاڑیوں میں آباد ہیں اور کھوند(۳) جو گزشتہ کئی سالوں تک دکن کو اڑیسہ سے جدا کرنے والے پہاڑوں میں انسانی قربانی کی ہولناک رسوم ادا کرتے رہے ہیں، کھوند قبیلے کے آدمی گہرے سیاہ رنگ، لمبے بھدے اور کالے بالوں والے ہیں اور ان کی بولی بھی مخصوص قسم کی ہوتی ہے۔ وہ خالصتاً" قدیم باشندوں کی نسل سے ہیں اور ہندوؤں سے ملے جلے بغیر اپنی قدیم جبلی رسوم و رواج کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ قولی(۴) بھیل اور گوند وسطی ہندوستان میں وندھیہ، ساتپورا اور اراولی کے پہاڑی سلسلوں میں آباد ہیں۔ گوند کے وحشی قبائل ابھی تک جنگلوں میں رہتے ہیں اور ان کی گزر اوقات شکار کے جانوروں پر ہے۔ مزید مغرب کی طرف مینس، وگھڑاور مہر ہیں، جن میں قدیم باشندوں کی رسوم و رواج اور زبان اسی طرح موجود ہے۔ دکن اور میسور میں مہر، بیدر، منگ، ولیہ، پریا، ودر اور دیگر جن کا ذیل میں ذکر کیا گیا ہے، باقی ماندہ قدیم قبائل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اگرچہ کم یا زیادہ ہندوؤں میں گھل مل گئے ہیں۔ وہ ابھی تک اپنے ابتدائی توہمات میں گرفتار ہیں اور انہوں نے بھوت پریت، روحوں اور قدرتی اشیاء کی پرستش کو ترک نہیں کیا۔ کرمبر، ایرولر اور پلیار جنوبی ہندوستان کے پہاڑی سلسلوں اور مدراس کے صحت افزا صدر مقام نیلگریز کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ وہ جزائر انڈیمان کے وحشی قبائل کی طرح گھنے جنگلوں میں رہتے ہیں اور وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔

شمال مغرب کی طرف سے آنے والی عظیم قوم آریہ نے ہندوستان کے قدیم قبائل پر فتح حاصل کرنے کے بعد انہیں پہاڑوں، جنگلوں اور نشیبی میدانوں کی طرف دھکیل دیا، جہاں وہ اب آباد ہیں۔ بالکل اسی طرح سپین پر عربوں کی فتح کے بعد گوتھوں کو گیلیشن اور آسٹروی پہاڑوں کی طرف نکال دیا گیا یا نارمن کی فتح کے بعد جلاوطن، سیکسن، پہاڑوں، غاروں اور دلدلوں میں آباد ہوگئے۔ چنانچہ آریا قوم اپنی مفتوح قوم سے گھلی ملی نہیں بلکہ اسے نکال باہر کیا اور انہیں ناقابل رسائی پہاڑوں اور دلدلوں میں پناہ لینے کے لیے مار بھگایا

اور جنھوں نے ان کی تہذیب و تمدن کو قبول کر لیا انہیں ادنیٰ' حقیر اور غلامانہ حالتوں میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان سے ملی جلی قومیں متشکل ہو گئیں جو اب ہندوؤں کے دیہاتی طبقوں میں کام کرنے والے افراد' کاشت کاروں' اہل حرفہ' مزدوروں اور چوکیداروں کے طبقوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ فاتحوں کی قدیم نسل جس نے اس خطے کو بود و باش کے لیے منتخب کیا' اسے ہندو کا نام دیا گیا۔ زمانہ قبل از تاریخ کے قبائل' یہ قدیم باشندے آخر کون ہیں جن کو آج سے تین ہزار سال سے زائد عرصہ پہلے شمال کی طرف سے آنے والی حملہ آور آریہ قوم نے ماتحت بنا لیا تھا؟

بلاشبہ یہ ایک مشترکہ گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس گروہ کا سکاتھوں (تورانیوں) کی نسل سے تعلق تھا۔(۵)

قدیم ترین ادوار میں یہ وسطی ایشیا کے میدانوں میں (جو منگولوں اور چینیوں کا غیر مہذب مسکن تھا) رہتے تھے۔ یہ چیز نہ صرف ان کی مشترکہ وضع قطع' مشرقی بنگال' چین اور آسام کے پہاڑوں میں بولے جانے والے الفاظ کی ہم آہنگی سے ثابت ہوتی ہے بلکہ ان کے مذہبی عقائد' رسوم و رواج اور ان کے استعمال کی مماثلت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

جنوبی ہندوستان کے مختلف حصوں میں پتھر کے بنے ہوئے اوزار' ہتھیار' چقماق کے چاقو اور کلہاڑیاں دریافت ہوئی ہیں۔ سنسکرت کے قدیم ادب سے اس بات کی شہادت بھی ملتی ہے کہ ہندوستان میں یورپی ممالک کی طرح بالترتیب پتھر' کانسی اور لوہے کے ادوار آئے تھے۔ چنانچہ رامائن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رام کے جنگجوؤں نے اپنے دشمنوں کے خلاف پتھر کے ہتھیاروں سے جنگ لڑی۔ اندرا کی کڑک کو پتھر کے بھالے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بہت سے مقامات پر گول اور تکونی پتھر کی بنی ہوئی قبروں کے آثار' بڑی چٹانیں یا مٹی کے ڈھیر' پتھروں کے ڈھیروں والی قبریں' ہتھ گاڑیاں' ستون' پتھر کے میز دریافت ہوئے ہیں جن کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ ان کا تعلق زمانہ قبل از تاریخ سے ہے۔ اس کے علاوہ مردے کی راکھ کے ہمراہ زمین میں دفن لوہے کے ہتھیار' تیروں کے سر' بھالے اور برتن بھی ملے ہیں۔ یہ سب سکاتھ یا تورانی طرز کے ہیں اور کاریگری و بناوٹ کے لحاظ سے انگلستان اور یورپ کے مختلف حصوں سے دریافت ہونے والے زمانہ قبل از تاریخ کے آثار سے ان کی مماثلت بہت زیادہ ہے۔ ہندوستان میں کلکتہ کے عجائب گھر میں پتھر کے ہتھیار' جن میں زیادہ تر چاقو' بھالے اور تیروں کے پھل شامل ہیں' ان کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ ان آثار قدیمہ سے پتا چلتا ہے کہ انتہائی قدیم زمانے میں اور آریاؤں کے

ہندوستان میں داخل ہونے سے بہت عرصہ پہلے اس ملک میں انتہائی قدیم نسل کے لوگ آباد تھے جو نسل کے اعتبار سے تورانی یا سکا تھا تھے۔ یقیناً یہ ہندوستان میں انتہائی جنوبی راستے سے داخل ہوئے لیکن پنجاب کے شمال مغربی علاقے کے قدیم باشندوں سے کسی صورت میں بھی گھلے ملے نہیں۔ کماؤں کے پہاڑوں میں چٹانوں پر' پیالہ نما نشانات پائے گئے ہیں جو چٹان کے سامنے والے حصہ میں جسامت کے لحاظ سے ایک انچ سے ڈیڑھ انچ قطر تک اور ۱/۲ انچ سے ایک انچ تک گہرے ہیں۔ سر جے سمپسن نے اپنی تصنیف "قدیم مجسمہ سازی" میں اس طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ اس قسم کے نشانات اور دائرے سکاٹ لینڈ' انگلینڈ اور دیگر یورپی ممالک میں پتھروں اور چٹانوں پر بھی پائے گئے ہیں۔ مقامی روایت کے مطابق کماؤں کی چٹانوں پر نشانات دراصل گوالوں کا کام تھا۔ ہندوستان اور یورپ کے مختلف خطوں میں چٹانوں کے یہ نشانات' ماہرین آثار قدیمہ کو نہایت اہم نتائج کی طرف لے جاتے ہیں۔ سب اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ یہ نشانات قدرتی طور پر معرض وجود میں نہیں آئے بلکہ مصنوعی ہیں اور کندہ کی گئی وضع کی نشان دہی کرتے ہیں۔ مسٹر ریویٹ کارنیک کے مطابق جنہوں نے کماؤں کے پہاڑوں پر ان نشانات کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے کہ کماؤں اور سینکڑوں میل جنوب کی طرف وسطی ہندوستان میں یکساں طور پر یہ خیال عام ہے کہ یہ آثار دراصل گوالوں کا کام ہیں۔ ہمالیہ اور وسطی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں یہ خیال عام ہے کہ گوالہ خاندان ایک غیر مہذب قوم یا "چرواہوں کے بادشاہوں" نے آریاؤں کی تہذیب کے آغاز سے بہت عرصہ پہلے اس ملک پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ مسٹر کارنیک کا خیال ہے کہ غالباً یہ نشانات غیر مہذب قوم کے ناتراشیدہ آثار ہیں جنہوں نے دنیا کی تاریخ کے ابتدائی حصہ میں اپنے آبائی وطن وسطی ایشیاء کو خیرباد کہا اور مختلف اطراف میں سفر کرتے ہوئے اپنے نشانات یورپ اور ہندوستان میں چھوڑے۔ تمولی اور چٹانی نشانات پہاڑی علاقوں اور ناقابل رسائی مقامات میں بکھرے پڑے ہیں' انہیں دریافت کیا جاسکتا ہے۔ کافی عرصہ بعد کے زمانہ میں انہیں زبردستی زیادہ طاقتور اور مہذب قوم کی پیش قدمی کے سامنے شکست اٹھانا پڑی۔ ان میں سے ایک قوم جو جدید اصطلاح میں سا تھیا یا چرواہوں کے بادشاہ کہلاتی ہے اور دوسری آریاؤں کی قوم تھی۔ دونوں کی ایک ہی قبیلے سے نسبت تھی اور جو بڑھتی ہوئی ضروریات سے مجبور ہو کر اپنے مشترکہ آبائی وطن وسطی ایشیاء سے ہجرت کر کے مغرب اور جنوب کے امیر ترین ملکوں کو دریافت کرنے اور انہیں فتح کرنے کے لیے نکل پڑے۔

مسٹر کیمبل نے مذکورہ بالا مصنوعی گول نشانات پنجاب میں کانگڑا کی چٹانوں پر دریافت کیے۔ ڈاکٹر اے ایم ورچیسٹر نے دریائے سندھ پر جی اور نکی کے درمیان پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں پر چھوٹے سوراخ یا پیالہ نما نشانات دریافت کیے۔ ڈاکٹر چارلس ریس نے امریکہ اور آئرلینڈ میں بھی اسی قسم کی دریافت کی۔ یہ نشانات یورپ اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں یکساں نوعیت کے ہیں اور بلاشبہ ان ملکوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن میں گزرے ہوئے زمانوں میں انسانوں کی غیر مہذب نسل آباد تھی' جس کا ایک حصہ نئی ضروریات اور چراگاہوں کی تلاش میں مغرب کی طرف اور دوسرا جنوب کی طرف گیا۔ دوسرے لفظوں میں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وحشی قبیلوں کی ایک نسل جو انتہائی ابتدائی دور میں شمالی یورپ پر چھا گئے' وہ پنجاب اور ہندوستان میں بھی داخل ہوئے۔

ابتدائی قبائل میں سے بہت سے قبائل کی اپنے وطن کی روایت شمالی پہاڑوں میں ہے جن کو وہ اپنی قوم کے دیوتا خیال کرتے تھے۔ ڈاکٹر ہنٹر کا مشاہدہ ہے کہ کافی عرصہ بعد تک بھی گونڈ اپنے مردے کے پاؤں شمال کی طرف کر کے دفن کرتے تھے کہ وہ اب شمال میں ان کے آبائی قدیم وطن کی طرف سفر جاری کرنے کے لیے تیار ہے۔

غیر آریائی قوموں کے تین حصے

ہندوستان کی غیر آریائی قومیں عام طور پر تین گروہوں میں منقسم ہیں۔ پہلا گروہ تبتو' برمن قبائل پر مشتمل ہے جو ہمالیہ کے کناروں پر آباد ہیں۔ یہ ہندوستان میں شمال مشرقی دروں کے راستے داخل ہوئے۔ دوسرے گروہ کو کولارین کا نام دیا گیا ہے جو بنگال میں بھی شمال مشرقی دروں کے راستے داخل ہوئے اور تیسرا گروہ یا دراوڑی جنہوں نے شمال مغربی جانب سے پنجاب کا راستہ تلاش کیا۔(۶)

دراوڑی اس وقت ہندوستان کے جنوبی حصے سے لے کر کیپ کومورین تک کے علاقے میں آباد ہیں۔ ان کی زبانوں کی نسبت ماہرین لسانیات نے قدیم تورانی یا سکاتھا قوموں سے کی ہے۔ اس حقیقت کو زمانہ قبل از تاریخ کے ناقابل شکست سکاتھا طرز کے آثار قدیمہ کی دریافت سے بھی تقویت ملتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک پر آریاؤں کی فتح سے کافی عرصہ پہلے تورانی یا سکاتھا قوم جنوبی ہند میں آباد ہوگئی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں پر مختلف قبائل کے بالترتیب کئی حملے ہوئے جو بلاشک و شبہ تورانی نسل کے تھے۔

قدیم باشندے جو ہندوؤں کے اولین حملے کے دور میں ہندوستان میں آباد تھے' رگ وید

کے قدیم قصوں میں انہیں راکھشس' سیوم' داسیدس' داس اور غلام کہا گیا ہے۔ رگ وید میں آریاؤں کو اپنے دیوتاؤں سے دعا مانگتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ وہ انہیں داسیوس کے آگے فتح عطا کریں جن کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ سیاہی مائل بادل ہیں۔ دعا کی گئی ہے کہ وہ انہیں دور رکھیں۔ داسیوس کو بائیں ہاتھ رکھیں' ان کے بازوؤں کو ہٹا دیں' آریاؤں کی طاقت اور شان و شوکت میں اضافہ کریں۔ دشمن داسیوس کو کچل دیں اور کالی چمڑی والوں کو ان کا غلام بنا دیں۔ داسیوس کو "دشمن بدروحوں" کا نام دیا گیا ہے۔ آریائی دیوتاؤں کا شکریہ ادا کیا گیا ہے کہ انہوں نے کالی نسل کے غلام دشمنوں کو منتشر کر دیا ہے۔ ان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ "چپٹے ناک" یا بے ناک کے راکھشس ہیں اور ان کی اس طرح تحقیر کی گئی ہے کہ وہ بے دین کالے چہرے والا قبیلہ ہے جن کی کوئی رسم یا قربانی نہیں ہے۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شہروں اور بہترین طرز کے مکانوں میں رہتے ہیں۔ ایک واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قدیم دور میں قدیم باشندوں نے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بہت ترقی کر لی تھی اور اب بری طرح زوال پذیر ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں کے دیوتا اندرا کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ قدیم باشندوں کے دائمی شہروں کو تباہ کر رہا ہے اور ان کے محافظوں کو ذلیل کر رہا ہے۔ داسیوس کے شہروں کو تباہ کر رہا ہے اور دشمن کے بے دین شہروں کو گرا رہا ہے۔ اسے پرہیزگار دیوداسہ کے لیے پتھر کے سو شہروں کو گرانے کا شرف بھی بخشا جاتا ہے۔ اسی طرح اگنی بھی داسیوس کے وسیع و عریض اور آہنی دیواروں والے شہروں کو تباہ کرنے اور انہیں قتل کرنے کے لیے شہرت کا حامل ہے۔ بہت سے مقامات پر اسے "شہروں کو تباہ کرنے والا" کہا گیا ہے۔ اس کی اس لیے بھی تعریف کی جاتی ہے کہ اس نے بڑی جلدی سے سرکتا اور دیگر قدیم باشندوں کے سات دیواروں والے شہروں اور قلعوں کو گرا دیا تھا۔ اس سے دعا کی گئی ہے کہ وہ راکھشسوں کے آباد کردہ شہروں پر فتح عطا کرے۔ اس کی تعریف کی جاتی ہے کیونکہ اس نے بے دین آسودا کی کڑک دار بجلی کو نیچا دکھا دیا اور بجلی سے سمبارا کے ایک سو قدیم شہروں کو تباہ کر دیا' جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آسوداؤں یا قدیم باشندوں میں سے کسی ایک کے تھے۔

سرسوتی کی اس لیے تعریف کی جاتی ہے کہ اس نے فولاد کی طرح مضبوط شہر تعمیر کیا۔ ان کے ویدک بھجنوں میں دولت مند' راکھشسوں اور ان کے سات میناروں اور نوے قلعوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے روحانی اور اخلاقی زوال کے درست زمانہ کو معلوم کرنے

کے لیے کوئی ذرائع نہیں ہیں۔ جنوبی ہندوستان کی تامل زبان کی پختگی ابھی تک سنسکرت کی مداخلت سے آزاد ہے اور یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ سنسکرت کے متعارف ہونے سے قبل یہ زبان پوری طرح پنپ چکی تھی اور باقی بچ جانے والی زبان اس انتہا پر پہنچ گئی کہ تین ہزار سال سے زائد عرصہ سے عظیم آریا قوم کے زوال سے قبل ہندوستان کے قدیم باشندے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے اس انتہا کو پہنچ گئے کہ ان کے ذرائع اپنے فاتحین کے مقابلے میں کسی طرح بھی کم نہیں تھے۔

ہندی زبان میں دس فیصد الفاظ سنسکرت کے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح پچاس مرہٹہ الفاظ بھی دیکھے گئے ہیں۔ لہٰذا انتہائی جنوب کی طرف تیلگو' کناریس اور مالائی زبانوں میں سنسکرت کے الفاظ کی قلیل آمیزش ہے۔ ان زبانوں میں غیر سنسکرت الفاظ' تاتار یا مناسب طور پر تورانی زبانوں سے گہری مطابقت رکھتے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندوستان پر سب سے پہلے فتح کے لیے کیا گیا حملہ شمالی یا وسطی ایشیا کے پہاڑی علاقوں سے کیا گیا تھا۔

تورانی ہندوؤں کی عمارتی یادگاریں

تورانی ہندو' ہندوستان میں بہت زیادہ مندر تعمیر کرنے والے بن گئے اور آج کل ہندوستان میں پھیلی ہوئی ان کی مذہبی یادگاریں ہندوستان کے فن تعمیر پر لکھنے والے عظیم مصنف فرگوسن کی کتاب میں قابل تعریف مضامین ہیں۔ ایلورا میں کائیلاس کا چٹان میں خوبصورتی سے تراشا ہوا مندر' تنجوڑ میں عظیم الشان پگوڈا اور سرنگھم کا مندر ان کا شمار برہمنوں کے مفتوح لوگوں کی تعمیر کردہ عمارات میں ہوتا ہے۔

قدیم باشندے اپنے طرز زندگی اور مذہبی عقائد کے معاملہ میں اپنے ہندو فاتحین سے مکمل طور پر مختلف تھے۔ ہندوؤں کے برعکس وہ کسی ذات پات پر دھیان نہیں دیتے تھے۔ درحقیقت اس بات میں شک کا اظہار کیا جاتا تھا کہ شاید اولین ہندوؤں میں ذات پات کی تمیز پائی جاتی تھی۔ جوگیوں اور گوسائن کے مذہبی نظام میں ذات پات کی تمیز کو رد کر دیا گیا اور حتیٰ کہ برہمنوں نے اس اچھائی کو تسلیم کرتے ہوئے اس فرق کو ترک کر دیا ہے۔ ہندو اپنے مردے کو جلا دیتے ہیں۔ قدیم باشندے اپنے مردوں کو زمین میں' بھدے گول پتھروں' ڈھیروں اور عمودی تختیوں کے نیچے' یورپ کے اولین باشندوں کی طرح دفن کرتے تھے۔ ان تختیوں کے نیچے سے انسانی لاشوں کو ان کی قبروں سے کھود کر باہر نکال لیا گیا ہے۔ وہ اپنے مردے کے ہمراہ اپنے ہتھیار' زیورات' کپڑے [illegible] مویشی بھی دفن کر

دیتے تھے کیونکہ تورانیوں میں یہ خیال پایا جاتا تھا کہ وہ اس طریقے سے ان کو اگلے جہاں میں حاصل کر لیں گے۔ ہیروڈوٹس ذکر کرتا ہے کہ قدیم تورانی باشندے اپنے جنگجو مردوں کے ساتھ ہتھیاروں کے نمونے بھی دفن کر دیتے تھے۔ پولینڈ اور تاتاری کے پہاڑوں میں پرانی قبروں سے جنگی کلہاڑے، آہنی کمانیں اور تیر دریافت ہوئے ہیں۔ ناگ پور (وسطی ہندوستان) میں اسی طرح کی دریافت کی گئی ہے۔ ان تمام جائے مدفونوں (قبرستانوں) کا تعلق تورانیوں سے ہے اور اس سے عظیم ہمالیہ کے شمال اور جنوب سے وسطی ایشیاء یا تورانیوں کی ایک نسل نے تعلق رکھنے والے لوگوں کی یورش کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔ ہندو بیواؤں کو شادی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ قدیم باشندوں کی بیوائیں نہ صرف از سر نو شادی کرتی تھیں بلکہ تورانی قبائل کے اصول پر عمل کرتی تھیں جو عموماً اپنے مرحوم خاوندوں کے چھوٹے بھائیوں سے شادی کرتی تھیں۔

موجودہ ہندو قدیم آریاؤں کے برعکس گائے کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں لیکن قدیم باشندے ہر قسم کا گوشت کھا لیتے تھے۔ پنجاب میں ایک چھوٹے قبیلے "ڈگی" کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ ایک قدیم نسل کی باقیات ہے۔ سرعام گائے کا گوشت کھا لیتا ہے۔ سانسی یا خانہ بدوش، شکاری طبقے اور پنجاب کے دریائی قبائل، جن کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ ان کا تعلق غیر مہذب نسلوں سے ہے۔ لومڑیاں، گیدڑ، حتیٰ کہ چھپکلیاں اور دیگر حشرات الارض کھا جاتے ہیں۔ موجودہ ہندو ویدک پجاری(۷) کے برعکس شراب استعمال کرنا حرام سمجھتا ہے۔ شاستر، شراب خوری میں مبتلا ہونے کو گناہ سمجھتے ہیں۔ قدیم باشندوں میں شہری یا مذہبی کوئی تقریب ناچ گانے اور شراب خوری کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ مہا بھارت شراب خوری کے مناظر سے بھری پڑی ہے۔ ہندوؤں میں ہر ذات کے لوگ اپنی غذا خود تیار کرتے ہیں اور اپنے بغیر کسی اور کے ہاتھوں سے (ماسوائے اونچی ذات کے لوگوں کے) تیار کردہ کھانا نہیں کھاتے۔ قدیم باشندے اس قسم کی پابندیوں کا خیال نہیں کرتے تھے۔ ہندو کسی مخلوق کو جان سے محروم کر دینے کے تصور کے سخت مخالف ہیں۔ قدیم باشندے اپنی قربان گاہوں پر زندہ انسانوں کو قربان کر دیتے تھے۔ ان میں برہمنی رہبانیت بالکل نہیں تھی۔ وہ اپنے راہب کو اس کی طرز زندگی اور جادو ٹونے میں مہارت سے جانچتے ہیں۔

ہندوؤں کے شہری ادارے بلدیاتی ہیں۔ قدیم باشندوں میں قبیلے کے سردار ہوتے تھے۔

زرعی غلامی ہندوستان کے تقریباً ہر حصے میں نافذ تھی اور جو باشندے موت سے بچ جاتے یا جنہیں پہاڑوں اور صحراؤں کی طرف نہ نکالا جاتا انہیں زبردستی اپنے ہندو مالکان کی خدمت کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ چند مقامات پر وہ ابھی تک زرعی غلام کی طرح کام کرتے ہیں اور دوسری جگہوں پر وہ اپنے ہندو مالکان کو بھاری لگان ادا کرتے ہیں۔ ابھی تک تقریباً تمام قدیم باشندوں میں یہ خیال گردش کر رہا ہے جو اپنے آپ کو زمین کے حقیقی مالکان خیال کرتے ہیں۔ راجپوتانہ کے مینا ایک دوسرے کو مندرجہ ذیل شعر کے ذریعے اپنے حقوق یاد دلاتے ہیں۔

بھاگ رادھن راج ہو ------ بھوم را دھن ماج ہو

ترجمہ : راجہ اپنے حصے کا مالک ہے میں زمین کا مالک ہوں۔

ان دنوں ان قبائل کا اولین لقب، ہندوؤں نے بڑے دلکش انداز میں اپنایا ہوا ہے۔ جب میواڑ میں ایک راجہ مسند نشین ہوتا ہے تو بادشاہت کی علامت کے طور پر اس کے ماتھے پر تلک لگانے کی رسم ایک مینا ادا کرتا ہے۔ وہ راجہ کے ماتھے پر سرخ رنگ سے نشان لگاتا ہے جو ایک مینا کے انگوٹھے سے نکالا ہوا خون ہوتا ہے۔ اسی قسم کی رسم اودھے پور کے راجپوت راجہ کی تاجپوشی کے موقع پر (جو ہندو شہزادوں میں سب سے قدیم ہے) بھیل ادا کرتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کے اصل مالک ہونے کی حیثیت سے قدیم باشندوں کا حق وراثت اعلیٰ درجے کے ہندو حکمرانوں نے اپنا لیا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ حکمرانی کے لیے ان کا لقب اس وقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک زمین کا اصل مالک اس کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے لیے اپنا خون نہیں بہا دیتا۔ تاہم ایک مفتوح قوم کی حیثیت سے وہ حقیر سمجھے جاتے ہیں اور اپنے فاتحین اور مالکان کے لیے غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور کیے جاتے ہیں لیکن آریا ذہن اور میلان کے لحاظ سے ان وحشیوں سے مختلف تھے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اس امتیاز نے سختی اور عجلت سے انہیں ہندوستان کی دولت مشترکہ سے خارج کر دیا ہے اور انہیں انسانوں کی بجائے جانور سمجھا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے عظیم دستور ساز منو کی آئینی کتاب کے باب ۱۰ میں یہ تعین کیا گیا ہے کہ :

"۱۔ ان کے مسکن شہروں سے باہر ہونے چاہئیں۔

۲۔ ان کی انفرادی جائیداد کتوں اور گدھوں پر مشتمل ہو۔

۳۔ ان کے کپڑے صرف مردے کے چھوڑے ہوئے کپڑے ہوں۔

۴۔ ان کے زیورات زنگ آلود لوہے کے ہوں۔

۵۔ انہیں جگہ جگہ پھرنا چاہیے۔
۶۔ کوئی بھی محترم شخص ان سے میل جول نہ رکھے۔
۷۔ جب بادشاہ کسی مجرم کو موت کی سزا دے تو وہ جلاد کے فرائض انجام دیں۔
اس فرض کی ادائیگی پر انہیں قتل ہونے والے کا بستر' کپڑے اور زیورات مل جاتے تھے"۔

باب ۸ میں منو کہتا ہے "چندلا یا ناپاک کو غلامی سے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے مالک نے اسے آزاد کر دیا ہے۔ اس آدمی کو اپنی قسمت سے انسان کیسے رہائی دلا سکتا ہے۔ جس کی قسمت میں خدا نے برہمنوں کا غلام بننا لکھا ہو؟" ہر نئی عمارت کی جگہ کو بڑی احتیاط سے مردہ جانوروں کی ہڈیوں اور خاص طور پر چندلاؤں کی ہڈیوں سے پاک کر دینا چاہیے جن کو عمارتوں کے لیے نہایت نقصان دہ شمار کیا جاتا ہے۔

حوالہ جات

(۱) قدیم گادلوں کے گھر' سرکنڈے اور گارے سے بنی ہوئی گول جھونپڑیاں ہوتی تھیں۔ سوئزرلینڈ کی ڈھیر نما جھونپڑیاں بھی اسی قسم کی تھیں۔

(۲) مردم شماری رپورٹ ۱۸۸۱ء' جلد اول' صفحہ ۱۱۷۔ مسٹر ا۔بیٹسن مزید لکھتے ہیں: "ہنگامے شروع ہوگئے ہیں اور مجسٹریٹوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ گرجے کو سامنے کی طرف سے دفن ہونے سے بچائیں۔ کیا ایک گرجے کو دفن ہونے کی بجائے جل جانا چاہیے' اس کی عمارت کو اسی حالت میں رکھا گیا ہے"۔

(۳) وہ بچوں اور بالغوں کو اغوا کر لیتے اور مویشیوں کی طرح انہیں باندھ کر قربانی کے لیے ذبح کر ڈالتے تھے۔ شکار کو ایک کھمبے کے ساتھ باندھ کر اسے سینے کو سبز شاخ کی دراڑ میں پھنسا دیا جاتا۔ اس کے بعد راہب آہستگی سے شکار کو اپنی کلہاڑی سے زخم لگاتا' اس پر پورا مجمع شکار پر ٹوٹ پڑتا اور اس کے گوشت کو ہڈیوں تک سے جدا کر دیتا' گوشت کے ایک پارچے کو بڑا مبارک تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد' راہب مندرجہ ذیل انداز میں تاری' پنو یا زمین کی دیوی کے سامنے دعا کرتا: "تم نے ہمیں بہت زیادہ اذیت دی ہے' ہمارے بچوں اور مویشیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور ہماری فصل کو ناکام بنا دیا ہے' لیکن ہم اس کی شکایت نہیں کرتے۔ تم نے اپنی خواہش پر اپنی رسوم ادا کرنے کے لیے ہمیں مجبور کیا تاکہ ہمیں بلند مرتبہ اور مالا مال کر سکو۔ کیا اب تم ہمیں مالا مال کرو گی!

ہمارے گلوں کو اتنا زیادہ کر دو کہ انہیں یکجا رکھنا مشکل ہو جائے۔ ہمارے بچوں کو اتنا زیادہ کر دو کہ ان کے والدین ان کی دیکھ بھال پر قابو پا سکیں' ان کے جلے ہوئے ہاتھوں میں دیکھیں گے' ہمارے سروں کو ہماری چھتوں سے بے شمار تعداد میں لٹکے ہوئے پیتل کے برتنوں سے ٹکرانے دو۔ ریشمی اور سرخ کپڑے کے چیتھڑوں کے بلوں سے چوہوں کو نکال دو۔ پورے علاقے کی چیلوں کو ہمارے گاؤں کے ان درختوں پر جمع کر دو' جہاں ہر روز جانور ہلاک کئے جاتے ہیں۔ ہم اس سے واقف نہیں کہ تم سے اچھی طرح کس انداز میں مانگیں' تم بہتر جانتی ہو ہمارے لیے کیا بہتر ہے' تم وہ ہمیں دے دو"۔

بی۔ اے۔ ایس' کا جریدہ برائے ۱۸۵۲ء۔

(۴) جنرل بر یگس کا خیال ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب انگریزوں نے سب سے پہلے قولیوں کو سامان اٹھانے کے لیے ملازمت دی اور انگریزوں نے انہیں قلی کا نام دیا' جو اب پورے ہندوستان میں سامان اٹھانے والے لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۵) جنرل بر یگس کا خیال ہے کہ مشترکہ طور پر ان کا تعلق سکا تھوں یا وسطی ایشیا کے قبائل کی نسل سے تھا۔ اسی قسم کے خیال کا اظہار' نیپال کے سابق' ریذیڈنٹ' مسٹر ھوگسن نے بھی کیا ہے۔

(۶) ڈاکٹر ہنٹر کے مطابق' شمال مغربی طرف کے دراوڑیوں اور شمال مشرقی جانب کے کولارئن نے ایک دوسرے کو وسطی ہندوستان میں قطع کیا اور دراوڑیوں نے بڑے بڑے لشکریوں کی صورت میں شمال اور جنوب کی طرف سے پیش قدمی کر کے کولارئن کو مشرق اور مغرب میں منتشر کر دیا۔

(۷) ویدک کے دور کے نہ صرف پجاری شراب خوری کرتے تھے بلکہ ان کے دیوتا بھی آزادانہ اس میں حصہ لیتے تھے' چنانچہ' ایک آریائی پجاری' دیوتا اندرا سے دعا کرتے ہوئے کہتا ہے "اندرا مقدس گھاس پر بیٹھ جاؤ اور جب تم "سوم رس" پی چکو تو گھر چلے جاؤ"۔

باب ۴

آریاؤں کی پنجاب پر فتح

تمام معتبر آراء شمال مغرب میں، (ہندوکش کے پہاڑوں، اصل "کاکیشیا") پہاڑوں کی جانب اس حوالہ پر متفق ہیں کہ یہ بہترین اور نہایت طاقتور قوم کا ابتدائی مسکن تھا، جس نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف ہجرت کی، ہجرت کرنے والی اس قوم کے گروہ ہمالیائی دروں کے ذریعے پنجاب میں داخل ہوئے۔ سرد شمالی علاقے سے آنے کے باعث، ان کا رنگ صاف تھا اور وہ اپنے آپ کو آریا، مطلب، "عالی مرتبہ"، "محترم" اور "حکمران" کہتے تھے۔

یہ لفظ، اصل مادہ سے اخذ کیا گیا ہے جس کا مطلب ہل چلانا ہے اور یہ اس میں سے اس لیے اخذ کیا گیا کیونکہ زراعتی پیشے کو اختیار کرنے کے باعث انہوں نے اس لفظ کو اپنے قبیلے کے نام کے طور پر اختیار کر لیا۔ رگ وید میں لفظ آریا ہر مرتبہ برہمنی قبیلوں کی نشاندہی کرتا ہے جو آریاؤں یا "عالی مرتبہ" لوگوں کے اردگرد پھیلی حقیر یا "اناریہ" قوم کے بالکل برعکس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پہاڑی وطن کی سردی اور برف کی خصوصیات کی یاد ان کے لیے بڑی راحت افزا ہوتی تھی۔ اس ملک میں ہجرت کرنے کے کئی نسلوں کے بعد وہ اپنے دیوتاؤں سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں ایک سو موسم سرما سے کم عطیہ نہ دیا جائے۔ ایران کی سطح مرتفع کے باشندوں کے ساتھ ان کا گہرا ربط تھا وہ بھی اپنے آپ کو آریا، اریا یا اریپاس کہتے تھے۔ ڈریکس اپنی تکونیا، تحریروں میں سے ایک میں اپنے آپ کو ایک آریا اور آریاؤں کی اولاد بتاتا ہے۔ یونانی انہیں "آریاوری" کہتے تھے۔

آریائی زبان کی ایران کے آتش پرستوں کی مقدس کتاب "اویستہ" کے ساتھ گہری

وابستگی ہے اور اس ملک کے مغربی حصے میں، ڈریئس اور ایکسرا یکسز کی یادگاروں کی زبان سے گہری مماثلت ہے۔ ایرانیوں اور ہندوستانیوں کے مذہبی خیالات میں بہت زیادہ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ دبستان(ا) کے مصنف کے مطابق جس کا ذکر سر ولیم جونز نے اکثر اپنی بہترین تصنیف میں بھی کیا ہے۔ ایران میں کیومرس کی حکمرانی سے قبل ایک طاقتور بادشاہت قائم ہوگئی تھی۔ وہ مہابل یا مہابلی خاندان کہلاتا تھا۔ اس نے ایرانی بادشاہت کو انسانیت کی معراج پر پہنچا دیا تھا۔ ایرانی، جو ہوشنگ کے مذہب کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کو زرتشت سے ممیز کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ایران اور پوری دنیا کا پہلا حکمران "مہا آباد" (ایک سنسکرت لفظ) تھا اور اس نے لوگوں کو چار ترتیبوں میں منقسم کر دیا تھا۔ مثلاً مذہبی، عسکری، تجارتی اور غلامی۔ اسی طرز کے نظام کو کئی زمانوں کے بعد ہندوستان میں بھی اختیار کر لیا گیا۔ ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے سر ولیم جونز اپنے یقین کامل کا اظہار کرتے ہیں کہ کیوس کی حکومت سے قبل، جس کی پارسی، پہلا انسان خیال کرتے ہوئے، یاد مناتے ہیں، ایران میں برہمنوں (قدیم آریاؤں) کا مذہب پھیل چکا تھا۔ حالانکہ وہ اس کے دور حکومت سے قبل عالمگیر طوفان پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ پارسیوں کے سینکڑوں نام خالص سنسکرت کے ہیں اور زینڈیس کی زبان سنسکرت کی ایک شاخ ہے۔ قدیم ایران کا دارالخلافہ، پیرسیپولیس یا استخار کے محل کے قدیم کھنڈرات، جنہیں اب تخت جمشید کہا جاتا ہے، کی عبارات کے رسم الخط کی بمبئی میں ا۔یلفنیا میں ہندوستانی مجسموں کی عبارات اور دہلی میں فیروز شاہ کی لاٹھ کی عبارت سے گہری مطابقت ہے۔ یہ سب "دیوا ناگری" اور اس سے بہت زیادہ مماثلت رکھنے والے رسم الخط ہیں اور بلاشبہ ہندوستان اور ایران کے آریاؤں کی مشترکہ نسل میں قائم ہوئے۔

ہندوستان کے آریا سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں محدود تعداد میں تھے اور ان کی قدیم مقدس کتاب میں بار بار سندھ کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن گنگا کا نہیں کیا گیا۔ بلاشک و شبہ اس حقیقت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مہذب اقوام نے کاکیشیا کے پہاڑوں سے اترنے کے بعد سب سے پہلے سندھ اور اس کے پانچ دریاؤں کے علاقے پر قبضہ کیا۔ چنانچہ ان کے عظیم دریا سندھ اور اس کے ماتحت دریا تھے۔ ان کی دعا یہ ہوتی تھی: "اے سندھو (پلائنی میں سندس یعنی سائند سے بہنے والا دریا) دولت بخشنے والے مشہور دریا، ہماری بات سنو اور اپنے پانی سے ہمارے وسیع و عریض کھیتوں کو سرسبز کر دو!" یونانیوں نے اس عظیم دریا کا نام آریاؤں سے حاصل کیا اور اسے مغربی یورپ میں پہنچا دیا۔ اویستہ، میں سرزمین ہفتہ ہندو

(سات دریا) کے ذکر سے واضح طور پر پنجاب کے علاقوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ڈیریس کی عبارات میں دریائے سندھ پر آباد آبادی کو ادھس کہا گیا ہے۔ یونانیوں نے ان ناموں کو انڈاس اور انڈوئی میں تبدیل کر دیا۔

آریا کس دور میں ہندوستان میں داخل ہوئے' اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کچھ لوگوں کے خیال کے مطابق غالباً یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تحت بنی اسرائیل کے دور میں آئے۔ رگ وید میں بیان کی گئی اندرونی شہادت کے مطابق وہ ۱۵۰۰ قبل مسیح یا ۳۴۰۰ سال پیشتر ہندوستان کے شمال مغرب کے پار تک نہیں پھیلے تھے۔(۲)

سر ولیم جونز ہندوستانی سلطنت کی بنیاد کو موجودہ دور سے ۳۸۰۰ سال سے زائد عرصہ سے قبل میں بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر ولسن' اپنی بہترین کتاب "ہندوستان' تین ہزار سال قبل" میں اس دور کا اندازہ ۱۵۰۰ قبل مسیح میں لگاتے ہیں۔ عبرانی زبان کی مقدس کتابوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ۱۰۰۰ قبل مسیح میں تائر اور اسرائیل کے تاجر کشتیوں میں بیٹھ کر جنوبی ملکوں کی طرف جانے کے لیے ایلتا سے خلیج عرب کے ساحل تک گئے اور تین دن کی غیر حاضری کے بعد سونے' چاندی' قیمتی پتھروں' ہاتھی دانت' صندل کی لکڑی' موروں اور بندروں سے لدے ہوئے واپس آئے۔ اب مور اور صندل کی لکڑی کا تعلق صرف ہندوستان سے ہے اور دریائے سندھ کا بالائی علاقہ اور ہمالیہ کے بالائی خطہ میں سونا بکثرت ملتا ہے۔ لہٰذا اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی سیاحت کی اور یہ کہ ۱۰۰۰ قبل مسیح میں آریا اس ملک پر قابض تھے۔ بطلیموس' رے بیریا کی سرزمین کو دریائے سندھ کے دہانے پر بتاتا ہے اور ایک آریائی نظم کے مطابق اس قوم کے پاس گائے' اونٹ' بھیڑیں اور بکریاں تھیں۔ رے بیریا کی نشاندہی' عبرانیوں کے ادفیر اور ہندوستان کے اہیر سے کی گئی ہے' جس کا مطلب چراگاہ ہے اور اگر یہ مفروضہ درست ہو تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مویشی رکھنے والا ایک قبیلہ ۱۰۰۰ قبل مسیح سے پیشتر دریائے سندھ کے کناروں پر آباد تھا اور یہ آریا کے علاوہ کوئی اور قبیلہ نہیں ہو سکتا۔ ایک ممتاز جرمن عالم میکس ڈنکر دیگرو ان اعداد و شمار سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آریا تقریباً ۲۰۰۰ قبل مسیح میں وادی سندھ میں اترے تھے۔ یعنی تقریباً اس وقت جب ایلم کی بادشاہت یوفریٹس اور ٹیگریس کی وادی میں عروج پر تھی۔ جب اسیریا ابھی تک بیلیان کی حکومت کے تحت تھا اور میمفس کی بادشاہت پر ہائی کوس کی حکمرانی تھی"۔ تقریباً اس وقت جب آریاؤں نے ہندوستان پر حملہ کیا تو یورپ میں آنے والے' یونان میں آباد ہونے والے'

ہم اپنی روزمرہ ضروریات اور زندگی کے لازمی میل جول میں تبادلہ کرتے ہیں۔
خاندان کے افراد مویشیوں' چھکڑوں' گاڑیوں' کشتیوں' امور خانہ داری' دھاتوں' برتنوں' اوزاروں اور ہتھیاروں کے لیے ہمارے پاس الفاظ کا مشترکہ ذخیرہ ہے۔ حتیٰ کہ ہندوستان کی جدید زبانوں کے ساتھ مغربی زبانوں کی گہری مماثلت چند مثالوں میں حیران کن ہے۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ فارسی لفظ پنجاب (پانچ دریا) یونانی' TTEVTE' جدید و یلش' ابیر' دو آب میں یونانی Svo یا لاطینی Duo اور اسی طرح و یلش میں بھی ہے۔ سنسکرت میں راجہ' لاطینی میں ریکس ہے' فارسی میں بدنام' انگریزی میں برا نام' بغیر کسی تبدیلی کے ہیں۔
انگریزی کا Warm' پرانی جرمن زبان میں' Waram' پرانی ولندیزی زبان میں Werm' قدیم لاطینی میں Formus' یونانی میں Depyos' فارسی میں گرم اور سنسکرت میں گھرما ہے۔
انگریزی کا (فادر) Father' گوتھک میں Fader' ولندیزی میں Vader' جرمن میں Vater' لاطینی میں Pater' یونانی میں Ttatn'p' فارسی میں پدر' سنسکرت میں پتا اور اردو میں باپ ہے۔ انگریزی میں Mother کے لیے ہمارے پاس' آئس لینڈ کی زبان میں Mother' ڈینش اور سویڈش میں Moder' پرانی جرمن میں Mautar, Muotar' لاطینی Mater' سنسکرت میں ماتا' فارسی میں مادر' پرانی سکلیاوی میں' Mati' روسی میں Maty' آئرش میں Mathaig' اطالوی' ہسپانوی اور پرتگیزی میں Madre' فرانسیسی میں' Mere اور اردو میں ماں ہے۔ اسی طرح بھائی' بہن اور روزمرہ زندگی کے دیگر مشترکہ طور پر استعمال ہونے والے الفاظ کے ساتھ بھی ہے۔ انگریزی لفظ Widow' سنسکرت زبان کے دو الفاظ Vi اور Dhava' وی' دھاوا (ودھوا) سے اخذ کیا گیا ہے' وی کا مطلب بغیر اور دھاوا کا مطلب خاوند ہے۔ یہ جرمن میں Wedewe' Wituwa' Witawa اور Witwa ہے۔ روسی زبان میں Widdewa ' لاطینی میں Vidua 'Viduus سے اخذ کیا گیا ہے' جس کا مطلب' خاوند سے محروم ہے۔ اسی طرح لفظ Daughter' سنسکرت زبان کے لفظ دوہتری سے اخذ کیا گیا ہے' جس کا مطلب گوالن ہے۔ کیونکہ اولین آریاؤں میں گھریلو معیشت میں سے خصوصی حصہ بیٹی کو بھی دیا جاتا تھا۔ ولندیزی میں یہ Dogter' Dochter' آئس لینڈک' Dottir' سویڈش' Dotter 'Dattir' گوتھک' Dauhtar' اور فارسی میں دختر ہے۔ ولندیزی اور فارسی الفاظ میں گہری مماثلت بڑی حیران کن ہے۔ ہندوستانی' دیوا' چمکدار' دیو سے نکلا ہے جس کا مطلب' چمکتا ہے۔ لاطینی Dietas 'Deus' خدا یا Divas 'Dius' جو دیوتا سے متعلق ہے۔ لیتھوانین' Deuas' فرانسیسی Deite' ہسپانوی Deidad' پرتگیزی'

'Deidade' اطالوی Deita ہے۔ یہ یونانیوں کے (Dyaus) Zeus اور رومنوں کے (Dyauspitar) Fupiter کی بازگشت ہے۔ تمام مشترکہ الفاظ' گھریلو صنعت اور گھریلو معیشت کے کاموں میں استعمال ہوتے ہیں۔ Sewing' دھاگہ اور سوئی سے جوڑنا کو اردو میں سینا کہتے ہیں اور لاطینی میں Suere' چاند کے مطابق سال کی تقسیم کے لیے یکساں اصطلاحات ہیں۔ اسی طرح ابتدائی ہندسوں' گز' باغات' قلعوں' دیوتاؤں' داستانوں' قربانیوں اور رسم و رواج کے لیے بھی ہیں۔ مصری دیومالائی داستانوں کے اوسیرس اور ادیسس' ہندوؤں کے اسوارا اور اسیر ہیں اور جو ہندو وید میں مترا ہے وہ ایرانیوں کی اویستہ میں متھرا ہے۔ آریاؤں کا بالائی ہوا کا دیوتا' ورونہ' یونانیوں کا اورانوس ہے۔ ایرانیوں کا بدروحوں کا سردار' ویرترا' ہندوستانیوں کا ور-ترا ہے۔

ایک دوسرے سے انتہائی دور فاصلوں پر واقع علیحدہ قوموں کے درمیان بولے جانے والے الفاظ کے باہمی ربط سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ اس سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں: پہلی یہ کہ ان الفاظ کی حامل اور انہیں استعمال کرنے والی قومیں یورپ اور ایشیا کے براعظموں میں آباد ہونے کے باوجود' ایک ہی مشترکہ گروہ کی نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔(۳)

یونانی' لاطینی اور ٹیوٹن زبانیں سنسکرت سے ربط رکھتی ہیں۔ اسی طرح قدیم ایرانی اور یورپی زبانیں ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ دیگر الفاظ میں یہ جڑواں زبانیں ہیں۔ دوسری یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ جدا ہونے سے قبل یہ اقوام تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ وہ زمین کاشت کرتیں' مویشی پالتیں' اوزار استعمال کرتیں' مکانات تعمیر کرتیں' چھکڑے اور کشتیاں بھی بناتی تھیں۔

رگ ویدا

رگ ویدا (لغوی مطلب "علم کا سرچشمہ" یا "نظر کا منبع") کو ہندو شاستراؤں میں سب سے اعلیٰ' نہایت مقدس اور نہایت قدیم سمجھتے ہیں۔ وہ اس کے لافانی نزول کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کا بہت زیادہ احترام کرتے ہوئے اس کو مکمل' بے عیب' لافانی اور قدیم سچ پر مشتمل کتاب قرار دیتے ہیں۔

پارسی عبادت اور چینی فلسفے کے علاوہ بے شک اس کا شمار دنیا میں موجود نہایت قدیم اشیاء میں ہوتا ہے۔ اس سے آریاؤں کی زندگی سے متعلق شہادت کا پتہ چلتا ہے جو ۲۰۰۰ سال قبل مسیح میں سندھ کے علاقوں میں آباد ہوگئے تھے۔ ویدائیں چار ہیں۔ رگ' ساما' یاجر اور اتھارون۔ رگ ویدا کو منترا کا خطاب دیا گیا ہے۔ بھجنوں' بھاری دعاؤں اور

مناجات پر مشتمل ہے' جن کی تعداد ۱۰۱۷ ہے۔ اجتماعی شکل میں اس کو سیتہا یا نظموں کا مجموعہ کہا جاتا ہے اور حقیقت میں یہی اصلی اور صحیح ویدا ہے۔ یہ ۱۰۵۸۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ ان سب میں دیوتاؤں سے خطاب کیا گیا ہے۔ اندرا' بارش کا دیوتا' جو بادلوں کو حکم دے کر لاتا ہے اور اس بارش سے ہمالیہ سے نکلنے والے ندی نالے اور دریا بھر جاتے ہیں' اس کے لیے بہت گانے لکھے گئے ہیں۔ آگ کا دیوتا' اگنی (لاطینی اگنیس) جو لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے' اس کی دوسرے نمبر پر تعریف کی جاتی ہے۔ ساما' رگ کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ یاجر میں بھی بہت سا مواد رگ ہی سے حاصل کیا گیا ہے۔ اتھارون' جو دوسرے لفظوں میں برہمنا کے نام سے مشہور ہے۔ رگ ویدا یا منترا سے کافی عرصہ بعد کی ہے۔ اس سے مقدس رسوم ادا کرنے کی نشاندہی ہوتی ہے' جن میں مذہبی خاندانوں کے لوگ بھجن گاتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے نکات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

ویداؤں نے ہمارے سامنے آسمانوں کی بالکل اصل تصاویر پیش کی ہیں۔ انہوں نے ہمارے سامنے فطرت کے مظاہر کا حسین منظر پیش کیا ہے اور ہمیں سکھایا ہے کہ ہر عظیم اور بہتر چیز کو غور سے دیکھو۔ بھجن مختلف ادوار سے متعلق ہیں اور لکھنے کے فن کے متعارف ہونے سے قبل مقدس خاندانوں یا رشیوں نے انہیں محفوظ کر لیا تھا' جن کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کے یہ ان پر نازل ہوئے تھے۔ اس شکل میں یہ نسل در نسل باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتے رہے۔ ان میں سے چند نظمیں نہایت قدیم زبان میں لکھی گئی ہیں۔ جن کو سنسکرت زبان کا کوئی بہت ہی بہترین عالم فاضل سمجھ سکتا ہے اور غالباً آریاؤں کی موجودگی کے اولین دور سے متعلق ہیں۔ دوسری نہایت نرم اور شاعرانہ زبان میں لکھی گئی ہیں اور بعد کے دور سے متعلق ہیں۔ جب آریاؤں نے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے کافی ترقی کر لی تھی۔ ہر قدم پر انہوں نے خیالاتی قوت اور فطرت کی تروتازگی کو بیان کیا ہے۔ ان میں کسی قسم کے تاریخی حقائق بیان نہیں کیے گئے بلکہ اس میں مقدس حکایات' عوامی عبادت کے طریقے' مذہبی مشاہدات اور رسومات کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ ان میں بہت سی نظموں میں مقدس راہبوں اور جوگیوں سے خطاب کیا گیا ہے اور چند میں رشی یا مصنف کا نام بھی درج ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے:

"اس بھجن کو انگیراس کی نسل کے ورگھاتما نے بنایا ہے یا اس نئے بھجن کو گوتما کے وارث نودھاس نے لکھا"۔ مقدس بھجنوں کو جوگیوں نے نہایت ایمانداری سے محفوظ کیا اور اس کے بعد وہ سندھ کی زمین سے شمال کی طرف بڑھ گئے۔ اولین بھجن اس نسل کے

آدمیوں کے پرانے ٹھکانوں اور گزشتہ حالات کے بارے میں ان کا سراغ بتانے میں ناکام رہے ہیں، جن کا ذکر ان میں کیا گیا ہے۔ تاہم ہم ان میں مختلف استعاروں اور تشبیہات سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ آریا، جنہوں نے وسطی ایشیا میں مغرب بعید کے لوگوں کے ساتھ مشترکہ پڑاؤ ڈالا ہوا تھا، ایسے لوگ تھے جو زمین کاشت کرنے سے زیادہ مویشیوں کی نسل کشی پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ وہ غیر مہذب عادات کے گلہ بان تھے۔ گوپا یا گوپال (گلہ بان) بہت زیادہ تعداد میں تھے اور اس وقت گلہ بان کو شہزادہ کہا جاتا تھا۔ رشی، جنہوں نے بھجن لکھے، اپنے دیوتاؤں سے دعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں بہت زیادہ دودھ دینے والی گائیں عنایت کریں۔

دیوتاؤں سے استدعا کی جاتی تھی کہ وہ گلوں میں اضافہ اور چراگاہوں کو سرسبز کرنے کے لیے گائیوں کو بدقسمتی سے محفوظ رکھیں۔ جس طرح موجودہ دور میں سکوں کو تبادلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح مویشیوں کو تبادلے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ادائیگیاں کی جاتی تھیں اور گائیوں کی صورت میں جرمانے نافذ کئے جاتے تھے اور جنگ کے نعروں میں سے ایک کو "گائے کی خواہش" سے منسوب کیا گیا ہے۔ شب و روز ان کے ذہنوں میں گائے کا موضوع ہی رہتا تھا۔ گائے کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ جانور قادر مطلق کا بڑا پسندیدہ ہے اور جب سے یہ آدمی کے لیے مفید ہوئی ہے اس کی حفاظت کو مذہبی فریضہ سمجھا جاتا تھا لیکن گائے کی پرستش صرف ہندوؤں تک محدود نہیں تھی، قدیم مصری اور فونیشیس یکساں طور پر اس نہایت مفید، قیمتی اور شریف جانور کی پوجا کرتے تھے۔ مصری، دیومالائی داستانوں میں بیل اپیس کی پرستش کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ بھینسوں، بھیڑوں اور بکریوں کے علاوہ ویداؤں میں گھوڑوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ دیوتاؤں کے آگے گھوڑوں کی قربانی کے وقت اس امید پر کٹی ہوئی مکئی نچھاور کی جاتی تھی کہ ان نذرانوں سے گھوڑوں کی نسل کشی میں اضافہ ہوگا۔ آریا کوہان دار، بیل اور اونٹ بھی پالتے تھے۔

ایرانیوں کی زیندہ و۔ستہ کے مطابق آریاؤں کی نسل تین حصوں یا قبائل میں منقسم ہو گئی۔ ان میں سے ایک کا گزارہ شکار پر ہوتا تھا۔ دوسرا مویشیوں کے ریوڑ رکھتا تھا اور تیسرا زرعی زندگی اختیار کئے ہوئے تھا۔ یقیناً یہ اس وقت تھا جب وہ ایک منظم معاشرے میں آباد تھے۔

رگ ویدا کے بھجنوں کو پنجاب اور سندھ کے ساتھ آبادیوں میں لکھا گیا۔ یہیں (پنجاب میں) بھجن گانے والوں نے انہیں گایا بھجن میں اپنے دیوتاؤں سے "سیاہ رنگت"

کے ہندوستانیوں یا اپنی قوم کے مخالفین کے خلاف فتح کی استدعا کی گئی ہے۔ مشہور زمانہ اور دولت عطا کرنے والے سندھو (سندھ) کی خصوصی تعریف و توصیف اور پرستش کی گئی ہے۔ آریاؤں کے مسکن کے طور پر سپتہ سندھوا(۴) یا سات دریاؤں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ وہ ہیں' سندھو (سندھ)' ویتاسہ (جہلم) اسیکنی یا اسیسی نس (چناب) اراوتی (راوی)' وپاسہ (بیاس) اور ستادرو (ستلج) ساتواں دریا' سراسوتی جسے تھانیسر کے قریب سرسوتی سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس کو ویدا میں واضح طور پر "سات بہنوں والا" کہا گیا ہے۔ اس علاقے میں پانی با افراط اور سبزہ بے انتہا تھا۔

جمنا اور گنگا کے نام حادثاتی طور پر وقوع پذیر ہوئے ہیں اور وندھیا کے پہاڑوں اور نرمدا (نربادا) کا ذکر بالکل نہیں آیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہ بھجن لکھے گئے تو اس وقت تک آریہ پنجاب کے علاقوں میں آباد تھے۔ شاندار بھجن کے زمانے میں انہوں نے جو مشہور آباد کاریاں کیں ان میں ایک سرساوتی (سرسوتی) اور درشدوتی' موجودہ گھگر کے درمیان تھی۔ اس سرزمین کو دیوتاؤں نے پیدا کیا تھا اور اسی وجہ سے انہوں نے اس کو برہما ورتد یا "مقدس گویوں کی سرزمین" کا نام دے دیا۔ اس علاقے کو ابھی تک مقدس سمجھا جاتا ہے اور اسی سے آریا' آہستہ آہستہ جمنا اور گنگا کے زرخیز خطوں کی طرف پھیل گئے۔

رگ ویدا کے بھجنوں سے اس بات کی واضح شہادت ملتی ہے کہ قدیم آریاؤں کو بغیر قتل و غارت کے پنجاب میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جنگجو راکھشوں' جنگلی آسوراؤں اور سیاہ رنگت کے پشاچاؤں کے ساتھ طویل اور خونریز کشمکش ہوئیں۔ قدیم باشندے پتھر کے بنے ہوئے مکانوں میں رہتے تھے اور ان کے پاس مویشی اور رتھیں بھی تھیں۔ وہ گھر اور ٹھکانے کے لیے بری طرح لڑتے تھے اور ویداؤں کے بھجنوں میں فتح کے لیے کی گئی بے شمار دعاؤں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کالی رنگت کی قوم کو غلام بنانے سے قبل آریاؤں کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ غضبناک اندرا' جس کے پاس یہ قوت تھی کہ وہ طوفان باد و باراں کو لے آتا تھا' اپنی آواز کی کڑک' بجلی کی تلوار اور گھنے بادلوں کی فوجوں کو بھی ہمراہ لے آتا تھا۔ اس سے راکھشوں کے کالے جسموں کو پھاڑنے' کالی رنگت کے گروہوں کو کچلنے کے لیے استدعا کی گئی ہے۔ دیوتاؤں سے دشمنوں کی کمانوں کی تانتوں کو کاٹنے کے لیے دعا کی گئی ہے۔ بھجن ویدک جنگجوؤں اور ہیروؤں کی تعریف و توصیف سے بھرے پڑے ہیں۔ زرہ بکتر میں ملبوس جب کوئی جنگجو میدان جنگ میں پیش

قدمی کرتا ہے تو اسے بادل کی چمک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی زرہ بکتر کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی کمان کو حیرت انگیز کارنامے کرنے والی کہا گیا ہے کہ وہ "چاروں طرف کے علاقوں کو فتح کرنے والی ہے"۔ مضبوط سموں والے گھوڑے' زبردست ہنہناہٹوں کے ساتھ اور اپنی رتھوں کے ہمراہ دشمن پر چڑھ دوڑتے ہیں اور انہیں اپنے سموں کے نیچے کچل کر ہلاک کر ڈالتے ہیں"۔

آریہ ان رتھوں کے ذریعے جنگ کرتے تھے' جن کو گھوڑے کھینچتے تھے۔ قدیم یونانیوں نے بھی یہی طریقہ جنگ اپنا لیا اور ٹروجن کی جنگ' جسے ہومر نے لازوال بنا دیا ہے اور جو غالباً ۱۱۵۰ قبل مسیح میں رونما ہوئی۔ اس میں جنگی رتھ استعمال ہوئے۔ آریاؤں کے پاس پیادہ فوج بھی ہوتے تھے' تاہم ان کا رتبہ رتھ سواروں سے کم ہوتا تھا۔ جنگی رتھوں کے علاوہ تلواروں(۵)' کلہاڑوں' کمانوں' بھالوں' بگلوں اور علم برداروں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ابتدائی زمانے سے ہندو میدان جنگ کے وسط میں جنگجوؤں کے ذہنوں میں دلیری کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے علم کو خاص طور پر استعمال کرتے آئے ہیں۔ بگل اور نقارے' کمانداروں کا حکم پہنچانے یا سپاہیوں کو بہادرانہ کارنامے سرانجام دینے کے لیے اکسانے کی خاطر استعمال کئے جاتے تھے۔

رگ ویدا کے مطابق نقارہ ایک انتہائی قدیم ساز ہے' جس کو ہندو استعمال کرتے تھے۔ یہ جنگجوؤں میں جنگی جذبہ اجاگر کرتا تھا۔ چنانچہ اس سے استدعا کی جاتی تھی کہ : "جنگی نقارے اپنی آواز سے آسمان اور زمین دونوں کو بھر دو اور اس سے ساکن و حرکت پذیر ہر چیز کو آگاہ کر دو۔ تم جو اندرا اور دیوتاؤں کے ساتھی ہو' ہمارے دشمنوں کو کہیں دور تک نکال باہر کرو' دشمنوں کے آگے آواز بلند کرو' ہماری شجاعت کو زندہ کرو' شیطانی ذہنوں کو اپنی گھن گرج سے ہراساں کر دو۔ اے نقارے ان کو شکست دو جو ہمیں نقصان پہنچا کر خوش ہوتے ہیں۔ تم اندرا کے پہلے ہتھیار ہو' ہمارے اندر حوصلہ پیدا کرو' اندرا ہمارے مویشی واپس لاؤ"۔ نقارے کی آواز مسلسل ایک اشارہ ہے : ہمارے رہنما اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جمع ہوئے ہیں۔ اے اندرا! اپنے رتھوں پر سوار ہمارے جنگجوؤں کو فتح سے ہمکنار کر۔ رگ ویدا اور دیگر عظیم داستانوں میں نعرۂ جنگ کا ذکر کیا گیا ہے' جس میں مذہبی نوعیت کے الفاظ یا لفظ جیہ (فتح) استعمال کیا جاتا تھا۔ اس میں اپنے پیشوا کا نام بھی شامل کر کے "جیہ راما" رام کی فتح یا "جیاستو پانڈو پتر نام!" "پانڈو کے بیٹوں کی کامیابی" کہا جاتا تھا۔ ابھی تک وہ جنگوں میں ہاتھیوں کے استعمال سے ناواقف تھے۔ حالانکہ ایک پالتو ہاتھی کا ذکر

ملتا ہے جو ایک آسورا کی ملکیت تھا۔

آریاؤں کی تنظیم

سندھ کے آریا اپنی طبیعت کے اعتبار سے شہری نہیں تھے۔ ان کی ابتدائی آبادیوں میں ہر باپ اپنے خاندان کا پیشوا ہوتا تھا۔ ابھی تک قبائلی قربانیوں کی صدارت آبادیوں (وسپتی) کے سردار کرتے تھے اور ویدک لوگوں کو بڑے شہروں یا سلطنتوں کی شکل میں منظم کیا گیا تھا۔ ہر آبادی اپنے راجہ یا شہزادے کو اپنا حکمران سمجھتی تھی اور اس کا ہر حکم مانتی تھی۔ راجے، گراما (دیہاتوں) اور پورہ (قلعوں کی آبادیوں) پر حکمرانی کرتے تھے۔

جوگی اور راہب جو ان کے خادموں کی ٹولی کی شکل میں ہوتے تھے، جنگ اور فتح کے شاندار بھجن گاتے تھے۔ وہ دعائیں اور قربانیاں بھی کرتے تھے اور سیاہ ڈیسوس یا مخالف شہزادے پر فتح حاصل ہونے کے بعد نظمیں لکھتے، جو میدان جنگ میں سورماؤں کے کارناموں کی تعریف سے بھری ہوتی تھیں۔ ان شاعرانہ نغموں کے لکھنے پر ان کے مالکان انہیں بڑی فیاضی سے انعام و اکرام سے نوازتے تھے۔ انعام، کنیزوں، پارچات، گائیوں، سونے اور رتھوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ ان راہبوں میں سے ایک نے بیویا کے بیٹے سوانیا کی تعریف "ناقابل شکست شہزادے" کے طور پر کی ہے، جو سندھ میں رہتا تھا۔

پنجاب میں آریاؤں کی زندگی عسکری اور مردانہ تھی۔ وہاں ان میں جنگجوانہ جذبہ پروان چڑھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو گرم آب و ہوا میں ڈھال لیا تھا۔ اگرچہ محسوس ہوتا ہے انہوں نے اپنے شمالی آبائی وطن کو فراموش نہیں کیا تھا، جہاں ہمالیہ کے برفپوش پہاڑوں پر اور ان کی بلند و بالا دیواروں کے پیچھے انہوں نے اپنے دیوتاؤں اور سورماؤں کی جنت قائم کی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے نہریں کھودی تھیں اور مکئی (دھانہ)، پھلیاں، جو اور تل اگائے تھے۔ وہ کپڑا بننے، سوت کاتنے کے فنون اور چمڑے کے کام سے بھی آشنا تھے۔ ان میں لوہار، ترکھان، چھکڑا بنانے والے، کشتیاں بنانے والے، سنار اور دیگر اہل حرفہ موجود تھے۔ ان کے پاس تھوڑا سا کشتی رانی کا بھی علم تھا۔ ان میں طبیب بھی موجود تھے، جو جڑی بوٹیوں کی صحت بخش خصوصیات سے واقف تھے۔ ان کا ذکر ویداؤں کے بھجنوں میں کیا گیا ہے۔ شراب خانوں، پاسہ، موسیقاروں اور رقاصوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ زیب و زینت سے آراستہ عورتیں، جنہوں نے "بالوں میں چار گانٹھیں" لگائی ہوتی تھیں اور خوبصورت لباس زیب تن کئے ہوتے تھے۔ ان کی زیادہ خواہش کی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے ابھی تک یک زوجگی کا رواج تھا اور ایک شہزادہ صرف ایک بیوی سے

مطمئن رہتا تھا۔

ایک دوشیزہ اپنا خاوند منتخب کر سکتی تھی۔ اس کو خوش و خرم شمار کیا جاتا تھا کیونکہ وہ اپنی قوم میں سے اپنے خاوند کا انتخاب کر سکتی تھی۔ شادی کی رسم بڑی سادگی سے ادا کی جاتی تھی۔ خاوند اور بیوی کو "گھر کے حکمران" کہا گیا ہے۔

مختلف مثالوں میں قدیم آریاؤں کے سماجی رسم و رواج اور استعمالات کے ساتھ موجودہ دور کے ہندوؤں کا تضاد حیران کن ہے۔ ویداؤں کے دور میں عورت کو آج کل کے مقابلے میں بلند سماجی مرتبہ حاصل تھا۔ اس کے لیے "گھر کی روشنی" کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ اسے علم حاصل کرنے کی اجازت تھی اور ویداؤں کے چند شیریں نغموں میں خاتون مصنفین، بیگمات اور ملکاؤں کی تعریف کی گئی ہے۔

اگرچہ بچپن کی شادی کی مکمل طور پر ممانعت تو نہیں تھی لیکن پھر بھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی۔ ذات پات کے امتیاز سے مکمل طور پر ناآشنا تھے اور برہمنیت کی نمائندگی، ذات پات کی تمیز کی بجائے پیشے کے طور پر کی گئی ہے۔ برہمنی کا عہدہ دراصل پیشوں کی ایک قسم تھا۔ پنچایت کے اراکین بڑی خوشی سے عسکری فرائض انجام دیتے' تجارتی کاروبار کرتے اور زراعت کا کام کرتے تھے۔ ویداؤں نے تناسخ کے عقیدے کے بارے میں کچھ نہیں سکھایا۔ اس پر بڑا مضبوط ایمان تھا کہ مردہ آسمان کی طرف اپنے ان سورماؤں کے ساتھ شامل ہونے کے لیے جاتا ہے جو اس سے پیشتر جا چکے ہیں۔ ان دوستوں کے ساتھ رہنے کے لیے جاتا ہے جو ہمیشہ کی زندگی میں رہتے ہیں اور اپنے والدین' بیویوں اور بچوں سے ملاقات کرنے کے لیے جاتا ہے۔ "اس پرانے راستے میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمارے آباؤ اجداد جا چکے ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کے پاس چلے جاؤ' وہ بلند آسمانوں میں یمہ(٦) کے حکم کی تعمیل کرنا اور یمہ کے لوگوں میں خوش و خرم رہنا' تم رخصت ہو جاؤ' بچ کے راستے پر رخصت ہو جاؤ' قدما سے ملو' یمہ سے ملو۔ ویداؤں کے مطابق اس قسم کے کلمات سے مردے کو رخصت کیا جاتا تھا۔ اگنی دیوتا سے ایک دعا میں کہا گیا ہے کہ "اے اگنی' اسے ان باپوں سے ملنے دو' جنھوں نے قربانیاں دے کر اسے تمہارے قریب کر دیا"۔ اس کے بعد یمہ سے دعا کی جاتی ہے۔ "یمہ اسے ان کتوں سے محفوظ رکھ جو تمہارے لیے نگرانی کرتے ہیں اور تمہارے راستے کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہیں صحت اور پرسکون زندگی عطا کر"۔

اگلی دنیا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "وہ لافانی اور غیر بدل ہے" وہاں لازوال زندگی

اور شان و شوکت ہے۔ وہاں آسمانی پرستش گاہ ہے' وہاں عظیم پانی بہتا ہے' وہاں امرت (امرتہ) سکون' راحت اور اطمینان کے ساتھ موجود ہے اور وہاں تمام خواہشات اور امنگیں پوری ہو جاتی ہیں۔ حالیہ مختلف حالتوں میں تزکیہ نفس کا ہندوانہ فلسفہ' جس میں دیوتاؤں کی خاصیت پائی جاتی ہے' ویداؤں کے دور میں' اس سے لوگ بالکل نا آشنا تھے۔ قدیم برطانیہ کے ڈرویڈز اور قدیم مصر کے راہب بھی اسی عقیدے پر کاربند تھے۔

ویداؤں نے ستی جیسے ہولناک جرم یا اپنے خاوند کی چتا پر بیوہ کے زندہ جل جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس کے برعکس بیوہ کو نصیحت کی جاتی تھی کہ "وہ زندگی کی دنیا کی طرف لوٹ آئے" کیونکہ اس نے اپنے خاوند کے لیے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ موجودہ دور کے ہندوؤں کے برعکس' قدیم آریاؤں کی غذا میں گائے کا گوشت بھی شامل تھا۔ ایک ہی وقت میں وہاں گائے کا گوشت کھانے والے دیوتا اور پجاری بھی تھے۔ آگ کے دیوتا' اگنی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے' کہ "اس نے ایک ہی وقت میں ۳۰۰ بھینسیں کھالی تھیں" گاورا اور گاوایا (گائے کی اقسام) کے ڈیروں کا ذکر کیا گیا ہے' جہاں اندرا' پرہیزگاروں کی خوراک کے لیے رجوع کرتا تھا"۔

ویدوں میں ایک رسم کا حکم دیا گیا ہے جسے گومیدھا یا گائے کی قربانی کہا جاتا تھا۔ اس جیسی قربانی کا حوالہ "مہا بھارت" اور "رامائن" میں بھی کیا گیا ہے۔(۷) داناؤں اور دوستوں کو دی جانے والی دعوت میں گائے یا بچھڑے کو ذبح کیا جاتا تھا اور اسی وجہ سے مہمان کو "گوگھنہ" یا "گائے کو مارنے والا" کہا جاتا تھا۔ پروفیسر کولبروک کا اپنی تصنیف "ایشیائی تحقیقات" میں یہ مشاہدہ ہے کہ ایک مہمان جس کے احترام میں یہ دعوت دی جاتی تھی' وہ روحانی پیشوا' راہب' بزرگ' شہزادہ' دولہا' کوئی دوست یا مختصرا کوئی بھی ہوتا تھا' جس کی آمد پر ایک گائے کو ذبح کرنے کے لیے باندھ دیا جاتا تھا۔ تب سے مہمان کو "گوگھنہ" یا "گائے مارنے والے" کا خطاب دیا گیا۔ "چرکہ سنیتا" جیسی ہندوؤں کی قدیم طبی کتابوں میں' جو تقریباً پانچویں یا چھٹی صدی قبل مسیح میں لکھی گئیں' ان میں گائے کے گوشت کی حاملہ عورت کے لیے سفارش کی گئی ہے۔ اس کتاب کے غذا کے بارے میں لکھے گئے باب میں مصنف نے سفارش کی ہے کہ گائے' بھینس اور سور کے گوشت کو روزانہ نہیں کھانا چاہیے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت گائے کے گوشت کو غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس کو روزانہ استعمال کرنے کے لیے بہت زیادہ خیال کیا جاتا تھا۔ اسی طرح مچھلی' دہی اور جو کے کیک کو روزانہ استعمال کرنے

سے منع کیا گیا تھا۔ گائے کی قربانی کی رسم کو "گواما یانہ" کہا جاتا تھا۔

ہندوستان میں آباد ہونے والی آریا قوم شراب خور تھی۔ وہ آزادانہ طور پر سوم رس اور شراب پیتے تھے۔ دانشور اور بزرگ سوما کے کشید کردہ میٹھے رس کو پیتے تھے جو (ایران کے ھاوما کے مطابق تھا) اور اسے دیوتاؤں کے سامنے نذرانے کے طور پر پیش کرتے تھے۔ سوما ایک پودا ہے' جو خاص طور پر مغربی ہندوستان اور بولان کے درہ میں پیدا ہوتا تھا۔ اس سے بنائی جانے والی شراب کا تعلق قدیم زمانوں سے تھا۔ آریا اس کو آسمانی روحوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ابھی انہوں نے سندھ کی زمین پر قدم نہیں دھرا تھا۔ یہ ایک بہت تیز شراب تھی اور دیوتا اسے بڑی رغبت سے قبول کرتے تھے۔ ویدوں میں سوما کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ اسے پالتو شکرا پہاڑوں کی چوٹی سے لے کر آیا تھا۔ اس کی صحت بخش خصوصیات کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا تھا کہ یہ زندگی کو طویل کرتا ہے اور جوگیوں کے مقدس بھجنوں میں اس سے نئی روح پھونکی جاتی ہے۔

ایران کے قدیم آریاؤں کی طرح ہندوستان کے آریا بھی اپنے مردے کو دفن کرتے تھے۔ کمان جو عزت' بہادری اور سرداری کی علامت ہوتی ہے' لاش کے ہاتھ سے لے لی جاتی تھی اور ایک علیحدہ دیوار ان کے درمیان بنا دی جاتی تھی اور تدفین کے موقع پر رشتہ دار اور دوست موجود ہوتے تھے۔ زندہ لوگ کہتے تھے "ہم یہاں اور تم وہاں ہو' ہم نے یہ علیحدہ دیوار ان لوگوں کے لیے بنائی ہے جو زندہ ہیں تاکہ کوئی بھی اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے جلدی نہ کرے۔ وہ ضرور موت کو اس چٹان سے ڈھانپ دیں گے اور سو سال زندہ رہیں گے"۔ ایران کے آتش پرستوں میں مردوں کو پہاڑوں کے اوپر کھلا رکھ دینے کی رسم تھی اور "سکون کے میناروں" میں وہ پرندوں کا لقمہ بن جاتے تھے۔ ہندوستان کے موجودہ ہندو اپنے مردے کو جلا دیتے ہیں۔

حوالہ جات

(ا) کشمیر کے ایک مقامی باشندے' محمد محسن فانی' جنہوں نے فارسی کے قدیم مستند مندرجات کی مدد سے اپنی گراں قدر تصنیف کو مکمل کیا۔

(۲)　تین سو سال بعد' منو کی دستوری کتاب نے ہندوؤں کے مذہب اور حکومت میں اصلاحات کو متعارف کرایا۔ پراناؤں (قدیم داستانوں کو) کو کافی عرصہ کے بعد جمع کیا گیا۔

(۳)　پروفیسر میکس ملر' کا مشاہدہ ہے کہ اس وقت انگریزوں کی کوئی تجزیاتی جماعت نہیں ہے جو زبان کے قدیم کاغذات کا جائزہ لینے کے بعد ہندو' یونانی اور ٹیوٹن کے درمیان جائز تعلق اور مشترکہ نسل ہونے کے دعوے کو رد کر سکے۔

(۴)　اس کو ایرانیوں کی اویستہ کے "ہفتہ ہندو" سے منسوب کیا گیا ہے۔

(۵)　بلاشبہ' تلوار ایک نہایت قدیم جنگی ہتھیار ہے۔ اس کا سب سے پہلے ذکر تورات کے ۳۴ ویں باب میں ملتا ہے' جہاں حضرت یعقوب کے بیٹوں نے اسے شیچمائش کے خلاف استعمال کیا تھا۔

(۶)　خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ یمہ وہ پہلا انسان تھا جو مرنے کے بعد' لازوال ہوگیا۔ اگلے جہان میں اپنا راستہ دیکھنے کے بعد وہ وہاں لوگوں کی دیکھ بھال کرتا اور ان کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔

(۷)　میں نے اندازہ لگایا ہے کہ قدیم آریا قوم' گائے کی قربانی اپنے دیوتاؤں کے سامنے اس جانور کے تقدس کی وجہ سے کرتے تھے۔

باب ۵

قدیم ہندو

آریاؤں نے یمنہ (جمنا) اور گنگا کے علاقوں کی طرف ہجرت کرنے کے بعد وسیع و عریض اضلاع میں آبادیاں قائم کیں اور اپنے نئے حاصل شدہ علاقوں میں بڑے بڑے شہروں کی بنیاد رکھی۔ اس سرسبز و شاداب علاقے میں ان کی ہجرت کے زمانہ کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ غالباً ۱۵۰۰ قبل مسیح تھا۔ ان کا یہ کام پنجاب کی سرزمین پر ویدک سورماؤں کے قبضے سے زیادہ کٹھن تھا۔ انہیں نہ صرف قدیم باشندوں کی آبادی سے مقابلہ کرنا پڑا تھا بلکہ بہتر علاقوں کے حصول کے لیے انہیں آپس میں بھی ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنا پڑی۔ حکومت حاصل کرنے کے لیے ان جنگوں میں تارکین وطن آریا اپنے اپنے سرداروں یا رہنماؤں کے ساتھ وابستہ ہوگئے' لہٰذا اسی کے باعث بڑی بڑی آبادیاں یا قومیں وجود میں آ گئیں۔ کامیاب سرداروں نے اپنے آپ کو وسیع و عریض علاقوں میں پایا اور ان علاقوں میں آباد لوگوں کے تسلیم شدہ حکمران بن گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ' چھوٹی سرداریاں نسبتاً طاقتور حکومتوں میں ضم ہوگئیں اور اس کے بعد امن کے طویل ادوار آئے۔ ان میں فاتحین نے بڑی تندہی سے اپنے آپ کو ماتحت علاقوں کو منظم کرنے کے کام میں مصروف رکھا۔ ذات پات کے نظام کو فروغ حاصل ہونا شروع ہوگیا۔ برہمنوں (۱) کو دیگر تمام ذاتوں پر فوقیت حاصل تھی۔ وہ مختلف حکومتوں کے درباروں میں مشیروں کے طور پر خدمات سرانجام دیتے تھے۔ وہ قربانیوں کے موقعوں پر جوگیوں اور راہبوں کے طور پر بھی کام کرتے تھے اور مقدس بھجن گاتے تھے' جن کی وجہ سے دیوتاؤں کا نزول ہوتا تھا۔ برہمن کو باقی ماندہ انسانیت کے مقابلہ میں برتر و اعلیٰ سمجھا جاتا تھا۔ (۲) اسے بادشاہ اور دوسرے لوگوں پر

برتری حاصل تھی۔ دیگر تمام ذاتوں پر برہمن کی برتری نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا اضافہ کیا۔ ان کے فلسفے کے نظام کو تقریباً ۸۰۰ قبل مسیح میں عروج حاصل ہوا' جب گنگا کے جنوبی کنارے پر مگدھا کی سلطنت پر پریڈائیولس خاندان کی حکومت تھی۔ جمنا اور گنگا کے درمیان کا علاقہ "برہما رشدیسہ" یا "مقدس دانشوروں کا علاقہ" کہلاتا تھا۔ یہاں پر ہندوؤں کی دو عظیم قدیم قومیں' کورو اور پانڈو' رہا کرتی تھیں۔ جنہیں مہابھارت کے مجنوں نے لازوال بنا دیا ہے اور یہیں پر قدیم شہرت کے حامل مقدس شہر' ہستینہ پورہ' اندرا پرستھ اور کرشنا پورہ موجود تھے۔

متبرک ذات یا برہمنوں کے بعد "چھتری" یا عسکری تھے' جو لوگوں کی حفاظت کرتے تھے۔ واسیاس یا کارکن تھے' جو گلہ بانی کرتے' زمینوں میں ہل چلاتے اور کاروبار کرتے تھے اور اس کے بعد' شودر یا غلام قوم کے افراد تھے۔ وہ قدیم مفتوح باشندوں کی اولاد یا باقیات تھے اور دیگر تینوں قوموں کی خدمت پر اس لیے مامور تھے کہ نہایت ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ برہمنوں کی جماعت بڑی تھی اور اسے فوقیت حاصل تھی۔ وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں برہما یا پاک روح کے زیادہ قریب تھے۔ نسل انسانیت کو اس طرح شمار کیا گیا ہو گا کہ برہما نے برہمنوں کو اپنے منہ سے پیدا کیا' شتریوں کو بازو سے' واسیاسوں کو اپنی رانوں سے اور شودروں کو پاؤں سے پیدا کیا۔ شتریوں نے تلوار اٹھانا تھی' انہیں راج نائیہ یا راج بنسی بھی کہا جاتا تھا' جس کا مطلب "شاہی خاندان سے وابستہ" ہے اور اب اس قوم کی نمائندگی کر رہے ہیں' جسے راجپوت (شاہی خاندان کی اولاد) کہا جاتا ہے۔ واسیاس کافی حد تک دیگر طبقوں میں خلط ملط ہو گئے اور بحیثیت ایک امتیازی ذات کے بالکل ختم ہو گئے۔

برہمنوں نے اپنی معاشرتی برتری کو ان دستوری قوانین کو جمع کرنے سے برقرار رکھا' جسے "منو شاستر" منو کا دستور کہا جاتا ہے۔ ڈنکر کے مطابق' اس دستور کو تقریباً ۶۰۰ قبل مسیح میں یکجا کیا گیا' جبکہ دوسرے اسے بہت بعد کے زمانے کی تاریخ سے منسوب کرتے ہیں۔ وحدانیت کی تعلیم کو منو کے دستور میں ہر جگہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس میں ایک واحد "حکمران" کے سچے علم کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ ابتدائی قطعے میں اس کی نوعیت کو بیان کیا گیا ہے:

> "یہ (یعنی' کائنات) اندھیرے میں موجود تھی۔ ناقابل ادراک' ناقابل بیان' غیر دریافت شدہ' ناقابل دریافت تھی' کیونکہ یہ مکمل طور پر نیند میں ڈوبے

ہوئے تھے"۔

"تب خود بخود وجود میں آنے والی طاقت نے' جو خود بھی ناقابل فہم تھا' اس دنیا کو پانچ عناصر اور دیگر اصولوں کے ساتھ قابل فہم بنایا اور تاریکی کو دور کر کے لامحدود شان و شوکت کے ساتھ ظاہر ہوا"۔

"وہ جسے صرف ذہن ہی پہچان سکتا ہے' وہ جس کے اپنے کوئی ظاہری اعضاء نہیں ہیں' اس کی خصوصیات بیرونی اعضاء میں ظاہر ہوئیں۔ وہ جو ہمیشہ سے موجود ہے' وہ جو سب انسانوں کی روح ہے' وہ جس کا کوئی ادراک نہیں کر سکتا' بذات خود ظاہر ہوگیا"۔

"اس نے اپنے لازوال وجود سے مختلف چیزوں کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا' سب سے پہلے اپنے ذہن سے پانیوں کو پیدا کیا اور ان میں پیداواری بیج رکھ دیا"۔

"کہ وہ ایک ہزار ستونوں کے ہمراہ چاند سورج کی طرح چمکدار سونے جیسا ایک انڈہ بن گیا اور اس انڈے میں تمام ارواح کا جد امجد' برہما خود پیدا ہوا"۔

"پانی نارا کہلاتے ہیں' کیونکہ وہ نارا (خدا کی روح) کی پیداوار تھے اور اس وقت سے یہ اس کے حرکت کرنے کی پہلی جگہ (آیانہ) تھے' تب سے اسے نارائنہ (پانیوں پر حرکت پذیر) کہا جاتا ہے اور اس سے' جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے' جو موجود بھی ہے اور نہیں بھی' جس کا نہ آغاز ہے اور نہ ہی اختتام' لازوال' نر (آدمی) پیدا ہوا' جس کو برہما کے نام سے سارے جہانوں میں شہرت حاصل ہوگئی"۔

"اس انڈے میں عظیم طاقت بے حس و حرکت بیٹھی رہی اور سال کے اختتام پر صرف ذہن کی کوشش سے اس نے انڈے کو خود بخود تقسیم ہونے دیا"۔

"اور اس کے دو حصوں سے اس نے زمین اور آسمان کو تشکیل دیا اور لطیف سانس کے درمیان ہی اس نے آٹھ طبق اور پانیوں کا مستقل ٹھکانہ بنایا۔ برتر و اعلیٰ روح سے اس نے ذہن کو نمودار کیا' جو کافی حد تک موجود رہنے کے باوجود' ناقابل ادراک ہے اور غیر مادی ہے اور ہوش کو پیدا کیا جو اندرونی نگران اور حکمران وغیرہ وغیرہ ہے"۔ (۳)

کائنات کے اسرار و رموز' خدا اور ہمارے بارے میں یہ ہندوؤں کے تصورات تھے۔ ان میں "پرماتما" کے بارے میں معصوم عقائد اور بے انتہا سچائی پائی جاتی ہے۔

رامائن اور مہا بھارت

ہندو ادب نے دو عظیم منظوم داستانوں کو جنم دیا' یعنی رامائن اور مہا بھارت۔ اول الذکر سے متعلقہ واقعات کو تقریباً ۱۰۰۰ قبل مسیح کے زمانے سے منسوب کیا گیا ہے' لیکن اس کو مرتب کرنے کی تاریخ کا تعلق بعد کے زمانہ سے ہے۔ اس کا شہرت یافتہ مصنف ایک شاعر والمیکی تھا۔ اس کا موضوع یہ ہے کہ اودھ کے بادشاہ رام نے لنکا پر حملہ کر دیا' کیونکہ اس کی بیوی سیتا کو لنکا کے باشندے یا راکشس شہزادے راون نے اغوا کر لیا تھا۔ ایک بہت بڑی جنگ ہوئی اور سیتا کو بازیاب کرا لیا گیا۔

مشہور زمانہ داستان مہا بھارت کا تعلق تقریباً ۱۲۰۰ قبل مسیح سے ہے۔ اس منظوم داستان میں ایک دانشور "وسایا" سے خطاب کیا گیا ہے۔ (۴) جو دوسری صدی قبل مسیح میں رہتا تھا۔ یہ داستان پانڈوؤں یا سوریہ (سورج) قوم کے لوگوں' (اس وقت ان کا بادشاہ یود-ھشتر ان کی نمائندگی کر رہا تھا) اور کوروؤں یا چندرا (چاند) قوم کے لوگوں (جن کا سربراہ ان کا بادشاہ (ہر-تر راشترا تھا) کے درمیان لڑی گئی عظیم جنگ کے بارے میں بیان کرتی ہے۔

پانڈوؤں کا دارالخلافہ ممنہ (جمنا) کے کنارے پر' اندرا پرستھا (دہلی) تھا اور کوروؤں کا گنگا کے کنارے ہستینہ پور تھا۔ یود-ھشتر اپنے مخالف کی سلطنت کا دعویدار تھا اور اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لیے سوریہ (سورج) قوم کے تمام سردار' دریشا دوتی (موجودہ تھانیسر) کے قریب' کوروک شیترا کے میدانوں پر پیش قدمی کرتے ہوئے ایک میدان جنگ کی طرف بڑھے' جس میں بعد کے ادوار میں اکثر ہندوستان کی سلطنت کے بارے میں جنگ کرنے والوں کی قسمت کا فیصلہ ہوا۔ خوبصورت' ثابت قدم سورما کرشنا' جس نے اپنی جوانی میں دیہاتیوں کے درمیان ناچتے ہوئے اپنے موسیقی کے فن سے یکدم گوپیوں اور شہزادیوں کے دل موہ لیے تھے' وہ بھی پانڈوؤں کی جانب تھا۔ سندھ سے نربادا اور ہمالیہ کی وادیوں سے بنگال اور بہار تک کے علاقوں کے پچاس شاہی سردار اور بہت سے ماتحت اور حلیف شہزادے میدان جنگ میں جمع ہوئے۔ جنگ پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ یود-ھشتر زرد اور سنہری لباس میں ملبوس اپنی فوجوں کے ہمراہ میدان جنگ کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی شاہی سواری پہ بیٹھا تھا۔ اس کے بعد تیز نگاہ اور گھنی بھنوؤں کے ساتھ لمبے بازوؤں والا بھیما

آیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں سونے کے جڑاؤ والا آہنی نیزا تھام رکھا تھا' اور بہادر ارجنا' جس نے ہاتھ میں بہت بڑی کمان اٹھا رکھی تھی اور اس کے جھنڈے پر بندر کی تصویر تھی۔ جیسے ہی عظیم فوجیں یکجا ہوئیں' ایک کورو جرنیل بھشما' مخالف سمت سے اپنے سنہری رتھ پر سے اپنا جھنڈا لہراتا ہوا آگے بڑھا اور اپنے جنگجوؤں سے چیخ کر مخاطب ہوا۔ "آج آسمان کے دروازے بہادروں کے لیے کھول دیے گئے ہیں۔ اس راستے پر جاؤ' جس سے تمہارے باپ اور آباؤ اجداد بہادری اور شان کے ساتھ آسمانوں کی طرف گئے ہیں۔ کیا تم بستر پر اذیت کے ساتھ اپنی زندگی ختم کرنا پسند کرو گے؟ ایک شتری (سپاہی) کو میدان میں مرنا چاہیے"۔ اس کے بعد اس نے سنکھ بجا دیا اور فوجیں ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ہوگئیں۔ زبردست کشت و خون شروع ہوگیا۔ "چنتے ہوئے ہاتھی" بے قابو ہوگئے اور انتہائی غیظ و غضب کے ساتھ جنگجوؤں کو ان کے رتھوں سے گھسیٹ کر لے گئے۔ برسرپیکار فوجیں ایک دوسرے پر تیروں کی بارش کرنے لگیں۔ منقش کھالوں کی ڈھالیں چھلنی بن گئیں اور جنگجو "پاگل شیروں" کی طرح دو بدو اور دست بدست لڑائی میں مشغول ہوگئے۔ یہ جنگ اٹھارہ روز تک انتہائی غیظ و غضب کے ساتھ لڑی گئی اور اس کے نتیجے میں کوروؤں کو مکمل شکست ہوئی۔

مشہور و معروف سپاہی بھشما سمیت ان کے بڑے بڑے جرنیلوں کو قتل کر دیا گیا اور ان کی فوج نیست و نابود کر دی گئی۔ فاتح خوشی سے چلاتے اور سنکھ بجاتے تھے۔ سونا' چاندی' قیمتی پتھر' کھالوں کے ملبوسات اور کنیز دوشیزاؤں کی صورت میں بہت بڑے بڑے خزانے ان کے ہاتھ لگے۔ مفتوح اور بوڑھا بادشاہ دھریتا رشترا اپنی بیوی گندھاری کے ہمراہ گنگا کے جنگلوں میں نکل گیا اور وہاں جل کر مرگیا۔ پانڈو فتح مندی کے ساتھ ہستینہ پور میں داخل ہوئے' جہاں یود۔شتر تخت پر براجمان ہوا اور مفتوح بادشاہوں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ گھوڑوں کی ایک بہت بڑی قربانی پیش کی گئی' جس میں تمام حلیف شہزادوں نے حصہ لیا۔ ارجنہ نے اس کے بعد یود۔شتر کے لیے سندھواس یا سندھ کے علاقے اور دریائے راوی کے پار کے علاقے گندھارا (قندھار) کو فتح کیا۔ یود۔شتر نے ۳۶ سال تک حکومت کی' اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔

یہ مہابھارت یا "عظیم جنگ" کی کہانی ہے۔ داستان کے اختتام پر ہمیں بتایا گیا ہے کہ "برہمن باقی ماندہ نسل انسانیت کے لیے' گائے دوسرے چوپایوں کے لیے اور سمندر جوہڑ کے لیے کیا ہے؟ اور اسی طرح مہابھارت دیگر تاریخوں کے مقابلے میں کیا ہے۔ (۵)

کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے اور سننے والوں کا گھر جنت میں ہے اور ان کے تمام گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔

ہندوؤں کے قانون کی ایک قدیم کتاب "دھما پدم" میں "بہترین اور اعلیٰ نسل کے سندھو گھوڑوں" کا ذکر کیا گیا ہے۔ دریائے سندھ کے کناروں پر جن گھوڑوں کی نسل کشی کی جاتی تھی، انہیں پورے ہندوستان میں بہترین خیال کیا جاتا تھا۔ رامائن میں اراوتی (راوی) اور دیپاسہ (بیاس) کے بالائی راستے میں آباد "کیکیاس" قوم کا ذکر ملتا ہے۔ کیکیاس کا بادشاہ "اسواپتی" یا "گھوڑوں کا بادشاہ" کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ چوتھی صدی قبل مسیح میں گزرا ہے اور رامائن میں اس کے دارالخلافہ کو "گریو راجہ" کہا گیا ہے۔ دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر ٹیکسلا کا عظیم شہر تھا، جس پر اسی صدی میں مقدونیہ کے سکندر اعظم نے حملہ کیا تھا۔ ان علاقوں میں برہمنوں کے قوانین پھیل گئے اور مجرموں کو سزائے موت دینے اور مردوں کو دفن کرنے کے فرائض چندلا یا اصل باشندے ادا کرتے تھے۔

گنگا کے برہمن پنجاب اپنے قدیم وطن کے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ انہیں ہلیکا یعنی "خارجی" اور ورتیاس یا "کافر" کہتے تھے۔ وہ کہتے "ان کی عورتیں، گلیوں اور میدانوں میں ہاروں سے آراستہ نشہ کیے ہوئے اور بے پردہ گھومتی ہیں۔ وہ گھوڑوں کی طرح ہنہناتے ہوئے اور شور مچاتے ہوئے نہانے کی جگہوں کی طرف دوڑتے ہیں"۔ تاہم ان خیالات میں زبردست مبالغہ آرائی کی گئی ہے اور اس میں گنگا کے برہمنوں میں غرور نظر آتا ہے، جو خود اپنے اور پنجاب کے ہندو قبائل میں مشترکہ ربط کو نظرانداز کرنا چاہتے تھے۔

پنجاب کے بارے میں مغربی مصنفین کے تمام بیانات کو یکجا کرنے سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ تیسری صدی قبل مسیح کے دوسرے نصف حصے میں برہمن فلسفے کو پانچ دریاؤں کے علاقے میں برتری حاصل تھی۔ یہ علاقہ گنجان آباد تھا۔ یہ بے شمار ریاستوں میں منقسم تھا اور ان پر جنگجو شہزادے اور اعلیٰ خاندان حکمرانی کرتے تھے۔ وہاں قوموں کے نگران اور شہروں و اضلاع کے سردار تھے۔ وہاں پر فصیل دار شہروں میں آزاد قومیں رہتی تھیں اور وہ اپنے طور پر ۵۰ ہزار سپاہیوں کی فوج میدان میں لا سکتی تھیں۔ ان کے پاس ایسے شہر تھے، جن میں ۷۰ ہزار آدمیوں کو جنگی قیدیوں کے طور پر رکھا جا سکتا تھا۔ آزاد قوموں اور شہزادوں، دونوں کے پاس ہاتھی اور رتھ ہوتے تھے۔ ان کے شہروں کے گرد اینٹوں اور پتھر کی دیواریں اور مینار ہوتے تھے۔ میگاس تھینز کے مطابق، ان میں سے چند شہروں کے گرد کشادہ اور گہری خندقیں ہوتی تھیں، جن کو دریاؤں کے پانی سے بھر دیا جاتا تھا۔ ان

بادشاہتوں میں سب سے زیادہ طاقتور کشمیر کی بادشاہت تھی جو ابیسارا کی سرزمین تک پھیلی ہوئی تھی۔ وتاسا (بیاس) کے بالائی راستے اور اسکینی (چناب) کے درمیانی علاقے پر پاوراواؤں کے شاہی خاندانوں کی حکمرانی تھی۔

بادشاہوں کی شان و شوکت

یونانیوں نے بادشاہوں اور شہزادوں کے جاہ و جلال کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ نہایت قیمتی محلات میں رہتے تھے' جن کو باغات اور چھجوں سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ ان کے چاروں طرف کنیزیں اور محافظ ہوتے تھے۔ ان کے لبادے سونے اور جواہرات سے چمک رہے ہوتے تھے' حتیٰ کہ ان کے جوتوں کے تلوں میں بھی سونے کا جڑاؤ کیا گیا ہوتا تھا۔ وہ اپنے کانوں میں جواہرات سے مزین بڑے بڑے چمکدار آویزے پہنتے تھے۔ ان کی گردنوں میں سچے موتیوں کی مالائیں ہوتی تھیں اور وہ اپنے سینوں اور بازوؤں کو چمکدار جواہرات سے آراستہ کرتے تھے۔ سنہری عصا' بادشاہت کی علامت ہوتا تھا۔ وہ اپنے احکامات لکھ کر دیا کرتے تھے جن پر ہاتھی دانت کی مہر ثبت ہوتی تھی۔ کوئی شخص بادشاہت کے دربار میں بغیر نذرانہ پیش کیے داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ لوگ اس کا بہت احترام کرتے تھے۔ جس طرح وہ دیوتا کے سامنے جھکتے اور اس سے دعا مانگتے تھے' اسی طرح بادشاہ کے سامنے بھی کرتے تھے۔ خوشی اور مسرت کے موقعوں' مثلاً جنگ کی فتح' شاہی خاندان کے بچے کی پیدائش' قربانی' شادی اور معزز مہمانوں کی آمد وغیرہ کا اعلان لوگوں کے لیے گھنٹیاں بجا کر کیا جاتا تھا۔ ایسے موقعوں پر گلیوں کو مکمل طور پر صاف کیا جاتا تھا اور ان کے دونوں جانب پھول اور ہار آویزاں کیے جاتے تھے۔ سڑکوں پر صندل کے عرق کا چھڑکاؤ کیا جاتا تھا۔ ان پر جھنڈے' پھولوں کے گلدستے اور چھتریاں لگائی جاتی تھیں اور ان کے اطراف میں مناسب فاصلوں پر مرتبان رکھے جاتے تھے' جن میں لوبان اور دیگر خوشبویات جلائی جاتی تھیں۔

بادشاہ کا حرم سرا بے شمار عورتوں پر مشتمل تھا اور اس پر عورتوں کا بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ جو کوئی بھی بادشاہ کی بیوی پر نظر ڈالنے کی جرات کرتا' اسے فوراً قتل کرا دیا جاتا۔ بادشاہ اپنی جان کی زبردست حفاظت کرتا تھا اور اپنے آپ کی' سازشوں سے حفاظت کرتا تھا' جو اس وقت عام ہوتی تھیں۔ اس کام کے لیے صرف ان عورتوں پر بھروسہ کیا جاتا تھا جنہیں ان کے باپوں سے خرید لیا جاتا تھا اور بادشاہ صرف ان زنانہ محافظوں پر اعتماد کرتا تھا۔ وہ اس کے لیے کھانا تیار کرتیں' اس کی میز پر حاضر رہتیں' اس کے لیے شراب

لاتیں اور اسے خواب گاہ کی طرف لے کر جاتی تھیں۔ وہ دن کے وقت سونے کی جرات نہیں کرتا تھا اور اپنی زندگی کے خلاف بننے والی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے رات کے وقت مستقل طور پر اپنی خوابگاہوں کو تبدیل کرتا رہتا تھا۔

اس کی بیویاں کبھی بھی اس سے علیحدہ نہیں ہوتی تھیں حتیٰ کہ شکار کے وقت اور اپنی باری پر غضبناک عورتیں ان کی حفاظت کرتی تھیں۔ یہ تیز آنکھوں والی عورتیں چند رتھوں پر اور چند ساز و سامان سے آراستہ گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہوتی تھیں۔ وہ ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہوتی تھیں جیسے جنگ پر جا رہی ہوں۔ (۶) بادشاہ چار دیواریوں کے اندر شکار کھیلتا تھا اور ایک چبوترے سے تیر پھینکتا تھا۔ دو یا تین مسلح عورتیں اس کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں۔ اسی طرح جنگ میں بھی عورتیں اس کے ہمراہ ہوتی تھیں۔ بادشاہ ماسوائے جنگ پر جانے، شکار کے لیے جانے، قربانی پیش کرنے یا جشن میں شرکت کرنے کے لیے جانے کے، محل کو نہیں چھوڑتا تھا۔ اس کے ساز و سامان کا منظر بہت عظیم اور دلکش ہوتا تھا۔ سب سے پہلے نقاروں والے اور سنکھ بجانے والے آتے۔ ان کے بعد سونے اور چاندی کی جھکیوں والے ہاتھی، رتھیں، جن کے آگے چار چار گھوڑے جتے ہوتے تھے، ان میں سے چند میں توانا اور خوبصورت بیل جتے ہوتے تھے۔

اس کے بعد خوبصورت ساز و سامان سے لیس سپاہی آتے، ان کے بعد جلوس آتا، جو شاہی ملبوسات، سونے اور چاندی میں، زمرد اور دیگر قیمتی پتھروں کے جڑاؤ والے برتنوں کے تھالوں، پانی کے تسلوں، کرسیوں، میزوں وغیرہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ ان کے بعد شیر، ٹائیگر، تیندوے، بھینسے اور دیگر جنگلی جانور آتے۔ کچھ بڑے بڑے آہنی پنجروں میں بند ہوتے، کچھ بندھے ہوتے اور گاڑیوں اور چھکڑوں پہ سوار کرائے ہوتے تھے۔ ان کے بعد چار پہیوں کے چھکڑوں پر زندہ درخت لائے جاتے، جن پر پالتو پرندے مثلاً طوطے، کبوتر، مور اور دیگر پرندے، جو اپنی بولیوں کی شیرینیت اور خوبصورت پروں کے لیے مشہور ہیں، بیٹھے ہوتے تھے۔ بادشاہ نہایت قیمتی لبادے اور ملبوسات میں ملبوس ہو کر اپنے ہاتھی یا شاہی بگھی پر براجمان ہوتا تھا اور ہر طرف خوشبوئیات اور عطروں کے بادل ہوتے تھے۔ اس کے اردگرد عورتوں اور نیزہ بردار آدمیوں کے ہجوم ہوتے تھے اور انہوں نے کافی فاصلے پر دائرہ بنایا ہوتا تھا۔ درباری اور وزیر موسیقاروں اور گویوں کے ہمراہ حاضر ہوتے تھے۔ راستے کے دونوں جانب رسے لگائے جاتے تھے اور اس حد کو پار کرنے کی سزا موت تھی۔

میگاس تھینز، جس کو سلیوکس نکیٹو نے پرسی کے بادشاہ سندرا کوٹس (چندر گپت)

کے پاس سفارتی عملے کے ساتھ روانہ کیا' اس کا دارالخلافہ پالیسوتھرا (پٹنہ) تھا۔ اس نے ہندوستان کے بارے میں بڑا واضح بیان پیش کیا ہے۔ اس کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس نے ۳۰۲ اور ۲۸۸ قبل مسیح کے درمیان اس ملک کا دورہ کیا۔ گلشن کے مطابق' اس نے ۳۰۲ قبل مسیح سے کچھ عرصہ قبل ہندوستان کی سیاحت کی۔ کابل اور پنجاب کے دریاؤں کے سفرناموں میں اس کے مفصل بیانات سے یہ واضح ہے کہ وہ ان علاقوں سے گزرا اور ان میں رہا بھی تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ لوگ فنون میں ماہر تھے۔ وہاں کی زمین ایسی سبزیاں اور پھل پیدا کرتی تھی جو کاشت کرنے کے لیے مشہور ہیں۔ جبکہ زمین کے اندر تمام اقسام کی دھاتوں' مثلاً سونا' چاندی' تانبہ' لوہا اور قلعی وغیرہ کی کانیں موجود تھیں' جن سے زیورات' برتن اور جنگی ہتھیار بنائے جاتے تھے۔ ایرین اور میگاس تھینز' جنہوں نے یونان میں سکندر کی مہم کے بارے میں بیان لکھا ہے' ہندوستان کی دو فصلوں کے بارے میں بتاتے ہیں: ایک موسم سرما میں ہوتی تھی' جب دیگر ملکوں میں گندم' جو اور دالیں اگائی جاتی تھیں اور دوسری موسم گرما میں ہوتی تھی' جب کپاس' باجرہ' تل اور چاول اگائے جاتے تھے۔ میگاس تھینز' لکھتا ہے: "ہندوستان میں قحط کبھی نہیں پڑا اور کھانے پینے کی اشیاء میں قلت کو کبھی محسوس نہیں کیا گیا"۔ پیشہ زراعت سے وابستہ لوگوں کو جنگوں نے تنگ نہیں کیا۔ وہ بغیر کسی نقصان کے اپنے گھریلو کاموں میں مصروف رہتے تھے اور ان کے کاشت کردہ کھیتوں کو فاتح فوجوں کے قدموں نے کبھی پاؤں تلے نہیں روندا۔ زراعت کو مقدس سمجھا جاتا تھا اور لوگوں کے لیے فلاح و بہبود کا کام کرنے کی وجہ سے کاشتکاروں کو ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ نتیجتاً" انہیں کوئی جنگی ہتھیار فراہم نہیں کیا جاتا تھا اور وہ ہر قسم کے عسکری فرائض اور حکومتی معاملات سے مستثنیٰ ہوتے تھے۔

ہندو غلامی سے ناآشنا تھے۔ ان کے قانون میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو کوئی دوسرا مکمل طور پر اپنی مرضی کے تابع نہیں کر سکتا۔ دانشور قربانیوں کا انتظام کرتے اور مردے کی تجہیز و تکفین اور آخری رسومات ادا کرتے تھے۔ انہوں نے جنتری (کیلنڈر) کو باقاعدہ بنایا اور قربانیوں اور عوامی تہواروں کے لیے مبارک تاریخیں مقرر کیں۔ ہر سال کے آغاز پر بادشاہ ان داناؤں کا بہت بڑا اجلاس طلب کرتا تھا' جس میں وہ حکومت کی قسمت' واقعات' سال کے اچھا یا برا ہونے کے بارے میں پیشین گوئی کرتے اور بتاتے' آیا یہ بہت زیادہ بارشیں لے کر آئے گا یا خشک رہے گا' یہ صحت بخش ہوگا یا غیر صحت بخش ہوگا۔ بادشاہ اور عوام دونوں ان پیشین گوئیوں کے مطابق اقدامات کرتے تھے۔ اگر

کسی فلسفی کی پیشین گوئیاں درست ثابت نہ ہوتیں تو پہلی دو غلطیوں کے لیے اسے کوئی سزا نہیں دی جاتی تھی، لیکن اگر کوئی تیسری مرتبہ بھی غلطی کرتا تو اسے باقی ماندہ زندگی میں مکمل طور پر خاموش رہنا ہوتا تھا۔ روئے زمین کی کوئی طاقت سزا یافتہ شخص کو ایک لفظ بولنے پر آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔

قدیم ہندوؤں کے رسم و رواج اور معاشرتی عادات و اطوار

یونانیوں کے مطابق ہندوستانیوں کے اطوار سادہ تھے اور وہ کفایت شعاری کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ماسوائے قربانیوں کے موقعوں کے، وہ شراب کو چکھتے نہیں تھے۔ امرا زیب و زینت کو پسند کرتے تھے، سونے اور جواہرات کے جڑاؤ والے زیورات اور ملبوسات زیب تن کرتے تھے۔ سچائی اور نیکی کو شعار بنایا گیا تھا۔ لوگ کاروبار میں مخلص اور ایماندار تھے اور شاذ و نادر ہی قانونی چارہ جوئی کرتے تھے۔ چوری بہت کم وقوع پذیر ہوتی تھی۔ عام طور پر مکانوں اور جائیداد کو بغیر کسی حفاظت کے چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ ادھار رقم دیتے وقت وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے تھے۔ کاروباری لین دین پر کسی گواہی یا تصدیق کے لیے مہروں وغیرہ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کسی حفاظت کی ضرورت ہوتی تھی۔ رقم پر سود ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص اپنی رقم یا امانت کو حاصل کرنے میں ناکام رہتا تو وہ دوسرے شخص پر نالش یا مقدمہ نہیں کرتا تھا، بلکہ نہایت سادگی سے اپنے آپ کو ایک دغاباز پر اعتماد کرنے پر برا بھلا کہتا اور اپنے نقصان کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کر لیتا تھا۔ قطع عضو کی سزا قطع عضو ہی تھی۔ اضافی طور پر مجرم کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا تھا، لیکن اگر کوئی کسی فنکار یا دستکار کو آنکھ یا ہاتھ سے محروم کر دیتا تو اسے سزائے موت دے دی جاتی تھی۔ غداری کی سزا میں ہاتھ یا پاؤں کاٹ دیا جاتا اور وحشیانہ جرائم میں مجرموں کو بادشاہ کے حکم سے کوڑے مارے جاتے تھے۔ آخر میں جو سزا سب سے زیادہ باعث رسوا سمجھی جاتی تھی، وہ سر کو مونڈھنا تھا۔

یونانیوں نے انصاف کے ساتھ پیار کے سلسلہ میں ہندوستانیوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ ان کے حکام فوجداری اور منصف باضمیر ہوتے تھے اور مساوی انصاف کرتے تھے۔ بادشاہ خود بھی انصاف کی تقسیم پر بہت زیادہ توجہ دیتا تھا اور بعض اوقات پورا دن مقدمات سننے اور ان کے فیصلے کرنے میں گزار دیتا۔ جس وقت وہ بہت زیادہ مصروف ہوتا تو چار خدمت گار لکڑی یا شاہ بلوط کے استوانے اس کے جسم پر رگڑتے تھے۔ یہ جسم کی ورزش کے لیے

نہایت پسندیدہ طریقہ تھا۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہندوستانی بہت سی بیویوں سے شادی کرتے تھے۔ بیل کے ایک جوئے کے عوض بیوی خرید لی جاتی تھی۔ وہ کم قیمت ہونے کے باوجود وفادار اور پاکدامن ہوتی تھی۔ عورتوں کو ان مقابلہ بازوں میں انعام کے طور پر بانٹ دیا جاتا تھا' جو تیراندازی' کشتی' مکہ بازی' دوڑ یا کسی اور مردانہ کھیل میں نمایاں کام سرانجام دیتے تھے۔

میگاس تھینز ہندوستانیوں کے مخصوص اوقات میں کھانے پینے اور اکیلے کھانا کھانے کی عادت پر سخت تنقید کرتا ہے۔ تاہم یہ کاروبار کے متعلق ان کی توجہ اور ذاتی سہولت و آرام سے بے اعتنائی کو ظاہر کرتی ہے۔ لوگوں میں مل جل کر نہ کھانے کی وجہ واضح طور پر ذات پات کی پابندی تھی جو اس ملک پر یونانیوں کے حملے سے پیشتر یہاں پاؤں جما چکی تھی۔

سٹربو کے مطابق' ملک کی حکومت افسروں کے ذریعے چلائی جاتی تھی جن کے فرائض مختلف تھے۔ یہ انتظامی اور فوجی تھے۔ انتظامی محکمہ میں اراضی کے محصولات کے ضلع دار' ناظر مساحت' منڈیوں کے نگران' جو اوزان اور پیمائشوں کی نگرانی بھی کرتے تھے' شہروں کے نگران اور گھاٹوں و آبپاشی کی نہروں کے نگران بھی شامل تھے۔ اہل حرفہ' مثلاً لوہاروں' ترکھانوں' کان کنوں اور آرا کشوں کی نگرانی کرنے کے لیے افسر مقرر کیے گئے تھے۔ تجارت' کاروبار' دستکاری کی اشیاء اور مصنوعات کی نگرانی کے لیے افسر پیدائش اور اموات کی تفصیلات حاصل کرنے والے افسر اور سڑکوں کی نگرانی کے افسران متعین کیے جاتے تھے۔ فاصلوں کو ظاہر کرنے کے لیے ہر دس ستیدا پر ایک ستون نصب کیا گیا تھا۔ عظیم داستانوں میں شہری سڑکوں کا ذکر ملتا ہے' جو کشادہ اور چوڑی ہوتی تھیں اور ان کے اطراف میں بیوپاریوں اور تاجروں کی دکانیں اور نہایت خوبصورت و شاندار نجی مکانات ہوتے تھے۔ گرد و غبار کو بٹھانے کے لیے گلیوں میں پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا تھا اور انہیں ہر قسم کے کوڑا کرکٹ سے صاف کر دیا جاتا تھا۔ رامائن میں اودھ سے پنجاب تک بنی ہوئی جرنیلی سڑک کا ذکر ملتا ہے۔ یہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ قدیم ہندو باقاعدہ اور مہذب زندگی بسر کرتے تھے۔

غیر ملکیوں کے آرام کے لیے خصوصی توجہ دی جاتی تھی اور ان کے بندوبست کے لیے خصوصی افسران مقرر کیے جاتے تھے' تاہم بیان کیا گیا ہے کہ وہ اجنبیوں کی ہر حرکت پر دھیان رکھتے تھے۔

محکمہ فوج افسران' پیادہ سپاہیوں اور رتھ بانوں پر مشتمل تھا۔ پیادہ سپاہی' قد آدم کے برابر کمان تھامے ہوتے تھے۔ کمان کے ایک سرے کو زمین پر رکھ کے پاؤں کی انگلیوں میں مضبوطی سے تھام کر اس کی تانت کو پیچھے کی طرف کھینچ کر تیر چھوڑا جاتا تھا۔ ایرین کے مطابق' ایک ہندوستانی تیر انداز کا چھوڑا ہوا تیر مضبوط سے مضبوط تر ڈھال اور سخت ترین سینہ بند کو پھاڑ ڈالتا تھا۔ سپاہی اپنے بائیں ہاتھ میں کھال کی بنی ہوئی ڈھال تھامے ہوتا تھا۔

ہر سپاہی تلوار سے مسلح ہوتا تھا' جبکہ کچھ نیزے بھی پکڑے ہوتے تھے۔ گھڑسوار بائیں بازو پر گرز اور ڈھالیں اٹھائے ہوتے تھے' جن کی جسامت چھوٹی ہوتی تھی۔ رتھ اور جنگی ہاتھی بھی تھے۔ رتھوں میں رتھ سوار بیٹھتے تھے۔ دو جنگجو آدمی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ جنگی ہاتھی پر فیل بان اور تیر کمان سے مسلح تین جنگجو بیٹھتے تھے۔ رتھوں کو بڑی فیاضی سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ رگ وید میں اکثر "سنہری رتھوں" کا ذکر آیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ خوشگوار تصورات اور شاعرانہ تخیلات کی بناء پر ہو' لیکن اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ویدوں کے دور کے رتھوں کو مالک کے منصب اور رتبہ کے مطابق آراستہ کیا جاتا تھا۔ رامائن اور مہا بھارت' جو کافی عرصہ بعد کی ہیں' ان میں عظیم آدمیوں کے رتھوں کو جواہرات اور سچے موتیوں کی لڑیوں سے سجانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ پراناؤں میں قدیم ہندوؤں کے رتھوں کے تذکرے سے ابھی تک بہت زیادہ خوف محسوس کیا جاتا ہے۔ رگ وید میں ساوتری کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ طلائی زیورات کی مختلف اقسام اور سنہری جوئے سے آراستہ' بلند رتھ پر سوار ہے۔ "فیاض اندرا" سے "سنہری رتھ کے تحفے کے لیے شکریہ ادا کیا گیا۔ اس سے استدعا کی گئی کہ وہ "خوبصورت سنہرے رتھ" عطا کرے۔ ایک سنہری گدی' "سنہری باگوں"۔ "سنہری ڈنڈوں"۔ "سنہری دھروں" اور "سنہری پہیوں" کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ رتھوں کے لیے شوق قدیم ہندوؤں کا ہی خصوصی وصف نہیں تھا۔ ایسیر-لز کے پاس منقش اور نہایت آراستہ رتھ تھے۔ ۱۵۰۰ قبل مسیح میں مصریوں نے میساپوٹیمیز (قدیم عراقیوں) سے مکمل طور پر آراستہ اور طلائی زیورات اور جڑاؤ سے مزین رتھ حاصل کیے۔ عسکری مقاصد کے لیے بے شمار رتھ استعمال کیے جاتے تھے۔ امار کوشہ کے مطابق' ۴۵۰ پیادہ سپاہیوں پر مشتمل ہر دستے کے پاس ۸۱ رتھ اور ۲۴۳ گھوڑے ہوتے تھے۔

قدیم ہندو جس قسم کے جنگی فن سے واقف تھے' ہوریس ہیمین' ولسن اور گستاف

اوپرٹ نے اس پر بہترین کتابیں تصنیف کی ہیں۔ قدیم ہندوؤں کے جنگی اقوال، عسکری تنظیم اور ہتھیاروں پر لکھی گئی موخر الذکر مصنف کی کتاب کے لیے معلومات، سنسکرت کی دو قدیم کتابوں، ویسامہ پایانا کی "نیتی پراکاسیکا" اور اوساناس یا سکرا کاریہ کی سکرانیتی سے حاصل کی گئیں۔ ویسام پایانہ نے نیتی پراکاسیکا میں پنجاب میں ٹیکسا سلا کے مقام پر بادشاہ جنمی جیہ کو ملک کے انتظام اور جنگ سے وابستہ ہتھیاروں کی خصوصیات اور کمان کو استعمال کرنے کے فن یا دھنور ویدا کی نوعیت کے بارے میں متعارف کرایا ہے۔

قدیم ہندوؤں کی فوجوں کو جرنیل حکم دیتے تھے، جو زیادہ تر بادشاہ کے وزیر ہوتے تھے۔ فوج کی کمان بادشاہ کے بعد ولی عہد کے پاس ہوتی تھی۔ تمام افسران ہر ماہ باقاعدگی سے تنخواہ حاصل کرتے تھے۔ ولی عہد ۵ ہزار وروا ماہانہ حاصل کرتا تھا۔ (۷) سپہ سالار ۴ ہزار وروا وصول کرتا تھا۔ ہراول رتھ سوار آتی رتہ، جو عموماً ایک شہزادہ ہوتا تھا، وہ ۳ ہزار وروا ماہانہ حاصل کرتا تھا۔ مہار تہ ۲ ہزار وروا ماہانہ تنخواہ پاتا تھا۔ ہندو اپنے اسلحہ اور ہتھیاروں کو مابعد الطبیعات اسباب کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ ہر قسم کی زرہ بکتر کے ساتھ مافوق الفطرت تعلق کو منسوب کیا گیا ہے۔

پروفیسر اوپرٹ کے مطابق، قدیم ہندو آتشی ہتھیاروں اور بارود کے استعمال سے آگاہ تھے۔ ان کے پاس لوہے اور پتھر کی بنی ہوئی جنگی مشینیں تھیں، جن میں سے وہ لوہے اور سیسے کے گولے اپنے دشمنوں پر پھینکتے تھے۔ بے شک یہ بارود کی مدد سے پھینکے جاتے تھے۔ قدیم ہندوستانی دھاتوں کو ڈھالنے اور سودھنے کے فن میں بھی ماہر تھے۔ عرب، جنہوں نے قدیم ادوار میں ہندوستان کے ساتھ تجارتی میل جول استوار کر لیا تھا، انہوں نے ابتدائی طور پر بارود کی کھپ اسی ملک سے حاصل کی اور اصلی تیاری میں کافی ترقی کی۔ ۱۷۹۸ء میں فرانسیسی ادارے میں پڑھے گئے ایک مقالہ میں زبردست بحث کی ہے کہ بارود ہندوستان میں ایجاد کیا گیا تھا اور ۱۸۱۱ء میں اسی طرح کی رائے کا اظہار بیک مین نے اپنی کتاب "ایجادات اور دریافتوں کی تاریخ" میں کیا ہے۔ کرنل ٹوڈ اپنی تصنیف "راجستھان کی داستانیں" میں کہتے ہیں: "ہمیں ہندو شاعر چاند کی نظموں میں آتشی ہتھیاروں کے بلا تفریق تذکرے ملتے ہیں، خاص طور پر "ملگولہ" یا نال گولہ کا ذکر بھی ملتا ہے"۔ فرشتہ کے مطابق، جب سلطان محمود غزنوی ۱۰۰۸ء میں لاہور کے مقام پر راجہ انندپال سے لڑا، تو سلطان نے توپ اور تفنگ کا استعمال کیا تھا۔ ایک غیر مستند خط، جو اسکندر نے ارسطو کو لکھا تھا، اس میں وہ ہندوستان

میں اپنی فوج کو پیش آنے والے خوفناک خطرات کا ذکر کرتا ہے' جب دشمن نے ان پر جلتی ہوئی بجلیاں پھینکیں"۔

سنسکرت کی کتاب سکرانیتی' جس کے بارے میں پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے' اس میں بیان کیا گیا ہے کہ "بادشاہ کے قلعے کی دیوار کی حفاظت ہر وقت پاسبان کرتے رہتے ہیں۔ اس میں توپیں اور دیگر متحرک ہتھیار فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس میں بے شمار مضبوط برجیاں ہوتی ہیں جن میں مناسب سوراخ اور خندقیں بھی ہوتی ہیں"۔ سکرانیتی کے ایک دوسرے حصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ محل کے لیے فرائض انجام دینے والے چوکیدار آتشی ہتھیار اٹھائے ہوتے تھے۔ کماؤ کلیکیا' جسے نیتی ساسترا پر لکھی گئی ابتدائی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے' کہتی ہے کہ "جب بادشاہ مے خواری میں ڈوبا ہوا عورتوں کے درمیان یا جواء کھیل رہا ہو' تو اس کے قریب رہنے والے خفیہ کارندوں کو اسے چالوں' گولہ باری اور دیگر ذرائع سے خبردار کرتے رہنا چاہیے"۔ اس سے پروفیسر اوپرٹ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قدیم ہندوؤں میں اشارے کے طور پر توپ داغنے کا رواج تھا۔ لفظ آتشی ہتھیار کا سنسکرت میں لغوی مطلب "اگنی استر" ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان اور چین میں بارود کے متعلق غیر دریافت شدہ ادوار میں بھی لوگ آشنا تھے۔

اس کے علاوہ رسل و رسائل اور بحریہ کے محکمے بھی تھے۔ اول الذکر بیل گاڑیوں' گھوڑوں' اونٹوں وغیرہ کے ذریعے جنگی ساز و سامان' عسکری ضروریات اور فوجیوں کے سامان وغیرہ کے رسل و رسائل کی نگرانی کرتا تھا اور موخر الذکر امیرالبحر کے ساتھ تعاون کرتا تھا۔ عام لوگوں کو نجی طور پر ہاتھی رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں سرکاری ملکیت سمجھا جاتا تھا۔

ہندو سوتی قمیص میں ملبوس ہوتے تھے' جو گھٹنے تک اس کے نصف' درمیان اور ٹخنے تک ہوتی تھی۔ اوپر ایک چادر ڈال لیتے تھے جو کندھوں کے گرد لپیٹ کر دائیں کندھے کے نیچے باندھ لی جاتی تھی۔ جسم کا نچلا حصہ کپڑے سے ڈھانپ لیا جاتا جو ٹانگ کے درمیان تک پہنچتا تھا۔ یہ عام "دھوتی" تھی۔ امیر لوگ گلوبند' طلائی اور ہاتھی دانت کے آویزے اور کڑے پہنتے تھے۔ وہ رتھوں پر سوار ہوتے تھے' جنہیں چار گھوڑے کھینچتے تھے اور خادموں کے بغیر گھوڑے کی پشت پر سوار ہونے کو خلاف شان سمجھا جاتا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے ملازم ہوتے تھے' جنھوں نے ان پر چھتریوں سے چھاؤں کی ہوتی تھی۔ ہر وہ عمل کیا

جاتا تھا' جس سے ان کے جلوسوں کی دلکشی اور خوبصورتی میں اضافہ ہوسکے۔ مردوں کو اپنی داڑھیاں بڑھانے اور انہیں مختلف رنگوں مثلاً سرخ' سبز' گہرے نیلے اور ارغوانی رنگ سے رنگنے کی اجازت تھی۔ عورتیں باپردہ رہتی تھیں۔ وہ تنگ اور چست لباس نہیں پہنتی تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو حنا' صندل اور لاکھ سے رنگتی تھیں۔ ان کی بھنویں اور پیشانیاں مشک سے رنگین ہوتی تھیں۔ ان کے بال پھولوں سے آراستہ ہوتے تھے۔ وہ سب زیورات اور جواہرات پہنتی تھیں' جو پہننے والے کے ذرائع کے مطابق مختلف مالیت کے ہوتے تھے۔

یونانی مصنفین نے اکثر مذہبی زاہدوں (سنیاسیوں) کا ذکر کیا ہے۔ وہ جنگلوں میں رہتے تھے' درختوں کی چھال سے تن ڈھانپتے اور پتوں یا جنگلی پھلوں پر گزارہ کرتے تھے۔ وہ ہر قسم کی خوشیوں اور لذائذ سے پرہیز کرتے تھے اور کئی دنوں تک بے حس و حرکت پڑے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ جوڑ مکمل طور پر سخت ہو جاتے یا ناخن بڑھ کر ہاتھوں کی ہتھیلیوں تک آ جاتے اور جڑوں سے نکل جاتے تھے۔ بادشاہ ان کے پاس آتے اور ان سے التجا کرتے کہ وہ حکومت کے کاموں اور اپنے ساتھ متعلقہ معاملات کے سلسلہ میں دیوتاؤں سے سفارش کریں۔

حوالہ جات

(۱) برہمن کا ماخذ برہمہ (بڑھنا)۔ اس کا مطلب ہے بلند ہونے والا یا پھیلنے یا بڑھنے والا۔ یہ ان تمام چیزوں کی نظریاتی یگانگت کو ظاہر کرتا ہے جو مقدس اور لازوال ہیں۔

(۲) مہابھارت۔

(۳) سر ولیم جونز کی تصنیف' جلد ۳۔

(۴) وسایا ایک اصطلاح ہے' جس کا مطلب جمع کرنے والا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مناسب نام نہیں ہے اور اگر اس خیال کو درست مان لیا جائے تو مصنف یا مصنفین کے اصل نام میں شک و شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(۵) ڈنکر۔

(٦) شکنتلا نے راجہ دوشانتا کے بارے میں بیان کیا ہے کہ شکار کے دوران یوانہ عورتیں اس کی خدمت پر مامور ہیں' جن کے ہاتھوں میں کمانیں ہیں اور وہ پھولوں کے ہار پہنے ہوئی ہیں۔ میکرنڈل۔

(٧) وروا ایک قدیم طلائی سکہ (اشرفی) تھا۔ حکومت کے اعلیٰ سرکاری افسران کو طلائی سکوں میں تنخواہ دی جاتی تھی' جو ہندوستان کے قدیم ادوار میں سونے کی افراط کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

باب ۶

موجودہ ہندو

پنجاب میں موجودہ دور کے ہندو' ہندوستان کے دیگر حصوں میں اپنے ہم مذہبوں سے مادی لحاظ سے مختلف نہیں ہیں' حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تک مذہبی رسم و رواج اور آداب کا تعلق ہے' ان میں چند تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ ان کے علم الکلام کے نظام کی مکمل طور پر بنیاد' ویدوں پر ہے اور منتروں میں عبادت کے لیے بڑے اجسام' اندرا یا آسمان' سوریا' سورج دیوتا' سوما' چاند دیوتا اور آگ' ہوا' پانی' زمین' فضا اور روحوں کے دیوتا ہیں۔ عناصر اور اجرام فلکی کو مجسم بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ پنجاب کے آریاؤں نے اصل باشندوں اور قبائل کے ساتھ جنگوں میں' اپنے دیوتاؤں کو مدد کے لیے پکارا تھا۔ آسمان' گھن گرج' بجلی' طوفان اور بارش کے دیوتا' اندرا' نے ان کے دشمنوں کے قلعے اور مینار تباہ کر دیے تھے' سندھ کی سرزمین کے جنگجوؤں پر زور دیا جاتا تھا کہ وہ فاتح اندرا کے رتھ کے پیچھے آئیں۔ اندرا سے استدعا کی جاتی تھی کہ وہ جنگجوؤں کے حوصلے بلند کرے اور جب جنگ کے علم لہرائیں تو ہمارے ساتھ ہو اور ہمیں کالی چمڑی کے لوگوں پر برتری عطا کرے۔ روشنی کے سب سے اعلیٰ دیوتا' مترا کا قد' آسمان تک بلند ہو گیا تھا ر اس نے "زمین اور آسمان کو سہارا دیا ہوتا تھا" اس کی شان و شوکت زمین کے پار تک پھیلی ہوتی تھی اور آنکھیں بند کیے بغیر وہ نیچے تمام مخلوقات کو دیکھ لیتا تھا۔ ویرونا' آب حیات کا دیوتا تھا جو آسمانوں سے نکلا تھا۔ آگ کا دیوتا' اگنی' "اپنی ایک نظر سے ہر چیز کو گرم کر دیتا تھا"۔ ویدوں میں "ایک واحد بڑی طاقت" اور "خود بخود قائم رہنے والی طاقت" کے عقیدے کی تعلیم دی گئی تھی جس کا [illegible] بلاغ کر سکتا ہے' جنگجو سورماؤں

کی عبادت کافی حد تک ذہن نشین ہوگئی اور بے شمار کم تر دیوتاؤں کو متعارف کرایا گیا۔ تاہم غالباً دسویں صدی عیسوی میں' دیوتاؤں کے متعلق نظریات میں مادی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور اس وقت سے ہندوؤں کی عبادت' شیوا' وشنو شکتی اور چند دیگر دیوتاؤں تک محدود ہوگئی ہے۔ مشہور زمانہ منظوم داستان رامائن کا ہیرو' رام' کرشنا اور وشنو سے نکلنے والے جنگجوؤں کی پوجا دیوتاؤں کے طور پر کی جاتی ہے۔

ہندو دیوتا

یہ انتہائی دلچسپ ہوگا اگر ہندوؤں کے ان اہم دیوتاؤں کی خصوصیات کے بارے میں مختصر خاکہ پیش کر دیا جائے جن کی اب پرستش کی جاتی ہے۔

برہما

دیوتاؤں اور نسل انسانیت کا جد امجد برہما' تثلیث کا سردار ہے۔ تخلیق' حفاظت اور تباہ کرنے کے اصولوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ تین بڑی طاقتیں' جن کی مدد سے قدرت اپنے معجزات رونما کرتی ہے' وہ انسان کی شکل میں سونے کے چار چہروں کے ساتھ سفید لباس میں ملبوس اور راج ہنس پر سوار دکھایا گیا ہے۔ وہ ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے ہاتھ میں خیرات کے لیے تھال تھامے ہوئے ہے۔ وہ انتہائی وسیع و عریض آسمان کا مالک ہے' "اس کی خوبصورتیوں کو دو سو سالوں میں بھی بیان نہیں کیا جا سکتا"۔

اندرا

اندرا' جس سے قدیم آریا بہت زیادہ خوف کھاتے اور دبتے تھے' اب عورتیں لگاتار اس کی پرستش کرتی ہیں۔ اس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اس دنیا اور اگلے جہان میں بیٹے' امیر و کبیر' مکانات اور مختلف اقسام کی خوشیاں دینے والا ہے۔

شیوا

"تباہ کرنے والا" "موت کا شہزادہ" اور "جنگ کا دیوتا" شیوا کو بعض اوقات پانچ چہروں اور چار بازوؤں کے ساتھ اور دوسری جگہوں پر قدرتی طور پر آدمی کی شکل میں' لیکن ایک اضافی آنکھ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اسے کھوپڑیوں کی مالا سے آراستہ کیا جاتا ہے اور نسل انسانیت کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ وہ کٹی پھٹی لاشوں پر ناچتا اور مقتولوں کی کھوپڑیوں سے خون پیتا ہے۔ ہر سال اس کے احترام میں تہوار منائے جاتے ہیں اور ان میں خود پر

اذیت ناک تشدد کرنے کی خوفناک رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ مثلاً زبان کاٹنا' زخم میں لکڑی کے ٹکڑے داخل کرنا جیسی رسومات ہوتی ہیں۔ وہ درگا اور کالی دیویوں کا خاوند ہے۔

وشنو

وشنو "حفاظت کرنے والا" کو کالے رنگ کے ایک شخص بمعہ چار بازوؤں کے پیش کیا گیا ہے' ایک ہاتھ میں اس نے نیزا' دوسرے میں سنکھ' تیسرے میں ایک پہیہ اور چوتھے میں کنول کو پکڑا ہوا ہے۔ اس کے کپڑے زرد رنگ کے ہیں اور وہ ایک ایسے جانور پر سوار ہے جو آدھا آدمی اور آدھا پرندہ ہے۔ وہ گھربار کا دیوتا ہے اور خاندان کی بد قسمتیوں کو دور کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ خوشحالی اور قسمت کی دیوی لکشمی اور علم کی دیوی سرسوتی' دو بیویوں کا خاوند ہے۔ لکشمی زرد لباس میں ملبوس ہے۔ وہ ایک سانپ پر بیٹھتی ہے۔ پرندے پر سوار ہوتی ہے' اس کا مسکن پانی میں ہے' لیکن وہ مسلسل حرکت پذیر رہتی ہے اور ایک جگہ پر نہیں ٹھہرتی۔

گنیش

گنیش کو ہاتھ کے سر اور چار ہاتھوں کے ہمراہ موٹے آدمی کی شکل میں پیش کیا گیا ہے وہ چوہے پر بیٹھتا ہے۔ وہ درگا دیوی کا بیٹا ہے۔ اس کو معاشرتی معاملات پر طاقت حاصل ہے۔ کسی بینکار کے پاس چلے جائیں' آپ کو دروازے پر گنیش کی تصویر بنی ہوئی نظر آئے گی' آپ کسی بنئے کے پاس چلے جائیں تو اس کی دکان کی دیوار پر نمایاں حصے میں گنیش کی تصویر موجود ہوگی' تمام کاروباری آدمی' اس کی تصویر کو حفاظت کے نشان کے طور پر رکھتے ہیں۔ خط اس کے نام سے شروع کیے جاتے ہیں' جب کوئی شخص پڑھنا شروع کرتا ہے تو اسے پرنام کرتا ہے اور حسابات کی کتابوں کے سرورق' زعفران کے ساتھ اس کی شبیہ سے آراستہ کیے جاتے ہیں۔ جب کوئی مسافر' سفر کی خاطر گھر سے باہر قدم رکھتا ہے تو وہ ان الفاظ میں گنیش سے دعا کرتا ہے:

"تو جو کہ ہر مشکل کو حل کرتا ہے' میرے سفر کو کامیاب بنا دے"۔

درگا

دیوی درگا کو دس بازوؤں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے' ان میں اس نے جنگی ہتھیار پکڑے ہوئے ہیں۔ وہ راکھشوں کو ختم کرنے والی ہے اور اس مقصد سے اس نے بہت سے جنم لیے ہیں۔ اسے ساتی اور پاربتی بھی کہا جاتا ہے اور اس کے احترام میں منائے

جانے والے تہوار بہت مقبول ہیں۔

کالی

کالی ایک اور خاتون ہے جو اپنے جنگی کارناموں کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہ اپنے خاوند' شیوا کے بالکل شایان شان ہے۔ اسے سانپ کے بالوں اور خوف و دہشت کی ہر خصوصیت کے ساتھ' کالی میڈوسہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس نے ایک مرتبہ ایک راکھشش پر فتح حاصل کر لی اور اس سے اتنی خوش ہوئی کہ اس نے انتہائی زور و شور سے ناچنا شروع کر دیا۔ جس سے زمین کی بنیادیں تک ہل گئیں اور بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔ جب اس نے دیکھا کہ مردوں میں اس کا خاوند' شیوا بھی شامل ہے تو وہ دہشت زدہ ہو گئی' اس نے بہت زیادہ لمبائی میں اپنی زبان باہر نکال لی اور بت کی طرح بے حس و حرکت رہ گئی' اسے اسی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

سرسوتی

علم کی دیوی' سرسوتی کو سفید عورت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ نرگس کے پھول پر کھڑی ہے اور بربط بجا رہی ہے۔ اس کے پاس آدمیوں کو صاحب علم اور خوش بیان کرنے کا خاص ملکہ ہے۔ اس کی یاد میں بڑے جوش و خروش سے تہوار منائے جاتے ہیں۔

کرشنا

مہیب دیوتاؤں میں' مشہور بانسری نواز' کرشنا کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ جس نے گوپیوں اور شہزادیوں کو یکساں طور پر گرویدہ کر لیا تھا۔ جب وہ صرف آٹھ سال کا ایک لڑکا تھا تو اس نے آسمان کے دیوتاؤں کو پریشان کر دیا تھا' جنہوں نے دیہاتیوں سے ناراض ہو کر' ان پر ژالہ باری اور باد و باراں کے زبردست طوفان بھیجے۔ انسان اور مویشی ہلاک ہو رہے تھے کہ اس اثناء میں' ہیرو نے گووردھان' مقدس پہاڑ کو اٹھایا اور مویشیوں اور دیہاتیوں کے سر پر چھتری کی طرح اس کا سایہ کر دیا اس سے ان کی جانیں بچ گئیں۔ اس نے بیک وقت ۱۶ ہزار گوپیوں سے جھوٹ موٹ عشق کیا۔ یہ حیرت انگیز کردار' جب ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا تو حادثاتی طور پر ایک تیر لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ اسے نہ صرف زندہ مثال سمجھا جاتا ہے بلکہ خود' وشنو کے طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ تمام متمول ہندو اور تقریباً سبھی عورتیں اس کی پرستش کرتی ہیں۔

رام

رام' جس کا شمار وشنو کے زندہ نمونوں میں ہوتا ہے' وہ منظوم داستان' رامائن کا ہیرو ہے۔ رام کا مطلب' "خوشی" یا "خوش کرنے والا" ہے۔ اس دیوتا کے نام کو پوشیدہ طور پر' لازوال طاقت کے متعلق ہندوؤں کے تصور سے وابستہ کر لیا گیا ہے۔ اسی سے ہندوؤں کا سلام' رام رام' مطلب' "خوشی" یا "تم خوش رہو"۔ اخذ کیا گیا ہے۔ اس نے ہنومان' (بندر دیوتا) کے ہمراہ بہت سی مہمات کیں۔

دھنورویدا

دھنورویدا یا ہتھیاروں اور اسلحے کے علم کو ایک دیوتا کے طور پر مجسم بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے چار پاؤں' آٹھ بازو اور تین آنکھیں دکھائی گئی ہیں۔ اس نے دائیں جانب کے چاروں ہاتھوں میں' ایک بجلی (وجرا) ایک تلوار (حدگہ) ایک کمان (دھانو) اور ایک ڈھال (کھرا) تھام رکھے ہیں' بائیں طرف کے چار ہاتھوں میں ایک سو کا قاتل (شیکھنی) ایک بھالا (گودا) ایک نیزا (سولا) اور ایک جنگی کلہاڑا (پلتیسا) پکڑے ہوئے ہیں۔ اس کی ڈھال کو تعویذ گنڈوں سے مزین کیا گیا ہے' اس کا جسم' بندوبست ہے' اس کی زرہ بکتر' جادو ہے' اس کا دل' منتر اور جادو ٹونے کو پیش کرتا ہے۔ اس کے دونوں آویزے' ہتھیار اور بھالے ہیں۔ اس کے زیورات' جنگی چالیں ہیں' اس کی آنکھیں زرد ہیں۔ اسے فتح کا ہار پہنایا گیا ہے۔ اور وہ ایک بیل پر سوار ہوتا ہے۔

ہندو' جو عقیدے اور عادت کے لحاظ سے صلح جو ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہنوں میں دیوتاؤں کے تصورات' دراصل کائنات کی مہیب اور غیر معمولی اشیاء سے متاثر ہو کر قائم ہوئے اور خوفناک یا انتہائی خوبصورت و دلکش یا نمایاں طور پر مفید اشیاء کی وجہ سے قائم ہوئے۔ ان کی عبادت میں' سورج' چاند' ستارے اور دیگر اجرام فلکی' جانور' پرندے' درخت اور دریا شامل ہیں۔ برہمن' سورج دیوتا کے احترام میں کھانا کھاتے ہیں' ان کے لوگ' اتوار کے دنوں میں' نمک کھانے یا دودھ سے مکھن نکالنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ پرہیزگار ہندو' سوج کی روشنی میں' اشنان کرتے ہوئے' دیوتا کو تر و تازہ اور سرد کرنے کے لیے' سوج کی طرف' بار بار پانی پھینکتے ہیں۔ جنگل کے بادشاہ' شیر کی پرستش کی جاتی ہے' اسی طرح سانپوں کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ دیوہیکل جسامت کے حامل' ہاتھی کی پوجا کی جاتی ہے۔ لیکن اونٹ کو بڑی جسامت ہونے کے باوجود اس احترام و تعظیم سے خارج کر دیا گیا۔ کیونکہ ظاہرا اس کے پاس' اپنے کالی چمڑی والے بھائی کی طرح کی مہیب' جسامت یا شان و

شوکت والی نمایاں خصوصیات نہیں ہیں۔ خوبصورت مور کی پرستش بھی کی جاتی ہے، اس کے خوبصورت پروں سے دیوتاؤں اور بادشاہوں کے لیے یکساں طور پر پنکھے بنائے جاتے ہیں۔ پیپل اور بوہڑ کے درختوں کی پوجا اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ عظیم الشان جسامت کے حامل ہوتے ہیں اور مسافروں کو سایہ فراہم کرتے ہیں۔ ان کی جڑیں پانی کے ہمراہ فراہم کی جاتی ہیں، جن کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ ان دیکھی دنیا میں فوت شدہ عزیز و اقارب اور دوستوں کی پیاس بجھاتی ہیں۔

ہنومان

ہنومان کے نام سے، بندر کی پرستش کی جاتی ہے۔ ہنو سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب، رخسار کی ہڈی ہے۔ سورج کے مدار سے گرنے کے بعد، بندر کے رخسار کی ہڈی ٹوٹ گئی، اسی وجہ سے اسے ہنومان یا بندر دیوتا کہا جانے لگا۔ وہ غیر فانی ہے اور انسانوں کو لمبی زندگی عطا کرتا ہے، ابھی تک جنم دنوں پر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔

ہندوستان کے بڑے دریاؤں کی بہت زیادہ تعظیم کی جاتی ہے۔ قدیم آریاؤں میں، سندھوس، مشہور زمانہ "دولت بخشنے والا" تھا۔ موجودہ ہندوؤں میں، جمنا جی یا "جمنا خاتون" اور گنگا مائی یا "گنگا ماں" کو دیویوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کی زبردست پرستش کی جاتی ہے۔ برہمن، جمنا خاتون کے احترام میں کھاتے ہیں۔ پراناؤں میں، "گنگا ماتا" کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ اس کا منبع آسمان میں ہے، جہاں، زمین پر انسانوں کی روحوں کو پاک کرنے کے بعد، اس کا پانی آخرکار لوٹ جاتا ہے۔ اس کے فوائد اور تحائف بے شمار ہیں اس کی نیکیوں اور اچھی خصوصیات کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے پانی میں نہاؤ اور تمہارے گناہ چاہے گھناؤنے ہی کیوں نہ ہوں، دھل جائیں گے۔ اس کو چھوؤ اور تم پاک صاف ہو جاتے ہو۔ اس کا تصور کرو چاہے کتنے ہی فاصلے پر ہو تو یقیناً تمہاری تکلیف رفع ہو جائے گی۔ گنگا کے درشن، اس کے نام اور تصور میں بے شمار برکات ہیں۔ گنگا کے درشن کر کے مرنے والا، قابل ستائش ہوتا ہے۔ بیمار لوگوں کو اس کے کنارے پرے جاتے ہیں، تاکہ وہ اس مقدس دریا کے قریب آخری سانس لے سکیں اور آسمانوں کی طرف سدھار سکیں۔ یہ مردوں کی ہڈیوں کا بہت بڑا مخزن ہے۔ دور دراز کے علاقوں سے ہندوؤں کی ہڈیاں دریا تک لائی جاتی ہیں اور مردے کی روح کو ایصال ثواب کے لیے مقدس دریا میں پھینک دی جاتی ہیں۔ اپریل کے پہلے پندرھواڑے میں، ہردوار کا تہوار اس کے کنارے پر منایا جاتا ہے، جب ہندوستان کے تمام علاقوں سے

ہندو زائرین اس مقدس دریا میں اشنان کرنے اور اپنے گناہ دھونے کے لیے یہاں جمع ہوتے ہیں۔

گائے کی بہت زیادہ تعظیم کی جاتی ہے اور دھرتی ماتا یا دھرتی مائی کو بہت زیادہ قابل احترام دیوی سمجھا جاتا ہے۔ جب کسی گائے کا دودھ دوھا جاتا ہے تو پہلی دھار' دیوی کو نذرانہ پیش کرنے کے لیے زمین پر گرائی جاتی ہے۔ شراب یا دوائی پینے سے پیشتر' اس کے چند قطرے' اس کے احترام میں' زمین پر چھڑک دیے جاتے ہیں۔ اسی قسم کا رواج' قدیم ایرانیوں میں بھی رائج معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ' مشہور زمانہ شاعر' حافظ شیرازی کے اس مندرجہ ذیل شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔

اگر شراب خوری جرعہ فشان برخاں
ازان گناہ کہ نفیعی رسد بغیر چہ باگ

(ترجمہ) جب تم شراب پیو' تو تھوڑی سی زمین پر پھینک دو'
اس گناہ سے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا جو دوسروں کے لیے فائدے مند ہو۔

چند مخصوص تالاب اور جوہڑ بھی مقدس خیال کیے جاتے ہیں اور زیارت کے مشہور مقامات ہیں۔

پنجاب میں سانپ کی پرستش عام ہے اور ناگ دیوتا کی یاد میں ناگ پنچمی کا تہوار منایا جاتا ہے۔ کلو میں ناگ کے لیے بہت سے مندر وقف ہیں' جس کے ساتھ لافانی شکتیوں کو منسوب کیا گیا ہے۔ (ا) بیاس کی بالائی وادی میں مندروں کو مکمل طور پر سانپوں کے لیے وقف کر دیا گیا ہے۔ دیودار (دیوا' لازوال اور دارو) کے درخت کو کلو کے پہاڑوں میں پوجا جاتا ہے اور اس کے آگے نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔ دیوتا کو لوہے کے ایک ٹکڑے کی نذر پیش کی جاتی ہے۔ یہ انسانوں اور مویشیوں کی بیماریوں کو ٹھیک کرتا' چرواہوں کے ریوڑوں کی حفاظت کرتا اور دھقانوں کو اچھی فصلیں دیتا ہے۔ بنجر علاقوں کی پیداوار' جند کا درخت' جند ماتا ہے اور لوگوں کو بچے عنایت کرتی ہے۔ اس کو پھولوں کی چادریں' پیش کی جاتی ہیں' پنکھا جھلا جاتا ہے اور کئی گھنٹوں تک دونوں ہاتھوں سے دبایا جاتا ہے تاکہ مہربان ماں کچھ عنایت کر دے۔ اگر مہربان ماتا' زیادہ دور نہ ہو تو شادی کی برات اس کے پس دعائے خیر حاصل کرنے کے لیے ضرور جاتی ہے۔ اگر فاصلہ زیادہ ہو تو اس کے پاس یہ شکتی ہے کہ وہ وہاں سے عورتوں اور مردوں کو خوش کر سکتی ہے۔ حیرت زدہ تماشائی کو اکثر'

جھنگ اور ملتان کے اضلاع میں' کوئی ہندو لڑکی' جندی ماتا کے سامنے اشک بار آنکھوں کے ساتھ اداس کھڑی ہوئی اور انتہائی مترنم آواز میں دعا کرتی ہوئی ملے گی:

"جندی دے وڈھے دربار بچڑا لینے آئی آں"۔ مطلب' میں جندی کے بڑے دربار میں' اس سے بچہ حاصل کرنے آئی ہوں"۔ کوئی اور جوان عورت' دیوی کے سامنے جھکی ہوئی یہ گاتے ہوئے ملے گی:

جندی دی دربار جوتاں جاگدیاں
میری جھولی دیر کہدا جوتاں جاگدیاں

(ترجمہ) "جندی کا دربار ہمیشہ چراغوں سے جگمگاتا ہے' اے جندی' تمہارے چراغ ہمیشہ جلتے رہیں' مجھے گود میں کھلانے کے لیے ایک بچہ دے دے"۔

چند خاص اوصاف کے حامل پتھروں کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ ضلع گورداسپور میں' کلانور کے اندر' سیاہ رنگ کا ایک گول ٹیلا ہے' مضافات کے علاقوں سے ہزاروں لوگ' عبادت کی غرض سے وہاں جمع ہوتے ہیں' اس پر ایک بہت بڑی عمارت تعمیر کی گئی ہے' اسے مہادیو کی مسند کہا جاتا ہے۔

فوت شدہ صوفی بزرگوں کی پرستش بھی کی جاتی ہے۔ ان بزرگوں میں سے چند کی پرستش ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں مشترک ہے۔ ضلع ملتان میں نگاہیہ کے مقام پر صوفی بزرگ حضرت سخی سرور کا مزار' ضلع منٹگمری میں' پاکپتن کے مقام پر حضرت بابا فرید شکر گنج کا مزار' ضلع کرنال میں' پانی پت کے مقام پر حضرت بو علی قلندر کا مزار اور جھنگ میں مائی ہیر کا مزار' مسلمانوں کی ایسی خانقاہیں ہیں جن کا ہندو بہت زیادہ احترام و تعظیم کرتے ہیں۔ بہت سے ہندو' مسلمانوں کے مشہور و معروف' صوفی بزرگ حضرت پیر دستگیر عبدالقادر جیلانی کو مانتے ہیں اور ان کے احترام میں' مٹھائیوں کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندو' خواجہ خضر کی پرستش بھی کرتے ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ مسافروں اور دریاؤں کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ ہندوؤں کے لیے پانی کا دیوتا ہیں' ان کی یاد میں' دریاؤں کے کناروں' نہروں یا کنوؤں کے کناروں پر چراغ روشن کیے جاتے ہیں۔

تناسخ کے عقیدے کو ہندو مذہب میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ جب تک روح اپنی خصوصیت کے لحاظ سے پاک صاف نہیں ہو جاتی' تب تک مستقبل کے وجود سے خلاصی

نہیں ہو سکتی۔ روح مختلف جانداروں میں ظاہر ہوتی اور غائب ہوتی رہتی ہے' آخرکار پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے منو کے دستور میں قواعد و ضوابط وضع کیے گئے ہیں۔ ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ جسم کو ہر قسم کے مصائب اور محتاجیوں کے زیر اثر لانا اور دنیا کے معاملات سے اپنے آپ کو علیحدہ کرنا ہے۔ ایک خدا ترس کو ہوش و حواس کے ساتھ' کسی جاندار کو نہ تو قتل کرنا چاہیے اور نہ ہی چھیڑنا چاہیے اگر مبادا' کسی زندہ انسان سے کسی زندہ جاندار کو زخم آیا یا دکھ پہنچا تو اس کی روح کو گھیر لیا جائے گا۔ کسی شخص کی مستقبل کی زندگی کا دارومدار' موجودہ زندگی کے اچھے یا برے اعمال پر ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک برہمن نے شام کی سیر کے دوران ایک انگریز خاتون کی گود میں ایک بلی کو دیکھ لیا تو اس نے سڑک کنارے کھڑے ہو کر حیرت سے کہا "رام عظیم ہے! اس مخلوق نے یقیناً اپنی گزشتہ زندگی میں ضرور اچھے اعمال کیے ہوں گے کہ اسے یہ خوش قسمتی حاصل ہوئی ہے کہ وہ فرنگن کی گود میں بیٹھی ہوئی ہے"۔

ذات پات کا نظام

ہندوؤں کے سماجی اداروں میں ذات پات کا نظام کچھ اس قدر جڑ پکڑ چکا ہے کہ یہ ان کا جزو لاینفک بن گیا ہے اور ان کے مذہب کا سرمایہ ہے۔ ہر کاروباری لین دین کے ساتھ مذہبی رسومات وابستہ ہو گئی ہیں۔ رہبانیت کا نظام' موروثی شخصیت میں ضم ہو کر قائم ہو گیا ہے۔ اسے جدید ہندومت کہا جا سکتا ہے۔ یہ ویدوں کے دور سے یکسر منفرد ہے۔ روحانی طاقت نے آہستہ سے اپنا سر اٹھایا ہے اور لادینی طاقت مسمار ہو گئی ہے۔ برہمن ذہنوں پر چھا گئے ہیں اور لوگوں کا خدشہ اس قدر ہے کہ معاشرے کے مفید اور چاق و چوبند افراد ہونے' مشیر' افسران فوجداری اور فوجی کمانڈار ہونے کی حیثیت سے وہ لوگوں کا کاہل' خواہشمند اور توہم پرست طبقہ بن گئے ہیں۔ محصول جمع کرنے والے بے شمار لوگوں کی طرح وہ رسومات پر معمول کی فیس حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں' جو ان کی طرح بے شمار ہو گئی ہیں۔ کوئی ایسا موقع نہیں جس میں یہ دعوت نہ کرتے ہوں۔ جب کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اس کا پلنگ' گھوڑے' ملبوسات' برتن اور روزمرہ استعمال کی دیگر اشیاء لازمی طور پر برہمنوں کو دے دی جاتی ہیں' کیونکہ ان کے بغیر مردہ اگلے جہان میں بے آرام رہتا ہے۔ پلنگ کے ساتھ تکیہ' کمبل اور دیگر ضروری اشیاء دے دی جاتی ہیں' کیونکہ اس دنیا میں جو کچھ برہمن کو دیا جاتا ہے' اگلے جہان میں اسے مردہ استعمال کرتا ہے۔ وہ وہاں' پلنگ پر میٹھی نیند ہوتا' گھوڑے کی سواری کرتا [illegible] پہنتا [illegible] کو دیے جاتے ہیں۔ برہمن

یہاں ایک لحاظ سے زیادہ نہیں ہے' ایک ایسا آلہ جس کے ذریعے تمہاری اشیاء بڑی حفاظت سے ان دیکھی دنیا میں تمہاری دوست احباب یا رشتے دار تک پہنچ جاتی ہیں۔ تم یہاں برہمن کو جتنا آرام پہنچاؤ گے' اتنا ہی آرام تمہارے دوست کو اگلے جہان میں ملے گا۔ چنانچہ برہمن اس معاشرے میں مستحق پنشن دار کی طرح رہتے ہیں۔ جو کوئی برہمن سے بولنا بند کرتا یا اسے کسی قسم کی اذیت پہنچاتا ہے تو وہ مرنے کے بعد' دوبارہ' کسی گھنے جنگل میں رہنے والے راکھشش کی صورت میں پیدا ہوگا' جسے ہمیشہ کے لیے آہ و بکا کرنا ہوگی اور وہ مصیبت میں مبتلا رہے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بندر نے ایک لومڑی کو ایک مردار ہڑپ کرتے ہوئے دیکھا تو اس کے دل میں اس کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے' وہ بولا : پیاری بہن۔ میں تمہاری دگرگوں حالت پر بہت افسردہ ہوں۔ تمہیں ان جیسی مردار چیزوں کو کھانا پڑ رہا ہے۔ تم نے یقیناً اپنے پہلے جنم میں گھناؤنے جرائم کیے ہوں گے"۔ بیچاری لومڑی نے آنسو بہاتے ہوئے رو کر کہا' میرے پیارے بھائی۔ "افسوس ہے' میں کبھی ایک انسان تھا۔ میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں نے ایک برہمن سے کوئی وعدہ کیا تھا اور اسے پورا نہیں کر سکا۔ اس جرم کی مجھے یہ سزا ملی ہے۔ جب تک میرے گزشتہ گناہ معاف نہیں ہو جاتے ہیں اس حالت میں رہنے پر مجبور ہوں"۔ پیدائش کے وقت سے لے کر اس وقت تک جب روح اپنا دنیاوی مسکن چھوڑتی ہے' تو مقدس برہمن سے زیادہ کوئی موضوع' خدا رسیدہ شخص کی توجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ان کے پاؤں کی دھول بیماریوں کے لیے شفا ہے' چڑیلوں اور بلاؤں کے لیے منتر ہے' برائی کے لیے زہر ہے۔ ان کی خوشی میں دیوتاؤں کی خوشی ہے' ان کی ناراضگی میں آسمان کی ناراضگی ہے۔ وہ "دیوتاؤں کا منہ" ہیں"۔

ہندوستان میں مسلمان اپنی برادری سے ذات پات کے نظام کے اثرات کو خارج کرنے کے قابل نہیں ہو سکے "جبکہ ترکی' عرب اور مصر میں مسلمان' عیسائیوں کے ساتھ کھا پی لیتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمان نہ تو عیسائی کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اور نہ ہی اس کے ہاتھ کا تیار کردہ کھانا کھاتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے' وہ ایک مخصوص طبقہ ہے۔ معزز قبائل صرف اپنی برادری میں شادی کرتے ہیں اور کم تر قبیلے اور ذات کے لوگوں سے اپنی بیٹیوں کی شادی کرنے اور ان سے بیٹیاں لینے سے باز رہتے ہیں۔ ہندوستان کے برعکس مسلمان ملکوں میں' اس قسم کے امتیازات سے لوگ واقف نہیں ہیں۔ مختلف زمانوں کی عادت نے لوگوں میں نسلی تعصب کو جبلت بنا دیا ہے۔ ماضی کی طرح یہ ان کا مشترکہ قانون بن گیا ہے۔ بدھ مت' جو نسل انسانیت میں بھائی چارے کی تعلیم دیتا

ہے' اس نے صدیوں تک' ذات پات کے خلاف جنگ کی' لیکن جو لوگ ذات پات کے نظام میں ایک بار پھر مبتلا ہو گئے تھے انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ سیلون' جہاں' مہاتما بدھ کا مذہب' باقی رہ گیا ہے' وہاں اس کے ساتھ ساتھ ذات پات بھی ملتی ہے۔ عظیم گرو نانک نے تمام قوموں کی سماجی مساوات کے لیے تبلیغ کی اور تمام فرقوں کو ایک مشترکہ بندھن میں متحد کرنے کی کوشش کی' لیکن ان کے پیروکار جنہوں نے اپنے پیشوا کی تعلیمات کو قائم کرنے کے لیے سال ہا سال تک کوشش کی وہ اب اپنے اردگرد ذات پات کا ناقابل عبور جنگلہ دیکھتے ہیں۔

ذات پات کا نظام صرف تیکنیکی لحاظ سے برا ہے۔ اگر یہ لوگوں کے درمیان نفرت اور حقارت پیدا کرے اور اس سے غرور اور برتری کا اظہار ہوتا ہو تو اسے اخلاقی لحاظ سے بھی برا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن عمومی طور پر بات کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تاثر' ہندوستان میں نہیں ہے۔ ہندوؤں میں بھی مغربی ممالک کی طرح' اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد نے سماجی روابط اور پابندیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ قدیم رومنوں نے شرفاء اور گنواروں کے درمیان جس امتیاز کا مشاہدہ کیا ہے وہ لازماً ذات پات کا امتیاز تھا۔ قدیم مصریوں میں موروثی لحاظ سے نوکریوں کی تقسیم کا ذات پات سے گہرا تعلق تھا۔ تاہم' جو کچھ ہندوستان میں ذات پات کے نظام کے طور پر مشہور ہے یہ قوموں کا غیر تحریری قانون ہے' جس سے وہ سماجی اور مذہبی معاملات میں ایک دوسرے کو باندھتے ہیں۔ یورپ' عرب اور ایران میں ہر ایک نے اپنا ایک علیحدہ طبقہ قائم کر لیا ہے۔ معاشرے میں مخصوص طبقے کے لوگ عام طور پر اپنی حیثیت کے برابر لوگوں میں شادی کرتے ہیں۔ وہ اتحاد قائم کرنے یا معاشرے میں کم حیثیت کے لوگوں کے درمیان ملنے جلنے کے تصور سے ہٹ گئے ہیں کہ کہیں ان کی شان و شوکت یا اثر و رسوخ ختم یا کم نہ ہو جائے۔ درحقیقت' یہ ایک رسم کا مشاہدہ ہے جس کا تعلق ہندوستان کے ذات پات کے نظام سے ہے' صرف یہ فرق ہے کہ ہندو اس نظام کو بڑی دور تک لے گئے ہیں۔ انہوں نے اسے بہت سخت بنا دیا ہے۔ تب' خاص طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ذات پات کا تعلق خصوصی طور پر صرف ہندوستان ہی سے نہیں ہے۔

حکومت ہند' جو تمام مذہبوں سے رواداری برتتی ہے' اس نے ملک کے ذات پات کے نظام میں کوئی دخل اندازی نہیں کی' ابھی تک' جہاں تک اس کی اپنی کارروائی کا تعلق ہے' اس میں ذات پات کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔ ایک شہر کی گلیاں' یکساں طور پر' برہمنوں' سیدوں' چماروں اور جاروب کشوں کے لیے کھلی ہیں۔ مدرسوں میں' تعلیم

مساوی طور پر، شہزادوں، بنیوں، نوابوں اور دھوبیوں کے بیٹوں کو دی جاتی ہے۔ سب ایک جیسے بینچ پر یا فرش پر بیٹھتے ہیں اور ایک ہی معلم انہیں تعلیم دیتا ہے۔ جیلوں اور ہسپتالوں میں سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک ہوتا ہے۔ لوگوں میں ایک طبقے کو کسی دوسرے پر فوقیت نہیں دی جاتی۔ سرکاری نوکریاں سب کے لیے کھلی ہیں۔ اگر کسی دکاندار یا تیلی کا بیٹا، ضروری اور مطلوبہ قابلیت کا حامل ہے تو وہ کسی نواب یا شہزادے کے بیٹے کی طرح، اعلیٰ آسامی کو پر کرنے کے لیے اہل ہے۔ معاشرے کے چند مخصوص طبقوں نے پہلے ہی سماجی سیڑھی میں پاؤں جما رکھا ہے۔ جیسے جیسے تعلیم عام ہوتی جا رہی ہے، لوگ، آزاد، روشن خیال اور غیر جانبدار حکومت کے نظام کو مکمل طور پر سراہ رہے ہیں، ذات پات کے سخت ترین امتیازات، نہایت، آہستگی، نرمی اور غیر محسوس طریقے سے مٹ جائیں گے۔

حالانکہ، جب تک ہندوستان کی سرزمین پر سورج چمکتا رہے گا، جب تک کاشتکار اپنی زمین پر ہل چلاتا رہے گا، جب تک پھول اپنی شیریں خوشبو باغ میں پھیلاتا رہے گا، اس وقت تک ذات پات کا نظام ہندوستان میں قائم رہے گا۔ یہ وہ مقدس عہد ہے جو ہندوستان کی عظیم قوم کے افراد ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ یہ ہندوستانی معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ یہ وہ عظیم ورثہ ہے جو ان کے آباؤ اجداد نے انہیں عنایت کیا ہے۔ اس کی بنیاد قانون فطرت اور قانون اقوام پر ہے۔ ایرانی شاعر کہتا ہے:

کند ھم جنس باھم جنس پرواز
کبوتر باکبوتر باز با باز

(ترجمہ) "ہر پرندہ اپنی نسل سے پر حاصل کرتا ہے، کبوتر، کبوتر کے ساتھ اور باز، باز کے ساتھ رہتا ہے"۔

موجودہ دور کے ہندوؤں میں رونما ہونے والی چند تبدیلیاں قابل ذکر ہیں۔ ہندوؤں کا پرانا لباس، بدل گیا ہے۔ اس کو اب صرف برہمن پہنتے ہیں۔

قدیم ہندوؤں کے تہذیب و تمدن میں، عورتوں کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ نہ تو انہیں عزلت گزینی کی زندگی بسر کرنے پر برا بھلا کہا جاتا تھا اور نہ ہی انہیں کم تر سمجھا جاتا تھا۔ ایک عورت کو شاعرانہ انداز میں، "گھر کی روشنی" کہا جاتا تھا۔ مصری اور چینی عورتوں کی مانند، عورتوں کو روپے پیسے سے خریدا نہیں جاتا تھا، بلکہ ان کے ساتھ مردوں کے مساوی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ قدیم ہندو دانشور کہتے تھے کہ "جہاں عورتوں کا احترام کیا جاتا ہے

وہاں دیوتا خوش رہتے ہیں' لیکن جب ان کی بے حرمتی کی جاتی ہے تو تمام مذہبی رسومات' بے معنی ہو جاتی ہیں"۔

ہندو معاشرے پر مسلمانوں کی سماجی رسومات کا اثر

مسلمانوں کی رسم و رواج سے متاثر ہو کر' بہت سے خاندان' ہندو عورتوں کو لوگوں کے سامنے جانے کی اجازت نہیں دیتے' حالانکہ ان میں پردے کی رسم پر زیادہ سختی سے عمل در آمد نہیں کیا جاتا رہا۔ بیواؤں کی شادی کی ممانعت نہیں تھی۔ بادشاہ تمام بیواؤں اور غیر شادی شدہ عورتوں کا سرپرست ہوتا تھا۔ ایک عورت اپنے خاوند کے گھر میں لائی جانے والی جائیداد کی مکمل طور پر مالک ہوتی تھی' اور وہ اس کے بعد اس کی بیٹی کو ورثے میں مل جاتی تھی۔ وہ بغیر کسی پابندی کے اس کو اپنی خوشی سے فروخت کر سکتی تھی۔ قدیم دور کے ہندو منافع کی خاطر' رقم ادھار نہیں دیتے تھے۔ اب سود حاصل کرنا' ہندوؤں کے روپے پیسے کے کاروبار کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔ اسلامی رسم و رواج کی پیروی کرتے ہوئے' متمول ہندوؤں میں' یک زوجگی کے قانون میں نرمی آ گئی ہے۔

ہندوؤں کے سماجی رسم و رواج

ایک ہندو کے لیے یہ لازمی فرض ہے کہ وہ کھانا کھانے سے پیشتر ہاتھ دھوئے۔ غسل کے لیے ساکن پانی پر رواں دریا کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔ مرد اور عورتیں' صبح سویرے دریا پر اشنان کرنے چلے جاتے ہیں اور واپسی پر اپنے ساتھ پیتل کا گھڑا پانی سے بھر کر لاتے ہیں' گھر پر اس کے استعمال کو انتہائی متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ضعیفی' کمزوری یا بیماری کے باعث' دریا پر اشنان کرنے کے لیے نہ جا سکتا ہو' تو وہ اپنے گھر پر ضروری اشنان کر لیتا ہے۔ ہندو' اپنا منہ مشرق کی طرف کر کے اپنی دعاؤں کو دھراتے ہیں۔ ان کی دیومالا' مصریوں کے ساتھ ساتھ' دنیا میں قدیم ترین ہے اور کائنات کے رموز کو بے نقاب کرنے کی کوششوں میں یہ عمیق گہرائی تک گئی ہے۔ سچائی کے لحاظ سے اس میں' اعلیٰ درجے کی ریاضت اور ایک لافانی روح کی عبادت ملتی ہے۔ یہ نسل انسانیت کی خیر خواہی' تمام مخلوقات سے اچھا برتاؤ' خود فراموشی اور اس عارضی دنیا سے بے اعتنائی کی تلقین کرتی ہے۔ منو کے دستور میں' فانی انسانوں' اس دنیا کے دکھ و مصائب اور آئندہ آنے والی دنیا کی خوشیوں کے بارے میں بیان کرنے والے قطعات' بہت خوبصورت ہیں' میں نے سر ولیم جونز کی بہترین تصنیف سے [illegible] ان کی موجودہ حالت کے

بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

"یہ مکان، جس میں شہتیروں اور تختوں کے لیے ہڈیاں ہیں، جس میں ڈوریوں کے لیے رگیں اور شریانیں ہیں۔ جس میں گارے کے لیے پٹھے اور خون ہے۔ جس کو بیرونی طور پر ڈھانپنے کے لیے کھال ہے۔ اس میں کوئی خوشبو نہیں بھری ہوئی بلکہ یہ فضلات سے لدا ہوا ہے"۔

یہ مکان، جس میں عمر اور دکھ رہتے ہیں، یہ بیماریوں کا مسکن، جو دردوں سے خائف رہتا اور اندھیرے سے سحر زدہ رہتا ہے اور طویل عرصے تک ٹھہرنے کے قابل نہیں، خاص روح کا ایک ایسا گھر ہے جو قابض کو ہمیشہ خوشی سے چھوڑنے دیتا ہے۔

"جیسے درخت ایک دریا کا کنارہ چھوڑتا ہے یا کوئی پرندے درخت کی شاخ کو خیرباد کہتا ہے، اسی طرح وہ جو اپنے جسم کو چھوڑتا ہے، دنیا کی سیاہ مچھلی سے نکل جاتا ہے"۔

اسی موضوع پر مصنف کہتا ہے:

"کسی مخلوق کو کوئی تکلیف نہ پہنچاتے ہوئے، اسے اگلے جہان کے لیے ساتھی حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ نیکیاں جمع کرنے دو، جس طرح سفید چیونٹا (دیمک) اپنا گھونسلہ خود تعمیر کرتا ہے"۔

"اگلے جہان کے راستے میں، نہ اس کا باپ، نہ ہی اس کی ماں، نہ ہی اس کی بیوی، نہ ہی اس کا بیٹا اور نہ ہی اس کے عزیز و اقارب، اس کے ساتھ رہیں گے، صرف اس کی نیکی ہی اس کے ساتھ ہوگی۔

"انسان اکیلا پیدا ہوتا ہے اور اکیلا ہی مرتا ہے، صرف اسی کو اپنی اچھائی کا انعام ملتا ہے اور خود اس اکیلے ہی کو اپنے اعمال کی سزا ملتی ہے"۔

"جب وہ، زمین پر گیلی یا مٹی کے ٹکڑے کی طرح اپنی لاش کو چھوڑتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب، غمگین چہروں کے ساتھ واپس ہو جاتے ہیں، لیکن اس کی روح کے ساتھ اس کی نیکی ہوتی ہے"۔

"چنانچہ مستقل ساتھی حاصل کرنے کے لیے اسے نیکیاں جمع کرتے رہنے دو، جب تک نیکی اس کی رہنما رہے گی وہ اندھیرے سے گزر جائے گا، چاہے اس میں سے گزرنا کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو"۔

مندرجہ ذیل قطعہ، تپسیا کی نوعیت کو بیان کرتا ہے۔

"اے غافل انسان' دولت کی خواہش سے باز رہ' اور اپنے جسم میں ذہن اور دماغ میں اس کے خلاف نفرت پیدا کر لے' اسے امیروں کو حاصل کرنے دو اور خود نیک اعمال کرو' ان سے اپنی روح کو تسکین پہنچاؤ"۔

لڑکا اپنے کھیل سے بہت خوش ہوتا ہے' نوجوان اپنے محبوب کی کس قدر خواہش کرتا ہے' بوڑھے کس قدر مالیخولیائی خیالات کو جنم دیتے ہیں' لیکن آدمی اپنے خدا کی عبادت نہیں کرتا"۔

"تمہاری بیوی کون ہے اور تمہارا بیٹا کون ہے؟ یہ دنیا کس قدر عجیب و غریب اور عظیم ہے تم کس کے ہو اور کہاں سے آئے ہو' میرے بھائی اسی کی ریاضت کرو اور پھر اس کی ہی کرو"۔

"جس طرح پانی کا قطرہ کنول کے پھول کی پتی پر پھیلتا ہے' اسی طرح پھسلوان انسانی زندگی ہے! یہاں پر نیک آدمی کا ساتھ رہتا ہے لیکن لمحہ بھر کے لیے' یہ تو زمین اور سمندر پر چلانے کے لیے تمہاری سواری ہے"۔

"درخت کے نیچے' دیوتاؤں کے مسکن میں رہنے کے لیے' زمین کو بستر اور کھال کو اوڑھنی بنانے کے لیے' خاندانی تعلقات یا رشتہ داری کے سنبندھ کو توڑنے سے' کون ہے جو اس دنیا کی نفرت انگیز ریاضت سے خوشی حاصل نہیں کرے گا؟"

"رات اور دن' صبح اور شام' خزاں اور بہار جاتے اور آتے رہتے ہیں۔ وقت چلتا رہتا ہے' عمر گزرتی ہے' خواہش اور ہوا مسلسل بغیر رکے جاری رہتی ہے"۔

"جب جسم لرزنا شروع ہو جاتا ہے' سر سفید ہو جاتا ہے اور منہ پوپلا ہو جاتا ہے' جب سیدھی چھڑی خود کو سہارا دینے والے ہاتھ میں کانپتی ہے' ہنوز' خواہش کا برتن خالی رہتا ہے"۔

ایک ہندو اپنے گھر میں بچے کی پیدائش پر یا اپنے کسی رشتے دار کی موت پر ناپاک ہو جاتا ہے۔ مردے کے جسم کو چھونے سے بھی ناپاکی ہو جاتی ہے' جبکہ اگر کوئی شخص بیماری کے بستر پر بھی ہو تو اسے ناپاک ہی خیال کیا جاتا ہے۔ جب وہ اشنان کر لیتا اور بال منڈوا لیتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے۔ جب تک کہ وہ ناپاک رہتا ہے تو اسے کسی بھی مذہبی رسم کی ادائیگی نہیں کرنے دی جاتی' اور اسے سر منڈوانے اور ناخن ترشوانے کی ممانعت ہوتی

ہے۔ جب کوئی آدمی کسی گائے کو (چاہے حادثاتی طور پر ہی ہو) مار دیتا ہے تو اس سے بہت بڑا جرم سرزد ہو جاتا ہے اور وہ فوراً ناپاک ہو جاتا ہے۔ وہ اس وقت تک پاک نہیں ہوتا جب تک گنگا پر جا کر مخصوص رسومات ادا نہیں کرتا۔ جبکہ مقدس دریا کی طرف جاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ لازمی طور پر ایک چھڑی لے کر جاتا ہے جس کے سرے پر گائے کی دم بندھی ہوتی ہے' یہ اس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ کوئی شخص اسے نہ چھوئے۔ کلو کے پہاڑوں میں' جب کوئی گائے کسی چیز کے ساتھ بندھی ہوئی مرجاتی ہے' تو جس شخص نے اسے باندھا ہوتا ہے وہ ناپاک ہو جاتا ہے' اور جب تک وہ پاک نہیں ہو جاتا' تو کوئی شخص اس کے ہاتھ سے کچھ نہیں کھاتا۔ والد یا والدہ کی برسی کے موقع پر دانتوں کی صفائی کرنے کی ممانعت ہے۔ دانت' کسی درخت کی سرسبز شاخ کو توڑ کر اس کے ٹکڑے سے صاف کیے جاتے ہیں' جسے "داتن" کہا جاتا ہے۔ اور اس وقت مندرجہ ذیل دعا کی جاتی ہے: "اے جنگلوں کے خدا' میں نے تمہاری شاخوں سے تھوڑی سی لکڑی اپنے دانتوں کی صفائی کے لیے لے لی ہے۔ اس عمل سے جو میں کرنے والا ہوں' مجھے لمبی زندگی' طاقت' عزت اور ذہانت عطا کر اور مجھے بہت سی گائیں' دولت' شان و شوکت' انصاف' یادداشت اور طاقت عنایت کر"۔

عورتیں اور بچے' بھوتوں' بلاؤں اور پریوں سے بہت زیادہ خوف کھاتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق' شودر اور نیچ ذات کے لوگ' مرنے کے بعد' بھوت بن جاتے ہیں اور نجار پیدا کرنے اور بیماریاں پھیلانے کا باعث بن جاتے ہیں۔ کسی بدروح کے اثر کو کسی فقیر یا بھگت کے منتر سے دور کیا جاتا ہے اور دیہاتوں و قصبات میں پیشین گوئی اور' دم جھاڑا' پیشہ بن گئے ہیں۔ عورتیں اور بچے' نظربد سے محفوظ رہنے کے لیے' تعویذ پہنتے ہیں۔ سینے یا گردن میں ڈوری کے ساتھ شیر کا پنجہ یا کوڑی باندھ کر پہننے سے یقینی طور پر حریص یا نظربد کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ لوہے میں' نظربد کو دور کرنے کے لیے بہت زیادہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ سیرس اور آم کے پتوں کے ہاروں کو دروازوں اور محرابوں میں لٹکانے سے بھی موثر طور پر محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

لڑکے کی پیدائش پر' اس کی طویل عمری کے لیے اور چیچک و دیگر بلاؤں سے محفوظ رہنے کی خاطر بہت سی تقریبات اور رسومات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ بلاؤں اور بدروحوں کی آمد کو روکنے کے لیے دیواروں پر تعویذ گنڈے لگائے جاتے اور منتر پڑھنے کے علاوہ دن رات آگ' جلائی جاتی ہے۔

زیادہ تر بہت سی دعوتیں اور تہوار منائے جاتے ہیں۔ دیوالی کے تہوار پر کوئی ایسا گھر نہیں ہوتا، جسے صاف ستھرا کر کے اور رنگ روغن کرا کے، اس میں چراغ نہ جلائے جاتے ہوں۔ ان کے خیال کے مطابق، ان کے آباؤ اجداد کی ارواح اپنے زندہ رشتہ داروں کے پاس، اس رات میں آتی ہیں۔ اور موخرالذکر کی کوئی ایسی تکلیفیں نہیں ہوتی جنہیں آرام نہ ملتا ہو۔ اس رات، مختلف تقریبات میں، مشہور زمانہ گوالے اور بانسری نواز، کرشنا دیوتا کی پرستش کی جاتی ہے۔

حوالہ جات

(۱) کیپٹن، اے۔ ایف، پی، ہرکورٹ، بنگال سٹاف کور، اسسٹنٹ کمشنر پنجاب کی تصنیف "ہمالیہ کے اضلاع : کلو، راہول اور سپتی"۔ مصنف ان مندروں کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "سانپوں کی مورتیاں یا تو انتہائی خوبصورتی سے لکڑی میں تراش کر دروازوں کے سردلوں پر بنائی گئی ہیں یا لوہے میں ڈھال کر دروازے کی چوکھٹ پر بنائی جاتی ہیں"۔

باب ۷

پنجاب میں بدھ مت

جب بت پرستی کے متعارف ہونے سے ہندو مذہب کی سادگی اور اصل پاکیزگی مسخ ہوگئی، جب اس دنیا کے خالق اور خدائے واحد کی عبادت، ارضی دیوتاؤں تک پھیل گئی، جب برہمنوں اور ذات پات کے نظام کا اثر و رسوخ تھا، تو اس وقت ایک مصلح پیدا ہوا، جس کا مقصد لوگوں کو ان کی غلطیوں اور تعصبات سے نجات دلانا اور ان میں خدا اور انسان کی اطاعت کرنے اور ذمہ داری کے جذبے کو بیدار کرنا تھا۔ یہ مہاتما بدھ تھا، جو مشہور و معروف دانشور اور گوشہ نشین شہزادہ تھا۔ اس کے مذہب کو تقریباً نصف نسل انسانی نے اپنایا ہے۔ اس کا اصل نام سدھارتھ تھا۔ وہ سدھودانہ کا بیٹا تھا، جو نیپال کے پہاڑوں کے دامن میں اسی نام کی سلطنت کے دارالخلافہ، کپل دستو پر حکومت کرتا تھا۔
وہ ۶۲۲ ق - م میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق سکیاؤں کے خاندان سے تھا۔ اس نے اپنی تعلیم برہمن معلمین سے حاصل کی لیکن، لڑکپن سے ہی اسے غور کرنے کی عادت تھی۔ اس کا والد اسے زیادہ فعال زندگی میں لانے کا خواہشمند تھا، لہٰذا سولہ برس کی عمر میں ایک باکمال شہزادی "گوپا" سے اس کی شادی کر دی گئی۔ اس کے علاوہ شہزادے کی دو اور بیویاں اور بہت سی کنیزیں تھیں، جن کے ساتھ وہ اپنے محلات میں عیش و عشرت اور خوشگوار زندگی بسر کر رہا تھا۔ لیکن اب اس کا ذہن بتدریج بدلتا گیا۔ وہ اپنے آپ سے کہتا: "زندگی، لکڑی کی رگڑ سے پیدا ہونے والے شعلے کی مانند ہے۔ یہ جلتا ہے اور بجھ جاتا ہے"۔ وہ زندگی کی ناپائیداری اور روح کی آزادی کے متعلق بیان کرتا تھا، اسی انداز میں رہتے ہوئے اسے ۲۹ برس ہو گئے کہ ایک دن، باہر جاتے ہوئے اس نے ایک نحیف و نزار بوڑھے شخص کو گنجے سر اور کانپتے ہوئے اعضاء کے ساتھ دیکھا، جس پر بہت سے زخم تھے۔ اور دوبارہ

ایک تابوت پر ایک لاش کو دیکھا' جس کے اردگرد' متوفی کے دوست احباب رو رہے تھے۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا' ایسی جوانی کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے' جو بہت سی بیماریوں' بڑھاپے اور موت کے تابع ہو؟ افسوس ہے اس دکھ بھری زندگی پر' زندگی جو ایک خواب اور بربط کی آواز کے سوا کچھ نہیں ہے' افسوس ہے' زمین پر جو غم کی وادی ہے اور دنیا' جو دکھ درد سے لبریز ہے! تب' سدھارتھ نے دنیا سے کنارہ کشی کرنے کا ارادہ کر لیا اور اپنے محل' بیویوں' بچوں (ان میں وہ بیٹا بھا شامل تھا جو تھوڑی دیر پہلے پیدا ہوا) کو چھوڑ کر وہ رات کے وقت ان پہرے داروں کو دھوکہ دے کر فرار ہوگیا' جنہیں اس کے والد نے نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو زبردست' تپسیوں اور کفاروں کے طابع کر لیا' بھوک' پیاس' گرمی' سردی اور طوفان برداشت کئے' لیکن مسلسل چھ سال کی نفس کشی اور سختیوں کے بعد بھی' سچ کو دریافت کرنے میں ناکام رہا' اس نے اپنے آپ کو گیان میں مشغول کر لیا' اور آخرکار یہ معلوم ہوا کہ وہ ایسے اہم علم کی نہج پر پہنچ گیا ہے جو انسان کو نفسانی برائیوں سے علیحدہ کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اس علم (گیان) میں چار اعلیٰ سچائیاں شامل تھیں۔ تکلیف' درد کی پیدائش' درد سے نجات' اور اس کو ختم کرنے کے ذرائع' جس سے لافانی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس نے بتایا کہ بلا تخصیص تمام جاندار' اذیت اور تکلیف کے طابع ہیں۔ ان کا' برائی کی موجودگی کے بارے میں علم' ان کی جدوجہد کو' ان سے گلو خلاصی کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مہاتما بدھ "روشن خیال" کہتا تھا۔ اس نے اپنے ہم جنسوں کو اپنے مذہب کی تعلیمات کی تبلیغ کی۔ اس نے ۳۶ سال کی عمر میں سرعام تبلیغ شروع کی۔ وہ زرد رنگ کے ملگجے لبادے زیب تن کرتا تھا' اور (عظیم عیسائی مبلغ پال کی طرح' جس نے پوری سلطنت روم کا سفر کیا تھا) سر کو منڈواتا اور ہاتھ میں پیالہ رکھتا تھا' اس نے تقریباً ۴۴ سال تک سفر کیا اور ملک کے دور دراز حصوں میں سفر کر کے لوگوں اور شہزادوں کو اپنے مذہب کی طرف راغب کیا' اس کی زندگی کے اہم مقامات' اجودھیا' گایہ اور راجگرھ' اب اس کے مذہب کے پیروکاروں کے لیے زیارت گاہیں اور پسندیدہ مقامات ہیں۔ اس نے اپنی آخری رات' تبلیغ میں گزاری اور اپنے شاگردوں کو الوداع کہنے کے بعد' گیان میں بیٹھ گیا۔ اور اسی سال کی طویل عمر میں انتہائی سکون کے ساتھ' سال کے درخت کے نیچے کنج میں بیٹھے ہوئے فوت ہوگیا۔ جہاں اس کے بااعتماد چیلے آنند نے اس کے لیے بستر تیار کر دیا تھا۔ اس کے آخری الفاظ تھے' "کوئی چیز جاری نہیں رہتی"" واضح طور پر اس طرف اشارہ ہے کہ موت کے بعد' کچھ نہیں بلکہ عدم ہے اور وحدت میں ضم ہو جاتا ہے۔ اس کی راکھ کو ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں' ضلع

گورکھپور میں "کیسیا" میں دفن کیا گیا۔

مہاتما بدھ' ہندوؤں کی رسم و رواج اور تقریبات سے الگ رہا' اس نے برہمن رہبانیت کو ہٹا دیا' قربانیوں کو ختم کر دیا اور ہندوستانیوں کے دیوتاؤں کو بے اختیار کر دیا۔ اس نے نفسانی خواہشات کی مذمت کی اور جسم کو روح کے تابع کرنے کے لیے' خود اذیتی کی سفارش کی۔ اس کی پوری زندگی کا مقصد' پوری دنیا میں تبلیغ کرنا اور انسانیت کو روحانی غلامی میں لانا تھا۔ اس کا مذہب پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ لیکن پندرہ سو سال تک سخت مقابلہ کرنے کے بعد آخرکار اس نے برہمنیت کو راستہ دے دیا جو اپنے مہیب مدمقابل سے زیادہ بہتر طور پر زندہ ہے۔ قصہ مختصر' یہ الحاد تھا' جو نفس کشی اور تپسیا کے سخت ترین نظام کے ساتھ مل گیا۔ اس نے مستقبل کی زندگی کے تصور سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور (نروان) یا فنا کو موجودہ زندگی کا خاتمہ قرار دیا۔ یہ مذہب جو نتائج کے لحاظ سے بہت ویران سا تھا' ہندوستان کے تصوراتی اور زندہ دل لوگوں کے لیے پھیکا ثابت ہوا لہٰذا انہوں نے اسے پسند نہ کیا۔ الحاد نہ کبھی کوئی مذہب تھا اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ مت نے اپنے آبائی وطن سے نکلنے کے بعد' بطور ایک مذہب کے جلاوطنی کی حالت میں زیادہ کامیابیاں حاصل کی ہیں' یہ پورے ایشیا میں بشمول سیلون' برما' سیام' جاپان' چین کوچن' چین منگولیا' منچوریہ' تبت اور مشرقی جزائر میں پھیل گیا۔ اس نے سنسکرت' چینی پالی اور دیگر زبانوں میں ضخیم ادب چھوڑا ہے۔

چینی زائرین پنجاب میں ۳۹۹ء اور ۶۵۰ء

بے شمار چینی زائرین نے وسطی ایشیاء سے ہندوستان میں اپنے مذہب کی جائے پیدائش کی سیاحت کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سب سے پہلا' ناہیان تھا جو ۳۹۹ء میں افغانستان سے پنجاب میں داخل ہوا۔ اس نے بدھ مت کے راہبوں اور مندروں کو ہندو مندروں کے پہلو بہ پہلو دیکھا۔ ایک دوسرا چینی زائر' ساتویں صدی کے پہلے نصف حصے میں' وسطی ایشیا کے راستے سے پنجاب میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ بدھ مت کی خانقاہیں اور راہب پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کشمیر میں بادشاہ اور رعایا' بدھ مت کے کٹر پیروکار تھے اور افغانستان کی بادشاہت پر ایک بدھ بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ بدھ مت کے پیروکار دو عظیم بادشاہوں' اشوک اور کنشک کی یادگاریں پنجاب کی سرحد پر دیکھی جا سکتی تھیں۔ جنرل کننگھم کے مطابق' اس نے بیاس کے مغرب میں دس میل کے فاصلے پر چائنہ پتی کے قدیم قصبہ میں چودہ ماہ گزارے' جہاں شمالی بدھ مت کے بانی بادشاہ' کنشک نے اپنے چینی

مہمانوں کو رکھا۔ یہ زائر' جس نے اپنے سفرناموں کا ایک مکمل اور دلچسپ ذخیرہ چھوڑا ہے' اس نے پنجاب کا سفر کیا اور گنگا کے دھانے پر پہنچ گیا۔ اس نے ہندوؤں اور بدھ مت دونوں کے مندروں کی سیاحت کی' لیکن بعدازیں' مختلف مصلحین کی سرکردگی میں ہندوؤں کے احیاء کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ بدھ مت کو نکال دیا گیا اور آخرکار ۷۰۰ء اور ۹۰۰ء کے درمیان مکمل طور پر مفقود ہوگیا۔

ضلع کانگڑہ میں "سپتی" میں اس وقت صرف بدھ مت ہی ہے۔ لاہول میں لازمی طور پر بدھ مت ہے اور وہاں بدھ خانقاہوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ چمبہ میں' پنگی کے بالائی حصوں میں تبت کی لامائیت پھیلی ہوئی ہے۔ بھاگا اور چندرا کی وادیوں میں بدھ مت نمایاں مذہب ہے۔ ماسوائے ان پہاڑی علاقوں کے بدھ مت' پنجاب میں ایک کالعدم مذہب ہے۔

بدھ مت' ہندوستان میں' پریا داسی یا اشوک کی خیرخواہ حکومت کے تحت' پھیلا اور با اثر ہوا۔ یہ چندر گپت کا پوتا تھا۔ اس نے ۲۷۵ ق - م میں مگدھا کا تخت و تاج سنبھالا۔ اس کی حکومت' مشرق میں گنگا کے دھانے سے مغرب میں سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ منفرد قابلیت کا حامل انسان تھا اور اس کے پاس عظیم قوت مشاہدہ تھی۔ ہندومت کو ترک کرنے کے بعد وہ بدھ مت میں شامل ہوگیا اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ' چین' تبت' برما' سیام' سیلون' کمبوڈیہ اور جاوا' میں سیاسی سفارتکار بھیج کر اپنے نئے مذہب کی تعلیمات کو عام کیا۔ اس نے یونان' شام اور شام اور مصر کے بادشاہوں کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کئے اور اپنے ملک میں ان ملکوں کے فنون اور مفید سائنسی علوم کو متعارف کرایا۔ اسے فن تعمیر اور مجسمہ سازی میں بہت زیادہ دلچسپی تھی اور اس کے یادگاری آثار' چٹانی اور غاروں کے مندر' خانقاہیں اور ستون' آج بھی' اس کے کردار کی برتری' حب الوطنی اور عقل و دانش کی گواہی دے رہے ہیں اور یکساں طور پر ماہرین لسانیات' ماہرین آثار قدیمہ اور مورخین کے لیے قابل ستائش ہیں۔ جن کے سامنے وہ فراموش شدہ تاریخ کے ابواب کھولتے چلے جاتے ہیں۔ یہ خلیج بنگال اور وندھیا کے پہاڑوں کی جنوبی ڈھلانوں سے دریائے سندھ کے پار درہ خیبر تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک پشاور سے چالیس میل کے فاصلے پر یوسف زئی میں "کپور دگارہی" چٹان' جنرل کورٹ نے دریافت کی اور پچاس سال پہلے' اس کی عبارات کو' سیاح میسن نے پڑھ کر مطلب نکالا۔ اشوک اعظم نے ہندومت کو بھی برداشت کیا اور انسانوں میں امن و آشتی اور بھائی چارے کی تبلیغ کی۔ اس کی عبارات' جو ہائس ٹپز کے بیٹے ڈیریس سے بھی زیادہ دلچسپ ہیں' ان میں اخلاقی برتری' اور خود فراموشی کے قواعد کی تلقین کی گئی ہے اور اپنے مصنف کی عظیم روح کا جیتا

جاگتا ثبوت ہیں۔ ان میں سے ایک کچھ اس طرح ہے: "ان کے لیے جو اس سے عقیدہ کے لحاظ سے مختلف ہیں' اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کے ہمراہ لافانی نجات حاصل کر سکتے ہیں"۔ ایک دوسری عبارت مندرجہ ذیل فرمان پر مشتمل ہے: "اس کی خواہش ہے کہ تمام غیر متعلقہ ہر جگہ' (بلا مزاحمت) رہیں' جس طرح وہ خود' اخلاقی بندش اور میلان کی پاکیزگی کے ساتھ رہنے کی خواہش کرتے ہیں۔ مختلف خصلتوں اور خواہشات کے آدمیوں کے لیے۔ (ا)

پنجاب میں جین مت

جین مت کے متعلق خاص طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہندومت اور بدھ مت کے درمیان سمجھوتہ ہے' جبکہ ایک طرف وہ قربانیوں کی مذمت کرتا ہے۔ ویدوں کی الہامی ابتداء کو نظر انداز کرتا ہے' خیرات دینے اور دیوتاؤں سے استدعا کرنے کے ذریعے سزا سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہندوؤں کی تعلیم کو رد کرتا ہے اور مردے کی روح کو آرام پہنچانے کے لیے کی جانے والی رسومات کے ساتھ کسی اہمیت کو وابستہ نہیں کرتا اور دوسری طرف برہمنوں کے راہبانہ قوانین کو تسلیم کرتا ہے' ہندوؤں کا ذات پات کا نظام' جو بدھ مت کے سراسر منافی ہے' اس پر سختی سے کاربند ہے' اور پاکیزگی' شادی بیاہ' موت' وراثت' دیوتاؤں کی پرستش سے وابستہ قواعد و ضوابط کی مطابقت بڑی حد تک ہندوؤں کے ساتھ ہے۔ جین مت کے پیروکار' گائے کی تعظیم کرتے' روزہ رکھتے' اور کسی بھی جاندار کو مارنا' ناقابل معافی گناہ سمجھتے ہیں۔ پنجاب میں' جین مت کے لوگوں کا تعلق' "ویسایا" یا تجارتی طبقہ سے ہے اور عام طور پر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ یہ دو فرقوں' سراوگی اور اسوال میں منقسم ہیں۔ جین آبادی زیادہ تر دہلی' روہتک اور حصار کے مشرقی اضلاع میں پائی جاتی ہے۔

حوالہ جات

(ا) جنرل الیگزینڈر کننگھم کی تصنیف جسے "کورپس انسکرپشنم انڈی کیریم" کہا جاتا ہے۔ جلد اول میں ستون کے فرمان - ۵ اور چٹان کے فرمان - ۷ کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب ۸

پنجاب پر مصر کے بادشاہ اوسیرس کا حملہ

قدیم ہندو مصر کو اس میں سب سے پہلے ہیم کے بیٹے مصریم کے رہنے کی وجہ سے مصر استھان (۱) کہتے تھے۔ مقدس کتابوں میں اس کو یہ نام دیا گیا ہے اور یہ نام "مصرا" اس وقت ملک کے دارالحکومت قاہرہ میں محفوظ ہے' جو قدامت کے لحاظ سے ایشیا کی بادشاہتوں میں سب سے سبقت لے گیا ہے۔ اس کے اولین حکمران "منیز" کو نسل انسانی کا پہلا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ اور ہندوستان پر سب سے پہلا حملہ کرنے کا سہرا بھی اس کے اولین بادشاہوں میں سے ایک کے سر رہتا ہے۔ اس بادشاہ کا نام اوسیرس تھا' جس کے بارے میں قدیم مصنف خیال ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اصل ڈائیونی سیس یا بیکس تھا۔ اس کا شجرہ نسب داستانوں میں گم ہے لیکن اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ یونانیوں کے جنگلی پن سے نمودار ہونے کے کافی عرصہ پہلے گزرا ہے' اس کی تعریف نہ صرف عظیم جنگجو ہونے کی بناء پر کی جاتی ہے بلکہ مفید فنون کو ترقی دینے والے پرجوش بادشاہ کے طور پر بھی کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے لیے اس کی یادگار مہم کے متعلق' ہیرو ڈوٹس' ڈائیو ڈورس' سیکولس اور سٹریبو نے بیانات دیے ہیں' ان سب نے مصر کی سیاحت کی تھی اور اپنی معلومات اس کے راہبوں کے علاوہ پلوٹارچ سے بھی حاصل کیں۔ روایت یہ ہے کہ تھیبز کے شہر کی بنیاد رکھنے اور مصریوں کو تہذیب و تمدن کی اچھائیاں اور مفید علوم عنایت کرنے کے بعد اس نے اپنی توجہ مشرق کو فتح کرنے کی طرف کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی مہم میں اس کے ہمراہ' اس کے زرہ بکتر میں ملبوس بیٹے انیولس اور میسڈو بھی تھے اور اس کی فوج میں اپالو اور

پین(۲) بھی شامل تھے۔ ٹر-پٹولیمس' کاشتکاری میں ماہر تھا' میرو' بیلوں کو اگانے میں اور میوسیز' موسیقی میں ماہر تھا۔ اس نے ایتھوپیا اور عرب کو فتح کیا' ان ملکوں میں اس نے بے شمار اصلاحی اقدامات کیے' دیگر ملکوں میں تعمیرات کیں اور عرب میں' دریائے نیل کے سیلاب کو روکنے کے لیے اور قرب و جوار کے علاقوں کو تباہی سے بچانے کے لیے اس نے وسیع و عریض کنارے بنائے۔ ان علاقوں میں اپنی فتوحات مکمل کرنے کے بعد وہ اپنی فوجوں کو اپنی سربراہی میں لے کر ہندوستان کی طرف بڑھا اور ایران کی سرحد سے' پنجاب(۳) میں داخل ہوا۔

مذکورہ بالا' مصنفین کے مطابق' اس نے ہندوستانیوں کو دیکھا کہ وہ انتہائی غیر مہذب اور اجڈ زندگی گزار رہے ہیں اور میدانوں و پہاڑوں میں آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں' کاشتکاری سے واقف نہیں اور جنگ کے فن کو نہیں جانتے۔ ہندوستانی اپنے ملک کا دفاع کرنے کے لیے ملک کے تمام حصوں سے آ کر بہت بڑی تعداد میں جمع ہوئے۔ انہوں نے اپنے ان گھڑے ہتھیاروں سے حملہ آور فوج کی پیش قدمی کا مقابلہ کیا۔ ڈائیونی سیس کے دربار میں درباریوں میں خواتین پجاریوں کی بھی بہت بڑی تعداد ہوتی تھی جو راہباؤں کے طور پر فرائض ادا کرتی تھیں۔ انہوں نے ہیجان انگیز جذبہ سے مغلوب ہو کر نعرے لگائے اور ان کے نعرہ ہائے تحسین و آفرین سے میدان گونجنے لگے "شاباش! بچے شاباش! فتح" ان کے علاوہ فوج کے سپاہی بھی گرزوں اور بھالوں سے لیس تھے' ہندوستانیوں نے مزاحمت کی لیکن نہایت کمزور' اور جلد ہی ان کے پاؤں اکھڑ گئے' اور پہلی مرتبہ پنجاب کے میدانوں پر کسی غیر ملکی فاتح کا قبضہ ہوگیا۔ یہ حملہ آور اپنی فتوحات کو گنگا کے دہانے تک لے گیا' اور ہندوستان میں تین سال ٹھہرنے کے بعد اپنے آبائی وطن کو لوٹ گیا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی فتح کی یادگار کے طور پر' مینار تعمیر کرائے اور اپنی فتوحات کو بیان کرنے والی یادگاریں پیچھے چھوڑیں لیکن وہ زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ جب ڈائیونی سیس' ہندوستان میں داخل ہوا' تو اس نے لوگوں کو جہالت اور وحشی پن کی حالت میں دیکھا تھا' اس نے انہیں زمین کاشت کرنے کا فن اور دیوتاؤں کی پرستش کرنا سکھایا۔ ہندوستان کے لوگوں پر کی جانے والی مہربانیوں کے باعث اسے اس ملک میں لازوال عزت حاصل ہوئی اور اس کی ایک دیوتا کی طرح پرستش کی جانے لگی' اس کے نام پر شہروں کی بنیاد رکھی گئی اور میگاس تھنیز ہمیں بتاتا ہے کہ

اسے ان شہروں کی نشاندہی کرائی گئی جہاں نسل انسانی کے اس خیر خواہ نے دورہ کیا تھا۔ پلوٹارچ' آئیسز اور اوسیرس پر لکھے گئے اپنے مضمون میں ہمیں مطلع کرتا ہے کہ ہندوستان میں ڈائیونی سیس کی شہرہ آفاق مہم کی یادگار کے طور پر یہاں وہ کھیل قائم کیے گئے جنہیں مصر میں ہمیلیہ' یونان میں ڈائیونا لیسید اور روم میں پچنیلیہ کہا جاتا تھا۔ اس کی تصنیف میں بلا شک و شبہ اور بلا اختلاف یہ بیان کیا گیا ہے کہ مصریوں کے آئیسز اور اوسیرس ہندوؤں کے ایسو اور اسوارا ہیں۔ اس کی پرستش دور دراز تک پھیل گئی ہے اور اس کے تہوار ناچ گانے کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔

پنجاب پر ایساریہ کی ملکہ' سیمی ریمس کا حملہ

جب بابل کی قدیم سلطنت' ایساریہ میں مدغم ہوئی تو' بیان کیا گیا ہے کی نینوا کا بانی نینس' اس کا پہلا بادشاہ بنا۔ تقریباً نویں صدی قبل مسیح میں اس کی وفات کے بعد اس کی ملکہ' سیمی ریمس' اس وسیع و عریض' بادشاہت کی جانشین مقرر ہوئی' جو اس کے شوہر نے حاصل کی تھی۔ اسے عسکری ذہانت کے علاوہ بہت زیادہ حسن و جمال بھی عنایت کیا گیا تھا۔ اپنی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور ہندوستان کی بے بہا دولت کے لالچ' اس کے فقید المثال خوبصورت مناظر اور زمین کی زرخیزی اور شادابی کی وجہ سے اس نے اس ملک کی طرف' اپنی مشہور زمانہ مہم کا آغاز کیا' ایسی مہم' جسے مورخین کے بیانات کی مبالغہ آرائیوں کے باعث' رومانوی اور افسانوی سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا' ڈائیوڈورس کے مطابق' ٹیسیس نے اس عظیم الشان مہم کے بارے میں کوائف' بابل کی تاریخی دستاویزات سے حاصل کیے۔ مزید براں مختلف شکلوں کو جن میں قدیم مصنفین نے اسے بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ وابستہ قدیم عظیم الشان شہرت کا جب حالیہ تحقیقات کے ذریعے جائزہ لیا جاتا ہے تو اس بات کی قطعی واضح شہادت ملتی ہے کہ یہ امر واقعہ ہے کہ اس مہم کو حقیقتاً شروع کیا گیا تھا۔

سیمی ریمیس کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ ہندو پراناؤں کی سیمی راما ہے اور ہندو اس کی پرستش' ایک دیوی کی طرح کرتے ہیں۔ اس کا پسندیدہ مسکن "سوما" کا درخت ہے' جس کی آگ کے گرد' دیوتا' خوشیاں مناتے ہیں۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلے' شام میں "اسچلین ستھان" کے مقام پر نمودار ہوئی۔ مشرق کے قدیم مصنفین اسے صحرا میں فاختائیں کھاتے ہوئے اور اس دنیا کو فاختہ کی شکل میں چھوڑتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ پراناؤں کے مطابق خود فاختہ بھی' سیمی راما کا اوتار تھی۔

ایساریہ میں فاختہ، جنگی نشان کی علامت سمجھی جاتی ہے، اسی طرح یکساں طور پر یہ ہندوستان میں، بدلے ہوئے نام مہا بھاگا یا "خوشحال دیوی" کے تحت، امن اور خوشحالی کی دیوی کی علامت ہے۔ ہندوستان میں ابھی تک غالباً اکتوبر کے مہینے میں سیمی رمیس کا تہوار منایا جاتا ہے، جب سوما کے درخت کے نیچے چراغ جلائے جاتے ہیں اور چاول، پھولوں اور شراب کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ دیوی کی شان میں بھجن گائے جاتے ہیں اور دیوی و اس کے پسندیدہ مسکن، درخت کی پرستش کی جاتی ہے۔

غالباً اسی دور میں جب ایساریہ پر سیمی رمیس کی حکومت تھی، ہندوستان پر ایک نہایت خدا ترس بادشاہ "ویرا سینا" حکومت کرتا تھا۔ اس نے "موش اسوارا" (جو متھاوینہ کے نام سے بھی مشہور تھا) کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے، موشوستھان (مکہ) کا دورہ کیا، اور اس کی پرجوش اور طویل حاضریوں (اگرا تپسیا) سے خوش ہو کر، دیوتا نے "ستھاورس" یا کائنات کے مضبوط حصے کا بادشاہ بنا دیا۔ تبھی سے اسے ستھاور پتی (یونانیوں کا شاور بیٹس) کہا جانے لگا، اس کے دائرہ اختیار میں پہاڑ، زمین، درخت، پودے اور گھاس ہے۔ اس کی سلطنت، سمندر کے قریب یعنی واضح طور پر سندھ کے علاقوں میں تھی۔ و اہنستھان کی ملکہ، سیمی راما کی طرف سے اپنے اقتدار کی بابت کی جانے والی ذلت سے مشتعل ہو کر اس نے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ اس کے ملک پر حملہ کر دیا اور بیکٹیریا (بلخ) کی فوجوں کو شکست دی۔ ایساریہ کی مغرور ملکہ نے ہندوستان کے طاقتور بادشاہ کی اطاعت کر لی اور اسے مہا دیوا کا بیٹا سمجھتے ہوئے خراج عقیدت پیش کیا۔

مذکورہ بالا روایت جو شاستروں میں پیش کی گئی ہے ابھی تک افسانوی داستانوں میں چھپی ہوئی ہے، جب اس کا موازنہ یونانیوں کے بیانات سے کیا جاتا ہے تو یہ صرف ایک فرق کے سوا تاریخی سچائی پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مغربی مصنفین، ایساریہ کی ملکہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اس نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا جبکہ ہندوستانی، ہندوستان کے بادشاہ کو حملہ آور بتاتے ہیں۔ جہاں تک بادشاہتوں کے ناموں کا تعلق ہے تو، جنگ کے فریقین، داستان اور اس کے نتیجہ کے بیانات میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

اس مہم کے بارے میں قدیم مصنفین کے پیش کردہ بیانات سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا کہ ایسارین، پنجاب کی مغربی سرحد کے پار تک پہنچ گئے تھے۔ ان کے یادگار کارناموں کا اہم میدان، سندھ کی سرحد کا علاقہ تھا۔ ان کی ملکہ سیمی رمیس نے مغربی ایشیا میں اپنی

حکومت کو بڑی حد تک توسیع دینے کے بعد' ہندوستان کی فتح کا ارادہ کر لیا' جو ابتدائی زمانوں میں' اپنی بہت زیادہ دولت اور گنجان آبادی کی وجہ سے مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی خواہش کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں تھیں' ایک تو ہندوستان کے شمال مغرب میں' بہت بڑے وسیع و عریض تلاطم خیز دریا کی موجودگی تھی جو (اس) راستے کی جانب سرحد پر بہت بڑی رکاوٹ کی شکل میں موجود تھا۔ اور دوسری' ہندوستانیوں کے پاس جنگی ہاتھیوں کی موجودگی کے باعث اُن کی بالادستی تھی' جو اپنی بھاری بھرکم ہیئت اور زبردست طاقت کے باعث میدان جنگ میں خوف و ہراس اور اضطراب پیدا کر دیتے تھے۔ ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے' اس نے اپنی طاقتور سلطنت کے تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے حکم دیا کہ جانوروں کی کھالوں میں بھوسہ بھر کر نقلی ہاتھی بہت بڑی تعداد میں تیار کیے جائیں۔ متحرک قوت کے طور پر ان میں اونٹوں کو چھپایا گیا۔

فونیشیا' قبرص اور ایسرین علاقوں کی سرحدوں کے دیگر ساحلی اضلاع سے جنگی جہاز تیار کرنے والوں کو بیکٹیریا (بلخ) میں بلوایا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ دریائے سندھ کے لیے موزوں' بحری جہاز تیار کریں۔ اس منصوبے کو عملہ جامہ پہنانے کے لیے تمام جنگلات کاٹ دیے گئے۔ ان عظیم الشان تیاریوں کی تکمیل تین سال میں ہوئی اور یہ مہیب ڈھانچے' بیکٹیریا (بلخ) سے خشکی کے راستے لائے گئے۔

ایساریہ کی فوج جو انتہائی تجربہ کار اور بہادر سپاہیوں پر مشمل تھی' جن کے ہمراہ بحری مہم جو بھی تھے' خود ملکہ اور اس کے مشہور جرنیل' ڈرسیٹا ئیس کی سرکردگی میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوئی۔

ہندوستانی بادشاہ' شاور بیٹس' جو سورج بنس یا سورج کی نسل کی اولاد ہونے کا دعوٰی کرتا تھا' ایک بہت بڑی فوج اور طاقتور ہاتھیوں کے لشکر کے ہمراہ' حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس نے بھی دریائے سندھ پر بانس کی بنی ہوئی بے شمار کشتیاں بھیج دیں' جو اس دریا کے دلدلی کناروں پر کثیر تعداد میں موجود تھیں۔ فونیشینز کے بہترین بحری انتظامات کے علاوہ بحری بیڑے کو چلانے کی مہارت نے انہیں ہندوستانیوں کو زبردست شکست دینے کے قابل بنا دیا تھا۔ ان کی ایک ہزار سے زائد کشتیاں ڈوب گئیں اور ان میں سے بہت بڑی تعداد کو قیدی بنا لیا گیا۔ ہندوستانی بادشاہ' اپنی فوجوں کو مجتمع کرنے میں کامیاب ہونے کے باوجود' دریا سے کچھ فاصلے تک پیچھے ہٹ گیا۔

سیمی رمس نے اپنی کامیابی پر فخر و ناز کرتے ہوئے حکم دیا کہ دریائے سندھ پر ایک عظیم الشان پل بنایا جائے' اسی کی مدد سے اس نے اس تلاطم خیز دریا کو پار کیا۔ ساٹھ ہزار سپاہیوں کا ایک حفاظتی دستہ اس پل کا دفاع کرنے کے لیے تعینات کیا گیا۔ نقلی ہاتھیوں کو میدان جنگ کے ہراول دستہ میں منظم کیا گیا تھا۔ ان کو دیکھ کر ہندوستانی حیرت زدہ رہ گئے لیکن جلد ہی ان کی حیرت' حقارت میں تبدیل ہوگئی جب اسیارین فوج سے بھاگنے والے سپاہیوں نے انہیں بتایا کہ ان کے لیے حیرت پیدا کرنے والی چیزیں' صرف اسیاریہ کی ملکہ کی ذہنی اختراع ہے۔ ہندوستان کا بادشاہ' مصمم ارادے کے ساتھ آگے بڑھا اور خونریز جنگ چھڑ گئی۔ اس میں اسیار۔لنز کو مکمل طور پر شکست ہوگئی' نقلی ہاتھی' ہندوستانی فوج کے غضبناک زندہ ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلے گئے اور میدان جنگ میں ان کے بے شمار جنگجو قتل ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سیمی رمس' اس دلیری اور بہادری سے لڑی کہ اس میں اس کی زندگی کی جملہ خصوصیات نمایاں ہوگئیں۔ فوجی' پوشاک میں ملبوس ہو کر اس نے اپنی طرح اور اپنی آواز سے اپنی فوج میں زبردست جذبہ پیدا کر دیا تھا' وہ جنگ کے ہر مرحلہ پر توجہ مرکوز کیے ہوئے تھی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آخرکار وہ اپنے دشمن بادشاہ کے ساتھ دست بدست لڑائی میں مشغول ہوگئی' جس نے اسے دو مرتبہ زخمی کیا۔ ایک مرتبہ ایک تیر سے جو اس کے نازنین بازو کو زخمی کر گیا' اور دوسری مرتبہ ایک نیزے سے جو اس کے شانے پر لگا۔ جسمانی طور پر زخمی ہونے اور ذہنی طور پر تکلیف زدہ ہونے کے بعد' ملکہ نے اپنے آبائی وطن کو لوٹنے کا ارادہ کیا' اگرچہ' اس کی بچی کھچی فوج کو زبردست نقصان پہنچا' بلکہ ان میں سے ہزاروں کی تعداد میں' دریا کو پار کرتے ہوئے ڈوب گئے جبکہ ہزاروں کو تعاقب کرنے والی ہندوستانی فوج نے تہ تیغ کر دیا۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ سیمی رمس بھی اس لڑائی میں کام آگئی تھی' لیکن یقین یہی ہے کہ اسیار۔لنز نے اس نقصان کے بعد' اب ہندوستان کی مزید فتح کا خیال تک ذہن میں نہیں لایا۔

پنجاب پر مصر کے بادشاہ' سیسوس ٹریس کا حملہ

یوسی بیس (۴) کے مطابق' سیسوس ٹریس' جسے' سیزرین' بابائے تاریخ کلیسا' خیال کرتے ہیں' وہ اٹھارویں صدی قبل مسیح میں' مصر کے تخت پر بیٹھا' وہ بری اور بحری دونوں لحاظ سے بڑا طاقتور بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کی سرحدوں کو بہت زیادہ وسیع کر لیا اور مصر کو عظیم الشان عمارات اور بہت سے علم و حکمت کے اداروں سے آراستہ کر دیا۔ ایشیا

کے پورے صوبے پر چڑھائی کرنے' اور بالائی ایشیا کے وسیع و عریض صوبوں سے گزرنے' کاکیشیا کے بلند و بالا برف پوش پہاڑوں کو عبور کرنے اور سکاتھیہ اور تھریس کے ویران صحراؤں سے گزرنے کے بعد' اس عظیم' دستور ساز' جنگجو اور فاتح نے اپنی توجہ ہندوستان کی فتح پر مرکوز کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی فوج کو لے کر معمول کے راستے سے شمالی ہندوستان یا پنجاب میں داخل ہوا اور مشرق کی طرف اپنی پیش قدمی کو جاری رکھتے ہوئے اس نے اپنی یلغار کو گنگا تک بڑھا دیا۔ ڈائیو ڈورس' اور جغرافیہ دان' ڈائیونی سیس کے مطابق' وہاں اس نے مینار تعمیر کرائے' جن پر' اس کی فتح اور شان و شوکت کو بیان کیا گیا تھا اور ان پر ایسی علامات کندہ تھیں' جن سے ظاہر کیا گیا تھا کہ مفتوح لوگوں نے اپنے ملک کا دفاع کس طرح کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس فاتح نے ہر دوسرے ملک میں اسی طرح کے مینار تعمیر کرائے' ان میں سے چند' ہیرو ڈوٹس کے دور تک موجود رہے' اس نے انہیں فلسطین میں دیکھا' جبکہ دوسرے ستونوں کو سٹریبو' نے ایتھوپیا اور عرب میں دیکھا۔ اپنی وسیع و عریض سلطنت کے ہر شہر میں اس نے مندر تعمیر کرائے اور انہیں اس جگہ کے خصوصی دیوتا کے لیے وقف کر دیا۔

سر ولیم جونز' نے ہندوستانی منطقہ البروج کے بارے میں بیان کرتے ہوئے' "ایشیائی تحقیقات" میں ہمیں مطلع کیا ہے کہ "ستاروں کے مشاہدے کا عمل' ان کے ملک میں مہذب معاشرے کی مبادیات کے ساتھ شروع ہوا' جنہیں ہم' چیلڈائیز (بابل) کہتے ہیں۔ جہاں سے سیسے (سیسوس ٹریس کے ساتھ شناخت کی گئی ہے) کے دور حکومت سے قبل یہ مصر' ہندوستان' یونان' اطالیہ اور سیکنڈے نیویا میں پھیل گیا' اس نے فتح کے ذریعے' نیل سے گنگا تک نیا مذہبی نظام اور فلسفہ پھیلا دیا"۔ سر ولیم جونز نے جس نظام کے بارے میں حوالہ دیا ہے وہ لازمی طور پر' مادہ پرستی ہے جس کو بارہ سو سال بعد' ہندوستان میں مہاتما بدھ اور اس کے پیروکاروں نے پھیلا دیا تھا۔

پنجاب پر قدیم سکاتھوں یا تاتاریوں کی یورش

سر ولیم جونز نے حوالہ دیا ہے کہ تاتاریوں کے مستند مورخ ابو الغازی کے مطابق' اس قوم کی تاریخ (جس طرح ہندوؤں کی رام کے ساتھ شروع ہوتی ہے) اسی طرح اوغز کے ساتھ شروع ہوتی ہے' وہ پاشا دیدئن خاندان سے تعلق رکھنے والے' فارس کے پہلے باقاعدہ بادشاہ "کیومرس" کا ہمعصر [illegible] کے باعث' براہ راست

"جیفیت" (۵) کی اولاد میں سے تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سکا تھوں کا یہ سورما اور سردار بہت طویل العمر تھا اور اس نے اپنے ابتدائی سال، تبت، تنگت اور کٹے کی سلطنتوں میں جیفیت کے مذہب کو از سر نو قائم کرنے میں صرف کیے۔ بعد میں اس نے "کیومرس" کے پوتے ہوشنگ کے دور حکومت میں، فارس (ایران) پر جنگ مسلط کر دی اور خراسان کا محاصرہ کرنے کے بعد اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد وہ اپنی فوجوں کو عراق، آذربائیجان اور آرمینیا کے صوبوں تک لے گیا اور انہیں اطاعت گزار کیا۔ تب وہ کابل اور غزنی کی طرف بڑھا اور بشمول کشمیر، شمالی ہندوستان کو فتح کر لیا، ہندو بادشاہوں کی قدیم نسل کی اولاد اور کشمیر کے حکمران، "جگما" نے بھرپور مزاحمت کی، لیکن اوغز کی پرعزم بہادری، ہر رکاوٹ پر غالب آ گئی اور ایک سال کی زبردست جدوجہد کے بعد، کشمیر فتح ہو گیا، جگما کو قتل کر دیا گیا اور کشمیر کے بے شمار باشندوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ ان شاندار فتوحات کو حاصل کرنے کے بعد، اوغز، قدیم میسا جیٹیائی اور سوگدیانہ کے ملک بدخشاں کے راستے اپنے آبائی وطن کو لوٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے وطن واپس پہنچ کر غیر ممالک میں اپنی فتوحات کے اعزاز میں بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔ یہ دعوت، سونے اور دیگر قیمتی پتھروں سے بنائے گئے اناروں سے آراستہ خیموں میں دی گئی۔ تاتاری، ۹ کے عدد کو مقدس سمجھتے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء مثلاً شراب کی بوتلیں (جس کے قدیم تاتاری بہت زیادہ شوقین تھے) اور گھوڑی کے دودھ (جس کو شفا بخش تصور کیا جاتا تھا) کے مرتبان بھی اسی متبرک عدد کے تحت، باقاعدہ بنائے جاتے تھے۔

اس بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اوغز کے تحت، تاتاریوں کی حکومت پنجاب میں کہاں تک پھیلی۔ اس کے راستے میں ھائیڈاس پیس، یا جہلم بھی شامل تھا، اور آیا۔ ملک پر مستقل قبضہ کرنے کے مقابلے میں غارت گری اور لوٹ مار کے مقصد کے لیے ایسا کیا گیا لیکن محسوس ہوتا ہے اس نے اپنے پیچھے کوئی نشان نہیں چھوڑا۔

پنجاب پر دوبارہ تاتاریوں کی یورش ۶۵۰ قبل مسیح

پنجاب پر تاتاری جتھوں (فوجوں) کی اگلی اہم یورش، میڈیا کے پہلے بادشاہ سائیکساریس کے دور میں کی گئی۔ یہ انتہائی طاقتور سلطنت، قدیم ایساریَن بادشاہت سے نمودار ہوئی تھی، جس کو آربیس نے شکست دی تھی۔ یہ حملہ تقریباً ساتویں صدی قبل مسیح میں کیا گیا۔ کاکیشیا کے پہاڑوں اور اس کے مضافات سے اترنے کے بعد، انسانی

وحشیوں کے وسیع و عریض لشکر بالائی ایشیا کے ممالک بشمول' دریائے سندھ کے ساتھ پنجاب کے علاقوں میں پھیل گئے۔ تاہم ان شمالی جابرین کو سا یکسار یس نے بہت بڑی تعداد میں شکست دینے کے بعد قتل کیا۔ سکا تھوں کی شکست خوردہ فوج کا ایک بہت بڑا حصہ پنجاب میں آباد ہوگیا اور ان کی نسل نوماردی کہلائی جانے لگی' جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر اس علاقے میں آباد ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خانہ بدوش قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور قدیم سکا تھوں کی طرز پر لکڑی کے مکانوں میں رہتے ہیں اور جہاں کافی چراگاہیں موجود ہوں وہاں آباد ہو جاتے ہیں۔ میسا جٹیائی کی اولاد اور ان آبادکاروں کے ایک حصہ کو جیٹی کہا جانے لگا' جہاں سے موجودہ "جاٹ" نمودار ہوئے۔ پنجاب میں یہ سکا تھ وحشی' ہن کے نام سے مشہور ہوگئے۔ نیز ہندوستانیوں اور ہنوں کے درمیان خونریز جنگوں کی شہادت نہ صرف' سنسکرت کے مصنفین سے ملتی ہے بلکہ ستونوں پر کندہ انتہائی قدیم سنسکرت زبان کی عبارات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بدال کے قریب ایک ستون پر واقعہ مندرجہ ذیل عبارت مسٹر ولکن نے پڑھی۔

> "غور (بنگال) کے بادشاہ نے اپنی دانش پر اعتماد کرتے ہوئے' طویل عرصہ تک اکتل (اوڑیسہ) کی مٹی ہوئی نسل' ہنوں کے اطاعت شدہ' غرور' دراویر (کازنیک کے جنوب میں ایک ملک) کے بادشاہوں' اور گوجر (گجرات' جس کی شان و شوکت کو شکست دی گئی) کے ملکوں اور عالمی دریا بند تخت پر حکومت کی"۔

قدیم ادوار میں' جیٹی یا جاٹ' سندھ کے نشیب تک سندھ (انڈس) کی پوری وادی میں آباد تھے' پلائنی اور بطلیموس کی کتابوں میں انہیں جاتی اور سٹریبو کی کتابوں میں ستھی کہا گیا ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر کے مطابق' سکا تھ لشکروں کی ایک شاخ نے ۶۲۵ ق۔ م' میں ایشیا کو تاراج کرنے کے بعد' سندھ کے کنارے پر "ٹپالا" سندھ میں موجودہ حیدر آباد پر قبضہ کر لیا۔ ان سب کو بعد ازیں' جاٹ کہا جانے لگا اور اب پنجاب کی زرعی آبادی کا ایک اہم حصہ اور بہت بڑی تعداد میں ہیں۔

جب چوتھی صدی قبل مسیح میں سکندر اعظم نے پنجاب پر حملہ کیا' تو اس نے دیکھا کہ ضلع راولپنڈی میں ایک قبیلہ آباد ہے جسے ٹکاس یا ٹکشاکس کہا جاتا ہے۔ ان کا تعلق' سکا تھوں کے اس لشکر سے ہے جو چھٹی صدی قبل مسیح میں پنجاب میں ہجرت کر کے آیا تھا

اور انہوں نے اس شہر کو ٹیکسلا کا نام دیا، جس پر سکندر نے حملہ کیا تھا، جو اس وقت پنجاب کا دارالخلافہ تھا، اس کے محل وقوع کے بارے میں پتہ چلایا گیا ہے کہ اس کا علاقہ سندھ اور جہلم کے درمیان تھا۔ ٹکی نے واضح طور پر یہی نام ٹیکلا سے اخذ کیا ہے اور جنرل کننگھم اس کی نشاندہی، لاہور کے مغرب میں ۴۵ میل کے فاصلے پر واقع موجودہ اسرور سے کرتے ہیں، جو ساتویں صدی عیسوی میں پنجاب کا دارالخلافہ تھا۔ ٹکہ قبیلہ آج کل پنجاب میں، دہلی اور کرنال کے اضلاع میں پایا جاتا ہے۔

یہ نسل جو ٹوچے یا سفید ہن کہلاتی ہے، اور جو پہلی صدی عیسوی میں، پنجاب میں اور سندھ کے ساتھ آباد ہوگئی تھی، اس کے بارے میں نہ صرف قدیم مصنفین، اریَن، سٹریبو اور بطلیموس نے تصدیق کی ہے، بلکہ حال ہی میں دریافت ہونے والے سکا تھ دور کے سکوں اور عبارات اور ہندوستانی قبائل مثلاً ساکاس، ہنس اور ناگاس (جو سب سکا تھوں کی نسل سے ہیں) سے بھی ان کا پتہ چلتا ہے۔ ہندوستانی راجاؤں میں سے ایک مقبول عام اور روشن خیال راجہ بکرما جیت، جو ۵۶ ق۔ م میں ماگدھا، مالوہ اور وسطی ہندوستان کی سلطنتوں پر حکومت کرتا تھا اور جس کی حکومت نے، ہندو ادب، اور سائنس کے عالی شان دور کی بنیاد رکھی تھی، نے ایک عظیم الشان جنگ میں ہنوں کو شکست دی۔ لیکن وہ قطعی طور پر ملک سے نکلے نہیں اور انہوں نے تقریباً ۲۵۰ سال تک مغربی ہندوستان پر قبضہ جمائے رکھا۔ جبکہ پہلی چھٹی صدی عیسوی کے دوران ان کی قسمت میں وقفوں وقفوں سے اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ ملتان کے قریب، کورور کی عظیم جنگ، جس میں سکا تھوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، تقریباً چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں لڑی گئی۔ اس جنگ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "اس میں ہندوستان کو ہنوں سے آزاد کرا لیا گیا"۔

پنجاب میں اور درحقیقت، بنگال اور بہار تک پورے ہندوستان میں سکا تھ غارت گروں اور فاتحین کے وسیع و عریض لشکروں کی ہجرت نے خاندانی اور مذہبی لحاظ سے تاثر قائم کیا۔

کنشک نے پنجاب میں سکا تھ بادشاہت کو قائم کیا۔ اس نے ۴۰ عیسوی میں چوتھی بدھ سبھا (مجلس) کا اہتمام کیا، اور ملک میں شمالی یا تبتی شکل میں بدھ مت قائم کیا، یہ اشوک کے بدھ مت سے یکسر مختلف تھا جو جنوبی ہندوستان میں اپنے عروج پر تھا۔ لیکن سکا تھ اثر و رسوخ اور تہذیب و تمدن، کافی عرصہ پہلے سے اپنا مقام بنا چکی تھی، اور پہلی

صدی عیسوی میں، پنجاب میں بدھ حکومت کا قیام، جس کا ثبوت، چینی سیاحوں نے بھی دیا تھا، جو کافی عرصہ پہلے کئی سالوں تک ہندو مت اور شمالی بدھ مت کے درمیان پیدا ہونے والی زبردست آویزش کا نتیجہ ثابت ہوا۔

پنجاب پر ایرانیوں کی فتح

سر ولیم جونز نے اپنی کتاب "تاریخ فارس (ایران)" میں اس بات کا حوالہ دیا ہے کہ ایرانی مورخ، میر خوند کے مطابق، ایرانیوں نے ہندوستان پر پہلا مستند حملہ، استھاکر یا پیر سپولس کے بانی جمشید اعظم(۶) کے بیٹے اور پاشا دید ئین خاندان کے پانچویں بادشاہ فریدوں کی سرکردگی میں کیا، جو تقریباً ۷۵۰ق-م میں گزرا ہے۔ اپنی عمر کے بوجھ کو محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنی وسیع و عریض سلطنت کو اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے سب سے بڑے، لالوں کو "شام" کا علاقہ دے دیا، جبکہ دوسرے بیٹے تور کو اوکس اور جیکسٹر کے درمیان کا علاقہ اور سب سے چھوٹے بیٹے ایرج کو ضلع خراسان دے دیا۔ اب ایران اور توران کے ناموں سے مشہور ممالک نے اپنے نام فریدوں کے بیٹوں تور اور ایرج کے ناموں سے حاصل کیے ہیں۔

اس بارے میں تفصیلات پیش نہیں کی گئیں کہ ہندوستان میں فریدوں کی سلطنت کہاں تک پھیلی ہوئی تھی، لیکن یقینی طور پر اس میں پنجاب بھی شامل تھا کیونکہ مہا بھارت کے مطابق، سائرس جو ۵۲۹ق-م میں فوت ہوا، اس سے کافی عرصہ پہلے ہندوستان، ایرانی بادشاہ کے زیرنگیں تھا۔ ایکینو فون اپنی تصنیف، سائرو پوپیڈیا، میں ہمیں مطلع کرتا ہے کہ سائرس نے سندھ کو اپنی سلطنت کی شرقی سرحد بنایا۔ دیگر مصنفین، پورے پنجاب کو ایرانیوں کا مفتوح ملک بتاتے ہیں اور اس کے انتہائی مشرقی دریا کو اس کی سرحد کہتے ہیں۔

افراسیاب کا ہندوستان پر حملہ

ہندوستانی، فریدوں کے دور سے، ایرانی بادشاہوں کو خراج ادا کرنے کے عادی تھے، ان کے راجہ شنگل، جسے فرشتہ نے شنکول کہا ہے اور جو قنوج پر حکومت کرتا تھا، اس نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا، جس کی بناء پر، ایران کے بادشاہ، افراسیاب نے غضبناک ہو کر، ہندوستانی بادشاہ کو مطیع کرنے کے لیے اپنے جرنیل، پائیرن کو پچاس ہزار منتخب گھڑسواروں کی فوج کا سربراہ بنا کر روانہ کیا۔ ہندوستانیوں سے شکست کھانے کے بعد، یہ

جرنیل پہاڑوں میں روپوش ہوگیا' ایرانی بادشاہ یہ سننے کے بعد' ایک لاکھ گھڑسواروں کی سربراہی کرتا ہوا انتہائی تیزی کے ساتھ مدد کے لیے روانہ ہوا' ایرانیوں اور ہندوستانیوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی' جس میں ہندوستانیوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا' افراسیاب نے دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے ہزاروں آدمیوں کو تہ تیغ کیا۔ شنکول' بنگال کی طرف فرار ہوگیا اور بعد میں تیرہوت کے پہاڑوں میں روپوش ہوگیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شنکول نے افراسیاب کے پاس ایلچی بھیج کر یہ استدعا کی کہ "اسے قوموں کے آقا کے پاؤں چومنے کی سعادت بخشی جائے"۔ اس کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے' شنکول کو ایرانی بادشاہ کے دربار میں ایک تلوار اور کفن سمیت آنے کی اجازت دے دی گئی۔ افراسیاب نے شنکول کے بیٹے رہوت کو ہندوستان کے تخت پر بٹھایا اور شکست خوردہ بادشاہ کو ایک سرکاری قیدی کی حیثیت سے اپنے ساتھ توران لے گیا۔ رہوت نے ایران میں اپنے والد کے استعمال کے لیے مقررہ خراج بشمول ایک بہت بڑی رقم ارسال کی۔

ھاسٹیس کا بیٹا ڈیریئس اول' جو ۵۲۱ق-م میں' ایران کا بادشاہ منتخب ہوا' اس کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ دوسرا ایرانی بادشاہ ہے جس نے ہندوستان کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ ایک عظیم بحری فوج تیار کر کے' اسے اس نے یونان کے ایک شہر کیری انیدریا کے جرنیل' سائیلیکس کی کمان میں دے دیا۔ اس مہم کا مقصد تھا کہ اس صحیح مقام کا تعین کرنا تھا جہاں دریائے سندھ' سمندر سے ملتا ہے اور اس کے علاوہ ہندوستان کے مغربی صوبوں کو دریافت کرنا بھی تھا۔ سائیلیکس جو ابتدائی دور کا ایک نہایت منفرد اور بہترین بحری کماندار تھا' یہ انتہائی دشوار گزار اور پرخطر بحری سفر اڑھائی سال میں مکمل کرنے کے بعد' ڈیریئس کو مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کے لیے سوسد کے دربار میں پہنچا۔ اس مشہور زمانہ بحری مہم یا بعد ازیں' ایرانی بادشاہ کی طرف سے ہندوستان کے مغربی علاقوں کی فتح کے بارے میں کوئی تفصیلی بیانات پیش نہیں کیے گئے۔ لیکن یہ درج کیا گیا ہے کہ وہ ہندوستان سے اتنا مال لے گیا تھا کہ اس کے دور سے قبل کسی اور ایرانی بادشاہ کو اس قدر خراج ادا نہیں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ڈیریئس کے دور حکومت میں ہندوستان کا شمار ایران کے زیرنگیں بیس ملکوں میں ہوتا تھا' لیکن نئے مفتوح صوبے کا خراج اس کے دیگر خزانے کا تقریباً تہائی حصہ تھا۔ ہیروڈوٹس کے مطابق' یہ خراج سونے کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا۔ مسٹر-لنیل' اپنی سرگزشت میں اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ "شمالی پہاڑوں سے نکلنے والے'

دریائے سندھ کے ذیلی دریا اور چند دیگر دریا زمانہ قدیم سے سونا پیدا کرتے رہے ہیں"۔ ہیرو ڈوٹس نے جس ملک کے بارے میں بیان کیا ہے' اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ڈریئس نے جن علاقوں کو فتح کیا وہ ملتان اور لاہور اور غالباً گجرات کے موجودہ صوبوں پر مشتمل تھے۔ اس سے بلاشبہ یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ یہ صوبے اپنے ابتدائی زمانوں میں' انتہائی گنجان آباد اور سرسبز و شاداب تھے۔

نوشیرواں اس وقت ایران کی سلطنت پر حکومت کرتا تھا' جب' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی' وہ اپنے آپ کو "ایران اور ہندوستان کا بادشاہ" کہتا تھا۔ ایسے کوئی مندرجات باقی نہیں بچے' جن سے پتہ چل سکتا ہو کہ اس نے کبھی دریائے سندھ کو پار کیا تھا۔ لیکن اس کی بالادستی کو ہندوستان کے بادشاہوں نے تسلیم کیا تھا۔ سر ایڈورڈ سولیون ذکر کرتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ جب ایران کا بہرام گور جنگ ۴۳۰ء میں ہندوستان کے منطقی قوانین اور قواعد و ضوابط کا مطالعہ کرنے کے لیے بھیس بدل کر اس ملک میں آیا' "تو اس نے ہاتھی کو سر میں تیر مار کر ہلاک کرنے کا غیر معمولی کرتب بھی دیکھا اور قنوج کے بادشاہ' باس دیو نے اس کا شاندار استقبال کیا"۔

حوالہ جات

(۱) شاستری میں ستھان کا مطلب "ایک جگہ" ہے' چنانچہ لفظ مصر استھان "مصریم کے مقام" کو ظاہر کرتا ہے۔ مصر ایک عبرانی لفظ ہے جس کا مطلب "بڑا شہر" ہے۔ پراناؤں میں بڑے قصبات کے نام عموماً ستھان پر ختم ہوتے تھے' جو موجودہ پورہ یا پور کا اصل نام ہے۔ پس' عرب میں مکہ کو موش اسوارا' ایک قدیم دیوتا کی جگہ کے باعث' موچو استھان کہا جاتا ہے اور موجودہ بلخ کو بیکٹریا' ورنستھان کہا جاتا ہے۔

(۲) بعد ازیں' انہیں دیوتاؤں کی طرح پوجا جانے لگا۔

(۳) یونانی مصنفین' واضح طور پر ذکر نہیں کرتے کہ مصری بادشاہ نے جس علاقے پر حملہ کیا تھا وہ سندھ ہی تھا۔ لیکن یہ حقائق کہ وہ ایرانی راستے سے ہندوستان میں داخل ہوا اور یہ کہ اس نے سب سے پہلے پہاڑوں کو عبور کیا اور یہ کہ اس نے انگور کے باغات کی

سیرکی، قدرتی طور پر اس سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس نے جن علاقوں پر حملہ کیا ان میں سب سے زیادہ اہم علاقہ سندھ کا تھا۔ دوبارہ، یونانی ہمیں بتاتے ہیں کہ اس نے اپنی فتوحات کا سلسلہ گنگا کے منبع تک بڑھا دیا تھا۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ اس نے سمندر کی رکاوٹ کی وجہ سے اپنی فتوحات کے سلسلہ کو روک دیا۔ یہ شمال کی طرف، دروازے کی طرف، اشارہ کرتا ہے جب وہ پنجاب کے شاداب میدانوں کی طرف بڑھا۔ انگور کی بیل، جس کی کاشت کی خوبیوں پر، ڈائیونی سیئس نے بہت زور دیا ہے، بلا شرکت غیرے، کابل اور پنجاب کے شمال مغرب میں ہمالیہ کے علاقوں کی پیداوار ہے۔

(۴) وہ تقریباً ۲۶۴ء میں، فلسطین میں پیدا ہوا۔ اس کے دوست پیمفیس نے اسے پیمفیلی کا نام دیا۔ جو سیزریہ کا بشپ تھا اور اسے اس سے بڑی وابستگی تھی۔

(۵) عرب مورخین کے یا جوج اور ماجوج، گوگ اور میگوگ، جفیت کی اولاد ہیں۔ میگوگ، جفیت کا دوسرا بیٹا تھا، لہٰذا اس سے واضح طور پر لفظ "مغل" کی ابتداء کا پتہ چلتا ہے۔

(۶) سب سے پہلے جمشید نے ایرانیوں میں شمسی سال کو متعارف کرایا تھا، جس کے احترام میں اس نے جب سورج، برج حمل میں داخل ہوتا ہے تو نوروز کا مشہور و معروف جشن رائج کیا۔

باب 9

مقدونیہ کے بادشاہ' سکندر اعظم کا پنجاب پر حملہ

انتہائی قدیم زمانے سے آج تک' کسی اور بادشاہ کو اس قدر عالمی شہرت حاصل نہیں ہوئی' جتنی سکندر کو حاصل ہوئی۔ بطور ایک فاتح کے اس کی شہرت یکساں طور پر' یورپ اور ایشیا کے براعظموں تک پھیل گئی' اور اس کے نام سے تاریخ کا ہر طالب علم اور ہر طفل مکتب واقف ہے۔ وہ مقدونیہ کے فلپ اور اپی رس کے نیو ٹو لیمس کی بیٹی اولمفیاس کا بیٹا تھا۔ وہ ۳۵۶ق-م میں پیلہ کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کے دو ساتھیوں نے اس کی مختصر مگر' ہمہ گیر زندگی کے بارے میں سرگزشت لکھی' لیکن یہ دونوں بیانات' گم ہوگئے' تاہم' یہ مقدونیہ اور قرب و جوار کے ملکوں میں بہت مشہور تھے اور انہیں صاحب علم و فضل اشخاص' پڑھا کرتے تھے' جن لوگوں نے ان اصلی کتابوں کو پڑھا' ان میں ارین اور کینوئس کرٹیس بھی شامل تھے اور دنیا ان کی اس بارے میں ممنون و مشکور ہے کہ انہوں نے اس کی موت کے بعد پانچویں صدی میں اس شاندار انسان کی زندگی کے بارے میں مکمل تاریخ لکھی۔ ان بہترین عالموں کے مفصل بیانات سے ہم آج سے اکیس صدیاں قبل کے ہندوستان کی حالت کے بارے میں جان لیتے ہیں۔ یہ جان کر مزید حیرانگی ہوتی ہے کہ ۳۰۰ق-م سے کافی عرصہ پہلے' جب مغربی یورپ' ابھی تک جہالت سے بالکل باہر نہیں نکلا تھا' تو اسکندر اعظم دریائے سندھ کے کناروں پر ان قبائل سے ملا' جنہوں نے فنون اور علوم میں زبردست ترقی کر لی تھی۔

پہلے پہل اسکندر کی تعلیم اپنے ایک ننھیالی رشتے دار' لیونی ڈس' پھر لائسی میکس تک محدود تھی اور آخر کار' ارسطو اس کا اتالیق مقرر ہوا' جس کے بارے میں بجاطور پر کہا جاتا

ہے کہ استاد شاگرد کے شایان شان تھا اور شاگرد' استاد کے شایان شان تھا۔ دربار سے کافی حد تک علیحدہ کرنے کے بعد' اس عظیم فلسفی نے اپنے شاگرد کو علم کی ہر شاخ کی تعلیم دی' خاص طور پر حکومت اور جنگ کے فنون کے بارے میں۔ اس نے اس کے ذہن میں عسکری شوق پیدا کیا اور اس کے جسم کو کسرتی کھیلوں سے مضبوط بنایا۔ سکندر نے اپنی اولین عمر میں' تھیبنز کے خلاف جنگ میں اپنا لوہا منوا لیا۔ فتح کے بعد' اس کے والد فلپ نے اسے بغلگیر کرتے ہوئے کہا: "میرے بیٹے اپنے لیے کوئی اور سلطنت تلاش کرو' کیونکہ میری سلطنت تمہارے لیے بہت چھوٹی ہے"۔ جب فلپ نے اولمپیاس سے قطع تعلق کر لیا تو باپ اور بیٹے کے درمیان جھگڑا پیدا ہوگیا' سکندر نے اپنی ماں کا ساتھ دیا اور اپنے باپ کے انتقام سے خود کو بچانے کے لیے ایپی رس چلا گیا۔ لیکن جلد ہی حالات کے معمول پر آنے کے بعد ان میں صلح ہوگئی اور تری ھیلی کے خلاف مہم میں اس نے فلپ کا ساتھ دیا' جہاں اس نے میدان جنگ میں اپنے والد کی جان بچائی تھی۔

فلپ کے قتل کے بعد' سکندر نے بیس سال کی کم سنی میں ۳۳۶ق-م میں حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی۔ یہودیوں کے سوا تمام اقوام عالم' اس وقت بت پرست تھیں۔ اور فارس کی سلطنت' جس کی بنیاد سائرس اعظم نے رکھی تھی' مصر کے علاوہ پورے معلوم ایشیا پر مشتمل تھی اور اس پر ڈیریَس کی حکومت تھی' جسے حکومت حاصل کرنے سے قبل ڈیریَس دوئم کا پڑپوتا کوڈومینس اور عام طور پر "نوتھوس" کہا جاتا تھا۔ یہ ایک سو بیس صوبوں میں منقسم تھی اور ان پر جابر صوبے دار حکومت کرتے تھے اور سلطنت کی حدود' بشمول پنجاب کے علاقہ کے دریائے سندھ کے دونوں اطراف تک پھیلی ہوئی تھیں حالانکہ اس ملک کو مکمل طور پر کبھی بھی زیر نگیں نہیں بنایا گیا تھا۔

فارس کے لوگ' زرتشت کے مذہب کے پیروکار تھے۔ یونان کا چھوٹا سا مگر طاقتور ملک بے شمار ریاستوں میں منقسم تھا جو مستقل طور پر آپس میں برسرپیکار رہتے تھے۔ حکومت سنبھالنے کے فوراً بعد' سکندر نے تھریس کو فتح کیا اور تھیبز کو شکست دی اور جس کے اطاعت سے گریز پر اس نے اسے زمیں بوس کر دیا اور اس کے چھ ہزار باشندوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد' تیس ہزار افراد کو غلام بنا کر لے گیا۔ ہیلس پانٹ کے پار' اپنی مشہور زمانہ پیش قدمی میں اس نے گرینی کس کے کنارے پر ایرانیوں کی ۱۱۰٬۰۰۰ افراد پر مشتمل فوج کو اس سے نصف فوج کے ساتھ شکست فاش دی۔ اس نے اپنے نیزے سے ڈیریَس کے داماد کو ہلاک کیا' ایشیائے کوچک میں وہ شہر بہ شہر فتح کرتا گیا اور ایسوس کے مقام پر ایرانیوں کو

شکست فاش سے ہمکنار کیا' جس میں ڈیریس کے تمام خزانے اور اس کے اہل خانہ' فاتح کے ہاتھ لگے' ان کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا گیا۔ ڈیریس نے فاتح کو یوفریٹس تک پورا ایشیا پیش کرتے ہوئے دو بار صلح کی تجویز پیش کی' لیکن سکندر نے یہ کہتے ہوئے اس کی شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا: "ڈیریس مجھے اور اپنی رعایا کا آقا تسلیم کرو"۔ اس پر اس کے جرنیلوں میں سے ایک جرنیل' پرمینویو نے ایرانی بادشاہ کی پیشکش کو قبول کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا: "میں اگر سکندر ہوتا تو اسے قبول کر لیتا"۔ بادشاہ نے جواب دیا: "میں بھی ایسا ہی کرتا اگر میں پرمینویو ہوتا"۔

اب وہ شام اور فونیشیا کی طرف بڑھا اور دمشق کے عظیم شہر پر قبضہ کر لیا' اور بحیرہ اوقیانوس کے ساحل پر سبھی شہروں کو فتح کر لیا۔ مغرب کے تجارتی مرکز' تائر نے مسلح مزاحمت کی لیکن اسے شکست ہوئی اور سات ماہ کے محاصرے کے بعد اسے تباہ کر دیا گیا' تجارت پر اس شہر کی اجارہ داری کے باعث' سکندر پوری دنیا کی قسمت کا مالک بن گیا۔ اس کے بعد وہ یروشلم کی طرف بڑھا اور فلسطین کی اطاعت حاصل کی۔ اس کے بعد اس نے مصر کو ایرانیوں کی غلامی سے نجات دلائی' اس کے قدیم اداروں کو بحال کیا اور بحیرہ اوقیانوس کے ساحل پر سکندریہ کا شہر آباد کیا' جسے وہ اپنے ہتھیاروں کے لیے ایک گودام کے طور پر استعمال کرتا تھا' تب لیبیا کے صحرا کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے جیوپیٹرا ایمن کے مندر پر حاضری دی اور بڑے راہبوں نے جوو کے بیٹے کی حیثیت سے اسے سلام پیش کیا۔ اس کے بعد شمال کی طرف مڑتے ہوئے وہ اولین بادشاہتوں کے پایہ تخت' میسوپوٹامیہ (عراق) میں داخل ہوا اور ٹیگریس کو عبور کر کے بہار کی آمد پر ایساریہ میں داخل ہو گیا۔ ٹیگریس کے مغرب کی طرف اور مشہور زمانہ "نینوا" کے کھنڈرات کے مشرق میں تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر اربیلہ کے میدانوں میں' سکندر اور ڈیریس کے درمیان زبردست جنگ لڑی گئی' جس میں ڈیریس کو شکست ہوئی اور زبردست کشت و خون کی وجہ سے اس کی فوج منتشر ہو گئی۔ سکندر اپنے دشمن کو زندہ دیکھنے کا خواہشمند تھا' لیکن موخر الذکر حملہ آوروں کے نیزوں سے بری طرح زخمی ہو گیا اور اس سے پہلے کہ اس کی خواہش پوری ہوتی وہ اپنے زخموں کی تاب نہ لا کر پچاس سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ فاتح نے اپنے بدقسمت مدمقابل کی موت کا سوگ منایا اور اس کی لاش کو اس کے شاہی آباؤ اجداد کے مقبرہ میں دفن کرنے کے لیے اسے ایران روانہ کر دیا۔ اس نے بیکٹیریانہ (بلخ) کے طاقتور صوبے دار بیسس کا تعاقب کیا جو فارس (ایران) کے تخت و تاج کا خواہشمند تھا۔ لیکن سوگدیانہ

(بخارہ) کے صوبے دار بیسٹمینز نے باغی کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کر دیا۔ کرٹیس کے مطابق بیس کو بالکل عریاں حالت میں' اور اس کی گردن میں زنجیر ڈال کر مقدونیہ کے بادشاہ کے سامنے لایا گیا کہ ایک جنگلی کی حیثیت سے وہ انسان کی پوشاک پہننے کے لائق نہیں ہے' سکندر نے اس کا ناک اور دونوں کان کٹوا دیے اور بعد ازیں اسے تیروں سے ہلاک کر دیا گیا۔

سکندر نے نشے کی ترنگ میں اور ایک یونانی درباری تھائس کے اکسانے پر' دنیا کے عجوبے اور ایران کے دارالخلافہ' مشہور زمانہ پیرسیپولیس کو نذر آتش کرا دیا اور اس بہترین شہر کو ملبے کا ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد اس نے سکاتھوں کو نکال باہر کیا اور سوگدیانہ (بخارہ) کو فتح کر لیا' وہاں اس نے ڈیرئیس کے بھائی اوکسیارٹیز کی حسین و جمیل بیٹی روکسانہ سے شادی کر لی' جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایشیا کی کنواریوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اس نے سوسہ کو فتح کیا وہاں اسے بے شمار خزانے ہاتھ آئے' وہ موجودہ مزندران' ھائرکینیا میں داخل ہوا اور خراسان میں سے گزر کر بیکٹیریا (بلخ) پر حملہ آور ہوا اور مارکنیڈا (موجودہ سمرقند) کی بادشاہت کو فتح کر لیا۔ سکندر' جہاں کہیں بھی گیا وہاں اس نے قوموں کو اطاعت پر مجبور کیا' مضبوط قلعے تعمیر کرائے اور نئے شہروں کی بنیاد رکھی' حالانکہ ان میں سے بہت کے محل وقوع کا پتہ انتہائی دقت و دشواری کے بغیر نہیں چلایا جا سکتا۔

ڈرینجیانہ' آرچوسیہ' جیڈروسیہ اور سیستان کو فتح کرنے اور غزنی و قندھار کے درمیان' کابل کے مغربی علاقے کو زیرنگیں کرتے ہوئے سکندر نے دس روز میں اسی راستے سے سلسلہ ہندوکش کو پار کیا' جس کا پتہ وہ باغی صوبیدار بیس کا تعاقب کرتے ہوئے چلا چکا تھا۔ وہ اس ملک میں ہندوستان کے مفروروں سے پہلے ہی' بلخ (بیکٹیریا) کے مقام پر' ہندوستان کے متعلق معلومات حاصل کر چکا تھا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ ایک حملہ آور کو ہندوستان میں کس قدر کامیابیاں حاصل ہو سکتی ہیں' اسے اس ملک کی شان و شوکت اور سونے' جواہرات اور سچے موتیوں کی شکل میں خزانوں کے بارے میں پوری طرح آگاہ کیا گیا۔ مقدونیہ کے بادشاہ کو آگاہ کیا گیا کہ اور تو اور' ہندوستانی سپاہیوں کی ڈھالیں بھی سونے اور ہاتھی دانت سے چمکتی ہیں' وہ ایران کے قدیم بادشاہوں کے حق پر جن کی حکومت کو وہ تہس نہس کر چکا تھا' ہندوستان کی بادشاہت پر اپنے دعوے کو جائز سمجھتا تھا۔ پنجاب اور اس کی شمال مغربی سرحد پر آج سے دو ہزار سال سے زائد عرصہ قبل رونما ہونے والے

واقعات کے متعلق معلوم کرنا نہایت دلچسپ ہوگا۔ ہندوستان میں سکندر کی عظیم الشان مہم کے دوران اس کی فوج نے جن مقامات کا دورہ کیا' وقت کے ساتھ اتھ ان کے نام اب تبدیل ہوچکے ہیں۔ لیکن برنز' وڈ مور ٹیر' سمتھ(ا) ایبٹ' آرچڈیا کون' ولیمز' جنرل کننگھم' وہنمل' ڈی' اینویل' ولسن اور دیگر نمایاں علماء اور سیاحوں نے موجودہ ناموں کے ساتھ ان کی مطابقت پیدا کرنے کے لیے بہت زیادہ دشواری کا سامنا کیا ہے۔ یونانی مصنفین کے پیش کردہ بیانات کے عمومی اعتماد اور اس ملک کی خصوصیات اور ان یادگار واقعات کے رونما ہونے میں اتنا طویل عرصہ گزرنے کی وجہ سے ان کی نشاندہی میں شک و شبہ پیدا ہوتا ہے۔

پنجاب کی شمال مغربی سرحد پر آباد قبائل

پنجاب اور اس کے ہمسایہ علاقے کابل کی سرحد پر آباد قبائل اتنے ہی وحشی اور جاہل تھے' جتنے اب ہیں' سکندر کو پنجاب کے سرسبز و شاداب میدانوں میں داخل ہونے سے قبل ان کا سامنا کرنا اور انہیں زیر کرنا تھا۔ کوفینیز یا (دریائے کابل) کی طرف پیش قدمی کرنے کے بعد اس نے مضافاتی علاقوں کا جائزہ لینے اور اپنی فوج کو گزارنے کے لیے دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل بنانے کے لیے' ایک بہت بڑی فوج کو اپنے جرنیلوں' ہیفا ایشن اور پرڈیکاس کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ تب اس نے تیر اندازوں کے ایک دستے اور اپنی نصف فوج کے ہمراہ' شمال مشرقی جانب رخ کیا۔ چوئس کو عبور کرنے کے بعد اس نے پیرو ہیمی سائیڈ موجودہ کوہ ہندوکش کی جنوبی وادی میں آباد بہت بڑے قبیلے' اسی یا اسپی کے خلاف پیش قدمی کر دی' پہاڑی باشندوں نے زبردست مزاحمت کی' بطلیموس کو بہت بڑی فوج دے کر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا' جری و بہادر لوگوں نے اپنے دارالخلافہ کے دفاع سے مایوس ہو کر اسے چھوڑ دیا' پہلے اسے نذر آتش کیا اور اس کے بعد بلند و بالا پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ یونانی جرنیل نے انہیں اس سمت سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن پہاڑی باشندے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھتے چلے گئے اور دونوں فوجوں کے درمیان چھڑنے والی جنگ بہت زیادہ خونریز ثابت ہوئی۔ بطلیموس نے قبیلے کے سردار پر' نیزا پھینکا لیکن وہ اس کے مضبوط اور ٹھوس سینہ بند' اور زرہ بکتر کو پھاڑنے میں ناکام رہا۔ بہادر یونانی جرنیل نے تب اپنے دشمن پر ایک اور نیزا اتنی زور سے پھینکا کہ وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگیا۔ مقتول سردار کی لاش کے اردگرد جنگ بڑی گھمبیر ہوگئی' سخت جان پہاڑی باشندوں نے اسے بڑے جوش و خروش سے گھیرے میں لے لیا تھا' دشمن اس وقت تک پسپا نہیں ہوا جب تک سکندر خود ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ موقع پر پہنچ نہیں گیا۔

اریئین کے مطابق، اس جنگ میں مفتوح باشندوں کی طرف سے چالیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔

تب سکندر گورائی موجودہ غزنی کے علاقے میں سے گزرا، لوگ ا-سیی کے انجام سے خوفزدہ ہوگئے تھے، چنانچہ انہوں نے حملہ آور کی اطاعت کرلی۔

دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر دوسری قوم جو اطاعت پر مجبور ہوئی وہ ایسا سینی تھی، جس کا دارالخلافہ ماگاسہ تھا، یہ قلعہ بند، قصبہ مشرق کی طرف سے ایک تلاطم خیز دریا کے ساتھ لگتا تھا اور مغرب و جنوب کی جانب سے انتہائی بلند و بالا چٹانوں نے اسے مضبوط بنایا ہوا تھا۔ اس قبیلے کا بادشاہ، کچھ عرصہ قبل ہی فوت ہوا تھا اور بادشاہ بیگم اپنے شیرخوار بیٹے کی طرف سے ملک پر حکومت کر رہی تھی۔ سکندر نے بڑی قوت کے ساتھ قصبے کا محاصرہ کر لیا اور جبکہ ابھی اس کی فصیل کے بارے میں غور کیا جا رہا تھا تو وہ خود، دشمن کی طرف سے آنے والا ایک تیر ٹانگ پر لگنے سے زخمی ہوگیا، اس نے اس بہادر بادشاہ کو کچھ اس قدر اذیت پہنچائی کہ وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکا: "حالانکہ میں ایک دیوتا کی طرح پوجا جاتا ہوں اور مشتری کا بیٹا ہوں، لیکن اس زخم کی تکلیف سے مجھ پر آشکار ہوا ہے کہ میں ابھی تک فانی ہوں"۔ سکندر اپنی ہراول قلعہ شکن منجنیقوں کو لے کر آگے بڑھا، جن کے اوپر سے مقدونیہ کے سپاہی، محصورین پر تیروں کی بارش برساتے تھے، یہ جنگ انتہائی جوش و خروش کے ساتھ تین روز تک جاری رہی، چوتھے روز محصورین نے باوقار شرائط پر اطاعت کرلی۔ ملکہ اپنی کنیزوں کے ہمراہ دروازوں کے باہر آئی، ان کے ہاتھوں میں شراب سے لبریز جام تھے جو سکندر کو ایک دیوتا کے طور پر نذرانے کی شکل میں پیش کیے گئے، کرٹیس نے ملکہ کے حسن و جمال کی بہت تعریف کی ہے، وہ بتاتا ہے کہ اس نے اپنے شیرخوار بیٹے کے ہمراہ خود کو سکندر کے حوالے کر دیا۔

ایسا سینی کو تسخیر کرنے کے بعد، سکندر نے اورا اور بازیرا، (جس کی نشاندہی موجودہ باجوڑ سے کی گئی ہے) کی طرف پیش قدمی کی۔ اورا، پر ایک طاقتور ہندوستانی شہزادہ ابھی سیرس، حکومت کرتا تھا، اس نے اپنے جنگجو ہم وطنوں کے ہمراہ، حملہ آور کی پیش قدمی کو روکنے کی کوشش کی، یونانی سپاہیوں نے کمال مہارت سے اس ناقابل تسخیر قلعے کی فصیل کا محاصرہ کر لیا اور اس پر ٹوٹ پڑے، تب باجوڑ فتح ہوگیا، لیکن ہندوستانیوں کی طرف سے زبردست نقصان کے بغیر نہیں۔

اس کے بعد تسخیر ہونے والی اہم جگہ، دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر "اورنس"

کا قلعہ تھا' جس کی شناخت' میجر ایبٹ نے ہندونوں کے مہا آباد (یا طاقتور چٹان) سے کی ہے۔ غالباً یہ یوسف زئی کے علاقہ میں امب کے قصبہ کے قریب ہوگا۔ یہ جگہ بھی ایک زبردست لڑائی کے بعد فتح ہوگئی اور چٹان فاتحین کے نعروں سے گونج اٹھی' سکندر نے اس مشہور و معروف چٹان پر قبضہ کرنے کے بعد' شاندار قربانیاں پیش کیں اور اس پر سرسوتی اور فتح کی یادگار کے طور پر قربان گاہیں تعمیر کرائیں۔ تب شمال مشرقی جانب کا رخ کرتے ہوئے' سکندر اس ضلع کے دارالخلافہ' پوسیلہ یا پیوسیلاوٹیس کی طرف بڑھا جو اب پکھلی کہلاتا ہے۔ اس کی آمد سے قبل' اس کے جرنیل اس جگہ کی تسخیر کے لیے چالیس روز تک جدوجہد کرتے رہے' لیکن بادشاہ کے وہاں پہنچنے پر' ہندوستانیوں نے فاتح کی اطاعت کر لی اور اسے خراج عقیدت پیش کیا' اس نے یہ علاقہ انہیں واپس کر دیا۔

ہندوستانی قبائل کے رسم و رواج کے متعلق جاننے کے لیے اور ملک کے متعلق معلومات اکٹھا کرنے اور اس ملک میں داخل ہونے کے لیے یونانیوں کی مدد کرنے کے لیے چند مقامی باشندوں کو گرفتار کرنے کے لیے' سکندر نے نیارچس اور اینٹی اوکس کی سرکردگی میں بہت بڑی فوج پر مشتمل دستے روانہ کیے۔ بعد ازیں' فوج کے لیے راستہ ہموار کرنے کے لیے' سندھ کی جانب بھی دستے روانہ کیے گئے' ان انتظامات کی تیاری کے بعد' سکندر' دریائے سندھ کے عقب سے مغربی پنجاب میں' اس ملک کے علاقے ایساسینی میں داخل ہوا۔ جہاں سنسکرت میں نائیشادا کے نام سے مشہور' ڈائیونی سیس یا بیکس کے لیے مقدس' نائیسا کا قدیم شہر واقع تھا۔ جیسے ہی نائیسا کے لوگوں کو اس کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے فوراً اس کی امان چاہنے کے لیے' اپنے سردار' ایکن فس اور تیس زعماء پر مشتمل ایک وفد روانہ کیا۔ انہوں نے (ڈائیونی سیس کی یاد سے قطع نظر کرتے ہوئے' جو اس شہر کا بانی تھا اور اس نے اپنی فتوحات کی یادگار کے طور پر اور اپنی فوج کے پرانے سپاہیوں کے لیے پناہ گاہ کے طور پر اس شہر کو آباد کیا تھا جو پیرانہ سالی اور کمزوری کے باعث اپنے وطن کو نہیں جا سکتے تھے اور یہیں آباد ہوگئے تھے) اس یقین کا اظہار کیا کہ بادشاہ انہیں امان ضرور دے گا۔ اردگرد کا علاقہ نائیسا کہلاتا تھا اور قصبے نائیسا کو فاتح بادشاہ کی دایہ کے نام پر آباد کیا گیا تھا۔ اس وفد نے سکندر کو مزید اس بات سے آگاہ کیا کہ قریبی پہاڑ کو ڈائیونی سیس نے' روایت کے مطابق' مشتری کی ران سے پیدا ہونے کے باعث ''میروس'' کا نام دیا تھا۔ سکندر وفد کے اراکین کے بیان سے بڑا خوش ہوا اور ان کی درخواست کو قبول کر لیا' ان کو اس شرط پر امان دینے کا وعدہ کیا کہ وہ اسے تین سو گھڑسواروں کا ایک دستہ پیش کریں اور

اپنے ایک سو بہترین شہریوں کو بطور یرغمال پیش کریں۔ آخری مطالبے پر ایکن فس مسکرا دیا' سکندر نے اس کی مسکراہٹ کی وجہ دریافت کی' اس نے جواب دیا: "ہم اس تعداد کو پورا کر سکتے ہیں اور نہ ہی نائیسا میں اس تعداد کو بڑے آدمیوں سے دوگنا کر سکتے ہیں۔ لیکن کوئی شہر اگر اپنے ایک سو بہترین شہریوں سے محروم ہو جائے تو اس کی حکومت کس طرح چل سکتی ہے؟" بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور یرغمالیوں سے متعلق شرط کو خارج کر دیا گیا۔

سندھ اور جہلم کے درمیانی علاقہ پر ایک طاقتور ہندوستانی شہزادے ٹیکسائلز کی حکومت تھی جو اس وقت ضلع راولپنڈی میں آباد قدیم تورانی نسل سے تھا۔ سکندر نے کوفینس (دریائے کابل) پر پہنچنے کے بعد' ٹیکسائلز اور دریائے سندھ کے مغرب میں دیگر ہندوستانی شہزادوں کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ جیسے ہی ان کے علاقوں کی سرحدوں پر پہنچے تو وہ اس کے پاس حاضر ہوں اور اس کی اطاعت کریں۔ اس حکم کی تعمیل پر' ٹیکسائلز نے دریائے سندھ کو عبور کر کے سکندر کو خراج عقیدت پیش کیا اور اسے نذرانے کے طور پر چاندی کے دو سو سکے' تین سو بیل' دس ہزار سے زائد بھیڑیں اور تیس ہاتھی پیش کیے اور اسے کمک کے طور پر سات سو ہندوستانی دستے مہیا کیے۔ اور ہندوستان سے متعلق اس کے مستقبل کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خود کو بھی خدمت کے لیے پیش کیا۔ پلوٹارچ' نے دو بادشاہوں کے درمیان پہلی ملاقات کے متعلق بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے' دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا اقتباس حسب ذیل ہے:

ہندوستانی بادشاہ نے اپنے مغربی ہمعصر سے دریافت کیا' "اگر آپ ہم سے ہماری روٹی اور دیگر ضروریات زندگی چھیننے نہیں آئے تو آپ اور ہمارے درمیان جنگ کا یہ کون سا موقع ہے اور وہ کون سی چیزیں ہیں جن کے لیے معقول آدمی ہتھیار بلند کرتے ہیں؟ جہاں تک سونے چاندی اور دیگر اشیاء کا تعلق ہے' تو اگر میں آپ سے زیادہ امیر ہوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس میں سے آپ کو بھی حصہ دینا پسند کروں گا لیکن اگر میں غریب ہوں' تو میرے پاس کوئی اعتراض نہیں کہ میں آپ کی سخاوت کا حصے دار بنوں"۔ سکندر نے' ہندوستانی بادشاہ کی دوستی سے مسحور ہو کر جو اس کی تقریر سے کسی طرح بھی کم نہیں تھی' جواب دیا' "تمہارا خیال ہے کہ اس مروت کے ساتھ تم بغیر کسی کشمکش کے بچ نکلو گے؟ اگر تم نے اس طرح کیا تو تمہیں بہت زیادہ دھوکہ ہوگا' میں آخر دم تک اس معاملے میں تم سے لڑوں گا۔ لیکن یہ حمایت اور فائدے کی شکل میں ہوگا' میں فیاضی میں تمہیں اپنے سے

بڑھنے نہیں دوں گا"۔ سکندر نے بڑی ایمانداری سے اپنا قول نبھایا۔ اس نے اپنے ہندوستانی حلیف سے وصول کیے گئے تحائف کے مقابلے میں اسے بے شمار قیمتی تحائف پیش کیے اور اس پر مہربانیوں کی بارش کرتے ہوئے اس کے ملک میں نئے علاقوں کا اضافہ کیا جس کی وجہ سے اس کی قوت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ دریائے سندھ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے سکندر کے ہمراہ ٹیکسائلز اور اس ملک کے دیگر شہزادے بھی تھے جو اپنے لیے دیے گئے احکامات کو فی الفور بجا لاتے تھے' پینسالوٹیس کے بادشاہ' استیس نے مزاحمت کی لیکن اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا' ایک ماہ کی زبردست جدوجہد کے بعد اس کے پورے ملک کو فتح کر لیا گیا۔ دریائے سندھ پر پہنچنے کے بعد سکندر اس کے کناروں پر اگے ہوئے ایک گھنے جنگل میں داخل ہوا' درختوں کو بڑی تعداد میں کاٹا گیا اور سامان رسد کی آمد و رفت کے لیے' ان کی مدد سے تیس چپوؤں والے دو بڑے جہاز اور بے شمار کشتیاں تیار کی گئیں۔ یہاں پر تیس روز تک پڑاؤ کیا گیا' جو تفریح' دیوتاؤں کے لیے قربانیوں اور ورزشی کرتبوں میں گزارے گئے۔ ہیفاایشن اور پرڈیکاس نے پہلے ہی کشتیوں کا پل تعمیر کرا دیا تھا' انہیں پہلے ہی اسی مقصد کے لیے روانہ کیا گیا تھا' ایک بار پھر قربانیاں پیش کی گئیں' مئی ۳۲۷۔ قبل مسیح میں فوج بغیر کسی نقصان اور مزاحمت کے اس راستے سے گزر گئی۔

اس وقت' دریائے سندھ کے مغربی پہاڑوں کے سردار ابھی سارس کی سرکردگی میں ۱۵۰۰۰ گھڑسواروں اور ٹیکسلا کے موفیس کی سرکردگی میں ۵۰۰۰ ہندوستانی سپاہیوں کو شامل کرتے ہوئے' سکندر کی فوج میں ۱۳۵٬۰۰۰ افراد شامل تھے۔ یونانی فوج نے دریائے سندھ کو اٹک کے مقام سے عبور کیا جہاں بعد کے زمانے میں زیرک اکبر نے دریا کے راستہ کی نشاندہی کے لیے اسی نام کا ایک قلعہ بنوایا تھا۔ فوجی دستے بڑی حفاظت سے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے' سکندر نے رسم کے مطابق' سب سے پہلے دیوتاؤں کو قربانیاں پیش کرنے پر توجہ دی اور اس کے بعد معمول کے مطابق ورزشی کھیلیں منعقد کی گئیں۔

سکندر کے حملہ کے وقت' دریائے سندھ کے مشرقی علاقہ پر ہندو نسل کے تین بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے' ٹیکسائلز کی سلطنت' دریائے سندھ اور جہلم کے درمیانی علاقہ پر مشتمل تھی' اور پورس' جسے سنسکرت میں پنراوا اور فارسی کے سکندر نامہ میں فر کہا گیا ہے' اس کی بادشاہت' جہلم سے چناب تک کے علاقے پر محیط تھی۔ ابھی سارس کی سلطنت پہاڑوں کے درمیان تھی۔ یہ سب راجا' مگدھا کے بڑے مہاراجہ کے

ماتحت تھے۔ جس کی سلطنت گنگا کے جنوبی کنارے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس مہاراجہ کا نام چندر گپت تھا جسے یونانی سندراکوٹس کہتے تھے' جس کو بہار کے راجاؤں کے مشہور خاندان کے آخری مشہور بادشاہ' راجہ نندا کے قتل کے بعد' ایک کینہ پرور اور تنگ مزاج برہمن' چن کایہ نے مگدھا کے تخت پر بٹھایا تھا۔ بہار کے راجوں نے کئی سال تک مگدھا کی سلطنت پر حکمرانی کی تھی۔

اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے' سکندر' ٹیکسائلز کے دارالخلافہ' ٹیکسلا پہنچا' جس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ سندھ اور جہلم کے دریاؤں کے درمیان یہ شہر نہایت متمول اور گنجان آباد تھا۔ ٹیکسائلز اور اس کے ماتحتوں نے یونانی بادشاہ کا نہایت شاندار استقبال کیا' اس رویے سے خوش ہو کر بادشاہ نے مضافاتی علاقے کا ایک بہت بڑا حصہ اسے بخش دیا۔ یونانی اس ملک کو مصر سے کہیں زیادہ سرسبز و شاداب بتاتے ہیں۔ ٹیکسلا کی نشاندہی اور مطابقت کے سلسلہ میں بے شمار تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ولسن اس کو ہندوؤں کے تخشاسلا سے منسوب کرتے ہیں۔ سمتھ کا خیال ہے کہ یہ مانکیالہ کے وسیع و عریض کھنڈرات کی نمائندگی کرتا ہے۔ جنرل کننگھم نہایت وثوق کے ساتھ اس کی شناخت' ڈیری شاہاں کے کھنڈرات سے کرتے ہیں۔ لاہور اور پنڈی بھٹیاں کے درمیان "تکی" (موجودہ اسرور) ۶۳۳ء میں پنجاب کا دارالخلافہ تھا۔ ٹیکسلا کے مقام پر ہمسایہ سلطنتوں کے سفیروں نے سکندر سے ملاقات کی۔ ان میں شمالی پہاڑوں کے بادشاہ' ابی سارس کا وفد بھی شامل تھا۔ اس علاقے میں نہایت طاقتور اور جنگجو قبیلہ آباد تھا' جسے موجودہ ہندوستانی گکھڑ' اور ڈوکسارنیز کہتے ہیں' جو میدانوں میں ایک اضلاع پر حکمرانی کرتا تھا۔ یونانی بادشاہ کی اطاعت انہوں نے بڑی خوشی سے قبول کی اور اس کے پیش کردہ تحائف کے جواب میں اسے نہایت قیمتی تحائف سے لاد دیا۔ تاہم' پورس' جس کے پاس وسیع عسکری ذرائع تھے اور جسے اس کے باعث ہر جانب سے خدشہ تھا' اس نے غیر ملکی حملہ آور کی اطاعت سے انکار کر دیا اور اپنے ملک و قوم کا ہر قیمت پر دفاع کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اپنے ملک کی سرحد پر خراج عقیدت پیش کرنے اور اطاعت کے ثبوت میں ملاقات کرنے کے لیے بھیجے گئے قاصد کے جواب میں اس نے کہا کہ وہ اپنے ملک کی سرحد پر سکندر سے ضرور ملاقات کرے گا لیکن ایک مطیع کی طرح نہیں بلکہ ہتھیاروں کے ساتھ' صرف یہی صورت سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

ٹیکسلا میں یونانی چھاؤنی قائم کرنے اور فلپ کو اس صوبے کا حاکم مقرر کرنے کے بعد'

سکندر، دریائے جہلم کے مشرقی کنارے کی طرف بڑھا، وہاں اسے مطلع کیا گیا کہ دریا کے راستے کا دفاع کرنے کے لیے پورس نے اپنی فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ سٹریبو کے مطابق، اس وقت پورس کے ساتھ آنے والی فوج میں، تیس ہزار چاق و چوبند پیادہ سپاہی، سات ہزار گھڑ سوار، تین سو مسلح رتھ اور دو سو جنگی ہاتھی شامل تھے۔ ان دیو ہیکل جانوروں کو بلند و بالا میناروں کی طرح مخالف کنارے پر بڑے دلکش انداز میں اور بڑی تنظیم کے ساتھ کھڑا کیا گیا تھا۔ سکندر کے اپنے خطوط سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سکندر کے مورخ پلوٹارچ نے اس یادگار جنگ کے بارے میں بڑا واضح بیان تحریر کیا ہے۔ یونانی فوج نے اٹک سے جلال پور جانے والی شاہراہ کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اس وقت موسم برسات اپنے عروج پر تھا اور موسم گرما کی تپش سے پہاڑوں پر پگھلنے والی برفوں سے سیلاب آ گئے تھے۔ سکندر نے دریا کو بارشوں اور سیلاب سے بپھرے ہوئے دیکھا تو دریائے سندھ پر بنائے گئے جہازوں کو توڑ کر خشکی کے راستے جہلم لانے کا حکم دیا۔ بعد ازیں، اس نے یہ باور کرانے کے لیے کہ نہ تو اس کا ارادہ ہے اور نہ ہی ذرائع ہیں کہ وہ دریا کو پار کر سکے، اپنی فوج کو مسلسل حرکت دینی شروع کر دی۔ اس کے گھاٹوں پر دشمن کا زبردست پہرہ تھا، ایک افواہ بھی مسلسل گردش کرنے لگی کہ موسم برسات ختم ہونے تک اس مہم کو ملتوی کر دیا گیا ہے۔ ان جنگی چالوں کے فریب میں آ کر پورس نے احتیاطی تدابیر میں نرمی کر دی، سکندر نے ایک تاریک رات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، چیلیانوالہ کے موجودہ میدان جنگ کے مغرب میں چودہ میل کے فاصلے اور قصبہ جہلم(۲) کے جنوب مغرب میں تقریباً تیس میل کے فاصلے پر ایک مقام سے دریا کو عبور کر لیا۔ جیسے ہی پورس کو اس نقل و حرکت کا پتہ چلا، تو اس نے دشمن کا راستہ روکنے کے لیے اپنے بیٹے کی سرکردگی میں بہت بڑی فوج کو روانہ کیا۔ لیکن اس سے پیشتر کہ نوجوان شہزادہ منتخب کردہ مقام پر پہنچتا، سکندر نے نہایت حفاظت سے اپنے تمام دستوں کو مشرقی کنارے پر اتار دیا۔ اس نے اپنے رسالے کی مدد سے ہندوستانیوں پر یکدم بڑے جوش و خروش سے حملہ کر دیا اور انہیں شکست دے دی، ان کے سردار اور بادشاہ کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا، اس کارروائی میں ان کے چار سو دستے بھی کھیت رہے۔

پورس پر اس کے بڑے بیٹے کی موت نے بڑا اذیت ناک تاثر قائم کیا۔ وہ یونانیوں کی حملہ آور فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے بذات خود آگے بڑھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ معرکہ بڑا زبردست تھا اور اس میں ہندوستانیوں کو مکمل شکست ہوئی۔ ایرئین کے مطابق، ان کے بیس ہزار پیادہ اور تین ہزار گھڑسوار ہلاک ہوئے۔ ان کے سبھی رتھ گم ہوگئے اور ہاتھی یا تو

مارے گئے یا زخموں کے باعث معذور ہو گئے' جبکہ پورس خود بھی میدان جنگ میں زخمی ہوا۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ خود بھی ۷ فٹ ۶ انچ کی جسامت کے ساتھ بڑا پر جلال تھا اور ابھی تک متناسب الاعضاء اور خوش اطوار تھا۔

سکندر نے اپنے بہترین دوست میرو کو روانہ کیا کہ وہ مفتوح بادشاہ کو اس کے رتبے کے لحاظ سے بڑے احترام سے اس کے خیمے میں لائے۔ جیسے ہی ہندوستانی بادشاہ' شاہی خیمے میں پہنچا تو سکندر اپنے اعلیٰ افسران کے ہمراہ اسے ملنے کے لیے آگے بڑھا' وہ جب قریب آیا تو سکندر اس کی شان و شوکت اور شاندار جسامت کے علاوہ شاہانہ اطوار سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اس کے بلند حوصلے نے اسے اس کی طاقت کے مکمل طور پر ختم ہونے کے باوجود نہیں چھوڑا' جو اسے یونانی فوجوں کی وجہ سے شکست کی شکل میں پیش آئی۔ سکندر نے مفتوح بادشاہ سے دریافت کیا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس پر پورس نے جواب دیا' "میرے ساتھ اسی طرح سلوک کیا جائے جس طرح بادشاہ سے کیا جاتا ہے"۔ یونانی بادشاہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا' "وہ تو میں اپنی مرضی سے کروں گا' لیکن مجھے بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں"۔ ہندوستانی بادشاہ نے جواب دیا' "میری تمام خواہشات میرے پہلے جواب میں مضمر ہیں"۔ ان جوابات کی رفعت سے سکندر اتنا خوش ہوا کہ اس نے پورس کو اپنے خفیہ دوستوں میں شامل کر لیا' اس نے نہ صرف اسے اس کے آباؤ اجداد کے تخت پر بٹھایا اور اس کے تمام علاقے اسے واپس کر دیے بلکہ اس کی سابقہ سلطنت میں وسیع و عریض علاقوں کو بھی شامل کیا۔

یونانیوں کی طرف سے میدان جنگ میں مرنے والے بہادر سپاہیوں کی آخری رسومات بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ادا کی گئیں اور انتہائی اہم فتح حاصل کرنے پر دیوتاؤں کے لیے انتہائی قیمتی قربانیاں پیش کی گئیں۔ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر دو شہروں کی بنیاد بھی رکھی گئی' ایک چناب کے مغربی کنارے پر' جہاں یونانی فوج نے پڑاؤ ڈالا تھا اور سکندر جسے اپنے پسندیدہ گھوڑے کے نام کی مناسبت سے بوسیفیلس کہا کرتا تھا۔ یہ گھوڑا ضعیف العمری کی وجہ سے اس مقام پر مر گیا' یہ اس کی نوجوانی کے وقت سے تمام جنگوں میں اس کا باعتماد ساتھی تھا۔ اور دوسرا' دریا کے مشرق میں میدان جنگ پر تھا جسے وہ نائیہ (فتح) کہتا تھا۔ بوسیفیلس کے کھنڈرات کا موجودہ قصبے جلال پور کے قریب پتہ چلایا گیا ہے اور نائیہ کے قصبے کی شناخت' چناب (۳) کے مشرق میں موجودہ مونگ سے کی گئی ہے۔

اپنی فوج کے ساتھ مختصر عرصہ گزارنے اور دو نئے شہروں کی تعمیر کی نگرانی کے لیے

کرٹیس کو مقرر کرنے کے بعد' سکندر نے دریائے جہلم اور چناب کے درمیان پورے علاقے کا جائزہ لیا' جسے اب چنت دو آب کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق یونانی مصنفین نے بیان کیا ہے کہ یہ ایک ہموار اور خوبصورت ملک نہایت گنجان آباد اور بہت زیادہ امیر ہے۔ اریئن کے مطابق' یہ ۳۷ شہروں پر مشتمل ہے اور ان میں سب سے چھوٹے شہر میں پانچ ہزار سے زائد افراد آباد نہیں ہیں اور بہت سے دیہات ہیں۔ اسی مصنف نے ذکر کیا ہے کہ سکندر نے ایک تیسرے شہر کو چناب کے کنارے پر تعمیر کرایا' جس کو اس فاتح نے کشتیوں اور مشکوں کے ذریعے عبور کیا۔ اس دریا اور ہائیڈروٹس (راوی) کے درمیانی علاقہ پر ایک بادشاہ کی حکومت تھی اس کا نام بھی پورس تھا جو اپنے ہمنام حریف سے مسلسل برسرپیکار رہتا تھا' اس کی حکومت چناب کے مغربی علاقہ پر تھی۔ یہ پورس ثانی' سکندر کی آمد پر خوفزدہ ہو کر ہائیڈروٹس (راوی) کے پار فرار ہوگیا اور اس کے پورے ملک پر فاتح نے قبضہ کر لیا اور اس کے حریف کو عنایت کر دیا۔ ہائیڈروٹس (راوی) کے راستے کو بغیر کسی دشواری کے طے کر لیا گیا۔ میجر رینیل کے مطابق' جس کی رائے کی دیگر مصنفین نے بھی تصدیق کی ہے' سکندر نے دریائے راوی کو اس مقام کے قریب' عبور کیا جہاں اب شہر لاہور ایستادہ ہے۔ دریا کے بائیں کنارے کے علاقہ پر ایک طاقتور اور جنگجو قبیلہ آباد تھا جسے کٹھائی(۴) یا موجودہ کاٹھیا کہا جاتا ہے اور جس کے دارالحکومت' سانگلہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ قدرتی اور مصنوعی طور پر قلعہ بند ہونے کی بناء پر بڑا مضبوط شہر تھا۔ رینیل' سانگلہ کو لاہور کے جنوب مغربی جانب تین دن کی مسافت پر بتاتے ہیں۔

سانگلہ کا محل وقوع

برنز نے سانگلہ کے جواب میں پنجاب کے موجودہ دارالحکومت کے جنوب مشرق کے مضافات میں ایک شہر کے کھنڈرات دریافت کیے ہیں۔ مسٹر کسٹ' اپنی تصنیف' "ہندوستانی زندگی کی تشریح" میں کہتے ہیں: "اس قصبے کے محل وقوع کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ یقینی طور پر باری دو آب میں کسی جگہ پر تھا"۔ جبکہ ولفورڈ اس کی مطابقت ضلع گورداسپور میں کلانور کے ساتھ بتاتے ہیں اور میسن ہڑپا کے ساتھ بتاتے ہیں۔ تاہم بالکل درست جگہ کے بارے میں واضح طور پر پتہ نہیں چل سکا۔ مسٹر تھارنٹن' "لاہور کے آثار قدیمہ" پر اپنی انتہائی دلچسپ مگر مختصر سی تصنیف میں خیال ظاہر کرتے ہیں کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ سکندر نے راوی کو لاہور کے مضافات میں عبور کیا تھا اور تمام امکانات کے باوجود یقینی طور پر موجودہ شہر کے مقام سے ضرور گزرا تھا"۔

سکندر کے خلاف' کا تھین' ملی یا ملتان کے لوگوں' (ہندوؤں کا ملستھان) اور اوکسی ڈرکائے (جن کی اچ کے موجودہ باشندوں سے شناخت کی گئی ہے) (جن کو ان کی تیز نگاہوں کی وجہ سے یونانی اس نام سے پکارتے تھے) اتحاد قائم کر لیا۔ یہ تینوں قومیں بڑی دلیر اور جنگ کے فن میں بڑی ماہر تھیں' اور صرف ان کی بہادری کی شہرت کی وجہ سے سکندر کو ترغیب ملی کہ وہ مستقل مزاجی سے ان کو زیر کرنے کے کام پر عمل پیرا ہو۔ ایرئین نے سانگلہ شہر کے بارے میں بیان کیا ہے' "یہ ایک بلند جگہ پر واقع ہے حالانکہ زیادہ بلندی پر نہیں ہے۔ ایک طرف سے ایک وسیع و عریض جھیل اس کے ساتھ بہتی ہے جبکہ دیگر اطراف میں مضبوط برجیوں والی دیواروں سے اس کا دفاع کیا گیا ہے"۔ سکندر نے شہر میں اپنی فوجیں داخل کرنے میں ذرا بھی وقت ضائع نہیں کیا۔ اس نے جھیل کی سرحد پر بہت بڑی تعداد میں گھڑ سوار دستے تعینات کیے۔ اس کی قلعہ شکن منجنیقوں نے دیواروں کو بنیادوں تک ہلا دیا اور یونانیوں نے اس شہر پر دھاوا بول دیا۔ اس موقع پر ہندوستانیوں نے تیر کمان اور نیزوں کی صورت میں ہتھیار استعمال کیے' جس نے زرہ بکتر میں ملبوس اور منظم دشمن پر بہت کم تاثر قائم کیا۔ ایرئین کے مطابق' اس کے نتیجہ میں' اس میدان جنگ میں ستائیس ہزار ہندوستانی ہلاک ہوئے' جبکہ ان میں سے ستر ہزار کو قیدی بنا لیا گیا۔ بشمول تین سو رتھ اور پانچ سو گھوڑوں کے بہت زیادہ مال غنیمت فاتحین کے ہاتھ لگا۔ سانگلہ کے شہر کو زمیں بوس کر دیا گیا اور مفتوح علاقہ' پورس اول کو عنایت کر دیا گیا جو پانچ ہزار دستوں کی فوج کے ساتھ اس کارروائی میں موجود تھا۔ سانگلہ کے مضافات میں دیگر دو شہروں کو بھی ان کے باشندوں نے خالی کر دیا اور پیچھے رہ جانے والے پانچ ہزار افراد کو یونانی سپاہیوں نے نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔ ہائیڈراوٹس (راوی) اور ھایفاسس (بیاس) کے درمیان تمام علاقہ تسخیر کر لیا گیا۔ کرٹیس کے مطابق' موخر الذکر دریا کے ساتھ ملحقہ علاقے میں نہایت حسین و جمیل لوگ آباد تھے اور یہ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے بڑی شہرت کے حامل تھے۔ مصنف ان کے دستوری مجموعے کی فہم و فراست اور ان کے اعلیٰ اطوار کی بھی تعریف کرتا ہے۔ ان پر سوفائٹس نام کا بادشاہ حکومت کرتا تھا' جس نے سکندر کی آمد پر اپنے دارالحکومت کے دروازے کھول دیے اور دو خوبصورت دوشیزاؤں' اپنے بیٹوں اور امراء کے ایک طویل جلوس کے ہمراہ' حملہ آور سے ملاقات کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ فاتح کو دیکھنے پر' ہندوستانی بادشاہ نے اس کے قدموں پر چمکدار ہیرے جواہرات سے مزین شاہی نشان رکھ دیا۔ بادشاہ ایک لمبا لبادہ پہنے ہوئے تھا جس پر اودھی زمین پر سونے کی

تاروں سے کشیدہ کاری کی گئی تھی اور وہ اس کے پیروں تک پہنچتا تھا۔ اس کے جوتے نہایت قیمتی سنہری کپڑے سے بنائے گئے تھے۔ ان پر سچے موتی اور لعل جڑے ہوئے تھے۔ اس کے کانوں میں آویزوں کے طور پر پانی کی طرح شفاف اور غیر معمولی جسامت کے دو جواہرات چمک رہے تھے۔ سکندر نے بڑے وقار کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اپنے ہاتھ سے اپنا شاہی عصا اس پر سجایا۔ اپنی فوج کو اس بادشاہ کے پاس ٹھہرانے کے بعد' سکندر نے ہائیفاسس (بیاس) کی طرف پیش قدمی کی۔ ڈائیوڈورس کے مطابق' اس دریا کے مغربی کنارے کی سرحد پر واقع ملک پر' فیگیوس نام کا بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ اس فاتح کو نہایت شاندار تحائف کے ساتھ ملا۔ سکندر کی روح اس اطلاع پر بے چین ہو جاتی تھی جو ہر روز اسے گنگا کے علاقوں کی شادابی اور چمکدار دولت کے بارے میں' اور کئی زمانوں سے دولت اور خزانے اگلتی سلطنتوں کے بارے میں دی جاتی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ایشیا کی انتہائی مشرقی حد' جہاں اس کی سرحد سمندر سے مل جاتی ہے' یونان کی فتح کے جھنڈے گاڑے۔ اب وہ دریائے بیاس پر اس مقام پر پہنچ گیا جس کے بارے میں قیاس ہے کہ وہ اس دریا کے ستلج کے ساتھ سنگم سے نیچے تھا۔ سکندر کے مورخین' ستلج کا کوئی ذکر نہیں کرتے' اگرچہ انہوں نے بیاس کے پار دونوں دریاؤں کے سنگم کے نیچے موجود ایک صحرا کا اشارۃ" ذکر کیا ہے۔ یہیں پر اس کے سپاہیوں کو بتایا گیا کہ گنگا رائیڈز اور پیراسین کے بادشاہوں نے' یونانیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے' اسی ہزار گھڑ سواروں' دو لاکھ پیادہ سپاہیوں' دو ہزار جنگی رتھوں اور تین ہزار جنگی ہاتھیوں پر مشتمل ایک فوج کے ہمراہ اتحاد قائم کر لیا ہے۔

وہ ہندوستانی "بابل" کی طاقت اور جنگی ذرائع' مگدھا کے تخت پر براجمان' سورج قوم کی طاقت اور ہندوستانی قصبات' اندرا پرستھا' ہستینہ پور اور متھرا کی عسکری قوت کے بارے میں سن چکے تھے۔ سب سے پہلے انہیں بتایا گیا کہ جب وہ بیاس کو عبور کر چکیں گے تو انہیں گیارہ دن کا سفر ایک بے آب و گیاہ صحرا میں کرنا پڑے گا اس کے اختتام پر وہ گنگا پر پہنچیں گے' جس کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ نہایت تند و تیز وسیع و عریض اور گہرا دریا ہے۔ ان خوفناک بیانات نے یونانی سپاہیوں کو دہشت زدہ کر دیا اور انہوں نے اس بات کو بنیاد بنا کر مزید پیش قدمی سے انکار کر دیا کہ اپنے پیارے وطن سے بہت زیادہ دور اور ناقابل رسائی ممالک کے خلاف' گزشتہ جنگوں کی مصیبتوں کی وجہ سے وہ تھک گئے ہیں۔ مزید براں' سکندر کی خواہش کی کوئی حد نہیں تھی' کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ انہیں کس سمت

لے جائے گا۔

سکندر نے بے سود' یونانی سپاہیوں کے بہادروں اور سورماؤں سے اپیل کی' اس نے اپنے منصوبوں کے لیے اپنے اعلیٰ افسران کی ہمدردی حاصل کرنے کی بے سود کوشش کی' اس نے انہیں ان کے ماضی کے شاندار کارناموں اور اریلہ' بیکٹریا' سوگدیانہ کے میدانوں اور دوسرے مقامات پر حاصل ہونے والی فتوحات اور مستقبل کے بارے میں شاندار کامیابیوں کی پیش گوئی کرنے کی بے سود کوشش کی۔ اس نے ان پر مزید زور دیا کہ پیچھے ہٹنا بے وقت اور ذلت آمیز ہوگا اور پیش قدمی کرنے سے وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے' انہیں آنکھوں کو چندھیا دینے والے انعام کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ لیکن اس کی فصاحت و بلاغت' مشقت سے جی چرانے والی فوج پر کوئی تاثر قائم نہ کر سکی اور اپنے آبائی وطن کو لوٹنے کی ان کی خواہش ناقابل تسخیر تھی' لہٰذا مایوسی کی حالت میں اپنے خیمے میں آکر اس نے تین روز تک اپنے آپ کو قید تنہائی میں بند کر لیا اور ہر کسی سے حتیٰ کہ اپنے انتہائی رازدار دوستوں سے بھی ملنے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب وہ دوبارہ اپنے لوگوں کے سامنے منظرعام پر آیا تو اس نے دیکھا کہ سپاہی اسی طرح بضد ہیں جس طرح پہلے تھے۔ لہٰذا' دنیا کے فاتح نے اس خدشے کے پیش نظر کہ ہوسکتا ہے' اس کے انکار سے برملا بغاوت ہو جائے'.بادل نخواستہ' اپنی فوج کی خواہشات کو تسلیم کر لیا۔

سکندر نے مراجعت سے پیشتر' اپنی جدوجہد اور فتوحات کی یادگار کے طور پر' دریائے بیاس کے مشرقی کنارے پر' دریائے ستلج کے ساتھ اس کے سنگم سے نیچے' پچاس ہاتھ بلندی اور سنگ خارا کی بارہ شاندار قربان گاہیں تعمیر کرائیں اور تمام مذہبی رسم و رواج اور شہسواری کے کھیلوں کے مطابق ان پر قربانیاں پیش کی گئیں۔ اریئن کے مطابق' یہ قربان گاہیں بلندی کے لحاظ سے قلعے کی برجیوں کے مساوی تھیں لیکن جسامت میں ان سے بہت زیادہ تھیں۔ پلوٹارچ اپنی تصنیف' "وائٹا الیگزینڈرلس" (Vita Alexandris) میں ہمیں مطلع کرتا ہے کہ "یہ دیوہیکل قربان گاہیں اس کے دور تک قائم رہیں اور گنگا کے پار سے آنے والے ہندوستانی اکثر یہاں آیا کرتے تھے اور ان پر قربانیاں پیش کرتے تھے"۔ مسٹر پرینیسپ' "جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" میں سکندر کی مہم کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں' "اپالو تیس ٹائیا تیس نے ان قربان گاہوں کو پہلی صدی عیسوی میں دیکھا جب پنجاب پر یونانی نسل کا بادشاہ فیراؤٹیس حکومت کرتا تھا"۔ برنز نے بیاس اور ستلج کے سنگم کے نیچے ان کے کھنڈرات کے متعلق بڑی سرگرمی سے تحقیق کی مگر انہیں کچھ نہ ملا۔

سکندر نے بیاس اور راوی کو از سر نو عبور کیا اور جہلم کے مشرقی کنارے پر آ گیا۔ وہاں اس کی فوج کو نیچے سندھ کی طرف پہنچانے کے لیے ایک بحری بیڑہ تیار کیا گیا' پہاڑی جنگلات سے ملنے والے شہتیروں اور' ایندھن' دیودار' چیڑ اور دیگر اقسام کے درختوں پر مشتمل لکڑی سے مختلف جسامت کی دو ہزار کشتیاں تیار کی گئیں۔ جیسے ہی سکندر اپنے جہاز پر سوار ہوا' اس نے جنگجو دیوتاؤں کو قربانیاں پیش کیں اور جہاز کے اگلے سرے پر کھڑے ہو کر دریا کے دیوتاؤں کو نذرانہ پیش کرنے کے لیے' سنہری جام سے شراب دریا میں انڈیلی۔ فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ کرٹیرس کی سرکردگی میں پہلے حصے نے دائیں کنارے کے ساتھ پیش قدمی کی۔ دوسرا حصہ جو ہیفاشن کی سرکردگی میں فوج کے بڑے حصے پر مشتمل تھا اس نے بائیں کنارے کے ساتھ پیش قدمی کی۔ نیارچس' بطور امیر البحر' بحری بیڑے کی کمان کر رہا تھا اور فلپ باقی ماندہ فوج کے پیچھے آیا۔ سکندر کی بے چین روح' نئی فتوحات کے لیے غیر تسکین پذیر خواہش اور علم' جو اس کی پوری زندگی پر حاوی تھا' نے اسے بار بار مجبور کیا کہ وہ جہاز سے نیچے اتر کر ان سب کو اپنی اطاعت پر مجبور کرے جنہوں نے اس کا انکار کیا تھا۔ قبیلوں میں سب سے زیادہ سخت قبیلہ جس نے اس کی بادشاہت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ ملتان کے مضافات میں' اچ کے لوگوں یا (اوکس ڈراکائی) اور برہمنوں کا مسکن ہندوؤں کا 'ملستھان' (ملتان کے لوگ) یا ملی تھا۔ راستے میں حائل ہونے والے صحرا کو پار کرنے کے بعد' سکندر نے چناب (ایسائنز) کے بائیں کنارے کے ساتھ پیش قدمی کی اور ایک چھوٹے سے دریا پر پہنچ گیا جو اسے ملی سے جدا کرتا تھا۔ اس کے بے شمار شہروں پر قبضہ کر لیا گیا اور شہریوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ دریائے راوی کے جنوبی کنارے پر' اس کے چناب کے ساتھ سنگم سے کافی فاصلے پر ملی کا قصبہ ا-ستادہ تھا' جس کے بارے میں بیان کیا گیا تھا کہ "قدرتی اور مصنوعی لحاظ سے بڑی مضبوطی سے قلعہ بند تھا"۔ اس میں مکمل طور پر برہمن آباد تھے۔ یونانیوں نے دریا کو عبور کرنے کے بعد اس کے بے شمار باشندوں کو قتل کیا اور بہت سے قیدی بنا لیے۔ قلعہ' جس کو محاصرے میں لے لیا گیا تھا' برہمنوں نے بڑی جوانمردی سے اس کا دفاع کیا اور یونانیوں کے پہلے حملے کو پسپا کر دیا۔ سکندر نے حملہ آور فوج کی خود قیادت کی اور سب سے پہلے سیڑھی کے ذریعے فصیل پر چڑھ گیا۔ اپنے سردار کے حوصلے اور مثال کی پیروی کرتے ہوئے' یونانی سپاہی بھی ایک کے بعد دوسرا کر کے دیوار پر چڑھنے لگے۔ برہمنوں نے اپنے مستقبل سے ناامید ہو کر اپنی بیویوں اور بچوں کو جمع کیا اور اپنی قدیم رسم کے مطابق' اپنے

گھروں کو نذر آتش کر دیا اور شعلوں کی نذر ہوگئے' جبکہ کئی ہزار صحراؤں کی طرف بھاگ گئے اور جنگلوں کے گہرے غاروں میں چھپ گئے لیکن انہوں نے غیر ملکی بادشاہ کی اطاعت نہیں کی۔ بیکس کی ہندوستان پر فتح کے زمانے سے ملی ہندوستان کی ایک آزاد قوم تھے اور انہیں مکمل آزادی حاصل تھی۔ پنجاب میں' غیر ملکی اطاعت سے قدرتی طور پر گریز کرنے والی کوئی قوم ملی سے زیادہ بڑھ کر نہیں تھی۔

سکندر نے اب ملی کے دارالخلافہ کی طرف پیش قدمی کر دی' جہاں مضافات کے علاقہ کے لوگوں نے پناہ لے لی تھی اور جہاں اسے امید تھی کہ وہ ایک بھرپور حملے سے اس بے شمار اور بہادر قبیلے پر مکمل فتح حاصل کر لے گا۔ فوج کو دو حصوں میں تشکیل دے دیا گیا۔ ایک کی قیادت پیرڈیکاس اور دوسرے حصے کی قیادت خود سکندر کر رہا تھا۔ شہر کی فصیل پر' ایک زبردست حملہ کیا گیا' اس کی قیادت خود سکندر کر رہا تھا' اس کے دروازوں میں سے ایک کو زبردستی کھول لیا گیا۔ ہندوستانی' شہر کے دفاع سے مایوس ہو کر قلعہ بند ہوگئے' جس کو انہوں نے آخر دم تک قابو میں رکھا۔ اب قلعے کو مکمل طور پر محاصرے میں لے لیا گیا' بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک دم فصیل پر چڑھ جانا چاہیے۔ جب اس کی خواہش کے مطابق' اس کے احکامات کی فوری طور پر تعمیل نہ ہوئی تو اس نے ایک سپاہی سے سیڑھی چھین کر دیوار کے ساتھ لگائی اور خود کو ایک ڈھال سے ڈھانپتا ہوا جلدی سے اوپر چڑھ گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد' اس کے تین نہایت ممتاز افسروں نے بھی اس کی پیروی کی۔ چوٹی کے اوپر پہنچ کر سکندر اپنے بے شمار دشمنوں سے دو بدو جنگ میں مصروف ہوگیا۔ بادشاہ نے اپنی زرہ بکتر کی آب و تاب کو تسلیم کرتے ہوئے' متصل میدان جنگوں میں متعین تیر اندازوں کے لیے نمایاں مثال قائم کی۔ اس نے اپنے حملہ آوروں میں سے کچھ کو تلوار سے ہلاک کیا اور دوسروں کو سر کے بل فصیل سے نیچے پھینک دیا۔ اس کے چند سپاہیوں نے اپنے بادشاہ کو خطرے میں دیکھا تو دیوار پر سیڑھیاں لگانے کی کوشش کی لیکن ان پر بوجھ کچھ اس قدر زیادہ تھا کہ وہ ٹوٹ گئیں۔ سکندر کے تند و تیز اور بے خوف حوصلے نے اسے ترغیب دی کہ وہ کوئی انتہائی قدم اٹھا لے۔ اس بات کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہ وہ جنگ میں اس خطرناک صورت حال کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکے گا وہ انتہائی دلیری سے قلعہ میں کود گیا۔ اس کے تینوں افسروں نے بھی اس کی تقلید کی اور دشمنوں کے ایک جمگھٹے میں لڑنا شروع کر دیا کہ یا تو فتح حاصل ہو جائے گی یا ایک بہادر کی طرح مر جاؤں گا۔ ہندوستانی فوج کا سپہ سالار' ہاتھ میں تلوار لے کر اس کی طرف بڑھا' لیکن سکندر نے اس کے جسم میں تلوار

اتار دی۔ بہت سے دوسرے سپاہیوں نے بھی ازسرنو حملہ کیا لیکن ان کا بھی وہی حشر ہوا۔ سکندر اور اس کے ساتھیوں نے خود کو دیوار کے ساتھ لگا لیا اور ہر حملے کو ناکام بنا دیا۔ اس کی آنکھیں غیظ و غضب سے چمک رہی تھیں اور یہ وہ ہیبت تھی' جو اس کے شاہانہ ڈھنگ اور خوفناک حلئے میں بھر گئی تھی کہ کوئی بھی اس کے قریب آنے کی جرات نہیں کرتا تھا' بہادر ایبریاس' جو اپنے آقا کی طرف سے بے جگری کے ساتھ لڑ رہا تھا' اپنی کنپٹی پر تیر لگنے کے باعث' اپنے آقا کے قدموں پر فوراً ہلاک ہوگیا۔ تین فٹ لمبا ایک اور تیر' سکندر کے سینہ بند کو پھاڑ کر اس کے جسم میں داخل ہوگیا اور اس کے سینے کو بری طرح زخمی کر گیا۔ زخم سے خون بری طرح بہنے لگا' لیکن سکندر نے حوصلہ قائم رکھا اور موت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نہایت بہادری کے ساتھ لڑائی کو جاری رکھا۔ لیکن آخرکار اس کی طاقت جواب دینے لگی اور اس پر غشی طاری ہونے لگی' وہ اپنی ڈھال پر اوندھے منہ گر گیا' اس کے باقی بچ جانے والے دو ساتھیوں نے اپنی ڈھالوں سے اسے ڈھانپ لیا۔ وہ دونوں خود بھی بری طرح زخمی تھے' لیکن اپنے آقا کی تکلیف میں وہ اپنے دکھ بھول گئے۔

دریں اثناء' دیوار کی دوسری جانب جوش و جذبہ عظیم تھا۔ دیوار پر سیڑھیوں کے ذریعے رسائی حاصل کرنے کے سبھی امکانات کو تباہ کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا' اینٹ کی دیواروں میں لوہے کی میخیں ٹھونکی گئیں اور سپاہی ایک دوسرے کے کندھوں پر پاؤں رکھ کر اوپر پہنچ گئے۔ اپنے بادشاہ کو زخمی پڑے ہوئے دیکھ کر ان میں زبردست جوش و خروش پیدا ہوگیا اور وفادار سپاہیوں نے ایک زبردست نعرے کے ساتھ دیوار سے کود کر اس کے زخمی جسم کے گرد خود کو قلعے کی شکل میں تشکیل دے دیا۔ جلد ہی دیوار کے کچھ حصے مسمار ہوگئے اور فوج کا ہجوم زبردستی قلعے کے قلب میں جمع ہوگیا۔ ملی اور غضبناک فوج کے درمیان زبردست خونریزی شروع ہوگئی۔ اس میں نہ تو عمر اور نہ ہی جنس کا خیال کیا گیا۔ سکندر کو ایک ڈھال پر لاد کر اس کے خیمے میں لے جایا گیا۔ اس کے لیے بہت زیادہ تشویش محسوس کی گئی۔ اس کے سینے میں تیر لگنے کی وجہ سے خون بہت زیادہ مقدار میں بہہ گیا تھا۔ کوس کے طبیب' کرسٹوڈیمس نے کمال مہارت سے تیر کو جسم سے نکال لیا' بعد ازیں' بادشاہ کی موت کی افواہ پھیل گئی' پڑاؤ میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور ہر چہرے پر افسردگی جھلکنے لگی۔ اپنے سپاہیوں کے اندیشے کو دور کرنے کے لیے سکندر خود ان کے سامنے ظاہر ہوگیا اور اپنے وفادار پیروکاروں کو دایاں ہاتھ اٹھا کر سلامی دی۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس کا گھوڑا لایا جائے' وہ اس پر سوار ہو کر فوج کے اندر پہنچ گیا۔ ساری فوج میں خوشی و

مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ نواحی جنگلات اس نعرے سے گونج اٹھے: "سکندر زندہ باد' ایشیا کے فاتح کو خوشحالی و صحت نصیب ہو!"

ملی اور اچ کے لوگوں نے یکساں طور پر غیر مشروط اطاعت پیش کرنے کے لیے سکندر کے پاس قاصد روانہ کیے۔ سکندر نے دونوں کی اطاعت قبول کر لی اور نئے حاصل شدہ علاقے پر فلپ کو صوبیدار مقرر کیا۔ اچ کے لوگوں نے اس کے پاس' یرغمال کے طور پر اپنی قوم کے ایک ہزار بہادر ترین اور اعلیٰ افراد بھیجے' اس کے علاوہ پانچ سو جنگی رتھ بمعہ رتھ بان اور گھوڑوں کے مکمل ساز و سامان کے ساتھ لیس کر کے روانہ کیے۔ سکندر اوکسی ڈراکائی کی طرف سے پیش کردہ عزت و احترام کی اس نشانی سے بہت خوش ہوا' لہٰذا اس نے یرغمالیوں کو لوٹا دیا' لیکن ان کے رتھوں کو گھوڑوں اور رتھ بانوں سمیت اپنے پاس رکھ لیا۔ جب سکندر زیرعلاج تھا' تو اس کی فوج' دریائے راوی اور دریائے چناب کے سنگم کے نزدیک' نئے جہازوں کی تعمیر سے اس کے بحری بیڑے کو بڑا کرنے میں مصروف تھی۔ پنجاب کی جنوبی سرحد پر پنجند کے مقام پر اس نے ایک شہر تعمیر کرایا۔ اسے وہ "سکندریہ" کہتا تھا۔ اسے بندرگاہوں سے مزین کیا گیا۔ اسے تجارت اور جہاز رانی کے علاوہ نواحی قوموں کو مرعوب کرنے کے لیے تعمیر کیا گیا تھا لیکن اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ اپنے بحری سفر کے ازسرنو شروع ہونے پر سکندر کو ہندوستان کے ایک خودمختار قبیلے' اسٹین یا ایوسٹھانہ کی اطاعت وصول ہوئی جس کو اس کا جرنیل پیرڈیکاس فتح کر چکا تھا۔ اس نے اوساڈین کو بھی مطیع کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس کے بحری بیڑے نے سوگدی موجودہ بھکر کے دارالخلافہ کا رخ کیا' جس کے بادشاہ' میوسی کینس(۵) نے اطاعت پیش کرتے ہوئے' ہاتھیوں کی ایک بہت بڑی فوج اور نہایت قیمتی تحائف پیش کیے۔ سکندر اس کے دارالخلافہ میں داخل ہوگیا' اس نے اس کی خوبصورتی اور شان و شوکت کی بہت تعریف کی۔ میوسی کینس کو اپنے ملک پر قابض رہنے کی اجازت دے دی گئی اور یونانی دستوں کی چھاؤنیاں قائم کرنے کے لیے اس کے بڑے شہر میں کریٹرلیس کی نگرانی میں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا۔ سکندر کی یہ خواہش تھی کہ تجارتی و سیاسی مقاصد کے لیے دریائے سندھ کے مکمل راستے کے ساتھ قلعے تعمیر کیے جائیں' لہٰذا اس کے منصوبے پر اس صورت میں عمل درآمد کیا گیا کہ دریائے سندھ کے کناروں اور اس کے ماتحت دریاؤں کے سنگم کی جنوب مغربی سرحد کے ساتھ نئی فوجی چوکیاں اور قصبات تعمیر کیے گئے۔ برنز' بھکر کے قدیم دارالحکومت کی مطابقت' بھکر کے موجودہ شہر سے چار میل کے فاصلے پر' ایلور سے کرتے ہیں۔

اس کے بعد سکندر اپنی مکمل بحری فوج کے ہمراہ' بحری جہاز پر سوار' اوکسی کینس کے ساتھ متصل ملک کی طرف بڑھا' جب یونانی دستے اس کے علاقے میں داخل ہوئے' تو وہ اپنے سفیر اور تحائف اسے پیش کرنے میں ناکام رہا۔ اس کے دو اہم شہروں پر حملے اور لوٹ مار کے ذریعے قبضہ کر لیا گیا اور خود بادشاہ کو بھی قیدی بنا کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد سندومینا (جس کی مطابقت' سندھ کے موجودہ صوبے سے کی گئی ہے) کے بادشاہ' سیمبس کے خلاف پیش قدمی کی۔ بادشاہ' یونانیوں کی آمد سے خوفزدہ ہو کر نواحی پہاڑوں میں فرار ہو گیا' لیکن شہر کے سرکردہ افراد نے سکندر کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے اور اس بادشاہ کو شاندار تحائف پیش کر کے اپنے شہر کو قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے بچا لیا۔ تقریباً اسی وقت' برہمنوں نے غیر ملکی حملہ آوروں کو نکال باہر کرنے کے لیے اتحاد قائم کر لیا' کیونکہ انہوں نے ان کی مقدس سرزمین پر حملہ کر کے اس کی خلاف ورزی کی تھی۔ سوگدی کے بادشاہ میوسی کینس نے حمایت کی بجائے جو اسے حاصل ہوئی تھی' اتحاد میں شمولیت اختیار کر لی۔ سکندر نے "پتھین کو' باغیوں کو کچلنے پر مامور کیا' لہٰذا یونانی جرنیل نے نہایت تیزی سے قتل و غارت کرتے ہوئے باغی قبائل کو شکست فاش دی۔ میوسی کینس کو پابہ زنجیر کر کے سکندر کے سامنے لایا گیا۔ اس کے حکم پر اس کے ہمراہ' برہمنوں اور راہبوں کی بہت بڑی تعداد کو' جنہوں نے بغاوت پر اکسایا تھا' سرعام پھانسی دے دی گئی۔ ان واقعات کے بعد' سفر دوبارہ شروع کیا گیا' بحری بیڑہ ڈیلٹاس داخل ہوا' جہاں دریائے سندھ تین شاخوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ اس جگہ کا بڑا شہر' پٹالہ کہلاتا تھا اور اس پر "موکریس" نام کا ایک شہزادہ حکومت کرتا تھا۔ اس نے سکندر کے پڑاؤ کی آمد پر رضاکارانہ طور پر اپنے خزانے اور بادشاہت کی پیشکش کر دی۔ سکندر نے اسے اس کا اعصاء واپس کر دیا جو اس نے اطاعت کی علامت کے طور پر پیش کیا تھا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اسے واپس اس کے علاقے میں بھیج دیا۔ جنرل کننگھم پٹالہ کی مطابقت' سندھ میں حیدرآباد سے کرتے ہیں۔ اس جگہ کو بڑی مضبوطی سے قلعہ بند کیا گیا تھا اور ایک بہت بڑے بیڑے کو ٹھہرانے کے لیے گودیوں کے ہمراہ ایک بہت بڑی بندرگاہ تعمیر کی گئی تھی۔ اپنے بحری بیڑے کو نیارچس کے ہمراہ چھوڑ کر سکندر' ستمبر ۳۲۶ ق-م میں اپنی فوج کے ہمراہ جیڈروسیہ (مکران) اور کارمینیا (کرمان) کے راستے فارس (ایران) اور سوسہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ حساب لگایا گیا ہے کہ مقدونیہ کے دارالخلافہ' پیلہ سے روانہ ہونے اور بیلین (بابل) میں پہنچنے تک' اس نے ۱۹ ہزار انگریزی میل سے زائد فاصلہ طے کیا' اور یہ

ان دنوں میں ایک نہایت حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ اس نے اس وقت کی معلوم تمام دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ وہ دنیا کے جس حصے میں بھی گیا' وہاں اس نے شاندار شہروں کی بنیاد رکھی' بڑے بڑے بحری بیڑے بنوائے اور تجارت و کاروباری معاملات کی ترقی کے لیے نہایت موثر اقدامات کیے۔ اس نے انتہائی طاقتور اقوام کو مطیع کیا اور سب سے زیادہ طاقتور اور مضبوط بادشاہتوں اور سلطنتوں کو فتح کیا۔ اس نے مغرور ترین شہروں کو خاک میں ملا دیا اور ان کے عالیشان' میناروں' قلعوں اور محلوں کو زمین بوس کر دیا۔ اس نے اپنا کوئی مدمقابل نہیں چھوڑا تھا' وہ ابھی تک فتح اور تہذیب و تمدن کے لیے وسیع و عریض منصوبے تیار کر رہا تھا' ان میں سے ایک' پورے جزیرہ نما ہند کو مکمل طور پر زیر نگیں کرنا بھی تھا کہ ابھی وہ اپنی عمر کے شباب میں تھا کہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ بہت زیادہ شراب خوری اور نشاط و کیف کے بعد' بے وقوفی کرتے ہوئے دریا میں نہانے کے باعث' سخت بخار میں مبتلا رہنے کے بعد اور بارہ سال آٹھ ماہ حکومت کرنے کے بعد' ۳۲ سال کی عمر میں' ۱۳ جون' ۳۲۳ ق-م کو بابل کے مقام پر اپنے محل میں انتقال کر گیا۔ سکندریہ میں اس کے جسد خاکی کو سنہری تابوت میں بند کر دیا گیا۔ مصر اور دیگر ممالک میں اسے زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس نے اپنی وسیع و عریض سلطنت کا اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا' لیکن اس سے سوال کیا گیا کہ ان کا وارث کون ہو گا' تو اس نے جواب دیا: "جو اس کا بہت زیادہ مستحق ہو گا"۔ انتہائی کم عمری میں اس عظیم فاتح کی موت' انسانی زندگی اور انسانی عظمت سے متعلق عارضی نوعیت کے لیے یادگار مثال پیش کرتی ہے۔ اس کی موت کے بعد چند سال کے اندر' اس کی بیویوں' بچوں اور اس کی ماں کو ہلاک کر دیا گیا اور اس کی وسیع و عریض سلطنت کو اس کے جرنیلوں نے آپس میں بانٹ لیا' چنانچہ اس کے نام کے سوا کچھ باقی نہیں بچا۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سکندر نے پنجاب میں حکومت کا کوئی نظام قائم نہیں کیا۔ اس نے اس ملک میں جو حکمت عملی اختیار کی وہ' مقامی بادشاہوں کے ساتھ اتحاد قائم کرنا اور اپنے مخالفوں کو ہتھیاروں کی طاقت سے اطاعت پر مجبور کرنا اور دوستانہ رویہ اختیار کرنے والوں کو ان کے علاقے واپس کرنا تھا۔ اس نے پنجاب میں' دریائے سندھ کے راستے کے ساتھ' فوجی اور بحری چوکیاں قائم کیں' اس نے اپنے پیچھے' پنجاب اور سندھ میں مختلف مقامات پر فوجی دستے چھوڑے' جو اس کی طرف سے انتہائی کم عرصہ بعد ملک کو واپس لوٹنے کے لیے اس کے منصوبہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لیکن ہم نے ملاحظہ کیا کہ اس

منصوبہ پر عمل در آمد نہیں کیا گیا۔

حوالہ جات

(۱) ملاحظہ کیجئے سمتھ کی "لغت برائے یونانی و رومی جغرافیہ"۔

(۲) ہنٹر کی "سلطنت ہند" ایڈیشن ۱۸۸۶ء، صفحہ ۱۶۴۔

(۳) سکندر نے اپنے پسندیدہ پالتو کتے پیریٹس کی یاد میں، پنجاب میں ایک اور شہر تعمیر کرایا تھا، لیکن اس کے محل وقوع کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا۔

(۴) چند علماء بیان کرتے ہیں کہ وہ چھتریہ یا جنگجو قوم کی ایک شاخ کھتری تھے۔ رینمل کی "سرگزشت" خباب آر۔ این کسٹ کی کتاب "ہندوستانی زندگی کی تصاویر" شائع شدہ، ۱۸۸۱ء سے موازنہ کیجئے۔

(۵) مسٹر تھارنٹن کا خیال ہے کہ کینس کی اصطلاح میں اس جیسے ناموں میں غالباً خان کا لقب ہوتا ہے اور ہوسی کینس، موسیٰ خان بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یونانی و مقامی مصنفین نے ہمیں بتایا ہے کہ ملی اور ہندومنی پر برہمن حکومت کرتے تھے، لہٰذا موسیٰ خاں، ہندو نام نہیں ہو سکتا۔

باب ۱۰

سکندر کے انتقال سے مسلمانوں کے حملہ تک

سکندر کی وفات کے بعد سلطنت کی تقسیم پر بابل کے حاکم سیلوکس نکیٹر نے نہ صرف اس ملک اور بیکٹریا (بلخ) پر دوبارہ حملہ کیا اور انہیں اطاعت پر مجبور کیا' بلکہ یوفریٹس کے پار پورے ملک کو زیر نگیں کیا اور مگدھا یا بہار کے بادشاہ سندرا کوٹس (چندر گپت) پر حملہ کرنے کے لیے ۳۰۵ ق م میں دریائے سندھ کو عبور کیا۔ چندر گپت پہلے ہی یونانی چھاؤنیوں کو پنجاب کے علاقوں سے نکال دینے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو اپنی بالادستی تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سکندر کے ہندوستان سے روانہ ہونے سے فورا بعد ہندوستانیوں نے اس کے چھوڑے ہوئے یونانی حاکم کے خلاف بغاوت کر دی اور اسے قتل کر دیا جب کہ یونانیوں اور ہندوستانیوں کی مشترکہ فوج کو یا تو تہ تیغ کر دیا گیا یا منتشر کر دیا گیا۔ اس کاروائی کا نتیجہ یونانی فوج کی طرف سے ہندوستانیوں کے قتل عام کی صورت میں نکلا۔ سکندر کے روانہ کیے گئے نئے حاکم نے سب سے پہلے راجہ پورس کو موت کے گھاٹ اتارا۔ باوجودیکہ اس نے سکندر کے حملہ کے وقت یونانیوں کے لیے عملی دوستی کے بے شمار ثبوت فراہم کیے تھے۔ تاہم یہ حاکم خود بھی چندر گپت (۳۲۶ ق م) کی آمد پر وہاں سے روانہ ہوگیا' جو ہندوستان میں ایک نئی حکومت قائم کر چکا تھا۔

یہ شہزادہ' جو محض مہم جو تھا' اس نے ترک وطن کے بعد گنگا کی وادی سے پنجاب میں سکندر کے پڑاؤ کا پیچھا اس امید پہ کیا کہ اپنے کھوئے ہوئے صوبوں کو بازیاب کرانے کے لیے اس کی مدد حاصل کرے گا۔ چنانچہ اس فاتح کی روانگی کے بعد وہ نہ صرف گنگا کے

علاقوں کو بازیاب کرانے میں کامیاب ہوگیا' بلکہ قدیم نندا خاندان کو نکال باہر کیا اور پالی پترا' موجودہ پٹنہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ سیلوکس نے سندھ کو پار کرنے کے بعد چندر گپت کو بے شمار شکستوں سے دو چار کیا لیکن بابل (بیبلین) میں بغاوت ہو جانے کے باعث اپنے علاقوں کی حفاظت کی خاطر پنجاب کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوگیا۔ روانگی سے قبل اس نے معاہدہ امن کر لیا' جس کی رو سے پنجاب بمع وادی سندھ کے علاوہ پشاور تک کا علاقہ ہندوستانی بادشاہ کے حوالے کر دیا گیا' جس نے اس کے بدلے میں یونانی جرنیل کو پانچ سو ہاتھی اور ایک سو جنگی رتھ پیش کیے۔ ہندوستانی بادشاہ کے ساتھ اتحاد کو مزید مستحکم بنانے کے لیے سیلوکس نے اپنی بیٹی کی شادی چندر گپت سے کر دی اور میگا سس تھینز' یونانی عالم کو وہاں اپنے پیچھے چھوڑ دیا' جس نے بعد ازیں ہندوستان کے بارے میں اپنی مشہور زمانہ سرگزشت تحریر کی۔ اس کے علاوہ اس کے فرائض میں مگدھا کے دربار میں سیلوکس کے سفیر کا کام بھی شامل تھا۔ اگرچہ اس وقت سے پنجاب میں یونانیوں کا غلبہ ختم ہوگیا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان اور شام کے درمیان کسی حد تک تجارتی تعلقات قائم رکھے گئے۔ سیلوکس نیکٹو کے سکے بلخ اور بخارہ میں دریافت ہوئے ہیں۔ یونانی اور رومی مورخین کے مطابق ۲۰۶ ق م میں سیلوکس نیکٹو کے پوتے اینٹی اوکس' جسے ہندو اینٹی آکایونا راجہ (۱) بھی کہتے ہیں' نے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ اس وقت پنجاب پر چندر گپت کے پوتے اشوک کی حکومت تھی' جو ایک پرجوش بدھ تھا۔ پتھر میں کندہ اس کے فرمان شہباز گڑھی (ضلع پشاور میں) کے مقام پر دریافت ہوئے ہیں۔ یہ ایک قدیم بدھ شہر سودانہ کا جدید نام ہے۔ اس کا نام ایک بدھ شہزادے کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اس کے پتھر کے ستون اور بھربھرے پتھر کے قالب' جن پر پالی زبان میں عبارات درج ہیں' اوڑیسہ کچ کے کابل کے پار تک کے علاقے میں دریافت کیے گئے ہیں اور دنیا ان عبارات کو انتہائی جانفشانی اور ذہانت سے جمع کرنے اور ان کا ترجمہ کرنے کے لیے ممتاز مستشرق عالم مسٹر جیمز پر-نیسپ کی شکر گزار ہے۔ ان کو اس بات کا شرف بھی حاصل ہوا کہ انہوں نے سب سے پہلے انتہائی قدیم پالی رسم الخط کی شرح بھی دریافت کی۔ اینٹی اوکس نے اشوک کے ساتھ امن پر معاہدہ کیا۔ چنانچہ یونانی اثر و رسوخ پنجاب پر قائم ہوگیا۔ اس حقیقت کا مزید ثبوت پنجاب اور افغانستان کی سرحدوں سے دریافت ہونے والے یونانی سکے ہیں۔

اشوک کی عظیم عبارت شہباز گڑھی کے موجودہ گاؤں کے شمال مغربی جانب ایک بہت

بڑی چٹان پر ہے اور یہ پانچ یونانی شہزادوں کے ناموں پر مشتمل ہے۔ یعنی شام کا انٹی اوکس، مصر کا بطلیموس، فیلیڈلفس، مقدونیہ کا انٹی گونس گونیٹس، کیرین کا میگس اور ایپرس کا سکندر ثانی۔ سودانہ (شہباز گڑھی) کا مکمل دائرہ، جس کی مطابقت جنرل کننگھم نے چینی زائرین ناہیان اور ہیون سانگ کے پولوشا یا فوشا سے اور ایرئین کے بازاری سے کی ہے۔ چار میل تک پھیلا ہوا ہے۔ آج کل اس جگہ کی نشاندہی شہر کے مشرقی دروازے کے باہر کی گئی ہے، جہاں اشوک نے اپنی بیٹی اور بیٹا ایک برہمن کو خیرات کے طور پر دے دیے تھے، جس نے انہیں غلاموں کی صورت میں فروخت کر دیا۔

بیکٹریا کے عظیم بادشاہ ایزا ڈائٹس نے ۱۶۵ ق م میں پنجاب پر حملہ کیا اور پٹالہ سندھ میں موجودہ حیدر آباد تک فتح کر لیا جبکہ اس نے کچھ اور گجرات کی طرف بھی ایک مہم روانہ کی۔ اس کے جانشینوں، مننلو اور اپولوڈوٹس نے بعد میں پنجاب پر حکومت کی۔ اول الذکر کے سکے کابل سے جمنا کے کنارے پر آباد متھرا تک کے علاقے میں دریافت ہوئے ہیں۔ یونان اور بلخ کی مشترکہ سلطنت ۱۲۷ ق م میں تہس نہس ہوگئی لیکن پہلی صدی کے آغاز تک اس کی شاخیں پنجاب، سندھ اور کابل کی وادی پر حکومت کرتی رہیں۔ اس کا ثبوت یونانی سکوں کی دریافت ہے، جن کی پشت پر آریائی عبارات درج ہیں۔

پنجاب میں دریافت ہونے والے پارتھین شہزادوں کے سکوں پر درج عبارات سے پروفیسر لاسن اور ولین نے جو نتائج اخذ کیے ہیں، ان سے صاف پتہ چلتا ہے اور میرا اپنا خیال ہے کہ ۶۰ سے ۹۰ ق م تک پنجاب ان شہزادوں کے قبضہ میں تھا۔

تاریخ میں درج اس امر واقعہ سے بھی مزید شہادت ملتی ہے کہ ریزاڈائٹس اعظم کے انتقال کے فوراً بعد اس کی وسیع و عریض سلطنت کے ٹکڑے ہوگئے اور ہندوستان پر ۱۴۰ ق م میں ایک پارتھین بادشاہ متھریڈائٹس نے حملہ کر دیا۔

غالباً سال ۱۱۰ ق م میں سکاتھ قوم کو پنجاب میں غلبہ حاصل ہوا۔ چینی مورخین کے مطابق یو۔ تی (جیٹس یا جٹس) جنہوں نے چین اور تین۔ شان کے درمیان وسیع و عریض خطے یا بلند و بالا پہاڑوں پر قبضہ کر لیا تھا، انہیں ہنوں کے ساتھ کئی خونریز جنگوں کے بعد ملک سے نکال باہر کیا گیا۔ وہ بڑے بڑے لشکروں کی صورت میں افغانستان اور پنجاب کی سرحدوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ انہوں نے ملک کے اس حصہ پر مضبوطی سے اپنا تسلط قائم کر لیا۔ انہوں نے سال ۱۰۵ ق م میں مینس سے اس کی ٹیکسلا کی بادشاہت چھین لی

اور حال ہی میں دریافت ہونے والے سکوں سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ پانچ دریاؤں کا سارا ملک ان کے بادشاہوں' آئیز اور ایزیلا ئز کے قبضے میں تھا۔

۵۶ ق م میں ہندوستان کے ایک عظیم بادشاہ بکرماجیت نے سکا تھ بادشاہوں کو پنجاب سے نکال باہر کیا لیکن اس کی موت کے بعد اس ملک پر سکا تھوں کے تازہ دم لشکروں نے حملہ کر دیا۔ انہوں نے اس میں بادشاہوں کا خاندان قائم کیا' جس کا نام کیڈ فیس تھا۔ ان کو اپنی باری پر تازہ دم سکا تھ حملہ آوروں نے' جن کا تعلق کا نیسکی کے بادشاہوں کے ساتھ تھا' برباد کر دیا اور یہ کہ یہ خاندان شاہی پانچویں صدی عیسوی تک پنجاب پر حکومت کرتے رہے۔ اس کا ثبوت پنجاب' بامیان اور کابل سے دریافت ہونے والے کیڈ فیسی اور کانیسکی سکوں سے چینی سیاح' فاہیان کی پیش کردہ شہادت سے' جس نے پانچویں صدی کے اوائل میں پنجاب کے پانچ دریاؤں کو پار کیا تھا' راجپوتانہ میں کوتاہہ کے نزدیک ایک مندر پر درج عبارات سے' جن پر ۴۰۹ء کی تاریخ موجود ہے اور اس پر ساپورہ کے جٹ شہزادے کی یادگار موجود ہے اور راجپوتانہ کی تاریخوں سے حاصل شدہ شہادت سے ملتا ہے۔ ان تاریخوں کے مصنف کرنل ٹوڈ' جٹ شہزادوں کے حوالے سے اپنا مشاہدہ پیش کرتے ہیں کہ

> "پنجاب میں ساپورہ کے یہ جٹ شہزادے جیکسار ٹیس میں سے یو۔ تی کی اولین نو آبادی کے سردار تھے۔ جیسا کہ ڈی گوائنز نے درج کیا ہے۔ انہوں نے پانچویں صدی میں دریائے سندھ کو پار کیا اور پنجاب پر قبضہ کر لیا"۔

یونانی سکائنتھین طرز کے طلائی' نقرئی اور تانبے کے سکے کانیسکی اور کیڈ فیسی سکے اور تیسری و چوتھی صدی عیسوی کے ساسانی بادشاہوں کے ملے جلے سکے ۱۸۳۰ء میں جنرل ونتورا اور جنرل کورٹ نے اٹک اور جہلم کے نصف راستے میں مانکیالہ(۲) کے کھنڈرات سے دریافت کیے۔ وہ اس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں تھے۔

یوسف زئی کا شمالی حصہ قدیم کھنڈرات کی کثرت ہونے کے باعث شہرت کا حامل ہے۔ بڑے بڑے اور اہم کھنڈرات شہباز گڑھی' تخت بائی' شاہری بہلول' جمال گڑھی' ہرکائی' سوالدھر اور مردان کے مشرق میں رانی گاٹ ہیں۔

پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں سفید ہنوں یا انتھالائٹس نے کیڈ فیس کے خاندان شاہی کو تباہ کر دیا لیکن ۵۵۵ء میں ترکوں نے انہیں مغلوب کر لیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ کشمیر کے بادشاہوں نے پنجاب کے علاقوں کو بھی فتح کیا اور جب

چینی سیاح ہیون سانگ نے ۶۱۱۳ء میں اس ملک کی سیاحت کی تو اس نے دیکھا کہ سندھ اور جہلم کے درمیانی علاقہ پر ناگایا کرکوٹہ خاندان کے کشمیری بادشاہ کی حکومت ہے۔

اوروسیس کے مطابق ہندوستان کے ایک بادشاہ پورس نے ۲۰ - ۲۲ ق م میں روم کے شہنشاہ اگسٹس کے پاس ایک سفیر روانہ کیا کہ وہ اس سے دوستی کرنا چاہتا ہے۔ روم کے شہنشاہ نے سفارتی عملے کا استقبال سپین میں کیا اور بے مقصد بات چیت پر بہت زیادہ وقت صرف ہوا۔ ہندوستانی بادشاہ نے کوشش اور معاملات کا تصفیہ کرنے کے لیے ایک اور سفارت روانہ کی۔ سفیر جو کم ہو کر اب تین رہ گئے تھے' باقی ماندہ اینٹی اوک میں تھکن کے باعث انتقال کر گئے۔ انہیں دمشق کے نکولس نے دیکھا۔ وہ چمڑے یا جھلی پر یونانی زبان میں لکھے گئے دوستانہ خط کو اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ پورس چھ سو بادشاہوں پر حکمرانی کرتا تھا اور سیزر کے ساتھ دوستی مضبوط کرنے کا خواہاں تھا اور اسے نہایت خوشی سے ہر قسم کی مطلوبہ خدمت پیش کرنے کے لیے تیار تھا۔

سفیروں کے ساتھ خادموں کی بہت بڑی فوج تھی اور وہ اپنے بادشاہ کی طرف سے نہایت قیمتی تحائف لے کر آئے تھے۔ ان کے ہمراہ ایک برہمن زرمانو چیگوس بھی تھا۔ جس نے بعد ازیں ایتھنز میں اپنے آپ کو ایک چتا پر جلا کر بھسم کر لیا کیونکہ پسار گیڈائی (جو دریائے سائرس کے کنارے فارس کا ایک قدیم شہر تھا) کے مقام پر کلانوس اس کے سامنے ایسا کر چکا تھا۔ اس کی یاد میں تعمیر کی جانے والی یادگار پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ کی گئی:

"یہاں پر برگوسہ کا ایک ہندوستانی زرمانو چیگوس محو خواب ہے۔ اس نے رضاکارانہ طور پر اپنے ہم وطنوں میں موجود رسم کے مطابق اپنی زندگی ختم کر لی"۔

پنجاب پر یونانیوں کا اثر و رسوخ

یہ حقیقت کہ ہندوستانی بادشاہ کے سرکاری خطوط کو کھال پر لکھا گیا' واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہندو تعصبات پر یونانیوں کا اثر و رسوخ کس قدر تھا۔ پنجاب' جہاں یونانی بہت زیادہ تعداد میں آباد تھے' ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ ملک کے فن تعمیر کو سب سے پہلے یونانی فن سے تحریک ملی اور مورتیوں اور بتوں سے بھری ہوئی بدھ خانقاہوں کو یونانی طرز پر تعمیر کیا گیا۔ بدھو--- یونانی فن کی ان یادگاروں کو پنجاب کی سرحد کے مختلف مقامات سے کھدائی کے بعد دریافت کیا گیا ہے اور اب لاہور کے عجائب

گھر میں خوبصورت ذخیرے کی شکل میں موجود ہیں۔

حوالہ جات

(۱) یعنی یونان کا بادشاہ انٹی اوکس۔

(۲) آٹھ فٹ بلند اور ۳۲۰ فٹ قطر کا ایک بہت بڑا ستوپا' جس کے بارے میں چند مصنفین کا خیال ہے کہ یہ ٹیکسائلز کے ملک کا دارالخلافہ ہو سکتا ہے۔ اسی مقام پر پچاس چھوٹے ستوپے بھی موبود ہیں۔ ان سب میں سکے ملے ہیں۔

حصہ دوم

اسلامی دور

باب ۱

مسلمانوں کے اولین حملے

جب مغرب میں جہالت کا طوفان بدتمیزی پھیل چکا تھا' جب ایشیاء' شام اور مصر کی مشرقی اقوام اپنی مردانگی اور شجاعت کھو چکی تھیں اور فسق و فجور' دروغ گوئی' ظلم اور بدکرداری کی انتہائی خراب حالتوں کے بوجھ تلے دب گئیں' جب سلطنت روم اپنی حقیقی عظمت اور سلطنت ایران اپنی اندرونی طاقت اور قوت سے ہاتھ دھو بیٹھیں' قصہ مختصر جب معلوم دنیا کے بڑے حصے پر جہالت کا اندھیرا پھیل گیا تو دنیا میں ایک نیا مذہب ابھرا' جس نے حقیقی معنوں میں اقوام کی سیاسی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ دین اسلام تھا اور اس کے بانی عرب کے قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے والے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تھے' جنہوں نے اپنے ہم وطنوں کے سامنے اس خدائی وحی کا اعلان کیا' جس میں انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اسے تلوار سے پھیلائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ کو تبلیغ کا مرکز بنایا۔ آپؐ مسجد میں ایک کھردرے اور غیر آراستہ منبر پر تشریف فرما ہوتے اور کھجور کے درخت کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے۔ آپؐ نے اپنے ہم وطن بت پرستوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں لات اور عزیٰ کی پرستش کرنے سے منع فرمایا اور بغیر در و دیوار کے ایک خیمے میں مکہ کے سفیروں سے ملاقات کی۔ اس جیسی تکریم و تعظیم اس سے پہلے ایران کے خسرو یا قسطنطنیہ کے قیصروں کے سامنے نہیں کی گئی۔ آپؐ نے عربوں کے خوابیدہ جذبوں اور صلاحیتوں کو جگایا اور ان میں ایک نیا جذبہ پیدا کیا۔ قرآن اور تلوار سے مسلح ہو کر اور اپنے صحابہ کرامؓ کی پرجوش بہادری کی حمایت کے ساتھ آپؐ نے دنیا کے انتظامی اور مذہبی دساتیر کے خلاف جنگ شروع کی اور نئی سیاست و نئے طور طریقے متعارف کرائے اور

چیزوں کی سیاسی اور اخلاقی حالت کو بدل کر رکھ دیا۔ عرب کے اس عظیم مصلح نے اپنی پر اثر فصاحت و بلاغت اور غیر معمولی جوش و خروش اور قوت سے خانہ بدوش چرواہوں کی نسل کو بڑی بڑی طاقتور سلطنتوں کے بانیوں میں تبدیل کر دیا اور کرۂ ارض کی ایک چوتھائی سے زائد آبادی میں نئی امنگیں پیدا کر دیں۔ اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی کہ اتنی تیزی سے عربوں کی سلطنت' مغرب کی طرف جبل الطارق سے اور مشرق کی جانب ہندوستان تک اور بحیرہ اوقیانوس کے ساحلوں سے چین کی سرحدوں تک پھیلی اور اس نے ان ملکوں میں اپنے علوم و فنون کو پھیلایا۔ صدی کے تھوڑے سے عرصہ میں اور اسلامی دور(ا) کے قیام سے اسلام کے مجاہدین نے مصر' شام' شمالی افریقہ اور مغرب کی جانب چین کے ایک حصہ پر اور مشرق میں ایران اور وسطی ایشیا پر لشکر کشی کی۔ فاتح ایران اور بنو عباس کے المنصور نے بغداد کو پایہ تخت بنایا۔ چالیس سال بعد ہارون الرشید عالی شان نے بغداد کو مشرقی اور مغربی ایشیاء کے درمیان ایک اہم تجارتی مرکز بنا دیا اور اپنی سلطنت کو بحیرہ روم سے ہندوستان کی سرحدوں تک پھیلا دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مذہب کو حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ تلوار کے ذریعے بھی پھیلایا۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

"تلوار جنت اور دوزخ کی چابی ہے"۔

اللہ کی راہ میں گرنے والا خون کا ایک قطرہ اور جنگ میں گزرنے والی ایک رات' دو مہینوں کے روزوں اور عبادت سے زیادہ افضل اور قابل قبول ہے۔ جو میدان جنگ میں شہید ہو جاتا ہے تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ یوم حشر کو اس کے زخم شنگرف کی طرح منور اور درخشاں ہوں گے اور ان سے مشک و عنبر کی طرح خوشبو آئے گی۔ ان کے ضائع ہونے والے اعضاء کے بدلے فرشتوں اور غلمان کے پر لگا دیے جائیں گے۔ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا شہید ہو جاتا ہے' وہ سیدھا جنت میں جاتا ہے۔ بہشت میں انتہائی حسین و جمیل حوریں بڑی بے چینی سے اس کی آمد پر اس کا استقبال کرنے کے لیے منتظر رہتی ہیں۔ وہاں شہید ہمیشہ کے لیے خوش و خرم زندگی میں رہیں گے۔ وہ ہر قسم کے غم اور دکھ سے آزاد ہوں گے اور انہیں وہاں کوئی پریشانی یا دشواری نہیں ہوگی۔ ان کے پاس ہزاروں غلمان ہوں گے اور انہیں ایسے شاندار گھر رہنے کو دیے جائیں گے جو خوبصورت اور عالی شان باغات اور زندگی کی تمام آسائشوں سے مزین ہوں گے۔ مستقبل کی خوشی کے اس جیسے فیاضانہ وعدے' جن میں دولت اور آسائشیں ملنے کی توقع ہو' عرب کی

صحرائی آبادی کے جنون کو ابھارنے کے لیے کافی تھے۔ ان کا عسکری جذبہ بیدار ہوگیا اور نفسانی خیالات میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ جلد ہی ۶۸۹ء میں ہجرت کے اکتیسویں سال میں مسلمان خراسان کے وسیع و عریض صوبے میں داخل ہوئے' جو حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ اسلام کے ایک سپہ سالار عبداللہ بن عامر کے تحت غزنی کے شاہی خاندان کی اصل سلطنت کے ایک بہت بڑے حصے پر مشتمل تھا۔ تیرہ سال بعد انھوں نے ایران کے جنوب میں کابل کو فتح کر لیا۔ خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے بصرہ کی بنیاد رکھی اور وہاں سے سندھ اور بلوچستان کی خلاف مہمات کا آغاز کیا گیا۔

اگرچہ ۵۳ھ میں خلیفہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں بصرہ کے حاکم حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے ماورالنہر کے وسیع و عریض اور سرسبز و شاداب علاقے پر حملہ کیا تھا' لیکن ۸۸ ہجری تک مسلمان اس کو مکمل طور پر فتح نہیں کر سکے تھے۔ جب کہ اس وقت عرب سپہ سالار کتیبہ نے بخارہ اور سمرقند جیسے بڑے شہروں کو فتح کر لیا۔ ۷۱۱ء میں حجاز کے حاکم نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسمؒ کی سرکردگی میں ایک بہت بڑی فوج کو عربوں کے ایک جہاز کو بازیاب کرانے کے لیے روانہ کیا' جسے اس ملک کے بادشاہ راجہ داہر نے دریائے سندھ کے دہانے پر روک رکھا تھا۔ ہندو راجہ نے بے شمار فوج جمع کر لی لیکن محمد بن قاسم نے زبردست حملے سے ایک مشہور و معروف مندر پر قبضہ کر لیا جو برہمنوں کے لیے بڑا مقدس تھا۔ وہاں سے مسلمان حملہ آوروں کو بہت زیادہ مال غنیمت ہاتھ لگا۔ ہندو خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے اور ان کا راجہ میدان جنگ میں مارا گیا۔ اپنی اس فتح سے خوش ہو کر نوجوان عرب سپہ سالار' راجہ داہر کے دارالخلافہ' برہمن آباد کی طرف بڑھا۔ ہندو ملکہ نے اس کا دفاع بڑی بہادری اور دلیری سے کیا۔ مسلمانوں کے ایک حملہ کے باعث یہ خاتون بمع اپنے راجپوت محافظوں کے ختم ہوگئی اور پورا ملک حملہ آوروں کے رحم و کرم پر ہوگیا۔

سندھ اور ملتان کی پہلی فتح

اس کے بعد محمد بن قاسم نے ملتان کی طرف پیش قدمی کی اور ایک زبردست حملے کے بعد اس کو فتح کر لیا اور چند کم اہم فتوحات نے سندھ کی فتح کو بھی مکمل کر دیا۔ اس فاتح نے اب اپنے علاقوں کو مربوط کرنے اور لوگوں میں مفاہمت پیدا کرنے کے لیے اپنی توجہ صرف کی۔ اس وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اس کے مفید دور کو اچانک ختم کر دیا۔ راجہ کی دو خوبصورت بیٹیاں تھیں' جنہیں قاسم نے راجہ کی موت کے بعد اپنے خلیفہ کے حرم کے لیے دمشق روانہ کیا۔ جب انہیں خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو ان دوشیزاؤں میں

سے ایک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے کہا کہ اسے شاہی حرم میں جو رتبہ عنایت کیا جا رہا ہے' وہ اس کے قابل نہیں۔ کیونکہ ہندوستان سے روانہ ہونے سے قبل محمد بن قاسمؒ نے اسے بے عزت کر دیا تھا۔ اس پر بادشاہ غصے سے لال پیلا ہوگیا۔ لہٰذا ایک فرمان جاری کیا گیا کہ فاتح سندھ کی لاش کو کھال میں سی کر دمشق روانہ کیا جائے۔ جب اس کی لاش وہاں پہنچی تو ہندو شہزادی کو محمد بن قاسم کی معصومیت کا پتہ چلا' لیکن اس بات پر خوش ہوئی کہ اس نے اپنے باپ کی موت کا بدلہ لے لیا ہے۔ اس پر فوراً خلیفہ کے حکم سے دونوں عورتوں کے سر اڑا دیے گئے جو اس کے بہادر اور قابل سپہ سالار کی موت پر بے فائدہ ماتم کر رہی تھیں۔ محمد بن قاسم کی موت کے بعد سندھ میں مسلمانوں کی حکومت کو ایک ایسا دھچکا لگا' جس سے وہ بعد میں کبھی بھی اپنی حالت کو سنبھال نہیں سکے۔ اس کے جانشینوں نے تقریباً چالیس سال تک ملک پر حکومت کی لیکن سومیرا کے راجپوت قبائل انہیں نکال باہر کرنے کے بعد اس علاقے کے مالک بن گئے۔

حوالہ جات

(۱) اسلامی دور کا آغاز ۶۲۲ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے ہوتا ہے اور اس سے متعلق ہر سال کو ہجری کہا جاتا ہے جو "ہجرت" کو ظاہر کرتا ہے۔

باب ۲

غزنوی خاندان

الپتگین

بنو معاویہ اور بنو عباس جو خلافت کے جانشین بن گئے تھے' کے شاہی خاندانوں کے بعد ان کے جانشین حکمران خاندانوں کے دوران عربوں کی سلطنت کو زبردست عروج حاصل ہوگیا تھا لیکن ہارون الرشید کے انتقال کے بعد اس کی دنیاوی طاقت میں زوال کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ مختلف صوبوں کے صوبیداروں نے اطاعت کا جوا اتار پھینکا اور بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا جب کہ خلافت کی حکومت صرف بغداد کے صوبہ اور اس کے ماتحت علاقوں تک محدود ہو کر رہ گئی اور خلیفہ کو مذہب کے معاملہ ہی میں با اختیار سمجھا جانے لگا۔ طامیری یا طامیر کے جانشین' جنہوں نے سب سے پہلے آزادی حاصل کی' وہ خراسان اور ماوراالنہر کے عظیم صوبوں میں آباد ہوگئے۔ ۸۷۲ء میں بادشاہوں کا ایک خاندان سوفارائڈز ان کا جانشین بنا' جس کی بنیاد سیستان کے ایک کسیرے یعقوب نے رکھی تھی۔ اسے اپنی عسکری مہمات کے باعث بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اپنی باری پر ۹۰۳ء میں سامانیوں نے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔ اس خاندان کا بانی اسماعیل تھا' جس نے ۲۶۳ ہجری میں بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اسے انصاف اور نیکی کے کاموں کے سلسلہ میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ اس کی حکومت بخارہ' ماوراالنہر' خراسان اور ایرانی سلطنت کے ایک بہت بڑے حصے پر تھی۔ سامانیہ خاندان نے ۱۲۰ سال تک بڑے اطمینان کے ساتھ حکومت کی۔ پانچواں بادشاہ عبدالملک' جس کا انتقال بخارہ میں ہوا' اس نے اپنے ترکے میں ایک ننھا شہزادہ منصور چھوڑا۔ مرحوم بادشاہ کا ایک ترک غلام الپتگین' جو خراسان کے وسیع و عریض صوبے پر

حکومت کرتا تھا' اس نے نوجوان شہزادے کا چچا ہونے کا اعلان کر دیا لیکن مخالف دھڑے نے منصور کو تخت پر بٹھا دیا۔ نوجوان بادشاہ نے الپتگین سے ناراض ہو کر اسے بخارہ حاضر ہونے کا حکم دیا لیکن یہ حاکم خراسان کے دارالحکومت' نیشاپور سے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ غزنی روانہ ہوا اور بے شمار فتوحات حاصل کرنے اور شاہی فوجوں کو شکست دینے کے بعد اس نے بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

الپتگین نے اپنے جرنیل سبکتگین کے تحت اپنی فوجوں کو کئی مرتبہ ملتان اور لمگھان کے صوبوں کو زیر کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ان صوبوں کے ہزاروں باشندوں کو غلام بنا کر غزنی لے جایا گیا۔ لاہور کے راجہ جے پال نے جب یہ محسوس کیا کہ اس کے فوجی دستے شمالی حملہ آوروں کی فوجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اس نے بھاٹیہ(۱) کے راجہ کے ساتھ اتحاد کر لیا لیکن جب بھی حملہ آوروں نے اس ملک پر حملہ کیا تو متحدہ فوجیں ان حملہ آوروں کو ہندوستان سے لوٹ کا مال لے جانے سے روکنے میں سخت ناکام رہیں۔

الپتگین نے پندرہ سال تک بڑے سکون اور امن سے حکومت کی اور ۹۷۶ء میں اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ابواسحاق اس کا جانشین مقرر ہوا لیکن موخرالذکر دو سال سے کم عرصہ میں انتقال کر گیا لہٰذا سبکتگین جو اصل میں اس کا غلام تھا اور اس نے اس کی بیٹی سے شادی بھی کی تھی' فوج نے متفقہ طور پر اسے غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔

امیر ناصرالدین سبکتگین

منہاج السراج کے مطابق سبکتگین(۲) ترک نسل کا ایک غلام تھا۔ ایک تاجر نصر حاجی نے اسے اس وقت خریدا' جب وہ ابھی محض ایک لڑکا تھا۔ وہ اسے ترکستان سے بخارہ لایا جہاں اس نے اسے الپتگین کے پاس فروخت کر دیا۔ سبکتگین نے الپتگین کے دیگر غلاموں کے ہمراہ تعلیم حاصل کی اور ہتھیاروں کے استعمال کے بارے میں پڑھا۔ وہ پہلے پہل اس بادشاہ کی ملازمت میں نجی گھڑسوار تھا اور نہایت طاقتور اور پھرتیلا ہونے کے باعث جنگل میں اس کے لیے شکار کیا کرتا تھا۔ اوائل عمری میں ہی اس میں مستقبل کی عظمت کی جھلک نظر آ رہی تھی اور اس کا سرپرست اس کی صلاحیتوں کو بہت سراہتا اور بہت سی عسکری مہمات کے سلسلہ میں اس پر بہت زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ اس نے جلد ہی اسے فوج میں نہایت اہم عہدوں پر فائز کر دیا اور آخرکار غزنی میں شاہی اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے حمایتیوں کو امیرالامراء' وکیل المطلق کے خطاب سے نوازا۔ سبکتگین نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد ناصرالدین کا لقب اختیار کیا اور وہ خود کو امیر کہتا تھا۔

قندھار کو مطیع کرنے اور اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے بعد اس نے زابولستان کے دارالخلافہ بست کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں اس کی ملاقات مشہور زمانہ ابوالفتح سے ہوئی' جنہیں ان کے علم و فضل اور ذہانت کے باعث اس نے اپنا مصاحب خاص بنا لیا۔ اس نے ہندوستان کے بت پرستوں کے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا' جو ابھی تک صرف برہما اور مہاتما بدھ کی پرستش سے واقف تھے۔ اس وقت پنجاب پر ہسپال کے بیٹے جے پال کی حکومت تھی' جس کا علاقہ ایک طرف سے دریائے سندھ سے لگمان اور دوسری جانب کشمیر سے ملتان تک پھیلا ہوا تھا۔ ۹۷۷ء میں ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ مشرق کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے بہت سے قلعے تسخیر کیے اور مسجدیں تعمیر کرانے کا حکم دیا اور بہت سے مال غنیمت کے ہمراہ غزنی کی طرف لوٹا۔

جے پال' جو اس وقت بھٹنڈا کے قلعہ میں رہائش پذیر تھا' اس نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے پے در پے حملوں نے ملک کے امن و امان کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ لہٰذا اس نے ایک بہت بڑی فوج تیار کی اور بے شمار ہاتھیوں کو اس مقصد کے تحت جمع کیا کہ وہ ان کے ساتھ ان کی اپنی سرزمین پر حملہ کر دے گا۔ اس نے سندھ کو پار کیا اور لغمان کی طرف پیش قدمی کی' جہاں اس کی مڈبھیڑ سبکتگین کے ساتھ ہوئی۔ جب جھڑپیں شروع ہوئیں تو سبکتگین کے بیٹے محمود نے جو اس وقت محض ایک لڑکا تھا' بہادر اور سپاہیانہ کارناموں کے جوہر دکھائے۔ رات کے وقت زبردست طوفان باد و باراں اور ژالہ باری شروع ہو جانے کے باعث ہر طرف خوف و ہراس اور تباہی پھیل گئی۔ لاہور کے راجہ کے دستے بری طرح متاثر ہوئے اور اس کے بے شمار مویشی ہلاک ہو گئے۔ راجہ نے اپنی فوج کو منتشر ہوتے دیکھا تو اگلے روز صلح امن کر لی۔ سبکتگین ہندو راجہ کی درخواست قبول کرنے پر رضامند ہو گیا تھا۔ لیکن نوجوان محمود جو ایک پرجوش جنگجو تھا' اس کے اثر و رسوخ نے اسے یہ شرائط ماننے سے باز رکھا۔ اس پر جے پال نے بادشاہ کے پاس اس بات کی وضاحت کرنے کے لیے دیگر سفیر روانہ کیے کہ بادشاہ سلامت! راجپوت سپاہیوں کی یہ رسم تھی کہ جب انہیں آخری حد تک پیچھے دھکیل دیا جاتا تھا تو وہ اپنے بیوی بچوں کو ہلاک کرنے کے لیے اپنے گھروں اور جائیداد کو نذر آتش کر دیتے تھے اور مایوسی کی حالت میں اپنے بال بکھرا کر دشمن کے اندر گھس کر اپنے آپ کو انتقام کے سرخ طوفان میں غرق کر دیتے تھے۔

سبکتگین جو راجہ کو مایوسی کی حالت میں تسخیر نہیں کرنا چاہتا تھا' وہ شرائط ماننے پر تیار ہو گیا۔ راجہ امن کی قیمت کے طور پر دس لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی دینے پر رضامند ہو گیا۔

راجہ نے پوری رقم کو اپنے پڑاؤ میں رہتے ہوئے ادا کرنے سے قاصر ہوتے ہوئے اپنے ساتھ چند بااعتماد اشخاص کو لیا تاکہ لاہور سے باقی ماندہ رقم وصول کی جاسکے۔ جب کہ یرغمالیوں کو حفاظت کے پیش نظر سبکتگین کے پاس رہنے دیا۔ تاہم راجہ نے اپنے دارالخلافہ میں اپنے آپ کو محفوظ پا کر اپنے برہمن مشیروں کی ہدایت پر عمل کیا اور معاہدے سے منحرف ہوگیا اور اس نے مسلمان افسروں کو قید میں ڈال دیا۔ سبکتگین جو اس وقت غزنی پہنچ چکا تھا' اس نے جب یہ سنا تو سخت غضبناک ہوگیا۔ اس نے اسی وقت ہندو راجہ کی طرف سے کی گئی ہتک کا بدلہ لینے کے لیے بہت بڑی فوج کے ہمراہ لغمان کی طرف پیش قدمی کر دی۔

جے پال نے آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا۔ اس نے ہمسایہ ملکوں دہلی' اجمیر' کالینجر اور قنوج کے بادشاہوں سے اتحاد کر لیا اور متحدہ فوج جو ۱۰ ہزار گھڑ سواروں اور بے شمار پیادہ فوج پر مشتمل تھی اور ہندو بہادری کا نشان تھی' اس نے مسلمان حملہ آوروں کو پیچھے دھکیلنے کے لیے لغمان کی سرحدوں پر اپنے آپ کو ترتیب دے دیا۔ سبکتگین نے ایک قریبی پہاڑی پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستانی لشکر کا جائزہ لیا۔ جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سمندر کی طرح لامتناہی تھا۔ اس نے اپنے سرداروں کی مستقبل کی شان و شوکت کے بارے میں حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اور ان سے شجاعت کا مظاہرہ کرنے کی درخواست کرتے ہوئے ہر ایک کو فرداً فرداً احکامات دیے اور تعداد میں کم اپنے سپاہیوں کو پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ہندو فوج کے کمزور مقام پر پے در پے حملے کریں۔ اس نقل و حرکت سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر دشمن کی منتشر صفوں میں تازہ دم دستے مستقل طور پر روانہ کیے جائیں تو ہندوؤں کے گھڑ سوار دستوں میں ابتری اور دہشت پھیل سکتی ہے۔ سبکتگین نے اس ابتری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عام حملے کا حکم دے دیا اور ہندو ہر مقام پر ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلے۔ مسلمان فوجی دستوں نے نیلاب کے کناروں تک ان کا تعاقب کیا۔ اس فاتح نے دریائے سندھ کے مغربی علاقوں سے بھاری تاوان وصول کیا اور لغمان و پشاور کو اپنی سلطنت کی مشرقی سرحد بنانے کے بعد اس نے دس ہزار گھڑ سواروں کے ہمراہ اپنے ایک افسر کو مفتوح ملک کا نظم و نسق سونپا اور غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

سبکتگین اپنی باقی ماندہ زندگی میں اپنی سلطنت کے شمال مغرب میں عسکری مہمات میں مصروف رہا۔ وہ اگست ۹۹۷ء میں ۵۶ سال کی عمر میں اور ۲۰ سال حکومت کرنے کے بعد بلخ

کے نزدیک تمروز میں انتقال کر گیا۔ اس کی میت کو دفن کرنے کے لیے غزنی لے جایا گیا۔

سبکتگین ایک ایسا بادشاہ تھا جس میں غیر معمولی شجاعت اور ہوش مندی کے علاوہ مساوات اور اعتدال پسندی بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس کا وزیر ابوالعباس فضل تھا جو حکومت کے معاملات کو بڑی ذہانت اور قابلیت سے نپٹاتا تھا۔

سبکتگین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دن شکار کرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ ایک ہرنی اپنے بچے کے ہمراہ چر رہی ہے۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تعاقب کرنے کے بعد ہرنی کے بچے کو پکڑ لیا اور اس کی ٹانگیں باندھ کر اسے گھوڑے پر ڈال کر گھر کی طرف واپس ہوا لیکن اچانک اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ اس کی غمگین ماں پوری رفتار سے بھاگتی ہوئی پیچھے پیچھے آ رہی ہے۔ سبکتگین کو اس پر رحم آ گیا۔ لہٰذا اس نے اس کے بچے کو آزاد کر دیا۔ ہرنی کے لیے خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ واپس جاتے ہوئے بار بار مڑ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس رات اس نے خواب میں اللہ کے رسول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپؐ نے اس سے ارشاد فرمایا:

> "تم نے ایک غم زدہ جانور سے آج جس سخاوت اور رحم دلی کا اظہار کیا ہے' اللہ تعالیٰ اس سے بڑا خوش ہوا ہے اور اس کے بدلے میں غزنی کی بادشاہت تمہیں انعام میں دے دی گئی ہے۔ عظمت کو اپنی نیکی کی جڑ اکھاڑنے نہ دو' بلکہ انسانیت کی خیر خواہی کرتے رہو"۔

ماثر الملک کے مصنف کے مطابق سبکتگین کے بیٹے محمود نے اپنے باغ میں ایک نہایت عالیشان گھر تعمیر کروایا اور ایک نہایت پر تکلف دعوت میں اپنے والد کو مدعو کیا۔ اس عمارت کی خوبصورتی' ذوق اور کمال فن نے نوجوان شہزادے کو اس بات پر اکسایا کہ وہ اس بارے میں اپنے والد کی رائے حاصل کرے لیکن سبکتگین نے نہایت مایوسی کی حالت میں اپنے بیٹے سے کہا کہ اس نے اسے محض ایک کھلونے کی مانند دیکھا ہے جسے اس کی رعایا میں سے دولت کے ذریعہ سے کوئی بھی تعمیر کر سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ ایک شہزادے کا کام یہ ہے کہ وہ شہرت کی ایسی دیرپا یادگاریں تعمیر کرے جو شان و شوکت کے ستونوں کی طرح ہمیشہ قائم رہیں۔ اچھے کارناموں کی طرح جو تقلید کے قابل ہوں اور اولاد ان پر سبقت لے جانے میں دشواری محسوس کرے۔ سمرقند کے شاعر نظام اورازی نے اس بارے میں مشاہدہ کیا ہے کہ محمود کے تعمیر کردہ سبھی عالیشان محلوں میں کسی کا ایک پتھر بھی باقی نہیں بچا لیکن

اس کی شہرت کی عمارت ابھی تک وقت پر حاوی ہے اور اس کی عظمت کی دیرپا یادگار ابھی باقی ہے۔

سلطان محمود غزنوی (۳)

جب سبکتگین کا انتقال ہوا تو اس کا سب سے بڑا لڑکا محمود نیشاپور میں تھا۔ اس کے دوسرے بیٹے اسماعیل نے آخری لمحات میں اپنے والد کے پاس ہوتے ہوئے اس سے اپنی جانشینی کے لیے رضامندی حاصل کر لی اور اپنے والد کے انتقال کے بعد نہایت سنجیدگی سے بلخ کے مقام پر اس کی تاج پوشی کر دی گئی۔ تاہم محمود بھی تخت و تاج پر اپنا دعوی رکھتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا کہ اگر وہ باقی ماندہ حصے سے دستبردار ہو جائے تو وہ اسے بلخ اور خراسان پیش کر دے گا اور ایک خود مختار بادشاہت کے طور پر تسلیم کر لے گا لیکن اسماعیل نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس پر محمود نے اسماعیل پر جنگ مسلط کر دی۔ اس کو اپنے چچا بوعزز اور سگے چھوٹے بھائی امیر ناصر الدین یوسف کی حمایت حاصل تھی۔ اسماعیل کے دستوں کے آگے ہاتھیوں کی قطار تھی۔ دونوں فوجوں میں غزنی کے قریب زبردست جنگ ہوئی۔ ایک مایوس جدوجہد کے بعد اسماعیل نے بذات خود اپنی شکست کو تسلیم کر لیا اور اپنے بھائی محمود کو قلعہ اور خزانے کی چابیاں پیش کر دیں، جس نے اسے باقی زندگی میں باوقار قید میں رکھا۔

محمود جب تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر تیس سال تھی اور وہ اس وقت عنفوان شباب میں تھا۔ فوجی مہمات میں اپنے والد کے ساتھ مستقل ساتھ دینے اور اس کی طرف سے خود مختار فوجی کمانیں سونپے جانے کے باعث اسے جنگی فنون میں زبردست اور بہت زیادہ تجربہ حاصل ہوگیا تھا جبکہ امن کے فنون کے معاملہ میں اس کے اندر ایک عظیم شہزادے کی سبھی صلاحیتیں موجود تھیں۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نے سب سے پہلے شاہی خاندان سامانی کو اپنی اطاعت پیش کرنے کے لیے بخارہ کے دربار میں اپنا سفیر روانہ کیا لیکن اس کے تھوڑے عرصہ بعد اس نے اطاعت کا جوا اتار پھینکا اور ۹۹۹ء میں خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اب اس نے بلخ اور خراسان کے صوبوں کو ترتیب دینے کا بیڑہ اٹھایا۔ اس کی شہرت بغداد کے دربار تک پہنچی۔ بنو عباس کے خلیفہ القادر باللہ نے اس کے لیے ایک نہایت قیمتی خلعت روانہ کیا اور اسے امین الملت (دین پناہ) اور یمین الدولت (حکومت کا دایاں ہاتھ) کے خطابات سے نوازا۔ اس نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور سامانی خاندان کے غاصب، بخارہ کے بادشاہ ایلک خان کی بیٹی سے شادی کر لی۔

محمود کافی عرصہ سے اپنی سرحد کے مشرق میں واقع ملکوں کی شان و شوکت اور دولت کے بارے میں بیانات سنتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے منت مانی کہ اگر اسے امن و امان حاصل ہوگیا تو وہ ہندوستان کے بت پرستوں کے خلاف جنگ کرے گا اور ملک سے بت پرستی مٹا دے گا اور اس کی جگہ ایک ہی سچے خدا کی عبادت کو متعارف کرائے گا۔ محمود خود بھی دریائے سندھ کے کناروں پر آباد ہندوستان کے علاقوں سے واقف تھا۔ لہٰذا دین اسلام کی تبلیغ کے لیے اس کے جوش و خروش اور اپنی فوج کی بہادری و شجاعت میں پیدا کردہ اعتماد نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس ملک پر حملہ کر دے۔

محمود غزنوی کا پہلا حملہ

اگست ۱۰۰۱ء میں دس ہزار منتخب گھڑ سوار فوج کے ساتھ اس نے غزنی سے پشاور کی طرف پیش قدمی کر دی۔ یہاں پر لاہور کا راجہ جے پال ۱۲ ہزار گھڑ سوار اور ۳۰ ہزار پیادہ فوج اور ۳۰۰ ہاتھوں کے ہمراہ اس کے مقابلہ پر آیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ ہندو بڑی بے باکی سے لڑے لیکن آخرکار وہ محمود کے منظم گھڑ سوار دستوں کے سامنے پسپا ہوگئے اور انہیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ میدان جنگ میں ان کے پانچ ہزار سپاہی مارے گئے۔ جے پال اور اس کے پندرہ سرکردہ سرداروں کو محمود نے قیدی بنا لیا۔

اس فتح سے محمود کو بہت زیادہ شہرت اور دولت حاصل ہوئی۔ مال غنیمت میں ہیرے جواہرات سے مزین سولہ ہار بھی اس کے قبضے میں آئے جن کو صرف جے پال زیب تن کرتا تھا۔ ان کی مالیت ۸۲ ہزار پاؤنڈ تھی۔ اس فتح کے بعد محمود نے ھنڈا کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے قلعے پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ آئندہ موسم بہار میں اس نے جے پال کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ اسے سالانہ خراج ادا کرے گا لیکن اس نے اس کی پنجاب کی طرف پیش قدمی کے دوران مخالفت کرنے والے افغان سرداروں کو تہہ تیغ کر دیا۔ ضعیف ہندو راجہ جے پال نے محمود کی طرف سے ہونے والی شکست اور شکست کی وجہ سے ذلت محسوس کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو حکومت کرنے کا نااہل سمجھتے ہوئے اپنے بیٹے انند پال(۴) کی حمایت میں دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی تیار کردہ چتا پر اپنے دیوتاؤں کے لیے اپنی قربانی پیش کر دی۔

دوسرا حملہ

محمود نے ۱۰۰۴ء میں سیستان میں ایک فوجی مہم سے واپس آنے کے بعد یہ دیکھا کہ

ہندوستان سے خراج مکمل طور پر ادا نہیں کیا گیا۔ لاہور کے راجہ انگ پال نے اپنا حصہ ادا کر دیا تھا لیکن بھاٹیہ کے ایک با جگزار راجہ بجی رائے نے اپنا حصہ روک لیا اور مسلمانوں سے نہایت تلخ رویہ اختیار کرنے کے علاوہ ان گورنروں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا' جنہیں محمود نے ہندوستان میں تعینات کیا تھا۔ محمود ملتان کے راستہ سے راجہ کے علاقہ میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ بھاٹیہ کو ایک نہایت بلند فصیل سے قلعہ بند کیا گیا ہے اور اس کے اردگرد ایک گہری اور کشادہ خندق ہے۔ راجہ نے اپنی راجپوت فوج کو جنگ کے مطابق ترتیب دیا اور ہندوستانی مسلمانوں سے اس قدر بے باکی سے لڑے کہ لگاتار تین دنوں میں کئی جھڑپوں میں موخرالذکر پسپا ہوگئے۔ تمام مضبوط مورچوں پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اور مسلمانوں کو اس قدر نقصان کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ اب میدان جنگ کو چھوڑنے کی تیاری کرنے لگے۔ آخرکار چوتھے روز محمود نے اپنی فوج کے سامنے اپنا رخ مکہ مکرمہ کی طرف کیا اور سجدے میں گر گیا اور اپنے ہاتھ دعا کے لیے پھیلا دیے۔ اس نے چلا کر کہا "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فتح کی بشارت دے دی ہے"۔ اس نے بذات خود بڑے حملے کی قیادت کی۔ سپاہیوں کے زبردست نعروں سے فضا گونج اٹھی اور مسلمانوں نے اس قدر شدت سے حملہ کیا کہ دشمن کو شہر کے دروازوں تک دھکیل دیا گیا۔

اگلی صبح بھاٹیہ کے قلعہ کو مکمل طور پر محصور کر لیا گیا اور صرف چند دنوں میں چاروں طرف کی خندقوں کو بھر دیا گیا۔ بجی رائے نے جب یہ دیکھا کہ اپنی پوزیشن کو مستحکم رکھنا ناممکن ہوگیا ہے تو اس نے قلعہ کو خالی کر دیا اور اس کے دفاع کے لیے ایک مختصر سی چھاؤنی کو وہاں چھوڑنے کے بعد اس نے اپنے باقی ماندہ دوستوں کے ہمراہ دریائے سندھ کے کناروں پر آگے جنگل میں پناہ لے لی۔ محمود کی فوج کے ایک دستے نے جنگل میں اس کا تعاقب کیا۔ انہوں نے اس کے مورچہ پر حملہ کیا اور اسے تنگ گھاٹیوں کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بہترین دوست اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور جب اسے قیدی بنایا ہی جانے لگا تو اس نے اپنی تلوار سے اپنی زندگی ختم کر لی۔ اس کے پیروکار' جنہوں نے اپنے آقا کی موت کا بدلہ لینے کی کوشش کی' ان میں سے بے شمار کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ ایک حملے کے ذریعے بھاٹیہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ دو سو اسی ہاتھی' بے شمار غلام اور دیگر مال غنیمت بادشاہ کے ہاتھ لگا اور وہ ایک فاتح کی حیثیت سے غزنی کی طرف لوٹا۔

تیسرا حملہ

ملتان کے پہلے مسلمان حکمران شیخ حمید سعدی نے امیر سبکتگین کی اطاعت کر لی تھی اور

اسے خراج ادا کرتا تھا۔ اس کے بعد ناصر کا بیٹا اور اس کا پوتا ابوالفتح داؤد غزنی کے سلطان کا مطیع رہا لیکن ۱۰۰۵ء میں اس نے لاہور کے راجہ انگ پال سے ساز باز کر کے اطاعت کا جواء اتار پھینکا۔ اب محمود نے ملتان کو دوبارہ فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لٰہذا موسم بہار کے آغاز میں ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ اس نے اس مقام کی طرف پیش قدمی کی۔ پشاور کی پہاڑیوں میں انگ پال کی فوجوں نے اس کا مقابلہ کیا لیکن غزنی کی فوج نے انہیں زبردست شکست سے دوچار کیا اور دریائے چناب کے کنارے پر سودرا(۴) کے قصبہ تک ان کا تعاقب کیا۔

انگ پال اپنے دارالحکومت کو چھوڑ کر کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ محمود بھٹنڈا کے راستے ملتان کی طرف بڑھا اور سات روز تک اس کا مکمل محاصرہ کیا۔ آخر کار داؤد کو گرفتار کر لیا گیا اور اسے اس وعدے پر معافی دے دی گئی کہ وہ ۲۰ ہزار طلائی درہم سالانہ خراج کے طور پر ادا کرے گا۔ ہو سکتا ہے سلطان ہندوستان میں اپنا قیام طویل کر لیتا لیکن اس کے سسر اور کاشغر کے بادشاہ ایلق خان کی طرف سے اس کے مغربی علاقوں پر حملے کے باعث اسے مجبوراً غزنی کی طرف لوٹنا پڑا۔ اس نے ہندوستان کے معاملات ایک ہندو شہزادے سیوک پال کے سپرد کیے' جو پشاور کے حاکم ابوعلی کے اثر و رسوخ سے مسلمان ہو گیا تھا۔

چوتھا حملہ

اس کے نائب سیوک پال کی بغاوت نے محمود کو ۵ - ۱۰۰۶ء میں دوبارہ ہندوستان کی سرزمین پر لا کھڑا کیا کیونکہ اس نے سلطان کے تمام افسروں کو ان کے محکموں سے نکال دیا تھا۔ محمود نے سب سے پہلے اپنے رسالے کے ایک حصہ کو پیش قدمی کرنے کے لیے حکم دیا۔ دستوں نے ہندو فوج کے سامنے غیر متوقع طور پر ظاہر ہو کر انہیں زبردست شکست سے دو چار کیا۔ سیوک پال کو قیدی بنا لیا گیا اور اسے ۴ لاکھ درہم جرمانے کے طور پر ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اسے باقی ماندہ ساری زندگی تک سرکاری قیدی کے طور پر رکھا گیا۔

پانچواں حملہ

لیکن ملتان کی بغاوت میں انگ پال کی حمایت اور غدارانہ رویہ محمود کے سینے میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ چنانچہ ۱۰۰۸ء میں موسم بہار کے اوائل میں ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ ایک عظیم مہم کے سلسلہ میں ہندوستان کی طرف گامزن ہوا۔ انگ پال' جو مسلمانوں کی طاقت سے باخبر تھا اور اسے سابقہ نقصانات ابھی تک یاد تھے۔ اس نے

ہندوستانی راجاؤں میں مذہبی جوش و خروش پیدا کرنے کے بعد ان سے درخواست کی کہ وہ ارض مقدس سے اپنے مشترکہ دشمن کو نکالنے کے لیے جدوجہد کریں۔ اس کی اپیل کا خیر مقدم کیا گیا اور اجین' گوالیار' قنوج' دہلی' اجمیر اور کالینجر کے راجاؤں نے اپنی دستیاب فوجوں کو جمع کیا اور دریائے سندھ کی جانب پیش قدمی کر دی۔ پنجاب کی سرزمین پر جمع ہونے والی سب سے بڑی فوج پشاور کی سرحدوں پر میدانوں کے سامنے نمودار ہوئی اور ہر روز اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جنگ کی تیاریوں کے لیے ملک کے ہر علاقے سے مال و زر مہیا کیا گیا اور اس قدر حب الوطنی کا مظاہرہ کیا گیا کہ ملک کے طول و عرض سے ہندو عورتوں نے اپنے زیورات پگھلا کر قومی مقصد کے لیے ذرائع فراہم کرنے کے لیے سونے اور چاندی کی صورت میں روانہ کیے۔ پنجاب کے شمال مغربی پہاڑی علاقہ کے ایک طاقتور قبیلے گکھڑ کے افراد ۳۰ ہزار جنگجوؤں کے ہمراہ متحدہ فوجوں میں شامل ہوگئے۔ اسلامی فوجیں چاروں طرف سے گھر گئیں تو انہوں نے عام حملے کے خدشے کے پیش نظر خود خندق کھودنے کا فیصلہ کر لیا۔

دونوں فوجیں چالیس روز تک آمنے سامنے بے حس و حرکت پڑی رہیں۔ دونوں طرف سے پیش قدمی کرنے کے معاملہ میں ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ آخرکار اس سکوت کو ہندوؤں نے توڑا۔ انہوں نے مسلمانوں کے مہیا کردہ موقع سے فائدہ اٹھایا' جنہوں نے دشمن کو مشتعل کرنے اور انہیں خندقوں کی طرف پیش قدمی کرنے پر اکسانے کے لیے چھ ہزار تیر اندازوں کو سامنے بھیجا تھا۔ گکھڑوں نے تیر اندازوں پر حملہ کر دیا اور سلطان کی موجودگی اور جدوجہد کے باوجود پسپا ہوگئے۔ ہندو انتہائی غیظ و غضب کے ساتھ مسلمانوں کے مورچوں میں داخل ہوگئے اور زبردست خون ریزی شروع ہو گئی۔ ایک نہایت مختصر وقت میں پانچ ہزار مسلمان شہید ہوگئے۔ تاہم ہندوؤں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے مسلمانوں کی ایک منظم فوج نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا اور بے شمار کو قتل کر دیا۔ دریں اثناء ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جو ہندوؤں کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔

وہ ہاتھی جس پر سوار ہو کر لاہور کا راجہ ہندوستانی فوجوں کو احکامات دے رہا تھا نفت کے گولوں کی آواز اور تیروں کی بارش سے بے قابو ہو کر بھاگ نکلا۔ اس سے ہندوؤں میں زبردست خوف و ہراس اور ابتری پھیل گئی۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید ان کا راجہ بھاگ نکلا ہے۔ لہٰذا وہ منتشر ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ مسلمانوں نے ان کی ابتری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ طائی کی سرکردگی میں ۶ ہزار عربی گھڑسواروں اور ارسلا جاذب کی سربراہی میں

۱۰ ہزار ترکوں، افغانوں اور خلجیوں کے ہمراہ خندقوں کو پار کیا اور دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے بہت زیادہ کشت و خون کیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ ۳۰ ہاتھی اور بہت زیادہ مال غنیمت آیا۔

محمود کے ذہن میں دین اسلام کی تبلیغ اور ہندوؤں کے بتوں کی تباہی کا خیال جوش مار رہا تھا۔ اس نے فتح کے فوراً بعد مقدس شہر نگرکوٹ کی طرف پیش قدمی کر دی اور پہلی مرتبہ ان کے بتوں کو توڑا اور ان کے مندروں کو زمین بوس کر دیا۔ اس نے پورے ملک کو آگ اور تلوار سے تباہ کرنے کے بعد بھیم کے مشہور قلعہ کا محاصرہ کر لیا، جس کا شمار پنجاب کی مقدس خانقاہوں میں ہوتا تھا اور یہ بہت زیادہ مال و زر کا ذخیرہ تھا۔ یہ ایک ڈھلوانی پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، جس سے شعلے نکلتے تھے، جنہیں موجودہ دور میں جلتے ہوئے مقدس فوارے کا جوالا مکھی کہا جاتا ہے۔ شمالی ہندوستان میں یہ سب سے زیادہ مضبوط قلعہ تھا۔ اس میں ایک انتہائی شاندار مندر تھا۔ اس کی چھت اور دروازے قیمتی دھات کے تھے اور شاستروں کی تعلیم کے لیے ایک مشہور و معروف مدرسہ تھا۔ چھاؤنی نے جنگ میں حصہ لینے کے لیے قلعہ کو چھوڑ دیا اور اس کے اندر موجود راہب جنگ اور خون خرابے سے بہت کم واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے اطاعت کے لیے درخواست کر دی اور مندر کے دروازے کھولنے کے بعد فاتح کے سامنے اوندھے منہ گر کر انہوں نے رحم کے لیے بھیک مانگی، جو انہیں دے دی گئی۔ سونے اور چاندی کی سلاخوں، جواہرات، سچے موتیوں، مونگوں، ہیروں اور لعلوں کی شکل میں مال غنیمت، جسے بھیم پر فاتح کے قبضہ کے دنوں میں مضافاتی بادشاہتوں سے جمع کر کے اس مندر میں رکھا گیا تھا، محمود کے ہاتھ لگا جو اس وسیع و عریض خزانے کے ہمراہ غزنی واپس لوٹا۔ ۱۰۰۹ء میں سلطان نے اپنے دارالخلافہ کے باہر میدان میں ایک بہت بڑا اجلاس منعقد کیا، جس میں اس نے اپنے امراء اور حیران و پریشان لوگوں کے سامنے پنجاب سے سونے کے تختوں، قیمتی پتھروں، اور بے بہا قیمت کے زیورات کی شکل میں لائی گئی بہت بڑی دولت کو پیش کیا۔ اس نے اپنے سرکاری افسروں کو ان کے منصب اور رتبے کے مطابق نہایت قیمتی تحائف عنایت کیے۔

چھٹا حملہ

۱۰۱۱ء میں محمود نے تھانیسر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ ہندو اس کا اسی طرح احترام کرتے تھے، جس طرح مسلمان مکہ مکرمہ کا کرتے ہیں۔ انگ پال نے بے سود ہی بادشاہ کو تھانیسر کے خزانے پیش کیے اور اس سے وعدہ کیا کہ شاہی خزانے سے ہر سال اسی قدر ادا کرے گا

اور اس کی مہم پر اٹھنے والے جملہ اخراجات کی ادائیگی کرے گا اور اس کے علاوہ پچاس ہاتھی اور نہایت بیش قیمت تحائف پیش کرنے کا وعدہ کیا لیکن محمود نے سارے ہندوستان سے بت پرستی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اس نے اس پیشکش کو رد کر دیا' اس نے شہر پر قبضہ کر لیا' اس کے شہریوں کو لوٹ لیا' ان کے بڑے بڑے عظیم الشان مندروں کو تباہ کر دیا اور بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ ان بتوں میں سب سے اہم بت کو "جگسوم" کہا جاتا تھا اور اس کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ یہ روز تخلیق سے موجود ہے۔ اسے بے شمار ٹکڑوں کی صورت میں غزنی' مکہ مکرمہ اور بغداد روانہ کیا گیا تاکہ گلیوں میں پاؤں تلے روندا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ محمود نے اس موقع پر دو لاکھ قیدی غزنی روانہ کیے۔ چنانچہ ان کا پڑاؤ ہندوستان کا ایک شہر لگتا تھا۔ اس دفعہ مال غنیمت بھی بہت بڑی تعداد میں حاصل کیا گیا۔

ساتواں حملہ

۱۰۱۳ء میں محمود نے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ بلوات کے پہاڑوں میں واقع نندونہ کے خلاف پیش قدمی کی اور بھرپور حملہ کے بعد چھاؤنی کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ انگ پال کے بیٹے اور جانشین جے پال دوئم نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ سلطان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے تو اس نے اپنی فوج کے ہمراہ کشمیر کا رخ کیا۔ محمود نے پہاڑی علاقے میں ایک حاکم کو تعینات کیا اور بغیر کوئی دقیقہ فروگزاشت کیے کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ اس پر لاہور کے راجہ نے صوبہ کو خیرباد کہا اور پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا۔ محمود نے کشمیر کی تمام عظیم الشان دولت کو لوٹ لیا اور وہاں کے باشندوں کو دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لوٹ مار کے نہایت بیش بہا سامان کے ساتھ اپنے دارالخلافہ کی طرف لوٹ گیا۔

آٹھواں حملہ

دو سال کے بعد سلطان نے چند باغی سرداروں کو سزا دینے اور چند قلعوں کو فتح کرنے کے لیے' جن پر گزشتہ مہم کے دوران حملہ نہیں کیا گیا تھا' دوبارہ کشمیر کا رخ کیا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم لوکوٹ کا قلعہ تھا' جو اپنی بلندی اور مضبوطی کے لیے بہت مشہور تھا۔ موسم گرما کے دوران اس مقام کو فتح کرنے کے لیے سلطان کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں اور موسم سرما شروع ہونے پر سلطان کو اس مہم کو ترک کر کے مجبور ہو کر غزنی واپس جانا پڑا۔

نواں حملہ

۱۰۱۷ء کے موسم بہار میں سلطان ایک لاکھ گھڑ سوار اور ۲۰ ہزار پیادہ فوج کے ہمراہ قنوج کی طرف بڑھا۔ اس نے کشمیر کے شمالی پہاڑوں کا راستہ اختیار کیا۔ قنوج کا راجہ بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا حامل تھا لیکن دفاع کے لیے پوری طرح تیار نہ ہونے کے باعث اس نے امن پر صلح کر لی۔ اس کے بعد اس نے میرٹھ کی طرف پیش قدمی کی۔ اس کے بادشاہ ہردیت رائے نے بھی اطاعت قبول کر لی اور پھر جمنا کے کنارے پر آباد مہاون کی طرف بڑھا اور اسے تسخیر کر لیا۔ راجہ کیل چند نے مایوسی کی حالت میں پہلے اپنے بیوی بچوں کو قتل کیا اور اس کے بعد اپنی تلوار کی نوک کو اپنی جانب کر کے اپنا خاتمہ بھی کر لیا۔ تب اس نے متھرا کے بہترین شہر کی طرف رخ کیا۔ وہ کرشن باسدیو کے لیے وقف تھا۔ قلیل مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد اس میں لوٹ مار شروع کر دی گئی۔ تمام بتوں کو یا تو پاش پاش کر دیا گیا یا جلا دیا گیا۔ زیادہ تر مندروں کو مسمار کر دیا گیا اور سونے و چاندی کی صورت میں بہت بڑا خزانہ لوٹ لیا گیا۔

محمود بیس روز تک قنوج میں ٹھہرا۔ اس دوران شہر میں خوب آتش زنی اور غارت گری کی گئی۔ چند چھوٹے راجاؤں کو مطیع کرنے کے بعد سلطان لوٹ مار کی دولت اور بے شمار قیدیوں کے سمیت غزنی کی طرف لوٹا۔ اس کی فوج نے اپنی طرف سے جو لوٹ مار کی تھی، وہ سرکاری خزانے کی لوٹ مار سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ محمود ہندوستان میں اپنے قیام کے دوران ہندوستان کے فن تعمیر کی خوبصورتی سے بڑا متاثر ہوا۔ اپنے دارالخلافہ میں پہنچنے کے بعد اس نے وہاں پتھر اور سنگ مرمر کی ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ اس نے اسے قالینوں، جھاڑ فانوس اور سونے و چاندی کے ساز و سامان سے مزین کیا۔ وہ اسے "آسمانی دلہن" کہتا تھا۔ اس کے درباری امراء نے بھی اس کی تقلید کی۔

وہ دارالحکومت کو نجی محلات اور سرکاری عمارات سے مزین کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ محمود نے سرکاری خزانے کی مدد سے شاہی مسجد کے قرب و جوار میں ایک عظیم الشان جامعہ، نہایت عالم فاضل مصنفین کی کتب پر مبنی دارالمطالعہ (کتب خانہ) اور قدرتی عجائبات اور فن کے نمونوں پر مشتمل عجائب گھر تعمیر کرایا۔ فن تعمیر کے ذوق و شوق میں اضافہ ہوا اور ایک مختصر سے وقت میں محمود کا دارالخلافہ خوبصورت مساجد، بارہ دریوں، فواروں، تالابوں، محرابی نالوں اور چوبچوں سے مزین ہو گیا اور وضع قطع اور کاریگری کے لحاظ سے گزشتہ ادوار کی کوئی عمارت ان کی برابری

نہیں کر سکتی تھی۔ ۱۰۱۹ء میں سلطان محمود نے بغداد کے خلیفہ القادر باللہ کے پاس اپنی فتوحات کی ایک سرگزشت روانہ کی۔ اس نے اسے شہر کے مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے کرۂ ارض کے دور دراز علاقوں میں مسلمانوں کو حاصل ہونے والی فتوحات پر بہت زیادہ خوشی منائی۔

دسواں حملہ

۱۰۲۱ء میں ہندو راجاؤں کی متحدہ فوج نے قنوج کی راجہ کنور رائے پر حملہ کر دیا کیونکہ اس راجہ نے محمود سے الحاق کر لیا تھا۔ سلطان نے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کر دی لیکن اس سے پیشتر کہ وہ قنوج پہنچتا' اس پر بندیل کھنڈ کالینجر کے راج نندا نے قبضہ کر لیا۔ اس نے کنور رائے اور اس کے متعدد سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کی موت کا بدلہ لینے کی لیے سلطان کالینجر کی طرف روانہ ہوا اور نندا رائے کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس فتح کے بعد محمود نے کشمیر کی طرف پیش قدمی کی اور راستے میں لوکوٹ کے ناقابل تسخیر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ تب وہ لاہور میں داخل ہوا اور انگ پال کے قنوج کے راجہ کے خلاف متحدہ فوج میں شمولیت کے باعث انتقاماً اس نے اپنے فوجی دستوں کو شہر کی لوٹ مار کا حکم دے دیا۔ یہاں پر بے شمار دولت اس کے ہاتھ لگی اور راجہ نے جب اپنے آپ کو دشمن کا مقابلہ کرنے میں ناکام پایا تو پناہ حاصل کرنے کے لیے اجمیر کی طرف بھاگ گیا۔ اسی سال کے موسم بہار میں محمود نے مفتوح صوبوں پر اپنے صوبیدار تعینات کیے اور غزنی روانہ ہوگیا۔

اس نے لاہور کا انتظام اپنے پسندیدہ مشیر اور جنرل ملک ایاز کے سپرد کیا' جس کا نام بہت سی روایات اور اپنے آقا کے ارشادات میں موجود ہے۔ ملک ایاز نے لاہور کا قلعہ اور فصیل تعمیر کرائی اور شہر کو وسیع اور خوبصورت بنایا۔ محمود غزنوی کے اس مقبول عام حاکم کے دور میں لاہور علم و فضل کا گہوارہ بن گیا اور غزنی سے لوگ یہاں آکر آباد ہوگئے۔ ان میں حضرت مخدوم شیخ علی گنج بخش ہجویریؒ بھی تھے۔ شہر کے باہر جن کا مزار داتا گنج بخشؒ کے نام سے مشہور ہے اور مسلمان اس کی بہت زیادہ تکریم و تعظیم کرتے ہیں۔(۶)

محمود نے اپنے نام کی نسبت سے لاہور کو محمود پور کہنا شروع کر دیا۔ اس نے لاہور میں سکے مضروب کرائے' جن پر عربی اور ہندی کی مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

پشت (خط کوفی میں)

القادر باللہ

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
یمین الدولہ و امین الملک محمود
بسم اللہ ضرب ھذا الدرھم بہ محمود پور سہنہ اثمان عشرۃ و اربعمایمتہ
القادر باللہ (۷)

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔
حکومت کے دائیں ہاتھ' دین پناہ محمود نے اللہ کے نام سے اس درہم کو ۴۱۸ ہجری میں محمود پور میں مضروب کرایا"۔

پیشانی (ہندی)

ایک تمک' محمد اوتار' نری پتی محمود
"غیر مرئی صرف ایک ہے۔
مجسم محمود ہے
بادشاہ محمود"۔

حاشیہ (ہندی)

"اللہ کے نام پر اس ٹنکہ کو ۴۱۸ ہجری میں محمود پور میں مضروب کیا گیا"۔ (۸)

گیارہواں حملہ

اس کے دو سال بعد محمود نے کالینجر کے راجہ نندا رائے کو مزہ چکھانے کے لیے دوبارہ ہندوستان کی طرف پیش قدمی کر دی۔ کیونکہ گزشتہ مہم کے دوران وہ سزا سے بچ گیا تھا۔ وہ اس کے خلاف لاہور کے راستے سے بڑھا اور گوالیار سے گزرنے کے بعد اس نے اس جگہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن راجہ نے اطاعت کر لی اور اس طرح وہ محفوظ رہا۔ نندا رائے نے بروقت اطاعت اور قیمتی تحائف پیش کر کے اپنے آپ کو آفت سے بچا لیا۔ انہیں قبول کر لیا گیا اور اسے اپنے علاقوں کے قبضہ پر بحال رکھا گیا۔

بارہواں حملہ

محمود کافی عرصہ سے کاٹھیاواڑ کے ایک ساحلی شہر سومنات کے مشہور و معروف مندر کی دولت اور تقدس کے بارے میں سنتا چلا آ رہا تھا۔ وہاں پر ہندوستان کے سبھی حصوں سے پجاری جمع ہوتے تھے۔

سومنات کا مندر

ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ سوما دیوتا، جس کے نام پر یہ مندر مشہور تھا، اس کو تمام ارواح پر مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس کے بارے میں اس عقیدے کا اظہار کیا جاتا تھا کہ وہ تمام تناسخوں کو باقاعدہ بناتا ہے اور علیحدہ روحوں کو سزا اور جزا دینے کی طاقت بھی اسی کے پاس ہے۔ مندر بہت عالیشان تھا اور تمام پجاری اس کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

بت پرستی کے اس جیسے مراکز کو تباہ کرنے کے لیے تہیہ کر کے اس نے ۱۰۲۴ء میں ستمبر کے مہینہ میں غزنی سے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کر دی۔ اس کے ہمراہ ترکستان اور ہمسایہ ممالک کے ۳۰ ہزار نوجوان رضاکار تھے۔ انہوں نے اس مندر کو تباہ کرنے کے لیے سلطان کی فوج میں بلا معاوضہ شمولیت اختیار کر لی تھی۔ ملتان کے صحرا کو عبور کرنے کے بعد وہ اجمیر پہنچا۔ اس نے اس میں لوٹ مار مچا دی اور دیگر قلعوں کو تسخیر کرتا ہوا وہ بلا مزاحمت تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا سومنا پہنچ گیا۔

مندر کے قلعہ کا راجپوتوں نے بڑی مضبوطی اور جوانمردی سے دفاع کیا اور مسلسل تین روز تک مسلمانوں کے حملوں کو عظیم نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ آخرکار محمود اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور زمین پر سجدہ ریز ہو کر اللہ سے مدد کی درخواست کی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر اور اپنے سر کیشین جرنیل ابوالحسن کا ہاتھ تھام کر حوصلہ افزائی کی خاطر اپنی فوج میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لیے کچھ اس قدر گرم جوشی سے نعرہ لگایا کہ وہ ایک زبردست طوفان کی صورت میں قلعہ پر ٹوٹ پڑے اور چھاؤنی کے پانچ ہزار سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی ماندہ فوج اپنی جان بچانے کے لیے کشتیوں پر سوار ہوگئی لیکن مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور بے شمار کشتیوں کو ڈبو دیا۔ اب محمود مندر میں داخل ہوا۔ اس کے بیٹے چند امراء اور سردار اس کے ہمراہ تھے۔ جیسے ہی وہ ایک عظیم الشان ایوان میں داخل ہوا تو اس نے اپنے سامنے پتھر کا ایک نو فٹ بلند بت دیکھا۔(۹) سلطان نے مجسمے کے قریب پہنچ کر اپنے گرز کی ایک ہی ضرب سے اس کا ناک اڑا دیا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ بت کے دو ٹکڑے غزنی روانہ کر دیے جائیں۔ ایک کو جامع مسجد کی دہلیز پر پھینک دیا جائے اور دوسرے کو اس کے محل کے صدر دروازے پر رکھ دیا جائے۔ اسی وقت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے لیے بھی دو اور ٹکڑے روانہ کیے گئے۔ برہمنوں نے سلطان کے سامنے پیش کش رکھی کہ اگر وہ بتوں کو چھوڑ دے تو وہ اسے بہت بڑی مقدار میں سونا دیں گے۔ حتیٰ کہ محمود کے درباریوں نے بھی اسے مشورہ

دیا کہ ایک بت کی تباہی سے بت پرستی ختم نہیں ہوسکتی۔ لیکن محمود نے یہ بات کہتے ہوئے اس خیال کی تضحیک اڑائی کہ اگر اس نے دولت کی خاطر اس بت کو چھوڑ دیا تو آنے والی نسلوں میں اس کا نام "بت فروش" کے طور پر لیا جائے گا جب کہ اس کا مقصد اس کے بجائے "بت شکن" کہلانا ہے۔ بت کو اسی وقت پاش پاش کر دیا گیا تو اس کے اندر سے اس دولت سے کہیں زیادہ مالیت کے ہیرے جواہرات برآمد ہوئے' جس کی پیشکش راہبوں نے کی تھی۔ سومنات میں مختصر قیام کے بعد سلطان کے کچھ میں گنداوا اور شاندار شہر انہلواڑہ کو فتح کیا اور اس ملک کے راجہ کو گجرات کی سلطنت عنایت کرنے کے بعد سندھ کے راستے غزنی کی طرف لوٹ گیا۔ سومنات کی مہم اور گجرات کے معرکہ میں اڑھائی سال صرف ہوئے۔

تیرہواں حملہ

ہندوستان کے لیے محمود کی آخری مہم کا آغاز ۱۰۲۷ء میں ہوا۔ یہ مہم دریائے سندھ کے کناروں پر آباد جاٹ قبائل کے خلاف تھی۔ انہوں نے گجرات سے واپسی پر مسلمانوں کی فوج سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ ان قبائل کو تسخیر کر لیا گیا۔ اس کے بعد ہندوستان پر بڑے پیمانے پر مزید کسی حملے کا ارادہ نہیں کیا گیا۔

محمود غزنوی کی وفات

تھوڑے عرصے بعد محمود پتھری کے باعث بری طرح بیمار ہوگیا اور ۲۹ اپریل ۱۰۳۰ء کو ۶۳ برس کی عمر میں اقتدار کے ۳۳ ویں سال میں انتقال کر گیا۔ اسے غزنی میں' مشعل کی روشنی میں اور لوگوں کے آنسوؤں کے دوران قصر فیروزی میں دفن کیا گیا۔ ذاتی طور پر وہ میانہ قد و قامت' خوب طاقتور اور متناسب الاعضاء اور اپنے ساتھیوں سے زیادہ سخت جان تھا کہ اس کی فوج میں صرف چند لوگ ہی اس کے گرز کو چلا سکتے یا اس کا نیزا پھینک سکتے تھے۔ اس کے چہرے پر چیچک کے گہرے نشانات تھے۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنے وزیر سے کہا کہ "میں نے اپنے آئینے پر ازسرنو ملمع چڑھوایا ہے اور اس میں دیکھا ہے کہ میرے چہرے میں متعدد ایسے نقائص ہیں جن کو میں نے با آسانی دوسروں کے چہروں پر نظرانداز کر دیا ہے۔ ایک بادشاہ کا چہرہ تمام ناظرین کی آنکھوں کو منور کر سکتا ہے' جب کہ میرا چہرہ بدقسمتی کی تصویر پیش کرتا ہے"۔ وزیر نے مشرقی چاپلوسی کے انداز میں جواب دیا: "دس ہزار میں کوئی ایک بھی نہیں جو آپ کا چہرہ دیکھتا ہے لیکن آپ کی

نیکیاں سب کے لیے یکساں طور پر ہیں"۔
محمود کی نجی زندگی کے بارے میں بہت کم پتہ چل سکا ہے۔ اس کی چہیتی بیوی کا نام حرم نور تھا' جسے بہت زیادہ حسین و جمیل ہونے کے باعث مہر شغل "خوبصورتیوں کا سورج" بھی کہا جاتا تھا۔ وہ محمود کے دیرینہ دشمن اور کاشغر کے ازبک بادشاہ ا۔لق کی نہایت حسین و جمیل بیٹی تھی۔ سلطان اپنے فرصت کے اوقات میں حرم نور کے علاوہ دیگر تفریحات سے بھی دل بہلا لیتا تھا اور اپنے کٹر مذہبی رجحانات کے باوجود بڑی آزادی سے انگور کی ممنوعہ شراب خوری میں بھی حصہ لیتا تھا۔ وہ علم و ادب کا مخلص دوست تھا۔ مشہور زمانہ ابوالفضل کے مطابق کوئی ایسا بادشاہ نہیں گزرا جس کے پاس اس کے دربار میں محمود کہ مقابلہ میں زیادہ علماء و فضلاء موجود ہوں۔ اتنی بہترین فوج کا انتظام ہو یا اس جیسی شان و شوکت ہو۔
اس کا انصاف بے لچک تھا اور استعارہ کے طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے دور میں بھیڑیا اور میمنا ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے تھے۔ اس نے اپنے انتقال کے دو روز پیشتر حکم دیا کہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کی شکل میں اس کی ساری دولت کو اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس نے اپنے ہاتھ کے کارناموں اور ان کے لیے کی گئی محنت کے ثمر کو دیکھا اور محسوس کیا کہ یہ سب روح کے لیے غیر حقیقی شے اور پریشانی کا باعث ہیں۔ اس نے ان خزانوں سے جدائی کے خیال سے آنسو بہانا شروع کر دیے۔ اس نے ان کی کسی حصے کو اپنے افسروں میں تقسیم کیے بغیر حکم دیا کہ اس خزانے کو جو تھوڑے عرصے بعد اس کے ہاتھوں سے جانے والا ہے' اسے واپس بڑے خزانے میں لے جایا جائے۔
اگلے روز اس نے اپنی فوج' ہاتھیوں' گھوڑوں' اونٹوں اور رتھوں کے معائنے کا حکم دیا اور ایک گشتی تخت پر ان کا معائنہ کیا۔ ایک لاکھ پیادہ' ۵۰۰۰۰ گھڑ سوار فوج اور ۱۳۰۰ ہاتھی معائنے کے لیے اس کے سامنے سے اس طرح گزرے کہ قریب الرگ سورما اپنے پلنگ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ جب اس نے سب پر نگاہ ڈال لی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور انتہائی رنج اور دکھ کے ساتھ اپنے محل کی طرف لوٹ گیا۔
محمود نے اپنی وفات کے وقت ایک ایسی سلطنت اپنے پیچھے چھوڑی جو کسی بھی زندہ بادشاہ کی حکومت سے بہت زیادہ بڑی تھی۔ اس کی سلطنت کشمیر سے اصفہان اور کیسپئن سے گنگا تک پھیلی ہوئی تھی۔ پورا عالم اسلام اسے اپنا سردار سمجھتا تھا۔ اس کا شمار ان عظیم ترین بادشاہوں میں ہوتا ہے' جنھوں نے ایشیاء کے ملک کے علاقوں پر حکمرانی کی ہے

اور دنیا کے فاتحین میں سے صرف چند ایسے ہوں گے جو شہرت کے لحاظ سے اس کے برابر ہوں۔

غزنی سے تین میل کے فاصلے پر شاید اب بھی وہ چھتری نظر آ جائے تو سلطان محمود غزنوی کی قبر پر سایہ فگن ہے۔ مشہور زمانہ صندل کی لکڑی کے دروازے جو یہ عظیم جنگجو سومنات سے غزنی لے گیا تھا' انہیں اس کے پیروکاروں نے اس کی قبر کو آراستہ کرنے کے لیے وہاں نصب کرا دیا۔ آج سے ۴۶ سال پیشتر ان دروازوں کو ایک ایسی قوم کی افواج واپس ہندوستان لے کر آئیں' جس کے نام سے مشرق میں اس وقت کوئی واقف نہیں تھا۔ جب ان دروازوں کو یہاں سے لے جایا گیا تھا' اور اب یہ لندن کے برطانوی عجائب گھر میں نادر اشیاء کے طور پر موجود ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کے علماء اور پرہیزگار لوگ سلطان محمود غزنوی کے مزار پر قرآن پاک پڑھتے ہیں۔

سلطان مسعود اول

سلطان محود غزنوی نے اپنے ترکہ میں دو بیٹے محمد اور مسعود چھوڑے۔ دونوں جڑواں بھائی تھے۔ موخر الذکر اپنے باپ کے انتقال کے وقت اصفہان میں تھا لیکن محمود کے سسر کازل ارسلان کے بیٹے امیر علی نے محمد کو غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔ تاہم محمد نے ابھی صرف پانچ ماہ حکومت کی تھی کہ اس کے بھائی مسعود نے اسے اندھا کر کے معزول کر دیا اور غزنی کا سلطان ہونے کا باضابطہ اعلان کر دیا۔

سلجوق تاتاریوں کو محکوم بنانے کے بعد مسعود نے ہندوستان کے معاملات کی طرف توجہ مبذول کی اور ۱۰۳۳ء میں اس نے کشمیر کے پہاڑوں میں سرسوتی کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ چھاؤنی نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا لیکن مسعود نے دیوار کے ساتھ سیڑھیاں لگانے کا حکم دیا اور ایک زبردست اور خونریز لڑائی کے بعد قلعہ پر فتح حاصل کر لی گئی۔ ماسوائے عورتوں اور بچوں کے پوری چھاؤنی کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر لے جایا گیا۔ سلجوقیوں کے ہاتھ اپنے جرنیلوں کی شکست کی خبر نے مسعود کو مغربی علاقوں میں امن و امان بحال کرنے کے لیے واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ۱۰۳۶ء میں دوبارہ ہندوستان کا رخ کیا اور سوالک کے قدیم دارالحکومت ہنسی کے قلعہ کو فتح کیا' جسے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ دہلی کے قریب سونی پت کی طرف بڑھا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ اس کا حاکم دیپال میری اپنے سبھی خزانوں کو چھوڑ کر جنگلوں کی طرف فرار ہوگیا۔ یہ خزانے فاتح کے ہاتھ لگے۔

لاہور واپس پہنچنے کے بعد سلطان نے اپنے بیٹے مودود کو شاہی نشانات اور خطاب سے نوازا اور اسے اس صوبے کی حکومت کا انتظام سونپ دیا۔ اس نے اس کے ہمراہ اپنے پسندیدہ مشیر اور وزیر خواجہ ایاز کو چھوڑا اور خود غزنی کی طرف لوٹ گیا۔ تاہم ۱۰۴۲ء میں سلجوق تاتاریوں کے زبردست دباؤ اور اپنے جرنیلوں کی غداری سے دلبرداشتہ ہو کر اس نے اپنی دولت کو غزنی کے قلعہ سے اکٹھا کیا اور اسے اونٹوں پر لاد کر اسی سال اس خیال سے لاہور کی طرف گامزن ہوا کہ باقی ماندہ زندگی ہندوستان میں گزار دے گا۔ لاہور پہنچنے پر اس نے اپنے بیٹے شہزادہ مودود کو گورنر بنا کر بلخ کے صوبے کی طرف روانہ کر دیا لیکن جہلم کے کناروں پر اس کی فوج اور غلاموں نے غداری کی اور اسے معزول کر کے اس کے نابینا بھائی محمد کو، جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا، تخت پر بٹھا دیا۔ مسعود کو سخت قید میں رکھا گیا لیکن جلد ہی اس کے چچا زاد بھائی سلیمان نے اسے قتل کرا دیا۔ مسعود نے ۹ سال تک حکومت کی۔ وہ جنگجو طبیعت کا شہزادہ تھا۔ وہ بہت زیادہ حوصلے کا حامل تھا لیکن بیک وقت حلیم الطبع اور فیاض بھی تھا۔ اپنے عظیم والد کی طرح وہ بھی علم و ادب کا سرپرست تھا۔ اس نے نہایت شاندار مساجد اور محلات(۱۰) تعمیر کرائے اور بہت سے مدرسے اور کلیات وقف کیے۔

سلطان مودود

مودود نے اپنے والد کے قتل کے بارے میں سنا تو وہ تیزی کے ساتھ غزنی کی طرف بڑھا، جہاں اس کے عوام کی تحسین و آفرین اور خوشیوں کے درمیان سلطان کے طور پر اس کی تاج پوشی کی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنے والد کی موت کا بدلہ لینے کے لیے فوری طور پر لاہور کی طرف پیش قدمی کی۔

محمد جو نابینا تھا، وہ اپنے کم سن بیٹے شہزادہ "نامی" کو پشاور اور ملتان کی حکومت پر تعینات کر کے مودود سے جنگ کرنے کے لیے بذات خود سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ دھنتور کے مقام پر چچا اور بھتیجے کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی جس میں بالاخر مودود کو فتح حاصل ہوئی۔ ماسوائے نابینا بادشاہ محمد کے بیٹے عبدالرحیم کے، محمد، اس کے بیٹوں اور متعدد افسروں کو، جنھوں نے مسعود کی معزولی میں حصہ لیا تھا، قیدی بنا لیا گیا اور بعد میں تہہ تیغ کر دیا گیا۔ مودود کو جس جگہ فتح حاصل ہوئی، وہاں اس نے ایک شہر کی بنیاد رکھی اور حاصل شدہ فتح کی مناسبت سے وہ اسے "فتح آباد" کہتا تھا۔ مسعود اور اس کے اہل خانہ کی

نعشیں خاندانی قبرستان میں دفن کرنے کے لیے غزنی بھیج دی گئیں۔ نابینا بادشاہ کے بیٹے شہزادہ "نامی" نے ملتان میں بغاوت کر دی تھی۔ چنانچہ اسے مطیع کرنے کے لیے وزیر احمد کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی گئی۔ لہٰذا شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا۔ مودود کا اپنے سگے بھائی مادود کے سوا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔ وہ اس وقت لاہور کا حاکم تھا اور وہ اس کی اطاعت کرنے پر رضامند نہیں تھا۔ چنانچہ مودود اسے مطیع کرنے کے لیے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ لاہور کی طرف روانہ ہوا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ لڑائی کے لیے کوئی فیصلہ کن قدم اٹھاتا کہ عید قربان کی صبح کو مادود اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ لہٰذا مخالفت بالکل ختم ہو گئی۔

۱۰۴۳ء میں شمالی ہندوستان کے ہندو راجاؤں نے مودود کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر' جو کہ سلجوقیوں کی تازہ شورش کو دبانے کے لیے غزنی گیا ہوا تھا' انہوں نے اتحاد قائم کرنے کے لیے سر اٹھایا اور ہنسی و تھانیسر کو دوبارہ محکوم بنانے کے بعد انہوں نے نگر کوٹ کے مندر کو از سر نو بڑی شان و شوکت سے آباد کر لیا۔ اس کامیابی نے پنجاب کے راجاؤں میں کچھ اس قدر جوش و جذبہ پیدا کیا کہ ان میں سے تین راجا' ۱۰۰۰۰ گھڑ سوار اور بے شمار پیدل فوج کے ہمراہ لاہور کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔

شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ لہٰذا شکستہ دیواریں جلد ہی ملبے کا ڈھیر بن گئیں لیکن قلعہ کے اندر اسلامی فوج نے گلی گلی شہر کا دفاع کیا اور اپنے مذہب' بچوں اور املاک کے دفاع کے لیے اتنی بے جگری سے لڑے کہ سات ماہ کے عرصہ تک شہر کو تسخیر کرنے کے لیے ہندوؤں کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ تاہم کسی قسم کی مدد نہ پہنچنے کے باعث چھاؤنی میں قحط پڑ گیا۔ بہادر محافظوں نے آخرکار یہ فیصلہ کر لیا کہ یا فتح حاصل کریں گے یا ایک شہید کی طرح لڑتے ہوئے مارے جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے محاصرے میں سے نکل کر ہندوؤں پر حملہ کر دیا اور اس بے جگری سے لڑے کہ ہندو بھاگ نکلے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور بہت بڑی تعداد میں قتل کیا گیا۔ اس فتح سے ہندوؤں کا الحاق ختم ہو گیا اور مودود کی باقی زندگی میں سلطنت غزنوی کے ان علاقوں میں بالکل امن رہا جو ہندوستان میں تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی مودود کو انتڑیوں کی سخت تکلیف شروع ہو گئی۔ لہٰذا وہ ۹ سال سے زائد عرصہ حکومت کرنے کے بعد ۲۴ دسمبر ۱۰۴۹ء کو غزنی میں انتقال کر گیا۔(۱۱)

سلطان ابوالحسین

مودود کے انتقال کے بعد علی بن روبیعہ کے دھڑے نے مودود کے چار سالہ بیٹے مسعود دوئم کو تخت پر بٹھا دیا لیکن موخر الذکر کی فوجوں کو اپتگین حاجب نے شکست دے دی۔ کیونکہ وہ بادشاہ مسعود اول کے بیٹے ابوالحسین کی حمایت میں تھا۔ لہٰذا شیر خوار بادشاہ کو محض چھ روز کی حکومت کے بعد معزول کرنے کے بعد ابوالحسین نے غزنی کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

باغی افسر علی بن روبیعہ نے غزنی میں شاہی خزانے کو لوٹنے اور مقامی فوجی دستوں کے ایک حصے کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد پشاور کا رخ کیا اور وہاں کے باشندوں کے ساتھ مل کر ایک بہت بڑی فوج تیار کی۔ اس کی مدد سے اس نے ملتان اور سندھ کو فتح کیا اور افغانوں کو مغلوب کیا جو اس ابتری اور انتشار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک میں پھیل گئے تھے اور انہوں نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ ابوالحسین' جو پنجاب میں امن و امان بحال کرنے میں ناکام رہا' تو دو سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک حکومت کرنے کے بعد سلطان محمود کے ایک بیٹے عبدالرشید نے ۱۰۵۱ء کے اختتام پر اسے شکست دے کر معزول کر دیا۔

سلطان عبدالرشید

نئے سلطان کا پہلا کام علی بن روبیعہ کو مغلوب کرنا تھا' جس نے شمال مغرب میں غزنوی سلطنت کے ہندوستانی علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے اطاعت پر مجبور کرنا بھی تھا۔ لہٰذا پنجاب کی سرحد پر امن و امان بحال کر دیا گیا۔ شتاجن حاجب کو امیر کا منصب عطا کیا گیا اور دریائے سندھ کے مشرقی صوبوں کا حاکم مقرر کیے جانے کے بعد ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ لاہور روانہ کیا گیا۔ نگرکوٹ پر ہندوؤں نے دوبارہ قبضہ کر لیا تھا لیکن اسلامی فوجوں نے اس کا محاصرہ کر لیا اور دیواروں پر سیڑھیوں کے ذریعے چڑھ گئے۔ چنانچہ محاصرے کے چھٹے روز شہر پر قبضہ کر لیا گیا۔ عبدالرشید نے ایک سال تک حکومت کی۔ اس کے اختتام پر ایک غاصب اور مودود کے ایک درباری امیر طغرل (جس نے مرحوم سلطان مسعود کی ایک بیٹی سے زبردستی شادی کر لی تھی) نے اسے قتل کر دیا۔ لہٰذا اپنی باری پر اس غاصب کو اپنی تخت نشینی کے چالیسویں روز شتاجن حاجب نے اس وقت قتل کر دیا جب وہ دربار عام منعقد کرنے کے لیے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔(۱۲)

سلطان فرخ زاد

تشاجن حاجب، جسے نئے بادشاہ کا وزیراعظم بنایا گیا تھا، اس نے سلطان مسعود اول کے بیٹے فرخ زاد کو غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس سلطان کے دور حکومت میں جو چھ سال تک رہا، غزنوی سلطنت کے ہندوستانی علاقوں میں امن و امان قائم رہا۔ اس کے اختتام پر اس کا انتقال ہوگیا اور اس کا بھائی ابراہیم اس کا جانشین مقرر ہوا۔

سلطان ابراہیم

سلطان ابراہیم نے سلجوقیوں کے معاملات کو نپٹانے کے بعد ملک کے ان علاقوں کو فتح کرنے کے لیے، جہاں اس سے پیشتر اسلامی فوجیں نہیں پہنچی تھیں، پنجاب کی طرف پیش قدمی کی۔ چنانچہ ۱۰۷۹ء میں اس نے اجودھن پر قبضہ کر لیا۔ ضلع منٹگمری میں جسے اب پاک پتن شریف کہا جاتا ہے، اس کے بعد اس نے ایک ڈھلوانی پہاڑی کی چوٹی پر واقع روپال(۱۳) کا محاصرہ کر لیا۔ قرب و جوار کے جنگلات کو صاف کرنا بہت مشکل اور دقت طلب کام تھا۔ لہٰذا اس کام پر ہزاروں سپاہیوں کو لگایا گیا۔ اس کے بعد سرنگ لگانے والے اپنی سرنگوں کو فصیل کے نیچے لے گئے جو وقت کے ساتھ گرتی چلی گئیں اور ہندو چھاؤنی پر قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد سلطان نے ڈیرہ کی طرف پیش قدمی کر دی۔ اس شہر میں دراصل ایسے لوگ آباد تھے، جن کا اصل وطن خراسان تھا اور بادشاہ افراسیاب نے بغاوت کی وجہ سے جلا وطن کر دیا تھا۔ سلطان نے جب دیکھا کہ ڈیرا کو مضبوط فصیل کے ذریعے قلعہ بند کیا گیا ہے تو اس نے اس جگہ کا محاصرہ کرنے کے لیے مسلسل محنت سے راستے کو صاف کرا دیا لیکن موسم برسات نے اسے اپنے جنگی منصوبوں پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا۔ لہٰذا وہ تین ماہ تک کوئی کاروائی نہ کر سکا۔ تاہم جیسے ہی بارشوں میں کمی واقع ہوئی تو اس نے شہریوں سے کہا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور دین اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس کی تجویز کو رد کر دیا گیا۔ چنانچہ شہر کا ازسرنو محاصرہ کیا گیا جو چند ہفتوں تک قائم رہا۔ دونوں جانب سے زبردست نقصان ہوا۔

آخرکار ایک زبردست حملے کے بعد شہر فتح ہوگیا اور فاتحین کے ہاتھ بہت زیادہ مال غنیمت آیا۔ وہ ایک لاکھ افراد کو غلام بنا کر اپنے ساتھ غزنی لے گئے۔

سلطان ابراہیم ۴۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۰۹۸ء میں انتقال کر گیا۔ اس کی بے شمار بیویوں سے اس کے ۳۲ بیٹے اور ۴۰ بیٹیاں تھیں۔ اس نے اپنی بیٹیوں کی شادی انتہائی

عالم فاضل اور مذہبی افراد سے کی۔ اس نے اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کر رکھا تھا لیکن اس چیز نے اسے سلطنت کے امور کی طرف توجہ دینے سے نہیں روکا۔ وہ رمضان المبارک کے علاوہ رجب اور شعبان کے روزے بھی رکھتا اور ان تینوں مہینوں کو بہت زیادہ مقدس سمجھتا تھا۔

اس نے ایک خوش نما خط تحریر کیا اور اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ قرآن پاک کی دو نقول تحفہ کے طور پر بغداد کے خلیفہ کو بھجوائیں' جس نے اس قیمتی تحفہ کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے کتب خانوں میں بھجوا دیا۔ وہ مذہب کے بارے میں امام یوسف شجامندی کی تقاریر میں باقاعدگی سے شریک ہوتا تھا اور اس قدر فرمانبردار تھا کہ امام بغیر کسی روک ٹوک کے اس کی حکومت پر سرزنش کر سکتے تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مسعود سوئم(۱۴) اس کا جانشین بنا۔

سلطان مسعود سوئم

سلطان ابراہیم کے بعد اس کا بیٹا مسعود سوئم غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ وہ عسکری جذبے کا حامل تھا اور عدل و انصاف اور خیر خواہی سے لگاؤ کی وجہ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ اس نے سلطنت کے تمام موجودہ قوانین پر نظرثانی کی اور گزشتہ قوانین کے مقابلے میں بہتر اصولوں پر مبنی ایک نیا مجموعہ قوانین مرتب کرایا۔ اس نے حاجب تو غتاجین' اپنی فوج کے سپہ سالار کو حاکم لاہور مقرر کرنے کے بعد ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ لاہور کی طرف روانہ کیا۔ اس جرنیل نے گنگا کو پار کیا اور وہ اسلامی فوجوں کو وہاں تک لے گیا' جہاں ماسوائے محمود غزنوی کے ماضی میں کوئی نہ لے کر گیا تھا۔ اس نے بہت سے متمول شہروں اور مندروں کو لوٹا اور بے شمار ساز و سامان سے لدا پھندا لاہور کی طرف واپس آگیا۔

اس شہنشاہ کے دور حکومت میں لاہور غزنوی خاندان کا اصل دارالخلافہ بن گیا۔ کیونکہ ایران اور توران میں اپنے بیشتر علاقہ سے محروم ہونے کے بعد شاہی خاندان' ہندوستان میں رہائش پذیر ہونے پر مجبور ہوگیا تھا۔ وہاں اب ان کے مفتوح علاقوں کو مربوط کر دیا گیا تھا۔ غیر ملکی جنگوں اور مقامی خلفشاروں کے بغیر سولہ سال حکومت کرنے کے بعد مسعود ۱۱۱۸ء میں انتقال کر گیا۔

سلطان ارسلان

مرحوم بادشاہ کے ایک صاحبزادے ارسلان نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے بھائیوں کو قید میں ڈال دیا لیکن سلجوقیوں کے سلطان سنجر نے ان شہزادوں کی حمایت کی' جنہیں ایک طرف کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا اس نے ارسلان پر جنگ مسلط کر دی اور اسے شکست کے بعد فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ ارسلان پنجاب کی طرف آگیا اور اپنی اسلامی فوجوں کو جمع کرنے کے بعد اپنے دارالخلافہ کو بازیاب کرانے کے لیے واپس ہوا لیکن سلطان سنجر نے دوبارہ بذات خود جنگ کی قیادت سنبھالی اور دوسری مرتبہ اسے غزنی سے نکال دیا۔ شکست خوردہ بادشاہ نے افغانوں کے ساتھ پناہ حاصل کر لی لیکن اس کا بری طرح تعاقب کیا گیا اور قیدی بنا لیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی ستائیس برس کی عمر میں اور حکومت کے تیسرے سال اسے اپنے بھائی بہرام کے ہاتھوں پر تشدد موت سے ہمکنار ہونا پڑا۔

سلطان بہرام

سلجوقیوں کے سلطان سنجر نے ارسلان کے بھائی بہرام کو غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔ حاکم لاہور محمد بہیلم نے اس کے بھائی ارسلان کی طرف داری کرتے ہوئے نئے بادشاہ کو اپنی اطاعت پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ بہرام اسے مطیع کرنے کے لیے غزنی سے روانہ ہوا۔ لہٰذا شاہی فوج اور حاکم لاہور بہیلم کے درمیان جنگ شروع ہوگئی جس میں موخر الذکر کو شکست ہوئی اور ۵ دسمبر ۱۱۱۸ء کو اسے قید کر لیا گیا۔ تاہم بہیلم نے اطاعت کر لی اور سلطان اسے دوبارہ حکومت پر بحال کرنے کے بعد واپس غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

بعد ازیں بہرام کی روانگی کے بعد بہیلم نے پنجاب میں اپنی حالت کو مستحکم کیا اور سوالک کے مقام پر ایک نیا قلعہ تعمیر کرنے کے بعد اپنی تمام دولت' اہل خانہ اور عزیز و اقارب کو وہاں منتقل کر دیا اور اپنی فوج میں بے شمار عربوں' ایرانیوں' افغانوں اور خلجیوں کو بھرتی کرنے کے بعد اس نے خود مختار سرداروں کے علاقوں میں بہت زیادہ غارت گری و لوٹ مار شروع کر دی اور آخرکار خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ چیز بہرام کو دوبارہ پنجاب کی سرزمین پر لے آئی۔ محمد بہیلم کے دس بیٹے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو اس نے ایک صوبے کی کمان سونپ رکھی تھی۔ ان سب نے اپنے تمام ذرائع کے سمیت اپنے والد سے شمولیت اختیار کر لی' لہٰذا یہ متحدہ فوج ملتان میں حملہ آور فوج کے سامنے آئی۔

ایک زبردست جنگ شروع ہوگئی جس میں بہیلم اور اس کے بیٹوں کو شکست فاش

ہوئی اور بھاگتے ہوئے وہ ایک گہری دلدل میں دھنس گئے اور اس میں غرق ہوگئے۔ اس فتح کے بعد سلطان نے ابراہیم علوی کے بیٹے سالار حسن کو لاہور کی حکومت پر متمکن کیا اور خود واپس غزنی کی طرف روانہ ہوگیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد بہرام نے اپنے برادر نسبتی اور غور کے افغان محمد قطب الدین کو غور کے شہزادے اور متوفی کے بھائی سیف الدین سوری کے ساتھ ایک سازش میں ملوث ہونے کے باعث سرعام پھانسی دے دی۔ سیف الدین' دغاباز غزنوی دوستوں سے گھرا ہوا تھا۔ انہوں نے صریحاً اسے گھیر لیا اور قیدی بنا کر بہرام کے پاس لے گئے۔ اس نے نہایت بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے پھانسی دے دی۔ سیف الدین کا بھائی علاء الدین جو اب غور کا سلطان تھا' اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لینے کے لیے روانہ ہوا اور ایک خون ریز جنگ کے بعد اس نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور اس میں قتل و غارت گری کا زبردست بازار گرم کر دیا۔ اس کی زیادہ تر عالیشان عمارات کو زمین بوس کر دیا گیا اور سات روز تک شہر میں آتش زنی اور تلوار زنی ہوتی رہی۔ علاء الدین جسے "جہاں سوز" کا خطاب دیا گیا ہے' اس کے انتقام کی آگ ابھی سرد نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنی فتح کا جشن منانے کے لیے متعدد علماء اور صاحب علم حضرات کو پابہ زنجیر کر کے کوہ فیروز لے گیا اور وہاں اس نے حکم دیا کہ ان کے گلے کاٹ دیے جائیں۔ بہرام اس شکست کے بعد ہندوستان کی طرف روانہ ہوگیا اور شکستہ دل کے ساتھ ۱۱۵۲ء میں ۳۵ برس کی حکومت کے بعد انتقال کر گیا۔

سلطان خسرو

بہرام کا بیٹا خسرو غزنی سے روانہ ہونے کے بعد حفاظت سے لاہور پہنچ گیا جہاں اسے بطور بادشاہ کے سلامی دی گئی۔ جب علاء الدین غور کی طرف لوٹ گیا تو خسرو اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو بازیاب کرانے کے خیال سے لاہور سے روانہ ہوا لیکن سلطان سنجر' جس سے اسے مدد کی توقع تھی' اس کے انتقال کے بارے میں اور غزنی پر غیرا کے ترکمانوں کے حملے کے بارے میں سننے کے بعد اسے مجبوراً واپس لاہور کی طرف آنا پڑا' جہاں اس نے سات سال تک پرسکون حکومت کی۔ وہ ۱۱۶۰ء میں لاہور میں انتقال کر گیا اور اس کا وارث اور جانشین اس کے بیٹے خسرو ملک کو بنایا گیا۔

سلطان خسرو ملک

مرحوم سلطان کا بیٹا خسرو ملک تخت نشین ہوا اور اس نے بڑے انصاف اور فیاضی سے حکومت کی۔ وہ ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے خاندان غزنویہ کا آخری بادشاہ تھا۔ اس کے دور حکومت میں غزنی کی سلطنت پر غور کے سلطان غیاث الدین کے بھائی سلطان شہاب الدین محمد غوری نے حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ وہ علاء الدین کے بیٹے اور اپنے چچا زاد بھائی سیف الدین کا جانشین بنا۔ اس فتح سے پوری طرح مطمئن نہ ہونے کے باعث اس نے پنجاب کی طرف ایک بہت بڑی فوج روانہ کی اور پشاور' افغانستان' ملتان اور سندھ کے صوبوں کو تخت و تاراج کر ڈالا۔ ۱۱۸۰ء میں اس نے لاہور کا محاصرہ کر لیا لیکن خسرو ملک نے اس کو کچھ اس قدر مضبوطی سے قلعہ بند کیا ہوا تھا کہ اسے فتح کرنے کے لیے حملہ آور کی تمام تدابیر ناکام ہو گئیں۔ آخر کار دونوں دھڑوں میں امن پر صلح ہو گئی۔ محمد غوری' بادشاہ کے چار سالہ بیٹے ملک شاہ کو یرغمال کے طور پر اپنے ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

چار سال بعد محمد غوری نے دوبارہ پنجاب پر حملہ کیا اور لاہور کا محاصرہ کر لیا لیکن شہر پر قبضہ کرنے میں ناکام ہونے کے بعد اس نے کھلے علاقے میں قتل و غارت اور لوٹ مار شروع کر دی اور متعدد شہریوں کو قتل کر دیا۔ چنانچہ راوی اور چناب کے درمیانی علاقے کا انتظام کرنے کے لیے سیالکوٹ میں ایک مستحکم چھاؤنی قائم کرنے کے بعد وہ غزنی کی طرف پلٹ گیا۔ محمد غوری کی روانگی کے بعد خسرو ملک نے **ککھڑوں** کے ساتھ مل کر سیالکوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا لیکن وہاں کے گورنر حسین فرمالی نے زبردست مزاحمت کی اور محاصرین کی طرف سے حملہ کے ذریعے قلعہ پر قبضہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ لہٰذا محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد یا ۱۱۸۶ء میں محمد غوری نے تیسری مرتبہ لاہور کی طرف پیش قدمی کی۔ تاہم اس نے تمام شکوک و شبہات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس بات کو باور کرایا کہ اس مہم کا مقصد سلجوقیوں کو مغلوب کرنا ہے اور اپنے اس مقصد کو ثابت کرنے کے لیے اس نے سلطان کے بیٹے ملک شاہ کو بھی ایک نہایت عالیشان حفاظتی دستے کے ہمراہ لاہور روانہ کر دیا۔ خسرو ملک' جو اپنے کافی عرصہ سے بچھڑے ہوئے بیٹے سے ملنے کو بے چین تھا' اس نے کسی قسم کی دغابازی اور فریب کا خیال نہ کیا اور اسے ملنے کے لیے ایک

مختصر سی خادموں کی جماعت کے ہمراہ لاہور سے روانہ ہوا لیکن محمد غوری خسرو کی مختصر سی فوج کو پیچھے چھوڑتا ہوا ۲۰ ہزار گھڑسواروں کی فوج کے ہمراہ نہایت تیزی سے پہاڑوں کی طرف پلٹا۔ اس نے خسرو کے لیے لاہور واپس جانے کا راستہ مسدود کر دیا اور رات کو اس کے پڑاؤ کا گھیراؤ کر لیا۔ خسرو جب صبح کے وقت بیدار ہوا تو اس نے اپنے آپ کو دشمنوں کا قیدی پایا۔ چنانچہ محمد غوری نے بادشاہ کو اپنی حفاظت میں لے کر لاہور کے فوری قبضہ کا مطالبہ کیا۔ شہر کے دروازے کھول دیے گئے اور محمد غوری نے اپنے بھائی سلطان غور کے نام پر بلا مزاحمت پنجاب کے دارالخلافہ کا قبضہ حاصل کر لیا۔ لہذا خاندان غزنوی کی حکومت جو ۹۶۲ء سے ۱۱۸۶ء یا ۲۲۴ سال تک قائم رہی' اس کا خاتمہ ہوگیا اور سلطنت غزنی سے غور منتقل ہوگئی۔ خسرو ملک کو بمع اہل خانہ غور روانہ کر دیا گیا اور وہاں اسے قید میں ڈال دیا گیا۔ اس نے ۲۸ سال حکومت کی۔

حوالہ جات

(۱) بھاٹیہ کی نشاندہی' موجودہ بھیرہ سے کی گئی ہے۔ ہندو دور میں یہ ریاست' لاہور کے راجہ کی باج گزار تھی۔

(۲) سبکتگین حالانکہ ایک ترک غلام تھا۔ لیکن وہ اپنا نسب ایرانی بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ' یزدجرد کے شاہی خاندان سے ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ جسے' خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ کے دور حکومت میں' اس کی فوج کی شکست کے بعد' مرو کے قصبہ کے نزدیک ایک پن چکی پر قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کا خاندان جو ترکستان میں آباد ہوگیا تھا' اس نے لوگوں سے تعلقات استوار کر لیے اور ترک بن گئے۔ فرشتہ۔

(۳) اس کا لقب' بت شکن تھا۔ اس کے خطابات' امین الملت اور یمین الدولت تھے۔

(۴) فرشتہ اسے آنند پال کہتا ہے' لیکن راجپوتانہ کی تاریخوں اور پراناؤں میں اسے انگ پال کہا گیا ہے۔ شاستری میں انگ کا مطلب' غیر مادی اور خیالی ہے۔

(۵) دریائے چناب کے بائیں کنارے پر موجودہ وزیر آباد۔

(۶) یہاں پر ہر جمعہ کو ایک میلہ منعقد ہوتا ہے۔ ٹیکسالی دروازہ یا پرانی ٹیکسال کے ساتھ موجود ملک ایاز کے مزار کی لوگ، لاہور کے بانی کی جائے مدفون ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں۔

(۷) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد کے خلیفہ کے نام اور لقب کو پورے عالم اسلام میں تعظیم و تکریم کے باعث سلطان کے نام میں بھی مقدم رکھا جاتا تھا۔

(۸) تھامس کی "دہلی کے پٹھان بادشاہ" صفحہ ۴۸۔

(۹) سومنات کا مندر، سنگ خارا سے تعمیر کردہ ایک عالیشان عمارت تھی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے راجاؤں نے اس مندر کے عملہ کی دیکھ بھال کے لیے جو زیادہ تر برہمن راہبوں پر مشتمل تھا، ۲ ہزار دیہاتوں کے مالیہ کو وقف کر دیا تھا۔ خاص تہواروں پر ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آنے والے زائرین اس مندر پر بے شمار نذرانے پیش کرتے تھے۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقعوں پر ۲ لاکھ سے ۳ لاکھ تک پجاری اس مندر میں حاضر ہوتے تھے۔ بت کو گنگا کے پانی سے دن میں دو مرتبہ دھویا جاتا تھا، اس مقصد کے لیے اس پانی کو ۱۲۰۰ میل کے فاصلے سے لایا جاتا تھا اور صرف اسی پانی کو غسل کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ پجاریوں کو عبادت کے لیے بلانے کے لیے سونے کی زنجیر سے لٹکی ہوئی ۲۰۰ من وزنی ایک عظیم الشان گھنٹی لگائی گئی تھی۔ اس کا عملہ ۲ ہزار برہمنوں، ۵۰۰ رقاص دوشیزاؤں، ۳۰۰ موسیقاروں اور ۳۰۰ حجاموں پر مشتمل تھا، جو مندر میں داخل ہونے سے پیشتر پجاریوں کے سر مونڈتے تھے۔ سر منڈھے راہب عظیم بت کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے اور جواہرات سے آراستہ رقاص لڑکیاں اس کے سامنے رقص کرتی تھیں۔ ایک زمانے میں راجاؤں میں یہ رسم موجود تھی کہ وہ دیوتاؤں کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اپنی بیٹیوں کو اس عظیم مذہبی ادارے کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ اس مندر میں سومنات کے بڑے بت کے علاوہ سونے اور چاندی میں ڈھالے ہوئے سینکڑوں بت تھے، ان سب کو محمود نے پگھلوا دیا اور سونے و چاندی کو غزنی اپنے ساتھ لے گیا۔

(۱۰) ان میں سے ایک محل کو ۱۰۳۶ء میں غزنی میں تعمیر کیا گیا۔ یہ ایک نہایت عالیشان ایوان پر مشتمل تھا اس کے درمیان میں سونے کا ایک تخت رکھا گیا تھا جو نہایت قیمتی اور بیش بہا جواہرات سے مرصع تھا۔ اس کے اوپر سونے کی زنجیر سے منسلک ایک تاج تھا، جو نہایت قیمتی اور بے شمار جواہرات کی وجہ سے جگمگ جگمگ کرتا تھا اور جب بادشاہ

دربار عام منعقد کرنے کے لیے اس پر رونق افروز ہوتا تو وہ اس کے لیے ایک چھتری کی شکل میں اس کے اوپر سایہ فگن ہوتا تھا۔ فرشتہ۔

مسٹر راجرز نے مسعود اول کے سکوں کو امرتسر شہر میں دریافت کیا۔ وہ گھوڑے اور بیل کی شبیہوں والے تھے اور گھوڑے پر مسعود کا نام درج تھا۔ چند سکوں کے اوپر مسعود محمد اور مسعود محمود بھی درج تھا۔

مسٹر راجرز کا خیال ہے کہ مسعود نے ان سکوں کو لاہور میں مضروب کرایا تھا۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نمبر ا' جنوری ۱۸۸۱ء۔

مسٹر تھامس' دہلی کے پٹھان بادشاہوں کے اوپر تحریر کردہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۸' میں مسعود کے ایک سکے پر خط کوفی کی چوبی تحریر کے بارے میں بتاتے ہیں جو گھوڑے کے سر پر باسانی پڑھی جاتی ہے۔

(۱۱) مودود نے لاہور میں مندرجہ ذیل عبارت کے حامل سکے مضروب کرائے:

عدل

شہاب الدولتہ

و قطب الملتہ

ابوالفتح مودود

مسٹر روجرز کے مطابق' جو پنجاب کے سکوں کے بارے میں سب سے اہم سند کی حیثیت رکھتے ہیں' یہ سکے چار مختلف شکلوں کے تھے' ان سب کے ایک طرف بیل کی تصویر تھی اور اس پر ہندی کی عبارت' "سری سمتا دیوا" درج تھی۔ ان سکوں میں لاہور کا تلفظ لوھور تھا۔ البیرونی لاہور کو لوھاور کہتا ہے۔ مسٹر' ایم۔ ایل' ڈیمز' سی۔ ایس نے مودود کا ایک طلائی سکہ' ڈیرہ اسماعیل خاں کے ایک بینکار سے حاصل کیا تھا' جس نے اسے پوندا کے ایک بیوپاری سے خریدا تھا۔ اس کے اوپر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

(پیشانی)

لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ وحدہ لا شریک لہ

(پشت)

القائم بامراللہ شہاب الدولہ مودود سنہ

ترجمہ: "شہاب الدولہ مودود' اللہ کے حکم سے حکومت کرتا ہے' سال....."

(۱۲) اس کے سکے پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

عدل عز الدولتہ امین الملتہ

ابو المنصور عبدالرشید

ترجمہ: "عادل' خوشحال اور ملت کا محافظ اور فتح مند عبدالرشید"۔

جنرل' پی۔ اے۔ ایس۔

(۱۳) فرشتہ' بیان کرتا ہے کہ یہ جگہ ایک قلعہ تھی جو تین اطراف سے ایک دریا میں گھرنے کے باعث' جزیرہ نما کی شکل اختیار کئے ہوئے تھا اور دیگر پہاڑوں سے منسلک تھا۔ اس کو ایک ناقابل عبور جنگل نے گھیرا ہوا تھا اور اس میں انتہائی زہریلے سانپ بکثرت تھے۔ ابھی تک اس جگہ کی شناخت نہیں ہو سکی۔

(۱۴) سلطان ابراہیم نے پنجاب میں مندرجہ ذیل عبارت کے حامل سکے مضروب کرائے:

عدل السلطان المعظم ابوالمظفر ابراہیم لوہور۔

ترجمہ: "عظیم اور عادل سلطان' فتح مند ابراہیم' لوہور"۔

جرنل آف' پی۔ اے۔ ایس۔

باب ۳

غوری خاندان

محمد غوری

غیاث الدین نے اپنے چچا زاد بھائی سیف الدین کے انتقال کے بعد غزنی کے تخت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے بھائی شہاب الدین کو جو عموماً محمد غوری کے نام سے مشہور تھا' اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ سال ۱۱۷۶ء میں اس آخری مشہور زمانہ رہنما نے ملتان کے خلاف لشکر کشی کی اور اسے مکمل طور پر زیر نگیں کر لیا۔ اس کے بعد وہ سکندر کے یادگار میدان جنگ اوچ کی طرف روانہ ہوا' جہاں سکندر فصیل پر سیڑھیاں لگانے کے بعد بری طرح زخمی ہوگیا۔ اوچ کے راجہ نے اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا۔ لہٰذا اس کا مکمل محاصرہ کر لیا گیا۔ محمد غوری نے جب قلعے کو ناقابل تسخیر پایا تو اس نے راجہ کی بیوی سے نجی طور پر گفت و شنید شروع کر دی۔ اس نے رانی سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنے خاوند کو قتل کر دے تو وہ اس سے شادی کر لے گا۔ اس بدذات عورت نے جواب بھجوایا کہ اس کے اپنے دن تو گزر چکے ہیں مگر اس کی ایک نوجوان اور خوبصورت بیٹی ہے اور اگر امن و امان خراب کیے بغیر قبضہ اسے دے دیا جائے اور دولت کو نہ چھیڑا جائے تو وہ بڑی خوشی سے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دے گی اور اگر مسلمان جرنیل کو یہ شرائط منظور ہیں تو وہ راجہ کو فوری طور پر قتل کر دے گی۔ محمد غوری اس تجویز پر رضامند ہوگیا اور اس مکار عورت نے اپنے خاوند کی موت کے ذرائع تلاش کر لیے۔ رانی نے قلعے کے دروازے کھلوا دیے اور محمد غوری نے بغیر کسی دشواری کے اس پر قبضہ حاصل کر لیا۔ محمد غوری نے اپنے وعدے کی پاس داری کرتے ہوئے قبول اسلام کے بعد راجہ کی بیٹی سے شادی کر لی لیکن اس کی ماں سے

کیے گئے وعدے کو توڑتے ہوئے اسے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی کیونکہ بجائے اس کے کہ وہ اس ملک کی حکومت اس کے حوالے کرتا' اس نے اسے غزنی روانہ کر دیا جہاں وہ جلد ہی آزردگی اور افسوس کی حالت میں فوت ہوگئی۔ اس کی بیٹی بھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکی اور تین سال کے مختصر عرصہ میں دل شکستگی کا شکار ہوگئی۔ ملتان اور اوچ کی حکومت علی کرمانی کے سپرد کرنے کے بعد محمد غوری واپس غزنی روانہ ہوگیا۔

گزشتہ باب میں محمد غوری کے لاہور کے لیے ۱۱۸۰ء' ۱۱۸۴ء اور ۱۱۸۶ء کی مہمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ صوبہ لاہور کے معاملات درست کرنے کے بعد اس نے اس کی حکومت علی کرمانی کے سپرد کی اور خود غزنی رواجہ ہوگیا۔ ہندوستان کے صوبوں میں اس کی مہمات ہندوستان کی تاریخ کے ابواب ہیں۔ ۱۱۹۳ء میں دریائے سرسوتی کے کناروں پر نارائن کی عظیم جنگ لڑی گئی۔ اس لڑائی میں اس سرزمین کے منتخب سورما اور آریائی بہادری کے بہترین نمائندے ہندوؤں کی جانب صف آراء تھے۔ اس نے حقیقتاً ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ چوہان راجپوتوں کے سردار "کوہ ابو" کے راجاؤں کی اولاد اور اجمیر کے راجہ پرتھوی راج کو قیدی بنا لیا گیا اور بعد میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جب کہ تومارا راجاؤں کی اولاد اور دہلی کے بادشاہ چاند رائے اور دیگر شہزادوں کو میدان جنگ میں قتل کر دیا گیا۔ ہزاروں شہریوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا اور فاتحین کے ہاتھ بے شمار دولت آئی۔ اسی سال محمد غوری کے جرنیل قطب الدین ایبک نے میرٹھ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور چاند رائے کے خاندان سے دہلی شہر بھی چھین لیا۔ اسی وقت سے دہلی ہندوستان میں اسلامی حکومت کا پایہ تخت بن گیا اور تمام مضافاتی اضلاع کے باشندوں کو دین اسلام اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔

دریں اثناء پنجاب کے پہاڑی علاقے کے ایک قبیلے **ککھڑ**(۱) نے بغاوت کا علم بلند کرنے کے بعد جہلم اور چناب کے درمیانی علاقے میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ ان جنگلی لوگوں نے پورے پنجاب کو تہس نہس کر دیا اور حتیٰ کہ لاہور پر قبضہ کر لیا۔ محمد غوری جو اس وقت غزنی میں تھا' یہ سن کر پنجاب کی طرف روانہ ہوگیا۔ محمد غوری نے سب سے پہلے ملتان پر حملہ کیا کیونکہ اس میں بھی بغاوت ہوگئی تھی۔ اس نے متعدد حلیفوں سے مل کر غدار "زرک" کو شکست دے دی' جس نے ملتان میں بادشاہ کے نامزد کردہ حاکم امیر داؤد حسن کو قتل کر کے کچھ عرصہ پہلے صوبہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ تب اس نے اپنے جرنیل قطب الدین ایبک کو حکم دیا کہ وہ مشرقی جانب سے **ککھڑوں** پر حملہ کر دے جب کہ بادشاہ نے ذاتی طور پر انہیں مغرب کی طرف مصروف رکھا۔ اب

ککھڑوں نے اپنے آپ کو دو فوجوں کے درمیان پایا۔ بہت زیادہ قتل و غارت کے بعد انہیں شکست فاش دی گئی اور متعدد کو مسلمان کیا گیا۔ قطب الدین ایبک لاہور کو بازیاب کرانے کے بعد واپس اپنی حکومت دہلی کی جانب لوٹ گیا۔

ہندوستان کے معاملات کو درست کرنے کے بعد سلطان نے غزنی کی طرف جاتے ہوئے دریائے سندھ کے کنارے پر روہتک گاؤں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں پر ککھڑوں کی ایک جماعت (جن کے چند عزیز و اقارب گزشتہ جنگ میں مارے گئے تھے) نے اس کی جان لینے کے لیے سازش تیار کر لی۔ بادشاہ جن خیموں میں سویا ہوا تھا' انہیں دریا کی جانب سے آنے والی تازہ ہوا کے لیے کھلا چھوڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے باعث حملہ آور خواب گاہوں میں دیکھنے کے قابل ہوگئے اور دروازے پر تعینات محافظوں کو جل دے کر وہ خیمے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ دو غلام جو بادشاہ کو پنکھا جھل رہے تھے' حملہ آوروں کو دیکھ کر خوف سے کانپنے لگے۔ لہٰذا حملہ آوروں نے فوراً اپنے خنجر سلطان کے جسم میں اتار دیے اور اسے ہلاک کر دیا اور اسے کسی طرح بھی ۲۲ سے کم زخم نہیں لگائے۔ یہ واقعہ ۱۴ مارچ ۱۲۰۵ء میں رونما ہوا۔

اس نے ہندوستان میں عظیم اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی

چنانچہ سلطان شہاب الدین المعروف محمد غوری جس کا شمار ان عظیم ترین مسلمان بادشاہوں میں ہوتا ہے' جنہوں نے ایشیائی سلطنت پر حکمرانی کی' ہلاک ہوگیا۔ اس کی نعش کو ایک جنازہ گاڑی میں بڑے ماتمی تزک و احتشام کے ساتھ غزنی بھیجا گیا اور وہاں اسے نئے قبرستان میں دفن کر دیا گیا جو اس کی بیٹی نے تعمیر کرایا تھا۔ اس نے غزنی پر حکومت کے آغاز سے اور تخت نشینی کے تین سال بعد تک ۳۲ سال حکومت کی۔ اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اپنے عظیم جد امجد محمود کی طرح اسے بھی ہندوؤں کے اتحاد کا سامنا کرنا پڑا لیکن محمود فتح کرنے' لوٹ مار کرنے اور لوٹ کے سامان سے لد کر جانے کے لیے آیا تھا جب کہ محمد غوری فتح کرنے اور مفتوح ملک کو حاصل کرنے کے لیے آیا اور اسی میں فوت ہوگیا۔ پس اس نے بعد ازیں ایک عظیم اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھ دی۔

حوالہ جات

(ا) فرشتہ کے مطابق 'ککھڑ' وحشی لوگوں کی نسل سے تھے اور نیلاب کے کناروں پر آباد علاقے سے سوالک پہاڑوں کی وادی تک کے علاقے میں آباد تھے۔ ان کا کوئی مذہب یا اخلاق نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں سے بہت زیادہ ظلم و ستم روا رکھتے تھے۔ شیرخوار بچوں کو قتل کرنے کی قبیح رسم کی ابتداء اس قبیلے سے ہوئی۔ جیسے ہی کسی بچی کی پیدائش ہوتی تو اس کا باپ اسے گھر کے دروازے پر لے جاتا اور ایک ہاتھ میں بچی کو اور دوسرے ہاتھ میں چاقو تھام کر اعلان کرتا کہ اگر کوئی اسے بیوی بنانا چاہتا ہے تو بڑی آزادی سے اسے لے جا سکتا ہے، لیکن اگر کوئی بھی آگے نہ آتا تو بیچاری بچی کو فوری طور پر ہلاک کر دیا جاتا۔ لہٰذا ککھڑوں میں مردوں کو عورتوں پر اس قدر غلبہ حاصل تھا کہ تعدد ازدواج کی رسم موجود تھی۔ محمد غوری نے اس قبیلے کے سردار کو مسلمان کیا، اسے آزاد کر دیا، اسے خلعت عطا کی اور سرداری پر بحال کر دیا۔ اس کے پیروکار بھی بہ آسانی مسلمان ہوگئے اور غزنی و سندھ کے درمیانی پہاڑوں کے زیادہ تر باشندے مسلمان ہوگئے۔ کچھ زبردستی اور کچھ اپنی مرضی سے۔

❂

باب ۴

تاتار یا خاندان غلاماں

قطب الدین ایبک

محمد غوری کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا غور میں تخت نشین ہوگیا۔ وہ قطب الدین ایبک کی دوستی کا خواہش مند تھا اور وہ اس کی مخالفت کرنے کی حالت میں بھی نہیں تھا۔ اور کوئی ایسی وجہ نہیں تھی کہ وہ اس کی بادشاہت کو تسلیم نہ کرتا۔ چنانچہ نئے بادشاہ نے تخت نشینی کے فوراً بعد شمالی ہندوستان کے حاکم اپنے چچا قطب الدین ایبک کو بطور بادشاہ تمام شاہی اعزازات، ایک چھترکھٹ، علم اور نقارے، ایک تخت اور فرمان روانہ کیا۔ قطب الدین ایبک، جس نے ان شاہی نشانات کو بڑے احترام اور تکریم سے وصول کیا، اس کی ۲۴ جولائی ۱۲۰۵ کو لاہور میں مسلمان بادشاہ کے طور پر تاج پوشی کی گئی۔

بچپن میں قطب الدین ایبک کو ایک تاجر ترکستان سے نیشاپور لایا اور اسے عبدالعزیز کوفی کے بیٹے قاضی فخرالدین کے پاس فروخت کر دیا۔ قاضی نے جب یہ دیکھا کہ یہ بچہ بہت ذہین اور سمجھدار ہے تو اسے مدرسے میں بھیج دیا۔ وہاں اس نے علم و فن میں زبردست ترقی کی۔ اس کے سرپرست کے انتقال کے بعد اسے جائیداد کے ایک حصے کے طور پر ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ اس نے فروخت کے لیے محمد غوری کو پیش کر دیا۔ اس نے اسے خریدنے کے بعد اس کی ٹوٹی ہوئی چھوٹی انگلی کے باعث ایبک کا لقب دیا۔ ایبک نے اپنے آپ کو کچھ اس طرح پیش کیا کہ تھوڑے عرصے بعد ہی اسے خاص خانے کا محافظ مقرر کیا گیا اور پھر ایک فوج کا کمانداربنایا گیا۔ اب اس کے قدرتی جوہر اپنا گوہر مقصود حاصل کرنے کے لیے پوری طرح عیاں ہوگئے تھے۔ جلد ہی اسے ایک بہادر

سپاہی، پختہ سپہ سالار اور زیرک منتظم کی شہرت حاصل ہوگئی۔

حاکم کرمان و شیرون، تاج الدین یلدوز، جس کی بیٹی سے قطب الدین ایبک نے شادی کی تھی، اب ایک بہت بڑی فوج کی سربراہی کرتا ہوا لاہور کی طرف بڑھا اور حاکم (جسے اس نے بعد میں نکال باہر کیا تھا) کی غداری کے باعث شہر پر قبضہ کر لیا۔ قطب الدین نے اس واقعہ کے بارے میں سنا تو لاہور کو بازیاب کرانے کے لیے دہلی سے روانہ ہوا اور ۱۲۰۵ء کے اختتام پر اس مقام پر ایک جنگ ہوئی۔ اس میں تاج الدین یلدوز کو شکست دی گئی اور شہر سے نکال باہر کرنے کے بعد واپس کرمان جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ قطب الدین نے غزنی تک یلدوز کا تعاقب کیا، جہاں اسے بادشاہ بنا دیا گیا لیکن شہر پر قابو نہ رکھنے کے باعث وہ فوری طور پر واپس ہندوستان آ گیا۔ یہاں اس نے اپنی باقی ماندہ زندگی اپنے علاقوں کو مربوط کرنے اور سلطنت کے مالیات کو باقاعدہ بنانے میں گزار دی۔

وہ ۱۲۱۰ء میں چوگان کھیلنے کے دوران گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوگیا۔ اس نے پانچ سال تک حکومت کی اور اپنے سرپرست محمد غوری کے لیے حاکم اور سپہ سالار کی حیثیت سے بیس سال سے زائد عرصہ تک بہترین خدمات سرانجام دیں۔ وہ نہایت زیرک اور زود فہم ہونے کے علاوہ بہت بہادر شخص تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ایک غلام کی حیثیت سے بلند کر کے نہایت طاقتور بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ بنایا جو کسی سلطنت کی مقسوم کا انتظام کرتے آئے ہیں۔ اس کے سماجی اور خیر خواہی کے کاموں کے لیے اس سے محبت کی جاتی تھی جب کہ اس کی سخاوت اور فیاضی ضرب المثل بن چکی ہے۔ دہلی میں مشہور زمانہ قطب مینار اور اس کے ساتھ شاندار مسجد کی تعمیر قطب الدین نے شروع کروائی تھی اور انہیں اس کے جانشین شمس الدین التمش نے مکمل کرایا، جو ابھی تک نہایت شان و شوکت سے بلند ہے اور پہلے مسلمان سپہ سالار کی جانب سے دہلی کی فتح کی یاد دلاتا ہے، جس نے ہندوستان کے قدیم دارالخلافہ پر حکومت کی۔

آرام شاہ

قطب الدین کی وفات کے بعد اس کا اکلوتا بیٹا آرام، تخت نشین ہوا اور اس کا جانشین بنا۔ اس وقت اس کے حوصلے اور مستقل مزاجی کی ضرورت تھی لہٰذا اس کی کمزوری کے باعث محمد غوری کے ایک غلام نیرالدین قباچہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ اس طرف روانہ ہوا اور اس نے سندھ، ملتان، اوچ، شیروان اور

پنجاب کے دیگر اضلاع میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس کی تقلید کرتے ہوئے دیگر سرداروں نے بھی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس پر امراء کے ایک وفد نے مرحوم بادشاہ کے متبنّیٰ بیٹے اور داماد شمس الدین التمش سے ملاقات کی اور اسے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالنے کی دعوت دی۔ شمس الدین نے فوری طور پر ان کی درخواست کو منظور کرلیا اور شہر دہلی کی حدود کے اندر ایک جنگ میں آرام کو شکست دے کر تخت و تاج حاصل کرلیا۔ یہ واقعہ اسی سال ۱۲۱۰ء میں پیش آیا جب آرام کی بحیثیت بادشاہ تاج پوشی کی گئی تھی۔

شمس الدین التمش

شمس الدین البری قبیلے کے ایلم خان کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں کا تعلق بھی ایک معزز خاندان سے تھا۔ اس کے بھائیوں نے اسے غلام کے طور پر سفری سوداگروں کے ایک قافلے کے پاس فروخت کر دیا۔ وہ اسے بخارہ لے گئے اور اسے اس ملک کے شہزادے کے ایک عزیز سردار جہاں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس نے بخارہ میں بہت اچھی تعلیم و تربیت حاصل کی اور اپنے آقا کے انتقال کے بعد اسے ایک اور سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ اس نے دوبارہ اسے ایک اور کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ آخرکار قطب الدین ایبک نے سلطان محمد غوری کی اجازت سے اسے پچاس ہزار نقرئی سکوں کے عوض خرید لیا۔ جس نے بعد میں اپنی بیٹیوں میں سے ایک کی شادی اس سے کر دی۔

التمش اب اپنے آقا کا داماد تھا۔ چنانچہ ہر روز اس پر نظر عنایت کی جانے لگی۔ سب سے پہلے اسے سپہ سالار بنایا گیا اور پھر جلد ہی شمالی ہندوستان کا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ اس کے سریر آرائے تخت ہونے کے چار سال بعد غزنی کے بادشاہ تاج الدین یلدوز نے خوارزم کے بادشاہ خوارزم شاہ سے شکست کھانے کے بعد اپنی توجہ مشرق کو فتح کرنے پر مرکوز کی۔ سال ۱۲۱۵ء میں اس نے پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد تھانیسر پر بھی تسلط جما لیا۔ شمس الدین التمش نے اپنی فوجوں کو جمع کرنے کے بعد نارائن کے میدانوں میں اس پر جنگ مسلط کر دی اور اسے شکست دینے کے بعد قیدی بنا لیا۔ ۱۲۱۷ء میں التمش نے اپنے برادر نسبتی ناصر الدین قباچہ پر حملہ کر دیا' جو سندھ میں خودمختار بن گیا تھا اور چناب کے کنارے پر مانسہرہ کے مقام پر اسے اس پر مکمل فتح حاصل ہوگئی۔ چار سال بعد تاتاریوں نے اپنے عظیم سردا چنگیز خان کی سرکردگی میں خوارزم کے ملک کو تہ و بالا کیا اور غزنی تک داخل ہوگئے۔ خوارزم کے مرحوم سلطان کا بیٹا جلال الدین مجبور ہو کر واپس لاہور کی طرف بڑھا' جہاں

التمش نے اس سے جنگ کی اور اسے پسپا ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ اسی سال آخرکار التمش نے اپنے وزیر نظام الملک(۱) جنیدی کے تعاون سے سندھ کو بھی فتح کر لیا۔ اس کا دیرینہ حریف جلال الدین قباچہ دریائے سندھ کو عبور کرنے کے کوشش میں ڈوب کر ہلاک ہوگیا۔

شمس الدین التمش نے مالوہ اور اجین کو تسخیر کیا اور بنگال کے صوبہ پر اپنی حکومت قائم کی جس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ ہندوؤں کے نہایت مشہور و معروف اور قدیم شہروں میں سے ایک اجین میں اس نے تمام بڑے بڑے مندروں کو مسمار کر دیا اور مہاکالی اور وکراما جیت (جس کے انتقال کے وقت سے ہندو اپنا دور بتاتے ہیں) کے بتوں کے علاوہ پیتل کے دیگر تمام مجسموں کو دہلی بھیج دیا کہ انہیں جامعہ مسجد کے دروازے پر توڑ دیا جائے۔ سال ۱۲۳۶ء میں اس نے ملتان کی طرف ایک فوج روانہ کی لیکن راستے میں بیمار پڑ گیا اور دہلی کی طرف واپس آتے ہوئے ۳۰ اپریل ۱۲۳۶ء کو ۲۶ سال کی حکومت کے بعد انتقال کر گیا۔ وہ اپنی ذہانت کی وجہ سے خود سرفرازی کی ایک دوسری مثال تھا اور اس کے دور حکومت میں ہندوستان میں اسلامی سلطنت کو وسیع کیا گیا اور حقیقتاً مضبوط و پختہ ہوئی۔

رکن الدین فیروز

۱۲۳۱ء میں گوالیار کی تسخیر کے بعد رکن الدین فیروز کو اس کے والد شمس الدین التمش نے حاکم پنجاب مقرر کیا۔ جب بادشاہ کا انتقال ہوا تو رکن الدین دہلی میں تھا۔ چنانچہ وہاں بحیثیت بادشاہ اس کی تاج پوشی کر دی گئی۔ لیکن جلد ہی وہ عیش و عشرت میں پڑ گیا اور مملکت کے معاملات کو نظرانداز کر دیا گیا۔ جو زیادہ تر اس کی والد شاہ ترکان سرانجام دیتی تھی۔ وہ ایک ظالم عورت تھی۔ اس نے بادشاہ شمس الدین کے حرم کی تمام عورتوں کو ہلاک کروا دیا۔ اس وقت ملک علاء الدین حاکم لاہور اور ملک کبیر خان حاکم ملتان تھا۔ لاہور میں بادشاہ کو معزول کرنے کے لیے سرداروں کا ایک اتحاد قائم ہوا، جس میں شمالی اور مغربی صوبوں کے امراء نے بھی شمولیت اختیار کر لی۔ بادشاہ نے متحدہ فوج کے خلاف پیش قدمی کی لیکن اس کے چند اہم سردار اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دہلی کی طرف چلے گئے اور شمس الدین التمش کی بڑی صاحبزادی سلطانہ رضیہ بیگم کو تخت پر بٹھا دیا۔ بادشاہ کی والدہ شاہ ترکان کو قید میں ڈال دیا گیا۔ سلطانہ رضیہ بیگم نے رکن الدین کو شکست دے دی۔ اسے اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ محض چھ ماہ اور اٹھائیس دن حکومت کرنے کے بعد میں قید کے دوران فوت ہوگیا۔

سلطانہ رضیہ بیگم

سلطانہ رضیہ بیگم جسے "ملکہ دوراں" بھی کہا جاتا تھا' اس میں وہ سبھی صلاحیتیں اور قابلیتیں موجود تھیں جو کسی قابل بادشاہ میں ہونی ضروری ہوتی ہیں۔ وہ کوئی عام عورت نہیں تھی اور اس کے کاموں پر نہایت کڑی تنقید کرنے والے بھی اس میں کوئی عیب تلاش نہ کر سکے لیکن یہ کہ وہ ایک عورت تھی۔ اس میں دلیری' پختہ ارادی اور بلند حوصلہ اس قدر نمایاں تھا کہ اس کی قابل قدر صلاحیتوں اور معاملات مملکت کو باریک بینی سے دیکھنے کی عادت نے اسے اپنے والد کے دور میں نہ صرف روزمرہ کے فوری نوعیت کے امور سلطنت سے آشنا کر دیا تھا بلکہ سیاست کے فن سے بھی واقف کر دیا تھا۔ وہ اپنے باپ کی مستقل ساتھی تھی اور جب بادشاہ گوالیار کے قلعہ کی تسخیر کے سلسلہ میں مصروف تھا تو اس نے اپنی غیر موجودگی میں اسے دارالخلافہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ جب اس کے امراء نے اس سے دریافت کیا کہ امور سلطنت کے انتظام کے لیے اس نے اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو مقرر کرنے پر اپنی بیٹی کو کیوں ترجیح دی اور اسے مقرر کرنے کی کیا وجہ تھی؟ تو اس نے جواب دیا کہ "اس نے دیکھا کہ اس کے بیٹے شراب خوری میں مصروف ہیں اور عورتوں' جواء اور جھوٹی خوشامدوں سے دل بہلا رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ حکومت ان کے لیے بہت بھاری ہوگی۔ جب کہ رضیہ اگرچہ ایک عورت ہے لیکن اس کے پاس ایک مرد کا دماغ اور دل ہے اور وہ اس جیسے بیس بیٹوں سے بہتر تھی" وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی اور قرآن پاک کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ سکتی تھی۔

رضیہ نے تخت نشینی کے بعد اپنی پوشاک تبدیل کر دی۔ اس نے شاہی لبادہ زیب تن کر لیا۔ وہ ہر روز تخت پر جلوہ گر ہو کر دربار عام منعقد کرتی اور سرعام امور سلطنت کو انجام دیتی تھی۔ اس نے اپنے والد کے قوانین پر نظرثانی کی اور ان کی توثیق بھی کر دی تھی۔ وہ یکساں طور پر انصاف کرتی تھی۔

متحد امراء جو لاہور میں ملے تھے' انہوں نے دہلی کی طرف پیش قدمی کی لیکن ملکہ نے سرکردہ سرداروں کے درمیان کمال مہارت سے مخالفت کے کچھ اس قدر بیج بو دیے تھے کہ انہوں نے جلد ہی اپنے پڑاؤ کو ختم کر دیا اور منتشر ہوگئے۔ ملکہ نے خواجہ مہدی غزنوی کو وزیراعظم کا رتبہ عنایت کیا اور اسے نظام الملک کا خطاب بخشا گیا جب کہ کبیر خان کو حاکم لاہور بنا دیا گیا۔ اب تمام یورشیں ختم ہوگئی تھیں اور دور دراز صوبوں کے گورنروں نے

ملکہ کو اپنی اطاعت پیش کر دی۔ سرکشوں میں سے چند کو سزائے موت دے دی گئی اور باقی ماندہ کو نرم اقدامات سے اطاعت پر مجبور کر دیا گیا۔ اس طرح ایک مرتبہ پھر پورے ملک میں امن اور خوشحالی کا دور دورہ ہوگیا۔ ملکہ کے لیے بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ وہ غیر شادی شدہ تھی۔ اس نے ایک حبشی غلام جمال الدین کو اپنے اعتماد میں لے کر اپنی صنف کی کمزوری کا اظہار کیا تھا۔ اس شخص پر ہر روز ملکہ کی طرف سے عنایات کی بارش ہونے لگی۔ اسے یک دم نخاس خانے کے محافظ کے عہدہ سے یعنی (میرا خور) کے منصب سے بڑھا کر امیر الامراء بنا دیا گیا۔ ملکہ اور غلام میں اس قدر بے تکلفی تھی کہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر باہر جانے لگتی تو جمال الدین کی یہ عادت تھی کہ وہ اسے بازوؤں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر اٹھاتے ہوئے گھوڑے پر سوار کراتا تھا۔ اس رویے نے امراء اور درباریوں میں نفرت اور حسد کی آگ کو بھڑکا دیا۔ وہ اپنی ملکہ کی جانب سے ایک حبشی غلام کے لیے اتنی عنایات اور اسے اس قدر آزادی دینے پر بہت زیادہ برافروختہ ہوگئے۔

اس سلسلہ میں جس نے سب سے پہلے اپنی بے چینی کا اظہار کیا وہ حاکم لاہور ملک کبیر خان تھا۔ اس نے اطاعت کا جواء اتار پھینکا اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

ملکہ بذات خود ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ اسے سزا دینے کے لیے روانہ ہوئی اور اسے اطاعت پر مجبور کر دیا۔ ملک کبیر خان نے اس موقع پر کچھ اس قدر انکساری کا مظاہرہ کیا کہ ملکہ نے یا تو اس کی فرمانبرداری پر اعتماد کرتے ہوئے یا اس کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ناصرف اسے لاہور کی حکومت پر بحال کرا دیا بلکہ اس کے علاوہ ملتان کی حاکمیت بھی عنایت کر دی جسے ملک گراگوز خالی کر چکا تھا۔

اسی سال کے دوران بھٹنڈہ کے حاکم' ترک سردار ملک التونیہ نے بغاوت کر دی۔ ملکہ نے اس کے خلاف جنگ کی لیکن اس کی فوج کے ترک سرداروں نے غداری کی اور اسے شکست اٹھانا پڑی۔ اس کا منظور نظر حبشی غلام بھی مارا گیا۔ خود ملکہ کو بھی قیدی بنا کر التونیہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اسے بھٹنڈہ کے قلعہ میں قید کر لیا۔ ترک افسروں نے شمس الدین التمش کے بیٹے اور ملکہ کے بھائی بہرام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔

التونیہ نے اس کے تھوڑے عرصہ بعد ملکہ سے شادی کر لی۔ اس نے ککھڑ جاٹوں پر مشتمل ایک فوج تیار کی اور دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔ وہاں ایک زبردست معرکہ ہوا لیکن اس میں ملکہ کو شکست ہوئی اور وہ بھٹنڈہ کی طرف جانے پر مجبور ہوگئی۔ ملکہ نے اپنی منتشر فوج کو جمع کرنے کے بعد ایک بار پھر اپنا تخت و تاج حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ۱۲۴۰ء

اکتوبر ۱۲۳۹ء کو کیتھل کے میدانوں پر اسے دوبارہ شکست ہوئی۔ ملکہ اور اس کے خاوند کو قیدی بنا لیا گیا۔ اسی سال ۱۴ر نومبر کو ساڑھے تین سال حکومت کرنے کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔

معزالدین بہرام شاہ

جب سلطانہ رضیہ بیگم کو بھٹنڈہ کے قلعہ میں قید کیا گیا تو ۲۱ر اپریل ۱۲۳۹ء کو بہرام شاہ تخت نشین ہوا اور ملک کراگوز کو دوبارہ حاکم لاہور مقرر کیا گیا۔ باہمی جھگڑوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے سلطنت کا امن و امان خراب ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس وقت کسی ہولناک حملے کا خطرہ کیوں نہ ہوتا؟ عظیم جنگجو رہنما چنگیز خان کے لشکروں نے وسطی ایشیاء کے ممالک کو تباہ و برباد کرنے کے بعد پنجاب میں حملے شروع کر دیے۔ وہ جہاں بھی گئے اپنے ساتھ آگ اور تلوار لے کر گئے۔ انہوں نے غزنی سے روانہ ہو کر ۲۲ر نومبر ۱۲۴۱ء کو لاہور پر قبضہ کر لیا۔

حاکم لاہور نے جب اپنے دستوں کی غداری کو محسوس کیا تو وہ رات کے اندھیرے میں فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ مغلوں نے شہر میں بلا امتیاز غارت گری و لوٹ مار شروع کر دی اور وہ ہزاروں باشندوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ بادشاہ نے یہ سب سننے کے بعد حملہ آوروں کو نکال باہر کرنے کے لیے وزیر اختیار الدین کو چند دستوں کا سربراہ بنا کر روانہ کیا لیکن خطرہ اب ٹل چکا تھا۔ کیونکہ حملہ آور قتل و غارت گری و لوٹ مار کرنے کے بعد ملک سے جا چکے تھے۔ دریں اثناء وزیر نے غداری کی اور بادشاہ کے خلاف ایک سازش تیار کر لی گئی۔ اسے معزول کرنے کے بعد قید میں ڈال دیا گیا اور ۱۲۴۱ء میں دو سال سے بھی کم عرصہ حکومت کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

علاء الدین مسعود

معزالدین بہرام شاہ کے بعد رکن الدین فیروز کا بیٹا علاء الدین مسعود تخت نشین ہوا۔ اس کے دور حکومت میں پنجاب پر قندھار اور تالیخان کے مغلوں نے منگو خان کی سرکردگی میں حملہ کر دیا۔ مغلوں نے سندھ تک پیش قدمی کی اور اوچ کا محاصرہ کر لیا۔ بادشاہ بذات خود ایک بہت بڑی فوج کی قیادت کرتا ہوا دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس نے بیاس تک پیش قدمی کر دی تھی کہ اسے پتہ چلا کہ مقامی حکام نے دشمن کو پسپا کر دیا

ہے۔ چنانچہ وہ واپس اپنے دارالخلافہ میں آگیا۔
دہلی میں واپس آ کر بادشاہ عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا اور اس نے سلطنت کے معاملات کو یکسر فراموش کر دیا۔ درباری اس کی زیادتیوں اور مظالم سے تنگ آ گئے تو انہوں نے اسے معزول کرنے کا ارادہ کر لیا اور بڑائچ سے اس کے چچا ناصر الدین کو دعوت دی کہ وہ تخت و تاج سنبھال لے۔ جب ناصر الدین وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ کمزور بادشاہ کو معزول کر کے قید میں ڈال دیا گیا ہے' جہاں وہ بعد میں صرف چار سال اور ایک ماہ حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔-----

ناصر الدین محمود

ناصر الدین محمود جس کی بحیثیت بادشاہ ۱۰ جون' ۱۲۴۶ء کو دہلی میں تاج پوشی کی گئی وہ شمس الدین التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اسے بادشاہ نے بنگال کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اپنے والد کی وفات پر ظالم ملکہ شاہ ترکان نے اسے قید میں ڈال دیا اور وہ بادشاہ مسعود کے تخت نشین ہونے تک قید ہی میں رہا۔ سلطان مسعود نے اسے بڑائچ کی حکومت عنایت کر دی تھی۔

ناصر الدین نے تخت نشین ہونے کے بعد ملک غیاث الدین بلبن' جو دراصل شمس الدین التمش کا غلام تھا' اسے الغ خان کے خطاب کے ہمراہ وزیر کا منصب عطا کیا۔ اس نے اس کی ایک بیٹی سے شادی بھی کر لی تھی۔ غیاث الدین کے بھتیجے' شیر خان کو معظم خان کا خطاب دینے کے بعد پنجاب' بشمول ملتان' ٹھیز اور سرہند کا حاکم مقرر کیا گیا۔ شیر خان کا شمار اپنے دور کے نہایت مشہور و معروف اشخاص میں ہوتا تھا۔ وہ نہایت نمایاں اور اہم صلاحیتوں کا مالک تھا۔ میدان جنگ میں ایک اچھا سپاہی اور دربار میں ایک ذہین و فطین مشیر تھا۔ اس نے ٹھیز اور سرہند کے قلعوں کو از سرنو تعمیر کروایا اور مغلوں کے لشکروں کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے ایک محافظ فوج تیار کی۔ مغل اب غزنی' کابل' قندھار' بلخ اور ہرات کے مالک بن گئے تھے۔

جولائی' ۱۲۴۷ء میں بادشاہ نے بذات خود ایک بہت بڑی فوج کی قیادت کرتے ہوئے ملتان کی جانب پیش قدمی کی اور کچھ عرصہ کے لیے دریائے سندھ کے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ تب اس نے **ککھڑوں** کی مستقل ڈاکہ زنی اور پنجاب میں حملہ آور ہونے کے لیے مغلوں کی مدد کرنے کے باعث انہیں سزا دینے کے لیے سندھ کے صوبوں کا دورہ کیا۔ ان

ککھڑوں کے ہزاروں مرد و زن اور ہر عمر کے افراد کو پکڑ لیا گیا اور انہیں قید میں ڈالنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔

۱۲۴۸ء میں ناصر الدین نے اپنے وزیر غیاث الدین بلبن کی بیٹی سے شادی کر لی اور اگلے سال ایک بہت بڑی فوج کی قیادت کرتا ہوا ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ وزیر کا بھتیجا حاکم لاہور، شیر خان بیس ہزار منتخب گھڑ سواروں کے ہمراہ بیاس کے کنارے پر اس سے آ ملا۔ بادشاہ چند دن ملتان میں ٹھہرا۔ فیض الدین بلبن کو ناگور اور اوچ کا حاکم مقرر کرنے اور ان اضلاع میں امن و امان بحال کرنے کے بعد وہ دہلی کی طرف لوٹ گیا۔ ۱۲۵۰ء میں لاہور کے زیرک حاکم شیر خان نے ایک فوج تیار کی اور غزنی کی طرف پیش قدمی کی۔ اس نے ملک سے مغلوں کو بھگانے کے بعد ایک مرتبہ پھر غزنی کو سلطنت دہلی میں شامل کر دیا۔ ناصر الدین کے نام کے سکے مضروب کرائے گئے اور اس صوبے کے تمام علاقوں میں اسے بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ دو سال بعد بادشاہ دوبارہ ملتان کی طرف روانہ ہوا، جہاں سندھ سے باغیوں کی ایک بہت بڑی فوج کے حملوں کے باعث متعدد قلعے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ بغاوت کو فرو کر دیا گیا اور ملتان کی حکومت ارسلا خان کو عنایت کر دی گئی۔ ۱۲۵۷ء کے اختتام پر مغلوں کی ایک فوج نے دریائے سندھ کو پار کر کے پنجاب میں غارت گری شروع کر دی لیکن بادشاہ نے ان کے خلاف پیش قدمی کی۔ مغل اس کی آمد پر بھاگ نکلے۔

مارچ ۱۲۵۸ء میں مشہور زمانہ تاتاری چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کے دربار سے ایک ایلچی نے پنجاب کا دورہ کیا۔ وہ دہلی پہنچا تو اس کا عظیم الشان استقبال کیا گیا۔ ۱۲۶۴ء میں بادشاہ بیمار پڑ گیا اور آخرکار طویل عرصہ صاحب فراش رہنے کے بعد بیس سال سے زاید حکومت کرنے کے بعد ۱۸ فروری ۱۲۶۶ء کو انتقال کر گیا۔

ناصر الدین محمود کا شمار ہندوستان کے نہایت قابل، ہر دلعزیز اور فیاض بادشاہوں میں ہوتا تھا۔ اس کی عادات نہایت سادہ تھیں اور وہ ہر قسم کی خود نمائی سے احتراز برتتا تھا۔ جب تاتاری بادشاہ ہلاکو خان کا ایلچی دہلی میں آیا تو اس نے دیکھا کہ ایشیا کے پچیس شہزادے بمع اپنے خادموں کے دربار میں حاضر تھے اور انہیں چنگیز خان کی فوجوں سے دہلی میں پناہ دی گئی تھی۔ بہت سے باجگزار ہندو راجہ اور سردار تخت کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

اس شان و شوکت اور جاہ و جلال کے درمیان بادشاہ تخت پر بلا تکلف انداز میں نہایت سادہ لباس میں ملبوس بیٹھا تھا۔ جب کہ قید کے دوران اس نے روزمرہ کی ضرورت کو

پورا کرنے کے لیے قرآن پاک کے نسخوں کی کتابت کی اور سرکاری وظائف حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ جو آدمی یہ نہیں جانتا کہ روٹی کس طرح کمائی جاتی ہے، وہ اس کا حق دار نہیں ہو سکتا۔ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد بھی روزی کمانے کے لیے قرآن پاک کی کتابت کے پیشے کو اپنایا۔ اپنے آباؤ اجداد کے برعکس اس نے کوئی کنیز نہیں رکھی، اس کی ایک ہی بیوی تھی، اکیلی ہی سے وہ اپنا گھریلو کام کرنے کو کہتا تھا۔ جب ایک موقع پر اس نے شکایت کی کہ آپ کے لیے روٹی پکاتے ہوئے میری انگلیاں جل گئی ہیں، لہٰذا مدد کے لیے اسے ایک کنیز رکھنے کی اجازت دے دی جائے، تو بادشاہ نے اسے ثابت قدم رہنے کی تلقین کی اور اسے کہا کہ یہ سب اختیار کرنے کے عوض، اسے قیامت کے روز اس کا انعام ملے گا۔ اسے یہ بھی بتایا کہ سرکاری دولت اس کے پاس خدا کے لوگوں کی امانت ہے، جو خدا نے اسے دی ہوئی ہے اور وہ اس بات کا پابند ہے کہ اس دولت کو بلا ضرورت اخراجات پر خرچ نہ کرے۔

ایک روز ایک درباری امیر بادشاہ کی موجودگی میں اس کے ہاتھ سے لکھے گئے قرآن پاک کے ایک نسخے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ایک حرف کے بارے میں نشاندہی کی کہ یہ دو مرتبہ لکھا گیا ہے۔ بادشاہ نے اس کو دیکھا اور مسکرا کر اس حرف کے گرد دائرہ لگا دیا۔ تاہم جب نقاد دربار سے رخصت ہو گیا تو بادشاہ نے دائرے کو مٹانا شروع کر دیا۔ پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے بادشاہ سے ایسا کرنے کی وجہ دریافت کی۔ اس پر بادشاہ نے جواب دیا: "مجھے پتہ تھا کہ لفظ اصل میں اپنی جگہ درست ہے لیکن میں نے سوچا کہ ایک غریب آدمی کے دل کو ٹھیس پہنچا کر اسے شرمندہ کرنے کی بجائے اسے کاغذ سے مٹانا زیادہ بہتر ہے"۔

اس کی نجی زندگی کی متعدد نیکیوں میں سے یہ صرف ایک ثبوت ہے۔ حالانکہ بحیثیت بادشاہ اس نے مضبوطی اور طاقت کے ساتھ ملک پر حکومت کی۔ اس میں جوش و جذبہ اور ذاتی بہادری کی کوئی کمی نہیں تھی، جو ایک بادشاہ کی حقیقی خصوصیات ہوتی ہیں۔ اس کی شہادت کے لیے ہم اس کی سلطنت کی شمال مغربی سرحد پر اس کی متعدد فتوحات اور ہندوستان کی ہندو ریاستوں پر اس کی درخشندہ کامیابیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کتاب میں صوبے کے اندر اس کا تفصیلی بیان شامل نہیں کیا گیا۔ اس کے دور حکومت میں منہاج السراج جرجانی نے ناصر الدین محمود کے لیے وقف کردہ "طبقات ناصری" کو مکمل کیا۔

غیاث الدین بلبن

غیاث الدین اپنے دور کے دیگر متعدد عظیم آدمیوں کی طرح نسلاً" ایک ترکی غلام تھا۔ وہ "کرہ ہتھہ" کا رہنے والا تھا اور اس کا تعلق البری قبیلے سے تھا۔ بغداد میں اسے بصرہ کے خواجہ جمال الدین نے خریدا اور وہ اسے دہلی لے آئے' جہاں اسے شمس الدین التمش کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ اسے پہلے پہل شاہی شاہین پروری کا نگران مقرر کیا گیا۔ اس منصب کے فرائض ادا کرنے میں وہ بہت ماہر تھا اور اپنی بہادری اور فرض شناسی کے باعث اسے اپنے آقا کی حمایت حاصل ہوگئی۔ لہٰذا جلد ہی اسے ایک امیر بنا دیا گیا۔ اس نے رکن الدین فیروز کے دور حکومت میں پنجاب کا انتظام نہایت کامیابی سے چلایا۔ اسے امیر حاجب کا رتبہ علاء الدین مسعود کے عہد میں عطا کیا گیا اور بعد میں ناصر الدین محمود کے دور میں اسے وزیراعظم کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

بنگال کے معاملات کو درست کرنے کے بعد بادشاہ نے ۱۲۶۶ء میں لاہور کا پہلا دورہ کیا۔ مغلوں کے حملوں کے باعث شہر بری طرح متاثر ہوا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے دفاع کی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ لہٰذا شہر کی دیواروں کی مرمت کی گئی۔ چند سرکاری عمارات تعمیر کروانے کے بعد بادشاہ واپس دہلی چلا گیا۔

اگلے سال ۱۲۶۷ء میں لاہور کا طاقتور حاکم شیر خان' جس نے نہایت کامیابی سے مغلوں کے حملوں کو پسپا کر دیا تھا' انتقال کر گیا۔ اسے بٹیز میں ایک وسیع و عریض مقبرے میں دفن کیا گیا' جو اس نے خود اسی مقصد کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ بادشاہ نے اپنے سب سے بڑے بیٹے اور ولی عہد شہزادہ محمد المعروف تاج الملک کو شیر خان کا جانشین مقرر کیا۔ شہزادہ ایک باصلاحیت نوجوان تھا۔ اسے علم و ادب سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ وہ خود بھی عربی اور فارسی کا مایہ ناز اور بہترین عالم تھا۔ اپنا دربار لاہور میں قائم کرنے کے بعد وہ اپنے ساتھ ان سب علماء' فضلاء کو لے کر آیا' جنہوں نے ہندوستان کے دارالخلافہ کو آراستہ کیا ہوا تھا۔ ان میں شہزادے کے پسندیدہ معلم ملک الشعراء حضرت امیر خسروؒ اور خواجہ حسن بھی تھے۔ لاہور میں اس کے پاس اپنے دور کے انتہائی عالم فاضل شخص' شیخ عثمان ترمذی بھی تشریف لائے لیکن وہ جلد ہی اپنے آبائی وطن توران تشریف لے گئے۔ فرشتہ کے مطابق ایک روز جب شیخ صاحب علماء کے اجلاس میں' جس کی صدارت شہزادہ کر رہا تھا' اپنی عربی کی نظمیں پڑھ رہے تھے۔ شعر اس قدر خوبصورت اور اعلیٰ تھے کہ تمام شعراء جھومنے لگے اور عالم فاضل شہزادہ

بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔ شہزادے نے ملتان میں رہائش کے دوران مشہور زمانہ شیخ سعدی شیرازی کو دو مرتبہ اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی لیکن شیخ نے اپنی پیرانہ سالی کے باعث معذرت کر لی لیکن آخرکار انہوں نے انتہائی پرزور اصرار پر اس کے روانہ کیے گئے تحائف قبول کر لیے۔ اس کے بدلے میں شیخ سعدیؒ نے شہزادے کو اپنی تصانیف کے نسخے اور حضرت امیر خسروؒ کی نہایت تعریفی انداز میں کہی گئی تصانیف روانہ کیں۔

بادشاہ کے حکم سے اس کے سب سے چھوٹے بیٹے "کرا خان" المروف ناصرالدین نے مغلوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے ایک فوج بھرتی کی اور اسے منظم بنایا اور جائے مقررہ کو دریائے بیاس پر تشکیل دیا گیا' جہاں شمال مغربی جانب سے حملہ ہونے کی صورت میں دشمن کو نکال باہر کرنے کے لیے دونوں شہزادے شاہی فوج کو ملا سکتے تھے۔

۱۲۷۹ء میں بنگال میں ایک بہت بڑی بغاوت کے باعث بادشاہ اپنے دارالحکومت سے تین سال تک غیر حاضر رہا۔ کیونکہ حاکم بنگال طغرل خان نے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس بغاوت کو دبانے کے بعد بادشاہ واپس دہلی آ گیا' جہاں شہزادہ محمد اس کے پاس حاضر ہوا۔ اسے اپنے والد کے پاس آئے ہوئے تین ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس کے پاس خبر پہنچی کہ مغلوں نے ملتان پر حملہ کر دیا ہے۔ وہ نہایت تیزی سے ملتان واپس آیا۔ اس نے دشمن پر اچانک حملہ کر کے انہیں شکست دے دی اور بہت زیادہ کشت و خون کے ساتھ انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ ان تمام علاقوں کو بازیاب کرا لیا گیا' جو سلطنت کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ لیکن پنجاب ابھی ایک اور تباہی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس وقت ہلاکو خان کا پوتا اور ایک خان کا بیٹا ارغن خان ایران پر حکومت کر رہا تھا جس نے غالباً ۱۲۵۸ء میں اس سلطنت کو فتح کر لیا تھا۔

خراسان سے دریائے سندھ تک ایران کے مشرقی صوبوں پر چنگیز خان کے خاندان کے تیمور خان(۲) کی حکومت تھی۔ اس نے غالباً اسی دور میں پچھلے سال کے دوران مغلوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے ۲۰ ہزار گھڑسواروں پر مشتمل فوج کے ہمراہ پنجاب پر حملہ کر دیا۔ پورے ملک کو دیپال پور اور لاہور سمیت غارت کر دیا گیا اور دیہات ویران ہو گئے۔ اس وقت حاکم لاہور کا دربار ملتان میں تھا۔ ان قتل و غارت گری کے واقعات کے بارے میں سننے کے بعد محمد تیزی سے لاہور روانہ ہوا اور ایک زبردست مزاحمت کے لیے تیار ہو گیا۔ تیمور خان نے دریائے راوی تک آنے کے بعد دوسرے کنارے پر ہندوستانی فوج کے وسیع و عریض لشکروں کا مشاہدہ کیا۔ بہادر و جری شہزادہ مشہور مغل سردار سے برابری کے لحاظ

سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بغیر کسی چھیڑ چھاڑ کے اسے دریا پار کرنے دیا۔ دریا کے کنارے پر دونوں فوجوں کو جنگ کے مطابق ترتیب دے دیا گیا۔ دونوں برسرپیکار ہوگئے۔ اس جنگ میں دونوں سپہ سالاروں نے اپنے جوہر دکھائے اور بہادری و شجاعت کا لوہا منوایا۔ آخرکار مغل پسپا ہوگئے لیکن ہندوستانیوں نے ان کا بڑی دور تک تعاقب کیا۔ شہزادہ محمد تعاقب کرنے کی وجہ سے تھک جانے کے باعث بڑی فوج سے اپنے ۵۰۰ مصاحب کے ساتھ جدا ہوگیا اور ایک ندی کے کنارے پر ٹھہر کر نماز میں مصروف ہوگیا۔ تاہم عین وقت پر ایک مغل سردار' جس نے ایک مضافاتی جنگل میں ۲ ہزار گھڑسوار دستے کے ہمراہ خود کو چھپا لیا تھا' اچانک شہزادے کی جماعت پر حملہ آور ہوگیا' جو اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ بہادر شہزادہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے اپنی مختصر سی جماعت کو لڑائی کا حکم دیا۔ اس کے بعد زبردست لڑائی شروع ہوگئی لیکن دشمنوں کی کثیر تعداد اس پر غالب آ گئی اور آخرکار وہ شہزادہ' جس نے اس سے پیشتر تین مرتبہ مغلوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا' مہلک زخموں کی وجہ سے ہلاک ہوگیا۔ اب ہندوستانی فوج کا ایک دستہ مدد کے لیے آتا ہوا دکھائی دیا لیکن اپنے سردار کو بچانے میں انہوں نے بہت دیر کر دی تھی۔ اس لڑائی میں مغلوں کے ہاتھ بہت سے قیدی آئے۔ شہزادے کے معلم اور منظور نظر حضرت امیر خسروؒ بھی قیدیوں میں شامل تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور و معروف نظم جسے "حضر حانی" کہا جاتا ہے' اس میں بڑے خوبصورت انداز میں تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ انہوں نے کس طرح آزادی حاصل کی۔

اپنے چہیتے بیٹے کی موت کی خبر نے ضعیف بادشاہ کو' جو اب ۸۰ سال سے زاید عمر کا تھا' بالکل صاحب فراش کر دیا۔ وہ نہایت تیزی سے اس غم اور صدمے تلے دبتا چلا گیا۔ اس نے مرحوم شہزادے کے بیٹے' اپنے پوتے کیخسرو کو باپ کی جگہ لاہور اور ملتان کی حکومت سنبھالنے کے لیے روانہ کیا اور اس کے کچھ روز بعد خود بائیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۲۸۶ء میں انتقال کر گیا۔

غیاث الدین بلبن کے دور حکومت میں دہلی علم و ادب کا گہوارہ اور عالم فاضل و خدا رسیدہ اشخاص کا مسکن بن گیا۔ اس کے دور میں دہلی میں مشہور زمانہ حضرت شیخ فرید الدین مسعود شکر گنجؒ' شیخ بہاء الدین زکریاؒ' شیخ بدرالدین عارف غزنوی نہایت محترم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (جو مشہور صوفی بزرگ اور عالم تھے) گزرے ہیں۔

مرحوم بادشاہ کے دربار کو ایشیاء کا سب سے زیادہ پرشکوہ اور قابل احترام دربار سمجھا

جاتا تھا۔ اس نے اپنے بائیس سالہ دور حکومت میں سرکاری عہدوں پر کسی ایسے شخص کو متمکن نہیں کیا جو صاحب خاندان یا قابل نہیں تھا۔ جب کہ اس نے نہایت محتاط انداز میں نیچ ذات کے تمام افرد کو اپنے دربار سے خارج کر دیا۔ اس کے دربار میں ایشیاء کے بادشاہوں کی تعداد پندرہ سے کسی طرح بھی کم نہ تھی' جنہیں اپنے آبائی وطنوں سے چنگیز خان کی فوجوں نے نکال باہر کیا تھا۔ اس کے دربار میں انہیں باعزت پناہ عطا کی گئی تھی اور ہر ایک کو گراں قدر منصب عطا کیا گیا تھا۔ جب بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھ کر دربار منعقد کرتا تو وہ اپنے منصب کے لحاظ سے دائیں جانب کھڑے ہوتے تھے' ماسوائے بغداد کے خلیفہ کے دو رشتہ دار شہزادوں کے' جنہیں ان کے تقدس کے باعث مسند کے دونوں جانب نشست مہیا کی گئی تھی۔

اس کے درباری آداب بہت سخت تھے۔ اس کا دربار بہت دلکش دکھائی دیتا تھا۔ بادشاہ کا اس قدر رعب اور دہشت تھی کہ کوئی شخص بھی تخت کے نزدیک خوف اور تعجب کے ملے جلے جذبات کے بغیر نہیں پہنچتا تھا۔ بلبن کے شاہی سوار بھی شان و شوکت کے لحاظ سے کم نہیں تھے۔ اس کے سرکاری ہاتھی ارغوانی اور طلائی ساز و سامان سے مزین ہوتے تھے۔ اس کے شہسوار محافظ جو ایک ہزار بہادر تاتاریوں پر مشتمل ہوتے تھے' پرشکوہ اور چمکدار زرہ بکتر میں ملبوس ہوتے تھے اور اعلیٰ نسل کے ایرانی اور عربی گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے' جن کی لگامیں نقرئی اور رکابوں پر قیمتی دھاگے سے کشیدہ کاری کی ہوتی تھی۔ پانچ سو منتخب پیادہ سپاہی قیمتی پوشاکوں میں ملبوس ننگی تلواریں اٹھائے' اس کے آگے آگے ہوتے تھے۔ اس کی آمد کی اطلاع دیتے جاتے اور راستہ صاف کرتے جاتے تھے۔ اس کے بعد امراء اپنے مذہب کے مطابق بمعہ بے شمار ساز و سامان اور خادموں کے آتے تھے۔ نوجوانی میں بادشاہ شراب کا عادی تھا لیکن تخت نشین ہونے کے بعد وہ اس عیاشی کا بدترین دشمن ہوگیا۔ اس نے اپنی پوری سلطنت میں اس کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دے دیا اور اس کے لیے سخت سزائیں مقرر کیں۔

معزالدین کیقباد

اپنے دادا کے انتقال کے بعد ناصر الدین "کراخان" کے بیٹے کیقباد نے' جو اس وقت صوبہ بنگال کا حاکم تھا۔ اپنی عمر کے اٹھارہویں سال میں معزالدین کے لقب سے تخت و تاج سنبھالا۔ وہ ایک خوبصورت اور دل آویز نوجوان تھا۔ اس کے والد نے اسے بڑی مصیبتوں

سے پروان چڑھایا تھا لیکن وہ جلد ہی عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا اور اس نے حکومت کی باگ ڈور مکمل طور پر اپنے وزیر کے ہاتھ میں دے دی' جس نے اپنے طور پر اپنے آقا کی عیاشیوں اور کیف و نشاط کی مزید حوصلہ افزائی کی۔ اس کے مختصر دور حکومت میں صرف ایک اہم واقعہ رونما ہوا اور وہ تھا لاہور کے اضلاع پر مغلوں کا حملہ۔ بادشاہ نے ملک یار بیگ برلاس اور خان جہاں کی سرکردگی میں ایک فوج ان کے مقابلے پر بھیجی۔ مغلوں کو لاہور کے قریب شکست دی گئی اور ان کی ایک بہت بڑی تعداد کو قیدی بنا کر دہلی روانہ کر دیا گیا' جہاں کچھ عرصے بعد سرکاری ملازم مغل افسروں کو اپنے ہم وطنوں کی مدد کرنے کی پاداش میں سزائے موت دے دی گئی۔

کمزور بادشاہ نے ریاست کے امور کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا اور اس کا نظم و نسق چلانے والے تین درباری امراء میں سے خلجی قبیلے کا ملک جلال الدین فیروز ان کا سربراہ تھا۔ اس کے اشارے پر بادشاہ کو اس کے محل میں اس وقت قتل کر دیا گیا' جب وہ اپنے بستر پر بیمار اور بے یار و مددگار پڑا تھا۔ یہ واقعہ ۱۲۸۸ء میں رونما ہوا اور اس کے ساتھ ہی خاندان غلاماں کا خاتمہ ہوگیا جس نے ۱۲۰۵ء میں ۱۲۸۸ء تک ۸۳ سال حکومت کی۔ کیقباد نے تین سال سے کچھ کم عرصہ تک حکومت کی۔ اس کی موت کے بعد جلال الدین خلجی نے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

حوالہ جات

(۱) یہ پہلا وزیر تھا' جسے ہندوستان میں نظام الملک کا خطاب دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے اس خطاب کو بعد میں بہت زیادہ اور عام طور پر اپنایا گیا اور آخری نظام الملک کی اولاد میں سے آج کل ریاست حیدر آباد کے حکمران نواب ہیں۔

(۲) اس بادشاہ کو امیر تیمور گورکان المعروف تیمورلنگ سے خلط ملط نہ کیا جائے۔

باب ۵

تاتاریوں کا خاندان خلجی

جلال الدین فیروز

جب چنگیز خاں دریائے سندھ کے کناروں پر جلال الدین خوارزم شاہ کا تعاقب کرنے کے بعد واپس توران کی طرف لوٹا' تو اس کا داماد خلج خاں جو خلجی یا خلج کی نسل سے تھا' تیس ہزار خاندانوں پر مشتمل اپنے قبیلے کے ہمراہ پنجاب کے مغربی پہاڑوں میں آباد ہوگیا' وہ ابھی تک وہیں آباد ہیں۔ خلجی ایک جنگجو قوم سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی جنگجوانہ طبیعت کے باعث' وہ غزنی اور ہندوستان کے بادشاہوں کی ملازمت میں شامل ہوگئے اور ان میں سے چند نے اپنی اپنی حکومتوں کے تحت اعلیٰ اور بااعتماد عہدوں پر فائز ہونے کے مواقع بھی حاصل کیے۔ خلج خاں کی اولاد میں سے جلال الدین' مرحوم بادشاہ کا منظور نظر بن گیا لیکن جب وہ تخت نشین ہوا تو خود ستر سال کی عمر میں تھا۔

اس کے دور حکومت میں ۱۲۹۱ء میں چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کے پوتے' عبداللہ نے ایک لاکھ گھڑ سواروں کے ہمراہ پنجاب پر حملہ کر دیا۔ جلال الدین فیروز نے ایک بہت بڑی فوج جمع کی اور بذات خود اس کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ پنجاب کے میدانوں میں زبردست لڑائی شروع ہوگئی' جس میں ایک زبردست مقابلے کے بعد مغلوں کو شکست ہوگئی۔ ان کے بے شمار سردار قتل ہوئے اور بہت بڑی تعداد کو قیدی بنا لیا گیا۔ بادشاہ' جو اپنی بردباری اور حلم کی وجہ سے مشہور تھا' آخرکار اس نے حملہ آوروں کو امان دینے کے علاوہ ملک چھوڑنے کی اجازت بھی دے دی۔

اس وقت چنگیز خاں کے ایک پوتے اوغلو خاں نے اپنے تین ہزار ساتھیوں کے ہمراہ بادشاہ سے شمولیت کر لی' جس نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ یہ سب مغل دائرہ

اسلام میں داخل ہوگئے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے ارقلی خاں کو لاہور' ملتان اور سندھ کا حاکم مقرر کیا اور اس کے پاس ایک طاقتور فوج چھوڑ کر اپنے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا۔

سات سال حکومت کرنے کے بعد جلال الدین کو اس کے بھتیجے علاءالدین کے اشارے پر ۱۹ر جولائی ۱۲۹۵ء کو قتل کر دیا گیا۔ وہ اپنی بے شمار ہر دلعزیز خوبیوں' خاص طور پر انسانیت کی خیرخواہی کے لیے بہت مشہور تھا۔ اس نے حضرت امیر خسروؒ کو اپنے کتب خانے کا نگران مقرر کیا اور انہیں ایک امیر کے منصب پر فائز کرنے کے بعد سفید پوشاک پہننے کی اجازت بھی دی۔ یہ ایک اعزاز تھا جو شاہی خاندان کے افراد اور دربار کے معزز ترین افراد کے لیے تھا۔

علاء الدین خلجی

مرحوم بادشاہ کے قتل کے بعد بادشاہ بیگم نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے قدر خاں کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس کا بڑا بیٹا ارقلی خاں' اپنے صوبے ملتان میں تھا اور اس نے دارالحکومت میں آنا بہت کم کر دیا تھا۔ علاء الدین' جس نے اودھ میں ایک خودمختار بادشاہت قائم کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا' اس کو ترک کیا اور دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں نوجوان بادشاہ نے اس کا سامنا کیا لیکن موخر الذکر نے جب دیکھا کہ علاء الدین کے فوجی دستے جنگ کے لیے تیار کھڑے ہیں تو وہ مایوسی کی حالت میں واپس شہر آگیا اور اس کے متعدد امراء بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ علاء الدین بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور ۱۲۹۶ء کے اختتام پر اس کی بحیثیت بادشاہ تاج پوشی کی گئی۔ نوجوان بادشاہ اپنی والدہ' اپنے حرم' خزانے اور چند امراء (جو آخر دم تک اس کے وفادار رہے) کے ہمراہ ملتان روانہ ہوگیا۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ شامل ہوگیا۔ علاء الدین نے اپنی حالت کو محفوظ پا کر اپنے مرحوم چچا جلال الدین فیروز کی نسل کو مٹانے کے اقدامات شروع کر دیے۔ اس نقطۂ نظر کے تحت اس نے اپنے بھائیوں' الف خاں اور ظفر خاں کی کمان میں چالیس ہزار گھڑسوار فوج ملتان روانہ کی۔

ملتان کا محاصرہ کر لیا گیا' جو دو ماہ تک رہا لیکن شہریوں اور فوج نے شہزادوں کو دھوکہ دے دیا۔ انہوں نے عام تحفظ کے وعدے پر ہتھیار ڈال دیے' کیونکہ انہیں اس کی پوری طرح یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ تاہم علاء الدین کے حکم سے شہزادوں کو راستے میں اندھا کر دیا گیا اور ہنسی میں قید خانے میں ڈال دیا گیا اور بعد ازیں ہلاک کر دیا گیا۔

اس کے دور حکومت کے دوسرے سال بادشاہ تک یہ خبر پہنچی کہ ماوراالنہر کے بادشاہ

امیر داؤد کی سرکردگی میں ایک لاکھ مغلوں کی فوج ملتان' لاہور اور سندھ کو فتح کرنے کے لیے پنجاب کی طرف بڑھ رہی ہے اور اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو نذر آتش اور تہہ تیغ کر رہی ہے۔ علاء الدین نے اپنے بھائی الف خاں کو حملہ آوروں کی یلغار کو روکنے کے لیے روانہ کیا۔ ضلع لاہور میں دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ ایک انتہائی خونریز جنگ شروع ہوگئی' جس میں مغلوں کو شکست ہوئی۔ ان کے بارہ ہزار افراد اور بہت سے اہم افسر مارے گئے۔ ہر منصب کے افراد کی بہت بڑی تعداد کو قیدی بنا لیا گیا اور بعد ازیں انہیں تہہ تیغ کر دیا گیا۔ مغلوں کے پڑاؤ میں گرفتار کیے گئے بچوں اور عورتوں سے کوئی نرمی نہیں برتی گئی۔

مغلوں نے اپنے گزشتہ نقصان سے بے خوف ہو کر ماورالنہر کے بادشاہ امیر داؤد خاں کے بیٹے قتلغ خاں کی سرکردگی میں ۱۲۹۸ء میں دوبارہ پنجاب پر حملہ کر دیا۔ فرشتہ کے مطابق اس موقع پر ان کی فوج دو لاکھ گھڑ سواروں پر مشتمل تھی اور انہوں نے دریائے سندھ کے پار تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا اور وہ دارالحکومت کے دروازوں تک بڑھ آئے تھے۔ انہوں نے جمنا کے کناروں پر پڑاؤ ڈال دیا۔ بادشاہ نے اپنی فوجوں کی قیادت کرتے ہوئے حملہ آوروں سے جنگ شروع کر دی لیکن ایک خونریز جنگ کے بعد مغلوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا گیا اور انہوں نے ہندوستان کو اتنی ہی تیزی سے خالی کر دیا' جتنی تیزی سے وہ اس طرف بڑھے تھے۔

اس کامیابی* سے خوش ہو کر علاء الدین نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کر لیا تاکہ دیگر عظیم اشخاص کی طرح آنے والی نسلوں میں اس کا نام بھی باقی رہے۔ لہٰذا اس نے سکندر اعظم کی طرح دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ بھی کر لیا اور اس مقصد کے لیے ہندوستان میں اپنا ایک حاکم بھی اپنے پیچھے چھوڑ دیا لیکن کچھ عرصے بعد اس کو اپنے وحشی منصوبے ترک کرنا پڑے۔

۱۳۰۳ء میں بادشاہ تیلنگانہ کے دارالخلافہ ورنگال اور راجپوتانہ میں چتر کی مہمات میں مصروف ہوگیا تھا۔ ان دور دراز مہمات کی خبر ماورالنہر پہنچی۔ مغل سردار طرغی خاں نے یہ سوچتے ہوئے کہ بادشاہ کافی عرصے تک غیر حاضر رہے گا' بارہ ہزار گھڑ سواروں کے ہمراہ ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ وہ بلا مزاحمت دہلی پہنچ گیا اور قرب و جوار کو اس نے غارت کر دیا۔ تاہم اس موقع پر مغل فوج کسی بھی وجہ سے یا تو کسی اچانک پریشانی یا غالباً لوٹ مار سے سیر ہو کر اندھا دھند اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے۔

• اگلے سال ۱۳۰۴ء میں انہوں نے چنگیز خاں کی نسل سے تعلق رکھنے والے علی بیگ

اور خواجہ طاش کی رہنمائی میں ہندوستان پر ایک اور یلغار کر دی۔ چالیس ہزار مغل شہسوار لاہور کے شمال میں گزرنے کے بعد راجستھان میں امروہہ تک پہنچ گئے۔ حاکم پنجاب تغلق خاں کو ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس نے دشمن کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ ان کے سات ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور ان کے ۹ ہزار فوجیوں کو قیدی بنا کر پابہ زنجیر کر کے دہلی روانہ کر دیا گیا' جہاں فرشتہ کے مطابق انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ علی بیگ اور خواجہ طاش کو ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچل دیا گیا۔

۱۳۰۵ء میں مغلوں نے امیر داؤد خاں کے ایک جرنیل کی سربراہی میں علی بیگ اور خواجہ طاش کی موت کا بدلہ لینے کے لیے دوبارہ پنجاب پر حملہ کر دیا۔ ملتان کو تہہ و بالا کر دیا گیا لیکن غازی بیگ تغلق دریائے سندھ کے کنارے پر گھات لگائے بیٹھا تھا اور جب مغل خوب لوٹ مار کرنے کے بعد اپنے وطن کی طرف واپس جا رہے تھے تو اچانک ان پر آن پڑا اور بہت زیادہ کشت و خون کے بعد انہیں شکست فاش دے دی۔ بچ جانے والوں میں سے زیادہ تر گرم ہواؤں اور جھلسا دینے والی ریت کے نرغے میں آ گئے اور وسطی ایشیا کے صحراؤں میں ہلاک ہو گئے۔ مغل سردار ایلق خاں سمیت تین ہزار جنگی قیدیوں کو دہلی روانہ کیا گیا اور بادشاہ کے حکم سے سب کو تہہ تیغ کر کے ان کے سروں کا مینار بنا دیا گیا۔

اس جنگ میں قیدی بنائی جانے والی عورتوں اور بچوں کو بازاروں میں غلاموں کی حیثیت سے فروخت کرنے کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھیجا گیا لیکن ان پے در پے نقصانات کے باوجود مغل باز نہ آئے کیونکہ انہوں نے ایک نہایت شہرہ آفاق سردار میخلمند کی رہنمائی میں دوبارہ پنجاب پر حملہ کر دیا لیکن اس مرتبہ پھر تغلق نے انہیں شکست دی۔ ان کے ہزاروں سپاہیوں کو قیدی بنا کر دہلی روانہ کیا گیا' جہاں اس دور کی رسم کے مطابق سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس موقع پر تغلق نے کابل' غزنی اور قندھار تک ان کا تعاقب کیا اور وہاں کے باشندوں کو بھاری تاوان ادا کرنے پر مجبور کیا۔ تغلق نے ان حملوں کو ہر سال بار بار دہرایا۔ چنانچہ مغل دفاعی حالت میں رہے اور انہوں نے کئی سال تک ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ نہ کیا۔

اس بادشاہ کا دور حکومت متعدد اصلاحات کے لیے مشہور ہے' جو اس نے اپنے ملکی انتظام کے باعث کیں۔ اس نے زمین کے مالیے کو بڑھا کر پیداوار کی مالیت کے نصف کر دیا۔ غلے' پارچہ جات' گھوڑوں' مویشیوں اور اجناس کی قیمت کا تعین کیا۔ اس نے سرکاری خزانے سے قرضہ جات جاری کیے تاکہ اس کے ذریعہ سے تاجر ہمسایہ ممالک سے پارچات درآمد کرنے کے قابل ہو سکیں لیکن اس نے عمدہ قسم کی مصنوعات کو برآمد کرنے پر پابندی

عائد کر دی۔ کوئی شخص بھی بادشاہ کی خصوصی اجازت کے بغیر ان جیسے قیمتی ملبوسات کو نہیں پہن سکتا تھا۔ یہ صرف منصب دار افراد کو دیے جاتے تھے۔ نشہ آور مشروبات کے استعمال اور تیاری کی سخت ممانعت تھی اور اس کے لیے سخت سزائیں مقرر تھیں۔ فوج کے لیے قواعد و ضوابط تیار کیے گئے اور تمام عہدوں کے فوجیوں کے لیے تنخواہ متعین کی گئی۔

ملک کا بڑے سے بڑا آدمی بھی بادشاہ سے خوف محسوس کرتا تھا اور صرف اس کی مرضی ہی کو قانون سمجھا جاتا تھا۔ مغل' جو دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد شاہی نوکری میں شامل ہوگئے تھے' ان کی طرف سے شک و شبہ پیدا ہو جانے کے باعث اس نے سب کو برطرف کر دیا لیکن اس کو اس سے تسلی نہ ہوئی تو بغیر کسی وجہ کے پندرہ ہزار نامراد افراد کو صرف ایک دن میں دہلی کی گلیوں میں نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا اور ان کے بیوی بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ کسی کو بھی یہ جرات نہ ہو سکی کہ وہ بادشاہ سے اس بہیمانہ ظلم کے خلاف احتجاج کر سکے۔ اگرچہ وہ پہلے پہل ان پڑھ تھا لیکن اس نے تن دہی سے اپنے آپ کو تحصیل علم میں مشغول کر لیا۔ لہٰذا وہ پڑھنے لکھنے اور کتابوں کا مطالعہ کرنے کے قابل ہوگیا۔ اس نے نہایت عالی شان محلات' مساجد' مقبرے اور مدرسے تعمیر کرائے اور علم و فضل کا سرپرست بن گیا۔ اس کے دور کے خدا رسیدہ اور بزرگ اشخاص میں دہلی کے حضرت نظام الدین اولیاؒ' مشہور صوفی بزرگ حضرت فرید الدین شکر گنجؒ کے پوتے شیخ علاء الدین' حضرت بہاؤ الدین ذکریاؒ ملتانی کے پوتے اور حضرت صدر الدین عارف کے صاحبزادے شیخ رکن الدین بھی شامل تھے۔ وقت کے شعراء میں حضرت امیر خسروؒ' امیر حسن' صدر الدین علی اور مولانا عارف تھے۔

علاء الدین بیس سال اور چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۹ر دسمبر ۱۳۱۶ء کو فوت ہوگیا۔

قطب الدین مبارک شاہ

علاء الدین خلجی کے انتقال کے بعد خواجہ سرا (ہیجڑا) غلام ملک کافور' جسے مرحوم بادشاہ نے کیمبے میں خریدا تھا اور اسے ایک اعلیٰ با اعتماد منصب پر فائز کیا تھا۔ اس نے امراء کو جمع کیا اور مرحوم بادشاہ کی طرف سے ایک جعلی دستاویز پیش کی' جس میں اس کے سب سے چھوٹے بیٹے عمر کو بادشاہ تسلیم کیا گیا تھا۔ لہٰذا اسے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ شہزادہ خود اس وقت صرف سات سال کا تھا اور ملک کافور نے قائم مقام کے طور پر سلطنت کے معاملات خود سرانجام دینے شروع کر دیے۔ اس نے بادشاہ کے بڑے بیٹوں' خضر خاں اور شادی خاں کی آنکھیں نکلوا دیں۔ تاہم یہ مضحکہ خیز بات بھی سامنے آئی کہ اس خواجہ سرا نے مرحوم بادشاہ

کی تیسری بیوی اور شہزادہ عمر کی ماں سے شادی کر لی تھی۔ بادشاہ کے تیسرے بیٹے مبارک خاں کو قتل کرنے کے لیے حملہ آوروں کی ایک جماعت روانہ کی گئی لیکن شہزادے نے اپنی حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے اپنے جواہرات ان کے آگے پھینک دیے۔ وہ خونی انعام کی تقسیم کے سلسلہ میں جھگڑنے لگے۔ اس معاملہ کی خبر شاہی محافظوں کے کمانڈار اور اس کے نائب تک پہنچ گئی۔ وہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ خواجہ سرا کے کمرے میں داخل ہوئے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مبارک نے بادشاہت کا اعلان کر دیا لیکن بادشاہ کی ۲۲ مارچ ۱۳۱۷ء تک تاج پوشی نہ کی گئی۔

مبارک کے پہلے اقدامات بہت منصفانہ اور سود مند تھے۔ اس نے بہت سے مجرموں کو رہا کر دیا اور باضابطہ اعلان کے ذریعے جلاوطن کیے گئے تمام افراد کو واپس بلا لیا۔ اس نے مقبولیت حاصل کرنے کے لیے اپنی فوجوں کو چھ ماہ کی تنخواہ تحفہ کے طور پر دی اور اس زمین کو بحال کر دیا' جسے گزشتہ دور حکومت میں ضبط کر لیا گیا تھا۔ اس نے تمام ناجائز محصولات اور تاوان اور تجارت پر اپنے مرحوم باپ کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں ختم کر دیں۔ لہٰذا تجارت دوبارہ اپنے معمول کے راستوں پر گامزن ہوگئی۔ تاہم اس نے اپنے والد کے متعدد بہترین قوانین کو ترک کر دیا اور خود عیش و عشرت اور لغویات میں مشغول ہوگیا۔ برائی اور شہوت پرستی اس دور کا رواج بن گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ اس کی تقلید کرنے لگے تھے۔ بادشاہ اس حد تک غلط کاموں اور برائیوں کا مرتکب ہونا شروع ہو گیا تھا' جس سے انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے۔ وہ ہر عیب اور برائی کے لیے بدنام ہوگیا تھا۔ اسے ۹ر مارچ ۱۳۲۹ء کی رات کو قاتلوں کی ایک ٹولی نے قتل کر دیا' جنہیں ملک خسرو نے اسی مقصد کے تحت کرایہ پر حاصل کیا تھا۔ وہ اصل میں ایک ہندو غلام تھا اور بادشاہ کا منظور نظر بن گیا تھا۔

اگلے روز ملک خسرو ناصر الدین کے لقب سے تخت نشین ہوگیا۔ ہر اس شخص کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا' جس کی سابقہ بادشاہ سے ذرا سی بھی رشتہ داری تھی۔ بادشاہ خود اپنے آقا اور بادشاہ کے بھائی خضر خاں کی حسین و جمیل بیوی دیول دیوی سے مشغول ہوگیا۔ لاہور کے قابل اور بہادر حاکم غازی بیگ تغلق نے خسرو کے برپا کردہ دہشت انگیز انقلاب کے بارے میں سنا' تو غاصب کے ہاتھوں مظلوم رعایا کو نجات دلانے کے لیے پنجاب سے روانہ ہوا۔ صوبوں کے زیادہ تر حاکم تغلق کی فوج میں اپنے دستوں سمیت شامل ہوگئے۔ حاکم ملتان مغلتاگین' جو اس کے ساتھ الحاق کرنے کا خواہش مند نہیں تھا' اسے ایک مشہور مغل سردار بہرام ابیعہ نے ہلاک کر دیا اور ملتان کی تمام فوج کو حاکم لاہور کی

مرضی پر چھوڑ دیا۔ متحدہ فوجیں دہلی تک آنے کے بعد دریائے سرسوتی کے کنارے پر شاہی فوج سے برسرپیکار ہوئیں لیکن موخر الذکر فوج کاہلی اور عیاشی کے باعث اس قدر نامرد اور کمزور ہوگئی تھی کہ وہ سرحد کے سخت جان بہادروں کی کسی لحاظ سے ہمسری یا برابری نہیں کر سکتی تھی۔ انہیں جنگ پر مکمل مہارت حاصل تھی اور وہ میدان جنگ میں بار بار مغلوں کو مار چکے تھے۔ ملک خسرو کو شکست دے دی گئی اور وہ بھاگ نکلا لیکن بعد ازیں اسے ایک قدیم مزار میں چھپا ہوا دیکھ لیا گیا۔ اسے فوری طور پر باہر نکالا گیا اور ۲۲ر اگست ۱۳۲۱ء کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

اگلے روز شہر کے امراء اور معززین نے فاتح کو خراج عقیدت پیش کرنے اور اس کے سامنے شہر کی چابیاں پیش کرنے کے لیے اس سے ملاقات کی۔ غازی بیگ ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا۔ جب اس کی نظر ہزار مینار یا (ہزار میناروں کے محل) پر پڑی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''وہ اپنے آپ کو ان میں سے ایک خیال کرتا ہے اور اس نے اپنی تلوار کو اس لیے بے نیام کیا تھا کہ دنیا کو ایک راکشس یا شیطان سے نجات دلا سکے اور اگر شاہی خاندان کا کوئی فرد زندہ نہیں بچا تو وہ نہایت خوشی سے اس شخص کی خدمت کرنے کے لیے تیار ہے جس کو معززین اپنا بادشاہ منتخب کریں گے''۔ پورا مجمع ایک آواز میں چیخ اٹھا کہ خود اس سے زیادہ اور کوئی شخص حکومت کرنے کے لیے موزوں نہیں ہے، جس نے انہیں مغلوں کے انتقام سے بچایا اور انہیں ایک غاصب کے جبر و استبداد سے نجات دلائی۔ اس پر انہوں نے اسے اوپر اٹھا لیا اور اسے دربار عام کے عظیم ایوان میں لے جا کر تخت پر بٹھا دیا اور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر جھک کر کھڑے ہوگئے اور اسے نعرہ لگا کر ''شاہجہاں'' کے لقب سے پکارا۔ تاہم غازی بیگ نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد خود سیدھا سادا لقب ''غیاث الدین'' اختیار کیا۔ پس خاندان خلجی ۱۲۸۸ء سے ۱۳۲۱ء تک حکومت کرنے کے بعد بغاوتوں کی ابتری، خونریزی اور انتہائی مہیب مظالم میں سے گزر گیا۔

باب ٦

۱۳۲۱ء - ۱۳۹۸ء

غیاث الدین تغلق

غازی بیگ تغلق کی لوگوں کے جم غفیر کے پرجوش نعروں کے درمیان بحیثیت بادشاہ تاجپوشی کر دی گئی۔ محمد قاسم فرشتہ اپنی دلچسپ تصنیف میں لکھتا ہے کہ جب اس کے بادشاہ بیجاپور کے ابراہیم عادل شاہ نے اسے شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں روانہ کیا' جو اس وقت لاہور میں تھا تو اس نے علم تاریخ کے نہایت ماہر اشخاص سے دریافت کیا کہ وہ خاندان تغلق کے حسب نسب کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ کوئی تحریری سند پیش کرنے کے قابل نہیں تھے لہٰذا سب اس بات پر متفق تھے کہ تغلق دراصل غیاث الدین کے والد کا نام تھا اور وہ غیاث الدین بلبن کا ایک ترک غلام تھا اور اس نے لاہور کے نواح میں جاٹ قبیلہ میں شادی کر لی تھی۔ اس سے اس کا ایک لڑکا غازی بیگ تھا' جس نے تخت نشین ہونے پر "غیاث الدین" (دین پناہ) کا لقب اختیار کر لیا۔

غیاث الدین نے کئی سال تک لاہور کے حاکم کے فرائض انجام دیے۔ اس وقت اس میں ہمالیہ سے سندھ تک تمام سرحدی صوبے شامل تھے۔ وہ ایک پختہ عمر کا انتہائی ذہین اور باصلاحیت شخص تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' اس نے مغلوں کے پے در پے حملوں کو بڑی کامیابی سے پسپا کیا بلکہ ان پر ان کے اپنے وطن میں جا کر حملے کرتا رہا۔ اس نے ملتان کے گزشتہ بحران میں بہرام ابیعہ کی جانب سے ایک فوج کے ساتھ اس کی پوری طرح مدد کرنے کے صلے میں اس کو اب اپنا بھائی بنا لیا اور دریائے سندھ کے کناروں پر تمام صوبہ جات کا انتظام اسے سونپ دیا۔ دریں اثناء اس نے اپنی مغربی سرحدوں کو مضبوط

کرنے کے لیے نئے قلعے تعمیر کرائے اور کابل کی سرحدوں پر چھاؤنیاں قائم کیں۔ چنانچہ مغلوں کے مزید حملوں کی موثر طور پر روک تھام ہوگئی۔ اس نے اپنے عوام کی مکمل تسلی کے لیے سلطنت کے معاملات کو باقاعدہ بنایا' قوانین میں اصلاحات کیں' تجارت کی حوصلہ افزائی کی' عالم فاضل اشخاص کی سرپرستی کی اور سرکاری عمارات تعمیر کروائیں۔ اس نے دہلی میں ایک نیا قلعہ تعمیر کرایا' جسے وہ "تغلق آباد" کہتا تھا۔ وہ فروری ۱۳۲۵ء میں دہلی میں ایک شہ نشین کی چھت گرنے سے ہلاک ہوگیا۔ اس نے چار سال اور چند ماہ حکومت کی۔ شاعر حضرت امیر خسروؒ' جو اس کے دور حکومت کے اختتام تک زندہ رہے' انہوں نے "تغلق نامہ" کے عنوان سے اس کی تاریخ لکھی۔

محمد تغلق

غیاث الدین تغلق کے انتقال کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا الف خاں محمد تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس کا شمار اپنے دور کے انتہائی باکمال افراد میں ہوتا تھا۔ اس کے خیالات بلند اور حکمت عملی مفاہمتی ہوتی تھی۔ اس کی فیاضی کی دھوم نے ایشیا کے عالم فاضل اشخاص کو یہ ترغیب دلائی کہ وہ اس کے دربار کو اپنا مسکن بنا لیں۔ وہ اپنے درباریوں پر اس قدر مہربانی اور سخاوت کرتا تھا کہ گزشتہ ادوار میں کوئی اس کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بیماروں کے لیے شفا خانے تعمیر کرائے اور بیواؤں و محتاجوں کے لیے خیرات خانے قائم کرائے۔ اس کی تقریر بڑی پر تاثیر اور شیریں ہوتی تھی۔ فارسی اور عربی زبان میں اس کی تحریریں اعلیٰ طرز اور بندش کا نمونہ تھیں۔ تاریخ اس کا پسندیدہ مضمون تھا۔ وہ طبیعات' منطق' فلکیات اور ریاضی کے علوم میں بہت ماہر تھا۔ غیر معمولی موقعوں پر وہ خود مریضوں سے ملاقات کرتا اور بڑی دلچسپی سے ان کی شکایات سنتا اور درج کرتا تھا۔ اس نے یونانیوں کے فلسفہ کا مطالعہ کیا تھا۔ وہ مابعد الطبیعات کے موضوع پر اپنے دور کے عالم فاضل اشخاص مثلاً اسد منطقی' شاعر عبید' مولانا عین الدین شیرازی' نجم الدین جنتشمر اور وقت کے ممتاز علماء سے بات چیت اور بحث مباحث کرتا تھا۔

اس کے دور کا پہلا عظیم واقعہ مغلوں کی بھیانک یورش تھی۔ انہوں نے اب ہندوستان کی مکمل فتح کا تہیہ کر لیا تھا۔ سال ۱۳۲۷ء میں چغتائی قبیلے کے ایک سردار اور مغلوں کے شہرت یافتہ جرنیل ترمشرین خاں نے ایک عظیم فوج کی قیادت کرتے ہوئے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ ملتان' لغمان اور شمالی صوبوں کو مغلوب کرتا ہوا وہ انتہائی تیزی سے دہلی کی طرف بڑھا۔ بادشاہ' جس نے اپنی حکومت کو ابھی تک مکمل طور پر درست نہیں کیا

تھا اور جو ابھی پوری طرح جنگ کے لیے تیار نہیں تھا' اس نے سوچا کہ یہ زیادہ بہتر ہے کہ وہ حملہ آوروں کو بہت بڑی رقم ادا کر کے اپنے علاقوں کو بچا لے۔ چنانچہ وہ اس تحفہ سے خوش ہو کر جو ایک سلطنت کی قیمت کے برابر تھا' واپس ہو گئے۔ وہ گجرات اور سندھ کے راستے واپس ہوئے اور ان ملکوں کو اپنی پوری طاقت سے لوٹا اود غارت کیا اور ہزاروں شہریوں کو غلام بنا کر ساتھ لے گئے۔

۱۳۳۷ء میں بادشاہ نے چین کو فتح کرنے کا عجیب منصوبہ بنایا اور اس نے اپنے بھانجے ملک خسرو کی سرکردگی میں ایک لاکھ گھڑ سوار فوج کو نیپال کے پہاڑوں کے راستے اس ملک کو مغلوب کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ فوجی دستے ہمالیہ کے پہاڑوں میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اپنے رسل و رسائل کے ذرائع کو محفوظ بنانے کے لیے وقفوں وقفوں سے چھوٹے قلعے تعمیر کیے۔ چین کی سرحد پر پہنچنے کے بعد ہندوستانیوں کو ایک بے شمار فوج کا سامنا کرنا پڑا۔ موسم برسات شروع ہو چکا تھا اور زیریں علاقہ مکمل طور پر زیر آب آ چکا تھا جبکہ پہاڑ گھنے اور دشوار گزار جنگلات سے ڈھک گئے تھے۔ ہندوستانیوں کو اس سے بھی مایوسی ہوئی کہ جلد ہی ان کی تعداد کو کم کرنے کے لیے ایک زبردست قحط پڑ گیا۔

ان آفات کے دوران چینی فوجوں نے حملہ آور فوج کی ایک بہت بڑی تعداد کو کاٹ ڈالا جبکہ پہاڑی لوگوں نے واپسی پر ان کا ساز و سامان لوٹ لیا۔ پوری فوج بادشاہ کی خواہش کی بھینٹ چڑھ گئی۔ فرشتہ کے مطابق اس مہم کی سرگزشت کو بیان کرنے کے لیے بمشکل ایک آدمی بچا یا وہ لوگ بچ گئے' جو پیچھے چھاؤنیوں میں رہ گئے تھے۔

۱۳۴۰ء میں بادشاہ کے والد کے دیرینہ دوست ملک بہرام ابیہ نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ بادشاہ نے پایہ تخت کو دہلی سے دیوگڑھ منتقل کر لیا تھا' جسے وہ دولت آباد کہتا تھا۔ اس نے اپنے تمام امراء کو سخت احکامات جاری کیے۔ وہ بمعہ اہل و عیال نئے شہر میں منتقل ہو جائیں۔ بادشاہ کے ایک بااعتماد ملازم علی کو اسی قسم کا پیغام دے کر حاکم ملتان بہرام کے پاس روانہ کیا گیا لیکن اس نے بادشاہ کے احکامات کو منظور نہ کرنے کا ثبوت دیتے ہوئے علی کو سنگین دھمکیاں دے کر واپس بھیج دیا۔ حاکم ملتان کے داماد اور ایلچی کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی اور اس کے بعد مکہ بازی شروع ہو گئی۔ بہرام کے ایک خدمت گار نے ایلچی کا سر اڑا دیا۔

بادشاہ نے اپنی اس ہتک کے بارے میں سنا تو فوری طور پر اپنی فوج کو حرکت میں لے آیا اور ملتان کے سامنے پہنچ گیا۔ ملک بہرام نے اپنی فوجوں کو جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔

لہٰذا دونوں فوجوں کے درمیان دو بدو جنگ شروع ہوگئی۔ دونوں جانب زبردست خون خرابہ ہوا۔ آخرکار بہرام کے دستوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ بادشاہ جو اس وقت غضبناک ہوگیا تھا' اس نے حکم دیا کہ ملتان کے تمام شہریوں کو قتل کر دیا جائے لیکن صوفی بزرگ حضرت رکن الدین نے اس سے ملاقات کی اور اسے اس خونریزی سے باز رہنے کی تلقین کی۔ فاتحین نے شکست خوردہ فوج کا تعاقب کیا۔ انہوں نے ملک بہرام کو گرفتار کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کا سر انعام کے طور پر بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ ان واقعات کے بعد بادشاہ دہلی روانہ ہوگیا۔ جانے سے پیشتر اس نے بہزاد خاں کو ملتان میں اپنا حاکم مقرر کیا۔

تقریباً ۱۳۴۱ء میں افغانستان کے پہاڑوں کے ایک طاقتور سردار' شاہو نے پنجاب کے شمال میں واقع علاقوں کو تہہ و بالا کر کے ملتان پر حملہ کر دیا۔ حاکم ملتان بہزاد خاں اپنی فوج کے ہمراہ اس کے مقابلے پر آیا لیکن زبردست کشت و خون کے بعد اسے شکست دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ حملہ آور نے پورے صوبے کو غارت کر دیا اور اس کے باشندوں کو گھاٹیوں میں مقید کر دیا۔ جب یہ خبریں دہلی پہنچیں تو بادشاہ ایک بہت بڑی فوج کی قیادت کرتا ہوا ملتان کی طرف روانہ ہوا لیکن اس کی آمد پر شاہو نہایت تیزی کے ساتھ پہاڑوں میں فرار ہوگیا۔ لہٰذا خطرہ ٹل گیا اور بادشاہ اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹ گیا۔

۱۳۴۱ء میں **ککھڑوں** نے ایک مرتبہ پھر اپنے سردار ملک حیدر خاں کی قیادت میں پنجاب پر حملہ کر دیا۔ حاکم لاہور تاتر خاں نے دشمن کا مقابلہ کیا لیکن زبردست جنگ کے بعد لاہور کی فوج کو شکست ہوگئی اور حاکم ہلاک ہوگیا۔ اس نقصان کی خبر جب دربار دہلی پہنچی تو بادشاہ نے خواجہ جہاں کی قیادت میں ایک بہت بڑی فوج **ککھڑوں** کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کی۔ لہٰذا انہیں بھاگنے پر مجبور کر کے ملک سے نکال دیا گیا۔

۱۳۵۱ء میں بادشاہ التون بہادر سے ۵ ہزار مغل گھڑسواروں کے سمیت شمولیت اختیار کر کے سندھ کے سمیرا شہزادے کو سزا دینے کے لیے ٹھٹھہ کی مہم پر روانہ ہوا۔ محرم کا تہوار آ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے پہلے دس روز گزارنے کے لیے شہر سے ساٹھ میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ پڑاؤ کے دوران اس نے بڑی کثرت سے مچھلی کے شکار میں شرکت کی اور زبردست بخار میں مبتلا ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ وہ تندرست ہوتا' وہ ٹھٹھہ جانے کے لیے جہاز پر سوار ہوا لیکن ۲۰ر مارچ ۱۳۵۱ء کو شہر سے تیس میل کے فاصلے پر ستائیس سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوگیا۔

فیروز شاہ کی تاریخ کا مصنف' مورخ ضیاء الدین برنی بھی محمد تغلق کے دور میں گزرا ہے اور بہت سی مہمات میں اس کے ہمراہ گیا تھا۔ بادشاہ نے اپنی تعلیم کے باوجود تخت پر بیٹھنے سے کافی عرصہ پہلے ظالمانہ طبیعت کا ثبوت پیش کیا تھا۔ دہلی میں رہائش کے دوران ایک مرتبہ وہ اپنی فوج کے ہمراہ شکار کی مہم پر روانہ ہوا۔ ضلع بہرام پہنچنے پر اس نے اپنے افسروں سے کہا کہ وہ یہاں جانوروں کا نہیں' بلکہ آدمیوں کا شکار کرنے آیا ہے۔ اس نے نہایت بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہریوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ ان کے ہزاروں سروں کو دہلی لایا گیا اور شہر کی فصیلوں پر لٹکا دیا گیا۔ فرشتہ لکھتا ہے: "ایک اور موقع پر اس نے قنوج کی طرف مہم روانہ کی اور اس کے شہریوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس علاقے کے اردگرد کئی میل تک قتل و غارت گری کی گئی اور سارے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا" بادشاہ نے ایک مرتبہ سلطنت ایران کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے لیے ۳٫۷۰۰۰ گھڑ سوار فوج تیار کی۔ اس کی وجہ سے ملک کے تمام وسائل کو ختم کر دیا گیا لیکن اس منصوبے کو ناقابل عمل ہونے کے باعث ترک کرنا پڑا۔ چین کی طرف اس کی مہم کے بارے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

فرشتہ نے بادشاہ کے وہم و گمان کے بارے میں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا ہے۔ مسٹر ا۔ سلفن سٹون نے اندازہ لگایا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ بڑی حد تک پاگل پن میں مبتلا ہو۔ مالا بار کی طرف سفر کے دوران (جس نے بغاوت کر دی تھی) وہ بری طرح بیمار پڑ گیا۔ اس نے فوج کی کمان عماد الملک کے سپرد کی اور خود اپنی پسندیدہ رہائش گاہ دولت آباد کی طرف لوٹ گیا۔ راستے میں اذیت ناک دانت درد کے باعث وہ اپنے ایک دانت سے محروم ہو گیا۔ بیر میں اس کے دانت کو بڑے اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا اور اس کے اوپر ایک نہایت شاندار سنگی مقبرہ تعمیر کیا گیا' جو آج کل بادشاہ کی بیہودگی کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔ بادشاہ بغداد کے خلیفہ کا سب سے زیادہ احترام کرتا تھا۔ ۱۳۴۴ء میں اس نے خلیفہ کے سفیر حاجی سید ہرمزی کا نہایت فقید المثال استقبال کیا تھا۔ بادشاہ اس کا استقبال کرنے کے لیے شہر سے بارہ میل کے فاصلے تک پیدل گیا اور خلیفہ کے مراسلے کو اپنے سر پر رکھ لیا۔ شہر واپس آنے کے بعد اس نے ایک بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا۔

بادشاہ کے عشق نے اسے اس حد تک پہنچا دیا کہ اس نے شاہی لبادوں اور ساز و سامان پر بھی خلیفہ کا نام درج کرا دیا۔ جب خلیفہ کے ایلچی شیخ الشیوخ مصری' ۱۱۶۲ء میں وہاں پہنچے تو ان کا بھی اسی شان و شوکت سے استقبال کیا گیا اور بعد ازیں جب بنو عباس کا

ایک شہزادہ وہاں پہنچا تو وہ ہمیشہ دربار میں بادشاہ کے دائیں ہاتھ بیٹھتا تھا اور اس وقت بادشاہ کو اس کے نیچے قالین پر بیٹھے دیکھا گیا۔

فیروز تغلق

محمد تغلق کے انتقال کے بعد اس کے چچا زاد بھائی فیروز' جسے بادشاہ نے بستر مرگ پر اپنا جانشین مقرر کیا تھا' فوج کے ہمراہ اس کی غیر حاضری کے باعث اس کے ایک رشتہ دار صدر جہاں نے چھ سال کے ایک لڑکے کو تخت پر بٹھا دیا۔ فیروز اپنے فوجی دستوں کی قیادت کرتا ہوا دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے لڑکے کے تمام حقوق ختم کر دیے اور خود ۱۴ر ستمبر ۱۳۵۱ء کو فیروز تغلق کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ اس نے ۱۳۵۳ء میں ایک شکاری مہم کے دوران کلانور اور بعد میں ضلع لاہور کا دورہ کیا اور دریائے سرسوتی کے کنارے پر ایک عالیشان محل تعمیر کیا۔ ۱۳۵۴ء کا سال اس بادشاہ کے لیے اس لیے یادگار سمجھا جاتا ہے کہ اس نے دہلی کے ساتھ ایک نیا شہر آباد کیا اور اسے فیروز آباد کا نام دیا۔ اس کے بعد وہ دیپال پور کی طرف روانہ ہوا اور ۱۲ر جولائی کو اڑتالیس کوس طویل ایک عظیم نہر کا افتتاح کیا' جسے اس نے دریائے سرسوتی سے دریائے گکھڑ تک آب پاشی کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ اس نے ۱۳۵۲ء میں جمنا کے پانی کو ہنسی اور حصار کے صحراؤں تک لے جانے کے لیے ایک اور نہر تعمیر کروائی' جہاں اس نے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا' جسے وہ حصار فیروزہ کہتا تھا۔ دریائے گکھڑ اور سرسوتی سے منسلک ایک تیسری نہر کو موضع پیری خیرا تک توسیع دی گئی' جہاں اس نے ایک شہر کی بنیاد رکھی' جسے اس نے خود اپنے نام پر فیروز آباد کا نام دیا۔

۱۳۵۸ء میں مغلوں نے پنجاب میں دیپالپور تک حملہ کر دیا۔ دیوان خاص کے نگران کابل خاں کو ایک فوج کے ہمراہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا' لیکن اس سے پہلے کہ شاہی فوجیں وہاں پہنچتیں' حملہ آور بہت زیادہ مال غنیمت لے کر اس علاقے سے واپس لوٹ گئے۔

فرشتہ نے مردان دولت کے سب سے چھوٹے بیٹے ناصر الملک کے نام کا ذکر بادشاہ فیروز شاہ کے دور حکومت میں بحیثیت حاکم لاہور کے کیا ہے۔ اس کے دور میں پنجاب میں مقامی دلچسپی کے چند واقعات رونما ہوئے۔ ۱۳۷۹ء میں بادشاہ نے سامانہ' انبالہ اور شاہ آباد کی طرف پیش قدمی کی۔ سرمر پہاڑوں کے راجہ سے بھاری خراج حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے دارالخلافہ میں لوٹ آیا۔

۳۸ سال حکومت کرنے کے بعد نوے سال کی طویل عمر کے بعد ۲۳ر اکتوبر ۱۳۸۸ء کو فیروز کا انتقال ہوگیا۔ حروف ابجد کے حساب سے اس کی تاریخ وفات (۷۹۰ ہجری) کو الفاظ "وفات فیروز" سے اخذ کیا گیا ہے۔ فیروز ایک انصاف پسند اور فیاض شہزادہ تھا' اس کی فوج اور رعایا میں سے ہر رتبے کے افراد اسے پسند کرتے تھے۔ وہ ایک عالم فاضل شخص تھا' "فتوحات فیروز شاہی" کے نام سے مشہور تصنیف کا مصنف ضیاء الدین برنی اس کے دربار میں ہوتا تھا۔ اس نے "تواریخ فیروز شاہی" کے نام سے اس کے دور کی تاریخ لکھی ہے۔ اس نے متعدد نئے قوانین متعارف کرائے۔ مجرموں کے اعضاء کی قطع و برید کی رسم کو ختم کیا اور کاشتکاروں پر مناسب حدود کے اندر سرکاری مال گذاری کو کم کیا۔ جس کے نتیجہ میں زمین کے مالکان خوشحال ہوگئے اور سرکاری مالیات میں اضافہ ہوگیا۔ اس نے عالم فاضل حضرات کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ اپنے دارالخلافہ میں شاذ و نادر ہی دکھائی دیتا تھا بلکہ اپنی سلطنت کے علاقوں کا جائزہ لینے کے لیے لگاتار دورے کرتا تھا اور اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے موقع پر احکامات جاری کرتا تھا۔ اس نے سرکاری دولت کو رفاہ عام کی عمارات تعمیر کرنے پر صرف کیا۔ مقامی مورخ ضیاء الدین برنی نے شمار کیا ہے کہ اس نے آب پاشی کو فروغ دینے کے لیے دریاؤں پر ۵۰ بند تعمیر کرائے' ۴۰ مساجد' ۳۰ مدرسے' جن کے ساتھ مساجد بھی تھیں' ۲۰ محل' ۱۰۰ کارواں سرائے' ۲۰۰ مینار' زمینوں کو سیراب کرنے کے لیے ۳۰ تالاب یا جھیلیں' ۱۰۰ شفا خانے' ۵ مقبرہ جات' ۱۰۰ سرکاری حمام' ۱۰ یادگاری ستون' ۱۰ سرکاری کنویں' ۱۵۰ پل اور اس کے علاوہ بے شمار باغات اور بارہ دریاں تعمیر کرائیں اور ان کی بنیاد رکھی۔ ان تمام سرکاری عمارات کی دیکھ بھال کے لیے اس نے زمینوں کو بلا لگان قرار دے دیا تھا۔

فیروز تغلق کے انتقال کے بعد اس کا پوتا غیاث الدین اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس نوجوان نے اپنی جوانی کے جذبات اور حرص و طمع کو کھلا چھوڑ دیا۔ لہٰذا پانچ ماہ کی مختصر سی حکومت کے بعد ایک گروہ نے رکن الدین کی سرکردگی میں اسے اپنے وزیر فیروز علی کے ہمراہ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ اس کے بھائی اور چچا زاد بھائیوں کی حمایت میں تھا۔ یہ واقعہ ۱۸ر فروری ۱۳۸۹ء کو رونما ہوا۔

غیاث الدین کے بعد' فیروز تغلق کا ایک دوسرا پوتا ابوبکر تخت نشین ہوا لیکن اس نے ابھی اسی سال ۲۹ر نومبر تک حکومت کی تھی کہ اسے فیروز کے بیٹے محمد نے معزول کر دیا۔ اپنے باپ کی دستبرداری پر وہ دارالخلافہ سے فرار ہوگیا تھا لیکن اب امراء کی متفقہ رائے

کے مطابق اسے واپس بلا لیا گیا۔

ناصر الدین محمد تغلق' دوئم

شہزادہ محمد نے اپنے آباؤ اجداد کے تخت پر بیٹھنے کے بعد ناصر الدین محمد کا لقب اختیار کیا۔ تاہم اِس کو اس وقت اختیار نہ کیا گیا' جب تک اگست ۱۳۹۰ء کو اس کے حریف دعویدار ابوبکر کو مکمل طور پر شکست دے کر میوات کے دارالحکومت سے بھگا نہیں دیا گیا۔

۱۳۹۱ء میں بادشاہ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ وزیر اسلام خاں' جس کو اس نے حکومت میں سرفراز کیا ہے' ایک بہت بڑی فوج کی قیادت کرتے ہوئے لاہور اور ملتان کی طرف بڑھنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس کا مقصد ان صوبوں میں بغاوت کی آگ کو بھڑکانا ہے۔ بادشاہ نے اس پر بغاوت کا الزام عائد کیا اور اس کے عزیزوں کی گواہی پر اسے موت کی سزا دے دی۔

۱۳۹۴ء میں ککھڑوں نے اپنے سردار شیخہ کی قیادت میں بغاوت کر دی۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے ہمایوں کو بغاوت کچلنے کے لیے روانہ کیا۔ لیکن خود بخار کے باعث' محمد آباد کے مقام پر ۱۹ر فروری ۱۳۹۴ء کو چھ سال اور سات ماہ حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔ اسے بھی اسی قبرستان میں دفن کیا گیا جہاں اس کے والد کو دفن کیا گیا تھا۔

ناصر الدین محمد تغلق کے بعد' اس کا بیٹا ہمایوں اس کا جانشین مقرر ہوا۔ تخت نشین ہونے پر اس نے سکندر کا لقب اختیار کیا لیکن صرف چالیس روز کی مختصر سی حکومت کرنے کے بعد وہ ایک مہلک بیماری کے حملے کے باعث اچانک انتقال کر گیا۔۔۔

محمود تغلق

ہمایوں کے انتقال پر جانشینی کے لیے زبردست مقابلہ ہوا لیکن آخرکار مرحوم بادشاہ ناصر الدین محمد کے نوجوان بیٹے محمود کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ تاہم امراء کے درمیان جھگڑوں کے باعث سلطنت کی حالت ابتر ہو چکی تھی اور دربار میں گروہ معرض وجود میں آ چکے تھے۔ اس چیز نے مختلف صوبوں کے حاکموں کو بغاوت کرنے اور خودمختاری کا اعلان کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کی۔ وزیر خواجہ جہاں نے "ملک الشرق" کا لقب اختیار کیا اور بنگال کے ایک حصہ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ پنجاب میں ککھڑوں نے بغاوت کر دی تھی۔ گجرات ایک خودمختار بادشاہت بن چکی تھی اور مالوہ و خندیس نے کافی عرصہ سے دہلی دربار پر انحصار کرنا چھوڑ دیا تھا۔ تاہم پنجاب ابھی تک سلطنت کے ہاتھ سے نہیں گیا تھا کیونکہ

اس وقت کم از کم حکام ابھی تک مضبوطی سے اس کی اطاعت کر رہے تھے' جبکہ ہندوستان میں ہر طرف غلط فہمیوں اور آویزشوں کا دور دورہ تھا۔

حاکم دیپالپور' سارنگ خاں نے صوبہ ملتان اور پنجاب کے شمال مغرب میں ایک بہت بڑی فوج جمع کی اور ککھڑوں کے خلاف پیش قدمی کر دی۔ لہٰذا لاہور سے ۲۴ میل کے فاصلے پر اجودھن کے میدانوں پر ایک زبردست جنگ لڑی گئی' ککھڑوں کو ایک بہت بڑے نقصان کے ساتھ شکست ہوئی اور ان کے سردار شیخہ نے میدان جنگ سے فرار ہو کر جموں کے پہاڑوں میں پناہ لی۔ اس فتح کے بعد' سارنگ خاں' اپنے چھوٹے بھائی عادل خاں کو لاہور میں چھوڑ کر دیپالپور لوٹ آیا۔

۱۳۹۵ء میں حاکم دیپالپور سارنگ خاں اور حاکم ملتان' خضر خاں کے درمیان اختلافات پیدا ہو جانے کے باعث' دونوں نے اعلان جنگ کر دیا۔ دونوں میں متعدد جھڑپیں ہوئیں اور فریقین کو کئی مواقعوں پر کامیابی بھی ہوئی' لیکن آخرکار سارنگ خاں کو فتح حاصل ہو گئی' جس نے ملتان پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی طاقت اور وسائل کو بڑھانا شروع کر دیا۔

اپنی کامیابی کے زعم میں سارنگ خاں نے اگلے سال خود دارالخلافہ کی طرف پیش قدمی کر دی' لیکن پانی پت کے حاکم تاتر خاں اور الماس بیگ نے اس کے خلاف جنگ کی اور ۴ھر اکتوبر ۱۳۹۶ء کو اسے شکست فاش دے کر ملتان کی طرف فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

۱۳۹۶ء میں تیمور المعروف تیمور لنگ کے پوتے مرزا پیر محمد نے دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل تعمیر کیا اور ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ دریا کو پار کرنے کے بعد اوچ کا محاصرہ کر لیا۔ حاکم اوچ' ملک علی کی ناکا بندی کر لی گئی' اس پر حاکم ملتان' سارنگ خاں' اس کی مدد کرنے اور اس سے نجات دلانے کے لیے روانہ ہوا۔ مرزا پیر محمد نے اس پیش قدمی کے بارے میں سنا تو وہ بیاس کی طرف بڑھا اور ملتان کی فوجوں کے پہلوؤں میں آ کر اس وقت ان پر چڑھ دوڑا جب وہ دریا کو پار کر رہی تھیں۔ فوجیں حیران و پریشان ہو گئیں لہٰذا انہوں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں' ان کی بہت بڑی تعداد ڈوب کر ہلاک ہو گئی۔ متعدد کو تہہ تیغ کر دیا گیا اور ایک قلیل تعداد ملتان کی طرف لوٹنے میں کامیاب ہو سکی۔ شہزادے نے ملتان کے دروازوں تک ان کا تعاقب کیا' سارنگ خاں قلعہ بند ہو گیا' لہٰذا مغلوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ چھ ماہ تک قائم رہا' جب تمام شرائط ناکام ہو گئیں تو سارنگ خاں اپنی پوری چھاؤنی کے ہمراہ ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گیا۔ پیر محمد اس طویل مہم میں اپنے زیادہ تر

گھوڑوں اور رسل و رسائل کی اشیاء سے محروم ہوگیا تھا اور موسم برسات بھی شروع ہوگیا تھا وہ مزید کارروائیوں کو جاری رکھنے کے قابل نہیں تھا۔

دریں اثناء دہلی دربار میں دو دھڑے معرض وجود میں آ گئے۔ ایک اقبال خاں کے تحت اور دوسرا مقرب خاں کی سرکردگی میں۔ بادشاہ' اقبال خاں کے ہاتھ میں محض ایک کٹھ پتلی تھا' جو مقرب خاں اور اس کے ساتھیوں کو شہر سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ دارالخلافہ میں امن و امان بحال کر دیا گیا تھا کہ ہندوستانیوں پر ایک اور آفت آن پڑی۔ یہ تیمور بیگ گورکان کا حملہ تھا' جس نے ملک کی ابتر حالت کے پیش نظر سارے ہندوستان کو زیر نگیں کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔

باب ۷

تیمور کا حملہ

جب ہندوستان میں خانہ جنگیوں اور سلطنت کے عمومی جھگڑوں اور ابتری کی خبریں ۱۳۹۲ء میں سمرقند میں تیمور یا تیمور لنگ تک پہنچیں تو اس نے اپنے پوتے پیر محمد کی قیادت میں ایک فوج روانہ کی، جس نے دریائے سندھ کے مغربی علاقوں کو تہہ و بالا کر دیا۔ تیمور بذات خود بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا، لہٰذا ۱۲ ستمبر ۱۳۹۸ء کو دریائے سندھ عبور کر کے وہ نہایت تیزی سے لاہور کی جانب روانہ ہوا۔

حاکم پنجاب، شہاب الدین مبارک خاں، جو حملہ آور کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے چناب تک آ گیا تھا، اسے مغلوب کرنے کے لیے شیخ نور الدین کی قیادت میں ایک پیشگی حفاظتی دستہ روانہ کیا گیا۔ مبارک خاں نے دریا کے کنارے پر ایک منفرد انداز اختیار کیا، اس نے قلعہ بندیوں کے ہمراہ اس کے گرد گہری خندق کھود کر اپنی طرف سے آخر دم تک دفاع کرنے کی تیاری کر لی تھی۔ ہندوستانیوں نے پے در پے حملے کیے لیکن ہر مرتبہ مغلوں نے انہیں پسپا کر دیا، آخرکار تیمور اپنی تمام فوج کے ہمراہ وہاں آن پہنچا۔ مبارک خاں نے اتنی بڑی فوج کو وہاں آتے دیکھا تو وہ خوفزدہ ہو گیا، اس نے انتہائی رازداری سے اپنے اہل خانہ اور خزانوں کے ہمراہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کے راستے فرار حاصل کی اور ہندوستانی چھاؤنی کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیا، جس نے اپنے رہنما کے بارے میں جب یہ سنا کہ وہ فرار ہو گیا ہے تو غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے۔

تیمور اب، دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چناب اور راوی کے سنگم کی طرف روانہ ہوا۔۔۔ اس کی فوج نے دریا کو کشتیوں کے پل کے ذریعے عبور کیا جو اسی مقصد کے لیے

بنایا گیا تھا اور اس نے تلمبہ شہر کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ جب اشیائے خورد و نوش ختم ہو گئیں تو انہیں حاصل کرنے کے لیے شہر پر جھپٹا مارا گیا' لیکن بے صبرے سپاہیوں نے شہر کو لوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا اور جن شہریوں نے ان کی مزاحمت کی انہیں انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ تیمور نے تلمبہ شہر (جو حملہ آور فوج کی پیش قدمی کو روک سکتا تھا) کا محاصرہ کیے بغیر شاہنواز کی طرف پیش قدمی کر دی' جہاں اسے ایک **ککھڑ** سردار کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سردار کو اس نے قتل کر دیا اور شہر سے زیادہ سے زیادہ اشیائے خورد و نوش حاصل کرنے کے بعد اسے نذر آتش کر دیا۔ تب اس نے دریائے بیاس کو عبور کیا اور اپنے پوتے مرزا پیر محمد کو ۳۰ ہزار گھڑ سوار فوج کی کمک بھیجی' جس کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اس نے ملتان کو فتح کر لیا تھا اور شہریوں سے بہت زیادہ خائف تھا کیونکہ انہوں نے اس کی رسد کو کاٹ دیا تھا اور اب اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ جلد ہی تیمور خود بھی شہزادے سے آن ملا۔ اجودھن (پاک پتن شریف) کو اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ وہاں حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج کا مزار شریف تھا' لہٰذا اس احترام میں اسے نہ چھیڑا گیا' اگرچہ' حملہ آوروں کی آمد پر وہاں کے باشندوں نے شہر کو مکمل طور پر خالی کر دیا تھا۔ اب تیمور نے بھٹنیر کی طرف پیش قدمی کر دی' کیونکہ وہاں کے سردار نے شہزادے کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا کیے تھے' یہاں پر دیپالپوری کے عوام اور قرب و جوار کے باشندوں نے اپنے آپ کو مغلوں کی بڑھتی ہوئی فوج سے بچانے کے لیے بہت بڑی تعداد میں جمع ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ قصبہ لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کو پناہ دینے کے لیے ناکافی تھا' لہٰذا زیادہ لوگوں نے دیواروں کے نیچے پناہ حاصل کر لی۔ لیکن جب تیمور کی فوجوں نے ان پر حملہ کیا تو بہت کم ان کی تلواروں سے محفوظ رہ سکے' بے شمار قتل کر دیے گئے۔ بھٹنیر کے حاکم نے کمزور سی مزاحمت کی لیکن تیمور نے بذات خود دشمن کو اس قدر دبایا کہ وہ اسے پیچھے دھکیل کر لے گیا اور شہر کے دروازوں پر قبضہ کر لیا۔ دشمن کو گلی در گلی شکار کیا گیا اور چند ہی گھنٹوں میں تیمور پورے شہر کا مالک بن گیا۔ لہٰذا اب چھاؤنی نے ہتھیار ڈالنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا' حاکم شہر نے جب تیمور کو ۳۰۰ عربی گھوڑے پیش کیے تو اسے خلعت سے نوازا گیا۔ تیمور نے سلیمان شاہ اور امیر اللہ داد کو حکم دیا کہ وہ قلعہ کے دروازوں پر قبضہ حاصل کر لیں اور ان تمام افراد کو تہہ تیغ کر دیا جائے جنہوں نے شہزادہ پیر محمد کے خلاف مزاحمت کی تھی۔ چنانچہ' مغلوں نے چند ساعتوں کے اندر ۵۰۰ افراد کو قتل کر ڈالا۔

قلعہ کے اندر تمام لوگوں نے اس افسوسناک واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ان

میں تشویش کی لہر دوڑ گئی' لہٰذا انہوں نے اپنی زندگیوں سے مایوس ہو کر اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیا اور اس جگہ کو نذر آتش کر کے باعزت موت کی خواہش کی اور مایوسی کی بھرپور قوت سے خون کے پیاسے مغلوں پر آن پڑے اور ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تاہم' باقاعدہ جنگی فن سے ناآشنا ہونے کے باعث' جلد ہی تیمور کی منظم فوج ان پر غالب آ گئی اور آخر میں ہر ایک مرد کو کاٹ ڈالا گیا۔ آخر میں یہ منظر انتہائی ہولناک تھا۔ فریقین کی جانب سے ہزاروں ہلاک ہوئے۔ تیمور' (جسے فرشتہ "کائنات کی جلی ہوئی لکڑی" کہتا ہے) شہریوں کے رویہ سے اس قدر بھڑک اٹھا کہ بھٹنیر میں اس کے ہاتھ سے ایک جاندار بھی زندہ نہ بچا' تمام باشندوں کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا اور شہر کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔

اس کے بعد تیمور نے سرسوتی پر چڑھائی کر دی۔ اس کے شہریوں کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا اور شہر کو تاخت و تاراج کر کے رکھ دیا گیا۔ تب ضلع فتح آباد میں پہنچ کر اسے تہہ و بالا کرنے کے علاوہ یہی سلوک نواحی قصبات' راجپور' اہرونی اور توہانہ کے ساتھ بھی کیا گیا۔ موخر الذکر مقام سے تیمور نے بذات خود علاقے کا مشاہدہ کیا اور حکیم عراقی کی قیادت میں ۵ ہزار گھڑسوار فوج روانہ کی' جس نے حملہ کیا اور سامانہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے دستوں کو مختلف سرداروں کے تحت منقسم کر دیا گیا۔ جنہوں نے لاہور اور ملتان کے صوبوں کو تاخت و تاراج کر دیا اور جہاں بھی گئے آگ اور تلوار لے کر گئے۔

تب تیمور نے پانی پت کے راستے سے دریائے جمنا کو پار کیا اور ایک زبردست حملے کے بعد لونی کے قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد چھاؤنی کو قتل کر دیا۔ جس وقت وہ دہلی کی جانب قراولی کر رہا تھا' اس وقت بادشاہ محمود تغلق اپنے وزیر اقبال خاں کے ہمراہ ۵ ہزار گھڑسوار اور پیادہ فوج اور ۲۷ ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ شہر سے باہر نکل آیا۔ ایک جھڑپ شروع ہوگئی' ہندوستانی دستوں کو پیچھے دھکیل دیا گیا اور ان کے سپہ سالار محمد سیف بیگ کو قیدی بنانے کے بعد تیمور کے حکم سے اس کا سر اڑا دیا گیا۔ ان کارروائیوں کے بعد فاتح اپنے پڑاؤ میں لوٹ آیا۔ تیمور کے پڑاؤ میں کسی طرح بھی ۱ لاکھ سے کم قیدی نہیں تھے' جو اس نے دریائے سندھ کو پار کرنے کے بعد پکڑے تھے۔ ہوا یوں کہ جس دن دہلی کے بادشاہ نے حملہ کیا تو ان بدقسمت افراد نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا کہ اب ان کی مصیبتیں ختم ہونے والی ہیں۔ جب تیمور کو اس کی خبر پہنچائی گئی تو اس نے حکم جاری کیا کہ پندرہ سال کی عمر سے زائد تمام افراد کو ہلاک کر دیا جائے' اس کے حکم پر فورا عمل درآمد کیا گیا اور

تقریباً سبھی کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

۱۳ر جنوری ۱۳۹۹ء کو تیمور نے جمنا کو بلامزاحمت عبور کیا اور دہلی کے نواح میں فیروز آباد کے میدانوں میں خندق کھود کر بیٹھ گیا' سینکڑوں بھینسوں کو خندق میں ٹولیوں کی شکل میں ان کے منہ دشمن کی طرف کر کے کھڑا کر دیا گیا اور ان کے بعد پیادہ فوجوں کی قطاروں کو مناسب وقفوں پر کھڑا کیا گیا۔ نجومیوں نے بتایا کہ ۱۵ر جنوری منحوس ہوگی' لیکن تیمور لنگ نے خدا پر بھروسہ کیا اور ان کی پیشین گوئی پر یا تو دھیان نہ دیا یا بہت کم پرواہ کی اور فوج کو جنگ کے مطابق ترتیب دے دیا۔ بادشاہ محمود نے بذات خود فوج کی قیادت کی اور وزیر اقبال خاں کی معاونت میں اس نے ہندوستانی فوجوں کو کو پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ پہلے حملے نے ہاتھیوں کو اس قدر ہراساں کر دیا کہ وہ بالکل بے قابو ہو کر ہندوستانی بادشاہ کی فوجوں کی عقبی صفوں کی جانب بھاگ نکلے اور ان میں پریشانی پھیلا دی۔ تیمور کی آزمودہ کار فوج نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن پر ایک زبردست حملہ کر دیا' لہٰذا ہندوستانیوں کو مکمل طور پر شکست ہوگئی اور دہلی کے دروازوں تک ان کا تعاقب کیا گیا' بادشاہ اور وزیر رات کے وقت فرار ہوگئے' بادشاہ نے گجرات کی راہ لی۔ معززین شہر اب فاتح کے گرد جمع ہوگئے' جس نے خراج ادا کرنے کی شرط پر انہیں تحفظ دے دیا۔ آئندہ جمعہ کے روز تیمور نے بحیثیت شہنشاہ ہندوستان کا اعلان کر دیا اور تمام مساجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

دہلی کی فوجوں کو شکست فاش ہوگئی اور بادشاہ فرار ہوچکا تھا۔ لیکن ایک عظیم آفت کا ابھی انتظار تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیمور نے شہر کے لوگوں سے خراج وصول کرنے کا کام' شہر کے سرداروں اور کوتوالوں کے سپرد کیا تھا۔ لیکن چند امراء اور امیر تاجروں نے اپنے حصے کا خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر امیر نے رقم اکٹھی کرنے کے سلسلہ میں کوتوالوں کی مدد کے لیے دستے دہلی روانہ کیے۔ دریں اثناء' تیمور نے فتح کے بعد اپنی رسم کے مطابق اپنے پڑاؤ میں ایک عظیم الشان دعوت کا انتظام کیا' جس میں اس نے اپنے سرداروں اور امراء کی خوب آؤ بھگت کی۔

روانہ کیے گئے دستوں نے شہر میں ابتری پھیلا دی اور بے قابو ہو کر اس مقام کو لوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا' کسی نے بھی تیمور کو اس کی رنگ رلیوں کے دوران' ان حالات سے آگاہ کرنے کی جرات نہ کی اور جابر فوج نے بغیر رکے ہوئے اپنی زیادتیاں جاری رکھیں' ہندو عورتوں کی بے حرمتی کی گئی' ان کی جائیدادوں کو ضبط کر لیا گیا' حتیٰ کہ مسلمانوں کو بھی

نہ بخشا گیا۔ شہریوں کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہوگیا تھا' آخرکار انہوں نے اپنے اوپر مسلط نقصان کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ انہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے' اپنے بیوی بچوں کو ہلاک کر دیا' گھروں کو نذر آتش کر دیا اور جو ہتھیار بھی وہ اٹھا سکتے تھے' اٹھا کر دشمن پر چڑھ دوڑے۔ ایک قتل عام شروع ہوگیا۔ پورا شہر شعلوں کی زد میں تھا اور گلیوں میں سوائے مردوں کے ڈھیر اور قتل ہونے والوں کے خون کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ زبردست تباہی پھیل گئی اور خوف و ہراس کی فضا قطعی غیر معمولی تھی۔ آخرکار دہلی کے لوگوں کا حوصلہ' سخت گیر اور بے رحم تاتاریوں کے آگے جواب دے گیا' جو اب انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے آگے ہانک رہے تھے' بہت زیادہ مال غنیمت فاتحین کے ہاتھ لگا۔

تیمور دہلی میں پندرہ روز تک ٹھہرا' وہ بادشاہ فیروز کی تعمیر کردہ نہایت شاندار مسجد کی طرز تعمیر کی شان و شوکت سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور تغلق کے دور حکومت کی اس یادگار پر درج عبارت کو نہایت دلچسپی اور تعریفی انداز میں پڑھا' جس میں اس کے دور کی تاریخ اور اس کی حکومت کے تحت قوانین کے بارے میں بیان کیا گیا تھا' وہ دہلی سے اپنے ساتھ ماہرین تعمیرات اور معمار لے گیا تاکہ وہ سمرقند میں اسی طرز کی ایک مسجد تعمیر کریں۔ ان واقعات کے بعد' تیمور نے اپنے وطن کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا۔ ایک زبردست حملے کے بعد میرٹھ پر قبضہ کر لیا گیا اور چھاؤنی کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ آپ کو یاد ہوگا' حاکم ملتان خضرخاں کو ۱۳۹۶ء میں حاکم دیپالپور' سارنگ خاں نے شکست دے دی تھی اور تیمور کی آمد پر وہ میوات کے پہاڑوں میں روپوش ہوگیا تھا۔ اب دوبارہ باہر آکر اس نے امیر تیمور کی اطاعت کر لی اور اس نے اس کا شاندار استقبال کیا۔

امیر نے راستے میں متعدد قلعوں پر قبضہ کیا اور جموں پہنچنے پر اس نے راجہ کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا اور ایک زبردست مقابلے کے بعد موخر الذکر زخمی ہوگیا۔ شیخہ ککھڑ کے بھائی جسرت نے تیمور کا مقابلہ کیا لیکن اسے شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔ شیخہ نے اپنے بھائی کے اس رویہ پر اسے سخت لعنت ملامت کی اور یہ معاملہ تیمور کے سامنے پیش کیا' اس نے اسے شرف باریابی بخشا اور اس کی حمایت حاصل کر لی۔ دہلی میں تیمور کی موجودگی کے دوران ہی شیخہ نے ابتر حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لاہور پر قبضہ کر لیا اور امیر' جو اس وقت جموں میں پڑاؤ ڈالے ہوا تھا' اس کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ امیر نے اپنی فوج کے ایک دستے کو لاہور روانہ کیا' لاہور کا محاصرہ کر لیا گیا اور چند روز بعد اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ شیخہ کو گرفتار کرنے کے بعد پابہ زنجیر کر کے تیمور کے

پاس لایا گیا' لہٰذا اس کے حکم پر فوراً اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ جموں میں اپنے قیام کے دوران' تیمور نے حضر خاں کو لاہور' ملتان اور دیپال پور کے صوبوں پر اپنا حاکم مقرر کیا اور خود کابل کے راستے سمرقند کی طرف لوٹ گیا۔

تیمور کی روانگی کے بعد' جب دہلی دوبارہ آباد ہونا شروع ہوا تو یہ دو ماہ کے عرصہ تک طوائف الملوکی کی حالت میں رہا۔ محمود کے ایک چچا زاد بھائی فتح خاں کے بیٹے شہزادہ نصرت شاہ نے میرٹھ سے ۲ ہزار گھڑ سواروں کے ہمراہ آ کر اس پر قبضہ کر لیا لیکن وزیر اقبال خاں جس نے معاملات کا انتظام سنبھال لیا تھا' اسے نکال باہر کیا۔

حاکم سامانہ' بہرام خاں کے ساتھ مل کر اقبال خاں' حضر خاں کو مغلوب کرنے کے لیے ملتان روانہ ہوا۔ متحدہ فوج کا تلمبہ کے مقام پر' رائے رتہ کے بیٹوں اور شمالی صوبہ جات کے سرداروں' رائے داؤد کمال خاں اور رائے ہبھو نے سامنا کیا' لیکن ان کی فوجوں کو شکست دے دی گئی اور خود انہیں بھی قیدی بنا لیا گیا۔ حضر خاں نے اپنی ملتان' لاہور اور دیپالپور کی افواج کو جمع کیا اور اجودھن کے مقام پر اقبال خاں سے جنگ شروع کر دی۔ دونوں فوجوں میں ۱۸ر نومبر ۱۴۰۵ء کو جنگ شروع ہوگئی' جس میں اقبال خاں کو قتل کر دیا گیا اور ایک زبردست کشت و خون کے ساتھ اس کی فوج کو پسپا کر دیا گیا۔ جب اس کی خبر دہلی پہنچی' تو دولت خاں لودھی اور اختیار خاں' جن کے پاس فوجی کمان تھی' محمود تغلق کو قنوج سے وہاں بلوایا اور ایک مرتبہ پھر تخت پر بٹھا دیا۔ وہ زبردست بخار میں مبتلا رہنے کے بعد' دارالخلافہ میں فروری' ۱۴۱۲ء میں' بیس سال کی بدقسمت اور غیر شاندار حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا' لہٰذا اس کے ساتھ ہی شہاب الدین غوری کے متبنیٰ غلاموں کے خاندان کی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

باب ۸

سید خاندان

سید خضر خاں

محمود تغلق کے انتقال کے بعد امراء نے دولت خاں افغان لودھی کو منتخب کر لیا' جو اصل میں ایک نجی معتمد تھا اور جسے مرحوم بادشاہ نے اقبال خاں کے انتقال کے بعد عزیز الممالک کے خطاب کے ساتھ وزیر کے منصب پر فائز کیا تھا۔ دولت خاں اپریل ۱۴۱۲ء میں تخت نشین ہوا اور اس کے نام کے سکے مضروب کرائے گئے لیکن دارالخلافہ پر خضر خاں' حاکم لاہور نے تیمور کے نام پر حملہ کر دیا اور ۶۰ ہزار گھڑسوار فوج کے ہمراہ قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور چار ماہ کے محاصرے کے بعد ۴ جون ۱۴۱۶ء کو دولت خاں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ دولت خاں کو حصار فیروزہ میں مقید کر دیا گیا جہاں بعد ازیں وہ فوت ہو گیا۔

خضر خاں ایک سید تھا اور انتہائی شہرت یافتہ ملک سلیمان کا بیٹا تھا' وہ بادشاہ فیروز تغلق کے دور میں صوبہ ملتان کے حاکم ملک مردان دولت کا متبنیٰ بیٹا بھی تھا۔ ملک مردان دولت کے انتقال پر اس کا بیٹا ملک شیخ' ملتان کی حکومت پر اس کا جانشین بنا اور اپنی باری پر اس کا جانشین ملک سلیمان بنا۔ ملک سلیمان کے انتقال کے بعد' اس کا بیٹا خضر خاں حاکم ملتان کے عہدہ پر متمکن ہوا۔

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سارنگ خاں سے کشمکش کے بعد کس طرح خضر خاں کو ملتان سے بھگایا گیا اور اس نے تیمور کے حملہ کے موقع پر کس طرح اس کی حمایت حاصل کی' اسے ملتان کی حکومت پر بحال کر دیا گیا اور اس میں لاہور اور دیپالپور کو بھی شامل کر دیا گیا۔ اس چیز نے شمال مغرب میں خضر خاں کے ہاتھوں کو مضبوط کر دیا اور آخرکار اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ تخت کی جانب بڑھ سکے۔ تاہم' اس نے حکومت حاصل

کرنے کے بعد مصلحت اسی میں سمجھی کہ شاہی القابات اختیار نہ کرے بلکہ ملک پر اپنے انتہائی دہشت ناک پیش رو امیر تیمور کے نام کی حکومت کرے، جس کی خونی زندگی کی یاد ابھی تک لوگوں کے ذہنوں میں تازہ تھی۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اسی فاتح کے نام کے سکے بھی مضروب کرائے جائیں اور خطبہ بھی اسی کے نام کا پڑھا جائے جب تیمور کا انتقال ہوا، تو اس کے نام کی جگہ اس کے جانشین شاہ رخ کا نام خطبے میں پڑھا جانے لگا اور خراج بھی اسے ہی سمرقند میں روانہ کیا گیا۔ اس اقدام سے اس نے سابقہ حکومت کے ان امراء کے حسد کو ختم کر دیا جو ابھی تک تیمور کے نام سے کانپتے تھے۔ اس نے ملک تحفہ کو تاج الملک کا خطاب دے کر اپنا وزیر مقرر کیا اور اپنے باپ کے متبنیٰ بیٹے عبدالرحیم کو ملتان کی حکومت عنایت کی اور اسے علاء الملک کے خطاب سے نوازا۔

حضر خاں کے دور میں پنجاب میں امن و امان قائم رہا۔ وہ سات سال اور چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ۲۰ر مئی ۱۴۲۱ء کو انتقال کر گیا۔ وہ ایک چست و چالاک اور کامیاب حکمران تھا، اس نے اپنی طاقت اور فہم و فراست سے کئی صوبے بازیاب کرا لیے، جو سلطنت کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ لوگ بڑی حد تک اس سے وابستگی رکھتے تھے اور اس کی تعظیم و تکریم کے لیے دہلی کے شہریوں نے تین دن تک سیاہ لباس پہنا---

سید مبارک شاہ

حضر خاں کے انتقال پر، اس کا بیٹا مبارک، معزالدین عبدالفتح مبارک شاہ کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ اس نے ملک رجب کو لاہور اور دیپالپور کی حکومت عنایت کی۔ **ککھڑ** اپنے سردار اور شیخہ کے بھائی جسّا کے تحت، پنجاب میں ایک طاقتور قبیلہ بن گئے تھے۔ اس سردار نے ـــ میں بہت زیادہ لوٹ مار کرنے کے بعد گزشتہ سال کے دوران جموں کی طرف چڑھائی کر دی اور وہاں کشمیر کے بادشاہ علی شاہ کو شکست دے کر اپنا قیدی بنا لیا۔ اب اس نے پورے ہندوستان کی بادشاہت کو حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے تحت، دہلی پر حملہ کرنے کے لیے ایک فوج جمع کر لی۔ اس نے پہاڑوں سے ترکوں کے سردار، ملک توغن کو واپس بلایا اور اسے اپنی فوج کا سپہ سالار یا امیر الامراء مقرر کیا۔ سب سے پہلے پنجاب کے خلاف کارروائی کی گئی۔ لاہور پر قبضہ کر لیا گیا اور پھر جالندھر کو تسخیر کر کے مغل حاکم، زرق خاں کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اس کے بعد **ککھڑوں** نے سرہند پر دھاوا بول دیا اور اس کے قلعہ کا محاصرہ کرنے کے بعد اس کے حاکم اسلام خاں اور اس کی چھاؤنی کی ناکہ بندی کر دی۔

اب موسم برسات شروع ہوچکا تھا لیکن اس نے بادشاہ مبارک شاہ کو دہلی سے اپنی فوج کی قیادت کرتے ہوئے دشمن کو پسپا کرنے کے لیے روانہ ہونے سے نہ روکا۔ اس کی فوج نے سرہند تک پیش قدمی کی لیکن اس کی آمد پر جسرت نے محاصرہ اٹھایا اور لدھیانہ کی طرف فرار ہوگیا۔ شاہی فوج نے تعاقب کیا' لیکن جسرت نے انتہائی چالاکی سے دریائے ستلج سے تمام کشتیوں کو نکال لیا۔ نیز بادشاہ کو مجبوراً اس وقت تک ٹھہرنا پڑا جب تک دریا پایاب نہیں ہو جاتا۔ اس وقت زرق خاں فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا' لہٰذا اس نے مبارک شاہ سے شمولیت اختیار کر لی۔ ۸ر اکتوبر ۱۴۲۱ء کو وزیر' ملک سکندر' زرق خاں' محمود حسن' ملک کالو اور دیگر امراء نے دریا کو پار کیا اور اس کے بعد بادشاہ بھی بڑی فوج کے ہمراہ دریا کو عبور کر گیا۔ شاہی فوجوں اور **ککھڑوں** کے درمیان زبردست معرکہ ہوا' جس میں **ککھڑوں** کو مکمل طور پر شکست دے دی گئی' ان کی بہت بڑی تعداد کو قتل کر دیا گیا اور ان کے ساز و سامان کو قبضہ میں لے لیا گیا۔ جسرت نے دریائے چناب کو پار کیا اور پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا اور بصال تک بادشاہ کی فوجوں کی طرف سے تعاقب کرنے کے باعث اس نے اس قلعہ میں دوبارہ پناہ حاصل کر لی۔ اس وقت محرم الحرام (جنوری' ۱۴۲۲ء) کا مہینہ شروع ہوگیا' لہٰذا بادشاہ مبارک شاہ نے لاہور کا دورہ کیا اور وہاں محلات اور قلعے کی دیواروں کی مرمت کی نگرانی میں کچھ وقت گزارا' جو گزشتہ جنگوں میں بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ اس کے بعد وہ محمود حسن کو حاکم مقرر کر کے واپس اپنے دارالخلافہ کی طرف لوٹ گیا۔

ابھی وہ بمشکل اپنے دارالخلافہ میں پہنچا تھا کہ جسرت' پہاڑوں سے اتر کر نہایت تیزی کے ساتھ دوبارہ منظرعام پر نمودار ہوگیا۔ اس نے لاہور کا چھ ماہ تک محاصرہ کیا' شہر کی انتہائی مضبوطی کے ساتھ قلعہ بندی کی گئی تھی اور بڑی بہادری اور خوبی کے ساتھ اس کا دفاع کیا گیا' جب اس کو تسخیر کرنے کے لیے اس کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو اس نے محاصرہ اٹھا دیا اور کلانور کی طرف چلا گیا۔ اس جگہ سے اس نے جموں پر حملہ کر دیا' گزشتہ معرکے میں اس کے راجہ نے بادشاہ کی فوجوں کی بصال تک رہنمائی کی تھی۔ تاہم' جسرت جب راجہ اور اس کی سلطنت پر کوئی تاثر قائم نہ کر سکا تو وہ اپنی فوج میں ازسرنو بھرتی کرنے کے لیے دریائے بیاس کی جانب لوٹ آیا۔ دریں اثناء' لاہور میں وزیر ملک سکندر کی سرکردگی میں تازہ فوج کی کمک آن پہنچی' اس نے حاکم دیپالپور' ملک رجب اور حاکم سرہند اسلام خاں کے ساتھ الحاق کر لیا تھا' لہٰذا یہ اپنی اپنی فوج کی قیادت کر رہے تھے' متحدہ فوج نے جسرت کے خلاف پیش قدمی کی اور اسے بہت زیادہ نقصان کے ساتھ پیچھے چناب کے

پار دھکیل کر اپنی پہاڑی پناہ گاہ کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔ **ککھڑ** جو اب اپنے سردار کے بغیر تھے' ہوشیار وزیر نے ان کا تعاقب کیا اور دریائے راوی کے کنارے کنارے' کلانور پہنچ گیا' وہاں جموں کے راجہ سے مل کر اس نے بے شمار **ککھڑوں** کو ڈھونڈ نکالا جو مختلف مقامات پر چھپ گئے تھے' لہٰذا ان سب کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ ان کارروائیوں کے بعد' وزیر اپنے دستوں کے ہمراہ واپس لاہور آ گیا۔ بادشاہ' وزیر ملک سکندر کی بہادری و دلیری سے بہت زیادہ خوش ہوا' اس نے اسے لاہور کا صوبیدار مقرر کیا اور محمود حسن کو واپس دہلی بلا بھیجا۔(۱)

شاہی فوجوں کو روانہ ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ جسرت **ککھڑ** دوبارہ میدان میں نمودار ہوا۔ اس نے ۱۲ ہزار **ککھڑوں** کی ایک فوج جمع کر کے جموں کے راجہ' رائے بھیم کو شکست دے کر قتل کر دیا اور لاہور و دیپالپور کے صوبوں کو تہ و بالا کر دیا۔ حاکم لاہور ملک سکندر' لاہور سے اس کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا' لیکن اس کی آمد پر جسرت اپنے لوٹ مار کے سامان کے ساتھ دوبارہ پہاڑوں میں فرار ہو گیا۔ دریں اثناء حاکم ملتان' ملک عبدالرحیم علاء الملک کے انتقال کے باعث' ملک محمود حسن کو ایک فوج کے ہمراہ ملتان روانہ کیا گیا۔ غالباً اسی دور میں' حاکم کابل' شاہ رخ مرزا کی ملازمت میں ایک مغل سردار' امیر شیخ علی نے' جسرت کے اکسانے پر بھکر اور ٹھٹھہ پر حملہ کر دیا۔

ستمبر ۱۴۲۷ء میں' جسرت **ککھڑ** نے کلانور کا محاصرہ کر لیا اور ملک سکندر کو شکست دے کر لاہور کی طرف پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ بادشاہ نے حاکم سامانہ زرق خاں اور حاکم سرہند اسلام خاں کی سرکردگی میں کمک روانہ کی' لیکن اس سے پیشتر کہ وہ لاہور کی فوج کے ساتھ شامل ہوتے' ملک سکندر نے جسرت کو عبرتناک شکست سے دوچار کر کے اسے اس لوٹ مار کے سامان سے بھی محروم کر دیا تھا جو اس نے غارت گری کے باعث علاقے سے جمع کیا تھا۔

سال ۱۴۲۹ء میں حاکم کابل امیر شیخ علی نے شاہ رخ مرزا کے توسط سے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ **ککھڑوں** نے اس کے ساتھ مل کر پنجاب میں بہت زیادہ غارت گری شروع کر دی' لاہور پہنچنے پر اس نے حاکم لاہور ملک سکندر پر ایک سال کی آمدنی کے برابر خراج عائد کر دیا' اس کے بعد وہ دیپالپور روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچنے پر علاقے کو غارت کر دیا۔ فرشتہ کے مطابق اس موقع پر ۴۰ ہزار ہندوؤں کو قتل کر دیا گیا۔ حاکم ملتان' عماد الملک نے تلمبہ کے مقام پر شیخ علی پر اچانک حملہ کیا لیکن اسے ناکامی ہوئی۔

دریائے راوی کے کنارے کے ساتھ چلتے ہوئے مغل' خیر آباد کی طرف بڑھے اور

وہاں سے ملتان روانہ ہوئے، جس پر ۲۹ر مئی ۱۴۳۰ء کو حملہ کیا گیا۔ جب حملہ ناکام ثابت ہوا تو ملتان کا مکمل محاصرہ کر لیا گیا۔ دریں اثناء دہلی سے مظفر خاں گجراتی کے بیٹے فتح خاں کی قیادت میں کمک آن پہنچی، لہٰذا امیر شیخ علی کی قیادت میں مغل فوجوں اور عماد الملک کے تحت دہلی اور پنجاب کی فوجوں میں زبردست خونریز جنگ لڑی گئی۔ ابتداء میں مغلوں کو کچھ کامیابی ہوئی، لیکن فتح خاں گجراتی کی موت نے ہندوستانیوں میں انتقام کی پیاس کو بڑھا دیا، لہٰذا وہ اس مستقل مزاجی اور مضبوط ارادے کے ساتھ لڑے کہ مغلوں کو شکست ہو گئی۔ فاتحین نے ان کا لگاتار تعاقب کیا اور ان کی ساری فوج کو یا تو تہ تیغ کر دیا گیا یا وہ دریائے جہلم کو عبور کرنے کی کوشش میں ڈوب گئی۔ امیر شیخ علی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ کابل کی طرف فرار ہو گیا۔

۱۴۳۲ء میں نصرت خاں گرگندز کو لاہور کا صوبیدار مقرر کیا گیا، پنجاب پر اس سال اور اگلے سال کے دوران ملک جسرت اور امیر شیخ علی نے حملہ کیا۔ تاہم، شاہی فوجوں نے ان حملوں کو بڑی کامیابی سے پسپا کر دیا۔ نصرت خاں کے بعد وقتی طور پر اللہ داد لودھی کو حاکم لاہور مقرر کیا گیا لیکن آخرکار اس علاقے کی حکومت عماد الملک کو عنایت کی گئی۔

سید مبارک شاہ کو سازشیوں نے اس وقت قتل کر دیا جب وہ نئے شہر میں اپنی تعمیر کردہ مسجد میں عبادت میں مصروف تھا۔ یہ واقعہ ۲۸ر جنوری ۱۴۳۵ء کو رونما ہوا۔ اس نے ۱۳ سال اور ۳ ماہ حکومت کی۔۔۔۔۔

سید محمد

اسی روز جب مبارک شاہ کو قتل کیا گیا اور اسے قبر میں اتارا گیا، اس کے بیٹے سید محمد کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا گیا، وزیر، سرور الملک، جس کی غداری کے باعث مرحوم بادشاہ کو قتل کیا گیا تھا اسے "خان جہان" کا خطاب دیا گیا اور اسے پوری وزارت پر مکمل اختیار دے دیا گیا۔

۱۴۳۶ء میں، ملتان میں افغانوں (جنہیں لنگاہ کہا جاتا تھا) کے درمیان زبردست فساد اور ہنگامہ شروع ہو گیا۔ اسی دور میں لاہور پر بہلول لودھی نے قبضہ کر لیا، جس نے اپنے چچا، اسلام خاں کے انتقال کے بعد صوبہ سرہند کی حکومت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا، اس نے دیپالپور پر قبضہ کر لیا اور پانی پت کے جنوب تک سارے علاقے کا مالک بن گیا۔ تاہم، اس نے جلد ہی بادشاہ سے مصالحت کر لی، جس نے اس کی خواہش پر، نائب وزیر حسام خاں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کمال الملک کو وزیر کے منصب سے محروم کر دیا۔ دونوں

اقدامات، سلطنت کے لیے پرخطر تھے، لہٰذا اس کے زوال کی پیشین گوئی کر دی گئی۔ صوبوں کے حاکموں نے خودمختاری کی خواہش کا اظہار کر دیا، جبکہ زمینداروں نے افراتفری کے پیش نظر مالیہ کی ادائیگی روک دی، اس کا امکان بھی تھا۔ جون پور کے بادشاہ ابراہیم شاہ شرقی نے اپنی سلطنت کے مضافات میں کئی اضلاع پر قبضہ کر لیا، جبکہ مالوہ کے بادشاہ سلطان محمود نے ۱۴۴۰ء میں دہلی پر چڑھائی کر دی۔ بادشاہ کی خواہش پر، بہلول لودھی نے زرہ بکتر میں ملبوس ۲۰ ہزار گھڑسوار فوج کے ہمراہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے پیش قدمی کر دی لیکن کمزور بادشاہ گھبرا گیا۔ لہٰذا اس نے اپنے وزیروں کو حرف کے پاس شرائط پیش کرنے کے لیے روانہ کیا۔

اپنے بادشاہ کی طرف سے اس بزدلی کے اظہار نے بہلول میں تخت و تاج کی آرزو کو تیز کر دیا، لہٰذا اس نے اپنے طور پر سلطان محمود کا تعاقب کر کے اسے شکست دی اور بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ بادشاہ جو اس کے منصوبوں سے ناآشنا تھا اس نے اس کی خدمات کے صلے میں اسے خان جہاں کا خطاب عنایت کیا اور اپنی حمایت کے اظہار کے طور پر اسے اپنا متبنیٰ بیٹا بھی بنا لیا۔

۱۴۴۱ء میں، بادشاہ نے بہلول لودھی کی دیپالپور اور لاہور کی حکومت پر توثیق کر دی، جن پر اس نے غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے اسے جسرت ککھڑ پر حملہ کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ لیکن بہلول نے بجائے اس سے جنگ کرنے کے اس کی دوستی حاصل کر لی اور اپنے ہاتھوں کو مضبوط بنانے کے لیے افغانوں کی متعدد جماعتوں کو اپنی ملازمت میں شامل کر لیا۔ اس نے دہلی پر بھی حملہ کر دیا اور چند ماہ تک اس کا محاصرہ کیے رکھا، لیکن فی الحال اس منصوبہ کو ترک کر دیا گیا۔

سید محمد ۱۴۴۵ء میں قدرتی طور پر انتقال کر گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا علاء الدین جانشین مقرر ہوا۔۔۔۔۔

سید علاء الدین

سید علاء الدین نے اپنے والد سید محمد کا جانشین بننے کے بعد بدایوں میں رہائش اختیار کر لی، جہاں اس نے سلطنت کے معاملات پر توجہ دینے کی بجائے، جو اس وقت بہت زیادہ ابتر ہو گئے تھے، اس نے اپنا وقت، بارہ دریاں تعمیر کرنے، باغات لگانے اور ضیافتیں وغیرہ کرنے میں صرف کیا۔ اس وقت ہندوستان کی سلطنت متعدد خودمختار بادشاہتوں میں منقسم ہو گئی تھی۔ نیز دکن، گجرات، مالوہ، جون پور اور بنگال کے صوبہ جات میں ہر ایک کا اپنا

بادشاہ تھا۔ پنجاب، بشمول دیپالپور اور سرہند کے علاوہ جنوب میں پانی پت تک بہلول خاں لودھی کے قبضہ میں تھا اور بادشاہ کا اختیار، دہلی شہر اور ایک مختصر سے مضافاتی خطے تک محدود ہوگیا تھا۔ بادشاہ اس حد تک اپنے مشیروں کے فریب میں آچکا تھا کہ اس نے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنے وزیر حمید خاں کو قید میں ڈالا اور بے عزت کیا، حتیٰ کہ اس کے قتل کے ایک منصوبہ میں بھی شامل ہوا۔ وزیر نے قید سے رہائی حاصل کرنے کے ذرائع تلاش کر لیے اور بادشاہ کے مال اسباب پر قبضہ کرنے کے بعد شاہی حرم کی خواتین کو شہر سے باہر نکال دیا۔ جس وقت بادشاہ کی توجہ ان گھریلو فسادات کو فرو کرنے میں مصروف تھی، بہلول خاں لودھی چپکے سے دارالخلافہ میں داخل ہوا اور ۱۴۵۰ء میں بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ بادشاہ علاء الدین نے اسے متبنیٰ بیٹا بنا لیا اور رسمی طور پر اس کے حق میں دستبردار ہو کر بدایوں چلا گیا، جہاں دہلی میں سات سال حکومت کرنے اور بدایوں میں تقریباً ۲۸ سال تک سبکدوشی کی زندگی بسر کرنے کے بعد، ۱۴۷۸ء میں انتقال کر گیا۔

حوالہ جات

(ا) اس حقیقت سے اس اہمیت کا پتہ چلتا ہے، جو ہندوستان کی شمال مغربی سرحد ہونے کی حیثیت سے پنجاب کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راجدھانی میں وزیر کے عہدے کو لاہور کے صوبیدار کے مقابلہ میں ثانوی اہمیت دی گئی تھی۔ درحقیقت جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے کہ سید ہندوستان میں اس وقت تک ابھر کر سامنے نہیں آ سکے جب تک وہ اس اہم صوبے کے مالک نہیں بن گئے، جس نے ان کی مستقبل کی عظمت کی راہ ہموار کی۔

باب 9

لودھی خاندان

بہلول لودھی

بہلول کے آباؤ اجداد افغانوں کے ایک تجارتی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے' جو ہندوستان اور ایران کے درمیان تجارت کرتا تھا۔ بہلول کا دادا' ملک بہرام' فیروز تغلق کے دور میں اپنے پیشے کو خیرباد کہہ کر حاکم ملتان' ملک مردان دولت کی ملازمت میں شامل ہوگیا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے جن میں سب سے بڑا' ملک سلطان تھا جس نے حاکم ملتان حضرخاں کے ساتھ مل کر دہلی کے وزیر اقبال خاں کے خلاف ایک لڑائی میں بہادری کے جوہر دکھائے تھے اور اس میں اسے اپنے ہاتھوں سے وزیر کو قتل کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا تھا۔ اس بہادری سے خوش ہو کر حضرخاں نے اسے سرہند کا حاکم مقرر کرنے کے ساتھ اسلام خاں کا خطاب بھی عنایت کیا اور اس کے بھائیوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ ان بھائیوں میں سے ایک' بہلول کے والد ملک کالے کو' حضرخاں نے ایک ضلع عنایت کر دیا۔ ملک کالے کی بیوی زچگی کی حالت میں مکان گر جانے کے باعث ہلاک ہوگئی لیکن جراحی کے عمل سے نوزائیدہ بچے کو بچا لیا گیا' بعد ازیں اسے بہلول کا نام دیا گیا کیونکہ اسے اس دنیا میں زندہ لایا گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد' ملک کالے ایک لڑائی میں مارا گیا اور ننھا بہلول اپنے چچا اسلام خاں' حاکم سرہند کی نگرانی میں جوان ہوا اور اس کی بیٹی سے اس کی شادی بھی ہوگئی اور اس کے انتقال کے بعد اس کی حکومت کا جانشین بنا۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بہلول نے سید خاندان کے آخری اور بزدل بادشاہ کے دور حکومت میں کس طرح حکومت پر قبضہ کیا جبکہ اس کی بربادی یقینی معلوم ہوتی تھی۔ بہلول نے سلطنت پر مضبوطی سے حکومت کی

اور جون پور کی سلطنت کو دہلی کی بادشاہت میں شامل کیا۔ اس کوشش کے دوران' شرقی بادشاہوں کا خاندان شاہی نابود ہوگیا۔ ۱۴۵۱ء میں بادشاہ نے پورے پنجاب کا دورہ کرتے ہوئے ملتان کا بھی دورہ کیا' جہاں اس نے فوج کو از سرنو منظم کیا اور اپنے مغربی صوبہ جات کے معاملات کو بھی درست کیا۔ اگلے سال ملتان کے صوبیدار نے بغاوت کر دی' لیکن جب بادشاہ نے اس طرف پیش قدمی کی تو افراتفری ختم ہوگئی اور پنجاب میں امن و امان بحال کر دیا گیا۔ بادشاہ ایک پیچیدہ بیماری میں مبتلا رہنے کے بعد' ۱۴۸۸ء میں ۳۸ سال اور آٹھ ماہ کے خوشحال دور حکومت کے بعد انتقال کر گیا۔

فرشتہ بیان کرتا ہے کہ بہلول' جوانی میں' سامانہ کے ایک مشہور و معروف درویش شیدا کے پاس حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک روز جب نوجوان بہلول وہاں موجود تھا' درویش نے جذب کی حالت میں فرمایا: "کون ہے جو دہلی کی سلطنت کے بدلے میں ۲ ہزار روپے دے گا؟" بہلول نے عرض کیا کہ اس کے پاس صرف ۱۶۰۰ روپے ہیں' جو اس نے پوری زندگی میں جمع کیے ہیں' لہٰذا اس نے وہ درویش کے سامنے پیش کر دیے۔ درویش نے نذرانہ قبول کرتے ہوئے' بہلول کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "شاباش بیٹا"۔ جس کا اصل مطلب یہ تھا کہ "میرے بیٹے تم بادشاہ بنو گے"۔ بہلول کے دوستوں نے اپنی دولت کو ضائع کرنے کے خیال پر اس کی تضحیک کی' لیکن بہلول نے کہا: "اگر واقعات نے اسی طرح کروٹ لی' جس طرح درویش نے پیش گوئی کی ہے تو میں نے بڑا سستا سودا کیا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو درویش کی شفقت اور عنایت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی"۔

بہلول ایک فیاض' حلیم الطبع اور منصف بادشاہ تھا۔ وہ اپنے درباریوں سے دوستوں کی طرح سلوک کرتا تھا اور شاذ و نادر ہی تخت پر بیٹھتا تھا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ "یہ کافی ہے کہ دنیا مجھے ایک بادشاہ کے طور پر جانتی ہے اور اپنی بادشاہت کا اظہار کرنے سے مجھے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا"۔

سکندر لودھی

بہلول کے انتقال پر اس کا بیٹا نظام خاں' سکندر لودھی کے لقب کے تحت' تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں پنجاب کے اندر کسی دلچسپ واقعہ کا پتہ نہیں چل سکا۔ اس نے بندیل کھنڈ اور شمالی مالوہ کے راجاؤں کو مغلوب کیا اور اپنے ملکی انتظام کی وجہ سے اپنے والد کی شہرت کو قائم رکھا۔ وہ گوالیار پر حملہ کرنے اور اسے تسخیر کرنے کی تیاریوں میں تھا کہ اس پر خناق کا حملہ ہوا اور اس کا شکار ہو کر ۲۸ سال اور ۵ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۴ر دسمبر

۱۵۱۷ء کو فوت ہوگیا۔

سکندر ایک عالم فاضل بادشاہ تھا اور ایک غیر معمولی صلاحیت کا شاعر ہونے کے ناتے تمام عالم فاضل حضرات کا فیاض سرپرست تھا۔ اس کے دور میں جن کتابوں کو تصنیف کیا گیا' ان میں ایک "فرہنگ سکندری" بھی ہے۔ وہ مذہبی افراد کو بڑی دریا دلی سے وظائف عنایت کرتا اور ہر جمعتہ المبارک کو محتاجوں میں کھانا اور خیرات تقسیم کرتا تھا۔ وہ خیرات کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اور جب وہ اپنے امراء میں سے کسی کے بارے میں سنتا کہ اس نے بڑی فیاضی کا مظاہرہ کیا ہے تو اس پر تبصرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ کہتا: "تم نے نیکی کی بنیاد رکھ دی ہے' تم اس پر نادم نہیں ہوگے"۔

اس نے بت پرستی کے تمام مندر مسمار کرا دیے اور متھرا میں دریا کی طرف اشنان کرنے کے لیے جانے والی سیڑھیوں کے سامنے مساجد اور بازار تعمیر کرائے۔ اس کے دور میں ہندوؤں کے تہواروں کے موقعوں پر حجاموں سے داڑھی اور سر منڈوانے کی ممانعت تھی۔

ابراہیم لودھی

آگرہ میں سکندر خاں لودھی کے انتقال پر اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت نشین ہوگیا۔ اس نے اپنے سگے بھائی جلال خاں کو قید میں ڈالنے کا حکم دیا اور بعد ازیں' موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے مظالم اور زیادتیوں کے باعث اس نے بہت سے دشمن پیدا کر لیے۔ شرفاء میں عام بے چینی پھیل گئی۔ حاکم بہار نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور بادشاہ کی فوجوں کو متعدد لڑائیوں میں شکست دی۔ لاہور کے صوبیدار' دولت خاں لودھی نے بھی بغاوت کر دی اور دہلی تک تمام علاقے کو تسخیر کر لیا۔ ابراہیم لودھی کا چچا شہزادہ علاء الدین' جو کابل کی طرف بھاگ گیا تھا' ۴۰ ہزار گھڑسوار فوج کے ہمراہ میدان میں نمودار ہوا۔ اس نے بادشاہ کو نکالنے کے لیے' دولت خاں کے ساتھ شمولیت اختیار کر کے دہلی کی جانب پیش قدمی کر دی۔ جنگ شروع ہوئی تو ابتداء میں معلوم ہوتا تھا کہ شہزادے کے حق میں جا رہی ہے کیونکہ بادشاہ کے زیادہ تر افسر اپنے آقا کو چھوڑ کر اس کے ساتھ مل رہے تھے' لیکن اگلے روز جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ علاء الدین کی فوجیں لوٹ مار کے لیے منتشر ہوگئیں۔ بادشاہ نے اپنی فوجوں کو مجتمع کیا اور ہاتھیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو جمع کرنے کے بعد' دشمن کے مورچے پر حملہ کر دیا اور دونوں جانب سے زبردست کشت و خون کے بعد شہزادے کی فوجوں کی شکست پر منتج ہوا' جو افراتفری میں بھاگ اٹھیں اور تعاقب کے دوران

ان کی بے شمار تعداد کو قتل کر دیا گیا۔ اس شکست کے بعد' شہزادہ علاء الدین پنجاب کی طرف لوٹ گیا۔

دہلی دربار سے ناراض ہو کر دولت خاں لودھی حاکم پنجاب نے کابل میں اپنے نمائندے روانہ کیے کہ وہ تیمور کے پڑپوتے کے بیٹے ایک مغل شہزادے بابر پر زور دیں کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی فتوحات کی تقلید کرتے ہوئے ہندوستان کی سلطنت کو زیر نگیں کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ بابر نے ۱۵۲۶ء میں ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ مغلوں اور ہندوستانیوں کے درمیان پانی پت کے میدان (اس میدان جنگ میں اکثر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کیا جاتا رہا) میں جنگ لڑی گئی۔ یہ یادگار جنگ' جو ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو لڑی گئی' اس میں نتیجتاً" بابر کو فتح حاصل ہوئی۔ ابراہیم لودھی' جو اپنے خاندان کا آخری بادشاہ تھا' میدان جنگ میں قتل ہوگیا اور اس کی موت سے مغلوں کے تحت ایک نئے خاندان کی حکومت قائم ہوگئی۔ ابراہیم لودھی کا دور حکومت بیس سال تک رہا اور اس کے خاندان کی حکومت' تین نسلوں میں ۱۴۵۰ سے ۱۵۲۶ء تک قائم رہی۔

باب ۱۰

خاندان مغلیہ

ظہیرالدین بابر

عمر شیخ مرزا کا بیٹا، بابر، تیمور کی نسل میں چھٹے نمبر پر تھا۔ اس کی والدہ قتلغ نگار خانم چنگیز خاں کی نسل کی مغل تھی۔ مشرقی تاریخ میں وہ ایک نہایت منفرد مقام رکھتا ہے حالانکہ وہ ابھی بارہ سال کی عمر کا ایک لڑکا تھا تو اس کے والد نے "جودیجان" کی سلطنت کا انتظام اسے سونپ دیا۔ عمر شیخ مرزا کے حادثاتی طور پر ایک کبوتر خانے سے گرنے کے باعث انتقال کر جانے پر، دربار کے امراء نے اس کے بیٹے بابر کو اس کے آباؤ اجداد کے تخت پر بٹھا دیا۔ نئے بادشاہ نے تخت نشین ہونے پر، ظہیرالدین کا لقب اختیار کیا۔ بابر نے پندرہ سال کی عمر میں اپنے آباؤ اجداد کے دارالخلافہ سمرقند کو فتح کر لیا، لیکن کمسن ہونے کی وجہ سے وہ اپنی فتح کو برقرار نہ رکھ سکا، لہٰذا اسے اس سے ہاتھ دھونا پڑے، حتیٰ کہ اس کی اپنی سلطنت اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ کئی نشیب و فراز کے بعد بابر نے مغربی ممالک میں اپنی حالت کو محفوظ پا کر خیال کیا کہ ہندوستان پر حملہ کرنے کا یہ مناسب موقع ہے، جس کے بارے میں عرصہ دراز سے غور کرتا آیا تھا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی فتوحات کی طرح وہاں ایک سلطنت قائم کرے گا۔ اس نے ۱۵۱۹ء میں پہلی مرتبہ ہندوستان پر چڑھائی کر دی۔ اپنی فوج کے ہمراہ دریائے سندھ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے دریا کو پار کیا اور پنجاب میں بھیرہ تک پہنچ گیا، جہاں اس نے علاقے میں لوٹ مار کرنے کی بجائے، شہریوں پر فدیہ کے طور پر ۴ لاکھ شاہ رخی سکوں کا خراج عائد کر دیا۔

بھیرہ سے اس نے اپنے ایلچی مولانا مرشد کو ابراہیم لودھی کے دربار میں بھیجا کہ اسے مطلع کیا جائے کہ پنجاب کے علاقوں پر اس کے آباؤ اجداد نے کئی مرتبہ قبضہ کیا تھا' لہٰذا دہلی کے بادشاہ پر یہ لازم ہے کہ وہ اس صوبہ پر اپنے تمام دعووں سے دستبردار ہو جائے اور جنگ کی آفتوں سے احتراز برتے۔ یہاں اس نے ایک بیٹے کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنی' جب وہ ہندوستان پر حملے کی تیاری کر رہا تھا تو اس وقت اس کی پیدائش ہونے پر اس نے اسے ہندال کا نام دیا۔ چناب تک کے علاقوں کو مغلوب کرنے کے بعد' مفتوح علاقوں پر حسن بیگ عاتکہ کو حاکم مقرر کرنے کے بعد' ککھڑوں کو سزا دینے کے لیے وہ اپنی فوج کی قیادت کرتے ہوئے روانہ ہوا۔ بیرحالہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا' جب ککھڑ قلعہ سے باہر نکل کر حملہ آور ہوئے تو مغل سپہ سالار دوست بیگ نے انہیں شکست دی' اسی وقت بابر نے بذات خود ان کی مراجعت کو کاٹ دیا اور انہیں پہاڑوں کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا' فرار کے موقع پر ان کی بہت بڑی تعداد کو ہلاک کر دیا گیا۔ بیرحالہ کا قلعہ اپنے تمام خزانوں کے ہمراہ فاتح کے ہاتھ لگا' جو محمد علی کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے کابل کی طرف لوٹ گیا۔

اسی سال کے آخری حصہ میں بابر نے ہندوستان پر ایک اور حملہ کیا' اس مرتبہ اس نے لاہور کو تسخیر کرنے کا ارادہ کیا۔ یوسف زئیوں نے اس کی پیش قدمی کو روکنے کی کوشش کی' لیکن انہیں شکست دے کر پسپا کر دیا گیا۔ پشاور پہنچنے پر اس نے قلعے کی مکمل طور پر مرمت کرنے کا حکم دیا' اس نے سرحدی معاملات کو درست کرنے کے بعد' دریائے سندھ کی طرف پیش قدمی کر دی۔ تاہم' اس کے پاس خبر پہنچی کہ کاشغر کے بادشاہ' سلطان سید نے بدخشاں پر حملہ کر دیا ہے' لہٰذا وہ واپس جانے پر مجبور ہو گیا' اس نے اپنے ایک سگے رشتے دار' محمد سلطان مرزا کو ۴ ہزار گھڑسواروں کے ہمراہ ہندوستان کے معاملات نپٹانے کے لیے پیچھے چھوڑا اور خود روانہ ہو گیا۔

۱۵۲۰ء میں' راستے میں افغانوں کو سزا دینے کے لیے دوبارہ ہندوستان روانہ ہوا۔ سیالکوٹ نے اطاعت پیش کر دی' جس کی وجہ سے قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے محفوظ رہا۔ لیکن اس معاملے میں سید پور' بدنصیب ثابت ہوا' کیونکہ اس کے شہریوں نے حملہ آور کا مقابلہ کیا' جس کی وجہ سے قلعے کی پوری فوج کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا' جبکہ شہریوں کو غلام بنا لیا گیا۔

انہی واقعات کے دوران' بابر کو کابل پر قندھار کی طرف سے ایک فوج کے حملہ کی خبر ملی۔ چنانچہ' وہ اپنے وطن کو لوٹنے پر مجبور ہوگیا' جہاں وہ نہ صرف حملہ آوروں کو نکالنے میں کامیاب ہوا' بلکہ اس نے شاہ بیگ ارغن کو نکال باہر کرنے کے بعد قندھار کو بھی تسخیر کر لیا اور اسے سندھ کے دارالحکومت' بھکر میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ تب اس نے بدخشاں کی حکومت اپنے سب سے بڑے بیٹے ہمایوں کو اور قندھار کی حکومت' اپنے دوسرے بیٹے کامران کو عنایت کر دی۔

۱۵۲۴ء میں پنجاب کے صوبیدار' دولت خاں لودھی کی جانب سے ایک وفد نے کابل میں بابر سے ملاقات کرنے کے بعد اسے پنجاب آنے کی دعوت دی اور اسے پیشکش کی کہ لاہور کو حاصل کرنے کے لیے اسے اس ملک کی جانب پیش قدمی کر دینی چاہیے۔ دریں اثناء' دہلی کے بادشاہ نے' دولت خاں لودھی کی وفاداری پر شک کرتے ہوئے اسے لاہور سے نکال دیا' لہٰذا سابق حاکم لاہور' بلوچیوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔ بابر اپنی فوج کی قیادت کرتا ہوا' پنجاب کی طرف روانہ ہوا اور وہ جس وقت ککھڑوں کے علاقے سے گزر رہا تھا تو پنجاب کے شاہی افسروں' بہار خاں لودھی' مبارک خاں لودھی اور بھیکن خاں لودھی نے ایک بے انتہا فوج کے ہمراہ اس کا مقابلہ کیا' لاہور کے میدانوں پر ایک خونریز جنگ لڑی گئی' جس میں پنجاب کی فوج کو زبردست کشت و خون کے بعد شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔

بابر لاہور شہر میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا اور اپنے قبیلے کے رواج کے مطابق' مکانات کو نذر آتش کر دیا۔ یہاں چار روز تک قیام کرنے کے بعد اس نے دیپالپور کے خلاف پیش قدمی کر دی' جس کی قلعہ بند فوج نے مایوس سی مزاحمت کی' اس نے اس جگہ زبردست حملہ کر کے قلعہ میں موجود پوری فوج کو تہہ تیغ کر دیا۔ دیپالپور کے مقام پر دولت خاں لودھی اور اس کے تینوں بیٹے جنہوں نے بلوچیوں کے پاس پناہ لی ہوئی تھی' بابر کے ساتھ مل گئے۔ اس کی خوب آؤ بھگت کی گئی اور جالندھر' سلطان پور اور پنجاب کے دیگر اضلاع کی حکومت اسے تفویض کی گئی۔ تاہم' بعد ازیں' دولت خاں نے بابر کا ساتھ چھوڑ دیا اور اپنے اہل خانہ سمیت پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا۔ اس چیز نے ہندوستان میں بابر کے مفادات کو انتہائی بری طرح متاثر کیا' لہٰذا اس نے سوچا کہ ہندوستان میں اپنے منصوبہ جات پر مزید عمل درآمد کرنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ وہ واپس کابل کی طرف لوٹ

جائے۔ چنانچہ وہ لاہور روانہ ہوا اور وہاں نئے حاصل شدہ علاقوں کے انتظام و انصرام کے لیے مندرجہ ذیل انتظامات کیے۔ میر عبدالعزیز کو حاکم لاہور' خسرو گوکل طاش کو حاکم سیالکوٹ' بابا خشکہ کو بادشاہ دہلی کے ناراض بھائی سلطان علاء الدین کے تحت' حاکم دیپالپور اور محمد علی تاجک کو حاکم کلانور مقرر کیا گیا۔ یہ اقدامات کرنے کے بعد بابر' کابل کی طرف لوٹ گیا۔

ہندوستان سے بابر کی عدم موجودگی کے دوران' علاء الدین نے دولت خاں اور اس کے بیٹے غازی خاں کے تعاون سے ۴۰ ہزار گھڑسوار فوج کے ہمراہ دہلی کی طرف پیش قدمی کر دی اور اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ تاہم' انہیں شکست ہوئی اور وہ واپس پنجاب کی طرف لوٹ آئے۔ بابر نے اس شکست کے بارے میں سن کر ہندوستان پر پانچواں حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ' بدخشاں سے اس کا بیٹا ہمایوں اور غزنی سے خواجہ کلاں بھی اس کے ساتھ شامل ہوگئے تھے۔ اس نے صرف ۱۰ ہزار منتخب گھڑسواروں کے ہمراہ' ۱۵ دسمبر ۱۵۲۵ء کو دریائے سندھ عبور کیا۔ اس نے ۱۳ ہزار گھڑسوار فوج کے ہمراہ دہلی پر چڑھائی کر دی اور پانی پت کے مقام پر' ابراہیم لودھی نے ۱ لاکھ گھڑسوار فوج اور ۱۰۰ ہاتھیوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ پہاڑوں کے جفاکش بیٹے اپنے بہادر اور تجربہ کار رہنما کی قیادت میں نہایت بے جگری سے لڑے' جنگی فن سے ناآشنا' افغانوں نے اپنی صفوں کو توسیعی قطاروں میں ترتیب دیا تھا۔ ابتداء میں رسالے نے حملہ کیا' مغلوں نے بڑی سرعت سے بڑھتی ہوئی صفوں کو پسپا کر دیا' اس سے پیشتر کہ دشمن ان کی صفوں تک پہنچتا' ان پر اچانک آن پڑے' پسپا ہونے پر افغانوں نے اپنے آپ کو گھیرے میں پایا۔

اب بادشاہ بذات خود بڑی دلیری کے ساتھ آگے بڑھا اور دشمن کے مرکز پر ہلہ بول دیا' لیکن افغانوں کو مکمل طور پر شکست دے دی گئی اور ان کے ۵ ہزار سپاہی قتل کر دیے گئے' ان میں بادشاہ ابراہیم لودھی بھی شامل تھا۔ اس جنگ میں سولہ ہزار افغان قتل ہوئے اور باقی ماندہ فرار ہوگئے' بابر نے جنگ کے فوری بعد' محمد سلطان مرزا اور اپنے تین جرنیلوں کو دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا' جبکہ شہزادہ ہمایوں کو آگرے پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا۔ مغل بادشاہ خود ایک فاتح کی حیثیت سے ۲۲ اپریل ۱۵۲۶ء کو دہلی میں داخل ہوا' تب شیخ ضیاء الدین دہلوی نے اس کے نام کا خطبہ پڑھا۔ صوفی بزرگوں اور بہادروں کے مزارات پر حاضری دینے کے بعد بادشاہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔

اسی سال ۹ر مئی کو بابر نے سرکاری خزانے کو کھول دیا اور اپنے بیٹے ہمایوں کو تین لاکھ پچاس ہزار روپے اور اپنے عزیز' محمد سلطان مرزا کو ۲ لاکھ روپے اور چار خوبصورت ڈھالیں تحفہ کے طور پر دیں۔ اس نے اپنے تمام سرداروں کو نہایت قیمتی تحائف دیے' حتیٰ کہ اپنے پڑاؤ کے ساتھ آنے والے تاجروں کو بھی انعامات سے نوازا۔ خزانے کا ایک بہت بڑا حصہ کابل روانہ کیا گیا کہ ان افراد میں تقسیم کر دیا جائے جو انعام کے حقدار ہیں۔ سمرقند' خراسان' کاشغر' عراق' مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' کربلا' نجف اشرف' مشہد اور دیگر مقدس مقامات میں مذہبی اداروں کی مدد کے لیے بہت بڑی بڑی رقمیں روانہ کی گئیں۔ اس فیاضی اور سخاوت کے باعث' لوگوں نے بابر کو قلندر کا نام دیا۔

۱۵۱۹ء میں بابر نے مالوہ کے بادشاہ محمد خلجی کو شکست دے کر قیدی بنا لیا۔ اس نے راجپوتانہ کو تسخیر کر لیا اور اسلامی محافظ فوجوں کو مضبوط مورچوں پر تعینات کیا۔ اس نے محمد لودھی' (جو سلطان کا لقب اختیار کر چکا تھا) پر جنگ مسلط کر دی' ۱ لاکھ جوانوں کے ساتھ بنارس پر قبضہ کر کے اسے شکست دی اور نکال باہر کیا۔ بنگال اور اودھ کو تسخیر کر لیا گیا اور چار سال سے کم عرصہ میں سلطنت دہلی کے قدیم مقبوضہ علاقوں کو بازیاب کرا لیا گیا۔ بابر' ۳۸ برس حکومت کرنے کے بعد پچاس سال کی عمر میں ۲۶ر دسمبر ۱۵۳۰ء کو آگرہ میں انتقال کر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل' ہمایوں شدید بیمار ہو گیا اور سب اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے' جب طبیبوں نے اعلان کر دیا کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے' تو مشفق باپ نے اس کے پلنگ کے تین چکر لگائے اور دعا کی کہ شہزادے کی بیماری اسے لگ جائے' کچھ دیر بعد اسے خوشی سے کہتے سنا گیا: "میں نے اسے ہٹا دیا ہے"۔ اسی وقت سے بادشاہ بیمار ہونا شروع ہو گیا اور آخرکار فوت ہو گیا۔ تاہم' ہو سکتا ہے' اس داستان میں سریع الاعتقادی سے کام لیا گیا ہو' لیکن حقیقت یہ ہے کہ مختلف جنگوں میں ذاتی طور پر سخت مشقتوں' عیش و عشرت کی زندگی اور ہندوستان کی آب و ہوا نے اس کے جسم کی کمزوری کے سلسلہ میں بہت اثرات مرتب کیے' لہٰذا انہی خرابیوں کے باعث' یہ غیر معمولی بادشاہ آخرکار اپنے انجام کو پہنچا۔ اس کی خواہش کے مطابق' اس کے جسد خاکی کو ایک چمکدار ندی کے کنارے ایک تعویز میں دفن کرنے کے لیے کابل روانہ کیا گیا' جسے اس نے خود اپنی آخری آرام گاہ کے لیے منتخب کیا تھا۔ مزار کے اردگرد خوبصورت باغات ہیں اور شہر کے لوگوں و سیاحوں کے لیے پسندیدہ تفریحی مقام ہے۔ اس کی تاریخ وفات ان

الفاظ میں دی گئی ہے---

بہشت روزی اش باد

"بہشت اس کا مسکن ہو"

اس کی تاریخ پیدائش کا سال الفاظ "شش محرم" "۶ر محرم الحرام" پر مشتمل ہے اور یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ وہ اسی تاریخ کو فوت بھی ہوا' جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

بروز شش محرم زاد ان شہ مکرم

تاریخ وفاتش ھم آمد شش محرم

"محرم کی ۶ر تاریخ کو وہ باکمال بادشاہ فوت ہوا'

جس کی تاریخ پیدائش بھی ۶ر محرم الحرام تھی"۔

بابر کا شمار ان باکمال بادشاہوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ایک ایشیائی سلطنت کو آراستہ کیا۔ وہ ایک پیدائشی سپاہی تھا' قدرت نے اسے ایک ایسی ذہانت اور فہم و فراست عطا کی تھی' جس نے اس میں ایک اعلیٰ درجے کے سپہ سالار' ایک مضبوط منتظم' ایک ذہین اور باصلاحیت شاعر اور پوری کائنات میں سب سے عظیم اور عالی شان ہستی کے سچے عاشق کی صلاحیتوں کو مجتمع کر دیا تھا۔

اس نے اپنی سرگزشت (تزک بابری) کو ترکی زبان میں اس خوبصورتی کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ مشرقی مصنفین میں سے شاذ و نادر ہی کوئی اس سے سبقت لے جا سکتا ہے۔ یہ بادشاہ کی بلاتکلف عادات' اچھے ذوق' بذلہ سنجی' مزاح' خوش مزاجی اور مظاہر فطرت سے لطف اندوز ہونے کی حس کی ایک انتہائی خوبصورت دستاویز ہے۔ اس تصنیف کو بابر کے عالی وقار پوتے اکبر کے دور حکومت میں مرزا عبدالرحیم خان خاناں نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ غیر متزلزل دلیری کے ساتھ وہ اس قدر ثابت قدمی اور اولوالعزم کا حامل تھا جس نے مشکل ترین اور برے سے برے حالات میں بھی اسے ناکام نہیں ہونے دیا۔ تاریخ میں مشکل ہی سے کوئی ایسا بادشاہ ہوگا جس نے بابر سے زیادہ اپنی زندگی میں نشیب و فراز کا تجربہ کیا۔ ایک وقت میں وہ عظیم سلطنت کے تخت پر بیٹھا ہوا دکھائی دیتا تھا' دوسرے موقع پر اسے سر چھپانے کے لیے ایک جھونپڑی تک دستیاب نہ ہوتی۔ اب کسی موقع پر ایک عام آدمی کی طرح ہے اور مشکل ہی سے کوئی خدمت گار اس کے ساتھ ہوگا۔ وہ ایشیا کا خدائی فوجدار تھا اور قرون وسطیٰ کے سورماؤں کی داستانیں' حقیقی طور پر اس کے اوپر لاگو ہوتی

تھیں۔ ذاتی طور پر وہ حسین و جمیل تھا' خطاب میں دلکش اور بے ساختہ' طبیعت کے لحاظ سے نرم دل' فراخ اور سخی تھا اور شکل و صورت کے لحاظ سے جاذب نظر تھا۔ اپنی سرگزشت میں اس نے ہندوستان میں اپنی فتح کا موازنہ محمود غزنوی اور سلطان محمد غوری سے کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ وہ ان فاتحین سے کس قدر مختلف حالات میں تھا اور ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھنے سے قبل اسے اندرونی اور بیرونی طور پر کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ خود سرفرازی اور فتح کے لیے اپنے وسیع تر منصوبہ جات کے باوجود وہ اپنے رنگیلے رفیقوں کے ہمراہ' عیش و عشرت اور شبانہ رنگ رلیوں میں ملوث ہوگیا' جن میں بہت زیادتیاں کی جاتی تھیں۔ فرشتہ بیان کرتا ہے کہ ان رنگ رلیوں کے موقعوں پر وہ اپنے خوبصورت پھولوں کے باغ میں ایک حوض کو شراب سے لبریز کر دیتا تھا اور اس پر مندرجہ ذیل قصیدہ درج کرایا تھا:

> "مجھے شراب اور پرشباب دوشیزائیں دو اور دیگر خوشیاں دو جن کو میں آزادی سے ٹھوکر مار سکوں' بابر عیش کر لو جتنی چاہتے ہو' اس لیے کہ جوانی ایک مرتبہ چلی گئی تو لوٹ کر نہیں آئے گی"۔

نصیرالدین ہمایوں

اس کا پہلا دور

ہمایوں جو اپنے والد بابر کے بعد ہندوستان کے تخت پر اس کا جانشین بنا' ایک ہردلعزیز اور باکمال شہزادہ تھا۔ وہ اپنی خوش خلقی' نرم مزاجی اور سماجی میل ملاپ سے محبت کے باعث مشہور تھا۔ مطالعہ میں اسے فلکیات کے علم سے بڑی رغبت تھی۔ اس نے مظاہر فطرت پر کتابیں تصنیف کیں اور دربار عام کے سات ایوانوں کو اجرام فلکی کے نام دیئے۔ وہ ہفتے میں ایک دن ہر ایک میں کاروبار سلطنت انجام دیتا تھا' ہر دن کے سیارے کے مطابق دربار منعقد کیا جاتا تھا' فوجی سرداروں سے ایوان مریخ میں' منصفوں اور وزیروں سے ایوان عطارد میں' سفیروں' شاعروں اور سیاحوں سے چاند محل میں اور سرکاری افسروں سے مشتری میں ملاقات کی جاتی تھی۔ ہر ایوان کو اس طرح رنگ و روغن کیا گیا اور آراستہ کیا گیا تھا کہ وہ مذکورہ سیارے کی علامت بن گیا تھا' درباریوں کا لباس بھی اس کی مناسبت سے ہوتا تھا۔

ہمایوں اپنے تخت پر بمشکل بیٹھتا تھا' لہٰذا اس کے بھائی کامران مرزا نے جو اس وقت کابل اور قندھار کا حاکم تھا' پنجاب کا مالک بننے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ اس مقصد کے تحت وہ کابل سے روانہ ہوگیا اور باور یہ کرایا کہ وہ اس لیے ہندوستان روانہ ہوا ہے تاکہ اس ملک کا بادشاہ بننے پر اپنے بھائی کو مبارک باد پیش کر سکے۔ تاہم' ہمایوں نے اس کے منصوبہ جات سے واقف ہونے کے بعد اس کے پاس وفود بھیجے اور اسے پنجاب' پشاور اور لغمان کا صوبیدار مقرر کر دیا' لہٰذا شہزادہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

ہمایوں نے بندیل کھنڈ کے ہندو راجاؤں سے جنگ کی اور چنار کو تسخیر کرنے کے بعد گجرات کے بادشاہ' بہادر شاہ کے خلاف پیش قدمی کر دی' اس نے جنوب میں احمد نگر تک مالوہ کے علاقوں کو شکست دی' اس کی شیر خاں پٹھان کے ساتھ خونریز جنگیں ہوئیں' جس نے بنگال اور بہار میں ایک خودمختار بادشاہت قائم کر لی تھی۔ امید کی جاتی تھی کہ کھوئے ہوئے بے شمار صوبہ جات کو بازیاب کرانے اور بغاوتوں کو دبانے کے بعد' ہمایوں سکون سے حکومت کرے گا' لیکن اس کے بھائیوں' کامران اور مرزا ہندال نے اسے نئی مصیبت میں ڈال دیا' ۱۵۳۹ء میں اول الذکر' دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے لاہور سے ۱۰ ہزار گھڑ سواروں کے ہمراہ روانہ ہوا' جبکہ بادشاہ اس وقت ابھی روہتاس کے مقام پر شیر خاں کے ساتھ برسرپیکار تھا۔ تاہم' دہلی میں کماندار فخر الدین علی نے اس کے حملے کو ناکام بنا دیا تو وہ آگرے پر کمزور سا حملہ کرنے کے بعد واپس لاہور کی طرف لوٹ گیا۔

اگلے سال' شیر خاں نے بادشاہ کو شکست فاش دے کر اپنا دارالخلافہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لاہور کی طرف مراجعت کر گیا' جولائی ۱۵۴۰ء میں' پنجاب میں اس کے ساتھ وہ مغل افسر دوبارہ آن ملے جو گزشتہ جنگوں میں منتشر ہوگئے تھے' شیر خاں نے اس کے تعاقب کو جاری رکھا اور سلطان پور کے قریب دریائے بیاس کو پار کرنے کے بعد اس نے نومبر میں بادشاہ کو مجبور کر دیا کہ وہ دریائے راوی کو پار کر کے ٹھٹھہ اور بھکر کی طرف مراجعت کر جائے۔ مغربی صحرا میں سے گزرنے کے دوران ہمایوں کو اس قدر بدترین آفات اور مصائب برداشت کرنے پڑے جو کسی مشرقی بادشاہ کے حصے میں شاید ہی آئے ہوں۔

بے آب و گیاہ اور صحراؤں کی تپتی ہوئی ریت میں مارے مارے پھرنے کے دوران اسے انتہائی دکھ اور مصائب برداشت کرنے پڑے' اس کے زیادہ تر ساتھی تھکن اور پیاس کے ہاتھوں ہلاک ہوگئے' بادشاہ اپنے حرم کو ساتھ لے کر آیا تھا' سلطانہ کی زچگی بالکل قریب

تھی۔ ان بیابانوں میں موجود کنوؤں پر موروثی ڈاکوؤں اور رہزنوں نے حسد کے مارے پہرہ بٹھا دیا تھا اور ان کی قلعہ بندی کرلی تھی۔ وہ اتنے گہرے تھے کہ جو آدمی ان بیلوں کو چلاتا تھا' جو رسی سے بندھی ہوئی بالٹی کو اوپر کھینچتے تھے' وہ بالٹی کے اوپر پہنچنے کی اطلاع ڈھول پیٹ کر دیتا تھا۔ یہ جماعت' چار روز کی آوارہ گردی اور مصیبتیں جھیلنے کے بعد ان جیسے ایک کنویں پر پہنچ گئی' جب بالٹی کو اوپر کھینچا گیا تو پیاسا ہجوم اتنی بے صبری سے بھاگا کہ رسہ ٹوٹ گیا اور بالٹی کے ساتھ' وہ متعدد بدنصیب افراد بھی کنویں میں گر گئے جو پہلے گھونٹ کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک مقام پر بادشاہ کا گھوڑا تھکن کے باعث گر کر ہلاک ہوگیا اور "دین پناہ" کو اس وقت تک کوئی دوسرا گھوڑا میسر نہ آیا جب تک ایک لشکری نے اپنی ضعیف والدہ کو اس کے گھوڑے سے نیچے اتارا اور بادشاہ نے اس پر سواری کی۔ ان مصائب کے دوران' سلطانہ حمیدہ بانو بیگم نے ایک بیٹے شہزادہ اکبر کو جنم دیا' جس کی قسمت میں مشرق کے عظیم بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ بننا لکھا ہوا تھا۔ مخالف راجے ابھی تک ہمایوں کے تعاقب میں تھے' جو اپنے خاندان کو عمرکوٹ کے رانا کی نگرانی میں چھوڑ کر سیستان کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ لیکن غدار سردار نے شیر خوار بچے کو بادشاہ کے بھائی اور جانی دشمن کامران کے حوالے کر دیا' جو اسے قندھار لے گیا' ہمایوں نے وقتی طور پر ہندوستان میں مغلیہ دور کے ازسرنو قیام کے متعلق تمام خیالات کو ترک کر دیا۔

❂

باب ۱۱

سوری خاندان

شیر شاہ سوری

شیر شاہ، جس کا اصل نام فرید تھا وہ حسن کا بیٹا تھا، جو پشاور میں روہہ کے ایک آبائی قبیلے سور کے ابراہیم خاں کا بیٹا تھا۔ وہ بہلول لودھی کے دور میں فوجی ملازمت کے سلسلہ میں دہلی آیا تھا۔ حسن کی جانب سے اپنی بیوی کو اچھا نہ سمجھنے کے باعث، فرید، اس کی حفاظت سے نکل کر حاکم جونپور جمال خاں کی ملازمت میں ایک عام سپاہی کے طور پر شامل ہوگیا۔ اس کی سرپرستی میں اس نے بڑی تندہی سے اپنے آپ کو تاریخ اور شاعری کے مطالعے میں مصروف کر لیا اور ایک اعلیٰ پائے کا عالم فاضل بن گیا۔ بعد ازیں وہ دریا خاں لوہانی کے بیٹے بہادر خاں کی ملازمت میں آگیا، جس نے بہار کو تسخیر کرنے کے بعد محمد شاہ کے نام کے تحت شاہی القابات اختیار کر لیے تھے۔

ایک موقع پر جب یہ بادشاہ ایک شکاری مہم پر تھا، تو فرید خاں نے اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے ایک شیر کو ہلاک کر دیا۔ بادشاہ اس کی مہارت اور بہادری سے بہت خوش ہوا اور موقع پر ہی اسے شیر خاں کا خطاب دیا اور وہ بعد میں اسی نام سے ہمیشہ کے لیے مشہور ہوگیا۔

محمد شاہ لوہانی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سلطانہ لاڈو اپنے کم سن بیٹے کی قائم مقام کا فرض ادا کرنے لگی اور اس نے شیر خاں کو اپنا وزیر مقرر کیا لیکن وہ بھی کچھ عرصہ بعد فوت ہوگئی۔ لہٰذا سب انتظام شیر خاں کے ہاتھ میں آگیا۔ بعد ازیں اس نے سابق حاکم چنار، تاج خاں کی خوبصورت بیوہ، لاڈو ملکہ سے شادی کر کے وہ ناقابل تسخیر قلعہ اور اس کی

ماتحت ریاستیں حاصل کر لیں۔ جس وقت بادشاہ ہمایوں گجرات میں مصروف تھا' اس وقت شیر خاں نے سارے بہار اور بنگال کو تسخیر کر لیا اور بنگال میں غور کے مقام پر مغلوں کو شکست دے کر رسمی طور پر اس نے عصائے شاہی تھام لیا اور ۱۵۳۹ء میں شیر شاہ کے لقب کے ساتھ بنگال میں بطور بادشاہ اس کی تاجپوشی ہوگئی۔ اگلے سال وہ شہنشاہ ہمایوں کے خلاف روانہ ہوا' جو ا لاکھ لشکریوں کے ہمراہ آگرہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لڑائی شروع ہوگئی' جس میں ہمایوں کو شکست ہوگئی اور اس وقت ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا اور شیر شاہ نے بذات خود پنجاب تک ہمایوں کا تعاقب کیا۔ سندھ کی جانب ہمایوں کے فرار اور مصائب جن کو اس نے برداشت کیا ان کے بارے میں گزشتہ باب میں بیان کر دیا گیا ہے۔

شیر شاہ اپنے بااعتماد اور قابل جرنیل حواس خاں کو پنجاب کا حاکم مقرر کرنے کے بعد آگرہ کی طرف لوٹ گیا۔ بادشاہ نے وسطی ہندوستان کی باغی ہندو ریاستوں کو زیر نگیں کیا' مارواڑ پر حملہ کیا اور چتوڑ کو فتح کر لیا' جس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی فوج کا رخ کالینجر کی طرف موڑ دیا' اس مقام کے راجہ نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا قلعہ ہندوستان کے مضبوط ترین قلعوں میں شمار ہوتا تھا لہٰذا اس کا مکمل طور پر محاصرہ کر لیا گیا۔ چٹانوں کے نیچے بارودی سرنگیں بچھا دی گئیں اور توپ خانے نے دیواروں کو اڑانے کے لیے توپیں نصب کر دیں۔ بادشاہ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ محاصرہ میں کافی پیش رفت ہو چکی ہے' عام حملے کا حکم دیا۔ اسی وقت جہاں وہ کھڑا تھا' توپ کا ایک گولہ پھٹا' جس سے اسلحہ خانے نے آگ پکڑ لی۔ جس کی وجہ سے بادشاہ اور اس کے متعدد سرداروں کے سمیت سینکڑوں توپچی جھلس گئے۔ بادشاہ اس قدر جھلس گیا تھا کہ اسے مردہ سمجھ کر اس کے خیمے میں لایا گیا لیکن وہ بچ گیا تھا لیکن بڑی دقت سے سانس لے رہا تھا لیکن اس حالت میں بھی اس نے اپنی فوجوں کو پوری طاقت کے ساتھ حملہ کرنے کی تلقین کی۔ جب اس کے پاس قلعے کی مکمل تسخیر کی خبر پہنچی تو وہ جان کنی کے عالم میں تھا۔ یہ سن کر اس کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہوگئے۔ اس نے پکارا: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے!" اور فوراً رخصت ہوگیا۔ یہ واقعہ ۲۲ر مئی ۱۵۴۵ء کو رونما ہوا' جب ہندوستان کے بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرتے ہوئے اسے تقریباً پانچ سال ہوئے تھے۔

شیر شاہ عسکری صلاحیتوں کا حامل انسان تھا۔ اگر مغل وقتی طور پر ہندوستان میں اپنی بادشاہت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے تو یہ اس پٹھان بادشاہ کی حکمت عملی اور جنگی حربوں کے باعث تھا۔ اس نے اپنی قوت اور مستقل مزاجی سے اپنے آپ کو ایک عام سپاہی کی حیثیت

سے بلند کر کے ایک طاقتور سلطنت کے بادشاہ کے رتبے تک پہنچا دیا تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کی حدود کو ہر طرف وسیع کیا اور ملک کے نظام حکومت میں بڑی تندہی اور جانفشانی سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس نے گنگا سے دریائے سندھ تک ۲ ہزار میل کے فاصلے تک ایک شاہراہ تعمیر کرائی جس کے دونوں جانب پھل دار درخت لگائے گئے تھے جو تھکے ماندے مسافر کو سایہ فراہم کرتے تھے۔ ہر دو میل کے فاصلے پر کنواں کھودا گیا تھا اور حکومت کے خرچ پر مسافروں کے قیام و طعام کے لیے ایک کارواں سرائے قائم کی گئی تھی۔ شاہراہوں پر نہایت عالی شان مساجد تعمیر کی گئی تھیں اور ان میں ملا اور قرآن پاک کے قاری مہیا کیے گئے تھے۔

سرکاری پیغامات کی ترسیل کی سہولت کے لیے اور تجارتی طبقوں اور عوام کے فائدے کے لیے گھڑ چوکیاں مناسب فاصلوں پر قائم کی گئی تھیں۔ اسی طرح کے انتظامات آگرہ سے مندو تک ۴۵۰ میل کے فاصلے تک بھی کیے گئے تھے۔ پورے ملک میں عام تحفظ کا دور دورہ تھا' ہر کوئی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر اس عسکری مہم جو کو طویل عمر مل جاتی تو اس کے فیاضانہ دور حکومت کے تحت ہندوستان امن و آشتی اور خوشحالی کا گہوارہ بن جاتا۔ فرشتہ بیان کرتا ہے کہ ایک روز جب شیر شاہ سے کہا گیا کہ اس کی داڑھی سفید ہو رہی ہے تو اس نے جواب دیا: "یہ درست ہے کہ میں اپنی عمر کے آخری حصے میں تخت نشین ہوا ہوں اور مجھے ہمیشہ اس بات پر افسوس ہے کہ اپنے ہم وطنوں کے لیے اپنے آپ کو مفید بنانے اور ان کی فلاح و بہبود کو فروغ دینے کے لیے مجھے بہت کم وقت ملا ہے"۔

شیر شاہ کے جسد خاکی کو بہار میں سیسرام لے جایا گیا اور اس کی خاندانی جاگیر میں اس کی یاد میں تعمیر کیے گئے عالی شان مقبرے میں دفن کیا گیا' جو آج بھی بالکل درست حالت میں موجود ہے اور اس کے اردگرد پانی کا خوبصورت حوض ہے اور سیاح اس کی تعریف اس لیے بھی کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان کے پٹھان بادشاہوں کی تعمیر کردہ خوبصورت اور عالی شان عمارات میں سے ایک ہے----

سلیم شاہ سوری

شیر شاہ کے انتقال پر' فوج کے افسروں نے اس کے بڑے بیٹے عادل خاں پر چھوٹے بیٹے جلال خاں کو اپنا بادشاہ منتخب کرنے کے لیے ترجیح دی۔ جلال خاں ایک بہادر سپاہی تھا اور وہ اپنے والد کی مہم میں ہر مرتبہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا اور وہ فوج میں بھی بہت زیادہ

مقبول ہوگیا تھا۔ اپنے والد کے انتقال کے تیسرے روز' ۲۵ر مئی ۱۵۴۵ء کو کالینجر کے قلعہ میں بطور بادشاہ ہندوستان اس کی تاجپوشی کر دی گئی اور اسلام شاہ کا لقب دیا گیا' لیکن وہ سلیم شاہ کے طور پر زیادہ مشہور ہوا۔

لاہور کا صوبیدار ہیبت خاں جو عظیم ہمایوں کے لقب سے مشہور تھا اور جس کے پاس قطب خاں نے کماؤں کے پہاڑوں کے قرب و جوار میں موجود علاقوں میں لوٹ مار کرنے کے بعد پناہ حاصل کرلی تھی' اس نے خودمختاری کا اظہار کر دیا اور شاہی دربار کے احکامات کو ماننے سے انکار کر دیا جس میں اسے دہلی حاضر ہونے کے لیے کہا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی سعید خاں اور آگرہ سے شیر شاہ کا ایک بااعتماد امیر حواس خاں اور دیگر ناراض سردار شامل ہوگئے۔ بادشاہ سلیم شاہ' اپنی فوج کی قیادت کرتے ہوئے لاہور کی جانب روانہ ہوا' انبالہ کے مقام پر اس کا سامنا متحدہ فوجوں سے ہوا جو اس کی اپنی فوج سے تعداد میں دوگنا زیادہ تھیں۔ دستوں کو جنگ کے مطابق ترتیب دیا گیا' انہوں نے باغیوں کے خلاف پیش قدمی کر دی۔ بادشاہ کے لیے یہ خوش قسمتی ہوئی کہ گزشتہ رات کو متحدہ سرداروں کے درمیان مستقبل کے بادشاہ کے انتخاب کے معاملہ پر جھگڑا پیدا ہوگیا۔ حواس خاں جو ابھی تک اپنے سرپرست شیر شاہ کے خاندان کا احترام کرتا تھا' شہزادہ عادل خاں کے انتخاب کے حق میں تھا' جبکہ عظیم ہمایوں اپنے موقف پر سختی سے قائم تھا کہ "بادشاہت کسی فرد کی میراث نہیں ہوتی' صرف اس کی ہوتی ہے جو سب سے زیادہ تیز تلوار رکھتا ہے"۔ گروہ بن گئے اور اگلے روز جب فریقین کے دستے حرکت میں آچکے تھے تو حواس خاں اپنے دستوں کے ہمراہ علیحدہ ہوگیا۔ ان حالات میں دشمن اس قدر کمزور ہوگیا کہ اس نے کمزور سی مزاحمت کی اور سلیم شاہ کو فیصلہ کن فتح نصیب ہوگئی۔

تقریباً ۱۵۴۸ء میں کامران مرزا کو اس کے بھائی ہمایوں نے بھاگنے پر مجبور کر دیا تو وہ پنجاب میں **ککھڑوں** کے ساتھ مل گیا۔ اس کے فوراً بعد ہمایوں نے دریائے سندھ کو پار کیا اور پنجاب کی طرف چڑھائی کر دی۔ سلیم شاہ کو جونکیں لگوائے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اس کی پیش قدمی کی خبر اسے ملی۔ وہ فوراً اپنے بستر سے اٹھا اور اپنی فوج کو پکارا۔ وہ خود اسی رات کو چھ میل پرے پڑاؤ میں تھا۔ کیونکہ بیل وغیرہ چراگاہوں میں چر رہے تھے اور پنجاب کی طرف بھاری توپ خانے کو لے جانے کے لیے بروقت انہیں اکٹھا نہیں کیا جا سکتا تھا' لہٰذا بادشاہ نے بڑی جانفشانی سے' ان بھاری بھرکم ہتھیاروں کو کھینچنے کے لیے دو ہزار افراد مہیا کر دیے' بادشاہ ایک عظیم مہم کے ساتھ لاہور پہنچا۔ تاہم' ہمایوں نے مراجعت

کی اور سلیم شاہ دہلی کی طرف لوٹ گیا اور بعد میں گوالیار واپس چلا گیا۔

اس نے دوسری مرتبہ لاہور کا اس وقت دورہ کیا' جب مشہور زمانہ شیخ علائی کو امام مہدی کا دعویٰ کرنے اور مہدوی فرقہ قائم کرنے کی بناء پر سزائے موت سنائی گئی تھی' علمائے کرام کی ایک جماعت نے شیخ پر مقدمہ چلایا اور بادشاہ کی اجازت سے کوڑے اور درے مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ بادشاہ کافی عرصہ سے اذیت ناک عارضہ میں مبتلا تھا' جس کے باعث وہ نو سال حکومت کرنے کے بعد' ۱۵۵۳ء میں گوالیار میں اپنے محل میں انتقال کر گیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ گجرات کا بادشاہ' محمد شاہ اور احمد نگر کا بادشاہ بہرام نظام شاہ بھی اسی سال کے دوران فوت ہوئے۔ اس قابل ذکر واقعہ کی یاد میں ایک شاعر نے ایک مختصر کتبہ تحریر کیا تھا جس کے الفاظ یہ تھے:

زوال خسروان

"بادشاہوں کا زوال" جس سے تاریخ ۹۶۱ یا ۱۵۵۳ء کا پتہ چلتا ہے ----

محمد شاہ سور عادلی

سلیم شاہ کے انتقال پر' سور قبیلے کے امراء نے اس کے بارہ سالہ بیٹے شہزادہ فیروز کو تخت پر بٹھا دیا' لیکن اسے حکومت کرتے ابھی تین روز بھی نہیں ہوئے تھے کہ مرحوم شیر شاہ کا بھتیجا اور سلیم شاہ کا برادر نسبتی نظام خاں کا بیٹا مبارز خاں' زنان خانے میں داخل ہوا اور کم سن شہزادے کو اس کی والدہ سلطانہ بی بی اور اپنی سگی ہمشیرہ کے ہاتھوں سے کھینچ کر اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا اور محمد شاہ عادلی کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہو گیا۔

محمد شاہ نہ پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی لکھ سکتا تھا۔ وہ نچلے درجے کے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کا عادی تھا۔ اس نے ایک عام دکاندار ہیمو کو وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز کر دیا جو سلیم شاہ کے دور میں منڈیوں کا نگران تھا۔ بادشاہ اپنی سلطنت کے امور کو نظرانداز کر کے ایک عیاش اور بدکردار بن گیا۔ اس کے دور میں دہلی دربار' نیچ ذات کے لوگوں کا مسکن بن گیا' جن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا لیکن جھوٹی خوشامد کی وجہ سے ان کی سفارش کر دی جاتی تھی۔ بادشاہ نے اپنی دولت کو اللے تللے اڑانا شروع کر دیا' حتیٰ کہ محض یہ دیکھ کر خوشی حاصل کرنے کے لیے ہجوم سونا حاصل کرنے کے لیے کس طرح ایک دوسرے سے لڑتے ہیں' وہ جب سوار ہو کر باہر نکلتا تو گلیوں میں لوگوں کے درمیان ۱۰ اور ۱۲ روپے مالیت کے طلائی تیر انتہائی لاپرواہی اور فضول خرچی سے چلانا شروع کر دیتا تھا۔ ہیمو نے اپنے آپ کو

قوت اور جذبے کا حامل شخص ثابت کیا اور محمد شاہ عادلی کا ایک عظیم سرمایہ بن گیا۔ اجڈ پٹھانوں میں غل غپاڑہ روز کا معمول بن چکا تھا اور بادشاہ ان جھگڑوں کو روکنے کے سلسلہ میں قطعی نااہل تھا۔ اس نے اپنے بہنوئی ابراہیم خان سوری کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور اثر و رسوخ سے حسد کے باعث اس کی گرفتاری کے خفیہ احکامات جاری کر دیے۔ لیکن ابراہیم کی بیوی اور بادشاہ کی ہمشیرہ نے اسے بروقت اس منصوبہ سے آگاہ کر دیا اور وہ چنار کی طرف فرار ہوگیا۔

بادشاہ نے عیسیٰ خاں نیازی کو ایک فوج کے ہمراہ اس کے تعاقب میں روانہ کیا' لیکن جنگ شروع ہوئی تو عیسیٰ خاں کو شکست دے کر واپس جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ اپنی کامیابی سے حوصلہ پا کر ابراہیم خاں نے ایک کثیر فوج تیار کی اور جب بادشاہ چنار میں غیرحاضر تھا تو دہلی پر قبضہ کر لیا اور تخت نشین ہو کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

محمد شاہ نے بغاوت کو کچلنے کے لیے کمزور سی کوشش کی لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کا حریف بہت زیادہ طاقتور ہے تو وہ ایک معاہدہ کرنے پر رضامند ہوگیا' جس کی رو سے اس نے مشرقی صوبوں کی حکومت حاصل کی' جبکہ ابراہیم خاں کا قبضہ مغربی صوبوں پر برقرار رہا۔ لہٰذا ہندوستان کی سلطنت حقیقی طور پر دو حریف دعویداروں میں بٹ گئی۔

سکندر شاہ سوری

ابراہیم خاں سوری کو تخت پر بیٹھے ابھی مشکل سے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ تخت و تاج کا ایک اور امیدوار نمودار ہوگیا۔ یہ شیرشاہ کا بھتیجا احمد خاں سوری تھا' جس کی ہمشیرہ کی شادی محمد شاہ عادلی سے ہوئی تھی۔ اس نے مغربی اضلاع کے سرکردہ سرداروں کو اپنے ساتھ ملانے پر' جن میں سلیم شاہ کے دربار کا ایک امیر طاقتور ہیبت خاں بھی شامل تھا' پنجاب میں شاہی القابات اختیار کر لیے اور سکندر شاہ سوری کے لقب کے تحت حکومت کرنا شروع کر دی۔ وہ ابراہیم خاں کو اس کے مغربی صوبوں سے نکالنے کے خیال سے ۱۲ ہزار گھڑسوار فوج کے ہمراہ آگرہ سے روانہ ہوا اور اس شہر سے ۲۰ میل کے فاصلے پر کیرا کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ ابراہیم خاں ۷۰ ہزار گھڑسواروں کے ہمراہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس کی فوج کی شان و شوکت اور عظمت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ جب بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے ۲۰۰ سرداروں اور افسروں کے پاس ایسے خیمے تھے جن کو مخمل سے آراستہ کیا گیا تھا اور ہر ایک کو موسیقی کا بینڈ جسے نوبت نقارہ کہا جاتا تھا' رکھنے

کی اجازت تھی۔ جبکہ بادشاہ کے قیمتی ساز و سامان کو دیکھ کر تماشائی تعریف و توصیف کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔

دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوگئی' جس میں ابراہیم کے دلکش لشکروں کو شکست فاش ہوگئی اور بادشاہ خود سنبھل کی طرف مراجعت کر گیا' فاتح نے آگرہ اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔

سکندر شاہ اپنی فتح سے زیادہ دیر لطف اندوز نہ ہوسکا کیونکہ ہمایوں نے اپنی طویل جلاوطنی کے بعد ہندوستان پر حملہ کر دیا تھا' لہٰذا سکندر شاہ کو مجبوراً حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لیے پنجاب کی طرف آنا پڑا۔ سرہند کے قریب بہرام خاں اور نوجوان شہزادے اکبر نے اسے شکست دے کر سوالک کے پہاڑوں کی طرف فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد وہ بنگال کی طرف لوٹ گیا اور جہاں کچھ عرصہ حکومت کرنے کے بعد وہ فوت ہوگیا۔ اس کے انتقال سے' جس کی تاریخ نہیں بتائی گئی' سور پٹھانوں کے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا---

باب ۱۲

خاندان مغلیہ

(از سرنو قائم ہوتا ہے)

نصیرالدین ہمایوں

اس کا دور ثانی

سندھ میں اتار چڑھاؤ کے بعد ہمایوں سیستان اور ہرات کے راستے ایران میں داخل ہوگیا۔ احمد سلطان شاملو نے سیستان کے دارالخلافہ میں اس کی خوب آؤ بھگت کی اور اس کا پوری طرح خیال کرتے ہوئے سلطانہ کے لیے متعدد کنیزیں فراہم کر دیں۔ ہرات میں' شاہ ایران طہماسپ کے بڑے بیٹے شہزادہ محمد مرزا نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ کازون پہنچنے پر اس نے اپنے جرنیل بہرام کو' شاہ سے ملاقات کے لیے اصفہان کے دربار میں گفت و شنید کے لیے روانہ کیا۔ شاہ نے مفرور بادشاہ کو بالمشافہ ملاقات کے لیے مدعو کیا اور اس کا نہایت شاندار استقبال کیا اور اسے بیرونی حکومت قائم رکھنے کے قابل بنایا۔

دونوں بادشاہوں کے درمیان انسیت بڑھ گئی۔ ایک روز شاہ نے گفتگو کے دوران' مغل بادشاہ سے پوچھا کہ اس کے کمزور دشمن کو اس پر کس طرح فتح حاصل ہوگئی' اس پر ہمایوں نے جواب دیا: "میرے بھائیوں کے کینے کے باعث"۔ ایرانی بادشاہ نے اس پر بیان کیا کہ "لیکن آپ نے اپنے بھائیوں سے اس طرح سلوک نہیں کیا جس طرح کہ وہ مستحق تھے"۔ ایک دن اسی موضوع پر دوبارہ بات ہو رہی تھی۔ دونوں بادشاہ اس وقت عشائیے

میں تھے' جب وہ کھانا کھا چکے' تو شاہ طہماسپ کا بھائی شہزادہ بہرام مرزا ہاتھ دھلانے کی چلمچی اور گھوڑے کے ہمراہ وہاں پہنچا۔ جب شاہ اپنے ہاتھ دھو چکا اور شہزادہ اپنے برتنوں کے ہمراہ واپس چلا گیا تو بادشاہ نے گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع کرتے ہوئے کہا کہ: "یہ طریقہ ہے جو تمہیں اپنے بھائیوں کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے تھا"۔ اس بات کی خبر شہزادے کے کانوں تک پہنچی تو وہ اس وجہ سے ہمایوں کا مخالف ہو گیا کہ شاہ نے جس طرف اشارہ دیا تھا اس نے فوراً اس کی تائید کر دی تھی۔ اس وقت سے شہزادے نے ہمایوں کے متعلق اپنے دل میں دشمنی رکھ لی اور اسے بدنام کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے لگا۔ وہ اکثر اپنے بھائی شاہ طہماسپ کو اشارہ دیتا کہ ایران کو تیموری خاندان کے شہزادے کے لیے ہندوستان جیسے دور دراز ملک کے مفادات کے لیے پریشان نہیں ہونا چاہیے' لہٰذا اس کے اثر و رسوخ کے باعث درباری امراء بھی اس کے ہم خیال بن گئے' ہمایوں کی توقعات کو اس پر شدید دھچکا لگا اور وہ ناامید ہو گیا۔ اس کے میزبان بادشاہ نے اسے یکسر نظرانداز کر دیا اور ایک موقع پر تو اسے اپنی زندگی کے بارے میں بھی اندیشہ رہنے لگا۔ اسی مشکل میں اسے بادشاہ کی ذہین بہن' سلطانہ بیگم' قاضی جہاں کزوینی طبیب اور نور الدین مشیر کی دوستی اور حمایت حاصل ہو گئی' ان سب نے مشترکہ طور پر دونوں بادشاہوں میں اعتماد بحال کرنے اور ہمایوں کے لیے شاہ کی حمایت کو بحال کرنے میں شاہ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے خاتون شاہی کی بذلہ سنجی نے بڑی جانفشانی دکھائی۔ اس نے حضرت علیؓ کی شان میں ایک منقبت تصنیف کی (شیعوں کے عقیدہ کے مطابق شاہ ایران کا تعلق بھی اسی فرقہ سے تھا) اور آخر میں قصیدہ کے مصنف کے نام کی جگہ ہمایوں کا نام درج کر دیا۔ اس خاتون نے اس کی ایک نقل اپنے بھائی شاہ طہماسپ کے سامنے رکھ دی' وہ ہمایوں کی طرف سے حضرت علیؓ کے لیے اتنی زیادہ عقیدت پر بہت خوش ہوا اور اس امید کا اظہار کیا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ مغل بادشاہ شیعہ مذہب کو اپنا لے اور ہندوستان واپس جا کر اسے اس ملک کے لوگوں پر نافذ کر دے' اس نے مزید کہا کہ اگر ہو سکا تو وہ اس کا تخت و تاج بازیاب کرانے میں اس کی مدد کرے گا۔ سلطانہ نے ہمایوں کو اس بات سے مطلع کر دیا' اور ہمایوں نے مناسب طور پر جواب دیا کہ: "میں ہمیشہ سے ہی شیعوں کی طرف خفیہ طور پر مائل ہو گیا تھا اور درحقیقت اسی کے باعث میرے بھائی میرے خلاف کینہ رکھنے لگے تھے"۔ شاہ نے ہمایوں کو اپنے چھوٹے بیٹے مراد مرزا اور جرنیل بداغ خاں کجار

کی قیادت میں ۱۰ ہزار گھڑسوار فوج فراہم کی۔

قندھار پہنچنے پر ہمایوں کے ساتھ اس کے پرانے جرنیل، محمد سلطان مرزا، الغ مرزا، قاسم حسین، سلطان مرزا میرک، شیر افگن بیگ اور دوسرے شامل ہوگئے، جنہوں نے بادشاہ کے بھائی کامران مرزا سے اختلاف ہونے کے باعث اس کی ملازمت کو چھوڑ دیا تھا۔ اپنے بھائیوں سے طویل جنگوں کے بعد، ہمایوں، پورے افغانستان کا بلاشرکت غیرے مالک بن گیا۔

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں جنگوں میں سے ایک میں جب کابل کا محاصرہ کیا گیا تو کامران مرزا، شہر ابھی تک جس کے قبضہ میں تھا، شہرپناہ کی فصیل پر چار سالہ اکبر کو اس طرح پیش کیا کہ وہ ایک چتا کے ساتھ بندھا ہوا تھا، مطلب یہ تھا کہ اگر اس کے باپ نے پیش قدمی کی تو بچے کو فوراً ہلاک کر دیا جائے گا۔ تاہم، ہمایوں نے اس کی دھمکی کی بالکل پرواہ نہ کی اور یہ تکلیف دہ منظر اس پر کوئی اثر نہ مرتب کر سکا، اس نے محاصرے کو مزید تنگ کرتے ہوئے حفاظتی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو سلطانہ کے بازوؤں میں باحفاظت دیکھا تو اس نے پدری شفقت سے اسے چومتے ہوئے کہا کہ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح اسے بھی اپنے بھائیوں کے بغض کی وجہ سے زیادتیاں اور مصائب برداشت کرنا پڑے لیکن اس نے امید قائم رکھی تھی کہ وہ اللہ کے فضل و کرم سے شان و شوکت کی بلندی پر پہنچے گا، اس نے دعا کی کہ اس کا بیٹا بھی اسی طرح طاقت اور شان و شوکت کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچے۔ ان کارروائیوں کے بعد عسکری مرزا کو بدخشاں میں قید سے رہا کر دیا گیا اور اسے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت دے دی گئی، لیکن ۱۵۵۴ء میں صحرائے عرب میں سے گزرنے کے دوران انتقال کر گیا۔ دوسرا بھائی ہندال مرزا، خیبر کے مقام پر ایک حملہ میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ تیسرے بھائی کامران کو اندھا کر دیا گیا۔ بعد ازیں اسے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت دے دی گئی اور وہاں تین سال تک قیام کرنے کے بعد طبعی طور پر انتقال کر گیا۔

۱۵۵۳ء میں ہمایوں نے اپنی رہائش کابل میں اختیار کرنے کے بعد اپنے بارہ سالہ بیٹے اکبر کو وزیر جلال الدین محمد کے زیرانتظام غزنی کی حکومت پر روانہ کیا۔ اسی سال ہمایوں کے ہاں ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام محمد حکیم مرزا رکھا گیا۔ اسی دور میں ہندوستان میں خانہ جنگیوں نے پوری سلطنت کو تہہ و بالا کیا ہوا تھا۔ سور خاندان کے نمائندے بالا دستی کے لیے ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے۔ مختلف صوبوں کے صوبیداروں اور امراء نے بغاوت

کا علم بلند کر دیا تھا۔
لوگ پٹھانوں کی ناپائیدار حکومت اور خود پٹھانوں سے عاجز آ چکے تھے۔ آگرہ اور دہلی سے ہمایوں کے خیرخواہوں نے اسے خط لکھ کر واپس آ کر ملک کا قبضہ حاصل کرنے کی دعوت دی، جو ان کے مطابق، بادشاہ کے لیے بہ آسانی لقمہ تر بن سکتا تھا۔ بادشاہ نے ان کی درخواست قبول کرنے کے سلسلہ میں ہچکچاہٹ کا اظہار کیا، اپنے باپ کے برعکس (جس نے اپنے نجومیوں کے مشورے کے خلاف اس دن دہلی پر اپنا پہلا حملہ کر دیا، جس کو انہوں نے منحوس قرار دیا تھا) ہمایوں علم غیب پر یقین رکھتا تھا اور اسے اس مضمون کا خبط تھا۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ تجربہ کر کے تو دیکھے۔
چنانچہ، تین پیغام رسانوں کو مختلف اطراف میں بھیج کر کہا گیا کہ وہ واپس آ کر ان اشخاص کے نام بتائیں جن سے سب سے پہلے ملاقات ہوئی ہو۔ پہلا ایک مسافر سے ملا جس کا نام "دولت" تھا، دوسرا ایک آدمی سے ملا جو اپنے آپ کو "مراد" کہتا تھا اور تیسرا ایک دیہاتی سے ملا جس کا نام "سعادت" تھا۔ فرشتہ کہتا ہے، ان شگونوں کو مبارک کہا گیا، لہٰذا فوری طور پر پیش قدمی کی تیاری کر لی گئی۔
بادشاہ صرف ۱۵ ہزار گھڑسوار فوج جمع کر سکا۔ مومن خاں کو کابل کی حکومت سپرد کرنے اور اپنے کم سن بیٹے محمد حکیم مرزا کو اس کے حوالے کرنے کے بعد ہمایوں نے دسمبر ۱۵۵۴ء میں کابل سے پیش قدمی کر دی، دریائے سندھ پر اس کا ایک ممتاز جرنیل، بہرام خان ترکمان، غزنی اور قندھار کی منتخب فوجوں کے ہمراہ اس کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اس نے بہرام خاں کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا اور اسے حضر خاں، تردی بیگ خاں، سکندر خاں ازبک اور علی قلی خان شیبانی کے ساتھ آگے بڑھنے کی ہدایت کی، پشاور میں بادشاہ کا نوجوان بیٹا اکبر اس کے ساتھ شامل ہوگیا۔
بہرام خاں نے اپنی فوج کی قیادت کرتے ہوئے دریائے سندھ کو پار کیا تو سب سے پہلے اس کا سامنا، لاہور کے افغان صوبیدار تاتار خاں سے ہوا، جس پر اس نے حملہ کیا اور اسے شکست دے دی۔
تاتار خاں روہتاس کے قلعہ کو چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ مغل جرنیل نے بڑی گرم جوشی سے لاہور کی فصیل تک اس کا تعاقب کیا اور اسے بھی خالی کرا لیا گیا۔ ہمایوں لاہور میں بلامزاحمت داخل ہوا اور مزید پیش قدمی کے لیے ضروری انتظامات کرنے کے لیے وہاں چند

دن ٹھہرا۔ اس مقام سے اس نے بہرام خاں کو سرہند روانہ کیا اور وہاں تک پورے علاقے پر قبضہ کر لیا گیا۔ اسی وقت میں یہ خبر پہنچی کہ دیپالپور میں پٹھان سرداروں شہباز خاں اور ناصر خاں کی قیادت میں افغان بہت بڑی تعداد میں جمع ہو گئے ہیں' لہٰذا اس نے ایک انتہائی باوقار سید شاہ ابوالمعالی (جو اصل میں کاشغر کے رہنے والے تھے اور بادشاہ نے انہیں اپنا بیٹا کہہ کر بڑی انکساری کا اظہار کیا تھا) کی قیادت میں ایک مضبوط فوجی دستہ روانہ کیا' سید نے دشمن کو شکست دی اور بے انتہا مال غنیمت کے ہمراہ واپس لاہور آیا۔

دریں اثناء سکندر شاہ کی ۳۰ ہزار گھڑ سوار فوج تاتار خاں اور کابل خاں کی قیادت میں ہمایوں کے خلاف دہلی سے روانہ ہوئی' بہرام خاں' شہزادہ اکبر کے ہمراہ' ہندوستانی فوج کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ ہوا۔ موسم سرد تھا اور دریائے ستلج کے دوسرے کنارے پر افغان فوجیوں نے اپنے آپ کو گرم کرنے کے لیے رات کے وقت اپنے پڑاؤ میں آگ روشن کی ہوئی تھی' بہرام خاں نے ان کی اس حالت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی پوری فوج کے ہمراہ دریا کو پار کیا اور افغانوں پر ہر جانب سے ہلہ بول دیا اور انہیں مچھی واڑا کے مقام پر شکست دے دی۔ تمام ہاتھی اور افغانوں کا ساز و سامان بے شمار گھوڑے وغیرہ مغل جرنیل کے ہاتھ لگے' جبکہ اس نے دہلی کی فصیل تک تمام علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے دستے روانہ کیے۔ ہمایوں اپنے جرنیل کی دلیری سے بہت زیادہ خوش ہوا اور اسے خان خاناں کا خطاب عنایت کیا۔

اب سکندر شاہ' دشمن حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لیے ۸۰ ہزار گھڑ سوار فوج اور بے شمار توپوں اور ہاتھیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ بہرام خاں نے کھلے میدان میں طالع آزمائی کرنے میں اپنے آپ کو بہت کمزور محسوس کیا' چنانچہ وہ واپس نوشہرہ کے قلعے کی طرف لوٹ گیا' جہاں اس نے اشیائے خورد و نوش کا ذخیرہ کر کے اسے محاصرے کے لیے تیار کر لیا۔ اس مقام سے اس نے دشمن کے مورچے کی جانب لگاتار دستے روانہ کیے اور اسے بھاری نقصان پہنچایا۔ اسی دوران اس نے بادشاہ کو لاہور میں فوری پیغامات بھیج کر اس سے مدد کی التجا کی' لہٰذا ہمایوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

سرہند کی فیصلہ کن جنگ – ۱۵۵۵ء

ہندوستان کی تاریخ میں ۱۸ر جون ۱۵۵۵ء کا دن اس لیے یادگار ہے کہ اس روز قوم

کے معاملے میں اس سلطنت کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا جس نے اگلی تین صدیوں تک اس پر حکومت کرنا تھی۔ نوجوان شہزادے اکبر نے علی الصبح اس وقت اپنے کیمپ میں چوکیوں کا معائنہ کیا جب افغانوں نے سکندر شاہ اور تاتار خاں کی قیادت میں پیش قدمی کر کے جنگ شروع کر دی تھی۔

مغل فوج نے ہراول دستوں کا مقابلہ کیا (اور ایک عظیم انعام کے شایان شان جس کے لیے دونوں دعویداروں نے جنگ شروع کی تھی) زبردست لڑائی شروع ہوگئی' نوجوان اکبر جو انتہائی گھمبیر لڑائی میں گھرا ہوا تھا اس نے بہادری اور دلیری کے شاندار جوہر دکھائے' اس نے فوجوں کے ذریعہ بڑا حملہ کر دیا اور ان میں ایسا جوش و خروش پیدا کیا کہ کوئی چیز ان کی مزاحمت نہ کر سکی' انتہائی غضبناک اور خونریز جنگ شروع ہوگئی تھی اور وقتی طور پر شک و شبہ پیدا ہوگیا تھا' لیکن آخرکار افغانوں کو زبردست کشت و خون کے ساتھ شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان کا بادشاہ سکندر شاہ سوری' سوالک کے پہاڑوں میں فرار ہوگیا اور پورے ملک کو حملہ آور کے رحم و کرم پر چھوڑ گیا۔ دہلی اوز آگرہ کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے دستے روانہ کیے گئے اور بلامزاحمت ان پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔

ہمایوں' جولائی ۱۵۵۵ء میں دوبارہ دہلی میں داخل ہوا اور پندرہ سال کی جلاوطنی کے بعد اپنے والد کے تخت پر رونق افروز ہوگیا۔ اس نے شاہ ابوالمعالی کو پنجاب میں اپنا صوبیدار مقرر کیا اور ساتھ ہدایات جاری کیں کہ مفروروں کو تلاش کر کے ہلاک کیا جائے۔ بہرام خاں ترکمان کو ریاست میں سب سے اعلیٰ رتبہ عطا کیا گیا۔ زتردی بیگ خاں کو دہلی کا حاکم' سکندر خاں ازبک کو آگرہ کا حاکم اور علی قلی خاں کو میرٹھ اور سنبھل کا حاکم مقرر کیا گیا۔ ہمایوں ہندوستان کے تخت پر صرف مرنے کے لیے بیٹھا تھا' کیونکہ ایک سال سے کم مدت میں اسے ایک حادثہ پیش آیا' جس کی وجہ سے وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ۱۲ر جنوری ۱۵۵۶ء کی شام کو وہ اپنے نئے تعمیر کردہ قلعے (جس کو اس نے دین پناہ(۱) کا نام دیا تھا اور اسے تفریحی مقصد کے لیے تعمیر کیا تھا) کے کتب خانہ کی بالکنی میں چہل قدمی کرتے ہوئے وہ دریا کی طرف سے آنے والی تازہ ہوا میں سانس لینے کے لیے بیٹھ گیا' سامنے کھلا میدان تھا۔ جیسے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو وہ نیچے جانے کے لیے اور نماز ادا کرنے کے لیے سیڑھیاں اترنے لگا۔ جب وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا تو موذن نے شاہی مسجد سے اذان دینی

شروع کر دی' بادشاہ کلمہ دہرانے کے لیے رک گیا اور اس غرض سے دوسرے زینے پر بیٹھ گیا کہ اذان ختم ہو لے۔ جب موذن اذان دے چکا' تو وہ اپنے عصا کی مدد سے اٹھنے لگا جس کو وہ عموماً اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا' لیکن چھڑی کا نوکیلا سرا' سنگ مرمر کے زینے پر پھسل گیا اور بادشاہ بھی اس پہ جھکتا چلا گیا اور سر کے بل نیچے اپنے محل میں گر پڑا۔ اسے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر بستر پر ڈالا گیا اور اگرچہ وہ بولنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن اس کو مہلک زخم آئے تھے جس کی بناء پر وہ چند روز موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد ۲۵ر جنوری ۱۵۵۶ء کو انتقال کر گیا۔(۲) اسے جمنا کے کنارے نئے تعمیر کردہ شہر میں دفن کیا گیا اور اس کی قبر پر اس کے بیٹے اکبر نے سنگ مرمر کا نہایت شاندار مقبرہ تعمیر کرایا جو آج بھی بالکل صحیح حالت میں ہے اور ہندوستان میں مغلوں کے ابتدائی دور کی شاندار اور نہایت خوبصورت یادگاروں میں اس کا شمار ہونے کے باعث' سیاح اس کی بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں۔ انتقال کے وقت ہمایوں کی عمر اکیاون برس تھی' اس نے کابل اور ہندوستان میں ۲۵ سال حکومت کی۔

اس کا کردار

حالانکہ وہ اپنے عظیم باپ بابر سے صلاحیت کے لحاظ سے کم تھا' لیکن اسے قدرتی طور پر دل کی اچھائی' فیاضی اور صاف دلی سے مزین کیا گیا تھا۔ اس کی سادہ عادات' اچھے مزاج اور خوش اخلاقی کے باعث' اس کے اردگرد کے لوگ اس کا بہت زیادہ احترام کرتے اور اس سے محبت رکھتے تھے' ذاتی طور پر وہ کانسی کی رنگت کا حامل تھا اور نہایت شاندار جسم کا مالک تھا۔ وہ خود بھی ایک شاعر تھا اس لیے اسے علماء اور فضلاء کی سنگت کا بہت شوق تھا۔ وہ سنی العقیدہ تھا اور اپنی عبادات اور وضو پر سختی سے عمل کرتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا نام اس وقت تک زبان پر نہیں لاتا تھا جب تک کہ وضو نہ کر لے۔ فرشتہ بیان کرتا ہے کہ ایک موقع پر اس نے میر عبدالحیٔ کو بلاتے وقت صرف "عبدل" کہہ کر پکارا اور " حیٔ" کا لفظ حذف کر دیا کیونکہ وہ باوضو نہیں تھا اور جب وہ شخص آیا تو بادشاہ نے اس سے معذرت کرتے ہوئے اس کو اس کی وجہ بتائی۔

ہمایوں عسکری صلاحیتوں سے تہی نہیں تھا اور ہندوستان اور افغانستان میں اسے جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا وہ اس کے باعث تھیں کہ اس نے اپنے بھائیوں سے نرمی برتی۔

حالانکہ وہ اس کے مستحق نہیں تھے۔ اسے اپنی بیوی اور بچے سے بہت زیادہ محبت تھی۔ یہ سہرا بھی ہمایوں کے سر رہتا ہے کہ اس کی بے شمار فتوحات میں کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ اس نے اپنے ہاتھوں کو خون سے رنگا ہو۔ اگر اس نے اپنے نامہربان بھائی کامران کو وقت کے دستور کے مطابق اندھا کیا بھی تھا تو وہ بھی مسلسل مقدموں کے بعد اور محض اس کی جان بچانے کے لیے۔ مشرقی بادشاہوں میں چند ایسے ہوں گے' جن کی تاریخ' دلچسپی میں صاحب دل ہمایوں سے بڑھ جاتی ہو۔ اس کی ابتدائی مصیبتیں' سندھ میں اسے پیش آنے والے مصائب' دریائے سندھ کے ساتھ واقع ملکوں میں اس کی مہمات اور کابل میں اس کی قسمت کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے گہری ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور انتہائی کڑی آزمائشوں کے دوران اس نے جس تسلیم و رضا اور استقلال کا مظاہرہ کیا وہ قابل تعریف ہے۔ ہر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اگر ہمایوں کی جان بچ جاتی تو وہ ہندوستان پر تحمل' دور اندیشی اور طاقت سے حکومت کرتا' لیکن قسمت نے اس کے ممتاز بیٹے اکبر کے لیے طویل' خوشحال اور پرماجرا حکومت کرنا لکھ دیا تھا۔

حوالہ جات

(۱) ہمایوں نے اس قلعہ کو سارنگ پور اور مالوہ کی مہم سے قبل ۱۵۳۳ء میں جمنا کے کنارے پر تعمیر کروایا تھا۔

(۲) الفاظ "ہمایوں بادشاہ از بام افتاد۔۔ ہمایوں بادشاہ بالکونی سے نیچے گرا" سے اس کی تاریخ وفات کا پتہ چلتا ہے۔

باب ۱۴

جلال الدین اکبر

شیخ ابوالفضل کے مطابق، جب ہمایوں کو مہلک حادثہ پیش آیا تو اکبر اپنے اتالیق بہرام خاں کے ہمراہ پنجاب میں خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ دہلی سے مغل امراء نے علی قلی خاں کو قاصد بنا کر روانہ کیا، جس نے یہ خبر اسے کلانور میں پہنچا دی، کیونکہ ان دنوں اکبر وہاں رہائش پذیر تھا۔ یہ خبر سننے کے بعد بہرام خاں اور وہاں موجود دیگر افسروں نے فی الفور اکبر کو ۱۵ار فروری ۱۵۵۶ء کو تخت پر بٹھا دیا۔ (۱) جب اکبر کا دور حکومت شروع ہوا تو اس کی عمر صرف تیرہ سال اور نو مہینے تھی۔ اس نے بہرام خان کو وزیر اعظم کا رتبہ عنایت کیا، جسے وہ پیار سے "بابا" کے لقب سے پکارتا تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد خیر خواہی کے لیے پہلا حکم یہ جاری کیا کہ نذرانہ اکٹھا کرنے کی ممانعت کر دی جائے، کیونکہ اس سے پیشتر بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے موقع پر اسے وصول کیا جاتا تھا۔

اکبر نے تخت نشین ہونے پر اپنی حالت کو قطعی محفوظ نہ پایا۔ محمد شاہ سور عادلی کا گروہ ابھی تک مشرقی صوبوں میں برسراقتدار تھا، سکندر شاہ سوری کو اگرچہ شکست ہوگئی تھی لیکن وہ پٹھانوں کی ایک طاقتور فوج کے ہمراہ ابھی تک میدان میں تھا۔ راجپوتانہ اور وسطی ہندوستان کے ہندو اور راجاؤں نے ابھی تک دہلی میں نئی اسلامی حکومت کی برتری کو تسلیم نہیں کیا تھا، اس پہ طرہ یہ کہ ہمایوں کے درباری امراء عنایت کی گئی جاگیروں اور وظائف سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ تاہم، ان واقعات کے تفصیلی بیان کو اس کتاب کے دائرہ اختیار میں نہیں لایا جا سکا، اس کے لیے قاری کو عزت ماب، مونسٹرٹ ا-لفن سٹون، مرے اور ٹیلر کی اعلیٰ پائے کی تصانیف سے استفادہ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہی کہا

جا سکتا ہے کہ اکبر نے اپنی قوت اور ذہانت سے نہایت تیزی کے ساتھ ان تمام مشکلات پر قابو پا لیا۔ جن ہنگاموں نے پورے ملک میں گڑبڑ پیدا کر دی تھی' پنجاب بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔

ہمایوں کے دیرینہ ساتھی' حاکم لاہور شاہ ابوالمعالی نے خود مختاری کا رجحان دکھایا تو اسے لاہور میں اپنے محل میں نظربند کرنے اور قید میں ڈالنے کے بعد فوری طور پر شہر کا انتظام' کوتوال' پہلوان گلزار کے سپرد کر دیا گیا۔ شاہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا لہٰذا اس کے محافظ نے اس شرم کے مارے کہ اس پر غداری کا الزام لگایا جائے گا' خودکشی کر لی۔ بادشاہ اپنی فوجوں کو انبالہ کے قریب پہاڑوں کی جانب لے گیا' اس نے سکندر شاہ کو شکست دی وہ پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا۔ تب اس نے نگرکوٹ کے قریب پنجاب کے پہاڑی قبائل کو مغلوب کیا۔ جب موسم برسات شروع ہوگیا تو وہ جالندھر میں رہائش پذیر ہوگیا۔ غالباً اسی دوران' بادشاہ کی پھوپھی سلطانہ گلبدن بیگم کے خاوند' خضر خاں کو حاکم لاہور مقرر کیا گیا۔

دریں اثناء محمد شاہ سور عادلی کے ہوشیار ہندو وزیر ہیمو نے ایک مختصر سے محاصرے کے بعد آگرہ پر قبضہ کر لیا اور دہلی پر چڑھائی کر کے اس پر بھی قبضہ کر کے مغل حاکم تردی بیگ خاں کو نکال باہر کیا۔ اس نے اس واقعہ کی یادگار کے طور پر دہلی میں راجہ وکراما جیت کا لقب اختیار کر لیا اور اب ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ پنجاب کی طرف پیش قدمی کر دی۔ مغلیہ فوج مختصر سی تھی اور اس کے افسروں میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ اکبر نے جنگی مشاورت کا اجلاس بلایا تو انہوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ دشمن کی ٹڈی دل فوج کے خلاف کارروائی کرنے کا خطرہ مول نہ لے اور واپس کابل کی طرف لوٹ جائے۔ لیکن اس کے بااعتماد اور بہادر جرنیل بہرام خاں کی آواز سب پر حاوی ہو گئی اور دوسرا یہ کہ اکبر کے خیالات بھی اس سے ہم آہنگ تھے' عداوتوں کو محدود کر دیا گیا۔

پانی پت کی لڑائی' ۱۵۵۶ء

پانی پت' جس نے اکثر سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کیا تھا اور قدیم ادوار میں مہا بھارت کے زمانے میں اس کو میدان جنگ کے لیے منتخب کیا گیا تھا' ہیمو' ایک کثیر فوج کے ہمراہ اس طرف بڑھ آیا تھا۔ بادشاہ نے ۵ر نومبر ۱۵۵۶ء کی صبح کو جنگ کا آغاز کر دیا۔ ہیمو' مغلو کو ہراساں کرنے کے لیے ہاتھیوں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے ساتھ لے کر آیا تھا' انہیں' نیزوں' تیروں اور برچھیوں سے اس قدر زخم آئے تھے کہ وہ غضبناک ہو کر بے قابو ہوگئے

اور افغانوں کی صفوں میں گھس گئے۔ اس پر ان میں ابتری پھیل گئی۔ ہمو ایک دیوہیکل ہاتھی پر نمایاں طور پر بیٹھا ہوا تھا اور قدیم پٹھانوں کی بہادری کی علامت ۴ ہزار گھڑسواروں کے ایک دستے کی کمان کر رہا تھا۔ اس نے ان پر زور دیا کہ وہ نہایت دلیری سے حملہ کر دیں' لیکن جنگ کے دوران' اس کی آنکھ میں تیر لگ گیا اور وہ درد سے دوہرا ہو کر اپنے ھودا میں لیٹ گیا۔ اس کے دستوں نے جب خیال کیا کہ وہ مر گیا ہے تو بھاگ اٹھے' لیکن یہ بہادر ہندو زخم کی زبردست اذیت کے باوجود' خود بخود اٹھا اور زخمی آنکھ سے تیر کھینچ کر اپنے سر کو ایک رومال سے باندھا اور بذات خود' چند آدمیوں کے ہمراہ جو ابھی تک اس کے ساتھ تھے' لڑائی میں شامل ہوگیا۔ آخر کار اس کا ہاتھی گھڑسواروں کے ایک دستے کے نرغے میں آگیا' لہٰذا اسے قیدی بنا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ جب ہمو کو بادشاہ کے سامنے لایا گیا تو بہرام خاں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اس بے دین قیدی کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کے بعد اپنے آپ کو غازیوں میں شامل کر لے۔ اکبر نے اس ہولناک کارروائی کو کرنے پر ہچکچاہٹ کا اظہار کیا اور اپنی ننگی تلوار سے ہمو کے سر کو صرف چھونے سے ہی مطمئن ہوگیا' جبکہ غضبناک بہرام نے اپنی تلوار کھینچ کر ایک ہی وار سے قیدی کا سر اڑا دیا۔

چنانچہ اس ہندو کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا جو ہندوستان میں اپنی ذہانت کے بل بوتے پر' اپنی زندگی میں غیراہم حیثیت سے ایک سلطنت کے وزیر کے عہدے تک جا پہنچا تھا۔ وہ پہلا ہندو تھا جو ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تحت سب سے اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے اپنے اندر موجود اعتماد کے شایان شان پوری طرح اپنے آپ کو ثابت کیا۔ اور اگر افغان' ہندوستان کی سلطنت سمیت مغلوں کے بہادر ترین سرداروں سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوئے تھے تو یہ ہندو جرنیل کی جنگی صلاحیتوں اور جاں بازی کی وجہ سے تھا۔

پانی پت میں لڑائی کے دوران مغلوں نے ۱۵۰۰ ہاتھی پکڑ لیے تھے اور جب اکبر کی فتح مکمل ہو گئی تو وہ پانی پت سے روانہ ہوا اور بلا کسی مزاحمت کے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران' پنجاب کا صوبیدار حضر خاں' سکندر شاہ سوری سے شکست کھا کر لاہور کی طرف فرار ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اکبر کو جب یہ خبر موصول ہوئی تو وہ پنجاب کی طرف بڑھا اور سکندر شاہ کو کلانور سے نکال باہر کر کے بادشاہ سلیم شاہ سوری کے تعمیر کردہ قلعہ مانکوٹ کی طرف مراجعت کرنے پر مجبور کر دیا۔ بادشاہ تین ماہ تک کلانور میں ٹھہرا' یہاں پر کابل سے اس کی والدہ اور شاہی حرم کی دیگر بیگمات اس سے آ شامل ہوئیں۔ بادشاہ نے اپنے سوتیلے بھائی محمد

حکیم مرزا کو اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ہمراہ کابل میں رہنے کی اجازت دے دی اور موجیم خاں کی اتالیقی میں اس کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ چھ ماہ کے محاصرے کے بعد مانکوٹ کو تسخیر کر لیا گیا اور سکندر شاہ کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے بیٹے عبدالرحیم خاں کو شاہی پڑاؤ میں یرغمال کے طور پر چھوڑ کر واپس بنگال کی طرف جا سکتا ہے۔ بادشاہ اپنے قائم مقام بہرام خاں کے ہمراہ لاہور پہنچا۔ اپریل ۱۵۵۸ء میں بہرام خاں کی شادی' مرحوم بادشاہ ہمایوں کی بھتیجی' سلمیٰ سلطانہ بیگم کے ساتھ جالندھر میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ انجام پائی اور بادشاہ نے شادی کی رسوم میں شرکت کر کے رونق بخشی۔

یاد رہے کہ مرحوم ہمایوں کا پسندیدہ امیر' شاہ ابو المعالی لاہور میں قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا' اب وہ کمال ککھڑ کے ساتھ مل گیا اور انہوں نے کشمیر پر چڑھائی کر دی' لیکن زبردست کشت و خون کے ساتھ انہیں پسپا کر دیا گیا۔ اس کے بعد شاہ ابوالمعالی دیپالپور میں داخل ہوا اور بہادر خاں سیتانی سے مل کر بغاوت برپا کر دی' لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی اور وہ دریائے سندھ سے پرے بھاگ گیا اور اس کے بعد گجرات اور جام پور میں' لیکن خاں زمان نے اسے گرفتار کر کے بطور سرکاری قیدی کے آگرہ روانہ کر دیا۔

اب' بادشاہ اور اس کے قابل وزیر اور جرنیل' بہرام خاں ترکمان کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا۔ کم سن اکبر نے اپنے محافظ پر بہت زیادہ نظر کرم کی تھی اور اسے بہت زیادہ اختیارات تفویض کر دیئے تھے۔ لیکن محافظ نے اختیارات شاہی کی توہین کی اور اتنی زیادتیاں کیں کہ نوجوان اکبر کو اپنے وزیر کے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس ہوا' اور وہ انہیں بجا لانے میں حیلے بہانے تراش رہا تھا۔ چنانچہ' ایک موقع پر' بادشاہ کے شکار پر جانے کے باعث' اس کی عدم موجودگی میں' بہرام خاں نے رسمی طور پر بادشاہ کے احکامات کے بغیر' ہمایوں کے اولین اور جانثار ساتھیوں میں سے ایک اور حاکم دہلی' تردی بیگ خاں کا سر قلم کرنے کا حکم جاری کر دیا اور چغتائی امراء سے نفرت کرنے کے باعث' بہرام خاں کے حکم پر فوری طور پر دیگر افراد کو بھی سزائے موت دے دی گئی' اس نے بادشاہ کے پیشوا' ملا پیر محمد کو عہدے سے ہٹا کر اپنے مفادات کی خاطر ایک اور شخص کو اس کی جگہ مقرر کر دیا۔

ایک روز ہاتھیوں کی لڑائی میں شاہی ہاتھیوں میں سے ایک اپنے مدمقابل کے تعاقب کے باعث' وزیر کے خیموں کے رسے توڑ کر اندر گھس گیا' اور اس نے اس حادثے کو انا کا مسئلہ بنا لیا' لیکن بادشاہ کی طرف سے اعتراف کرنے کے باعث کہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا گیا' اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ ایک اور موقع پر' ایک شاہی ہاتھی نے مستی میں آ کر بے قابو

ہو کر وزیر کے ہاتھی پر حملہ کر کے اسے ہلاک کر دیا' اس نے حکم دیا کہ اس ہاتھی کے محافظ کو ہلاک کر دیا جائے' اس پر بادشاہ بہت برہم ہوا۔ اس کے کچھ عرصے بعد' ایک اور شاہی ہاتھی غیض و غضب میں دوڑتا ہوا' ایک بجرے سے جا ٹکرایا جس میں وزیر لطف اندوز ہو رہا تھا' وہ تہس نہس ہوگیا۔ بہرام خاں نے اس کو اپنی زندگی کے خلاف کوئی منصوبہ سمجھا' اور اس فیل بان کو موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم دے دیا جسے بادشاہ نے اس کے حوالے کیا تھا۔ اس قسم کی کارروائیوں سے بادشاہ اور وزیر کے درمیان خلیج گہری اور وسیع ہوتی چلی گئی' جب اس نے دیکھا کہ میں اب قابل اعتبار نہیں رہا تو اس نے بنگال کے افغانوں کے خلاف اس خیال کے تحت پیش قدمی کر دی کہ وہ اس علاقے میں اپنا تسلط قائم کر لے گا۔ تاہم' زیادہ دور جانے سے پیشتر اس نے اپنے منصوبوں کو تبدیل کر دیا اور مکہ مکرمہ حج کرنے کی غرض سے جانے کے لیے ناگور کی طرف بڑھا' لیکن اس نے اس خیال کو بھی چھوڑ دیا اور پنجاب میں تسلط جمانے کے لیے فوج جمع کرنا شروع کر دی۔

آخرکار بادشاہ نے اسے خلوت نشینی کی زندگی سے نکالنے کی کوشش کی اور ارادہ کیا کہ وہ اس علاقے کی حکومت کا کاروبار شروع کر دے اور اپنے حقوق کے بارے میں اصرار کرے۔

چنانچہ اس نے اپنے پیشوا' میر عبداللطیف کذوینی کو مندرجہ ذیل پیغام کے ساتھ بہرام خاں کے پاس روانہ کیا: ''ابھی تک ہمارا ذہن تعلیم نے بلند کیا ہوا تھا اور جوانی کی دل لگیوں نے قابو میں کیا ہوا تھا' یہ ہماری ہی خواہش تھی کہ تم ہماری سلطنت کے معاملات کا انتظام کرو۔ لیکن اب ہماری مرضی ہے کہ فوراً ہمارے فیصلے کے مطابق ہماری عوام پر حکومت کرو' اے ہمارے خیر خواہ' دنیا کے تمام معاملات کو چھوڑ کر مکہ کو چلے جاؤ اور دنیا کی تمام مصیبتوں سے دور باقی ماندہ زندگی عبادت میں گزار دو''۔ بہرام خاں نے اپنے منصب کے نشانات' علم' نقارے اور اپنے ہاتھی بادشاہ کو بھجوا دیے اور مکہ مکرمہ جاتے ہوئے بیکانیر تک پہنچا تھا کہ اپنے ذہن کو تبدیل کر کے واپس ناگور کی طرف لوٹ گیا۔ وہ جلد ہی پنجاب لوٹ آیا اور اس نے وہاں بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ پیر محمد خاں نے اس کا تعاقب کیا اور اسے بھٹنڈا تک پیچھے بھگا دیا۔ جہاں اس کے دیرینہ ساتھیوں میں سے ایک شیر محمد خاں نے اس کے محافظوں کو نکال باہر کیا اور اس کی توقعات کے برعکس خود ہی اس کی تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ سابق وزیر اس کے بعد دیپالپور روانہ ہوا جہاں اس کا ایک دیرینہ ساتھی درویش محمد ازبک حکومت کرتا تھا۔ وزیر نے خواجہ مظفر علی کو حاکم سے ملاقات کرنے کے

لیے روانہ کیا تو اس نے اسے قید کر کے بادشاہ کے پاس روانہ کر دیا' جب تمام امیدیں ختم ہو گئیں تو بہرام خاں جالندھر روانہ ہوا اور اس کے بعد مجھی واڑا کی طرف چلا گیا' وہاں اس کا سامنا مغل جرنیل' محمد خاں عاتکہ سے ہوا' اس نے بہرام خاں کو شکست دی' اکبر اب بذات خود لاہور روانہ ہوا' جب وہ لدھیانہ پہنچا' تو اس نے سوالک کے پہاڑوں کے نزدیک بہرام خاں کی مکمل شکست کے بارے میں سنا۔ جلاوطن وزیر کو اب بہت زیادہ دکھ پہنچا تھا' لہٰذا اس نے اپنی بدحالی کو دکھانے کے لیے اور معافی کے لیے اپنے خفیہ نمائندے جمال کو بادشاہ کے پاس روانہ کیا۔ بادشاہ نے معافی کی یقین دہانی کرانے کے لیے سلطان پور کے رہنے والے ملا عبداللہ کو وزیر کے پاس بھیجا اور اسے دربار میں لانے کے لیے اپنے سرکردہ امراء کو روانہ کیا۔ اپنے فیاض آقا کی جانب سے نادم وزیر کا استقبال بہت متاثر کن منظر تھا' جسے فرشتہ یوں بیان کرتا ہے "کہ جب بہرام خاں شاہی خیمے میں داخل ہوا تو اس نے اپنی پگڑی گردن کے گرد لپیٹی ہوئی تھی اور وہ تیزی سے چلتا ہوا آگے بڑھا اور آنسو بہاتے ہوئے تخت کے پائے کے ساتھ اپنے آپ کو گرا دیا۔ اکبر نے فوراً اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسے اٹھا کر اپنے دائیں جانب اس کی سابقہ جگہ پر امراء سے بلند مقام پر بٹھایا۔ ایک انتہائی شاندار لباس لایا گیا اور اکبر نے شکست خوردہ وزیر سے مندرجہ ذیل الفاظ میں خطاب کیا' "اگر بہرام خاں کو عسکری زندگی سے پیار ہے تو کلپی اور چندری کی حکومتیں' اس کی خواہش کے مطابق ایک میدان پیش کرتی ہیں۔ اگر وہ دربار میں رہنا پسند کرتا ہے' تو ہمارے خاندان کا مربی ہماری حمایت کو کم نہیں پائے گا۔ لیکن اگر وہ سبکدوش ہو کر مکہ مکرمہ کی زیارت کرنا چاہتا ہے تو اسے جانے دیا جائے گا' جہاں اسے اس کے شایان شان حفاظت میسر آئے گی"۔

بہرام خاں نے جواب دیا۔ "جب بادشاہ کا اعتماد ایک مرتبہ اٹھ چکا ہے تو میں بادشاہ کے پاس رہنے کی خواہش کس طرح کر سکتا ہوں؟ بادشاہ کی بردباری میرے لیے کافی ہے اور اس کی معافی میری سابقہ خدمات کے لیے انعام ہے۔ لہٰذا میرے خیالات کو اس دنیا سے دوسری دنیا کے لیے بدلنے دیجئے اور خانہ کعبہ جانے کی اجازت دے دی جائے"۔ اکبر نے رضا مندی کا اظہار کر دیا۔ اس کے لیے ۵۰٬۰۰۰ روپے کا وظیفہ مقرر کیا گیا اور بہرام خاں عرب جانے کے لیے سواری تلاش کرنے کے لیے گجرات سے روانہ ہوا' لیکن پٹن کے قریب و جوار میں ایک افغان نے اس کے دل میں خنجر گھونپ دیا' جس کے والد کو ہمایوں کے دور حکومت میں ایک جنگ میں اس نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔ چنانچہ ایک عظیم

وزیر اور سپاہی کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ اکبر اب اٹھارہ برس کا ہوگیا تھا' لہٰذا وہ اب مختار کل ہوگیا۔ اور بلاشرکت غیرے حکومت کرنے لگا۔ مرحوم کی بیوہ اور اس کے صرف چار سالہ بیٹے' مرزا عبدالرحیم کو باحفاظت آگرہ روانہ کیا گیا' جہاں بادشاہ نے ان کو ہر سہولت بہم پہنچائی۔

اسی دوران' حاکم پنجاب' محمد خاں عاتکہ' حکم کے مطابق' دربار میں مناسب تحائف کے ہمراہ پہنچا۔ ۱۵۶۱ء میں راجہ پورن مل نے اپنی بیٹی کو بادشاہ کی زوجیت میں دے دیا' لہٰذا اسے اور اس کے بیٹے بھوانی داس کو دربار کے امراء میں شامل کر لیا گیا۔ ۱۵۶۲ء میں آدم **ککھڑ** نے پنجاب کا امن و امان درہم برہم کر دیا' تو صوبے کے افسروں نے کمال **ککھڑ** اور مغلوں کی مدد سے اسے مغلوب کر کے قیدی بنا لیا۔ ۱۵۶۳ء میں مرزا شرف الدین حسین کے ایک غلام قتلغ فولاد' جسے بادشاہ کے ملازموں میں شامل کیا گیا تھا' نے بادشاہ پر قاتلانہ حملہ کیا اور اکبر کے شانے میں بالشت بھر گہرائی تک ایک تیر اتار دیا۔ اس کو بڑی دقت سے باہر نکالا گیا اور اکبر نے بڑے صبر و تحمل سے درد کو برداشت کیا۔ بادشاہ کے خدمت گاروں نے فوراً قاتل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

۱۵۶۶ء میں بادشاہ اکبر کے سوتیلے بھائی محمد حکیم مرزا کو جب بدخشاں کے سردار' سلیمان مرزا نے کابل سے نکال دیا تو وہ فریدوں خاں کابلی کے ہمراہ لاہور پر تسلط قائم کرنے کے خیال سے روانہ ہوا۔ پنجاب کے افسران' قطب خاں عاتکہ اور پیر محمد خاں نے شہر کا دفاع کرنے کی تیاریاں کر لیں۔ محمد حکیم مرزا نے لاہور پہنچنے سے قبل مقامی کمانداروں کی حمایت حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی' لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ دریں اثناء اکبر نے بذات خود پنجاب کی طرف پیش قدمی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور بڑی پھرتی سے روانہ ہوا۔ حکیم مرزا ہڑبونگ میں اپنے دستوں کے ہمراہ کابل کی طرف مراجعت کر گیا اور پنجاب میں امن و امان بحال کر دیا گیا۔ بادشاہ آرام سے لاہور کی طرف روانہ ہوا اور چند دن وہاں شکار میں گزارے۔

شہزادہ سلیم (جہانگیر) کی پیدائش

۲ر ستمبر ۱۵۶۹ء کو ہر دلعزیز سلطانہ نے ایک بیٹے کو جنم دیا' جسے سلیم کے نام سے پکارا جانے لگا۔ بادشاہ نے اس موقع پر آگرہ سے اجمیر تک خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر حاضری دینے کے لیے پیدل سفر کیا اور دہلی کے راستے واپس آگرہ روانہ ہوا۔ اگلے سال اس نے راجہ کلیان مل کی بیٹی سے شادی کر لی اور شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار پر

حاضری دینے کے لیے ناگور سے اجودھن روانہ ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ دیپالپور روانہ ہوا' جہاں حاکم دیپالپور' مرزا عزیز کوکہ نے بادشاہ کو نہایت قیمتی اشیاء کے ہمراہ علاقے کی مصنوعات بھی پیش کیں۔

۱۵۷۵ء میں خاں جہاں کو حاکم لاہور مقرر کیا گیا' لیکن ۱۵۷۹ء میں یہ منصب راجہ مان سنگھ کو عطا کیا گیا' جس کا شمار بادشاہ کے نہایت با اعتماد جرنیلوں اور منتظمین میں ہوتا تھا۔ اسی سال کے آخری حصے میں محمد حکیم مرزا نے بنگال اور بہار کی بغاوتوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لاہور پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ اس نے پیشگی طور پر ایک ہزار گھڑسواروں کو شادمان کوکہ کی قیادت میں روانہ کیا' لیکن اس افسر نے جب دریائے سندھ کو پار کیا تو راجہ مان سنگھ نے اس پر حملہ کر کے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ محمد حکیم مرزا کے روہتاس پہنچنے پر راجہ مان سنگھ لاہور کی طرف لوٹ آیا۔ شہزادے نے ۱۵ر فروری ۱۵۷۹ء کو اس کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ مان سنگھ' سید خاں اور راجہ بھگوان داس نے بڑی جوانمردی سے شہر کا دفاع کیا' لیکن جب بادشاہ صوبے کی مدد کے لیے آگرہ سے روانہ ہوا تو حکیم مرزا نے اس کی آمد کے بارے میں سننے کے بعد کابل کی طرف مراجعت کر دی۔

شاہی فوج نے کشتیوں میں دریائے سندھ کو پار کیا۔ اس پر حکیم مرزا کے افسر پشاور سے فرار ہو گئے۔ جلال آباد پہنچنے پر بڑی فوج کا انتظام شہزادہ سلیم کے سپرد کیا گیا اور شہزادہ مراد ہراول دستے کے ہمراہ کابل کی طرف روانہ ہوا۔ ۶ر مارچ ۱۵۷۹ء کو حکیم مرزا نے شہزادہ مراد سے جنگ چھیڑ دی اور حملے کی قیادت خود کی۔ کنور مان سنگھ اور توزک خاں عاتکہ نے ہاتھیوں پر سے چھوٹی توپوں کا فائر کھول دیا اور حکیم مرزا کے دستوں کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس فتح کی خبر بادشاہ کو سرخا بند میں ملی۔ بادشاہ ۱۸ر مارچ ۱۵۷۹ء کو بلا مزاحمت کابل میں داخل ہوا۔ حکیم مرزا غور بند کی طرف فرار ہو گیا اور اس کے بعد معافی کی درخواست کی' جو فی الفور مان لی گئی' اور اس علاقے کی حکومت پر اسے بحال کر دیا گیا اور فوج واپس آگرہ آ گئی۔ بادشاہ نے دریائے سندھ کی طرف لوٹتے ہوئے اٹک کا قلعہ تعمیر کرنے کا حکم صادر کیا۔ وہ ۳ر اکتوبر ۱۵۷۹ء کو لاہور پہنچا اور راجہ بھگوان داس کو پنجاب کا حاکم مقرر کرنے کے بعد واپس آگرہ کی طرف لوٹ گیا۔

۱۵۸۵ء کو بادشاہ کے سب سے بڑے بیٹے شہزادہ محمد سلیم مرزا کی شادی راجہ بھگوان داس کی بیٹی سے کر دی گئی۔ اگلے سال بادشاہ کا سوتیلا بھائی شہزادہ محمد حکیم مرزا کابل میں انتقال کر گیا اور راجہ بھگوان داس کے بیٹے کنور مان سنگھ کو کابل کا مکمل اختیار مل گیا۔

افغان آبادی پر ایک ہندو راجپوت کو حاکم مقرر کرنا' اکبر کی انتہائی دلیرانہ حکمت عملی کے بے شمار ثبوتوں میں سے ایک تھا۔ بادشاہ اب پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے محمد حکیم مرزا کے بچوں کو لاہور لانے کے لیے ایک حفاظتی دستہ کابل روانہ کیا۔ لاہور میں قیام کے دوران اکبر نے کشمیر' سوات اور باجوڑ کے خلاف فوجی مہمات کو منظم کیا۔ کنور مان سنگھ کی قیادت میں ایک فوج روانہ کی گئی کہ روشنائی افغانوں کو سزا دی جائے جو زنداکہ کافر کے نام سے مشہور تھے۔ یہ ہندوستان کے آبائی شخص کے پیروکار تھے' جس نے پیر روشنائی کا لقب اختیار کر کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو اپنے مذہب میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے انتقال پر اس کا بیٹا جلالہ اس کا جانشین مقرر ہوا اور ایک مختصر عرصہ تک اکبر کے دربار میں رکنے کے بعد' افغانوں کے ملک کی طرف فرار ہوگیا' جہاں اس نے بغاوت کا علم بلند کر دیا اور کابل اور ہندوستان کے درمیان رسل و رسائل کو ختم کر دیا۔

سوات اور باجوڑ کے لیے مہم کو زین خاں کوکہ کی قیادت میں بھیجا گیا اور سید خاں ککھڑ' شیخ فیضی' ملا شیری اور شیخ عاقل کی قیادت میں دستوں کے ذریعے اس کی مدد کی گئی۔

حکیم عبدالفتح گیلانی کو دیگر متعدد مشہور افسروں کے ہمراہ بھی فوجوں کے ساتھ اسی سمت روانہ کیا گیا۔ لیکن ان احتیاطی تدابیر کے باوجود افغان اتنی بے جگری سے لڑے کہ شاہی فوج کو شکست فاش اٹھانا پڑی اور وزیراعظم راجہ بیربل' ملا شیری اور دیگر اعلیٰ افسران سمیت آٹھ ہزار فوجی ہلاک ہو گئے۔ زین خاں کوکہ اور حکیم عبدالفتح بڑی مشکل سے اٹک کے مقام پر بادشاہ کے پڑاؤ میں شامل ہونے میں کامیاب ہو سکے۔ کنور مان سنگھ جسے روشنائی افغانوں کے خلاف روانہ کیا گیا تھا اسے بہترین کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے درۂ خیبر پر باغیوں کو شکست دی اور زبردست کشت و خون کے بعد انہیں مار بھگایا۔ ان واقعات کے بعد بادشاہ اٹک سے واپس لاہور آگیا اور وہاں سے کنور مان سنگھ کو اس علاقے کی حکومت تفویض کر کے کابل روانہ کیا۔ اسی سال شہزادہ محمد سلیم مرزا کی شادی ایک ہندو راجپوت راجہ رائے سنگھ کی بیٹی سے کر دی گئی۔

کشمیر کی مہم

کشمیر کی طرف شاہ رخ مرزا' راجہ بھگوان داس اور شاہ قلی خاں محرم کی قیادت میں مہم روانہ کی گئی جو اب تک زعفران پر اجارہ داری اور بادشاہ کے نام کے سکے چلانے میں کامیابی حاصل کر سکے تھے' لیکن زبردست بارشوں اور برف باری کے باعث فوج بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ بادشاہ نے امیر البحر محمد قاسم خاں کابلی کی قیادت میں تازہ دم فوجی دستے روانہ

کئے اور پورے ملک پر غلبہ حاصل کر لیا گیا۔
لاہور میں رہائش پذیر ہونے کے دوران' کابل سے شاہ رخ مرزا کے دادا' سلیمان مرزا اور عبداللہ خان ازبک کی طرف سے ایک سفیر نے بادشاہ سے ملاقات کی ۱۵۸۶ء میں روشنائی فرقے کے رہنما جلالہ نے دوبارہ پنجاب کی سرحد پر امن و امان خراب کر دیا۔ اس نے ایک لڑائی میں کنور مان سنگھ کو شکست دے کر بنگش کی طرف فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ بادشاہ نے عبدالمطالب خاں' محمد قلی بیگ اور حمزہ بیگ ترکمان کی قیادت میں امدادی فوج روانہ کی' انہوں نے دشمن کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا اور زبردست نقصان کے ساتھ اسے مار بھگایا۔
اسی سال شہزادہ سلیم کے ہاں لاہور میں راجہ بھگوان داس کی بیٹی سے ایک بیٹا پیدا ہوا' جسے سلطان خسرو کا نام دیا گیا۔ بادشاہ نے اس موقع پر خوب خوشیاں اور جشن منائے۔ فروری ۱۵۸۹ء میں کنور مان سنگھ کو کابل سے لاہور بلا لیا گیا اور زین خاں کوکہ جو بادشاہ کا دودھ شریک بھائی تھا' اسے اس علاقے کی حکومت پر حاکم مقرر کر دیا گیا۔

سلطان خسرو کی پیدائش - ۱۵۸۶ء

اسی سال شہزادہ سلیم کے ہاں لاہور میں راجہ بھگوان داس کی بیٹی سے ایک بیٹا پیدا ہوا' جسے سلطان خسرو کا نام دیا گیا۔ بادشاہ نے اس موقع پر خوب خوشیاں اور جشن منائے۔ فروری ۱۵۸۹ء میں کنور مان سنگھ کو کابل سے لاہور بلا لیا گیا اور زین خاں کوکہ جو بادشاہ کا دودھ شریک بھائی تھا' اسے اس علاقے کی حکومت پر حاکم مقرر کر دیا گیا۔ دریں اثناء سید یوسف خاں مشہدی کو محمد قاسم خاں کی جگہ کشمیر کا حاکم مقرر کیا گیا اور قاسم خاں کو واپس بلا لیا گیا۔ بادشاہ نے اب نئے حاصل شدہ علاقے سلطنت کشمیر کا دورہ کرنے کا ارادہ کیا' چنانچہ' وہ ۲۷ر اپریل ۱۵۵۹ء کو لاہور سے بھمبر کے لیے روانہ ہوا اور کشمیر کے دارالخلافہ' سری نگر پہنچنے پر' ملک کی مناسب حکومت کے لیے انتظامات کرنے کے لیے چند ہفتوں تک وہاں ٹھہرا۔ بادشاہ کشمیر سے کابل روانہ ہوا' جہاں وہ دو ماہ تک ٹھہرا۔ کابل جاتے ہوئے' حکیم فتح اللہ گیلانی دھمتر کے مقام پر انتقال کر گئے اور انہیں بابا حسن عبدل میں دفن کیا گیا۔ یوسف زئی افغانوں کو مغلوب کرنے کے لیے شہباز خاں کمبوہ کی قیادت میں اٹک سے ایک فوج روانہ کی گئی' اس نے انہیں شکست دے کر منتشر کر دیا۔ بادشاہ کو کابل میں' اپنے عظیم وزیر خزانہ' راجہ ٹوڈر مل اور راجہ بھگوان داس کے لاہور میں انتقال کر جانے کی خبر ملی تو اسے بہت زیادہ رنج ہوا۔ نیز وہ ۱۳ر نومبر ۱۵۸۹ء کو لاہور کے لیے روانہ ہوا۔ کابل پر

عبداللہ خاں ازبک کے حملہ کے خطرے کے باعث' چند برس تک دربار لاہور میں منعقد کیا گیا۔

کشمیر میں بغاوت – ۱۵۸۹ء

۱۵۹۰ء میں' حاکم کشمیر' یوسف خاں مشہدی نے اس ملک کا انتظام اپنے چھوٹے بھائی' مرزا یادگار کے سپرد کیا' یادگار مرزا نے اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں کشمیر کے ایک متمول زمیندار کی بیٹی سے شادی کر لی اور بغاوت کا علم بلند کر دیا' اس نے حکم دیا کہ خطبہ اس کے اپنے نام سے پڑھا جائے۔ مقامی کمانداروں' قاضی علی ضلعدار مالیات' حسین بیگ اور شیخ عمر بدخشی نے دستے جمع کیے اور باغی سردار کا مقابلہ کیا' لیکن قاضی علی لڑائی میں قتل ہوگیا اور باقی ماندہ مغل افسران کشمیر سے فرار ہو گئے۔ بادشاہ نے ان واقعات کی خبر موصول ہونے پر' شیخ فرید بخشی کو فوج کے ہمراہ صوبہ کشمیر کو بازیاب کرانے کے لیے روانہ کیا۔ یادگار مرزا' بادشاہ کے دستوں کے سامنے نمودار ہوا' لیکن صادق بیگ اور ابراہیم خاں کوکہ افسران مغلیہ فوج نے جنگی تدبیر کے ذریعے اسے گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کا سر شیخ بدخشی کے سامنے پیش کر دیا۔ لہٰذا پورے کا پورا صوبہ کشمیر دوسری مرتبہ اکبر کی سلطنت کے زیر نگیں آگیا۔ اس کے فوراً بعد' بادشاہ بذات خود کشمیر کی جانب روانہ ہوا اور چالیس روز تک وہاں ٹھہرا۔ بادشاہ' کشمیر کی حکومت پر سید یوسف خاں مشہدی کو حاکم مقرر کر کے روہتاس روانہ ہوا' جہاں ٹھٹھہ اور سندھ کے سرداروں نے اس سے ملاقات کی۔

سندھ کی فتح – ۱۵۹۱ء

سال ۱۵۹۱ء میں اکبر نے صوبہ سندھ کو سلطنت دہلی میں شامل کرنے کے لیے لاہور سے مرزا خاں' خان خاناں کی قیادت میں متعدد افسران' ایک سو ہاتھیوں کا لشکر اور ایک توپ خانے پر مشتمل مہم روانہ کی' لیکن اس صوبہ کو فتح کرنے کے سلسلہ میں شاہی جرنیل کو ناکامی ہوئی۔ بادشاہ نے ایک اور دستہ روانہ کیا جو عمرکوٹ کے راستے سندھ میں داخل ہوا' صوبے کو مغلوب کر لیا گیا اور سندھ کے سردار کو دربار میں ایک اعلیٰ منصب پر فائز کیا گیا۔

۱۵۹۳ء میں روشنائی افغانوں کے سردار جلالہ نے وادی خیبر میں ابتری پھیلا دی۔ جعفر خاں کا ذوبی المعروف آصف خاں کو اسے مغلوب کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ جلالہ کو

شکست دے دی گئی اور اسے اور اس کے بھائیوں کو قید کر کے دربار بھیج دیا گیا۔

ہندوستان میں اکبر کے یادگار کارہائے نمایاں میں ایک چتوڑ کا محاصرہ بھی تھا۔ محصورین نے زبردست مزاحمت کی' لیکن شاہی فوجوں نے توپیں نصب کر کے اور بارودی سرنگیں بچھا کر فصیل پر قبضہ کر لیا اور جنگی ہاتھیوں اور گھڑسواروں نے غیض و غضب سے قلعہ میں داخل ہو کر تباہی و بربادی کا کام مکمل کر دیا۔ اس جنگ میں تیس ہزار سے زائد راجپوت قتل ہوئے اور چند ایسے تھے جو جنگی تدبیر کے ذریعے اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو سکے۔ اس ناقابل تسخیر قلعے پر قبضہ کی وجہ سے حاصل ہونے والی شہرت نے' اکبر کے لیے گجرات' بہار' راجپوتانہ اور بنگال کی فتوحات کے لیے راہ ہموار کر دی' اگرچہ مشرقی صوبہ جات کے باغی افغانوں کو مغلوب کرنے کے لیے اس کے پندرہ سال صرف ہوئے۔

اکبر کے دور حکومت کا ایک اور یادگار واقعہ ۱۵۹۴ء میں' دکن میں احمد نگر کا محاصرہ اور حسین نظام شاہ کی بیٹی چاند بی بی کی طرف سے اس کا انتہائی دلیرانہ دفاع تھا۔ یہ غیر معمولی خاتون' اپنے دور کی انتہائی قابل سیاستدان تھی' وہ پہلے ہمسایہ سلطنت بیجاپور کی ملکہ تھی اور اب قائمقام پادشاہ بیگم تھی۔ شاہی فوجیں شہزادہ مراد مرزا اور مرزا خاں کی زیر قیادت تھیں۔ محاصرین نے خندقیں کھول دیں' مٹی کے ڈھیر لگانے کے بعد توپیں نصب کر دیں اور بارودی سرنگیں بچھا دیں۔ دھماکوں نے محصورین میں زبردست خوف و ہراس پھیلا دیا' لیکن ملکہ نے بڑی جوانمردی سے شگاف کا دفاع کیا۔ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر منظر عام پر آئی اس نے محاصرین کا مقابلہ کرنے کے لیے توپیں لانے اور ان پر پتھر پھینکنے کا حکم دیا' ان چستی اور فوری اقدامات سے حملہ آوروں کو بار بار پسپا ہونا پڑا۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا اور اس کے اختتامی عرصہ میں' مغلیہ پڑاؤ میں سامان خوردونوش کی کمی واقع ہو گئی' شہزادہ مراد مرزا نے سوچا کہ چاند بی بی کے ساتھ گفت و شنید کرنا زیادہ بہتر ہے۔ بیرار اکبر کے پاس آ گیا اور احمد نگر اور اس کی ماتحت ریاستوں کا انتظام' برھان نظام شاہ دوئم کم سن پوتے بہادر شاہ کے پاس ہی رہنے دیا گیا۔

عبداللہ ازبک' جس کی طرف سے کافی عرصہ سے شمال کی طرف سے حملہ اور ہونے کا خطرہ تھا وہ جب ۱۵۹۶ء میں انتقال کر گیا تو اکبر لاہور سے واپس آگرہ چلا گیا۔ ۱۶۰۲ء میں دکن کا پورا صوبہ بشمول' آسیر' برہان پور اور احمد نگر کو سلطنت دہلی میں شامل کر لیا گیا اور اکبر نے دیگر القابات کے علاوہ' "شہنشاہ دکن" کا لقب بھی اختیار کر لیا۔ اسی سال' شیخ ابوالفضل کو دکن سے واپس بلا لیا گیا' لیکن اس عالم فاضل شیخ پر اور چاہ ضلع مارواڑ کے

قریب ایک ڈاکو نے حملہ کر کے قتل کر دیا' بادشاہ کو اس کا بہت زیادہ رنج اور افسوس ہوا۔

اکبر کے مذہبی خیالات

اکبر ایک ضعیف العقیدہ مسلمان تھا' وہ ایرانی تہوار نوروز بڑی شان و شوکت سے مناتا تھا۔ اس نے ایک ایسے نئے مذہب کو تشکیل دینے کی کوشش کی جو محض خالصتاً" ایک وحدانیت تھی اور اسے وحدت الوہیت کے عظیم عقیدہ پر قائم کیا گیا تھا۔ اس مذہب کی وضع قطع اور رسومات زیادہ تر قدیم ایرانیوں سے اخذ کی گئیں تھیں' جو زرتشت کے مذہب کا پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ہر صبح وہ ایک جھروکے میں نمودار ہوتا اور لوگوں کا انبوہ کثیر اس کے آگے جھک جاتا۔ اس کے پاؤں دھلا پانی بیماریوں کے علاج کے لیے استعمال کیا جاتا تھا' وہ کرامات کرنے کا دعویٰ بھی کرتا تھا' عورتیں ماں بننے کی امید میں اس کے پاس منتیں مانتیں اور جب ان کا مقصد بر آتا تو وہ اس کو تحفے تحائف پیش کرتیں اور بادشاہ انہیں قبول کر لیا کرتا تھا۔ دیگر لوگ' دریا خوشی' جسمانی طاقت' دوستوں سے ملاقات' دولت میں اضافہ' منصب میں ترقی اور بہت سی دوسری چیزوں کے لیے استدعا کرتے' بادشاہ ہر ایک کو تسلی بخش جواب دیتا اور ہر ایک کے لیے تدارک تجویز کرتا۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا تھا جب لوگ پانی کے پیالے لاتے ہوں اور بادشاہ ان میں پھونک نہ مارتا ہو' اس پانی کو بیماری دور کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ وہ برہمنوں کے ہمراہ سورج کی پوجا کرتا' عیسائیوں سے بحث مباحثہ کرتا اور سورج کی طرح' صلیب کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیتا' جبکہ وہ برابری کے اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے یہودیوں کی تعلیمات کا بھی احترام کرتا اور انتہائی تحمل کے ساتھ حریف راہبوں یا دانشوروں کی دلیلوں کو جانچتا یا ان کی تردید کر دیتا تھا۔

لاہور۔ حکومت کا صدر مقام' ۱۵۸۶ء - ۱۵۹۸ء

اکبر نے اپنا دارالخلافہ آگرہ میں قائم کیا ہوا تھا' لیکن اس کی پسندیدہ رہائش گاہ' اس شہر سے بارہ میل کے فاصلے پر فتح پور سیکری تھا۔ دونوں مقامات کے درمیان خالی جگہ میں ایک بازار بنایا گیا تھا۔ ۱۵۸۶ء میں اکبر نے اپنے دربار کو فتح پور سے لاہور منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور اس سال سے ۱۵۹۸ء تک ظاہراً لاہور کو اپنا صدر مقام بنائے رکھا۔ فتح پور سیکری میں تین عیسائی پادریوں' ریڈولفو اکوادیوا' (۲) (جو بہت زیادہ عالم فاضل تھا) مونسریٹ اور ایزیکس (جو پیدائشی طور پر ایرانی تھا اور ترجمان کے فرائض سرانجام دے رہا تھا) نے

اس سے ملاقات کی۔ انہوں نے اسے چار زبانوں پر مشتمل کثیر الزبان انجیل پیش کی' جسے مغل اعظم نے اپنے سر پر رکھ لیا اور اس نے پرتگیزی مشنریوں کی انتہائی خوشی کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ اسلام کی مورتیوں کو بوسہ دیا۔ عیسائی پادری لاہور روانہ ہوتے وقت بادشاہ کے پڑاؤ کے ہمراہ تھے' بادشاہ کی فوج کی عظمت اور اس کے ساز و سامان کی شان و شوکت سے وہ ششدر رہ گئے۔

فوج کے پیچھے پانچ ہزار ہاتھی چل رہے تھے' ان کے سروں کو آہنی پتروں سے ڈھانکا گیا تھا' ان کی سونڈوں کو تلواروں سے آراستہ کیا گیا تھا اور ان کے دانتوں کو خنجروں سے مسلح کیا گیا تھا۔ پرتگیزی مشنریوں نے اپنے روزنامچے میں لاہور کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ "دلکش شہر" ہے۔ وہاں پہنچنے پر انہیں دریا میں واقع ایک جزیرے پر موجود شاہی رہائش گاہ لے جایا گیا اور بادشاہ سے متعارف کروایا گیا' جس کے بارے میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ "وہ پچاس سال کی عمر کا اور یورپین کی طرح سفید رنگت والا شخص تھا"۔ مشنریوں نے یہ امید وابستہ کر لی تھی کہ وہ بادشاہ کو عیسائی بنانے کے قابل ہو جائیں گے لیکن درحقیقت انہیں مایوسی کی حالت میں واپس گوا جانا پڑا۔

اکبر نے گوا کے عیسائی پادریوں کو "دانایان فرنگ" کا خطاب دیا اور ۱۵۸۲ء میں انہیں لکھا کہ وہ اسے توریت' زبور اور انجیل کے تراجم بھیجیں اور چند ایسے اشخاص بھی روانہ کریں جو اپنے دین کے اسرار و رموز سے روشناس کرا سکیں۔ ۱۵۹۱ء میں اس کے پاس ایک مشن روانہ کیا گیا' لیکن اس کے ارکان زیادہ دیر ہندوستان میں نہ ٹھہرے۔ پادری جیروم ایکسیوئیر کی قیادت میں ایک تیرا مشن روانہ کیا گیا اس کے ہمراہ دو ساتھی' پرتگال میں گوز کا پادری بینیڈکٹ اور ایمینویل پگنیرو تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے لاہور میں مئی ۱۵۹۵ء میں ملاقات کی اور کئی سال تک اس کے پاس قیام کیا۔ بادشاہ نے جب اپنے بیٹے شہزادہ سلیم کے ہمراہ کشمیر کا دورہ کیا تو ایکسیوئیر اور بینیڈکٹ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ایکسیوئیر فارسی کا ایک بہترین عالم تھا۔ بادشاہ کی درخواست پر اس نے اپنی تصنیف "حیات عیسیٰ" کو فارسی میں لکھا۔ اس نے دیباچہ میں ذکر کیا ہے کہ اس نے فارسی تصنیف کو لاہور کے مولانا ابوالسنارین کے تعاون سے مکمل کیا۔

لاہور میں قیام کے دوران اکبر نے مذہبی رواداری کے ان اصولوں کو متعارف کروایا جس نے مشرقی فرمانرواؤں کی تاریخ میں اس کے نام کو سب سے زیادہ ممتاز بنا دیا ہے۔ وہاں وہ انسانی عظمت کی معراج پر معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا "ایسا خوش و خرم جیسا اکبر' ایک

ضرب المثل بن چکی تھی۔ عبادت خانہ میں مذہبی بحث مباحثے جمعہ کی رات کو منعقد کیے جاتے تھے' جن میں اس کی سلطنت کے امراء ان اجلاسوں میں موجود ہوتے تھے۔ ابوالفضل سوالات کا آغاز کرتا اور اپنے آقا کے خیالات کی تشریح کرتا تھا۔ بادشاہ کا دربار ہر فرقے اور عقیدے کے عالموں کا مسکن تھا' جو مختلف ملکوں سے آتے تھے اور انہیں بادشاہ سے گفت و شنید کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ علم کے خاص نکات' الہام کی باریکیوں' تاریخ کے نوادرات اور قدرت کے عجائبات پر آزادانہ بحث ہوتی تھی۔ بادشاہ بڑی شان سے ان کارروائیوں کو سنتا اور تمام اقسام کی مذہبی تعلیمات اور فرقہ وارانہ عقائد کو اپناتے ہوئے رنگارنگ خیالات میں کھو جاتا۔ مذہبی بحث مباحثے کے لیے شہر لاہور کے باہر دو عمارات تعمیر کی گئی تھیں۔

خیرپورہ اور دھرم پورہ

ان میں سے ایک خیرپورہ (۳) مسلمانوں' یہودیوں اور آتش پرستوں کے لیے اور دوسری جو دھرم پورہ کہلاتی تھی' وہ ہندوؤں کے لیے تعمیر کی گئی تھی۔ بعض اوقات یہ مباحث مہلک جھگڑوں پر منتج ہوتی تھیں۔ انہی میں سے ایک کے نتیجے میں مرزا فولاد نے مشہور شیعہ عالم اور "تاریخ الفی" کے مصنف ملا احمد کو لاہور کی گلیوں میں قتل کر دیا۔ بعد ازیں قاتل کو سزائے موت دے دی گئی اور ایک ہاتھی کی ٹانگ سے زندہ باندھ دیا گیا' جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگیا۔

اکبر ہر روز دو کشادہ ایوانوں میں دربار عام منعقد کرتا تھا' ہر ایک میں ایک شاہی تخت ہوتا تھا۔ وہ تخت پر شاذ و نادر ہی بیٹھتا تھا' بلکہ کھڑے ہو کر زبانی احکامات جاری کرتا تھا۔ وہ شکار کا بہت شوقین تھا' وہ پہلوانوں' نبیٹی بازوں' رقاصوں اور اداکاروں کی ادائیگیوں اور بھینسوں' مینڈھوں' ہاتھیوں' مرغوں اور بارہ سنگھوں کی لڑائیوں سے بہت حظ اٹھاتا تھا۔ اسے اپنے ہاتھیوں میں سے ہر ایک کا نام یاد تھا' اس نے اپنے گھوڑوں' جنگلی' جانوروں اور کبوتروں کو مختلف نام دیئے ہوئے تھے۔ جوانی میں اسے چیتوں اور ان سے شکار کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اس کی شکارگاہ میں ایک ہزار چیتے جمع کئے گئے تھے۔ اس کا سب سے بہترین چیتا سمند مرک کے نام سے مشہور تھا' اس کے آگے نقارے بجاتے ہوئے اسے بڑی شان و شوکت سے چند دل میں لے جایا جاتا اور بہترین ساز و سامان سے آراستہ خادم اس کے اطراف میں دوڑ رہے ہوتے تھے۔ وہ اپنے ہاتھیوں کو اپنے حکم کے طابع رکھتا تھا' حتیٰ کہ جب وہ مست ہوتے اس وقت بھی ان کے دانتوں پر پاؤں رکھ کر ان پر سوار ہو جاتا

تھا۔ وہ سیاہ گوش کو شکار کے لیے پسند کرتا تھا' اس نے تمام ممالک سے اعلیٰ نسل کے کتے منگوائے۔ وہ شکروں اور بازوں سے شکار کرتا اور مکڑیوں اور مکھیوں کے درمیان کشمکش سے لطف اندوز ہوتا خاص طور پر اس وقت جب مکھی آزاد ہونے کے لیے کوشش کرتی۔ اپنے سب سے بڑے بیٹے کی پیدائش سے قبل مانی جانے والی منت کو پورا کرنے کے لیے اکبر نے کبھی بھی جمعے کے روز شکار نہیں کیا۔

اکبر کے پاس ایک متجس ذہن تھا۔ اس نے دریائے گنگا کے منبع کو تلاش کرنے کے لیے ایک مہم روانہ کی اور یہ دریافت کرنے کی کوشش کی کہ بولی جانے والی سب سے پہلی زبان کون سی تھی۔ اس نے دس شیرخوار بچے گونگی دائیوں کو پالنے کے لیے دیئے' جب وہ جوان ہوئے تو اس نے انہیں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ ایک لفظ بھی بولنے کے قابل نہیں تھے' اپنا اظہار صرف اشاروں سے کر سکتے تھے۔ اس کا یہ تجربہ ناکام ہوگیا۔ وہ مختلف میکانکی فنون میں بڑا ماہر تھا۔ اس نے مال برداری اور سواروں کے لیے غیر معمولی گاڑیاں ایجاد کیں' اس نے رہٹ اور چھکڑوں کے پہیوں کے علاوہ کنویں سے پانی کھینچنے والی مشین کا نمونہ تیار کیا جو اسی دوران ایک چکی کا پتھر بھی گھماتی تھی۔ اس نے ایک پہیہ ایجاد کیا جو انتہائی مختصر وقت میں سولہ نالیوں کو صاف کر دیتا تھا۔ اس کے پاس محل کی حدود میں اسلحہ سازی اور بندوق سازی کے لیے کارخانے تھے۔ اس نے ہاتھیوں کا سازو سامان ایجاد کیا اور داغو محلی قانون کے نام سے مشہور چھاپے کا طریقہ متعارف کرایا۔

اکبر ہندوستانی داستانوں سے بہت خوش ہوتا تھا' اس کے پاس ۳۶۰ منزلوں پر مشتمل اور خوبصورت لکھائی میں نقل شدہ اور مناسب تصاویر سے مزین داستان امیر حمزہ بھی تھی۔ اس نے اپنی پوری سلطنت میں چوکیوں کا نظام قائم کیا' ہر پانچ کوس کے فاصلے پر دو گھوڑے اور پیدل آدمیوں کی جماعت متعین ہوتی تھی۔

اکبر وحدت کو سمجھنے کے لیے تفصیلات (کثرت) میں جانے کے لیے بہت احتیاط برتتا تھا اور شیخ ابوالفضل کے مطابق' یہی اس کی کامیابی کا راز تھا۔ شیخ' اکبر بادشاہ کو بہترین قیافہ شناس کہتا ہے۔ بدایونی کے مطابق' اکبر نے یہ فن جوگیوں سے سیکھا تھا۔ وہ آدمیوں کو پہلی نظر میں جانچ لیتا تھا۔

اس نے مقدس خانقاہوں پر حاضری دینے والے زائرین سے وصول کیا جانے والا محصول جسے "کرمی" کہا جاتا تھا' ختم کر دیا' اور ہندوؤں پر عائد جزیہ معاف کر دیا۔ اس نے اپنی حکومت کے ۲۵ ویں سال میں اپنی پوری سلطنت کے باشندوں کی مردم شماری کرائی'

جاگیرداروں، ٹھیکیداروں، اور داروغوں کو شاہی فرمان میں یہ ہدایات جاری کی گئیں کہ وہ گاؤں بہ گاؤں جا کر عورتوں اور مردوں کی تعداد کی فہرستیں تیار کریں۔ اس نے ہندوؤں میں بیوہ کو جلانے سے روکنے کے لیے نگران مقرر کیے اور مسلمانوں میں کثیر الازدواجی پر پابندی عائد کر دی۔ اس نے عصمت فروشی(۴) پر سخت پابندی عائد کر دی اور عصمت دری کرنے والوں کے لیے کڑی سزا مقرر کی۔ اس نے گائے کا گوشت کھانے کی ممانعت کر دی اور گائے کے گوشت کو چھونا گناہ سمجھتا تھا۔ حرم کی ہندو رانیوں کے اثر و رسوخ کے باعث اس نے گائے کا گوشت، لہسن اور پیاز کھانا چھوڑ دیا اور داڑھی رکھنا بھی ترک کر دیا۔ بادشاہ کی طرف سے داڑھی مونڈنا، دوستی اور مہربانی کی عظیم علامت سمجھی جاتی تھی، جو کسی بھی داڑھی والے شخص کو بمشکل اپنے پاس حاضر ہونے کی اجازت دیتا تھا۔ اگر جسمانی طاقت کے لیے ضرورت ہوتی تو اس سلسلے میں شراب استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ یا اس کے علاوہ اطباء نے تجویز کیا ہوتا تو پھر بھی استعمال کر سکتے تھے، لیکن نشہ پر سخت سزا دی جاتی تھی، ۱۶ سال سے کم عمر کے لڑکوں اور ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکیوں کی شادی پر پابندی تھی، کیونکہ صغیر سنی کی شادیوں کے نتیجہ میں ان کی اولاد کمزور ہوتی تھی۔

اکبر کا نیا مذہب

دین الٰہی کے نام سے مشہور نئے دین کو ایجاد کرتے ہوئے اکبر نے یہ بات اپنے دل میں بٹھا لی تھی کہ اس کے علم کے مطابق، خدا کا احترام، ادراک سے اخذ کیا جاتا ہے۔ اس نے الوہیت کی علامات، سورج، اجرام فلکی یا آتش کی پوجا کی سفارش اس لیے کی تھی تاکہ اس کے حقیقی علم اور اس کے گیان کو حاصل کیا جا سکے۔

اس نے اپنے مذہبی نظام کو "توحید الٰہی" کا نام دیا۔ اس نے بڑی حد تک اپنی اصلاحات اور بدعات کو متعارف کرایا اور انہیں نافذ کرنے سے پیشتر سرکردہ مسلمان قانون دانوں کی قانون رائے حاصل کر لی۔ اس نے اپنے آپ کو ایک پادری، یا خلیفہ اسلام (۵) کی حیثیت سے تسلیم کروانے کی کوشش کی، بحیثیت اسلام کے اعلیٰ روحانی پیشوا اس کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے حکم کے مطابق، اپنے پیروکاروں پر حکومت کرے، اس نے اپنی حاکمیت کے تحت یہ اعلان کرا دیا کہ "اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اکبر اس کا خلیفہ ہے"۔ اس نے حکم دیا کہ الفاظ "اللہ اکبر" کو اس کی مہر پر کندہ کر دیا جائے۔ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اکبر بارھواں امام، دنیا کو ازسرنو زندہ کرنے والا اور اسلام کے ۷۲ فرقوں میں مفاہمت پیدا کرنے والا ہے۔ اس نظریے کی ابتداء اکبر کے دست راست اور

مستقل ساتھی ابوالفضل نے کی۔ بعد میں اکبر کی خدا کی طرح پوجا کی جانے لگی' اگرچہ' محسوس ہوتا ہے اس نے بذات خود مافوق الادراک حیثیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ثبوت کے طور پر فیضی کے مندرجہ ذیل اشعار کا حوالہ دیا جا سکتا ہے:

شاہی کہ بفضل ذو فنون خوانیمش
از راہ خدای رہنمون خوانیمش
ہرچند کہ سایہ خدایند شہان
او نور خداست سایہ چون خوانیمش

(ترجمہ) "وہ (اکبر) ایک بادشاہ ہے جس کو اس کی دانش کی بناء پر ہم ذو فنون (علوم کا معلم) کہتے ہیں۔
اور ہمارا پیشوا دین کے رستہ پر ہے' اگرچہ بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہوتے ہیں۔
وہ خدا کے نور سے ظہور میں آیا ہے' چنانچہ ہم اسے سایہ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

ایک دوسرے مقام پر یہی شاعر کہتا ہے۔

خواہی کہ چومن راہ ہدی بشناسی
نشناختہ شاہ را کجا بشناسی
این سجدہ ناقبول سودت ندھد
اکبر بشناس تا خدا بشناسی

(ترجمہ) "اگر تم میری طرح سچائی کی راہ کا علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو تم بادشاہ کا علم حاصل کیے بغیر ایسا نہیں کر سکتے۔
یہ سجدہ ناقبول تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔
اکبر کے علم سے شناسا ہو جاؤ تو تمہیں خدا کا علم حاصل ہو جائے گا"۔

عربی کی تعلیم کو ممنوعہ قرار دے دیا گیا اور اس کی جگہ فلکیات' ریاضی' طب اور فلسفہ کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ محمد اور علی جیسے ناموں کے استعمال کو ترک کر دیا گیا۔ بارہ سال کی عمر سے قبل ختنہ کو ممنوع کر دیا گیا۔ سنہ ہجری اور دیگر عربی مہینوں کو ختم کر کے ایک نئے سنہ کو متعارف کرایا گیا' جس کا پہلا سال' بادشاہ کی حکومت کے سال سے

شروع ہوتا تھا۔ مہینوں کو قدیم ایرانیوں کے نام دیے گئے۔ "السلام علیکم" کو ترک کر کے اس کی جگہ "اللہ اکبر" کو رائج کیا گیا اور اس کے جواب میں "جل جلالہ" کہا جاتا تھا۔ ان اختراعات اور بدعات سے مسلمانوں کو بہت دکھ پہنچا۔

سنسکرت تصانیف کا فارسی میں ترجمہ

اکبر کو علم و ادب کی ترویج و ترقی کی شدید خواہش تھی' لہٰذا اس نے ہر قسم کے علم و فضل کی حوصلہ افزائی کی۔ اس مقصد کے لیے اس نے مدرسے قائم کیے' جن میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو ان کے ذہن اور حالات زندگی کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ اس نے ہندوستانی ادب کی ترقی کے لیے خاص توجہ صرف کی۔ اس کے زیر ہدایت' فیضی نے' شاستروں میں سے مہا بھارت کے ایک قصے نالہ اور (میانتی کا ترجمہ کیا۔ اس نے بیجا اور گنیتا' اور الجرا و ریاضی پر لکھی گئی مشہور زمانہ ہندو تصانیف' بھکارا اچاریہ کی لیلاوتی کے تراجم کو بھی مکمل کیا۔ اس کے دربار میں سنسکرت زبان کے مترجمین میں فیضی کے علاوہ' عبدالقادر بدایونی' ملا شاہ محمد' نقیب خاں' حاجی ابراہیم' سلطان حاجی' ملا شیسی اور بہت سے دوسرے بھی شامل تھے۔ عبدالقادر بدایونی نے دیگر تصانیف کے علاوہ رامائن اور سنگھاسن بتیس کا ترجمہ بھی کیا' مہا بھارت اور تاریخ کشمیر کا ترجمہ' فیضی کی نگرانی میں کرایا گیا' حاجی ابراہیم سرہندی نے ہندوؤں کی ایک کتاب "اتھاروا ویدا" کا ترجمہ کیا' جو مشکل طرز تحریر اور کٹھن معنی الفاظ کے لیے مشہور تھی۔(٦)

اکبر نے اپنے ممتاز مشیر اور اس دور کے عظیم ماہر مالیات راجہ ٹوڈر مل کی خواہش اور التجا پر' اپنی سلطنت کے مالی نظام کی ازسرنو تشکیل کی۔ بہت زیادہ محصولات' جن کی وجہ سے صنعت پر بہت زیادہ بوجھ تھا' ختم کر دیے گئے' پہلے پہل' مختلف صوبوں کے صوبیدار' مالیات وصول کرتے تھے' وہ مال گزاری سے مکمل طور پر نابلد ہوتے تھے اور اسے ہندو بینکاروں پر عائد کر دیتے تھے۔

ان کا تخمینہ بھی مختلف ہوتا اور وہ رقم مقرر کرنے کے لیے اپنی مرضی سے کاشتکاروں پر تشدد کرتے اور ان کا استحصال کرتے تھے۔ جمع کی گئی رقوم سے' صوبیدار' فوجوں کو تنخواہ ادا کرتا اور باقی ماندہ رقم شاہی خزانے میں جمع کرنے کے لیے روانہ کر دیتا۔ اکبر نے فوری طور پر اس نظام کو تبدیل کر دیا' لہٰذا صوبیداروں سے یہ تقاضا کیا گیا کہ وہ مالیات کو شاہی خزانے میں جمع کروائیں اور فوجوں کو شاہی خزانے سے تنخواہیں ادا کی جایا کریں گی۔ اس نے حکم دیا کہ تمام زمینوں' آیا وہ شہر میں ہوں یا دیہات میں' کاشت شدہ ہوں یا غیر کاشت

شدہ' ان سب کی پیائش یکساں معیار کے مطابق کی جائے اور مساحت کے انتہائی درست آلات سے اس کام کو سرانجام دیا جائے۔ سرکاری مال گزاری کو کم کر کے سالانہ پیداوار کا ۱/۳ حصہ کر دیا گیا' اسے روپے کی صورت میں بھی ادا کیا جا سکتا تھا۔ دراصل یہ اسی منصوبہ کا حصہ تھا جسے' پٹھان بادشاہ شیر شاہ سوری کے دور میں متعارف کرایا گیا تھا۔ اصلاحی کام کے سرکردہ نمائندے' ٹوڈرمل نے صرف مقامی نظام مالیات کے قدیم اصولوں کو ازسرنو قائم کرنے کی کوشش کی۔ شیر شاہ کے دور میں سرکاری مال گزاری' پیداوار کے چوتھے حصہ کے برابر متعین کی گئی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اکبر نے اسے کم کر کے ۱/۳ کر دیا تھا۔ خالصہ زمینوں کے ضلعدار اور جاگیردار' جس مقررہ مجموعہ قوانین کے مطابق مال اور جیست (محصول) وصول کرتے تھے اسے (دستور العمل) کہتے تھے' مال جمع کرنے کے لیے عامل تھے' ان کے دو ماتحت' ایک کارکن اور دوسرا خاص نویس (اکاؤنٹنٹ) ہوتے تھے۔ (۷)

مقامی طور پر یہ عامل' پٹیل کے نام سے مشہور تھے (جس طرح فرانس میں میری اور سپین میں (الکالڈے) ہے۔ ہر دیہات کے پٹواری کو ہر قسم کی زمین بانٹنے کا اختیار تھا اور ضلعدار پٹواری کی مہر لگوانے کے بعد' نقد زر کو خزانے میں جمع کرواتا تھا۔ انہیں ہر قسم کے ظلم و جور کو روکنے کے لیے نگران مقرر کیا گیا تھا اور وہ ہر فرد واحد سے اس کے منصب اور مرتبے کے مطابق سلوک کرتے تھے۔ نیزہ بردار چوکیدار اور پولیس کا سربراہ ہوتا تھا۔ ان منصب داروں کے علاوہ' صراف بھی تھے' وہ سیم گر ہوتے تھے' ملا' مدرس ہوتے تھے' ماہرین علم نجوم' لوہار' ترکھان' ظروف ساز' چمڑے کا کام کرنے والے' درزی' حجام' دھوبی' طبیب' موسیقار اور رقاص لڑکیاں ہوتی تھیں' ان سب کو دیہات کی عام آمدنی سے وظائف ادا کیے جاتے تھے۔ ہر اس خطہ زمین' جس کے بارے میں حساب لگایا گیا تھا کہ وہ ایک کروڑ ٹنکہ سالانہ کی پیداوار دیتا ہے' اسے ایک افسر کے زیر انتظام کر دیا جاتا تھا' جسے کروڑی کہتے تھے۔ "آئین اکبری" میں اکبر کی نظام مالیات میں متعارف کرائی گئی اصلاحات کے بارے میں بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے' جس نے حقیقی طور پر سرکاری خزانے کو معمور کر دیا تھا۔

ہندوستان میں کوئی دربار' شان و شوکت کے لحاظ سے اکبر کے دربار کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا طرز زندگی بڑا پرتکلف تھا۔ ہر انتظام کا بندوبست' شاہی شان و شوکت کے پیمانہ کے مطابق کیا جاتا تھا اور اس کی انتہائی باریک تفصیلات کو بادشاہ کی ذاتی ہدایات کے

مطابق باقاعدہ بنایا جاتا تھا۔ اس کے ذاتی اصطبلوں میں کبھی بھی ۱۲ ہزار گھوڑوں اور پانچ ہزار ہاتھیوں سے کم جانور نہیں رہے' ان کو انفرادی طور پر شکرے بازی' شکار اور جنگ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

اس کا پڑاؤ ایک عظیم گشتی شہر تھا۔ اس کو ایسے ساز و سامان سے مزین کیا جاتا تھا' جو اسے صحرا میں بھی شاہی محل جیسی شان و شوکت اور آسائشات مہیا کر دیتا تھا۔ ایک وسیع و عریض جگہ پر خیمے نصب کئے جاتے تھے' جن پر چمکدار چھتریاں اور سرخ ٹاٹ کی قناتیں لگائی جاتی تھیں' انہیں انتہائی بے بہا قیمتی زیورات' چمکدار گولوں اور کلسوں سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ جو آنکھوں کو چکا چوند کر دیتے تھے۔ یہ سب ایک دیوار کو تشکیل دے دیتے تھے' جس میں انتہائی پرشکوہ اور انتہائی قیمتی اشیاء سے مزین بے شمار شہہ نشین ا-ستادہ کئے جاتے تھے' ان میں سے چند کو سرکاری کمروں' چند کو دعوتی ایوانوں اور دیگر کو آرام گاہوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جبکہ ایک اندرونی احاطہ خواتین کے کمروں پر مشتمل تھا۔ ان سب کو انتہائی بیش قیمت اور شاندار اشیاء سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یہ احاطہ پورے پانچ میل قطر کے رقبہ کو گھیرے ہوئے تھا۔

بادشاہ کے جنم دن پر ہمیشہ' دولت اور شان و شوکت کا عظیم مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ دارالخلافہ کے قریب' تقریباً دو ایکڑ رقبے پر مشتمل جگہ پر انتہائی شاندار خیمے نصب کئے جاتے تھے اور بادشاہ کا خیمہ آرائشوں اور شان و شوکت کے لحاظ سے سب میں نمایاں ہوتا تھا۔ امراء کے شہ نشین بھی اسی طرز کے ہوتے تھے' وہ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے تھے اور جہاں بعض اوقات بادشاہ بھی ان کے پاس آکر انہیں عزت بخشتا تھا۔ پوری جگہ کو سونے اور ریشم کے تاروں سے بنے ہوئے قالینوں سے ڈھانپ دیا جاتا' مخملی پردوں پر سونے کی تاروں سے کشیدہ کاری کے علاوہ سچے موتی اور قیمتی پتھر جڑے ہوتے تھے۔ بالائی سرے پر تخت شاہی نصب ہوتا تھا' جس پر بیٹھ کر بادشاہ امراء اور معززین سے خراج عقیدت وصول کرتا اور انہیں قیمتی پارچات' خلعت' جواہرات' گھوڑوں' ہاتھیوں اور دیگر تحائف سے نوازتا تھا۔

بادشاہ کو سنہری ترازوؤں میں' سونے' چاندی خوشبویات اور دیگر قیمتی اشیاء کے ساتھ تولا جاتا تھا اور انہیں میدان میں جمع تماشائیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ بادشاہ اپنے ہاتھ سے سونے چاندی کے میوہ جات' بادام اور دیگر پھل نچھاور کرتا تھا' اور درباری بڑے شوق سے انہیں حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے تھے۔

نوروز کے عظیم تہوار کے موقع پر، بادشاہ سلطنت کے امراء کے درمیان، بگلے کے اونچے اونچے پر پہنے اور ہیرے جواہرات لعل و زمرد سے چکا چوند ہو کر تخت پر بیٹھا ہوتا، بیش بہا قیمتی ساز و سامان سے آراستہ کئی سو ہاتھی جلوس کی شکل میں اس کے سامنے سے گزرتے، ہر دستے کا سرکردہ ہاتھی، سر اور سینے پر بڑے بڑے طلائی پترے پہنے ہوتا تھا، اس کے پیچھے قیمتی ساز سے مزین گھوڑوں کی قطاریں ہوتی تھیں اور ان کے بعد گینڈے، ببر شیر، بنگالی شیر، تیندوے، شکاری چیتے، شکاری کتے اور شکرے باز وغیرہ آتے، جلوس کے آخر پر سنہری لباس میں ملبوس شہسواروں کا ایک وسیع و عریض لشکر آتا۔

ہندوؤں کے شہروں اور عبادت گاہوں کو تاخت و تاراج کرنے اور مسلمان فرمانرواؤں کے قلعوں کو جنگ میں تسخیر کرنے کے بعد وہاں سے حاصل ہونے والے مال غنیمت سے اکبر کے پاس بے بہا خزانہ جمع ہوگیا۔ اس کا بیٹا، جہانگیر بیان کرتا ہے کہ تیمور نے اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آگرہ میں سونے اور جواہرات کو تولنے کے لیے چار سو ترازو کام کرتے تھے اور اس دولت کو پانچ مہینوں تک بھی شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آٹھ بڑے بڑے تہہ خانے، جواہرات، سکوں، سونے چاندی کے بتوں، پتروں، کمخواب، غالیچوں، سونے کی سلاخوں اور مسودات سے بھرے پڑے تھے، جن کی مالیت، ستر ملین سٹرلنگ پاؤنڈ کے قریب تھی۔ تاج کی مماثلت ایرانی کلاہ شاہی سے تھی۔ اس کے بارہ کونے تھے جن پر صاف شفاف اور چمکدار رنگوں کے ہیرے نصب تھے، درمیان میں غیر معمولی جسامت اور قیمت کا ایک سچا موتی جڑا ہوا تھا۔ اس کی مالیت دو ملین سٹرلنگ پاؤنڈ سے زیادہ تھی۔ تخت پر نقرئی زمینوں کے ذریعے پہنچ سکتے تھے، جس پر چار نقرئی شیروں نے ایک طلائی چھتری کو سہارا دے رکھا تھا، اسے ہیرے جواہرات سے آراستہ کیا گیا تھا، ان سب کی قیمت تیس ملین سٹرلنگ پاؤنڈ تھی۔

ولی عہد شہزادہ سلیم کے فسق و فجور اور امراء کی ایک باا ثر جماعت، جن میں راجہ مان سنگھ نے اس کے ایک کمسن بیٹے خسرو کو تخت پر بٹھانے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا، ان سب چیزوں نے مل کر اکبر کے آخری ایام کو تلخ بنا دیا، لیکن اکبر نے اس منصوبے کو شروع سے ہی دبا دیا۔ تقریباً اسی دوران ایک ایسا غمناک واقعہ رونما ہوا، جس کی وجہ سے بادشاہ اپنے غم کے بوجھ تلے انتہائی تیزی کے ساتھ دبتا چلا گیا، یہ ۸ر اپریل ۱۶۰۵ء کو کثرت شراب نوشی کے باعث، برہانپور کے قبضہ میں شہزادہ دانیال کا انتقال تھا۔

بادشاہ نے جب یہ محسوس کیا کہ اس کے آخری لمحات آگئے ہیں تو اس نے اپنے تمام

امراء کو بستر کے قریب بلا بھیجا۔ جب وہ اس کے پلنگ کے گرد جمع ہوگئے تو اس نے ان سے مناسب خطاب کیا اور ان کی طرف بڑی حسرت سے دیکھتے ہوئے کہا کہ اگر کسی شخص کے بارے میں بھی مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہو تو مجھے معاف کر دے میں اس پر نادم ہوں۔ اس کے بعد اس نے انہیں اشارہ کیا کہ وہ اس کے بیٹے سلیم کو وہ پگڑی اور پوشاک زیب تن کرا دیں جو میں نے اس کے لیے تیار کروائے ہیں اور اس کی پسندیدہ تلوار کو اس کی کمر سے باندھ دیں۔ اس نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ وہ خاندان کی خواتین سے مہربانی سے پیش آئے اور اپنے پرانے دوستوں اور منحصرین کو کبھی نظرانداز یا فراموش نہ کرے' امراء اپنے مرتے ہوئے آقا کے سامنے جھک گئے اور اسے خراج عقیدت پیش کیا' رخصت ہوتا ہوا بادشاہ خود بھی جھک گیا۔ اس کے بعد پیشوں کو لایا گیا۔ بادشاہ نے کلمہ پڑھا اور آنکھیں موندھ لیں' اور ایک پاکیزہ مسلمان کی شکل میں فوت ہوگیا۔ یہ واقعہ ۱۳ار اکتوبر' ۱۶۰۵ء کو پیش آیا۔ اکبر نے اکیاون برس اور چند ماہ تک حکومت کی۔ الفاظ :

فوت اکبر شاہ

(ترجمہ) "بادشاہ اکبر کا انتقال"

سے اس کی تاریخ وفات کا پتہ چلتا ہے۔ اسے آگرہ کے قریب' سکندرا کے مقام پر ایک مقبرے میں دفن کیا گیا' جس کی تعمیر کو کچھ عرصہ پیشتر شروع کیا گیا تھا۔

اکبر' ملکہ الزبتھ کا ہمعصر تھا' اور اسی کی طرح قدرت نے اسے فہم و فراست اور بصیرت عطا کی تھی' جس نے اسے اس قابل کر دیا کہ وہ اپنے تخت کے گرد قابل ترین سیاستدانوں کو جمع کر سکے۔ اس کی زندگی کی نمایاں خصوصیات بڑی حد تک بدھ شہزادے اشوک سے ملتی جلتی تھیں' جس نے اس سے اٹھارہ صدیاں قبل ہندوستان پر حکومت کی تھی۔ وہ پیدائشی طور پر سیاستدان اور سپاہی تھا۔ اس نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی' یعنی لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن وہ تاریخوں کے بارے میں سوچ بچار کرتا تھا اور اس کے اعلیٰ اور فلسفیانہ ذہن میں بڑے بڑے خیالات جنم لیتے تھے۔ اسے بلا کی یادداشت کی معاملہ فہمی اور گہرا مشاہدہ عطا ہوا تھا۔ اس نے ذات پات کی تمیز کو نظرانداز کر دیا اور راجپوتوں اور مسلمانوں کو ایک ہی شاہی نظام کی طرف ڈھالنے کی کوشش کی۔

راجپوت راجاؤں کی بیٹیوں سے شادی کرنے کا مقصد دراصل یہ تھا کہ راجپوتوں کے اتحاد کو توڑا جا سکے جو بیس صدیوں سے موجود چلا آ رہا تھا اور اس کے علاوہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں سیاسی اتحاد قائم کر کے سلطنت کو مربوط کرنا بھی تھا۔ اس نے جے پور' جودھ

پور، اور بیکانیر کے راجاؤں کی بیٹیوں سے شادی کی۔ اسے اپنی ہندو بیویوں سے بڑی رغبت تھی اور اسی کے باعث وہ برہمنوں کی پوجا اور قربانیوں میں شامل ہوگیا تھا۔ ذاتی طور پر وہ خوبصورت تھا، اس کے اطوار پر تکلف تھے، میانے قد و قامت اور مضبوط جسم کا مالک تھا، اس کی رنگت سرخی مائل گندمی تھی، اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں اور بھنویں پیوستہ اور گھنی تھیں، اس کی پیشانی کشادہ تھی۔ وہ حیرت انگیز طاقت کا مالک تھا، جو غالباً اس کے بہت زیادہ فراخ سینے اور لمبے بازوؤں اور ہاتھوں کی وجہ سے معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ناک کی بائیں جانب ایک موٹا سا مسا تھا، جسے قیافہ شناس بہت زیادہ مبارک خیال کرتے تھے، اس کی آواز بلند تھی اور گفتگو یا تقریر بہت شیریں اور باوقار ہوتی تھی۔ اس کے اطوار بڑے دلفریب اور نقوش شان و شوکت سے بھرپور تھے۔ اسے قابل ذکر حوصلہ عطا کیا گیا تھا اور ابھی محض ایک لڑکا تھا، جب اس نے بہادری کے بہترین جوہر دکھائے، کھیلوں میں بھی اس نے نمایاں حوصلہ اور پھرتی کا مظاہرہ کیا، شیروں اور جنگلی درندوں سے اس کا تصادم ناقابل تسخیر گھوڑوں اور ہاتھیوں سے اس کی تفریح طبع، اس کی غیر معمولی طاقت کا مسلمہ ثبوت ہے۔ وہ تمام مردانہ کھیلوں سے بڑا محظوظ ہوتا تھا اور ایک دن میں تیس یا چالیس میل تک چل سکتا یا بعض اوقات ایک سو میل تک سواری کر سکتا تھا۔ ایک موقع پر اس نے اجمیر سے آگرہ تک ۲۲۰ میل کے فاصلے تک مسلسل دو دن تک سواری کی۔ وہ ایک تجربہ کار نشانے باز تھا، اس کے پاس ایک پسندیدہ بندوق (۸) تھی، جسے اس نے ہزاروں شکاری جانوروں کے شکار میں استعمال کیا۔ جوانی میں وہ شراب خوری اور عیاشیوں میں مبتلا ہوگیا تھا، لیکن جلد ہی وہ پرہیز گار بن گیا اور خاص دنوں میں جانور کا گوشت کھانے سے باز رہتا تھا۔

ایک سخی اور رحمدل حکمران، ایک مہربان آقا، ایک معاف کرنے والا باپ، ایک مخلص دوست، ایک فیاض دشمن، ایک بہادر سپاہی، ایک باصلاحیت سیاستدان، اکبر، ہندوستان کا ایک تصوراتی بادشاہ ہے اس نے دنیا کی تاریخ میں اپنے پیچھے ایک ایسا روشن نام چھوڑا ہے، ایک جانا پہچانا نام جس سے تمام مہذب قومیں آشنا ہیں، اور آج کل جو اس وسیع و عریض سلطنت میں رہنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ہونٹوں پر یکساں طور پر موجود ہے۔(۹)

حوالہ جات

(۱) جس چبوترے پر تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی' وہ کلانور میں ابھی تک محفوظ ہے' لیکن قرب و جوار کی تمام عمارات کو اینٹوں کی غرض سے تباہ کر دیا گیا ہے اور جہاں اس طاقتور بادشاہ کے سامنے امراء ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے تھے' اب وہاں کاشتکار ہل چلاتا ہے۔ یہ انتہائی قابل افسوس امر ہے کہ موجودہ برطانوی دور حکومت میں' ماہرین آثار قدیمہ کی دلچسپی کا باعث' یہ یادگار عمارات مسمار کی جا رہی ہیں۔

(۲) ابوالفضل اسے پادری ردیف کہتا ہے۔

(۳) یہ عمارت میاں میر کی طرف جانے والی سڑک کی بائیں جانب واقع دارا نگر کے قرب و جوار میں تھی۔

(۴) بادشاہ نے خود چند ممتاز طوائفوں کو بلا بھیجا اور ان سے دریافت کیا کہ وہ کون لوگ ہیں' جنہوں نے ان کی عصمتیں لوٹ لی ہیں۔ درست معلومات حاصل ہونے پر اس نے متعلقہ آدمیوں کو' جن میں چند مشہور ہستیاں اور امراء بھی شامل تھے' سخت سزا دی یا قلعوں میں طویل قید میں ڈال دیا۔ (آئین اکبری)۔ شہر سے باہر طوائفوں کے لیے ایک علیحدہ محلہ مختص کر دیا گیا۔ وہ جگہ شیطان پورہ کہلاتی تھی۔ اس میں رہنے والوں کے ناموں کا اندراج کرنے کے لیے ایک داروغہ اور ایک محرر کا تقرر کیا گیا تھا۔ کوئی شخص بھی بغیر اجازت کسی رقاصہ کو اپنے گھر نہیں لے جا سکتا تھا۔۔۔ تاریخ بدایونی۔

(۵) بادشاہ کو یہ بتایا گیا کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے چاروں خلفاء خود بھی تبلیغ فرماتے تھے اور عباسی خلفاء نے بھی اسی روایت کو اختیار کیا اور بعد کے ادوار میں صاحبقراں امیر تیمور اور مرزا الغ بیگ نے بھی اس کی تقلید کی۔ بادشاہ نے محسوس کیا کہ یہ اس کا فرض ہے کہ وہ بھی خلفاء اور آئمہ کرام کی رسم کی پیروی کرے۔ چنانچہ یکم جمادی الاول' جمعتہ المبارک کو وہ فتح پور کی جامع مسجد گیا اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کرنا شروع کر دیا:

اللہ نے مجھے بادشاہت عطا کی ہے
اس نے مجھے ممتاز' طاقتور اور بہادر بنایا ہے
اس نے حق اور سچ کے ساتھ میری رہنمائی کی ہے
اور میرے قلب کو سچ کی محبت سے لبریز کر دیا ہے
کوئی زبان اس کی حیثیت کو بیان نہیں کر سکتی

اللہ اکبر' اللہ بہت بڑا ہے۔

اس نے قرآن کی سورتوں کا حوالہ دیا اور اس کی خیرخواہی اور مہربانیوں کا شکر ادا کیا اور پھر سورۃ فاتحہ پڑھ کر وہ منبر سے نیچے اتر آیا اور نماز ادا کی۔ طبقات اکبری' اکبر کے دور کا ۲۵ واں سال۔

(۶) مسلمانوں نے سنسکرت زبان کا علم اپنے دین کے قیام سے زیادہ عرصہ بعد نہیں حاصل کیا تھا اور فلکیات' موسیقی' دست شناسی' ہندو علم الکلام' زراعت' قیافہ شناسی اور علم نجوم پر لکھی گئی ہندوؤں کی تصانیف کو خلفاء کے ابتدائی ادوار میں عربی میں ترجمہ کر لیا گیا تھا۔

(۷) اکبر نامہ' دور حکومت کا ستائیسواں سال۔

(۸) یہ بادشاہ کی ذاتی بندوقوں میں سب سے پہلی بندوق تھی اور سنگرام کے نام سے مشہور تھی۔ آئین اکبری۔

(۹) اکبر نے اپنے سکوں پر جلوس یا تخت نشینی کے سال کی بجائے الٰہی سال اور ایرانی مہینوں کے ناموں کو استعمال کیا ہے۔ اس کے طلائی سکوں پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

ضرب آگرہ

مہر مہر شاہ اکبر آبروی این زر است

تا زمین و آسمان را مہر انوار زیور است

اسفندار مز۔ ۹۴ الٰہی

(ترجمہ) "اکبر بادشاہ کی مہر کا سورج اس طلائی سکے کی شان ہے' جب تک زمین اور آسمان اس روشن سورج سے مزین ہیں۔ آگرہ میں مضروب ہوا"۔ (اسفندار مز۔ ۹۴ الٰہی)

باب ۱۴

نور الدین جہانگیر

جہانگیر کی بطور شہنشاہ ہندوستان تاجپوشی' ۱۶۰۵ء

نور الدین المعروف سلیم نے اپنے والد کے تخت پر بیٹھنے کے بعد جہانگیر "دنیا کا فاتح" جیسا معتبر لقب اختیار کیا۔ آگرہ کے قلعہ میں ۱۲ر اکتوبر ۱۶۰۵ء کو ۳۸ برس کی عمر میں اس کی تاجپوشی کی گئی۔ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر قلعہ کے دہلی دروازہ میں پتھر کے ایک خاشئے پر عبارت درج کی گئی' جو آج بھی دیکھی جا سکتی ہے' اس کا اختتام ایک دعا پر ہوتا ہے:

"دعا ہے ہمارا بادشاہ جہانگیر پورے عالم کا بادشاہ ہو جائے!"

نئے بادشاہ نے اس موقع پر ان شاعروں کو قیمتی تحائف سے نوازا اور بہت زیادہ انعام و اکرام دیا۔ جنھوں نے مبارکبادی نظمیں لکھی تھیں' شاہی نقاش خانے کے منتظم اور مہتمم کتب خانہ مکتوب خاں کی نظم سے اس کے تخت نشین ہونے کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ بادشاہ نے "تزک جہانگیری" میں اس کا حوالہ دیا ہے:

صاحب قرآن ثانی شاھنشہ جہانگیر
باعدل واداد بنشست برتخت کامرانی
اقبال و منجت و دولت فتح و شکوہ و نصرت
پیشش کمر بخدمت بستہ بشادمانی
سال جلوس شاھی تاریخ شہ چو بنہاد
اقبال سر بپای صاحب قران ثانی

(ترجمہ) "جب صاحب قرآن ثانی (۱) بادشاہ جہانگیر' خوشحالی کے

تخت پر عدل اور تعریف کے ساتھ رونق افروز ہوا' تو شان و شوکت' خوشحالی' دولت' فتح اور شکوہ نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا' یہ سال جلوس شاہی کو رونما ہوا' جب شان و شوکت نے صاحبقران ثانی کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا"۔

اس نے اپنے والد کے زیادہ تر وزراء کو ان عہدوں پر بحال رکھا' لیکن جنہوں نے دینی اختراعات کے سلسلہ میں اکبر کی حمایت کی تھی انہیں عہدوں سے ہٹا دیا اور دین اسلام کی رسوم و رواج اور صورتوں کو ان کی سابقہ حیثیت میں بحال کر دیا' اس نے اپنے دیرینہ ساتھی شریف خاں کو وزیراعظم کے عہدے پر فائز کیا اور سید خاں مغل کو پنجاب کا صوبیدار مقرر کیا۔ اس نے اپنی رعایا کے فائدے کے لیے چند احکامات جاری کیے اور تمغہ اور میر بحری کے فرائض کو ختم کر دیا۔

اس نے حکم دیا کہ شاہراہوں پر جہاں ڈاکو لوٹ مار مچاتے تھے' سرائے' کنویں اور مساجد تعمیر کی جائیں۔ اس نے ایک قانون منظور کیا جس میں تاجروں کی اپنی مرضی کے بغیر گانٹھیں کھولنے کی ممانعت کر دی گئی اور ہدایات جاری کی گئیں کہ کوئی سپاہی یا سرکاری ملازم نجی گھروں میں ڈیرا نہیں لگائے گا۔ کسی قسم کی نشہ آور چیز اور مشروب کے استعمال' تیاری اور فروخت پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اگرچہ جہانگیر بذات خود بری طرح شراب پینے کا عادی تھا۔ خالصہ کے افسروں اور جاگیرداروں پر زبردستی رعایت کی زمینیں ہتھیانے اور بغیر اجازت لوگوں سے تعلقات استوار کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔

اس نے بڑے شہروں میں شفا خانے قائم کیے اور وہاں طبیبوں کو مقرر کیا کہ وہ سرکاری اخراجات پر بیماروں کا علاج کریں۔ اکبر کے دور کی مانند' خاص دنوں میں جانوروں کے ذبح کرنے پر ممانعت کر دی گئی۔ بادشاہ کے دربار میں موجودہ بھی افراد پر یہ لازم تھا کہ وہ تاتاریوں کی قدیم سجدہ کی رسم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اسے سجدہ کریں' اور بادشاہ اپنے والد کی طرح ہر صبح جھروکے میں نمودار ہو کر نیچے موجود انبوہ کثیر کو اپنا درشن کراتا اور ان کی دعائیں حاصل کرتا۔

اس نے ایک طریقہ متعارف کرایا' جس کی وجہ سے ہر کوئی بہ آسانی اپنی شکایت بادشاہ کو پیش کر سکتا تھا۔ سونے کی ایک زنجیر قلعے کی فصیل کے ساتھ منسلک تھی اور اس کا دوسرا سرا دریا کے کنارے پر موجود پتھر کے ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اسے "زنجیر عدل" کہا جاتا تھا۔ وہ ۳۰ گز طویل تھی اور اس کے ساتھ سونے کی ساٹھ گھنٹیاں بندھی

ہوئی تھیں۔ اس کو بادشاہ کے ذاتی کمروں میں موجود طلائی گھنٹیوں کے ایک جھرمٹ سے وابستہ کیا گیا تھا اور بجائے اس کے کہ افسر معلومات لے کر واپس آئیں' ہر شخص جس کو کسی قسم کی بھی شکایت ہوتی اسے یہ اجازت تھی کہ وہ اسے ہلا کر بادشاہ سے اس کو رفع کرنے کی فریاد کر سکتا تھا۔

۱۶۰۶ء کے موسم بہار یا جہانگیر کے حکومت سنبھالنے کے چھ ماہ بعد' اس کے سب سے بڑے بیٹے خسرو نے بغاوت کر دی اور پنجاب کی طرف روانہ ہوا' جہاں اس نے ۱۰٬۰۰۰ سے زائد سپاہیوں پر مشتمل فوج جمع کر لی' وہ جہاں بھی گیا اس نے لوٹ مار مچا دی' اور لاہور کا محاصرہ کرنے کے بعد' شہر کے ایک دروازے کو نذر آتش کر دیا۔ شاہی افسروں' مرزا حسین' دلاور بیگ خاں' حسین بیگ' دیوان اور نور الدین قلی کوتوال نے محاصرین کی گولہ باری کے باعث' شہر کی فصیل میں ہونے والے شگافوں کو مرمت کر کے بڑی دلیری سے شہر کا دفاع کیا۔

سید خاں جو کشمیر میں فرائض سرانجام دے رہا تھا' جب اس نے خسرو کی طرف سے لاہور کے محاصرہ کے بارے میں سنا تو وہ اپنے دستے کے ہمراہ چناب سے روانہ ہوا اور قلعہ میں موجود شاہی افواج کے ساتھ آن شامل ہوا۔ دریں اثناء جہانگیر نے بھی لاہور کی طرف پیش قدمی کر دی' اور شاہی ہراول دستہ' شیخ فرید بخاری کی قیادت میں شہر کے سامنے نمودار ہوا' تو خسرو نے اپنی فوجوں کو جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان خونریز جنگ شروع ہو گئی' اس کے نتیجے میں خسرو کی فوج کو مکمل شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس نے کابل کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ شہزادہ رات کے وقت دریائے چناب کو پار کر رہا تھا کہ اس کی کشتی ایک ریتیلے کنارے پر چڑھ کر رک گئی' اور اسے تعاقب میں آنے والے بادشاہ کے افسروں نے گرفتار کر لیا اور اسے دریائے راوی کے کنارے مرزا کامران کے باغ میں بادشاہ کے سامنے پابہ زنجیر کر کے پیش کر دیا۔ چنگیز خاں کے طریقہ کار کے مطابق اسے بائیں جانب سے لایا گیا۔ اس کی دائیں جانب حسین بیگ اور بائیں طرف عبدالعزیز تھا۔ جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ "شہزادہ ان کے درمیان کھڑا کانپ رہا تھا اور بری طرح رو رہا تھا۔ حسین بیگ کو شک گزرا کہ کہیں اسے قربانی کا بکرا نہ بنا دیا جائے' اس نے دکھ بھرے لہجے میں بولنا شروع کر دیا لیکن اسے بولنے کی اجازت نہ دی گئی۔ خسرو کو نظربند کر دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے حکم دیا کہ ان دونوں بدذاتوں کو گائے اور گدھے کی کھالوں میں بند کر کے' گدھوں پر بٹھا کر اور ان کے منہ دم کی طرف کر کے اسی حالت میں شہر کے گرد

گھمایا جائے۔ حسین بیگ جسے گائے کی کھال میں بند کیا گیا تھا' جب گائے کی کھال جلدی سے خشک ہوگئی تو وہ صرف چار گھڑی زندہ رہ سکا اور اس کے بعد مر گیا۔ عبدالعزیز جو گدھے کی کھال میں تھا' اور یہ کیونکہ نمی سے ذرا کم متاثر ہوئی تھی اس لیے وہ ایک دن اور ایک رات تک زندہ رہنے کے بعد مر گیا"۔

شیخ فرید کو اچھی خدمات کے صلے میں مرتضٰی خاں کا خطاب مرحمت کیا گیا اور دریائے چناب کے ان زمینداروں کو جاگیریں عطا کی گئیں جنھوں نے باغی شہزادے کو گرفتار کرانے میں مدد کی تھی۔ ان سب میں نمایاں' لودھرا کے کمال چودھری کا داماد کیلن بھی تھا اور بادشاہ نے اس پر خاص عنایات کیں۔ بادشاہ' خراب موسم کے باعث' یکم ذوالحجہ سے ۹ محرم الحرام ۱۰۱۵ ہجری' (۱۶۰۷ء) تک مرزا کامران کے باغ میں ٹھہرا۔

بادشاہ اپنا بیان جاری رکھتا ہے' میں قلعہ لاہور میں داخل ہوا' جہاں میں نے شاہ برج میں اپنے والد کی تعمیر کردہ بارہ دری میں رہائش اختیار کی' وہاں سے ہاتھیوں کی لڑائی کا نظارہ کیا جاتا تھا۔ بارہ دری میں رونق افروز ہو کر اور مرزا کامران کے باغ سے لاہور کے دروازوں تک' نوکیلی میخوں کی دوہری قطار نصب کرنے کی ہدایات دیتے ہوئے میں نے حکم دیا کہ ان ۷۰۰ غداروں کو جنھوں نے میرے خلاف خسرو کے ساتھ سازش کی تھی' ان میخوں پر زندہ گاڑ دیا جائے۔ اس وقت اس سے زیادہ اذیت ناک سزا اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی' کیونکہ مرنے سے پہلے ان بدنصیبوں کو انتہائی اذیت ناک اور تکلیف دہ تشدد سے گزرنا پڑا۔ ان کی اذیت اور جان کنی کا منظر بہت زیادہ دہشت انگیز تھا"۔ بھیانک راستے کے ساتھ بدنصیب شہزادے کو ایک ہاتھی پر سوار کرا کر پھرایا گیا' تاکہ وہ اپنے والد کی اپنی خواہش' اور انتہائی غضبناک انتقام کے شکار ان افراد کی جان کنی' چیخنے چلانے اور تڑپنے کا نظارہ کر سکے۔ خسرو کی ماں نے اس بناء پر زہر کھا لی کہ وہ اپنے بیٹے کی اذیت اور بیچارگی کو دیکھنے کی بجائے مرنا پسند کرے گی۔

سکھوں کے چوتھے گورو' اور آدی گرنتھ کو مرتب کرنے والے مشہور زمانہ گورو ارجن مل پر الزام لگایا گیا کہ اس نے باغی شہزادہ خسرو کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے اس کی روحانی مدد کی ہے۔ اسے سخت قید میں ڈال دیا گیا اور اس پر کیے جانے والے تشدد کو اس کی موت کی وجہ بتایا گیا۔ تاہم' ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب وہ دریائے راوی میں نہانے کے لیے غوطہ زن ہوا تو اسی دوران غائب ہو گیا۔ سکھ اس کو اپنا پہلا شہید گورو سمجھتے ہیں' اور اس کی موت نے انہیں ایک پرامن قوم سے وحشی اور جنگجو قوم میں تبدیل کر

دیا۔

جب بادشاہ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ قزلباشیوں نے قندھار کا محاصرہ کر لیا ہے تو اس نے غازی بیگ خاں کی قیادت میں ایک فوج اس طرف روانہ کی۔ چند دنوں کے بعد' بادشاہ' لاہور کا انتظام' قلیچ خاں' میراں صدر جہاں اور میر شریف عملی کے سپرد کر کے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ دریائے راوی کو پار کر کے اس نے باغ دل آمیز میں پڑاؤ ڈال دیا اور چار روز تک وہاں ٹھہرا۔ بادشاہ بیان کرتا ہے: "پانچویں روز میں' باغ سے روانہ ہو کر شہر سے ساڑھے تین کوس کے فاصلے پر موجود موضع ہری پور کی طرف چلا گیا۔ منگل کے روز ہم جہانگیر پور پہنچے' جو میری ایک شکار گاہ تھی' اس گاؤں کے نزدیک میں نے اپنے ایک ہرن کی قبر پر مینار تعمیر کرایا جسے میں راج کہتا تھا۔ یہ میرے تمام ہرنوں میں سب سے بہترین لڑاکا ہرن تھا اور جنگلی ہرنوں کو جھانسا دینے کے لیے سب سے بہتر تھا"۔ اس مینار پر سنگ مرمر کا ایک پتھر نصب کیا گیا اور اس پر نامور خطاط ملا محمد حسین کشمیری کی تحریر کردہ مندرجہ ذیل عبارت درج کی گئی: "اس خوشگوار مقام پر شہنشاہ نور الدین محمد جہانگیر نے ایک ہرن پکڑا' جو صرف ایک ماہ کے عرصہ میں بالکل مانوس ہوگیا' لہٰذا اسے تمام شاہی ہرنوں میں سب سے اچھا سمجھا جانے لگا"۔ لوح مزار کو ایک ہرن کی شکل میں تراشا گیا تھا۔ اس جانور کے احترام میں' میں نے اس جنگل میں ہرن کے شکار کو ممنوع قرار دے دیا۔ ۱۴ر ذوالحجہ' بروز جمعرات کو ہم نے چاند والا کے پرگنہ میں پڑاؤ ڈالا اور ہفتے کے روز حافظ آباد پہنچے' جہاں ہم نے اس مقام کے کروڑی' میر قران الدین کی نگرانی میں تعمیر کردہ عمارات میں قیام کیا"۔

گجرات کی بنیاد

۲۱ر ذوالحجہ' کو بادشاہ گجرات پہنچا۔ جب شہنشاہ اکبر کشمیر کی طرف روانہ ہوا تو اس نے راستے میں دریا کی دوسری جانب ایک قلعہ تعمیر کرایا اور اس میں گوجر آباد ہوگئے' جو ابھی تک لوٹ مار اور غارت گری پر گزر بسر کر رہے تھے۔ اس کے نتیجہ میں اس جگہ کو گجرات کا نام دے دیا گیا اور اسے علیحدہ پرگنہ بنا دیا گیا۔

قلعہ روہتاس

بادشاہ لکھتا ہے: "روہتاس کا قلعہ' پٹھان بادشاہ' شیر خاں نے تعمیر کرایا تھا' قلعے کو تنگ گھاٹیوں میں تعمیر کیا گیا ہے اور اس تک بڑی مشکل سے رسائی ہوتی ہے' اس کی تعمیر کا

مقصد قرب و جوار کے علاقہ میں آباد وحشی قوم گکھڑ کو مرعوب کرنا اور ان کی نگرانی کرنا تھا۔ شیر خاں اس کام کو نامکمل چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ اس کو اس کے بیٹے اور جانشین سلیم خاں نے مکمل کروایا۔ اس کے دروازوں میں سے ایک پر نصب ایک پتھر پر اس کی لاگت درج ہے، جو ۱۶٬۱۰٬۰۰٬۰۰۰ دام بتائی گئی ہے اور یہ ۳۴٬۲۵٬۰۰۰ ہندوستانی روپے کے سکوں کے برابر ہے۔ ۱۲ار تاریخ کو پڑاؤ حسن ابدال منتقل ہوگیا۔ اس مقام کے مشرق میں تقریباً ایک کوس کے فاصلے پر ایک جھرنا ہے جو انتہائی تیزی کے ساتھ بہتا ہے۔ کابل تک راستے میں کوئی جھرنا بھی اس طرح کا نہیں ہے، اگرچہ، کشمیر کے راستے میں اسی قسم کے دو یا تین جھرنے ہیں۔ طاس کے درمیان میں جہاں پانی بہتا ہے، راجہ مان سنگھ نے ایک چھوٹی سی عمارت تعمیر کروائی ہے۔ یہ آدھ اور چوتھائی گز جسامت کی مچھلیوں سے پر ہے۔ میں اس دلکش جگہ پر تین روز تک ٹھہرا اور اپنے ساتھیوں کے ہمران مینا وجام کی محفل میں حصہ لیا۔ میں نے وہاں مچھلی کا شکار کر کے بھی حظ اٹھایا۔ ابھی تک میں نے بھنور جال نہیں پھینکا تھا، جو ہندوستان میں بہت عام ہے۔

اس کو بڑی مشکل سے پھینکا جاتا ہے، لیکن میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے پھینکنے کی کوشش کی اور دس بارہ مچھلیاں پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے ان کی ناک میں موتی ٹانکنے کے بعد انہیں سرد پانی میں ایک بار پھر چھوڑ دیا۔ میں نے وہاں کے باشندوں اور تاریخ سے واقف لوگوں سے دریافت کیا کہ حسن بابا کون تھے، لیکن کوئی بھی درست معلومات بہم نہ کر سکا۔ اس علاقے میں سب سے زیادہ مشہور اور قابل ذکر چیز ایک چشمہ ہے جو ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن سے جاری ہوتا ہے، اس کا پانی بہت زیادہ صاف شفاف، ذائقہ دار اور خوشبودار ہے، حضرت امیر خسروؒ کا مندرجہ ذیل شعر اس پر صادق آتا ہے:

در تہہ آبش ز صفا دیگ خرد

کود تواند بدل شب شمرد

(ترجمہ) "پانی اس قدر صاف شفاف ہے کہ ایک نابینا آدمی بھی رات کو اس کی تہہ میں ریت کے ذروں کو گن سکتا ہے"۔

خواجہ شمس الدین محمد خاں جو کافی عرصہ سے میرے والد کے وزیر چلے آ رہے تھے انہوں نے یہاں ایک بارہ دری (۲) تعمیر کرائی اور ایک حوض بھی کھدوایا، جس میں چشمے کا پانی گرتا اور کھیتوں اور باغات کو سیراب کرتا تھا۔ اس کے قریب انہوں نے اپنے مقبرے کے استعمال کے لیے اک گنبد تعمیر کرایا، لیکن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ انہیں وہاں دفن نہ کیا

گیا' اور اس جگہ کو میرے والد صاحب کے حکم سے حکیم ابوالفتح گیلانی اور ان کے بھائی حکیم حمام کی تدفین کے لیے استعمال کر لیا گیا"۔

اس کے بعد بادشاہ امردی پہنچا' جس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ انتہائی غیر معمولی سرسبز و شاداب میدان تھا۔ اس جگہ پر حتروں اور دلازکوں کے سات یا آٹھ ہزار گھوڑے تھے' وہ لٹیرے تھے اور ان میں ہر قسم کا جبر و ستم اور خرابی پائی جاتی تھی۔ بادشاہ نے زین خاں کو کہ کے بیٹے ظفر خاں کو حکم دیا کہ وہ شاہی پڑاؤ کے کابل سے واپس آنے سے قبل تمام دلازکوں کو لاہور کی طرف ہانک دے اور حتروں کے سرداروں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دے۔(۳) پشاور میں بادشاہ نے سردار خاں کے باغ میں قیام کیا اور یوسف زئی سرداروں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ ایک افغان' شیر خاں کو پشاور کا حاکم بنا دیا گیا۔ درہ خیبر کی طرف جاتے ہوئے بادشاہ نے علی مسجد کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور آخر کابل پہنچ گیا۔ قندھار کے محاصرے کو اٹھا لیا گیا تھا۔ بادشاہ نے ۱۶۰۶ء کا پورا سال انتہائی مسرت میں کابل اور کشمیر میں گزارا اور ۱۶۰۷ء کے آغاز میں واپس آگرہ آگیا----

نور جہاں کے حالات

صرف جہانگیر واحد ایسا مسلمان بادشاہ ہے جس کی حکومت پر ایسے عشق نے اثر و رسوخ قائم کیا' جس نے دوسرے ممالک میں اکثر و پیشتر سلطنتوں کی قسمتوں کا فیصلہ کیا ہے' جنہیں مرضی اور لالچ کے مقابلے میں زبردستی چلا گیا۔ اس کی محبوبہ' ایک ایرانی خاتون' نور محل تھی' جو اپنی بے مثال خوبصورتی اور درخشندہ کمالات کے باعث شہرت کی حامل تھی۔ اس خاتون کی زندگی رومانوی دلچسپی سے لبریز ہے۔ اس کو بادشاہ کے ذہن پر مکمل اختیار تھا' اور سولہ سال تک نور جہاں کے حالات ہی دراصل بادشاہ جہانگیر اور اس کی سلطنت کے حالات رہے ہیں۔ والدین کی جانب سے اس کا اصل نام' مہر النساء تھا۔ وہ تہران کے ایک تاتاری ازبک امیر خواجہ محمد شریف کے فرزند مرزا غیاث بیگ کی صاحبزادی تھی۔ خواجہ محمد شریف' محمد خاں تکلو کے دور میں خراسان کا حاکم تھا' اور موخر الذکر کے انتقال کے بعد بادشاہ ایران طہماسپ نے اسے یزد کا وزیر مقرر کیا۔ جب ہمایوں نے ہندوستان سے تباہ کن ہجرت کر کے تہران میں پناہ حاصل کی' تو بادشاہ طہماسپ نے اپنے مہمان بادشاہ کی دیکھ بھال اور آرام کے لیے خاص طور پر محمد شریف کو مقرر کیا تھا۔ خواجہ کے دو بیٹے' آغا طاہر اور مرزا غیاث بیگ تھے۔ غیاث بیگ کی شادی' مرزا علاؤ الدین کی بیٹی سے ہوئی' جس کے نتیجے میں اس کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں' ان سب میں چھوٹی مہر النساء

تھی---

باپ کے انتقال کے بعد غیاث بیگ غربت کا شکار ہوگیا' اس نے اپنی بیوی' دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے ہمراہ ہندوستان کی طرف سفر شروع کر دیا۔ یہ خاندان اس قدر بدحالی کا شکار تھا کہ مرزا کی بیوی جس کی زچگی بالکل قریب تھی' اسے ایک گائے پر بٹھایا گیا تھا اور باقی ماندہ خاندان کا قافلہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ قندھار شہر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں اس ملک کی مستقبل کی وہ ملکہ پیدا ہوئی جس کے بدحال والدین روزی کی تلاش میں اس طرف جا رہے تھے۔ وہ ایک ایسے صحرا میں پیدا ہوئی جہاں اس کے والدین کی غربت اور اس کی ماں اور اس کی نوزائیدہ بچی کے لیے خوراک کا انتظام نہ ہونے کے باعث' وہ اسے ایک درخت کے نیچے بے یارو مددگار چھوڑ دینے پر مجبور ہوگئے۔ جیسے ہی وہ جگہ' جہاں بچی کو لٹایا گیا تھا' نظروں سے اوجھل ہوئی تو اس کی والدہ صدمے سے نڈھال ہوگئی' اس کا باپ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ بچی کے اردگرد زہریلے سانپ جمع ہوگئے ہیں' تو اس نے فوراً انہیں ہلاک کر دیا۔ ماں اور اس کی بچی کی بدحالی نے ایک قافلے کے سردار اور تاجر ملک مسعود کے دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے' جو اتفاق سے اسی راستے پر سفر کر رہا تھا۔ وہ بچی کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا' اس نے اسے اوپر اٹھایا اور اس بات کا پکا ارادہ کر لیا کہ وہ اسے اپنی سگی بیٹی کی طرح تعلیم دلائے گا۔ وہ باقی سفر کے دوران اس خاندان سے بڑی مہربانی سے پیش آیا اور اس بچی کی والدہ کو ہی اس کی دایہ مقرر کیا۔ اس نے اس کے باپ کو ایک قابل اور مہذب شخص پایا تو دارالخلافہ میں پہنچنے کے بعد اسے ملازم رکھ لیا۔

اس تاجر کے ذریعے' جس کی اکبر سے جان پہچان تھی' مرزا غیاث بیگ کو فتح پور میں بادشاہ کے دربار میں حاضری کا موقع میسر آگیا۔ اس نے اکبر کے سامنے بیان کیا کہ کس طرح اس کے والد نے بادشاہ کی خدمت کی تھی جب وہ شاہ ایران کا مہمان تھا' چنانچہ اسے اس کے باعث بادشاہ کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ بادشاہ' مرزا کے شاندار اطوار اور کاروبارانہ عادات سے بہت زیادہ خوش ہوا اور اسے دیوان' یا شاہی گھرانے کا خزانچی مقرر کیا اور اسے اعتماد الدولہ جیسے ممتاز خطاب سے سرفراز کیا۔

مرزا جلد ہی اپنی دلکش عادات اور معزز رویہ کے باعث مشہور ہوگیا۔ اس نے پرانے شعراء کو پڑھا ہوا تھا اور خود بھی ایک بہت اچھا شاعر تھا' اس نے خط شکستہ کو بڑے دلیرانہ اور شاندار طرز میں لکھا۔ اس کے فارغ اوقات شاعری اور طرز تحریر کے مطالعہ کے لیے

وقف تھے۔ جہانگیر کے مورخ، مرزا محمد ہادی کے مطابق، مرزا اس قدر فیاضانہ طبیعت کا مالک تھا کہ کوئی بھی اس کے در سے مطمئن ہوئے بغیر نہیں جاتا تھا، لیکن رشوت لینے کے معاملہ میں وہ بے شرم اور بے خوف تھا۔

اس لڑکی نے، جو لاشعوری طور پر ایک انتہائی مہربان خیرخواہ سے اپنے والد کے تعارف کی وجہ بن گئی تھی، اس نے وہ تمام تعلیمی فوائد حاصل کیے جو زندگی ہندوستان کے دارالخلافہ میں بہم پہنچا سکتی تھی۔ جب وہ جوان ہو کر بھرپور عورت بنی، تو اس کی بے مثال خوبصورتی، نیک اطوار اور لاثانی نزاکت، دلکشی اور آفاقی تعریف و ستائش کا موضوع بن گئی۔ دیوان کی بیوی اور نوجوان دوشیزہ مہرالنساء کی والدہ، اکبر کی بیوی، شہزادہ سلیم ولی عہد سلطنت کی والدہ، جے پور کے راجہ کی بیٹی اور ایک ہندو شہزادی مریم زمانی کی منظور نظر تھی اور بند پردوں سے مزین پالکیوں میں بیٹھ کر اپنی بیٹی اور خواتین کے جلوس کے ہمراہ ملکہ کے پاس جایا کرتی تھی۔

نوجوان مہرالنساء شوخ و چنچل تھی۔ اسے بے پناہ حسن و جمال عطا ہوا تھا اور اس کی حرکات و سکنات میں ایک بے مثال شان پائی جاتی تھی۔ وہ اپنے آبائی ملک کے رقصوں اور بلخ کے پہاڑی نغموں سے مہربان دل ملکہ کا دل بہلایا کرتی تھی۔ اس کا قد طویل اور سڈول جسم نہایت خوبصورتی سے ترشا ہوا تھا۔ اس کے نقوش عمدہ اور چھوٹا سا بیضوی چہرہ تھا۔ اس کا سر چھوٹا اور نہایت خوبصورتی سے ڈھلوانی شانوں پر آویزاں تھا۔ اس کی آنکھیں سیاہ اور بادامی تھیں۔ اس کے پاس ہزاروں دلفریبیاں، ہزاروں دلکشیاں اور ادائیں تھیں۔ ایک دن جب وہ ناچ رہی تھی تو اسی دوران شہزادہ سلیم حرم سرا میں داخل ہوا، تو دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور سلیم اس کی خوبصورتی پر فریفتہ ہوگیا، جو کسی طرح بھی اس کی شوخ و شنگ بذلہ سنجی سے کم نہیں تھی۔ یہ وابستگی اور دل بستگی باہمی تھی، لیکن اس کی نسبت بادشاہ کے امیروں میں سے ایک علی قلی بیگ کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔ یہ نوجوان، جو عراق کا ایک معزز آدمی تھا، پہلے شاہ ایران اسماعیل دوئم کے پاس شاہی طعام خانے کے نگران کی حیثیت سے ملازم تھا۔ جب عبدالرحیم المعروف خان خاناں، ملتان کے نواح میں ٹھٹھہ قبیلے کے خلاف جنگ میں مصروف تھا، تو علی قلی بیگ شاہی ملازمت میں داخل ہوا۔ اپنی طرف سے میدان جنگ میں بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے پر وہ وزیر کا منظور نظر بن گیا، جس نے بادشاہ کے لاہور میں قیام کے دوران اسے بادشاہ سے متعارف کرایا۔

سلیم کئی مرتبہ اپنی والدہ کے گھر میں مہرالنساء سے مل چکا تھا، لہٰذا اس نے عشق بازی

کرنے کے مواقع ڈھونڈ لیے۔ اس کا رویہ جب مہر النساء کی والدہ سے بہت برہم ہوگیا تو اس نے اس کا ذکر ملکہ مریم زمانی سے کیا اور اس کے ذریعہ سے یہ معاملہ اکبر کے کانوں تک پہنچا۔ سلیم، اس ترکمان خاتون کے حسن و جمال سے مبہوت ہوگیا تھا۔ اس نے اس سے شادی کرنے کا عہد کر لیا اور اپنے والد سے درخواست کی کہ وہ ایرانی امیر کے ساتھ اس کی منگنی کو منسوخ کر دے۔

اکبر بہت صاحب احترام اور باوقار انسان تھا اور اس قسم کی ناانصافی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے پر اعتراض کیا اور منگنی کو منسوخ کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے خزانچی کی بیٹی کو شہزادے کی نظروں سے دور کر دیا۔ اس نے اس کی والدہ کو مشورہ دیا کہ وہ موقع ملتے ہی اس کے منگیتر کے ساتھ اس کی شادی کر دے۔ مہر النساء کی شدید خواہش اور ولی عہد کے ساتھ گہری وابستگی کے باوجود اس کی قسمت کے آگے ایک نہ چلی۔ اس نے بے سود اپنے والدین اور بھائی کو اس خطرے سے آگاہ کیا کہ اس شادی سے انکار کے باعث وہ سلیم کی دشمنی مول لیں گے، جو اپنے انتقام میں بہت ظالم اور جابر ہو جاتا ہے۔ اسے اس التجا سے کوئی فائدہ نہ ہوا کہ اس کی ساری خوشیوں کا انحصار اسی شادی پر ہے۔ اسے اس نشاندہی کا کوئی فائدہ نہ ہوا کہ اسے شہزادہ سلیم کی سب سے ممتاز بیوی، جودھ بائی سے کوئی خدشہ نہیں اور وہ سلیم کو اپنے ہاتھوں میں موم کی طرح نرم کر سکتی ہے۔ آخرکار اس کی شادی علی قلی بیگ کے ساتھ کر دی گئی۔ رسم کے مطابق نوبیاہتا جوڑا نے پہلی مرتبہ ایک دوسرے کو آئینے میں دیکھا۔ ترکمان نے آئینے میں دیکھا تو اسے لاجواب اور حسین و جمیل چہرہ دکھائی دیا، لیکن اس پر خفگی کے آثار تھے اور رنگ بھی زرد ہو رہا تھا۔ وہ دل و جان سے اس پر فریفتہ ہوگیا، لیکن اس کے اپنے چہرے پر اپنی منکوحہ دلہن کے لیے دلچسپی میں کمی نہ آئی۔ مہر النساء نے پہلی مرتبہ جو الفاظ ادا کیے وہ یہ تھے: "تمہاری بھیڑ کی کھال سے بنی لمبی ایرانی ٹوپی کا نظارہ کس قدر خوفناک ہے!" اس کی ماں نے اس کی تلخ گفتگو پر اسے سرزنش کی، لیکن دولہا نے بڑی شرافت سے جواب دیا: "میرے محبوب کے ہاتھ کی ضرب انگور کی طرح شیریں ہے"۔ شادی کی رسومات اور تقریب ختم ہوگئی اور نوجوان لیکن خطرناک خوبصورت دوشیزہ کو اپنے محبوب شہزادے سے دور بھیج دیا گیا۔ دولہا اسے بردوان میں اپنی جاگیر پر لے گیا۔

وقت گزر گیا اور ضعیف اور ہر دلعزیز اکبر فوت ہوگیا۔ جہانگیر سریر آرائے تخت ہوا۔ اس بات کو بارہ برس گزر گئے جب اس نے پہلی مرتبہ مہر النساء پر آنکھیں جمائی تھیں۔

اب وہ تیس برس کی تھی اور زیادہ دیر عنفوان شباب میں نہیں رہ سکتی تھی' لیکن اس نے اپنے اطوار کی شان و شوکت اور نزاکت کو قائم رکھا تھا اور اس کا حسن و جمال پہلے کی طرح تروتازہ تھا۔ اس کے محبوب شہزادے کے ذہن میں اس کی یاد انتہائی گہری ہوگئی تھی' جسے کسی اور کے ساتھ اس کی شادی کا بہت دکھ ہوا تھا۔ جیسے ہی جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس کا عشق پھر تازہ ہوگیا۔ وہ علی قلی بیگ کا سخت دشمن ہوگیا اور اپنی مجرمانہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ اپنے حریف کو منظرعام سے ہٹانا تھا۔ علی قلی بیگ ایک متمول اور انتہائی قابل احترام امیر تھا۔ وہ بہادر اور نڈر تھا۔ اس نے شہزادہ سلیم کے ساتھ مہرالنساء کے خفیہ تعلقات سے واقف ہونے کے باوجود اس سے شادی کی تھی اور ولی عہد سلطنت کی دشمنی کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتا تھا۔ بادشاہ نے کھلم کھلا اپنے حریف کو موت کے گھاٹ اتارنے کی جرات نہ کی۔ چنانچہ اس نے انتہائی کمینی چال چلنے کو ہی ضروری سمجھا۔ اس نے پہلے پہل اسے ایذا پہنچانے کا فیصلہ کیا۔ یہ تکلیفیں اور اذیتیں اس قدر شدید تھیں کہ اگر عینی شاہدوں اور معاصر مصنفین نے ان کی تصدیق نہ کی ہوتی تو انہیں ناقابل اعتبار سمجھا جاتا۔ پہلی مرتبہ ایک شیر کے ساتھ خالی ہاتھ اس کو مقابلہ کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ایسے حالات میں اس کی زندگی بچنے کے ذرا سے بھی امکانات نہیں تھے۔ لیکن یہ کشمکش جو بادشاہ کے سامنے وقوع پذیر ہوئی تھی' یہ سورما یکساں طور پر جوانمردی اور بہادری کا مظاہرہ کرنے کے بعد بچ نکلنے میں کامیاب ہوا اور ایک فاتح کی حیثیت سے واپس آیا۔

بادشاہ بظاہر شیر کو ہلاک کرنے والے کی مافوق الفطرت طاقت سے خوش ہوا اور اسے خوشامدی خطاب شیر افگن (شیر کو مارنے والا) سے سرفراز کیا۔ اس کے زخم ابھی اچھی طرح ٹھیک نہیں ہوئے تھے کہ جیسے ہی یہ زخمی شخص اپنی پالکی سے نیچے گرا تو بادشاہ کی مرضی سے اس پر ایک غضب ناک ہاتھی چھوڑ دیا گیا۔ شیر افگن نے اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے اس دیوہیکل جانور کی سونڈ کاٹ ڈالی اور اس طرح اپنی جان بچائی۔ ایک دوسرے موقع پر جہانگیر نے چالیس حملہ آوروں کو مقرر کیا کہ وہ شیر افگن پر اس وقت اچانک حملہ کر دیں جب وہ اپنی خوابگاہ میں موجود ہو۔ اس نے نصف تعداد کو خوب پیٹا اور باقی ماندہ بھاگ نکلے۔ بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ ان تدابیر سے کچھ حاصل نہیں ہوا' تو اس نے اپنے دودھ شریک بھائی قطب الدین (جو ایک جسیم لیکن ثابت قدم شخص تھا اور حاکم بنگال تھا) کو اس شرط کے ساتھ کوشش کرنے کے لیے مقرر کیا کہ وہ شیر افگن کو اپنی بیوی کو طلاق دینے پر

مجبور کرے اور اس کے انکار کی صورت میں اس ملعون کو موت کے گھاٹ اتار دے۔
قطب الدین نے یہ معاملہ شیر افگن کے سامنے پیش کیا' تاہم اس نے نہ صرف اس ہتک آمیز تجویز کو حقارت سے مسترد کر دیا بلکہ اپنی کمان سے مستعفی ہوگیا اور بادشاہ کی غلامی سے آزادی کی علامت کے طور پر ہتھیار سجائے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ بعد ازیں' صوبیدار قطب الدین کو شیر افگن کی جاگیروں پر جانے کا موقع میسر آگیا۔ اس نے اپنے خدمت گاروں کو بھی بلوا بھیجا۔ شیر افگن کو شک ہوا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے' چنانچہ اس نے قطب الدین سے ملاقات کی۔ اس وقت اس کے لباس میں ایک خنجر بھی چھپا ہوا تھا۔ جب صوبیدار نے پھر وہی موضوع دہرایا تو شیر افگن اور قطب الدین کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی تو اس پر شیر افگن نے اس فربہ آدمی کے پیٹ میں اپنا خنجر گھونپ دیا۔ چنانچہ اس کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ زخمی قطب الدین نے پکار کر اپنے محافظوں سے کہا کہ وہ حملہ آور کے فرار کو ناکام بنا دیں۔ اس پر ایک بہادر افسر پیر محمد خاں کشمیری نے شیر افگن پر حملہ کر دیا اور اس کے سر پر تلوار کا وار کیا لیکن شیر افگن نے اسے اتنی جوانمردی اور پھرتی سے پلٹایا کہ اس کا حملہ آور موقع پر ہلاک ہوگیا۔ اب محافظ اس تنہا باغی پر چڑھ دوڑے اور اس کے پرانتقام خنجر نے مزید چار افراد کو ہلاک کر دیا۔

اس نے جب یہ دیکھا کہ وہ اتنی بڑی تعداد کا نشانہ بن جائے گا تو اس نے اپنے حملہ آوروں کو یہ تجویز پیش کی کہ وہ ایک ایک کر کے سامنے آئیں اور مقابلہ کریں لیکن اس دعوت کو کسی نے قبول نہ کیا۔ اس سورما کے حوصلے نے اسے آخری لمحات میں بھی ناکام نہیں ہونے دیا۔ اس نے اپنا چہرہ مکہ مکرمہ کی طرف کر کے وضو کی خاطر اپنے سر پر تھوڑی سی خاک ڈالی اور انتہائی ثابت قدمی سے اپنے انجام سے نبرد آزما ہونے کے لیے کھڑا ہوگیا۔ اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہوگیا تھا اور آخرکار وہ ادنیٰ دغابازی کا شکار ہوگیا۔ اس کے حملہ آوروں کو اس وقت بھی اس کے قریب جانے کی جرات نہ ہوئی جب وہ جان کنی کے عالم میں تھا۔(۴)

اس کے رضاعی بھائی کے قتل نے جہانگیر کو یہ بہانہ فراہم کر دیا کہ وہ شیر افگن کے خاندان کے خلاف کارروائیاں کرے۔ اس کی ساری جائیداد کو قرق کر لیا گیا۔ خوبصورت بیوہ کو شریک جرم کے طور پر بحفاظت آگرہ روانہ کیا گیا لیکن اس پر مقدمہ نہیں چلایا گیا۔ دربار میں پہنچنے پر جہانگیر نے اسے شادی کی پیشکش کی' لیکن اس کو اپنے بہادر خاوند کی موت کا اس قدر صدمہ پہنچا تھا کہ اس نے بادشاہ سے دیرینہ وابستگی کے باوجود اس کی بات

پر بالکل دھیان نہیں دیا۔ اس کی عدم مطابقت سے جہانگیر کو بہت مایوسی ہوئی۔ اس پہ طرہ یہ کہ اس کو اپنی نامعقول کارروائی پر بہت زیادہ ندامت ہوئی کہ اس نے چار سال کی محنت سے حاصل کردہ ثمر پر کوئی دھیان نہیں دیا اور مہرالنساء کو حرم سرا میں بادشاہ کی والدہ کی خدمت گزار کے طور پر یکسر نظرانداز کر دیا گیا۔ اسے اپنی اور کنیزوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دو شلنگ وظیفہ دیا جاتا تھا اور حرم سرا میں سب سے چھوٹا اور انتہائی غیر آرام دہ کمرہ تفویض کیا گیا۔

وہاں اس نے کشیدہ کاری اور مصوری سے حاصل ہونے والی آمدنی سے اس مختصر وظیفے میں اضافہ کیا اور اپنے کمروں کو اتنی خوبصورتی اور دلفریبی سے آراستہ کیا کہ اس کی فنکارانہ صلاحیتیں' اختراعی قابلیت اور اعلیٰ ذوق جو کچھ پیدا کر سکتا تھا' وہ اس کے چھوٹے سے مسکن میں دیکھا جا سکتا تھا اور اس میں حرم کی بیگمات کا ہجوم رہتا تھا۔ وہ اس سے لباس کی تراش خراش اور رواج کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے آتی تھیں اور اس کی ریشمی' منقش اور قابل تعریف کشیدہ کاری کی اشیاء خرید لیتی تھیں۔

سال نو (اسلامی نوروز) کے تہوار کے موقع پر' جہانگیر شاہی حرم سرا میں داخل ہوا تو اس کی نگاہ اچانک اپنی دیرینہ محبوبہ مہرالنساء پر پڑ گئی' جو اب عزلت گزینی میں پرسکون زندگی بسر کر رہی تھی۔ وہ اس وقت سادہ سے سفید ململ کے لباس میں ملبوس تھی' جس نے اس کی خوبصورتی اور مسحور کن حسن و جمال میں اضافہ کر دیا تھا۔ اس منظر نے بادشاہ پر جادو کا اثر کیا اور محبت کا شعلہ ایک مرتبہ پھر اس کے دل میں بھڑک اٹھا۔ اس نے فوراً اس کی گردن میں اپنا ہار پہنا دیا جو چالیس موتیوں پر مشتمل تھا اور اس کے ہر موتی کی مالیت ۴ ہزار سٹرلنگ پونڈ تھی۔ اسے بادشاہ کے حرم سرا میں لے جا کر اس کی سلطانہ بنا دیا گیا۔ ۱۶۱۱ء میں غیر معمولی دھوم دھام اور شان و شوکت سے ان کی شادی ہوگئی۔ اس کو جہانگیر پر بے انتہا اختیار حاصل تھا اور دربار میں اس کو سب پر غلبہ حاصل ہوگیا۔ بادشاہ تمام اہم معاملات میں اس سے مشورہ کرتا تھا اور اس نے شاہی گھرانے کا انتظام و انصرام اس کے سپرد کر دیا تھا۔ مہرالنساء نے انتہائی شان و شوکت اور کفایت شعاری و تنظیم سے اس کا انتظام کیا۔ بادشاہ کو اس کی معیت میں بہت زیادہ تسلی ملتی تھی اور اپنی نئی بیوی کو خوش و خرم رکھنے اور اسے ممتاز و سرفراز کرنے میں اسے بڑی خوشی حاصل ہوتی تھی۔

مہرالنساء سے وہ نور محل کے نام سے مشہور ہوئی اور کچھ عرصہ بعد اسے نور جہاں بیگم کا خطاب عطا کیا گیا۔ اس کا باپ' جسے اکبر نے اعتماد الدولہ بنا دیا تھا' اب اسے وزیر اعظم

کے عہدے پر متمکن کیا گیا اور اس کے بڑے بھائی ابوالحسن کو میرانصرام و تقریبات مقرر کر کے اعتماد خاں کا خطاب دیا گیا۔ نور جہاں کی دایہ دل آرام کو شاہی حرم سرا کی سربراہ مقرر کیا گیا' جو بشمول کنیزوں' خاتون سپاہیوں اور محافظوں (جن میں چینی' حبشی' ہندو' روسی اور مسلمان بھی تھیں) کے علاوہ چھ ہزار خواتین پر مشتمل تھا۔ صدر الصدور کو منع کر دیا گیا تھا کہ وہ حرم کی کسی عورت کو نور جہاں کی مہر کے بغیر وظیفہ جاری نہ کرے۔

نور جہاں نے جہانگیر پر بے پناہ اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا اور خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ اسے اپنے باپ کے دانشمندانہ مشورے بھی حاصل تھے۔ اس نے اس کے ظالمانہ رجحان پر بہت سودمند تاثر قائم کیا اور وہ اس کے غیظ و غضب کو روک دیتی تھی۔ اس نے دن کے وقت اس کی شراب خوری کو ختم اور رات کی مے خواری میں اعتدال پیدا کر دیا تھا۔ بادشاہ اپنی تزک میں انتہائی اثر انگیز لہجے میں نور جہاں اور اس کے خاندان کے مفید اثر و رسوخ کے بارے میں بیان کرتا ہے اور اپنی خوشحالی اور بہتری کو ان کے دانشمندانہ مشوروں سے منسوب کرتا ہے۔ بادشاہ واشگاف انداز میں بیان کرتا ہے: "اس دور میں جب اسے لکھا گیا ہے (تقریباً بادشاہ کے دور حکومت کے چودھویں سال میں) تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے تمام خزانے پر چاہے وہ سونا ہو یا ہیرے جواہرات' اس کا قبضہ ہے۔ درحقیقت' مجھے اس ملکہ پر مکمل اعتماد ہے اور میں بجاطور پر کہہ سکتا ہوں کہ میری سلطنت کی تمام دولت اور مقدر اس باصلاحیت خاندان کے ہاتھوں میں ہے"۔ نور جہاں کے بوڑھے باپ کو وزیر کے پرخواہش منصب پر فائز کیے جانے سے کسی قسم کی عداوت یا بغض پیدا نہ ہوا۔ اس میں سبھی صلاحیتیں موجود تھیں جو اس اعلیٰ منصب کے لیے ضروری ہوتی ہیں اور اس نے قابل ترین وزیروں میں اپنے آپ کو شامل کرنے کا ثبوت فراہم کیا جو ایک مشرقی دربار میں حکومت کرتے آئے تھے۔ چند سالوں میں معاملات اس قدر بلندی پر پہنچ گئے کہ تزک جہانگیری کے مولف محمد ھادی کے مطابق' بادشاہ صرف نام کا بادشاہ رہ گیا۔ نور جہاں سلطنت کے فرائض میں صرف اس حد تک بادشاہ سے مختلف تھی کہ اس کا نام خطبہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا۔ بادشاہ نے حکومت اور بادشاہت کے حقوق اسے تفویض کر دیے تھے۔ وہ جن معاملات پر بھی توجہ کرتی تو اس کی اپنی مرضی ہی قانون ہوتی تھی۔ وہ ہر روز صبح کے وقت اپنے محل کے جھروکہ میں نمودار ہوتی اور اس کے نیچے تمام درباری اور امراء اسے خراج عقیدت پیش کرنے اور احکامات حاصل کرنے کے لیے جمع ہوتے تھے۔ سرنامے کے ساتھ اس کے نام کے سکے مضروب کرائے گئے۔

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور بنام نورجہان بادشاہ بیگم زر

(ترجمہ) "بادشاہ جہانگیر کے حکم سے جب نور جہاں بادشاہ بیگم کا نام سونے میں شامل کیا گیا تو اس میں کئی گنا شان و شوکت بڑھ گئی"۔

اس کی مہر پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

نورجہان گشت بفضل اللہ ہمدم و ہمراز جہانگیر شاہ

(ترجمہ) "نور جہاں اللہ کے فضل و کرم سے جہانگیر بادشاہ کی ہمدم و ہمراز بن گئی"۔

بادشاہ اس پر اس قدر فریفتہ تھا کہ وہ ایک لمحہ بھی اس سے جدا نہیں رہ سکتا تھا۔ نیز کہا جاتا ہے کہ جب بادشاہ دربار عام میں بیٹھا ہوتا تھا تو تخت کے ساتھ ایک پردہ لٹکا دیا جاتا اور نور جہاں اس کے پیچھے بیٹھ جاتی۔ بادشاہ کہا کرتا تھا کہ "میں نے اپنی بادشاہت کو نور جہاں بیگم کے سپرد کر دیا ہے جو اپنے بادشاہ خاوند کی مکمل تشفی ہے۔ میں اپنے لیے گوشت کے ایک ٹکڑے اور شراب کے دو جاموں سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا"۔ ایک دوسری جگہ جہانگیر کہتا ہے کہ "میری بیوی کی چھوٹی انگلی میں اس قدر نکتہ سنجی پائی جاتی ہے کہ وہ میرے دماغ کو تکلیف دیے بغیر پوری سلطنت پر حکومت کر سکتی ہے"۔ نور جہاں نے بیس برس تک اس من موجی بادشاہ کو اپنی مرضی کے تابع رکھا۔ اس کی خاطر بادشاہ نے اس رسم کو بھی ختم کر دیا جس پر مسلمان سختی سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ سر ٹامس رو' جنہیں انگلستان کے بادشاہ نے سفیر کے طور پر ہندوستان بھیجا تھا' ذکر کرتے ہیں کہ جہانگیر' نور جہاں کے ہمراہ بیل گاڑی میں جسے چھوٹے بیل (گائیں) کھینچتے تھے آگرہ کی گلیوں میں گھوما کرتا تھا اور نور جہاں نے کوئی پردہ نہیں کیا ہوتا تھا۔

مشرقی اور مغربی دونوں مصنفین' نور جہاں کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ بلاشک و شبہ وہ اپنے دور کی انتہائی باکمال خاتون تھی۔ مشرقی مصنفین کے مطابق وہ مظلوموں کے لیے پناہ گاہ' نیکیوں اور اچھائیوں کا منبع تھی۔ ملکہ نے ایسے والدین کی بیٹیوں کو جہیز مہیا کیے جو اس کے لیے مانگتے پھرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ اس ذریعہ سے اس کی سخاوت نے پانچ سو لڑکیوں کو شادی کے قابل بنا دیا۔

جہانگیر کا دربار مملکت کی اصلاحات کے سلسلہ میں اس کی دانشمندی اور فہم و فراست کا احسان مند ہوا۔ اس کے بہترین انتظام کے تحت یہ نہ صرف شاندار اور شائستہ ہوا بلکہ اس نے پچھلے بیتے ہوئے کے مقابلہ میں زیادہ عظمت شعار حاصل کر لی۔ اس کا ذوق اور

فن زیادہ تر خواتین کے ملبوسات میں اصلاحات کرنے میں ظاہر ہوا' جس میں اس نے ایسی بہت سی اصلاحات کو متعارف کرایا جو اس سے پہلے نہیں تھیں۔ اس نے چولی اور سینہ بند کو ایجاد کیا اور زنانہ لباس میں ایسی کئی چیزیں متعارف کرائیں جو آج کل رائج ہیں۔ اس نے گھریلو فرنیچر میں بھی بہت سی نئی چیزیں متعارف کرائیں۔ اس نے سرکاری عمارات اور باغات کی منصوبہ بندی بھی کی اور کہا جاتا ہے کہ جڑی بوٹیوں سے اور پھولوں سے خاص طور پر گلاب کے پھولوں سے پہلی مرتبہ عطر ("اوتو" خاص لفظ عطر) نکالا۔ اس کے حکم سے بہت سے شہروں کو عمدہ مساجد' سرسبز و شاداب باغات' سرائے' حوضوں اور فواروں سے آراستہ کر دیا گیا۔ ان میں بہت سے آج بھی اس کی حب الوطنی اور فنکارانہ صلاحیت کی یادگار کے طور پر ا-ستادہ ہیں۔ اس کے نجی کمرے اور بالکونی اپنے سنگ مرمر کے ستونوں کے ہمراہ آج بھی آگرہ کے قلعہ میں موجود ہیں۔

وہ ایک بہت اچھی گھڑسوار تھی اور شکار میں بہت ماہر تھی۔ ایک مرتبہ ہاتھی پر بیٹھے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ سے چار شیروں کو ہلاک کیا۔ شکاریات میں اس کی چستی اور چالاکی کے بارے میں ایک شاعر نے مزاحیہ انداز میں لکھا ہے:

نور جہاں گرچہ بظاہر زن است

در صف مردان زن شیر افگن است

(ترجمہ) "اگرچہ نور جہاں بظاہر ایک عورت ہے' لیکن مردوں کی صف میں وہ ایک ایسی خاتون ہے جو شیر کو ہلاک کر سکتی ہے"۔ (زن شیر افگن) (۵)

وہ خود بھی شاعری کے میدان میں بہت ماہر تھی' اور کہا جاتا ہے' جہانگیر کو جن دلکشیوں نے متاثر کیا تھا وہ اس کی برجستگی تھی جس کی مدد سے وہ انتہائی سہولت سے فی البدیہہ اشعار مرتب کر لیتی تھی۔ اس نے سلیمی سلطان بیگم اور زیب النساء بیگم کی طرح' شاعرانہ نام مخفی کے تحت شاندار فارسی نظمیں مرتب کیں اور لکھیں۔ اس میں بذلہ سنجی اور بہترین حاضر جوابی پائی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ جب بادشاہ نے نئے چاند کو دیکھا تو نور جہاں بھی اس کے ساتھ تھی' بادشاہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

ھلال عید براوج فلک ھویدا شد

"نیا چاند آسمان میں بلندی پر ظاہر ہو گیا ہے"۔

نور جہاں نے اسی وقت جواب دیا:

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

"یہ شراب خانے کی کنجی تھی جو گم ہوگئی تھی اور اب مل گئی ہے"۔

چنانچہ شعر مکمل ہوگیا۔ دوسرے مصرعہ میں بادشاہ کی شراب سے دلچسپی اور رمضان المبارک کے روزوں کے بعد عید کے موقع پر شراب خوری میں مبتلا ہونے کے لیے اجازت مانگنے کی طرف اشارہ ہے۔

ایک شاعرہ ہونے کے ناتے وہ علم و فضل اور خاص طور پر ان اشخاص کی سرپرست بن گئی' جو فن شاعری میں یکتائے روزگار تھے اور ہمیشہ بڑی فیاضی سے انہیں انعام و اکرام سے نوازتی تھی۔

جہانگیر اور نور جہاں کی محبت کے بارے میں اور اس سے وابستہ واقعات کے بارے میں بے شمار کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کہانی کا حوالہ یہاں دیا جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب جہانگیر ابھی نوجوان تھا اور رنگ روپ کے ایک میلے میں پھر رہا تھا جس میں حرم کی خواتین نے اپنی دستکاریوں کو فروخت کرنے کے لیے پیش کیا ہوا تھا۔ باغ میں برائے فروخت بہترین اشیاء کے علاوہ' سیر کرنے والوں کی خوبصورتی اور ان کے رنگ برنگے ملبوسات نے انتہائی دلکش اور حیات افزا منظر پیش کیا ہوا تھا۔ شہزادے نے ہاتھوں میں دو کبوترے پکڑے ہوئے تھے اور چند خوبصورت پھولوں سے دل بہلا رہا تھا۔ اس نے انہیں توڑنا چاہا تو اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے قریب کھڑے ہوئی کسی فرد کو کبوتر تھما سکے۔ نورجہاں اتفاق سے شہزادے کے قریب کھڑی ہوئی تھی لہٰذا اس نے کبوتر اسے پکڑا دیے جو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیے۔ جب شہزادہ پھول جمع کر چکا تو اس نے نور جہاں سے کبوتروں کی بابت دریافت کیا' وہ اس وقت بھرپور جوان تھی۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ اس کے پاس اب صرف ایک کبوتر ہے۔ نوجوان شہزادے نے لڑکی سے دریافت کیا کہ اس نے دوسرے کبوتر کو کیا کیا ہے۔ اس نے جواب دیا "وہ اڑ گیا ہے"۔ شہزادے نے کچھ حیران اور کچھ پرجوش ہوتے ہوئے دریافت کیا "کیسے؟" اس خوبصورت لڑکی نے جواب دیا "ایسے"۔ اس نے فوراً اپنے ہاتھ سے دوسرے کبوتر کو بھی آزاد کر دیا۔ جس بھڑکیلے اور خوش طبع انداز میں اس نوجوان لڑکی نے اپنا اظہار کیا اور اس کی بے تکلفی اور اطوار کی سادگی کی لطافت نے شہزادے کے ذہن پر مسحور کن تاثر قائم کیا۔ درحقیقت' میلے میں نور جہاں کو اپنے ہونٹوں سے ادا ہونے والے ایک لفظ سے بے مثال کامیابی حاصل ہوئی اور اس نے اس کے باعث ہندوستان کے ہونے والے بادشاہ کا دل جیت لیا۔

نور جہاں کی جہانگیر سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اپنے پہلے خاوند شیر افگن سے اس کی ایک بیٹی لاڈو بیگم تھی، جس کی شادی اس نے جہانگیر کے چوتھے بیٹے شہریار سے کر دی تھی۔

بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا خسرو تھا، جو ابھی تک ایک راجپوت آونا رائے کی نگرانی میں قید تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا پرویز، اپنے والد اور دونوں چچاؤں مراد اور دانیال کی طرح بلانوش تھا، وہ دونوں بھی کثرت شراب نوشی کے باعث فوت ہوئے تھے۔ اسے دکن میں فوجوں کی کمان سونپی گئی تھی۔ تیسرے بیٹے خرم (جسے بعد میں شاہجہاں کہا گیا) سے آصف خاں کی خوبصورت بیٹی اور نور جہاں کی بھتیجی، ارجمند بانو بیگم المعروف ممتاز محل کی شادی کی گئی۔ وہ ایک کامیاب جرنیل تھا اور مارواڑ میں اودھے پور کے رانا کے خلاف جنگ میں بہادری کا لوہا منوا چکا تھا۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ جب دکن میں بہترین مغلیہ جرنیلوں کی قیادت میں شاہی فوجوں کو شکست ہوگئی تو شہزادہ خرم اپنی ثابت قدمی اور شجاعت کے باعث اس طاقتور ہندو سردار کو مغلوب کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

شہزادے نے اپنے باکمال دادا کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، اطاعت کے طور پر رانا کی جانب سے پیش کردہ نذرانوں کو قبول کر لیا، بلکہ جب اس سردار نے سلام پیش کیا اور کورنش بجا لایا تو اسے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اپنے ساتھ بٹھایا اور اس کے ساتھ بڑی توجہ اور احترام سے پیش آیا۔ اکبر کے دور سے مارواڑ کے سارے علاقے کو فتح کر لیا گیا تھا اور اسے دوبارہ رانا کے حوالے کر دیا گیا اور اس کے بیٹے کو دربار شاہی میں امیر کے رتبے پر فائز کیا گیا۔

اسی دوران راجہ مان سنگھ دکن میں انتقال کر گیا۔ روشنائیوں نے بغاوت کر دی تھی لیکن بایزید کے جانشین اور پوتے اور ان کے روحانی پیشوا آمداد کی موت پر بغاوت دب گئی۔

کیپٹن ھاکینز کا مشن ۱۶۰۸ء

۱۶۰۸ء کے موسم خزاں میں بادشاہ کے پاس دربار میں ایک برطانوی افسر کیپٹن ھاکینز آیا، جو اپنے بادشاہ جیمز اول کا ایک خط لے کر آیا تھا۔ بادشاہ کے لیے اس خط کا ترجمہ مغلیہ دربار میں موجود متعدد پرتگیزی عیسائیوں میں سے ایک نے کیا۔ بادشاہ نے اس ایلچی سے بڑا اچھا سلوک کیا اور اس سے ترکی زبان میں آزادانہ گفتگو کی، تاہم، اس کے درباریوں نے اسے مشورہ دیا کہ اگر اس نے اپنی سلطنت میں انگریزوں کو تجارت کی اجازت

دے دی' تو پرتگیزی جو ایک بہت بڑی طاقت ہیں' ناراض ہو جائیں گے اور تجارت کی غرض سے ہندوستانی بندرگاہوں پر آنا جانا بند کر دیں گے' جس سے شاہی خزانے کو بہت زیادہ نقصان پہنچے گا۔ اس پر بادشاہ نے فوری طور پر برطانوی افسر کو رخصت کر دیا۔ دسمبر ۱۶۱۵ء میں بادشاہ کے ساتھ ایک دوستانہ معاہدے پر گفت و شنید کرنے کے لیے' سر ٹامس رو کی قیادت میں ایک باقاعدہ سفارت اجمیر آئی۔ بادشاہ نے سفیر کا غیر معمولی تعظیم و تکریم کے ساتھ استقبال کیا' نہ صرف سابقہ جاگیروں کی توثیق کر دی بلکہ ہندوستان کے چند اہم شہروں میں انگریز نمائندوں کو رہائش اختیار کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرما دی۔ سر ٹامس رو نے جہانگیر کے دربار کے بارے میں ایک واضح بیان چھوڑا ہے اور ان کا روزنامچہ جو بہت زیادہ معلومات پر مبنی ہے' اب بھی بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔

۱۶۱۶ء کا طاعون

سال ۱۶۱۶ء ایک زبردست طاعون کے لیے یادگار ہے' جو دو سال کی قحط سالی کے بعد پنجاب میں پھوٹ پڑا تھا۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ وبائی مرض تھا اور آٹھ برس تک رہا۔ یہ بیماری پنجاب سے سفر کر کے سرہند اور اس کے بعد ہندوستان کے دوآب میں دہلی تک پہنچی۔ لاہور میں اس کی تباہ کاری اتنی تھی کہ مردوں سے بھرے ہوئے گھروں کو تالا لگا دیا جاتا تھا اور کوئی شخص بھی موت کے ڈر سے اس میں داخل نہیں ہوتا تھا۔(۶)

اسی سال کے دوران' شہزادہ خرم نے بیس ہزاری کے منصب یا امیری کے ہمراہ' جنگ میں اعلیٰ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کے اعتراف میں "شاہجہاں" (دنیا کا بادشاہ) کا خطاب حاصل کیا۔ اس کے علاوہ اسے شاہی تخت کے ساتھ رکھی گئی کرسی پر بیٹھنے کا حق بھی حاصل تھا۔ دکن کے خلاف منظم کی گئی ایک عظیم مہم کا انتظام شہزادے کے سپرد کر دیا گیا اور جب فوج نے کوچ کیا تو جہانگیر بھی اس غرض سے اس کے پیچھے آیا کہ اگر شہزادے کو ضرورت محسوس ہوئی تو وہ اس کی مدد کرے گا۔ ملک امبر کو شکست دے کر احمد آباد خالی کر دینے پر مجبور کر دیا گیا جبکہ بیجاپور کے ابراہیم عادل شاہ نے بادشاہ کی اطاعت کر لی۔

سر ٹامس رو' جو' مندو کی جانب بادشاہ کی پیش قدمی کے وقت اس کے ہمراہ تھے انہیں شاہجہان کے ساتھ واقفیت پیدا کرنے کا موقع میسر آگیا۔ اس وقت شہزادہ پچیس سال سے زیادہ عمر کا نہیں تھا۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ دوراندیش اور سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ یہ سفیر اس کی وضع قطع کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ "انہوں نے اس جیسی شکل و شباہت یا ایسا آدمی نہیں دیکھا تھا تو جو اس جیسی مستقل مزاجی اور سنجیدگی رکھتا ہو' نہ تو اس کے چہرے پر

مسکراہٹ تھی اور نہ ہی اس کی آنکھوں میں افراد کے متعلق کسی قسم کا احترام یا امتیاز پایا گیا بلکہ سب کے لیے مکمل طور پر فخر و نخوت اور حقارت پائی جاتی تھی"۔

شہزادہ خسرو کا انتقال' ۱۶۲۲ء

اکتوبر ۱۶۲۲ء میں کشمیر سے واپسی پر جہانگیر نے اپنا دربار لاہور میں منعقد کیا۔ اسی سال بد قسمت خسرو قید میں فوت ہوگیا اور معلوم ہوتا ہے ان حالات نے شاہجہاں کی جانشینی کو تحفظ فراہم کر دیا۔ اسی دوران' نور جہاں کے والد' غیاث بیگ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اسی وقت سے ملکہ نے جو اپنے والدین کے دانشمندانہ مشوروں سے محروم ہوگئی تھی' سلطنت کی مقسوم پر تباہ کن اثر و رسوخ قائم کرنا شروع کر دیا۔ اس نے سازشوں اور کھلم کھلا جنگ سے اپنے خاوند کے آخری ایام کو تلخ بنا دیا۔ ۱۶۲۱ء میں سخت بیماری کے باعث بادشاہ کی صحت بری طرح خراب ہوگئی تھی' اور اس پر اولوالعزم ملکہ نے تہیہ کر لیا کہ اس کا سب سے چھوٹا بیٹا شہریار جس کی شادی اس کے پہلے خاوند کی بیٹی سے ہوئی تھی' وہی بادشاہ کا جانشین بنے۔ یہ اطلاع شاہجہان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی' جسے تھوڑی دیر پہلے کمان سونپی گئی تھی کہ وہ قندھار کو ایرانی فاتحین سے بازیاب کرائے۔

شاہجہان کی بغاوت ۱۶۲۳ء

لاہور میں بادشاہ اور منڈو میں اس کے غیر مطمئن بیٹے کے درمیان لاحاصل پیغام رسانی کے بعد' شاہجہان نے اپنی سوتیلی ماں کے منصوبوں کو روکنے کے لیے کھلم کھلا' جہانگیر کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ اس پر بادشاہ نے لاہور سے اس کے خلاف پیش قدمی کر دی۔ بادشاہ کی آمد پر شاہجہاں' میوات کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا اور پھر وہاں سے تلینگانہ جا پہنچا۔ تب وہ راج محل پہنچا اور اس کے حاکم سے جنگ کرنے کے بعد اسے شکست دے دی اور زبردست لڑائی کے بعد بنگال اور بہار پر قبضہ کر لیا۔ تاہم' شاہی کمانداروں نے اس کا تعاقب کیا' حتیٰ کہ اس کی اپنی فوجیں بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئیں اور اس کے آخری قلعوں کو بھی فتح کر کے اسے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

ملکہ اب بادشاہ کے قابل ترین جرنیل اور فوج کے سپہ سالار اعظم' مہابت خاں سے حسد کرنے لگی' میدان جنگ میں اس کی کامیابی اور دربار میں بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ نے اسے اندیشہ میں مبتلا کر دیا تھا۔ دربار کے بلاوے اور حکم کی تعمیل بجا لاتے ہوئے اس نے شاہی پڑاؤ کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔ کابل جاتے ہوئے راستے میں پانچ ہزار راجپوت

محافظ اس کے پاس حاضر ہوئے جن کی وفاداری پر اسے بھروسہ تھا۔ اس موقع پر جہانگیر کے ہمراہ فوجی دستوں اور نوکر چاکروں کی بہت بڑی تعداد یعنی تیس ہزار افراد موجود تھے۔ پڑاؤ میں پہنچنے سے قبل مہابت خاں نے بادشاہ کی اجازت کا انتظار کیے بغیر اپنی بیٹی کی منگنی ایک نوجوان معزز شخص یعنی برخودار سے کر دی' کیونکہ یہ ایک ایسی رسم تھی جو اس منصب کے ہر فرد کے لیے ضروری تھی۔ مہابت خان نے دولہا کو بادشاہ کے پاس معذرت کے لیے بھیجا۔ جیسے ہی یہ نوجوان شاہی پڑاؤ میں داخل ہوا تو اسے زبردستی' ہاتھی سے اتار دیا گیا۔ اس کے کپڑے اتار کر پھٹے ہوئے پرانے چیتھڑے پہننے پر مجبور کر دیا گیا۔

اس کے بعد اسے ظالمانہ طریقے سے کوڑے لگائے گئے اور دربار کی موجودگی میں کانٹوں سے پیٹا گیا اور اسے ننگے سر اور تھکاوٹ سے چور اور شرمندگی کی حالت میں ساری فوج کے آوازوں اور شور شرابے کے دوران پڑاؤ سے واپس بھیجا گیا۔

اس کے تمام جہیز کو ضبط کر لیا گیا اور جائیداد قرق کر لی گئی۔ جب مہابت خاں بذات خود شاہی پڑاؤ میں پہنچا تو اسے داخل ہونے کی اجازت نہ دی گئی۔ اس سلوک سے آگ بگولا ہو کر ایک صبح مہابت خاں اس خیمے میں داخل ہو گیا' جہاں بادشاہ سویا ہوا تھا۔ بادشاہ جب نیند سے جاگا تو اس نے اپنے آپ کو ایک قیدی پایا اور اب وہ دریائے جہلم پر بنے کشتیوں کے پل کے پار فوجی دستوں سے کٹ گیا تھا۔ اب وہاں اس کو گرفتار کرنے والے کے راجپوت سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ مہابت خاں کو پہچان کر وہ زور سے چلایا: "دغاباز' اس کا کیا مطلب ہے؟" مہابت خاں اپنے بادشاہ کے سامنے نہایت عاجزی سے جھک گیا اور کہا کہ میرا دغا بازی یا بغاوت کا کوئی ارادہ نہیں' بلکہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اس نے اپنے آپ کو بادشاہ کے قدموں پر گرا دیا۔ اس کے بعد اس نے بادشاہ سے التجا کی کہ وہ ہاتھی پر سوار ہو جائے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر اطمینان کر لیں کہ وہ محفوظ ہے۔ بادشاہ نے اس کی درخواست کو ماننا ضروری سمجھا' لہٰذا اسے اس کے جرنیل کے خیموں کی طرف لے جایا گیا' جس کے اردگرد راجپوت سپاہی پہرہ دے رہے رہتے۔ جہانگیر کے ذاتی خدمت گاروں میں سے ایک کو اپنے آقا کے ہمراہ ہاتھی پر بیٹھنے کی اجازت دی گئی۔ اس کے علاوہ ایک نوکر' جس کا جہانگیر کی موجودگی میں بمع شراب کی ایک بوتل اور جام کے رہنا بہت ضروری ہوتا تھا' اسے بھی اس کے ہمراہ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔

نور جہاں نے اپنے خاوند کو بازیاب کرانے کے لیے زبردست کوشش کی۔ راجپوتوں نے جہلم پر کشتیوں کے پل کو نذر آتش کر دیا۔ چنانچہ اسے دریا کو پایاب عبور کرنے پر

مجبور کر دیا گیا۔ اس پایاب کو دریا کی نشیبی جانب دریافت کیا گیا۔ یہ گھاٹ خطرناک تالابوں سے پر تھا۔ اس کی پیش قدمی کو راجپوت فوجوں نے روکا۔ سب سے پہلے نور جہاں نے ہاتھی پر بیٹھ کر اسے پار کیا اور گمبھیر لڑائی میں جا پہنچی۔ اس کے ہاتھی کے اردگرد بہادر راجپوتوں نے گھیرا ڈالا ہوا تھا' جنہوں نے اس کے ہودا پر گولوں اور تیروں کی بارش کر دی۔ نور جہاں نے اپنے ہاتھ سے تیروں کے چار ترکش خالی کیے۔ اس کی گود میں شہریار کی شیر خوار بچی ایک تیر لگنے سے زخمی ہوگئی۔ ملکہ نے بڑی دقت سے اسے نکالا۔ اس کا ہاتھی سونڈ پر زخم لگنے کے باعث پانی میں گر گیا۔ گہرے پانی میں بے شمار غوطے کھانے کے بعد وہ کنارے پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ نور جہاں کی عورتوں نے جب اس کے ہودے کو خون آلود اور خود اسے تیروں سے زخمی دیکھا تو ماتم کرتی اور روتی پیٹتی ہوئی وہاں آ گئیں۔ اس کے دستوں کی ایک جماعت وزیر کے عقب میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئی اور بادشاہ کے خیمے کے قریب پہنچ گئی' لیکن راجپوتوں نے مہابت خاں کی قیادت میں شاہی فوجوں کو پیچھے دھکیل دیا اور فیصلہ کن فتح حاصل کر کے نور جہاں کو مضبوطی سے قلعہ بند کیے گئے شہر لاہور کی طرف مراجعت کرنے پر مجبور کر دیا۔ نور جہاں کے بھائی آصف خاں کو اٹک کی طرف دھکیل کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا گیا۔ نور جہاں نے جب یہ دیکھا کہ وہ بادشاہ کو طاقت سے بازیاب نہیں کرا سکتی تو اس نے قید میں اپنے خاوند کے ساتھ شامل ہونے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ مہابت خاں مقید بادشاہ کو کابل لے گیا' جہاں اس کی وفادار بیوی کی انتھک کوششوں کے زیر اثر اس نے اسے آزاد کر دیا۔

بادشاہ اپنی رہائی کے بعد روہتاس کے راستے واپس لاہور آ گیا اور آصف خاں کو اس کی وفادار خدمات کے صلے میں پنجاب کی صوبیداری تفویض کی گئی اور اس کے ساتھ سلطنت کی وزارت بھی عنایت کی گئی۔ موسم سرما ختم ہوا تو بادشاہ نے وادی کشمیر کی سالانہ سیر کا پروگرام بنایا اور دریائے چناب کے کنارے پر ۱۱ مارچ ۱۶۲۷ء کو جشن نوروز منایا۔ اس خوشگوار وادی میں پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد شہزادہ شہریار خطرناک حد تک بیمار ہوگیا اور اسے گرم آب و ہوا بہم پہنچانے کے لیے لاہور گیا۔ اسی دوران بہرام خاں کا بیٹا' مرزا خان' خان خاناں ۲۷ سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔ بادشاہ کی اپنی صحت نہایت تیزی سے بگڑنے لگی۔ اس پر دیرینہ بیماری دمے کا حملہ ہوا۔ وہ اس قدر لاغر ہوگیا کہ اسے مجبوراً گھڑسواری کو ترک کرنا پڑا۔ اسے پالکی میں لے جایا جاتا تھا۔

جب اچانک اس پر گٹھیا کا حملہ بھی ہوگیا تو وہ زندگی سے مایوس ہوگیا۔ اس نے جس

قسم کی مایوسی کا اظہار کیا' اس سے سبھی کو بہت دکھ ہوا۔ اس کی بھوک ختم ہوگئی تھی اور اس نے افیم لینے سے بھی انکار کر دیا' جس کو وہ چالیس سال سے استعمال کرنے کا عادی تھا۔ اس نے تھوڑی سی شراب کے سوا کسی چیز کی طلب محسوس نہیں کی۔ جب اس کی زندگی کے بارے میں بہت زیادہ تشویش پیدا ہوگئی تو اسے لاہور لے جانے کی کوشش کی گئی۔ بہرام قلعہ پہنچنے پر پہاڑوں کے دلکش نظارے نے اس کے دل میں شکار کے شوق کو تازہ کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ ہرنوں کو ہانک کر لایا جائے اور خود دریا کے کنارے ایک بھری ہوئی بندوق کے ہمراہ بیٹھ گیا تاکہ جب شکار اس کے سامنے سے گزرے تو وہ اسے نشانہ بنا سکے۔ جہاں بادشاہ بیٹھا ہوا تھا' وہاں ایک ہرن کو ہانک کر لایا گیا۔ بادشاہ نے اس پر گولی چلائی اور وہ زخمی ہو کر گر گیا۔ ایک نقارچی' جو اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا' اس کا پاؤں پھسلا اور وہ بادشاہ کے قدموں کے قریب ایک ڈھلوانی چٹان پر گرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ بادشاہ کے اعصاب اس صدمے کی وجہ سے درہم برہم ہوگئے۔ وہ اپنے پڑاؤ میں آیا اور مرنے والے کی والدہ کو بلا بھیجا۔ اس کو ہمدردی کے چند الفاظ کہے اور اسے روپے کی صورت میں تحفہ دیا' لیکن وہ بے چین رہا اور اس کی حالت میں بہتری کے آثار پیدا نہ ہوئے۔ اس نے راجوڑی کی طرف پیش قدمی کو جاری رکھا اور پھر وہاں سے بھی سفر کرتا رہا۔ شام کے وقت اس نے شراب کا ایک جام طلب کیا' لیکن اسے پی نہ سکا۔ اسے بھمبر کی طرف لے جایا گیا لیکن وہ ۲۸ر اکتوبر ۱۶۲۸ء کو صبح سویرے ۵۹ برس کی عمر میں ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔ ماتمی رسومات بھمبر میں ادا کی گئیں اور اس کے جسد خاکی کو ایک حفاظتی دستے کے تحت لاہور روانہ کیا گیا' جہاں اسے نور جہاں کے باغ میں دفن کر دیا گیا۔ نور جہاں نے اپنے مرحوم شوہر کی قبر پر ایک نہایت عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا۔

انگریزی سیاحوں نے جہانگیر کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ ایک سہل' خوش اخلاق اور ملنسار اطوار کا بادشاہ تھا۔ وہ انگلستان کے بادشاہ جیمز اول کا ہمعصر تھا۔ عجیب حسن اتفاق ہے کہ نہ صرف ان کے دور حکومت کی مدت ایک جیسی تھی بلکہ وہ کردار کے لحاظ سے بھی مشابہت رکھتے تھے۔ یعنی وہ دونوں مے خواری اور دوستوں کی محفلوں کو مرغوب رکھتے تھے۔ اس نے اپنے مغربی بھائی کی نقل میں غیر اختیاری طور پر ۱۶۱۷ء میں تمباکو کے خلاف ایک فرمان جاری کیا۔ اس وقت انگلستان اور ہندوستان دونوں ملکوں میں اس پودے کو تمباکو نوشی کے طور پر استعمال کرنا انوکھی بات سمجھی جاتی تھی۔ اکبر اعظم کی طرح اس نے بار بار اپنے

افسروں کی سرکشی کو معاف کیا۔ جیسا کہ مان سنگھ اور خان خاناں کی مثالوں میں دیکھا گیا ہے۔ اس نے بڑے فراخدلانہ انداز میں اپنے بیٹے خسرو کو بھی معاف کر دیا۔

ذاتی طور پر جہانگیر طویل قد و قامت اور خوبصورت شکل و صورت کا حامل تھا۔ اس کا سینہ کشادہ اور بازو لمبے تھے۔ اس کی آنکھیں بڑی عجیب حد تک تیز اور چبھتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اس کی رنگت سرخی مائل گندمی تھی۔ اس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ عظیم صوفی بزرگ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ سے نسبت کے باعث سونے کی چھوٹی چھوٹی بالیاں کانوں میں پہنتا تھا۔ کیونکہ اس کے والدین کا عقیدہ تھا کہ انہی بزرگ کی دعاؤں سے اس کی پیدائش ہوئی تھی اور انہیں ہی کی نسبت سے اس کا نام بھی سلیم رکھا گیا تھا۔

اپنے خاوند کے انتقال اور اپنے داماد شہریار کی گرفتاری کے ساتھ (جس کو اس نے تخت پر بٹھانے کی کوشش کی تھی) نورجہاں کا اثر و رسوخ ختم ہوگیا تھا۔ شہریار کی گرفتاری کے بعد وہ عزلت گزینی میں زندگی بسر کرنے لگی۔ وہ شہزادہ شہریار کی بیوہ اور اپنی بیٹی کے ہمراہ بیس سال تک لاہور میں رہی۔ سرکاری خزانے میں سے اس کے لیے پچیس لاکھ روپے سالانہ کا وظیفہ مقرر ہوا۔ اس نے مغلیہ بیوہ کے طور پر سادہ اور سفید لباس زیب تن کیا اور ہر قسم کی تفریح اور کاروبار زندگی سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھا۔ اس نے اپنے آپ کو مطالعہ' آرام و سکون اور اپنے خاوند کی یاد میں مشغول رکھا۔ وہ ۲۹ر شوال ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۶ء) کو لاہور میں ۷۲ برس کی عمر میں انتقال کر گئی اور مقبرے کی مانند ایک انتہائی شاندار بارہ دری میں دفن ہوئی' جسے اس نے خود اپنے خاوند کے مقبرے کے قریب تعمیر کروایا تھا۔

جہانگیر کے سکے

جہانگیر نے ہندوستان' کابل اور قندھار میں بے شمار سکے مضروب کرائے۔ اس کے دور حکومت کے ۱۴ ویں برس میں لاہور میں مضروب کرائے گئے۔ اس کے متعدد سکوں پر مندرجہ ذیل شعر دیکھا جاسکتا ہے ۔

زنام شاہ جہانگیر شاہ اکبر پور ۱۴

ہمیشہ بار ابروی سکہ لاہور ۱۰۱۸

(ترجمہ) "بادشاہ اکبر کے بیٹے شہنشاہ جہانگیر کے نام کی شان و شوکت' سکہ لاہور ہمیشہ درخشندہ رہے! ۱۰۱۸ء--- ۱۴ واں برس"۔

"تزک جہانگیری" کے مطابق جب بادشاہ تخت نشین ہوا' تو امیر الامراء نے اس واقعہ

کی یاد میں اسے مندرجہ ذیل شعر پیش کیا۔ ایک روپے کے سکے مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ لاہور، کشمیر اور قندھار میں مضروب کرائے گئے۔

روی زردا ساخت نورانی چورنگ مہر و ماہ
شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ
۱۵ ضرب لاہور

(ترجمہ) "اکبر بادشاہ کے بیٹے نور الدین جہانگیر نے سورج اور چاند کی طرح سونے کو درخشندہ بنایا۔ سال ۱۵ میں لاہور میں مضروب کیا گیا"۔

روپے کے متعدد سکوں پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نور الدین محمد بادشاہ"۔

تزک جہانگیری ہمیں مطلع کرتی ہے کہ آصف خان نے حکم دیا کہ طلائی سکوں پر مندرجہ ذیل شعر درج کیا جائے۔

خط نور بر زر کلک تقدیر
رقم زد شاہ نور الدین جہانگیر

"تقدیر کے حکم نے نور کی طرز پر سکے پہ بادشاہ نور الدین جہانگیر کا نام درج کیا ہے"۔

مندرجہ ذیل سکہ کابل میں مضروب کرایا گیا۔

سکہ زد در شہر کابل خسرو گیتی پناہ
شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

"گیتی پناہ بادشاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ نے اس طلائی سکے کو کابل میں مضروب کرایا"۔

قندھار کے سکے پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

سکہ قندھار شد دلخواہ
از جہانگیر شاہ اکبر شاہ

"اکبر بادشاہ کے بیٹے بادشاہ جہانگیر کے ذریعے قندھار کا سکہ خوبصورت ہو گیا"۔

مسٹر روجرز' جرنل آف بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں لاہور کی ٹکسال کے متعدد سکوں کا ذکر کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل سکہ ۱۰۱۹ھ' دور حکومت کے پانچویں برس میں مضروب کرایا گیا۔

زر لاہور شد در ماہ بہمن چون مہ انور سنہ ۵
بدور شاہ نور الدین جہانگیر ابن شاہ اکبر

"اکبر بادشاہ کے بیٹے شاہ نور الدین جہانگیر کے دور میں لاہور کا سونا بہمن کے مہینہ میں چاند کی طرح روشن ہوگیا۔ ۱۰۱۹' ۵ واں سال"۔

ایک دوسرا سکہ جو اسی سال مضروب کرایا گیا' اس پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

در اسفندار مز این سکہ در لاہور زدبر زر
شہنشاہ امم شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

"اسفندار مز کے مہینہ میں اکبر بادشاہ کے بیٹے' امتوں کے بادشاہ شاہ جہانگیر نے اس سکے کو لاہور میں سونے پر مضروب کرایا۔ ۱۰۱۹ھ' ۵ واں برس"۔

مسٹر روجرز نے مذکورہ بالا جریدے میں اپنے شاندار مقالہ میں لاہور کے جن مندرجہ ذیل سکوں کا تذکرہ کیا ہے' وہ دلچسپی سے خالی نہیں:

مہ اردی بہشت این سکہ در لاہور زر بر زر
شہنشاہ زمان شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

"اکبر بادشاہ کے بیٹے زمانے کے شہنشاہ شاہ جہانگیر نے یہ سکہ لاہور میں سونے پر مضروب کرایا"۔

بماہ تیر در لاہور زد این سکہ را بر زر
پناہ دین ملک شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

"تیر کے مہینے میں اکبر شاہ کے بیٹے' دین پناہ شاہ جہانگیر نے اس سکے کو لاہور میں سونے پر مضروب کرایا"۔

ایک انتہائی شاندار روپے کے سکے پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

بدھر یاد روان تا فلک بود در دور ۱۳
بنام شاہ جہانگیر سکہ لاہور ۱۰۲۷

"جب تک آسمان گردش میں رہے تو بادشاہ جہانگیر کے نام سے لاہور کا سکہ دنیا میں رائج رہے! ۱۰۲۷ھ' ۱۳ واں سال"۔

مسٹر جے۔ ڈی ٹر میلیٹ کے قبضہ میں' جس روپے کے سکے کا ذکر مسٹر روجرز نے کیا ہے' اس پر مندرجہ ذیل شعر ہے:

۱۰۲۰--- بفرور دین زر لاہور شد رشک مہ انور
زنور سکہ شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

"فرور دین کے مہینے میں اکبر شاہ کے بیٹے شاہ جہانگیر کی مہر کی شان و شوکت سے لاہور کا سونا' روشن چاند کے لیے قابل رشک بن گیا۔ ۱۰۲۰ھ' چھٹا سال"۔

لاہور کی شاہی ٹکسال میں مضروب کرائے گئے مختلف وضع کے سکوں کی بہتات جہانگیر کے دور حکومت میں اس شہر کی مقبولیت اور پنجاب کے دارالحکومت کے لیے اس کی محبت کا کافی ثبوت ہے۔

مسٹر روجرز دہلی کی ٹکسال کے صرف ایک سکے کا ذکر کرتے ہیں' اس پر مندرجہ ذیل شعر درج ہے:

زر فتح و نصرت جہانگیر شاہ ۲۱
بدھلی زر از فیض لطف الہ ۱۰۳۵

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بادشاہ جہانگیر نے فتح و نصرت کا سکہ دہلی میں مضروب کرایا۔ ۱۰۳۵ھ' اکیسواں برس"۔

مندرجہ ذیل عبارت کے حامل دو سکے بہت جاذب نظر ہیں:

شبیہ حضرت شاہ جہانگیر
قضا بر سکہ زر کرد تصویر

"تقدیر نے بادشاہ جہانگیر کی شبیہ ایک سونے کے سکے پر بنائی ہے"۔

حروف جہانگیر واللہ اکبر
زر وز ازل تا ابد شد برابر

مسٹر روجرز اس طرح لکھتے ہیں:

"جہانگیر اور اللہ اکبر کے نام کے حروف میں روز اول سے ایک ہی قدر مشترک ہے اور ابد تک رہے گی"۔

حوالہ جات

(۱) صاحبقران کا لغوی مطلب ہے ایسا شخص جو دو یا اس سے زائد اجرام فلکی کے مبارک اتصال کے تحت پیدا ہو۔ یہ وہ خطاب تھا جو مورخین نے احترام کے طور پر تیمور کو دیا تھا۔ یہاں پر جہانگیر کا لقب صاحبقران کے مساوی ہے۔

(۲) سرہنری ایلیٹ کا خیال ہے کہ غالباً یہ وہی جگہ ہے جس پر سکھ گرنتھوں نے قبضہ کر لیا اور یہاں بابا نانک کا پنجہ نصب کیا اور اس حوض کو مقدس قرار دے کر وہ یہاں موٹی تازی مچھلیوں کو خوراک ڈالتے ہیں۔ سرہنری اس بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اس بارے میں سوچتے ہوئے کہ کتنے عرصہ سے یہ جگہ سکھوں کی سلطنت میں شامل ہوئی ہے' یہ بڑی عجیب بات ہے کہ لوگوں میں ایک نیا خیال پروان چڑھ گیا ہے کہ بابا نانک نے اس جگہ آنے پر ایک ایسی کرامت کی' جسے ان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کو ہمارے ان موجودہ سیاحوں نے بھی درج کیا ہے' جنہوں نے اس جگہ کی سیاحت کی تھی"۔

(۳) معلوم ہوتا ہے ان احکامات پر ایمانداری سے عمل درآمد کیا گیا۔ کیونکہ اب یہاں ایک بھی ولازک موجود نہیں۔ یہاں ابھی تک حتروں کے بے شمار گاؤں ہیں اور حتر کا شاداب میدان ابھی تک انہی کے نام سے مشہور ہے۔ سرہنری ایلیٹ کی "تاریخ ہندوستان"۔

(۴) بردوان کے مضافات میں اس سورما کے مزار پر ابھی تک ایک انتہائی شاندار گنبد دار مقبرہ موجود ہے۔

(۵) اگر لفظ زن (قاتل) کا ترجمہ یہاں "بیوی" کیا جائے تو زن شیر افگن کا مطلب بھی شیر کا قاتل ہی نکلے گا اور اس کا مطلب شیر افگن کی بیوی بھی لیا جا سکتا ہے۔ شاعر نے اس شعر میں دکھایا ہے کہ نورجہاں اصل میں شیر افگن کی بیوی تھی۔

(۶) اقبال نامہ جہانگیری۔

باب ۱۵

شہاب الدین شاہجہان

جہانگیر نے اپنی خواہش کے مطابق اعلان کیا کہ شہزادہ شہریار اس کا جانشین ہوگا۔ آصف خاں اور فوج نے شاہجہاں کی جانشینی کا اعلان کر دیا جو اس وقت دکن میں تھا۔ آصف خاں نے ارادت خاں، خان اعظم کے ساتھ مل کر ایک چال چلی اور بد قسمت یاد کے حامل خسرو کے بیٹے داور بخش (جسے مرزا بولاکی بھی کہا جاتا تھا) کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ایک طرف تو اس کا مقصد گڑبڑ کو روکنا تھا اور دوسری جانب نورجہاں کے انتظامات کو شکست دے کر شاہجہاں کی جانشینی حاصل کرنا بھی تھا۔ چنانچہ، جب داور بخش گھوڑے پر سوار ہوا تو شاہی سائبان اس کے سر پر سایہ فگن کر دیا گیا اور بھمبر کے نزدیک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ شاہی خادمین، کٹھ پتلی بادشاہ کے ہمراہ لاہور روانہ ہوئے۔

دریں اثناء، شہزادہ شہریار نے لاہور کو حاصل کرنے کے لیے ایک گھڑسوار دستے کے ہمراہ، دریائے جہلم کو پار کر لیا۔ لاہور پہنچنے پر اس کی سازشی بیوی نے اس پر زور دیا کہ وہ شاہی لقب اختیار کر لے۔ اس نے شاہی خزانے اور ہر اس سرکاری چیز پر قبضہ کر لیا جو لاہور میں موجود تھی۔ وہاں دانیال کے بیٹے ہوشنگ سلطان اور سلطان تیمور بھی اس کے ساتھ مل گئے۔

دوسری جانب، آصف خاں نے نقلی بادشاہ، داور بخش کے ہمراہ پیش قدمی کر دی۔ مخالف فوجوں میں لاہور سے تقریباً تین کوس کے فاصلے پر مڈبھیڑ ہوئی۔ لیکن شہریار کے ناتجربہ کار دستے بغیر کوئی حملہ کیے، منتشر ہو کر بھاگ نکلے۔ اس نے خود بھی لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیا اور حالات کے بدلنے کا انتظار کرنے کے لیے ۲ ہزار گھڑسواروں کے ہمراہ لاہور کے

قرب و جوار کی جانب ہٹ گیا۔ شکست کے بارے میں سننے کے بعد اس نے اپنے آپ کو لاہور کے قلعہ میں بند کر لیا' جس کا اگلے روز آصف خاں اور عظیم خاں کی فوجوں نے محاصرہ کر لیا۔ عظیم خاں رات کے وقت قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا اور اگلی صبح تمام امراء نے بھی اس کی تقلید کی۔ شہریار کو اس کے دوست احباب اکیلا چھوڑ گئے اور وہ خود' زنان خانہ کے ایک تہہ خانے میں چھپ گیا۔ وہاں ایک خواجہ سرا نے اسے ڈھونڈ کر باہر نکالا اور باندھ کر داور بخش کے سامنے پیش کر دیا۔ اسے دو یا تین روز تک قید خانے میں رکھنے کے بعد اندھا کر دیا گیا۔ دریں اثناء شاہجہاں آگرہ پہنچا اور ۴ر فروری ۱۶۲۸ء کو ابوالمظفر شہاب الدین محمد کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوگیا۔ اسی دوران لاہور میں اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا اور تمام مساجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ داور بخش' جسے شاہجہان کے حامیوں نے منصوبہ کے تحت بادشاہ بنایا تھا' اسے قید میں ڈال دیا گیا' اور کچھ عرصہ بعد نئے بادشاہ کے حکم سے لاہور میں اسے شہریار کے ہمراہ پھانسی دے دی گئی۔ شہریار ذاتی طور پر بے مثال خوبصورتی کا حامل تھا لیکن اسے ذہنی قوت کو استعمال کرنے پر ملکہ حاصل نہیں تھا۔ چنانچہ مشرقی مورخین نے اسے عرفی طور پر ناشدنی' نیمیرادت کا نام دیا۔ شراب خور دانیال کے دو بیٹوں' ہوشنگ اور تیمور' مراد کے دو بیٹوں اور پرویز کے دو بیٹوں کو سرعام سزائے موت دے دی گئی۔ ان کے جسموں کو لاہور میں ایک باغ میں دفن کرنے کے بعد سروں کو انعام کے طور پر آگرہ میں نئے بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

شاہجہان لاہور میں ۳۰ر ربیع الاول' ۱۰۰۰ ہجری (۱۵۹۲ء) (ا) کو مارواڑ کے رانا راجہ مالدیو المعروف جگت گوسائن کے بیٹے اودھے سنگھ کی صاحبزادی کے بطن سے پیدا ہوا۔ جب اس نے ہندوستان کے بادشاہ کے طور پر اعلان کیا تو اس کی عمر ۳۷ برس تھی۔ تخت نشین ہونے پر اس نے مہابت خاں کو سپہ سالار اعظم کے منصب پر فائز کیا اور آصف خاں کو ایک ملین سٹرلنگ پاؤنڈ سالانہ کے مشاہرے کے ہمراہ اپنا وزیر مقرر کیا۔ اس کی بیٹی اور نورجہاں کی بھتیجی' ممتاز محل' شاہجہاں کی سب سے زیادہ چہیتی اور محبوب بیوی تھی۔ اس کی سفید رنگت آنکھوں کو چندھیا دینے والی تھی اور اس نے اپنی خوبصورتی سے شاہجہاں کو بھی اسی طرح اپنا فریفتہ بنا لیا تھا' جس طرح اس سے پیشتر اس کی پھوپھی نے جہانگیر کو مبہوت کر دیا تھا۔

شاہجہاں کے پہلے اقدامات میں ایک' عام خط و کتابت میں اسلام کے قمری مہینوں کی

بحالی بھی تھا۔ اس کے اسلامی رجحانات نے اسے ترغیب دی کہ وہ ہگلی میں پرتگالیوں کی آبادی پر قبضہ کر لے اور ۵۰۰ یا ۶۰۰ عیسائیوں کو قیدی بنا لے۔ ۱۵۹۹ء میں تعمیر کیے جانے والے بڑے گرجے کو بھی قلعہ اور دیگر مذہبی مقامات کے ساتھ مسمار کر دیا گیا۔ قیدیوں کو آگرہ لے جایا گیا، جہاں ان کے ختنے کیے گئے اور مسلمان بنایا گیا، جبکہ دیگر موت سے ہمکنار ہوگئے۔ بادشاہ نے پرتگیزی خواتین میں سے چند کو اپنے حرم میں شامل کر لیا اور دیگر کو امراء کے حرم سراؤں میں بانٹ دیا گیا۔

شاہجہاں میں عسکری صلاحیتوں کے علاوہ، جاہ و حشمت اور تعمیراتی شان و شوکت کے لیے بھی بہت زیادہ ذوق و شوق پایا جاتا تھا۔ اس کی مہنگی دعوتیں اور قیمتی اسباب خانہ میں بڑی فیاضی دکھائی جاتی تھی، اور ان دنوں میں مشرقی تعیش میں دولت کے مظاہرے میں اس کا کوئی ہمسر نہیں تھا اور اس کے باعث اس عظیم مغل کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

تخت نشینی کی پہلی سالگرہ پر اس کے ۱۶ لاکھ سٹرلنگ پاؤنڈ خرچ آئے اور اس موقع پر کشمیر میں تیار ہونے والے خیموں کے جوڑے کو، مورخ خفی خاں کے مطابق، نصب کرنے کے لیے دو ماہ کا عرصہ لگا۔ اس نے سلطنت کے اہم شہروں کو انتہائی خوبصورت عمارات اور شاندار محلات سے آراستہ کر دیا۔ اس کی مملکت کے سرداروں اور امراء نے بھی اس کی تقلید کی۔

نئی دہلی کی بنیاد ۱۶۳۱ء

دہلی کا پرانا شہر، جو دریائے جمنا کے کنارے تیس میل سے زائد فاصلہ تک پھیلا ہوا تھا، پے درپے حملوں اور لوٹ مار کے باعث ویران ہوگیا تھا۔ شاہ جہاں نے ۱۶۳۱ء میں نئی دہلی کی بنیاد رکھی اور اپنے نام کی نسبت سے اس کو شاہجہان آباد یا "شاہ جہاں کا شہر" کا نام دے دیا۔(۲)

نیا شہر جس کو دریا اور سنگ سرخ کی سات میل قطر کی فصیل نے احاطہ کیا ہوا تھا، اسے بہترین گلیوں، محلات، باغات، مساجد اور نالوں سے آراستہ کر دیا گیا۔

دہلی کے نزدیک جمنا کا پانی بہت زیادہ شورزدہ تھا اور نئی دہلی کے اندرونی علاقہ میں پانی مضر صحت تھا، چنانچہ اس مقصد کے لیے ایک نہر تعمیر کی گئی جو ستر میل کے فاصلے سے فیروز شاہ علاقہ سے شہر کی اہم گلیوں کو تازہ اور صحت افزاء پانی فراہم کرتی تھی۔ ۱۳۵ میل لمبی ایک اور نہر، دریا کے بائیں کنارے پر محل کے سامنے بہتی تھی۔

دونوں نہروں کو، شاہ ایران کے تحت سابق حاکم قندھار علی مردان خاں نے تعمیر کیا،

جس نے اپنے آقا کے ظلم و ستم سے خوف زدہ ہو کر شاہجہاں کے دربار میں پناہ حاصل کر لی تھی۔ بعد ازیں، برطانوی حکومت نے ۱۸۲۰ء میں نہر کو صاف کرا کے ازسرنو شہر میں کھول دیا اور اس موقع پر شہر کے باشندے نہر کو دیکھنے کے لیے باہر آئے اور انہوں نے خوشی کا اظہار کرنے کے لیے مٹھائیاں تیار کیں اور اس میں پھول پھینکے۔

دہلی کا محل

بادشاہ نے نئے شہر میں سنگ سرخ کا ڈیڑھ میل قطر کا ایک قلعہ نما محل تعمیر کیا، جس کے بارے میں بشپ ہیبر نے بیان کیا ہے کہ "میں نے اب تک جتنی شاندار عمارات دیکھیں، یہ ان سب سے بڑھ کر تھا اور یہ ماسکو میں کریملین سے بھی سبقت لے گیا تھا"۔ اس کے اردگرد سنگ سرخ کی چالیس فٹ بلند دیوار تھی جس کے ساتھ کنگورے اور برجیاں تھیں۔ اندرونی طور پر اس کو وسیع و عریض درباروں، سنگ مرمر کے شہ نشینوں سے آراستہ کیا گیا تھا جن پر سنہری گنبد اور برجیاں، ستونوں اور محرابوں سے مزین تھیں اور ان پر نہایت شاندار کندہ کاری کی گئی تھی اور ساتھ چینی کاری، ملمع کاری اور استرکاری سے زیبائش کی گئی تھی اور چھتوں کو اندرونی جانب زردوزی کام کے طلائی اور نقرئی بیل بوٹوں سے سجایا گیا تھا۔ سنگ مرمر کی محرابوں کے ساتھ ایک سادہ اور پاکیزہ مسجد، اسلامی فن تعمیر کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھی۔ اس کے علاوہ حمام اور خوبصورت باغات، جن میں خوشبودار پھول لگائے گئے تھے، انہیں فواروں اور جھرنوں سے ٹھنڈا رکھا جاتا تھا۔ اب پچی کاری کا منقش کام زیادہ تر مسمار ہو چکا ہے۔ نقرئی چینی کاری کی چھت جس پر آنے والی لاگت کا اندازہ ایک لاکھ ستر ہزار سٹرلنگ پاؤنڈ لگایا گیا ہے، ۱۷۵۹ء میں اسے مرہٹوں نے تباہ کر دیا اور انہیں کے باعث یہ گرنا شروع ہو گیا تھا۔

مشہور زمانہ تخت طاؤس

دیوان خاص کے وسط میں، مشہور زمانہ تخت طاؤس رکھا گیا تھا۔ اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا تھا کہ اس کے عقب میں پر پھیلائے دو موروں کے بت آویزاں تھے، اور ان پر زندگی کا اظہار کرنے کے لیے، مناسب رنگوں کے قیمتی جواہرات جڑے گئے تھے۔ یہ تخت ٹھوس سونے کا تھا اور اس کی لمبائی چھ فٹ اور چوڑائی چار فٹ تھی۔ اس پر لعل، زمرد اور ہیرے جڑے گئے تھے۔ اس کے اوپر ایک سنہرے چھپر کھٹ نے سایہ کیا ہوا تھا، جسے بارہ ستونوں نے سہارا دے رکھا تھا۔ وہ سب قیمتی جواہرات سے جگمگاتے تھے۔ چھپر کھٹ کے

گرد' سچے موتیوں کی جھالر لٹکی ہوئی تھی۔ دونوں موروں کے درمیان طوطے کا ایک بت تھا' جسے زمرد سے بنایا گیا تھا۔ تخت کے ہر جانب ایک چھتری نصب کی گئی تھی' یہ بادشاہت کی علامت تھی' اسے قرمزی رنگ کے مخملی کپڑے سے تیار کیا گیا تھا' جس پر سچے موتیوں اور سنہری دھاگے سے نہایت خوبصورت کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ اس کے آٹھ فٹ لمبے دستے' ٹھوس سونے کے تھے اور ان پر ہیرے نصب کیے گئے تھے۔ جوہری فن کے اس بے مثال نمونے کو آسٹیو ڈی بوردیو نے تیار کیا تھا' جو یورپ کے متعدد شہزادوں کو انتہائی مہارت سے تیار کردہ نقلی جواہرات سے دھوکہ دینے کے بعد شاہجہاں کے شاہی دربار میں آ گیا' جہاں اس نے اپنی قسمت بنائی اور وہ بادشاہ کا منظور نظر ہوگیا۔ فرانسیسی باشندہ ٹیورنیئر' جو خود بھی ایک پیشہ ور جوہری تھا' اس نے اس کا جائزہ لیا اور اس کی مالیت کا اندازہ لگاتے ہوئے اسے چھ ملین پاؤنڈ سٹرلنگ کا بتایا۔ بعد ازیں' ایرانی فاتح نادر شاہ' عظیم مغل کے دربار کے اس درخشندہ زیور کو اپنے ساتھ لے گیا۔

جامع مسجد دہلی کی تعمیر ۱۶۵۸ء

۱۶۵۸ء میں شاہجہاں نے اپنے دور حکومت کے آخری سال میں دہلی کی جامع مسجد تعمیر کی' جس کا شمار مشرق کی انتہائی خوبصورت مساجد میں ہوتا ہے۔ اس کو شہر میں سب سے بلند اور ممتاز جگہ پر ۴۵۰ فٹ کے چوکور چبوترے پر تعمیر کیا گیا ہے۔ شاندار زینوں والی سیڑھی کے ذریعے اس پر پہنچا جا سکتا ہے۔ اس کے اردگرد کشادہ محرابیں ہیں اور ڈھول نما گنبدوں کے اوپر خالص سنگ مرمر کے تین گنبد ہیں جو ان میں سے خم کی صورت میں نکلے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۳۰ فٹ بلند دو مینار بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر پر روزانہ اوسطاً ۵ ہزار کاریگر لگائے جاتے تھے اور اسے چھ ماہ کا عرصہ لگا۔ عمارت کی لاگت' ایک لاکھ پاؤنڈ سٹرلنگ تھی۔

تاج محل

شاہجہاں کی جملہ عمارات میں سب سے زیادہ مشہور آگرہ میں ملکہ کا مشہور زمانہ مقبرہ ہے' جسے اس نے اپنی چہیتی ملکہ ممتاز محل کی یاد میں تعمیر کرایا تھا۔ وہ ۱۶۲۹ء میں برہان پور کے مقام پر اپنے آٹھویں بچے کی پیدائش کے دوران فوت ہوگئی۔ اس وقت وہ اپنے خاوند کے ہمراہ تھی' جو خان جہاں لودھی کے خلاف دکن میں ایک مہم پر تھا۔ نیز بادشاہ اپنے انگریز بھائی ایڈورڈ اول کی مانند اپنی شریک حیات کے جسد خاکی کو عروس البلاد میں لے گیا

اور باغ میں ایک مقام پر اس کو دفن کر دیا۔ جامع مسجد کے قریب جس کی آج بھی نشاندہی کی جا سکتی ہے اور یہ تعویذ اور مقبرے کی تیاری تک اٹھارہ برس کے طویل عرصہ تک اسی جگہ رہا۔ یہ مقبرہ ایک بلند چبوترے پر ا-ستادہ ہے۔ اسے سفید سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے اور اس میں قیمتی پتھر نصب کیئے گئے ہیں۔ اس کے کشادہ اور ابھرے ہوئے گنبد کے گرد سفید سنگ مرمر کی متعدد برجیاں ہیں۔ اس سارے ڈھانچے کو چار عظیم محرابوں نے سہارا دے رکھا ہے' جن کی پیشانی کو سیاہ سنگ مرمر میں عربی رسم الخط کی انتہائی خوبصورت عبارات سے مزین کیا گیا ہے۔ ٹیورنیئر' جس نے اس عظیم عمارت کی تعمیر کے آغاز اور تکمیل کا خود مشاہدہ کیا' بیان کرتا ہے کہ اس کی تعمیر پر بیس سال کے عرصہ تک ہر روز بیس ہزار افراد کام پر لگائے جاتے تھے۔ اس حقیقت سے اس کی اتنی زیادہ قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس عمارت پر سات لاکھ پچاس ہزار سٹرلنگ پاؤنڈ لاگت آئی۔ اسی مصنف کے مطابق بادشاہ نے دریا کے دوسرے کنارے پر اپنے مقبرے کی تعمیر بھی شروع کر دی اور دونوں مقبروں کو ایک شاندار پل کے ذریعے منسلک کرنے کا ارادہ بھی کیا لیکن اپنے بیٹے اورنگ زیب کے ساتھ جنگ اور بعد ازیں اس کی گرفتاری نے اسے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا اور جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے جسد خاکی کو اس کی چہیتی بیوی کے قریب دفن کر دیا گیا۔

۱۶۳۴ء میں شاہجہاں براستہ لاہور کشمیر روانہ ہوا' جہاں وہ موسم گرما تک رہا۔ روانگی کی وجہ سے کاشت کاری کو ہونے والے نقصانات کا معاوضہ ادا کر دیا گیا۔

۱۶۳۹ء میں قندھار' جس پر بابر کی پہلی فتح کے زمانے سے مغل بادشاہوں کا قبضہ چلا آ رہا تھا اور جو جہانگیر کے دور حکومت کے ۱۷ویں سال سے ایرانیوں کے قبضہ میں تھا' وہاں کے حاکم علی مردان خاں نے بادشاہ شاہجہاں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے' جس نے اپنے ایرانی آقا شاہ صفی کی ظالمانہ کاروائیوں کے نتیجہ میں بغاوت کر دی اور اس شہر کو مغل بادشاہ کے حوالے کر کے لاہور میں شاہی دربار میں حاضر ہو گیا' جہاں بادشاہ نے بڑے احترام اور شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا۔ علی مردان خاں بڑا باصلاحیت اور طاقتور آدمی تھا۔ اس نے اپنے نئے بادشاہ کے تحت اپنا لوہا منوا لیا' جس نے اسے امیرالامراء کے منصب پر فائز کر کے دریائے سندھ کے پار نہایت اہم عسکری کمان سونپی۔ دہلی میں اس کے نام سے مشہور نہر ابھی تک اس کی واضح شہادت پیش کر رہی ہے اور اس نے سرکاری تقاریب اور تماشوں کے مواقعوں پر جس ذوق و شوق اور شان کا مظاہرہ کیا' اس نے دربار میں اس

کی شہرہ آفاق تعریف و توصیف میں اضافہ کر دیا۔

۱۶۳۹ء میں علی مردان خاں کو پنجاب کا صوبیدار بنا دیا گیا۔ اس نے اپنی تقرری کا افتتاح ایک نہر کی تعمیر سے کیا' جس نے شہر اور ہمالیہ کے درمیانی علاقہ کو سیراب کرنے کے لیے دریائے راوی کا پانی لاہور پہنچایا۔ دربار نے موسم گرما کشمیر میں اور موسم سرما لاہور میں گزارا۔ اسی دوران ایک جلیل القدر پادری' فادر میزک نے لاہور کا دورہ کیا۔ انہوں نے ۱۶۵۳ء میں روم میں شائع شدہ اپنی سرگزشت میں مغلیہ دربار کا مفصل حال اور وہاں کی طرز زندگی کے بارے میں بیان کیا ہے۔ ایک عیسائی راہب فادر جوزف ڈا کیسترو کے توسط سے انہیں وزیراعظم آصف خاں کے عالی شان محل' واقع لاہور میں اس سے ملاقات کا موقع میسر آیا' جس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اسے بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا اور بہترین تصاویر سے آراستہ کیا گیا تھا۔ وزیر نے پادری کا فقید المثال استقبال کیا اور ان کے لیے ایک ضیافت کا انتظام کیا' جس میں عیسائی پادری نے وزیر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور جس میں خود بادشاہ اور شاہی حرم سرا کی متعدد خواتین نے محفل کو رونق بخشی۔ اس ضیافت کا بڑی شان و شوکت سے انتظام کیا گیا تھا اور اس میں حرم کی متعدد خواتین نے بغیر پردہ کے شرکت کی۔ وزیر نے پادری کو ایرانی خربوزوں اور روپوں کے ایک تھیلے کا تحفہ پیش کیا۔ ایک شاہی فرمان جاری کیا گیا' جس میں حالیہ دور میں مسمار ہونے والی چند عبادت گاہوں کی بحالی اور ہگلی کے پادری' فادر انتونیو ڈاکرسٹو کو قید سے رہا کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔(۳)

۱۰ر نومبر ۱۶۴۱ء (۱۷ر شعبان' ۱۰۵۱ ہجری) کو آصف خاں لاہور میں ۷۲ برس کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس کی مشہور زمانہ بہن نورجہاں بھی چار سال بعد اتنی ہی عمر میں اور اسی جگہ فوت ہو گئی اور اسے مقبرہ جہانگیر کے شمال میں دفن کیا گیا۔ وہ شاہجہاں کی چہیتی بیوی' ممتاز محل کا والد تھا اور اس سے یمین الدولہ خان خاناں سپہ سالار کا خطاب حاصل کیا۔ وہ ۹ ہزاری منصب پر فائز تھا۔ لاہور میں واقع اپنے شاندار محل کے علاوہ' جس میں عیسائی پادری میزک نے اس سے ملاقات کی تھی' اس نے بہت بڑی دولت اپنے پیچھے چھوڑی۔(۴)

بلخ پر حملہ' ۱۶۴۴ء

۱۶۴۴ء میں علی مردان خاں مغلیہ فوجوں کو بلخ اور بدخشاں میں لے گیا اور دور و نزدیک کے علاقے کو تہہ و بالا کر دیا لیکن آخرکار موسم سرما کی شدت نے اسے مراجعت پر

مجبور کر دیا۔ جرنیل کی امداد کے لیے راجہ مان سنگھ کے بیٹے جگت سنگھ کی قیادت میں ۱۴ ہزار راجپوتوں کو روانہ کیا گیا۔ یہ پڑھنا انتہائی دلچسپ ہوگا کہ ان بہادر ہندو جنگجوؤں نے کس طرح بردبار اسلامی حکومت سے ہمدردی کی اور اپنے تعصبات سے قطع نظر برف پوش اور دشوار گزار پہاڑی دروں پر ہلہ بول دیا اور مورچے تعمیر کرنے کے لیے تن دہی سے کام کیا۔ راجہ بھی دوسروں کی مانند ایک کلہاڑی اٹھائے ہوئے تھا اور ان منجمد علاقوں میں غضب ناک ازبکوں کے خلاف بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے اپنے آدمیوں کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ اس دوردراز مہم کے مقابلے میں اس قدیم جنگجو قوم کی شجاعت اس سے پہلے کبھی بھی اتنی زیادہ نمایاں ہو کر سامنے نہ آ سکی۔ آب و ہوا کی شدت کے باوجود نہایت شاندار اور بے شمار فتوحات حاصل کی گئیں۔ بادشاہ اپنے جرنیلوں کی مدد کے لیے کابل کی طرف روانہ ہوا لیکن دوردراز کے علاقوں میں ان بے سود مہمات میں جانی اور مالی نقصانات سے واقف ہونے کے بعد وہ مجبور ہوگیا کہ اس صوبہ کو نذر محمد کے حوالے کر دے۔ حقیقت میں اسی کے اکسانے پر بادشاہ نے اس مہم کو شروع کرنے کا لالچ کیا تھا۔ بلخ سے کابل تک اورنگ زیب کی مراجعت بہت زیادہ نقصان زدہ تھی اور ہندوستانی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ برف میں تباہ ہوگیا۔

قندھار پر قبضہ

تقریباً ۱۶۴۹ء کے اختتام پر ایرانیوں نے اڑھائی ماہ کے محاصرے کے بعد قندھار پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب اور وزیر علامی سعداللہ حملہ آوروں کو نکال باہر کرنے کے لیے پنجاب سے روانہ ہوئے لیکن آب و ہوا کی سختی اور پہاڑی درے برف سے ڈھکے ہونے کے باعث انہیں بہت زیادہ تاخیر ہوگئی جس کی بناء پر وہ شہر کو بچا نہ سکے۔ شاہجہاں اورنگ زیب کے پیچھے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ شہزادے اور وزیر نے ۶۰ ہزار گھڑسواروں اور ۱۰ ہزار پیادہ فوج کے ہمراہ چار ماہ تک اس جگہ کا محاصرہ کیا لیکن شہر کو بازیاب کرانے میں انہیں ناکامی ہوئی۔ محاصرہ اٹھانے کے بعد شاہجہاں کابل سے لاہور روانہ ہوا۔

تبت کی طرف مہم ۱۶۵۰ء

۱۶۵۰ء میں دربار لاہور ہی میں رہا اور تبت، سکردو کی طرف روانہ کی گئی تازہ مہم کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۶۵۱ء میں دربار واپس کابل آگیا اور اگلے سال شہزادہ اورنگ زیب اور وزیر علامی سعداللہ نے بے شمار اور جدید ہتھیاروں سے مسلح فوج اور محاصرے کے توپ

خانہ کی مدد سے ازسرنو قندھار کا محاصرہ کرلیا۔ ہر ذریعے کی ناکامی کے بعد شہزادہ دوبارہ مجبور ہوگیا کہ وہ ناکام واپس کابل کی طرف لوٹ جائے اور اس کے بعد اسے بطور صوبیدار دکن روانہ کر دیا گیا۔ اب بادشاہ کے سب سے بڑے بیٹے دارا شکوہ نے رضاکارانہ طور پر قندھار کی طرف ایک تازہ مہم کا بیڑا اٹھایا' لہٰذا پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ اور شاندار فوج کے ہمراہ ایک تازہ توپ خانے کو اس کی کمان میں دے دیا گیا۔ فوجیں ۱۶۵۲ء کے موسم سرما میں لاہور میں جمع ہوئیں اور اگلے سال موسم بہار میں انہوں نے اپنی پیش قدمی شروع کر دی۔ بادشاہ بھی فوجوں کے پیچھے کابل روانہ ہوا۔ کاروائیوں کو اس وقت شروع کیا گیا' جب شاہی نجومیوں نے اس وقت کو نہایت مبارک بتایا۔ محاصرے کو انتہائی زور شور کے ساتھ پانچ ماہ تک برقرار رکھا گیا' لیکن اس کا اختتام بھی اس سے پیشتر پہلے دو تجربات کی مانند مایوسی پر ہوا۔ دارا اپنے بہترین دستوں سے محروم ہونے کے بعد واپس جانے پر مجبور ہوگیا اور اسے اپنے بھائی سے زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ مغلوں کی جانب سے قندھار کو بازیاب کرانے کے لیے یہ آخری کوشش تھی۔ اس کے بعد دہلی دربار کے ساتھ اس کا الحاق نہ ہو سکا۔

اطالوی طبیب مینوسی کا دورہ

غالباً اسی دوران اطالوی طبیب مینوسی نے شاہ جہاں کے دربار کا دورہ کیا۔ وہ بادشاہ کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ وہ ساٹھ برس کی عمر کا تھا اور نمود و نمائش کا شوقین' لیکن روشن خیالات اور جاہ و جلال کا حامل تھا۔ تخت طاؤس ابھی تک شاہی خاندان کے افراد سے گھرا ہوا تھا اور بادشاہ اور ان کے درمیان مکمل یگانگت اور ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ بادشاہ اپنے نہایت قیمتی وزیروں' آصف خاں اور مہابت خاں سے محروم ہوچکا تھا لیکن یہ صرف سرکاری فرائض کی ادائیگی کے لیے اسے چاق و چوبند رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بادشاہ کے چار بیٹے تھے اور یہ سب عظیم ترین سلطنت کے تخت کو آراستہ کرنے کے لیے نہایت مناسب اور باکمال تھے۔ سب سے بڑا بیٹا دارا جو ضعیف بادشاہ کا چہیتا تھا اور اس کے قریب رہتا تھا۔ لہٰذا اسے حکومت کا بہت بڑا حصہ عنایت کیا گیا تھا۔ وہ بلند حوصلہ اور آزاد خیال شہزادہ تھا اور اپنے پڑدادا کی طرح آزاد خیال ہونے کے علاوہ اس میں ہندوؤں کے علم و فضل کی تحصیل اور یورپی اطوار اور طرز خیال کو اپنانے کا ذوق و شوق موجود تھا۔ دوسرا بیٹا شجاع جو بنگال کا صوبیدار تھا' شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ رنگ رلیوں اور عیش و نشاط کا عادی تھا۔ اگرچہ وہ نرم مزاج کا حامل تھا لیکن اس کے علاوہ بہادر بھی تھا اور

جوانی ہی سے اسے انتظامی اور فوجی کمان سونپی جاتی رہی۔ اس نے شاہ ایران سے خط و کتابت کی اور سرکردہ ہندو راجاؤں سے خفیہ جان پہچان قائم کر لی۔ تیسرا بیٹا اورنگ زیب جو دکن میں صوبیدار تھا' وہ اپنے بھائیوں سے قطعی مختلف کردار کا حامل تھا۔ وہ نہایت قابل' چست و چالاک' پرعزم اور منصوبہ ساز تھا۔ اس کا مزاج اعتدال پسندانہ تھا اور وہ ہر قسم کی عیاشی اور رنگ رلیوں سے دور ہو کر مکمل طور پر کاروبار سلطنت میں مشغول ہوگیا تھا۔

وہ خدا رسیدہ اشخاص کے ساتھ مذہبی بحث مباحثہ کرتا اور اسے اس بات کی شدید خواہش تھی کہ وہ ایک عظیم بادشاہ کی بجائے ایک فقیر یا درویش کہلائے۔ اپنا وقت زیادہ تر عبادت' ریاضت و مجاہدے' نماز اور قرآن پاک کی تلاوت میں بسر کرتا تھا اور اس نے اس حد تک دعویٰ کر دیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے روزی کمائے گا۔ بعدازیں اس نے دنیا کو تیاگ کر الگ تھلگ ہونے کا اعلان کر دیا اور حج کے لیے مکہ مکرمہ جانے کی تیاری کرنے لگا لیکن اس کے والد نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا' جو اس بات سے قطعی ناآشنا تھا کہ یہ عیار نوجوان بعد میں اپنے آپ کو ایک خطرناک حریف ثابت کرے گا۔ اورنگ زیب نے اپنے پرعزم منصوبہ جات کو مذہب کے پردے میں چھپا لیا۔ گجرات کا صوبیدار مراد نہایت عالی شان' مغرور' بہادر اور فیاض تھا۔ بادشاہ کی اسی بیوی سے (تاج محل کی خاتون) جو چاروں بیٹوں کی والدہ تھی' دو بیٹیاں بھی تھیں۔ دونوں غیر شادی شدہ تھیں اور اطالوی طبیب کے دورے کے وقت اس کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ بڑی لڑکی جہاں آراء' جسے شاہ بیگم بھی کہا جاتا تھا' اس نے اپنے آپ کو اپنے بادشاہ باپ کے لیے وقف کر دیا تھا اور ہر وقت اس کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی عمر تیس برس تھی۔ وہ مسحور کن حسن و جمال اور اعلیٰ کمالات کی حامل تھی اور دارا شکوہ کے مفادات کی حامی تھی۔ چھوٹی بیٹی روشن آراء خوبصورتی میں کم تھی اور حرم کے رازوں کے بارے میں نہایت باریک اور زیادہ علم رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ نہایت مشکل وقت میں اورنگ زیب کو محل کے معاملات سے باخبر رکھتی تھی۔

بادشاہ کو علامی سعداللہ خاں کے انتقال سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ وہ ۹ر اپریل ۱۶۵۶ء کو فوت ہوا۔ بردبار اکبر کے دور سے ہندوستان نے جن قابل اور بہترین وزیروں کو پیدا کیا تھا' وہ ان سب میں قابل ترین اور نمایاں تھا۔ بادشاہ نے اس کے صرف گیارہ سالہ بیٹے کو ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائی اور خفی خاں کے مطابق اس کے دور میں اس کی اولاد

نے اپنے جد امجد کے انتقال کے ایک صدی بعد بااعتماد اور اعلیٰ منصب حاصل کیے۔

۱۶ اپریل ۱۶۵۷ء کو بادشاہ کو اپنے ایک اور قابل ترین اور وفادار ملازم وزیراعظم علی مردان خاں کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا' جس کو میدان جنگ اور دربار دونوں میں نہایت باصلاحیت افسر سمجھا جاتا تھا۔ وہ کشمیر جاتے ہوئے راستے میں انتقال کر گیا اور اسے لاہور کے قرب و جوار میں دفن کیا گیا۔

اسلامی رجحانات کے باوجود شاہجہاں کی اصل ہندو تھی۔ (اس کی رگوں میں چغتائی خون بہت کم تھا کیونکہ اس کی والدہ اور اس کی دادی دونوں ہندو تھیں) اس لیے بہت سی باتوں میں اس کے اندر ہندوانہ رجحانات موجود تھے۔ ہر صبح وہ جھروکہ میں نمودار ہوتا' جو اوپر سے میدان کی طرف کھلتی تھی' جہاں وہ ابھرتے ہوئے سورج کو خراج عقیدت پیش کرتا۔ نیچے کھڑے ہوئے ہر منصب کے لوگ اسے خراج عقیدت پیش کرتے۔ کسی کو دکھانے کا یہ طریقہ اس ملک کی زبان میں درشن کہلاتا ہے اور اسی طرح قدیم ہندو بادشاہوں کے ادوار میں بھی موجود تھا۔

جشن نوروز

ایران کے بادشاہ جمشید کی تقلید میں وہ سال نو کے دن' جسے نوروز کہا جاتا تھا' ایک بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کرتا اور اس وقت بادشاہ کو سونے' چاندی اور جواہرات کے برابر تولا جاتا اور اس سب دولت کو دربار کے امراء میں بانٹ دیا جاتا۔ ان مواقعوں پر ہیرے جواہرات اور سونے کے بھرے تھال' اس کے اوپر سے نچھاور کر دیئے جاتے اور انہیں فرش پر بکھیر دیا جاتا۔ درباری اس موقع پر اپنے مراتب اور مناصب کو فراموش کر کے ان پر جھپٹ پڑتے۔ اکبر نے بادشاہت کی علامت کے طور پر ایک طلائی سورج بنوایا ہوا تھا' جس میں جواہرات نصب کیے گئے تھے۔ اسے اس کے تخت پر نصب کیا گیا تھا۔ شاہجہاں نے بادشاہت کی علامت کے طور پر سونے اور جواہرات سے مزین مور کا بت بنوایا ہوا تھا۔ یہ قدیم بدھوں' برہمنوں اور راجپوت راجاؤں کا نشان تھا۔ شاہجہاں نے ہندو راجاؤں کی رسم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے سرکاری عمارات کی بنیاد انسانی خون پر رکھی۔ جب دہلی میں نئے شہر اور محل کی بنیادیں رکھی گئیں تو متعدد مجرموں کو ذبح کر دیا گیا اور ان کا لہو بنیادوں پر بہایا گیا۔ پتھر کے ہاتھیوں پر دو راجپوتوں کے سنگین مجسمے سوار دکھائے گئے تھے اور انہیں صدر دروازے پہ اس طرح نصب کیا گیا تھا کہ ان کے رخ محل کے عظیم چبوترے کی طرف تھے۔ یہ دراصل ان قدیم ہندو راجاؤں کی رسم کی نقل تھی جو اپنے سرپرست دیوتاؤں کے

طور پر اپنے محلوں اور مندروں کے دروازوں پر ہاتھیوں کے دیوہیکل بت نصب کرتے تھے۔ محل پر راجپوتوں کا پہرہ ہوتا تھا۔ شاہجہاں جس سے زیادہ کوئی بادشاہ تعیش کا شوقین نہیں تھا' موسم سرما آگرہ میں گزارتا اور موسم گرما کشمیر کی خوبصورت وادی میں' جہاں وہ مختلف تفریحات سے دل بہلاتا تھا۔ اگرچہ لاہور اب سلطنت کا دارالخلافہ نہیں تھا لیکن اب بھی اسے بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اپنی جائے پیدائش ہونے کے باعث بادشاہ کو اس سے بڑی وابستگی تھی اور وہ کشمیر جاتے اور واپس آتے وقت اپنا دربار یہیں منعقد کرتا تھا۔

یہ دریائے سندھ کے پار جانے والی افواج کے ملنے کی جگہ اور اسلحہ خانہ تھا اور اس کی جسامت' دولت اور شان و شوکت بڑھتی رہی۔ اس نے آصف خاں کی نگرانی میں محل کو وسیع کیا اور خوبصورت بنایا اور اس کے علاوہ ثمن برج یا "شیش محل" بھی تعمیر کرایا۔ یہاں پر بادشاہ اپنے آپ کو ایک جالی دار کھڑکی میں پیش کرتا' جس کے نیچے لوگوں کا انبوہ کثیر جمع ہوتا تھا اور ان کے علاوہ امراء اپنے بادشاہ کے احکامات وصول کرنے کے لیے آتے تھے۔

جشن نوروز کے ہر تہوار پر ایک رنگارنگ میلے کا انعقاد کیا جاتا تھا' جس میں امراء کی صاحبزادیاں اور بیویاں' سوزن کاری اور دیگر دستکاریوں کی دکانیں کھولتیں اور اپنی خوبصورت اشیاء کو فروخت کرنے کے لیے وہاں رکھتیں۔ شاہی گھرانے کی بیگمات اور خواتین میلے میں شریک ہوتیں اور بادشاہ اور اس کی حرم اسباب خریدتے۔

بادشاہ کا محل یا حرم سرا' جو شہ نشینوں اور باغات کی ایک جنت تھا' اس نے شاہی حمام اور جھروکہ کھڑکی کے درمیان محل کے ایک بہت بڑے رقبہ کو گھیرا ہوا تھا۔ یہ بے شمار ایوانوں اور محرابی کمروں پر مشتمل تھا' جن کے دروازے باغات اور فواروں کی طرف کھلتے تھے۔ بادشاہ کی حفاظت عورتوں کی ایک فوج کرتی تھی' جو ایک سو تاتاری عورتوں پر مشتمل تھی۔ بادشاہ کی خاتون محافظائیں ایک عورت کے زیر قیادت تھیں' جو سلطنت کے ایک امیر کے برابر تنخواہ وصول کرتی تھی۔ ہر ملکہ اور شہزادی کا اپنا عملہ تھا جو دوشیزاؤں اور کنیزوں کی جماعتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ یہ دوشیزائیں' بادشاہ اور حرم کی خواتین کے سامنے موسیقی کے آلات بجاتیں' گانا گاتیں اور ناچتی تھیں۔ حرم سرا دو ہزار عورتوں پر مشتمل تھا اور سوائے بادشاہ' مہمان خواتین اور خواجہ سراؤں کے کوئی ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ یہ سازش کا ایک جال تھا' جس میں صوبیداروں اور درباری امراء کی جانب سے حرم سرا کی خواتین کے لیے تحفے تحائف لائے جاتے تھے۔ ٹیورنیئر سندھ کے صوبیدار کے

معاملہ کے بارے میں ذکر کرتا ہے کہ اس کے ظلم و ستم اور استیصال کے بارے میں بہت زیادہ شکایات موصول ہو رہی تھیں۔ اسے آگرہ بلایا گیا۔ لہٰذا لوگوں کو توقع تھی کہ اس کے ناروا رویے کے پیش نظر اسے پھانسی دے دی جائے گی۔ تاہم اس نے بادشاہ کی بڑی صاحبزادی بیگم صاحب کو بیس ہزار اور بادشاہ کو پچاس ہزار طلائی مہریں پیش کیں۔ لہٰذا نہ صرف اس کا قصور معاف کر دیا گیا' بلکہ اسے ایک متمول صوبے الہ آباد کا صوبیدار بنا دیا گیا۔

۱۶۵۷ء میں جب بادشاہ دہلی میں رہائش پذیر تھا تو وہ اچانک ایک زبردست بیماری میں مبتلا ہوگیا۔ وہ کئی دنوں تک بیہوش رہا اور اس کی صحت یابی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ دارا نے بطور قائم مقام سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسی کے باعث اس کے دوسرے بھائی اس سے حسد کرنے لگے۔ سب سے پہلے شجاع میدان میں اترا۔ وہ بنگال سے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا۔ گجرات کے صوبیدار مراد نے سرکاری خزانے پر قبضہ کر لیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اورنگ زیب جو فریب کاری میں بڑا ماہر تھا اس نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا۔ اس نے جھوٹ موٹ مراد کے حق میں دستبردار ہونے کا اعلان کرتے ہوئے اپنے خطوط میں اسے کہا: "میں اس دھوکے باز اور ناپائیدار دنیا کی حکومت میں حصہ لینے کی ذرا بھی خواہش نہیں رکھتا۔ میری صرف یہی خواہش ہے کہ میں خانہ کعبہ کی زیارت کر لوں"۔ ان دعووں نے مراد کو ترغیب دی کہ وہ اپنی فوجوں کو اس ریاکار کی فوجوں کے ساتھ شامل کر دے لہٰذا متحدہ فوجوں نے دارا اور شجاع کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے ایک چال کے ذریعے مراد کو قیدی بنا لیا اور اسے گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا گیا جہاں اسے سزائے موت دے دی گئی۔ شاجہاں اب اس حد تک صحت یاب ہوگیا تھا کہ حکومت کا انتظام سنبھال سکے لیکن اب خانہ جنگی کا شعلہ بھڑک چکا تھا اور اسے بادشاہ کی اپنی کوششوں کے باوجود دبایا نہ جا سکا۔ بادشاہ نے شجاع کو اپنے ہاتھ سے خطوط لکھے اور اسے حکم دیا کہ وہ اس کی حکومت میں واپس آ جائے لیکن اس شہزادے نے آگرہ کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ حتیٰ کہ دریائے گنگا کے کنارے اس کا سامنا دارا کے بیٹے سلیمان شکوہ سے ہوا۔ اسے شکست دے کر واپس بنگال جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ جون ۱۶۵۸ء کے آغاز میں دارا اپنے بھائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آگرہ سے روانہ ہوا لیکن چمبل کے مقام پر اسے مکمل طور پر شکست دے دی گئی اور مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ دہلی کی جانب فرار ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔

ضعیف بادشاہ دارا کے حق میں دستبردار ہوگیا' لیکن اورنگ زیب نے دہلی کی طرف دارا کی ہجرت کے بعد فوری طور پر آگرہ شہر پر قبضہ کر کے شاہجہاں کو اس کے محل میں قید کر دیا۔ دہلی کے حاکم نے دارا کے لیے قلعہ کے دروازے بند کر دیئے' جو اس وقت تیزی سے لاہور کی جانب روانہ ہوگیا تھا۔ یہاں اس نے سرکاری خزانے پر قبضہ کر لیا' جو بے شمار رقم پر مشتمل تھا۔ شاہ جہاں نے اس کو سونے چاندی کے سکوں سے لدے ہوئے دس اونٹ روانہ کئے۔ اس سے دارا نے اپنی منتشر فوج کو اکٹھا کرنا اور دوبارہ بھرتی کرنا شروع کر دیا' لیکن ہوشیار و چالاک اورنگ زیب نے دہلی کے معاملات کو درست کرنے کے بعد لاہور کی طرف پیش قدمی کر دی اور دارا اس کی آمد کے بارے میں سننے پر ۳ ہزار یا ۴ ہزار گھڑ سواروں کے ہمراہ لاہور سے روانہ ہوگیا۔ اس نے سندھ جاتے ہوئے ملتان کے راستے کو اختیار کیا۔ دریں اثناء شجاع ۲۵ ہزار گھڑ سواروں اور بے شمار توپ خانے کے ہمراہ بنگال سے بنارس کی طرف روانہ ہوا۔ اورنگ زیب نے الہ آباد اور اتاوا کے راستے میں واقع کجوا کے مقام پر اس سے جنگ کی اور مکمل طور پر شکست دے دی۔ دارا دریائے سندھ پر بھکر کے مقام پر اپنا مال اسباب چھوڑ کر دکن میں واقع گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں کا حاکم شاہنواز خاں اس کے ساتھ مل گیا تو اسے بشمول سورت اور بروچ کے پورے صوبہ میں بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اورنگ زیب جو اس وقت جے پور میں تھا' اس نے گجرات کی کاروائیوں کے بارے میں سنا تو اس طرف روانہ ہوا۔ اس نے دارا پر حملہ کر کے اسے شکست دی' جو بہت زیادہ نقصان اٹھا کر سندھ کی طرف فرار ہوگیا۔ اس نے قندھار کی طرف پیش قدمی جاری رکھی لیکن سندھ کی مشرقی سرحد پر ایک چھوٹے سے علاقہ جن میں وہ اپنی باوفا بیوی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس نے اس کی نعش کو ایک چھوٹے سے حفاظتی دستے اور اپنے دو انتہائی بااعتماد نوکروں کے ہمراہ لاہور میں دفن کرنے کے لیے روانہ کیا اور جب سوگ کا عرصہ ختم ہوگیا تو اس نے دریائے سندھ کی جانب اپنا سفر شروع کر دیا۔ تاہم جن کے سردار نے اسے دھوکہ دیا اور اس کے بیٹے سپہر شکوہ کے ہمراہ اسے اورنگ زیب کے سامنے پیش کر دیا۔ اسے بھاری زنجیریں پہنا کر دہلی لایا گیا اور بادشاہ کے خصوصی احکامات سے اسے بغیر ہودے کے ایک حقیر ہاتھی پر سوار کرایا گیا اور بڑی بڑی گلیوں میں گشت کرایا گیا اور ایک نقلی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا گیا' جس نے اسے دین سے منحرف قرار دیا۔ دونوں باپ بیٹا کو پرانی دہلی کے قدیم قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اس پر وہ افغان پہرہ دیتے تھے' جنہوں نے دارا سے دغابازی کی تھی۔ قانون دانوں نے دارا کو سزائے موت سنائی اور

اورنگ زیب نے بظاہر ہچکچاہٹ کے ساتھ اس کی توثیق کر دی۔ ایک ذاتی دشمن کو ہدایت کی گئی کہ وہ اس حکم پر عمل درآمد کرائے۔ اس وقت دارا اور اس کے بیٹے نے مقابلہ کرنے کی تیاری کر لی۔ جلادوں کو دیکھ کر دارا نے اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹے سے چاقو کے ساتھ زبردست مزاحمت کی' لیکن بہت زیادہ افراد کے باعث وہ مغلوب ہو کر نیچے گر پڑا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ اس کے دھڑ کو ایک ہاتھی پر ڈال کر لوگوں کے سامنے نمائش کی گئی جبکہ اس کا سر اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا' جس نے اپنی موجودگی میں اسے پونچھ کر صاف کیا اور اس کی شناخت سے مطمئن ہو کر آنسو بہانے لگا۔ تب اس کو ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کر دیا گیا۔ سپہر شکوہ کو گوالیار روانہ کر دیا گیا اور وہاں اسے ایک سرکاری قیدی کی حیثیت سے رکھا گیا۔ شجاع' میر جملہ سے شکست کھانے کے بعد ڈھاکہ کی طرف فرار ہوگیا۔ وہاں سے اس نے اپنی بیوی' دو بیٹوں اور تین بیٹیوں کے ہمراہ اراقن کا رخ کیا۔ اراقن کے راجہ نے اس بدقسمت شہزادے کی خوب خاطر تواضع کی' لیکن اس کے ساتھ اس نے اس کی ایک بیٹی کا رشتہ مانگ لیا۔ اس درخواست کو رد کر دیا گیا اور شجاع نے مسلمان رعایا کی مدد سے اراقن کے تخت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا لیکن جب اس منصوبے کا پتہ چلا لیا گیا تو شجاع پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا اور اس کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکا۔ راجہ نے شہزادوں کے سر کند کلہاڑوں سے کٹوا دیے اور شہزادیوں کو بھوکا رکھ کر ہلاک کر دیا۔ دارا اور شجاع کا اس طرح عبرتناک انجام ہوا۔

اپنے بیٹے اورنگ زیب کی طرف سے اپنی معزولی کے بعد شاہجہاں اسی برس کی عمر میں ۲۲ر جنوری ۱۶۶۶ء کو فوت ہوا۔ آگرہ میں اس کی رہائش کے لیے ایک محل مہیا کیا گیا تھا' جس پر سخت پہرا ہوتا تھا اور اس کی باقی ماندہ زندگی میں اس کی بڑی تکریم و تعظیم کی گئی۔ محل میں اس کو مکمل اختیار تھا اور ایک وسیع عملہ اس کی خدمت پر مامور تھا۔ اس نے شاہی جواہرات کو اپنے نافرمان بیٹے سے چھپا لیا اور جب موخرالذکر نے ان کا تقاضا کیا تو اس نے دھمکی دی کہ اگر انہیں حاصل کرنے کے لیے مجبور کرنے کی کوشش کی گئی تو ہتھوڑے بالکل تیار ہیں کہ انہیں پیس ڈالیں۔ اورنگ زیب نے بڑے تحمل سے اپنے مطالبے کو واپس لے لیا۔ ایک دوسرے موقع پر اورنگ زیب نے اپنے بیٹے اکبر کے لیے دارا کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ شاہجہاں نے اس نوجوان لڑکی کو وہاں سے بھیجنے پر انکار کر دیا' جس نے اپنے پاس ایک خنجر چھپایا ہوا تھا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ وہ اپنے باپ کے قاتل کے بیٹے کو اپنا ہاتھ تھمانے کی بجائے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے گی۔ اس پر اورنگ زیب خاموشی

سے اپنے مطالبے سے باز رہا۔ معزول بادشاہ کی چہیتی بیٹی جہاں آراء نے قید کے دوران اپنے باپ کی بڑی دلجوئی کی اور ہر طرح اس کا خیال رکھا۔ وہ اپنی خوابگاہ کی کھڑکی سے اپنی بیوی کے مقبرے کا نظارہ کرتا تھا اور اس کے آخری لمحات بھی اسی نظارے کے باعث فرحت بخش بن گئے۔

اس کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل اورنگ زیب نے شاہجہاں کے پاس چند فرمانبرداری کے خطوط روانہ کئے، جسے مائل کیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو چند راج گہنا جواہرات بھیجے۔ اورنگ زیب نے اس کرم فرمائی اور مہربانی کے اعتراف میں ضعیف بادشاہ کے علاج کے لیے ایک یورپی طبیب کو روانہ کیا۔ اس طبیب کا نام نہیں بتایا گیا، لیکن اسے ایک سے زیادہ مرتبہ زہر دینے کے کام پر لگایا گیا اور اسے حکومت میں اعلیٰ منصب عطا کیا گیا۔ جلد ہی شاہجہاں کی وفات کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ واقعہ رات کو اس وقت پیش آیا جب اورنگ زیب مطمئن ذہن کے ساتھ کشمیر کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار تھا۔ یہ شبہہ دور نہ کیا جا سکا کہ بوڑھے بادشاہ کو زہر دے کر راستے سے ہٹایا گیا ہے۔ اورنگ زیب کی سب سے بڑی بیٹی فخرالنساء نے اس موقع پر اپنے باپ کو مبارک باد دی۔ ماتمی رسومات نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منائی گئیں۔ آگرہ میں پوری فوج نے ماتمی لباس پہن کر جلوس کی شکل بنائی ہوئی تھی اور اورنگ زیب بھی ماتمی گاڑی کے پیچھے انتہائی غمگین حالت میں آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ، اپنی والدہ کے مشہور و معروف مقبرے کی طرف چل رہا تھا، جہاں اس بدقسمت بادشاہ کے جسد خاکی کو اس کی محبوب بیوی کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ چنانچہ شاہجہان کا انتقال ہوگیا۔ اس عالی شان بادشاہ نے کبھی ہندوستانی سلطنت کی مقسوم پر حکومت کی تھی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو وہ ۷۴ برس کا تھا اور اس نے تیس سال تک حکومت کی۔

تمام مورخین تعریفی اصطلاح میں بات کرتے ہوئے اس بات پر متفق ہیں کہ شاہجہاں کے دور حکومت میں ہندوستان بہت خوشحال تھا۔ لاہور شہر کے دل میں وزیر خاں جیسی عالی شان مسجد کی موجودگی سرکاری اور نجی دولت کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ شاہجہاں نے لاہور کے محل میں بہت سے قیمتی اضافے کئے۔ لاہور اور کشمیر میں شالامار باغ لگوائے، جن کا ذکر مور کی تصنیف "لالہ رخ" میں کیا گیا ہے۔ یہ وہی تھا، جس نے نئی دہلی کی بنیاد رکھی اور اس کو قلعہ نما محل اور ایک شاندار مسجد سے آراستہ کیا، جو مشرق میں سب سے عمدہ ہے۔ ہندوستان اس کا مشکور ہے کہ اس نے آگرہ میں انتہائی شاندار عمارت تاج محل تعمیر کرائی،

جو تاریخی اہمیت کی ایک اہم یادگار ہے اور اپنے ساتھ وابستہ پرتجسس خوبصورتی کے باعث پوری دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ پوری دنیا اس کی تعریف و توصیف کرتی ہے اور یہ ہندوستان میں فن تعمیر کی شان اور فخر ہے۔

ایک ماہر مالیات کی حیثیت سے وہ اپنے وسیع و عریض عملے کا نہایت ہوشیاری سے انتظام کرنے کی شہرت رکھتا تھا۔ کرناٹک کی سرحدوں سے بلخ اور تبت کی سرحد تک شروع کی جانے والی انتہائی مہنگی مہمات کے باوجود اپنے شاندار تماشوں اور مہنگی ترین ضیافتوں کے باوجود سرکاری کاموں کے اوپر آنے والے تمام اخراجات کے باوجود' جو بہت زیادہ تھے اور اس سے پہلے کسی ایک بادشاہت میں نہیں کئے گئے تھے' اوقات معین پر کشمیر کی طرف بھیجی جانے والی مہمات اور ۲ لاکھ گھڑ سوار فوج کا انتظام کرنے کے لیے آنے والے اخراجات کے باوجود اس نے اپنے دور حکومت کے اختتام پر ایک ایسا خزانہ چھوڑا جس کا تخمینہ ۲۴ کروڑ روپے لگایا گیا۔ اس کے علاوہ خالص سونے چاندی اور سچے موتیوں کے وسیع انبار تھے۔

فرانسیسی سیاح ٹیورنیئر' جس نے شاہجہاں کے دور حکومت میں ہندوستان کے زیادہ تر علاقوں کا مسلسل دورہ کیا۔ وہ اس کے بارے میں کہتا ہے کہ "اس نے اپنی رعایا پر بادشاہ کی طرح حکومت نہیں کی' بلکہ اس طرح کی جس طرح ایک باپ اپنے خاندان اور بچوں سے سلوک کرتا ہے"۔ اس کے دور حکومت میں بہت زیادہ خوش حالی اور تحفظ کے بارے میں ٹیورنیئر کہتا ہے: "وہ ایک عظیم بادشاہ تھا' جس کے دور حکومت میں انتظامی حکومت میں اور خاص طور پر شاہراؤں پر اس قدر سخت حفاظتی انتظام تھا کہ کسی بھی موقع پر کسی شخص کو ڈاکے کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا گیا"۔

ایلیفن سٹون' جسے تمام یورپی سیاحوں پر اختیار حاصل ہے (۵) کہتا ہے: "اور نہ ہی یہ خوش حالی صرف شاہی رہائش گاہوں تک محدود تھی۔ جملہ سیاح شہروں اور حتیٰ کہ دور دراز صوبوں کے شہروں کی شان و شوکت اور ان کے علاقوں کی پیداوار اور زرخیزی کے بارے میں بڑے تعریفی انداز میں بات کرتے ہیں"۔ ہمارے پاس اطالوی طبیب مینوسی کی شہادت بھی ہے' جو ۱۶۴۹ء میں ہندوستان آیا اور یہاں ۴۸ سال کے طویل عرصہ تک قیام پذیر رہا۔ اس کی سرگزشت میں شاہجہاں اور اس کے خاندان کے بارے میں مکمل عینی شاہد بیان موجود ہے۔ جان البرٹ ڈی مینڈ۔بلسلو' جو ڈیوک آف ہولسٹین کے پاس خواص کے طور پر خدمات سرانجام دے چکا تھا' وہ شاہجہاں کے دور حکومت کے دسویں سال ۱۶۳۸ء میں

ہندوستان آیا' وہ سلطنت کی انتہائی خوشحالی اور اس کے بڑے شہروں کی دلکشی اور امارت کے بارے میں بیان کرتا ہے۔ اس نے شاہی محلات اور طرز زندگی کے بارے میں واضح بیان دیا ہے۔

فرانسیس برنیئر' جس نے ۱۶۵۵ء - ۱۶۶۷ء کے دوران انتہائی سیاسی بصیرت کے ساتھ ہندوستان کی سیاحت کی' وہ شاہجہاں کے دور حکومت میں ہندوستان کی حکومت کے سفرنامہ میں ایک انتہائی دلچسپ بیان دیتا ہے۔ حساب دان' رائے بہارامل درآس اور اورنگ زیب کے دور کا مورخ' خفی خاں دونوں شاہجہاں کے انصاف اور لوگوں کا خیال رکھنے کے باعث اس کی ستائش کرتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱) تزک جہانگیری۔

(۲) نئی دہلی کی بنیاد رکھنے پر شاہجہاں نے مندرجہ ذیل سکہ مضروب کرایا:

سکہ شاہ جہان آباد رائج در جہان

جاودان بادا بنام ثانی صاحب قرآن

"صاحب قرآن ثانی کے نام سے شاہجہان آباد کا سکہ ہمیشہ اس دنیا میں رائج رہے"۔

(۳) کمنسے۔

(۴) آصف خاں کا اصل نام مرزا ابوالحسن تھا۔ ۹ ہزار کا کماندار ہونے کی وجہ سے وہ سولہ کروڑ' بیس لاکھ دام یا چالیس لاکھ پچاس ہزار روپے تنخواہ حاصل کرتا تھا۔ جاگیروں کے علاوہ اس کو پانچ ملین روپے کی آمدنی تھی۔ اس کے انتقال پر اس کی جائیداد کی مالیت ۲۵ ملین روپے تھی جو تیس لاکھ کے جواہرات' ۴۲ لاکھ مالیت کی طلائی مہروں' ۲۵ لاکھ روپے مالیت کی نقرئی مہروں' تیس لاکھ روپے مالیت کے چاندی کے برتنوں پر مشتمل تھی' اور دیگر جائیداد ۲۵ لاکھ روپے مالیت کی تھی۔ لاہور میں اس کا محل جسے ۲۰ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کیا گیا تھا' اس کے انتقال کے بعد شہزادہ دارا شکوہ کو دے دیا گیا اور بیس لاکھ روپے زرنقد اور دیگر قیمتی اشیاء اس کے تین بیٹوں اور پانچ بیٹیوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ باقی ماندہ کو شاہی خزانے میں جمع کرا دیا گیا۔ بلا ہمین کی "آئین اکبری"۔

(۵) مینڈ یکسلو گجرات کے لیے زگراف اور برٹن بنگال' بہار اور اوڑیسہ کے لیے اور ٹیورنیئر ہندوستان کے زیادہ تر حصوں کے لیے ہے۔ پائیٹرو ڈیلا ویلے ۱۶۲۳ء جہانگیر کے آخری سال میں لکھتے ہوئے کہتا ہے: "یہاں سب عام طور پر شائستگی سے رہتے ہیں' اور بڑی سہولت سے ایسا کرتے ہیں کیونکہ بادشاہ جب ان کو شان و شوکت اور دولت کی نمود و نمائش کے ساتھ رہتے ہوئے دیکھتا ہے تو ان پر الزام تراشی کر کے انہیں اذیت نہیں پہنچاتا اور نہ ہی انہیں کسی چیز سے محروم کرتا ہے"۔

باب ۱۶

محی الدین اورنگ زیب

اورنگ زیب نے جب اپنے والد کو معزول کیا تو اس کی عمر اس وقت چالیس برس تھی۔ وہ ۱۶۵۸ء میں دہلی میں تخت نشین ہوا لیکن اس نے اکتوبر ۱۶۶۰ء یا دو سال بعد تک بادشاہ کا لقب اختیار نہ کیا۔ اس کے بعد اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور اس کے نام کا سکہ رائج ہوا۔ اس نے بادشاہت کا جو لقب اختیار کیا' وہ تھا "عالمگیر" "دنیا کا فاتح"۔ یہی نام شاہجہاں نے ایک تلوار پر کندہ کرایا تھا اور اسے تحفہ کے طور آگرہ اس کے پاس روانہ کیا۔ اس کے علاوہ گزشتہ سال ایک دستخط شدہ خط بھی اس کے ساتھ بھیجا تھا۔ سکوں کی ایک جانب کلمہ طیبہ اور چاروں خلفائے راشدین کے نام حذف کر دیے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ظاہر ہے کہ سکوں نے کافروں کے ہاتھوں میں بھی جانا ہے اور ان پر ان کے ناپاک ہاتھوں کے نشانات پڑ جائیں گے۔ عبارت کو بدل کر مندرجہ ذیل شعر درج کر دیا گیا' جس میں بادشاہ کا نام شامل تھا۔

سکہ زد در جہاں چو بدر منیر شاہ اورنگ زیب عالمگیر

"بادشاہ اورنگ زیب نے دنیا میں بدر منیر کی طرح سکہ مضروب کرایا ہے"۔

مذکورہ بالا عبارت کو نقرئی سکہ پر درج کیا گیا۔ طلائی سکے کے لیے الفاظ بدر منیر کو مہر منیر میں تبدیل کر دیا گیا۔

اس نے مارچ کے تہوار نوروز کو ختم کر دیا کیونکہ وہ آتش پرستوں کی نقل تھا اور اسلامی رواج کے مطابق عربی کے قمری مہینوں کو بحال کر دیا۔ اس نے ایک فرمان جاری کیا' جس میں شراب کے استعمال کی ممانعت کر دی گئی اور نشہ آور مشروبات کے پینے پر مجرموں کے لیے ایک ہاتھ یا پاؤں سے محروم کرنے کی سزا مقرر کی گئی۔

اس نے تمام جوا خانوں کی ممانعت کر دی اور ایک فرمان جاری کر کے ناچ گانے اور مسخرے پن پر پابندی لگا دی۔ محل سے وابستہ گویوں اور سازندوں کو برخواست کر دیا گیا۔ خصوصی افسر مقرر کیے گئے کہ جہاں موسیقی سنی جا رہی ہو' وہ اس گھر میں داخل ہو کر موسیقی کے آلات کو جلا دیں۔ ان سب کو ڈھیروں کی صورت میں جمع کر کے جلا دیا گیا۔ سیکڑوں سازندے بھوکوں مرنے لگے(۱) ناچنے والی تمام لڑکیوں کی یا تو قانونی شادی کر دی گئی یا انہیں بادشاہ کی سلطنت سے جلاوطن کر دیا گیا۔

علم نجوم کی ممانعت کر دی گئی اور دربار سے وابستہ تمام نجومیوں کو ہٹا دیا گیا۔ درباری شاعر کا عہدہ بھی ختم کر دیا گیا اور گزشتہ ادوار میں نوازے جانے والے شاعروں کے وظائف ختم کر دیے گئے۔ بادشاہ نے سخت ترین کفایت شعاری اور انتہائی باریک نگرانی کا نظام متعارف کرایا اور وہ خود اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں سی کر اپنی روزی کمانے کا دعویٰ کرتا تھا۔ وہ جاسوسی کے نظام کو اس حد تک درست کر گیا تھا کہ سب کے بارے میں اس کے بہت زیادہ علم کو سریع الاعتقاد لوگ' مافوق الادراکی ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ راسخ العقیدہ سنی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس نے شیعہ امراء کی زمینیں ضبط کر کے کشمیر کی طرف نکال دیا' جہاں وہ مقرر کروہ وظائف پر گزارہ کرتے تھے۔ وہ شیعوں کے بارے میں کہا کرتا تھا: "وہ قرآن کے ذریعے ہم سے متحد ہیں' لیکن انہوں نے خلافت کی جانشینی کے بارے میں غلطی کے باعث ہم سے علیحدگی کر لی ہے' چنانچہ انہیں ہم سے بالکل علیحدہ ہو جانا چاہیے"۔ اس نے ایک فرمان جاری کیا جس میں شیعوں کو لمبی مونچھیں رکھنے سے منع کیا گیا تھا۔ اس کے لیے افسر مقرر کیے گئے کہ وہ ان کی مونچھوں کی پیمائش کریں اور اگر یہ مقررہ حد سے متجاوز ہوں تو کاٹ دیں۔ اس نے ہندوؤں کی تعلیمات کی حوصلہ شکنی کی۔ دہلی کے نزدیک ایک عظیم مندر کو جلا کر خاک کر ڈالا اور بنارس میں بیش ناتھ کے مندر کو مسمار کر دیا۔ اس کے علاوہ متھرا میں ڈیرا کیسو رائے کے عظیم مندر کو بھی مسمار کرا دیا' جسے کہا جاتا ہے کہ راجہ نرسنگھ دیو نے ۳۳ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کرایا تھا۔(۲) اس مندر کے چمکدار گنبد اس قدر بلند تھے کہ انہیں آگرہ سے دیکھا جا سکتا تھا۔ مسمار شدہ مندر کی جگہ پر' اس نے ایک عظیم لاگت سے ایک وسیع و عریض مسجد تعمیر کرائی۔ قیمتی آرائشوں سے مزین ان مندروں کے بتوں کو آگرہ روانہ کیا گیا اور مسجد نواب بیگم کی طرف جانے والے زینوں کے نیچے رکھ دیا گیا۔ متھرا کا نام بدل کر اسلام آباد رکھ دیا گیا اور لوگوں کی خط و کتابت اور بول چال میں استعمال ہونے لگا۔ اورنگ زیب نے مصمم ارادہ کر لیا کہ چاہے ایک خدا اور رسول کا عقیدہ عام ہو یا نہ ہو لیکن ہندوستان کی سلطنت کا واحد مذہب یہی ہوگا۔ اس نے صوبوں کے

صوبیداروں اور حاکموں کو احکامات جاری کئے کہ وہ اس کی سلطنت میں ہر جگہ مندروں اور بتوں کو تباہ کر دیں۔ راجپوتانہ کے مختلف علاقوں میں تقریباً تین سو مندر مسمار کئے گئے اور ان کے بت توڑ دیئے گئے۔ بادشاہ نے بت پرستی کے ہر قسم کے بناوٹی مظاہرے کو روکنے کے لیے ملاؤں کے ہمراہ گھڑ سوار دستے مقرر کئے۔ حکومت کے افسران اور حکام کے لیے ایک گشتی مراسلہ جاری کیا گیا کہ وہ اپنے تحت فوری طور پر ہندوؤں کی ملازمت پر پابندی عائد کر دیں۔

انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ان عہدوں پر صرف مسلمانوں کو فائز کریں۔ تقریباً ۱۶۹۰ء میں بادشاہ نے ایک فرمان جاری کیا' جس میں ہندوؤں کو پالکیوں یا عربی گھوڑوں پر لے جانے کی ممانعت کر دی گئی۔ حکومت کے تمام ملازموں کو حکم دیا گیا کہ وہ دین اسلام اختیار کریں۔ معطلی کے خوف کے باوجود جنہوں نے انکار کیا انہیں اپنے عہدوں سے محروم ہونا پڑا۔ جوگیوں' سنیاسیوں اور دیگر مذہبی افراد کو بادشاہ کی سلطنت سے باہر نکال دیا گیا۔ بادشاہ نے ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان تاجروں پر عائد محصول کو نصف کر دیا۔ اس کے علاوہ بے شمار دوسرے ناجائز محصولات بھی معاف کر دیئے۔ (۳) اس نے اپنے خاندان کی روایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ۱۶۶۱ء میں اپنے بیٹے معظم کی شادی راجہ روپ سنگھ کی بیٹی سے کر دی۔ اس نے اپنے دور حکومت کے بائیسویں سال میں ہندوؤں پر عائد جزیہ کو دوبارہ شروع کر دیا۔ دہلی کے ہندو' دریا کے کنارے پر جھروکہ کھڑکی کے نیچے بہت بڑی تعداد میں جمع ہوئے اور بادشاہ سے التجا کی کہ وہ ناجائز محصول کو معاف کر دے' لیکن بادشاہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ہندوؤں نے شہر میں تمام دکانات کو بند کرنا زیادہ مناسب سمجھا' لہٰذا تمام کاروبار رک گیا۔ انہوں نے جمعہ کے روز رعایت حاصل کرنے کے لیے محل سے جامع مسجد تک بازاروں میں ہجوم پیدا کر دیا۔ ہر لحہ یہ رش بڑھتا ہی چلا گیا۔ بادشاہ کے سواروں کو ہر قدم پر رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ ان کی بات سننے کے لیے تھوڑی دیر رکا لیکن ہجوم نے شور و غوغا بند نہ کیا۔ آخر کار بادشاہ کے حکم سے ہجوم کے اوپر جنگی ہاتھی چھوڑ دیئے گئے اور نوکر چاکر ان میں سے زبردستی رستہ بنانے لگے۔ بے شمار آدمیوں کو ہاتھیوں اور گھوڑوں کے نیچے کچل کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہندوؤں نے مزید اعتراض نہیں کیا اور اس سے باز رہے۔ اورنگ زیب نے سلام کرنے کے طریقہ میں تبدیلیاں کیں اور کافی عرصہ سے رائج ایک رسم جس میں بادشاہ جھروکہ میں نمودار ہوتا تھا' اس کو ختم کر دیا۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو ایک معصومانہ خوشی سے محروم کر دیا۔

دکن میں فتوحات

اورنگ زیب کے طویل دور حکومت میں سب سے زیادہ اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے آخر کار دکن کو مغلوب کر لیا۔ اس نے گولکنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتوں کو فتح کیا اور اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا تھا کہ اس نے اپنی سلطنت کو کرناٹک کی دور دراز سرحدوں تک وسیع کر لیا ہے۔ جس دور میں شاہجہاں کا انتقال ہوا' وہ اورنگ زیب کے طویل دور حکومت کا نہایت خوش حال دور تھا۔ اس کے حاکم کشمیر نے تبت صغیر کو مغلوب کر لیا اور بنگال کے صوبیدار نے خلیج بنگال کے مشرقی ساحل پر واقع چٹاگانگ کو اس کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ پورے عالم اسلام میں بادشاہ کا بہت زیادہ احترام کیا جانے لگا اور اس کے دارالخلافہ میں شریف مکہ کے سفیر' عرب کے شہزادے' ازبکوں کا خاں اور حبشہ کا بادشاہ بھی آئے۔ حتیٰ کہ شاہ ایران نے بھی ایک پرتکلف سفارت اورنگ زیب کے دربار میں روانہ کی' جس نے اس کے جواب میں غیر معمولی شان و شوکت کی حامل سفارت کو ہندوستان سے ایران روانہ کیا لیکن آداب مجلس کے بارے میں پیدا ہونے والے چند سوالات نے دہلی کے بادشاہ اور شاہ عباس کے درمیان اس قدر اختلاف پیدا کر دیا کہ شاہ ایران کے حکم سے ہندوستان کے ایلچی کی داڑھی کو ایک خواص نے نذر آتش کر دیا۔ بغیر داڑھی کے ایلچی کی واپسی پر بادشاہ کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے نہایت سختی سے اس کو سرزنش کی کہ اس نے شاہ کے دل میں خنجر کیوں نہیں اتارا اور اسی روز اسے ایک زہریلے سانپ سے ڈسوا کر ہلاک کرا دیا۔(۴)

موسم گرما میں کشمیر کی سیاحت کے دوران اورنگ زیب دہلی کے گرم محل میں نظر آنے والے شخص سے قطعی مختلف دکھائی دیتا تھا۔ اس خوشگوار وادی کے سرد ماحول میں وہ اپنی بیگمات کی محفل میں اپنے آپ کو مصروف کر لیتا' جو چاپلوسی اور لاڈ پیار سے اس کا دل بہلاتی تھیں۔

وہ جارجیا کی آبائی عیسائی خاتون اودے پوری پر فریفتہ ہو گیا۔ جب وہ ابھی بچی تھی تو غلاموں کے ایک تاجر نے اسے اورنگ زیب کے بڑے بھائی دارا کے ہاتھ فروخت کر دیا اور وہ بڑی ہو کر نہایت حسین و جمیل ہو گئی۔ دارا کی موت پر وہ اورنگ زیب پر فریفتہ ہو گئی اور اس کی چہیتی ملکہ بن گئی۔ وہ بادشاہ کے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش کی والدہ تھی۔

۱۶۷۲ء میں خیبر کے پار افغان' جو بادشاہ کی نہایت سرکش رعایا تھے' انہوں نے بغاوت کر دی۔ میر جملہ کا بیٹا اور حاکم کابل امین خاں' جو پشاور میں رہائش پذیر تھا' باغیوں کو سزا

دینے کے لیے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ کابل کے میدانوں میں داخل ہوا' لیکن اس کی پوری فوج کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اس کی چہیتی بیوی کو ذبح کر دیا گیا اور اس کی والدہ' ہمشیرہ اور بیٹی کو کنیزیں بنا لیا گیا۔ اگلے سال بادشاہ بذات خود میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا۔ اسے کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی' لیکن دارا سلطنت کے قرب و جوار میں فسادات کی لہروں نے اسے اپنے قدم دہلی کی جانب موڑنے پر مجبور کر دیا۔ ہندو پجاریوں کے ایک فرقے "سنتارا میس" نے بغاوت برپا کر دی اور بہت غارت گری اور نقصانات کیے۔ شاہی فوجوں نے باغیوں کو شکست دے کر بغاوت زدہ علاقے کے باشندوں میں مردوں کا انتہائی بے دردی سے قتل عام کیا۔ عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر غلاموں کی صورت میں فروخت کر دیا گیا۔ دریں اثناء بادشاہ نے امین خاں کو واپس بلا کر اس کی جگہ قاسم خاں کو مقرر کیا۔ قاسم خاں ایک تجربہ کار سردار تھا اس نے بظاہر اپنی خوش اخلاقی اور دوستی سے افغانوں کے دل جیت لیے تھے۔ اس نے اپنے بیٹے کی رسم ختنہ کے موقع پر پشاور میں افغانوں کو ایک بہت بڑی دعوت میں مدعو کیا اور شہر کے ایک بہت بڑے چوک میں انہیں ایک نہایت پر تکلف ضیافت دی۔ اس موقع پر گھڑ دوڑ' ہاتھیوں کی لڑائی' کھیل اور تماشے منعقد کیے گئے۔ ان رنگ رلیوں اور مسرتوں کے درمیان قاسم خاں نے اچانک اس محفل کو چھوڑ دیا' جو قتل عام کے لیے ایک اشارہ تھا۔ قرب و جوار کے مکانات میں چھپے ہوئے مسلح فوجیوں نے افغان مہمانوں پر بندوقوں سے گولیوں کی بارش کر دی' جو دغابازی کے شک و شبے کے بغیر ضیافت میں شریک ہوئے تھے۔ وہاں افغانوں کا قتل عام کیا گیا اور اس نے پورے کابل میں خوف و ہراس پھیلا دیا۔ افغانوں کی کمر ٹوٹ گئی اور انہوں نے اس کے بعد اورنگ زیب کے باقی ماندہ دور حکومت میں کبھی کوئی مشکل پیدا نہیں کی۔

اورنگ زیب کا شاہی پڑاؤ دہلی کی طرح بڑا اور گنجان آباد ہونے کے باعث ایک گشتی شہر معلوم ہوتا تھا۔ وہ پڑاؤ کی زندگی کو پسند کرتا تھا اور شہروں میں اپنے محلات میں شاذو نادر ہی رہتا تھا۔ اس کے ہمراہ حرم کی بیگمات چمکدار ہودوں پر باپردہ بیٹھی ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ گھوڑوں کی پشت پر بیٹھی خواتین کا انبوہ کثیر ہوتا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک لبادے میں ملبوس ہوتی تھیں۔ بادشاہ کا عملہ باورچیوں' حبشی غلاموں' نیزہ برداروں اور بے شمار نقیبوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ پڑاؤ کے ساتھ اشیائے خورد و نوش وافر مقدار میں لے جائی جاتی تھیں۔ دریائے گنگا سے حاصل کردہ پینے کا پانی اونٹوں پر لدا ہوتا تھا۔ شاہی خزانہ ہاتھیوں اور چھکڑوں پر لے جایا جاتا تھا۔ بادشاہ کے شہ نشین شاندار درباروں' ایوانوں اور کمروں پر مشتمل ہوتے تھے اور ہر دروازے پر توپوں کا پہرہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ گھڑسوار اور پیادہ

فوج کے لشکر بہیر و بنگاہ اور نوکر چاکر' خانسامے' چارہ جمع کرنے والے اور دوسرے ساز و سامان' خیموں اور گھوڑوں کے ہمراہ ہوتے تھے۔

اورنگ زیب کا انتقال ۱۷۰۷ء

اورنگ زیب ۱۷۰۷ء میں اپنی حکومت کے پچاسویں برس' احمد نگر میں اپنے پڑاؤ میں ۸۹ برس کی طویل عمر میں فوت ہوگیا۔ اپنے اردگرد مشکوک لوگوں کے باعث اس نے ان کی طرف سے کسی منصوبہ کی ممکنہ کوشش کو ناکام بنانے کے لیے بڑی ہوشیاری سے اپنے بیٹوں کو ذرا فاصلے پر رکھا۔ اپنے انتقال سے قبل معلوم ہوتا ہے اسے شدت سے احساس ہوگیا تھا کہ اس کا انجام قریب ہے۔

اور اس نے اپنے آخری ایام میں اپنے بیٹوں کو جو خطوط لکھے' ان میں ماضی کے لیے محسوس کئے جانے والے انتہائی تاسف اور دکھ کا کافی اشارہ ملتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''میں اس دنیا میں ایک اجنبی کی طرح آیا تھا اور ایک اجنبی ہی کی طرح یہاں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میں اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اور میری منزل مقصود کیا ہے۔ میری کمر کمزوری کے باعث دوہری ہوگئی ہے اور میرے پاؤں میں حرکت کرنے کی سکت نہیں ہے۔ جو سانس چلا جاتا ہے' وہ اپنے پیچھے کوئی امید نہیں چھوڑ کر جاتا۔ میں تمہیں' تمہاری ماں اور تمہارے بیٹے کو خدا کے سپرد کرتا ہوں' کیونکہ میں خود جا رہا ہوں۔ سکرات موت نہایت تیزی سے میرے اوپر حاوی ہو رہی ہیں۔ تمہاری والدہ اودے پوری میری بیماری میں بھی شریک رہی اور اب موت میں بھی میرا ساتھ دینے کی خواہش رکھتی ہے۔ لیکن ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ میں جاتا ہوں' میں نے جو کچھ بھی اچھا یا برا کیا ہے وہ تمہارے واسطے کیا ہے۔ آؤ کہ میری کشتی لہروں پہ رواں ہو گئی ہے' الوداع' الوداع! الوداع!'' اپنے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے اس نے ایک وصیت لکھی' جس میں اپنی سلطنت کے شمالی اضلاع' معظم کو' جنوبی اعظم کو' اور گولکنڈہ و بیجاپور کی بادشاہتیں اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش کو دے دیں۔ چنانچہ' اورنگ زیب کا انتقال ہوگیا جس کا شمار تاتاری بادشاہوں کے عظیم ترین اور نہایت خوشحال بادشاہوں میں ہوتا ہے' جنہوں نے ایک مشرقی سلطنت پر حکمرانی کی۔ بابر سے لے کر اس کے بعد آنے والے اپنے آباؤ اجداد کے برعکس وہ ایک مدبر اور پرہیزگار شخص تھا۔ اس کے دور حکومت میں مغلیہ سلطنت اپنی عظیم ترین حدود تک پہنچ گئی۔ اس نے بڑی تندہی سے اپنے آپ کو کاروبار سلطنت میں مشغول رکھا اور اپنے ملک کے انتظام و انصرام میں گہری دلچسپی لیتا تھا۔ وہ ایک چھوٹی جسامت' ستواں

ناک، گول داڑھی اور زیتونی رنگت کا حامل شخص تھا۔ وہ عموماً سفید اور سادہ ململ کا لباس پہنتا تھا اور اس کی دستار میں ایک بہت بڑا زمرد نصب تھا۔ جیملی گیریری، جس نے بادشاہ کو ۷۸ برس کی عمر میں دیکھا تھا، کہتا ہے: "بادشاہ اپنے امراء کے درمیان ایک اعصاء پر جھکے ہوئے کھڑا تھا۔ وہ ذاتی طور پر درخواستیں وصول کرتا، انہیں بغیر چشمہ کے پڑھتا اور اپنے ہاتھ سے ان پر احکامات جاری کرتا تھا۔ وہ یہ سب خوش باش اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ کرتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کام سے خوش ہے"۔ معلوم ہوتا ہے دین اسلام کے ساتھ اس کی وابستگی خلوص پر مبنی تھی لیکن ہندوؤں کے ساتھ اس کی عدم رواداری اور تعصب نے آبادی کے مختلف طبقوں میں مذہبی عداوت کو دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ نیز اس کے فریب نے قوموں کے جس انتشار کو پروان چڑھا دیا تھا، اس نے ہندوستان میں ایک انتہائی طاقتور مغلیہ بادشاہت کو منتشر کرنے کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔

حوالہ جات

(۱) ایک مرتبہ جمعہ کی سہ پہر کو بادشاہ اپنے محافظوں کے ہمراہ نماز ادا کرنے کے لیے جامع مسجد کی طرف جا رہا تھا، تو اس نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک ہجوم ایک جنازے کے پیچھے جا رہا ہے اور فضا بھی آہ و بکا و چیخ و پکار سے بھرپور ہے۔ جب اس کی وجہ دریافت کی گئی تو اسے بتایا گیا کہ سوگواروں کی ماں "موسیقی" کی لاش کو اس کی آخری آرام گاہ لے جایا جا رہا ہے۔ بادشاہ چلا کر بولا: "اس کو گہرائی میں دفن کرنا، اس کو دوبارہ اٹھنا نہیں چاہیے"۔ جے تیل بوائز وہیلر، مینوسی کی سند، خفی خاں سے موازنہ کیجیے۔

(۲) ماثر عالمگیری۔

(۳) خفی خاں کی "منتخب اللباہ"۔

(۴) مغلیہ حکومت میں سزائے موت کا یہ طریقہ غیر معمولی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ شاہجہاں کو بتایا گیا کہ دہلی کے کوتوال نے رشوت لی ہے، اس نے مجرم کو ایک افعی سانپ سے ڈسوا دیا اور وہ چند گھنٹوں کے اندر ہلاک ہوگیا۔

باب ۱۷

قطب الدین محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ

جانشینی کے بارے میں اورنگ زیب کے اصول اگرچہ واضح تھے مگر اس کے بیٹوں نے ان کی پرواہ نہ کی۔ اس کے انتقال کے وقت اس کا سب سے بڑا بیٹا معظم کابل کا صوبیدار تھا۔ اعظم اس کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور اس کے بیٹوں میں سب سے چھوٹا اور چہیتا بیٹا کام بخش، بیجاپور میں اپنی سلطنت میں تھا۔

معظم اپنے والد کی بیماری کا سن کر اپنے دو چھوٹے بیٹوں نجستہ اختر، اور رفیع القدر کے ہمراہ کابل سے روانہ ہوا اور وہ ابھی راستے میں ہی تھا کہ اسے اپنے باپ کے انتقال کی خبر ملی۔ اس نے فوراً شاہی تمکنت اختیار کیا اور تخت نشین ہوگیا۔ یہ تقریب محرم کے پہلے بدھ ۱۱۱۹ ہجری (مارچ ۱۷۰۷ء) کو ٹھیک نصف شب کو ہوئی کیونکہ نجومیوں نے اس ساعت کو مبارک قرار دیا تھا۔ اس وقت سورج برج اسد میں داخل ہو رہا تھا۔ اعظم نے اپنے پڑاؤ میں خود بھی اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا(۱) اور حکم دیا کہ شاہی موسیقی بجائی جائے۔ اس نے اپنی فوج کی کمان سنبھالی۔ اس وقت ایک قابل اور نہایت ہوشیار ایک ترکمان امیر، سلطان بیگ برلاس کا بیٹا منیم خاں، پنجاب کا صوبیدار تھا۔ جب معظم ایک شہزادہ تھا تو اورنگ زیب نے منیم خان کو اس کا دیوان مقرر کیا، لہٰذا اس نے صوبہ لاہور میں شہزادے کی جاگیروں کا بہت اچھا انتظام کیا۔ اسی وجہ سے اور کابینہ میں اس کی سرگرمی اور غیر متزلزل یک جہتی کے باعث معظم اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ حالیہ دور میں اس نے انتہائی مستعدی سے مختلف دریاؤں پر پل تعمیر کرائے اور لاہور میں بہت بڑے بڑے ذخائر جمع

کر لیے۔

معظم نے کابل سے آنے کے بعد لاہور میں منیم خاں سے شمولیت اختیار کر لی' جبکہ اس کا بیٹا اور ملتان کا صوبیدار معزالدین اپنے دستیاب فوجی دستوں اور طاقتور توپ خانے کے ہمراہ اس سے مل گیا۔ شہزادے نے اپریل میں لاہور میں پڑاؤ ڈال دیا اور اس کے لشکر میں شامل امراء نے اسے نذرانے پیش کئے اور خراج عقیدت ادا کیا۔

لاہور میں اس کے نام کا سکہ مضروب کرایا گیا اور خطبہ پڑھا گیا۔ نئے سکے کے وزن میں نصف ماشہ کا اضافہ کیا گیا۔ صفر کے نئے چاند تک لاہور میں رہنے کے بعد مشترکہ فوجوں نے آگرہ کی طرف پیش قدمی کر دی اور دہلی کے تخت کے لیے تاجو کے مقام پر ایک جنگ لڑی گئی' جس میں اعظم کو شکست ہوئی اور اسے اپنے دونوں بیٹوں کے سمیت قتل کر دیا گیا۔ ان کی نعشوں کو دہلی روانہ کیا گیا اور ہمایوں کے مقبرہ کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔ بادشاہ میدان جنگ میں بہادری دکھانے کے اعتراف میں منیم خاں سے بغلگیر ہو گیا اور اسے ایک کروڑ روپے کا فقید المثال تحفہ پیش کیا اور وزیر کے عہدہ پر فائز کرنے کے ساتھ ساتھ "جملۃ الملک" کا خطاب بھی عنایت کیا۔

شاہ عالم نے دہلی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ ایران اور توران کے امیروں نے اسے اطاعت پیش کی۔ اول الذکر اسد خاں اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں کی قیادت میں اور موخرالذکر نابینا آزمودہ کار سپاہی' غازی الدین فیروز جنگ اور اس کے طاقتور بیٹے چن قلیچ خاں کی قیادت میں آیا' جس کو اعظم نے خان دوراں بنایا اور وہ دکن میں نظام خاندان حکومت کا بانی تھا۔ چن قلیچ خاں کو "جلیل القدر" کا خطاب مرحمت کیا گیا اور اسے وکیل المطلق کے منصب پر فائز کیا گیا۔

جیسے ہی شہزادہ کام بخش نے اپنے بھائی اعظم اور اپنے بھتیجوں کی موت کے بارے میں سنا تو اس نے جنگ کی تیاریاں کر لیں۔ نرم مزاج بادشاہ نے بے سود اسے راضی کرنے کے لیے کوشش کی' کیونکہ بھیجی جانے والی تجاویز نے اس کی دشمنی کو مزید بھڑکا دیا۔ اس کے تکبر سے مشتعل ہو کر بادشاہ کو مجبوراً اس کے خلاف میدان میں اترنا پڑا۔ لہٰذا حیدر آباد کے قریب ایک جنگ لڑی گئی' جس میں باغی شہزادے کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ خود بھی خطرناک حد تک زخمی ہو گیا۔ اس مہربان بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے زخمی بھائی کو اس کے پڑاؤ میں لایا جائے' جہاں یورپی جراح اس کی دیکھ بھال پر مقرر کیے گئے۔ شام کے وقت

بہادر شاہ خود پیدل چل کر اپنے بھائی کے خیمے تک گیا اور اپنے فرغل سے اس کا سر ڈھانپتے ہوئے بولا : ”افسوس! میں نے یہ کبھی بھی آرزو نہیں کی تھی کہ میں اپنے بھائی کو اس حال میں دیکھوں اور اے قریب الرگ مغرور آدمی! نہ ہی یہ میری خواہش تھی کہ تم کو دوبارہ اس حالت میں دیکھوں جس میں تم اس وقت ہو“۔ سرکش شہزادے نے ہر قسم کی غذا کھانے سے انکار کر دیا اور اسی شب انتقال کر گیا۔ اس کی نعش کو آبائی قبرستان میں دفن کرنے کے لیے دہلی روانہ کیا گیا۔

شہزادہ کام بخش پر فتح اور اس کے انجام نے ہندوستان میں بادشاہت کے تمام مقابلوں کا خاتمہ کر دیا۔ اسی دور میں (۱۷۰۹-۱۰ء) ایک مخصوص فرقہ کا گروہ ”سکھ“ پنجاب میں ابھر آیا اور سرہند، سہارنپور کے صوبوں اور مظفر نگر کے ایک حصہ میں غارت گری شروع کر دی اور لوگوں سے بہت زیادتیاں کیں۔ جب شاہی فوجوں نے انہیں دریائے جمنا کے دوسری جانب دھکیل دیا تو وہ واپس جالندھر دوآب میں آ پڑے۔ اس وقت ان کی فوجیں ۷۰ ہزار سے زائد تھیں۔ جالندھر کے مغلیہ حاکم شمس الدین خاں نے اپنی تمام دستیاب فوجوں کو جمع کیا اور راہون کے مقام پر سکھوں سے جنگ کی، جہاں انہیں عظیم نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔

پنجاب میں سکھوں کے جرائم نے بہادر شاہ کو ترغیب دی کہ وہ دارالسلطنت کو دہلی سے لاہور منتقل کر لے۔ نائب سپہ سالار اسد خاں، جو سکھوں کا راستہ روکنے کے لیے پہاڑوں میں داخل ہو گیا تھا، جب لاہور میں انتقال کر گیا تو یہ عہدہ عنایت الدین خاں کے بیٹے ہدایت اللہ خاں کو تفویض کیا گیا اور رستم دل خاں کو سکھوں کو سزا دینے کے لیے پہاڑوں میں روانہ کیا گیا۔ دریں اثناء بادشاہ نے دریائے راوی کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد رستم دل خاں نے پہاڑوں میں اپنی کمان کو چھوڑا اور واپس لاہور آ گیا۔ سزا کے طور پر اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی اور اسے قیادت سے ہٹا دیا گیا اور قلعہ لاہور میں اسے قید کر دیا گیا۔ محمد امین خاں کو شاہی فوج کی کمان لینے کے لیے پہاڑوں میں روانہ کیا گیا۔ سکھوں کو شہر لاہور میں داخل ہونے سے روک دیا گیا اور وہ رات کے وقت دریائے راوی میں تیر کر مضافات میں آ گئے اور صبح ہونے سے قبل واپس چلے گئے۔

بہادر شاہ عالم فاضل اشخاص کی محفل کا بہت شوقین تھا اور قانون و الوہیت کے موضوعات پر بحث مباحثہ سے بہت حظ اٹھاتا تھا۔ وہ ایک شیعہ مسلمان تھا اور لاہور آنے

پر اس نے شہر کے عالموں کو اکٹھا کیا' ان میں زیادہ تر کٹر سنی تھے۔ اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ پہلے تین خلفاء کے مقابلے پر خلافت کی جانشینی پر حضرت علیؓ کے حق کے متعلق اس کی دلیل کو زبردستی تسلیم کر لیں۔ دلیل میں علماء کو شکست دے دی گئی اور بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ عام عبادات اور خطبہ میں حضرت علیؓ کی صفات میں لفظ وصی (وارث) کا اضافہ کیا جائے۔ یہ بدعت سینوں کے لیے نہایت ناراضگی کا باعث بنی۔ لاہور کے عالم فاضل' جان محمد اور حاجی یار محمد نے دیگر علماء اور ایک زبردست ہجوم کے ہمراہ قاضی اور صدر سے ملاقات کی اور واشگاف طور پر ان سے نمازوں اور خطبہ میں لفظ وصی استعمال کرنے پر احتجاج کیا۔ بادشاہ کے بڑے بیٹے عظیم الشان اور نجستہ اختر دونوں پکے سنی تھے۔ انہوں نے اس شیعہ وزیر کو برداشت کیا' جسے جامع مسجد میں شیعوں کا کلمہ "اور حضرت علیؓ اللہ کے ولی ہیں" دہرانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ہجوم نے اسے منبر سے نیچے کھینچ لیا اور اس سے پہلے کہ وہ یہ مجرمانہ الفاظ ادا کرتا' اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ حاجی یار محمد' محمد مراد خاں اور چند دیگر علماء نے بادشاہ سے اس کے عبادت خانہ میں ملاقات کی۔ اس اختلاف کے بعد بادشاہ کے حامیوں اور حاجی یار محمد کے درمیان تلخ کلامی شروع ہوگئی۔ بادشاہ نے اسے جوش میں آتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ اسے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا کہ وہ بادشاہ کی موجودگی میں اتنی دلیری سے بول رہا ہے۔ حاجی یار محمد نے جواب دیا: "میں نے اللہ تعالیٰ سے چار چیزوں کی خواہش کی تھی--- پہلی تحصیل علم' دوسری ایمان کی سلامتی' تیسری حج' چوتھی شہادت۔ اللہ کا شکر ہے کہ پہلی تین پوری ہوگئی ہیں۔ شہادت ابھی باقی ہے' لہٰذا مجھے امید ہے کہ اب میں بادشاہ کی مہربانی سے اسے حاصل کر لوں گا"۔ شہر کے تمام شہریوں کے علاوہ افغانوں کی ایک جماعت نے اپنی طاقت اور مال و اسباب کے ساتھ اس بدعت کی مخالفت کی۔ لہٰذا صدر نے اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد بادشاہ کو ایک درخواست پیش کی' جس میں بادشاہ کو ان کے اصولوں کی طرف ترغیب دی گئی تھی۔ اس درخواست پر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے لکھا کہ خلد زمیں اورنگ زیب کے دور حکومت میں مستعمل طرز کا خطبہ پڑھا جائے۔ بادشاہ کی طرف سے اس رعایت کے بعد احتجاج ختم ہوگیا۔

بادشاہ کی عمر ۷۰ برس تھی جب اس کے ذہن میں زبردست تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ اس وقت لاہور کے مضافات میں دریائے راوی کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوا تھا۔ فروری ۱۷۱۲ء کے ابتدائی حصہ میں اس کے دماغ میں یہ خبط سما گیا کہ وہ شہر لاہور اور اپنے پڑاؤ میں تمام

کتوں کو ہلاک کرنے کا حکم دے۔ وہ اچانک جنون میں مبتلا ہوگیا اور اسے دورے پڑنے لگے' جو بغیر کسی وقفے کے ۲۱ر محرم الحرام ۱۱۲۴ ہجری (۱۹ر فروری ۱۷۱۲ء) تک جاری رہے اور رات سے تقریباً ۲ گھنٹے قبل اس نے آخری سانس لیا۔ شہزادوں اور حرم کی بیگمات نے اس کی چارپائی کے گرد رونا پیٹنا اور ماتم کرنا شروع کر دیا۔(۲) امراء نے اپنے اپنے شہزادوں کی جماعتوں میں شمولیت اختیار کرنے کے لیے رات کے اندھیرے میں شاہی پڑاؤ کو چھوڑ دیا جبکہ متعدد بہیرو بنگاہ اپنے اہل خانہ سمیت شہر کی طرف چلے گئے کیونکہ انہیں بہت زیادہ خطرہ تھا۔ اگلے روز شہر میں ایک بہت بڑا احتجاج کیا گیا اور گلیوں میں شور مچاتے ہوئے لوگوں کا ہجوم ہوگیا' جنہوں نے بادشاہت کی جانشینی کے متعلق اپنے تصور کی لگام کو کھلا چھوڑ دیا۔ مرحوم بادشاہ کی نعش کو دہلی روانہ کیا گیا' جہاں اسے صوفی بزرگ قطب الدین کے مقبرہ کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔ وہ ۷۱ برس کی عمر میں اور اپنی حکومت کے پانچویں برس میں فوت ہوا۔

بہادر شاہ ایک معزز' فیاض اور انتہائی اچھی فطرت کا بادشاہ تھا۔ اس کا تحمل و برداشت اور بردباری اس کے پیشرو کی فریبی اور تعصب سے قطعی برعکس تھیں۔ بدبختی(۳) کے ماحول میں پروان چڑھنے کے بعد وہ جوان ہو کر اس قدر تحمل مزاج اور بردبار ہونے کے علاوہ پرہیزگار ہوگیا کہ لوگ اسے درویش بادشاہ کہتے تھے۔ اپنے بھائی سلطان محمد اعظم کے خلاف جنگی کارروائی کرنے سے قبل اس نے اسے لکھا کہ اگر وہ دکن (جو ایک وسیع و عریض بادشاہت تھی اور جسے مرحوم بادشاہ اس کے لیے مخصوص کر چکا تھا) سے مطمئن ہو جائے تو وہ اس کے خلاف جنگی کارروائی نہیں کرے گا۔

لیکن محمد اعظم نے ان درخواستوں اور تجاویز پر توجہ نہ دی' لہٰذا بادشاہ جنگ کرنے پر مجبور ہوگیا' جو اس کے سرکش بھائی کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی۔ اس وقت شاہ عالم کے حفاظتی دستے کا کماندار رستم دل خاں میدان جنگ میں محمد اعظم کے معذور ہاتھی پر سوار ہوا اور اس نے اس شہزادے کا سر اپنی تلوار سے کاٹ دیا اور بہت زیادہ انعام و اکرام کی امید میں نہایت تیزی سے یہ انعام لے کر اپنے آقا کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہوگیا۔ رحم دل شاہ عالم نے جب اپنے بھائی کا کٹا ہوا سر دیکھا تو دکھ سے آنسو بہانے لگا' لہٰذا اس نے رستم دل خاں کو لعن طعن کرنے کے سوا کچھ نہ دیا۔ اس نے فتح کا جشن منانے سے منع کر دیا اور حرم کی خواتین اور نوجوان شہزادوں سے بڑے احترام اور مہربانی سے پیش آیا۔

اس کا دربار جاہ و جلال اور شان و شوکت کے لحاظ سے شاہجہان کے دربار کے برابر تھا۔ تخت طاؤس کے اردگرد شاہی خاندان کے ۱۷ شہزادے ہوتے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا جہاندار شاہ اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ' اس کا تیسرا بیٹا رفیع الشان اپنے تینوں بیٹوں کے ہمراہ اور اس کے بھتیجے بیدار بخت کا بیٹا بیدار دل' تخت کے دائیں جانب بیٹھتے تھے۔ نیز اس کا دوسرا بیٹا عظیم الشان اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ' اس کا چوتھا بیٹا جہاں شاہ اپنے بیٹے کے ساتھ' اعظم شاہ کا باقی زندہ رہنے والا صرف ایک بیٹا علی تبر اور محمد کام بخش کے دو بیٹے بائیں طرف بیٹھتے تھے۔ شاہی خاندان کے شہزادوں کے عقب میں دائیں جانب مفتوح بادشاہوں کے بیٹے مثلاً بیجاپور کا سکندر علی شاہ اور گولکنڈہ کا بادشاہ قطب شاہ' جن کے منصب سات ہزاری سے تین ہزاری تک تھے' کھڑے ہوتے تھے۔ انہیں چاندی کے کٹہرے کے درمیان چبوترے پر کھڑا ہونے کی اجازت تھی۔(۴) بادشاہ کی یہ رسم تھی کہ وہ عید اور دیگر اہم تہواروں پر اپنے ہاتھ سے اپنے امراء میں ان کے منصب کے مطابق پان اور خوشبویات تقسیم کرتا اور انعام پانے والے کورنش بجا لاتے اور سلام کرتے ہوئے تحفہ وصول کرتے تھے۔ اس کے مورخ کے مطابق جواہرات اور قیمتی ملبوسات کی صورت میں اس کے تحائف حقیقی طور پر بادشاہ کے شایان شان تھے۔ نجی زندگی میں وہ ایک درویش کی مانند سادہ لباس پہنتا اور وہ باجماعت نماز ادا کرنا کبھی نہ بھولتا۔ وہ دربار کے عظیم خیمہ میں نماز جمعہ کے خطیب کے طور پر فرائض ادا کرنے میں بڑی دلچسپی لیتا تھا اور قرآن پاک کی تلاوت اتنی شیریں اور خوبصورت آواز میں کرتا جو نہایت خوش الحان عربوں کو مبہوت کر دیتی"۔

لاہور میں اپنی دینی اختراعات اور بدعتوں کے باوجود (یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ صرف واحد ستم تھا جو روا رکھا گیا) وہ پنجاب میں بہت زیادہ مقبول تھا اور لاہور کے دروازوں میں سے ایک شاہ عالمی دروازے کا نام اس کے نام پر رکھا گیا۔(۵) تھار فن کے مطابق "یہ حقیقت اس بادشاہ کی مقبولیت کی گواہی ہے"۔ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اگر مغلیہ سلطنت پر اورنگ زیب کی بجائے بہادر شاہ' شاہجہاں کا جانشین بنتا تو اس نسل کی حکومت اتنی تیزی اور جلدی سے نیست و نابود نہ ہوتی۔

حوالہ جات

(۱) اعظم شاہ نے بادشاہ کا لقب اختیار کر کے مندرجہ ذیل عبارت کے حامل سکے مضروب کرائے:

سکہ زد در جہاں بدوست و جاہ
بادشاہ ممالک اعظم شاہ

"بادشاہ ممالک اعظم شاہ نے خوشحالی اور شان کے ساتھ دنیا میں سکہ مضروب کرایا"۔

(۲) ارادت خان کی سرگزشت۔

(۳) اسے اس کے والد نے سات سال تک قید میں رکھا۔

(۴) ارادت خان کی تصنیف "سلطنت مغلیہ کی سرگزشت"۔

(۵) اس کو پہلے بھیر والا دروازہ کہا جاتا تھا۔

باب ۱۸

محمد معزالدین جہاندار شاہ

بہادر شاہ کے انتقال کے بعد اس کے چاروں بیٹوں کے درمیان بادشاہت حاصل کرنے کے لیے زبردست کشمکش پیدا ہوگئی۔ بادشاہ کی زندگی ہی میں پہلے اور دوسرے بیٹے میں ایک دوسرے کے متعلق شکوک و شبہات کی علامات ظاہر ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ ایک روز جب وہ اپنے باپ کے پاس حاضر ہو کر اس کے بستر کے قریب بیٹھے ہوئے تھے' تو عظیم الشان جو اپنی جنگجوانہ صلاحیتوں کے باعث ہر دلعزیز تھا' اس نے ایک تکیے کے کونے کے نیچے ایک انتہائی نادر صنعت خنجر کو دیکھ لیا۔ اس نے اسے اٹھایا اور نیام سے نکال کر اس پر سجے ہوئے جواہرات کی خوبصورتی اور اس کے پھل کی دھار کی تعریف کرنا شروع کر دی۔ بظاہر اس سے کسی قسم کا نقصان نظر نہیں آ رہا تھا لیکن بزدل شہزادے معزالدین نے اس سے اس قدر خوف محسوس کیا کہ وہ فوراً اپنی نشست سے اٹھا۔ اس اثناء میں اس کی پگڑی بھی گر گئی اور وہ ننگے سر خیمے کے دروازے کی طرف بھاگا اور اپنے جوتے بھی دروازے پر بھول کر رسوں پر گر گیا۔ آخرکار نوکروں نے اسے اٹھنے میں مدد دی اور اس نے اپنا لباس درست کیا اور جتنی رفتار سے بھاگ سکتا تھا' بھاگ کر اپنے پڑاؤ پر جا پہنچا۔

عظیم الشان جو اپنے باپ کا منظور نظر اور شہزادوں میں سب سے زیادہ قابل تھا' وہ اس وقت بادشاہ کے قائم مقام کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہا تھا اور اہل خانہ کے انتظام و انصرام کی کمان بھی اسی کے پاس تھی۔ شاہی پڑاؤ' خزانے اور جواہرات کو قبضہ میں لینے اور بہت بڑی فوج بھرتی کرنے کے بعد اس نے شاہی چھپر کھٹ اپنے سر پر بلند کر لیا اور حکومت کے وزراء اور اعلیٰ افسروں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ امیر الامرا ذوالفقار خان معزالدین کا حامی تھا' جس کے ساتھ اس کے دوسرے دونوں بھائی رفیع الشان

اور نجستہ اختر اس خیال کے ساتھ شامل ہوگئے تھے کہ سلطنت اور خزانوں کو عظیم الشان پر فتح حاصل ہونے کے بعد برابر تقسیم کر لیا جائے گا۔ تینوں متحدہ شہزادوں نے لاہور شہر کے قریب پڑاؤ ڈال دیا لیکن معزالدین کا پڑاؤ عین فصیل کے نیچے تھا اور اس کی فوج کے ایک بہت بڑے حصہ نے قریبی گلیوں کے مکانات پر قبضہ جما رکھا تھا۔ عظیم الشان نے میدان میں پڑاؤ ڈالا اور دریا اس کے عقب میں تھا۔ متحدہ شہزادوں نے امیرالامراء کے مشورے پر عمل پیرا ہو کر سارے توپ خانے کو قلعہ سے باہر نکال لیا اور اسے ایک بلند جگہ پر نصب کر کے اپنی متحدہ افواج کو ایک قطار کی صورت میں ترتیب دیا کہ شہران کے عقب میں آ گیا۔ دونوں جانب سے چار روز تک مسلسل گولہ باری ہوتی رہی۔ پانچویں دن عظیم الشان جنگ کے لیے اپنے پڑاؤ سے روانہ ہوا۔ نجستہ اختر نہایت آہستگی اور ثابت قدمی سے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا اور لڑائی چار روز تک جاری رہی' جس میں فریقین کو کامیابی ہوتی رہی۔ آٹھویں روز ذوالفقار خان اور رستم دل خان نے دشمن کے خندقی مورچہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ عظیم الشان کی فوجوں نے ان کا زبردست مقابلہ کیا' تاہم وہ مغلوب ہوگئے اور پسپا ہونے پر مجبور ہوگئے۔

دو ہندو راجے موھکن چند کھتری اور راج سنگھ جٹ شکست خوردہ فوج کی طرف سے بہادر اور شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے ہلاک ہوگئے۔ اسی دوران سلیمان خان' پنی تازہ دم گھوڑے پر سوار دستے کے ہمراہ عظیم الشان کی فوجوں کی مدد کرنے کے لیے آن پہنچا لیکن یہ دلیر سردار توپ کا گولہ لگنے کے باعث گر کر ہلاک ہوگیا۔ فاتحین نے اس کے حوصلہ اور جرات مندی کے اعتراف میں اس کی لاش کو شہر بھجوا دیا۔ عظیم الشان کی ساٹھ یا ستر ہزار فوج میں سے اب صرف دس یا بارہ ہزار باقی رہ گئی اور یہ باقی ماندہ فوج شام کے وقت انتہائی ابتری کی حالت میں شہر کی طرف واپس گئی۔

اگلی صبح عظیم الشان کی فوج مزید کم ہو کر صرف دو یا تین ہزار رہ گئی۔ باقی ماندہ فرار ہوگئی۔ ان حالات سے قطعی بے خوف ہو کر شہزادے نے پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا اس نے اس ہاتھی کو بلوا بھیجا جس پر عموماً سوار ہوتا تھا لیکن اس جانور نے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ اس کے مہاوت نے بھی سرتوڑ کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ شہزادے نے دوسرا ہاتھی منگوایا لیکن اس وقت اس کی فوج کی تعداد مزید کم ہوگئی۔ جلد ہی راجہ جے سنگھ کم و بیش ایک ہزار شہسواروں کے ہمراہ اس سے آن شامل ہوا لیکن ابھی جنگ کا آغاز ہوا ہی تھا کہ گرد و غبار کا زبردست طوفان شروع ہوگیا اور دریائے راوی کی تمام ریت اڑنے لگی۔ گرد و غبار کے بادل بلند ہوئے اور اس میں متحدہ فوج کی توپوں

کے بارود کا دھواں بھی شامل ہوگیا' جس نے دشمن کی صفوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ توپ کا ایک گولہ عظیم الشان کے ہاتھی کی سونڈ پر لگا' جس سے وہ غضبناک ہوگیا۔ خود شہزادہ بھی تیروں اور بندوقوں کے کارتوسوں سے آنے والے متعدد زخموں کے باعث بیہوش ہو کر اپنے ہودے میں گر گیا۔ ہاتھی بہت زیادہ غضب ناک ہو کر دریا کی طرف بھاگا اور اس کا مہاوت اپنی نشست سے زمین پر جا گرا۔ جلال خان لودھی' جو شہزادے کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' اس نے رسے نیچے کیے اور بھاگ نکلا۔ امین الدولہ اور متعدد دیگر امراء نے ہاتھی کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ زخمی شہزادے عظیم الشان کے ہمراہ دریا میں گھس گیا اور ڈوبنے کے بعد دوبارہ باہر نہیں نکلا۔ اس کا بیٹا محمد کریم اپنے ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوا اور بھاگ نکلا لیکن فاتحین نے اس کا تعاقب کر کے قتل کر دیا۔

اب تینوں متحدہ بھائیوں میں جھگڑا شروع ہوگیا' جس کے نتیجے میں ابتری اور خون ریزی شروع ہوگئی۔ معاہدے کی شرائط کے مطابق نجستہ اختر کی خواہش تھی کہ جہاندار شاہ کے ہاتھ لگنے والا شاہی خزانہ' جو طلائی اشرفیوں سے لدے اسی چھکڑوں اور روپوں کے ایک سو چھکڑوں پر مشتمل تھا' اسے تین مساوی حصوں میں تقسیم کیا جائے لیکن ذوالفقار خان کے جوڑ توڑ کی وجہ سے صرف ۲/۵ واں حصہ دونوں بھائیوں کو دیا گیا جب کہ ۳/۵ حصہ جہاندار شاہ نے اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ اس سے نجستہ اختر بڑا برافروختہ ہوا۔ لہٰذا اس نے جہاں شاہ کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ متعدد اعلیٰ منصب دار افسران شامل ہوگئے اور اس نے ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے جہاندار شاہ سے جنگ شروع کر دی لیکن اسے شکست دے کر قتل کر دیا گیا۔ اس کا بیٹا فرخندہ اختر ایک انتہائی باکمال شہزادہ' جو اسی ہاتھی پر اپنے والد کے پیچھے بیٹھا تھا' نیچے اترا اور اپنے ہاتھ میں شمشیر لے کر لڑا لیکن مہلک زخم آنے کے باعث ہلاک ہوگیا۔(۱)

اب تخت و تاج کے لیے صرف دو مد مقابل معز الدین اور رفیع الشان باقی رہ گئے تھے۔ موخر الذکر امیر الامراء اور ذوالفقار کی خیر خواہی اور وفاداریوں پر مکمل بھروسہ تھا' جس نے مرحوم بادشاہ کی زندگی میں خان خاناں کے خلاف اس شہزادے کی مدد کی تھی۔ شہزادے اور امیر الامراء نے پگڑیاں بھی بدل لی تھیں اور شہزادہ امیر الامراء کو "چچا" کہتا تھا۔ امیر الامراء کی دوستی پر مکمل بھروسہ کرنے کے بعد اس وقت تک خاموش تماشائی بنے کا فیصلہ کیا' جب تک اس کے دونوں حریفوں میں سے ایک آدھ گر نہیں جاتا اور پھر اپنے مددگار کی مدد سے وہ زندہ بچ جانے والے پر چڑھائی کر کے اسے ٹھکانے لگا دے گا۔ اس نے اپنا منصوبہ اپنے ساتھیوں کو بتایا اور حکم دیا کہ عظیم نقارہ بجایا جائے اور معز الدین کے

خلاف فوراً پیش قدمی کر دی۔

یوں تو رفیع الشان بھی لڑائی کے لیے تیار تھا لیکن اسے یہ دیکھ کر بہت حیرانگی ہوئی کہ اس کا عزیز دوست امیر الامراء اپنی فوج کو دشمن کی فوج کے سامنے جنگ کے مطابق ترتیب دے رہا ہے اور تمام کاروائیوں کو خود ہی انجام دے رہا ہے۔ شہزادہ سرپٹ دوڑتا ہوا آگے بڑھا اور نہایت بہادری اور دلیری کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا لیکن لڑائی کے دوران اس کے بدخشی نے اس سے غداری کی، جس نے امیر الامراء سے خفیہ طور پر ساز باز کر کے اپنے آقا کے خلاف ہو جانے کی جرات کی۔ یہ دیکھتے ہوئے بہادر شہزادہ ہاتھی سے نیچے اترا اور ہاتھ میں تلوار کھینچ کر تن تنہا گھمبیر لڑائی کے وسط میں پہنچ گیا۔ اس نے بہادری اور شجاعت کے مایہ ناز جوہر دکھائے لیکن بری طرح زخمی ہو کر نیچے گرا اور ہلاک ہوگیا۔ اس کے تینوں بیٹے محمد ابراہیم، رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات بھی زخمی ہوئے لیکن جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ اپنے واحد حریف معز الدین پر فتح حاصل کرنے کی خوشی میں اس نے حکم دیا کہ فتح کا نقارہ بجایا جائے۔ اس نے اپنے بھائیوں کی کٹی پھٹی لاشوں کو لوگوں کو دیکھنے کے لیے چار روز تک میدان جنگ میں پڑا رہنے کی اجازت دے دی۔ بعد میں انہیں دہلی بھیج کر بغیر کسی رسم یا شان و شوکت کے بادشاہ ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کرا دیا، جو مقتول شہزادوں کا ایک عام ٹھکانہ تھا۔

معز الدین، جو اب تخت و تاج کا بلا شرکت غیرے مالک تھا، جہاندار شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ برسر اقتدار ہونے کے بعد نئے بادشاہ کا پہلا کام خاندان شاہی کے شہزادوں کے خون سے ہاتھ رنگنا تھا۔ یہ ایک ایسا جرم تھا جو آزاد خیال جہانگیر کے دور سے، کلاہ شاہی اختیار کرنے پر نسل تیمور کی خصوصیت بن گیا تھا۔ عظیم الشان کے سب سے بڑے بیٹے سلطان کریم الدین کو ہدایت کیشن خان کی مخبری کے ذریعے لاہور میں گرفتار کر کے بادشاہ کی موجودگی میں اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ عظیم شان کے بیٹے علی تبر، فیروز مند، کام بخش کے دونوں بیٹوں اور خاندان شاہی کے دیگر شہزادوں کو قتل کر دیا گیا۔ ان کاروائیوں کے بعد بادشاہ لاہور سے روانہ ہوا اور ایک فاتح کے فخر و نخوت کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔

جہاندار شاہ ایک کمزور، بزدل، عیاش اور کاہل شہزادہ تھا۔ وہ ایسی گھٹیا برائیوں کا عادی تھا جو بادشاہ کے شایان شان نہیں تھیں اور وہ ایک عام رقاصہ کا ادنیٰ غلام بن گیا۔ اس عورت نے، جس کا نام لعل کور تھا، بادشاہ پر اس قدر اختیار حاصل کر لیا تھا کہ وہ اس کا آلہ کار بن کر رہ گیا اور اپنی شان و شوکت اور رتبے کو فراموش کر کے مکمل طور پر اس

کے ماحول اور اثر و رسوخ کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اسے امتیاز محل بیگم کا خطاب اور اس کے گھریلو اخراجات اور ملبوسات و جواہرات کے علاوہ دو کروڑ روپے کا سالانہ و ظیفہ بھی عطا کیا گیا۔ اسے بادشاہ کے قریب ایک چھتری سے مزین ہاتھی پر سوار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ یہ رعایت صرف شاہی خاندان کے شہزادوں کو حاصل تھی۔ بادشاہ کے دودھ شریک بھائی، کوکل طالش خان کو امیر الامراء کے منصب پر فائز کیا گیا اور اس کے علاوہ خان جہاں بہادر کا خطاب بھی مرحمت کیا گیا۔ اس کے بھائی خوشاں کو سات ہزاری شہسوار دستے کا کماندار اور اس کے چچا نیامت کو پانچ ہزاری منصب پر فائز کیا گیا۔

سبزی کی دکان کی مالکہ ایک عورت زہرہ کو، جو لعل کور کی خاص سہیلی تھی، ایک مناسب جاگیر کے ہمراہ ایک اعلیٰ منصب پر فائز کر دیا گیا۔ وہ اپنی سہیلی کی خوشیوں کی شریک بن گئی اور وہ نہایت قیمتی ساز و سامان سے آراستہ ہاتھی پر سوار خادموں کی جماعت کے ساتھ گلیوں میں نمودار ہوتی، جو سلطنت کے اولین امیر کے مساوی تھا اور جسے اس نے شاہی بیگمات کے کمرے کے قریب ٹھہرایا ہوا تھا۔ توجہ کے طالب امراء اور درباری بادشاہ کی حمایت حاصل کرنے کے لیے زہرہ کے ذریعے اپنے تحائف بھیجتے تھے۔ بادشاہ اکثر لعل کور کے ہمراہ بگھی میں سوار ہو کر گلیوں سے گزرتا تھا، جہاں وہ بعض اوقات جواہرات، سونا، ریشمی اور عمدہ کتان اور دیگر اوقات میں سبزیاں، پھل اور انتہائی بے ہودہ اشیاء خریدتے تھے۔ بادشاہ اور اس کی داشتہ کی غلیظ تفریحات اس حد تک پہنچ چکی تھیں کہ ایسی ہی ایک رات کو پورا دن تفریحات اور قلعہ کے نزدیک مختلف باغات میں سرگشت کرتے ہوئے گزارنے کے بعد وہ ایک قحبہ خانے میں چلے گئے، جہاں وہ بے خبر ہوگئے۔ قحبہ خانے کے مالک کو بھاری رقم اور ایک گاؤں سے نوازنے کے بعد وہ مدہوشی کی حالت میں محل کی طرف لوٹے، لیکن اس کی داشتہ اکیلی ہی محل کی خواب گاہ میں داخل ہوئی اور وہاں اپنے بادشاہ کو نظر انداز کر کے گہری نیند سوگئی۔ گاڑی بان، جس نے آقا کے ہمراہ مے نوشی میں حصہ لیا تھا، گاڑی کو بغیر دیکھے اور اس کا معائنہ کیے اصطبل میں لے گیا۔ اگلی صبح جب محل کے افسروں نے بادشاہ کو موجود نہ پایا تو انہیں تشویش ہوئی اور باشاہ کی تلاش شروع ہوگئی۔ سب کو اس بات پر حیرانی ہوئی کہ بادشاہ محل سے دو میل کے فاصلے پر ایک بگھی میں اپنی ایک داشتہ زہرہ کی بانہوں میں سویا ہوا پایا گیا۔ امراء کو اس شرمناک واقعہ سے بہت دکھ پہنچا لیکن کمزور جہاندار شاہ اور اس کے بدکار مصاحب اس پر قہقہہ لگا کر رہ گئے۔

بادشاہ اس حد تک بے غیرت اور بے شرم ہوگیا تھا کہ گلیوں میں سے گزرتے ہوئے وہ نچلے درجے کے اہل حرفہ کی بیویوں اور بیٹیوں کو پکڑ لیتا، جو بالکل بے یار و مددگار تھے۔

ایک مرتبہ ایک بیہودہ توہم کے باعث وہ اپنی بیوی کے ہمراہ چراغ دہلی کے تالاب میں اس امید کے تحت نہانے کے لیے گیا کہ اس رسم سے حمل ٹھہر جائے گا۔ اس کی بیوی نے شہنشاہ اورنگ زیب کی عالم فاضل بیٹی زیب النساء کی توہین کرنے کی گستاخی کی۔ کیونکہ اس نے اسے سلام نہیں کیا تھا۔ اس نے بادشاہ سے اس کی شکایت کی لیکن ملکہ نے اس حقیر بادشاہ کی تجویز کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا اور بڑی ثابت قدمی سے اپنی شان کو برقرار رکھا۔

جس وقت بادشاہ اپنے آپ کو بدکاریوں اور انتہائی شرمناک برائیوں میں ملوث کر چکا تھا تو امیر الامراء ذوالفقار خان کو مملکت میں اختیار کل حاصل ہوگیا۔ ملک کے انتظام سے وابستہ تمام معاملات میں اس کی مرضی چلتی تھی۔ ارادت خان کے مطابق "اس کا غرور اس قدر تھا کہ فرعون اور شداد بھی اس کی دہلیز پر قدم نہیں رکھ سکتے تھے"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس ابتری اور کمزوری کے دوران بہادر شاہ کے چہیتے بیٹے عظیم الشان کے صاجزادے فرخ سیر نے سیدوں' حاکم بہار عبداللہ خان اور حاکم الہ آباد حسین علی خان' دونوں بھائیوں کی مدد سے پٹنہ میں جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ وہاں مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور اس کے نام کا سکہ رائج کر دیا گیا۔ اس کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے باشاہ کے بیٹے اعزالدین اور گوکل طالش خان کے بھائی خان دوراں خواجہ احسن خان کی قیادت میں ایک طاقتور فوج روانہ کی گئی لیکن اسے شکست ہوئی۔ اس پر بادشاہ ۷۰ ہزار گھڑ سواروں' بے شمار پیادہ فوج اور ایک توپ خانے کے ساتھ سپہ سالار فوج امیر الامراء ذوالفقار خان کے ہمراہ اپنے دارالسلطنت سے روانہ ہوا۔ دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ۳۰ دسمبر ۱۷۱۲ء کو آگرہ کے میدان میں ہوئی۔

جنگ آگرہ ۱۷۱۲ء

سیدوں نے زبردست حملہ کیا اور جہاندار کی فوج میں ابتری پھیلا دی اور اس کے بہترین جرنیلوں کو قتل کر دیا گیا' جن میں اس کا دودھ شریک بھائی گوکل طالش خان بھی تھا۔ بزدل باشاہ کا دھیان اپنی داشتہ لعل کور کی طرف چلا گیا۔ لہٰذا وہ اس کے ہاتھی پر سوار ہو کر شام کے دھندلکے میں آگرہ کی طرف مراجعت کر گیا۔ ذوالفقار خان کے رات کی پہلی گھڑی میں میدان جنگ سنبھالا لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ معاملات اب درست نہیں ہوسکتے' اس نے اپنی فوجوں کے ہمراہ میدان جنگ کو چھوڑا لیکن اچھی حالت میں۔ بادشاہ نے ہندوؤں کی طرح اپنی داڑھی اور مونچھیں منڈوا دیں اور لباس بدل کر بھیس بدلنے کے بعد

رات کے وقت اپنی داشتہ 'گویوں' خواجہ سراؤں اور اپنی ذات سے وابستہ ہر قسم کے لوگوں کے ایک لشکر کے ہمراہ دارالسلطنت کی طرف روانہ ہوگیا۔ دھلی پہنچنے پر قلعہ میں جانے کی بجائے وہ ایک پرانے وزیر اسد الدولہ کے گھر چلا گیا' جس نے اسے فوراً گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ فرخ سیر نے وزیر کے کام کی بہت تعریف کی لہٰذا جهاندار شاہ کو سید عبداللہ خان کے حوالے کر دیا گیا اور اسے سلیم گڑھ کے محل میں سخت قید میں ڈال دیا گیا۔ چنانچہ صرف گیارہ ماہ کے دور کے بعد کمزور جهاندار شاہ کے دور حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔(۲)
جهاندار شاہ کے تھوڑی دیر بعد ذوالفقار خان بھی دہلی میں اپنے والد کے محل میں پہنچ گیا۔

حوالہ جات

(۱) ارادت خان کی سرگزشت۔

(۲) مسٹر روجرز "جرنل آف بنگال ایشیاٹک سوسائٹی" میں جهاندار کے سکوں پر مندرجہ ذیل عبارات کا ذکر کرتے ہیں:

در آفاق زد سکہ بر مہروماہ ابوالفتح غازی جهاندار شاہ

"ابوالفتح غازی جهاندار شاہ نے پوری دنیا میں چاند اور سورج پر اپنی مہر ثبت کر دی ہے"۔

ایک دوسرے سکے پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

بزد سکہ بز زد چو صاحب قران جهاندار شاہ بادشاہ جہان

"فاتح بادشاہ جهاندار شاہ نے اپنی سلطنت میں سورج اور چاند کی طرح سکہ مضروب کرایا"۔

مفتاح التواریخ مندرجہ ذیل عبارت کے متعلق بتاتی ہے:

بزد سکہ در ملک چون مہروماہ شہنشاہ غازی جهاندار شاہ

"فاتح بادشاہ جهاندار شاہ نے اپنی سلطنت میں اپنا سکہ سورج اور چاند کی طرح مضروب کرایا"۔

باب ۱۹

محمد فرخ سیر

فرخ سیر ابھی میدان جنگ میں تھا' جب وہ یکم جنوری ۱۷۱۳ء کو صبح صادق کے وقت تخت نشین ہوا اور دربار عام منعقد کیا۔ اس ماہ کی ۹ تاریخ کو دہلی میں داخل ہونے پر اس نے دہشت ناک دور کا آغاز کر دیا۔ سید عبداللہ خان کو ۷ ہزاری منصب کے ہمراہ اور "قطب الملک یار وفادار ظفر جنگ" کے خطاب کے ساتھ وزیر کے منصب پر فائز کیا گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی حسین علی خان کو سات ہزاری منصب اور "امیر الامراء اہتمام الملک" کے خطاب کے ساتھ سپہ سالار اعظم کے عہدہ پر متمکن کیا گیا۔ محمد امین خان کو "اعتماد الدولہ" بنایا گیا اور چن قلیچ خان کو "نظام الملک بہادر فتح جنگ" کے خطاب کے ہمراہ دکن کی صوبیداری بھی عطا کی گئی۔

ذوالفقار خان نے اپنی پگڑی کے ساتھ اپنے ہاتھ باندھ کر اپنے بوڑھے باپ اسد خان کے ہمراہ اپنے آپ کو بادشاہ کے سامنے پیش کر کے معافی کی التجا کی۔ بادشاہ نے ظاہری طور پر بڑی مہربانی کا اظہار کرتے ہوئے ذوالفقار خان کے ہاتھ کھول کر اسے خلعت اور جواہرات پیش کرنے کا حکم دیا۔ اس نے اسد خان کو حکم دیا کہ وہ واپس گھر چلا جائے اور ذوالفقار خان سے کہا کہ وہ ایک بیرونی خیمہ میں انتظار کرے۔ یہاں امراء اور ان کے خادموں کی ایک بہت بڑی تعداد سابق وزیر کے اردگرد جمع ہوگئی اور بادشاہ کے والد عظیم الشان اور محمد کریم کی موت کی وجہ بننے پر اسے لعنت ملامت کرنے لگے لیکن اس نے بھی کھردرے اور تیز جوابات دیے۔ اس پر اس کے گلے میں چمڑے کا تسمہ لپیٹ کر زور سے کھینچ دیا گیا۔ اس نے تسمے کو ڈھیلا کرنے کی بہت کوشش کی لیکن متعدد آدمیوں نے اس پر خنجروں سے حملہ کر دیا اور فورا بھاگ گیا۔ اسی روز جہاندار شاہ کو ترپولیہ میں ایک تاریک اور چھوٹے

سے کمرے سے باہر لایا گیا' جس میں وہ قید تھا اور اس کو پھانسی دے دی گئی۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ جہاندار شاہ کے سر کو نیزے پر چڑھا کر ہاتھی پر شہر کے مختلف علاقوں میں سے گزارا جائے اور اس کی لاش کو آڑا ترچھا کر کے اس پر ڈالا جائے۔ ذوالفقار خان کی نعش کر سر نیچے کر کے ہاتھی کی دم سے باندھ دیا گیا جب کہ قابل احترام ضعیف آدمی اسد خان اپنے خاندان کی تمام عورتوں کے ہمراہ' جو پہرے دار گاڑیوں میں بیٹھی تھیں' ایک پالکی میں ہاتھی کے پیچھے آ رہا تھا۔ سارے شہر میں گشت کرانے کے بعد ان لاشوں کو قلعہ کے دروازے پر پھینک دیا گیا۔ مرحوم بادشاہ کی لاش ہمایوں کے مقبرہ کے احاطہ میں خاندانی قبرستان میں دفن کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ اسد خان کی ضعیف العمری کے باعث اس کی جان بخشی کر دی گئی لیکن خان جہان کے محل میں اس کو عمر قید کی سزا دی گئی اور اس کے اور اس کے بیٹے کے تمام اثاثے ضبط کر لیے گئے۔ شاہی خاندان کے متعدد شہزادوں اور سابقہ دربار کے امراء کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ جہاندار شاہ کے بیٹے اعزالدین' محمد عظیم شاہ کے بیٹے والاتبر' اور فرخ سیر کے دس یا گیارہ سالہ چھوٹے بھائی ہمایوں بخت کی آنکھوں میں دہکتی ہوئی سلائیاں پھیر کر انہیں بصارت سے محروم کر دیا گیا۔ ذوالفقار خان کے خزانچی راجہ سوبھاچند کی زبان اس لیے کاٹ دی گئی کہ اس نے اسے بہت آزادی دے رکھی تھی۔

فرخ سیر کے دور میں سلطنت خوشحال نہ ہو سکی۔ وہ ایک کمزور' بزدل اور اخلاقیات و اہلیت سے عاری شخص تھا اور نچ لوگوں میں عنایات کرتا تھا۔ وزیر عبداللہ نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو عیش و نشاط میں معروف کر لیا اور اپنے اعلیٰ منصب کے معاملات ایک ہندو رتن چند کے ہاتھ میں دے دیے' جو کبھی ایک پرچون فروش دکاندار تھا لیکن اب اسے اپنے عیاش آقا کے نام پر سارے ہندوستان پر بے قابو اختیار حاصل ہو گیا تھا۔

دریں اثناء سکھوں نے پنجاب میں فساد برپا کر دیا۔ انہوں نے پہاڑوں سے نمودار ہو کر ستلج اور لاہور کے درمیان پورے علاقے کو تہ و بالا کر دیا۔ ایک تورانی امیر عبدالصمد خان دلیرجنگ اپنے نائب کو کشمیر میں چھوڑنے کے بعد قمرالدین خان' محمد امین خان اور اصغر خان کے ہمراہ سکھوں کے خلاف روانہ ہوا۔ خود بادشاہ بھی ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ سکھوں کی ناکہ بندی کر دی گئی' لہٰذا انہوں نے بھوک پیاس اور ہر قسم کی محرومی کے بعد آخرکار ہتھیار ڈال دیے۔ ان کے دو ہزار افراد قتل ہوئے اور ان کے گورو "بندہ" کو اس کے ساتھیوں کے ہمراہ پا بہ زنجیر کر کے دہلی روانہ کر دیا گیا'

جہاں ان سب پر تشدد کر کے ہلاک کر دیا گیا۔(۱) عبدالصمد خان نے سکھوں کو مطیع کر کے اور ان کے رہنما بندہ کو ختم کرنے کا حکم دینے کے بعد اب ان کی طاقت کو تباہ کرنے اور اس نسل کو مٹانے کے لیے سخت اقدامات کیے۔ ایک شاہی فرمان جاری کیا گیا کہ نانک کے مذہب کا دعویٰ کرنے والے تمام افراد کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ ہر سکھ کے سر کے لیے روپے کی صورت میں انعام دیا جائے گا۔ مشتعل مسلمانوں نے سکھوں کے لیے زمین تنگ کر دی۔ جہاں کوئی سکھ دکھائی دیتا' اسے نہایت بے دردی سے قتل کر دیا جاتا۔ شاہی حکم کے اوپر عمل پیرا ہونے کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں کو سختی سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے بال چھوٹے کرائیں۔ ہندوؤں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے سر منڈوائیں اور اگر کوئی ہندو لمبی داڑھی یا بالوں کے ساتھ دیکھا گیا تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے گا۔ ان مایوسانہ اور اذیت رساں انتہائی اقدامات نے پوری سکھ قوم میں دہشت اور خوف و ہراس پھیلا دیا۔ ان میں سے جو باقی بچ گئے' یا تو پنجاب کے شمال مشرقی پہاڑوں کی طرف فرار ہوگئے یا دوردراز جنگلوں میں روپوش ہوگئے۔ ان میں سے بہت زیادہ ایسے افراد' جو اپنا گھربار نہیں چھوڑ سکتے تھے' انہوں نے اپنی ظاہری وضع قطع کو بدل لیا اور اپنی داڑھی مونچھیں ترشوا کر ظاہری عبادت کو بھی ترک کر دیا۔

فرخ سیر کے دور حکومت کے چھٹے سال یا ۱۷۱۶ء میں ذوالفقار خان کا والد قابل احترام اسد خان' جو شاہجہاں کے دور میں تقریباً بیس سال سے سرکاری ملازمت میں تھا' ۹۵ برس کی عمر میں انتقال کر گیا۔ وہ میر جہاں کے خاندان کا فرد تھا اور بلند حوصلہ اور جوش و جذبہ رکھنے کے باوجود نرم طبیعت اور فیاضانہ قلب کا مالک تھا۔ وہ نئے دربار کے امراء کے سامنے جھکا نہیں' بلکہ شان کے ساتھ زندہ رہا اور اس نے پوری سلطنت میں آخر دم تک اپنا اثر و رسوخ قائم رکھا۔ اس بوڑھے شخص نے اپنے بستر مرگ پر سلطنت دہلی کے زوال کی پیشین گوئی کر دی۔ اس نے بادشاہ کی طرف سے تعزیت کے لیے بھیجے گئے پیغام رسان سے کہا "معلوم ہوتا ہے اب بدلے کا دن آن پہنچا ہے۔ بادشاہ اپنے کام میں پوری طرح مصروف ہے اور مجھے بہت زیادہ خدشہ ہے کہ پوری سلطنت میں ابتری کے باعث شاہی تیمور کے تخت کے ستونوں تلے بیٹھ گئی ہے"۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بدشگون ثابت ہوئے۔ درحقیقت سلطنت کی قسمت اب مہربند ہوگئی تھی۔

باشاہ نے اب سید بھائیوں کے جوئے کو بھاری سمجھنا شروع کر دیا اور ان کو اقتدار سے محروم کرنے کے لیے بے چین ہوگیا۔ سید بھائیوں میں سے حسین علی کو مرہٹوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ جب اس کی قیادت میں شاہی فوجیں منتشر

ہو گئیں تو اس نے راجہ سھوتے مرہٹہ کے ساتھ بات چیت کی' جس کی روز سے موخر الذکر کی خود مختار بادشاہت کے دعووں کو تسلیم کر لیا گیا اور مرہٹوں کو دیگر مراعات دی گئیں۔ بادشاہ نے اس ہتک آمیز معاہدے کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا اور سیدوں اور اس کے درمیان خلیج وسیع ہو گئی۔

وزیر نے اپنی فوج اور مرہٹوں کی ۱۰ ہزار امدادی فوج کے ہمراہ مرہٹوں سے الحاق کر کے دہلی پر چڑھائی کر کے اس پر تھوڑی سی مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد قبضہ کر لیا۔ بادشاہ دہلی کے جن شہروں میں مقبول تھا' انہوں نے اس سے بہت زیادہ ہمدردی کا اظہار کیا اور متعدد ترک امراء کے دروازوں پر متعین مرہٹہ محافظوں کو مار بھگانے میں کامیاب ہوگئے اور انہوں نے دشمن فوج کے پندرہ سو سپاہیوں کو ہلاک کر دیا لیکن بادشاہ کے تذبذب کے باعث اس کے حامی اس سے بدظن ہوگئے اور وہ حفاظت کے نکتہ نظر سے اپنے آپ کو شاہی حرم سرا کے تہہ خانوں میں چھپانے پر مجبور ہو گیا۔ افریقی' حبشی' روسی اور کالمک عورتوں کی مسلح جماعت ہر وقت بادشاہ کے محل پر پہرہ دیتی تھی۔ انہوں نے مزاحمت کی لیکن فوج ان پر غالب آکر دروازے میں داخل ہونے پر کامیاب ہو گئی۔ لہٰذا بادشاہ کی تلاش کے لیے ہر کمرہ چھان مارا گیا۔ عورتوں اور مسلح محافظ عورتوں پر تشدد کر کے انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ اس کے چھپنے کی جگہ بتائیں اور آخر کار اسے خفیہ جگہ سے باہر نکال لیا گیا۔

اسی لمحہ بے شمار شہزادیوں اور اعلیٰ مرتبے کی بیگمات' جن میں بادشاہ کی والدہ' بیوی اور بیٹی بھی شامل تھیں' روتی پیٹتیں اس کی مدد کو دوڑیں اور اس کے گرد دائرہ بنا کر افغان سپاہیوں سے التجا کرنے لگیں کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ تاہم اسے عورتوں سے علیحدہ کر کے ترپولیہ کے اوپر زندان میں پھینک دیا گیا اور بعد ازاں بصارت سے محروم کر دیا گیا۔ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر قطعہ تاریخ اس جملے سے دریافت ہوتا ہے:

فاعتبروا یا اولی الابصار

"عبرت حاصل کرو' جو آنکھیں رکھتے ہو"۔

اچانک شہریوں کے لیے یہ اعلان کرا دیا گیا کہ بہادر شاہ کے پوتے اور رفیع القدر کے چھوٹے بیٹے شمس الدین رفیع الدرجات نے تخت شاہی سنبھال لیا ہے اور فرخ سیر کی حکومت ختم ہو گئی ہے۔ محل کے دروازوں پر نقارے گونجنے لگے۔ درباری ایوانوں کی راہداریوں میں نقیب بلند آواز سے پکارنے لگے۔ نسیم صبح میں سلامیوں کی جھنکاریں سنائی دینے لگیں۔ نوجوان شہزادہ جو ابھی ایک بیس سال کا لڑکا تھا' اسے جلدی سے محل سے

ملحقہ سلیم گڑھ کے سرکاری قید خانے سے باہر نکال کر تخت پر بٹھا دیا گیا۔ حتیٰ کہ اسے غسل کرنے اور اپنے آپ کو صاف ستھرا کرنے کا وقت بھی نہ ملا اور اسے بستر سے اٹھا کر شب خوابی کے لباس میں تخت پر بٹھا دیا گیا۔ عبداللہ خان نے جلدی سے اپنے گلے سے بڑے بڑے سچے موتیوں کی مالا اتاری اور اسے شہزادے کے جبے پر ڈال دیا۔ فرخ سیر کو طویل موت کی اذیتوں میں مبتلا رکھنے کے بعد قید تنہائی میں پھینک دیا گیا۔ اس کی گردن کے گرد چمڑے کا ایک تسمہ یا کمان کی ڈور لپیٹ دی گئی۔ شہزادے نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسے گردن سے اتارنے کی بھرپور کوشش کی اور ہاتھوں اور پاؤں سے حتی الامکان کوشش کرنے کے باوجود نہ چھڑا سکا۔ وزیروں کی ہتک اور بے عزتی کے باعث اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ حتیٰ کہ خدائی انصاف بھی ان جیسے مکار انسانوں کی زندگی کو گوارا کر لیتا ہے لیکن اب فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس بدقسمت شہزادے کو زبردست گھونسوں کے علاوہ ایک خنجر کے باعث انتہائی اذیت ناک موت سے دو چار ہونا پڑا۔ یہ واقعہ ۱۶ر مئی ۱۹ا۷اء کو رونما ہوا۔ اس کی لاش کو ہمایوں بادشاہ کے مقبرہ میں لے جایا گیا اور انتہائی شان و شوکت کے ساتھ وہاں دفن کر دیا گیا۔(۲) اس نے چھ سال اور چار ماہ تک حکومت کی۔

حوالہ جات

(۱) ان کارروائیوں کے مکمل بیان کے لیے ملاحظہ کیجئے: "بندہ گرو کی حیات"۔

(۲) سرکردہ شہریوں کے ایک بہت بڑے ہجوم نے جنازہ میں شرکت کی لیکن جیسے ہی اس جنازے کا جلوس شہر کے مضافات سے باہر نکلا تو ماتمین پر آوازے کسے جانے لگے اور اینٹیں اور مٹی کے ڈھیلے برسائے جانے لگے۔ (سیر المتاخرین)

اس بادشاہ کے سکے پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر   بادشاہ بحر و بر فرخ سیر

"فرخ سیر بادشاہ بحروبر نے سونے اور چاندی پر اللہ کے فضل و کرم سے اپنی مہر ثبت کی"۔

دہلی کے شریر بچوں نے اس شعر کی تضمین اس طرح کی تھی:

سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر   بادشاہ اللہ دانہ کش فرخ سیر

"لالچی بادشاہ فرخ سیر نے اپنا سکہ گندم، موٹھ اور مٹر پر مضروب کرایا"۔

باب ۲۰

شمس الدین ابوالبرکات، رفیع الدرجات

رفیع الدرجات کی تخت نشینی پر عام معافی کا اعلان کر دیا گیا۔ قطب الملک سید عبداللہ اور سلطنت کے دیگر امراء نے اسے مبارک باد دی۔ سابق بادشاہ کے دور حکومت میں اس کے معتمد عنایت اللہ کے مشورے سے ہندوؤں پر عائد جزیہ کو معاف کر دیا گیا اور پورے ملک میں لوگوں کو تحفظ اور سلامتی کی یقین دہانی کرائی گئی۔ دونوں سید بھائی قطب الملک عبداللہ اور امیر الامراء حسین علی ہی اصل میں سلطنت کا انتظام چلاتے تھے لیکن کٹھ پتلی بادشاہ اپنی تخت نشینی کے تین ماہ کے اندر اندر تپ دق کے باعث انتقال کر گیا۔ (۱)

رفیع الدولہ شاہجہاں ثانی

رفیع الدرجات کے انتقال پر بادشاہ گر، سید بھائیوں نے اس کے چھوٹے بھائی رفیع الدولہ کو "شاہجہاں ثانی" کے لقب کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا۔ اپنے مرحوم بھائی کی طرح وہ بھی ملک کی حکومت میں کوئی حصہ نہیں لیتا تھا اور اسے ایک امیر ہمت خان کے زیر ہدایت کر دیا گیا تھا، جو اس کے سرکاری و نجی معاملات کے بارے میں ہدایات جاری کرتا اور اس کی خوراک و کپڑے لتے کا انتظام کرتا تھا۔ اسے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد جانے یا شکار پر جانے یا ماسوائے سید بھائیوں میں سے کسی ایک یا اپنے سرپرست کی موجودگی کے دربار کے کسی امیر سے بات تک کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اورنگ زیب کے پوتے اور شہزادہ اکبر کے چھوٹے بیٹے نیکوسیئر نے آگرہ کے افسروں اور ہمسایہ فوج کے تعاون سے خود مختاری اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ امیر الامراء حسین علی نے اس سے جنگ کی اور اسے قیدی بنا لیا۔ آگرہ کے قلعہ میں جواہرات اور دیگر قیمتی اشیاء پر مشتمل بہت بڑا

خزانہ فاتح کے ہاتھ لگا۔ باقی ماندہ میں نورجہاں بیگم اور ممتاز محل کے دو یا تین کروڑ روپے مالیت کے اثاثے بھی تھے۔ وہاں سچے موتیوں کی ایک چادر بھی تھی' جسے شاہجہاں نے اپنی محبوب ملکہ کے لیے بنوایا تھا اور جسے اس کی شادی کی سالگرہ کے موقع پر اور جمعے کی رات کو بادشاہ کے مزار پر پھیلا دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ نورجہاں کا بدھنا اور قیمتی موتیوں اور سونے کے جڑاؤ کا تکیہ بھی تھا' جس کے کناروں پر قیمتی یاقوت اور زمرد لگائے گئے تھے۔ اس مال غنیمت نے سید بھائیوں میں جھگڑا پیدا کر دیا' حتیٰ کہ عبداللہ کے وزیر رتن چند نے مداخلت کی۔ اس کے چار ماہ بعد حسین علی نے ناخوشی سے لوٹ مار میں حصے کے طور پر اپنے بھائی کو بیس لاکھ روپے دے دیے۔

رفیع الدولہ تین ماہ اور چند دن تک واجبی سی حکومت کرنے کے بعد اسہال اور ذہنی خلل کے باعث انتقال کر گیا۔ اپنے بھائی کی طرح اسے بھی خواجہ قطب الدینؒ کے مقبرہ کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

حوالہ جات

(۱) مسٹر روجرز کے مطابق بادشاہ نے مندرجہ ذیل عبارت کا حامل سکہ مضروب کرایا:

زد سکہ بہمند با ہزاران برکات
شاہشتہ بحر و بر رفیع الدرجات

"بحر و بر کے بادشاہ رفیع الدرجات نے ہندوستان کا سکہ ہزاروں برکات سے مضروب کرایا"۔

باب ۲۱

ابوالفتح روشن اختر نصیرالدین محمد شاہ

رفیع الدولہ کے انتقال پر سید وزراء نے بہادر شاہ کے ایک بیٹے نجستہ اختر جہاں شاہ کے صاحبزادے روشن اختر کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا۔ اپنے چچا جہاندار شاہ کے انتقال کے وقت سے یہ شہزادی اپنی والدہ مریم مکانی کے ہمراہ (جو ایک غیر معمولی حوصلے اور ذہانت کی حامل شہزادی تھی) دہلی کے قلعہ میں گمنامی کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ بروز جمعہ ۲۳ر ربیع الاول ۱۱۱۴ ہجری بمطابق ۱۵ر اگست ۱۷۰۲ء کو غزنی کے مضافات میں پیدا ہوا اور جس وقت اسے تخت پر بیٹھنے کے لیے بلایا گیا تو وہ اس وقت اٹھارہ سال کا ایک خوبصورت جوان تھا۔ اس کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ صرف کی گئی۔ اس کے خیر خواہ خط و خال سے مستقبل کی عظمت ظاہر ہو رہی تھی۔ ایک مبارک گھڑی میں وہ ۱۵ر ذیلقعد ۱۱۳۱ ہجری (اکتوبر ۱۷۱۹ء) کو تخت نشین ہوا اور ابوالفتح نصیرالدین محمد شاہ بادشاہ غازی(۱) کا لقب اختیار کیا۔ آفت زدہ ماحول میں پروان چڑھنے اور اپنے صورت حال سے پوری طرح باخبر ہونے پر نوجوان بادشاہ نے ان دو حریف سیاستدانوں کی رہنمائی سے پرہیز کرنا شروع کر دیا' جن کی وجہ سے اس نے عروج حاصل کیا تھا لیکن اب اس نے ان کے جوئے کو بھاری محسوس کرنا شروع کر دیا اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ جس وقت حسین علی ایک سرکش سردار کو مغلوب کرنے کے لیے اپنی فوج دکن کی طرف لے جانے والا تھا تو ایک کرائے کا قاتل میر حیدر ایک کا لمک' اس کی پالکی کے نزدیک آیا اور اپنے ہاتھ میں ایک درخواست کو لہرا کر اس کی توجہ مبذول کرائی۔ وزیر اس وقت اپنے خیمہ میں جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ملازموں کو اشارہ کیا کہ وہ اس آدمی کو آنے دیں اور اس کے ہاتھ سے درخواست لے کر پڑھنی شروع کر دی۔ اسی وقت حیدر نے بڑی پھرتی سے اپنا خنجر اس کے دل میں

اتار دیا۔ یہ ضرب مہلک تھی اور وزیر اپنی پالکی کی مخالف سمت میں لاش بن کر گر گیا(۲)۔ اسے صرف یہ کہنے کا موقع ملا "بادشاہ کو ختم کر دو"۔ اس کے ذریعے اسے اپنے بادشاہ کی سازش کے بارے میں شکوک دکھائی دیے۔ لہٰذا اس کے بھتیجے نے اپنے چچا کے آخری الفاظ کی پاسداری کے لیے اپنی فوجوں کے ہمراہ بادشاہ پر ایک زبردست حملہ کر دیا لیکن وہ خود بادشاہ کے خیموں میں داخل ہونے کی کوشش میں مارا گیا اور اس کے ساتھی تتر بتر ہوگئے۔ عبداللہ اپنے بھائی کے انجام سے باخبر ہو کر ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ بادشاہ کے خلاف روانہ ہوا لیکن اسے شکست دے کر قیدی بنا لیا گیا۔ محمد شاہ' جو اب ایک آزاد بادشاہ تھا' اپنے عوام کے نعروں کے درمیان اپنے دارالسلطنت میں داخل ہوا۔ سید عبداللہ اپنے زوال کے تین سال بعد ۱۹ر ستمبر ۱۷۲۳ء کو گمنامی میں انتقال کر گیا۔

ذوالحجہ کے مہینہ میں ۱۱۳۳ء (ستمبر ۱۷۲۱ء) میں اورنگ زیب کی صاحبزادی (جسے زینت النساء بیگم بھی کہا جاتا تھا) بادشام بیگم کا انتقال ہوگیا۔

پنجاب کے صوبیدار نواب عبدالصمد خان دلیر جنگ نے سکھوں کی بہت اچھی طرح روک تھام کی تھی۔ اب اسے لاہور کے جنوب میں واقع قصور کے پٹھانوں کے خلاف میدان سنبھالنے کے لیے بلا لیا گیا۔ انہوں نے اپنے ایک افغان سردار' حسین خان کی قیادت میں بغاوت کا علم بلند کر کے لاہور اور قصور کے درمیان چند زرخیز اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ افغان کماندار نے ضلعداروں اور سرکاری افسروں کو نکال باہر کر کے فوجوں کو جمع کیا اور ان کے ساتھ حاکم لاہور کی طرف سے اسے سزا دینے کے لیے روانہ کیے گئے جرنیل قطب الدین سے جنگ شروع کر دی اور اس کی شہسوار فوج کو منتشر کرنے' کماندار کو قتل کرنے اور اس کا تمام ساز و سامان لے جانے میں کامیاب ہوگیا۔ جلد ہی اس نے آٹھ یا نو ہزار شہسوار فوج تیار کی اور اس کی مدد سے اردگرد کے علاقہ سے تاوان وصول کرنا شروع کر دیا۔ حاکم لاہور سات یا آٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج کے ساتھ اس کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ چونیاں کے مقام پر ہوئی۔ لاہور کی فوج کے قلب کی کمان کریم قلی خان کر رہا تھا۔ دائیں جانب والے دستے' جانی خان اور خواجہ رحمت اللہ کی قیادت میں تھے۔ دونوں صوبیدار کے عزیز تھے اور بائیں جانب والے دستے اس کے نائب عارف کان اور اگر خان کی زیر قیادت تھے اور پوری فوج خان مرزا کے بھائی حفیظ خان کی قیادت میں تھی۔ ہراول دستہ ایک ہزار روہیلہ افغانوں پر مشتمل تھا جب کہ صوبیدار نے اپنے آپ کو بائیں جانب والی صفوں کے سامنے متعین کیا ہوا تھا۔ دشمن کی طرف حسین خان کے سگے بھتیجے مصطفیٰ خان کو پہلی رو میں تعینات کیا گیا تھا۔ اس کے ہمراہ رحمت خان'

سید خان اور دیگر پٹھان کمان دار تھے۔ یہ بھی ہاتھیوں پر سوار تھے۔ ایک زبردست جنگ شروع ہوگئی جس میں حاکم لاہور کو شکست ہوا ہی چاہتی تھی کہ اگر خان درانی فوجوں کے ہمراہ دشمن پر ٹوٹ پڑا اور اس کی پیش کردہ مثال پر عمل پیرا ہو کر اس کے آدمیوں نے صورت حال کو تبدیل کر دیا۔ حسین خان کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ اس کے ہاتھی کا مہاوت اپنی نشست سے نیچے گر کر ہلاک ہوگیا۔ اس کا مذہبی پیشوا شہباز بیگ' جو ہمیشہ اس کی دائیں جانب بیٹھتا تھا' وہ بھی ہلاک ہوگیا جب کہ حفیظ علی خان کی بندوق کے کارتوس نے حسین خان کی پیشانی کو زخمی کر دیا اور وہ بھی نیچے گرا اور افغان جنگجوؤں کی تلواروں کی زد میں آگیا۔ اب پٹھان فوجوں میں زبردست کمی واقع ہوگئی اور وہ ابتری اور انتشار کی حالت میں بھاگ اٹھے۔ اس پر شاہی فوج میں فتح کا نقارہ بجا دیا گیا۔ یہ جنگ سید وزیروں کے وقت میں ہوئی۔ انہوں نے عبدالصمد خان کو مبارک باد کے خطوط ارسال کیے اور حاکم لاہور کو "سیف الدولہ" کے اضافی لقب سے سرفراز کیا۔

ابھی پنجاب میں بمشکل امن و امان بحال کیا گیا تھا کہ ہمسایہ ملک کشمیر میں انتہائی خطرناک قسم کے مذہبی فسادات شروع ہوگئے۔ ایک کشمیری ملّا عبدالنبی' جو موہتوی خان کے نام سے بھی مشہور تھا' اس نے منتشر مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جمع کی اور مطالبہ کیا کہ فوری طور پر ہندوؤں کو گھوڑے کی سواری' سفید لباس' (جامے) پہننے پگڑی اور زرہ بکتر پہننے اور ماسوائے مخصوص اوقات میں میدانوں اور باغات میں ورزش کرنے کے لیے جانے اور مخصوص ایام میں غسل کرنے سے منع کر دیا جائے۔ شہر میں ہندوؤں کے تمام محلوں کو لوٹ مار کر کے نذر آتش کر دیا گیا اور بہت سے ہندوؤں کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ میر احمد خان حاکم کشمیر' جس نے متعصب ملاؤں کی تجویز کردہ شرائط کی منظوری دینے سے انکار کر دیا تھا' اس کی رہائش گاہ پر پتھروں اور اینٹوں سے حملہ کر دیا گیا۔ اس مشتعل ہجوم نے حاکم کشمیر کے بھتیجے سعید دلی اور کوتوال کے نائب ذوالفقار بیگ کو قتل کر دیا۔ حاکم کشمیر نے باقاعدہ فوجوں کے ساتھ مشتعل باغیوں کا مقابلہ کیا لیکن اسے شکست ہوئی۔

اپنی اس کامیابی سے خوش ہو کر موہتوی خان نے ہندوؤں پر سختیاں اور زبردست تشدد شروع کر دیا۔ بہت سے ہندوؤں کے ناک' کان کاٹ دیے گئے اور دیگر افراد کے زبردستی ختنے کیے گئے اور چند مواقعوں پر انہیں دہشت ناک طریقے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اس بربریت اور بے روک ظلم کا مظاہرہ کرنے کے بعد موہتوی خان ایک بہت بڑے ہجوم کے ہمراہ جامع مسجد میں گیا اور شاہی حاکم کو معزول کر کے بذات خود کشمیر کا حکمران ہونے کا اعلان کر دیا اور دیندار خان کا لقب اختیار کیا۔ کشمیر کے فسادات کی خبر جب دہلی پہنچی تو

مومن خان کو اس علاقے میں امن و امان بحال کرنے پر مامور کیا گیا۔ موہتوی خان اب پچھتایا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس کے ہمیشہ ساتھ رہنے والے اس کے دونوں بچوں کے پیٹ اس کی آنکھوں کے سامنے پھاڑے گئے اور خود اسے بھی انتہائی تشدد کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔

موہتوی خان کے پیروکاروں نے انتہائی دہشت ناک طریقے سے اپنے رہنما کی موت کا انتقام لیا۔ انہوں نے شہر میں اہل تشیع کے محلوں میں تقریباً تین ہزار باشندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' بہت سوں کو اندھا کر دیا اور عورتوں اور بچوں کی بہت بڑی تعداد کو گرفتار کر کے ساتھ لے گئے اور کئی لاکھ روپے کی جائیدادوں کو لوٹ لیا۔ قتل ہونے والوں میں مغل سیاحوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی جو اپنے بیوی بچوں سمیت ہلاک کر دیے گئے تھے۔ تب وہ قاضی اور مغلیہ فوج کے بخشی جرنیل شاہنواز کے گھر کی طرف بڑھے۔ موخر الذکر اپنے گھر میں چھپا رہا لیکن قاضی اپنا لباس تبدیل کر کے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ مشتعل ہجوم نے قاضی کے مکان کو زمین بوس کر دیا اور اس جگہ پر ایک اینٹ بھی نہ چھوڑی۔ زبردست کوشش اور بہت زیادہ کشت و خون کے بعد شاہی فوج کشمیر میں امن و امان بحال کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

عبدالصمد خان جو ۱۷۳۷ء میں لاہور میں انتقال کر گیا۔ بادشاہ نے اس کے انتقال کے بارے میں سننے کے بعد اس کے بھائی وزیر قمر الدین خان کو خلعت تعزیت عطا کی۔ لاہور میں مرحوم کے اہل خانہ نے بادشاہ سے تعزیت کے دیگر ملبوسات وصول کیے۔ مرحوم کے بیٹے زکریا خان کو' جسے خان بہادر کا خطاب عطا کیا گیا تھا' اعزاز کے طور پر لاہور اور ملتان کا حاکم مقرر کیا گیا۔ نئے حاکم نے پنجاب پر مضبوطی سے حکومت کی اور لاہور کے لکھپت رائے کو وزیراعظم کے عہدے پر فائز کیا' جو اس کے والد کا ایک بااعتماد دیوان تھا۔ اس کا بھائی جسپت رائے متعمد اور مشیر کے فرائض انجام دیتا تھا۔ دونوں بھائیوں کو راجہ کا خطاب عطا کیا گیا تھا لیکن انہوں نے عاجزی کے باعث اس خطاب کو اختیار نہیں کیا۔ زکریا خان نے شہروں اور دیہاتوں کو از سرنو آباد کرنے کے لیے فوری اقدامات کیے' جو سکھوں کی لوٹ مار اور غارت گری کے باعث ویران ہو گئے تھے۔ اس نے زمین کی کاشت شروع کرنے کے لیے زرعی طبقوں کو ترغیب دلانے کے لیے تکاوی قرضہ جات دیے۔ اس نے شاہراہوں کی حفاظت اور سکھوں کی لوٹ مار سے مسافروں کو محفوظ رکھنے کے لیے فوجی دستے روانہ کیے۔ بدنام زمانہ سکھ لٹیروں اور غارت گروں کو گرفتار کرنے کے لیے بڑے بڑے اور وافر انعامات عطا کیے گئے۔ انہیں روزانہ پا بہ زنجیر کر کے لایا جاتا اور لاہور کی

گلیوں میں پھانسی دے دی جاتی۔ ان طاقتور اقدامات سے بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔ پنجاب میں امن و آشتی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ سکھوں کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گڑھ' مانجھا میں بھی دکھائی نہ دیے اور پنجاب میں ۱۷۳۸ء میں ہندوستان پر نادرشاہ کے حملہ تک یعنی اکیس برس تک مکمل امن و امان قائم رہا۔

خان بہادر کو پنجاب میں مکمل اختیار حاصل ہوگیا تھا۔ چنانچہ دہلی دربار کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر وہ اس صوبے کا والی بن گیا۔ اس نے اپنی نجی رہائش گاہ کے لیے موجودہ لاہور سے تین میل کے فاصلے پر وسیع و عریض محلات اور ایک انتہائی شاندار مسجد تعمیرا کرائی' جہاں وہ دہلی دربار کے معاملات اور مرہٹوں کے عروج اور ترقی کے متعلق ایک غیر جانبدار تماشائی کے طور پر اپنے دن انتہائی سکون اور آرام سے بسر کرتا تھا۔

اس وقت دربار میں اعلیٰ منصب کے امیر' اودھ کا صوبیدار' ایک ایرانی مہم جو سعادت خان اور دکن کا صوبیدار' ترک امیر چن قلیچ خان تھے' جنہوں نے بعد میں اپنے اپنے صوبوں میں خود مختار بادشاہت کی بنیاد رکھ دی تھی لیکن اس وقت وہ دربار میں موجود تھے۔ سعادت خان ایک شیعہ تھا اور چن قلیچ خان ایک سنی۔ اس باہمی اختلاف کے باعث دربار کے امراء میں دھڑے بندی کو ہوا ملی اور اصل میں اس نے ملک کی حکومت کو متاثر کیا جس میں پہلے ہی تباہی کی علامات ظاہر ہوگئی تھیں۔ تورانی امیر' امین خان کو وزیر بنادیا گیا۔ قمرالدین نے اہل خانہ کا انتظام حاصل کیا اور چغتائی نسل کے ایک عسکری مہم جو میر حیدر خان اور حیدر قلی خان کو محکمہ فوج میں انتہائی اہم کمانیں سونپی گئیں۔ بادشاہ سید بھائیوں کے چنگل سے آزاد ہونے کے بعد آرام طلبی اور عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا۔ اس کے محبوب مشیر امیر خان کی طرح چھڑے چھانٹ نوجوان تھے۔ (جسے عمدۃ الملک بنایا گیا تھا) اور اس کے علاوہ جو شلی طبیعت اور اچھی دوستی کے حامل نوجوان امیر بھی تھے۔ اس کی بیوی کوکی' جو شاہ جان محمد ایک درویش کی بیٹی تھی۔ اسے اس پر اس قدر اختیار حاصل تھا کہ اس نے اسے اپنے ذاتی دستخط کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور جس کو وہ اپنی مرضی سے استعمال کرتی تھی۔ وہ سرکاری امور کی درخواستوں پر بھی "بحکم" دستخط کرتی' جن کو وہ حرم سرا میں اپنے ساتھ لے جاتی تھی۔ ان کاروائیوں سے بددل ہو کر اور اپنے آپ کو نظرانداز پا کر آصف جاہ (نظام) نے ایرانی تارک وطن سعادت خان کی طرح اپنے آپ کو دربار سے علیحدہ کر لیا۔ اس نے امین خان کی اچانک موت کے بعد وزیر کا عہدہ سنبھال لیا تھا۔

کاروبار سلطنت کو یکسر نظرانداز کر دیا اور ہر طرف ابتری پھیل گئی۔ مرہٹوں نے اجمیر

اور گوالیار کے درمیان سارے علاقے کو تہہ و بالا کر دیا اور آگرہ کے دروازوں تک آکر آبادی کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ دریں اثناء دارالسلطنت میں ایک زبردست اور ہولناک ہنگامہ شروع ہوگیا جس کو فرو نہ کیا جا سکا۔ حتیٰ کہ وزیر قمرالدین خان نے ذاتی کوششوں سے سرکش ہندوؤں کے خلاف ہوائیاں استعمال کر کے ان سے جامع مسجد کا قبضہ ختم کرایا اور انہیں وہاں سے نکال باہر کیا۔ دوبارہ ایک عظیم طاعون پھوٹ نکلا اور پٹنہ سے لاہور تک کا علاقہ برباد ہوگیا۔ ان ہنگاموں اور مصیبتوں کے درمیان ایک اور طوفان اٹھ کھڑا ہوا جو ان سب سے زیادہ تھا' جس کا ہندوستان کو تیمور لنگ اور بابر کے حملہ کے وقت سے تجربہ ہوا تھا اور یہ اس ملک پر پھوٹ نکال تھا۔ جس کی تباہی اور بربادی سے بچاؤ کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ ایرانی فاتح نادر شاہ نے جو تاتاری چنگیز خان یا چغتائی تیمور کی طرح بادشاہ تھا اور جس نے ٹیگرس سے دریائے سندھ تک کے پورے علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد ان حالات کے تحت ہندوستان پر حملہ کر دیا' جس کے موضوع کے لیے ایک علیحدہ باب درکار ہے۔

حوالہ جات

(۱) ابوالفتح' نصیرالدین محمد شاہ بادشاہ غازی (لغوی طور پر اس کا مطلب وہ شخص لیا جاتا ہے جو کافروں کے خلاف لڑتا ہے) محمد شاہ تخت نشینی کے وقت بہت خوبصورت تھا۔ چنانچہ ایک شاعر نے اس واقعہ کی یادگار کے طور پر مندرجہ ذیل شعر موزوں کیا۔

روشن اختر بود اکنون ماہ شد　　　　یوسف از زندان بر آمد ماہ شد

"یہ روشن ستارہ اب چاند بن گیا ہے۔ یوسفؑ قید سے باہر آئے اور بادشاہ بن گئے"۔

نوٹ : مشرقی شعراء حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کا چاند کہتے ہیں۔ یہاں محمد شاہ کا موازنہ حضرت یوسفؑ سے کیا گیا ہے اور قید خانے کو تخت پر بیٹھنے سے قبل بادشاہ کی قید سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۲) غضبناک مصاحبوں نے قاتل کو فوراً ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

باب ۲۲

نادر شاہ کا حملہ

اس عظیم ایشیائی فاتح کے ہندوستان پر حملہ سے وابستہ واقعات کو بیان کرنے سے پیشتر یہ امر زیادہ دلچسپ ہوگا اگر ہم اس کی زندگی کے بارے میں مختصر خاکہ پیش کر دیں۔ نادر قلی کا تعلق ایک ترکمان قبیلے' افشار (۱) سے تھا۔ وہ دسمبر ۱۶۸۸ء میں خراسان کے دارالحکومت مشہد کے شمال میں پچاس میل کے فاصلے پر واقع دست گرہ کے قلعہ میں پیدا ہوا۔ ایک ادنیٰ ڈاکو اور قزاق سے وہ ایران کا ایک عظیم جنگجو اور فاتح' اپنے وطن کا نجات دہندہ اور پورے ایشیا کے لیے دہشت بن گیا۔ اس کا والد' امام قلی افشار قبیلے کا سردار اور مذکورہ بالا قلعے کا حاکم تھا۔ خراسان میں ازبک تاتاریوں کے حملوں کو روکنے کے لیے وہاں ایک حفاظتی دستہ متعین کیا گیا تھا۔ نادر قلی کا باپ جب اس کی کم سنی میں انتقال کر گیا' تو اس کے چچا نے قلعے کی کمان سنبھال لی' جو خاندانی وراثت کے مطابق اس کم سن کو حاصل ہونا تھی' لیکن جب نادر مقررہ عمر کو پہنچا تو اس کے چچا نے یہ امانت اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ جب نوجوان نادر کو اس کے پیدائشی حق سے محروم کر دیا گیا تو وہ مشہد چلا گیا۔ یہ شہر حضرت امام رضاؑ کے روضہ کے باعث مشہور ہے اور وہاں بیگلر بیگ(۲) کی ملازمت میں بحیثیت "نائب منتظم تقریبات" شامل ہوگیا۔ اس نے اپنے عہدہ پر رہتے ہوئے اتنی شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا کہ شہزادے نے جلد ہی اسے ایک شہسوار دستے کی کمان سونپ دی۔ جب اس کی عمر ۱۷ برس کی تھی تو ازبک تاتاریوں نے اسے قیدی بنا لیا' جن کے ساتھ اکثر اس کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں' لیکن تقریباً چار سال تک غلامی میں رہنے کے بعد وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اب غربت کی حالت میں وہ مجبور ہوگیا کہ

عام ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے لوگوں سے چھوٹی چھوٹی رقمیں ادھار حاصل کرے۔ اس نے چند برس تک مہماتی زندگی بسر کی اور اپنے گرد مسلح ساتھی جمع کر لیے۔ آخرکار اس نے اپنے آبائی صوبہ میں اپنی طاقت کو بہت زیادہ بڑھا لیا۔

جب قندھار کے اردگرد رہنے والے مغربی قبائل میں سب سے بڑے قبیلے افغان غلجی نے سلطنت ایران پر دو سو سال تک حکومت کرنے والے صفوی بادشاہوں میں سے آخری طاقتور بادشاہ شاہ حسین کو نکال باہر کیا اور میرعظ کے بیٹے محمود غلجی نے شاہ حسین کو پورے خاندان سمیت' ماسوائے ایک بیٹے طہماسپ کے' موت کے گھاٹ اتار دیا اور (اکتوبر ۱۷۲۲ء) ایران کا حکمران بن گیا۔ اس سلطنت پر ترکوں اور روسیوں نے حملہ کر دیا' جو اس بادشاہت کا شیرازہ بکھیرنے کے لیے متحد ہوگئے تھے۔ مغربی صوبے' پورٹے نے فتح کیے اور جیلان (قدیم ہائر کینیا) پر مشتمل شمالی صوبہ جات اور بحیرۂ کیسپین کی سرحد پر موجود دیگر علاقوں کو زار روس' پیٹر کی قیادت میں مسکو وائٹس نے فتح کیا۔ ایران کے مفتوح بادشاہ کا بیٹا' طہماسپ' کیسپین کی طرف فرار ہوگیا اور وہاں ''کاجار'' نامی خانہ بدوش قبیلے میں پناہ حاصل کر لی' جو بلند پہاڑی میدانوں میں آباد تھا اور یہ ایران کے ایک بہت بڑے خطہ پر محیط تھا۔ وہاں پر نادر قلی' جو اس وقت عنفوان شباب میں تھا' سخت گیر اور جنگجو گوالوں کے ایک گروہ کے ساتھ اس میں شامل ہوگیا' جو حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار تھے۔ نادر نے اپنے اولین حملوں میں سے ایک کے دوران مشہد پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد خراسان کو ابدالیوں سے بازیاب کرا لیا۔ نئے بادشاہ کے ظلم و ستم کے باعث' محمود غلجی کے بیٹے اشرف کی قیادت میں افغانوں کی حکومت ناقابل برداشت ہوگئی اور ہر ایرانی کے ذہن میں ہر افغان نام کے متعلق سخت نفرت پیدا ہوگئی اور یہ جذبات آج تک موجود ہیں۔ اس نے اشرف کے تحت غلجیوں کے خلاف جنگ کی اور افغانوں کو مکمل طور پر شکست دے دی۔ ان کی ایک بہت بڑی تعداد یا تو میدان جنگ میں ماری گئی یا (۱۷۲۸ء) اپنے وطن کو لوٹتے ہوئے راستے میں صحرا کے اندر نیست و نابود ہوگئی۔ اشرف کو ایک بلوچ نے کرمان سے قندھار کی جانب واپس جاتے ہوئے قتل کر دیا۔ (۱۷۲۹ء)

مہم جو' نادر قلی نے جائز وارث طہماسپ کے سر پر کلاہ شاہی رکھ دیا اور اسے خدمات کے صلہ میں خراسان' مزندران' سیستان اور کرمان کی صوبیداری عطا کی گئی۔ نادر' جس نے ابھی تک بادشاہت کا دعویٰ نہیں کیا تھا' ''خان'' کے اضافی نام کے ساتھ طہماسپ قلی (طہماسپ کا غلام) کا لقب اختیار کر لیا۔ اس کے بعد اس نے ترکوں کے

خلاف پیش قدمی کی اور صوبہ تبریز ان سے بازیاب کرا لیا۔

اس وقت ابدالیوں نے خراسان پر چڑھائی کر دی اور مشہد کا محاصرہ کر لیا' جو اس وقت نادر کے بھائی ابراہیم کے قبضہ میں تھا۔ انہوں نے ایک زبردست جنگ میں اسے شکست دے دی۔ نادر دوبارہ اس قبیلے سے نبرد آزما ہوا اور انہیں مکمل طور پر مطیع کر کے اس نے اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو بازیاب کرا لیا۔ ابدالیوں کو زمان خاں کے بیٹے اور احمد شاہ کے بھائی ذوالفقار خاں کی قیادت میں زبردست کشت و خون کے ساتھ اپنے علاقے کی طرف دھکیل دیا گیا۔ ۱۷۳۱ء کے آغاز میں نادر شاہ نے ہرات کا محاصرہ کر لیا۔ یہ کام ابدالیوں کو مغلوب کرنے سے بھی بہت زیادہ کٹھن تھا۔ اس نے دس ماہ تک کی جانے والی زبردست مزاحمت کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر ابدالیوں اور غلجیوں نے حملہ آور کے خلاف اتحاد کر لیا۔ اس فتح کے بعد فاتح نے سرکردہ سدوزئیوں کو ملتان کی طرف جلاوطن کر دیا اور ابدالیوں کی ایک بہت بڑی فوج کو اپنی فوج میں شامل کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی دور میں نادر شاہ نے اپنے آباؤ اجداد کے شیعہ مذہب کو ترک کر دیا اور سنی عقیدہ اختیار کر لیا' لہٰذا اس سے اسے ابدالیوں کی ہمدردی حاصل ہو گئی' جو بعد میں اس کے طاقتور اتحادی اور جانثار ساتھی بن گئے۔

۱۷۳۱ء میں نادر نے ہمدان میں ترکوں کو شکست دی اور ان آرمینیائی صوبوں کو دوبارہ حاصل کر لیا' جن پر اشرف کے دور حکومت میں ترکوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اپنی واپسی پر ترکوں سے ایک مضر معاہدہ کرنے کی بناء پر اسے بادشاہ کے اس اقدام سے بہت زیادہ تکلیف پہنچی۔ چنانچہ اس نے اسے معزول کر کے اسے بصارت سے محروم کر دیا۔ تاہم اس جنگجو جرنیل نے بذات خود خالی تخت پر قبضہ کرنے کی جرات نہیں کی' بلکہ بادشاہ کے بیٹے کو حرم سرا سے لانے کا حکم دیا (جو ابھی گہوارے میں تھا) اور کلاہ شاہی اس کے سر پر رکھ کر عباس سوئم کے نام سے اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۷۳۲ء میں رونما ہوا۔ کٹھ پتلی بادشاہ ۱۷۳۶ء میں انتقال کر گیا۔ نادر شاہ کے لیے اب تخت پر جانے کا راستہ بالکل صاف تھا۔ اسے مکمل طور پر فوج کی ہمدردی حاصل تھی اور قوم کے خدشات پر اختیار حاصل تھا۔ لیکن اب بھی اس زیرک سیاستدان نے اپنی مخصوص احتیاط کو ترک نہیں کیا تھا۔ اس نے مرغاب کے مقام پر سلطنت کے تمام امراء' انتظامی اور فوجی افسروں' صوبوں کے حاکموں اور کوتوالوں کو بلا بھیجا اور ۱ لاکھ افراد کے اجتماع میں' نادر شاہ کے نام سے ایرانیوں کے بادشاہ کے طور پر مقبول عام نعرہ ہائے تحسین و آفرین میں سلامی حاصل کی۔

قیصر روم کی طرح اس نے تاج کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس نے ان کی طرف سے بخشے جانے والے اعزاز اور تکریم کا شکرایہ ادا کیا' جو ان سب کو یہاں اکٹھا بلانے کے لیے اس کی مرضی کے خلاف تھا۔ اس نے آواز خلق کو نقارۂ خدا سمجھا اور بظاہر ہچکچاہٹ کے ساتھ اور اس صورت حاصل کے تحت کہ شیعہ فرقہ کو ختم کر دیا جائے اور سنی عقیدہ کو پوری سلطنت میں قائم کیا جائے' اس نے آخرکار تخت پر بیٹھنے پر رضامندی ظاہر کر دی اور ۲۶ر فروری ۱۷۳۶ء کو اس کی بادشاہ کی حیثیت سے تاجپوشی کر دی گئی۔ (۳) اس نے اپنے بڑے لڑکے کی شادی شاہ طہماسپ کی ہمشیرہ سے کر دی اور اس کے ذریعے اپنے خاندان کی نسبت صفوی بادشاہوں سے کر لی' لوگ ابھی تک جن کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ دوسرے بادشاہوں پر غاصبانہ قبضے کرنے اور مفتوح بادشاہوں میں اپنے خاندان کی شادی کرنے سے اسے متحد کرنے کے لیے یہ اس کی حکمت عملی تھی۔ بعد ازیں اس نے اس جیسے اتحاد بخارہ کے بادشاہ' (جو چنگیز خاں کی اولاد میں سے تھا) اور دہلی کے بادشاہ محمد شاہ سے بھی پیدا کیے۔ اس نے لوگوں سے تقاضا کیا کہ وہ اطاعت اور وفاداری کا حلف اٹھائیں' لہٰذا انہوں نے فرمانبرداری سے اسے پیش کر دیا۔ مُلّا باشی نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر اس طرح "گستاخی" کی: "دین کے معاملات میں ہمارے پاس اللہ کا قانون اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت رہنمائی کے لیے موجود ہے۔ بادشاہوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دین میں بدعت پیدا کریں۔ چنانچہ بادشاہ سلامت میں آپ سے عاجزی کے ساتھ امید کرتا ہوں کہ آپ دین سے قطع نظر کر کے اپنی حکومت کا آغاز نہیں کریں گے"۔ یہ الفاظ جوشیلے نادر شاہ کی برداشت سے باہر تھے' چنانچہ اس نے حکم دیا کہ مُلّا کو فوراً پھانسی دے دی جائے۔ تب مسلمان ملاؤں کو جمع کرنے کے بعد اس نے ان سے دریافت کیا کہ حکومت کی طرف سے مختص کردہ اتنی بڑی آمدنی کا وہ کیا مصرف کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسے مذہبی کاموں' مثلاً مدرسوں کی دیکھ بھال' ان بے شمار مسجدوں کے ملاؤں اور حاضرین کی تنخواہوں پر خرچ کی جاتی ہے جو اپنے بادشاہ کی فوجوں کی کامیابی اور سلطنت ایران کی خوشحالی کے لیے دن رات دعائیں کرتے ہیں۔ اس نے ملاؤں کو بتایا کہ تجربہ سے یہ بالکل واضح طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں' کیونکہ گزشتہ پچاس برس سے سلطنت زوال پذیر ہے اور یہ حملوں اور بغاوتوں کے باعث بالکل مسمار ہو چلی تھی کہ اللہ کے حکم سے اس کی فاتح فوجیں اپنے لوگوں کے جان و مال کا دفاع کرنے کے لیے آئیں' لہٰذا بادشاہ کو اس سے مسرت حاصل ہوگی کہ ان غریب مولویوں

(مطلب اس کے سپاہی) کو سب سے زیادہ فوقیت دی جائے' جنہوں نے ایرانیوں کو آزادی دلانے کے لیے اس کے علم کی پیروی کی۔ لہٰذا مسجد کی زمینوں کے سب سے بڑے حصے اور آمدنیوں کو ضبط کیا جائے اور فوج کی مدد کے لیے مختص کیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور حساب لگانے پر یہ دیکھا گیا کہ حکومت کو ۱۰ لاکھ تمن یا ۳۰ لاکھ سٹرلنگ پاؤنڈ سالانہ آمدنی کی بچت ہوئی۔ ملاؤں کو ہدایت دی گئی کہ وہ اپنے گزارے کے لیے کوئی اور ذرائع تلاش کر لیں۔ اس کے بعد نادر شاہ نے ایک فرمان جاری کیا جس میں تمام رعایا کو حکم دیا گیا کہ وہ سنی مذہب پر ایمان لے آئیں ورنہ انہیں بادشاہ کی ناراضگی مول لینا پڑے گی۔ اس فرمان میں حکم دیا گیا تھا کہ اذانوں اور نمازوں میں الفاظ "علی ولی اللہ" اور "علیؑ اللہ کے دوست ہیں" جن کو شیعوں نے کلمہ میں بھی شامل کر لیا تھا' حذف کر دیا جائے۔ (۴) عام طور پر حاکموں میں بھی یہ عادت پائی جاتی تھی کہ وہ اپنے اجتماعات میں یا نمازوں میں فاتحہ اور تکبیر (۵) کے بعد یہ کہتے تھے 'بادشاہ' جس سے ہماری قسمتیں وابستہ ہیں' ہمیشہ زندہ رہے"۔ نادر شاہ نے حکم دیا کہ دعاؤں میں یہ الفاظ دہرانے بند کر دیے جائیں۔ اس نے بیان کیا کہ "تکبیر کے طور پر فانی انسان کی طویل عمری کے لیے دعا بے سود ہے اور اس کا کوئی اثر نہیں۔ لہٰذا میں یہ حکم دیتا ہوں کہ ہر خان' جو ایک طبل (۶) اور نشان کا منتظم ہے' اس طرح کہے: "خیر خواہیوں کے لیے سچے بادشاہ کا شکریہ"۔ فرمان مندرجہ ذیل الفاظ پر ختم ہوا: "اب سے تمام افراد ان مقررہ قواعد و ضوابط اور تحریر کردہ احکامات پر عمل کریں گے اور جو کوئی ان سے روگردانی کرے گا اسے شہنشاہوں کے شہنشاہ کی دشمنی اور ناراضگی مول لینی پڑے گی۔ صفر کے مہینہ میں ۱۱۴۹ ہجری (جون ۱۷۳۶ء) میں اصفہان کی شاہی رہائش گاہ میں تحریر کردہ"۔

اس فرمان کو بادشاہ کی رعایا میں زیادہ تر لوگوں نے بڑی خوشی سے وصول کیا' خاص طور پر اس کے سپاہیوں نے' جو سب سنی ہونے کے باعث ذاتی طور پر اس کے ہمدرد بن گئے۔

اس نے ترکوں کے ساتھ دوبارہ جنگ شروع کر دی اور اس تمام علاقے کو بازیاب کرا لیا جس پر پورٹے اور روسیوں نے قبضہ کر لیا تھا اور دونوں طاقتوں سے نجات دلا دی۔

اب نادر شاہ نے اپنی عظیم مہم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے غلجیوں کو مطیع کیا اور قندھار کو سلطنت ایران میں شامل کیا۔ اس نے ۸۰ ہزار افراد اور اپنی فوج میں شامل ابدالیوں کے ساتھ پیش قدمی کی' جو اب اس کے بااعتماد اتحادی اور حلیف تھے۔ غلجیوں نے حاکم قندھار'

حسین خاں کی قیادت میں زبردست مزاحمت کی، لیکن تقریباً اٹھارہ ماہ کے محاصرے کے بعد (۱۷۳۸ء) میں قندھار ایرانیوں کے ہاتھ لگ گیا اور اس کے قرب و جوار کے تمام علاقے کو سلطنت ایران میں شامل کر لیا گیا۔ شہر کے محاصرے کے دوران، ذوالفقار خاں اور اس کے بھائی احمد شاہ کو قیدی بنا لیا گیا۔ نادر شاہ نے دونوں بھائیوں کو آزاد کر کے ان کے اپنے قبیلے کی ایک فوج کی سربراہی میں مزندران روانہ کر دیا۔ جس وقت قندھار کی ناکہ بندی کی گئی تھی، تو اس وقت نادر شاہ کے بیٹے رضا قلی مرزا نے بلخ کو فتح کر لیا اور ذاتی طور پر اوکس کے کنارے پر بخارہ کے بادشاہ پر ایک عظیم فتح حاصل کر لی۔

قندھار کے محاصرے کے دوران افغانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہندوستانی بادشاہ کے علاقے کی طرف ہجرت کر گئی اور وہاں پناہ حاصل کر لی۔ نادر شاہ، جس نے افغانوں کی تمام نسل کو مٹانے کا تہیہ کر رکھا تھا، اپنے ایک خفیہ نمائندے علی مردان خاں کو سفیر بنا کر ہندوستان کے بادشاہ محمد شاہ کے دربار میں، اسے غزنی کے قریب اپنے علاقہ میں افغان مفروروں کے دخول سے روکنے اور اس کی سلطنت میں پناہ حاصل کرنے والوں کو نکال باہر کرنے کے لیے روانہ کیا۔ بادشاہ نے ایلچی کی خوب آؤ بھگت کی اور اس کو اس بات کی یقین دہانی کرا کے رخصت کیا کہ افغان باغیوں کو روکنے کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں گے اور ایرانی سرحدوں پر تازہ دم فوجی دستے روانہ کیے جائیں گے۔ تاہم بادشاہ کے وعدہ کی پاسداری نہیں کی گئی، چنانچہ محمد خاں ترکمان کی قیادت میں پہلے کی طرح درخواست کے ساتھ ایک اور سفارت ہندوستان روانہ کی گئی اور وہ بھی ہندوستان کے بادشاہ کی طرف سے امداد کی یقین دہانیوں کی تجدید کے ساتھ واپس آ گئی۔ تاہم اس کے کچھ عرصہ بعد، افغان دستوں کی صورت میں نئے مطیع شدہ صوبہ قندھار کی طرف ہجرت کر گئے اور کابل و غزنی میں پناہ حاصل کر لی اور ہندوستانی بادشاہ نے مفروروں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے ابھی تک کوئی اقدامات نہیں کیے تھے۔ نادر شاہ اپنے فریبی دوست کی سرد مہری سے بہت زیادہ آگ بگولا ہو گیا، جس نے ایرانی بادشاہت کے خطرناک دشمنوں کو پناہ دی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک ایرانی امیر کے تحت ایک تیسری سفارت کو اس ہدایت کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا کہ وہ دہلی میں چالیس روز سے زیادہ دیر قیام نہ کرے، لیکن سفیر کو تقریباً ایک سال تک بغیر کوئی جواب دیے دہلی میں روکے رکھا گیا۔ شاہ نے سخت احکامات جاری کیے کہ ایلچی مغلیہ دارالحکومت کو فوری طور پر چھوڑ دے، چنانچہ اس نے بادشاہ یا اس کے وزیروں سے کسی قسم کا جواب موصول کیے بغیر ایسا ہی کیا۔ اس وقت مغل، مرہٹوں کے ساتھ ایک جنگ

میں مصروف ہوگئے اور اس کا دربار تقسیم ہوگیا۔ ایک دھڑا' خان دوراں ہندوستانی افواج کے سپہ سالار کی قیادت میں تھا جس کو بادشاہ کی حمایت حاصل تھی اور دوسرا' چن قلیچ خاں المعروف آصف جاہ کے تحت تھا جو اس وقت دکن کا صوبیدار تھا۔ غالباً ہندوستانی بادشاہ' نادر شاہ کے مطالبے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا اور مغل اعظم نادر شاہ کو ایرانی سلطنت کا جائز بادشاہ تسلیم کرنے کو اپنی شان سے کم تر سمجھتا تھا۔ مغلوں کی توانائیاں' مرہٹوں کے حملوں کی پیدا کردہ مشکلات کو رفع کرنے میں صرف ہوگئی تھیں اور غالباً ہندوستانی سرحدوں کے لیے دستے مخصوص یا علیحدہ نہیں کیے جا سکتے تھے' جو اس وقت غزنی اور کابل تک پھیلی ہوئی تھیں۔ تاہم ہوسکتا ہے ایرانی بادشاہ' ہندوستانی بادشاہ کے فریبی اور دغاباز رویے کے باعث مشتعل ہوگیا تھا اور اس نے اسے اپنی بادشاہت کے خلاف ایک براہ راست حملہ تصور کیا تھا۔ اسی دور میں نادر شاہ کو مغلیہ دربار کے ناراض امراء' نظام الملک اور سعادت خاں کی طرف سے خطوط موصول ہوئے جن میں اسے دعوت دی گئی تھی کہ وہ ہندوستان کی طرف پیش قدمی کر کے تیمور کے خاندان کو مٹا کر بذات خود حکومت کی باگ ڈور سنبھال لے۔

اپنی سلطنت کے وقار کو جلا بخشنے کے لیے اور ہندوستان سے موصول ہونے والے خطوط کی حوصلہ افزائی کے باعث (ہری پد' ۱۱۴۹ھ) مئی ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ نے اس ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا اور قزلباشیوں' جارجیوں' ترکوں' خراسانیوں' بلخیوں وغیرہ پر مشتمل ایک لاکھ پچیس ہزار گھڑسوار فوج کے ہمراہ اس نے قندھار سے کوچ کیا۔ یہ سب مشقت اور سختیوں کے عادی تھے۔ اس نے ماخور کے نام سے مشہور ندی کو پار کیا جو اس وقت ایرانی اور ہندوستانی سلطنتوں کے درمیان سرحد کا کام دیتی تھی اور زابولستان کے دارالحکومت غزنی کا راستہ اختیار کیا۔ اس شہر کا حاکم معززین شہر کے ہمراہ' نہایت قیمتی تحائف کے ساتھ بادشاہ سے ملاقات کرنے آیا اور اسے اپنی اطاعت پیش کی۔ ایرانی فوج ایک متلاطم سمندر کی لہروں کی طرح آگے بڑھی تھی' چنانچہ حاکم' نے سوچا کہ اس کی مزاحمت کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔ ایرانی بادشاہ کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے گئے' جس نے اپنے آدمیوں کے حفاظتی دستے مقرر کرنے کے بعد کابل پر چڑھائی کر دی۔

اس وقت ایک ستر سالہ امیر شیر دل خاں کابل میں مغلیہ حاکم تھا۔

اس کا نائب ناصر خاں' نادر شاہ کی آمد سے قبل کابل سے پشاور روانہ ہوگیا تھا۔ کابل کے معززین شہر' ایک جماعت کی صورت میں بادشاہ کو سلام کرنے آئے اور اس کی شان کے مطابق اس کا استقبال کیا' لیکن حاکم کابل شیر دل خاں نے زبردست مزاحمت کی اور اس

کے لیے شہر کے دروازے بند کر دیے۔ نہ تو عمدہ وعدے اور نہ ہی دھمکیاں اس پرعزم بوڑھے آدمی کو دروازے کھولنے کے لیے ترغیب دے سکیں۔ ایرانی افواج نے چھ ہفتے تک شہر کا سخت محاصرہ کیے رکھا۔ محصورین نے نہایت بہادری اور بے جگری سے دفاع کیا۔ ضعیف شیر دل خاں نے اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ اپنی حالت کو بڑی مضبوطی اور مصمم ارادے سے قائم رکھا۔ ایرانیوں نے ایک عام حملہ کیا لیکن وہ ناکام ثابت ہوا۔ اب ایک جنگی چال چلی گئی جو کامیاب ثابت ہوئی اور شیر دل ایک فرضی دوست کے ساتھ معاہدہ کرنے کے لیے شہر سے باہر آیا' جس نے اسے باور کرا دیا تھا کہ وہ نادر شاہ کے خلاف ایک بہت بڑی فوج لے کر آیا ہے۔ اس غدار نے شیر دل کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کے بیٹے ابھی تک نہایت دلیری سے شہر کا دفاع کر رہے تھے' لیکن حفاظتی فوج میں دہشت اور ابتری پھیل گئی' لہٰذا انہوں نے شہر کی فصیل پر برجیوں میں قائم اپنی چوکیوں کو چھوڑ دیا۔ نادر شاہ نے اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے زبردستی دروازے کھلوا کر شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے باشندوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ شیر دل کا ایک بیٹا دروازوں کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا اور زندہ بچ جانے والے دوسرے بیٹے کو منتقم نادر شاہ نے اس کے دلیر باپ کے ہمراہ غیر انسانی طریقے سے ہلاک کروا دیا۔

کابل سے ملنے والا خزانہ

نادر شاہ نے کابل کے خزانہ میں دو ملین پانچ لاکھ روپے اور دو ملین سے زائد مالیت کے اثاثے' جن میں طلائی جڑاؤ سے مزین چار ہزار مکمل زرہ بکتر' چار ہزار چمکدار آہنی زرہیں' چار ہزار گھوڑوں کے ساز اور بہترین ملبوسات اور پارچہ جات کی بہت بڑی مقدار حاصل کی۔ ان کو بادشاہ شاہجہاں نے یہاں رکھا تھا۔

بادشاہ سات ماہ تک کابل میں رہا۔ یہ وقت اس نے مغلیہ دربار کے غدار امراء کی فراہم کردہ خبروں کی بنیاد پر ہندوستان پر حملہ کے لیے اپنے منصوبوں کو پروان چڑھانے میں گزارا اور اس کے مخبر ہندوستان کے دوسرے اہم مقامات پر دریائے جمنا کے مغرب میں تھے۔ دریں اثناء ایک دوسرا ایلچی' جسے کابل کے متعدد سرداروں کے ہمراہ شرط آخر کے ساتھ دہلی دربار کی طرف روانہ کیا گیا تھا' اسے ہندوستان کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حاکم جلال آباد' میر عباس نے قتل کر دیا اور سرداروں کو واپس کابل جانے پر مجبور کر دیا۔

جلال آباد پر قبضہ

اس پر نادر شاہ بہت زیادہ آگ بگولا ہو کر جلال آباد کی طرف روانہ ہوا اور حملہ کر کے قلعہ اور شہر پر قبضہ کر لیا اور میر عباس کو ان سب ہندوستانیوں کے سمیت ہلاک کر دیا' جنہوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کے خاندان کو پابہ زنجیر کر کے شاہی پڑاؤ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔(۷)

ہندوستانی سلطنت میں شامل بامیان' غوربند اور دیگر صوبوں کو مطیع کرنے کے بعد نادر شاہ' اپنی فوج کو حرکت میں لے آیا اور دس ہزار منتخب قزلباشی(۸) شہسواروں کے ساتھ پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت پشاور کا مغل حاکم ناصر خاں تھا' جو ایک پرہیزگار شخص تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت شکار کرنے یا عبادت و ریاضت اور قرآن پاک کی تلاوت میں گزارتا تھا۔ اس نے بے سود ہی بار بار مغلیہ حکومت کو فوجوں کی فراہمی کے لیے لکھا۔ اس نے بادشاہ کو یاد دلایا کہ وہ خود ایک گلاب کی جھاڑی ہے' جو خزاں کے تھپیڑوں سے مرجھا گئی ہے' جبکہ اس کی فوج ایک بوسیدہ نمود و نمائش کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ دہلی دربار کی سازشوں نے وہاں سے مدد کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ حاکم نے حملہ آور کے لیے درہ خیبر کو بند کر کے اپنے گرد جمع ہونے والے سات ہزار افغانوں اور ہندوستانیوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ ایک بارک زئی سردار سرور خاں نے نادر شاہ کو ایک اہم مدد بہم پہنچائی' جس نے اسے ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے تیمور کے استعمال میں آنے والے پرانے راستے کے ذریعے خیبر کو پار کرنے کے قابل بنا دیا۔ ایرانی ناصر خاں کی جمع کردہ فوج پر اچانک آن پڑے۔ ایک مختصر سی لڑائی کے بعد ہندوستانیوں کا حوصلہ اور قوت ارادی بالکل جواب دے گئی۔ ان کی صفیں ٹوٹ گئیں اور عجلت میں مراجعت کرنے والے ہی فاتح کی تلوار سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ جب ناصر خاں نے دیکھا کہ اس کی پوری فوج یا تو تہہ تیغ کی جا رہی ہے یا افراتفری میں بھاگ گئی ہے اور مزید مزاحمت بے سود ہو گی تو اس نے ایرانی بادشاہ کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو قیدی کی حیثیت سے پیش کر دیا۔ (۲۰ نومبر ۱۷۳۸ء)۔ اس موقع پر متعدد ہندوستانی سرداروں کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کے پڑاؤ کو تاخت و تاراج کر دیا گیا۔

بادشاہ نے اس کے تھوڑی دیر بعد ناصر خاں کو اپنے اعتماد میں لے کر اپنا درباری مقرر کر دیا۔ اٹک کو عبور کرنے سے پیشتر نادر شاہ نے ہندوستان کے بادشاہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا' جسے جمادی الاول ۱۱۵۱ھ کے آغاز میں موصول کیا گیا:

"عالی جاہ کے روشن ضمیر کے لیے واضح ہو کہ کابل کی طرف میری آمد اور اس پر قبضہ کرنے کا میرا مقصد صرف اسلام کے لیے کوشش اور آپ کی دوستی حاصل کرنا ہے۔ میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ دکن کے ملعون مسلمانوں کے بادشاہ کی سلطنت پر خراج عائد بھی کر سکتے ہیں۔ اٹک کی اس جانب میرے قیام کا مقصد یہ ہے کہ جب یہ کافر ہندوستان کی طرف رخ کریں تو میں انہیں جہنم کے گڑھے میں دھکیلنے کے لیے فاتح قزلباشوں کو روانہ کر سکوں۔ تاریخ اس دوستی سے بھرپور ہے' جو ہمارے بادشاہوں اور آپ کے آباؤ اجداد کے درمیان موجود رہ چکی ہے۔ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دوستی اور اسلام کے سوا نہ پہلے میرے کوئی مقاصد تھے اور نہ ہی اب ہیں۔ اگر آپ کو اس پر کوئی شک ہے تو وہ آپ کی مرضی ہے لیکن میں آپ کے ممتاز گھرانے کا ہمیشہ دوست تھا اور آئندہ بھی رہوں گا"۔

اٹک کے مقام پر نادر شاہ نے ایک ہندوستانی لباس زیب تن کیا اور ہندوستانی بادشاہوں کی وضع قطع اپنا کر تخت پر بیٹھا۔

نادر شاہ کی پنجاب آمد

اب نادر شاہ نے دریائے سندھ کو عبور کیا جو سال کے موسم کی وجہ سے بارشوں کے باعث بھرا ہوا تھا اور اس میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ پنجاب میں داخل ہونے پر اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ علاقے کو تاخت و تاراج کر دیا جائے اور ہر طرف آتش اور تیغ کا آزادانہ استعمال کیا جائے۔ پورے پنجاب میں اس کی فوجوں کی پیدا کردہ بربادی اور خوف و ہراس جلد ہی پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ سارے ملک میں دہشت پھیل گئی۔ اس کی فتوحات اور بربریت تمام حلقوں کا موضوع بحث بن گئیں۔

اس کے بعد اس نے اپنی ترکمان فوج کی قیادت کرتے ہوئے دریائے جہلم کو پار کیا اور اس کے بعد بغیر کشتیوں اور گھاٹی کشتیوں کے شاہ دولہ کے قریب سے دریائے چناب کو بھی عبور کر لیا۔ مرزا مہدی کے الفاظ ہیں "وہ سمندر کی طرح غضبناک یا تباہ کن سمندر کا ایک بازو تھا"۔ مغلوں کی ملازمت میں ایک امیر اور لاہور کے صوبیدار کا نائب قلندر خاں' جو ایمن آباد کا ناظم تھا' دس ہزار گھڑ سوار فوج کے ساتھ لاہور کے ماتحت تھا۔ ناصر خاں جو اب نادر شاہ کا مطیع ہو گیا تھا' اس کے ایک ماتحت امیر خاں نے اپنے لوگوں اور قزلباشیوں کی ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ ایمن آباد پر شب خون مارا۔ جب قلندر خاں لڑائی میں

مارا گیا تو امیر خاں نے اس جگہ اپنے حفاظتی دستے مقرر کیے۔ ناظم پنجاب ذکریا خاں' جو بیس ہزار گھڑ سوار فوج کے ہمراہ لاہور سے دس کوس کے فاصلے تک آگے بڑھ آیا تھا' اس نے جیسے ہی اس کے متعلق سنا تو اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹ گیا۔ ایرانی فوج نے دارالحکومت کی طرف جاتے ہوئے راستے میں تمام شہروں اور دیہاتوں کو تاخت و تاراج کیا اور شہریوں کا قتل عام کر دیا۔

حاکم لاہور کی شکست

یکم شوال کو ایرانی بادشاہ دریائے راوی کے کنارے پر پہنچ گیا' جس کو اس نے پایاب عبور کیا اور جب اس کی افواج لاہور کی فوج کے سامنے آئیں تو ایک جنگ شروع ہو گئی' جس میں حاکم لاہور کو مکمل طور پر شکست ہو گئی اور وہ زبردست کشت و خون کے ساتھ پسپا ہو گیا۔(۹) فاتح' مفتوحین کا کچھ اس قدر قریبی تعاقب کر رہے تھے کہ انہوں نے یک دم شہر کے دروازوں پر قبضہ حاصل کر لیا۔ ذکریا خاں نے قلعہ میں پہنچنے پر اس کو دفاع کے قابل بنایا۔ برجیوں پر توپیں نصب کر دیں اور تمام دستیاب ذرائع سے اپنے مورچے کو مضبوط کیا۔ ایران کے بادشاہ نے چوتھے روز دریائے راوی کو عبور کیا اور شالامار باغ میں خیمہ زن ہو گیا۔

حاکم لاہور عزالدولہ' نواب ذکریا خاں المعروف خان بہادر نے ایک اعلیٰ افسر کو شاہ سے رحم کی التجا کے لیے روانہ کیا اور مکمل اطاعت کا وعدہ بھی کیا۔ ایرانی بادشاہ کی طرف سے اس کے دربار کے امیر کفایت خاں کو شرائط طے کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ ۱۲ شوال کو صوبیدار نے وزیر عبدالباقی سے ملاقات کی اور اس کی مدد سے شاہ کے پاس حاضر ہوا۔ بادشاہ نے بڑی مہربانی اور توجہ سے صوبیدار کی خاطر تواضع کی اور اسے زر بفت کا چکن' جواہرات کے جڑاؤ کا ایک خنجر اور ایک گھوڑا پیش کیا۔ ۱۴ تاریخ کو صوبیدار کو دوبارہ شالامار باغ میں شاہی پڑاؤ میں نادر شاہ سے متعارف کرایا گیا۔ اس نے طے شدہ شرائط کے مطابق فاتح کے تخت کے سامنے بیس لاکھ روپے رکھ دیے۔ اس کا ایک حصہ سرکاری خزانے سے لیا گیا اور باقی ماندہ متمول ترین شہریوں سے اکٹھا کیا گیا۔ اس کے علاوہ ہاتھیوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی تھی۔ ایرانی بادشاہ نے اس تحفے کو کمال مہربانی سے قبول کیا۔ ذکریا خاں کو اس کی لاہور کی حکومت پر مستحکم کر کے نہایت اعزاز کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ نادر شاہ نے عزالدولہ کے دوسرے بھائی ہدایت اللہ کو اپنی ملازمت میں لے لیا اور اسے پانچ سو گھڑ سوار دستے کی کمان پر مقرر کیا گیا۔ اسی دوران فخرالدولہ امین الدین خاں کو

کشمیر کا حاکم مقرر کیا گیا اور ایک کثیر فوج کے ساتھ وہاں روانہ کیا گیا۔

نادر شاہ کی دہلی روانگی

پنجاب کے معاملات درست کرنے کے بعد بادشاہ ۲۹ دسمبر کو لاہور سے دہلی روانہ ہوا۔ اس نے لاہور میں ایک طلائی سکہ مضروب کرایا جس کی پیشانی پر عبارت "نادر السلطان" درج تھی اور پشت پر ضرب دارالسلطنت لاہور ۱۱۵۱ خلد اللہ ملکہ : "دارالسلطنت لاہور میں مضروب کرایا گیا' ۱۱۵۱۔ اللہ اس کی حکومت کو قائم رکھے" درج تھی۔ دریائے بیاس کے کنارے پر اس جابر بادشاہ نے حکم دیا کہ ان ایک ہزار سات سرکاری قیدیوں کو' جنہیں اس نے پشاور سے لاہور تک سخت قید میں رکھا تھا' بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس حکم پر فوراً عمل درآمد کیا گیا۔

نادر شاہ نے دہلی کی جانب اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور ۱۴ر فروری کو کرنال کے میدان میں پہنچ گیا۔ دہلی کا بادشاہ اپنی فوجوں کی قیادت کرتا ہوا دو روز پیشتر ہی شہر میں پہنچ گیا تھا۔ وہاں حاکم اودھ' برہان الملک' سعادت خاں' سپہ سالار اعظم' خان دوراں خاں' ناظم دکن' آصف جاہ' نظام الملک اور وزیر اقلیم' قمرالدین خاں اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ مغل اور ایرانی افواج کو' نہر علی مردان خاں نے جدا کیا ہوا تھا۔ اول الذکر نے خندق کھود کر قلعہ کی دیواروں پر ۵۰۰ توپیں نصب کر دی تھیں۔ ہندوستانی فوج ۵۰٬۰۰۰' گھڑ سواروں پر مشتمل تھی۔ اس میں بے قاعدہ شہسوار شامل نہیں تھے اور تین حصوں میں منقسم تھی' جو حیران کن حد تک طویل تھے۔ ہندوستانی' ایرانی حملہ آور پر قابو پانے کے لیے اور ان پر دہشت طاری کرنے کے لیے اپنے ساتھ متعدد بھاری بھرکم ہاتھی بھی لائے تھے' لیکن وہ اس حقیقت کو فراموش کر چکے تھے کہ یہ بھاری بھرکم جانور اور بڑی بڑی توپیں ان کی حرکات و سکنات میں مزاحم ہوں گی۔ ایرانی سپاہی گرچہ تعداد میں بہت زیادہ کم تھے لیکن ہتھیار استعمال کرنے میں بہت ماہر تھے اور اپنے سردار کی سخت تربیت کے تحت سخت ترین مشکلات کو برداشت کرنے کے عادی تھے۔ سعادت خاں نے میدان جنگ میں' ایرانی بادشاہ کی آزمودہ کار فوجوں سے نبرد آزما ہونے کا خطرہ مول لیا' جو ابھی تک دفاعی رہا۔ ایک حملہ آور فوج پر جارحیت کی بیوقوفی صاف ظاہر تھی۔ ہندوستان کی بزدل فوج نے جلد ہی یہ ثابت کر دیا کہ وہ جفاکش ترکمانوں کی شجاعت کا قطعی مقابلہ نہیں کر سکتے' لہٰذا' پانچ گھنٹے تک قائم رہنے والی افراتفری اور تباہی کے بعد سب سے پہلے سعادت خاں نے حوصلہ ہارا۔ جنگ میں اس کے ساتھ خان دوراں شامل ہو گیا تھا' جس نے بڑی مضبوطی اور ثابت قدمی

سے اپنی حالت کو برقرار رکھا۔ آخرکار ہندوستانی پسپا ہو گئے۔ ایرانیوں نے سعادت خاں کو قیدی بنا لیا اور دوراں، جسے میدان جنگ میں زخمی ہونے کے بعد اس کے پڑاؤ میں لے جایا گیا تھا۔ انتقال کر گیا۔ خان دوراں کے دلیر بھائی مظفر نے اپنے بیٹے علی، راجہ جگرمل اور متعدد اعلیٰ افسروں کے ساتھ، ایرانیوں پر تازہ حملہ کر دیا۔ مظفر نے میدان جنگ میں مضبوطی سے پاؤں جمائے، لہٰذا ایک زبردست جنگ شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں دس ہزار ہندوستانی فوجی قتل ہوئے۔ اس تباہ کن کشمکش کے بعد، ہندوستان کی باقی ماندہ فوج اپنی خندقوں میں واپس چلی گئی۔ اس جنگ میں، اعلیٰ منصب کے دس ہندوستانی شہزادوں کے ہمراہ ایک سو امراء اور اعلیٰ افسران اور تیس ہزار سپاہی میدان جنگ میں قتل ہوئے۔ فاتح نے اب، دہلی کے بادشاہ کے پڑاؤ کے گرد تمام مضبوط چوکیوں پر قبضہ کر لیا اور اس کی ناکہ بندی کر کے اس کی تمام رسد کو کاٹ دیا۔

محمد شاہ کی تاج سے دستبرداری

مغلیہ افواج کی شکست اور پسپائی کے تیسرے روز محمد شاہ نے فاتح کی نرمی حاصل کرنے کے لیے اپنے تخت و تاج سے دستبردار ہونے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ نادر شاہ کو اپنی مرضی سے پہلے سے آگاہ کرنے کے بعد اس نے بیس تاریخ کی صبح کو اپنے سفری تخت پر بیٹھ کر حاکم دکن، وزیراعظم، دیگر امراء اور ایک چھوٹے سے جلوس کے ہمراہ ایرانی پڑاؤ کا قصد کیا۔ ایران کے بادشاہ نے، بادشاہ دہلی کی آمد کا سننے پر اپنے بیٹے نصراللہ مرزا کو روانہ کیا کہ وہ بادشاہ سلامت کو اس کے پڑاؤ میں لائے۔ شہزادے نے پڑاؤ کی حدود کے اندر بادشاہ سے ملاقات کی۔ محمد شاہ اپنے سفری تخت سے نیچے اتر کر شہزادے سے بغلگیر ہوا اور اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ جب یہ جماعت شاہی خیمے پر پہنچی تو نادر شاہ نے دروازے پر بادشاہ کا استقبال کیا۔ دونوں بادشاہ ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر درباری خیمہ میں داخل ہوئے جہاں وہ اکٹھے ایک ہی مسند پر بیٹھے۔ ایک کھانا تیار کیا گیا اور ایک خادم نے سب سے پہلے نادر شاہ کو کافی پیش کی، بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے اسے محمد شاہ کو پیش کرتے ہوئے کہا: "چونکہ حضور نے یہاں تشریف آوری پر مجھے عزت بخشی ہے لہٰذا ہم بھائی ہیں اور آپ ہندوستان کی بادشاہت میں خوش و خرم رہیں۔ باقی ماندہ کھانا عمدۃ الملک، امیر خاں بہادر، معتمد الدولہ، محمد اسحاق خان بہادر، بیراز خاں اور محمد شاہ کے ساتھ آنے والے دیگر امراء کو دیا گیا۔ یہ اجلاس کئی گھنٹوں تک جاری رہا اور نادر شاہ نے مطلوبہ تواضع اور دوستی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس نے دہلی کے بادشاہ کی طرف سے مرہٹوں کو

چھوٹ دینے کی کارروائی اور غیر ملکیوں کو اپنی سلطنت پر حملہ کرنے کی اجازت دینے پر افسوس کا اظہار کیا۔ دوسرے نکتہ پر دہلی کے بادشاہ نے فاتح بادشاہ کو اس طرح جواب دیا: "اگر میں حضور کی درخواست منظور کرنے میں تساہل نہ برتتا تو آج حضور والا سے ملنے کی مسرت حاصل نہ کر سکتا"۔ دہلی کے بادشاہ کے اس ظریفانہ جواب سے سخت گیر نادر شاہ مسکرا دیا۔

ایرانی پڑاؤ میں' بادشاہ دہلی سے ایک مہمان کی طرح برتاؤ کیا گیا اور پورے احترام سے اس کی آؤ بھگت کی گئی۔ ایک دوسرے خیمہ میں جانے کے بعد نادر شاہ نے اپنے وزیر کے ساتھ' مستقبل کی حکمت عملی اختیار کرنے کے متعلق طویل صلاح مشورہ کیا۔ اس کے بعد وہ واپس شاہی خیمہ میں آیا اور رسمی طور پر محمد شاہ کو اس بات سے آگاہ کیا کہ چونکہ تیمور کے شاہی گھرانے نے ایرانی سلطنت پر جارحیت نہیں کی تھی' لہٰذا یہ اس کی خواہشات سے دور ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنی سلطنت کا ایک حصہ بنا لے' بشرطیکہ بادشاہ ہند اسے تاوان جنگ ادا کر دے۔ محمد شاہ اس پر متفق ہونے کے علاوہ اس بات پر بھی رضامند ہو گیا کہ نادر شاہ کی فوجیں تاوان جنگ وصول کرنے کے لیے اس وقت تک دارالحکومت میں رہیں گی جب تک کہ روپیہ ادا نہیں کر دیا جاتا۔

بادشاہ کو یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے حرم کے علاوہ' خاندان کے سبھی افراد اور امراء کو بلا بھیجے وہ سب ایک باوقار قید میں رہے اور ایرانی شہسوار مسلسل ان پر پہرہ دیتے تھے۔ ہندوستانی فوج افسروں کے بغیر روانہ ہو گئی اور ایرانیوں نے اسلحہ خانہ' فوجی صندوقوں' جواہر خانہ' الماریوں اور ہتھیار گھر پر قبضہ کر لیا۔ نادر شاہ نے نہایت نرمی سے قلعہ دہلی کے تمام محکموں کی چابیوں کا مطالبہ کیا اور بادشاہ نے بڑی خاموشی سے طہماسپ خاں کے ذریعے دہلی کے قلعہ دار لطف اللہ سے منگوا کر اس کے حوالے کر دیں۔ لہٰذا ایرانی بادشاہ کے افسروں نے قلعہ اور اس میں موجود تمام اشیاء پر قبضہ کر لیا۔

نادر شاہ کا دہلی میں داخلہ

اس کے بعد دونوں بادشاہ دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ بادشاہ کی رہنمائی پیچھے آنے والا دس ہزار ایرانی شہسواروں کا حفاظتی دستہ کر رہا تھا' اس کی فوج دو بے قاعدہ قطاروں میں تقسیم ہو کر ایرانیوں کے دونوں پہلوؤں میں چل رہی تھی۔ دہلی پہنچنے پر نادر شاہ نے سرسبز شالامار باغ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ محمد شاہ نے فاتح کے استقبال کے لیے اس کے محل کو تیار کرنے کے لیے شہر میں داخل ہونے کی رخصت چاہی' نیز اگلے روز نادر شاہ ۱۲ ہزار

شہسواروں کی قیادت کرتا ہوا ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا۔

اس نے اپنی فوج کو شہر اور قلعہ کے تمام محلوں میں پھیلا دیا اور شہر اور قلعے کے دروازوں پر اپنے حفاظتی دستے مقرر کر دیے۔ اس نے احکامات جاری کیے کہ اس کی فوجیں کسی طرح بھی مداخلت نہیں کریں گی اور اپنے کانوں سے محروم ہونے کے ڈر سے بادشاہ کی رعایا میں سے کسی کو تنگ نہیں کریں گی۔

محمد شاہ نے اپنے فاتح کی شاہی محل کے ایک انتہائی شاندار کمرے میں رہنمائی کی جسے اسی موقع کے لیے بہت زیادہ آراستہ کیا گیا تھا۔ نادر شاہ نے بطور تاوان جنگ ۲۵ کروڑ روپے کا مطالبہ کر دیا۔ محمد شاہ نے شاہی خزانے کو کھول کر اس میں سے نہایت قیمتی جواہرات اور نوادرات، کھینچ کر باہر نکال لیے، جنہیں کئی زمانوں سے اکٹھا کیا گیا تھا۔ اس نے وہ فاتح کو پیش کر دیے۔ اس نے فاتح بادشاہ کے قدموں پر سکوں اور سلاخوں کی شکل میں سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر، ہیرے جواہرات، لعل اور دیگر قیمتی پتھروں سے مزین قیمتی گلدانوں، قیمتی سازو سامان، تخت و تاج کے ڈھیر لگا دیے جن میں شاہجہاں کا تیار کردہ اور قیمتی موتیوں اور جواہرات کے جڑاؤ سے مزین مشہور زمانہ تخت طاؤس بھی شامل تھا۔ ٹیورنیئر کے تخمینے کے مطابق اس کی مالیت ساڑھے چھ ملین سٹرلنگ پاؤنڈ تھی۔ دربار کے امراء اور معززین نے اپنے بادشاہ کی تقلید کی اور فاتح کو کئی ملین روپے مالیت کے تحائف پیش کیے۔ نادر جو اب بہت بڑے خزانے کا مالک بن گیا تھا' اس نے اپنی فوج کو ان کے واجبات ادا کیے۔ جونز ہینوے کے مطابق' یہ ادائیگیاں اس کے اپنے سکے سے کی گئیں' جو اس موقع پر مضروب کرایا گیا تھا۔(۱۰)

اس دوران عید کا تہوار آیا تو دہلی کی جامع مسجد میں ایرانی بادشاہ نادر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس بادشاہ نے دہلی کے بادشاہ کی رعایا سے بڑی بردباری کے ساتھ برتاؤ کیا اور شہریوں کو ناجائز دست اندازی سے محفوظ رکھنے کے لیے سخت ترین نظم و ضبط اختیار کیا گیا۔

حالات پر سکون تھے کہ شہر میں ایک ایسا ناخوشگوار واقعہ رونما ہوگیا' جس نے نادر شاہ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی فتح کو ان خونیں اور تباہ کن ہولناک کارناموں سے آلودہ کر لے' جو آج تک اس کے نام کے ساتھ وحشت اور خوف کی علامات کے طور پر موجود ہیں۔ عید کے دوسرے روز ایک ایرانی سپاہی کے باعث بازار میں فروخت کے لیے رکھے گئے کبوتروں کو زبردستی پکڑنے پر گلیوں میں ایک ہجوم کے درمیان زبردست ہنگامہ برپا ہوگیا۔ جس آدمی

کے کبوتر تھے' اس پر اس قدر دیوانگی طاری ہوئی کہ اس نے مشہور کر دیا کہ نادر شاہ نے عام لوٹ مار کا حکم دے دیا ہے۔ یہ اس مشتعل ہجوم کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا' جو اجنبیوں کی مداخلت بادل نخواستہ برداشت کر رہے تھے۔ غضبناک ہو کر وہ ان ایرانیوں پر پل پڑے جو شہر کے مختلف حصوں میں مختلف علاقوں کی حفاظت پر مامور تھے اور ان کی بہت بڑی تعداد کو ہلاک کر دیا۔ اس میں مزید اضافہ کرنے کے لیے چند شہریوں نے یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا کہ نادر شاہ فوت ہوگیا ہے۔ آبادی کا دبا ہوا غیظ و غضب پھٹ پڑا۔ یہ افواہ بجلی کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ ایک زبردست ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور شہری ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے اور جہاں کوئی ملا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ رات تاریک تھی' ہجوم نے شاہی اصطبلوں میں نقب لگائی اور فیل بانوں کو ہلاک کر دیا۔ شہر میں تین ہزار ایرانی قتل کر دیئے گئے' باقی ماندہ قلعہ میں بھاگ گئے۔ نادر شاہ کے افسروں نے تقریباً نصف شب کے قریب صورت حال کو اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ نادر شاہ اس سے بڑا برافروختہ ہوا اور اس نے غصے سے کہا: "میرے آدمیوں نے بدنیتی سے لوگوں کو مورد الزام ٹھہرایا ہے اور مجھ سے اس بات کی توقع رکھی ہے کہ میں انہیں قتل کرنے اور لوٹ مار کرنے کا اشارہ دوں"۔ جب اس معاملے پر دوبارہ زور دیا گیا تو اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ باقی ماندہ رات میں دفاعی حکمت عملی پر عمل پیرا ہوں۔ صبح سویرے نادر شاہ اس امید کے تحت اپنے محل سے روانہ ہو کر چاندنی چوک گلی میں پہنچا کہ اس کی موجودگی سے لوگ سہم جائیں گے اور ان کا جوش و خروش دب جائے گا۔ سب سے پہلے اس کی نظر جن چیزوں پر پڑی وہ اس کے ہموطنوں کی لاشیں تھیں' جن کو ہجوم نے رات کے دوران ہلاک کر دیا تھا۔ اس نے ہنگامے کو دبانے کے لیے ایک طاقتور فوجی دستہ روانہ کیا لیکن لوگوں کا ہجوم بجائے نرم پڑنے کے مزید دلیر اور سرکش ہوگیا اور اس نے ایرانیوں پر تیر اور آتشی ہتھیار برسانے شروع کر دیے۔ نادر شاہ' روشن الدولہ کی مسجد میں گیا (جو حال ہی میں تعمیر ہوئی تھی) اور وہاں نظام الملک' سربلند خاں اور وزیراعظم قمرالدین خاں کو اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا اور انہیں فوری طور پر ہلاک کرنے کی دھمکی دی۔ ان پر بغاوت کو بھڑکانے کا الزام لگایا گیا۔ امراء نے فوری طور پر قرآن پاک پر حلف اٹھایا کہ وہ معصوم ہیں لہٰذا انہیں معاف کر دیا جائے۔ لیکن اب وہ مہلک لمحہ آن پہنچا تھا جو اس شاندار شہر کے لیے تباہی لے کر آیا' جو کافی عرصہ سے عروس البلاد ہند اور مشرق کا ناز تھا۔ صبح سویرے ایک قریبی بالکونی سے ایک شخص نے سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت' ایران کے بادشاہ پر گولی چلائی۔

نشانہ خطا گیا اور اس کا ایک قریبی خدمت گار اس کی آنکھوں کے سامنے گر کر ہلاک ہوگیا۔ نادر شاہ کا غیظ و غضب اب عود کر آیا تھا۔ اس نے اپنی تلوار کو نیام سے کھینچنے کے بعد اس بدقسمت شہر کے باشندوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ اس وقت ہنگامہ کم ہوگیا تھا لیکن نادر شاہ کے احکامات پر اتنی مضبوطی سے عمل درآمد کیا گیا کہ دوپہر تک دہلی کی گلیوں میں خون بہنے لگا۔ بندوقیں باہر لانے کا حکم دیا گیا اور گلیوں میں چھرے ہر طرف پھیل گئے۔ غضبناک ایرانیوں نے اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو تباہ کر دیا۔ جہاں بھی گئے ہر عمارت کو مسمار کر دیا اور عروس البلاد' سلطنت ہند کی بلند ترین اور وسیع تر عمارات کو زمین بوس کر دیا۔

موت اور تباہی کے اس ہولناک کام کے دوران خون کا پیاسا نادر شاہ' روشن الدولہ کی چھوٹی سی مسجد کے ایک تاریک اور خاموش گوشے میں بیٹھ کر انتقام کے جوش میں اپنی آنکھوں کے سامنے ہونے والی تباہیوں کو بڑے اشتیاق سے دیکھنے لگا۔ یہ خونریزی قلعہ کے سامنے صرافہ اردوئی سے عیدگاہ تک' جو تین کوس کے فاصلے پر ہے اور چتلی قبر سے تمباکو منڈی اور پل مٹھائی (11) تک پھیل گئی۔ سارا دریبہ بازار بینکاروں اور سوداگروں کے خون سے سرخ ہوگیا۔ نہ جنس اور نہ ہی عمر کا لحاظ کیا گیا۔ سہ پہر دو بجے سے قبل شمار کیا گیا ہے کہ ۲۰٬۰۰۰ اور ۵۰٬۰۰۰ کے درمیان لوگ قتل کر دیئے گئے۔ اگرچہ آبادی کا تیسرا حصہ بھی ان جابروں کی تلواروں کی زد میں نہیں آیا تھا۔ ان پر ایرانیوں کا اس قدر خوف طاری ہوگیا تھا کہ بے چارے ہندوستانی بھیڑوں کی طرح اپنا سر قتل ہونے کے لیے ان کے آگے جھکا دیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایرانی سپاہی نے بغیر کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا کیئے دس آدمیوں' عورتوں اور بچوں پر مشتمل ایک پورے خاندان کو قتل کر دیا۔ ہزاروں ہندوؤں نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں سمیت خود سوزی کر لی' جبکہ ہزاروں نے کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں۔ تباہی کا کام انتہائی خباثت سے کیا گیا۔ چاندنی چوک' میوہ منڈی' دریبہ بازار اور جامع مسجد کے گرد عمارات کو نذر آتش کر لیا گیا اور وہ خاک کا ڈھیر بن گئیں۔ جلتے ہوئے مکانات کے شعلے آسمان تک جاتے تھے اور گرتی ہوئی عمارات کے ٹوٹنے کی آوازیں کانوں کو بہرہ کر دیتی تھیں اور گلیوں کو کھنڈرات سے بھر دیتی تھیں۔ گلیاں لاشوں سے پٹ گئی تھیں' جو اس قدر تعداد میں تھیں' جیسے طوفان کے بعد پتے جمع ہو جاتے ہیں۔ جب یہ خوفناک کارروائی ہو رہی تھی تو اس سے پیشتر بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ تباہ کرنے والا سکون سے ایک مسجد میں بیٹھا رہا۔ اس کے خط و خال غضب ناک اور دہشت انگیز تھے

اور آنکھیں غیظ و غضب سے جل رہی تھیں۔ ماسوائے خدمت گار غلام کے کوئی شخص اس کے پاس حاضر ہونے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ آخرکار بدنصیب بادشاہ اپنے امراء کے ہمراہ زبردستی نادر شاہ کے پاس حاضر ہوا۔ وہ ایک بت کی طرح کھڑا ہوگیا اور ایک درخواست گزار کی طرح آنکھیں نیچی کیے ساکن اور باادب کھڑا ہوگیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ امراء جنہوں نے قریب پہنچنے کی جرات کر لی تھی' اپنی پیشانیاں زمین پر ٹکا دیں۔ نادر شاہ نے سختی سے دریافت کیا "وہ کیا چاہتے ہیں؟" سب نے یکساں طور پر نعرہ لگایا "شہر کو بخش دیجئے"۔(۱۲) نادر شاہ نے اس درخواست کو منظور کیا اور اپنی تلوار کو میان میں رکھنے کے بعد فوری طور پر قتل عام بند کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسے ہی اس نے الفاظ منہ سے نکالے' ویسے ہی فوری طور پر ان پہ عمل درآمد ہوگیا۔ قتل عام بند کر دیا گیا اور ہر تلوار کو نیام میں ڈال لیا گیا۔

ایرانی نقیبوں نے سارے شہر میں امن و امان کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد نادر شاہ واپس قلعہ میں چلا گیا۔ وہاں اس کے حکم سے ان متعدد امراء کے سر کاٹ دیئے گئے جن کے بارے میں شبہ تھا کہ انہوں نے گزشتہ بغاوت میں حصہ لیا تھا۔ تاہم اس جابر شخص کی خون کے لیے پیاس ابھی تک بجھی نہیں تھی۔ چند ادنیٰ بہانوں سے اس نے مغلپورہ کے چھ ہزار باشندوں کو تہہ تیغ کر دیا جبکہ دہلی کے مضافات میں واقع دیہاتوں میں ہزاروں لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس نے شاہی بازار' جہاں سب سے پہلے ہنگامہ کھڑا ہوا تھا' کے سات سو اشخاص کے ناک کان کٹوا دیئے' جنہیں بلا امتیاز گرفتار کر لیا گیا تھا۔ نادر شاہ نے قتل و غارت گری سے پیاس بجھا کر اب شہر کے منقولہ خزانوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا' جو اس وقت بہت زیادہ شکستہ حالت میں تھے۔ اس نے مغل بادشاہ کے تاج شاہی اور سرکاری خزانہ پر قبضہ کر لیا' جس میں جواہرات' زر نقد اور قیمتی ملبوسات چھپے ہوئے پائے گئے۔ یہ اشیاء کئی ادوار میں جمع کی گئی تھیں اور جنہیں مغل بادشاہوں نے اپنے اقتدار میں ہر ذریعہ استعمال کر کے بڑی جانفشانی سے حاصل کیا تھا۔ متعدد اشیاء بے مثال خوبصورتی کی حامل تھیں۔ ان اشیاء کو ہاتھیوں' گھوڑوں اور تیمور کے گھرانے سے تعلق رکھنے والی ہر قیمتی چیز کو قبضہ میں لے لیا گیا۔ اس کے بعد فاتحین نے امراء اور متمول شہریوں کو لوٹا کھسوٹا اور دھمکیوں' تشدد اور ہر سختی سے انہیں اپنے چھپائے ہوئے خزانے اور قیمتی اشیاء پیش کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد شہریوں پر خراج عائد کر دیا گیا۔ شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے اور شہریوں پر اس لیے تشدد کیا گیا کہ وہ اپنی دولت کو ان کے حوالے کر دیں۔ اس

سلوک سے بے شمار شہری ہلاک ہو گئے جبکہ بہت سے. اس سلوک' شرم اور غربت سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نیند اور آرام لوگوں میں ختم ہو چکا تھا۔ جس گھر میں بھی مکین ہوتے تھے' انہیں آہ و فغاں سے گزرنا پڑتا تھا۔ بچاؤ کے مقابلے میں موت کی جستجو کی جاتی تھی۔

صوبے کے حاکموں پر بھی بھاری خراج عائد کیا گیا اور کل دولت جو وہ اپنے ساتھ لے کر گیا' اس کے بارے میں مورخین بیان کرتے ہیں وہ آٹھ اور تیس کروڑ (۸۰ لاکھ سٹرلنگ اور ۳۰،۰۰۰،۰۰۰ سٹرلنگ) کے درمیان تھی اس کے علاوہ جس میں جواہرات' قیمتی پارچات اور دیگر قیمتی جائیداد' (جن میں مشہور کوہ نور ہیرا بھی شامل تھا' جو اب تاج برطانیہ کا ایک حصہ ہے) بھی شامل تھیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ساتھ ہاتھیوں' گھوڑوں' اونٹوں اور قیمتی ساز و سامان کی بہت بڑی تعداد لے گیا اور نہایت ماہر دستکار' کاریگر بھی لے گیا جو سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔(۱۳)

اس نے اپنے بیٹے نصراللہ کی شادی اورنگ زیب کے پوتے اور کام بخش کے بیٹے عزیزالدین کی بیٹی سے کر دی۔ نادر شاہ خود بھی خان دوراں کے بھائی مظفر کی خوبصورت بیٹی کو اپنی ملکہ بنانے کی شدید خواہش رکھتا تھا لیکن اس کی بیویوں میں سے ایک نے اسے اپنی خواہش پوری کرنے سے روک دیا جو اس کے مزاج کو قابو کرنے کا فن جانتی تھی' جس سے باقی دنیا بہت زیادہ خائف تھی۔ نصراللہ کی شادی کا اگلا ہفتہ عوامی دعوتوں' ضیافتوں' کھیل تماشوں' جلوسوں اور دیگر تفریحات میں گزرا' جن میں جنگلی جانوروں کی لڑائیاں بھی شامل تھیں۔ اس کے بعد نادر شاہ نے اپنے فوجی دستوں کی سخت اور بااعتماد خدمات کے صلے میں انہیں فوری طور پر نوازا۔ لہٰذا ہر نجی سپاہی نے تقریباً بارہ پاؤنڈ سے زیادہ بخشش وصول کی۔

محمد شاہ کی بحالی

نادر شاہ کا آخری کام حکومت کے تمام امراء اور سرداروں کا اجلاس طلب کرنا تھا۔ جس میں اس نے اپنے ہاتھ سے تاج شاہی محمد شاہ کے سر پر رکھ دیا اور اپنے آباؤ اجداد کے تخت پر بیٹھنے کے لیے اس کی مدد کی۔ ایک معاہدہ کیا گیا' جس کی رو سے دریائے سندھ کے شمال مغرب کے تمام علاقے سندھ اور ٹھٹھہ کے ساتھ ایران کے بادشاہ کے حوالے کر دیئے گئے۔ اس کے بعد نادر شاہ نے آخر میں مغل بادشاہ کو اس کی مستقبل کی حکمت عملی کے بارے میں بتایا اور اس کے امراء پر اپنے بادشاہ کی تابعداری اور اس کی فلاح و بہبود کے احترام کی ضرورت پر زور دیا۔ ان کارروائیوں کے بعد بادشاہ دہلی سے اپنے وطن کو

روانہ ہوگیا۔ ملاباشی نے اپنے آقا کی رہائش گاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں مندرجہ ذیل اعلان کیا: "سپاہیو! شہنشاہ شہنشاہاں! خیر خواہی کے مالک' گیتی پناہ' ہمارے آقا نے ہندوستان کا ملک فتح کر کے اسے بحال بھی کر دیا ہے۔ کل ہم عراق روانہ ہو جائیں گے' تم تیار ہو جاؤ!" نادر شاہ نے عروس البلاد سے روانہ ہونے سے قبل کوتوال حاجی شیدی فولاد خاں کو حکم دیا کہ وہ یہ دیکھے کہ کہیں کوئی ایرانی کسی وجہ سے پیچھے تو نہیں رہ گیا۔ نادر شاہ کے ہاتھوں دہلی کا حشر بھی نینوا اور بابل جیسا ہوا۔ اگرچہ اس کے باشندوں کو غلام بنا کر نہیں لے جایا گیا۔ خواب غفلت سے جاگنے اور دوبارہ کاروبار زندگی شروع کرنے کے لیے انہیں کچھ وقت لگا۔

لاہور سے تاوان کی وصولی

جب دہلی سے اس کے کوچ کا وقت آن پہنچا تو نادر شاہ نے اپنے وزیر نواب عبدالباقی خاں کے ساتھ عزالدولہ نواب ذکریا خاں کے بیٹے ہدایت اللہ کو لاہور روانہ کیا اور موخرالذکر کو یہ احکامات دے کر بھیجا کہ وہ ایک کروڑ روپے اکٹھے کر کے ایرانی خزانے میں جمع کرائے۔ قاصد نے شالامار باغ میں نواب سے ملاقات کی اور اس کا بہترین استقبال کیا گیا۔ ذکریا خاں نے واپس شہر میں جا کر معززین شہر' سوداگروں' بینکاروں اور متمول لوگوں کا ایک اجلاس طلب کیا اور انہیں بتایا کہ شاہ لاہور کو تباہی سے بچانا چاہتا ہے۔ ایک کروڑ روپے کی رقم اکٹھی ہوگئی اور پیغام رساں اس رقم کے ساتھ رخصت ہوا اور شاہ کی بڑی فوج میں شامل ہوگیا جو اب کوچ کر چکی تھی۔(۱۳)

کیونکہ دہلی کی طرف ایرانی فوج کی پیش قدمی کے باعث لاہور کی سڑک کے ساتھ واقع تمام علاقہ ویران ہوگیا تھا اس لیے نادر شاہ نے سیالکوٹ کے راستے کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۹ ربیع الاول (مئی ۱۷۳۹ء) کو اس کا پڑاؤ دریائے چناب کے کنارے کالو وال پہنچا۔ اگلی شب کو ایک موسلادھار طوفانی بارش کا ریلا کشتیوں کے پل کو بہا کر لے گیا لیکن موضع اکھنور کے قریب ایک تنگ حصہ پر آہنی رسوں کی مدد سے ایک اور مختصر سا پل تعمیر کر لیا گیا۔ ۱۳ تاریخ کو ایرانی پڑاؤ کالووال سے روانہ ہوا اور اکھنور کے مقام سے دریا کو پار کرنا شروع کر دیا۔ ابھی فوج کا ایک تھوڑا سا حصہ ہی راستے میں پہنچا تھا کہ طغیانی کے زور سے پانی کا ریلا پل کو بہا کر لے گیا اور دو ہزار قزلباش پانی کی قبر میں جا پہنچے۔ نادر شاہ ذکریا خاں کو عطا کئے گئے ایک طاقتور ہاتھی مہاسندر پر سوار تھا۔ اس نے پایاب کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی نہ مل سکا تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ فوج کو کشتیوں میں گھاٹ کے پار پہنچا دیا

جائے۔ جب پوری فوج اور ان کے مال اسباب کو دوسرے کنارے پر اتار دیا گیا تو ذکریا خاں' جو شاہی پڑاؤ کے ہمراہ تھا' کو رخصت ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ گجرات' سیالکوٹ' پسرور اور ملتان کے خدایار خاں عباسی کی زمینداری پر مشتمل چند اضلاع کو اس شرط پر ذکریا خاں کے انتظام میں دے دیا گیا کہ بیس لاکھ روپے سالانہ آمدنی ایرانی خزانے کو ادا کرے گا۔

دریائے چناب پر نادر شاہ نے ابوالحسین بیگ یکہ باشی کو حکم دیا کہ وہ گھاٹ پر بااعتماد افراد کو مقرر کرے' جو دریا عبور کرنے سے پیشتر تمام اشخاص کی تلاشی لیں اور ان سے دریافت ہونے والی تمام قیمتی اشیاء کو قبضہ میں لے کر شاہی خزانے میں روانہ کر دیں۔ اس حکم کے جاری ہونے پر متعدد سپاہیوں نے اپنے طور پر اپنے حاصل شدہ جواہرات کو پیش کر دیا اور بادشاہ نے انہیں انعام و اکرام سے نوازا۔ وہ افراد جنہوں نے لوٹ کے مال کو تھیلوں اور اپنے گھوڑوں' خچروں اور اونٹوں کی کاٹھیوں میں چھپا رکھا تھا' انہیں وہ سب کچھ حوالے کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ کچھ لوگوں نے اس امید کے تحت خزانوں کو زمین میں دفن کر دیا تھا کہ وہ انہیں دوبارہ کھود کر حاصل کر لیں گے لیکن وہ زمین کے گڑھوں ہی میں رہ گئے' کیونکہ کسی شخص کو بھی دوبارہ دریا عبور کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ دوسروں نے غصہ میں آ کر جو کچھ بھی ان کے پاس تھا' اسے دریا میں پھینک دیا۔ نادر شاہ کے پڑاؤ میں تمام ہندوستانی قیدیوں کو اب رہا کر کے ذکریا خاں کے حوالے کر دیا گیا کہ وہ انہیں اپنے اپنے گھروں میں روانہ کر دے۔

نادر شاہ دریائے جہلم کے کنارے پر

موسلا دھار بارش' جو مسلسل برستی رہی اس کے باوجود نادر شاہ نہایت تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا دریائے جہلم کے کنارے پر پہنچ گیا۔ بپھرے ہوئے دریا کے وسط میں سونے کے پتروں سے لدا ہوا ایک اونٹ کشتیوں کے پل سے پھسل کر اپنے وزن سمیت دریا میں گر کر ڈوب گیا۔ یہاں پر ایرانی بادشاہ نے محمد شاہ کے توپ خانے کو واپس بھیج دیا اور توپچیوں کو سونے کے پتروں کا تحفہ دیا جو اب دریا میں ڈوب چکا تھا۔ آدمیوں نے کھوئے ہوئے سامان کو ڈھونڈنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن ان کی توانائیاں اور وقت ہی برباد ہوا ماسوائے پیتل کے ایک تسلے اور آفتابے کے کچھ بھی نہ مل سکا۔ راولپنڈی کی سرحد کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے بادشاہ حسن ابدال سے گزرا اور یوسف زئی افغانوں کو مطیع کرنے کے بعد تیزی کے ساتھ جلال آباد کی طرف بڑھا اور ۲۰ نومبر ۱۷۳۹ء کو کابل پہنچ

گیا۔ اسی سال اس نے اپنی فوج کو سندھ میں داخل کیا اور اسے مطیع کر کے حاکم خدایار خاں کی ناکہ بندی کر لی۔ سندھ میں حاکم لاہور نواب ذکریا خاں کو بلایا گیا کہ وہ بلوچیوں کے خلاف مہم کا انتظام کرنے کے لیے مدد کرے۔

اس نے سندھ میں لاڑکانہ کے مقام پر جشن نوروز بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے منایا اور اپنی فوج کو کثیر تعداد میں تحائف عطا کیے۔ اس نے اعلیٰ منصب کے افسروں میں، ہر ایک کو پانچ سو مہریں، دوسروں کو ایک سو سے تین سو مہریں اور ہر نجی سپاہی کو دو مہریں دیں۔(۱۵) ان کارروائیوں کے بعد ذکریا خاں کو واپس لاہور بھیج دیا گیا اور نادر شاہ اپنی افواج کے ہمراہ قندھار کی طرف روانہ ہوا۔

سندھ سے روانہ ہونے کے بعد نادر شاہ نے تاتار کے خلاف جنگ کی اور اسے مکمل طور پر مغلوب کر لیا اور دیگر متعدد مشرقی ملکوں سے بھی کامیابی سے لڑا۔ وہ اپنے ساتھ دہلی سے اپنے وطن کے لوگوں کو ہندوستانی موسیقی کی تعلیم دینے کے لیے موسیقاروں اور رقاصوں کی ایک جماعت لے گیا تھا۔ وہ اس موسیقی کی بہت زیادہ تعریف کرتا تھا۔ وہ انعام و اکرام عطا کرنے کے سلسلہ میں بہت زیادہ فیاض تھا۔ لہٰذا ایران کے تمام صوبوں میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ اس کی رعایا تین سال کے عرصہ تک ہر قسم کے محصولات کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہے۔ اس نے ہرات میں ہندوستان سے لائے گئے نوادرات کی ایک بہت بڑی نمائش کا اہتمام کیا اور کئی دن کھیل تماشوں اور دعوتوں میں گزارے گئے۔

تخت نادری

وہ شاہجہاں کے تخت طاؤس سے بہت زیادہ خوشی حاصل کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے جوہریوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی شان و شوکت اور چھپر کھٹ کی خوبصورتی اور جاہ و جلال کی طرز کے مطابق ایک اور تخت تیار کریں۔ اس نے اسے "تخت نادری" کا نام دیا اور اسے ہرات میں اپنے دیوان خاص میں دہلی سے لائے گئے تخت طاؤس اور دیگر بادشاہوں کے نہایت قیمتی اور خوبصورت تختوں کے ساتھ رکھا، جن کو اس نے مطیع کیا تھا۔ جواہرات کی دولت سے وہ اس قابل ہو گیا کہ قیمتی پتھروں سے آراستہ ہر قسم کے ہتھیار، بربط، کرسیاں اور جواہرات سے آراستہ دیگر اشیاء تیار کرا سکے۔

اس کے خصوصی احکامات سے اس کے موابیر باشی (میر تزک) نے اس وقت کے بہترین کاریگروں سے ایک بہت بڑا خیمہ تیار کروایا۔ اس کے کناروں پر سبز رنگ کی اطلس لگائی گئی لیکن اس کو جن جواہرات سے آراستہ کیا گیا تھا، وہ دیدہ زیب دکھائی نہیں دیتے

تھے لہٰذا بادشاہ کے حکم سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور ایک نیا خیمہ تیار کیا گیا' جس کی چوٹی کو آمدورفت کی سہولت کے لیے پہلوؤں سے جدا رکھا گیا۔ نیا خیمہ بادشاہ کو توران کی مہم سے واپسی پر دکھایا گیا۔ اس کی بیرونی جانب کو نہایت عمدہ قرمزی رنگ کے کپڑے سے مزین کیا گیا تھا۔ اس کے حاشئے بنفشی رنگ کی اطلس کے تھے' جن پر پرندوں' جنگلی جانوروں' درختوں اور پھولوں کی تصاویر تھیں۔ ان سب کو سچے موتیوں' ہیروں' لعلوں' نیلم اور دیگر قیمتی پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اسی طرح خیمے کے ستونوں کو بھی بہت زیادہ سجایا گیا تھا۔ خیمے کے پہلوؤں پر ایک قنات تھی' جس پر قیمتی پتھروں سے دو فرشتوں کی شبیہیں بنائی گئی تھیں۔ خیمے کی میخیں ٹھوس سونے کی تھیں اور دیواروں اور کھمبوں سمیت سارے خیمے کا وزن سات ہاتھیوں کے برابر تھا۔ مشرقی شان و شوکت کے اس نمونے کو نادر شاہ کی باقی ماندہ زندگی میں ہرات میں تمام تہواروں کے موقع پر دیوان خانہ میں پیش کیا جاتا تھا۔(۲۶)

جاہ و جلال کے ذوق نے اسے ترغیب دی کہ وہ ان انتہائی شاندار اشیاء کو فن کے اعلیٰ کمال سے آراستہ کرائے' جن میں مغل اعظم کے لیے قابل فخر قیمتی پتھروں اور نہایت قیمتی اور عمدہ موتیوں کی جھلک نظر آئے۔

نادر شاہ نے سلطنت ایران کو شمال کی جانب اوکسس تک اور جنوب میں دریائے سندھ تک وسیع کر لیا تھا۔ وہ صوبوں کے بعد صوبے فتح کرتا چلا گیا اور اس نے متعدد جنگجو قوموں کو مغلوب کیا۔ اب وہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ جیسے ہی اس کے عسکری منصوبوں کی تکمیل اسے اس قابل کرتی ہے' وہ تاج شاہی اپنے بیٹے نصراللہ کے سر پر رکھ کر اب آرام کرے گا۔ اس نے قیلات کے قلعہ کو اپنی گوشہ نشینی کے لیے منتخب کر لیا اور اسے ایک پر تکلف محل' شاندار حماموں' محرابی نالوں اور اپنے درباریوں اور امراء کے لیے کشادہ مکانات سے مزین کیا۔ ضعیف العمری کے باعث وہ ذہنی قوت سے ہاتھ دھو بیٹھا اور خبطی اور کمزور ہو گیا۔ ایک مرتبہ بغداد کے ملاؤں سے اس کا مذہبی اختلاف پیدا ہو گیا لہٰذا بہت سے بیکار دن مذہبی جھگڑوں میں خرچ ہو گئے۔ اس کے پرجوش مزاج کے لیے یہ انوکھا واقعہ تھا۔ ایک دوسرے موقع پر غیظ و غضب کی حالت میں اس نے اپنے بیٹے رضا قلی کی آنکھیں نکلوا دیں۔ وہ اپنی جلد بازی پر پچھتایا اور اس کے بعد پشیمانی' دکھ اور ندامت کے باعث اس کے دماغ میں فتور پیدا ہو گیا۔ اس کے پاگل پن میں اضافہ ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کا جبر و ستم بھی بڑھ گیا۔ شاہی طبیب علاوی خاں نے اس کے لیے دوا تجویز کرنے کے علاوہ اسے مکمل مشورہ دینے کی جرات بھی کر لی۔ حکیم باشی نے انسانیت کی

بھلائی کے لیے اس کے مزاج کی تیزی کو بھی درست کیا۔

اس پر حکمت طریقہ علاج سے اس کی طبیعت بہت بہتر ہو گئی اور اس حد تک افاقہ ہوا کہ اب اس نے کسی کو بصارت یا زندگی سے محروم کرنے کے لیے حکم دینے کے بارے میں خیال تک نہ کیا لیکن علاوی خاں کے رخصت ہونے کے بعد اس کا باؤلا پن دوبارہ عود کر آیا اور وہ اپنی پہلی حالت پر آ گیا۔ انتہائی معمولی جرائم پر وہ لوگوں کو آنکھوں سے اور دوسروں کو زندگی سے محروم کرنے کا حکم دے دیتا۔ فرس کے حاکم نے بغاوت کر دی اور چند دوسرے صوبوں کے حاکموں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اس چیز نے نادر شاہ کو اس قدر غضب ناک کر دیا کہ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اس نے بہت تھوڑے شک و شبہ پر اپنے حاکموں اور امراء کی ایک بہت بڑی تعداد کو ہلاک کروا دیا۔ بغاوت کے رہنماؤں کی جانیں لینے کے بعد بھی جب وہ مطمئن نہ ہوا تو اس نے شہروں کو ویران کرنا شروع کر دیا۔ لہٰذا اس کی رعایا کی بہت بڑی تعداد نے تشدد اور موت سے بچنے کے لیے پہاڑوں اور صحراؤں میں پناہ لے لی۔ اس نے اب افغانوں اور ازبکوں کے ہاتھوں سے (جن پر اسے بہت زیادہ اعتماد تھا) اپنے ایرانی فوجی دستوں کے قتل عام کا ارادہ کیا لیکن اب اس جابر شخص کا اپنا انجام قریب تھا۔ اس رات جس کی دوسری صبح کو اس نے اپنے خونیں منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کیا تھا' وہ خود قتل کر دیا گیا۔ اس کے بھتیجے علی قلی خاں نے ایک منصوبہ تیار کیا (جو اپنے چچا کے تخت و تاج اور وسیع و عریض خزانوں کا خواہشمند تھا) کہ اس کی زندگی کو ختم کر دیا جائے۔ نادر شاہ اس وقت اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کرنے کے لیے مشہد کے مضافات میں فتح آباد کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ ایک طویل سفر کی وجہ سے تھک جانے کے باعث وہ آرام کرنے کے لیے جلد ہی اپنے خیمہ میں چلا گیا اور ۸ر جون ۱۷۴۷ء کی نصف شب تک آرام سے سوتا رہا۔ اس کے بھتیجے کے اشارے پر شاہ کے ایک عزیز محمد قلی خاں اردمی اور خشکی باشی (محافظوں کے کمانڈار) نے اسی رات کو نادر شاہ کو قتل کرنے کے لیے ستر خشکیوں (محافظوں) کے ساتھ ایک حلف اٹھایا۔ جب مقررہ وقت آن پہنچا تو ان میں سے ستاون پریشان ہو گئے اور انہوں نے اس منصوبہ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ تاہم دوسرے تیرہ افراد نے سیرا پردہ(۱۷) کو پھاڑا اور حرم میں داخل ہو گئے۔

نادر شاہ کا قتل ۸ر جون ۱۷۴۷ء

نگرانی پر موجود خواجہ سرا نے ان کی مزاحمت کی لیکن اسے کاٹ کے رکھ دیا گیا۔ قاتل

سب سے پہلے تو بوڑھے بادشاہ کی بارعب آواز (جس سے سخت ترین آدمی بھی کانپ جاتے تھے) سن کر خود بخود پیچھے ہٹ گئے لیکن جلد ہی انہوں نے اپنے اندر حوصلہ پیدا کیا اور ایک قاتل نے تلوار سے بادشاہ پر حملہ کیا۔ بادشاہ گر گیا اور اس کے خود بخود اٹھنے کی کوشش پر سازشی اس پر پل پڑے اور پے در پے وار کر کے اس زندگی کو ختم کر دیا جو دوسروں کی زندگیاں ختم کرنے کے لیے وقف تھی۔ پس ایشیا کی دہشت اپنے وطن کا نجات دہندہ اور فخر، اس کی آزادی بحال کرنے والا اور فاتح ہند نادر شاہ ساٹھ برس کی عمر میں ختم ہوگیا۔ جس نے اپنی زندگی میں ایک ادنیٰ حیثیت سے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا، جو چند بادشاہ ہی پیدائشی طور پر حاصل کرتے ہیں۔

صبح کے وقت امراء نے نادر شاہ کے بے سر لاشے کو زمین پر پڑے ہوئے پایا۔ حرم کی خواتین کو پہلے ہی نصراللہ مرزا کی نگرانی میں ان کے اثاثوں سمیت تیلات سے روانہ کر دیا گیا۔ ایک بوڑھی عورت جو پیچھے رہ گئی تھی، اسے اپنے بادشاہ کے سر پر بین کرتے ہوئے دیکھا گیا، جو اپنے دھڑ سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ قتل کے نو دن بعد علی قلی خاں نے حکم دیا کہ لاش کو مشہد لایا جائے، جہاں اسے اس مقبرہ میں دفن کر دیا گیا، جسے نادر شاہ نے اپنے لیے تیار کروایا تھا۔(۱۸)

محمد شاہ کا دور

(نادر شاہ کے حملے سے بعد کا دور)

سکھوں کی مثلوں میں تشکیل

نادر شاہ (۱۹) کے حملہ کے بعد ہونے والے فسادات اور افراتفری جس میں صوبہ لاہور کو پھونک دیا گیا تھا، سکھوں کے لیے سازگار ثابت ہوئی، جنہوں نے طویل جبر و ستم کی غربت کے بعد دوبارہ غارت گری و لوٹ مار شروع کر دی۔ وہ پنجاب کے پرامن باشندوں پر چڑھ دوڑے اور ان کی وہ ساری جائیداد لوٹ کھسوٹ لی، جو وہ ایرانی فاتح کی غارت گری سے بچا کر پہاڑوں میں لے گئے تھے۔ انہوں نے راوی اور بیاس کے درمیانی علاقہ کو تاخت و تاراج کر کے رکھ دیا اور اس کے علاوہ مانجھا کے جنگلات اور رسل و رسائل کے راستوں پر خوف و ہراس پھیلا دیا۔ چھوٹی چھوٹی مسلح جماعتوں کی صورت میں گشت کرتے ہوئے

انہوں نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ شروع شروع میں انہوں نے خفیہ گٹھ جوڑ کیے اور غارت گری کی معمولی کارروائیوں سے مطمئن ہو جاتے تھے لیکن ان ابتدائی حملوں کے عدم نقصان نے واضح طور پر امرتسر کے مقدس تالاب کی طرف رجوع کرنے کرنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ وہاں وہ آپس میں اجلاس منعقد کرتے تھے۔

روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور جو پہاڑوں کی طرف چلے گئے تھے' نہایت تیزی کے ساتھ واپس آنا شروع ہو گئے اور دوسرے بہت بڑی تعداد میں غارت گری اور لوٹ مار کے لیے ان کے جھنڈوں تلے جمع ہونا شروع ہو گئے' جسے جائز سمجھا جاتا تھا۔ سکھ گھڑ سواروں کو دیکھا گیا کہ وہ سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے' امرتسر میں اپنے پسندیدہ گوردوارے کی طرف جا رہے ہیں۔ اس سے پہلے خفیہ طور پر یا بھیس بدل کر بھی کافی عرصہ سے اس کی زیارت کی نہیں کی گئی تھی۔ ان میں سے صاحب ثروت نے گھوڑے خرید لیے اور اپنے ساتھیوں سمیت سوار ہو گئے' جبکہ زیادہ مہم جو بننے والوں نے ناجائز طریقوں سے ناموری حاصل کرنا چاہی اور عسکری شہرت کی خواہش کی۔

نادر شاہ' جب دہلی سے واپسی پر پنجاب سے گزرا تو اس نے حاکم لاہور زکریا خاں سے دریافت کیا کہ یہ سکھ کس قسم کے لوگ ہیں' جنہوں نے اس کی فوج کی پشت کو لوٹ لیا ہے جو لوٹ کے مال سے لدی ہوئی تھی۔ اور دشمنوں کے خوف کے باوجود' بغیر کسی ترتیب کے سفر کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا یہ بے قاعدہ فقیروں کا ایک گروہ ہے' جو ہر چھ ماہ کے بعد امرتسر کے تالاب پر حاضر ہوتے ہیں۔ نادر شاہ نے دریافت کیا ان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ اس پر حاکم لاہور نے جواب دیا۔ "ان کے گھر ان کی کاٹھیاں ہیں"۔ نادر شاہ مسکرایا اور کہا: "یقیناً انہیں کچل دینا چاہیے اور ان کے علاقے پر قبضہ کر لینا چاہیے"۔

اب سکھ منظم ہو کر اور عسکری وضع قطع کے ساتھ نمودار ہوئے اور دریائے راوی کے کنارے' دالیوال پر ایک چھوٹا سا قلعہ تعمیر کیا۔ ان کے گٹھ جوڑوں کی تعداد اور طاقت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اب ان کی لوٹ مار صرف کھلے علاقے تک محدود نہیں رہی تھی بلکہ اس میں لاہور کے مضافات تک توسیع ہو گئی۔

حاکم لاہور' نواب زکریا خاں کا انتقال

نادر شاہ کے قتل کے کچھ عرصہ بعد' پنجاب کے صوبیدار نواب زکریا خاں کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔ اس کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:

محمد امین خاں
اعتماد الدولہ

نواب قمرالدین خاں اعتماد الدولہ، نصرت جنگ	نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ

انتظام الدولہ خان خاناں	میر معین الملک المعروف میر منو اس کی شادی مراد بیگم سے ہوئی	خان جاہ عبداللہ خاں	عزالدولہ نواب زکریا خاں، خان بہادر
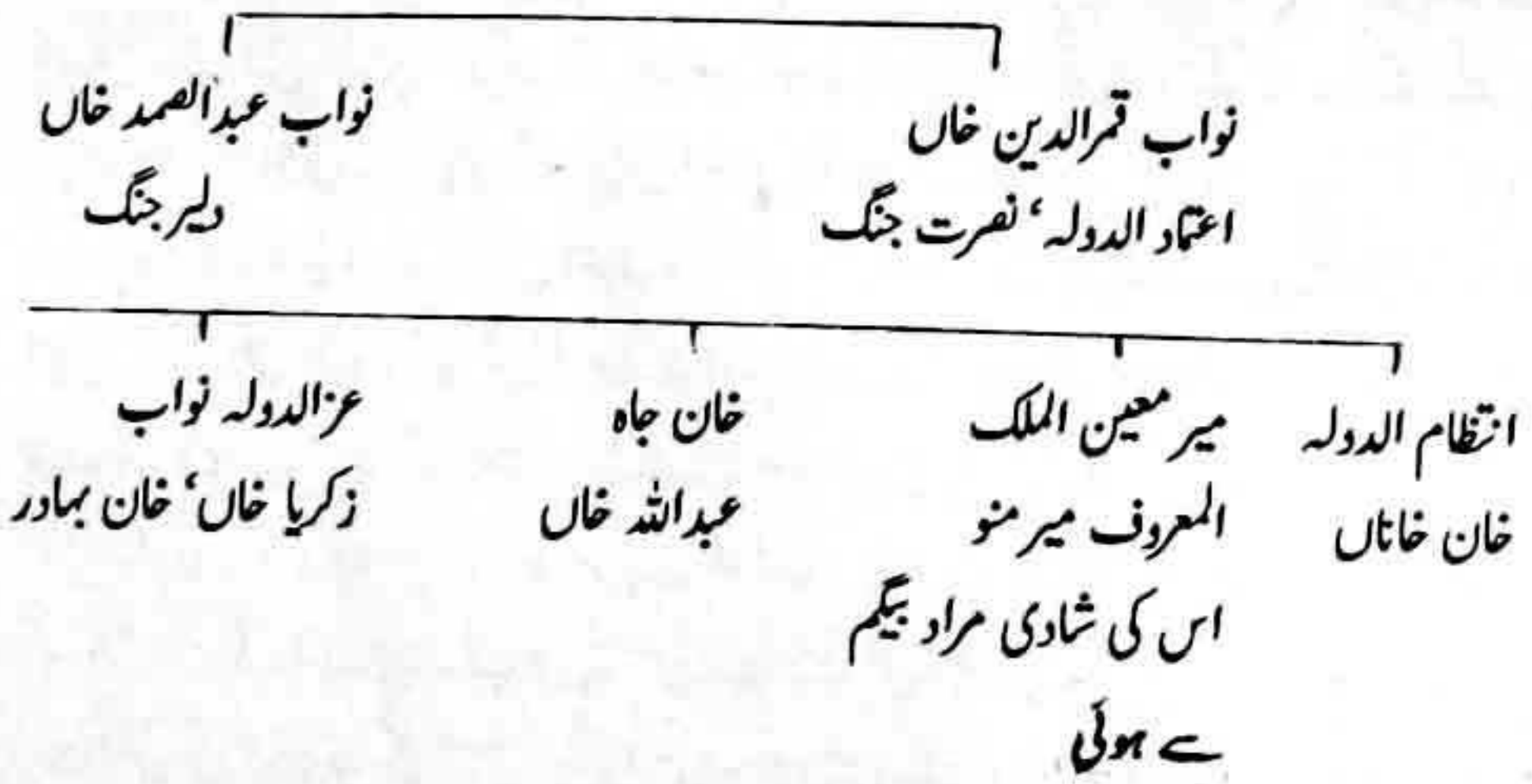
امین الدین خاں بچپن میں فوت ہوگیا	حیات اللہ خاں المعروف شاہنواز خاں	یحیٰی خاں

نواب زکریا خاں بہت سالوں تک لاہور کا حاکم رہا۔ اس کی شادی اپنے چچا نواب قمر الدین خاں کی بیٹی سے ہوئی۔ وہ پاکدامن اور راست بازی کے اعلیٰ کردار کا حامل تھا اور اس کا انصاف ضرب المثل بن چکا ہے۔ وہ عوام کے سبھی طبقوں میں مقبول تھا اور وہ لاہور کے لوگوں کو اسی طرح پسند کرتا تھا جس طرح وہ اسے چاہتے تھے۔ ان دنوں لاہور کے متعصب ملاؤں کی یہ عادت تھی کہ وہ مذہبی معاملات میں ہندوؤں کے ساتھ جھگڑوں کو مشتعل کرتے اور انہیں بہت زیادہ تنگ کر کے بھڑکا دیتے تھے۔ زکریا خاں نے ہمیشہ بڑے تحمل سے ان جھگڑوں کا تصفیہ کرنے کی کوشش کی اور وہ کسی بھی خاص فرقے کی ناجائز حمایت یا طرفداری نہیں کرتا تھا۔ اس کے انصاف کے بارے میں بیان کرنے کے لیے لاہور کے ایک ہمعصر مورخ نے مندرجہ ذیل کہانی بیان کی ہے، جسے اس کی عوامی زندگی کے بارے میں رائے پیش کرنے کا موقع ملا۔ لاہور کے ایک ہندو کی یہ بدقسمتی تھی کہ اس کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ اسی محلہ میں رہائش پذیر ایک مغل اس پر فریفتہ ہوگیا اور اس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پاکباز عورت اپنے خاوند کی وفادار رہی اور مغل کی التجا کو بڑی حقارت سے ٹھکرایا۔ موخر الذکر نے موافقت میں ناکامی کے بعد اسے مکر و فریب سے حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے تدبیر نکالی کہ مسلمان دلہن کے پہننے والے

کپڑے خفیہ طریقے سے اس عورت کے کمرے میں چھپا دیے جائیں اور اس کی مرضی سے جب وہاں کی تلاشی لی جائے گی اور کپڑوں کی دریافت سے اس امر کو تقویت ملے گی کہ اس کے اس کے ساتھ تعلقات استوار ہیں' لیکن اس کے فریب کو خود حاکم لاہور نے ننگا کر دیا' جس نے بذات خود فقیر کا بھیس بدل کر اصل صورت حال کی تصدیق کی اور مغل کو موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم دے دیا۔ نواب زکریا خاں کے انصاف کے بارے میں لوگ اور بھی بہت سی داستانیں بیان کرتے ہیں۔

یحیٰی خاں کا بطور حاکم لاہور تقرر

زکریا خاں کے انتقال پر لاہور کی صوبیداری' میر مومن خاں کو عطا کی گئی لیکن کچھ عرصہ بعد ہی وزیر قمرالدین خاں کے توسط سے زکریا خاں کے بڑے بیٹے یحیٰی خاں کو حاکم لاہور مقرر کیا گیا۔

اب سکھ رہزنوں میں اتنی دلیری آ گئی تھی کہ انہوں نے ان دھوبیوں کو بھی لوٹ لیا جو کپڑے دھونے کے لیے دریائے راوی کی طرف جا رہے تھے۔ ان غنڈوں کا ایک مسلح جتھہ خراج وصول کرنے کے لیے لاہور کے شمال میں ایک قصبے' ایمن آباد کی طرف روانہ ہوا اور اس کے قرب و جوار میں مویشیوں اور گلوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو پکڑ لیا۔ یحیٰی خاں نے ان سرکشوں کو منتشر کرنے کے لیے دیوان جسپت رائے کی قیادت میں ایک چھوٹا سا فوجی دستہ روانہ کیا' لیکن سکھ ان دستوں پر اس غیظ و غضب سے آن پڑے کہ ان پر غلبہ حاصل کر کے اور ان کے سردار دیوان جسپت رائے کو قتل کر کے انہیں پسپا کر دیا۔ اس مہم کے تباہ کن انجام سے حاکم لاہور آگ بگولا ہو گیا۔ اب اس نے وزیر اعظم لکھپت رائے کی قیادت میں ایک بہت بڑی فوج ان کے مقابلے پر روانہ کی۔ دیوان نے اپنے بھائی کی موت کا بھرپور بدلہ لیا اور باغیوں کو زبردست خون خرابے کے ساتھ شکست دے دی اور انہیں پنجاب کے شمال مشرقی کونے میں دھکیل دیا۔ اپنے انتقام کو مکمل کرنے کے لیے وہ اپنے ساتھ ایک ہزار سکھوں کو پابہ زنجیر کر کے لاہور لے کر آیا اور انہیں گدھوں کی ننگی پیٹھوں پر بیٹھنے پر مجبور کر کے لاہور کے بازاروں میں گشت کرایا گیا۔ تب انہیں شہر میں دہلی دروازے کے باہر نخاس خانہ میں لے جایا گیا اور وہاں یکے بعد دیگرے انتہائی بے دردی کے ساتھ ان کے سر کاٹ دیے گئے۔ اس وقت سے اس واقعہ کی یادگار کے طور پر سکھ اس جگہ کو شہید گنج کہتے ہیں۔ قتل گاہ ایک سمادھ کی وجہ سے مشہور ہے' جس کو گوبند سنگھ کے ایک پرانے ساتھی اور شہید اعظم بھائی تارا سنگھ کی یاد میں تعمیر کیا گیا تھا جسے اگرچہ

اپنے مذہب سے دستبرداری اور اپنے لمبے بال (جٹائیں) کٹوانے کی شرط پر معافی کی پیشکش کی گئی تھی، لیکن اس نے ثابت قدم رہتے ہوئے انکار کر دیا۔ اس پر ۱۷۴۶ء میں اس کا سر کاٹ دیا گیا۔(۲۰)

حاکم لاہور، یحییٰ خاں نے اب یہ اعلان کرا دیا کہ جہاں کہیں سکھ دیکھے جائیں ان کا قتل عام کر دیا جائے۔ ان افراد کے لیے سزائے موت مقرر کی گئی جو گرو گوبند کا نام لیتے ہوں اور سکھوں کے سروں کے لیے انعام پیش کیے گئے۔ ہر روز ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتارا جاتا اور انعام حاصل کرنے کے لیے ان کے سر لاہور کے صوبیدار کے سامنے پیش کیے جاتے۔ گرو کے چیلوں نے معمول کے مطابق، ان موقعوں پر اپنے لمبے بال چھوٹے کروا لیے اور سراغ اور موت سے بچنے کے لیے لہراتی ہوئی داڑھیاں کٹوا لیں، جبکہ دوسروں نے اپنے آپ کو جنگل میں چھپا لیا یا دریائے ستلج کے پار بھاگ گئے۔

اسی دوران لاہور کی صوبیداری کے لیے یحییٰ خاں اور اس کے چھوٹے بھائی حیات اللہ خاں کے درمیان مقابلہ ہوگیا، جسے نادر شاہ نے افغان نور محمد خاں لیلی کے خلاف مہم میں شاہنواز خاں کا خطاب عطا کیا تھا۔ شاہنواز ایک حوصلہ مند، باصلاحیت اور اعلیٰ کردار کا حامل تھا اور نادر شاہ کے حملے کے وقت سے پنجاب میں اس کا اہم کارنامہ اضلاع میں امن و امان قائم کرنا اور آمدنی میں اضافہ کرنا تھا۔ اب اس نے زکریا خاں کے چھوڑے ہوئے وسیع و عریض اثاثوں میں سے اپنے بڑے بھائی کو حصہ دینے سے انکار کر دیا۔ شاہنواز نے ملتان کی حاکمیت حاصل کر لی اور ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ لاہور کی طرف روانہ ہوا اور شالامار باغ کے مضافات میں پڑاؤ ڈال دیا، جہاں اب اس کے والد کا مقبرہ موجود ہے۔ دیوان صورت سنگھ کے ذریعے گفت و شنید کی گئی۔ عید کے تہوار پر دونوں بھائی نماز کے لیے عیدگاہ پہنچے۔ جب نماز ختم ہو گئی، تو بھائیوں کے درمیان تکرار شروع ہو گئی اور نتیجہ لڑائی پر ہوا۔ یحییٰ خاں کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا اور خود اسے شاہنواز نے قیدی بنا لیا اور لاہور کی طرف روانہ ہوا، اس نے اپنے مرحوم باپ کی تمام جائیداد پر قبضہ کر کے، دہلی کی شاہی حکومت (جو اصل میں اب بہت زیادہ کمزور ہو گئی تھی یا مداخلت سے غیر جانبدار ہو گئی تھی) کے احکامات کا انتظار کیے بغیر اپنی صوبیداری کا اعلان کر دیا۔ یحییٰ خاں کے ساتھ، بشمول، بوڑھے دیوان لکھپت رائے کے تمام سرکاری افسروں کو زنجیریں پہنا کر بند کر دیا گیا۔

شاہنواز خاں نے لاہور کی حاکمیت حاصل کرنے کے بعد، اپنی مہر سے الفاظ "فدوی

جان نثار محمد شاہ" کو حذف کرا دیا اور اس کی جگہ مندرجہ ذیل شعر درج کروا دیا: "اے مالک تو میرے ارادوں کا گواہ ہے' جب تک میرا دل اچھائی کی طرف مائل رہے' مجھے بہتری عطا کرتا رہ"۔

پرانی مہر' پر ترتیب کے لحاظ سے بادشاہ کے آباؤ اجداد کے نام تھے اور یہ تیمور کے نام سے شروع ہوتے تھے۔ اس نے سنی مذہب کو چھوڑ کر شیعہ مذہب اختیار کر لیا اور بارہ اماموں کے نام درج کرنے کا حکم دیا۔ نئے حاکم نے وزیراعظم کا منصب اپنے دیوان کوڑا مل کو تفویض کیا۔(۲۱) جسے اس نے ملتان سے روانہ کیا اور معاملات اس کے سپرد کیے۔ اس نے آدینہ بیگ خاں(۲۲) ایک ہوشیار حاکم کے سپرد جالندھر دوآب کا انتظام کر دیا' جو اس کے والد خان بہادر کے دور میں عروج پر آیا اور اس علاقے کا انتظام سنبھالنے پر اس پر آشوب صوبے کا بندوبست بڑی قابلیت اور طاقت سے کیا۔ اس نے اس علاقے کی آمدنی کو باقاعدہ بنایا اور اس کے والد سے افسروں سے بڑی بڑی رقمیں زبردستی حاصل کیں۔ دہلی کے وزیر' نواب قمرالدین خاں نے شاہنواز پر دھمکیاں اور منت سماجت دونوں استعمال کر کے دیکھ لیں کہ وہ اپنے بھائی یحیٰی خاں کو آزاد کر دے' لیکن کچھ حاصل نہ ہو سکا' تاہم' اس کے کچھ عرصہ بعد' یحیٰی خاں' حرم سرا کی دیگر خواتین کے تعاون سے اپنی پھوپھی کی تدبیر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ یحیٰی خاں کو ایک ٹوکرے میں بند کر کے ایک تھال پر رکھ کر کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا اور وہ اسے ایک مصاحب کے سر پر رکھ کر باہر لے گیا کہ ٹوکرا کھانے پینے کی اشیاء پر مشتمل ہے' لہٰذا یحیٰی خاں نے آزادی حاصل کی اور قصور کے ایک طاقتور پٹھان احمد یار خاں کی مدد سے دہلی روانہ ہوا۔ شاہنواز خاں کو جب اس چال کا پتہ چلا تو اس نے اس منصوبہ میں شامل سبھی افراد کو سزا دی۔ اور جب اپنا غصہ اپنی پھوپھی پر نکالا' تو اس عمر رسیدہ خاتون نے مندرجہ ذیل تاثر پذیر اور شفقت آمیز خیالات کا اظہار کیا: "اگر حالات برعکس ہوتے اور یحیٰی خاں کے بجائے تم قیدی ہوتے تو میں تمہیں آزاد کرانے کے لیے اپنی بھرپور کوشش کرتی' کیونکہ جو بچہ مصیبت میں ہو تو والدین اس کے لیے زیادہ محبت اور شفقت محسوس کرتے ہیں' اب میں تمہارے اختیار میں ہوں' اور جس طرح مناسب سمجھتے ہو مجھ سے سلوک کرو"۔ ان دانشمندانہ الفاظ نے جن سے خلوص دل ٹپک رہا تھا' شاہنواز پر جادو کا سا کام کیا' اس نے اس کے بعد بوڑھی خاتون کو مزید تنگ نہیں کیا۔ یحیٰی خاں نے اپنے آپ کو بادشاہ دہلی کے سامنے پیش کر کے اپنے چچا قمرالدین کے ذریعے بادشاہ کے سامنے اپنی مشکلات پیش کیں۔ اپنی کارروائیوں کے نتیجہ سے خوفزدہ

ہو کر اور اپنے مضطرب بھائی کی دارالسلطنت میں موجودگی کے اندیشہ سے شاہنواز خاں نے احمد شاہ ابدالی سے خفیہ خط و کتابت شروع کر دی' جو نادر شاہ کے قتل کے بعد ۱۷۴۷ء میں افغانستان کا مالک بن گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کے حالات

دولت خاں کا پوتا اور زمان خاں کا بیٹا احمد خاں' ابدالیوں کی گوت سدو زئی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ خاندان اصل میں ملتان میں رہائش پذیر تھا' لیکن احمد شاہ کے جد امجد' حیات سلطان کا بیٹا' عبداللہ خاں' ۱۱۲۹ ہجری میں ہرات کے مضافات میں آباد ہوگیا اور اسے ابدالیوں کا سردار تسلیم کر لیا گیا' جو ہرات کے قریب پہاڑی علاقہ میں آباد تھے۔ مذہبی طور پر سدو زئیوں کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا ہے' اور حقیقت میں نوجوان عبداللہ میں بہادری اور پھرتی کے امتزاج نے اسے عروج پر پہنچایا۔ اس کی بادشاہت کی خواہش کے باعث' بادشاہ ایران' شاہ حسین صفوی کے تحت ہرات کے حاکم عباس قلی خاں شاملو نے اسے قید کر دیا۔ عبداللہ کو قید سے رہائی حاصل کرنے کے لیے ایک موقع مل گیا۔ اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کرنے کے بعد' اس نے جعفر خاں کو شکست دے کر قید میں ڈال دیا' جو ہرات کا حاکم بن گیا تھا اور اسی نام سے مشہور علاقے کے تمام خطہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ جب نادر شاہ برسراقتدار آیا اور اس نے ہرات کو مطیع کیا تو اس نے ذوالفقار خاں ابدالی اور اس کے بھائی احمد خاں (بعد ازیں احمد شاہ) کو غزالیوں کا قیدی پایا۔ دونوں بھائیوں کو آزاد کرنے کے بعد اس نے انہیں نئے اعزازات سے نوازا' اور امن و آشتی سے رہنے کے لیے انہیں مزندران بھیج دیا' لیکن اس نے ان پر نگرانی رکھی۔

نادر شاہ' احمد خاں کا بہت احترام کرتا تھا' اور ہندوستان کی طرف مہم کے وقت اسے اپنے ساتھ اس ملک میں لے گیا۔ احمد خاں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد کسی وہم کے باعث اپنے قبیلے کا نام ابدالی سے بدل کر درانی رکھ لیا(۲۳)' اور اسی وقت سے اسی نام سے مشہور ہے۔ خراسان کے ایک بہت بڑے علاقے میں سے زبردستی راستہ بنانے اور قندھار کے مضافاتی علاقوں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد (وہاں ۳۰ لاکھ روپے کا خزانہ جو نادر شاہ کے خزانے کے ہمراہ تھا' اس کے ہاتھ لگا) ۱۷۴۷ء میں درانی' قزلباشی' بلوچی اور ہزارہ سرداروں کے تعاون سے' ۲۳ برس کی عمر میں احمد شاہ کے لقب سے' قندھار کے بادشاہ کے طور پر اس کی تاجپوشی کر دی گئی۔(۲۴) قندھار میں موسم سرما گزارنے' فتح کیے گئے اضلاع کے معاملات درست کرنے اور مستقبل کی مہمات کے لیے منصوبے تیار کرنے کے بعد وہ

وہاں سے ۱۷۴۸ء کے موسم بہار میں ۱۲ ہزار درانی جنگجوؤں کے ہمراہ روانہ ہوا۔ اس نے قزلباشیوں کو مغلوب کیا اور غزنی میں نادر کے حاکم کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ دولت کا منبع ہونے اور فتح و شان و شوکت کے لیے کارساز میدان ہونے کے باعث' اس نے اپنی نظر ہندوستان پر جمائی ہوئی تھی' لہٰذا اس نے کابل اور پشاور کو تسخیر کرنے کے بعد وہاں کے حاکم ناصر خاں(۲۵) کو نکال باہر کیا جس نے مغل اعظم کا اعلان کیا ہوا تھا' اس نے حیرت انگیز پھرتی سے دریائے سندھ کو عبور کیا اور شاہی فوجوں کو اٹک اور چچ سے نکال باہر کرنے کے بعد ان کی کمزور مزاحمت پر زبردست سزا دی گئی۔

دریں اثناء لاہور کے غاصب صوبیدار کی بدخواہی پر' دہلی کے وزیراعظم اور اس کے چچا نے اسے لعن طعن کی' اس نے اپنے بھتیجے کی غیرت سے اپیل کرتے ہوئے' اسے اپنے وطن اور خاندان کے موروثی بادشاہ کی فرمانبرداری پر سختی سے قائم رہنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس نوجوان کے وقار کو دھچکا لگا اور عالی ہمتی' حکمت عملی پر غالب آگئی' اس نے حملہ آور درانیوں کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ درانی بادشاہ کا ایک امیر عزیٰ خاں' جسے اس کے آقا نے لاہور میں' حاکم لاہور کے ساتھ شرائط طے کرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ حالات اس کے حق میں نہیں' تو وہ بادشاہ کی ہدایات کا انتظار کیے بغیر مایوسی کی حالت میں واپس اٹک لوٹ آیا۔ حاکم لاہور کے ساتھ اپنی پہلی بات چیت کے ناموافق معاملے سے دل برداشتہ نہ ہوتے ہوئے' احمد شاہ نے اب اپنے خاندانی پیشوا بابا صابر شاہ کو تجدید کے لیے روانہ کیا' اسے اس بات کی امید تھی کہ اس کی درویشانہ حالت' حاکم لاہور کو اس کی جانب راغب ہونے کے لیے مدد دے گی۔ صابر شاہ نے لاہور آنے پر حاکم لاہور کو دھمکی دینے کی کوشش کی کہ وہ ہتھیار ڈال دے' لیکن گستاخانہ کوشش کے باعث جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ کوائف' خواجہ عبدالکریم کو احمد شاہ کے وزیر محمد یار خاں نے بتائے تھے' جس نے اس درویش کے ساتھ خفیہ طور پر ربط پیدا کر لیا تھا۔(۲۶)

بابا صابر' جو ایک خوبصورت نوجوان تھا' لاہور کے ایک سلوتری کا بیٹا تھا۔ کم عمری ہی سے وہ دنیا کے معاملات سے کنارہ کشی کر چکا تھا' لہٰذا' جب ابھی وہ بہت چھوٹا تھا' اس نے اپنے وطن کو خیرباد کہا اور کابل' قندھار اور ہرات کا سفر کیا۔ نادر شاہ کے قتل سے تھوڑا عرصہ پہلے' نوجوان درویش کو ایک چھوٹا سا خیمہ گاڑتے ہوئے دیکھا گیا' لوگوں نے اس سے دریافت کیا' اے فقیر' اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ اس نے جواب دیا: "نادر شاہ کی حکومت ختم ہو گئی ہے' میں احمد شاہ کا خیمہ نصب کر رہا ہوں"۔ اس کی پیش گوئی کے

مطابق' احمد شاہ' بادشاہ بن گیا' اور کہا جاتا ہے اس وجہ سے صابر شاہ کا ابدالی بادشاہ پر بہت زیادہ اثر و رسوخ قائم ہوگیا۔ صابر شاہ کی ہدایت کے مطابق' احمد شاہ نے بادشاہت حاصل کرنے کے بعد "در دوراں" کا لقب اختیار کیا' تب سے وہ اور اس کے ابدالی وارثین درانی کہلاتے ہیں۔ جب فقیر لاہور آیا تو شاہنواز کے جاسوسوں نے اسے مطلع کیا کہ احمد شاہ کا جادوگر' تمام توپوں پر جادو کرنے کے خیال سے آیا ہے۔ اسے گرفتار کر کے' شاہنواز کے سامنے پیش کیا گیا۔ تاہم' اس نے آدینہ بیگ خاں کے توسط سے اور یہ جانتے ہوئے کہ اسے ابدالی بادشاہ کے نمائندے کے طور پر بھیجا گیا ہے' کھلے دربار میں اس کے رتبے کے مطابق عزت و احترام اور تہذیب انداز میں اس کا استقبال کیا۔ لیکن یہ درویش جو اپنی مذہبی بڑائی کے زعم میں تھا اور اسے اس بات کا احساس تھا کہ درانی بادشاہ نے اسے مختار کل بنا کر بھیجا ہے' ان سب کی طرف حقارت سے دیکھا اور شاہنواز خاں سے ایک ماتحت کی طرح خطاب کرنے لگا' اس نے اسے اس بات پر سخت لعن طعن کی کہ پہلے اس نے درانی بادشاہ کو پنجاب میں آنے کی دعوت دی اور اس کے بعد اس کی فرمانبرداری سے روگردانی کر کے ذلت مول لی' اس نے اسے دھمکی دی کہ اگر وہ شاہ کو اپنی اطاعت پیش کرنے میں ناکام رہا تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ ان الفاظ نے جو سرعام کہے گئے تھے' نوجوان حاکم کو آگ بگولا کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس گستاخ فقیر اور اس کے ساتھی محمد یار خاں کو قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ اگلے روز شاہنواز خاں کے درباریوں نے اسے اس بات پر اکسایا کہ اگر جادوگر صابر شاہ کو زندہ رہنے دیا گیا تو وہ پوری ہندوستانی قوم اور اس پر زبردست آفت لے آئے گا۔ اس پر حاکم نے حکم دیا کہ اس پیشوا کو فوری طور پر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے' لہذا جلاد کی تلوار نے اس مقدس ایلچی کا سر تلوار سے اڑا دیا۔ چند امراء کے توسط سے محمد یار خاں کو آزاد کر دیا گیا۔ اب شاہنواز خاں نے حملہ آور فوج کی مزاحمت کرنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے مضافاتی اضلاع کی افواج کو بھی جمع کیا اور شہر و قلعہ کا دفاع کرنے کے لیے دروازوں اور اہم مورچوں کو توپ خانے سے مستحکم کیا اور قلعے کی فصیلوں پر توپیں نصب کرا دیں۔ احمد شاہ اپنے پیشوا اور سفیر کے قتل سے اس قدر غضب ناک ہوگیا کہ اس نے فوری طور پر دریائے راوی کو پار کر لیا۔

احمد شاہ کا پہلا حملہ' جنوری ۱۷۴۷ء

حاکم لاہور نے قصور کے ایک پٹھان' ضلع خاں کی قیادت میں' ایک فوج' اس کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کی۔ لیکن خاں اپنی تمام فوج کے ہمراہ دشمن کی طرف پلٹ گیا۔ تب'

احمد شاہ نے حاکم لاہور پر' لاہور کی فصیل کے نیچے حملہ کیا' جہاں موخرالذکر' خندق کھود کر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک کمزور مزاحمت کے بعد ہندوستانی فوجوں کو تباہ کن شکست ہو گئی اور وہ انتہائی ابتری اور دہشت کے باعث بھاگ اٹھے' ان کے دفاعی مورچوں پر درانیوں نے قبضہ کر لیا۔ شاہنواز خاں' اپنے جواہرات اور قیمتی اشیاء کے ساتھ' محرم' ۱۱۶۱ھ' (جنوری ۱۷۴۸ء) میں دہلی کی طرف بھاگ گیا۔ قمرالدین خاں' اس کے گزشتہ رویہ سے اس قدر غصے میں تھا کہ اس نے فوراً اسے قید خانے میں ڈال دیا۔ موجودہ شہر کی فصیل کے باہر اس وقت مغلپورہ' جو شہر کا انتہائی متمول اور گنجان آباد محلّہ تھا' اسے حملہ آوروں نے لوٹ لیا اور وہاں رہائش پذیر' ریاست کے امراء کو بھی لوٹ کھسوٹ لیا گیا۔ اس کے بعد ابدالی فاتح' ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا' جس کے ذرائع اور وسائل اب اس کے رحم و کرم پر تھے' جنہوں نے حقیقی طور پر اس کے بازوؤں کو مضبوط بنایا تھا۔

اس نے وہاں توپوں کی اور چھوٹے ہتھیاروں کی بہت بڑی تعداد موجود پائی۔ شہر سے ایک بھاری خراج وصول کیا گیا' اس کے کچھ عرصہ بعد قصوری افغان مومن خاں اور دیوان لکھپت رائے نے اپنے حصے کا تاوان ادا کر کے آزادی حاصل کی۔ پنجاب کے زمینداروں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا اور پہاڑی راجاؤں نے تحائف کے ساتھ اپنے نمائندے اس کے پاس بھیجے اور اپنی اطاعت پیش کی۔ بادشاہ' پنجاب کے معاملات کو درست کرنے اور اپنے آپ کو عظیم مہم کے لیے تیار کرنے کے لیے جو اس دور دراز علاقے میں اس کی آمد کا بڑا مقصد تھی) تقریباً ایک ماہ سے زائد عرصہ تک لاہور میں ٹھہرا۔

کابل سے آنے والی تازہ دم فوج کے شامل ہونے اور دیوان لکھپت رائے کو لاہور کی حاکمیت تفویض کرنے اور قصور کے مومن خاں کو دیوان مقرر کرنے کے بعد ابدالی بادشاہ نے ستلج کی طرف پیش قدمی کر دی' یہ خبر سننے کے بعد محمد شاہ نے اپنے بیٹے احمد کو بلوایا اور کھلے دربار میں اسے بوسہ دیا اور اسے قرآن پاک کا نسخہ دے کر' روانہ ہونے اور حملہ آور کی پیش قدمی کو روکنے کی ہدایت کے ساتھ رخصت کیا۔

شہزادے کی کمان میں اس وقت ۸۰ ہزار گھڑ سواروں پر مشتمل ایک طاقتور فوج تھی اور اس کے ہمراہ وزیر اعظم قمرالدین خاں' ابوالمنصور خاں' صفدر جنگ اور سید صلابت تھے۔ وزیر اعظم کی فوج میں' روہیلہ سردار علی محمد خاں کے بیٹے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں بھی شامل تھے' جو اپنے فوجی دستے کے ہمراہ دہلی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ درانی فوج ۱۲ ہزار سپاہیوں سے زیادہ نہیں تھی۔ مغل فوج نے' سرہند سے ۹ میل کے فاصلے پر منوڑہ کے

مقام پر خندقی مورچہ سنبھالا' وہاں پر' جے پور کے جے سنگھ کا بیٹا راجہ ایشار سنگھ اور دیگر راجپوتانہ سردار اس کے ساتھ شامل ہوگئے جو اپنے اپنے دستوں اور چند طاقتور زمینداروں کے ساتھ وہاں آئے تھے۔ ابدالی نے ایک پایاب مقام سے دریا کو پار کیا اور ہندوستانی فوج کو پشت پہ رکھ کر اس نے سرہند پر قبضہ حاصل کر لیا' جہاں ساز و سامان اور اسلحہ کی بہت بڑی مقدار کے علاوہ بے شمار توپیں بھی اس کے ہاتھ لگیں' جو اس سے پیشتر بالکل اس کو فراہم نہیں کی گئی تھیں۔ اس کے بعد اس نے دہلی کی فوج کی رسید کو کاٹ دیا اور دارالسلطنت کے ساتھ شاہی فوجوں کے رسل و رسائل کو روک دیا۔ درانیوں نے جس طاقت کا مظاہرہ کیا اس سے دہلی والے ہمت ہار گئے۔ دونوں فوجوں کے دستوں میں مختلف مقامات پر بے شمار جھڑپیں ہوئیں لیکن تقریباً ایک ماہ تک کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہ نکل سکا۔ دریں اثناء' درانی بادشاہ چند توپوں کو آگے بھیجنے کے قابل ہوگیا' لہٰذا شاہی فوج کے پہلو پر کئی گھنٹوں تک بھاری گولے برسائے گئے۔

ایک شام کو جب عمر رسیدہ وزیر قمرالدین خاں نماز ادا کر رہا تھا' تو درانی توپ خانے کا ایک گولہ اس کے گھٹنے پر آ کر لگا' اسی کے باعث یہ انتہائی بہترین بوڑھا وزیر رات کے دوران فوت ہوگیا۔ پوری فوج وزیر کا احترام کرتی اور اس سے محبت کرتی تھی۔ اسے اس کی دانشمندی اور بہادری پر پورا بھروسہ تھا۔ ولی عہد مرزا احمد اور اس کے بیٹے میر منو(۲۷) (جو ایک بہادر اور نڈر سپاہی تھا) نے اس کی موت کو پوشیدہ رکھا۔

شہزادے نے چند سرکردہ سرداروں کو اکٹھا بلایا اور جنگی مشاورت میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ وزیر کی لاش کو اس کے اپنے ہاتھی کے ھودا میں تکیوں کی مدد سے بٹھا دیا جائے اور اگلی صبح سویرے' جنگ شروع کر دی جائے۔ نوجوان شہزادہ احمد نے اگلی صبح انتہائی بہادری کے ساتھ' نوجوان منو کی مدد سے حملے کی قیادت کی' جس نے ذاتی طور پر بہادری کے اعلیٰ جوہر دکھائے۔ لڑائی اب بہت زیادہ خون ریز ہو گئی لیکن درانیوں نے ثابت قدمی سے میدان جنگ میں پاؤں جمائے رکھے۔ تاہم' وہ زیادہ تعداد کے سامنے دب گئے اور بھاگنے کی سوچ رہے تھے کہ ایک ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا۔ جے پور کا راجہ ایشار سنگھ' جو ۲۰ ہزار سواروں کی کمان کر رہا تھا' احکامات حاصل کرنے کے لیے وزیر کے ہاتھی کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وزیر مرچکا ہے' تو اس کے وجود میں سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی' اس نے اپنی فوج کے ہمراہ میدان جنگ کو چھوڑ دیا' (۲۸) اور شاہی فوج نے بھی اس کی تقلید کر دی۔ ابدالی نے اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہی فوج پر زبردست دباؤ ڈال دیا۔ تاہم' نوجوان منو'

ثابت قدمی سے ڈٹا رہا اور اپنی ذاتی کوشش سے نہ صرف صفدر جنگ اور دیگر ہندوستانی حلیفوں کی فوجوں کو ازسرنو ترتیب دیا بلکہ ادھر اس قدر طاقت سے حملہ کیا کہ درانیوں کا مرکز ٹوٹ گیا اور ان کی صفوں میں ابتری پھیل گئی۔ دریں اثناء افغان' جو ہندوستانی بھالوں کے استعمال سے قطعی ناآشنا تھے اور جنہیں انہوں نے لاہور میں شاہنواز خاں کے اسلحہ خانوں سے بہت بڑی تعداد میں پکڑا تھا' انہیں اس طرح استعمال کیا کہ اپنی ہی فوج میں بے شمار لوگوں کو زخمی کر دیا' ان کے پہلو دھویں سے بھر گئے تھے اور ان میں اس قدر ابتری اور خوف و ہراس پھیل گیا جس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ منو نے درانی فوج کی صفوں میں پیدا ہونے والی ابتری کا فوری طور پر فائدہ اٹھایا اور ایک زبردست حملہ کر کے پورے میدان جنگ کا مالک بن گیا' جو درانی فوج کے مُردوں اور زخمیوں سے بھر گیا تھا۔ درانی بھاگ اٹھے اور ان کی خندقوں کے پار دس میل تک ان کا تعاقب کیا گیا' جنہیں شاہی فوج کے ہاتھیوں نے مسمار کر دیا تھا' دونوں طرف نقصان برابر تھا' لیکن نوجوان منو نے جس حیرت انگیز بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا اس نے مغلوں کو فتح سے ہمکنار کر دیا۔

بہادر منو نے درانیوں کو اس قدر زبردست دھچکا پہنچایا تھا کہ ابدالی بادشاہ' ہندوستانی سلطنت کے خلاف اپنے تمام منصوبہ جات کو ترک کر کے' اپنے حملے کے مقصد کو پورا کیے بغیر نہایت تیزی سے اٹک کو پار کر گیا۔ ہوشیار سکھوں نے بادشاہ کی عقبی فوج کو ہراساں کیا' چنانچہ' مغلوں نے پنجاب کو بازیاب کرا لیا۔ مرحوم وزیر کے بیٹے' میر منو کو میدان جنگ میں نمایاں کارنامے اور بہادری کے جوہر دکھانے پر دہلی کی شاہی حکومت نے معین الملک کے خطاب کے تحت ملتان اور لاہور کا حاکم مقرر کیا۔

میر منو کا بطور حاکم پنجاب تقرر

بادشاہ کی اپنے وزیر قمرالدین خاں کے ساتھ بے لوث وابستگی تھی' اس کے مشورے پر وہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتا اور اس پر ہی اعتماد کرتا تھا۔ جب اس کے وزیر کی ہلاکت کی خبر بادشاہ تک پہنچی تو وہ زار و قطار رونے لگا اور اپنے کمرے میں جا کر ساری رات بے چینی میں گزاری۔ اگلی صبح جب وہ معمول کے مطابق تخت پر بیٹھا تو سلطنت کے امراء' اس کے وزیر کی تعزیت کرنے کے لیے اس کے پاس آئے اور بادشاہ کو دلاسہ دینے کے لیے مرحوم کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کرنے لگے' بادشاہ کا غم پھر تازہ ہوگیا۔ وہ پکار اٹھا: "ظالم قسمت' اب میرے بڑھاپے کا اعصاء بھی توڑ دے۔ میں اب کہاں سے اس قدر وفادار نوکر

تلاش کروں گا؟"(۲۹)

اسے اس قدر دکھ پہنچا کہ اس نے ۲۶ر اپریل ۱۷۴۸ء کی صبح کو' اپنی حکومت کے اکیسویں برس میں آخری سانس لیا۔

محمد شاہ اپنی جوانی میں خوب شہزور اور ذہین تھا۔ وہ شکار اور ایک کھیل (جو اب "پولو" کے نام سے مشہور ہے) کا شوقین تھا' لیکن اسے دل کا مرض لاحق ہوگیا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں افیم کے مسلسل استعمال کے ساتھ دیگر زیادتیوں نے اس کے جسم کو مکمل طور پر درہم برہم اور لاغر کر دیا تھا۔

جس وقت محمد شاہ کا انتقال ہوا' ولی عہد شہزادہ احمد اپنی فوج کے ہمراہ سرہند میں تھا۔ بادشاہ کی ایک بیوہ' ملکہ زمانی' جو فرخ سیر کی بیٹی تھی' اس نے ہنگاموں اور فسادات سے احتراز برتنے کے لیے' غازی الدین خاں اور دیگر امراء کے ساتھ مل کر' شہزادے کی واپسی تک اس واقعے کو خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ لاش کو' یورپین طرز کے گھڑیال کی طرح کے ایک طویل چوبی صندوق میں بند کر کے ایک چادر سے ڈھک دیا گیا' جسے ایک خانساماں سے اس بہانے کے تحت حاصل کیا گیا تھا کہ یہ کھانے کی میز کے لیے چاہیے' اس صندوق کو عارضی طور پر حیات بخش کے باغ میں دفن کر دیا گیا۔(۳۰) بادشاہ نے اپنے پیچھے ایک بیٹا مرزا سلطان احمد اور ایک بیٹی حضرت بیگم چھوڑی' شہزادہ سلطان احمد نے اپنے والد کے انتقال کی خبر سنی تو وہ نظام الملک کو سرہند کے معاملات سونپ کر فوراً دہلی کے لیے روانہ ہوا۔

حوالہ جات

(۱) افشار تاتاری قبیلے کا ایک گروہ ہے جو شروع شروع میں منگولوں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے ماور النہر کے صوبوں سے ہجرت کر گیا تھا۔ ان کا دور جنگ اور گلہ بانی میں منقسم تھا۔ عرب خانہ بدوشوں کی طرح وہ بھی اکثر حالات کے تقاضا کے مطابق اپنے ٹھکانے بدلتے رہتے تھے۔ نادر ایک ادنیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا معتمد خاص اور تذکرہ نویس مرزا مہدی یہ کہتے ہوئے اس کے خاندان کی گمنامی کے بارے میں عذر پیش کرتا ہے کہ وہ ایک ایسا قیمتی موتی تھا' جو اپنی شان و شوکت اور چمک و آب و تاب اپنی حقیقی قدر و قیمت سے حاصل کرتا ہے نہ کہ اس دریا سے' جو اسے جنم دیتا ہے۔

(۲) ایک خطاب جس کا ترکی زبان میں مطلب "بادشاہوں کا بادشاہ" ہوتا ہے۔
(۳) نادر شاہ نے اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے کے بعد مندرجہ ذیل عبارت کے حامل اپنے نام کے سکے مضروب کرائے۔

سکہ بر زر کرد نام سلطنت اندر جہاں　　　نادر ایران زمین و خسرو گیتی پناہ

"خسرو گیتی پناہ نادر ایران کے سکوں نے پوری زمین پر اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے"۔

پشت پر ایک دائرے میں یہ عبارت درج تھی "الخیرفی ما وقع" مطلب جو ماضی ہے وہ بہتر ہے۔ اس جملے کے اعداد سے ۱۱۴۸ ہجری اس کی تخت نشینی کے سال کا پتہ چلتا ہے۔ قندھار میں اس نے اس لفظ کے حامل سکے مضروب کرائے۔ "ا لسلطان نادر" "سلطان نادر" اور قندھار میں مضروب کرائے گئے سکوں کی دوسری جانب الفاظ "خلد اللہ ملکہ"--- ضرب فی قندھار "اللہ اس کی حکومت کو قائم رکھے" اس نے کرنال میں اپنی فتح کے بعد ہندوستان میں مندرجہ ذیل سکہ مضروب کرایا:

ہست بر سلطان بر سلاطین جہان　　　شاہ شاہاں نادر صاحب قرآن

"دنیا پر سلطان بر سلاطین اور شاہ شاہاں صاحب قرآن ارشاد ہے:

خلا اللہ ملکہ ضرب دارالخلافہ شاہ جہان آباد

"اللہ اس کی حکومت کو طویل کرے۔ دارالخلافہ شاہجہان آباد میں مضروب کرایا گیا۔ ۱۱۵۲"۔

(۴) شیعہ اپنا کلمہ اس طرح پڑھتے ہیں:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ و علی ولی اللہ

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی اللہ کے ولی ہیں"۔

(۵) فاتحہ ایک ابتدائی دعا ہے جو عام طور پر قرآن پاک کی پہلی سورت ہے۔ کلمہ سے پہلے تکبیر کے الفاظ "اللہ اکبر" کو تین مرتبہ دہرایا جاتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں"۔

(۶) طبل ایک چھوٹا ڈھول ہے جس کو عام افسر اپنی زین کے ساتھ منسلک کر لیتے ہیں۔ اس کی ملکیت بہت بڑا منصب سمجھی جاتی ہے۔

(۷) جلال آباد میں نادر شاہ کے پڑاؤ میں ایک قزلباش امیر دہلی میں اپنے ایک

دوست کو تحریر کردہ خط میں اس بادشاہ کے بارے میں مندرجہ ذیل کوائف بیان کرتا ہے:

"نماز فجر کے بعد وہ ایک تخت پر بیٹھتا ہے جس کی طلائی چھتری ایک گنبد کی شکل میں ہے۔ ایک ہزار نوجوان سرخ ریشمی شاہی جھنڈوں اور نوکیلی کلاہوں کے ساتھ، جن سے نقرئی پھندنے لٹکے ہوتے ہیں، باقاعدگی اور مناسب فاصلے سے گزرتے ہیں۔ ۱۲ سے ۲۰ سال کی عمر کے ۲۰۰ خوبصورت غلام نصف تعداد میں اس کی دائیں جانب اور نصف تعداد میں بائیں جانب کھڑے ہوتے ہیں۔ تمام بڑے آدمی اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور عرض بیگی درمیان میں کھڑا ہوتا ہے۔ جو خواہش مند ہو، اس کی حاجت کو پیش کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے اور ہر ایک کے لیے فوری طور پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہاں رشوت کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں ہے۔ اس کے پاس ہر چیز کی خاص معلومات ہوتی ہیں۔ تمام مجرموں کو چاہے وہ بڑے ہوں یا چھوٹے، امیر ہوں یا غریب فوری طور پر سزائے موت دے دی جاتی ہے۔ وہ دوپہر تک بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد کھانا تناول کر کے تھوڑا سا آرام کرتا ہے۔ جب نماز عصر ختم ہو جاتی ہے تو وہ نماز مغرب تک بیٹھتا ہے اور جب نماز عشاء بھی ہو جاتی ہے تو وہ خاک تودا میں پانچ تیر چلاتا ہے اور پھر حرم سرا میں چلا جاتا ہے"۔ (فریزر)

(۸) قزلباشی ایرانیوں میں سپاہیوں کی ایک جماعت ہیں۔ جس طرح ترکوں میں فینی زاری ہوتے ہیں۔ ترکی زبان میں اس لفظ کا مطلب سرخ سر ہے۔ یہ نام دراصل سرخ ٹوپیوں کی وجہ سے، جو یہ پہنتے ہیں۔ ان کو سب سے پہلے صفوی خاندان کے پہلے بادشاہ شاہ اسماعیل کے والد شیخ حیدر نے منظم کیا تھا۔

(۹) "تذکرہ" کے مصنف آنند رام مخلص کے مطابق "اگلے روز لڑائی دوبارہ شروع ہوئی اور میدان مقتولوں سے پٹ گیا" آنند رام نادر شاہ کے ہندوستان میں قیام کے دوران پیش آنے والے واقعات کا چشم دید گواہ تھا اور اس کے استحصال بالجبر کا شکار ہوا تھا۔ اس سے پانچ لاکھ روپے زبردستی لے لیے گئے تھے۔

(۱۰) نادر شاہ کی سرگزشت۔

(۱۱) وہاں پر حلوائیوں کی دکانوں کے باعث اسے اس نام سے پکارا جاتا ہے۔

(۱۲) رحم کی التجا کرنے والوں نے جابر نادر شاہ کو مخاطب کر کے کانپتے اور ڈرتے ہوئے استعارہ کے طور پر اسے کہا:

کسی نماند کہ دیگ بہ تیغ ناز کشی   مگر کہ زندہ کنی خلق راد باز کشی

"تمہاری منتقم تلوار سے کوئی ذی روح نہیں بچا۔ اگر تباہی کے کام کو مزید جاری رکھنے کی تمہاری خواہش ہے تو مردوں میں جان ڈال دو اور دوبارہ قتل عام شروع کر دو"۔

(۱۳) فریزر' ہندوستان سے نادر شاہ کی طرف سے لے جائی گئی دولت کی ایک طویل فہرست پیش کرتا ہے۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ اور اس کے امراء سے ستر کروڑ مالیت کے جواہرات' خزانہ' اشیاء اور اثاثے لے کر گیا۔ اس کے افسر اور سپاہی دس کروڑ لے گئے اور اس نے ہندوستان میں اپنی فوج کی دیکھ بھال پر بیس کروڑ سے زائد خرچ کیے۔ انہیں تنخواہ کے واجبات اور بخشش بھی دیں۔ وہ ایک ہزار ہاتھی' ۷ ہزار گھوڑے' دس ہزار اونٹ' ۱۰۰ خواجہ سرا' ۱۳۰ مصنفین' ۲۰۰ لوہار' ۳۰۰ معمار' ۱۰۰ پتھر کاٹنے والے اور ۲۰۰ نجار لے کر گیا۔

(۱۴) فریزر۔

(۱۵) مہر ۲۴ روپے مالیت کا ایک ہندوستانی سکہ تھا۔ خواجہ عبدالکریم کی سرگزشت۔

(۱۶) کلیڈون کی تصنیف "خواجہ عبدالکریم کی سرگزشت" مصنف ہمیں مطلع کرتا ہے کہ نادر شاہ کے انتقال کے بعد اس کے بھتیجے عادل شاہ اور اس کے پوتے شاہ رخ نے خیمے کے ٹکڑے کر دیے اور اس کے ساز و سامان کو بکھیر دیا۔

(۱۷) خیمے کا پردہ یا نقاب۔

(۱۸) اس عظیم ایشیائی فاتح کو اس کی آخری آرام گاہ میں اتارنے کے بعد ذیل میں ہم ایک انگریز (فریزر کے مطابق یہ شخص کئی سال تک ایران میں رہا۔ وہ وہاں کی زبان بول لیتا تھا اور اکثر اوقات نادر شاہ کے ہمراہ رہتا تھا) کی طرف سے اس بادشاہ کے کردار اور ذاتی وضع قطع پر لکھے گئے ایک دلچسپ مضمون کے اقتباسات پیش کر رہے ہیں جو نادر شاہ کو ذاتی طور پر جانتا تھا اور کئی سال تک اس کی مہمات میں اس کے ساتھ رہا تھا۔

"نادر شاہ تقریباً ۵۵ برس کی عمر کا ہے۔ اس کا قد چھ فٹ سے زیادہ اور جسم بہت متناسب' قوی اور مضبوط ہے۔ رنگت سرخ اور جسم فربہی مائل ہے لیکن سختیاں برداشت کرنے کے باعث موٹاپا طاری نہیں ہوا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی سیاہ اور گھنی بھنویں ہیں۔ قصہ مختصر اس کا شمار ان انتہائی خوش اندام اشخاص میں ہوتا ہے' جن کو میں نے کبھی کبھار دیکھا۔ زخموں' دھوپ اور موسم نے اس کی رنگت میں مردانہ اوصاف پیدا کر دیے ہیں۔ اس

کی آواز غیر معمولی حد تک بلند اور مضبوط ہے کہ اکثر اوقات وہ اسے تکلیف دیے بغیر لوگوں کو ایک سو گز سے زائد فاصلہ سے احکامات دے دیتا ہے۔ وہ شراب اعتدال کے ساتھ پیتا ہے لیکن وہ عورتوں کا بہت زیادہ رسیا ہے۔ اس کے پاس مختلف قومیتوں اور نسلوں کی عورتیں ہیں لیکن وہ ان کی وجہ سے اپنے کاروبار سلطنت کو نظرانداز نہیں کرتا لیکن عورتوں کے درمیان اس کے تفریحی لمحات تھوڑے ہیں۔ وہ شاذ و نادر ہی ان کے کمروں میں رات کے گیارہ یا بارہ بجے سے پہلے داخل ہوتا ہے اور پانچ بجے صبح اٹھ کر عوام میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کی خوراک سادہ ہے۔ زیادہ تر پلاؤ اور سادہ کھانے ہیں اور اگر سرکاری امور کو اس کی توجہ کی ضرورت ہو تو وہ اپنے کھانے پینے کو نظرانداز کر کے چنے کے چند بھنے ہوئے دانوں (جن کو وہ ہمیشہ اپنی جیب میں رکھتا ہے) اور پانی کے ایک گھونٹ سے اپنی بھوک کو مطمئن کر لیتا ہے۔ پڑاؤ یا شہر میں وہ عام طور پر عوام الناس میں ہوتا ہے۔ اگر نہیں تو ہو سکتا ہے کسی شخص کو بلا بھیجے یا اس سے بات چیت کر رہا ہو۔ وہ بذات خود اپنی فوج کو جمع کرتا، انہیں تنخواہ ادا کرتا اور کپڑے وغیرہ تقسیم کرتا ہے اور یہ ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ اس کے افسران فوجیوں سے کسی بھی حیلے بہانے سے ناجائز پیسے وصول کریں۔ اس کے پاس ماہانہ کھاتے ہیں، جن میں اسے اس کی سلطنت کے تمام علاقوں کے حالات کے بارے میں آگاہ کیا جاتا ہے اور ہر جگہ اپنے خفیہ جاسوسوں سے خط و کتابت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر صوبہ اور شہر میں ایک شخص کو مقرر کیا جاتا ہے (جسے ہم کلام کیا جاتا ہے) کہ وہ حاکم کے کاموں کا جائزہ لے کر انہیں درج کرے لیکن اس افسر کی موجودگی میں جو ان کھاتوں کے علاوہ (جسے ہر ماہ پیش کرنے کے لیے حاکم مجبور ہوتا ہے) اس کے کھاتے جو جب بھی مناسب خیال کرتا ہے، حاکم کو اس کی اطلاع دیے بغیر ایک علیحدہ سواری کے ذریعے روانہ کرتا ہے۔ اس زحمت کے لیے اس کی کوئی مقررہ تنخواہ یا بخشش نہیں ہوتی لیکن نادر شاہ جیسا خیال کرے، اس کے مطابق اسے جزا یا سزا دی جاتی ہے۔ یہ غیر معمولی اور انتہائی اقدام حاکم کو لوگوں پر ظلم و ستم کرنے اور بادشاہ کے خلاف سازشیں اور بغاوتیں کرنے سے روکتا ہے۔ وہ بہت زیادہ سخی ہے اور خاص طور پر اپنے سپاہیوں سے تو بہت زیادہ فیاضی برتتا ہے اور اپنی ملازمت میں نمایاں کارکردگی

کرنے والوں کو وافر مقدار میں انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔ وہ بیک وقت اپنے نظم و ضبط میں بہت زیادہ سخت اور انتہائی قدم اٹھانے والا ہے۔ بڑا جرم کرنے والوں کو سزائے موت اور چھوٹا جرم کرنے والوں کو کانوں سے محروم کر دیتا ہے۔ وہ کسی بھی منصب کے مجرم کو معاف نہیں کرتا اور اگر وہ معاملے کو اچھی طرح جانچنے کے بعد یہ دیکھتا ہے کہ کسی شخص نے اپنے طور پر سفارش کی ہے تو سخت ناراض ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ان کو رائے دہی کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔

جب روانہ ہوتا ہے یا میدان جنگ میں ہوتا ہے تو وہ عام سپاہی کی طرح کھانا پیتا اور سوتا ہے اور اپنے تمام افسروں کو اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ وہ بھی اسی ضابطے پر سختی سے عمل کریں۔ موسمی حالات اور سختیوں کے باعث اس کا جسم کچھ اس حد تک سخت اور مضبوط ہوگیا ہے کہ وہ اکثر یخ بستہ رات میں کھلے آسمان تلے ایک لبادہ اوڑھ کر اور صرف ایک زین کو تکیہ بناکر زمین پر سو جاتا ہے اور خاص طور پر جب کوئی غیر معمولی نوعیت کی مہم درکار ہو تو وہ اپنے سامان کو روانہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کی مدد سے وہ اپنے دشمن پر اس وقت جا پڑتا ہے' جب انہیں اس کی ذرا سی بھی توقع نہیں ہوتی۔ وہ میدان جنگ کے سوا خوشی محسوس نہیں کرتا اور اس وقت پر ماتم کرتا ہے' جب وہ کسی شہر میں اپنی فوجوں کو تازہ دم کرنے کے لیے رکا ہوتا ہے' اس میں (ہر کوئی چیز شامل ہے) وہ چا بکدستی استعمال کرتا ہے۔ اس کا کھانا آدھے گھنٹے سے بھی پہلے ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنے کاروبار سلطنت کی طرف لوٹ جاتا ہے تاکہ اس کی خدمات پر مامور کھڑے ہوئے خادموں کو دن میں تین یا چار مرتبہ بدلا جا سکے۔ وہ دن کے وقت کسی قسم کی عیاشی اور کیف و نشاط میں غرق نہیں ہوتا لیکن غروب آفتاب کے وقت وہ ایک نجی کمرہ میں چلا جاتا ہے اور یک دم اپنے آپ کو کاروبار سے علیحدہ کرلیتا ہے اور اپنے تین یا چار دوستوں کے ہمراہ ایک جام یا شراب کے تین پیانے پیتا ہے اور اس سارے وقت میں بڑی آزادی اور ظرافت بازی میں گفتگو ہوتی ہے۔ اس کی نجی گفتگو میں کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ سرکاری کاروبار کا ذکر کرے۔ نہ ہی دیگر اوقات میں وہ اس کی خلوت کے مقابلے میں دیگر کاموں کو اس کے برابر خیال کر سکتے

ہیں۔ اس کے رات کے دو ساتھیوں نے اس موقع پر عوام الناس میں اسے
مشورہ دینے کی جرات کر کے خلاف ورزی کی۔ اس نے یہ کہتے ہوئے فوری طور
پر انہیں پھانسی دینے کا حکم جاری کر دیا کہ "ان جیسے بیوقوفوں کو زندہ نہیں رہنا
چاہیے جو نادر شاہ اور نادر قلی کے درمیان فرق نہیں کر سکتے"۔ جو اسے نجی
گفتگو میں خوش کرتے ہیں تو وہ ان سے بڑی مہربانی سے پیش آتا ہے اور عوام
الناس میں ان سے بڑے سلیقے اور نظم و ضبط سے پیش آتا ہے۔ جہاں ان پر
توجہ نہیں کی جاتی اور نہ ہی وہ دوسروں کے مقابلہ میں اس پر کسی قسم کا تاثر
پیدا کر سکتے ہیں۔

اس کی والدہ، جو سال ۱۷۳۷ء میں زندہ تھی (شاہی خاندان سے وابستہ چند
افراد کی درخواست پر) جب نادر شاہ نے ایک بادشاہ کو گرفتار کر لیا تو اس نے
اس سے التجا کی کہ وہ اسے بحال کر دے۔ اسے اس بات کا شک نہیں تھا کہ
بادشاہ سلامت مناسب ترمیم کر کے اسے سپہ سالار بنا دیں گے۔ اس نے اس
سے دریافت کیا آیا آپ نے ایسا ہی سوچا تھا؟ اس نے اسے بتایا ہاں۔ اس پر وہ
مسکرا دیا اور کہا "اگر میں ایک بوڑھی عورت ہوتا تو شاید میں بھی ایسا ہی خیال
کرتا" اور اس سے امید رکھی کہ اب وہ حکومت کے معاملات میں دخل اندازی
نہیں کریں گی۔

اس کی شادی شاہ طہماسپ کی پھوپھی اور شاہ سلطان حسین کی چھوٹی بہن
سے ہوئی۔ اس سے اس کی ایک بیٹی تھی۔ اپنی کنیزوں سے اس کے بے شمار
چھوٹے بچے ہیں اور دو لڑکے اس عورت سے ہیں، جس سے اس نے گمنامی میں
شادی کی تھی۔ سب سے بڑا لڑکا رضا قلی مرزا تقریباً ۲۵ برس کا ہے۔ اسے بچپن
سے عسکری تربیت دی گئی۔ جہاں ایک عام سپاہی سے آہستہ آہستہ وہ جرنیل
کے منصب تک جا پہنچا اور ہندوستان کی طرف اپنے باپ کی مہم کے دوران
اسے ایران کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔ دوسرا بیٹا نصراللہ مرزا، جو تقریباً ۲۱ سال کا
ہے، مشہد اور صوبہ خراسان کا ایک عام حاکم ہے اور اپنا گزارہ اور انتظام خود
کرتا ہے۔

اس کے بڑے بیٹے کو جب نائب کے منصب پر فائز کیا گیا تو صرف
گزارے کے مطابق تنخواہ دی جاتی تھی اور اس کے عہدہ سے زیادہ اسے کسی

قسم کی زائد تنخواہ نہیں دی جاتی تھی۔ اس کا باپ اسے دیگر افسران سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا اور ان کے ساتھ ملنے جلنے کی اجازت دیتا تھا اور اسے یہ باور کرا دیا کہ اگر وہ کسی جرم یا فرائض منصبی سے غفلت کا مرتکب پایا گیا تو اسے بھی دوسروں کی طرح انتہائی سخت سزا دی جائے گی۔ اس کی اعلیٰ کارکردگی پر اس نے نہ صرف اسے ترقی دے دی بلکہ اس کے لیے اپنی پدری شفقت میں بھی اضافہ کر دیا۔

نادر شاہ کی دیگر غیر معمولی خصوصیات میں اس کی یادداشت انتہائی قابل تعریف ہے۔ چند چیزیں ہیں' جو وہ ہمیشہ کرتا یا کہتا ہے لیکن انہیں یاد رکھتا ہے۔ اور اپنی بے شمار فوج میں سے اپنے سرکردہ افسروں کو ان کا نام لے کر بلا سکتا ہے۔ وہ اپنی ملازمت میں کام کرنے والے زیادہ تر نجی افراد کو جانتا ہے اور یہ یاد کر سکتا ہے کہ اس نے کس کس کو کیا انعام و کرام دیا اور کیا سزا دی۔ وہ ایک ہی وقت میں ایک یا دو معتمدوں کو لکھوا سکتا ہے اور دیگر امور پر باقاعدگی اور تیزی کے ساتھ احکامات دے سکتا ہے۔ جن کے بارے میں تصور کیا جا سکتا ہے۔

مجھے بتایا گیا کہ جنگ کے وقت وہ بڑا حیران کن ہوتا ہے۔ یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ وہ دونوں طرف کے تفاوت کی تمیز اتنی جلدی کس طرح کر لیتا ہے اور وہ اپنی فوجوں کو کمک پہنچانے میں کس قدر تیز ہے۔ اگر اس کے جرنیل افسروں میں سے کوئی بغیر مغلوب ہوئے میدان جنگ میں ہار مان لیتا ہے تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے جنگی کلہاڑے سے (جو وہ ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے) اسے ہلاک کر کے اس کے نائب کو کمان سونپ دیتا ہے۔ تمام جنگوں' جھڑپوں اور محاصروں میں (اگرچہ وہ اپنی فوجوں کی قیادت کرتا ہوا حملہ کرتا تھا) اس نے ہلکا سا زخم یا خراش تک نہیں پائی۔ حالانکہ اس کے نیچے بے شمار گھوڑے ہلاک ہو گئے اور گولوں نے اس کی زرہ بکتر پر بارش کی"۔

ایک اور چشم دید گواہ جس نے بعد میں اسے دیکھا اس کی عمر اور وضع قطع کے بارے میں کہتا ہے:

"اپنی وضع قطع' اعضاء کی مضبوطی اور اپنی خصوصیات کی قوت سے وہ

پچاس برس کی عمر سے زیادہ کا نظر نہیں آتا تھا"۔ یہی مصنف بعد میں کہتا ہے کہ "اپنی موت کے وقت وہ ساٹھ برس کا تھا۔ کیونکہ اس کی داڑھی بالکل سفید ہوچکی تھی اور وہ ہفتے میں دو مرتبہ اسے رنگا کرتا تھا۔ اپنے دوہرے دانتوں سے محروم ہونے کے باعث وہ شاذ و نادر ہی ایسی چیز کھاتا جسے چبانے کی ضرورت ہوتی اور اگر وہ اسے کھاتا تو بغیر چبائے ہی نگل لیتا۔ اس کے سامنے والے دانت بالکل صحیح اور مضبوطی سے قائم تھے"۔ (خواجہ عبدالکریم کی سرگزشت)

(۱۹) گووند پرانے پیروکار نے کہا "بال چمڑی اور کھوپڑی کا باہمی ربط ہے۔ سر زندگی سے وابستہ ہے اور میں اسے خوشی کے ساتھ کٹوانے کے لیے تیار ہوں"۔

(۲۰) کوڑا مل اصل میں ایک غلہ فروش تھا اور بڑی مشکل سے اپنی روٹی کماتا تھا لیکن اب وہ بہت زیادہ دولت کا مالک بن گیا تھا اور اسے نقارہ اور علم استعمال کرنے کا استحقاق بھی حاصل تھا۔ اس وقت وہ ملتان کا حاکم تھا۔ "فرحت الناظرین" از محمد اسلم۔

(۲۱) آدینہ بیگ خان کا نام ان صفحات میں بار بار آئے گا۔ وہ تحصیل لاہور، شرقپور کے ایک آیام چنو کا بیٹا تھا۔ اس نے اپنی تربیت ایک مغلیہ خاندان میں حاصل کی اور کچھ عرصہ ہوشیار پور میں باجواڑا کے مقام پر رہنے کے بعد اللہ آباد نقل مکانی کر گیا، جہاں اس نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز ایک عام سپاہی سے کیا۔ اس کی تعلیم میں سب سے اہم چیز مالیاتی نظام کا مطالعہ تھا اور مالیات میں اس کی دلچسپی نے اسے ترغیب دی کہ وہ اپنے عسکری پیشہ کو چھوڑ کر پنجاب واپس آجائے۔ وہ وہاں لدھیانہ کے قریب موضع کنگ میں ضلع دار (آج کل پٹواری کے عہدہ کے برابر) کا منصب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ مالیاتی نظام میں مہارت اور مشاہدے کا مظاہر کرنے کے باعث جلد ہی وہ پنجاب کے صوبیدار کے تحت سلطان پور کی حاکمیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ نادر شاہ کے حملہ کے وقت وہ اسی منصب پر فائز تھا۔ (احوال آدینہ بیگ خاں)

(۲۲) ڈو اور پر ۔نسپ کے اس بیان کی کوئی سند نہیں ہے کہ درانی بادشاہ دراصل نادر شاہ کا نیزہ بردار تھا۔ وہ خود اپنے قبیلے سدوزئی کا سردار تھا۔ نادر شاہ نے قندھار کو فتح کرنے کے بعد احترام کے ساتھ رہنے کے لیے اسے مزندران روانہ کیا۔ اس کا مقصد اس مہم جو نوجوان کو ذرا فاصلے پر رکھنا تھا۔ لیکن سب بیانات اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوستان آتے ہوئے احمد شاہ، نادر شاہ کے ہمراہ تھا۔

(۲۳) احمد شاہ نے برسراقتدار آنے کے بعد اپنے نام کا سکہ مضروب کرنے کا حکم دیا جس پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

حکم شد از قادر بیچون باحمد بادشاہ سکہ زن بر سلیم و زر از موج ماہی تا بماہ

"قادر مطلق نے احمد بادشاہ کو حکم دیا کہ وہ سمندر سے چاند تک اپنے نام کو چاندی اور سونے پر درج کرائے"۔

کشمیر میں مضروب کیے گئے سکے پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

سکہ بر زر بزد بفضل الہ

شاہ عالم پناہ احمد شاہ

"اللہ کے فضل و کرم سے بادشاہ احمد شاہ دین پناہ نے طلائی سکہ مضروب کرایا"۔

مسٹر روجرز کے مطابق اس نے لاہور میں مندرجہ ذیل عبارت کا حامل سکہ مضروب کرایا:

در دران احمد شاہ بادشاہ

حرب دارالسلطنت لاہور

جلوس میمنت مانوس احمد

"دردران بادشاہ احمد شاہ نے حکومت کے پہلے مبارک سال میں درالسلطنت لاہور میں مضروب کرایا"۔ جرنل آف بی۔ اے سوسائٹی

اس کی مہر، مور کی شکل میں تھی اور اس پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

الحکم اللہ یا فتاح ــــــــ احمد شاہ دردران

"فتح بخشنے والے اللہ کے حکم سے احمد بادشاہ درانیوں کا موتی بنا"۔

احمد شاہ اپنے روحانی پیشوا' لاہور کے صابر شاہ کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا۔ ان کو اکثر دیکھا جاتا کہ وہ بالکل ننگ دھڑنگ حالت میں احمد کے پہلو میں اس کے تخت پر لیٹے ہوئے بادشاہ کے کان رگڑ رہے ہیں لیکن بادشاہ ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالتا۔ کہا جاتا ہے کہ نادر شاہ کے انتقال پر فقیر نے احمد شاہ کے سر پر گھاس کا سہرا باندھ کر اسے بادشاہ کی طرح سلام کیا۔ (عبدالکریم علوی کی سرگزشت)

بادشاہ' نادر شاہ کی اولاد کا بہت احترام کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے نادر شاہ کے پوتے اور رضا قلی کے بیٹے شاہ رخ مرزا کو شاہ حسین صفوی کی بیٹی فاطمہ سلطان بیگم کے پاس مشہد کی

حکومت میں چھوڑا اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کی شادی شاہ رخ مرزا کی بیٹی سے کر دی۔

(۲۴) اس موقع پر افغانوں کے سپہ سالار جہاں خان کے ساتھ پشاور کے شمال میں ۱۴ کوس کے فاصلے پر عسکی نگر کا محمد زئی عبدالصمد خان آ شامل ہوا۔ ناصر خان نے شاہ کی فوج کا مقابلہ نہ کر سکنے کے باعث اٹک کو عبور کیا اور پچ ہزارہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ سردار جہاں خان کو ایک فوجی دستے کے ہمراہ اس کے تعاقب میں روانہ کیا گیا۔ لہٰذا اس نے سردار کو ہزارہ سے نکال باہر کیا۔ ناصر خاں لاہور کی طرف فرار ہوگیا اور اس کی قیمتی اشیاء اور جنگی ہتھیار افغان کمانڈار کے ہاتھ لگ گئے۔ (عبدالکریم علوی کی سرگزشت)

(۲۵) خواجہ عبدالکریم کی سرگزشت۔

(۲۶) بہادر میر منو نے جب اپنے باپ کو مردہ دیکھا تو اپنے کپڑے پھاڑ کر زار و قطار رونے لگا لیکن احمد خان جس کے پاس شاہی فوج میں ۵ ہزار سپاہیوں کی کمان تھی' اسے یاد دلایا کہ یہ بچے کی طرح رونے کا وقت نہیں بلکہ اسے ایک مرد کی طرح لڑنا چاہیے اور غیر ملکیوں کو وطن سے نکال باہر کرنا چاہیے۔ (تاریخ احمدی)

(۲۷) راجپوت اس موقع پر زرد لباس پہنے ہوئے تھے۔ جب کوئی راجپوت ایسا لباس زیب تن کر کے میدان جنگ میں جاتا ہے تو وہ یہ قسم کھاتا ہے کہ میدان جنگ سے منہ نہیں موڑے گا۔ لیکن ایشار سنگھ کی قیادت میں فوجیں اتنی تیزی سے بھاگیں کہ وہ اس وقت تک نہیں رکیں جب تک جے پور نہیں پہنچ گئیں۔

(۲۸) دیوان امرناتھ مصنف "تاریخ خالصہ" کی یہ معرکہ الارا تصنیف ان کے بیٹے دیوان رام ناتھ نے مجھے ادر کے طور پر دی تھی۔ اس میں وہ مندرجہ ذیل دلچسپ قطع میں نواب قمرالدین خان کی موت کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ اقتباس میں نے ان کی بہترین تصنیف سے لیا ہے:

نواب قمرالدین خان دران زمانیکہ بوظائف یاد حق مواظبت داشت بضرب

۱۱۶۱

۱۱۶۱

گلولہ جان بحق سپرد آہ وزیر الممالک بہادر شہید گردید دہلی خراب شدہ

۱۱۶۱

۱۱۶۱

و قمر عالم رفت زہی نواب قمرالدین خان۔ تاریخ وفاتش یافتند و محمد شاہ حینیکہ این خبر شنید این بیت ہندی بدیہہ بر زبان آورد بن جن کی ہم کو نیند نہ آتی تھی سوگئی جو دیکھ ہم کو ہنستے

تھے سو آخر کو رہ گئی۔ نواب قمرالدین خان جس وقت نماز میں مصروف تھے تو توپ کا ایک گولہ ان کو لگا اور انہوں نے اپنی جان' قادر مطلق کے سپرد کر دی۔ ان کی تاریخ وفات ان الفاظ سے حاصل ہوتی ہے: "افسوس سلطنت کا بہادر وزیر فوت ہوگیا' دہلی اجڑ گئی ہے' قمر عالم غروب ہوگیا ہے۔ افسوس!" نواب قمرالدین خان بادشاہ محمد شاہ نے جب اس کی خبر سنی تو مندرجہ ذیل شعر اس کی زبان پر وارد ہوگیا۔

جس کے بغیر ہمیں نیند نہ آتی تھی اب سو گیا ہے
جو ہم کو ہنساتا تھا آخر ہم سے جدا ہوگیا ہے

(۲۹) بعد ازیں محمد شاہ کی نعش کو حیات بخش کے باغ سے کھود کر نکالا گیا اور اعزاز کے ساتھ حضرت نظام الدینؒ کے مقبرہ کے احاطے میں دفن کیا گیا۔ شہزادہ احمد نے تخت نشین ہونے پر اپنے والد کو حضرت فردوس آرام گاہ کا خطاب دیا۔

باب ۲۴

مجاہد الدین، ابوالناصر احمد شاہ

اپنے والد کے انتقال کے ایک ہفتہ سے بھی کم عرصہ کے بعد احمد شاہ مجاہد الدین ابوالناصر احمد شاہ غازی کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا اور اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ تاجپوشی کی تقریب ۲/ جمادی الاول ۱۱۶۱ ہجری (اپریل ۱۸/ ۱۷۴۸ء) کو پانی پت کے مقام پر ہوئی۔ اودھ کے مرحوم صوبیدار سعادت خاں کے داماد اور بھتیجے صفدر جنگ کو وزیر کے برائے نام فرائض سونپے گئے۔ حالانکہ اصل اختیارات کافی حد تک مادر ملکہ کے پاس تھے۔ وہ ایک ہندو رقاصہ تھی اور محمد شاہ کے دور کے آغاز پر اس کے حرم میں متعارف ہوئی تھی، اسے اودھم بائی کا خطاب دیا گیا۔ بعد ازاں "بائی جیہ صاحبہ" اور اس کے بعد اسے "والدہ پاکدامن خاتون دوراں صاحب جی صاحبہ" (اس کے اوپر رحمت برسے) کہا گیا۔ ولی عہد کی ماں بننے کے بعد اس نے نواب قدسیہ بیگم کا لقب اختیار کیا۔ وہ مکمل طور پر میر خواجہ سرا جاوید خاں کے اختیار میں تھی، جو تقریباً پچاس برس کی عمر کا تھا۔ وہ لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا۔ اسے ۶ ہزاری منصب کے ساتھ "نواب بہادر" بنایا گیا اور احمد شاہ کی والدہ کی مرضی کے مطابق سلطنت کے انتظام کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ نیا بادشاہ جو حرم سرا کے کمروں میں جوان ہوا تھا، سرکاری کاروبار کا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ جوانی کی مستیوں میں گم ہوگیا اور اپنا سارا وقت کھیل تماشوں، عیش و عشرت میں صرف کرتا۔ لغویات اسے دونوں جانب سے ورثے میں ملی تھیں۔ اس نے اپنے زنانہ حرم کو اتنی وسعت دے دی کہ وہ ایک میل تک پھیل گیا۔ وہ ایک ہی وقت میں ایک یا دو ماہ تک باغات میں رہتا اور ایک ہفتے تک کسی مرد کا چہرہ نہ دیکھتا۔

احمد شاہ کی حکومت کے ابتدائی دور میں' پنجاب میں خوشحالی اور امن و امان رہا۔ صوبے کا نیا حاکم' میر معین الملک' ایک طاقتور اور ہوشیار آدمی تھی۔ اس نے کوڑا مل کو اپنا نائب اور عدالتی دیوان مقرر کیا اور تجربہ کار آدینہ بیگ خاں کی خدمات حاصل کیں' جس نے جالندھر دوآب پر بڑی ہوشیاری اور سمجھ بوجھ کے ساتھ حکومت کی تھی' دریں اثناء' سکھ دوبارہ سرکش ہوگئے' ابدالی کا حملہ' لاوّلین دلچسپی کا معاملہ تھا' اور سلطنت کی تمام توجہ اس پر مرکوز تھی اور ہمیشہ خبردار رہنے والے سکھوں کے لیے دوبارہ نمودار ہونے اور غارت گری شروع کرنے کے لیے یہ موافق موقع تھا۔ انہوں نے دوبارہ امرتسر میں گوردواروں اور مقدس تالاب پر حاضریاں دینا شروع کر دیں' حتیٰ کہ انہوں نے مٹی کا ایک قلعہ بھی تعمیر کرنے کی جرات کرلی' جسے وہ رام روَنی کہتے تھے اور جو اب امرتسر کے قرب و جوار میں رام گڑھ کہلاتا ہے۔ انہی میں سے جسہ سنگھ کلال' صاحب حیثیت ہوا اور اس نے یہ اعلان کرنے کی جرات کی کہ "خالصہ" کا "دل" نئی حکومت ہوگی اور حکومت کا انتظام کرے گی۔ اب دیکھا گیا کہ وہ سرگرم جتھوں کی صورت میں ہر طرف آوارہ گردی کر رہے ہیں اور علاقے میں لوٹ مار کرنے کے علاوہ لاہور کے مضافات میں غارت گری کرتے پھرتے ہیں۔ میر منو نے اپنی ساکھ قائم کرنے کے بعد بہتر خیال کیا کہ سکھوں کو سزا دی جائے۔ سب سے پہلے اس نے رام روَنی کے قلعہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا اور اسے تسخیر کر لیا۔ اس نے سکھوں کے زیرعتاب علاقوں میں دستے مقرر کیے اور ان کو سخت احکامات دیے کہ جہاں کہیں بھی سکھ نظر آئیں ان کے سر اور داڑھیاں مونڈھ دی جائیں۔ یہ اقدامات سختی سے نافذ کیے گئے' عوام الناس نے اس کو سراہا اور ان سے سکھوں کی غارت گری کی روک تھام ہوئی اور گورو کے چیلوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ پہاڑوں یا جنگلوں میں روپوش ہو جائیں۔ میر منو نے پہاڑی راجاؤں کو سخت احکامات جاری کیے کہ وہ سکھوں کو گرفتار کریں اور پابہ زنجیر کر کے لاہور روانہ کریں۔ ان احکامات پر عمل درآمد کیا گیا اور سینکڑوں سکھوں کو روزانہ لاہور لایا گیا اور بیرون دہلی دروازہ' نخاس خانہ یا شہید گنج میں ہزاروں تماشائیوں کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ نوجوان منو' سکھوں کا جانی دشمن بن گیا اور اس نے اس قوم کو مٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا' لیکن اس کے وزیر' کوڑا مل کے اثر و رسوخ نے' جو خود بھی خالصہ فرقے کا سکھ تھا' اسے اس ارادے سے باز رکھا۔

جالندھر دوآب کے عیار حکام آدینہ بیگ خاں نے خفیہ طور پر اس کے منصوبوں کی مخالفت کی' جس نے اس مفسد قبیلے میں اپنے مفادات ڈھونڈ لیے تھے' اور انہیں مغلوب

کرنے پر بالکل دھیان نہیں دیا بلکہ، حکمران جماعت کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کا انہیں کوئی موقع دیے بغیر ان کے حملوں کو ایسی حدود میں محدود کر دیا جو انہیں اندرونی تحفظ دے سکے۔

احمد شاہ کا دوسرا حملہ ۱۷۴۸ء

احمد شاہ ابدالی، دریائے سندھ کے پار اس رجحان کے ساتھ مراجعت نہیں کر کے گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے بارے میں اپنے منصوبوں سے دستبردار ہو جائے گا، جب وہ سب سے پہلے اپنے خوفناک پیشرو، نادر شاہ کی فوج کے ہمراہ یہاں آیا تھا تو اس کے چمکدار سونے نے اس کی آنکھیں چندھیا دی تھیں۔ اس وقت وہ سلطنت ہند کے وسیع و عریض وسائل کا غافل مشاہد نہیں تھا اور واحد شکست، فتح اور سرفرازی کے متعلق اس کے منصوبوں کو ترک کرنے کی ترغیب دینے کے لیے کافی نہیں تھی۔ ۱۷۴۸ء کے موسم برسات کے ختم ہوتے ہی اس نے ایک کثیر فوج کے ہمراہ، دوبارہ دریائے سندھ کو عبور کیا اور پنجاب کا امن و امان خراب کر دیا، جو زور آور منو کے برسراقتدار آنے کے وقت سے پرسکون تھا۔ اس نے بے سود، دہلی کے پریشان دربار سے مدد کی درخواست کی۔ یہ سوچتے ہوئے کہ مزید تاخیر خطرناک ثابت ہوگی۔ منو اپنی فوج کے ہمراہ اپنی بساط کے مطابق خطرے کو ٹالنے کے لیے لاہور سے روانہ ہوا۔ اس نے دریائے چناب کے جنوبی کنارے پر سوہدرہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور وہاں تین خندقیں کھدوائیں۔ احمد شاہ جہلم اور چناب کو پار کر کے اس کے پڑاؤ کے قریب چھ میل تک آگیا۔ چند چھوٹی جھڑپیں ہوئیں، لیکن معین الملک نے جب دشمن کی فوجوں کی بہت بڑی تعداد کو دیکھا تو وہ بڑی دانشمندی سے، عام حملے کا خطرہ مول لینے سے باز رہا۔ درانیوں نے لاہور کے اردگرد کے علاقہ میں لوٹ مار مچا دی۔ آخر کار، معین الملک نے صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے اپنے نمائندے درانی پڑاؤ میں روانہ کیے۔ احمد شاہ کا اپنا نظم و نسق اور حکومت ابھی تک دریائے سندھ کی دوسری جانب مضبوطی سے قائم نہیں ہوئی تھی۔ اور میر منو کا بہادرانہ سامنا، جس نے سرہند میں اس کی پیش قدمی کو روکا تھا، اس کے ذہن پر گہری چھاپ لگا دی۔ چنانچہ اس نے عاقبت اندیشی سے یہ خیال کیا کہ وہ اس شرط پر واپس ہو جائے گا کہ پسرور، گجرات، سیالکوٹ اور اورنگ آباد کے چاروں اضلاع کی آمدنی اسے دے دی جائے، (جو پنجاب کی انتہائی زرخیز ریاستیں ہیں) جس طرح نادر شاہ کو ادا کی گئی تھی، جس سے اپنا اقتدار اور خطاب ورثے میں حاصل کرنے کا وہ دعویٰ کرتا تھا۔ اس کے علاوہ حاکم لاہور اس بات پر بھی متفق ہوگیا کہ وہ پنجاب پر حملہ آور کے نام سے

حکومت کرے گا اور پہلے شاہ سے باقاعدہ طور پر ذکر کرنے کے بعد خراج بھی ادا کرے گا۔ پس، پنجاب کے معاملات کا اطمینان بخش انتظام ہوگیا تھا، لہٰذا، بادشاہ واپس قندھار کی طرف لوٹ گیا۔ راستے میں اس نے ڈیرہ اسماعیل خاں، ڈیرہ غازی خاں اور شکار پور کے اضلاع کا انتظام درست کیا اور جنوبی افغان قبیلوں نے اسے بادشاہ تسلیم کرلیا۔

آنے والے طوفان کو ہٹانے میں کامیابی کے لیے نوجوان منو کی بہت تعریف کی گئی، اس وجہ سے دہلی دربار کے امراء میں اس کے خلاف زبردست حسد نے جنم لے لیا، جنہوں نے کٹھ پتلی بادشاہ کے کان بھر بھر کے اسے حمایت سے محروم کردیا اور بادشاہ کو مشورہ دیا کہ ملتان کی حاکمیت، شاہنواز خاں کو عطا کی جائے۔ امراء میں، سب سے زیادہ وزیر صفدر جنگ کو منو کی طاقت سے خطرہ تھا، جو خود بھی صوبہ اودھ میں اپنی آزادی کا اعلان کرنے کے لیے منصوبے بنا رہا تھا۔ میر منو کو ملتان کی حکومت سے محروم کرکے شاہنواز کو وہاں کا حاکم مقرر کردیا گیا۔ منو، ایک ایسا شخص نہیں تھا جو آسانی سے اپنے بھتیجے کی برتری کو تسلیم کرلیتا، جسے اس نے خود لاہور سے نکال باہر کیا تھا۔ اپنے وسائل پر بھروسہ کرتے، اور بادشاہ دہلی کی نامردی اور کمزوری سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہوئے، اس نے نئے حاکم سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لیے اپنے وزیر کوڑا مل کو مقرر کیا کہ وہ مسلح فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کرے۔ شاہنواز اپنی فوجوں کو جمع کرکے، دیوان سے جنگ کرنے کے لیے، ملتان کی سرحد پر آگیا۔ مختلف کامیابیوں کے ساتھ متعدد جھڑپیں ہوئیں، اور ملتان کا نیا حاکم تقریباً چھ ماہ تک میدان جنگ میں ڈٹا رہا، لیکن اس عرصہ کے اختتام پر، ایک فیصلہ کن جنگ لڑی گئی، جس نے اس کی قسمت کا فیصلہ کردیا، وہ خود قتل ہوگیا اور اس کی پوری فوج منتشر ہوگئی۔ اپنے ساتھی کی فوجوں کی کامیابی سے خوش ہوکر لاہور کے صوبیدار نے کوڑا مل کو راجہ کا خطاب عنایت کیا اور اسے صوبہ ملتان کا صوبیدار مقرر کیا۔

منو اب اپنی شہرت کے عروج پر تھا، اس نے سوچا کہ وہ دہلی دربار کے تسلط سے آزاد ہوگیا ہے، جس کے اختیار کو اس نے بڑی کامیابی سے توڑ دیا تھا اور اس کی حکمت عملی اور جواں مردی نے ابدالی بادشاہ کے حملے کو روک دیا تھا۔ اس نے سرکش سکھوں کو مطیع کیا اور ان زرخرید سپاہیوں کے حملوں سے مانجھا اور دو آب کے علاقوں کو پاک کردیا تھا۔ چنانچہ اس نے جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے، احمد شاہ ابدالی کو چاروں اضلاع کی آمدنی روک دی، جسے ادا کرنے کے لیے اس نے معاہدہ کیا تھا۔ پس، اسے دوبارہ دریائے سندھ کو پار کرنے کا بہانہ ہاتھ آگیا، اس نے ۵۲-۱۷۵۱ء کے موسم میں دریائے سندھ کو پار کرلیا۔

احمد شاہ کا تیسرا حملہ' ۵۲-۱۷۵۱ء

دریائے چناب کے دائیں کنارے پر پیش قدمی کرنے کے بعد اس نے آمدنی کے واجبات کا مطالبہ کرنے کے لیے اپنے نمائندے دیوان سکھ جیون مل کو حاکم لاہور کے پاس روانہ کیا۔ میر منو نے احمد شاہ ابدالی کو کوئی چیز محصول کے طور پر ادا کرنے کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور بتایا کہ وہ سابقہ حالات کے دباؤ کے تحت اسے ادا کرنے پر راضی ہوا تھا' لیکن وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ اس شرط نے فریقین میں سے کسی کو بھی پابند کر دیا ہو' ہر کوئی آزاد ہے کہ وہ حالات کے مطابق کارروائی کرے۔ تاہم' چونکہ شاہ کو پنجاب میں آنے کی زحمت ہوئی ہے' اس لیے وہ شاہ کو بڑی خوشی سے واجبات ادا کر دیتا' بشرطیکہ وہ فوراً کابل کی طرف لوٹ جائے' لیکن ابدالی شاہ کی آمد کا سن کر تمام زمیندار' دہشت کے باعث' فرار ہوگئے ہیں' اس لیے یہ ناممکن ہے کہ جب تک درانی فوجیں یہاں موجود رہیں تو لوگوں پر ایک پائی کا محصول بھی عائد کیا جائے۔ منو سے زیادہ کوئی شخص بہتر نہیں جانتا تھا کہ اس نے ابدالی بادشاہ کو جو جواب دیا ہے وہ نہ تو اطمینان بخش ہے اور نہ ہی یقین دہانی کا حامل ہے۔ وہ اس امید پر بہادرانہ سامنا پیش کرنے کے لیے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ' بذات خود سکھ جیون مل کے پیچھے' دریائے چناب کی طرف بڑھا کہ شاید حملہ آور کو واپس جانے کی ترغیب ملے۔ اس نے ناظم ملتان' راجہ کوڑامل اور جالندھر دوآب کے حاکم آدینہ بیگ خاں بہرام جنگ سے درخواست کی کہ وہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ' چناب پر اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اس نے اپنی والدہ اور اہل خانہ کو جموں روانہ کر دیا کہ وہاں وہ محفوظ ہوں گے اور تعاقب سے بچے رہیں گے۔

احمد شاہ نے جنگ کے خطرہ کے بغیر دریائے چناب کو عبور کیا اور سوہدرہ اور وزیر آباد کے درمیان پڑاؤ ڈال دیا۔ اس کے بعد راوی کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے وہ شاہدرہ کے مضافات کے کچھ فاصلے پر ٹھہر گیا۔ میر منو نے ایک کثیر فوج کے ہمراہ' راوی کو پار کیا اور حملہ آور کے سامنے خیمہ زن ہوگیا۔ یہاں اس نے خندقی مورچہ سنبھالا اور دونوں جانب سے کئی روز تک گولہ باری جاری رہی' لیکن کسی کو بھی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ درانیوں نے راوی اور چناب کے درمیان سارے علاقے کو تاخت و تاراج کر دیا۔ آخرکار حملہ آوروں نے اچانک پڑاؤ اٹھایا اور مشرق کی جانب ایک گھاٹ سے راوی کو پار کرنے کے بعد' لاہور کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ احمد شاہ' بادشاہوں اور فاتحین کی پسندیدہ تفریح گاہ شالامار باغ میں خیمہ زن ہوگیا۔ میر منو حفظ ماتقدم کے طور پر واپس شہر میں آیا'

گلیوں میں مورچہ بندی کرنے اور اندرونی چوکیوں کو مستحکم کرنے کے بعد شہر کی فصیل کے نیچے انتہائی مضبوط خندقی مورچہ سنبھالا اور سختی سے دفاعی اقدامات کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ ہر روز جھڑپیں ہوتیں اور بہادر میر منو نے چار ماہ تک اپنی حالت کو مستحکم کر کے' حملہ آور فوج کی جانب سے اسے فتح کرنے کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ درانیوں نے منو کی خندقی چوکیوں کی سخت ناکہ بندی کر لی اور اس کی تمام رسد اور رسل و رسائل کو کاٹ دیا۔ لاہور کے پڑاؤ میں اس حد تک قحط پڑ گیا کہ گھوڑوں اور مویشیوں کے لیے چارہ صرف مکانات کے چھپروں کے تنکوں سے حاصل کیا جاتا تھا' جبکہ آدمیوں کے لیے کھانے پینے کی اشیاء بالکل ختم ہوگئی تھیں۔ لہٰذا' راجہ کوڑامل' آدینہ بیگ خاں اور دیگر امراء پر مشتمل ایک جنگی مشاورت بلائی گئی۔ وہ سب متفقہ طور پر رضامند ہوگئے کہ محاصرے میں سے نکل کر حملہ کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ فوجیں اب زیادہ تر بھوک کی حالت میں نہیں رہ سکتیں۔ راجہ کوڑا مل نے اس وجہ سے اس رائے سے اختلاف کیا کہ ہندوستانی فوجیں' میدان میں سخت جاں افغانوں کی برابری نہیں کر سکتیں اور اس جیسے غیر مساوی مقابلے کا خطرہ مول لینا' سراسر پاگل پن ہوگا۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ موسم گرما شروع ہوچکا ہے اور شاہ کے آزمودہ کار سپاہی' ایک پندرھواڑے میں ہی سورج کی تمازت کو اپنے لیے ناقابل برداشت پائیں گے' اور یا تو وہ محاصرہ اٹھالیں گے یا اپنی مصیبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر محصورین کے خندقی مورچوں پر حملہ کر دیں گے۔ اردگرد کے علاقے کو تاخت و تاراج کر دیا گیا تھا' لہٰذا ہندوستانیوں کی طرح درانی پڑاؤ میں بھی چارے اور کھانے پینے کی اشیاء کی زبردست کمی واقع ہوگئی۔ اس پر راجہ نے مزید اس بات پر زور دیا کہ اگر محصورین ان مشکل حالات میں ثابت قدم رہے تو حملہ آور مزید مشکلات میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اگر ان حالات میں اس کو اپنایا جاتا تو یہ یقیناً ایک بہترین حکمت عملی تھی' لیکن سب کے صبر و تحمل کا پیمانہ اب لبریز ہوچکا تھا۔ لیکن دانا مشاورت نے اس تجربہ کار ہندو کی رائے پر کوئی توجہ نہ دی۔ دشمن کے مورچہ پر حملہ کرنے کے لیے تیاریاں کر لی گئیں اور ۱۲ر اپریل ۱۷۵۲ء کی صبح کو پرجوش منو اپنے دائیں اور بائیں جانب کے بازوؤں کے ساتھ محاصرے سے باہر نکل آیا اور موضع محمود بوٹی کے قریب اینٹوں کے ایک پرانے بھٹے پر اپنا مورچہ قائم کر لیا۔ ابدالی بادشاہ نے اپنے ہراول دستے کے ساتھ پیش قدمی کرنے کے لیے فوری طور پر تیاریاں کر لیں۔ اس کا توپ خانہ حرکت میں آگیا اور دونوں جانب سے دوپہر تک زبردست گولہ باری کی جاتی رہی۔ گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی' اور پہلے پہل اس کے نتیجے

کے بارے میں شک و شبہ پیدا ہوگیا' جب ہندوستانی فوجوں میں کچھ ابتری پیدا ہوگئی تو شاہ نے درانی شہسوار دستے کو فوری حملہ کرنے کا حکم دیا۔ حملہ اس قدر شدید تھا کہ ہندوستانی حوصلہ ہار گئے اور ایک دم فتح کی لہر افغانوں کے حق میں ہوگئی۔ میر منو کو پسپا کر کے اس کی خندقوں میں جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ راجہ کوڑامل اپنے منتخب سواروں کے دستے کے ساتھ اپنے آقا کی مدد کے لیے آیا' اس کے ساتھی اس قدر ثابت قدمی سے لڑے کہ جنگ کا نقشہ ایک بار پھر تبدیل ہوگیا' لیکن اسی اثناء میں ایک ناخوشگوار حادثہ پیش آیا' جس میں اس دلیر راجہ کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ وہ جس ہاتھی پر سوار تھا' حادثاتی طور پر اس کا پاؤں ایک پرانی قبر میں جا پڑا اور اس دیوہیکل جانور کے پاؤں تلے اس کی زمین دھنستی چلی گئی' اور وہ اپنے سوار سمیت نیچے گر گیا' اس سے پہلے کہ مہاوت اسے باہر نکالتا' ایک درانی شہسوار راجہ کے سر پر آن پہنچا اور اس نے فوراً اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور انعام کے طور پر ابدالی شاہ کے پاس لے گیا۔ اس بہادر جرنیل کی موت نے اس کی تمام فوج میں خوف و ہراس پھیلا دیا اور وہ مایوسی کی حالت میں بھاگ نکلی' آدینہ بیگ خاں بھی وہاں سے نکل آیا اور اس پریشانی میں حاکم لاہور نے دیکھا کہ طویل لڑائی نقصان دہ ثابت ہوگی' وہ دانشمندی سے' واپس قلعہ میں لوٹ آیا۔

شہر کی فصیل ٹوٹ پھوٹ گئی تھی اور اب کسی طرح بھی دفاع کے لیے مناسب نہیں تھی۔ فوج کو جس قسم کا دھچکہ لگا تھا' اس نے اسے بددل کر دیا۔ اس وقت دہلی سے کسی قسم کی امداد کی توقع بالکل بے سود تھی۔ شہری' طویل محاصرے سے تنگ آ گئے تھے۔ ان حالات کے تحت' منو نے خیال کیا کہ بہترین حکمت عملی یہی ہے کہ فاتح کو اطاعت پیش کر دی جائے۔ اس نے اب شاہ کی طرف توجہ کی اور اپنے دربار کے چند بااثر امراء کو شالامار باغ میں اس کے پڑاؤ میں بھیجا۔ بات چیت' وزیراعظم' شاہ ولی خاں کے ذریعے کی گئی' ابدالی اس معرکے کو بڑی خوشی سے بند کرنا چاہتا تھا' اس نے اپنے افسر اعلیٰ جہاں خاں کو شہر بھیجا کہ وہ صوبیدار کو اس کے پڑاؤ میں لائے۔ اس نے منصب کے مطابق بڑے اعزاز کے ساتھ میر منو کا استقبال کیا اور تمام مواقعوں پر بہادری اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرنے کے اعتراف میں' اور ایک جنگجو کے طور پر اس کی مہارت اور پھرتی اور ایک مشیر کے طور پر اس کی تدبیر اور مشاہدے کی بہت تعریف کی۔(1)

صوبیدار نے' فاتح کے قدموں میں پچاس لاکھ روپے رکھے اور طلائی و نقرئی ساز و سامان سے مزین گیارہ گھوڑے اور سونے چاندی کے جڑاؤ سے آراستہ ہودوں سے مزین دو

ہاتھی پیش کیے۔ شاہ نے جواہرات کے جڑاؤ سے مزین تلوار اور ایک گھوڑے کے ہمراہ ایک قیمتی خلعت سے اسے نواز اور اسے بطور حاکم پنجاب از سرنو بحال کر دیا۔

فتح کشمیر

شاہ نے اب دوبارہ دریائے راوی کو پار کیا اور مقبرہ جہانگیر میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس جگہ سے اس نے ایک درانی، امیر عبداللہ خاں کو ایک طاقتور فوج کے ہمراہ، کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے اور اس صوبے کے مغل حاکم کو نکال باہر کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ دستہ وادی میں داخل ہوا اور اس نے بغیر کسی مخالفت کا سامنا کیے اس صوبے کو تسخیر کر لیا۔ کابل کے کھتری، سکھ جیون مل کو کشمیر میں شاہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اسی مہم کے دوران، شاہ نے بات چیت کے ذریعے دہلی کے بادشاہ سے، سرہند تک کا مشرقی علاقہ بھی ہتھیا لیا۔ دریں اثناء عبداللہ خاں بادشاہ سے دوبارہ شاہدرہ کے مقام پر آملا، اور اب چونکہ موسم برسات شروع ہوگیا تھا، شاہ نے دوبارہ سندھ کو پار کیا اور اپنی فوج کو واپس کابل لے گیا۔(۲)

پنجاب کی ابتر حالت

ابدالی حملہ آور کی روانگی کے بعد بھی پنجاب کی حالت ابتر ہی رہی۔ صوبہ کے دل میں، غیرملکیوں کی جانب سے چھ ماہ تک جاری رہنے والی جنگ کے باعث یہ لازمی امر تھا کہ نظم و نسق کمزور ہو جائے، لہٰذا سکھوں نے اس حالت سے فائدہ اٹھانے میں سستی نہیں کی، انہوں نے ہر طرف اپنی لوٹ مار کو توسیع دے دی اور امرتسر اور پہاڑوں کے درمیانی علاقہ کو تاخت و تاراج کر دیا۔ ناظم لاہور نے آدینہ بیگ خاں کو حکم دیا (لاہور میں جس کی سستی قطعی مشکوک تھی) کہ وہ سرکش سکھوں کو سخت سزا دے۔ آدینہ بیگ خاں اس موقع کی تلاش میں رہا کہ وہ سکھوں کے اتحاد کو توڑ دے اور بعد میں پھر منظم کر سکے۔ ان کی مقدس جگہ مکھو وال میں، جب ہزاروں سکھ یاترا کے لیے ادھر جمع ہوئے تھے، تو ایک تہوار کے دوران، وہ اچانک ان پر آن پڑا اور انہیں شکست دے دی۔ تاہم، وہ بڑی ہوشیاری سے ان کو مکمل طور پر مٹانے سے باز رہا، کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ان کی مکمل تباہی، کافی حد تک، ایک باغی صوبے کا ناظم کے طور پر اس کی اہمیت ختم کر دے گی۔ لہٰذا اس نے ان کے ساتھ یہ گٹھ جوڑ کر لیا کہ ان کی دست درازیاں اعتدال کے ساتھ ہونی چاہئیں۔ اس نے ان میں سے بہت کو اپنی ملازمت میں لے لیا، جنہیں عسکری زندگی سے پیار تھا، لہٰذا ان کی شرارتوں کی روک تھام بھی ہوگئی اور اس دوران ان کا بہترین استعمال بھی کر لیا گیا۔ ان زر خرید جنگجوؤں میں ایک جسا سنگھ ترکھان بھی تھا، جو ایک انتہائی اہم رہنما بن گیا تھا۔

لہٰذا جالندھر دوآب کے اس چالاک حاکم نے وقتی طور پر اس سرکش اور پرجوش فرقے کی دست درازیوں کی روک تھام کر دی۔

دہلی میں چن قلیچ خاں کا پوتا' غازی الدین' امیر الامراء بن گیا' لیکن اکتوبر ۱۷۵۲ء میں فوت ہو جانے کے باعث' اس عہدے پر اس کا بیٹا شہاب الدین اپنے والد کے خطاب کے ساتھ' اس کا جانشین مقرر ہوا۔ صفدر جنگ برائے نام وزیر' دربار میں' خواجہ سرا جاوید کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور بادشاہ اور اس کی والدہ کی عنایات کے باعث' اس سے حسد کرنے لگا اور اسے ایک دعوت میں مدعو کر کے اسے قتل کرا دیا۔ اس زیادتی نے بادشاہ کو آگ بگولا کر دیا' اس نے صفدر جنگ سے وزیر کا عہدہ واپس لے لیا اور یہ مرحوم قمر الدین کے بیٹے خان خاناں انتظام الدولہ کو عطا کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۷۵۳ء میں رونما ہوا۔ صفدر جنگ نے تصفیہ کرنے کی بجائے بغاوت کا علم بلند کر دیا' غازی الدین' صغیر نے اس کی مزاحمت کی۔ حاکم پنجاب میر معین الملک نے اس مشکل لمحہ میں' دارالسلطنت میں درانی دھڑے کے اپنے عزیزوں کی مدد کے لیے آزمودہ کار افغانوں کو روانہ کیا' اس کے نتیجے میں خانہ جنگی شروع ہوگئی جو چھ ماہ تک جاری رہی۔ غازی الدین نے اپنی مدد کے لیے مرہٹوں کو بلوا لیا اور صفدر جنگ کو نکال باہر کیا جو اپنے قابض علاقوں' الہ باد اور اودھ کی طرف ہجرت کر گیا۔ متلون المزاج بادشاہ' صفدر جنگ کے مقابلے میں غازی الدین کے تکبر کے باعث اس سے بہت زیادہ ناراض ہوگیا۔ وہ اپنی بساط کے مطابق جمع کی گئی فوج کے ہمراہ' غازی الدین سے جنگ کرنے کے لیے اپنے دارالسلطنت سے روانہ ہوا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ مسلح فوج کی طاقت سے اس کے ظلم و ستم کے جوئے کو ہلا کر رکھ دے گا۔ غازی الدین نے بادشاہ کے خلاف مرہٹوں کی متحدہ فوج کو روانہ کیا اور اس کی فوج نے سکندرا کے مقام پر شاہی فوج پر غیر متوقع حملہ کر دیا اور پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔ بزدل بادشاہ نے اپنے حرم کی خواتین کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا کہ وہ انہیں زیورات سے محروم کر دیں اور خود نہایت تیزی سے دہلی کی طرف بھاگ نکلا' جہاں اس نے ایک محل میں پناہ لے لی۔ اس کی خواتین کو دیہی چھکڑوں میں دہلی روانہ کیا گیا۔ غازی الدین دہلی روانہ ہوا اور وزیر کا سرکاری لباس زیب تن کر کے اس نے بادشاہ کو معزول کر دیا اور اس کی والدہ اور اس کی آنکھیں نکلوا دیں۔ یہ واقعہ ۵ر جون ۱۷۵۴ء کو رونما ہوا۔ انتظام الدولہ کی دولت اور رتبے کو چھین لیا گیا اور بعد ازیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

احمد شاہ کا انتقال ۱۷۷۵ء

اس کے کچھ عرصہ بعد صفدر جنگ بھی فوت ہوگیا اور اس کے صوبوں پر اس کا بیٹا'

جلال الدین حیدر المعروف شجاع الدولہ بہادر اس کا جانشین مقرر ہوا۔ بدقسمت احمد شاہ سے مزید کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی' لیکن وہ سلیم گڑھ میں ایک سرکاری قیدی کی حیثیت سے رہا اور چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۷۵ء میں طبعی موت سے انتقال کر گیا۔

حوالہ جات

(۱) احمد شاہ کے مورخ عبدالکریم علوی نے یہاں ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ جب میر منو نے اپنے آپ کو ابدالی فاتح کے سامنے پیش کیا تو شاہ نے طنزیہ انداز میں اسے پوچھا کہ "تم نے خراج عقیدت پیش کرنے سے قبل اپنے آقا کے آستانے کے سامنے کیسے اپنے آپ کو نہیں پیش کیا؟" میر منو نے جواب دیا "کیونکہ میں ایک اور آقا کی خدمت پر مامور تھا"۔ درانی شاہ نے دوبارہ طنزاً کہا "کہ تمہارے بادشاہ اور آقا نے تمہاری مصیبت کے وقت مدد کیوں نہیں کی؟" نوجوان منو نے دلیری سے جواب دیا "کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اس کا خادم اپنا خیال خود ہی کر لے گا"۔ شاہ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا "فرض کرو میں تمہارے ہتھے چڑھ جاتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟" اس نے جواب دیا "میں حضور کا سر تن سے جدا کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیتا"۔ بادشاہ نے کہا "اور اب جب کہ تم میرے رحم و کرم پر ہو تم مجھ سے کس قسم کی توقع رکھتے ہو؟"--- "اگر آپ ایک سوداگر ہیں (منو نے جواب دیا) تو مجھے فروخت کر دیجئے۔ اگر ایک جلاد اور ظالم شخص ہیں تو میرا سر کاٹ دیجئے لیکن اگر آپ ایک بادشاہ ہیں تو اپنی فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جان بخشی کر دیجئے"۔ بادشاہ اپنے نوجوان حریف کے خطاب اور حوصلہ مندی سے بڑا متاثر ہوا اور اسے "فرزند خان بہادر رستم ہند" کا خطاب عنایت کیا۔

(۲) شاہ نے کشمیر سے واپسی پر ایک عظیم شہر کی بنیاد رکھی' جسے وہ اپنے نام کی نسبت سے احمد شاہی کہتا تھا۔

باب ۲۴

عزالدین عالمگیر ثانی

سکندرا کی جنگ کے بعد نواب ملکہ زمانی ناظر روز افزوں خان اور دربار کے دیگر امراء نے معز الدین جہاندار شاہ کے بیٹے محمد عزالدین کو تخت پر بٹھانے کے حق میں رائے پیش کی۔ نظام الملک آصف جاہ غازی الدین کا بھی یہی خیال تھا۔ چنانچہ عزالدین کو دربار عام میں بلا کر ابوالعدل عزالدین محمد عالمگیر ثانی بادشاہ غازی کے لقب کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا گیا۔ نیا بادشاہ ۵۵ برس کی عمر کا ایک عمر رسیدہ شخص تھا اور ۱۶۹۹ء میں اورنگ زیب کی حکومت کے ۴۳ ویں سال میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے پانچ لڑکے تھے۔ ان میں سب سے بڑا ۲۸ برس کا تھا۔ اس نے اپنا وقت علم الکلام اور تاریخ کے مطالعے کے لیے وقف کر دیا تھا اور وہ ہر قسم کی عیاشی سے باز رہتا تھا۔ وہ اپنی پانچوں وقت کی نمازیں ادا کرنا نہیں بھولتا تھا اور انہیں باجماعت ادا کرتا تھا اور جمعہ کے روز جامع مسجد یا محل کے اندر چوبی مسجد ضرور جاتا تھا۔

اس جیسے عابد و زاہد شخص سے یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ ملک کے نظم و نسق میں دلچسپی لیتا ہو۔ لہٰذا مکمل اختیار نوجوان بادشاہ گر غازی الدین کے پاس تھا لیکن اس وقت پورے ملک میں پھیلی ہوئی طوائف الملوکی نے مغل اعظم کے وقار کو شدید دھچکہ پہنچا اور اکبر کی سلطنت کی حالت انتہائی دگرگوں ہوگئی۔ پورے جنوبی ہندوستان میں مرہٹہ نام ایک دہشت کی علامت بن گیا تھا۔ اودھ اور الہ آباد پر شجاع الدولہ نے قبضہ کر لیا۔ آگرہ کے جنوب میں سارے علاقہ پر جاٹوں نے قبضہ کر لیا۔ بنگال، بہار اور اڑیسہ اللہ وردی خان کی حکومت میں شامل ہوگئے۔ مالوہ اور راجپوتانہ نے خراج دینا بند کر دیا اور پنجاب احمد شاہ

ابدالی کی قائم کردہ افغانستان کی درانی سلطنت کا باجگزار بن گیا۔ اب صرف دہلی کے اردگرد کا علاقہ اور ستلج کے شمال میں واقع چند اضلاع براہ راست تیمور کے وارثین کی حکومت میں شامل ہو کر رہ گئے تھے۔ حاکم پنجاب میرمنو نئے بادشاہ کی حکومت کے تحت زیادہ دیر تک اپنے اس منصب پر زندہ نہ رہ سکا۔

وہ شکار کے موقع پر ۱۷۵۶ء میں اپنے گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوگیا۔ اس کی بیوہ مراد بیگم(۱) جو ایک قوی اور پھرتیلی عورت تھی' اس نے اپنی سرپرستی کے تحت اپنے تین سالہ بیٹے امین الدین کی صوبیداری کا اعلان کر دیا۔ اس نے دہلی دربار اور ابدالی بادشاہ دونوں کی اطاعت کا دعویٰ کیا اور دونوں نے کم سن صوبیدار کی قائمقام کے طور پر اس کی تقرری کی منظوری دے دی تھی۔(۲)

مراد بیگم نے برسراقتدار آنے پر اپنے مرحوم شوہر کے وزراء اور درباریوں کو اعزازات سے نوازا۔ ریاست کے معاملات کے لیے جن کے مشوروں سے مستفیض ہوتی تھی اور انہیں کی ہدایت پر اس کا انحصار تھا۔ اب اس نے بڑی مضبوطی سے اپنا تسلط قائم کر لیا تھا کہ اس اثناء میں اسے ایک اور آفت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بچہ جس کے نام سے وہ حکومت کر رہی تھی' چیچک کے باعث دس ماہ گزرنے سے پہلے ہی فوت ہوگیا۔ اس پر باحوصلہ مراد بیگم نے اپنے نام سے نظم و نسق سنبھال لیا اور پنجاب پر اپنے قائمقام ہونے کا اعلان کر دیا۔ دربار لاہور کے امراء نے' جو اس کے مرحوم شوہر کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے' اس کی بالادستی کو تسلیم کر لیا اور اس خاتون کو پنجاب کی صوبیدار تسلیم کرنے کی لیے دہلی اور کابل کے درباروں سے شاہی فرمان حاصل کرنے کے لیے نمائندے روانہ کیے گئے۔

اپنی حکومت کو مضبوطی سے قائم کرنے کے بعد مراد بیگم نے اپنی صنف کی کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنے خاوند کے دربار کے ان امراء پر شک و شبہ کرنا شروع کر دیا' جن کی وجہ سے اسے عظمت اور عروج حاصل ہوا تھا۔ روشن الدولہ طرے باز خان کا بیٹا میر بکھاری خان' جو مرحوم صوبیدار(۳) کا وزیراعظم' بیگم کے دربار کا معتمد اول اور کبھی اس کا بہت زیادہ منظور نظر تھا' اسے زنان خانہ کے اندرونی کمروں میں قید کر لیا گیا اور بیگم کے حکم سے کنیزوں نے جوتوں اور چھڑیوں سے اسے اس بری طرح پیٹا کہ وہ اس سزا کے تحت مر گیا۔ خیال ہے کہ میر کا صرف یہی قصور تھا کہ اس نے ذاتی طور پر اس خاتون کو کسی ایسی مایوسی سے ہمکنار کر دیا تھا' جس کو اس کی صنف نے معاف نہیں کیا۔ بیگم کی طرف سے ذاتی ناراضگی کے باعث ظالمانہ کاروائی کرنے کی وجہ سے تمام پرانے امراء ناراض

ہو گئے۔ خود ان کے ساتھ بھی ذلت آمیز سلوک کیا گیا۔ تقریباً سبھی نے دربار جانا چھوڑ دیا' جہاں نہ صرف عزت و وقار بلکہ جان کو بھی خطرہ تھا۔ لہٰذا دہلی دربار میں عرضداشت روانہ کی گئیں جن میں بیگم کے رویہ کی شکایت کی گئی تھی۔ اس وقت لاہور کی حکومت کی کمزور اور ابتر حالت نے سکھوں کو دوبارہ سر اٹھانے اور اپنی لوٹ مار شروع کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ یہ باریش ڈاکو صوبے کے مختلف علاقوں میں آوارہ گردی کرتے۔ انہوں نے پورے علاقہ کو تہ و بالا کر دیا' دیہاتوں اور شہروں کو ویران کر دیا اور مویشیوں اور گلوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ انتظامی اور عسکری نظام ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ سرکاری محصولات کے کھاتے میں زمینداروں سے ایک پائی بھی وصول نہیں کی جاسکتی تھی۔ پورے علاقے میں ابتری' طوائف الملوکی اور افراتفری پھیل گئی تھی۔

دہلی کا وزیر غازی الدین' جس کے دل میں اپنی ہونے والی ساس(۴) کے لیے کچھ احترام تھا' اس نے ملک کا نظم و نسق سنبھالنے کے سلسلہ میں مراد بیگم کی مدد کے لیے سید جمیل کو روانہ کیا۔ سید نے لاہور پہنچنے پر چند اصلاحی اقدامات متعارف کرائے لیکن بیگم اس کے اختیار سے حسد کرنے لگی۔ لہٰذا اس نے غازی الدین سے استدعا کی کہ وہ اسے ہٹا دے لیکن نوجوان وزیر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ غضبناک بیگم' جو اقتدار کی بھوکی تھی' اس نے اس پر ابدالی بادشاہ کے پاس اپنے نمائندے بھیج کر دہلی دربار کی مداخلت اور شاہی افسروں کے ہاتھوں اپنی سبکی کی شکایت کر دی۔

جلد ہی اس کی دوغلی حکمت عملی کا پتہ چلا لیا گیا تو غازی الدین عالمگیر کے بڑے بیٹے مرزا علی گوہر کے ہمراہ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ ۱۱۶۹ ہجری کے آغاز میں دہلی سے روانہ ہوا۔ جب فوج سرہند سے ستر کوس کے فاصلہ پر مچھی واڑا کے مقام پر پہنچی تو وزیر نے شادی کے لیے بات چیت چلائی اور شادی کی رسومات ادا کرنے کے لیے مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ جب ہر قسم کی شک و شبہ کو ختم کر دیا گیا تو وہ ایک چال کے ذریعے شہر میں اچانک داخل ہوا اور مراد بیگم کے مکان کو گھیرے میں لے لیا' جس نے اپنے بستر پر اپنے آپ کو ایک قیدی پایا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ شادی کے لیے اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اس کی تمام منت سماجتیں ناکام ہو گئی ہیں تو اس نے بلا تامل اسے گرفتار کر کے سخت قید میں ڈال دیا اور اسے اس کے منصب اور آزادی سے محروم کر کے سرکاری قیدی کی حیثیت سے دہلی روانہ کر دیا۔ وزیر نے تیس لاکھ روپے خراج کے عوض لاہور کی حکومت آدینہ بیگ خان کو دے دی۔ شہزادہ علی گوہر کو بیوہ کی

شکایات سن کر بہت دکھ پہنچا۔ اس نے اسے بحال کرنے کے لیے غازی الدین کو رضامند کرنے کی کوشش کی لیکن نوجوان وزیر نے اس کے احتجاج پر کوئی توجہ نہیں دی اور ہر ممکنہ طریقے سے اس خاتون کو تنگ کیا۔ دہلی کی طرف جاتے ہوئے غضب ناک ساس نے بڑے شدید لہجے میں غازی الدین کی دغا بازی پر اسے برا بھلا کہا اور سلطنت ہند کے زوال' ملک کی تباہی اور بربادی اور شمالی حملہ آور کی طرف سے اس کے باشندوں کے قتل عام کی پیشین گوئی کر دی۔ اس کے بارے میں اس نے کہا کہ وہ شاہی حکومت کے افسروں کی جانب سے اس کے خلاف کی گئی بزدلانہ کاروائی کو کسی قیمت پر معاف نہیں کرے گا۔ بے شرم وزیر نے اس کی بیٹی سے شادی کر لی اور اپنی برداشت کے مطابق اپنی ساس کے غیظ و غضب کو برداشت کر گیا۔

احمد شاہ کا چوتھا حملہ ۵۶۔۱۷۵۵ء

اس عمر رسیدہ خاتون کی پیشین گوئی جلد ہی پوری ہوگئی۔ کیونکہ جب احمد شاہ نے دہلی کی حکومت کی جانب سے لاہور پر قبضے کے بارے میں اور اپنی قائمقام کی ہتک کے بارے میں سنا تو وہ ۵۶۔۱۷۵۵ء کے موسم میں قندھار سے روانہ ہوا۔ اس نے دریائے سندھ کو پار کیا اور حاکم لاہور آدینہ بیگ خان کو لاہور سے نکال باہر کرنے کے بعد وہاں اپنے حفاظتی دستے تعینات کیے۔ آدینہ بیگ مزاحمت کے قابل نہیں تھا۔ لہٰذا وہ لاہور کے شمال کی طرف ہجرت کر گیا اور پہاڑی راجاؤں کے تحت پناہ حاصل کر لی۔

اس کے بعد احمد شاہ سرہند کے راستے دہلی کی طرف روانہ ہوا اور ذرا سی بھی رکاوٹ کا سامنا کیے بغیر دارالسلطنت کے مضافات میں جا پہنچا۔ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ نواب نجیب الدولہ' جس نے حملہ آور سے خفیہ خط و کتابت کی تھی' ابدالی شاہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے کرنال تک آیا جب کہ بادشاہ عالمگیر ثانی' وزیر' عماد الملک غازی الدین خان کے ہمراہ بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لیے سرہند کے راستے پر دہلی سے دس کوس کے فاصلے پر واقع ناریلہ کے مقام پر آیا۔ احمد شاہ نے بادشاہ کا بڑے احترام اور پرشکوہ انداز میں استقبال کیا اور دونوں بادشاہ اکٹھے دہلی میں داخل ہوئے۔ عالمگیر نے پہلے ہی اپنے ممتاز مہمان کا استقبال کرنے کے لیے مغلیہ محل کو آراستہ کرا دیا تھا۔ غازی الدین' دارالسلطنت میں ابدالی بادشاہ کی آمد پر خوف زدہ ہوگیا۔ لہٰذا وہ شہزادہ علی گوہر کے بہترین افسروں کے توسط سے معین الملک کی بیوہ کا منظور نظر بن گیا۔ اس نے وزیر کے لیے حملہ آور سے سفارش کی۔ وہ اس کے خطاب سے خوش ہوا اور اسے معاف کر دیا۔ بھاری خراج ادا

کرنے کی شرط پر اسے اس کے منصب اور عہدہ پر بحال کر دیا۔ ابدالی نے اب دارالسلطنت کے امراء سے بھارج خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ اس نے قمرالدین خان کے بیٹے نواب انتظام الدولہ خان خاناں سے نوے لاکھ روپے کا مطالبہ کر دیا اور رقم وصول کرنے کے لیے سردار جہاں خان کو مقرر کیا گیا۔ امیر نے خراج کی اتنی بھاری رقم ادا کرنے میں اپنی معذوری ظاہر کی۔ اس پر محرم خان خواجہ سرا کو رقم اور دیگر قیمتی اشیاء تلاش کرنے کے لیے نواب کے گھر کی تلاشی لینے کا حکم دیا گیا۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور شاہ کے مطالبے سے تین گناہ زائد رقم دفینے اور خزانے کے شکل میں اور گھر کے مختلف حصوں میں چھپی ہوئی ملی۔ دہلیٰ کے دیگر امراء اور نوابین کے گھروں کی بھی اس طرح تلاشی لی گئی اور وہاں کھدائی کرنے سے بے شمار دولت ابدالی بادشاہ کے ہاتھ لگی۔ میرمنو کی بیوہ مراد بیگم کی مہیا کردہ معلومات پر قمرالدین خان کی بیوی شولا پوری بیگم کے گھر کے تلاشی لی گئی اور کئی لاکھ روپے کے زیورات' نقدی اور جواہرات ملے تو انہیں پکڑ لیا گیا۔

دولت اور قیمتی اشیاء کے لیے لالچی شاہ کی پیاس ابھی بجھی نہیں تھی اور دہلی کے بدقسمت باشندوں کے لیے ابھی بہت زیادہ آفات جمع تھیں۔ ریاست کے امراء سے جو کچھ حاصل کر سکتا تھا' وہ لینے کے بعد اس نے حکم دیا کہ شہر میں لوٹ مار مچا دی جائے۔ لہٰذا وہ سبھی ہولناکیاں دھرائی گئیں' جن کا نادر شاہ کے دور میں تجربہ ہو چکا تھا۔ شاہ دو ماہ تک دہلی میں رہا۔ اس دوران بدقسمت دارالسلطنت کو بڑے منظم طریقے سے لوٹا گیا۔ اس نے محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کی صاحبزادی سے اپنے بیٹے تیمور شاہ کی شادی کر کے بادشاہ سے نسبت قائم کر لی۔ اس کے بعد اس نے ایک مضبوط قلعے بالم گڑھ کا محاصرہ کر لیا اور حفاظتی فوج کو تہہ تیغ کر دیا۔ تب متھرا کی طرف پیش قدمی کرنے کے بعد وہ اس مقدس شہر پر اس وقت اچانک جا پڑا' جب لوگ اپنا ایک مذہبی تہوار منا رہے تھے۔ اس نے مرد و زن کا خیال کیے بغیر بدقسمت پجاریوں کو قتل کر دیا اور شہروں کو اپنے دین اور عزت و آبرو کی حفاظت کے بڑے جرم کی پاداش میں تہہ تیغ کر دیا گیا۔ اس نے انتہائی خوبصورت اور کشادہ مندروں کو زمین بوس کر دیا اور سینکڑوں ہندوؤں کو غلام بنا لیا۔ یہ جابر شخص اس کے بعد آگرہ کی طرف بڑھا اور اس شہر کا محاصرہ کر لیا اور مغل حاکم فاضل خان کے ہاتھوں درانی فوجوں کی پسپائی سے مشتعل ہو کر اس نے جاٹوں کے علاقہ میں موت اور غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔

اس قتل عام اور بربریت کا مظاہرہ کرنے کے بعد شاہ گری سے متاثر ہو کر دہلی کی

طرف لوٹ گیا۔ اب اس نے بذات خود محمد شاہ کی چھوٹی بیٹی (جو اس کی بیوی صاحب محل کے بطن سے تھی) حضرت بیگم سے رشتہ ازدواج منسلک کر لیا۔ تب بادشاہ عالمگیر سے بھاری خراج وصول کرنے کے بعد اس نے اسے اس کے آباؤ اجداد کے تخت پر بحال کر دیا۔ اس نے قمرالدین خان کے بیٹے انتظام الدولہ خان خاناں کو وزیراعظم اور نجیب الدولہ امیر الامراء بخشی یا سلطنت کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور ان کارروائیوں کے بعد وہ (۱۷۵۷ء) واپس قندھار لوٹ گیا۔ بادشاہ دہلی کو مجبور کیا گیا کہ وہ پنجاب اور سندھ شہزادہ تیمور کے حوالے کر دے۔ پس نادر شاہ نے جس لوٹ مار اور تباہی کا آغاز کیا تھا' احمد شاہ نے بڑے احسن طریقے سے اسے مکمل کر دیا۔ لاہور کی طرف جاتے ہوئے راستے میں سکھوں نے اس کا ساز و سامان لوٹ لیا اور افغان فوج کے آوارہ گردوں کو کاٹ کے رکھ دیا۔ احمد شاہ غارت گری کے ان دلیرانہ اقدامات پر آگ بگولا ہوگیا اور انہیں سزا دینے کی دھمکی دی۔ لیکن وہ خود ایک بغاوت کو فرو کرنے کے لیے تیزی سے ترکستان روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے تیمور شاہ کو حکم دیا کہ وہ سکھوں کو ان زیادتیوں کی سزا دے۔

فاتح نے دریائے سندھ کے بائیں کنارے کے صوبہ جات بشمول ملتان اور لاہور کے علاقے کا انتظام اپنے قابل جرنیل اور بااعتماد افسر جہاں خان کی رہنمائی میں اپنے بیٹے تیمور شاہ کے سپرد کیا۔ شہزادے کے پاس چھوڑی گئی فوج زیادہ طاقتور نہیں تھی اور یہ چند درانی اور ایرانی حفاظتی دستوں اور اس ملک میں جمع کی گئی فوج پر مشتمل تھی۔ عبدالصمد خان محمد زئی کو حاکم سرہند سرفراز خان افغان کو دوآبہ یا ستلج اور بیاس کے درمیانی علاقہ کا فوجدار اور ملتان کے آبائی بلند خان سدوزئی کو کشمیر کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔

احمد شاہ کی روانگی کے بعد شہزادہ تیمور نے پنجاب پر بڑی طاقت اور قابلیت سے حکومت کی اور ایک سال تک صوبے میں امن و آشتی اور خوشحالی کا دور دورہ رہا۔ باغی سکھوں کو سزا دی گئی۔ ان کے مسلح جتھوں کو مکمل طور پر تتر بتر کر دیا گیا اور ان کی مناسب نگرانی کی گئی۔

آدینہ بیگ خان' جس نے لاہور کی بازیابی کے لیے دہلی کے وزیر کی مدد کی تھی اور جو احمد شاہ کی آمد پر پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا تھا' اب دوبارہ منظر عام پر آگیا تھا۔ افغانوں کے مفادات کے برخلاف اس نے اپنے آپ کو جالندھر دوآب میں مستحکم کر لیا اور سکھوں کو اپنی ملازمت میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ اس کی برداشت اور چشم پوشی نے تازہ گڑبڑ اور نیا مسئلہ کھڑا کرنے کے لیے سکھوں کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ بیاس اور ستلج کے درمیانی

علاقہ پر ٹڈی دل کی طرح چھا گئے اور امرتسر تک اپنی لوٹ مار اور غارت گری کو بڑھا دیا' جہاں جسہ سنگھ کلال نے رام روٹی کو بحالی کرنے کی جرات کر لی تھی۔ سکھ جتھوں کو کلانور اور بٹالہ کے علاقے کے اردگرد لوٹ مار کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔

تیمور کا پہلا کام یہ تھا کہ اس نے آدینہ بیگ خان کو حکومت کے ماتحت کی حیثیت سے لاہور بلایا۔ چالاک اور آزمودہ کار آدینہ بیگ خان نے حکم ماننے سے گریز کیا اور بظاہر یہ بہانہ تراشا کہ سرکش سکھ مناب موقع کی تلاش میں ہیں اور اگر وہ اپنی چوکی سے غیر حاضر ہوا تو وہ اس پر قبضہ کر کے مستقل تسلط جما لیں گے۔ اس کے جواب سے مطمئن نہ ہو کر ابدالی شہزادے نے اس سردار کو سزا دینے اور دو آب کے علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے مراد خان کی قیادت میں ایک فوج روانہ کی۔ اس مہم میں سربلند خان اور سرفراز خان افغان' جرنیل کے ہمراہ تھے۔ مراد خان نے افغان فوج کے ہمراہ دریائے بیاس کو پار کر لیا۔ آدینہ بیگ خان سکھ فوج کو جمع کر کے مراد خان سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ اس میں لاہور کی فوج کو شکست فاش ہو گئی۔

اس جنگ میں افغان جرنیلوں میں سے ایک سربلند خان قتل ہو گیا اور مراد خان و سرفراز خان نے جب دیکھا کہ سوائے فرار کے اور کوئی راستہ باقی نہیں بچا' انہوں نے اپنی فوج کے باقیات کے ساتھ اپنے قدم لاہور کی طرف موڑ دیے۔

اب وزیر جہاں خاں باغی سردار کو سزا دینے کے لیے ایک کثیر فوج کے ہمراہ بذات خود لاہور سے روانہ ہوا۔ بٹالہ میں اس سے مراد خان نے ملاقات کی۔ بوڑھے وزیر کو اس پر بغاوت اور دشمن کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے کا شک ہوا۔ اس کے حکم سے مراد خان کو بٹالہ میں شمشیر خان کے تالاب پر پھانسی دے دی گئی۔ آدینہ بیگ خان نے جب ایک بہت بڑی افغان فوج کے ہمراہ وزیر کی آمد کا سنا تو وہ اپنی معمول کی پناہ گاہ شمالی پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلا۔

نوجوان افغان شہزادے اور اس کے وزیر جہاں خاں نے اب اپنی توجہ سکھوں کی بڑھتی ہوئی دیدہ دلیری کو سزا دینے پر مرکوز کی۔ امرتسر میں ان کے قلعہ رام روٹی پر حملہ کر کے اسے مسمار کر دیا گیا۔ مقدس تالاب کو پر کر دیا گیا اور ان کی عبادت گاہوں کو گرا دیا گیا۔ مقدس خالصہ شہر پر ہونے والی زیادتی نے پوری سکھ قوم کو اس قدر مشتعل کر دیا کہ وہ بہت بڑی تعداد میں جمع ہوئے اور اس بات کا عہد کیا کہ وہ تلوار کے ذریعے اپنے مذہب کا دفاع کریں گے۔ سکھ سواروں نے ٹڈی دل کی صورت میں لاہور کے اردگرد کے علاقے

کو تہ و بالا کر دیا۔ جہاں خاں ان کے مقابلے پر آیا۔

شروع میں وہ انہیں منتشر کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ تاہم سکھ بہت بڑی تعداد میں جمع ہوگئے اور وہ اس قدر مضبوط ہوگئے کہ نہ صرف انہوں نے قلعے اور علاقے کے درمیان رسل و رسائل کو کاٹ دیا بلکہ لاہور کے اردگرد کے علاقہ کی آمدنیوں کو اکٹھا کر کے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا بھی شروع کر دیا۔ افغان شہزادے نے کئی مواقعوں پر ان سے دو دو ہاتھ کیے لیکن ہر مرتبہ ان کی زیادہ تعداد کے باعث اسے نقصان اٹھانا پڑا۔ پٹھانوں اور سکھوں کے درمیان شروع ہونے والی گھمسان کی جنگ میں سکھوں نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی لہٰذا ہر گولی کارگر ثابت ہوئی۔ پٹھانوں کی بہت بڑی تعداد کھیت رہی اور باقی ماندہ بھاگ اٹھے۔ سکھوں نے بڑے زور و شور سے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ جنگ کی گرمی میں جہاں خاں کا گھوڑا زخمی ہو کر اپنے سوار سمیت گر پڑا۔ سکھ خان کو ہلاک کرنے کے لیے آگے بڑھے اور "واہے گورو جی کی فتح" کا نعرہ لگایا لیکن خان اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا اور اس کے آدمیوں نے اسے بچا لیا۔ پٹھانوں کو مکمل طور پر شکست ہوگئی اور سکھوں کو افغانوں پر یہ پہلی فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی تھی۔

جالندھر دو آب میں فسادات

اسی دوران آدینہ بیگ خان کے اشارے پر جالندھر دو آب میں انتہائی خطرناک فسادات شروع ہوگئے جو شہزادے کی آمد پر بھاگ نکلا تھا لیکن اب اس نے سرداروں کو افغانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا اور جالندھر میں ان کی مدد سے سرفراز خان کی قیادت میں افغان فوج کے ایک دستے کو شکست دے دی تھی۔ پورے پنجاب میں اب افراتفری مچ گئی تھی۔ افغان شہزادے اور اس کے سرپرست نے جب یہ دیکھا کہ سکھوں کو منتشر کرنے کے لیے ان کی تمام کوششیں ناکام ہوگئی ہیں اور روز بروز ان کی تعداد میں ہزاروں کا اضافہ ہو رہا ہے اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ان کے اپنے اختیار میں فوجیں حالانکہ پوری طرح مسلح اور منظم ہیں لیکن وہ ان کا سامنا کرنے کے لیے بہت تھوڑی ہیں تو انہوں نے دانشمندی سے لاہور خالی کرنے اور چناب کی طرف مراجعت کر جانے کا ارادہ کر لیا۔ وہ رات کے وقت واپس ہوئے۔ حتیٰ کہ ان کی ہندوستانی فوج کو بھی اس کا علم نہ ہو سکا، جنہیں انہوں نے دھوکہ دیا تھا اور اتنی جلدی میں روانہ ہوئے کہ شاہی خاندان دشمن کے ہتھے چڑھ گیا لیکن بعد ازیں انہیں رہا کر دیا گیا۔ یہ واقعہ غالباً ۱۷۵۸ء کے وسط میں پیش آیا۔

سکھوں کا لاہور پر قبضہ

فاتح سکھوں نے اپنے مشہور زمانہ سردار جسہ کلال کی قیادت میں لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس نے خالصہ کو "ریاست" قرار دیا اور اس ملک کا بادشاہ بن گیا۔ پس سکھ پہلی مرتبہ لاہور کے مالک بن گئے۔ انہوں نے روپے کا سکہ ڈھالنے کے لیے مغلوں کی ٹکسال کو استعمال کیا۔ سکے پر یہ عبارت درج تھی:

"خالصہ کی مہربانی سے احمد کے ملک میں مضروب کرایا گیا جس کو جسہ سنگھ کلال نے فتح کیا"۔

سکھ جنہوں نے اپنے حلیف آدینہ بیگ خان کی برداشت اور مہربانی سے اپنا عروج اور آزادی حاصل کی تھی' اب اس کا شکریہ ادا کرنا بھول گئے۔ انہوں نے آدینہ بیگ خان کے نمائندے خواجہ مرزا جان کو ذلیل کر کے لاہور سے نکال دیا لیکن یہ بوڑھا اور عیار سردار اپنی باری پر انہیں مات دینے میں کم حوصلہ ثابت نہ ہوا۔ شہاب الدین المقلب غازی الدین نے روہیلہ سردار نجیب الدولہ کے خلاف اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے مرہٹوں کی مدد حاصل کر لی تھی۔ یاد رہے ابدالی بادشاہ نے دہلی دربار میں اسے کرنال کے مقام پر بادشاہ کے ساتھ شامل ہونے کے عوض سپہ سالار کے عہدہ پر متمکن کیا تھا اور اسے ابدالی بادشاہ کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔

دہلی کے شاہی قلعہ کا رگھوناتھ راؤ المعروف رگھوبہ نے محاصرہ کر لیا اور ایک ماہ کے دفاع کے بعد نجیب الدولہ فرار ہوگیا۔ بے یار و مددگار بادشاہ ایک بار پھر غازی الدین کے اختیار میں آ گیا۔ اس موقع پر آدینہ بیگ خان نے مرہٹہ سرداروں کو پنجاب میں داخل ہونے اور دریائے سندھ تک فوجیں بھیجنے کی دعوت دی۔ اس نے ان سے معاہدہ کیا کہ وہ مرہٹوں کی حملہ آور فوج کی پیش قدمی کے دوران ہر روز(۵) اخراجات کے طور پر انہیں رقم ادا کرے گا اور انہیں اس بات کی امید بھی دلائی کہ وہ لوٹ مار کے مال سے مالامال ہو جائیں گے۔ مرہٹوں نے بڑی مستعدی سے اس مہم کا آغاز کیا۔ لہٰذا مرہٹہ سردار رگھوبہ اور ملہار راؤ ایک کثیر فوج کے ساتھ پنجاب کی طرف روانہ ہوئے۔ ستلج پر آدینہ بیگ خان ان سے آ ملا اور اس نے ابھی تک اپنی ملازمت میں موجود سکھ فوج کو ان کے اختیار میں دے دیا۔ مرہٹے سرہند میں داخل ہوئے اور انہوں نے درانی جرنیل عبدالصمد خان کو شکست دے دی' جو بیس ہزار روہیلہ سواروں اور پیادہ فوج کے ساتھ وہاں تعینات تھا۔ جیسے ہی افغانوں نے اس شہر کو خالی کیا تو آدینہ بیگ خان کے سکھ ساتھیوں نے عام لوٹ مار شروع

کر دی۔ اس چیز نے فاتح مرہٹوں کو آگ بگولا کر دیا' جو مال غنیمت پر صرف اپنا حق سمجھتے تھے اور وہ سکھوں سے حسد بھی کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان کی اس صریح زیادتی پر انہیں سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم خالصہ کے بچوں نے گھری سیاہ رات کا فائدہ اٹھایا اور اپنے انعام کے ہمراہ فرار ہو گئے اور اپنے آپ کو تعاقب کرنے والے مرہٹوں کی پہنچ سے بہت دور لے گئے۔

سرہند کی تسخیر کے بعد مرہٹے اپنے حلیف آدینہ بیگ خان کے ہمراہ نہایت تیزی سے لاہور کی طرف بڑھے۔ سردار جہاں نے شہزادہ تیمور شاہ کے ہمراہ کچھی سرائے میں خیمے گاڑ دیے' جہاں خندقی مورچہ بنا کر اس نے جنگ کی تیاری کر لی۔

مرہٹے لاہور پر قبضہ کر لیتے ہیں

ایک زبردست جنگ شروع ہو گئی' جس میں درانیوں کو شکست ہو گئی اور جہاں خاں اپنی جائیداد اور خزانے کو حملہ آور کے رحم و کرم پر اور لوٹے جانے کے لیے چھوڑ کر دو سو سواروں کے ہمراہ اٹک کے پار چلا گیا اور لاہور پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ واقعہ مئی ۱۷۵۸ء میں رونما ہوا۔ آدینہ بیگ خان نے لاہور میں نقارے بجا کر اس فتح کا جشن منایا۔ اس کے علاوہ بہت زیادہ خوشیاں منائی گئیں۔ اس کی خدمات کے صلے میں مرہٹوں نے اسے ناظم پنجاب کے منصب پر فائز کیا اور خواجہ مرزا کو لاہور میں اس کا نائب مقرر کیا۔ ایک مرہٹہ جرنیل صاحب پاٹل نے تیمور شاہ کا تعاقب کرتے ہوئے دس ہزار سپاہیوں کے ہمراہ اٹک کے قلعہ پر چڑھائی کر دی جب کہ شماجی راؤ کو حاکم ملتان مقرر کیا گیا۔ اس وقت مرہٹوں کی طاقت اپنی بلندی پر پہنچ گئی اور ان کی بادشاہت کے بانی سیوا جی کی پیشین گوئی بھی پوری ہو گئی کہ وہ دریائے سندھ اور ہگلی پہ اپنے گھوڑوں کو پانی پلائیں گے۔ انہوں نے دکن سے دریائے سندھ تک کے علاقے میں سفر کیا۔ دہلی اور آگرہ کے عروس البلاد صوبوں کو تہہ و بالا کیا۔ اب کیونکہ وہ پنجاب کے مالک بن بیٹھے تھے اس لیے انہوں نے دہلی کے وزیر غازی الدین سے مل کر اودھ کو اپنے مفتوح علاقوں میں شامل کرنے کا منصوبہ بنا لیا اور اب واضح طور پر پورے ہندوستان کو مطیع کرنے کی آرزو کرنے لگے۔ حتیٰ کہ پانی پت کی لڑائی کے بعد ان کی طاقت کو زوال آ گیا۔

جب سے ایک مختصر عرصہ تک مرہٹوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو پنجاب میں نظم و ضبط یا امن و امان کی شکل میں کوئی چیز باقی نہ رہی۔ سکھوں نے علاقے کے تمام حصوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ غیر ملکیوں نے ان کی کوئی روک تھام نہ کی۔ کیونکہ وہ

برائے نام حکمران تھے اور زمینداروں کو طاقت سے روک دیا گیا کہ وہ سرکاری مال گزاری میں اپنی آمدنی جمع نہ کرائیں۔ ہندوستان اور دکن کی پریشانی اور ہنگاموں نے مرہٹوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اسی سال اس ملک کو چھوڑ دیں' جس سال اسے انہوں نے تسخیر کیا تھا۔ انہوں نے لاہور میں اپنے پیچھے ایک فوج چھوڑی۔ انہوں نے اس شرط پر آدینہ بیگ خان کو لاہور کا حاکم بنایا کہ وہ ان کے خزانے میں ہر سال ۷۵ لاکھ روپے خراج کے طور پر جمع کرائے گا۔ روہیلوں نے قطب شاہ کے تحت بغاوت کر دی اور مالیر کوٹلہ کے افغانوں نے اپنے سردار جمال خان کی قیادت میں بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ باغی فوجیں بہت بڑی تعداد میں فلور کے قرب و جوار میں جمع ہوگئیں جہاں آدینہ بیگ خان نے ان پر جنگ مسلط کر دی۔ یہ لڑائی بڑی خون ریز ثابت ہوئی۔ افغانوں اور روہیلوں کی تعداد صوبیدار کی فوجوں سے بہت زیادہ تھی' جو بہت زیادہ تعداد میں ہلاک اور زخمی ہوئے۔ صوبیدار کی فوج میں اب فرار شروع ہوگیا۔ جب جمال خان کا ہاتھی صوبیدار آدینہ خان کے ہاتھی کے قریب آیا تو خان بہادر کے چیلے محمد توفیق نے (جو آدینہ بیگ خان کے ہاتھی کے مہاوت کا کام کر رہا تھا) اس پر اپنی بندوق سے گولی چلائی۔ اس نے جمال خان کو ہلاک کر دیا اور جیسے ہی وہ نیچے گرا تو باغی فوجوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ بھاگ اٹھیں۔ حاکم لاہور کی فوجوں نے تعاقب کر کے ان کی بہت بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔

باغی قبائل پر اس فتح نے بہت حد تک آدینہ بیگ خان کی حیثیت کو پنجاب میں مستحکم کر دیا تھا اور پورے صوبے میں ہر جگہ دہشت پھیلا دی تھی۔ اس نے بٹالہ کو اپنا صدر مقام بنا لیا اور ملتان' ٹھٹھہ اور لاہور کے صوبوں میں اپنے حاکم مقرر کیے۔(۶)

پہاڑی راجاؤں نے اسے اطاعت پیش کر دی۔ زمینداروں نے اسے اپنی اطاعت پیش کی اور کانگڑہ کے راجہ سیف علی خان نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ دہلی دربار نے اسے ایک خود مختار سردار تسلیم کرتے ہوئے اسے ظفر جنگ بہادر کا خطاب عطا کیا۔

مانجھا علاقے کے سکھوں نے اب گڑبڑ شروع کر دی اور بہت بڑی تعداد میں جمع ہو کر مضافاتی اضلاع میں غارت گری شروع کر دی۔ میر عزیز بخشی کو انہیں سزا دینے کے لیے بھیجا گیا۔ لہٰذا وہ ۱۲ ہزار سکھوں کو قیدی بنا کر بٹالہ لے کر آیا' جہاں اس وقت صوبیدار ان کے سردار' ندھان سنگھ رندھاوا کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔

اس بغاوت کو ابھی بمشکل دبایا گیا تھا کہ رام گڑھ (اس وقت رام نومی کے نام سے مشہور تھا) میں سکھ رہنماؤں' جے سنگھ کنہیا اور جسہ سنگھ رام گڑھیہ کی قیادت میں ایک اور

خطرناک بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس بغاوت کو دبانے کے لیے فوج روانہ کی گئی لیکن صوبیدار جو پنجاب کی مکمل خود مختاری کا آرزومند تھا' اس کا اپنا انجام قریب تھا۔ بٹالہ شہر میں واقع اپنے محل میں اس پر قولنج کا حملہ ہوا اور اسے ۱۱ محرم الحرام ۱۷۵۸ء کے اختتام سے پیشتر قبر میں لٹا دیا گیا۔ اس کی اپنی وصیت کے مطابق اس کی نعش کو جالندھر کے نواح میں خان پور لے جایا گیا اور وہاں دفن کر دیا گیا۔

آدینہ بیگ خان نے پنجاب کی حکمت عملی میں کافی عرصہ تک ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اپنی زندگی میں ایک ادنیٰ حیثیت سے ترقی کر کے وہ "سلطانپور کے کاردار" کے عہدہ تک جا پہنچا اور بعد ازیں حاکم لاہور نواب زکریا خان نے اسے ضلع گورداسپور میں بہرام پور کا حاکم مقرر کیا۔ سرکاری آمدنی کی عدم ادائیگی کے باعث ایک مرتبہ نواب نے اسے سخت قید میں ڈال دیا لیکن امراء کی مداخلت سے اسے دوبارہ بحال کر دیا گیا۔ وہ ہندوستانی حکمت عملی کا ماہر تھا۔ کیونکہ مختلف دھڑوں کی پیدا کردہ طوائف الملوکی اور ابتری کے درمیان (جو سیاسی بالادستی کے خواہش مند تھے) اس نے اپنی حالت کو محفوظ رکھا۔ اس نے اپنی فراست' خطاب اور مشاہدے کے ذریعے اپنے آپ کو ہر بعد میں آنے والے حاکم لاہور کے اندازے کے مطابق بلند کیا جو اسے طاقت کا سرچشمہ سمجھتا تھا۔ جالندھر دو آب میں اس کا انتظام بہت زیادہ کامیاب تھا۔ وہ بڑا ہوشیار اور چالاک تھا۔ سکھوں کو اس نے فریب دیا۔ دہلی دربار کو وہ حقیر سمجھتا تھا۔ افغانوں کو اس نے پریشان کر دیا اور اس نے سکھوں اور افغانوں کی طاقت کو توڑنے اور اپنی خود مختاری حاصل کرنے کے لیے مرہٹوں کے اثر و رسوخ کو موثر طور پر اپنی حمایت کے لیے استعمال کیا۔ اس نے ہر تبدیلی کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا اور جس وقت ہر طرف پھیلی ہوئی گڑبڑ میں ہر ایک کا مفاد متاثر ہو رہا تھا تو اس نے کسی قسم کی بھی قربانی دینے سے احتراز برتا۔ وہ غیر محتاط اور بعض اوقات جابر بن جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک حلوائی نے اسے مٹھائیوں کی فراہمی سے انکار کر دیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے زندہ کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیا جائے۔ پاس کھڑے ہوئے چند لوگوں کے توسط سے اس بیچارے غریب آدمی کی زندگی بچائی گئی۔(۷)

اس کے تحت لاہور خوشحال نہیں ہوسکا۔ اشیائے خورد و نوش کی قلت پیدا ہوگئی او اس کی اجازت کے بغیر شہر میں کسی قسم کا خوردنی غلہ یا اناج درآمد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے کوئی اولاد یا جانشین نہیں چھوڑا۔ اگرچہ ضلع گورداسپور میں اس نے آدینہ نگر کے نام سے جس گنجان آباد شہر کی بنیاد رکھی تھی' وہ اپنے باغات اور محلات کے ساتھ آج

بھی اس کی یاد قائم رکھے ہوئے ہیں اور لاہور کے آخری مغل حاکم ہونے کی وجہ سے سکھ اور مسلمان دونوں اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ آدینہ بیگ خان کے انتقال پر ایک مرہٹہ سردار جانکو راؤ' جو ایک خوفناک فوج کے ہمراہ دارالسلطنت کے قرب و جوار میں ٹھہرا ہوا تھا' اس نے لاہور کی حکومت ایک مرہٹہ سردار شاماجی کے سپرد کر دی اور اسے اس طرف روانہ کر دیا۔ آدینہ بیگ خان کے ساتھیوں میں صادق بیگ خان کو مرہٹہ سردار نے سرہند کی حکومت پر مقرر کیا جب کہ جالندھر دو آب کا انتظام آدینہ بیگ خان کی بیوہ کے سپرد کر دیا گیا۔ لاہور پہنچنے پر شاما بڑی تندہی سے حکومت کے کاروبار میں مصروف ہوگیا اور دریائے سندھ تک اپنی فوجوں کو لے گیا لیکن سکھ' جن کی آدینہ بیگ خان کی قابل حکومت نے روک تھام کر رکھی تھی' اب دوبارہ پنجاب میں اپنی لوٹ مار اور غارت گری شروع کر دی۔

انہوں نے مسلمانوں کے لیے مشکلات اور بہت زیادہ مصیبتیں پیدا کر دیں۔ امرتسر کا مقدس تالاب' جسے تیمور نے بھروا دیا تھا' اسے دوبارہ صاف کرا لیا گیا اور مقدس تالاب سے کوڑا کرکٹ اور گند مند نکالنے کا کام زبردستی مسلمانوں سے کرایا گیا۔ انہیں سنگینیں چبھو کر اور بندوقوں کے کندوں سے دھکیل کر یہ کام کرنے پر مجبور کیا گیا۔ جب پنجاب سے تیمور شاہ کی تباہ حال مراجعت اور اس علاقے میں سکھوں اور مرہٹوں کی زیادتیوں اور قبضوں کی خبر احمد شاہ ابدالی کے پاس پہنچی تو اس نے اپنے ایک ہمبی زئی سردار' نورالدین خان کو ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ سندھ کے پار روانہ کیا۔ یہ جرنیل جہلم کی طرف بڑھا اور بغیر کسی مخالفت کے جہلم اور سندھ کے درمیانی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت وہاں ککھڑ' کنڑ اور جوند قبیلے آباد تھے۔ یہ سبھی مسلمان تھے اور اس علاقے کے اصل باشندے تھے اور خوش قسمتی سے ان کا جھکاؤ بھی افغانوں کی طرف تھا۔ اس کے بعد یہ جرنیل چناب کی طرف روانہ ہوا اور وہاں احمد شاہ ابدالی کا انتظار کرنے کے لیے ٹھہر گیا۔

احمد شاہ کا پانچواں حملہ ۱۷۵۹ء

بلوچستان کے خود مختار سردار ناصر خان سے اپنے معاملات درست کرنے کے بعد احمد شاہ نے ایک کثیر فوج کے ساتھ ۱۷۵۹ء کے موسم سرما میں دریائے سندھ کو پار کیا اور جموں کے راستے سے چناب کی طرف بڑھا۔ اس نے بھرے ہوئے دریاؤں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پنجاب کے شمال میں اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور لاہور پہنچنے پر مرہٹہ کمانڈار کو بہت بڑے نقصان کے ساتھ شکست دے دی۔ وہ دہلی کی طرف بھاگ گیا۔ شاہ نے اس فتح کے بعد ایک افغان کریم داد خان کو صوبہ لاہور کا حاکم اور زین خان کو گجرات کا حاکم مقرر

کیا۔ نجیب الدولہ (جس نے رسد کے ساتھ اس کی مدد کی) کے ساتھ ملنے کے بعد بادشاہ جمنا کی طرف روانہ ہوا۔

دہلی کے معاملات

دریں اثناء دہلی کا دغاباز وزیر غازی الدین' جسے خدشہ تھا کہ احمد شاہ ابدالی بے ضرر بوڑھے بادشاہ کو اقتدار پر بحال کر دے گا اور اسے شک تھا کہ سابق خان خاناں اس کا چچا انتظام الدولہ نجیب الدولہ سے ہمدردی کرتے ہوئے بادشاہ کی طرف داری کرے گا' اس نے دونوں کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے حکم دیا کہ جس وقت یہ امیر نماز پڑھ رہا ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔ بادشاہ مذہبی لوگوں اور درویشوں کے پاس حاضری دینے کا شوقین تھا۔ اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اعماد الملک نے حکم دیا کہ باہر ایک افواہ پھیلا دی جائے کہ قندھار سے ایک انتہائی خدا رسیدہ بزرگ شہر میں تشریف لائے ہیں اور انہوں نے فیروز شاہ کے کھنڈرات کوٹلہ میں رہائش اختیار کر لی ہے۔ بے یار و مددگار عقیدت مند درویش کو دیکھنے کی خواہش میں ایک پالکی میں بیٹھ کر بغیر کی محافظ کے کوٹلہ کی طرف روانہ ہوا۔ جیسے ہی وہ عمارت کے دروازہ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک پردہ اس کے استقبال کے لیے اٹھا دیا گیا ہے۔ اس کو اندر گئے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ مدد کے لیے ایک چیخ سنائی دی۔ بادشاہ کا داماد مرزا بابر' جسے باہر ٹھہرنے کے لیے کہا گیا تھا' اسے کسی سازش کا شک ہوا۔ اس نے تلوار کھینچی اور کئی آدمیوں کو زخمی کر دیا لیکن سازشی' جن کا سرغنہ مہدی علی کشمیری تھا' انہوں نے اسے ایک پالکی میں ڈالا اور ایک مضبوط حفاظتی دستے کے ہمراہ واپس شہر بھیج دیا۔ فرضی درویش بالا باش خان' جو ایک وحشی ازبک ثابت ہوا' اس نے ایک اشارے پر دیگر تین افراد کی مدد سے بادشاہ پر چھلانگ لگا دی اور خنجروں سے لگاتار زخم لگا کر بوڑھے آدمی کو زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد قاتلوں نے اس کے بدن سے قیمتی ملبوسات اتار لیے اور دھڑ کو اونچی دیوار سے کوٹلہ کے کنارے پر موجود ریت پر گرا دیا۔ اٹھارہ گھنٹے تک زمین پہ پڑے رہنے کے بعد مہدی علی خان کے حکم سے لاش کو اٹھا لیا گیا اور ہمایوں بادشاہ کی مقبرہ میں دفن کر دیا گیا۔ یہ المناک واقعہ ۳۰ نومبر ۱۷۵۹ء کو رونما ہوا۔ انتقال کے وقت عالمگیر ثانی(۸) کی عمر ساٹھ برس تھی اور اس نے تقریباً چھ سال حکومت کی۔

حوالہ جات

(۱) اسے مغلانی بیگم بھی کہا جاتا تھا۔

(۲) موازنہ کیجئے کننگھم کی "سکھوں کی تاریخ" صفحہ ۱۰۴۔

(۳) اس نے لاہور کی سنہری مسجد تعمیر کرائی۔

(۴) معلوم ہوتا ہے میر منو نے دہلی دربار میں اپنی حیثیت مستحکم بنانے کے لیے اپنی موت سے پہلے غازی الدین کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کا وعدہ کیا تھا جو ابھی تک اس دوشیزہ کو حاصل کرنے کی امید لگائے بیٹھا تھا۔ حالانکہ صوبیدار کے انتقال کے بعد وہ لڑکی اور اس کی والدہ دونوں اس رشتہ کے خلاف ہوگئی تھیں۔

(۵) پیش قدمی کے لیے ایک لاکھ روپیہ اور ٹھہرنے کے لیے پچاس ہزار روپیہ۔ (مولانا دین محمد بٹالوی کی سرگزشت)

(۶) فرحت الناظرین۔

(۷) معلوم ہوتا ہے اس زمانے میں تشدد کے لیے کھولتا ہوا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔

(۸) بیلے اپنی تصنیف "مفتاح التواریخ" میں اس بادشاہ کے سکے پر درج مندرجہ ذیل عبارت کے بارے میں بتاتا ہے:

بزد زد سکہ صاحب قرآنی عزیز الدین عالمگیر ثانی

"عزیز الدین عالمگیر ثانی نے صاحب قرآن کی طرح سونے پر سکہ مضروب کرایا"۔

ایک دوسرے سکے پر درج ذیل عبارت درج تھی:

سکہ زر بر ہفت کشور ہمچو تابان مہر و ماہ شہ عزیز الدین عالمگیر غازی بادشاہ

"بادشاہ غازی عزالدین عالمگیر نے روشن سورج و چاند کی طرح اپنی مہر ہفت کشور پر ثبت کی"۔

باب ۲۵

علی گوہر شاہ عالم ثانی

عالمگیر ثانی کے قتل کے ساتھ ہی درحقیقت دہلی کی عظیم سلطنت ختم ہوگئی۔ وزیر عماد الملک نے برائے نام تخت پر شہزادہ کام بخش کے پوتے محی الملت کو بٹھا دیا لیکن اسے تسلیم نہ کیا گیا۔ لہٰذا شہزادے علی گوہر' جو بنگال میں مفرور تھا' بالآخر اس وقت شاہ عالم کے شاندار لقب کے تحت تخت نشین ہوا۔ جب حقیقت میں اس کے قبضے میں دارالسلطنت کے اردگرد صرف چند اضلاع ہی رہ گئے تھے' باقی ماندہ سلطنت کے ہاتھ سے جاتے رہے یا تو صوبیداروں نے ان پر غاصبانہ قبضہ کرلیا یا غیرملکیوں نے فتح کرلیے۔ عماد الملک نے اپنی حالت کو غیر مستحکم دیکھتے ہوئے جاٹوں کے پاس پناہ لے لی۔ اس کے بعد وہ دکن چلا گیا اور ۱۸۰۰ء تک گمنامی کی زندگی گزارنے کے بعد فوت ہوگیا۔

احمد شاہ درانی بادشاہ نے سہارنپور کے سامنے دریائے جمنا کو پار کیا اور اس کے بعد ایسی خون ریز جنگیں لڑیں' جو ہندوستان میں لڑی گئی چند تباہ کن اور خون ریز لڑائیوں سے بھی سبقت لے گئیں۔

ملک کے لوگ مرہٹوں کی غارت گری سے عاجز آچکے تھے۔ لہٰذا ابدالی شاہ کی دوبارہ آمد کو ہندوستان میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے بہت سراہا۔ احمد شاہ کی آمد پر مرہٹہ فوجیں لاہور سے دہلی روانہ ہوگئیں۔ ابدالی کے ساتھ مشہور زمانہ نجیب الدولہ' حافظ رحمت خان روہیلہ سردار اور بہت سے مسلمان خاندان شامل ہوگئے۔ جب مرہٹوں نے اپنے جرنیل داتا جی سندھیہ کی قیادت میں دریائے جمنا کو پار کیا تو ان کے اور درانیوں کے درمیان مسلسل جھڑپیں شروع ہوگئیں اور وہ بدلی کے نزدیک پہنچ گئے۔ یہاں دونوں فوجیں

کئی روز تک خندقی مورچوں میں بیٹھی رہیں۔ احمد شاہ نے دشمن کی رسد کاٹ دی اور مرہٹوں کے پاس ناکہ بندی کے باعث جب اشیائے خورد و نوش کی قلت پیدا ہوگئی تو وہ اس سے جنگ کرنے کے لیے باہر نکل آئے۔ وہ بڑی ثابت قدمی سے روانہ ہوئے۔ لہٰذا ایک خون ریز لڑائی لڑی گئی۔ اس کے پہلے دھچکے کو شاہ کی فوج میں شامل روہیلہ سپاہیوں پر مشتمل دستے نے کئی مرتبہ محسوس کیا۔

روہیلہ پیدل تھے اور انہیں تھوڑے لیکن چاق و چوبند مرہٹوں نے (جو چھوٹے خچروں پر سوار تھے) انہیں بری طرح دبایا ہوا تھا۔ شاہ نے اونٹوں پر سوار اپنے زمبورچیوں یا بندوقچیوں کو حکم دیا کہ وہ روہیلوں سے برسرپیکار مرہٹہ فوج کو گھیرے میں لے لیں۔ انہوں نے اونٹوں کی پشت سے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جلد ہی ان کی مدد کو شاہ کا حفاظتی دستہ بھی آن پہنچا' جس نے اس وقت جمنا کو عبور کیا اور میدان جنگ میں پہنچ گیا لیکن میدان کو دو آب کے پٹھان سردار فرخ آباد کے احمد خان بنگش نے جیت لیا' جس نے دس ہزار سواروں کے ساتھ مرہٹوں کے پہلوؤں پر حملہ کیا اور اس نے اس قدر طاقت کے ساتھ حملہ کیا کہ قسمت کا ترازو درانی بادشاہ کے حق میں ہوگیا۔ مرہٹوں کو زبردست کشت و خون کے ساتھ میدان جنگ سے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ ان کی ۸۰ ہزار فوج مکمل طور پر تباہ ہوگئی۔ ان کا سردار داتا جی سندھیہ قتل ہوگیا اور ان کے تمام جرنیل گرفتار ہوگئے۔ سوائے ملہار راؤ ہولکر کے' جو پہلے حملہ کے وقت فرار ہوگیا تھا۔

اس کے بعد احمد شاہ نے سکندرا کے قریب ملہار راؤ ہولکر کی قیادت میں فوج کو اچانک جالیا اور اسے اس بری طرح شکست دی کہ مرہٹہ سردار بذات خود عریاں حالت میں اپنے مٹھی بھر بااعتماد ساتھیوں کے ہمراہ بھاگنے پر مجبور ہوگیا۔ اس کے بعد ابدالی دہلی میں داخل ہوا اور اس بدقسمت دارالسلطنت میں دوبارہ غارت گری شروع کر دی گئی۔ شاہ دہلی میں چند روز رہا۔ وہاں اس نے جے پور مارواڑ وغیرہ کے راجاؤں کے وفود سے ملاقات کی۔ وہ نذرانوں کے ساتھ اسے خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے آئے۔ اس نے موسم برسات کی وجہ سے اودھ کی سرحد پر واقع انوپ شہر میں چھاؤنی ڈال دی اور وہاں کچھ گفت و شنید کے بعد طاقتور شجاع الدولہ کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اگرچہ مرہٹے بدلی اور سکندرا کے نقصانات کے باعث کمزور ہوگئے تھے مگر ان کا حوصلہ ابھی کم نہیں ہوا تھا اور اپنے نقصانات کو پورا کرنے کے لیے پھر سے کوششیں کرنے کے بعد انہوں نے ہندوستان میں اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے ایک عظیم اور فیصلہ کن جنگ

لڑنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس قوم کی انتہائی خوفناک فوج پیشوار کے قائم مقام وسواس راؤ' اس کے مشہور و معروف بھتیجے سدا شیو راؤ (جو عام طور پر ہندوستان میں بھاؤ جنکوراؤ کے نام سے مشہور ہے) ملہار راؤ اور پیشوا کے دوسرے بیٹے شمشیر(۱) بہادر کی قیادت میں دکن سے روانہ ہوئی۔ ان شہزادوں کے ساتھ تمام بڑے برہمن اور اہم مرہٹہ سردار آئے تھے۔ سورج مل ۳۰ ہزار جاٹوں کے ساتھ ان سے مل گیا۔ اس کے علاوہ دیگر راجپوت سرداروں نے بھی انہیں مدد دی۔ اس فوج نے بڑی آسانی سے دہلی(۲) پر قبضہ کر لیا جہاں پر تعینات درانیوں کی مختصر حفاظتی فوج کو ایک جرات مندانہ دفاع کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ قلعدار یعقوب علی خان بڑی مشکل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوسکا۔ اس کے بعد دہلی کے شمال میں ساٹھ میل کے فاصلے پر دریائے جمنا پر واقعہ کنج پورہ کا محاصرہ کر لیا گیا اور بشمول اس جگہ پر قابض پٹھان خاندان کے سربراہ نجابت خان کے پوری درانی حفاظتی فوج کے تہہ تیغ کر دیا گیا۔ شاہ جمنا کے بائیں کنارے پر خیمہ زن ہوگیا جو بارشوں کے باعث بپھرا ہوا تھا اور جس نے دونوں فوجوں کو تقسیم کیا ہوا تھا۔ درانی پڑاؤ کے سامنے کنج پورہ کی حفاظتی فوج کے قتل عام نے اسے اس قدر آگ بگولا کر دیا کہ اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ تمام خطروں کے باوجود دریا کو پار کر جائے۔(۳)

بہادر فوج دریائے جمنا میں کود پڑی' جس کو ۲۳ اکتوبر کو جزوی طور پر گھاٹ کے ذریعے اور جزوی طور پر تیر کر پار کیا گیا۔ راستے میں کچھ نقصان بھی ہوا لیکن درانی بادشاہ نے جس عزم اور حوصلے کا مظاہرہ کیا اور اس کی فوج نے جس پھرتی کے ساتھ بپھرے ہوئے اور متلاطم دریا کو پار کیا۔ اس نے مرہٹوں کے پڑاؤ میں مایوسی پھیلا دی۔ وہ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ وہ کھلے میدان میں شاہ کے سخت جاں اور آزمودہ کار سپاہیوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ پانی پت کی طرف لوٹ گئے۔ وہاں انہوں نے اپنے گرد خندق کھود لی اور فصیلوں پر جتنا بھی اسلحہ اکٹھا کر سکتے تھے' وہ پہنچا دیا۔ مرہٹوں کی فوج میں ۳ لاکھ سپاہی بشمول باقاعدہ سوار جو ۵۵ ہزار غارت گرد مرہٹہ پر سواروں اور باقاعدہ پیدل فوج اور متحدہ ریاستوں کی فوج پر مشتمل تھی۔ ان کے پاس تین سو توپیں بھی تھیں۔ ابدالی کے تحت فوج ۴۰ ہزار افغانوں اور ایرانیوں' ۱۳ ہزار ہندوستانی سواروں' ۳۸ ہزار ہندوستانی پیادوں اور تقریباً ۷۰ توپوں پر مشتمل تھی' جنہیں ہندوستانیوں حلیفوں سے حاصل کیا گیا تھا۔ شاہ نے دشمن کی رسد کو کاٹنے اور ان کے خندقی مورچہ کی سخت ناکہ بندی کرنے کے لیے متواتر اپنی توانائی کو استعمال کیا۔ گووند راؤ بندیلہ نے زیریں جمنا پر ۱۰ ہزار یا ۱۲ ہزار سواروں کو جمع کر کے ان

دستوں کو سارے علاقے میں پھیلا دیا تاکہ افغان پڑاؤ ہر قسم کے ذرائع رسل و رسائل سے محروم ہو جائے اور اس میں اشیائے خورد و نوش کی زبردست قلت شروع ہو جائے۔

آخرکار وزیراعظم کا بھتیجا اطائی خاں پوپل زئی' حاجی کریم داد خان درانی کے ہمراہ ایک صبح سویرے اچانک گووند راؤ کے پڑاؤ پر جا پڑا اور اسے مکمل طور پر تباہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ خود گووند بھی اس جنگ میں قتل ہوگیا جو خزانہ اور اشیائے خورد و نوش وہ مرہٹوں کے لیے لے جا رہا تھا' وہ فاتح افغانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ دہلی کا مرہٹہ قلعدار شنکر راؤ بھی اس لڑائی میں مارا گیا۔ اس کی فوج کو پامال کرنے کے بعد درانی اردگرد کے علاقے کے بعد مالک بن گئے اور انہیں اپنے پڑاؤ کے لیے رسد پہنچانے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا' انہیں اب دور کر لیا گیا تھا لیکن مرہٹوں کی بڑی فوج نے اپنی خندقوں میں مورچوں کو مستحکم حالت میں رکھا۔ اگرچہ گاہے بگاہے بے قاعدہ لڑائیاں اور جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں(۴) لیکن مرہٹے بڑی ہوشیاری سے کھلے میدان میں عام جنگ سے باز رہے۔ معاملات کی یہ حالت تین یا چارہ ماہ تک رہی۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب پڑی ہوئی تھیں اور دونوں کے صبر کا پیمانہ تقریباً لبریز ہوچکا تھا۔ شاہ کی فوج کو اپنے سردار پر پورا بھروسہ تھا اور ہندوستانی حلیف اس کی رائے کا سب سے زیادہ احترام کرتے تھے۔ ہر تکلیف کا سامنا بڑے صبر و تحمل سے کیا گیا۔ شاہ کا اس قدر خوف تھا کہ اس کے احکامات کے خلاف کوئی شخص ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکتا تھا۔(۵)

اب مرہٹوں کے پڑاؤ میں رسد کی قلت کے باعث زبردست دباؤ اور آفت محسوس کی جانے لگی۔ پانی پت کا شہران کی دسترس میں تھا اور وہ اشیائے خورد و نوش کی شکل میں ہر چیز خرچ کر بیٹھے تھے۔ چاروں طرف جانوروں کے ڈھانچوں' مرتے ہوئے مویشیوں' بھوکے ساتھیوں سے گھرے ہونے اور پڑاؤں میں موجود بیماروں کے باعث ان کی حجالتیں ناقابل برداشت ہوگئی تھیں۔ انہوں نے ایک مضبوط حفاظتی دستے کے ہمراہ کھانے پینے کی اشیاء تلاش کرنے کے لیے ایک جماعت کو علاقے میں بھیجا۔ افغانوں نے اس کا پتہ چلا کر تہہ تیغ کر دیا۔ آخرکار عظیم مرہٹہ سردار اپنی مصیبت سے تنگ آکر بھاؤ کے خیمے کے گرد جمع ہوگئے اور اس سے التجا کی کہ وہ محاصری سے نکل کر حملہ کر کے ان کی مصیبتوں اور آفتوں کا خاتمہ کر دے۔ اس آخری حد میں بھاؤ نے اپنے ہاتھ سے کنشی راؤ کو ایک مختصر رقعہ لکھا اور اسے اپنے ایک رازدان ملازم کے ہاتھ درانی پڑاؤ میں بھیجا۔ اس رقعے کے الفاظ یہ تھے:

"اب جام کنارے تک لبریز ہوگیا ہے اور ایک قطرے کی بھی گنجائش نہیں۔ اگر کچھ ہوسکتا ہے تو کر ڈالو یا اسی وقت واضح طور پر کوئی جواب دے ڈالو۔ اس کے بعد لکھنے اور سننے کے لیے کوئی وقت نہیں ہوگا"۔

کنشی راؤ نے اس رقعے کو صبح تین بجے (۷ جنوری ۱۷۶۱ء) نواب شجاع الدولہ کے پاس پہنچایا۔ جلد ہی نواب کے پاس یہ معلومات پہنچ گئیں کہ مرہٹوں کی پوری فوج درانیوں پر حملہ کرنے کے لیے اپنے پڑاؤ سے کوچ کر گئی ہے۔ نواب فوراً شاہ کے خیمے میں گیا اور خواجہ سراؤں سے کہا کہ وہ بادشاہ کو جگا دیں۔ شاہ فوراً اٹھا اور اپنا لباس تبدیل کیے بغیر گھوڑے پر سوار ہوگیا جو اس کے خیمے کے دروازے پر ہر وقت تیار کھڑا ہوتا تھا۔ جیسے ہی وہ وہاں پہنچا، فوج کو باہر آنے کا حکم دے دیا گیا۔ یہ صبح صادق سے ذرا پہلے کا وقت تھا۔ وہ ابھی ڈیڑھ کوس کے فاصلے تک ہی بڑھے تھے کہ مرہٹوں کی آگے بڑھتی ہوئی قطاروں سے توپوں کی گھن گرج سنائی دی۔ شاہ نے فوراً اپنے وزیراعظم شاہ ولی خان، اپنے وزراء شاہ پسند خان اور دیگر اشخاص کو بلایا اور ایرانی کلیان اپنے خواجہ سرا کے سپرد کر دیا، جس سے وہ گھوڑے پر بیٹھ کر دھواں نکالتا تھا اور وہ سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا دشمن کی طرف گیا۔

پانی پت کی جنگ ۱۷۶۱ء

دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ شاہ کی فوج کا قلب وزیراعظم کی قیادت میں روہیلوں اور درانیوں پر مشتمل تھا۔ اس نے افغان فوج کے بہترین حصہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ مرہٹوں نے اپنا توپ خانہ آگے کر دیا تھا اور پیادہ فوج بالکل اس کے پیچھے تھی۔ توپ خانے نے اچانک گولہ باری شروع کر دی۔ فرانسیسی فوج کے ایک مفرور مسلمان ابراہیم خان(۶) گاردی نے اپنے بھائی فتح خان کے ساتھ بڑی دلیری اور کامیابی سے شاہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس نے شاہ ولی خان کی داہنی جانب کو کھول دیا۔ یہاں پر حملہ بڑا شدید اور سخت تھا۔ وزیراعظم کا بھتیجا اطائی خان اپنے چچا کے پہلو میں آگیا۔ درانی جو بری طرح دباؤ میں آ گئے تھے، پسپا ہونے پر مجبور ہوگئے۔ بھاؤ اور وسواس راؤ دونوں سوار تھے اور اپنے آدمیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں جنگ کی ترغیب دے رہے تھے۔ مرہٹہ جنگجوؤں کا نعرہ جنگ ---- "ہر ہر جے مہا دیو" ہوا کے دوش پر تھا اور ان کی صفوں میں بہت زیادہ جوش و خروش پیدا ہوگیا تھا۔ واضح طور پر ہر چیز مرہٹوں کے لیے سازگار تھی۔ نواب شجاع الدولہ، جس کی فوج قریب تھی، گرد کے بادلوں کے باعث کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے بعد وزیراعظم زرہ بکتر میں غرق، سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنی بھاگتی ہوئی فوجوں کے درمیان

آیا۔ ان کے فرار پر انہیں سخت غصے میں لعن طعن کرتے ہوئے اس نے کہا: "ہمارا ملک تو بہت دور ہے' میرے دوستو! تم کدھر بھاگ رہے ہو؟" شجاع بڑی ثابت قدمی سے میدان جنگ میں پاؤں جمائے ہوئے تھا لیکن وزیر کی مدد کرنے کے لیے آگے بڑھنے سے باز رہا۔

شاہ جو ان حالات سے بے خبر نہیں تھا' اس نے یہ سوچتے ہوئے کہ اب بذات خود فاضل فوج کے ہمراہ آگے بڑھنے کا وقت آگیا ہے' عام حملے کا اشارہ دے دیا۔ حملہ انتہائی شدید تھا۔ مرہٹوں کو پہلو میں لے لیا گیا۔ لہٰذا دوبدو لڑائی میں انتہائی شدت آگئی لیکن درانیوں کے میدان جنگ میں ثابت قدمی سے ڈٹے رہنے کی وجہ سے وہ حوصلہ ہار گئے۔ انہوں نے یکدم میدان جنگ سے منہ موڑا اور بے شمار مردے اور مرتے ہوئے افراد کو چھوڑ کر بھاگ اٹھے۔

فاتح افغانوں نے ہر طرف ان کا تعاقب کیا اور انہیں کسی جگہ پناہ نہ ملی۔ ہر طرف پندرہ یا بیس میل تک تعاقب کیا گیا جس کے باعث ان کی بہت بڑی تعداد کھیت رہی۔ وسواس راؤ اور بھاؤ بھی مقتولین میں شامل تھے۔ مرہٹوں کے تقریباً سبھی سرکردہ سردار یا تو مارے گئے' یا زخمی ہوگئے اور باقی ماندہ جو دکن کی طرف فرار ہوئے' وہ گھوڑوں کو تیز بھگانے کی وجہ سے اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہوگئے۔

پناہ گزینوں میں ملہار راؤ ہولکر اور مدھوجی سندھیہ بھی شامل تھے جو بعد میں ایک عظیم ریاست کا بانی بنا لیکن بھاگتے ہوئے بندوق کی گولی لگنے سے عمر بھر کے لیے لنگڑا ہوگیا۔

شمشیر بہادر بھی فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا لیکن گردن پر ایک زخم لگنے کے باعث کچھ عرصہ بعد ہی فوت ہوگیا۔ بہترین اعداد و شمار کے مطابق مرہٹوں کی طرف سے قتل ہونے والوں کی تعداد ۲ لاکھ کے قریب تھی جب کہ ۲۲ ہزار قیدی' ۵۰ ہزار گھوڑے اور بے شمار مال غنیمت فاتحین کے ہاتھ لگا۔

یہ عظیم جنگ خون ریزی میں جس سے چند ہی سبقت لے جا سکتی ہیں اور جس میں مرہٹوں کا تباہ کن انجام ہوا تھا۔ اس نے اس آرزومند قوم کی قسمت پر مہر لگا دی۔ پوری قوم میں مایوسی اور ناامیدی پھیل گئی۔ ان کا پیشوا یا بادشاہ بالا جی کچھ عرصہ بعد دکھ اور مایوسی کی حالت میں فوت ہوگیا۔ انہوں نے ہندوستان میں حاصل کیے گئے علاقوں کو خالی کر دیا اور نربدا کے پار چلے گئے اور اس کے بعد دوبارہ کبھی عروج حاصل نہ کر سکے۔

پانی پت کی فتح کے بعد پورا ہندوستان ابدالی فاتح کے رحم و کرم پر ہوگیا لیکن مغلوں کے خالی تخت پر بیٹھنے کی اسے کوئی خواہش نہیں تھی۔ چنانچہ دہلی میں چند روز ٹھہرنے کے

بعد اور ہندوستان کے معاملات درست کرنے کے بعد وہ پنجاب کی طرف لوٹ آیا' جو پہلے ہی اس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ بڑے اطمینان کے ساتھ یہاں آیا۔

سکھ مثلیں (یا اتحاد)

احمد شاہ کے پانی پت جانے کے باعث عدم موجودگی میں سکھ پنجاب میں دوبارہ سرکش ہوگئے۔ بادشاہ نے میدان جنگ میں فرائض ادا کرنے کے لیے لاہور کے صوبیدار کریم داد خان اور پسرور کے حاکم فوجدار خان کو بلا لیا تھا۔ سربلند خان کو جالندھر دو آب کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تھا اور صوبہ لاہور کا انتظام امیر محمد خان کے سپرد کیا گیا تھا۔ جس وقت تمام مسلمان سرداروں کی توجہ ہندوستان کے معاملات پر مرکوز تھی' اس وقت سکھوں نے دور و نزدیک کے علاقے کو تہہ و بالا کر دیا۔ ان کی ایک بہت بڑی تعداد امرتسر میں بیساکھی کے تہوار پر جمع ہوئی' جہاں جسہ سنگھ آہلو والیہ' چیت سنگھ کنہیا' ہری سنگھ بھنگی اور سنہ سنگھ نے دیگر سکھ سرداروں کی مدد سے لاہور کو لوٹنے کے لیے ایک اتحاد قائم کیا۔ سکھ شہسواروں کی ایک بہت بڑی تعداد ٹڈی دل کی طرح لاہور کے گرد جمع ہوگئی۔ انہوں نے شہر کی فصیل سے باہر رہنے والے باشندوں کو لوٹ لیا اور ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا۔ سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں جب کہ نجی جائیدادوں کے نقصان کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

سکھوں نے شہر کو ہر طرف سے گھیر لیا اور مطالبہ کیا کہ وہ کڑھا(۷) پرشاد کے لیے بھاری رقم دے دیں تو وہ چلے جائیں گے۔ نائب صوبیدار نے خالصہ کے بچوں کی مٹھائی کے لیے ۳۰ ہزار روپے پیش کیے۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔

احمد شاہ کی کابل واپسی

احمد شاہ نے پانی پت سے لوٹنے کے بعد سکھوں کو سزا دینے یا پنجاب میں پھیلی ہوئی ابتری کو دور کرنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے بلکہ خواجہ عبید خان کو حاکم لاہور' سربلند خان کو حاکم ملتان اور سرہند کا انتظام زین خان کے سپرد کرنے کے بعد وہ ۱۷۶۱ء کے موسم بہار میں کابل لوٹ گیا۔

۱۲ر اگست ۱۷۶۵ء کو بادشاہ شاہ عالم نے بنگال' بہار اور اوڑیسہ کے صوبوں کی دیوانی یا مالی انتظام کو مستقل طور پر کلکتہ میں برطانوی گورنر جنرل لارڈ کلائیو کے حوالے کر دیا۔ صوبے ۲۵۰،۰۰،۰۰۰ افراد کی آبادی پر مشتمل تھے اور ان کی آمدنی ۴۰ لاکھ سٹرلنگ پاؤنڈ

تھی۔ اگست ۱۷۸۸ء میں روہیلہ سردار غلام قادر نے بادشاہ کو اندھا کرا دیا۔ اس نے پورے شاہی خاندان سے انتہائی ہتک آمیز سلوک کیا۔ سندھیہ' جو بادشاہ کا حامی تھا' اس کے پہنچنے پر روہیلہ سردار بھاگ نکلا لیکن اس کا پتہ چلا کر اسے سزائے موت دے دی گئی۔ نابینا بادشاہ ایک مرتبہ پھر تخت پر بیٹھ گیا لیکن ہندوستان میں پوری سلطنت اب سندھیہ کے قبضہ میں چلی گئی تھی اور مغل بادشاہ کا اب محض نام ہی رہ گیا تھا۔ شاہ عالم(۸) ثانی ۱۸۰۷ء میں ۸۱ برس کی طویل عمر میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا ابوالناصر معین الدین اکبر شاہ ثانی اس کا جانشین بنا۔ اس کا انتقال ۱۸۲۱ء میں ہوگیا۔

یہ اس کتاب کے مقصد سے ہٹ کر ہوگا اگر ہم ہندوستان میں برطانوی فتوحات کا پتہ چلائیں۔ لہٰذا اس دور میں مغلیہ حکومت کے خاتمے کے بعد ہم ایک اور قوم کے متعلق بیان کرتے ہیں' جو پنجاب میں سیاسی طاقت اور تنظیم حاصل کر رہی تھی۔ اس موضوع کے لیے ایک الگ جلد درکار ہوگی۔

حوالہ جات

(۱) شمشیر راؤ پیشوا کی مسلمان بیوی کے بطن سے ہونے کے باعث مسلمان تھا۔ مسلمان بیوی سے صرف پیشوا ہی شادی کر سکتا ہے۔

(۲) بھاؤ نے اس موقع پر اپنے لالچ کو بے لگام چھوڑ کر غارت گری کے وہ کارنامے سرانجام دیے' جنہوں نے وحشیوں کی فتوحات کی یاد تازہ کر دی تھی۔ اس نے خوبصورت مندروں اور خانقاہوں کو مسمار کر دیا' ان کی قیمتی اشیاء اپنے ساتھ لے گیا اور قیمتی پتھروں اور ان کی آرائشات کے حصول کے لیے مغلیہ محلات کی شکلیں بگاڑ دیں بادشاہ شاہ عالم کے عظیم دربار عام کی نقرئی چھت کو گرا دیا گیا اور چاندی کو پگھلا دیا گیا۔ جس کی مالیت سترہ لاکھ روپے تھی۔ تخت شاہی پر قبضہ کر لیا اور یہ مغلوں کے محل کے انتہائی قیمتی زیورات تھے جو اگرچہ اپنی پرانی شان و شوکت سے محروم ہوگئے تھے لیکن ابھی تک ان میں خوش قسمتی اور قیمت پائی جاتی تھی' جن کا مقابلہ چند مشرقی بادشاہتیں ہی کر سکتی ہیں۔

(۳) شاہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے ایک تیر پر قرآن کی چند سورتیں پڑھ کر پھونک ماری اور اس کے بعد اسے اپنی کمان سے دریا میں چلا

دیا اور اس کے بعد بسم اللہ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر وہ دریا میں کود گیا اور اس کے چار ہزار غلاموں نے بھی اس کی تقلید کرتے ہوئے چھلانگیں لگا دیں--- (تاریخ احمدی)

(۴) ان لڑائیوں میں آخری لڑائی کے دوران مسلمانوں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ نجیب الدولہ کی قیادت میں تقریباً چھ ہزار روہیلے مارے گئے اور پانچ سو پیادے زخمی ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے اس فتح نے ان کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ کھلے میدان میں جنگ کا خطرہ مول لے لیں۔

(۵) اس دور کے ایک ہم عصر مورخ کانشی راؤ نے اس زمانے کے حالات کی واضح تصویر اور اس کے اہم کرداروں پر روشنی ڈالی۔ درانی بادشاہ احمد شاہ کے پاس ایک سرخ خیمہ تھا جو اس کے پڑاؤ کے سامنے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر اس کے لیے نصب کیا گیا تھا۔ ہر روز فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے بیٹے تیمور شاہ اور چالیس یا پچاس سواروں کے ہمراہ باہر آتا تھا۔ بذات خود تمام چوکیوں کا معائنہ کرتا اور دشمن کے مورچے کا جائزہ لیتا تھا۔ وہ ہر روز چالیس یا پچاس کوس تک سواری کرتا اور دوپہر کے وقت اپنے پڑاؤ میں لوٹ آتا اور یا تو چھوٹے سے سرخ خیمہ میں یا شاہی پڑاؤ کی قطاروں میں کھانا کھاتا۔ رات کے وقت ۵ ہزار مضبوط درانی اور ہندوستانی سوار پڑاؤ میں گشت کرتے اور ساری رات اس کا مسلح پہرہ دیتے۔ شاہ مسلسل انہیں میں دکھائی دیتا تھا۔ وہ ہندوستانی سرداروں سے کہا کرتا تھا "تم سو جاؤ میں اس چیز کا دھیان رکھوں گا کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے"۔ ہر روز توپ خانہ دوردراز فاصلوں پر گولہ باری میں مصروف رہتا اور جھڑپیں جاری رہتیں اور سورج غروب ہونے کے ساتھ جماعتیں اپنے اپنے خیموں میں واپس آ جاتیں۔ تین زبردست جنگیں ہوئیں' لیکن کوئی بھی فیصلہ کن ثابت نہ ہوئی۔ معاملات کی یہ حالت تین ماہ سے زائد عرصہ تک رہی۔ آخرکار ہندوستانی سردار' جن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا' شاہ سے التجا کی کہ وہ جنگ قائم کر کے ان کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا خاتمہ کر دے۔ اس پر شاہ نے جواب دیا "یہ جنگ کا معاملہ ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔ دوسرے معاملات میں جس طرح تمہاری مرضی ہے کرو' لیکن برائے مہربانی اسے مجھ پر چھوڑ دو۔ عسکری کارروائیوں میں جلدی نہیں کی جاتی۔ تم دیکھ لو گے اس معاملے کا انتظام کس طرح کرتا ہوں اور ایک مناسب موقع پر اس کا کامیاب اختتام کر دوں گا"۔

(۶) اس نے دکن میں اپنی بہادری کے باعث بڑی شہرت حاصل کی تھی اور اس کی

فوج یورپین طرز جنگ کی طرح صف آراء ہوتی تھی۔

(۷) مٹھائی کی ایک قسم جو چینی' آٹا اور گھی سے بنائی جاتی ہے۔

(۸) اس نے مندرجہ ذیل عبارت کا حامل سکہ مضروب کرایا:

سکہ زد بر ہفت کشور سایہ فضل الہ

حامی دین محمد شاہ عالم بادشاہ

"سایہ فضل اللہ حامی دین محمد شاہ عالم بادشاہ نے اپنی مہر ہفت کشور پر لگائی"۔

ایک اور سکے پر یہ عبارت درج تھی:

سکہ صاحب قرانی زد ز تائید اللہ

حامی دین محمد شاہ عالم بادشاہ

"بادشاہ شاہ عالم نے تائید الٰہی سے صاحب قران کی طرح سکہ مضروب کرایا"۔

حصہ سوم

سکھوں کا عروج

باب ۱

سکھ گوروؤں کے حالات

۱۔ گورو نانک

نانک (۱) لاہور کے قریب، تحصیل شرقپور میں دریائے راوی کے کنارے واقع ایک گاؤں، تلونڈی میں، سمت ۱۵۲۶ (۱۴۶۹ء) میں اس وقت پیدا ہوئے جب ہندوستان پر بادشاہ بہلول لودھی کی حکومت تھی۔ وہ تلونڈی کے ایک دکاندار کالو کے بیٹے تھے اور ان کا تعلق چھتریوں کی گوت بیدی سے تھا۔ راوی اور چناب کے درمیان کا خطہ، رچنا دوآب کہلاتا ہے۔ یہ وسیع و عریض ڈیلٹا جو اس دور میں سب سے پہلے سکھ مذہب کا گہوارہ بنا، وہاں جاٹ اور بھٹی آباد تھے۔ موخر الذکر ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا، لیکن او کسں (آملو دریا) کے شمالی اضلاع کی طرف سے مسلمانوں کے حملوں کے دور میں، اسلام قبول کرنے کے بعد یہیں آباد ہوگئے تھے۔ ان چند چھوٹے کھیتوں کے علاوہ جنہیں جٹوں نے کاشت کیا تھا، پورا علاقہ سنسان اور لق و دق پڑا تھا۔ اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان زبردست حسد اور نفرت پائی جاتی تھی اور پوری غیر مسلم آبادی، مسلمان حکمرانوں کے زیر عتاب تھی۔ دو دریاؤں کے درمیانی خطہ کو "بار" کہا جاتا تھا اور اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ اس وقت موضع تلونڈی پر بھٹی قبیلے کے رائے بولار کا قبضہ تھا۔ جس گھر میں نانک پیدا ہوئے، وہ اب ایک عبادت گاہ ہے اور اسے ننکانہ صاحب کہا جاتا ہے۔ اس کے قریب ایک تالاب ہے جس میں گورو نانک لڑکپن میں کھیلا کرتے تھے۔ وہ "للکرہ" کے نام سے مشہور ہے۔

ان کے والد ایک دھروائی تھے اور گاؤں کے پٹواری کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ اگرچہ دولت مند نہیں تھے لیکن اس کے باوجود صاحب عزت شخص تھے اور گاؤں کے

لوگ انہیں اپنا سردار سمجھتے تھے۔ ان کے والد کا نام سیوا رام اور والدہ کا نام بنا سی تھا۔

نانک نے سکھ مذہب کی بنیاد رکھی۔ وہ فلسفیانہ ذہن کے مالک تھے اور انہوں نے اس کو اس دور میں اپنایا جس میں رہتے تھے۔ انہوں نے غیر معمولی کامیابی سے برداشت اور حق شناسی کے ان اصلاحی قوانین کو متعارف کرایا' جو زمانے کی اشد ضروریات تھے۔ لڑکپن میں وہ کم گو تھے اور اشد ضرورت کے بغیر اپنے ہمجولیوں سے بالکل بات نہیں کرتے تھے۔ وہ کم کھاتے اور ہمیشہ گم صم اور خیالات میں ڈوبے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ قدرت کی طرف سے انہیں پرہیزگار طبیعت اور متفکر ذہن عطا ہوا تھا۔ کالو کا اس بات پر یقین تھا کہ اس لڑکے کی پیدائش ایک فقیر کی دعاؤں کا نتیجہ ہے' جس نے پیشین گوئی کی تھی کہ اس کا بیٹا' دنیا میں ایک عظیم آدمی بنے گا۔ لہٰذا وہ اسے ایک حکیم کے پاس لے گئے اور اس سے کہا کہ اس کے لیے کوئی دوا تجویز کرے۔ اس لڑکے نے حکیم سے کہا: "یقیناً اسے کوئی ٹھیک نہیں کر سکتا' جو قادر مطلق سے جدائی کا دکھ اٹھا رہا ہو' جس نے اسے زندگی اور قوت گویائی عطا کی اور جو اکیلا ہی کائنات کا انتظام چلاتا ہے"۔ حکیم اس چھوٹے سے لڑکے کی گفتگو اور خطاب سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اس نے اسے سراہا اور ان کے مہربان باپ کو سمجھایا کہ لڑکے کے لیے بہتر علاج یہی ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے کہ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے سو کرے۔

نانک ابھی سات سال کے تھے کہ انہیں گاؤں کے مدرسے میں لے جایا گیا اور جب معلم نے انہیں ان کے دین کے بنیادی اصولوں کی تعلیم دینی شروع کی تو اس ننھے عالم نے بڑی نرمی سے اس سے دریافت کیا کہ خدا کی موجودگی کے لیے کیا ثبوت دیے جا سکتے ہیں۔ مدرس کو اس بات سے آگاہ کر دیا گیا کہ اس کا شاگرد ایک فقیر کا تحفہ ہے' لہٰذا کہا جاتا ہے وہ دنیا کو تیاگ کر خود بھی ایک فقیر بن گیا۔

جب ان کے معلم نے پڑھنے کے لیے ان کے سامنے حروف تہجی رکھی' تو اس ننھے عالم نے حروف تہجی کے پہلے حرف کی پوشیدہ اہمیت کے بارے میں دریافت کیا' جو وحدانیت کو ثابت کرنے کے لیے ایک سیدھا خط ہے اور خدا کی وحدانیت کا اظہار کرنے کے لیے عوام الناس بھی اسے ہی متصور کرتے ہیں' لہٰذا معلوم ہوتا ہے بچپن ہی میں خدا رسیدہ نانک کے دل میں پروردگار کی وحدانیت کا مضبوط اور غیر متزلزل یقین اپنی جڑیں گہری کر چکا تھا۔

سیر المتاخرین کے مصنف کے مطابق' نانک نے اپنی تعلیم ایک مسلمان مولوی سید

حسن سے حاصل کی، جو تلونڈی میں ان کے والد کے گھر کے قریب رہائش پذیر تھے اور اسلامی قانون کی کتابوں کے بہت بڑے عالم تھے۔

ان کے وقت کا زیادہ حصہ، گوشہ نشینی اور مذہبی سوچ بچار میں بسر ہوتا تھا۔ زندگی کے ابتدائی حصہ میں وہ اکثر اپنے آپ کو مصروف اور پرہجوم دنیا سے علیحدہ کر کے کئی دنوں تک جنگلوں میں روپوش کر لیتے اور اپنے ہم عمر لڑکوں سے کسی قسم کا رابطہ رکھنے سے احتراز برتتے تھے۔ کئی موقعوں پر ان کے والدین کو یہ یقین ہوگیا کہ وہ جنگلوں میں گم ہوگئے ہیں یا جنگلی اور وحشی درندوں کا شکار بن گئے ہیں، لیکن جب ان کی تلاش کی گئی تو وہ کسی فقیر کی پوشاک میں اپنی ذات سے بے پرواہ اور بیرونی دنیا کے معاملات سے بے نیاز بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے۔

جب نانک کی عمر نو سال ہوئی، تو ان کے والد نے ہندوؤں کی رسم کی پیروی کرتے ہوئے، انہیں برہمنیت کا دھاگہ پہنانے کے لیے اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں کا ایک اجتماع کیا۔ معمول کے مطابق نانک کو پاک صاف کیا گیا اور راہبوں نے تمام ابتدائی رسومات ادا کیں، جنہیں نانک کو ہندو کا درجہ دینے اور انہیں دھاگہ پہنانے کے لیے بلایا گیا تھا۔ لیکن نانک نے بڑے اطمینان سے کہا کہ دھاگہ پہننے سے ان کا رتبہ بلند نہیں ہو جائے گا اور یہ کہ میرے خیال میں اس رسم کو ادا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مہمان، ننھے اور ذہین نانک کے اختیار کردہ رویے سے بہت زیادہ مایوس ہوگئے اور برہمن اس معاملہ میں ان کے فلسفیانہ رویے پر لاجواب ہوگئے، جس کے بارے میں، سکھوں کی کتابوں میں طویل بیانات دیے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا:

نائیں منی پت اوپ جی صلاحی سچ سوت
درگاہ اندر پای تگ نہ توتس پوت

"انسان کی شان، اللہ کا نام جپنے سے بڑھتی ہے۔ اس کی تعریف ہی سب سے مضبوط دھاگہ ہے۔ ایک مرتبہ یہ دھاگہ پہن لیا جائے تو آدمی اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے اور میرے بیٹے یہ کبھی بھی نہیں ٹوٹتا"۔

جب وہ پندرہ برس کے ہوئے تو ان کے والد نے انہیں تجارت اور دکانداری کی تربیت دینے کے خیال سے، ایک گاؤں میں بھیجا کہ وہ ۴۰ روپے کا نمک لا کر اسے ایک اور دیہات میں زیادہ قیمت پر فروخت کریں۔ خاندان کے ایک نوکر بالا کو لڑکے کے ساتھ روانہ

کیا۔ گاؤں کی طرف جاتے ہوئے راستے میں انہیں فقیروں کی ایک جماعت کا سامنا ہوا۔ وہ اتنے بھوکے تھے کہ ان کی قوت گویائی ختم ہوگئی تھی اور سوائے اشاروں کے اپنا مدعا بیان نہیں کر سکتے تھے۔ بھوکے اور بدحال فقیروں کے لیے نانک کے دل میں ہمدردی پیدا ہوگئی' لہٰذا انہوں نے ۴۰ روپے سے کھانے پینے کی اشیاء خرید کر فقیروں کو کھلا دیں۔ فقیروں کی بھوک مٹا کر اور انہیں تازہ دم کر کے نانک نے ان کے ساتھ ایک طویل مذہبی بحث مباحثہ کیا۔ انہیں اس بات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ انہوں نے ان کی مصیبت کو رفع کر دیا ہے۔ بالا نے اپنی سمجھ کے مطابق روپے کے ضائع کرنے پر نانک کو برا بھلا کہا۔ لیکن نانک نے جواب دیا: "میں نے ایسا سودا کیا ہے جس کا منافع اگلے جہان میں ملے گا۔ خدا کے ساتھ کیا جانے والا سودا' انسانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ منافع بخش ہے"۔

گھر واپس آنے کے بعد' نانک نے والد کے ڈر سے اپنے آپ کو ایک درخت کی شاخوں میں چھپا لیا' جنہیں اس بات سے مطلع کر دیا گیا تھا کہ تمہارے بیٹے نے کیا کیا ہے۔ ان کے والد نے شدید غصے کی حالت میں ننھے نانک کو پیٹنا شروع کر دیا' لیکن رائے بولار' جو اس لڑکے کو سمجھ گئے تھے' اپنے پلے سے ۴۰ روپے ادا کر کے ان کے والد کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔

"کھرا سودا"

وہ جگہ جہاں نانک نے بھوکے فقیروں کو کھانا کھلایا تھا' "کھرا سودا" کے نام سے مشہور ہے۔

"مال صاحب"

وہ درخت جو اس لیے مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس میں چھپایا تھا' آج بھی موجود ہے۔ اس کی شاخیں ہر طرف سے زمین پر جھک گئی ہیں اور لوگ اسے "مال صاحب" کہتے ہیں۔ اپنے والد کی طرف سے اپنی فیاضی کی خاطر' سزا پانے کے باوجود انہوں نے اپنے والد کے گھر سے جو چیز ہاتھ آئی' اسے ضرورت مندوں کو دینے کا عمل جاری رکھا اور جب انہیں ایسے کام کرتے ہوئے دیکھ لیا جاتا تو اکثر سزا دی جاتی۔ ان کے والد نے ایک مرتبہ انہیں سلطان پور میں' ایک دکان فراہم کر دی اور اسے سوداگری کی اشیاء سے مزین کر دیا' لیکن اپنے والد کی انتہائی مایوسی اور ناامیدی کے لیے انہوں نے بجائے اس کے

کہ اس سے کوئی کاروبار کریں، اسے آہستہ آہستہ فقیروں کو خیرات کرنا شروع کر دیا۔

"ہٹ صاحب"

جس مقام پر نانک نے دکان کھولی، اسے "ہٹ صاحب" کہا جاتا ہے اور ان کے استعمال میں رہنے والے اوزان اور پیمانے آج بھی موجود ہیں اور ان کے چیلے ان کا احترام اور پوجا کرتے ہیں۔

جب نانک کی عمر سولہ برس ہوئی تو ان کے والدین نے سوچا کہ شادی کا بندھن ان کے ذہن کو دنیا کے معاملات کی طرف راغب کر دے گا، ان کی شادی کر دی۔ ان کی شادی ضلع گورداسپور، بٹالہ میں لکھوکی کے رہائشی ایک چھتری ملا کی بیٹی سولکھنی سے کر دی گئی، لیکن شادی نے مطلوبہ اثر نہیں کیا اور نانک نے اپنی آوارہ گردی کی عادت اور فقیروں سے محبت کرنا نہ چھوڑا۔ نانک کی ایک بہن نانکی تھی، جس کی شادی ایک ہندو جے رام سے ہوئی تھی۔ وہ دہلی کے بادشاہ سلطان بہلول کے ایک عزیز اور امیر، نواب دولت خاں لودھی کی ملازمت میں تھا۔ نواب کی کپور تھلہ کے قریب، سلطان پور میں وسیع و عریض جاگیریں تھیں۔ سلطان پور، لاہور اور دہلی کے درمیان پرانی جرنیلی سڑک کے اوپر واقع ہے اور اس میں تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر مینار اور سرائیں موجود ہیں اور نانک کے زمانہ میں یہ نہایت اہم جگہ تھی۔ نواب کے تحت ملازمت تلاش کرنے کے لیے نانک کو جے رام کے پاس بھیجا گیا۔ نواب نے خیرات خانہ (مودی خانہ) کا انتظام اس نوجوان کے سپرد کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ نانک نے اتنی فیاضی سے غریبوں میں خیرات تقسیم کی کہ ایک مختصر عرصہ میں اس ادارے کے چندے اور اشیائے خورد و نوش مکمل طور پر ختم ہو گئے۔ نواب کے نوکروں نے نانک پر خرد برد کا الزام لگایا، لیکن جب نواب نے مودی خانہ کا معائنہ کیا اور حسابات و اشیاء کا جائزہ لیا تو اس نے ہر چیز کو اپنی جگہ پر موجود پایا اور اسے یقین ہو گیا کہ اسے جو خبریں پہنچائی گئی تھیں، محض افواہیں تھیں۔ چنانچہ اس نے نانک کو تمام الزامات [illegible] لیکن چند دنوں کے بعد اس نوجوان پر دوبارہ اسی طرح کا الزام لگایا گیا اور تحقیق کرنے کے بعد اس الزام کو دوبارہ بے بنیاد پایا گیا۔ انہوں نے باقاعدہ نواب کی ملازمت سے [illegible]
وہ اس کی ملازمت میں رہ گئے، اس کی ملازمت چھوڑ دی۔

[illegible]

خاں کی ملازمت میں تھے، تو ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام سری چند رکھا گیا۔ ساڑھے چار سال کے بعد، نانک کو خدا نے ایک اور بیٹا عطا کیا اور اس کا نام لکھمی داس رکھا گیا۔

لکھمی داس ابھی بچہ تھا، جب نانک نے دنیا کے تمام تعلقات کو چھوڑ دیا اور فقیر کا لباس پہن کر سفر شروع کر دیا۔ ان کے سفر میں ان کے ساتھی، خاندانی مراثی، مردانہ (رباب بجانے میں ماہر) لنہ، جو بعد میں ان کا جانشین بنا، ایک سندھو جٹ بالا (۲) اور رام داس المعروف بدھا یا قدیم تھے۔

نانک، خدا کی تعریف میں جو بھی شعر کہتے اور اپنے عقیدت مندوں کی نصیحت کے لیے جو کچھ بھی کہتے، انہیں مردانہ اپنے رباب پر سجا لیتا۔

انہوں نے پورے ہندوستان کا سفر کیا۔ ایران، کابل اور ایشیا کے دیگر حصوں کے علاوہ، کہا جاتا ہے انہوں نے مکہ مکرمہ کی بھی سیاحت کی۔ مکہ مکرمہ میں نانک کی سیاحت کے بارے میں ہندو اور مسلمان دونوں ایک کہانی بیان کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں نانک کو خانہ کعبہ کی طرف پاؤں کیے ہوئے سوتے دیکھا گیا۔ قاضی رکن الدین نے اس کا مشاہدہ کیا تو غصے سے بولا: "کافر، تمہیں خانہ خدا کی طرف پاؤں کر کے اس کی بے حرمتی کرنے کی جرات کیسے ہوئی؟"

نانک نے جواب دیا "اگر کر سکتے ہو تو میرے پاؤں اس جانب کر دو جہاں خانہ خدا نہیں ہے"۔

بعض اوقات نانک کو مسلمان درویش کی پوشاک میں دیکھا گیا۔ ملتان میں مسلمان فقیروں کی ایک جماعت سے ملاقات کرنے پر انہوں نے ان سے کہا کہ وہ محض گنگا دریا کے مانند تھے، جو پاکیزگی اور تقدس کے سمندر میں داخل ہوگیا ہے۔ خیال ہے ان کا اشارہ ملتان کے تقدس کے بارے میں تھا جو مسلمان، اس میں بے شمار صوفی بزرگوں اور درویشوں کے مزارات کی موجودگی کی وجہ سے اور خدا رسیدہ درویشوں کے مسکن ہونے کی وجہ سے خیال کرتے ہیں۔

سفر میں چند برس گزارنے کے بعد، نانک گوجرانوالہ میں ایمن آباد آ گئے اور ایک ترکھان لالو کے ساتھ رہنے لگے۔ مردانہ ربابی، اپنے اہل خانہ سے ملنے کے لیے گھر چلا گیا۔ تلونڈی کا سردار، رائے بہادر، جو پہلے ہی سے نانک کی صلاحیتوں سے متاثر تھا، ان کے حالیہ سفر کے بارے میں سنا تو وہ ان سے ملاقات کرنے کے لیے بے چین ہوگیا اور اس مقصد

کے لیے مردانہ کے ذریعے انہیں ایک پیغام بھیجا۔ نانک نے سردار کے پاس حاضر ہونے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد تلونڈی کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں ان کے والد' ماں' سسر' چچا اور دیگر رشتے دار جمع ہوئے اور ایک بار پھر انہوں نے انہیں آوارہ گردی کی عادت اور فقیر کے اختیار کردہ لباس کو ترک کرنے کے لیے راغب کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ان کے چھوٹے بچوں کو ان کے سامنے پیش کیا اور ان کے اور ان کی ماں کے لیے استدعا کی کہ وہ اپنی سفری عادات کو چھوڑ دیں۔ ان کے والد کی آہیں اور اپنی والدہ اور بیوی کے آنسو غیر متزلزل اور ثابت قدم نانک پر کوئی اثر مرتب نہ کر سکے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل نصیحتی اشعار میں حاضرین مجلس کو جواب دیا:

کھما ہماری ماتا کہیے۔ سنتو کہ ہمارا پتا۔ ستو ہمارا چاچا کہیے۔ جن سنگ منور جتیا۔

"معافی میری ماں ہے' صبر میرا باپ اور سچائی میرا چچا۔ ان سے جو میرے ساتھی ہیں' میں نے اپنے ذہن کو قابو کیا ہے"۔

سن لعلو گن ایسا۔ سگل لوگ بندھن کے باھندی۔ سو گن کہئے کیسا۔

"سن لعلو! یہ نصیحت۔ کیا وہ اس شخص کو خوش و خرم کہہ سکتے ہیں جو دنیاوی بندھن میں جکڑا ہو؟"

بھاؤ بھائی سنگ ہمارے پریم پوت ہموساچا
وہی ہماری دھیرج کہیئی اس سنگ ہم راچا

"مروت میرا بھائی' میرا ساتھی ہے۔ سچا پیار میرا سگا بیٹا ہے۔ برداشت میری بیٹی ہے۔ ان کی سنگت میں میں خوش ہوں"۔

شانت ہماری سنگ سہیلی ست ہماری چیگی
ایہو کوننب ہماری کہیئی سانس سانس سنگ کہیلی

"تسلی میری پکی سہیلی ہے اور پاکیزگی میری کنیز۔ ان کو تم میرے رشتہ دار کہہ سکتے ہو' جو ہر لحہ میرے ساتھ رہتے ہیں"۔

ایک اونکار ہمارا خاوند جس ہم بنت بنای
ادسکو تیاگ اور کولاگے نانک سود کہہ پای

"خدائے واحد جس نے مجھے وجود دیا ہے' میرا مالک ہے۔ اے نانک جو اسے چھوڑ کر کسی اور سے لو لگاتا ہے' برباد ہو جائے گا"۔

رائے بولار نانک کو دیکھ کر اور ان کے وسیع علم و فضل اور پر تاثیر فصاحت و بلاغت

سے بہت خوش ہوا اور انہیں تلونڈی میں رہ جانے پر راغب کرنے کے لیے انہیں زمین پیش کی، لیکن نانک اس جیسی پیشکش سے قطعی بے نیاز تھے۔ تلونڈی میں چند روز ٹھہرنے کے بعد انہوں نے ایک اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔ ان کے چچا لعلو نے انہیں گھوڑوں کی تجارت کرنے کے لیے روپیہ پیش کیا، لیکن نانک نے پیشکش کو ٹھکرا دیا اور اپنے چچا سے یوں مخاطب ہوئے:

سن شاستر۔ سوداگری ست گھوری لے چل۔ خرچ بنه چنگائیان مت من جای گل نرنکار کے دیس جانا یا سکه لے محل۔

"سن شاستر، اور سچائی کے گھوڑوں کی سوداگری کر۔ اپنے رزق کے لیے خرچ بنا لے۔ اس کو کوئی فرضی داستان نہ سمجھو اور خدا کے دیس جانے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرلو تاکہ تمہارے اوپر ہمیشہ رحمت برسے"۔

اس مرتبہ نانک نے بنگال اور اس کے پہاڑوں کی سیاحت کی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کو تبلیغ کے نتیجہ میں انہیں اس مہم کے دوران بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مذہب کی عجیب و غریب تعلیمات میں ان کے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی، لہٰذا انہوں نے اپنے اختیار میں ہر طرح سے اس کی شدید مخالفت کی، لیکن نانک کو کوئی بھی اس کام سے نہ روک سکا جو انہوں نے سچائی کے لیے اپنے اوپر لاگو کر لیا تھا۔ پہاڑوں میں سفر کے دوران ان کی مشہور جوگی گورکھ ناتھ سے بالمشافہ ملاقات ہوئی، جس کے پند و نصائح پورے ہندوستان میں مشہور ہیں اور جس کے چیلے کانوں میں چھید کیے ہوتے ہیں۔ انہوں نے جوگی کے ساتھ طویل گفتگو کی، جس کا مکمل بیان ان کے سفر کے حالات میں ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے نانک نے چند جزیروں کی سیاحت بھی کی۔

افغانستان میں سفر کے دوران وہ اپنے بااعتماد نوکر مردانہ ربابی سے ہاتھ دھو بیٹھے، جو اصل میں ایک مسلمان تھا، لیکن نانک کے نئے مذہب کو اختیار کر لیا تھا، لہٰذا جب خلم کے مقام پر اس کا انتقال ہوگیا تو اسے وصیت کے مطابق جلا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ واپس بٹالہ آگئے اور پھر تلونڈی کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت، ان کا والد کالو اور تلونڈی کا سردار رائے بولار فوت ہوچکے تھے۔ مردانہ کے بیٹے سجادا کو ساتھ لے کر وہ ملتان کے قریب تلمبہ کی طرف چلے گئے۔ یہاں پر ایک بدنام زمانہ ٹھگ نے سجادا کو قیدی بنا لیا اور نانک نے اپنے زور خطابت سے اسے رہا کروا لیا اور ٹھگ کو اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد وہ کابل اور قندھار کی طرف روانہ ہوئے۔

"پنجہ صاحب"

کہا جاتا ہے' راستے میں انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک ڈھلوانی چٹان کو گرنے سے روک دیا تھا۔ جس پہاڑی پر نانک کے ہاتھ کا نشان ہے وہ آج تک موجود ہے اور یہ مقام "پنجہ صاحب" کہلاتا ہے۔ کابل سے واپس آنے کے بعد انہوں نے دوبارہ اپنے دیرینہ دوست لعلو ترکھان کے ساتھ ایمن آباد میں رہنا شروع کر دیا۔

اس وقت نانک کے پیروکاروں میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا تھا اور لوگ اب انہیں ایک درویش اور بزرگ سمجھتے تھے۔ سال ہا سال گزرنے کے بعد ان کی طرز زندگی میں بھی تبدیلی واقع ہوگئی۔ اب وہ معاشرے یا خاندان سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ لعلو ترکھان سے رخصت ہونے کے بعد وہ بالا کے ہمراہ ملتان میں منعقد ہونے والا مشہور میلہ گورچتر دیکھنے گئے۔ یہاں انہوں نے تمام فرقوں اور ذات پات کے جمع ہونے والے لوگوں سے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی۔ بہلول لودھی کے جانشین' بادشاہ دہلی ابراہیم لودھی کے کارداروں نے بادشاہ کو آگاہ کیا کہ ایک فقیر' جس کی تعلیمات قرآن پاک اور ویداؤں سے قطعی مختلف ہیں' لوگوں سے سرعام تبلیغ کر رہا ہے اور اسے جو اہمیت حاصل ہو رہی ہے' ہو سکتا ہے آخر میں وہ حکومت کے لیے خطرناک ثابت ہو۔ شاہی حکم سے نانک کو بادشاہ کے پاس لایا گیا' اس نے ان سے بالمشافہ ملاقات کی اور دین کے بارے میں ان کے خیالات سننے کے بعد حکم دیا کہ انہیں سخت قید میں ڈال دیا جائے۔ نانک کو سات ماہ تک قید خانے میں رکھا گیا اور اس دوران انہیں مکئی پیسنا ہوتی تھی۔ شہنشاہ بابر کی طرف سے ابراہیم پر فتح پانے اور پانی پت کی جنگ (جس میں مغلیہ فوج کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی تھی) میں ابراہیم لودھی کے قتل کے بعد ان کی مصیبت کا خاتمہ ہوا۔

اب نانک نے سندھ کی طرف سفر کیا اور اس صوبہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پاک پتن میں صوفی بزرگ حضرت بابا فرید شکر گنج کے مزار پر حاضری دی۔ یہاں انہوں نے بابا فریدؒ کی اولاد میں سے ایک عالم فاضل مسلمان' بہرام سے مذہبی بحث مباحثہ کیا اور اپنی کتاب تحریر کی جو "آسہ" کے نام سے مشہور ہے۔

کہا جاتا ہے نانک نے اپنے سفر کے دوران' سیلون کی سیاحت بھی کی۔ اس مقام کا راجہ' سیونابھ اور دیگر افراد کی بہت بڑی تعداد نے ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ وہ سیلون میں دو سال اور پانچ ماہ تک رہے اور وہاں اپنی کتاب مرتب کی جسے "پران سنگی" کہا جاتا ہے۔

راجہ نے نانک کو اس بات پر مائل کرنے کی بہت کوشش کی کہ وہ مستقل طور پر سیلون میں رہائش اختیار کر لیں، لیکن بے سود۔ کیونکہ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی نانک اپنے آبائی وطن کی طرف لوٹ آئے۔

نانک کی استنبول میں سیاحت اور سلطان ترکی کے ساتھ ملاقات کے سلسلہ میں ایک کہانی بیان کی جاتی ہے، جو اپنے لالچ اور رعایا پر ظلم و ستم کے سلسلہ میں مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے نانک کے پند و نصائح نے اس پر اس قدر اثر کیا کہ سلطان نے اپنے جمع شدہ خزانے فقیروں اور ضرورت مندوں کو عطا کر دیے اور لوگوں پر ظلم و ستم کرنا بند کر دیا۔

نانک اپنی زندگی کے آخری حصہ میں دریائے راوی کے کنارے آباد ہو گئے اور وہاں مکانات تعمیر کرائے۔ وہ اب خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے رہ رہے تھے اور ان کی رہائش گاہ تمام اقوام کے لوگوں کا عظیم مسکن بن گئی تھی۔ حالانکہ وہ نام اور وضع قطع میں فقیر تھے، لیکن انہوں نے لوگوں کی کثیر تعداد پر اس قدر اثر و رسوخ مرتب کیا تھا کہ وہ انہیں اپنا روحانی پیشوا سمجھتے تھے۔ ان کے اخراجات ایک بادشاہ کی طرح تھے۔ انہوں نے ایک خیرات خانہ تعمیر کروایا تھا، جہاں ہزاروں محتاجوں اور غریب لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ان کی رہائش گاہ کی جگہ ابھی تک دریائے راوی کے کنارے پر موجود ہے اور "ڈیرا بابا نانک" کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے وہاں متعدد مکانات تعمیر کرائے، جو انہوں نے اپنے چیلوں کو مفت دے دیے۔

نانک کے دونوں بیٹوں، **لکھمی** چند اور سری چند میں سے، **لکھمی** چند دنیادار شخص بن گیا۔ اس کے دو بیٹے تھے جن کی اولاد آج بھی موجود ہے۔ سری چند ایک فقیر بن گیا اور وہ اداسی فرقے کا بانی تھا۔ یہ لمبے بال رکھتے ہیں اور اپنے سر پر پگڑی کی طرح باندھتے ہیں۔ وہ پائجامہ نہیں استعمال کرتے بلکہ ایک گز لمبا اور بالشت بھر چوڑا کپڑا پہنتے ہیں، جسے وہ اپنی عریانی چھپانے کے لیے اپنی ٹانگوں میں سے گزار کر باندھ لیتے ہیں۔ اسے لنگوٹی کا نام دیا گیا ہے۔ وہ اپنے جسم پر راکھ مل لیتے ہیں اور بال نہیں ترشواتے۔ ان میں جسم پر کسی حصے میں بھی استرا استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ سری چند کی اولاد "نانک پتر" اور "صاحبزادے" بھی کہلاتی ہے۔ کچھ لوگ انہیں "کرتاری" یا خدا کی عبادت کے لیے وقف مقدس لوگ بھی کہتے ہیں۔

نانک نے ضلع جالندھر میں کرتار پور شہر کی بنیاد بھی رکھی۔ سکھ جس کو بڑا مقدس اور قابل احترام سمجھتے ہیں اور وہاں ایک دھرم شالا تعمیر کیا جو آج بھی موجود ہے۔

نانک کا انتقال --- ۱۵۳۸ء

نانک نے ایک طویل اور سودمند زندگی بسر کی اور ۱۵۳۸ء میں ۷۱ برس کی عمر میں فوت ہوگئے۔ انہوں نے بطور گورو' ساٹھ برس پانچ ماہ اور سات روز تک حکومت کی۔ وہ لاہور سے تقریباً ۴۰ میل کے فاصلے پر دریائے راوی کے کنارے' شہر کرتارپور میں فوت ہوئے' جس کی انہوں نے خود بنیاد رکھی تھی۔ ان کی یاد میں وہاں ایک سمادھ تعمیر کی گئی' جہاں لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم ان کی تاریخ وفات کی یاد منانے کے لیے جمع ہوتا ہے اور مخصوص مذہبی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ لیکن جب سے دریائے راوی اسے بہا کر لے گیا ہے' تو اس کے بعد اب نانک کے لباس کا ایک ٹکڑا اور دیگر نوادرات' ان کی وفات کی یادگار کے طور پر تعمیر کردہ دھرم شالا میں زائرین کے سامنے آج کل بھی رکھے گئے ہیں۔

نانک کی تعلیمات خالصا" الوہیت پر مبنی تھیں۔ وہ خدا کی وحدانیت اور صرف ایک غیر مرئی خدا پر یقین رکھتے تھے اور بت پرستی و مورتیوں کی پوجا کرنے سے سختی سے منع کرتے تھے۔ وہ کہتے کہ سچا اور خالص دین صرف ایک ہے اور تمام انسان برابر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دنیا میں ابھرنے والے بے شمار ادیان اور ذاتیں' انسان کی اپنی اختراع ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے قرآن پاک اور پراناؤں کا مطالعہ کر کے دیکھا ہے لیکن سچا مذہب کسی میں نہیں ملا۔ کیونکہ وہ دونوں کا احترام کرتے تھے' اس لیے اپنے پیروکاروں سے کہا کہ وہ ان میں موجود اچھی باتیں تلاش کرلیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔

ان کی طویل عوامی زندگی میں بہترین کوشش' ان مذہبی اور سماجی اختلاف کو ختم کرنے یا ممکنہ حد تک کم کرنے کے متعلق تھی' جو ہندوستان کے دو بڑی قوموں' ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی کوشش تھی کہ ان میں مفاہمت پیدا کی جائے اور وہ بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی رہے۔ ان کی وفات کے بعد' ان کے پرجوش پیروکاروں نے ان کی تعلیمات کا غلط مطلب نکالا اور فقیروں کے لشکر سے جنگجوؤں میں تبدیل ہوگئے۔ آئندہ وضاحت سے بیان کیا جائے گا کہ ان کے دور کے مخصوص حالات نے انہیں اس راستے پر زبردستی دھکیل دیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کے ساتھ عدم رواداری کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور ان کے مذہب کی تعلیمات نے تمام نسل انسانیت کو ایک دوسرے سے بھائیوں کی طرح پیار و محبت' امن و آشتی' نیکی اور ہم آہنگی کے ساتھ رہنے کی تلقین کی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور ہندو تجسیم کے بارے میں ان کے خیالات

نانک، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پاک اور ہندو تجسیم پر یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور انہیں انسانیت کو سچائی کے راستے پر لانے کے لیے مبعوث کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے، پیغمبر عربی، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برعکس کبھی بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ وہ بذات خود جو تبلیغ کرتے یا لوگوں سے خطاب کرتے ہیں، وہ ان پر آسمان سے اترتا ہے، نہ ہی انہوں نے کبھی اس پر ناز کیا کہ انہیں مافوق الادراک طاقتوں سے نوازا گیا ہے اور نہ ہی اس بات کی شیخی بگھاری کہ ان کے پاس وہ خصوصیات ہیں جو دوسرے لوگوں کے اختیار میں نہیں۔ وہ کہتے کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح گناہ گار انسان ہیں۔ وہ کہتے کہ "وہ خدا کے آستانہ کے ایک فقیر ہیں"۔۔۔ "تو غیر مادی خالق ہے اور نانک تیرا غلام ہے"۔۔۔ "توئی ہے نارائن کار کرتار، نانک بندہ تیرا"۔ یہ، صاحب دل نانک کا پسندیدہ موضوع ہوتا تھا۔ جب ان کا منظور نظر اور دکھ درد کا ساتھی، مردانہ، رباب پر اس شبد کو بجاتا تو انہیں بہت زیادہ مسرت ہوتی۔ ان کی تعلیم یہ تھی کہ خدا ہی سب کچھ ہے۔ وہ لوگوں کو اس بات کی تعلیم دیتے کہ خالق کائنات، بادشاہوں کے بادشاہ، خدائے واحد، واجب الوجود، غیر محدود، قادر مطلق، جس کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ ہی انجام، اس پر ایمان لائیں۔ اچھے کام اپنی جگہ کچھ بھی نہیں بلکہ خدا شناسی ہی نجات کا واحد راستہ ہے۔ کسی پیغمبر یا معلم اخلاق کے پاس یہ اختیار نہیں کہ وہ لوگوں سے اچھائی یا برائی کرے۔ ہر چیز خدا کی طرف سے آتی ہے جو ہماری ضروریات اور حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ بزرگ اور درویش صرف اس کے احکامات کی ترجمانی کر سکتے ہیں اور وہ اپنے طور پر کچھ نہیں۔ ان کا تناسخ کے عقیدہ پر یقین تھا اور وہ کہتے تھے کہ جب کوئی شخص گناہوں کے باعث مجوزہ سزا پا لیتا ہے تو اس کی روح کو خدا کے پاس مسرت جاوداں یا نکلیان مل جاتا ہے۔ اگرچہ اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں، اپنے خاندان سے دور رہنے اور انسانوں کی سنگت سے نفرت کرنے (جو سراسر سچ کی تلاش کے لیے تھی) کے باعث انہوں رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ نانک نے سالہا سال تک سچ کی تلاش میں کوشش کی اور اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ہندوستان اور اس کی حدود سے باہر سفر میں گزارا۔ لیکن کافی دنیا دیکھنے اور

مختلف لوگوں سے بہت زیادہ میل ملاپ کے بعد وہ خود بھی دنیادار آدمی بن گئے اور اپنے خاندان میں رہنے لگے اور لوگ انہیں ایک بزرگ سمجھنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے پیروکاروں کو تعلیم دی کہ ترک دنیا قطعی غیر ضروری ہے اور خدا سب سے یکساں طور پر مہربانی سے پیش آتا ہے' چاہے وہ مسافر ہو یا گھر میں رہنے والا اور بزرگ کی کوٹھڑی اور بادشاہ کے محل میں بادشاہت کے معاملہ میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔

"گرنتھ" یا مقدس کتاب

اس عظیم ہندو مصلح کی تعلیمات' ان کی اپنی تحریر کردہ مقدس کتاب "گرنتھ" میں بیان کی گئی ہیں۔ اس کو گورو نانک کے ایک جانشین گورو گووند کے مرتب کردہ' دوسرے حصہ سے ممیز کرنے کے لیے "آدی گرنتھ" کہا جاتا ہے۔ گورو گووند نے اپنے پیشرو کے قواعد و ضوابط میں بڑی حد تک ردوبدل کیا اور اپنے پیروکاروں میں جنگ اور فتح کے خیالات پیدا کر کے انہیں پرامن رعایا سے جنگجو قبیلے میں تبدیل کر دیا۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ نانک نے کبھی بھی کراماتی طاقتوں کا دعویٰ نہیں کیا یا مافوق الفطرت کارنامے سرانجام دینے میں دکھاوا نہیں کیا' اس کے باوجود ان کے سریع الاعتقاد پیروکار ان سے چند کرامات منسوب کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ نانک' خدا کا اوتار ہیں اور اپنی عبادات میں اور دعاؤں میں اپنے بادشاہ یا نجات دہندہ کے طور پر ان کا نام لیتے ہیں۔ ان کی کرامات کے بارے میں بے شمار کہانیاں زبان زد خاص و عام ہیں۔ ان میں سے چند کو اس لیے یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ حوالہ کے طور پر ان کے پیروکاروں میں ان کے کردار کے بارے میں پائے جانے والے تصورات اور خیالات کو پیش کیا جا سکے۔

قومی ترانہ "واہ گورو" کی ابتداء

ایک دن نانک کو اوپر سے ایک آواز سنائی دی' جو اس سے کہہ رہی تھی کہ آؤ۔ نانک نے آواز سننے پر حیرت سے کہا: "اے خدا' میرے پاس کیا طاقت ہے کہ میں تمہاری موجودگی میں ٹھہر سکوں؟" آواز نے نانک کو حکم دیا کہ آنکھیں بند کر لو۔ نانک نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور روانہ ہوگئے۔ اس کے بعد انہیں آنکھیں کھول کر دیکھنے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور سنا کہ لفظ "واہ" پانچ مرتبہ دہرایا گیا اور اس کے بعد "واہ گورو جی" سنائی دیا۔ اس کے بعد نانک کی خدا سے گفتگو شروع ہوئی جس نے انہیں اس

بات سے آگاہ کیا کہ انہیں اس دنیا میں' کالیوگ میں موجود انسانیت کا معلم بنا کر بھیجا گیا ہے اور انہیں لوگوں کو سچائی اور نیکی کے راستے پر لانا ہے۔

امرتسر کا تالاب

ایک دن نانک کو پیاس لگی تو انہوں نے بدھا (جو گاؤں کے قریب ان کے مویشیوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا) سے کہا کہ وہ قریبی تالاب سے برتن میں پانی لے آئے۔ بدھا نے کہا' وہاں ایک تالاب ضرور ہے لیکن وہ خشک ہوگیا ہے۔ نانک نے کہا "جاؤ اور دیکھو' تالاب خشک نہیں ہے"۔ بدھا گیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تالاب پانی سے لبریز ہے حالانکہ صبح اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ وہ نانک کے لیے پانی لایا اور ان کا چیلا بن گیا۔ یہاں گورو ارجن نے ایک نیا تالاب تعمیر کروایا اور اسے امرتسریا "آب حیات" کہا۔

نوجوانی میں اپنے مویشیوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے اور دن بھی خاصے گرم تھے' لہٰذا نانک ایک درخت کے سائے تلے سونے کے لیے گئے۔ سورج مغرب کی طرف گامزن تھا اور اس کی شعاعیں نانک کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ ایک کالے ناگ نے یہ دیکھا تو قریب آکر اپنا چوڑا پھن نانک کے چہرے پر پھیلا دیا تاکہ وہ شعاعوں سے محفوظ رہ سکے۔ تلونڈی کے سردار رائے بولار نے یہ دیکھا تو نانک کے والدین کو یہ خوشخبری سنائی کہ ان کا بیٹا انسانوں کا رہنما بنے گا اور اس کے لیے عظیم مستقبل منتظر ہے۔ کالو نے حقارت سے کہا کہ "خدا کے معاملات' خدا ہی بہتر جانتا ہے"۔ وہ مقام جہاں یہ واقعہ رونما ہوا' "کیرا صاحب" کہلاتا ہے اور سکھوں نے اس واقعہ کی یادگار کے طور پر وہاں ایک بہت بڑی عمارت تعمیر کر دی ہے۔

ایک مرتبہ' نواب دولت خاں نے نانک کے ساتھ بحث کرتے ہوئے کہا کہ وہ (نانک) بت پرستی سے منع کرتے ہیں' خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرتے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ مسلمان ہیں اور اب کوئی چیز سرعام کلمہ حق کہنے میں ان کے راستے میں مزاحم نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ وہ انہیں مسجد میں لے گیا' لہٰذا نانک نے بظاہر نماز میں شامل ہونے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ ہندوؤں کو اس بات پر بڑی تشویش ہوئی کہ نانک نے دین اسلام اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے' حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ حقیقت میں خود بھی ہندو نہیں تھے۔ تاہم' جب نماز پڑھی جانے لگی تو نانک الگ کھڑے ہوگئے اور جماعت میں حصہ نہیں لیا۔ نواب کو اس سے بڑی مایوسی ہوئی۔

اس نے نانک سے دریافت کیا "نماز میں شامل نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟" نانک نے کہا کہ "امام کا ذہن منتشر ہے اور وہ اپنے بیٹے کی نالائقی پر پریشان ہے اور اسے اس بات کا خدشہ بھی ہے کہ کہیں اس کا بچھڑا کنویں نہ گر جائے' کیونکہ اسے اچھی طرح کھونٹے سے نہیں باندھا گیا اور نواب' قندھار سے گھوڑوں کی خرید کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ جب یہ خیالات پیدا ہوں تو میں ایسے آدمیوں کے پیچھے نماز کس طرح پڑھ سکتا ہوں"۔ امام نے اس بات کو تسلیم کیا کہ نانک نے جو کچھ کہا ہے' وہ سچ ہے اور اس کی توجہ نماز میں بٹی ہوئی تھی۔ نواب نے بھی یہ تسلیم کیا کہ وہ جس وقت بظاہر نماز میں مصروف تھا تو وہ قندھار میں گھوڑوں کی سودے بازی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس چیز نے پوری جماعت کو حیران کر دیا اور ہندو' جن کے ذہن بہت زیادہ پریشان ہوگئے تھے' اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ نانک نے سرعام دین اسلام قبول نہیں کیا۔ چنانچہ مسلمانوں میں عام طور پر یہ تصور پیدا ہوگیا کہ نانک سچے مسلمان ہیں' جیسا کہ مندرجہ ذیل بیان سے بھی اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ جب نانک کا انتقال ہوا تو ان کے جسد خاکی کا بندوبست کرنے کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک جھگڑا پیدا ہوگیا۔ ہر فریق اپنے مذہب کی نوعیت کے مطابق آخری رسومات ادا کرنا چاہتا تھا۔ ہندوؤں نے کہا' چونکہ نانک ایک ہندو تھے لہٰذا ان کی نعش کو عقیدے کے مطابق جلا دینا چاہیے' جبکہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ تھا کہ مرحوم' مسلمان تھے' لہٰذا ان کے جسد خاکی کو مسلمانوں کی رسوم کے مطابق دفن کیا جائے گا۔ دونوں فریقین کے درمیان جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور تلواریں کھینچ لی گئیں' لیکن چند دانا آدمیوں کی مداخلت سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کی نعش کو نہ تو جلایا جائے اور نہ ہی دفن کیا جائے بلکہ دریا میں بہا دیا جائے۔ جب لوگ اس کمرے میں داخل ہوئے' جہاں ان کی نعش پڑی ہوئی تھی تو انہیں یہ دیکھ کر انتہائی حیرانگی ہوئی کہ جب انہوں نے چادر ہٹائی تو نعش وہاں نہیں تھی۔ سب نے اندازہ لگایا کہ کوئی بھی فریق خفیہ طریقے سے اس کو نکال کر لے گیا ہے' لیکن درحقیقت' صرف چادر زمین پر پھیلی ہوئی تھی اور اس کے نیچے چند پھول پڑے ہوئے تھے اور لاش غائب تھی۔ مسلمانوں نے آدھی چادر لے کر اسے دفن کر دیا اور آخری رسومات ادا کیں' جبکہ ہندوؤں نے اپنے حصے کی آدھی چادر کو جلا دیا۔

ایمن آباد میں وہ مقام' جہاں نانک جنگل میں کچھ دیر کے لیے سوئے تھے' "روڑی صاحب" کہلاتا ہے کیونکہ وہاں اصل میں روڑی اور پتھروں کا ایک ڈھیر تھا' جسے نانک ایک عبادت گاہ کے طور پر استعمال کرتے اور اس کے سامنے عبادت کرتے تھے۔ وہ سلطان پور

کے قریب دریائے بیاس کے پانی میں مسلسل تین دن تک کھڑے رہے۔ اس اثناء میں نہ کچھ کھایا اور نہ ہی پیا اور سارا وقت عبادت اور ریاضت میں گزار دیا۔ جس درخت کے نیچے وہ کھڑے ہوتے' اسے "بابا کی بیر" کہا جاتا ہے اور وہ جگہ' جسے وہ غسل کے لیے استعمال کرتے' "سنت گھاٹ" کے نام سے مشہور ہے۔

پنجاب میں بابر کی مہمات میں سے ایک کے دوران' نانک کو متعدد پیروکاروں کے ہمراہ بشمول مردانہ کے' ایمن آباد میں گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ بابر جو خود عربی اور فارسی کا بہت اچھا عالم اور شاعر بھی تھا' وہ نانک کے ساتھ گفتگو کر کے بہت خوش ہوا اور کئی موضوعات پر دی جانے والی دلچسپ معلومات سے بھی اسے خوشی ہوئی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ فقیر کو قیمتی تحائف عنایت کیے جائیں' لیکن نانک نے انہیں لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ان کا بہترین انعام' اپنے خالق کی عبادت سے ہونے والی اندرونی خوشی ہے اور کیونکہ ان کی زندگی کا مقصد بادشاہوں کے بادشاہ کو خوش کرنا ہے' چنانچہ انہیں اس کے بنائے ہوئے بادشاہوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ بادشاہ کے پاس ایک غلام بڑی محنت سے تیار کردہ ایک نشہ آور دوائی لے کر آیا۔ بادشاہ نے اس میں سے کچھ لے کر حکم دیا کہ اس میں سے کچھ فقیروں کو دی جائے' لیکن نانک نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر لی: "وہ آدمی جو ہر وقت خدا کے نشے میں غرق رہتا ہو' یہ دارو کوئی اثر نہیں کر سکتا"۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ بابر نے اپنی توزک میں سکھ مذہب کے بانی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ لیکن غالباً یہ اس وجہ سے ہے کہ نانک کو اس وقت کافی شہرت نہیں ملی تھی اور جس وقت بادشاہ اپنی زندگی اور کارناموں کے متعلق بیان لکھنے میں مصروف تھا' انہیں اس قدر اہمیت حاصل نہیں ہوئی تھی جو بادشاہ کی توجہ حاصل کر سکتی۔

ایک موقع پر نانک نے دیکھا کہ برہمنوں کی ایک جماعت' اشاروں سے دریا کے پانی کو اپنے ہاتھوں کے ذریعے اچھال رہی ہے' جیسے وہ اپنے کھیتوں کو سیراب کر رہے ہوں۔ ان کے چہرے مشرق کی جانب تھے۔ یہ رسم اس توہمانہ خیال کے ساتھ ادا کی جا رہی تھی کہ ان کے ہم مذہب ساتھیوں کی پیاس' جو فوت ہو چکے ہیں' نیکی کے اس عمل سے بجھ جائے گی۔ نانک' جو دوسرے کنارے پر کھڑے تھے' ان کی حرکات و سکنات کی نقل اتارنا شروع کر دی' لیکن اپنا چہرہ مغرب کی طرف کیے رکھا۔ برہمنوں نے' جو نانک کو ایک فقیر سمجھے ہوئے تھے' یہ خیال کر لیا کہ یہ شخص اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے۔ انہوں نے ان سے اس پاگلانہ حرکت کا مطلب پوچھا اور انہیں اس بات سے آگاہ کیا کہ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں'

سب بیکار ہے اور انہیں اس بات کی امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ ان مجنونانہ حرکات سے مردوں کی پیاس بجھالیں گے۔ نانک نے جواب دیا: "میں اپنے مردوں کو پانی نہیں فراہم کر رہا' بلکہ میں تو کرتار پور میں اپنے کھیتوں کو سورج کی جھلسا دینے والی گرمی سے بچانے کے لیے سیراب کر رہا ہوں"۔

"کرتار پور میں اپنے کھیتوں کو پانی دینے کے لیے؟" برہمنوں نے پرجوش اور خفگی کے انداز میں دریافت کیا۔ "یہ تو بہت لمبا فاصلہ ہے' یہ مٹھی بھر پانی اتنے زیادہ فاصلے پر موجود تمہارے کھیتوں کو کیسے فائدہ پہنچا سکتا ہے؟"

نانک نے تنگ آ کر جواب دیا "تو پھر تمہارا پانی کس طرح اگلے جہان میں جا کر تمہارے مردوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اگر پانی دنیا میں موجود میری فصلوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو وہ اگلے جہان میں تمہارے مردوں کو کس طرح فائدہ پہنچا سکتا ہے؟"

نانک نے یہ کبھی خیال نہیں کیا تھا کہ انہوں نے جو منصب بنایا ہے' وہ موروثی بن جائے گا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا آخری وقت آن پہنچا ہے' تو انہوں نے اپنے ایک وفادار چیلے لہنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ ان کے بیٹے اور دوسرے چیلے اس سے حسد کرنے لگے' لیکن اس نے اپنی ایمانداری اور وفاداری کے ثبوت فراہم کر دیے۔ نانک نے راستے میں ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی دیکھی تو کہا: "جس کو میرے اوپر بھروسہ ہے' اس غذا کو کھانے میں حصہ لے"۔ ان کے بیٹے کے سمیت سب لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن صرف نانک کا واحد دوست اور چیلا' مردے کے اوپر جھپٹا اور مردے کو کھانے ہی لگا تھا کہ نانک نے اسے گلے لگا لیا۔ انہوں نے اس وقت اعلان کیا کہ اس لمحے' ان کی اپنی روح' لہنہ کے جسم میں داخل ہو گئی ہے' لہٰذا اسے خود کو نانک سمجھنا چاہیے۔ انہوں نے اس کے نام کو لہنہ سے تبدیل کر کے "اگنی خود" یا "**انگد**" رکھ دیا' جس کا مطلب "میرا اپنا جسم" ہے۔ سکھوں میں یہ خیال عام طور پر پایا جاتا ہے کہ ہر جانشین گورو کو نانک کی روح ورثے میں ملتی ہے۔

۲- گورو انگد

لہنہ نے گورو کا جانشین بننے پر "**انگد**" کا لقب اختیار کیا' جو اس کے مشہور و معروف اور ممتاز پیشرو نے اس کی وفاداری اور خدمت کے صلے میں اسے دیا تھا۔ **انگد**' ۱۵۰۴ء (سمت' ۱۵۶۱ء) میں' چھتریوں کی ایک گوت' تیرہون میں' گوونددوال کے قریب دریائے بیاس

پر واقع موضع حدور میں اپنے مکان میں پیدا ہوا۔ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ سکھ مذہب بھی آہستہ آہستہ دیگر کئی مذاہب کی طرح مکمل طور پر ختم ہو جاتا اور گمنامی میں ڈوب جاتا' اگر اس کا بانی دور اندیشی اور دانشمندی سے اپنے جانشین مقرر نہ کرتا اور اپنے پیروکاروں میں آرزومندی اور خواہش کا جذبہ پیدا نہ کرتا' جس نے یقینی طور پر کافی حد تک اسے قائم رکھا ہے۔

نانک نے اپنی زندگی' انسان کو نیکی اور سچائی کے راستے پر تعلیم دینے کے لیے وقف کر دی۔ ان کے مقاصد قطعی بے لوث تھے اور وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے قوم کی بھلائی چاہتے تھے اور جن لوگوں میں رہتے تھے' ان کی خوشحالی کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا منصب نہ تو اپنے بیٹوں اور نہ ہی ابتدائی پیروکاروں کو سونپا' (جو غالباً ان کی زندگی میں قریب نہیں رہے تھے) بلکہ انگد کے حوالے کر دیا جو ان کی وفات سے کافی عرصہ پہلے ان کے پاس آگیا تھا' لہٰذا انہوں نے اس کو اس مقصد کے لیے مناسب خیال کیا۔ انگد اپنی روزی اپنے ہاتھوں سے ون یا منج کی رسی بٹ کر کماتا تھا۔

وہ کانگڑا کے قریب جوالا مکھی میں دیوی کا بہت احترام کرتا تھا اور ہر سال پیدل جا کر اسے خراج عقیدت پیش کرتا تھا۔ نانک کا چیلا بننے کے بعد اس نے ہر سال دیوی کی زیارت کو جانا بند کر دیا اور اس بات پر متفق ہوگیا کہ دیوی کے پاس حاضری دینے اور اس کے بت کی پوجا کرنے کے مقابلے میں 'گورو کی خدمت یہاں اور اگلے جہاں' دونوں جگہ فائدہ مند ہے۔

انگد کی نانک سے بڑی گہری وابستگی تھی اور وہ ان کا پرجوش خدمت گار اور پکا دوست تھا۔ اس کے پاس ذاتی طور پر کوئی خصوصیات نہیں تھیں' لیکن اس نے بڑی جانفشانی سے اس راستے پر چلتے ہوئے' جو نانک نے اپنے جانشینوں کے لیے ہموار کیا تھا' اپنے گورو کے مذہب کو پھیلایا۔

اس نے اپنے عظیم گورو کے متعلق (۳) جو کچھ زبانی یاد تھا اور جو کچھ نانک کے دیرینہ ساتھی بالا نے اسے بتایا' سب کچھ لکھنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ اس نے اپنی ریاضت کے مشاہدات کے نتائج کے بارے میں بھی لکھا' جو "گرنتھ" میں درج ہیں۔

انگد کے دو بیٹے تھے اور دونوں دنیادار ہوگئے۔ اس نے اپنا صدر مقام ڈیرا بابا نانک سے اپنے گاؤں حدور میں منتقل کر لیا۔ اس کے پاؤں میں سخت تکلیف تھی اور آخرکار وہ اسی کے باعث ۱۵۵۲ء میں اکبر کی حکومت کے تیرہویں برس' گورو کے طور پر پندرہ سال

حکومت کرنے کے بعد فوت ہوگیا۔ اس کی سمادھ اس کے آبائی گاؤں میں تعمیر کی گئی۔

۳۔ گورو امرداس

معلوم ہوتا ہے اس وقت ایک شائستہ ذہن اور باقاعدہ کمالات ایسی قابلیت نہیں تھی جو کسی شخص کو ایک گورو کی مسند پر بیٹھنے کا اہل بناتی۔ کسی حاکم گورو کے لیے جانشین تلاش کرنا بڑے اخلاقی حوصلے اور سرگرمی کا کام تھا۔ امرداس' جسے جانشینی کے لیے چنا گیا' گورو انگد کا انتہائی بااعتماد اور وفادار چیلا تھا اور ہر وقت اس کی خدمت پر مامور رہتا تھا۔ وہ بھلہ قبیلے کا ایک چھتری تھا اور ۱۵۰۹ء میں ضلع امرتسر میں ایک گاؤں "واسرکی" میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے پیشرو کی طرح' ادنیٰ گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور خچر کے ذریعے اشیاء کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا کر اپنی روزی کماتا تھا اور یہی خچر اس کی کل جائیداد تھی۔ فقیروں کی صحبت کا شوق اسے موضع حدور لے آیا اور وہاں اس نے گورو انگد کو اپنا روحانی پیشوا بنا لیا۔ اس نے دل و جان سے اس کی خدمت کی اور گورو کے لیے اپنے آرام و سکون کو قربان کر دیا۔ تاہم اس نے گورو کے گودام سے کبھی کوئی چیز نہیں کھائی بلکہ منڈی میں نمک اور تیل فروخت کر کے اس کی آمدنی سے حاصل شدہ چھوٹی چھوٹی رقموں سے اپنا گزارہ کرتا تھا۔ وہ اپنے گورو کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ اس کی جانب اپنی پشت نہیں کرتا تھا اور تمام مواقع پر آدھی رات کے وقت بھی' جب اسے دریا پر جانا ہوتا تو' وہ الٹے پاؤں چلتا۔ اس کا منہ گورو کے مکان کی طرف رہتا تھا۔ ایک اندھیری اور طوفانی رات کو بارش اور گھن گرج و کڑکتی بجلیوں کے درمیان جب امرداس اپنے گورو کے لیے دریا سے ایک مٹی کے گڑھے میں پانی لے کر واپس جا رہا تھا تو وہ حادثاتی طور پر ایک جولاہے کے مکان کے قریب ایک کھائی میں گر گیا اور گھڑا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ جولاہے نے شور سے اندازہ لگایا کہ کوئی شخص گڑھے میں گر گیا ہے' چنانچہ اس نے بیوی سے کہا: "رات کے اس پہر کون ایسا بدبخت آوارہ گرد ہے جو گھوم پھر رہا ہے؟ یہ ضرور وہی بے چارہ خانہ بدوش "امرو" ہی ہوگا"۔ امرو بغیر کسی سہارے کے' گڑھے سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا تو اس نے دوسرا گھڑا لیا اور دوبارہ تازہ پانی لانے کے لیے دریا کی طرف چل دیا۔ اس کے گرو نے بغیر یہ جانے ہوئے غسل کا لطف اٹھایا کہ رات کو اس کے وفادار امرو کے ساتھ کیا مصیبت پیش آئی۔ اگلے روز لوگوں نے گورو کو بتایا کہ گزشتہ رات کیا ہوا تھا۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ لوگ امرو کو بے گھر کہتے ہیں۔ گورو اپنے چیلے کی وفاداری اور خلوص کا معترف ہوگیا۔ اس نے اسے

گردن سے پکڑا اور کہا: "امرو بے گھر نہیں ہے بلکہ بے گھروں کا گھر ہے۔ جو کوئی بھی اس کی پیروی کرے گا' وہ اپنے مالک کے پاس گھر پا لے گا"۔ اس کے بارے میں فوراً اعلان کر دیا گیا کہ وہ انگد کا جانشین ہوگا۔ اس پر امرداس نے اس کے سامنے سر جھکا دیا۔ انگد نے اسے پانچ پیسے اور ایک ناریل پیش کیا۔ اس کے بعد سبھی نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔

انگد کے انتقال کے بعد' امرداس نے گووند وال میں رہائش اختیار کرلی۔ وہ بطور ایک معلم کے بہت کامیاب تھا۔ اس کی تبلیغ کی سرگرمی اور جوش و خروش کے ساتھ ساتھ اس کی منکسر المزاجی اور فراخ دلی کے باعث' کئی افراد نئے مذہب میں داخل ہوئے۔ وہ ایک انصاف پسند' دانش مند' منکسر المزاج اور متحمل طبیعت کا گورو تھا۔ اس نے انتہائی خوبصورت اشعار مرتب کیے' جو گرنتھ میں شامل کیے گئے ہیں اور اپنے سادہ اسلوب بیان اور خیالات کی پاکیزگی کے باعث بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ بلند خیالات کا مالک اکبر بھی اسے بڑے تحمل سے سنتا تھا۔ اس نے سری چند کے قائم کردہ اداسیوں کے جامد اور کاہل فرقہ کو متحرک اور دنیا دار سکھوں سے علیحدہ کر دیا اور انہیں ایک امتیازی فرقہ کی حیثیت سے گمنامی میں کھو جانے سے منع کیا۔

اس نے گورو نانک کی شروع کی گئی حکمت عملی پر عمل درآمد کرتے ہوئے ستی کی منظوری نہ دی (جس کی اجازت کئی زمانوں سے دی جاتی رہی تھی') اور ہندو بیواؤں کی ازسرنو شادی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہ وہ عورت جو اپنے خاوند سے محروم ہو جاتی ہے' انتہائی کڑی آزمائش سے گزرتی ہے اور درحقیقت یہی ستی ہے نہ کہ خودکشی' جو آخرکار چتا پر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ یہ انتہائی نرم شکل تھی' جس میں دانش مند گورو نے ستی جیسی مہلک رسم پر لعنت بھیجی۔

اپنے چیلوں کے پیش کردہ نذرانوں سے امرداس' گووند وال میں ایک باؤلی یا بہت بڑا مستطیل تالاب تعمیر کرنے کے قابل ہوگیا' جس کی کنارے سے گہرائی چوراسی زینے ہے۔ اس کے ساتھ مسافروں کے لیے دن کی گرمی کے دوران آرام کرنے اور کھانے پینے کے لیے چھت دار کمرے اور گھاٹ ہیں۔ سکھوں کا عقیدہ ہے کہ جو شخص ان چوراسی زینوں پر غسل کرتے ہوئے جپ جی پڑھتا ہوا آخری زینے پر پہنچتا ہے' تو وہ آواگون کی چوراسی لاکھ شکلوں سے آزاد ہو کر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس باؤلی پر ابھی تک ہر سال ایک بہت بڑا میلا منعقد ہوتا ہے' جس میں گورو اپنے مرحوم گورو کی یاد منانے کے لیے ہر جگہ

سے بہت بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔

امرداس نے گورو نانک کے مذہب کو' تبلیغ اور لوگوں سے بحث مباحثے کے ذریعے پھیلانے اور ملک کے مختلف حصوں میں سفر کرنے کے لیے اپنے بائیس منتخب چیلوں کو روانہ کیا۔

گورو امرداس کے دو بیٹے' بابا موہن اور موری مل اور دو بیٹیاں' بی بی بھانی اور بی بی رامی تھیں۔ جب امرداس کی باؤلی زیر تعمیر تھی تو اس پر معماروں اور دیگر کاریگروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو کام پر لگایا گیا تھا اور یہ دیکھنے کے لیے کہ کام کس طرح ہو رہا ہے' تماشائیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم وہاں جمع ہوا کرتا تھا۔ انہیں میں' سوڈھی فرقے کا ایک چھتری لڑکا رام داس بھی ہوتا تھا۔ سوڈھی راؤ کی اولاد میں سے تھا (جس نے لاہور کا تخت و تاج اپنے چچا کلپت راؤ کے نام کر دیا تھا)۔ وہ بہت خوبصورت نوجوان تھا۔ ایک دن وہ بابا امرداس کے دروازے کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ حسن اتفاق سے امرداس نے اپنے خاندانی پیشوا کو بلوایا اور اسے کہا کہ "مصر' ہماری چھوٹی بیٹی اب بھرپور جوان ہو گئی ہے۔ جاؤ اور اس کے لیے کوئی مناسب رشتہ دیکھو' تاکہ ہم اس کی منگنی کر سکیں"۔ پیشوا نے رام داس کی طرف اشارہ کر کے گورو سے پوچھا "لڑکا اس عمر کا ہو؟" گورو نے دریافت کیا کہ یہ لڑکا کس ذات سے تعلق رکھتا ہے اور جب اسے بتایا گیا کہ یہ سوڈھی چھتری ہے تو گورو نے کہا "ہماری لڑکی اب اس لڑکے کی ہے' کیونکہ چھتریوں کا یہ مذہبی دستور ہے کہ ذہن میں سب سے پہلے جو خیال آئے' اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے"۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ لڑکا اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور فوراً لڑکے کے پلو میں سگائی کے تحائف رکھ دیے۔ چند دنوں کے بعد شادی ہو گئی اور اس نے بھلوں اور سوڈھیوں کے خاندان کو متحد کر دیا۔

امرداس کو خاص طور اپنی بیٹی موہنی سے اس کی محبت فرزندی اور اطاعت کے باعث بہت پیار تھا اور اسی وجہ سے اس نے اپنے بیٹے موہن اور دیگر چیلوں کو نظرانداز کر دیا تھا اور اپنی مہربانیاں اور عنایات اپنے داماد رام داس پر نچھاور کر دیں' جو بعد میں اس کا جانشین بنا۔

امرداس' بائیس برس تک بطور گورو کے حکومت کرنے کے بعد' ۱۴ر مئی ۱۵۷۴ء کو گووندوال میں انتقال کر گیا۔ اس کی سمادھ گووند وال میں تعمیر کی گئی' لیکن اب دریا اس کو بہا کر لے گیا ہے۔

۴۔ گورو رام داس

سوڈھی قبیلے کا چھتری، گورو رام داس، لاہور کا رہنے والا تھا۔ اس کے والدین ہجرت کر کے گووند وال آ گئے جہاں غربت کے باعث رام داس نے ابلے ہوئے چنے فروخت کرنے کا راستہ اختیار کیا اور اس کے باعث وہ اپنا اور اپنے غریب والدین کا پیٹ پالتا تھا۔ وہ نہایت باصلاحیت، اپنے مالک کے انتخاب کے شایان شان اور اس کی بیوی اس پر بہت مہربان تھی اور اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ وہ کم گو اور صلح کن طبیعت کا مالک تھا، نیز اس کی پرہیزگاری اور زہد کے ساتھ ساتھ، اس کی فصاحت و بلاغت اور توانائی نے سینکڑوں چیلوں کو اس کے جھنڈے تلے جمع کر دیا تھا۔ اس نے بڑی تندہی سے علم و ادب حاصل کیا، نیز اس کے بہترین اشعار، جن میں اس نے اپنی تعلیمات کی تشریح کی ہے، انہیں "گرنتھ" میں شامل کیا گیا ہے۔

اس دور میں سکھوں یا چیلوں کے رضاکارانہ طور پر پیش کردہ نذرانوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا اور وہ شاہانہ انداز میں رہنے کے قابل ہوگیا۔ لاہور میں اس کی بالمشافہ ملاقات بردبار اکبر سے ہوئی۔ وہ اس کے کمالات سے بہت خوش ہوا اور اس کی توقیر اور پسندیدگی کے اعتراف میں اسے ایک قطعہ زمین عنایت کر دیا، جسے اس کی گول شکل کے باعث چکر رام داس کا نام دیا گیا۔ یہاں پر رام داس نے بڑے شاہانہ انداز میں ایک پرانے تالاب کو بحال کر کے اسے امرتسر یا "لازوال تالاب" کا نام دیا اور اس کے درمیان اس نے ایک گوردوارہ تعمیر کرایا اور اسے ہرمندر یا "ہری کا مندر" کا نام دیا۔

اس تالاب کے اردگرد فقیروں کی جھونپڑیاں اور چھوٹے مندر تعمیر کیے گئے اور گورو کے پیروکار اور چیلے یہاں آ کر آباد ہوگئے۔ گورو بھی اکثر اوقات گووندوال سے آ کر یہاں رہتا اور وقت کے ساتھ ساتھ نئے شہر کو "گورو کا چک" کی بجائے امرتسر (آب حیات) کہا جانے لگا۔ یہ نام اس کے بانی نے دیا تھا اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔

شہنشاہ اکبر سے ایک ملاقات پر رام داس نے اس کے سامنے یہ گزارش کی کہ بادشاہ سلامت کے اپنے لشکر اور بہر و بنگاہ کے ہمراہ لاہور میں قیام کرنے سے خوراک کی قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے اور اب جبکہ دربار اس مقام سے رخصت ہو جائے گا تو وہ گر جائے گی اور اس کے نتیجہ میں رعیت بہت متاثر ہوگی، چنانچہ اس نے بادشاہ کے حضور میں یہ گزارش کی کہ وہ غریب رعیت کے لیے ایک سال کا لگان معاف کر دے۔ بادشاہ اکبر نے اس کی درخواست منظور کر لی اور وہ گورو کی غریبوں سے ہمدردی پر بہت زیادہ متاثر

ہوا۔ گورو کی طرف سے بادشاہ کو پیش کردہ عرضداشت چونکہ خیرخواہی کے محرکات پر مبنی تھی اور کہا جاتا ہے کہ اس کی کامیابی نے جاٹوں اور زمینداروں میں اس کی شہرت اور مقبولیت کو چار چاند لگا دیے' جو ہر جانب سے اس کے گرد جمع ہوگئے تھے اور انہوں نے بڑی حد تک اس کی طاقت اور شہرت میں اضافہ کر دیا۔

ایک مرکزی مقام پر امرتسر شہر کی بنیاد رکھ کر گورو نے بطور ایک قوم کے سکھوں کے مستقبل کی عظمت کی بنیاد رکھ دی' کیونکہ اب وہ ایک ایسی مشترکہ عبادت گاہ میں جمع ہونے کے قابل ہوگئے تھے' جو فاصلے اور زمین کی زرخیزی کے معاملہ میں سہل جگہ پر واقع تھی۔ پرامن ذہن اور شریفانہ رویے کے ساتھ ابھی تک وہ اپنے پہلے گورو کے وضع کردہ خالص اصولوں پر کاربند تھے' جن میں انہیں متحد رہنے اور بھائی چارے کے ان جذبات کو پیدا کرنے اور انہیں پروان چڑھانے کی تلقین کی گئی تھی جو قومی یکجہتی کو مضبوط کرتے اور حب الوطنی کے سچے اصولوں پر ایک جمہوری حکومت کی تشکیل کے راستے کو ہموار کرتے ہیں۔

امرداس کی بیٹی سے رام داس کے تین بیٹے تھے۔ پہلے کا نام مہادیو تھا' وہ فقیر ہوگیا۔ دوسرا پرتھی داس تھا' جو دنیا دار شخص بن گیا اور تیسرا ارجن یا ارجن مل تھا' وہ اپنے باپ کا منظور نظر تھا اور اس کے بعد گورو کے طور پر اس کا جانشین بنا۔

اسی دور سے گدی کی جانشینی موروثی بن گئی' جس نے حقیقی طور پر سکھوں کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا' کیونکہ اس کے بعد چیلوں نے گورو کو نہ صرف اپنا روحانی پیشوا بلکہ دنیاوی مالک اور حکمران بادشاہ بھی سمجھنا شروع کر دیا۔

رام داس' سات سال تک بطور گورو رہنے کے بعد' مارچ ۱۵۸۱ء میں انتقال کر گیا اور دریائے بیاس کے کنارے پر اس کی یاد میں ایک سادہ تعمیر کی گئی۔

۵۔ گورو ارجن

امرداس کی بیٹی بھینی' مستقبل کے تمام گوروؤں کی ماں بننے کی آرزومند تھی۔ چنانچہ اس نے اس مقصد کے لیے اپنے والد کو خوش رکھنے کی بھرپور کوشش کرنا شروع کر دی' جس کے متعلق اس کا عقیدہ تھا کہ وہ اس کی خواہش پوری کر سکتا ہے۔ اس کے والد نے تمام موقعوں پر بھینی کی جانب سے اپنے لیے بے پناہ محبت کو محسوس کیا تو ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی بساط کے مطابق اسے ضرور نوازے گا۔ چنانچہ' اس نے ایک موقع پر اس سے پوچھا کہ وہ اس کے بے پناہ پیار و محبت کے بدلے میں اسے کیسے نواز سکتا ہے؟ اس پر اس زیرک

لڑکی نے مطالبہ کیا کہ گورو کی گدی کو اس کی اولاد میں موروثی بنا دیا جائے۔ اپنے خاوند کے انتقال پر اس کی خواہش پوری ہوگئی اور اس کا بیٹا' ارجن' جو رام داس کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا' گورو کی مسند پر ۱۵۸۱ء میں بیٹھا۔ آمر بننے کے بعد ارجن امرتسر میں آباد ہوگیا۔ وہ پہلا گورو تھا جس نے تسبیح اور درویشانہ لباس کو چھوڑ کر قیمتی لباس زیب تن کیا اور اپنے آباؤ اجداد کی درویشانہ گدی کو شاہانہ تخت میں تبدیل کر دیا۔ اس نے بے شمار نوکر چاکر' عمدہ ہاتھی گھوڑے اپنے پاس رکھے اور شاہانہ انداز میں زندگی گزاری۔ وہ ایک توانا اور پرعزم گورو تھا اور اس کے خیالات بلند تھے۔ اس نے سکھوں کو ایک برادری کی شکل میں منظم کیا اور اپنی روحانی حیثیت کو توسیع دینے کے لیے اقدامات کیے۔

اس نے سب سے پہلے اس بات کی یقین دہانی پر توجہ دی کہ آیا اس زمانے میں موجود مختلف مذہبی فرقوں اور معاشروں کے لیے' عظیم نانک کی تعلیمات یکساں طور پر قابل قبول اور مناسب ہیں۔ اس نے نانک کے پیروکاروں کو ایک معاشرہ میں تشکیل دینے کی کوشش کی اور انہیں ایک مشترکہ مذہبی بندھن میں باندھنے کے خیال سے' اس نے انہیں ایک مذہبی ضابطہ کار دیا' جس کی وہ بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ اس مجموعہ قانون میں اس نے نانک کے ارشادات اور اشعار کو' اپنے آباؤ اجداد کے شعروں' اپنے اور اس دور کے دیگر مذہبی مصلحین کے منتخب شدہ ادبی کمالات کو شامل کیا' جن کی یاد ابھی تک لوگوں کے ذہنوں میں تازہ ہے۔ اس مجموعہ قوانین کو اس نے "گرنتھ" کا نام دیا اور یہ اس یقین دہانی کے ساتھ گورو کے جانشینوں کے حوالے کی گئی کہ اس میں جو کچھ ہے' وہ خالص ہے اور جملہ سچے چیلوں کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ اس کی ایک نقل' ہرمندر میں رکھی گئی تھی اور مقدس تالاب پر اشنان کے لیے آنے والے ہجوم ہر روز اسے پڑھتے' موسیقاروں کی ٹولیاں' گورو کی تعریف میں بھجن گاتیں اور بابا نانک کی زندگی کے واقعات بڑے جوش و خروش سے دہرائے جاتے تھے' چنانچہ گورو کے پیروکاروں کے ذہنوں میں ایک نئی روح پھونکی گئی۔

اس نے ایک محصولاتی نظام کو منظم کیا اور پورے ملک میں اپنے پیروکاروں سے اسے جمع کرنے کے لیے کارندے یا نائب مقرر کیے۔ وفاداروں سے تمام اضلاع میں مذکورہ بالا کارندے ان نذرانوں کو اکٹھا کرتے اور سالانہ اجتماع میں انہیں گورو کے پیش کر دیتے۔ چنانچہ' سکھ باقاعدہ حکومتی نظام کے عادی ہوگئے اور ایک برادری کی شکل میں آنے کے بعد آہستہ آہستہ ایک حقیقی طاقت کے طور پر پروان چڑھ گئے۔ دولت مشترکہ میں اضافہ کرنے کے لیے ارجن نے تجارت اور خاص طور پر ترکی گھوڑوں کے کاروبار کے لیے اپنے چیلوں

کو بیرونی ممالک میں بھیجا۔

"ترن تارن" کی تعمیر

اس نے امرتسر میں بڑے تالاب کی تعمیر کو مکمل کروایا اور اسی مقام پر ایک اور شاندار تالاب تعمیر کروایا جسے کولسر کہا جاتا ہے۔ اس نے مشہور و معروف تالاب' واقع ضلع امرتسر بھی تعمیر کروایا جسے "ترن تارن" کہا جاتا ہے۔

ارجن نے شہنشاہ جہانگیر کے دور میں لاہور کے وزیر خزانہ چانڈو شاہ کی بیٹی سے اپنے بیٹے ہرگووند کی شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا جاتا ہے اس نے چانڈو شاہ کی طرف سے بھیجے گئے منگنی کے تحائف کو بھی واپس کر دیا۔ وزیر' جس نے گورو کو بھکاری کہہ کر اور اسے ایک مکان کی نالی اور خود کو بالائی منزل کہہ کر اپنے ساتھ موازنہ کر کے دشمنی کی دعوت دی تھی' اب لاکھوں روپوں سے گورو کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بذات خود گیا' لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی کیونکہ گورو نے اعلان کر دیا تھا: "میرے الفاظ پتھر پر کندہ ہیں اور انہیں مٹایا نہیں جا سکتا۔ اگر تم اپنی بیٹی کے جہیز کے ساتھ پوری دنیا بھی دو تو میرا بیٹا اس کے ساتھ شادی نہیں کرے گا"۔ وزیر بہت شرمندہ ہوا' لہٰذا اس نے گورو کو تباہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے شہنشاہ جہانگیر (جو اس وقت لاہور میں تھا) سے اس کی غیبت شروع کر دی۔ بادشاہ کے باغی بیٹے خسرو کی کامیابی کے لیے (جو اس وقت عارضی طور پر پنجاب پر قابض تھا) دعائیں کرنے کی بنا پر ارجن پہ بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ اسے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ بادشاہ نے اس سے ایک بہت بڑی رقم ہتھیانے کی خواہش کا اظہار کیا' جسے ادا کرنے کے وہ قابل نہیں تھا۔ اس پر تشدد کیا گیا اور جس وقت ۱۶۰۶ء میں لاہور کے قریب قید میں تھا تو مرگی کی حالت میں فوت ہو گیا۔ یہ جہانگیر کی حکومت کا دوسرا سال تھا۔ اس نے چوبیس سال تک بطور گورو حکومت کی۔ اس کی سمادھ اب قلعہ لاہور کے سامنے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مقبرے کے نزدیک ایستادہ ہے۔(۴)

مشہور زمانہ گورداس' ارجن کے دور میں گزرا ہے۔ وہ ایک عظیم مصنف تھا اور اس نے چالیس ابواب پر مشتمل مشہور زمانہ "گیان رتونی" کو تصنیف کیا' جس میں اس نے نانک کے کردار کو بیان کیا ہے۔ ارجن نے سکھوں کو یہ کتاب پڑھنے کی تلقین کی۔ مصنف جو ارجن کا ایک چیلا تھا' دنیا کی تاریخ میں نانک کو بلند مرتبہ عطا کرتا ہے اور اسے ویاسہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین قرار دیتا ہے' جسے خدا نے دنیا میں مقدس

کام کی تکمیل اور انسانیت کو راہ راست پر لانے کے لیے بھیجا۔ سکھ قوم کی تاریخ میں گورو ارجن کی موت ایک نقطہ انقلاب ہے، کیونکہ اس نے سکھوں کے مذہبی جذبہ کو بھڑکا دیا تھا اور اس دور میں مسلمان حکومت کے خلاف ان کے ذہنوں میں بوئے جانے والے نفرت کے بیج نانک کے وفادار پیروکاروں کے ذہنوں میں گہری جڑ پکڑ گئے۔

۶- گورو ہرگووند

ارجن اپنے پیچھے اپنے بیٹے اور وارث ہرگووند کو چھوڑ کر مرا، جس کی عمر گیارہ برس تھی۔ اس کی کمسنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے چچا پرتھی مل نے گدی پر جانشینی کے لیے اپنا حق جتایا، لیکن سکھوں نے ملعون چانڈو شاہ کے ساتھ سازش کے شک میں اسے مایوسی کی حالت میں چھوڑ دیا اور ہرگووند کو گورو تسلیم کر لیا۔

ہرگووند میں ایک جنگجو، ایک درویش اور ایک شکاری کی خصوصیات مشترکہ طور پر جمع تھیں، جبکہ نانک جانور کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے۔ ہرگووند شکار کرنے اور گوشت کھانے میں خوشی محسوس کرتا تھا۔ وہ پہلا گورو تھا جس نے ایک عسکری نظام کو مرتب کیا اور اپنے پیروکاروں کو مسلح کرتے ہوئے تلوار سے مزین کر کے میدان میں جنگ کے لیے تیار کیا۔ اسے اس بات کی ترغیب دی گئی کہ وہ اپنے دشمن چانڈو شاہ کو سزا دینے کے لیے ہتھیار جمع کرے، لہٰذا اس نے بادشاہ کو اعتماد میں لے کر(۵) چانڈو پر قبضہ حاصل کر لیا اور جس طرح بہتر سمجھا، اسی طرح اس سے انتقام لیا۔ ہرگووند اسے امرتسر لے گیا اور وہاں اس کے پاؤں میں رسہ ڈال کر اسے گلیوں میں گھسیٹا گیا اور جس طرح ارجن سے کیا گیا تھا، اسی طرح اسے زبردستی تپتے ہوئے توے اور جلتی ہوئی ریت پر بٹھایا گیا، لہٰذا وہ انتہائی اذیت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

ہرگووند، شان و شوکت اور جاہ و جلال میں اپنے پیشرو سے بھی سبقت لے گیا۔ اس نے ایک بہت بڑے عملے کا بندوبست کیا ہوا تھا اور یہ سب اس نے روز بروز بڑھتے ہوئے نذرانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی سے کیا تھا، جو زیرک ارض کے متعارف کردہ نظام کے تحت، پورے ملک میں وفاداروں سے محصول کی شکل میں حاصل کی جاتی تھی۔ اس کے اصطبلوں میں آٹھ سو بہترین گھوڑے تھے اور بے شمار، پرتکلف اور ساز و سامان سے لیس نوکر چاکروں کا عملہ تھا۔ اس نے ہنگامی حالت میں مراجعت کرنے کے لیے دریائے بیاس کے کنارے پر ہرگووند پور شہر تعمیر کرایا۔

اپنی جنگجویانہ صلاحیت کی بنا پر وہ جہانگیر کی ملازمت میں بطور ایک عسکری سردار کے شامل ہوگیا' حتیٰ کہ وہ شاہی پڑاؤ کے ہندوستان کی جنت کی طرف سفر کے دوران اس کے ہمراہ ہوتا' لیکن اپنی ملازمت میں مجرموں اور مفروروں کو شامل کرنے کی بنا پر فوج کی تنخواہ کو اپنے استعمال کے لیے مختص کرنے اور اس بھاری جرمانے کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکامی کے باعث (جو اس کے باپ ارجن پر عاید کیا گیا تھا) بادشاہ اس سے ناراض ہوگیا۔ اسے قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا' جہاں اسے نیم بھوک کی حالت میں بارہ برس تک قیدی کی حیثیت سے رکھا گیا۔ اس کے پیروکار قلعہ کے گرد جمع ہوگئے اور زندہ گورو کی پوجا کے لیے (جسے طاقتور مغل کے ہاتھوں سے اذیت پہنچ رہی تھی) اس کی دیواروں کے آگے سجدہ ریز ہوگئے۔ آخرکار' سکھوں کے مظاہروں سے متاثر ہو کر اور رحم کے جذبہ کے تحت بادشاہ نے گورو کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

شہنشاہ جہانگیر ۱۶۲۸ء میں فوت ہوگیا اور ہرگووند' اس کے جانشین شاہجہاں کی ملازمت میں شامل ہوگیا۔ اس نے بادشاہ کے سب سے بڑے بیٹے دارا شکوہ کا اعتماد حاصل کر لیا جو اس وقت حاکم پنجاب تھا اور ان دنوں لاہور میں رہائش پذیر تھا۔ دارا شکوہ ایک متقی اور پرہیزگار شہزادہ تھا' اس کا دل اور اطوار سادہ تھے اور وہ فقیروں سے دوستانہ انداز میں برتاؤ کرتا تھا۔ وہ اور ہرگووند گہرے دوست بن گئے' لہٰذا دارا کی خاطر' گورو اپنے وقت کا زیادہ حصہ لاہور میں گزارا کرتا تھا۔ وہ شہزادے کے ساتھ کشمیر کی طرف تفریحی دوروں پر بھی جایا کرتا تھا۔ لیکن جلد ہی شاہی حکومت کے ساتھ اس کے نئے مسائل پیدا ہوگئے اور حالات کے مطابق وہ مسلح مزاحمت کرنے پر مجبور ہوگیا۔ گورو کا ایک خاص چیلا ایک ترکی گھوڑے کو گورو کے سامنے پیش کرنے کے لیے امرتسر لے جا رہا تھا۔ بادشاہ کے افسروں نے لاہور میں گھوڑے کو پکڑ لیا اور بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ اس کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اسے شاہی اصطبل میں بھیج دیا جائے اور اس کے مالک کو قیمت ادا کر دی جائے۔ یہ سننے کے بعد گورو کو بہت دکھ ہوا' لیکن وہ بے کس تھا۔ گھوڑا لنگڑا ہوگیا تو اسے بادشاہ نے لاہور کے قاضی القضاء کو دے دیا' جس نے اس کا مناسب علاج کر کے اسے تندرست کر دیا۔ گورو نے گھوڑا خریدنے کا دعویٰ کیا اور اس کی قیمت دس ہزار روپے مقرر کر کے اسے قاضی سے حاصل کر لیا اور اگلے روز بغیر قیمت ادا کیے امرتسر روانہ ہوگیا۔ دریں اثناء گورو کے ایک چیلے نے بادشاہ کی ملکیت' ایک شکرے کو پکڑ لیا اور قاضی کے حرم کی ایک کنیز (جس کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ گورو پر فریفتہ ہوگئی تھی)

کاؤلاں کو اغوا کر لیا گیا۔ ان اشتعال انگیزیوں نے اسلامی حکومت کو ترغیب دی کہ وہ گورو کے خلاف ایک مسلح فوج روانہ کرے' لہٰذا اس کو ان احکامات کے ساتھ روانہ کیا گیا کہ وہ اسے گرفتار کر کے اس کے چیلوں کو منتشر کر دے۔ مخلص خاں' سات ہزار فوج کے ہمراہ لاہور سے روانہ ہوا۔ تاہم اسے امرتسر کے قریب شکست فاش ہوئی اور ان کا سردار جنگ میں مارا گیا۔ شکست خوردہ فوج بہت سے مردے اور زخمی چھوڑ کر واپس لاہور آ گئی۔ پنجاب کی تاریخ میں یہ پہلی جنگ تھی جو مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان لڑی گئی۔

تاہم اس کامیابی نے ہرگووند میں تکبر پیدا نہیں کیا۔ حکمران طاقت کی مضبوطی اور اس کے وسائل سے باخبر ہونے اور اس کے مقابلہ میں اپنی کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ شاہی فوج سے مزید سامنا کرنے سے بچنے کے لیے دریائے ستلج کے جنوب میں حدود سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع بھٹنڈا کے جنگلات میں چلا گیا۔ اسی اثناء میں شہزادہ دارا شکوہ نے (جو ہرگووند کا دوست تھا) اپنے باپ پر اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے گورو کی بہتری کے لیے بہت کچھ کیا اور معاملات اس وقت تک پرسکون ہو گئے جب تک کہ مندرجہ ذیل حالات کے تحت نئے مسائل نہیں اٹھ گئے۔

بھٹنڈا کے جنگلات میں رہتے ہوئے ہرگووند نے بے شمار لوگوں کو نانک کے دین میں شامل کیا۔ ان میں ایک بدنام ڈاکو بدھا بھی تھا جو بعد میں بابا بدھا کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ ستائشی خطاب سکھوں نے اسے دیا تھا۔ اس آدمی نے لاہور کے شاہی اصطبل سے بادشاہ کے دو انتہائی بہترین گھوڑے چرائے اور گورو کے پاس لے آیا۔ اس رویہ نے بادشاہ کو آگ بگولا کر دیا' کیونکہ وہ گورو کے گزشتہ رویے سے پہلے ہی بہت سیخ پا تھا۔ قمر بیگ اور لعل بیگ کی قیادت میں لاہور سے ایک فوج روانہ کی گئی جس نے دریائے ستلج کو عبور کر لیا' لیکن اشیائے خورد و نوش کی قلت اور پیش قدمی کی دشواریوں نے شاہی فوج پر تباہ کن تاثر مرتب کیا۔ فوج کی ناکہ بندی ہو گئی اور وہ سکھوں سے شکست کھانے کے بعد لاہور کی طرف بھاگی۔ میدان جنگ میں ان کے سپہ سالار قتل ہو گئے۔ ہرگووند نے کھلے میدان میں شاہی فوج کو دو مرتبہ شکست دے دی تھی' لہٰذا اب اس نے کسی حد تک اپنی طاقت اور اپنے چیلوں کی جوانمردی پر بھروسہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے دریائے ستلج کو پار کیا اور کرتار پور میں آباد ہو گیا' جہاں اس نے ایک بہت بڑی فوج جمع کی اور نہایت صبر و تحمل سے فسادات شروع کرنے کے لیے کسی مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔

ایک پٹھان' پینڈا خاں' گورو ہرگووند کا دودھ شریک بھائی اور اس کا بہترین دوست تھا۔

اسی وجہ سے گورو اس کے ساتھ بڑی فیاضی سے پیش آتا تھا۔ تاہم گورو کے بڑے بیٹے کی ملکیت ایک قیمتی باز' جس کو پینڈا خاں نے اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا اور یہ پرندہ اتفاق سے پینڈا کے گھر سے اڑ گیا تھا' اس بنا پر گورو اور خان کے درمیان ایک خطرناک جھگڑا پیدا ہوگیا۔ پینڈا خاں کو گورو کے خیمہ میں پیٹا گیا اور بے عزت کر کے وہاں سے واپس بھیجا گیا۔ وہ بادشاہ کے پاس دہلی گیا اور اپنے ساتھ ہونے والے برتاؤ کی شکایت کی۔ بادشاہ نے اسے ایک طاقتور فوج مہیا کی جس کے ساتھ وہ پنجاب کی طرف روانہ ہوا اور گورو کی قیادت میں آنے والی سکھ فوج کا سامنا کیا۔ دونوں طرف سے گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی اور کافی عرصہ تک فتح دونوں کے درمیان برابر رہی۔ ہرگووند نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا اور اپنے ہاتھ سے کئی مسلمانوں کو قتل کیا' لہٰذا اس کی ثابت قدمی اور مہارت نے اسے فتح سے ہمکنار کر دیا۔ مغلیہ فوج کو مکمل طور پر شکست ہوگئی اور خود پینڈا خاں بھی اپنے دودھ شریک بھائی اور ہمجولی کے ساتھ دوبدو لڑائی میں مارا گیا۔

لڑائی کے دوران' ایک بہادر سپاہی دیوانہ وار گورو کے اوپر کھنچی ہوئی تلوار کے ساتھ چڑھ دوڑا' لیکن اس نے بڑی مہارت سے وار کو خالی جانے دیا اور اپنے جرات مند دشمن کو ہلاک کر کے اپنے پاؤں پہ گراتے ہوئے چلا کر کہا : "تمہیں تلوار استعمال کرنے کا فن نہیں آتا' اسے برتنے کا یہ طریقہ ہے"۔ سکھ اسے نہ صرف خدائی پیامبر سمجھتے تھے بلکہ تلوار کا دھنی ایک سورما بھی گردانتے تھے اور فن جنگ کا مکمل استاد بھی سمجھتے تھے۔ شاہی فوج میں ان کے کمانداروں کی ہلاکت کے بعد عام افراتفری پھیل گئی۔

ہرگووند کو اپنے دور میں بے شمار مشکلات کا مقابلہ کرنا ہوتا تھا' لیکن وہ عام طور پر اپنے وفادار چیلوں کی مدد سے ان پر قابو پا لیتا تھا' جو خطرے کے وقت ہمیشہ اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔

اپنی زندگی کے آخری حصہ میں وہ پہاڑوں کی طرف نکل گیا اور کرتار پور (نزد آنند پور) میں اپنے دوست بابا بدھا کے ساتھ رہائش اختیار کر لی' جہاں وہ اپنے پوتے ہررائے کو بطور گورو نامزد کرنے کے بعد ۱۶۴۵ء میں سکون سے انتقال کر گیا۔ اس نے بطور گورو اکتیس برس اور چھ ماہ حکومت کی۔ اس کے انتقال کو ایک قومی سانحہ قرار دیا گیا اور سکھوں کی طرف سے اس کے لیے احترام و توقیر کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں سے متعدد نے اس کی چتا پر رضاکارانہ طور پر خود سوزی کر لی۔ اس کے دو چیلے' ایک راجپوت اور دوسرا جاٹ' دونوں جلتی ہوئی چتا کے شعلوں میں کود گئے اور انہوں نے لاش کے گرد

گھومنا شروع کر دیا' حتیٰ کہ وہ گر گئے اور گورو کے قدموں پر جان دے دی۔ دوسرے بھی ان کی تقلید کرنے کے لیے تیار تھے مگر ہررائے نے انہیں منع کر دیا۔ گورو کی سمادھ کرتار پور میں تعمیر کی گئی۔

ہرگووند کی تین بیویاں تھیں' جن سے اس کے پانچ بیٹے تھے۔ گورو دتہ' مسمات دمودری سے' تیغ بہادر' مسمات نانکی سے اور صورت سنگھ' امرت اور اٹل رام' مسمات مردانی سے تھے۔ اس کے سب سے بڑے بیٹے گورو دتہ نے اپنے والد کے انتقال سے پیشتر ایک بیٹا' ہررائے چھوڑا تھا' جسے ہرگووند بہت چاہتا تھا اور اسے ہی اس نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ تیغ بہادر کی والدہ مسمات نانکی اپنے خاوند کے فیصلے سے مطمئن نہ ہوئی' لیکن کہا جاتا ہے کہ گورو نے اسے پہلے سے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ اس کا بیٹا آخرکار گوروؤں کی گدی پر بیٹھ جائے گا۔ اس نے اپنے ہتھیار تیغ بہادر کی ماں کے سپرد کرتے ہوئے اسے کہا کہ وہ تیغ کے بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر یہ اسے دے دے۔

۷۔ گورو ہررائے

ہررائے' گورو کا مذہب سنبھالنے پر دریائے ستلج کے کنارے پر واقع کرتار پور میں آباد ہوگیا۔ وہ ایک کم گو' پرامن اور بامروت شخص تھا اور اسے جنگ سے کسی قسم کی رغبت نہیں تھی۔ سکھوں کا عسکری جذبہ' جسے سابقہ دو گوروؤں کے دور میں خوب ترقی ملی تھی' اس کے دور میں خوب پروان چڑھتا رہا۔ گو کہ گورو اس بات پر خصوصی توجہ دیتا تھا کہ سیاست میں مداخلت نہ کرے اور حالات کا تقاضا بھی یہ نہیں تھا کہ سکھ دھڑے بازیوں کو مضبوط کرنے کے لیے اپنی طاقت اور توانائی استعمال کرنے پر مجبور ہوتے' چنانچہ کہلور راجہ اطاعت پر مجبور ہوگیا اور شہزادہ دارا شکوہ' جو ہمیشہ گوروؤں سے گہرا ربط رکھتا تھا' وہ ہررائے کے موثر تعاون کے باعث ہندوستان کے تخت کی خاطر اپنے بھائی اورنگ زیب سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوگیا تھا۔ تاہم عالی حوصلہ اورنگ زیب نے دارا کو شکست دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس واقعہ کے بعد ہررائے بڑی مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے منظر سے ہٹ گیا اور کرتار پور چلا گیا۔ اورنگ زیب نے مغلیہ تخت پر بیٹھتے ہی احکامات جاری کیے' جن میں ہررائے کو دہلی کے شاہی دربار میں حاضر ہونے کے لیے کہا گیا تھا' لیکن گورو نے بادشاہ کے حضور میں ایک عاجزانہ درخواست پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک فقیر ہے' لہٰذا وہ اپنی جھونپڑی میں ہی بادشاہ کی درازی عمر' کامیابی اور صحت کے لیے دعا کرے گا۔

اور چونکہ فقیروں کا شاہی محل کے کاروبار سے کوئی سروکار نہیں ہوتا' اس لیے امید کرتا ہوں کہ میری موجودگی کے متعلق معذرت کو قبول کر لیا جائے گا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے رام رائے کو یہ خط دے کر شاہی دربار روانہ کیا۔

اورنگ زیب یہ مراسلہ وصول کرنے پر قطعی مطمئن ہوگیا۔ اس نے کہا: "اس میں کوئی شک نہیں کہ ہررائے محض ایک فقیر ہے"۔ لیکن اس نے رام رائے کو اپنے دربار میں یرغمال بنا لیا اور اس سے بہت اعلیٰ سلوک کیا۔

ہررائے ۳۳ برس اور ۶ ماہ حکومت کرنے کے بعد کرتار پور میں ۱۶۶۱ء میں بڑی آسودگی میں انتقال کر گیا۔

۸- گورو ہری کشن

ہررائے کے دو بیٹے' رام رائے اور ہری کشن تھے۔ اول الذکر تقریباً پندرہ برس کا تھا۔ اسے دہلی کے شاہی دربار میں یرغمال بنا لیا گیا تھا۔ ایک برابر کے رتبے کی بیوی کے بجائے لونڈی کی اولاد ہونے کے باعث اور مزید برآں اپنے باپ کو اپنے آزادانہ رویے کی وجہ سے اچھا نہ لگنے کے باعث (اس نے خود اپنے چیلے بنانے شروع کر دیے تھے) اس کے والد نے اپنے چھوٹے بیٹے ہری کشن کے متعلق (جس کی عمر ابھی صرف چھ برس تھی) سرعام اعلان کر دیا تھا کہ گدی پر مستقل طور پر یہی اس کا جانشین ہوگا۔ جب یہ خبر دہلی میں نوجوان رام رائے تک پہنچی تو وہ بڑا سیخ پا ہوا۔ جانشینی کے لیے سکھوں کے درمیان ایک زبردست مقابلہ شروع ہوگیا' لہٰذا اس مسئلے کو ثالثی کے لیے مغل بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے ہری کشن کے لیے حکم جاری کیا کہ وہ بلا تاخیر دہلی پہنچے۔ کم سن گورو بے شمار نوکر چاکروں کے ہمراہ دہلی پہنچا اور ایک سرائے میں ٹھہر گیا۔ اسے ایک انوکھی چیز کے طور پر بادشاہ کے زنانہ میں لے جایا گیا اور بادشاہ نے یہ کہتے ہوئے اس کی ذہانت اور کردار کا امتحان لیا کہ وہ ان بے شمار خواتین میں ملکہ کو پہچانے۔ سب خواتین کو ایک ہی طرح آراستہ کیا گیا تھا۔ لڑکے نے اپنی انگلی سے ملکہ کی طرف اشارہ کیا' لہٰذا بادشاہ نے اس کی دانش مندی سے خوش ہو کر اعلان کیا: "گورو کے مذہب پر اسی کا حق ہے اور اس میں کسی قسم کا جھگڑا باقی نہیں رہا"۔ تاہم اس کم سن گورو پر چیچک کا حملہ ہوا اور وہ ۱۴/ مارچ ۱۶۶۴ء کو دہلی میں فوت ہوگیا' جہاں اس کی سمادھ تعمیر کی گئی۔

جب ہری کشن دہلی میں بستر مرگ پر تھا تو چیلوں نے اس سے دریافت کیا کہ اس کے

بعد ان کا روحانی پیشوا کسے ہونا چاہیے۔ گورو نے کچھ دیر توقف کیا اور اس کے بعد پانچ پیسہ اور ایک ناریل کو زمین پر رکھ کر اس کے آگے سر جھکاتے ہوئے کہا: "جاؤ تمہارا گورو دریائے بیاس پر واقع گووند وال کے قریب موضع بکالا میں ہے"۔ وہاں تیغ بہادر اپنی والدہ کے ہمراہ رہتا تھا کیونکہ گورو ہرگووند کے متعدد چیلے اور عزیز و اقارب گورو کے پہاڑوں کی طرف جاتے ہوئے راستے میں وہاں رک گئے تھے۔

۹۔ گورو تیغ بہادر

ہری کشن کے انتقال کے بعد ست گورو کے منصب کے لیے سکھوں کے درمیان جھگڑے شروع ہوگئے۔ ہرگووند کا بیٹا تیغ بہادر کافی عرصہ پٹنہ میں رہنے اور بہت سی آوارہ گردیوں کے بعد گووند وال کے قریب بکالا میں آباد ہوگیا' جہاں دو دھڑے بن گئے۔ ایک سابقہ گورو کی وصیت کے مطابق تیغ بہادر کے دعویٰ کی حمایت کرتا تھا اور دوسرا سوڈھیوں کے دھڑے کی حمایت کرتا تھا' جنہوں نے اپنا علیحدہ گورو بنا لیا تھا۔ تیغ بہادر کا بھتیجا رام رائے ابھی تک دہلی میں تھا اور گورو بننے کا آرزومند تھا۔ ہرگووند کا ایک چیلا مکھن شاہ' جو اس وقت دہلی میں رہتا تھا اور اسے سکھ برادری پر کافی اثر و رسوخ حاصل تھا' اس نے تیغ بہادر کی حمایت کی۔ وہ دہلی سے بکالا روانہ ہوا' جہاں تمام سکھ اور سوڈھی اس کے گرد جمع ہوگئے۔ وہ تیغ بہادر کے پاس تحائف لے کر گیا' لیکن اس نے انہیں وصول کرنے میں رضامندی کا اظہار نہیں کیا اور کہا: "انہیں اس کو دے دو جو بادشاہ ہے"۔ آخرکار تیغ بہادر پر اس کی والدہ اور مکھن شاہ نے زور دیا کہ وہ گورو کی گدی پر بیٹھ جائے۔ اس کی والدہ کے پاس موجود ہتھیار اب اسے دے دیے گئے۔ گورو نے کہا کہ وہ اپنے والد کی تلوار پہننے کے قابل نہیں' لہٰذا اس نے ہتھیاروں کو دیکھ کر حکم دیا کہ "انہیں پرے لے جاؤ"۔ انہیں کہا کہ "اگر انہوں نے اسے تیغ بہادر بنایا تو وہ غلطی پر ہوں گے اور وہ خود "دیگ بہادر" کا لقب اختیار کرنے کا خواہش مند ہے"۔ مطلب یہ کہ وہ غریب پرور اور بھوکوں کا حامی ہے۔ پوری سکھ برادری نے اس برمحل جملے کو بہت زیادہ خوشی کے جذبات سے سراہا اور اس پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اس کے بعد انہوں نے تیغ بہادر کو اپنے دین کا محافظ اور اپنے وقار کا حامی سمجھنا شروع کر دیا۔ بے شمار چیلے اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے اور وہ اپنے مشہور و معروف باپ ہرگووند کے مقابلہ میں ایک عظیم ترین گورو بن گیا۔

تیغ بہادر کیونکہ سوڈھیوں کو غاصب سمجھتا تھا' لہٰذا اس نے ان کو مٹانے کا تہیہ کر لیا

تھا' لیکن مکھن شاہ نے اس پر زور دیا کہ وہ تلوار کو نیام میں رکھ لے۔ وہ بڑے جاہ و جلال کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کی ملازمت میں ایک ہزار مسلح شہسوار تھے۔ اپنے چیلوں کے بے شمار نذرانوں کی مدد سے اس نے کرتار پور میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرنا شروع کر دیا تھا' جہاں اس نے اپنا دربار قائم کر لیا تھا۔ اس چیز نے رام رائے کو ایک اچھا موقع فراہم کر دیا کہ وہ بادشاہ کے گوش گزار کر دے' (تیغ بہادر کو نقصان پہنچانے کے لیے) کہ وہ حکومت کے لیے خطرناک منصوبے تیار کر رہا ہے' لہٰذا اس نے اسے مشورہ دیا کہ اس کی کارروائی کو روکنے کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔ چنانچہ شاہی دربار سے احکامات جاری کر دیے گئے کہ تیغ بہادر کو امن عامہ تباہ کرنے اور حکومت کے جھوٹے دعویدار کے طور پر گرفتار کر لیا جائے۔ تیغ بہادر کو اس کے اہل خانہ سمیت دارالسلطنت میں لایا گیا اور جے پور کے راجہ کے مکان میں ٹھہرا دیا گیا۔ راجہ نے اپنے طور پر مداخلت کر کے بادشاہ سے گزارش کی اور اسے یہ یقین دہانی کرا دی کہ تیغ بہادر ایک پرامن فقیر ہے اور وہ سیاسی حکومت کا آرزومند نہیں ہے اور یہ کہ وہ گوشہ نشینی کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے اور مقدس مقامات کی زیارت پر جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تیغ بہادر' راجہ کے ہمراہ بنگال چلا گیا اور پٹنہ میں رہائش اختیار کر لی' جہاں اس نے سکھوں کے لیے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ یہاں وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا اور پانچ یا چھ سال تک اپنے عزیز و اقارب میں زندگی بسر کی۔ اس کا اپنی بیوی سے ایک لڑکا' گووند سنگھ تھا' جس نے اپنی دنیاداری کی تعلیم ہندوستان کے پنڈتوں سے حاصل کی۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت میں آبادی سے دور مقامات پر گزارتا۔ اس کے علاوہ اس نے بنگال میں ہندوؤں کے مقدس مقامات کی سیاحت بھی کی۔ آخرکار اس نے پٹنہ کو چھوڑ کر واپس گھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ آنند پور آیا اور کہلو راجہ' دیوی مادھو سے ۵۰۰ روپے کے عوض ایک قطعہ زمین خریدا۔ اس زمین پر اس نے مکھووال کا قصبہ تعمیر کیا' جو کرتار پور کے قریب دریائے ستلج کے کنارے آج بھی موجود ہے' جو اس کے والد کی منتخب رہائش گاہ اور سکھوں میں ایک انتہائی مقدس جگہ سمجھی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا تھا واپس پنجاب آنے کے بعد گورو بنگال میں رہنے والے ایک پارسا اداسی سے اب ایک باقاعدہ ڈاکو بن گیا تھا۔ کہا جاتا ہے اس نے غارت گری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا اور ہنسی اور ستلج کے درمیان تمام علاقے میں غارت گری اور لوٹ مار مچا دی۔ اس نے ایک متعصب مسلمان آدم حفیظ سے الحاق کر لیا اور جس طرح یہ پرجوش شخص مسلمانوں سے زبردستی رشوت کے طور پر رقوم حاصل کرتا تھا' اسی طرح سکھ گورو امیر ہندوؤں کے

ساتھ کرتا تھا۔ غارت گری زرعی اضلاع میں کی جاتی تھی' لہٰذا دیہی قبائل میں مسلح چیلوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو شامل کر لیا گیا' جن سے بڑی بڑی رقموں کی ادائیگی اور بہت زیادہ لوٹ کا مال دینے کے وعدے کیے گئے تھے۔ مجرمانہ کارروائیاں کرنے کے لیے متحدین نے مغلیہ حکومت کے مفروروں (جنھوں نے ان کے پاس تحفظ مانگا تھا) کو فوری طور پر پناہ دے دی۔ شاہی فوج کو ان کے پیچھے روانہ کیا گیا اور آخرکار انہیں گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ مسلمان درویش کو جلاوطن کر دیا گیا' لیکن اورنگ زیب (جس نے اپنی تمام کوششوں کو' پوری دنیا کو مسلمان بنانے پر مرکوز کر دیا تھا) نے سکھ گورو پر مسلمان ہونے کے لیے زور دیا۔ کہا جاتا ہے دہلی روانہ ہونے سے قبل اس نے اپنے بیٹے گووند سنگھ کو بلوا بھیجا' جس کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔ اس نے اس کی کمر سے گورو ہرگووند کی تلوار باندھ کر اسے سکھوں کے مستقبل کے گورو کے طور پر مبارک باد دی۔ اس نے اپنے بیٹے گووند سے کہا کہ وہ مرنے والا ہے' لیکن اس سے التجا کی کہ وہ اس کی لاش کو کتوں کا شکار بننے کے لیے دہلی میں چھوڑ کر نہ جائے۔ اس کے بعد اس نے گووند کو اپنے قابل بیٹے اور جانشین کے طور پر اپنی موت کا بدلہ لینے کی ضرورت اور وقار کے بارے میں تلقین کی۔ تب اس نے نوجوان گووند کو گلے لگا کر بوسہ دیا اور دہلی روانہ ہو گیا۔ بادشاہ نے ان دنوں اس امید پر سینکڑوں برہمنوں کو قید خانے میں پھینک دیا تھا کہ اگر انہوں نے پہلے اسلام قبول کر لیا تو باقی ماندہ ہندو بھی فوراً ان کی تقلید کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے تیغ بہادر کے ساتھ بہت سے مذہبی بحث مباحثے کیے اور اسے کرامات دکھانے کو کہا۔ اس سے پتہ چل جائے گا کہ وہ سچا گورو ہے' یا پھر اسلام قبول کر لے۔ سکھ گورو' جو کسی بھی صورت میں بادشاہ کو مطمئن نہ کر سکا تو اسے بادشاہ کے حکم سے قید خانے میں ڈال دیا گیا اور جب اس نے ثابت قدم رہتے ہوئے مذہب تبدیل کرنے سے انکار کیا تو اس پر جسمانی تشدد کیا گیا۔ اپنی زندگی سے عاجز آ کر اس نے اپنے مذہب کی مبینہ الوہیت کا ثبوت دینے کے لیے کرامت دکھانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ اسے بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ حکومت کے جملہ امراء بھی اس کرامت کو دیکھنے کے لیے حاضر تھے' جسے وہ پیش کرنے والا تھا۔ گورو نے امراء کے اجتماع کے سامنے کہا کہ آدمی کا فرض ہے کہ وہ اپنے مالک کی عبادت کرے' لیکن جب سے بادشاہ نے اسے ایک کرامت دکھانے کا حکم دیا ہے' تو اس نے بادشاہ کے احکامات کی پیروی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھا اور اس پر منتر پڑھ کر پھونکا اور اس کے بعد اسے اپنی گردن کے گرد باندھ کر اعلان کیا

کہ اس پر لکھے گئے منتر کے باعث' تلوار اس کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ اب اس معجزاتی منتر کو جانچنے کے لیے جلاد کو بلایا گیا۔ ضرب لگائی گئی اور دربار کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گورو کا سر کٹ کر فرش پر لڑھک گیا۔ تب کاغذ کو پڑھا گیا جو ان الفاظ پر مشتمل تھا: "سر دیا سر نہ دیا"--- مطلب یہ کہ اس نے اپنا سر دے دیا ہے لیکن راز نہیں دیا۔ اس کی زندگی ختم ہوگئی' لیکن اس کی راہبانہ نیکی دنیا میں ہمیشہ قائم رہے گی۔ جب توہم پرست درباریوں نے رونما ہونے والے اس واقعہ کو دیکھا تو وہ خوف اور حیرت کے باعث سکتے میں رہ گئے۔

خود بادشاہ بھی بیزار اور افسردہ ہوگیا' لہٰذا اس نے ہجوم کو منتشر ہونے کا حکم دیا۔ یہ بیان دراصل حیرت انگیز باتوں کے شوقین لوگوں کا پیش کردہ ہے' حالانکہ بہت حد تک ممکن ہے کہ گورو کو حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے الزام میں قتل کیا گیا ہو۔ یہ سانحہ عالمگیر کی حکومت کے ۳۵ ویں برس' ۱۶۷۵ء میں رونما ہوا۔ تیغ بہادر نے بطور گورو ۱۳ برس' ۷ ماہ اور ۲۱ دن حکومت کی۔ سخت گیر اورنگ زیب نے اس کی لاش کی دہلی کی گلیوں میں سرعام نمائش کی۔ سکھوں نے اس کے سر کو دہلی میں جلا دیا۔ انہوں نے کریا کرم کی جگہ پر ایک سمادھ تعمیر کرائی جسے "سرگینگ" کہا جاتا تھا۔ مکھن شاہ (جس نے سب سے پہلے متوفی کو گورو کے طور پر مبارک باد دی تھی) کی مدد سے چند مذہبی سکھ لاش کو آنند پور لائے اور نوجوان گووند نے اس پر ماتمی رسومات ادا کیں۔ شہید گورو کی یاد میں وہاں ایک بہت بڑی سمادھ تعمیر کی گئی۔

سکھ مصنفین کی شائع کردہ ساکھیاں' تیغ بہادر کو ایک بے ضرر روحانی معلم کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ وہ ایک بہادر گورو تھا۔ اگرچہ سکھوں نے بطور ایک قوم کے اس کے تحت کوئی حقیقی حکومت حاصل نہیں کی تھی' لیکن اس کی پیش کردہ مثال نے بڑی حد تک اس کے چیلوں کو عسکری قوم بنا دیا۔ تمام سچے اور وفادار چیلے ہرگووند کی تلوار کا احترام کرتے تھے اور تمام بہترین اور حقیقی معتقدین اس کے تیروں کی پوجا کرتے تھے۔ اس وقت تمام سکھوں نے چار دانگ عالم میں گورو کو "سچا بادشاہ" کے طور پر تسلیم کر لیا' جس نے روح کی نجات کی طرف رہنمائی کی تھی' جبکہ ایک عارضی بادشاہ محض انسان کے دنیاوی کاموں کی رہنمائی کرتا اور محدود صلاحیتوں کو قابو میں کرتا ہے۔ چنانچہ سکھ گورو کی خواہشات بلند تھیں اور اگرچہ سخت گیر اورنگ زیب نے انہیں دبا دیا تھا' لیکن وہ گورو کی زندگی کے آخری حصہ میں پوری طرح عیاں ہوگئی تھیں' جو درویشانہ خواہشات کے مقابلہ میں صریحاً

شاہانہ تھیں۔ آخرکار خیالات' بے ضرر متوکل درویشوں کو پرجوش جنگجوؤں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

۱۰- گورو گووند سنگھ

شہید گورو تیغ بہادر کے انتقال کے بعد اس کا اکلوتا بیٹا گووند سنگھ' جس کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی' گورو کا جانشین بنا۔ رام رائے کے پیروکار محض ایک مخالف فرقے کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہونے کے باعث نیا گورو ان پہاڑوں کی طرف ہجرت کر گیا جو دریائے جمنا کے اطراف میں بلند ہیں اور اپنے آپ کو شکار اور تیر اندازی میں مشغول کر لیا۔ وہ شیروں اور جنگلی سور کو شکار کرنے کا بہت شوقین تھا' لہٰذا وہ بڑا ماہر تیر انداز بن گیا۔ اس نے سنسکرت پڑھنے کی کوئی کوشش نہیں کی لیکن ہندی اور فارسی کا اچھا خاصا علم حاصل کیا۔ اس کی جوانی کو وچترا ناٹک یا "حیرت انگیز داستانوں" کے خوبصورت اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔ گووند نے اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی اور اپنے آپ کو مطالعہ اور غور و خوض میں مشغول رکھا۔ پینتیس برس کی عمر میں اپنے ذہن میں تاریخی' افسانوی اور فرضی تعلیم کو جمع کرنے کے بعد اس نے اس کار عظیم کا بیڑا اٹھایا کہ وہ ہندوؤں میں ذات پات کے امتیازات کو مٹا دے گا' تمام قبائل کے لوگوں کو دین میں شامل کرے گا' پوری آبادی کو مسلح کرے گا' دنیاوی دولت اور شان و شوکت میں اضافہ کرے گا' جس کی ہندوؤں کا ہر فرقہ اور طبقہ خواہش کرتا ہے اور اس مساوات کو اپنے مذہب کا بنیادی اصول بنائے گا۔ اس وقت سے سکھوں کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ بے شک یہ ایک ایسے فرقے کی روئیداد ہے جس نے اپنے بانی کی پرامن تعلیمات کی پیروی کرتے ہوئے محض اپنی حفاظت کی خواہش کی اور انہیں دوسروں کو تنگ کرنے کی کوئی خواہش نہیں تھی' لیکن اس قوم نے' جو ایک ضرر رساں حکومت کی زیادتیوں کے باعث مشتعل ہوگئی تھی' اپنے آپ کو دنیا میں بہادری اور حب الوطنی کے ان کارناموں کے ذریعے نمایاں کرنے کا ارادہ کیا' جو قوموں کو عظیم اور شاندار بنا دیتے ہیں۔

شہید گورو کے پرتشدد اور افسوسناک انجام اور اس کے آخری کلمات نے گووند کے ذہن پر اس قدر گہری چھاپ لگا دی تھی کہ اس کے دل میں اپنے باپ کے قاتلوں اور اس کی قوم کو اذیت پہنچانے والوں سے انتقام لینے کا جذبہ تیز ہوگیا اور وہ ہر مسلمان کا مخالف اور سخت دشمن ہوگیا۔ اس نے اپنے پیروکاروں سے ان تمام وابستگیوں اور جذبات کا تقاضا

کیا جن کو وہ عزیز رکھتے ہوں۔ اس نے ان پر زور دیا کہ وہ اپنی عزت دو قار اور مردانگی کی حفاظت کریں۔ اس نے انہیں مقتول گورو کے نام کی قسم دے کر ان سے اس دنیا اور آئندہ زندگی میں انعامات ملنے کا وعدہ کیا اور انہیں اپنی کھیتی باڑی اور تسبیحوں کو تلواروں اور خنجروں سے بدلنے کا کہا۔ اس نے اپنی بھرپور ذہانت کی تمام فصاحت و بلاغت کو استعمال کرتے ہوئے انہیں دلیل پیش کی کہ اب یہی ایک واحد ذریعہ ہے جس کی مدد سے امید ہے کہ وہ اپنی زوال پذیر قوم کو دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں۔ اپنے ہم وطنوں کو ایک نئی اور اعلیٰ زندگی میں اجاگر کر کے اور ان کی خوابیدہ توانائیوں کو ایک مشترکہ فرض کے جذبے کے لیے بیدار کر کے اس نے سپاہی کے نڈر حوصلے کو درویش کے جوش و خروش سے ملا دیا اور ایک پرامن کسان میں عسکری شان و شوکت اور قومی ترقی کے جذبات اجاگر کر دیے۔ منظم ذہن اور مضبوط تجربے کے ساتھ اس نے مذہبی بدعنوانیوں میں اصلاح کرنے اور سماجی برائیوں اور لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سکھوں کے ست گورو کی حیثیت سے تسلیم کیے جانے کے بعد اس کے تعلیم یافتہ ذہن نے پہلی مرتبہ' خستہ حال ہندوؤں کو ایک بلند حوصلہ قوم میں منتقل کرنے اور سکھوں کی قوم کو ایک مذہبی اور عسکری دولت مشترکہ میں ڈھالنے کے بارے میں سوچا اور مسٹرا یلفن سٹون کے الفاظ میں "اس نے ایک یونانی مقنن کے باقاعدہ جذبے کی طرح اپنے منصوبوں کی تکمیل کی"۔

گووند نے پہاڑوں میں اپنے قیام کے دوران اپنے منصوبے تیار کر لیے تھے' لیکن اپنے کار عظیم پر عمل پیرا ہونے سے پیشتر اس نے اپنے لیے درگا دیوی کی مدد حاصل کرنے کا ارادہ کیا' جس کی وہ خاص طور پر پوجا اور عبادت کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے بنارس کے ایک برہمن سے مشورہ کیا' جو اپنی پرہیزگاری اور علم و فضل کے لیے مشہور تھا اور اسے مکھو وال لے آیا' جہاں اس سے بہت اچھا برتاؤ کیا گیا۔ دیوی ماتا کو ایک حوم یا جلا ہوا نذرانہ پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ آنند پور سے چھ کوس کے فاصلے پر نینا دیوی کے نام کی پہاڑی کی چوٹی کو اس خت رسم کی ادائیگی کے قیام کے لیے چنا گیا۔ ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اسے مہینوں تک روشن رکھا گیا۔

اس قربان گاہ پر سینکڑوں من گھی' شکر اور شیرہ جات خرچ کیے گئے' جسے صبح یا شام کو کم نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ جب وقت کے ساتھ ساتھ یہ اعلان کر دیا گیا کہ تیاری مکمل ہوگئی ہے تو گووند کو یہ ہولناک رسم ادا کرنے کی دعوت دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ خوفناک دیوی اپنے پجاری کے سامنے ظاہر ہو کر اس کی حیرت کا سامان بنی اور گورو اس خوفناک منظر

کو دیکھ کر دہشت زدہ ہوگیا۔ تاہم اس نے خراج عقیدت کے طور پر اسے اپنی تلوار پیش کر دی۔ دیوی نے تلوار کے دستے پر ایک نشان لگایا اور غائب ہوگئی۔ پنڈت نے کہا کہ یہ مبارک شگون ہے اور اعلان کر دیا کہ اس کے بعد گورو کا پنتھ یا قبیلہ غالب آکر ملک کو فتح کر لے گا اور اس علاقے کا مالک بن جائے گا۔ تاہم اس نے مزید کہا کہ دیوی کے ظاہر ہونے پر گورو کے خوف کے باعث رسم نامکمل رہی اور یہ کہ اس نقص کو صرف اسی صورت میں دور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کی قربانی دیوی کے قدموں پر کرے۔ گووند کے چار بیٹے زوجر سنگھ' اجیت سنگھ' فتح سنگھ اور زور آور سنگھ تھے۔ اس نے اپنی والدہ گجری کو بلوایا اور اس سے کہا کہ وہ اپنے کسی ایک بیٹے کو چن لے تاکہ وہ اسے دیوی کو نذرانہ پیش کرنے کے لیے قربان کر سکے۔ گجری نے صاف انکار کر دیا۔ گورو اب مکمل طور پر پریشان ہوگیا تھا اور اسے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ جلے ہوئے نذرانہ کو کس طرح پیش کرے۔ اس پر پنڈت نے اعلان کیا کہ اس کے بدلے میں اس کے کسی ایک چیلے کے سر کو پیش کر دیا جائے۔ پانچ (۶) چیلے آگے بڑھے اور گورو کے لیے اپنی جانیں قربانی کے لیے پیش کر دیں۔ ان میں سے ایک کا فوراً سر کاٹ دیا گیا اور سر کو جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا۔ اب یہ رسم ہر لحاظ سے مکمل ہوگئی اور کشی پنڈت کو تحائف سے لاد کر رخصت کر دیا گیا۔ روایت کے مطابق دیوی مسلح حالت میں نمودار ہوئی اور اس نے کہا: "جاؤ' تمہارا مذہب دنیا میں خوشحال ہوگا"۔

رسم "پاھل" کا آغاز

سکھوں کے بیانات کے مطابق' جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے' پانچ منتخب چیلوں نے اس موقع پر رضاکارانہ طور پر جو قربانی دی تھی' وہ پاھل کی رسم کے نام سے مشہور ہے اور اس کا آغاز گورو گووند سنگھ نے کیا تھا۔ یہ گورو کی ایجاد نہیں تھی بلکہ اس پرانی سکھ رسم کی تجدید تھی' جسے کافی عرصہ سے ادا کرنا بند کر دیا گیا تھا۔ انہیں ایک کمرہ میں لے جایا گیا اور غسل کرانے کے بعد ساتھ ساتھ بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے ان سے اعلان کیا کہ چونکہ انہوں نے اپنے آپ کو اپنے گورو کے سچے چیلے ثابت کر دیا ہے' لہٰذا وہ انہیں سچے دین کی پاھل عطا کرے گا۔

چیلوں کو "خالصہ" قرار دیا جاتا ہے

اس کے بعد اس نے ایک برتن میں پانی انڈیلا اور اس میں خالص شکر ملا کر اسے دو دھاری خنجر یا قربانی کی تلوار سے ہلایا اور اسے دیوی کے سپرد کیا کہ وہ اسے چھو کر مقدس بنا دے۔ جس وقت وہ رسم ادا کر رہا تھا تو حسن اتفاق سے اس کی بیوی اپنے ہاتھ میں پانچ اقسام کی مٹھائی اٹھائے ہوئے پاس سے گزری۔ اس کو مبارک شگون سمجھ کر مبارک باد دی گئی کیونکہ حادثاتی طور پر ایک عورت کی آمد کو اس بات کی علامت سمجھا گیا کہ سکھ قوم زندہ رہے گی اور اس کی افزائش نسل درختوں کے پتوں کی طرح ہوگی۔ اس کے بعد گورو نے چند اشعار پڑھے اور بچ جانے والے چاروں چیلوں اور ایک دوسرے وفادار چیلے کو تھوڑا سا شربت پلایا اور اس کا کچھ حصہ ان کے سروں پر انڈیلا گیا اور باقی ماندہ ان کے جسموں پر چھڑک دیا گیا۔ تب اپنے ہاتھ سے انہیں تھپکی دینے کے بعد وہ بلند آواز سے چلایا: "کہو واہ گورو کا خالصہ! واہ گورو کی فتح"۔ اس کے بعد وفادار چیلوں کی "سنگھ" یا "شیروں" کے طور پر تعریف کی گئی اور انہیں "خالصہ" قرار دیا گیا۔ تب اس نے خود پاھل کے ذریعے اس طرح اس کا آغاز کیا اور کہا:

"خالصہ گورو سے اور گورو خالصہ سے ہوئے

ایک دوسرے کا تابعدار ہوئے------

مطلب یہ کہ خالصہ گورو سے ہے اور گورو خالصہ سے ہے اور یہ ایک دوسرے کے تابعدار ہیں"۔

اسی طرح گورو کے دیگر چیلوں پر بھی آغاز کیا گیا اور انہیں "سنگھ" یا "جنگ کے سورما" قرار دے دیا گیا۔ گورو نے اس کے بعد بڑی مسرت سے مزید اعلان کیا کہ اس کے بعد جہاں کہیں بھی پانچ سکھ اکٹھے ہوں تو انہیں سمجھنا چاہیے کہ گورو بذات خود ان کے درمیان موجود ہے۔ اپنی تحریر کردہ تصنیف "رحمت نامہ" یا "گووند کی زندگی کا قاعدہ" میں اس نے اپنے پیروکاروں کو اس بات کی یقین دہانی کرائی ہے کہ جو گورو کو دیکھنے کے خواہش مند ہوں' انہیں اس "خالصہ" میں دیکھنا چاہیے۔ اس وقت یہ بھی اعلان کیا گیا کہ جو گورو کا سچا چیلا بننے کی خواہش رکھتا ہے' تو اسے لازمی طور پر پانچ چیزوں کا حامل ہونا چاہیے۔ ان سب کے نام حرف ک سے شروع ہوتے ہیں یعنی کنگھی' کچھ' کرد (چاقو)' کیس (سر کے لمبے بال) اور کرپان (تلوار)۔ جو ان کے بغیر ہوگا' اسے ایک سچا چیلا نہیں سمجھا جائے گا۔

گورو اب اپنے کار عظیم پر کاربند ہوا' جو مکمل طور پر ہندومت کی مکمل اصلاح اور

ذات پات کے امتیازات کو مٹانے کے لیے تھا۔ اس نے تمام انسانوں کو بغیر ذات پات، قوم اور نسل کے خدائے واحد کی عبادت کے لیے لانے کی کوشش کی اور دلیل پیش کی کہ اس کے سامنے سبھی یکساں ہیں۔ اس نے تمام سکھوں کو اپنے پاس بلا بھیجا اور سخت احکامات جاری کیے۔ ہر وہ گھر، جس میں چار مرد رہتے ہوں، تو وہ دو آدمیوں کو اس کی خدمت کے لیے وقف کر دے۔

ایک پندرھواڑے سے بھی کم عرصہ میں ۸۰ ہزار سکھ اپنے گورو کے حکم کی تعمیل میں مکھووال میں جمع ہوئے اور جب سب جمع ہو گئے تو جنگجو گورو نے ایک طلائی کرسی پر بیٹھ کر ایک فصیح و بلیغ خطاب کیا، جس نے اس کے سامعین کے ذہنوں پر گہرا نقش چھوڑا۔ اس نے خدا کی تعریف سے اپنی تقریر کا آغاز کیا، جس کے بارے میں اس نے بیان کیا کہ وہ قادر مطلق، زبردست، نظر نہ آنے والا اور مہربان ہے۔ اس نے کہا کہ خدا کی عبادت سچے دل اور خلوص کے ساتھ کرنا چاہیے اور کسی مادی مماثلت سے اس کی توہین نہیں کرنی چاہیے۔ صرف خدا ہی دین کی آنکھ سے خالصہ کے عام جسم میں دیکھ سکتا ہے۔ اس کے بعد اس نے ان کے سامنے اپنے خاص کام کے عظیم مقصد کا اعلان کیا اور اعلان کیا کہ اسے خدا نے ایک پیغام رساں کی حیثیت سے اور نانک کی روح کے وارث کی حیثیت سے بھیجا ہے، اسے ایک ایسے چراغ کی حیثیت سے بھیجا ہے جو اپنے شعلے کو دوسرے تک منتقل کرتا ہے۔ اس نے مجھے خالصہ کو محفوظ اور آزاد کرانے کے لیے اور تمام سکھوں کو ایک مشترکہ بھائی چارے میں متحد کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس نے کہا "تمہارے اندر کوئی امتیاز موجود نہیں ہے اور تم سب کو یکساں ہونا چاہیے۔ کوئی آدمی کسی دوسرے سے بڑا نہیں ہے"۔

ہندوؤں کے چاروں قبائل : برہمن، چھتری، وانسا اور سدرا کو ایک بن جانا چاہیے اور پان، چونا، سپاری اور کتھا کی طرح تمام اجزاء کو ملا کر باقاعدہ طور پر گاہکوں کو دیا جاتا ہے، اسی طرح ایک رنگ کے ہو جاؤ۔ سب ایک ہی میز پر کھاؤ اور ایک ہی پیالے سے پیو۔ ذات پات کو فراموش کر دینا چاہیے، بتوں کو تباہ کر دینا چاہیے، برہمنوں کے دھاگے کو توڑ دینا چاہیے، خود ساختہ درویشوں کی قبروں کو چھوڑ دینا چاہیے اور قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہیے۔ اس نے ست گورو کی پاھل میں نجات کے جس واحد راستے کی ابتداء کی تھی، وہ خالصہ کی خالصیت اور تقدس کا سچا عقیدہ تھا اور خالق کائنات سے تعریف و توصیف اور شان و شوکت کو منسوب کیا گیا تھا۔ ان کے الفاظ کو قوانین (۷) کے مطابق ہونا چاہیے، جو ہیں : کرت نس، کلنس، دھرم نس، کرم نس، وتنس اور ہتنس، موروثی پیشے،

خاندانی روابط اور الفت' مذہبی عقیدے یا آواگون کے عقیدے' رسم و رواج اور سماجی تعلقات کو مکمل طور پر ترک کر کے اس کی بجائے ست گورو کے سچے مذہب کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی۔

اس وقت سے گووند نے اپنے بالوں کو گانٹھ (یا کیس) کی شکل میں باندھ کر بذات خود صرف کو کہ یا "ک" سے شروع ہونے والی پانچ اشیا رکھنے کے متعلق اپنے احکامات کی مثال قائم کر دی اور اپنا نام تبدیل کر کے سنگھ رکھ لیا۔ اسی طرح اس نے اپنے چیلوں کے نام بھی سکھ سے سنگھ میں تبدیل کر دیے۔ یہ باوقار خطاب صرف ہندوؤں کے پہلے عسکری طبقے راجپوتوں نے اختیار کیا تھا۔ چنانچہ سکھوں نے یکدم اپنے رتبے کو بلند تر سمجھنا شروع کر دیا اور ان کے رہنما نے ان کے لیے دنیاوی شان و شوکت کی روشن ترقی کے راستے کھول دیے اور ان کی عسکری شجاعت کو بیدار کرتے ہوئے انہیں بلند حوصلہ کے کارنامے سرانجام دینے کو کہا۔ تمام سکھوں کو دی جانے والی برابری سے چند برہمن اور چھتری ناراض ہوگئے اور انہوں نے گورو کا ساتھ چھوڑ دیا۔ لیکن اس کی بڑی طاقت ہندوؤں کے نچلے طبقوں پر مشتمل تھی۔ وہ اس کے جھنڈے تلے جمع ہوئے اور پاھل کی تعلیم حاصل کی۔ ان سب کو مقدس تالاب میں اشنان کرنے اور امرتسر کے مقدس گوردوارہ میں جمع ہو کر عبادت کرنے اور عظیم نانک کی گرنتھ سننے کی اجازت تھی۔

گورو کے چیلے' جنہیں اس نے "خالصہ" کا نام دیا تھا' ان سے تقاضا کیا گیا کہ وہ پیدائش سے ہی ہمیشہ اپنے آپ کو فولاد کی کسی چیز سے مسلح رکھیں' اپنے بالوں (۸) کو بڑھنے دیں' نیلا لباس پہنیں (۹) اور سرخ کپڑے پہننے یا تمباکو کھانے اور پینے سے باز رہیں۔ غذا اور مشروبات (شراب) سے متعلق تمام ممانعتوں کو ختم کر دیا گیا۔ انہیں تلقین کی گئی کہ وہ ایک دوسرے کو سلام کرتے وقت کہیں "واہ گورو جی کا خالصہ' سری واہ گورو جی کی فتح!" ان میں سے چند ضابطے' (مثلاً نیلا لباس پہننے کی موزونیت) معلوم ہوتا ہے سکھوں کو ایک امتیازی قومی حیثیت دینے اور ہندومت کے خلاف ایک مزاج دینے کی خواہش کے تحت شروع کیے گئے' کیونکہ عام طور پر ہندو نیلے رنگ کے مخالف ہیں۔ ایک برہمن پجاری بڑی احتیاط سے اپنے سر کو منڈوا کر رکھتا ہے اور یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ سکھوں میں اپنے جسم کے کسی بھی حصہ سے بال ترشوانا ممنوع ہے۔ دیگر ضابطوں مثلاً فولاد کو باندھنے یا لگانے اور نعرہ "واہ گورو" کا مقصد واضح ہے' کیونکہ فولاد انہیں سپاہی بننے کا قول یاد کراتا ہے' جبکہ "واہ گورو" کا نعرہ ہر لمحے ان کے ذہن میں مذہبی جوش و خروش کو تازہ کرتا اور مستقل طور

پر ان میں اپنی برادری (جس کے وہ رکن ہیں) کے لیے قول و قرار اور فرض کے جذبے کو بیدار کرتا رہتا ہے۔

گورو کی پوجا کا آغاز

اس وقت گورو گووند کی پوجا شروع ہوگئی۔ اس کے پیروکار ایک دیوتا کی طرح اس کی پرستش کرنے لگے، لیکن عسکری ترقی کے لیے اس کے منصوبہ جات ابھی مکمل نہیں ہوئے تھے۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو دستوں اور جتھوں میں منظم کیا اور ستلج اور جمنا کے درمیان پہاڑوں کے ساتھ ساتھ قلعے قائم کرنے کے علاوہ اپنے پہاڑی ہمسائیوں کے حملوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے زیریں ستلج کے میدانوں پر قلعے اور فوجی چوکیاں بھی قائم کیں۔ ناہن، اندور اور نالا گڑھ کے پہاڑی راجاؤں سے اس کے اختلافات پیدا ہوگئے، لیکن اس نے اپنے وسیع عسکری وسائل کی مدد سے ان سب کو شکست دے دی۔ خود گورو بھی متعدد جنگوں کے بارے میں بتاتا ہے، جن میں وہ خود بھی شریک ہوا اور ان میں اس نے ذاتی طور پر جس بہادری اور عسکری مہارت کا مظاہرہ کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں ایک مذہبی معلم اور فوجی کماندار کی خصوصیات کا امتزاج تھا۔ نالا گڑھ کے راجہ کے ساتھ جنگ میں اس نے پٹھان فوج کو شکست دی اور اپنے ہاتھ سے راجہ ہری چند کو ہلاک کیا۔ گووند نے اب آنند پور میں اپنی حالت کو مضبوط بنا لیا تھا اور کہلور کے راجہ بھیم چند سے الحاق کر لیا تھا، جس نے کانگڑہ میں شاہی حکام کو معمول کا خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور بڑی کامیابی کے ساتھ ہتھیاروں کی مدد سے ان کا مقابلہ کیا۔ کہلور راجہ کی قائم کردہ مثال کی دوسرے پہاڑی سرداروں نے بھی تقلید کی، جنہوں نے گورو کی حمایت کے باعث شاہی خزانہ کو خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مسلمان فوجوں نے گورو کے مورچے پر حملہ کیا، لیکن انہیں مکمل طور پر پسپا ہونا پڑا۔ اب گووند نے اپنے چاروں طرف کے علاقے کو مطیع کیا اور اپنی فتوحات کو دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر واقع روپڑ تک توسیع دے دی۔ اس سے مسلمان حکومت اور پہاڑی راجاؤں میں کچھ تشویش پیدا ہوگئی، جن کو گورو کے ہاتھوں گزند پہنچی، لہٰذا وہ اس بات پر چوکس ہوگئے کہ اسے ان کے علاقوں اور مقبوضہ خطوں سے نکال دینا چاہیے۔ انہوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ اس کی طاقت کو نیست و نابود کر دے جو اپنے آپ کو "سچا بادشاہ" کہتا ہے۔ اورنگ زیب نے حاکم لاہور زبردست خاں اور حاکم سرہند شمس الدین خاں کو حکم دیا کہ وہ گورو کے خلاف پیش

قدی کر دیں۔ گورو نے ایک مایوس مقابلہ کیا' لیکن آخرکار اسے شکست ہوئی اور وہ مکھو وال کے قلعہ میں محصور ہوگیا۔ اس کی ماں گجری اور اس کے دونوں بیٹے زور آور سنگھ اور فتح سنگھ سرہند کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے' جہاں انہوں نے اپنے آپ کو ایک ہندو چیلے کے مکان میں چھپا لیا۔ صوبے کے حاکم وزیر خاں کے دیوان کلجاس نے انہیں حاکم کے سامنے پیش کر دیا' جس نے ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے اسلامی قانون کے مطابق ان کی جاں بخشی کر دی' جو غیر مسلم بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع کرتا ہے۔ دیوان کو' گووند سنگھ سے ذاتی طور پر کوئی عناد تھا' لہٰذا اس نے وزیر خاں سے بار بار منت سماجت کی کہ وہ اس کے دشمن کی بیوہ اور دونوں بیٹوں کو ہلاک کر دے۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ وہ اس کی اولاد ہیں جو تمام مسلمانوں کا جانی دشمن ہے اور یہ یقیناً اپنے باپ کے نقش قدم پر چلیں گے۔ وزیر خاں نے اسے بتایا کہ وہ بلاوجہ اپنے مذہب کے قوانین کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا' جو یہ تجویز کرتا ہے کہ باپ کے جرائم کی سزا بیٹے کو نہیں ملنی چاہیے اور ہر کوئی اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ ایک روز جب گورو کے دونوں بیٹے حاکم کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے تو وہ ان کی شاندار وضع قطع اور خوبصورتی سے بہت خوش ہوا اور ان سے مہربانی سے کہا: "لڑکو! اگر ہم تمہیں آزاد کر دیں تو تم کیا کرو گے؟" لڑکوں نے جواب دیا: "ہم اپنے سکھوں کو جمع کریں گے' انہیں جنگی ہتھیار فراہم کر کے تمہارے ساتھ جنگ کر کے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے"۔ حاکم نے کہا: "اگر تمہیں جنگ میں شکست ہو جائے تو پھر تم کیا کرو گے؟" لڑکوں نے جواب دیا: "ہم دوبارہ اپنی فوجیں جمع کر کے یا خود مر جائیں گے یا تمہیں ہلاک کر دیں گے"۔ حاکم اس ہتک آمیز اور بے باک جواب سے آگ بگولا ہوگیا۔ اس نے کلجاس کو حکم دیا کہ وہ ان لڑکوں کو اس کے سامنے سے ہٹا دے اور انہیں اپنے گھر روانہ کر دے۔ چنانچہ کلجاس نے ان لڑکوں کو ہلاک کر دیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے ان بچوں کو ایک دیوار کی بنیاد تلے رکھ دیا اور جگہ کو اوپر سے بند کر کے انہیں زندہ دفن کر دیا۔ گجری اپنے پوتوں کی المناک موت کے غم میں فوت ہوگئی۔

جب مکھو وال کے قلعہ میں تمام اشیائے خورد و نوش ختم ہوگئیں تو گووند اپنے چالیس وفادار چیلوں (باقی ماندہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے یا جنگ میں مارے گئے) کے ہمراہ' زیریں روپڑ میں چم کور کے قلعہ کی جانب فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ شاہی فوج نے بڑی تندہی سے اس کا تعاقب کیا۔ انہوں نے چھوٹی سی جگہ کو گھیر لیا تھا۔ اس کے زندہ بچ جانے والے

دونوں بیٹوں جوجھر سنگھ اور جیت سنگھ کو ان کی والدہ سندری کے ہمراہ اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ گورو نے بذات خود بھی بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور اپنے ہاتھ سے شاہی فوج کے کماندار ناہر خاں کو ہلاک کیا اور دوسرے خواجہ محمد کو زخمی کر دیا۔ تاہم یہ ایک مٹھی بھر افراد کا غالب اکثریت کے ساتھ مقابلہ تھا۔ چھوٹی سی جانثار جماعت آخر دم تک لڑی' لیکن گورو رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پانچ چیلوں کے ہمراہ بھیس بدل کر اپنے پڑاؤ کے قرب و جوار میں فرار ہوگیا۔ یہاں پر گورو کے بیٹے جیت سنگھ کے بیباک حوصلے کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ شاہی فوج کے کمانداروں ناہر خاں اور خواجہ محمد نے گورو کے پاس ایک ایلچی بھیج کر اسے یاددہانی کرائی کہ اس نے ادنیٰ پہاڑی سرداروں کی غیر منظم افواج سے مقابلہ کر کے انہیں ذلیل کرنے کے بجائے مغل اعظم' شہنشاہوں کے شہنشاہ' گیتی پناہ' غریب پرور' عالمگیر اورنگ زیب کی ناقابل تسخیر افواج کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ اور یہ کہ ناممکنات کے ساتھ مقابلہ کر کے اس نے پاگل پن کا ثبوت دیا ہے۔ اور یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ دشمنی کو ختم کر کے فوری طور پر اپنی اطاعت پیش کرو اور اپنے کفر کو ترک کر کے دین اسلام اختیار کر لو۔ نوجوان جیت سنگھ نے اپنی تلوار کھینچ کر پیغام رساں سے چلا کر کہا: "دوسرا لفظ ادا کرو گے تو میں تمہارا سر تن سے جدا کر کے تمہارے ٹکڑے کر دوں گا کہ تمہیں ہمارے سردار سے اس طرح مخاطب ہونے کی جرات کیسے ہوئی!"--- ایلچی کا خون بھی غصے سے کھول اٹھا' لہٰذا وہ اس دھمکی کے ساتھ شاہی پڑاؤ میں لوٹ آیا۔

جب دونوں بیٹوں کی ہلاکت کی خبر گووند تک پہنچی تو اس نے بڑے صبر و تحمل اور سکون سے اسے سنا۔ اس کے پیروکار ماتمی لباس میں ملبوس ہو کر بہت بڑی تعداد میں اس کے پاس تعزیت کے لیے آئے۔ ان میں سے بہت سے افراد نے رونا شروع کر دیا' لیکن اس نے انہیں نرمی سے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور انہیں یاد دلایا کہ یہ اموات خدا کی مرضی کے مطابق ہیں۔ اس نے اپنی انگلی سے زمین پر دو یکساں لکیریں کھینچیں اور پھر انہیں اپنے ہاتھ سے مٹا کر کہا: "سکھ بھائیو! جب یہ لکیریں وجود میں آئیں تو کوئی خوشی نہیں تھی اور جب انہیں مٹا دیا گیا تو اس پر کوئی افسوس نہیں ہونا چاہیے۔ جس طرح یہ لکیریں عارضی ہیں' اسی طرح اس دکھ بھری عارضی دنیا کے معاملات بھی عارضی ہیں۔ خدا ایک چیز کو بناتا ہے اور ایک چیز کو نہیں بناتا۔ جب حکومت اس کے ہاتھ میں ہے تو ہم اعتراض کرنے والے کون ہیں؟ اس کی مرضی پر مضبوطی سے بھروسہ رکھو کیونکہ وہ قادر مطلق ہے۔

ہم بیچارے فانی اس کے سامنے بھلا کیا ہیں؟" ان الفاظ نے گورو کے چیلوں کے ذہنوں پر جادو کا سا اثر کیا' جنھوں نے جب دیکھا کہ گورو اپنی جگہ ثابت قدمی سے قائم ہے تو انہوں نے اپنے غم کو پرے ہٹایا اور اپنے سامنے دوہرے جوش و خروش کے ساتھ اپنے دین کے دشمنوں کے ساتھ لڑائی کے معاملہ کو رکھا۔

گووند نے اپنے پانچ چیلوں کے ہمراہ ابھی چند میل تک سفر کیا ہو گا کہ اس کی ملاقات دو پٹھانوں' نامے خاں اور غنی خاں سے ہوئی' جنھوں نے گورو کو پہچان کر اسے حاکم وزیر خاں کے پاس لے جانے کا ارادہ کیا۔ گورو نے ان سے منت سماجت کی اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس کی جاں بخشی کر دیں تو وہ انہیں کثیر انعامات سے نوازے گا۔ گزشتہ دور میں گورو نے ان سے مہربانی کی تھی' لہٰذا اب وہ اسے بحفاظت ضلع لدھیانہ میں بہلول پور تک لے گئے۔ وہاں گورو نے اپنے ایک ایرانی معلم' قاضی' پیر محمد کے پاس پناہ حاصل کی۔ بے شمار مصائب کا سامنا کرنے اور بڑی بڑی آفات جھیلنے کے بعد وہ **بھٹنڈا** کے جنگلات میں پہنچ گیا' جہاں اس کے چیلے دوبارہ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ موضع رائے پور کہلور میں ایک مختصر عرصے تک اپنی صحت اور طاقت کو بحال کرنے کے لیے قیام کرنے کے بعد گورو نے ضلع فیروز پور میں مکتیسر تک سفر کیا' جہاں وہ تمام سکھ' جو اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے' دوبارہ جمع ہو گئے۔ یہاں پر گووند بارہ ہزار لڑاکے سپاہی بشمول شہسوار اور پیادہ سپاہیوں کے جمع کرنے کے قابل ہو گیا۔ جب یہ خبر حاکم ہند تک پہنچی تو اس نے گورو کی افواج کو منتشر کرنے کے لیے سات ہزار سپاہیوں پر مشتمل شاہی فوج کو روانہ کیا' لہٰذا شاہی فوج اور سکھوں کے درمیان مکتیسر میں ایک جنگ لڑی گئی' جس میں سکھوں کو فتح حاصل ہوئی۔ گورو نے اپنے سپاہیوں کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی اور میدان جنگ میں بہادری دکھانے پر ان کی تعریف کی اور جواں مردی اور بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اس جنگ میں دونوں جانب سے بے شمار افراد ہلاک ہوئے۔ فیروز پور ضلع میں مکتی سر کے نام سے مشہور تالاب گورو نے میدان جنگ پہ تعمیر کرایا تھا اور سکھ اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو کوئی بھی اس میں نہاتا ہے اسے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ تب سے گورو نے اسے "مکتی سر" کا نام دیا' جس کا مطلب "نجات کا تالاب" ہے۔ ہر سال اس مقام پر رونما ہونے والے واقعات کی یاد میں ماگھ کی پہلی تاریخ کو مکتی سر کے مقام پر ایک بہت بڑا میلہ منعقد ہوتا ہے اور پنجاب کے تمام حصوں سے سکھ یہاں جمع ہوتے ہیں۔

اس کے بعد گورو مالوا چلا گیا اور کچھ عرصہ بڑے سکون سے وہاں بسر کیا اور اپنے آپ کو زیادہ تر اپنے مذہب میں لوگوں کو شامل کرنے کے کام میں مشغول رکھا۔ یہ زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس ملک کے اس حصہ کے لوگ قابل افسوس حد تک جہالت میں پڑے ہوئے تھے۔ اس نے وہاں اپنی رہائش کے لیے ایک کشادہ مکان تعمیر کرایا' جسے وہ دمدمہ کہتا تھا۔ یہاں پر ہر سال ایک عظیم میلہ منعقد ہوتا ہے۔ جب عمارت کی تعمیر مکمل ہوگئی تو گورو نے اعلان کیا کہ اس کے بعد جو کوئی اس جگہ حاضری دے گا' چاہے وہ جاہل ہو یا بے خبر ہی کیوں نہ ہو' تو اس جگہ زیارت کرنے کی نیکی سے ہو سکتا ہے وہ اپنے علم میں ممتاز ہو جائے۔ اس دنیا میں اس کے تمام کاموں کو کامیابی نصیب ہو اور آنے والی دنیا میں اس پر بیشمار عنایات نچھاور ہوں۔ بہت سے سریع الاعتقاد سکھوں نے قابل تعریف عالم فاضل بننے کی امید میں ہر سال اس جگہ حاضری دینی شروع کر دی اور یہ تخیل کی طاقت ہے کہ ان کے جاہل معاصران سادہ لوحوں کو عالم فاضل اور فلسفی سمجھنے لگے' لہٰذا ان کی رائے کو تمام موقعوں پر معتبر سمجھا جاتا ہے اور ان کے فیصلوں کو بڑی فرمانبرداری کے ساتھ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس جگہ پر سادھو اور فقیر آباد ہیں' جو سارے ملک میں سفر کرنے کے بعد وہاں آباد ہوگئے۔ اگر کوئی آدمی اپنے آبائی وطن سے سفر کرنے کے بعد اس دمدمہ پر حاضری دینے اور اس مقام کے عمر رسیدہ سادھوؤں کے ماحول میں گھل مل کر تھوڑی سی دانش مندی حاصل کر لے تو اس میں حیرانگی والی کوئی بات نہیں ہوگی۔ یہاں پر گورمکھی اپنی بہترین طرز میں لکھی جاتی ہے۔

اس کے بعد گورو سرہند آیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں مسلمان حاکم کے احکامات کے تحت اس کے دو کم سن بیٹوں کو بیدردی سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ سکھ اس شہر سے انتہائی تلخ قسم کی نفرت رکھتے تھے' چنانچہ انہوں نے ہاتھ جوڑ کر گورو سے التجا کی "اے سچے بادشاہ! ہمیں حکم دو کہ ہم اس شہر کو جلا کر راکھ کر دیں کیونکہ ہم اس کو دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں تمہارے دو چہیتے بیٹے قتل کر دیے گئے تھے"۔ گورو نے سوچا کہ خود شہر نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے اور اگر اس کو تباہ کر دیا گیا تو اس کے بیٹوں کی موت کا بدلہ نہیں لیا جا سکے گا۔ سکھ' جو بہت زیادہ مشتعل ہوگئے تھے' انہوں نے بار بار گزارش کی' لیکن گورو ان کی درخواست ماننے پر رضامند نہیں ہوا اور یہ دانش مندی تھی' کیونکہ وہ بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اسے جس قسم کی تیز کوشش کا مشورہ دیا جا رہا ہے' اس سے وہ بادشاہ کی دشمنی مول لے گا اور یہ چیز اسے نئی مصیبتوں میں گرفتار کر دے گی۔ تاہم اس

نے اپنے مشتعل چیلوں کو بلند آواز میں یہ کہہ کر اس معاملے پر سمجھوتہ کر لیا: ”جو میرا سکھ ہے‘ وہ جب دریائے گنگا کے قریب سے گزرے تو ایک چیز کرے۔ وہ یہاں پر معصوم بچوں کے ساتھ ہونے والے جرم کے خلاف نفرت کا اظہار کرنے کے لیے شہر سے دو اینٹیں کھینچے اور اسے دریائے ستلج میں پھینک دے۔ میرے سکھ اسے سرہند کے نام سے نہیں پکاریں گے‘ بلکہ گورو مار کے نام سے پکاریں گے۔ یہ رسم ابھی تک ادا کی جاتی ہے اور گنگا پر جانے والے زائرین جب سرہند میں سے گزرتے ہیں‘ چاہے جا رہے ہوں یا واپس آ رہے ہوں‘ دو اینٹیں لا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ صبح کے وقت‘ سرہند کے نام کے ذکر کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ سکھوں نے وہاں ایک بہت بڑی سادہ تعمیر کی‘ جہاں اب بھی زائرین کے ہجوم حاضری دیتے ہیں۔

اورنگ زیب کی حکومت کے اختتام کے قریب گورو بڑے سکون سے آنند پور میں رہ رہا تھا‘ لیکن بادشاہ‘ جو اس وقت دکن میں تھا‘ ہمیشہ اس کی طرف سے فکرمند رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک فرمان جاری کر کے گورو کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ جب ایلچی گووند کے پاس پہنچا اور شاہی فرمان اس کے حوالے کیا تو اس نے اسے بوسہ دیا اور اسے احتراماً اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس نے ایلچی کی خوب آؤ بھگت کی اور اسے کہا کہ وہ بذات خود شہنشاہوں کے شہنشاہ کا ماتحت اور فرمانبردار ہے اور حضور والد کا حکم میرے لیے ایک اعزاز ہوگا‘ لیکن ایلچی کے ہمراہ جانے سے قبل وہ بادشاہ کو اپنی شکایت تحریر کر کے پیش کرنا زیادہ بہتر خیال کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے فارسی زبان میں ایک نظم مرتب کی‘ جو چودہ سو قطعات پر مشتمل تھی‘ جس میں اس نے اپنی قسمت کے الٹ پھیر اور شاہی حکومت کے ہاتھوں ہونے والی آفات کی ایک واضح تصویر پیش کی۔ اس نے کہا‘ اسے بے اولاد‘ بن ماں اور بے گھر کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنے خاندان سے محروم ہوگیا ہے اور اس کے پیارے دوستوں کو اس سے چھین لیا گیا ہے۔ روز جزا آخر ایک دن آئے گا جب زیادتی کرنے والے کو خالق کائنات کے سامنے ان زیادتیوں کا حساب دینا ہوگا جو وہ مجبوروں اور مظلوموں سے کرتا رہا۔ وہ خود اپنی زندگی سے تنگ آگیا ہے اور موت کو حقیر سمجھتا ہے۔ اسے کسی کا خوف نہیں اور وہ مرنا چاہتا ہے‘ لیکن اگر وہ مرگیا تو اس کی موت کا انتقام لیا جائے گا۔

خط کو سربمہر کر کے ایلچی کے حوالے کر دیا گیا اور اسے قیمتی تحائف سے لاد کر رخصت کیا گیا۔ اس مراسلے کے ہمراہ گورو کے نمائندے بھائی دیا سنگھ کو بھی روانہ کیا گیا۔ بادشاہ خط کے مضمون اور اس کے ساتھ آنے والے بھائی دیا سنگھ کے لباس کی وضع قطع

سے بہت خوش ہوا۔ اس نے اس کو خلعت سے نوازا اور گورو کے لیے ایک خط اور قیمتی تحائف دے کر رخصت کیا۔ اس خط میں گورو سے دوبارہ کہا گیا کہ وہ بادشاہ کے پاس حاضر ہو تو اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا جائے گا۔ چنانچہ گورو' (۱۰) اورنگ زیب کے پاس حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ لیکن ابھی وہ راستے میں تھا کہ اس نے عمر رسیدہ بادشاہ کے انتقال کی خبر سن لی۔ ۱۷۰۷ء۔

جب گووند دکن پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بہادر شاہ اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ نئے بادشاہ نے سکھ گورو کا بڑا شاندار استقبال کیا اور اسے تحائف عنایت کیے' جو قیمتی شامیانوں' ہاتھیوں اور گھوڑوں پر مشتمل تھے اور اسے فوج میں پانچ ہزاری منصب پر فائز کیا' لہٰذا اس نے ایک باغی سردار کی خدمات کو حکومت کے فائدے کے لیے استعمال کر لیا۔

دکن میں قیام کے دوران' گووند نے ایک پٹھان کو ملازم رکھا اور اس پر وہ بہت زیادہ توجہ دیتا تھا۔ اس کے ذریعے اس نے متعدد بہترین گھوڑے خریدے۔ گورو نے قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کر دی۔ پٹھان بے چین ہوگیا اور اس نے گورو سے سخت زبان استعمال کی۔ گورو اس پر مشتعل ہوگیا۔ اس نے اپنی تلوار کھینچی اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ گورو اپنے ملازم اور دوست کے نقصان پر بہت پچھتایا' لہٰذا اس نے اس کے بیٹوں اور بیوہ کو بلایا اور انہیں روپیہ پیسہ اور تحائف سے نوازا' لیکن پٹھان کے لڑکوں نے اپنے باپ کے قاتل کے خلاف انتقامی جذبات کا اظہار کیا اور اس کی موت کا بدلہ لینے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں رہے۔ ایک روز وہ گورو کی خوابگاہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے اور اس کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ وہ مرگیا ہے' لڑکے بھاگ اٹھے۔ لیکن گورو مرا نہیں تھا۔ خنجر اس کے پیٹ میں کافی حد تک داخل نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ اسے لگنے والے زخم سے اس کی انتڑیوں کا ایک حصہ بچ گیا تھا۔ گورو نے زخم کو دیکھا تو وہ چلا اٹھا: "اے سکھ بھائیو' میں مرگیا!" سب سکھ جمع ہوگئے۔ لوگ ہر طرف بھاگے۔ لہٰذا حملہ آوروں کو پکڑ کر گووند کے سامنے لایا گیا۔ تاہم گورو نے اپنے چیلوں سے کہا کہ وہ نوجوان پٹھانوں کو تنگ نہ کریں' کیونکہ انہوں نے اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کے لیے ٹھیک کیا ہے۔ لہٰذا اس نے حکم دیا کہ انہیں بغیر کوئی گزند پہنچائے رہا کر دیا جائے۔

زخم کو سی دیا گیا اور تمام زخم ٹھیک ہوگئے۔ لیکن معلوم ہوتا تھا گورو کا ذہن منتشر ہوگیا تھا اور اپنے بچوں اور دوستوں کے افسوسناک انجام کا غم اس پر غالب آگیا تھا' لہٰذا وہ

مرنے کو ترجیح دینے لگا۔ ایک روز اس کے پاس جانچنے اور معائنہ کرنے کے لیے ایک مضبوط کمان لائی گئی۔ اس نے اپنی پوری قوت سے اس کو موڑا اور اس کے باعث اس کے زخموں کے ٹانکے کھل گئے، جو ابھی تک تندرست نہیں ہوئے تھے۔ انتڑیاں دوبارہ باہر آ گئیں اور خون لگاتار بہنے لگا۔ جراح، جسے دہلی سے بلوایا گیا تھا، اس نے زخموں کو دوبارہ سی دیا، لیکن گورو بے چین رہا۔ وہ اسی حالت میں ایک پالکی میں سوار ہوا اور آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے جنوب کی طرف سفر شروع کر دیا۔ جب وہ قصبہ نادر میں پہنچا تو بہت زیادہ تھک گیا، لہٰذا اس نے اپنے چیلوں کو رکنے کے لیے کہا۔ تب اس نے انہیں بتایا کہ اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے اور اب کوئی دوا فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ انہیں چاہیے کہ وہ غریبوں میں خیرات تقسیم کریں اور جگ (۱۱) ادا کریں۔ گورو کے حکم کی تعمیل میں ہزاروں برہمنوں کو کھانا کھلایا گیا اور ان میں خیرات کے طور پر روپیہ پیسہ تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد گورو نے حکم دیا کہ اس کے کریا کرم کی تیاری کی جائے۔ اس کے سکھوں نے جب دیکھا کہ ان کے روحانی پیشوا اور مالک کا آخری وقت آن پہنچا ہے تو وہ دکھ اور افسوس کے باعث رونے لگے اور انہوں نے انتہائی غم کی حالت میں اپنے ہاتھ جوڑ کر اس سے کہا: "اے سچے گورو! جب تم نہیں ہوگے تو کون ہم میں سچائی کا جذبہ پیدا کرے گا اور ہماری نجات اور فتح و نصرت کی جانب رہنمائی کرے گا؟" گورو نے جواب دیا کہ دس مقررہ اشخاص نے اپنے خاص کام کو پورا کر دیا، لہٰذا میں اپنے پیارے خالصہ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں، جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ قریب المرگ گورو نے کہا "میں اپنے خالصہ کو ہمیشہ رہنے والے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ جو کوئی گورو کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ اسے ۱-۴ یا کم روپے کا کڑھا پرشاد پیش کرے اور گرنتھ کے سامنے جھک کر اسے کھولے تو گورو سے اس کی ملاقات ہو جائے گی۔ تم جو مانگو گے تمہیں ملے گا۔ بعد میں گرنتھ، دنیا میں تمہاری مشکلات اور مصائب میں تمہاری مدد کرے گی اور تمہاری حقیقی رہنما ہوگی۔ گورو، چیلوں کی صحبت، خالصہ میں رہے گا اور جہاں کہیں بھی پانچ سکھ اکٹھے ہوں گے، وہاں گورو بھی موجود ہوگا"۔ گورو نے انہیں کئی نصیحتیں بھی کیں۔ انہیں بتایا کہ دنیا میں ایسے کئی دغاباز ہیں جو انہیں صحیح راستے سے بھٹکائیں گے، لیکن اس کے چیلے ان کے خلاف دفاع کریں گے اور ان کی کسی بات پر کان نہیں دھریں گے۔ انہیں ایک خدا پر مکمل یقین ہونا چاہیے اور گرنتھ کو اس کا الہامی قانون سمجھنا چاہیے۔ جب اس کے سانس اکھڑنے لگے تو اس نے اپنے چیلوں سے کہا "مجھے غسل دے کر نئے کپڑے پہنا دو اور مجھے میرے ہتھیاروں سے مسلح کر دو، لیکن جب میری روح پرواز

کر جائے تو میرے کپڑے اور ہتھیار اتارنا مت' بلکہ میرے ساتھ ہی جلا دینا"۔

اس کے بعد گورو خود ہی چتا پر بیٹھ گیا اور آسمان کی طرف مسرت بھری نگاہ ڈالنے کے بعد مندرجہ ذیل سوایا (۱۲) ادا کیا:

پائی گہے تمری جب تے تب تے کہو آنکھ تیری نہیں آئیون
رام رحیم پران قران امنک کہیں تب ایک نہ مانیون
سمرتہ شاستر و یدسوئی بہ بھید کہی ھم ایک نہ مانیون
سری اسپان کرپا تمری کری نہ کیو سب تو ھی پچھانیون

(ترجمہ) "جب سے میں نے تمہارے پاؤں چھوئے ہیں میں نے اپنی آنکھیں تم پر جما دی ہیں۔ اے رام اے رحیم' پران اور قران مختلف نظاموں کی تعلیم دیتے ہیں' میں نے ان کی ایک نہیں مانی سمرتی (۱۳)' شاستر اور وید' مختلف انداز میں تعلیم دیتی ہیں' میں کسی کو نہیں جانتا۔ اے خدائے پاک' تمہاری مہربانی تو ایسی ہے کہ اگرچہ میں نے تمہیں ہاتھ سے چھو کر محسوس نہیں کیا' لیکن پھر بھی میں نے تمہیں پوری طرح پہچان لیا ہے"۔

تب اس نے آنکھیں بند کر کے دعا مانگنی شروع کر دی اور تپسیا کرتا ہوا فوت ہو گیا۔

یہ سکھوں کے عظیم مصلح اور ان کے آخری گورو' گوبند سنگھ کا انجام تھا۔ وہ ۱۷۶۵ء سمت' بمطابق ۱۷۰۸ء میں' گوداوری کے کنارے ناور کے مقام پر اڑتالیس برس کی عمر میں فوت ہوا۔ اس نے بطور گورو ۳۰ برس اور گیارہ ماہ حکومت کی۔ تمام علاقوں سے سکھ جمع ہوئے اور فضا میں ایک بلند نعرہ گونج رہا تھا "جے جے کر" (فتح)' چتا پر پھول نچھاور کیے گئے' بھجن پڑھے گئے' ربابیوں نے رباب بجائے اور سادھوؤں نے بھجن گائے۔ اس کے تمام چیلوں نے اس قومی سانحے کا سوگ منایا اور یہاں تک کہا جاتا ہے کہ غم کے نتیجہ میں چند لوگ فوت ہو گئے۔ شہیدوں کے سادھیں بنائی گئیں اور خوبصورت دھرم شالائیں تعمیر کی گئیں۔ انہیں میں گورو کی سادھ بھی تعمیر کی گئی' جو آج بھی ایک عظیم عبادت گاہ کے طور پر موجود ہے۔ یہ سادھ' ناور شہر سے آدھ میل کے فاصلے پر ہے۔ سکھ اسے ابچل یا ابکالنگر کہتے ہیں۔ وہاں پر تلواروں' ڈھالوں' بھالوں وغیرہ کی بہت بڑی تعداد کو رکھا گیا اور سکھ ان چیزوں کے اپنے عظیم گورو سے تعلق کے باعث ان کی پوجا کرتے ہیں۔ پجاریوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس سادھ سے وابستہ ہے۔ جب کبھی ان پجاریوں کو روپے پیسے کی ضرورت

ہوتی ہے تو وہ بیرونی سکھوں کو خطوط جاری کر دیتے ہیں۔ اس خط کو حکم نامہ کہا جاتا ہے اور ہر سکھ اپنی بساط اور حالات کے مطابق کچھ نہ کچھ ادا کرتا ہے۔ اس پر پجاریوں کے قبضہ میں گووند کی اپنی مہر ہوتی ہے، جو گورمکھی طرز خط کی مندرجہ ذیل عبارت پر مشتمل ہے:

ایکو انکار سری ست گور پرشاد

دیگ و تیغ و فتح نصرت بید رنگ
یافت از نانک گورد گوبند سنگ

سری اکال پور کہہ جی سہای

"اللہ ایک ہے۔ اس عالی شان خدا کی کرپا سے، گووند سنگھ نے
نانک سے گورو، تواضع، تلوار (شجاعت)، فتح اور بلاشبہ کامیابی حاصل
کی۔ وہ عالی مرتبت خدائے لازوال دستگیری کرے!"

جب سچے عقیدت مندوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہوتا ہے تو اسے ابکال نگر کے حکم نامہ میں شامل ہدایات کے مطابق طے کر لیا جاتا ہے، جس کو وفادار بڑے شوق سے لاگو کرتے اور اس کو مانتے ہیں۔

مورخین، گورو گووند کی عظیم خصوصیات کی تعریف و توصیف کرنے پر متفق ہیں۔ اس میں ایک مذہبی رہنما اور ایک جنگجو کی خصوصیات مشترکہ طور پر موجود تھیں۔ وہ منبر پر ایک مقنن، میدان جنگ میں ایک فاتح، مسند پر ایک بادشاہ اور خالصہ کی صحبت میں ایک فقیر تھا۔ وہ وقت کی ضرورت کے مطابق ایک درست آدمی تھا۔ شروع میں سکھ مذہب، یعنی نانک کے دور میں، اگر اس کا بانی گووند کے وضع کردہ منصوبے کو اختیار کر لیتا تو اس نے جلد ہی مٹ جانا تھا، یعنی مذہب کے دفاع میں تلوار کا آزادانہ استعمال کرنا۔ نانک کی آدی گرنتھ صرف سکھوں کے ذہنوں میں حلم اور عاجزی کا جذبہ پیدا کرنے تک محدود رہی، لیکن اب بحران پیدا ہو گیا تھا۔ گووند نے سوچا کہ وقت بدل گیا ہے، لہٰذا اس کے باعث اس نے اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے مذہبی آباؤ اجداد کی دقیانوسی اس دور کے لیے مناسب نہیں اور دین کے پھیلاؤ کا وسیلہ نہیں رہی۔ چنانچہ اس نے ایک نیا مجموعہ قوانین وضع کیا، جو نہ صرف مذہبی موضوعات پر بحث کرتا تھا، بلکہ اس نے اس کے پیروکاروں کے ذہنوں میں بہادری اور مقابلے کا جذبہ پیدا کیا اور ان میں،

میدان جنگ میں شجاعت اور دلیری کے کارنامے دکھانے کے لیے جوش و خروش پیدا کیا۔ اس نے اس میں اپنے کارناموں کا بیان بڑے درخشاں اور مبالغہ آمیز انداز میں شامل کیا ہے۔ اس نے ہندوؤں کے چار بڑے فرقوں کو برابری کا درجہ دیا ہے اور اعلان کیا کہ کوئی بھی ایک دوسرے سے بڑا نہیں ہے' لہٰذا یہ اس نے حقیقی طور پر اپنی قوم کو مضبوط بنانے کے لیے کیا۔ اس نے ایک وسیع و عریض تانے بانے کا سنگ بنیاد رکھ دیا تھا' جس پر تھوڑے عرصے بعد ہی سکھ قوم پنجاب میں مسلمانوں کی حکومت کے کھنڈر پر عمارت تعمیر کرنے کے قابل ہوگئی تھی۔ اس نے اپنے قبیلے کو غیر ملکی تسلط اور جبر و ستم سے نجات دلانے کے لیے انہیں ایک جنگجو قوم بنا دیا تھا۔ اس نے "گورو ماتا" یا "سرکاری مشاورت" کو قائم کیا' جس کا اجلاس امرتسر میں ہوتا تھا۔ اس سرکاری مشاورت میں ہر فرقے کے سکھوں کو شامل کیا جاتا تھا اور انہیں بطور ایک وفاقی جمہوریہ کے' سیاسی معاملات پر اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لیے موقع دیا جاتا تھا۔ اس کے خیالات بلند تھے اور اس نے جس کام کا بیڑا اٹھایا' وہ عظیم تھا۔ اگرچہ وہ (کارہائے نمایاں دکھانے کے میدان یعنی) جولاں گاہ سے دور' زندگی سے عاجز آ کر شکستہ دل کے ساتھ فوت ہوا' لیکن ایک غیر منظم سیاسی برادری کی بنیاد رکھنے کا سہرا اسی کے سر رہتا ہے' کیونکہ اس نے مفتوح لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ وہ سیاسی برتری اور قومی آزادی کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ مصائب اور آفات کے درمیان اس کی مستقل مزاجی اور قوت برداشت' میدان جنگ میں اس کی شجاعت اور جوانمردی کے مساوی تھی۔ اگرچہ وہ اپنے عظیم کاموں کی تکمیل دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہا لیکن اس کو سب نے تسلیم کیا ہے کہ غیر منظم جاٹوں (جو لوٹ مار' غارت گری اور زراعت پر گزارہ کرتے تھے) کو فاتحین اور سیاسی وحدت کی جماعت میں تبدیل کرنے کا سہرا گووند کی فہم و فراست کے سر ہے' جس کی تاریخ سکھوں کے ساتھ بطور ایک قوم کے وابستہ ہے۔

گووند نے نانک کی تعلیمات میں جن تبدیلیوں کو روشناس کرایا' انہیں اس کی مرتب کردہ تصنیف "راحت نامہ" میں مکمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ گورو نے سکھوں کو ویداؤں' شاستروں' پرانوں اور قرآن کی تعلیمات کی پیروی کرنے سے منع کرنے کے لیے جن اصولوں کی تلقین کی' وہ مندرجہ ذیل ہیں--- کہ وہ مولویوں اور پنڈتوں کی نصیحت پر عمل پیرا نہ ہوں' (ماسوائے جس طرح گرنتھ میں تجویز کیا گیا ہے) وہ شرادھوں یا مردے کی برسی کی رسومات ادا نہ کریں۔ وہ برہمنیت کا دھاگہ' تسبیح نہ پہنیں اور بودی نہ رکھیں۔ وہ سادھوں یا کریا کرم کے مقامات کی پوجا نہ کریں۔ وہ اپنے لوگوں کے سوا کسی کو کھانا نہ کھلائیں۔ وہ

ننگے سر کہیں نہ جائیں۔ وہ تمباکو استعمال نہ کریں اور نہ ہی اپنے جسم کے کسی حصہ کے بال ہی کٹوائیں یا تراشیں۔ وہ دوسرے لوگوں کی بیویوں یا جائیداد کی خواہش نہ رکھیں۔ وہ خوشی یا غم کے موقعوں پر ویدائیں نہ پڑھیں۔ نہ ہی وہ دھیرمل یا رامریں یا رام رائے کے پیروکار یا میناؤں (گلا کاٹنے والے ڈاکوؤں کا ایک قدیم قبیلہ' جو ستلج اور جمنا کے درمیانی خطہ میں پھیلا ہوا ہے اور اب اتنا خوفناک نہیں رہا) یا مسندوں (یا گوروؤں کے نام پر دھوکہ دینے اور لوٹنے والے) یا سرگموں یا جو ناستک' سراوگی اور جین ہیں' ان سے میل ملاپ رکھیں۔ وہ گورو کے احکامات کی بے چون و چرا تعمیل کریں اور جپجی کا بغور مطالعہ کریں۔ جو کوئی بھی دھرمیلیوں' رام رسیوں' میناؤں' مسندوں اور سرگموں سے میل ملاپ کی ممانعت کی خلاف ورزی کرے گا' اس سے ۲ - ۴ روپے کا جرمانہ وصول کیا جائے گا' جس کی مدد سے کڑھا پرشاد (ایک قسم کی مٹھائی) خرید کر اس کے دینی بھائیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ شادی اور مرگ کے موقعوں پر گرنتھ پڑھی جائے۔ مردے کی ہڈیاں اگر گنگا نہ لے جائی جائیں تو انہیں امرتسر کے مضافات میں پھینک دیا جائے جو گنگا کی طرح مقدس ہیں۔

گووند کا ارادہ تھا کہ وہ نانک کے ضابطہ کو (جس طرح آدی گرنتھ میں بیان کیا گیا ہے) تبدیل کر دے' لہٰذا اس نے اس مقصد کے لیے اپنے آدمیوں کو کرتار پور میں سوڈھیوں کے پاس بھیجا کہ وہ ان کے پاس موجود گورو ارجن کی دستخط شدہ آدی گرنتھ کو اس کے پاس لے آئیں' لیکن چونکہ سوڈھی' گووند کے مذہبی عقیدہ کے خلاف تھے اور اسے اپنا گورو تسلیم نہیں کرتے تھے' لہٰذا انہوں نے یہ جگرسوز جملہ ادا کرتے ہوئے گووند کو کتاب ادھار دینے سے انکار کر دیا کہ اگر گورو' جو اپنے آپ کو "سچا بادشاہ" کہتا ہے' اس کے پاس ایک مقفیٰ کی سوجھ بوجھ ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی کوئی اچھی گرنتھ بنا لے۔

اس سے گورو آگ بگولا ہوگیا' لہٰذا اس نے اپنا مجموعہ قانون بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے دمدمہ کی طرف لوٹنے کے بعد اپنے آپ کو نئی گرنتھ کے مرتب کرنے میں مشغول کر لیا اور اس کو وہاں بروز اتوار' ۸ بھادوں' سمت ۱۷۵۳ - ۱۶۹۶ء کو ختم کر لیا۔ اس نے اسے "دسواں بادشاہ کا گرنتھ" کا نام دیا۔ اس کو قدیم ہندی بھاشا کی روزمرہ اور ایک مشکل طرز میں تصنیف کیا گیا ہے اور اس میں خدا شناسی اور نجات کے راستے کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ اس نے سکھوں کی خوابیدہ صلاحیتوں (جو اس وقت ایک مفتوح قوم تھیں) کو بیدار کیا اور ان پر ایک فعال اور مفید زندگی گزارنے کے لیے زور دیا۔ مصنف نے اس میں اپنا جوش و خروش اور جذبہ سمو دیا اور قاری کے ذہن میں سماجی آزادی کے بلند خیالات کو تیز

کرتے ہوئے انہیں جوانمردی کے کارنامے سرانجام دینے کے لیے بھڑکا دیا۔ یہ عورتوں کی مکاری اور دھوکہ دہی کو بیان کرتی ہے اور قاری کو ان کے حیلوں کے خلاف حفاظت کرنے کی نصیحت کرتی ہے۔ گووند ایک شاعرانہ ذہن کا حامل تھا اور جنگجو آدمیوں کے کارہائے نمایاں کے متعلق اس کا بیان قاری کے سامنے گزرے ہوئے زمانوں کے میدان جنگ کی واضح اور روشن تصویر پیش کرتا ہے اور اس میں عسکری شان و شوکت، قومی وقار اور غلبے کے خیالات کو بلند کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اپنے چیلوں کو پاہل میں شامل کرنے کے بعد گورو نے مذہبی جنگ شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا اور انہیں جنگ کے لیے بھڑکانے کی خاطر دریائے ستلج میں اپنی انتہائی قیمتی چیزوں کو پھینک دیا۔ لوگوں میں مردانہ کارنامے انجام دینے کے لیے جذبہ پیدا کرنے کی خاطر یہ ایک بیہودہ طریقہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس حقیقت کو مد نظر رکھنا چاہیے کہ گووند کو ایک غیر مہذب قوم سے معاملہ کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں، میکریگر کی بیان کردہ کہانی پر یقین کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ گورو نے ۲۵ ہزار مالیت کا ایک ہار، (جو اسے ایک سکھ نے سندھ سے لا کر دیا تھا) دریا میں پھینک دیا اور غوطہ خور (جس سے اس کو بازیاب کرانے کے لیے ۵۰۰ روپے کا وعدہ کیا گیا تھا) نے اس سے پوچھا کہ گورو نے ہار کو کس جگہ پھینکا تھا، تو اس نے دوسرا ہار اتارا اور اسے دریا میں پھینک کر کہا: "یہ جگہ ہے"۔ کہانی میں بتایا گیا ہے کہ پاس کھڑے ہوئے تمام لوگ دولت کے لیے گورو کی نفرت پر حیران رہ گئے۔ لہٰذا ۵۰ ہزار روپے مالیت کے زیورات کی تلاش کو ترک کر دیا گیا۔ یہی مصنف ذکر کرتا ہے کہ ایک اور موقع پر ایک سکھ دکن سے اپنے ہمراہ قیمتی تحائف یعنی ایک تلوار، ایک ہاتھی اور ایک سفید شکرا، ایک قیمتی خیمہ بمع چمکدار کھمبوں کے اور ایک عربی گھوڑا لایا۔ گورو نے حکم دیا کہ خیمے کو نصب کر دیا جائے، ہاتھی کو قیمتی ہودہ سے آراستہ کیا جائے اور گھوڑے کو کاٹھی اور لگام ڈال دی جائے۔ پہاڑی راجے جو اس وقت وہاں موجود تھے، دولت کی اس نمائش سے حسد کرنے لگے اور ان کے دل میں اس کے لیے زبردست خواہش پیدا ہوگئی۔ فلور کا بھیم چند خیمے اور ہاتھی کی اور ہندور کا ہری چند گھوڑے، تلوار اور شکرے کی خواہش کرنے لگا۔

جب گورو کو راجاؤں کی خواہش سے آگاہ کیا گیا تو اس نے جواب دیا: "میرے چیلے نے یہ چیزیں مجھے لا کر دی ہیں اور میری خواہش ہے کہ میں انہیں استعمال کروں، بشرطیکہ تم میری شرائط سے متفق ہو جاؤ، جو یہ ہیں کہ سب سے پہلے میں ہودہ میں بیٹھ کر اپنے ہاتھ

میں شکرے کو پکڑوں گا اور تلوار میرے پہلو سے لٹک رہی ہوگی اور گھوڑا میرے آگے آگے چلے گا۔ اس کے بعد میں خیمے میں بیٹھوں گا اور تب تم سب کو خوش آمدید کہو گے"۔ جواب چونکہ مبہم تھا' اس لیے راجاؤں نے اسے اپنی ہتک سمجھا۔ دشمنی کا بیج بو دیا گیا تھا۔ پرجوش سکھوں نے راجاؤں کو برا بھلا کہا کہ انہیں وہ چیزیں مانگنے کی جرات کس طرح ہوئی' جنہیں ان کا گورو بہت زیادہ پسند کرتا ہے' لہٰذا وہ کارروائی کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن گووند نے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھتے ہوئے اپنی پیشین گوئی یاد دلائی کہ جس وقت وہ پاھل کی رسم کے موقع پر خالص شکر کو پانی میں حل کر رہا تھا کہ "سکھ ایک شیریں زبان قوم ہوگی"۔ یہ بڑا مشکل کام تھا کہ آویزش کو نظرانداز کر کے امن بحال کر دیا جائے۔ تاہم (پہلے سے بیان کیے گئے) بعد کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کافی عرصہ تک امن قائم نہ رہا اور پہاڑی راجاؤں اور گورو کے درمیان متعدد جنگیں لڑی گئیں' جن میں گورو کو کامیابی ہوئی۔ گورو اپنے سر پر ایک پر بھی پہنتا تھا اور جب گھوڑے کی پشت پر سوار ہوتا تھا تو اس کے بائیں ہاتھ پر ایک باز ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ ایک تیر' کمان' تلوار اور ڈھال سے مسلح ہوتا تھا۔ ایک روز وہ اپنے پانچ سکھوں کے ہمراہ (جو اس کی طرح لباس اور ہتھیاروں سے مسلح تھے) آگرہ کے قلعہ میں بادشاہ' بہادر شاہ کے پاس حاضری دینے کے لیے گیا تو دروازے پر شاہی محافظوں نے اسے قلعہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور اسے کہا کہ اگر وہ اندر جانے کا خواہش مند ہے تو اپنے ہتھیار اتار دے۔ گورو نے اپنے ہتھیار علیحدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس معاملہ کی اطلاع بادشاہ کو دی گئی۔ بادشاہ' جو فیاضی اور نرم طبیعت کے لیے مشہور تھا' اس نے حکم دیا کہ سکھ گورو کو قلعہ میں آنے کی اجازت دے دی جائے اور اسے ہتھیاروں سمیت' جب بھی وہ مناسب خیال کرے' اس کے پاس آنے دیا جائے۔ بادشاہ ہمیشہ اس سے شکار کے موضوع پر بات کرتا تھا' کیونکہ گورو خاص طور پر اس کا شوق رکھتا تھا۔ درباری' گورو کے ساتھ مذہبی موضوعات پر آزادانہ بحث مباحثہ کرتے اور بادشاہ ہمیشہ اس گفتگو سے حظ اٹھاتا تھا۔

مسند' یا گورو کے موروثی نائبین' لوگوں سے بہت ناروا سلوک کرنے لگے تھے۔ وہ محصول اکٹھا کرنے کے لیے لوگوں پر تشدد کرتے تھے اور ان کا ناکہ بند کر دیتے تھے۔ گورو کے سامنے ایک ناٹک کی شکل میں محصول جمع کرنے والی اس جماعت کی عدم رواداری کو پیش کیا گیا' لہٰذا گورو نے کھیل کے کرداروں کے مقصد کو پوری طرح سمجھنے کے بعد ان کو برادری سے خارج کر کے اس ادارے کو ختم کر دیا۔ دوسروں میں' جو ظالمانہ برتاؤ کے

مرتکب پائے گئے' انہیں تہہ خانوں میں یا کھولتے ہوئے تیل میں پھینک دیا گیا۔ نقال' جنہوں نے بڑے حوصلے اور مہارت سے اس ناٹک کو ادا کیا تھا' انہیں گورو اور ظلم سے رہائی پانے والے لوگوں نے خوب انعام و اکرام سے نوازا۔

گورو تبلیغ میں

ایک روز گورو اپنے چیلوں کی ایک جماعت سے تبلیغ کر رہا تھا تو اس اثناء میں ایک سکھ نے یہ کہتے ہوئے اپنے نوجوان بیٹے کو اس کے سامنے پیش کیا: "یہ لڑکا ہر وقت خاموش' الگ تھلگ رہتا ہے اور شادی سے انکار کرتا ہے۔ کیا گورو اسے براہ مہربانی کوئی نصیحت فرمائیں گے؟" گورو نے لڑکے سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے اور دنیاداروں سے اپنے آپ کو الگ کیوں رکھتا ہے۔ لڑکے نے نانک کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے اور گورو کو بتایا کہ اس تعلیم نے اسے دنیاوی معاملات سے پرہیز کرنے کی ترغیب دی ہے:

ایہہ کوٹنب جو تو دیکھدا ہی چلے نہ تیرے نال
نال تیرے چلن ناہیں تس نال کیون چت لائے
ایسے کم بھولی نہ کریے جت انت پچھوتائی
گرودا اپدیش سن تو ہوے تیرے نال
کہہ نانک سن پیادے تو سدا سچ سمجھائے

(ترجمہ) "جن دوستوں کو تم اس دنیا میں دیکھ رہے ہو' وہ اگلے جہاں میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گے۔ جو تمہارے ساتھ نہیں جا سکتے' تو کیوں اپنا دل ان سے لگاتے ہو؟ ایسا کام' جس کا نتیجہ مایوسی میں نکلتا ہو تو وہ غلطی سے بھی نہیں کرنا چاہیے۔ نانک کی نصیحت سنو' جو ہمیشہ سچ کہتا ہے اور ہو سکتا ہے اس پر عمل پیرا ہو کر تم نیک بن جاؤ"۔

گورو' جو فارسی کا ایک اچھا عالم تھا' اس نے اس پر سعدی شیرازی کا مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

در عمل کوش ہرچہ خواہی پوش
تاج برسر نہ و علم بر دوش

"اچھے کام کرنے کی کوشش کرو اور اس کے بعد جو چاہے مرضی پہنو' چاہے اپنے سر پر تاج پہنو یا بازو پر فتح کا نشان لگاؤ"۔

اس نے اپنی بات کو مثالوں کے ذریعے بیان کرتے ہوئے لڑکے کو سمجھایا کہ کوئی شخص اپنی دنیاوی وابستگیوں اور رشتوں کو نہیں توڑ سکتا اور نہ ہی ایسا کر کے خدا کا منظور نظر ہو سکتا ہے۔ گورو کی نصیحتوں نے نوجوان لڑکے کے دماغ پر بہت اچھا تاثر قائم کیا۔

حوالہ جات

(۱) سکھ مذہب کے بانی گورو نانک کی زندگی کے واقعات ان کی جنم سکھیوں یا زندگی کے بیانات میں پوری طرح بیان کیے گئے ہیں' لیکن یہ اس حد تک افسانوی اور من گھڑت واقعات سے بھری ہوئی ہیں کہ تخیلاتی اور حقیقی واقعات میں تمیز کرنا قریباً ناممکن ہوگیا ہے' لہٰذا اس دور میں سکھوں کی تاریخ' اسرار و رموز کی گہری دھند میں چھپی ہوئی ہے۔ ان واقعات کی درستی کے لیے ایک قدیم قلمی نسخے کو مستند سمجھا جاتا ہے' جس کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق گورو ارجن کے دور کے آخری حصے سے ہے۔ اس کے لیے اس امر کا اظہار بھی کیا جاتا ہے کہ اس کے کردار اور روزمرہ بول چال کی زبان' جس میں اس کو مرتب کیا گیا ہے' وہ واضح طور پر انتہائی قدیم ہے اور اسلوب بیان گورو کی معلوم داستان کے عین مطابق ہے۔ مشہور زمانہ ایچ۔ پی۔ کولے بروک نے اس قلمی نسخے کی ایک نقل ایسٹ انڈیا ہاؤس کی لائبریری کو پیش کی اور اس کا انگریزی میں حرف بحرف ترجمہ ڈاکٹر ٹرمپ نے کیا اور بابا نانک کی "آدی گرنتھ" کے انتہائی قیمتی ترجمے کو بھی یکجا کیا۔ اس جنم سکھی کو بہت بھاری بھرکم اور مبالغہ آمیز زبان میں تحریر کیا گیا ہے اور اس میں گورو نانک سے منسوب انتہائی بیہودہ کاموں کی عکاسی بڑی رنگ آمیزی سے کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب اس کا موازنہ بعد کے دور کی تصانیف سے کیا جائے تو اسے بڑی معقول تصنیف سمجھا جاتا ہے۔ میں نے بڑی احتیاط سے انڈیا آفس لائبریری میں موجود ڈاکٹر ٹرمپ کی مترجمہ "جنم سکھی" کا موازنہ حالیہ جنم سکھیوں سے کیا ہے اور موخر الذکر میں وہ سب کچھ پایا ہے جسے اول الذکر میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ حقیقت واضح طور پر ثابت کرتی ہے کہ بعد کے دور میں کچھ اضافے کیے گئے اور ان پر کچھ اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں' ڈاکٹر ٹرمپ کے مشاہدے کے مطابق قدیم جنم سکھی میں ہر نکتہ' جو گورو نانک پر مشکوک اور ناموافق روشنی ڈالتا ہے' اسے جدید جنم سکھیوں میں بڑی احتیاط

کے ساتھ چھوڑ دیا گیا ہے۔ میں نے بابا نانک کے حالات زندگی لکھتے وقت وہی راستہ اپنایا ہے جو مجھے سب سے زیادہ محفوظ نظر آیا یعنی ان سب حقائق کا ذکر کیا گیا ہے جو مذکورہ بالا دونوں قدیم جنم سکھیوں میں اور بعد کے زمانہ کی جنم سکھیوں میں بشمول ڈاکٹر ٹرمپ کی تالیف میں، ان سکھیوں کے خلاصے کے ثبوت (ب) میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی واسطے سے ان حقائق نے تمام دستیاب سرچشموں سے تصدیق حاصل کی ہے۔ جہاں تک ممکن ہوسکا ہے، من گھڑت قصوں سے احتراز برتا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ واقعات کو ان کی اصل حالت میں بیان کیا جائے۔ یاد رہے کہ اصل مصنفین وہ افراد تھے جن کا معاشرے میں بہت ادنیٰ درجہ تھا۔ ان کی تعلیم اور رہن سہن، پروان چڑھتی ہوئی نسل کے مقابلے میں انتہائی کمتر تھا۔ اگر چند بیانات میں رنگ آمیزی دکھائی دیتی ہے تو اس وجہ سے کہ وہ کتاب کے اصل متن میں موجود ہے۔ نیز تاہم یہ انتہائی تصوراتی ہیں، اس لیے شک پیدا ہونے کی گنجائش نکل آتی ہے کہ ان میں سے چند کم از کم اپنی ماہیت میں سچے ہیں، جبکہ یہ قاری کے ذہن کو تعظیم اور دھاک کا وہ درست تصور پیش کرتے ہیں جو اس عظیم سکھ گورو کے لیے ان کے ہزاروں پرجوش چیلے اور عقیدت منداپنے دل میں رکھتے ہیں اور صحیح خیالات کا اظہار کرتے ہیں جو آج بھی وہ ان کے مزاج اور ذہنی قوت کے بارے میں رکھتے ہیں۔

سلطان پور کے پیرا مکھ کھتری نے گورو انگد کی درخواست پر بابا نانک کی جنم پتری لکھی، جو اسے بابا نانک کے ہم سفر، سندھو جاٹ بالا نے زبانی لکھوائی تھی۔ اس کو ۱۵۸۲ سمت میں تحریر کیا گیا۔

(۲) ڈاکٹر ٹرمپ کا خیال ہے کہ بالا، نانک کے سفروں کے دوران، ان کا ساتھی نہیں تھا کیونکہ اس کا نام قدیم جنم سکھی میں موجود نہیں ہے، جس کے بارے میں خیال ہے کہ اس کا تعلق ارجن کے دور سے تھا۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے لیے صرف یہی ایک وجہ کافی ہے کہ یہ مان لیا جائے، کیونکہ بعد میں لکھے جانے والے بیانات میں نانک کے سفروں میں بالا کا نام ملتا ہے، اس لیے وہ ناقابل اعتبار ہیں۔ خاص طور پر یورپی اور مقامی بھی مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ بچپن ہی سے بالا نانک کا ساتھی تھا۔

(۳) انگد کے پاس گورو نانک کی جنم پتری تھی، جسے سلطان پور کے پیرا ذات موکھہ نے شاستری سے گورمکھی میں ترجمہ کیا تھا۔

(۴) روایت ہے کہ چانڈو شاہ نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ گورو کو گائے کی کھال میں سی دیا جائے۔ جب کھال اس کے سامنے لائی گئی تو گورو نے راوی میں غسل کرنے کی

اجازت مانگی۔ اسے ایک مضبوط حفاظتی دستے کے ہمراہ ادھر روانہ کیا گیا' لیکن بہتے ہوئے پانی میں ایک مرتبہ کود کر وہ دوبارہ نمودار نہیں ہوا۔

میکر یگر ارجن کی موت کو شاہ جہاں کے دور میں بتاتا ہے اور چانڈو اور اس کے درمیان عداوت کو اسی دور سے منسوب کرتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ میکر یگر کے بیانات عام طور پر کس قدر نادرست ہیں۔

(۵) بادشاہ کے قیام لاہور کے دوران ہرگوبند کو دربار عام میں آنے کی اجازت دی گئی۔ اس نے بادشاہ کو عنبر کی ایک تسبیح پیش کی اور وہ اس کی چمک دمک اور شان و شوکت سے بہت خوش ہوا۔ اس نے گورو سے پوچھا کہ وہ تسبیح میں موجود موتیوں جیسے اور موتی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ گورو نے بادشاہ سے عرض کیا کہ تسبیح ایک سو موتیوں سے مکمل تھی لیکن اس کے دیوان چانڈو نے زیادہ تر موتی اس میں سے لے لیے' لہٰذا یہ زیور نامکمل ہوگیا۔ بادشاہ نے گورو سے پوچھا موتی دیوان کے ہاتھ کس طرح لگے۔ اس پر گورو زار و قطار رونے لگا اور بادشاہ سے پوری کہانی بیان کر دی۔ بادشاہ دیوان کے ہاتھوں گورو ارجن کے ساتھ کیے گئے سلوک سے آگ بگولا ہوگیا اور حکم دیا کہ چانڈو شاہ کو ہرگوبند کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے باپ کا انتقام اس سے لے۔

(۶) ان پانچوں کے نام بڑی احتیاط سے حاصل کیے گئے ہیں' اگرچہ اس بیچارے شکار کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا' جس کے سر کو نینا دیوی کے آگے پیش کیا گیا۔ وہ دھرم سنگھ' سکھا سنگھ' دیا سنگھ' ہمت سنگھ اور مکھن سنگھ ہیں۔ اس نقطہ پر سبھی بیانات متفق ہیں کہ اس میں بمشکل ہی کوئی شک ہو سکتا ہے کہ یہ ہولناک انسانی قربانی پیش کی گئی۔

(۷) ان کے عقیدے کی اشیاء۔

(۸) گورو' حوصلے کی دیوی درگا بھاوانی سے بہت عقیدت رکھتا تھا' جس نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے بال کھول دے اور تلوار کھینچ لے۔ اس کے نتیجہ میں گورو نے عہد کیا کہ وہ اپنے بال قائم رکھے گا کیونکہ اس سے الوہیت کا تقدس ہوتا ہے' لہٰذا اس نے اپنے چیلوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا۔

(۹) اکالی یا کبھی نہ مرنے والے (سکھ مذہب کے چیلوں کی انتہائی قابل ذکر جماعت ہے) ابھی تک نیلے رنگ کا شطرنجی لباس پہنتے ہیں۔

(۱۰) ڈاکٹر ٹرمپ کا خیال ہے کہ گوبند نے شاہی پڑاؤ میں حاضر ہونے کے لیے بادشاہ اورنگ زیب کے بلاوے کی تعمیل نہیں کی' لیکن انہوں نے اس خیال کی نہ تو کوئی سند اور

نہ ہی وجوہات بتائی ہیں۔ لیکن گووند کی مرتبہ نظم "ظفرنامہ" جس میں اس نے مغلیہ حکومت کی زیادتیوں کا ذکر کیا' اس کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بادشاہ کے پاس حاضر ہونے کے لیے سفر پر روانہ ہوا تھا۔ ڈاکٹر ٹرمپ ظاہرا صرف سکھوں کے بیانات پر اعتبار کرتے ہیں' لیکن یہ یاد رہنا چاہیے کہ سکھ مصنف ہمیشہ اپنے مذہبی رہنماؤں کی کمزوریوں کو چھپانے میں اور کسی ایسی چیز کو ممتاز کرنے میں محتاط رہے ہیں جو ان کی شان و شوکت کو لوٹا سکے۔ چنانچہ وہ آزدانہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گووند نے اس جنگ میں بہادر شاہ کی حقیقی طور پر مدد کی تھی' جو اس نے اپنے باغی بھائی کام بخش کے خلاف شروع کی تھی اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ گورو نے میدان جنگ میں فتح حاصل کی' لیکن وہ بڑی احتیاط سے اس امر واقعہ کو نظرانداز کر گئے کہ گورو نے بادشاہ کی ملازمت قبول کر لی تھی۔ مختلف مصنفین نے مغلیہ حکومت کی ملازمت اختیار کرنے کی حقیقت کی مکمل طور پر تصدیق کی ہے۔ بحوالہ سر جے میلکم کی' سکھوں کے حالات' فورسٹر کا سفرنامہ' صفحہ ۲۶۳۔ موخر الذکر مصنف بیان کرتا ہے کہ گورو گووند کے پاس مغلیہ ملازمت میں ایک چھوٹی کمان تھی' اس کی تصدیق خفی خاں نے بھی کی ہے۔ اسی طرح سکھ مصنف گورو کے چھوٹے بیٹوں کے قتل کا سارا الزام سرہند کے مسلمان حاکم وزیر خاں پر دھرتے ہیں' لیکن انہوں نے بڑی صفائی سے اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا کہ اس جرم پر اکسانے والا حاکم کا دیوان ایک ہندو کلجاس تھا' جو گووند کے خلاف ذاتی عناد رکھتا تھا۔ اختلافی نقاط پر مسلمان مصنفین سے مشورہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ جو کچھ سکھ مورخین نے کہا ہے' اس پر مکمل طور پر اعتبار کرنا قطعی غیر محفوظ ہے۔

(۱۱) ایک قسم کی ضیافت (بھنڈارا) جو برہمنوں اور غریبوں کو دی جاتی ہے۔

(۱۲) ڈاکٹر ٹرمپ نے اپنی "آدی گرنتھ" میں اس سوایا کا جو ترجمہ بیان کیا ہے' وہ درست نہیں۔

(۱۳) ۱۸ سمرتی' ۴ ویدائیں اور ۶ شاستر یعنی نیائے' بیشیشکھ (فلسفہ)' سنگھ (قدرت کا علم)' تپا نجل (معجزہ)' میمانسا (اعمال)' بیدانت (خدا شناسی)۔

باب ۲

بیراگی بندہ کی سرگزشت

دکن میں قیام کے دوران گورو گووند سنگھ کی بیراگی سلسلہ کے ایک جوگی بندہ کے ساتھ پہلی ملاقات ہوئی۔ اس کے سینکڑوں چیلے تھے اور وہ شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ رہتا تھا۔ جلد ہی گووند اور بندہ گہرے دوست بن گئے اور گووند نے اپنی پر تاثیر فصاحت و بلاغت اور مذہبی جوش و خروش کے باعث بندہ کے ذہن پر ایسا گہرا تاثر مرتب کیا کہ وہ پاھل میں شامل ہو کر گورو کا ایک چیلا بن گیا۔ بندہ نے اپنی پھرتی اور عبادت و ریاضت سے جلد ہی گورو کا اعتماد حاصل کر لیا اور اس کا پکا دوست اور ساتھی بن گیا۔ اگرچہ اس کو گورو کے جانشین کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا' لیکن گورو نے اعلان کیا کہ اس کے بعد سکھ اسے اپنا رہنما اور محافظ سمجھیں۔

اس نے مرتے وقت اسے ہدایات دیں کہ وہ ایک جنگجو کی حیثیت سے ہی رہے اور اس کے والد اور اس کے معصوم بیٹوں کے خون کا انتقام لے۔ اس نے اسے بتایا کہ اسے موت سے خوف نہیں کھانا چاہیے' لہٰذا اس نے اپنے ترکش سے پانچ تیر لے کر فتح کی نشانی کے طور پر بندہ کو دیے اور پھر کہا: "اگر تم میرے سچے چیلے ہو تو عورت کے پاس نہ جانا اور ان پانچ تیروں کو اپنے پاس رکھنا۔ جب تک تم میری ہدایات کی پیروی کرو گے' تم پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ اگر تم نے انہیں فراموش کر دیا یا ان کی پرواہ نہ کی تو تمہیں اپنی زندگی میں اس کی عدم ادائیگی کا جواب دینا ہوگا"۔ بندہ نے تیروں کو بڑی عقیدت سے وصول کیا اور قریب المرگ گورو کے احکامات پر عمل کرنے کا بڑی سنجیدگی سے وعدہ کیا۔

جب سکھوں کا گورو نہ رہا تو وہ منتشر ہونا شروع ہو گئے۔ انہوں نے اپنے سابقہ پیشہ کو

شروع کر لیا اور اپنے آپ کو زرعی کاموں اور تجارت میں مشغول کر لیا۔ بندہ' جو ابھی تک اپنے گورو کی بستر مرگ پر کی جانے والی وصیت پر کاربند تھا' اس نے اپنے متوفی رہنما کے ساتھ کیے گئے وعدے (کہ وہ اس کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لے گا) کو حتی المقدور پورا کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اب چونکہ وہ اپنے منصوبے کو مکمل کر چکا تھا' لہٰذا اس نے سکھوں کو (گورو گووند سنگھ کے نام پر) احکامات جاری کیے کہ وہ لڑائیوں کے لیے تیار ہو جائیں اور مسلمانوں کی حکومت کو ملیامیٹ کرنے کے لیے مقررہ مقام پر جمع ہو جائیں۔ سکھ اپنی کمین گاہوں سے باہر نکل آئے اور بندہ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے' جس نے اب گورو کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ انتقام کے انتہائی تلخ جذبے کے تحت اور بادشاہ بہادر شاہ المعروف شاہ عالم کی دکن کی طرف غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سکھ' بندہ کی قیادت میں' شمال مغرب میں نمودار ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو لوٹتے کھسوٹتے ہوئے اور دیہاتوں و شہروں کو غارت کر کے دور و نزدیک کے علاقہ کو تہہ و بالا کر دیا۔ جب سرہند کے فوجدار یا حاکم' وزیر خاں کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے ان ڈاکوؤں کو سزا دینے کے لیے ایک فوجی دستہ روانہ کیا' لیکن اسے زبردست کشت و خون کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ اب وزیر خاں بذات خود ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ سرہند کے نواح میں ایک خونریز جنگ لڑی گئی' جس میں شاہی فوج کو مکمل طور پر شکست ہوئی اور وزیر خاں بھی سینے میں تیر لگنے کے باعث ہلاک ہو گیا۔ بندہ اب سرہند (وہ جگہ جہاں گورو گووند کیدونوں بیٹوں کو قتل کیا گیا تھا) میں داخل ہوا اور شہر کو انتہائی بربریت اور کینہ پروری کے انداز میں سزا دی۔ اس نے حکم دیا کہ اسے نذر آتش کر دیا جائے اور تمام باشندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ جس وقت شہر شعلوں کی زد میں تھا تو اس وقت اس متعصب کے چیلے بڑی تندہی سے قتل و غارت گری میں مصروف تھے۔ انہوں نے شہریوں کو عمر اور جنس کا لحاظ کیے بغیر قتل کیا۔ انہوں نے اس مقام پر ہر مسلمان کو ذبح کیا' سنگینیں ماریں' ان کے گلے دبائے' پھانسی دی' گولی کا نشانہ بنایا' ٹکڑے ٹکڑے کیا اور زندہ جلا دیا۔ یہ سب کچھ کافی نہیں تھا' ان خون آشام درندوں نے مردوں کو بھی اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ وزیر خاں کی لاش کو ایک درخت سے لٹکا دیا گیا اور اسے کوؤں اور چیلوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ قبرستانوں کے تقدس کو پامال کیا گیا اور لاشوں کو قبروں سے اکھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھیڑیوں' گیدڑوں اور دیگر وحشی درندوں کے کھانے کے لیے ان قبرستانوں میں کھلا چھوڑ دیا گیا۔ مساجد کی بے حرمتی کی گئی۔ انہیں جلا کر ڈھیر کر دیا گیا اور ملاؤں' مولویوں اور حفاظ کرام کی

بہت زیادہ بے عزتی کی گئی اور ان پر تشدد کیا گیا۔

سرہند میں اپنی کامیابی سے خوش ہو کر بندہ نے دریائے ستلج کو عبور کیا اور جہاں بھی گیا' آگ اور تلوار ساتھ لے گیا۔ شہروں کو غارت کر کے باشندوں کو لوٹا اور کھسوٹا گیا اور انہیں یا تو بیابانوں میں دھکیل دیا گیا یا تہہ تیغ کر دیا گیا۔ چند شہروں کو زمین بوس کر دیا گیا۔ سمانا میں دس ہزار مردوں اور عورتوں کو انتہائی بے دردی سے تہہ تیغ کر دیا گیا۔ (۱) تب سکھوں نے دریائے بیاس کو عبور کیا اور بٹالہ شہر کی طرف روانہ ہوئے' جو اب ضلع گورداسپور میں ہے۔ اس وقت اس شہر میں دو سید مسلمان' محمد فضل گیلانی اور شیخ الاحد رہتے تھے۔ قاتل اور فسادی فوج کی آمد پر محمد فضل گیلانی اپنے فقیروں کی جماعت کے ساتھ جالندھر دوآب میں سلطان پور کی طرف ہجرت کر گئے۔ شیخ الاحد نے لوگوں کو لڑائی کرنے اور ایک محاصرے کی تیاری کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی۔

بندہ نے اپنی فوج کے ہمراہ شہر سے دو میل کے فاصلے پر ایک تالاب کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ شہریوں نے بٹالہ کے دروازے بند کر دیے اور شیخ الاحد منتخب افراد کی ایک جماعت کے ہمراہ بندہ کا مقابلہ کرنے کے لیے باہر نکلے۔ جنگ شروع ہوئی۔ اس میں شیخ نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا' لیکن آخرکار قتل ہوگئے اور ان کے ساتھی زبردست کشت و خون کے ساتھ منتشر ہوگئے۔اس دلیر شخص کے جسد خاکی کو وزیر آباد لے جا کر دفن کیا گیا۔ ان کی اولاد اس وقت بھی بٹالہ میں آباد ہے۔ اس کے بعد بندہ نے زبردستی شہر کے دروازے کھولے اور شہر میں داخل ہوگیا اور اسے نذر آتش کر دیا۔ وہ سب سے پہلے قاضی عبداللہ کے مکان سے شروع ہوا' جس کی بیوی اور بچوں کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ بٹالہ کافی عرصہ سے علم و فضل کا گہوارہ ہونے کے باعث مشہور تھا اور اس وقت وہاں ایک درسگاہ بھی قائم تھی۔ اس ادارے کو نذر آتش کر دیا گیا اور پورے شہر میں لوٹ مار اور بلا امتیاز قتل عام شروع کر دیا گیا۔ اس خوبصورت شہر کو تباہ کرنے کے بعد سکھ اپنے سردار کی قیادت میں لاہور کے مضافات کو لوٹنے کے لیے روانہ ہوئے۔ بٹالہ' کلانور اور بیاس کی اس جانب واقع دیگر شہروں میں ان کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا تھا' جن کو انہوں نے لوٹ مار کر کے تباہ کر دیا تھا۔ سرہند میں اسلحہ کے بہت بڑے بڑے ذخائر ان کے ہاتھ لگے اور اب ان کو بہت بڑے خزانے ملے' جنہیں انہوں نے تمام علاقے سے جمع کیا تھا۔ سکھوں کی آمد کے باعث لاہور اور اس کے اردگرد کے تمام علاقہ میں بہت زیادہ تشویش پیدا ہوگئی۔ بادشاہ' اجین میں راجپوتوں کی بغاوت کو دبانے میں مصروف تھا۔ لاہور

کے صوبیدار سید اسلام خاں نے اپنے دیوان کاظم خاں کی مدد سے شہر کو دفاع کے لیے مضبوط بنایا۔ اس نے فصیلوں پر توپیں نصب کر دیں اور دیگر دفاعی ذرائع کے ساتھ اسے مضبوط بنایا۔ اس نے سکھوں کے حملہ کے خلاف شہر کے دفاع کے لیے سارے مسلمانوں سے مدد کی درخواست کی۔ مسلمانوں نے یہ جانتے ہوئے کہ ان کا مذہب' وقار اور جانیں خطرہ میں ہیں' فوراً اس درخواست کا جواب دیا۔ اس دور کے سرکردہ مسلمان محمد تقی' موسیٰ بیگ' حاجی سید اسماعیل' سید عنایت اللہ اور ملا پیر محمد واعظ اپنے بے شمار مریدوں کے ہمراہ (جن میں متعدد (۲) ہندو بھی شامل تھے) عیدگاہ میں جمع ہوئے۔ یہاں لاہور کا صوبیدار بھی ان میں شامل ہوگیا۔ دشمن کے گشتی دستوں کو کاٹ کے رکھ دیا گیا اور ایک گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی' جو صبح سے شام تک رہی۔ فریقین کی جانب سے ہزاروں ہلاک ہوئے اور پہلی مرتبہ کامیابی مشکوک ہوگئی۔ لیکن آخرکار مسلمان برتر تعداد کے سامنے پسپا ہوگئے اور غروب آفتاب کے وقت شہر کی طرف مراجعت کر گئے۔ وہ سید عنایت اللہ' محمد تقی اور محمد زمان کی قیادت میں ایک بار پھر جمع ہوئے' لیکن زبردست کشت و خون کے ساتھ انہیں دوبارہ شکست ہوئی۔ لاہور کو اس کی مضبوط قلعہ بندی کے باعث نہ چھیڑا گیا' لہٰذا شہر کے لوگ جان اور مال کے خطرہ سے محفوظ رہے' لیکن اس کے نواحی علاقوں کو شالامار باغ تک غارت کر دیا گیا۔ دہلی سے لاہور کے مضافات کی طرف روانہ ہونے پر دو یا تین دنوں کے اندر پورے علاقے کو تہہ و بالا کر دیا گیا۔ مساجد اور مزارات کو زمین بوس کر دیا گیا۔ انتہائی ہولناک جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔ دغابازی اور ظلم کا دور دورہ تھا۔ دوست' دوست کو دھوکہ دے رہا تھا اور ہر کوئی صرف اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا' دوسروں کی کوئی پرواہ نہیں کی جا رہی تھی۔ باریش ڈاکوؤں نے سر کے بال اور داڑھی منڈوانے کی ممانعت کر دی' لہٰذا نیچ ذات کے ہزاروں ہندو ان کے ساتھ مل گئے۔ جب بادشاہ نے پنجاب میں سکھوں کی لوٹ مار اور غارت گری کے بارے میں سنا تو وہ ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ دکن سے روانہ ہوا۔ اجمیر میں ہزاروں لوگ' جنہیں بے گھر کر دیا گیا تھا اور جو سرہند سے ترک وطن کر آئے تھے' انہوں نے اپنے آپ کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا' جو ان کی افسوسناک اور بے یار و مددگار حالت پر بہت متاسف ہوا۔ بندہ نے جب یہ سنا کہ بادشاہ اپنی پوری فوج کے ہمراہ اس کے مقابلے پر روانہ ہوگیا ہے تو وہ دیبر کی طرف مراجعت کر گیا۔ یہ سوالک کے پہاڑوں کے درے پر ہمالیہ میں واقع ایک قلعہ تھا' جس تک صرف انتہائی خطرناک دروں اور گھاٹیوں کے ذریعے ہی پہنچا جا سکتا تھا۔

فیروز خاں میواتی اور سپہ سالار مہابت خاں کو بڑی فوج سے پیشتر سکھوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے روانہ کیا گیا' جبکہ حاکم جموں بیزاد خاں' (قصور کا ایک افغان) جو اس وقت پانی پت میں تھا اور اس کا بھتیجا شمس الدین خاں' حاکم جالندھر اپنی فوجوں کے ہمراہ سرہند میں داخل ہوئے اور تباہ شدہ علاقے کی ازسرنو آباد کاری کے کام کا آغاز کر دیا۔ ایک متمول زمیندار عیسیٰ خاں کو حکم دیا گیا کہ وہ جالندھر دوآب میں امن بحال کرے۔ بادشاہ کے افسروں کے لیے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ سکھوں کی تباہ کاریوں اور لوٹ مار سے شہر آبادیوں سے خالی ہوگئے تھے۔ شہر اور دیگر خونخوار درندے ویران شہروں اور دیہاتوں کے مضافات میں گھومتے پھرتے تھے' جنہیں ازسرنو آباد کرنے اور ازسرنو تعمیر کرنے کا کام چھوٹا موٹا نہیں تھا' بعد ازیں سکھ منتشر ہوگئے اور انہوں نے اپنی پہاڑی کمین گاہوں میں پناہ حاصل کرلی۔

بہادر شاہ نے اب اپنے تمام وسائل کے ساتھ پنجاب کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیاریاں کرلی تھیں۔ اس واقعے کو بادشاہ کے ایک درباری امیر ارادت خاں نے مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ وہ اس وقت شاہی پڑاؤ کے ہمراہ تھا اور اس وقت رونما ہونے والے یادگار واقعات کا چشم دید گواہ تھا۔ ہم نے اس امیر کی سرگزشت سے مندرجہ ذیل دلچسپ قطعہ حاصل کیا ہے۔

"اس وقت یعنی دکن اور راجپوتانہ کی گڑبڑ کے دوران سکھوں کی بغاوت کی خبر پہنچی۔ یہ کافر' نانکیہ اور گورو کے نام سے بھی مشہور تھے اور کافی عرصہ سے ضلع لاہور میں آباد تھے۔ موجودہ سردار (۳) نانک کی اولاد میں سے تھا۔ اس نے لوگوں کے ذہنوں پر کچھ اس قدر اثر و رسوخ قائم کر دیا تھا کہ طبقہ کے سکھوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے بلاوے پر اس کے گرد جمع ہو کر اپنی جانیں اور املاک اس کے سپرد کر دیتی تھی۔ اب اس نے سچے دین اسلام کو بنیادوں تک ہلا ڈالنے کا تہیہ کرلیا تھا۔ اس نے سرہند کے فوجدار وزیر خاں سے جنگ کی' جو اپنے متعدد ساتھیوں کے ہمراہ جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد گورو نے سرہند شہر اور دریائے جمنا کے دونوں کناروں پر واقع سدھورا' سہارنپور اور بریا تک دوآب کے متعدد اضلاع پر قبضہ کرلیا' جہاں اس نے بے حد و حساب زیادتیاں کیں۔ سرکاری عمارات' مثلاً مساجد' درسگاہوں' مقبروں اور محلات کو زمین بوس کر دیا۔ ہر عمر اور صنف کے وفاداروں کو یا تو قتل کر دیا یا قیدی بنا لیا

اور انہیں انتہائی ظالمانہ طریقے سے لوٹا کھسوٹا۔ ان غارت گروں کی زیادتی میں ہر روز اضافہ ہوتا گیا اور کوئی ایسا امیر نہیں تھا جو دہلی سے ان کے خلاف پیش قدمی کرنے کی جرات کر سکتا۔ دارالحکومت کے حاکم آصف الدولہ اسد خاں کو بڑی تشویش ہوئی اور اس نے بڑی بزدلی کا ثبوت دیا' لہذا شہروں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی اور وہ پناہ کی تلاش میں اپنے اہل خانہ کے ہمراہ مشرقی صوبوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہ سب کچھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی بادشاہ کو بڑی مبالغہ آرائی سے بتایا گیا۔ بادشاہ نے بذات خود یہ قرین مصلحت سمجھا کہ وہ سکھوں کو خود سزا دے۔ چنانچہ اس نے فی الوقت راجپوتوں کو ملیامیٹ کرنے کے بارے میں اپنے منصوبہ کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے یہ محسوس کیا کہ بہتر یہی ہے کہ اس وقت ان کی زیادتیوں سے چشم پوشی کر کے ان کی فرمانبرداری کو تسلیم کر لیا جائے' لیکن اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ جب بھی اسے مناسب موقع میسر آیا' وہ انہیں سزا ضرور دے گا۔ اب بادشاہ اپنی بہت بڑی فوج کے ہمراہ آگرہ اور دہلی کا دورہ کیے بغیر لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ سرہند پہنچ گیا' جس کو باغی اس کی آمد کا سن کر خالی کر گئے تھے اور دہبر کی طرف چلے گئے تھے' جو گورو کی اصل رہائش گاہ تھی' جہاں انہوں نے ممکنہ حد تک قلعہ بندی کر لی تھی' حالانکہ یہ بغاوت اس قدر اہم نہیں تھی کہ وہ سلطنت کی عام حالت کو نقصان پہنچا سکتی' لیکن دین پناہ' بادشاہ سلامت نے جب یہ سنا کہ باغیوں کا بغض دین کی طرف ہے تو اس نے بذات خود ان سے جنگ کرنا اپنا فرض سمجھا۔ اس نے عالمگیر کی تقلید کی' جو اپنی حکومت کے آخری حصہ میں کافروں کے ہر قلعہ کا محاصرہ کرنے کے لیے بذات خود پہنچ جاتا تھا۔ بغاوت کی ہر چنگاری کو بجھانے کے لیے کوئی شہزادہ یا امیر ایک مسلمان فوج کے ہمراہ کافی ہوتا اور وہ سکھ مذہب کا خاتمہ کر دیتا۔ وہ کیا ایسی بیوقوفی ہے جو اس مفلوک الحال اور غیر منظم گروہ کو اس قدر ممتاز بادشاہ کے خلاف اعلان جنگ کرنے پر زور دے سکتی؟"

شاہی فوج جلد ہی گورو کے پڑاؤ کے سامنے پہنچ گئی' جو دہبر کی دیواروں کے گرد مختلف اونچائیوں پر اس قلعہ کی طرف کھلنے والے دروں کی نگرانی کے لیے قائم تھا۔ یہ قلعہ نوکیلی چٹانوں اور گھاٹیوں سے گھری ہوئی ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ شاہ عالم نے اپنے امراء کو

احکامات دیے تھے کہ وہ کسی بھی فریب کے تحت سکھوں کی مضبوط چوکیوں پر حملہ نہ کریں' بلکہ اپنی طاقت کے ہر ذریعہ کو استعمال کر کے انہیں اس بات پر اکسائیں کہ وہ قلعوں سے باہر نکل کر حملہ کریں۔ جب فریقین کی فوجیں چند دنوں تک بے حس و حرکت پڑی رہیں تو اس کے بعد خان خاناں نے دشمن کے مورچے کا جائزہ لینے کے لیے' یعنی قراولی کرنے کے لیے آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ تاہم جب وہ ان کے مورچے کے قریب توپوں کی زد میں آیا تو دشمن نے شاہی فوج پر گولہ باری شروع کر دی' جبکہ ان کے بندوقچیوں اور تیر اندازوں نے' جو اردگرد کی چند پہاڑیوں پر موجود تھے' ان پر تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور بڑی کامیابی سے انہیں موت سے ہمکنار کیا۔

شاہی فوج زیادہ دیر تک مزاحمت نہیں کر سکتی تھی' لہٰذا آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ خان خاناں اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور اس نے پیدل ہی اپنی فوج کو انتہائی دشوار گزار پہاڑوں پر آگے بڑھایا اور بہت زیادہ کشت و خون کے ساتھ دشمن کو پیچھے دھکیل دیا۔ یہ کارنامہ شاہی پڑاؤ کے سامنے انجام دیا جا رہا تھا۔ ناموری میں سبقت لے جانے کی تمنا میں مست سرداروں اور سپاہیوں نے احکامات کا انتظار نہ کیا' بلکہ بہت بڑی تعداد میں حملہ میں حصہ لینے کے لیے آگے بڑھے' جبکہ بادشاہ اور چاروں شہزادے اس سارے منظر کے پرشوق تماشائی تھے۔ شاہی فوج اپنا سب کچھ آگے لے آئی اور اس نے دشمن کو قلعے کے چاروں طرف پھیلی ہوئی پہاڑیوں سے مار بھگایا۔ سکھ مرکزی قلعے کی طرف مراجعت کرنے پر مجبور ہوگئے' جس تک' تنگ گھاٹیوں کے ذریعے ہی پہنچا جا سکتا تھا۔ زبردست مزاحمت کے بغیر اس کو حوالے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دفاع کرنے والے بے جگری سے لڑے' لیکن اگر رات کا اندھیرا انہیں دوست اور دشمن کی تمیز کرنے کی مزید مہلت نہ دیتا تو انہوں نے مکمل طور پر تباہ ہو جانا تھا۔ صبح تڑکے دوبارہ حملہ کیا گیا اور مختصر سی کوشش کے بعد قلعے پر قبضہ کر لیا گیا۔ سکھ سردار رات کے وقت قلعے سے پہاڑوں کی طرف جانے والے ایک تنگ راستے کے ذریعے' (جو عام لوگوں کی نظر سے بچ گیا تھا) فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا اور ہمالیہ کے برف پوش پہاڑوں کے انتہائی غیر آباد حصوں کی طرف مراجعت کر گیا۔ گورو یہ بڑی اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اس نے کس طرح اپنا بھیس بدلنا ہے۔ وہ اپنے کمالات میں اس قدر پھرتیلا تھا کہ جب وہ سراغ سے بچنے کے لیے خواہش کرتا تو اس کے انتہائی رازدار ساتھی بھی اسے پہچان نہیں سکتے تھے۔ جب وہ اپنے آپ کو معلوم کروانا چاہتا تو ایک شہزادے کے روپ میں انتہائی پرتکلف اور شاہانہ لباس میں نمودار ہوتا۔ جب

اس نے رازداری سے کوئی کام کرنا ہوتا تو عام طور پر ایک جوگی یا سنیاسی کا روپ اختیار کر لیتا تھا۔

اس کامیابی کے بعد شاہ عالم واپس لاہور آگیا' جہاں ۱۷۱۲ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ بادشاہ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹوں میں معمول کے مطابق اقتدار کے لیے کشمکش پیدا ہوئی' لہٰذا طوائف الملوکی اور ابتری دوبارہ پھیل گئی۔ یہ فسادات سکھوں کے لیے سودمند ثابت ہوئے۔ وہ دوبارہ دریائے سندھ کے ساتھ لگنے والے میدانوں میں اتر آئے اور متحد ہو کر اپنے پرجوش سردار کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔

اس وقت انہوں نے بیاس اور راوی کے درمیانی علاقہ میں' (جو فورسٹر اور میلکم کے مطابق' قدیم لوگوں کا "لوہ گڑھ" تھا) اپنے لیے ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کر لیا' جسے گورداسپور کہا جاتا تھا۔ حاکم لاہور اسلام خاں ان کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے روانہ ہوا' لیکن ایک زبردست لڑائی میں اسے شکست ہوئی۔ اس کے بعد سکھ سرہند کی طرف بڑھے' چنانچہ اس صوبے کا حاکم بیزاد خاں ان کی فوج کا سامنا کرنے کے لیے شہر سے روانہ ہوا' لیکن اسے شکست ہوئی اور اس کا پیچھا کرنے والے ایک پرجوش سپاہی نے اسے خنجر گھونپ دیا۔ اسلامی فوج بھاگ اٹھی' لیکن اس مرتبہ بھی شہر میں لوٹ مار نہیں مچائی گئی کیونکہ پہلے گورو کی آمد پر بھی ایسا نہیں کیا گیا تھا۔

بادشاہ فرخ سیر' جو اپنے چچا معز الدین جهاندار شاہ (۱۷۱۳ء) کو قتل کرنے کے بعد' ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تھا' اب اس نے سکھوں کو ملیا میٹ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس نے حاکم کشمیر عبدالصمد خاں المعروف دلیر جنگ کو' (جو ایک تورانی امیر اور انتہائی شہرت یافتہ جرنیل تھا) حکم دیا کہ وہ پنجاب کی کمان سنبھال کر باغی بندہ اور اس کے متعصب ساتھیوں کو سزا دے۔

عبدالصمد خاں اپنے کئی ہزار بہادر ہموطنوں کے ہمراہ کشمیر سے لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں محمد امین خاں اس کے ساتھ شامل ہوگیا' جسے بادشاہ نے مشرقی اضلاع سے منتخب فوجیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ روانہ کیا تھا۔

بندہ' شاہی فوج کی آمد کا سن کر دوبارہ اپنی پہاڑی کمین گاہ کی طرف بھاگ گیا' جہاں وہ روپوش ہوگیا۔ شاہی فوج نے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا تعاقب کیا' لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اگرچہ بھاگتے ہوئے افراتفری کی حالت میں اسے زبردستی اپنے خزانے کے ایک بہت بڑے حصے کو چھوڑ جانے پر مجبور کر دیا گیا' جو تعاقب کرنے والی فوج کے ہاتھ

لگا اور اسے انہوں نے ان غریب اور مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم کر دیا' جو سکھوں کی زیادتیوں اور لوٹ مار کے باعث بے گھر ہوگئے تھے۔ جب بظاہر امن و امان بحال کر دیا گیا تو محمد امین خاں کو دوبارہ دہلی واپس بلا لیا گیا' جبکہ عبدالصمد خاں دلیر جنگ کو حکم دیا گیا کہ وہ لاہور جا کر اس صوبے میں امن و امان بحال کرے' جو متعصب سکھوں کی لوٹ مار سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔

ایک سال کے آرام کے بعد سکھ سردار دوبارہ گورداسپور کے میدانوں میں نمودار ہوا اور کالنور و سنتوخ گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے سکھوں کو کمین گاہوں سے واپس بلوایا' جہاں وہ عارضی طور پر چلے گئے تھے' لہٰذا دو ماہ سے بھی کم عرصہ میں ۳۵ ہزار جنگجو (۴) اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔

انبالہ کے فوجدار شیخ محمد دائم نے سکھ فوج کا مقابلہ کیا' لیکن اسے شکست دے کر مایوسی کی حالت میں لاہور کی طرف فرار ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پر حاکم لاہور عبدالصمد خاں اپنے درانی جنگجوؤں اور توپ خانے کے ہمراہ لاہور سے روانہ ہوا اور اورنگ آباد کے فوجدار میر احمد خاں کی قیادت میں شاہی فوج اس کی مدد کو پہنچی۔ سکھوں نے لوہ گڑھ (گورداسپور) کے قلعہ میں اپنے مورچہ کو مضبوط کیا اور اس کے گرد ایک خندق کھود کر اسے مضافاتی نہروں کے پانی سے بھر دیا۔

ایک گھمسان کی جنگ لڑی گئی' جس میں ان کے سردار بندہ نے جوانمردی اور دلیری کے بہترین کارنامے دکھائے' لیکن اسے برتر تعداد کے سامنے اور شاہی فوج کے نظم و ضبط کے سامنے پسپا ہونا پڑا' حالانکہ یہ جنگ بہت شدید اور گھمسان کی تھی' جس میں اس نے اپنے دشمنوں کو بہت نقصان پہنچائے۔

شاہی فوج کی وجہ سے بندہ اور اس کے چیلے مارے مارے پھر رہے تھے' لیکن آخرکار انہوں نے لوہ گڑھ کے قلعہ میں پناہ حاصل کر لی' جس کو خالصتا" دفاعی مقاصد کے لیے بنایا گیا تھا' لہٰذا وہ یہاں پر کافی عرصہ تک کے لیے محصور ہوگیا۔ بیرونی جانب سے ہر قسم کے رسل و رسائل کو کاٹ دیا گیا' چنانچہ قلعہ کے اندر محصورین کو کوئی چیز نہیں پہنچائی جا سکتی تھی۔ قلعہ کے اندر موجود تمام اشیائے خورد و نوش خرچ ہوگئیں اور اس کے عسکری وسائل بھی ختم ہوگئے۔

آخرکار محصورین میں بھوک اور لاغری پیدا ہونی شروع ہوگئی اور وہ گھوڑے اور گدھے کھانے پر مجبور ہوگئے۔ چیلوں کی ایک چھوٹی سی جماعت' جو بندہ کی پوری زندگی میں

آڑے وقت میں اس کے ساتھ رہی اور اس کا وفاداری سے ساتھ دیا' اب ان میں سے لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا' کیونکہ بھوک اور مشکلات کو اب وہ زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو غاروں' جنگلوں' بے آباد دیہاتوں اور دیگر مقامات میں چھپا لیا' لیکن مسلمانوں نے بڑی تندہی سے انہیں ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ اب فرار ہونے کا کوئی امکان نہیں اور یہ کہ اسے ہتھیار ڈالنے یا بھوک اور افلاس میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا' بندہ نے ہتھیار ڈالنا زیادہ بہتر سمجھا' لہٰذا اس نے عبدالصمد خاں کے پاس پیغام بھیج کر استدعا کی کہ وہ مداخلت کر کے بادشاہ سے اسے معافی دلا دے' اس شرط پر کہ وہ مستقبل میں پرامن زندگی گزارے گا۔ نواب نے اس میں مداخلت کا وعدہ کیا۔ اس پر بندہ نے اپنے تمام مشیروں' افسروں اور جوانوں سمیت ہتھیار ڈال دیے۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو پابہ زنجیر کر کے لاہور روانہ کر دیا گیا۔ ان میں سے' متعدد کے ہاتھ پاؤں باندھ کر شاہی فوج کے حوالے کر دیا گیا' جس نے نواب کے حکم سے انہیں دریائے راوی کے کنارے لے جا کر ان کے سر کاٹ کر' لاشوں کو دریا میں پھینک دیا۔ اس سزائے موت کے بعد عبدالصمد خاں سکھ افسروں اور جوانوں کے ایک طویل لشکر کے ساتھ' جن کی قیادت بندہ کر رہا تھا' ایک فاتح کی حیثیت سے لاہور میں داخل ہوا۔ وہ لنگڑے' لولے اور بھوکے گدھوں اور اونٹوں پر سوار تھے۔ ہر ایک کے سر پر کاغذی ٹوپی تھی۔ اس حالت میں انہیں لاہور کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ ان کے پیچھے ایک ہجوم تھا جو ان پر آوازے کستا اور انہیں برا بھلا کہتا تھا۔ جب انہیں گلیوں میں گشت کرایا جا رہا تھا تو بیزاد خاں' (جسے باز سنگھ نامی ایک سکھ نے قتل کر دیا تھا) کی بوڑھی ماں اس وقت عصر کی نماز پڑھ رہی تھی۔ اس نے ایک بڑا پتھر اٹھایا اور اسے گلی کی طرف بنی ایک بالکونی سے اپنے بیٹے کے قاتل کے سر پر گرا کر اپنے بیٹے کی موت کا انتقام لے لیا۔ پتھر نے باز سنگھ کو موقع پر ہی ہلاک کر دیا۔ اس موقع پر پورا شہر لاہور سراپا احتجاج بنا ہوا تھا' چنانچہ جرنیل نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ کہیں غضبناک ہجوم قیدیوں کو ہلاک نہ کر دے' انہیں ایک محفوظ مقام پر بھیج دیا' جہاں انہوں نے اپنے آپ کو ہاتھیوں کے ہودوں میں چھپا لیا۔ دوسرے روز صبح تڑکے ہی جرنیل' بندہ اور اس کے ساتھیوں کو بادشاہ کے سامنے زندہ پیش کرنے کے لیے شہر سے روانہ ہوگیا۔ اس نے قیدیوں کو اپنے بیٹے زکریا خاں اور قمرالدین خاں کی قیادت میں ایک مضبوط حفاظتی دستے کی حفاظت میں دے دیا۔ قیدی بنائے جانے

والے کل افراد میں سے سات سو اور چالیس کو دہلی لے جایا گیا۔ بندہ کو ایک آہنی پنجرے میں بند کیا گیا تھا۔ (۵) دہلی میں قیدیوں سے انتہائی شرمناک سلوک کیا گیا۔ انہیں نفرت انگیز اور مضحکہ خیز وضع قطع دینے کے لیے زبردستی بھیڑ کی کھالیں پہنا کر گدھوں اور اونٹوں پر سوار کرا کے شہر کے بازاروں اور عوامی اجتماع کے دیگر مقامات میں گشت کرایا گیا۔

بندہ کا منہ کالا کر کے اور اس کے سر پر ایک اونی ٹوپی پہنا کر ہاتھی پر سوار کرایا گیا تھا اور ایک جلاد ہاتھ میں تلوار لے کر اس کے اوپر کھڑا ہوا تھا۔ اسے کہا گیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی قیادت کرے۔ ان میں سے ایک سو کے سر، ہجوم کی آوازوں اور لعنت ملامت کے درمیان کاٹ دیے گئے۔

ہر روز اتنی ہی تعداد کو سزائے موت دی جاتی، حتیٰ کہ سبھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ حالانکہ وہ ہر وقت شہادت کو ترجیح دینے کے لیے شور مچاتے تھے لیکن اس کے برعکس ان کا انجام بڑا ذلت آمیز ہوا۔ بندہ کی سزائے موت کو آخری دن کے لیے روک لیا گیا تھا۔ اسے ایک جنگلی درندے کی طرح اس کے پنجرے سے باہر کھینچا گیا اور اس کے بعد طلائی تاروں کی کشیدہ کاری سے مزین شاہانہ ملبوسات اور قرمزی دستار پہنائی گئی۔ اب اسے ایک عدالت کے سامنے پیش کیا گیا جو پہلے ہی اس کی تقدیر کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس کے جن ساتھیوں کو پہلے سزائے موت دے دی گئی تھی، ان کے سر نیزوں پر لٹکا کر اس کے چاروں طرف پھرائے گئے۔ جلاد ننگی تلوار کے ساتھ اس کے عقب میں کھڑا اپنے منصفین کے حکم اور فیصلے کا انتظار کر رہا تھا۔ دربار کے تمام امراء نے لعنت آمیز انداز میں اس سے دریافت کیا کہ اس قدر بہترین علم اور صلاحیتوں کا حامل ہوتے ہوئے اس نے اس جیسے گھناؤنے اور ذلیل جرائم کا ارتکاب کیوں کیا، جو اس کے سوا کچھ نہیں تھے کہ وہ اپنے شیطان آقا کی کمین گاہ میں طویل عرصہ قیام کر لے، اسے چاہیے کہ وہ توبہ کر لے۔ اس نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ وہ گناہ گاروں کو سزا دینے کے لیے قادر مطلق کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا، لیکن اب یہ طاقت دوسروں کو دے دی گئی ہے کہ وہ اس کی زیادتیوں کی سزا اسے دیں۔ اب اس کے بیٹے کو اس کی گود میں بٹھا کر اس کے ہاتھ میں چاقو دے کر یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس کا گلا کاٹ دے۔ اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ تب اس کی لاش کو دہکتی ہوئی آہنی سلاخوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ (مسلمان مورخین کے مطابق) "اس کی تاریک روح جہنم رسید ہوگئی جو اس کے لیے بہت مناسب جگہ تھی"۔ گورو کو ۱۷۶۰ء میں جہنم رسید کیا گیا۔

حالانکہ بہادری ایک قابل تعریف قابلیت ہے اور ہر لحاظ سے یہ نسل در نسل چلتی ہے' لیکن اس راکشش کے دلیرانہ کارنامے اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کی فتوحات کو دلیرانہ کارناموں کے طور پر نہیں بلکہ کینہ پرور اور انتہائی سفاکانہ جرائم کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی حکومت اور بے انتہا کرودھ صرف مسلمانوں کے خون بہانے کے لیے تھی۔ اس کے خون آشام رجحانات اور وحشیانہ جرائم کے باعث ہندوستان کے کسی حصہ میں اس کا نام نہیں لیا جاتا۔ مسلمان اور سکھ یکساں طور پر اسے نفرت سے یاد کرتے ہیں۔ اس کی حکمت عملی اپنے پیشرو' نانک اور گووند کے یکسر خلاف تھی۔ اس کی اختراعات کو اس کے چیلوں پر زبردستی ٹھونس دیا جاتا تھا اور جو کوئی بھی انہیں قبول کرنے میں ذرا سی بھی پس و پیش کرتا' اس پر مسلمانوں کی طرح انتہائی بے درد اور ظالمانہ طریقے سے تشدد کیا جاتا تھا۔ اس نے گووند کے انتہائی بے لوث اور بہترین ساتھیوں پر تشدد کر کے انہیں ہلاک کر دیا' کیونکہ انہوں نے اس کی نئی اختراعات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا' جو ان کے بانی کے قائم کردہ دین کی تعلیمات کے سراسر منافی تھیں۔ وہ گورو کی حیثیت سے اپنے کارناموں پر اتنا فخر کرتا تھا کہ اس کی یہ خواہش ہوگئی کہ اس کے پیروکار اس کی ایجاد کو ایک نشانی کے طور پر اختیار کرلیں (نیلے لباس کے ترک کرنے میں' جس کے پہننے کا نانک نے حکم دیا تھا) تاکہ بطور ایک روحانی پیشوا کے اسے دنیا میں زیادہ بہتر شخص کے طور پر جانا جائے۔ اس نے ان کے نعرۂ جنگ "واہ گورو جی کی فتح' واہ گورو جی کا خالصہ" (جس کی تلقین گووند نے کی تھی) کو "فتح دھرم' فتح دھرسم" سے بدل دیا۔ جس کا مطلب ہے "پاکیزگی کی فتح' دین کی فتح ہے"۔ اس نے اس کی آرزو بھی کی کہ اس کے پیروکار گوشت اور نشہ آور مشروبات سے پرہیز کریں۔ گووند کے سچے اور بے لوث چیلے اکالیوں نے ان اختراعات کی ڈٹ کر مخالفت کی اور اپنے عظیم گورو کی تعلیمات اور اصولوں کو تبدیل کرنے اور زندگی کے نئے طور طریقوں کو اپنانے کی بجائے' اپنے دین کی خاطر' شہیدوں کی طرح جان دینے کا ترجیح دی۔ بیراگی کی موت پر نانک اور گووند کی تمام تعلیمات کو بحال کر دیا گیا' اگرچہ نیلا لباس' جسے گزشتہ دور میں سکھ پہنتے تھے' اس وقت سے اکالیوں کا مخصوص رنگ بن گیا' جنہوں نے حوصلے اور بہادری (جس کے ذریعے انہوں نے بندہ کی اختراعات کی مخالفت کی) کے ذریعے اپنے آپ کو حقیقی طور پر ایک سچے سکھ کی ممتاز نشانی کے شایان شان بنایا تھا۔ بندائی نام کا ایک فرقہ' جو بندہ کی تعلیمات کی پیروی کرتا ہے' ابھی تک پنجاب میں موجود ہے اور اس کے ارکان دریائے سندھ کے ساتھ ملتان' ٹھٹھہ اور دیگر شہروں میں رہتے ہیں' انہوں نے

نانک کی "آدی گرنتھ" تو حاصل کر لی لیکن گورو گووند سنگھ کی "دسواں بادشاہ کا گرنتھ" نہیں لی۔

اپنے ممتاز پیشرو کی تمام بہترین صلاحیتوں سے عاری ہونے کے باعث بندہ کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اس کی یاد کو اس کی نسل میں قائم رکھ سکتی۔ اس نے صرف نڈر حوصلے کو محفوظ کیا۔ گووند کی طرف سے بندہ کو اپنا جانشین منتخب کرنا بظاہر کسی ایسی رائے کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا جو اس نے اس کی پرہیزگاری یا دین کو پھیلانے میں اس کی صلاحیت کے بارے میں قائم کی ہو' بلکہ اس نے اس کے برعکس اسے اپنے والد اور دونوں بیٹوں کی موت کا انتقام لینے کے لیے منتخب کیا تھا کیونکہ اس مقصد کے لیے وہ اس بے رحم خون آشام کے مقابلہ میں کسی اور کو بہتر آلہ کار نہیں سمجھ سکتا تھا۔

حوالہ جات

(۱) سر جان میلکم بیان کرتے ہیں "کہ یہ قطعی غیر ضروری ہے کہ اس یادگار جنگ کے حالات کے بارے میں بتایا جائے جو ہر لحاظ سے معلوم ہوتا ہے' اس شہر پہ نازل ہونے والی آفات میں سے ایک زبردست آفت تھی۔ ہر قسم کی زیادتی جو بھی انتہائی بربریت کے ساتھ کی جا سکتی تھی اور ہر وہ ظلم جو انتقام کی نہ کم ہونے والی بھوک کے لیے کیا جا سکتا' وہ ان صوبوں کے بیچارے بدنصیب شہریوں پر کیا گیا۔ صرف ان لوگوں کی جاں بخشی کی جاتی تھی جو دین اختیار کرتے اور سکھوں کی عادات اور لباس اختیار کرتے تھے"۔

(۲) خفی خاں کی منتخب اللباب۔

(۳) مصنف کا مطلب "بندہ" سے ہے' تاہم وہ نانک کی اولاد میں سے نہیں تھا۔

(۴) رائے کنہیا لعل کے مطابق ۵۰ ہزار۔

(۵) میکریگر کے مطابق' مسلمان سپاہیوں کا خیال تھا کہ بندہ ایک جادوگر ہے' اس لیے ہو سکتا ہے وہ راستے میں فرار ہو جائے۔ ایک مغل اٹھا اور اس نے کہا: "ہمیں اکٹھے باندھ کر ایک ہی ہاتھی پر بٹھا دیجئے' اگر اس نے فرار ہونے کی کوشش کی تو میں اپنا خنجر اس کے جسم میں اتار دوں گا"۔ چنانچہ' بندہ کو اس آدمی کے ساتھ باندھ دیا گیا اور اسی طرح دہلی پہنچایا گیا۔

باب ۳

سکھوں کی سیاسی تنظیم کا حکومت الہیہ کی متحدہ جاگیریت میں انضمام

۱۷۶۱ء میں پنجاب کی ابتر حالت

۱۷۶۱ء میں ہندوستان سے احمد شاہ کی روانگی کے بعد، پورے پنجاب میں ابتری اور افراتفری پھیل گئی۔ باقاعدہ حکومت نہ ہونے اور پانی پت کے فسادات کے بعد ملک کی پر آشوب حالت نے سکھوں کی طاقت میں اضافہ کر دیا۔ بادشاہ، صوبے کے اندرونی انتظام کی گڑبڑ پر کچھ زیادہ توجہ نہیں دیتا تھا اور لاہور میں اس کا حاکم، کسی بیرونی چوکی کے عسکری کمانڈار سے زیادہ بہتر حالت میں نہیں تھا۔ سکھ پہلے سے زیادہ دیدہ دلیر اور خونخوار ہو گئے تھے لہذا، انہوں نے علاقہ کے گردونواح میں غارت گری مچا دی اور دیہاتوں سے خراج وصول کیا۔ تمام سرکردہ سردار جن علاقوں پر قبضہ کرتے، تو اپنے دائرہ اختیار میں آنے والے خطوں کے نام اپنے آبائی دیہاتوں، مثلاً رام گڑھیہ، آہلو والیہ، کے ناموں پر رکھتے تھے، جبکہ دوسرے نام لوگوں کی عادات کے مطابق رکھے جاتے تھے، مثلاً بھنگی، بھنگ کے نشے کے عادی ہونے کے باعث وغیرہ وغیرہ۔ انہوں نے مسلمانوں کے حملوں سے اپنی جانوں اور املاک کو بہتر طور پر محفوظ رکھنے کے لیے اور اپنے دشمنوں کے خلاف فوجی مہمات شروع کرنے کے لیے قلعے اور کمین گاہیں تعمیر کیں، ان موثر اقدامات نے سکھ قوم کی قوت اور وسائل کو تقویت دینے کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا۔ ان سرداروں میں سے ایک سردار جس نے سکھ قوم کی سیاسی عظمت کی بنیاد رکھی تھی وہ، پنجاب کے مستقبل کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جد امجد

چرت سنگھ سکرچاکیہ تھا(۱)۔ وہ سب سے پہلے میدان میں اترا اور اپنے کار عظیم اور سرگرمی کے باعث جلد ہی ایک اچھے سپاہی اور کامیاب رہنما کی شہرت کا حامل ہوگیا۔ اس خاندان کے پاس آبائی طور پر کوئی ایسی امتیازی خصوصیت نہیں تھی جس کی وجہ سے اسے شہرت حاصل ہوسکتی یا وہ اس پر فخر کر سکتا۔ اس خاندان میں سب سے پہلے جس نے سکھ مذہب اختیار کیا وہ سانسی قبیلے کا ایک ادنیٰ زمیندار' دسیو جاٹ تھا' جو مانجھا علاقے کے ایک گاؤں سکرچک میں رہتا تھا۔ اس کے پاس تین ہل اور ایک کنواں تھا' جن کی مدد سے وہ اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتا تھا۔ اس کا ایک بیٹا نودھ سنگھ تھا جس کی شادی مجیٹھیہ کے ایک زمیندار گلاب سنگھ کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ نودھ سنگھ نے اپنی شادی کے بعد' اپنے زرعی پیشہ کو ترک کر دیا اور گجرات کے کپور سنگھ کی قیادت میں' فضل پوریہ مثل میں ایک سپاہی اور کمانداربن گیا۔

نودھ سنگھ' ۱۷۵۲ء میں انتقال کر گیا اور اس کے بیٹے چرت سنگھ نے کسی کی ماتحتی میں خدمات سرانجام دینے کو اپنے لیے باعث تحقیر سمجھتے ہوئے اپنی ایک علیحدہ جماعت بنالی' جس میں اس کے برادران نسبتی دل سنگھ اور جودھ سنگھ کو اس کی ماتحتی کے منصب عطا کیے گئے' لہٰذا ان کی مدد سے اس نے بے شمار مسلح افراد کو اپنی ملازمت میں شامل کر لیا' جن کو وہ لوٹ مار کی کارروائیوں کے لیے استعمال کرتا اور خود ان کی قیادت کرتا تھا۔ چنانچہ جمع کی گئی' رقم سے اس نے لاہور کے شمال میں واقع اپنی بیوی کے گاؤں گجراولی میں مٹی کا ایک چھوٹا سا قلعہ تعمیر کر لیا' وہ اس کی فوج کے جمع ہونے اور لوٹ مار سے حاصل شدہ مال غنیمت کے گودام کا کام دیتا تھا۔ یہ لاہور سے قریب' موزوں جگہ پر واقع تھا اور مسلمانوں کی طاقت کو کچلنے کے لیے ان کے مشترکہ مقصد کے پیش نظر دیگر سکھ مثلوں کے جمع ہونے کے مقام کا کام بھی دیتا تھا۔

اس علاقے کے قبضہ سے مطمئن رہنے کے لیے جو ابدالی بادشاہ کو گزشتہ دور میں حوالے کیا گیا تھا' اب اس کی دانشمندی صاف عیاں ہوگئی تھی' کیونکہ دریائے ستلج کے پار علاقہ میں تسلط کو برقرار رکھنے میں ناکامی کے باعث' اس نے پنجاب میں اپنی حکومت کو برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہ سمجھا' جہاں سکھوں کی طاقت اب اپنے عروج پر تھی' ان لوگوں کی کامیابی کا سن کر شاہ نے' ۱۷۶۲ء کے آغاز میں اپنے جرنیل' نورالدین خاں بھمی زئی کو ۷۰۰۰ سواروں کے ہمراہ' سکھ باغیوں کو منتشر کرنے کے لیے روانہ کیا' چرت سنگھ سکرچاکیہ اور دیگر سکھ سرداروں کی مشترکہ فوجوں نے اس جرنیل کو زبردست نقصان کے ساتھ پسپا کر کے سیالکوٹ کے قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا' جہاں سکھوں نے اس کا زبردست محاصرہ کر لیا۔ آخر کار

جب اشیائے خورد و نوش ختم ہو گئیں تو نور الدین خاں نے جموں کے راجہ کے پاس پناہ حاصل کی' جہاں' اس کی باقی ماندہ فوج اور افسران بھی آن شامل ہوئے' اس کامیابی کے بعد سکھ اور زیادہ سرکش ہو گئے اور انہوں نے لاہور کے ساتھ تمام رسل و رسائل کو کاٹ دیا۔ جے سنگھ کنہیا اور جسا سنگھ رام گڑھیہ' بالترتیب' بٹالہ اور کلانور کے مالک بن گئے' جبکہ گوجر سنگھ اور چڑت سنگھ نے لاہور کے نواح میں ایمن آباد کے گرد تمام علاقے کو تہ و بالا کر دیا۔ آخر کار' درانی حاکم خواجہ عبید' چڑت سنگھ کو شکست دینے اور اسے گجراؤلی کی نئی چوکی سے بے دخل کرنے کے لیے اپنی تمام فوجوں کے ہمراہ روانہ ہوا۔ سکھوں نے اس کو مشترکہ مسئلہ سمجھا' لہٰذا وہ تمام اطراف سے قلعہ کے گرد جمع ہو گئے اور آخر دم تک اس کا دفاع کرنے کا تہیہ کر لیا۔ افغان حاکم نے ان کے مٹی کے قلعہ میں ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کی تمام رسد کو کاٹ دیا۔ سکھوں میں گوجر سنگھ اور جھنڈا سنگھ بھی شامل ہو گئے جو اپنی فوجوں کے ہمراہ' ایمن آباد سے اپنے ہم مذہبوں کی مدد کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ چند سکھ جو مسلمان حاکم کی فوج میں خدمات سرانجام دے رہے تھے' انہوں نے خفیہ طور پر اپنے گڑھی کے بھائی بندوں سے خط و کتابت شروع کر دی' اس کی مدد سے سکھ افغان پڑاؤ پر رات کے وقت اچانک حملہ کرنے کے قابل ہو گئے' انہوں نے افغانوں کو مکمل طور پر شکست دے دی اور بہت سے سپاہیوں کو میدان میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس موقع پر' گزشتہ خفیہ انتظامات کے مطابق' مغل حاکم کی فوج میں ملازم سکھوں نے ایک جماعت کی صورت میں اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور دشمن کے ساتھ مل گئے۔ خود خواجہ بھی' اپنے ساز و سامان کو سکھوں کے لوٹنے کے واسطے چھوڑ کر مایوسی کی حالت میں بھاگا اور اپنے آپ کو لاہور کی فصیل میں بند کر لیا۔

مسلمان حاکم لاہور' پر اپنی فتح سے خوش ہو کر' سکھوں نے پورے علاقے کو لوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہونے والے سلوک کا بدلہ لینے کے لیے' ان پر بہت زیادہ ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا' ان کی تحقیر کی گئی اور مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کر دیے۔ گورو کے چیلے' یعنی خالصہ کا دل' دیوالی کے تہوار پر' امرتسر میں جمع ہوا اور اس نے کھلم کھلا مقدس تالاب میں اشنان کرنا شروع کر دیے اور اس موقع پر پہلی مرتبہ' باقاعدہ طور پر "گورو مٹھ" یا سرداروں اور چیلوں کا اجلاس منعقد کیا گیا۔ تب' جنڈیالہ کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ اس جگہ پر مہنت عاقل داس کا قبضہ تھا' جس نے احمد شاہ کو اطاعت پیش کر دی تھی اور پانی پت کی جنگ سے متعلق اہم خدمات سرانجام دی تھیں' اسی وجہ سے اس نے گووند کے چیلوں کی ناراضگی مول لے لی۔ مالیر کوٹلہ کے سردار' ہنگن خاں کے علاقوں میں لوٹ مار مچائی

گئی اور دیگر مسلمان سرداروں مثلاً بروج کے مرتضیٰ خاں' اور قاسم خاں ارل کو ہراساں کیا گیا۔ (۲) سرہند کا محاصرہ کیا گیا' لیکن مسلمان حاکم زین خاں' ہمسایہ سرداروں کے تعاون سے جم کر مقابلہ کرنے میں بہت کامیاب رہا۔

جب ان نقصانات کی خبر' بے چین احمد شاہ کے پاس پہنچی' تو اس نے بذات خود میدان جنگ میں جانے کا فیصلہ کر لیا' لہٰذا وہ نومبر' ۱۷۶۲ء میں دریائے سندھ پر نمودار ہو گیا اور اپنی منتخب فوج کے ہمراہ اس قدر تیزی سے پیش قدمی کی' جس کے لیے وہ شہرت رکھتا ہے۔ سکھ ابھی تک جنڈیالہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ بادشاہ' لدھیانہ کے راستے' لاہور سے زبردست پیش قدمی کرتے ہوئے ان کے پڑاؤ کے سامنے پہنچ گیا۔ باغیوں نے جب شاہ کی آمد کا سنا تو پڑاؤ اٹھا کر تمام اطراف میں بھاگ اٹھے' ان کی زیادہ تعداد' اپنے بھائی بندوں کی مدد کے لیے (جنھوں نے سرہند کا محاصرہ کیا ہوا تھا) ستلج کے جنوب میں چلی گئی۔ شاہ نے لاہور کو اپنا صدر مقام بنایا اور' بروج' مالیرکوٹلہ اور دیگر فوجی مقامات کے مسلمان جاگیرداروں اور سرداروں کو احکامات جاری کیے کہ وہ اپنی اپنی فوجوں کے ہمراہ حاکم سرہند کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ میدان جنگ سے اس کی عارضی عدم موجودگی نے سکھوں میں اس خیال کو تقویت دی کہ اس نے مزید جنگ کرنے کے ارادے کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن شاہ نے جلد ہی ان کی غلطی کا ازالہ کر دیا۔ لاہور میں قیام کے دوران اس نے دشمن پر اچانک حملے کے منصوبوں کو مکمل کر لیا اور پھر نہایت احتیاط اور رازداری سے' اپنی فوجوں کے ہمراہ باہر نکل آیا۔ اگلی شام کو اس نے دریائے ستلج کو عبور کیا اور لدھیانہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ چند گھنٹوں کے قیام کے بعد وہ دوبارہ سرہند کے لیے اپنی فوج کے ہمراہ روانہ ہوا اور طلوع آفتاب سے قبل وہاں پہنچ گیا۔ اس کی نہایت اہم بروقت آمد جنگ کے لیے بہت موزوں ثابت ہوئی۔ حاکم سرہند زین خاں' نے کچھ عرصہ تک بڑی جوانمردی اور دلیری سے اس برتر تعداد کا مقابلہ کیا' لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ غیر مساوی مقابلہ کچھ اور دنوں تک نہیں چل سکتا تھا۔ تاہم' شاہ کی بروقت آمد نے محصور فوج کے دل میں عزم و حوصلہ کی روح پھونک دی' اس نے دشمن سے جنگ شروع کر دی' جس کی تعداد اس وقت' دریائے ستلج کے جنوب میں واقع' کوٹ رہیرا میں پچاس' ساٹھ ہزار مضبوط سپاہیوں پر مشتمل تھی' اس نے ان پر مکمل فتح حاصل کی۔ اس جنگ میں پہاڑی باشندے اور شاہ کے محافظ اپنی بہادری کی وجہ سے نمایاں رہے' موخر الذکر بھیڑ کی کھال کی تکونی ٹوپیوں کی مخصوص نشانی کے باعث' منفرد دکھائی دیتے تھے۔ میدان جنگ میں اولوالعزمی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا لیکن معلوم ہوتا ہے سکھوں کو کسی تشویش نے جکڑ لیا تھا'

جس کے بعد بھگدڑ مچ گئی۔ فاتح فوج نے شکست خوردہ فوج کا غربی جانب' ہریانہ اور برالہ تک تعاقب کیا۔ مؤرخین شکست خوردہ فوج کے مقتولین اور زخمیوں کا مختلف تخمینہ لگا کر اسے ۱۲٬۰۰۰ سے ۳۰٬۰۰۰ تک بتاتے ہیں۔(۳) صرف وہی فاتحین کی منتقم تلواروں کے نشانہ سے محفوظ رہنے میں کامیاب ہوئے' جو نواحی پہاڑوں میں بھاگ گئے یا جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ سکھ اپنے اس زبردست نقصان کو گھلو گھڑا کہتے تھے۔

پھول خاندان کے سردار اور پٹیالہ راج کے بانی' علا سنگھ کو برالا میں قیدی بنا کر پابہ زنجیر کر کے لاہور لایا گیا' لیکن وزیر اعظم شاہ ولی خاں کی مداخلت سے اسے خراج ادا کرنے کی شرط پر رہا کر دیا گیا۔ علا سنگھ کی بیوی' رانی فتو نے شاہ کو چار لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کیا' لہٰذا بادشاہ' سکھ سردار کی مردانگی سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے اسے قیمتی خلعت عطا کی اور سرہند کے صوبیدار کو فرمان جاری کیا کہ وہ اسے وصول کرتے ہی' اس کی تمام جاگیریں بحال کر دے۔ اس موقع پر' علا سنگھ کو "راجہ" کا خطاب دیا گیا اور اس نے سلطنت کو شاہ کا عطیہ سمجھتے ہوئے اس کے نام کا سکہ مضروب کرایا۔

اس کے بعد' شاہ نے' جموں کے راجہ' رنجیت دیو' کپور تھلہ کے رائے برہم' قنوج کے راجہ گھمنڈ چند' کانگڑا کے راجہ' ندھن سنگھ رندھاوا' قادیان کے مرزا میر محمد اور دیگر سرداروں کو اپنے پاس لاہور بلوایا اور ان سے مناسب نذرانہ وصول کرنے پر انہیں خلعت سے نوازا اور بڑی عزت سے روانہ کیا۔

تب دیوالی کے تہوار کی آمد تھی' چنانچہ اس نے امرتسر کا دورہ کیا اور وہاں امراء کی معیت میں کئی دن شکار اور تفریح میں گزارے۔ اس نے اپنے مفتوح دشمنوں کے ساتھ اس قدر بہیمانہ سلوک کیا اور لوٹ مار اور غارت گری کے وہ بازار گرم کر کے امرتسر میں اپنے قیام کو مشہور کیا کہ جس کی کئی مثالیں' مشرقی ممالک کی تاریخ بیان کرتی ہے۔ امرتسر میں سکھوں کے گوردوارہ' ہرمندر کو بارود سے اڑا دیا گیا اور مقدس تالاب کو اس کے ملبے سے بھر دیا گیا اور' گائے و بیلوں کے خون اور انتڑیوں سے آلودہ کیا گیا۔ ایک درانی سردار' قلندر خاں کو ان انتظامات کی انجام دہی پر مقرر کیا گیا۔ بے شمار مقتولین کے سروں کے مینار بنائے گئے۔

سکھوں کی طرف سے مسلمانوں کی مساجد اور خانقاہوں کی بے حرمتی کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ ان کے انتہائی مقدس شہر میں انتہائی متبرک عمارات کو مسمار کر دیا گیا۔ انتقامی قانون پر پوری طرح عمل کیا گیا۔ دوسروں کے ہاتھوں' دین اسلام کی بے حرمتی کا بدلہ نہایت دلجمعی

سے چکایا گیا۔ مجرموں کے خون کرنے کے سوا مسلمانوں کے ہاتھوں ہونے والی بے حرمتیوں کا کفارہ ادا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مزید براں، غارت گری کے کام سے کوئی چیز انہیں مطمئن نہیں کر سکتی تھی، جب تک کہ ان کا وحدت پسند مذہب، بت پرستی کو گوارا نہیں کر لیتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابدالی بادشاہ، اپنے مذہب کے قانون پر سختی سے کاربند تھا، اور یہ سب کچھ فرض کے جذبہ کے تحت تھا کہ اس نے سکھوں کے مقدس مقامات کو تباہ کیا۔ اب اپنے مذہب کا مکمل طور پر بدلہ لینے کے بعد اس نے اپنی توجہ کشمیر کے معاملات پر مرکوز کی۔ اس وقت، حاکم سکھ جیون، نے ایک خود مختار سردار کی حیثیت سے کشمیر کا بندوبست کرنا اور حکومت کرنا بہتر خیال کیا۔ اس نے افغانوں کو کشمیر سے نکال دیا، خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا اور قصہ مختصر، شاہ کا جواء اتار پھینکا۔ شاہ کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا، سوائے اس کے کہ وہ حاکم کے ہوش ٹھکانے لگا دے، چنانچہ، نور الدین خاں بھی زئی کی قیادت میں ایک بہت بڑی فوج، اس طرف روانہ کی اور انہیں احکامات دیے کہ وہ باغی حاکم کو گرفتار کر کے لاہور روانہ کر دیں۔ اس مہم میں، شاہ کے جرنیل کے ہمراہ، جموں کا راجہ، رنجیت دیو بھی تھا، جس کے تعاون نے اسے منزل مقصود پر پہنچنے میں بڑی سہولت دی۔ جب فوج، پیر پنجال کے گاؤں پہنچی، جہاں باغی حاکم نے اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا تھا، تو انہوں نے فوراً اس پر حملہ کر دیا اور ہلکی سی مزاحمت کے بعد سکھ جیون کو گرفتار کر لیا گیا اور پابہ زنجیر کر کے لاہور روانہ کر دیا گیا، وہاں سب سے پہلے تو اس کی آنکھیں نکالی گئیں اور اس کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اب سربلند خاں کو حاکم کشمیر کی حیثیت سے روانہ کیا گیا اور نور الدین خاں کو واپس بلا لیا گیا۔

احمد شاہ کی کابل روانگی

دریں اثناء، قندھار میں فسادات کی خبر شاہ تک پہنچی، تو وہ، ایک، ہندو، کابلی مل کو، لاہور میں اپنا حاکم مقرر کر کے، ۱۷۶۲ء کے اختتام پر، تیزی سے کابل روانہ ہوا۔

شاہ، نے سکھوں کو مسلمانوں کی مساجد اور خانقاہوں کی بے حرمتی کرنے پر جو سخت سزا دی تھی، وہ آسانی سے فراموش کرنے کے قابل نہیں تھی۔ انتقام کی آگ، ان کے سینوں میں بھڑک رہی تھی، چنانچہ، اب، اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کرنے کے لیے انہیں موقع میسر آ گیا تھا۔ انہوں نے "گورو متھ" کا اجلاس منعقد کیا اور مستقبل کی کارروائیوں کا منصوبہ تیار کیا، اسلامی فوج ابھی بمشکل چناب تک پہنچی تھی کہ سکھوں نے اپنی فوجوں کو امرتسر میں جمع کیا اور ایک پٹھان آبادی قصور پر چڑھائی کر دی۔ انہوں نے اس پر اچانک حملہ کیا اور اس میں خوب

لوٹ مار کر کے وہاں سے کثیر مقدار میں لوٹ کا مال لے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے مالیر کوٹلہ پر قبضہ کیا اور اس میں خوب غارت گری کی اور اپنے دیرینہ دشمن اور آزمودہ کار سردار بھیکن خاں کو قتل کر دیا۔ ان کامیابیوں سے خوش ہو کر انہوں نے سارے علاقے کو حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا اور چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل پوری طرح مسلح فوج کے ہمراہ، دسمبر ۱۷۶۳ء میں سرہند پر حملہ کر دیا۔ دہلی دربار چونکہ، حاکم سرہند کو کسی قسم کی مدد بہم پہنچانے کے قابل نہیں تھا یا شاید سکھوں کی برتری سے لاتعلق تھا، اسی بناء پر افغان حاکم، زین خاں، آگے بڑھ کر سکھوں پر حملہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ سرہند کے مشرق میں سات میل کے فاصلے پر موضع پیر زین منیرا کے مقام پر مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو مکمل طور پر شکست ہوئی جس میں زین خاں اور مسلمان سردار مارے گئے۔ ستلج اور جمنا کے درمیان تمام علاقے پر فاتحین نے قبضہ کر لیا، اور انہیں کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سرہند شہر میں غارت گری شروع کر دی گئی اور اس کی عمارات کو یا تو زمیں بوس کر دیا جاتا یا نذر آتش کر دیا گیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں، اورنگ زیب کے جرنیل، وزیر خاں کے حکم سے گووند کے بچوں اور اس کی ماں کو قتل کیا گیا تھا، انہوں نے اس کا انتقام لینے کا تہیہ کر لیا۔ کوئی گھر سلامت نہیں رہنے دیا گیا، لہٰذا یہ رسم ابھی تک موجود ہے، اس کی وجہ سے ہر سکھ اس بات کو مستحسن عمل سمجھتا ہے کہ وہ، اس جگہ کے متعلق نفرت اور حقارت کا اظہار کرنے کے لیے، اس جگہ سے ایک اینٹ اٹھائے اور اسے ستلج میں پھینک دے۔ (۴) سکھوں نے ستلج اور جمنا کے میدانوں کو آپس میں بانٹ لیا اور اہم مقامات پر فوجی چوکیاں قائم کر دیں۔ پٹیالہ کے سردار، علا سنگھ نے سرہند کے کھنڈرات کو ۲۵۰۰۰ روپے کے عوض سکھوں سے خرید لیا۔ اس کا فروخت کنندہ، گووند کا ایک دیرینہ ساتھی، جملہ سردار بھائی بدھ سنگھ تھا، جس کو سکھ مثلوں نے متفقہ طور پر یہ شہر عنایت کر دیا تھا، کیونکہ انہوں نے اس پر قبضہ کیا تھا۔

اب چونکہ سکھوں نے اپنی فتح کے پھل کو چکھ لیا تھا، لہٰذا، حکومت اور اقتدار کے لیے ان کی خواہشات بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ انہوں نے جمنا کو پار کیا اور اچانک سہارنپور کی فصیل کے نیچے نمودار ہو گئے لیکن جاٹوں کے علاقہ سے نجیب الدولہ کی آمد نے انہیں مستقل طور پر اس علاقے کا مالک بننے سے روک دیا۔

اس وقت، سکھ اپنی لوٹ مار کے باعث، ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقہ کے مکمل طور پر مالک بن گئے۔ ابدالی بادشاہ، نے خواجہ عبید کی معاونت کے ساتھ لاہور میں جو ہندو حاکم چھوڑا

تھا' اس کو شہر کی فصیل کے پار لوگوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں تھا' ہر کسی کو سکھوں کا خدشہ رہتا تھا کیونکہ ان کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ ہندو چونکہ گائے کو مقدس سمجھتے تھے' لہٰذا' انہوں نے لاہور کے صوبیدار' کابلی مل سے بڑے سرکش انداز میں مطالبہ کیا کہ وہ شہر میں موجود گائے کے تمام قصابوں کو گرفتار کرے۔ لاہور کا ہندو حاکم تذبذب کا شکار تھا۔ سکھوں کے سامنے ہتھیار ڈالنا اس کے مزاج کے قطعی خلاف تھا' جبکہ مسلمان قصابوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑنے سے وہ اپنے آقا' احمد شاہ کی ناراضگی مول لیتا تھا۔ ان حالات کے تحت اس نے یہ بہتر سمجھا کہ معاملات سے اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے چند قصابوں کے ناک کان کاٹ کر انہیں شہربدر کر دیا جائے۔ بلاشبہ' کابلی مل نے اس کو ایک مستحسن عمل سمجھا' کیونکہ بحیثیت ایک ہندو کے وہ تمام قصابوں کو حقارت اور قہر کی نظر سے دیکھتا تھا۔

احمد شاہ کا ساتواں حملہ ۱۷۶۴ء

سرہند میں سکھوں کی کامیابی اور پنجاب کی افراتفری احمد شاہ ابدالی کو ایک مرتبہ پھر منظر عام پر لے آئی۔ دریائے سندھ کو پار کر کے وہ جنوری ۱۷۶۴ء کو لاہور میں داخل ہوا۔ یہ ہندوستان پر اس کا ساتواں حملہ تھا۔ ہندوستان کی سرزمین پر اس کی آمد گووند کے چیلوں کے لیے خطرہ تھی' چنانچہ وہ دوبارہ جنگلوں اور کمین گاہوں میں چھپ گئے کیونکہ وہ اس کے نام سے خوف کھاتے تھے۔ شاہ نے اپنے وزیر اعظم ولی خاں کی سفارش پر پٹیالہ کے راجہ علا سنگھ کو اس کی سرہند میں حکومت پر بحال کر دیا تھا۔ شاہ نے جب اپنے چاروں طرف ابتر حالت کو دیکھا تو اسے بڑی تشویش ہوئی۔ اس نے سکھوں کو گرفتار کرنے کے لیے ہر طرف اپنے فوجی دستے روانہ کیے' لیکن وہ ان کی پہنچ سے باہر تھے' کیونکہ انہوں نے پٹیالہ اور نابھہ کے مغرب اور جنوب میں پناہ لے لی تھی۔ لاہور میں مختصر قیام کے بعد شاہ ستلج کی طرف بڑھا' جہاں اس نے سکھ سرداروں کے مکانات زمیں بوس کر دیے۔ متعدد دیہاتوں میں گندم کی کھڑی فصل کو جلا دیا گیا یا دوسرے لفظوں میں تباہ کر دیا گیا اور سکھوں کی عبادت گاہوں کو لوٹا کھسوٹا گیا اور ان کی بے حرمتی کی گئی۔ اس نے دو ماہ تک لاہور کے جنوبی علاقوں میں خوب غارت گری جاری رکھی' لیکن جب اس نے اپنے آبائی صوبوں میں تازہ فسادات کا سنا تو سکھوں کی زیادتیوں کی موثر طور پر سزا دیے بغیر یا سرہند صوبہ کو مکمل طور پر بازیاب کیے بغیر وہ نہایت تیزی سے کابل کی طرف لوٹ گیا۔ اس نے ساڑھے تین لاکھ روپے بطور خراج ادا کرنے کی شرط پر اپنی صوابدید پر علاء سنگھ کو صوبے کا حاکم تسلیم کر لیا کیونکہ وہ امرتسر کے نواح میں

سکھوں کی وجہ سے ہراساں ہو گیا تھا۔ لہذا چھوٹی چھوٹی جھڑپیں مسلسل جاری رہیں' جن میں افغانوں کو بہت نقصان پہنچا۔ اس کے بعد اس نے راوی کو پار کیا اور سکھوں کو سزا دینے کے لیے اپنے جرنیل جہاں خاں کو ۱۰ ہزار قزلباشیوں کے ہمراہ گجرات اور روہتاس روانہ کیا۔

جس وقت ابدالی اس علاقے میں داخل ہوا تو سکھوں نے اس مقولے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کہ "عاقبت اندیشی' بہادری کا بہترین حصہ ہے" اس کی پہنچ سے دور رہنا بہتر خیال کیا' لیکن جیسے ہی وہ واپس ہوا' تب یہ آگ کے دہکتے ہوئے کوئلوں کی طرح پھٹ پڑے اور پورے علاقے میں (۵) چڑھائی کر کے ہر طرف لوٹ مار مچا دی۔ انہوں نے لاہور کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ حاکم لاہور کابلی مل جموں کی طرف فرار ہو گیا اور ایک پہاڑی راجہ' رنجیت دیو کے پاس پناہ طلب کی۔ حاکم کے بھانجے امیر سنگھ پر اچانک حملہ کر کے اسے اس وقت گرفتار کر لیا گیا جب وہ ناچ گانے کی ایک محفل میں شریک تھا۔ اسے فوراً زنجیریں پہنا دی گئیں۔ اس کے خاندان کے تمام افراد کو قیدی بنا لیا گیا اور اس کی تمام جائیداد کو بحق خالصہ قرق کر لیا گیا۔ (۶) شہر میں بلا امتیاز لوٹ مار مچائی گئی (۷) اور اسے قابضین نے تین حصوں میں بانٹ لیا۔ لاہور کے جنوب میں نیاز بیگ تک کا علاقہ سوبھا سنگھ کے حوالے کیا گیا۔ مشرقی حصہ بشمول حویلی کابل مل گوجر سنگھ کو اور باقی ماندہ بمع قلعہ اور بادشاہی مسجد لہنا سنگھ کو دیا گیا۔ ایک معاصر شاعر نے لاہور پر سکھوں کے قبضہ کے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ میں ہجری سال کی تاریخ ۱۱۸۱ بمطابق ۱۷۶۴ء دی ہے:

جہانے خراب شدہ

"ایک دنیا خراب ہو گئی ہے"۔

سکھ سرداروں اور ان کے پیروکاروں نے اب جہلم اور ستلج کے درمیان تمام علاقے کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ قصور کی پٹھان آبادی کے قریب کوٹ محی الدین خاں کا سخت محاصرہ کر لیا گیا اور سکھوں کی مضبوط فوج نے گجرات کے مغل حاکم' جہاں خاں کو روہتاس سے فرار ہو کر سیالکوٹ جانے پر مجبور کر دیا' جہاں اس کا محاصرہ کر کے ناکہ بندی کر دی گئی۔ بے شمار مساجد کو شہید کر دیا گیا اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے افغان قیدیوں کو مجبور کیا کہ وہ ملبے کے ساتھ سور کے خون کو بھی مل لیں۔ اب سکھ متحدین نے اپنے مقدس مقام امرتسر میں ایک قومی اجلاس منعقد کیا اور خالصہ کے حکم سے یہ اعلان کیا کہ ان کا اپنا فرقہ پنجاب میں حکمران ہے اور ان کے مذہب کی برتری ہے۔ سکھوں کی طرف سے بادشاہت اختیار کرنے کی یادگار کے طور پر اس عبارت کا حامل سکہ مضروب کرایا گیا۔ گورو گووند نے نانک سے دیگ' تیغ اور

فتح حاصل کی۔

دو سال تک سکھوں نے پرامن طریقے سے اپنی بالادستی کو قائم رکھا۔ سردار آزادانہ ایک دوسرے پر انحصار کرتے تھے اور اپنی تمام ذمہ داریوں کو نبھانے میں انہیں اپنے پیروکاروں کا وفادارانہ تعاون حاصل تھا۔ سرداروں کی بہتات کے باوجود اور اپنی خود مختاری کے ہوتے ہوئے بھی وہ سب ایک تھے۔ انہوں نے اپنے مذہب و ملت کے دفاع کو مشترکہ طور پر اپنا اولین فرض سمجھا' لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو ایک دولت مشترکہ میں تشکیل دے دیا۔ خدا ان کے سر پر' گووند کی تلوار ان کے بازوؤں کے نیچے اور نانک کی کتاب ان کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ ہر اس سچے چیلے کے رہبر اصول تھے جو اس اتحاد کا اصلی رکن تھا۔ وہ لوٹ مار اور فتح کے بارے میں اپنے منصوبوں کی تیاری کے لیے مون سون کے بعد ہر سال امرتسر میں سالانہ اجلاس منعقد کرتے' ملک کے مفتوح خطوں کے باشندوں سے ایک طرح کی رشوت یا خراج وصول کیا جاتا تھا' جسے "راکھی" کہا جاتا تھا۔ اس کا لغوی مطلب زر حفاظت ہے۔ لہٰذا اس انداز سے حکومت کی باقاعدہ شکل کو متعارف کرایا گیا۔

سکھوں کی اب کوئی روک تھام کرنے والا نہیں تھا' چنانچہ وہ مغرب کی طرف جہلم تک تمام کھلے علاقے کے مالک بن گئے' جبکہ مشرق کی طرف ان کی فتوحات کرنال کے میدانوں تک وسیع ہو گئیں۔

احمد شاہ کا آٹھواں حملہ ۱۷۶۷ء

جس وقت وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اپنی فتوحات میں وہ مکمل طور پر محفوظ ہیں' ۱۷۶۷ء میں احمد شاہ کے آخری حملے نے ان میں خوف و ہراس اور دہشت پیدا کر دی۔ ابدالی نے اپنے ذہن کو پوری طرح باغی سکھوں سے انتقام لینے کے لیے تیار کر کے' اسی سال کے ابتدائی حصہ میں اپنی ایک جرار فوج کے ہمراہ' دریائے سندھ کو پار کیا۔ جب دریائے ستلج کے کنارے دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اس نے اسے افراتفری کی حالت میں' جگراؤں کے جنوب میں واقع پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ایک آزمودہ کار راجپوت سردار کو اپنا مفید حلیف پایا' لہٰذا اسے اس نے جالندھر دوآب اور مضافاتی پہاڑوں میں اپنا نائب مقرر کیا۔ دریائے ستلج کے کنارے پر انبالہ کے جنوب میں بیس میل کے فاصلے پر کڑا باونہ کے مقام پر اس نے امر سنگھ کا استقبال کیا' جو حال ہی میں پٹیالہ کی حکمرانی پر اپنے دادا' آلا سنگھ کا جانشین بنا تھا' لہٰذا اس نے ازراہ مہربانی اسے "راجہ راجگان مہندر بہادر" کا خطاب دیا

اور اسی دوران اسے بادشاہت کی علامت کے طور پر رنگ اور نقارہ استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کو اپنے نام کا سکہ مضروب کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی' لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا۔ اس سکے پر مندرجہ ذیل فارسی عبارت درج تھی:

حکم شد از قادر بیچون باحمد پادشاہ

سکہ زن بر سیم و زر از اوج ماہی تا ماہ

"اللہ کے حکم سے مخفی احمد بادشاہ نے سمندر کی تہہ سے چاند کی بلندی تک چاندی اور سونے پر سکہ مضروب کرایا"۔

اس کی پشت پر یہ عبارت درج تھی:

سنہ جلوس میمنت مانوس ضرب سرہند

"حکومت کے مبارک سال میں' سرہند میں مضروب کرایا گیا"۔

درانی شاہ کی طرف سے عطا کیے گئے استحقاق کے اعتراف میں راجہ نے اسے ایک لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کیا' لہٰذا اس واقعہ کی یادگار کے طور پر بادشاہ نے سہارنپور میں پکڑے گئے تمام جنگی قیدیوں کو ازراہ کرم رہا کر دیا۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت شاہ کی زندگی کے زوال کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اس کو ۱۷۶۴ء سے ناک کے سرطان کے باعث سخت تکلیف تھی اور اب اس پہ بڑھاپے نے بھی غلبہ پا لیا تھا' کیونکہ اس کے عسکری جذبہ اور سرگرمی کے نقصان کو بڑی شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا اور یہ اس کے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان مشترکہ موضوع بحث تھا۔ اس کے دوست اپنے رہنما کی گرتی ہوئی صحت کے متعلق بڑی تشویش محسوس کرتے تھے اور اس کے دشمنوں کو ان کے انتہائی خوفناک سزا دینے والے دشمن کی موت کی آمد پر بہت زیادہ اطمینان ہو رہا تھا۔

ہندوستان میں اپنے آخری دنوں کے قیام کے دوران' جہاں ذرا بھی مسلح مزاحمت کا امکان ہوتا' وہاں اس نے مفاہمت آمیز حکمت عملی کو اپنایا اور اس حکمت عملی پر عمل پیرا ہو کر امر سنگھ کو پٹیالہ کا خود مختار حکمران تسلیم کرنے کے اعتراف میں اسے مالوہ کے سکھوں کا احترام اور جالندھر دو آب کے راجپوت سرداروں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ اس نے لاہور کے بھنگی سردار' لہنہ سنگھ کو پھلوں کا تحفہ بھیجا' لیکن اس نے اس پیغام کے ساتھ اسے بادشاہ کو واپس بھجوا دیا کہ پھل بادشاہ کے شایان شایان ایک عیاشی ہے۔ غریبوں کی پناہ اور اس جیسے ادنیٰ کسان کے لیے اناج بہترین غذا ہے۔ شاہ سردار کی اس عاجزی کے اظہار پر بہت خوش ہوا

لہٰذا اس نے اسے لاہور کے نواحی علاقوں کے قبضہ پر بحال کر دیا۔

مولوی عبید اللہ کا بطور حاکم لاہور تقرر

شاہ نے حاکم کشمیر سرفراز خاں کو روہتاس میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ اس کے بعد اس نے سرہند کا دورہ کیا۔ اسے سکھوں کے ہاتھوں اس کی تباہ حال صورت دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ تب لاہور واپس آنے پر اس نے مولوی عبید اللہ کو لاہور میں اپنا حاکم اور داؤد خاں کو اس کا نائب مقرر کیا۔ تاہم اسے اپنے منصوبوں میں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا' کیونکہ اس کی ۱۲ ہزار سپاہیوں پر مشتمل درانی فوج اس کا ساتھ چھوڑ کر واپس کابل کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ شاہ نے ان کے تعاقب کو قرین مصلحت سمجھا' لیکن اس کی مراجعت میں ہر جگہ موجود رہنے والی قوم' سکھوں نے اسے دق کیا۔ انہوں نے اس کے مال اسباب لانے والے لشکر کو کاٹ دیا اور اس کے بہیر و بنگاہ کو لوٹ لیا۔ جیسے ہی شاہ نے دریائے سندھ کو پار کیا' سکھوں نے رنجیت سنگھ کے دادا اور سکرچاکیہ مثل کے بانی' چرت سنگھ کی قیادت میں روہتاس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ تینوں حکمران' لہنہ سنگھ' گوجر سنگھ اور سوبھا سنگھ' جو احمد شاہ ابدالی کی آمد پر فرار ہو گئے تھے' انہوں نے دوبارہ لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان حاکم عبید اللہ خاں نے شہر کے دروازے بند کر دیے' لہٰذا دو ماہ تک گوریلا جنگ لڑی گئی۔ آخر کار بہت زیادہ کشت و خون کیے بغیر دروازے کھول دیے گئے۔ عبید اللہ کو اس کے علم و فضل کے اعتراف میں معاف کر دیا گیا' لیکن داؤد خاں کو قلعہ کے ایک زندان میں ڈال دیا گیا' جہاں دو ماہ رہنے کے بعد شہریوں کی مداخلت سے اسے رہا کر دیا گیا۔ لاہور اب تینوں حکمرانوں کے قبضہ میں تھا اور سکھوں نے ککھڑوں (جنگجو قوم' جس نے ایک مرتبہ طاقتور مغلوں کی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا) کی مزاحمت کے بغیر راولپنڈی اور خان پور وادی تک پورے علاقے پر قبضہ کر لیا۔

احمد شاہ ابدالی کا انتقال جون ۱۷۷۳ء

ان واقعات کے بعد احمد شاہ زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہا۔ خراسان میں ایک بغاوت کو دبانے کے بعد وہ واپس قندھار آ گیا' جہاں اس کی بیماری بہت بڑھ گئی۔ مرغاب کے مقام پر جون ۱۷۷۳ء میں' غالباً اپنے دور کے سب سے زیادہ دلیر' سرگرم' کامیاب اور باکمال جرنیل اور عسکری سوجھ بوجھ کے مالک' احمد شاہ نے اپنی حکومت کے پچاسویں برس میں انتقال کیا۔

اگر ہم اس کا موازنہ ایشیائی حکمرانوں کی اکثریت سے کریں تو ہم اسے ان سے زیادہ متحمل مزاج اور کم اختیار پاتے ہیں' جن کو اس نے مطیع کیا۔ اپنی رعایا پر توجہ دیتا تھا اور کسی حد تک انصاف بھی برتتا تھا۔ جن لوگوں کو وہ اپنی صحبت میں آنے کی اجازت دیتا' ان سے مہربان' مسرور اور آزادانہ رویہ اختیار کرتا تھا' جو کسی معاملے میں اس کی حمایت کرتے یا مدد کرتے تو ان سے بڑی سخاوت اور فیاضی سے پیش آتا تھا۔ غریبوں اور محتاجوں سے ہمیشہ دوستانہ رویہ اختیار کرتا اور ان سے خیر خواہی برتتا تھا۔ نیز باغیوں سے سب سے زیادہ سختی سے پیش آتا تھا۔ بحیثیت فاتح' اس کی فتوحات خراسان سے سرہند تک اور اوکسس (آملو دریا) سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے نام کے ذکر سے اس کے دشمن تھر تھر کانپتے تھے اور اس کے دوستوں کو نیا حوصلہ ملتا تھا۔ وہ علماء کی صحبت میں اٹھتا بیٹھتا اور مذہبی رہنماؤں کا بہت احترام کرتا تھا۔ وہ خود بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا اور جہاں کہیں بھی علم و فضل کو قابل عمل سمجھتا' اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اس نے ایک ایشیائی حکمران کی تمام شان و شوکت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے رعب و دبدبے کو عوام الناس میں برقرار رکھا ہوا تھا اور شاہی تقریبات میں بڑا پر تکلف ہوتا تھا۔ یہ کہ اس نے اپنے مطلب کی برآوری کے لیے پر فریب ذرائع اور خون ریزی کے راستے کو اختیار کیا' اس کو بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے' لیکن اسی دور میں ہم وقت کے دستور کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے رویے کا موازنہ اس کے ہم عصر ایشیائی بادشاہوں کی مروجہ رسومات سے کریں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ سب بھی اپنے کاموں میں دغابازی برتتے تھے۔ اس کی تمام خرابیوں کے ساتھ ہم اس شخص کے نڈر حوصلے' عسکری فہم و فراست اور قوت استقلال کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

احمد شاہ کے انتقال پر اس کے وزیر اعظم شاہ ولی خاں۔ ز مرحوم کے دوسرے بیٹے' اپنے داماد' شہزادہ سلیمان شاہ کو کابل کے تخت پر بٹھا دیا۔ بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا' تیمور شاہ (۸) جس نے اپنے باپ کے دربار میں تعلیم حاصل کی تھی اور جو کئی مہمات میں اس کے ساتھ رہا تھا' اس وقت ہرات میں تھا۔ وزیر کی دغابازی کا سن کر وہ درانیوں اور امکوں کی ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ قندھار کی طرف روانہ ہوا۔ سلیمان نے تیمور شاہ کی آمد کا سن کر تخت خالی کر دیا' لہٰذا اس کے قبیلے کے حامیوں اور سرکردہ سرداروں نے فوری طور پر ۱۷۷۳ء میں متفقہ طور پر اس کو احمد شاہ کا جائز وارث مانتے ہوئے اس کی جانشینی کا اعلان کر دیا۔ (۹)

اپنے والد کے بلا شرکت غیرے اور بلا فساد تخت پر بیٹھنے کے بعد تیمور شاہ نے سب سے پہلا کام' شاہ ولی خاں کو اس کے دونوں بیٹوں اور دونوں چچیرے بھائیوں سمیت قتل کرکے

کیا۔ اس کے بعد اس نے دولت شاہی خاندان کے ایک ملا قاضی فیض اللہ کو وزیر اعظم کے بلند رتبہ اور اعلیٰ منصب پر فائز کیا اور عبداللطیف خاں جامی کو خراسان میں اعلیٰ منصب پر متمکن کیا اور ملا عبدالغفور (۱۰) کو سلطنت میں اعلیٰ عہدے پر فائز کیا۔ اسے اپنی درانی فوج کی وفاداری اور بہادری پر پورا بھروسہ تھا' جنہوں نے افغانوں سے ناتہ توڑ کر اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس کا ذہن اور رجحان ایک جنگجو کی بجائے ماہر مالیات کا تھا' کفایت شعاری اس کی خاص قابلیت تھی' لہٰذا اس کی حکمت عملی اس پختہ یقین پر مبنی تھی کہ داخلی امن عامہ ہی کے ذریعے اس کا مدعا پورا ہو سکتا ہے۔

تیمور نے سندھ کے تالپور خاندان کے خلاف جنگ کی۔ اس وقت پنجاب میں سکھوں کی فتوحات مشرق میں سہارنپور تک' مغرب میں اٹک تک' جنوب میں ملتان سے سندھ تک اور شمال میں کانگڑا' جموں اور بھمبر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ تیمور شاہ نے فوجی طاقت سے پنجاب کے معاملات کو درست کرنا اور سکھوں کی پیش قدمی کو روکنا اپنی طاقت سے باہر سمجھا۔ سکھ سردار اب آزادانہ طور پر درانی بادشاہ کے باغی زمینداروں کی خدمات سے استفادہ حاصل کر رہے تھے اور انہی کے باعث لوٹ مار اور غارت گری کی کارروائیوں کو بڑی حد تک مضبوط کر لیا تھا۔ خودمختار سکھ سردار اب اپنے اضلاع کے مکمل مالک بن گئے تھے۔ ان کو سب پر مکمل اختیار حاصل تھا اور وہ اپنے قبیلوں کی خیر خواہی کے لیے کام کرتے تھے۔

مختلف قبیلوں نے اپنے اپنے سرداروں کے تحت متحدہ جماعت بنالی تھی اور اس کو اتحاد میں تشکیل دے کر اسے مثل کا نام دیا۔ اس سے انہوں نے یہ مفہوم لیا کہ ایک قبیلے کا سردار اور پیروکار دوسرے قبیلے کے برابر ہیں۔ کیونکہ سردار اپنے مذہب کے بانی کے وضع کردہ قانون کے مطابق علاقے کا انتظام کرتے تھے اور اس قانون کے تحت وہ اپنے مذہب اور ملک کے معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند تھے۔ یہ ایسا قانون تھا' جس کی بہ حزم و احتیاط ان کو پیروی کرنا تھی۔ اس مثل کو مناسب طور پر دینی حکومت بھی کہا جا سکتا تھا۔ اس جیسی نوعیت کی حکومت کے لیے یہ ضروری تھا کہ چند اشخاص کو معاملات کا سردار مقرر کیا جائے اور وہ اپنے دینی ادارے کے روحانی پیشوا کی طرف سے تمام معاملات میں رہنمائی کے لیے مشترکہ رضامندی سے متفق ہوں' جس میں متحدہ کارروائی لازمی شرط ہو سکتی ہے۔ خالصہ کے مقبول عام لوگ ان افراد کو گاہے بگاہے مقرر کرتے تھے۔ اکالیوں نے بھی امرتسر میں ایک قومی جماعت قائم کر لی تھی۔

یہ اس مجلس کا فرض تھا کہ وہ اپنے روحانی پیشوا کی مدد سے "دسواں بادشاہ کا گرنتھ" کی

ترجمانی کرتے ہوئے داخلی اور خارجی امور کے انتظام پر توجہ دے' مہمات کی منصوبہ بندی
اور اہتمام کرے' قومی خطرے کو دور کرے اور اپنے دین کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کو
تعلیم دے۔ اس موقع پر نانک کے حکم کی تعمیل میں مقدس روٹیاں تقسیم کی جاتیں' لوگوں کا
اجتماع اسے سلام کرتا اور کھالیتا۔ سب لوگ مقدس کتاب' اکالیوں' خالصہ کے سورماؤں کے
سامنے سر جھکاتے اور نعرہ لگاتے: "واہ گوروجی کا خالصہ' واہ گوروجی کی فتح"۔ اس رسم کے
دوران ربابی قومی ترانہ گاتے اور مجلس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے موسیقار عسکری اور
مقدس دھنیں بجاتے تھے۔

تمام مال غنیمت کو سرداروں میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جاتا اور وہ اپنی باری پر اس کا
ایک حصہ اپنے ماتحتوں میں بانٹ دیتے تھے۔ تاہم لڑاکا اراکین قومی چندے سے تنخواہ حاصل
کرتے تھے' جس کو لوٹ مار اور دھوکہ دہی کے ذرائع سے جمع کیا گیا تھا۔ انہیں کوئی مقررہ
تنخواہ نہیں ملتی تھی' بلکہ مذکورہ بالا چندے کی حالت کے مطابق ادا کی جاتی تھی۔ ان کو اس
بات کی مکمل آزادی حاصل تھی کہ وہ جب چاہیں فوج کے پیشے کو ترک کر سکتے یا عسکری
خدمت کو ایک سے دوسرے سردار تک منتقل کر سکتے ہیں۔ ان میں سے کئی دیدہ دلیر مہم جو
اپنی جماعتیں قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے' جنہوں نے خوش قسمتی سے بہت بڑی اور
طاقتور جماعتیں بنالی تھیں۔ ان کے ہم وطنوں کی طرف سے انہیں خود مختار سردار تسلیم کر لیا
گیا جبکہ وہ جو زیادہ کامیابی نہ حاصل کر سکے' انہوں نے اپنی جماعتوں کو دوسرے سرداروں
سے ملا لیا۔ تمام مواقع پر یہ سرداروں کے ذمے ہوتے تھے' جو اپنے نوکر چاکروں کی
ضرورتوں اور خواہشات پر پوری توجہ دیتے تھے' کیونکہ انہیں ذرائع کے باعث' انہیں امید
ہوتی تھی کہ وہ ان کی ملازمت میں رہیں گے۔ اپنے لڑاکا آدمیوں کے مفادات کے لیے کسی
سردار کی طرف سے ذرا بھی بے توجہی کی جاتی تو اسی وقت وہ نوکری چھوڑ چھاڑ کر دوسرے
سردار کے پاس چلے جاتے۔

اشد قومی ضرورتوں اور لوٹ مار کے لیے رضاکارانہ طور پر خدمات سرانجام دینے کے
نظام کے ساتھ' اپنی مرضی سے فوجی پیشے کو چھوڑنے کی آزادی' اگر حکومت کے لیے نہیں تو
کم از کم ان کے اپنے لیے فائدہ مند تھی' کیونکہ انہیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ ان کے
مفادات اور بہبود کا خیال انہیں اعلیٰ اور برتر کرتے ہیں۔ جس وقت وہ ان معاملات سے
غفلت برتیں گے' ان کی اپنی بربادی یقینی ہو جائے گی۔

سکھ اپنی تمام فتوحات کو گووند سے منسوب کرتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ وہ غائبانہ

طور پر دشمن کے خلاف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ وہ چاہے غارت گری کرتے ہوں' ڈاکہ ڈالتے ہوں' قتل کر رہے ہوں' کسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہوں یا اپنے دشمن پر کسی بھی قسم کی زیادتی کرتے ہوں' برابر گووند کا نام پکارتے تھے۔ گووند کے لیے وہ بڑے جوش و خروش سے لڑتے' گووند کے لیے وہ بڑے سکون سے مرتے تھے' بطور سنگھ یا شیر وہ اسی کی طرح جیتے' لڑتے اور مرتے تھے اور سکھوں کی حیثیت سے ان کے جانشین ان کی یاد تازہ کرتے تھے۔

ہم جس دور کے بارے میں لکھ رہے ہیں' اس میں بلند مقامات پر چار دیواریوں کے اندر شہر اور گاؤں تعمیر کرنے کا رواج تھا۔ ابتدائی طور پر نگرانی کی مچانوں کے لیے اور ثانوی طور پر ہنگامی حالت کی صورت میں قلعوں کے طور پر بنائے جاتے تھے۔

جو لوگ بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتے' ان کے لیے صرف یہ دعویٰ کرنا کافی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ انہوں نے اپنے بیوی بچوں' مال مویشیوں وغیرہ وغیرہ کو چھوڑ دیا ہے' جب تک کہ وہ تلوار یا نیزے میں مہارت کے لیے اپنے حقوق کو ثابت نہ کر دیتے تھے۔ کاشتکار نے تجربہ کی بنا پر یہ دیکھ لیا تھا کہ ہل چلانے کی طرح تلوار اور بندوق بھی اس کے پیشے کے لیے ضروری آلات ہیں' اسی بنا پر وہ غیر مسلح ہو کر اپنا کام کرنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ کوئی بھی ہتھیاروں اور گھڑسواری میں مہارت حاصل کیے بغیر خالصہ یا حکمران جماعت کا رکن بننے کی امید نہیں کر سکتا تھا۔

جب پنجاب پر مسلمانوں کی حکومت تھی' تو انہوں نے سکھوں سے بے توجہی سے برتاؤ کیا' لہٰذا اب زیر عتاب آنے کے لیے ان کی باری تھی۔ حکمران قوم نے انہیں نہایت ادنیٰ حیثیت کے کاموں پر لگایا ہوا تھا۔ زراعت ایک انتہائی باوقار پیشہ تھا' جس کو اختیار کرنے کی انہیں اجازت تھی اور اس میں بھی وہ محض کرایہ دار کی حیثیت سے ہوتے تھے۔ ہر قابل فہم انداز میں ان پر ظلم و ستم کیا جاتا تھا۔ ان کی مساجد کی بے حرمتی کی گئی اور انہیں سؤر کے باڑوں میں تبدیل کر دیا گیا اور ان کے مردوں کو سؤروں کے رکھوالے بنا دیا گیا۔ ان کی سب سے بڑی خانقاہوں کو بارود خانوں یا اسلحہ خانوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اپنی مساجد میں سے انتہائی ادنیٰ مساجد (جو سکھ حکومت سے پیشتر شکستہ حالت میں تھیں) مسلمان خفیہ طور پر جمع ہو کر نماز ادا کرتے' لیکن ان میں بھی وہ بلند آواز میں عبادت نہ کرتے کیونکہ انہیں دشمنوں کی طرف سے خدشہ ہوتا تھا کہ وہ ان پر حملہ کر دیں گے اور نیست و نابود کر دیں گے۔ انہیں غذا کے طور پر گائے کا گوشت استعمال کرنے کی ممانعت تھی' لہٰذا جو بھی اس کی

خواہش کرتا' اسے سکھ فورا اگلے جہان پہنچا دیتے (گووند کے چیلے گائے کو اس دنیا میں بہت زیادہ مقدس جانور سمجھتے تھے)۔

مذہبی سکھ، یعنی وہ مسلمان، جنہوں نے گووند کا مذہب اختیار کر لیا تھا' ان کا حال ان کے مقابلے میں قدرے کم بہتر تھا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر ثابت قدمی سے قائم تھے۔ انہیں اپنے فاتحین کے تحت کسی با اعتماد عہدہ پر تعینات نہیں کیا جاتا تھا اور وہ غلاموں سے قدرے بہتر تھے۔ کھاتے پیتے مسلمانوں کی اکثریت برطانوی علاقے میں ہجرت کر گئی اور وہاں تحفظ مانگا۔ یہاں پر انہیں اپنے دین کی پیروی کی بے روک ٹوک اجازت دے دی گئی۔ اب مؤذن بغیر کسی خدشے کے مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی کے لیے بلاتا' اس کی دل نشیں آواز ان لوگوں کے دلوں میں مسرت پیدا کر دیتی جو کافی عرصے سے غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور جنہیں ان کے کافر اور بت پرست آقا اپنے دین کے مطابق مذہبی فرائض ادا کرنے سے روکتے تھے۔ یہاں پر سیاست اور دین کے بارے میں آزادانہ بحث کی جا سکتی تھی۔ خالصہ حکومت کے تحت ان موضوعات کے بارے میں صرف وہ خواب ہی دیکھ سکتے تھے۔

اس وقت سکھوں کے قبضہ میں تقریباً پورا پنجاب بشمول ملتان کا ایک حصہ اور جمنا اور ستلج کے درمیانی علاقہ کا زیادہ تر حصہ شامل تھا۔ شمال اور مغرب کی طرف دریائے سندھ تک' مشرق میں جموں اور نداؤں کے راجاؤں کے علاقوں تک اور جنوب میں برطانوی حکومت کے علاقوں اور جسلمیر اور حصار کے ریتلے صحراؤں تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس ملک کی قدر و قیمت کے بارے میں ایک عام اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ دیگر علاقوں کے علاوہ یہ لاہور کے پورے صوبہ پر بھی مشتمل تھا' جو برنیئر کے اعداد و شمار کے مطابق اورنگ زیب کے دور حکومت میں دو سو چھیالیس لاکھ اور پچانوے ہزار روپے یا دو ملین چار سو انہتر ہزار پانچ سو پاؤنڈ سٹرلنگ کی آمدنی دیتا تھا۔

سکھ مثلوں کے بیان سے قبل یہ انتہائی دلچسپ ہو گا اگر ہم ان کے مختلف فرقوں کے بارے میں درج کر دیں' جن کی وجہ سے وہ اس علاقے میں مشہور تھے اور ان کی حکومت کی نوعیت اور طرز بود و باش کے بارے میں مختصر سا بیان کر دیں۔ ان میں سب سے پہلے مالوہ سکھ ہیں' جن کو بیراگی بندہ کی قیادت میں غیر معمولی شجاعت دکھانے پر یہ نام دیا گیا' جس نے ایک مرتبہ ان کے بہادرانہ کارناموں پر خوش ہو کر فتح کی خوشی میں ان کے بارے میں پیشین گوئی کر دی تھی کہ ان کا ملک مالوہ کی طرح امیر ہو گا۔ (ہندوستان کا ایک صوبہ' جو پہلے دولت راؤ سندھیہ کے تحت تھا اور اپنی صحت افزا آب و ہوا' زرخیزی اور بہت زیادہ آبادی کے لیے

مشہور تھا) یہ سکھ اصل میں جاٹ اور گجر قبیلوں کے ہندو تھے اور ستلج و جمنا کے درمیانی علاقہ میں آباد تھے۔ ان میں سب سے زیادہ طاقتور پٹیالہ کا صاحب سنگھ' تھانیسر کا بھنگا سنگھ' جمنڈ کا بھاگ سنگھ اور کیتھل کا بھلیل سنگھ تھے۔ سرہند بھی ان کے علاقوں میں واقع تھا' لیکن جس دور کے بارے میں ہم لکھ رہے ہیں' اس میں اس کی سابقہ شان و شوکت و عظمت کی صرف پرچھائیں باقی تھی۔ کبھی اس کے شاہی محلات' شاندار عمارات اور عالی شان مساجد' جس کے لیے کوئی بھی شہر فخر کر سکتا ہے۔ دیکھنے والے حیرت' دلچسپی اور انوکھے انداز میں اسے دیکھا کرتے تھے۔ بیراگی بندہ نے اس ملک کے سابقہ دارالحکومت کی تباہی کا کام مکمل کر دیا۔

اس کے بعد دوآبہ سکھ آتے ہیں' جو ستلج اور بیاس کے درمیانی علاقہ میں آباد تھے' جسے جالندھر بست یا جالندھر دوآب کہا جاتا ہے۔ ان میں سب سے نمایاں تارا سنگھ تھا' جو بہت طاقتور اور بارسوخ سردار تھا۔ سکھوں کے مقبوضہ علاقوں میں یہ سب سے زیادہ امیر ترین علاقہ تھا اور اپنی صحت بخش آب و ہوا اور زرخیزی کے لیے بہت مشہور تھا۔

مانجھا سنگھ' بیاس اور راوی کے درمیانی علاقہ میں آباد تھے' جسے باری دوآب کہا جاتا ہے۔ لاہور اور امرتسر جیسے عظیم شہر اس صوبے میں تھے اور اسی وجہ سے سکھوں کی طاقت کا ایک عظیم مرکز تھا۔ اس علاقے کے سرکردہ سردار رنجیت سنگھ (جو بعد میں سکھ بادشاہت کا بانی بنا) فتح سنگھ آہلووالیہ اور جودھ سنگھ رام گڑھیہ کے آباؤ اجداد تھے۔

جو سکھ راوی اور چناب کے درمیانی علاقہ میں آباد تھے' انہیں اس علاقے کے دھراپتی نام کے باعث' دھراپتی سنگھ کہا جاتا تھا۔ چناب اور جہلم کے درمیانی علاقہ کے سکھوں کو دھنی غیب اور ملتان میں آباد سکھوں کو نکی سنگھ کہا جاتا تھا۔ سندھ کی سرحدوں پر اور جہلم میں آباد سکھ' مسلمان سرداروں کے ساتھ ان کی سرحدوں پر جھگڑے اٹھا کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ ان کا مقصد ان کے علاقے میں لوٹ مار کرنا ہوتی تھی' جس کے نتیجے میں ان فریقین کے درمیان مسلسل ہلکی جھڑپیں اور چھوٹی جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔

سکھوں کی اکثریت اچھی گھڑسوار تھی۔ جب میدان جنگ کے لیے ہتھیار سجا کر نکلتے تو عام طور پر وہ تلوار' نیزہ اور بندوق اٹھائے ہوتے تھے۔ تیرانداز ترچھی کمان استعمال کرتے تھے جو ان کے آباؤ اجداد کا ہتھیار تھا۔ پیادہ فوج کو عموماً قلعوں کی حفاظت کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ شہسوار فوج کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مستقل طور پر میدان جنگ میں کام لیا جاتا تھا' کیونکہ وہ ہمیشہ لوٹ مار پر توجہ دیتے تھے اور سرحدوں پر دشمنوں کی نقل و حرکت پر مسلسل دھیان رکھتے تھے۔ اولین سکھ توپ کے استعمال سے ناآشنا تھے' لہٰذا جب

ان کے وسائل میں اضافہ ہوا اور ان کی انتظامی اور عسکری طاقت میں ترقی ہوئی تو وہ بتدریج اس سے متعارف ہوئے۔ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ ۱۸۰۰ء میں سکھوں کے پاس صرف ۴۰ (۱۱) توپیں تھیں۔

سکھ افیم استعمال کرتے تھے اور آزادانہ طور پر بھنگ بھی استعمال کرتے تھے (۱۲) غالباً اس کے آرام اور کیف آور تاثیر کے باعث وہ اسے سکھا (۱۳) کہتے تھے۔ وہ تمباکو کے استعمال سے ناواقف تھے اور اب بھی ان میں ممنوع ہے' ماسوائے ان سکھوں کے جو نانک کے پیروکار ہیں اور گووند کی تعلیمات کو رد کرتے ہیں۔ وہ کافی حد تک تیز شراب کے بھی عادی ہو گئے اور اس کے جواز کے لیے آدی گرنتھ کے مندرجہ ذیل قطعات کا حوالہ دیتے' جن میں کہا گیا ہے "کھاؤ اور دوسروں کو کھانے کو دو' پیو اور دوسروں کو پینے کو دو' خوش رہو اور دوسروں کو خوش رکھو"۔ شراب خوری کی زیادتی کے حق میں ہندو شاستروں کا حوالہ بھی دیا جاتا تھا۔ (۱۴)

سکھ' ماسوائے ان لوگوں کے جو برہمنوں اور چھتریوں سے سکھ بنے تھے' ہر قسم کے جانور کا گوشت کھا لیتے تھے مگر گائے کا نہیں کھاتے تھے۔ (گائے کو ذبح کرنا بے حرمتی سمجھا جاتا تھا)۔ وہ سوٴر کا گوشت بھی کھا لیتے تھے' انسانی خوراک کے لیے' جس کے استعمال کی نانک نے ممانعت کی تھی' جن کی حکمت عملی میں ہندوؤں کی مسلمانوں سے مفاہمت کرانا شامل تھا اور ذات پات کے فرق کو دور کرنا تھا اور یہ تمام انسانوں کی بھلائی اور امن کے لیے ان کی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔

سکھوں کے پاس کوئی ایسا مجموعہ قانون نہیں تھا جو معاملات کے انتظام یا لوگوں سے انصاف برتنے میں ان کی رہنمائی کرتا۔ ان کی مذہبی کتابیں جو انصاف کی تاکید کرتی ہیں' ان پر شاذ و نادر ہی عمل پیرا ہوتے تھے اور کوئی قانونی ضابطہ نہیں تھا۔ درحقیقت ان کا ان کتابوں پر سخت اطلاق اور ان سے قصداً کنارہ کشی ان کے لیے بڑے آسان معاملات تھے اور اس قسم کے معاملات تقریباً ہر قسم کے حالات میں وقت کی اشد ضرورت میں گرنتھ میں بتائے گئے اپنے رہنما کی تعلیمات کا کوئی لحاظ کیے بغیر پیش آتے تھے۔

دیوانی اور فوجداری انصاف کا بندوبست پنچائیت کے سپرد کیا گیا تھا' جو بڑے بوڑھوں یا قبیلے کے سردار پر مشتمل ہوتی تھی۔ کسی ایک یا دوسرے کے فیصلے کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا تھا۔ جس طرح قرون وسطیٰ میں روپے پیسے' جرائم اور زیادتیوں کا کفارہ ادا کر دیا جاتا تھا' جرمانے بغیر کسی حد کے ہوتے تھے اور مجرم کے ذرائع کے اور جرم کی گمبھیرتا کے مطابق ان کا

تخمینہ زیادہ نہیں لگایا جاتا تھا۔ یہ جرمانے اس سردار کو امیر کرنے میں بہت مدد دیتے تھے' جس کے علاقے میں جرم کیا جاتا تھا اور ضابطے کے طور پر اس مقصد کے لیے عائد کیے جاتے تھے۔ اگر اس صورت میں عائد کیا گیا جرمانہ ادا نہ کیا جاتا تو مجرم کے تمام رشتہ داروں کو گرفتار کر کے اس کے ساتھ اس مقصد کے لیے ظالمانہ طور پر سزا دی جاتی تاکہ ان سے رقم نکلوائی جا سکے۔ اقبال جرم کرانے کے لیے اور حقیقی یا فرضی زخموں کے لیے زبردستی رقم نکلوانے کے لیے انتہائی ظالمانہ تدابیر اختیار کی جاتی تھیں۔ اگر کوئی مجرم رہائی پالیتا تو وہ شکرانہ ادا کرتا' اگر اسے سزا ہو جاتی' وہ بھاری جرمانہ ادا کرتا۔ اگر ایسا نہ کر سکتا تو اسے تہ خانہ (۱۵) یا زندان میں پھینک دیا جاتا تھا' لہٰذا وہ جب تک سردار کی حرص کو مطمئن نہ کر دیتا' وہیں رہتا یا موت ہی اسے وہاں سے ہٹاتی۔ سزائے موت سے نا آشنا تھے' ہر معاملہ میں قاتل کو جسمانی طور پر متوفی کے لواحقین کے سپرد کر دیا جاتا کہ وہ اسے مار ڈالیں۔ تاہم یہ مقتول کے لواحقین پر منحصر ہوتا کہ وہ قاتل کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں' آیا اسے پھانسی دیتے ہیں' بھینچ ڈالتے ہیں' جاں بخشی کر دیتے ہیں' پتھر مارتے ہیں' گلا گھونٹتے ہیں' ڈبو دیتے ہیں' میخیں ٹھونکتے ہیں' گردن مارتے ہیں' چمڑی ادھیڑتے ہیں' بھونتے ہیں یا بریاں کرتے ہیں۔ اس کو سیدھا سادا بدلے کا انصاف سمجھا جاتا تھا۔ انتہائی گھناؤنے جرائم کی سزا بصارت کو ختم کرنے' ہاتھ کاٹنے یا ناک (۱۶) کان سے محروم کرنے کی صورت میں دی جاتی تھی۔ اگرچہ زیادہ تر غیر اصلاح پذیر مجرموں کو زیادہ تر موقعوں پر بھاری جرمانے کی ادائیگی پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

سرقہ بالجبر کے معاملات میں مظلوم فریق کو سب سے پہلے تھانیدار کو چوری شدہ چیز کی مالیت کی ایک چوتھائی قیمت کے برابر رقم ادا کرنا ہوتی تھی۔ ادا شدہ رقم ان منصب داروں کی ملکیت بن جاتی تھی۔ اس ابتدائی کام کے بغیر ملکیت یا جائیداد کی بازیابی کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ مسروقہ چیز کی بازیابی کی صورت میں مجرم کو مار پیٹ کے قانون کے حوالے کر دیا جاتا۔ اگرچہ کئی معاملات میں اقبالی مجرم کو مشروط طور پر مکمل معافی دے دی جاتی تھی۔ اگر مجرم' سردار اور تھانیدار کو اچھا خاصا نذرانہ پیش کرتا' اس کو وہ اپنا حق سمجھتے ہوئے آپس میں مساوی طور پر بانٹ لیتے تھے۔ مظلوم کو بڑی نرمی سے یہ مشورہ دیا جاتا کہ وہ چوکس رہے اور آئندہ اپنی ملکیت کا خاص دھیان رکھے' لہٰذا اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے لیے اس اطمینان کے ساتھ اسے رخصت کر دیا جاتا۔

جہاں تک چور کا سراغ لگانے کے معاملہ کا تعلق ہے' تو اس سلسلہ میں مال مویشیوں کی چوری کے معاملات میں کھوج (۱۷) یا سراغ کے ذریعے پاؤں کے نشانات کا پتہ چلانے کے لیے

ان قوانین پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ لہٰذا جب چوری شدہ مویشی کے پاؤں کے نشانات کسی دوسرے کی زمین میں ملتے' تو موخر الذکر کو مجبور کیا جاتا کہ وہ کھرے کو اپنی زمین یا گاؤں سے پار دکھائے یا چوری شدہ مویشی کی مالیت کے برابر رقم ادا کرے۔

راہزنی اور ڈاکہ زنی کے معاملات میں مظلوم فریق ظالم سے اپنی ملکیت یا اس کے مساوی چیز کی بازیابی کے لیے عموماً ایسے ہی ذرائع اختیار کرتا تھا۔ ورنہ پہلے رنجیدہ فریق کو تاوان ادا کر دیا جاتا تھا' جھگڑے کے تصفیہ کے لیے خون خرابہ ہونا لازمی امر ہوتا تھا۔ سردار' چوروں اور ڈاکوؤں کو اپنے پاس پناہ دیتے اور ان کے لوٹ مار کے مال میں حصہ دار بن جاتے تھے۔ (۱۸) لوٹ کے مال میں ان کا حصہ اصطلاح "کندی" کے نام سے مشہور تھا' یعنی لوٹ کے مال میں تقسیم کے ذریعے سردار کو ملنے والا حصہ۔

زیادہ تر معاملات میں زمینداروں کے درمیان سرحدی تنازعات میں خون خرابہ ہو جاتا تھا' جس کا کفارہ اس طرح ادا کیا جاتا تھا کہ متوفی کے کسی قریبی عزیز کو شادی میں ایک بیٹی کا تحفہ دے دیا جاتا یا بھاری رقم کی ادائیگی یا ۱۲۵ بیگہ زمین پر قبضہ۔

سکھ غلے کی صورت میں لگان وصول کرتے تھے۔ اس کا نصف حصہ اس سردار کا ہوتا تھا جس کے تحت رعیت خدمات سرانجام دیتی' جبکہ دوسرا مالک کے پاس چلا جاتا تھا۔ تمام دیگر پیداوار مثلاً گنا' کپاس' پوست' نیل' خربوزے وغیرہ کی ادائیگی نقد ہوتی تھی۔ جس سردار کے علاقے سے سوداگر گزرتے تو وہ ان پر بھاری محصولات عائد کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ سوداگر محفوظ نہیں رہتے تھے اور انہیں ہزیمت اٹھانا پڑتی تھی۔ ہر سردار تجارت پر محصول وصول کرنے کے لیے مروجہ قاعدے پر عمل کرتا تھا۔ شال کی تجارت جموں' سری نگر اور نذاؤں کے درمیان کی جاتی تھی' لیکن سوداگر' سکھوں کے ناجائز مطالبات سے بچنے کے لیے ہندوستان پہنچنے کے لیے دشوار گزار راستے اختیار کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ کارواؤں کا انتظام زیادہ تر نانک پتروں یا نانک کی اولاد کو دیا جاتا تھا' جن کو ان کے تقدس کے باعث اس جیسے استحقاق حاصل تھے اور سکھوں کی محصولی چوکیوں کی لاقانونیت میں کم ہی ملوث ہوتے تھے۔ انہیں ایک نرم خو اور بے ضرر قوم کی شہرت حاصل تھی اور گورو کے تمام پیروکار ان کا احترام کرتے تھے' جو اپنے مذہب کے بانی کی قوم کو تنگ کرنا بے حرمتی سمجھتے تھے۔ وہ ہتھیار نہیں اٹھاتے تھے اور پرامن پیشے' عام طور پر سفری سوداگروں کا پیشہ' اختیار کرتے تھے۔ (۱۹)

جو قرض دار اور محصول کے نادہندگان کسی دوسرے سردار کے علاقہ میں روپوش ہو جاتے اور اس کی پناہ حاصل کر لیتے انہیں تنگ نہیں کیا جاتا تھا۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ سردار کے

پاس جو شخص پناہ حاصل کر لیتا' تو وہ ہمیشہ اسے واپس کرنے سے انکار کر دیتا۔ تاہم' مجرم کو یہ باور کرا دیا جاتا کہ جب بھی اس کے حالات اجازت دیں تو وہ جلد از جلد قرضہ ادا کر دے۔

سکھ ہر قسم کے جادو ٹونے اور کالا علم پر یقین رکھتے تھے۔ اگر برادری کے کسی شخص پر اچانک کسی بیماری کا زبردست حملہ ہوتا' خون کی الٹیاں کرتا یا کسی غیر معمولی چیز میں مبتلا ہوتا' تو اس کی نوعیت کو فوری طور پر سمجھا نہ جاتا اور اسے کسی جادو ٹونے یا بدروح یا کسی دشمن کی فتنہ پردازی اور بغض سے منسوب کر دیا جاتا۔ شک کے حامل شخص پر یا اس کے گھر میں' کسی موی بت یا آٹے کا پتلا' آدھی جلی ہوئی انسانی ہڈیاں' یا کوئی تعویز یا کاغذ میں لپٹا ہوا کوئی منتر وغیرہ مل جاتا تو اسے لازمی طور پر جادو ٹونے کا ثبوت سمجھا جاتا۔ انصاف کی عدالتوں میں افراد کے خلاف جادو ٹونے کے مقدمات لانا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی' ابتدائی ادوار میں برطانوی عدالتوں میں اس جیسے مقدمات کی پیروی کے متعلق کئی مثالیں موجود ہیں' لیکن ان میں ہمیشہ یہ مشکل پیش آتی تھی کہ مدعی' اپنی بیہودہ شکایات کو واپس لینے کی کوشش میں ہوتے تھے۔ (۲۰)

ستی کی رسومات

سکھوں میں' اکثر اوقات' ستی (یا عورتوں کا اپنے آپ کو خاوند کی لاش کے ساتھ جلا دینا) کے معاملات رونما ہوتے رہتے تھے۔ تاہم' تمام معاملات میں وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو آگ کے حوالے کر دیتی تھیں۔ بیچاری عورت کی طرف سے ایک ہلکے سے' ہچکچاہٹ آمیز اقرار کو (جو انتہائی غم کے اثر کے تحت کیا جاتا تھا) اس بات کا کافی اشارہ سمجھ لیا جاتا کہ وہ اپنے متوفی خاوند کی چتا پر جل مرنے کے لیے تیار ہے۔ بیچاری عورت کے گھر میں فوراً عورتوں کا ایک جم غفیر جمع ہو جاتا اور عورتوں کا ایک لشکر اس عورت کو گھیر لیتا۔ شور شرابہ' افراتفری اور رونا پیٹنا شروع ہو جاتا۔ جب وہ رسم ختم ہو جاتی تو اس بات کی امید کی جانے لگتی کہ وہ جنت میں اپنے مرحوم شوہر سے مل گئی ہے اور دونوں اب وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سکون اور خوشی سے رہیں گے۔ سوچنے کے لیے کوئی وقت نہیں دیا جاتا تھا۔ اس کو تیزی سے اپنے خاوند کی چتا اور وعدے کے مقام پر پہنچا دیا جاتا۔

اس دور میں سکھوں کے درمیان ایک اور بربریت کی رسم تھی اور وہ یہ تھی کہ لوگوں کو بلا اجرت اور بغیر کسی معاوضے کے کسی قسم کے کام کو انجام دینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اس کو وہ کار بیگار کہتے تھے اور غریب غرباء اسے اوپر بہت بڑا ظلم سمجھتے تھے۔

اب یہ ضروری ہے کہ سکھ مثلوں میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دیا جائے، کیونکہ انہوں نے حقیقی طور پر پنجاب میں سکھوں کی حکومت قائم کرنے میں کردار ادا کیا....

حوالہ جات

(۱) رنجیت سنگھ کے خاندان کے بارے میں مفصل بیان کے لیے ملاحظہ کیجئے "تاریخ سکر چاکیہ مثل"۔

(۲) عبدالکریم علوی کی سرگزشت، صفحہ ۱۷۔

(۳) تاریخ احمدی کے مطابق، سکھوں کی طرف، ۳۰،۰۰۰ افراد مارے گئے، جبکہ کیپٹن مرے کے مطابق، وہ ۱۲،۰۰۰ سے زائد نہیں تھے۔ رائے کنہیا لعل کے مطابق، وہ ۲۴،۰۰۰ تھے۔ سر جان میلکم کہتے ہیں کہ سکھوں کے ۲۰،۰۰۰ سے زائد افراد مارے گئے۔ میرے خیال میں رائے کنہیا لعل کے اعداد و شمار کو تقریباً درست گردانا جا سکتا ہے۔ تاہم، وہ تمام مصنفین جنہوں نے اس موضوع پر لکھا ہے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مقتولین اور زخمیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

(۴) سر جان میلکم کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں سکھ لاہور کے بھی مالک بن گئے تھے، لیکن یہ قطعی غیر مصدقہ ہے۔

(۵) اس دور میں حاکم لاہور اور سکھوں کے درمیان معاملات کے مکمل بیان کے لیے ملاحظہ کیجئے "تاریخ بھنگی مثل"۔

(۶) ۲۵،۰۰۰ روپے نذرانہ کی ادائیگی پر، لاہور کے تین حاکموں نے کابلی مل کے خاندان کو رہا کر کے جموں روانہ کر دیا۔

(۷) اس دور میں، لاہور میں نتھو شاہ نام کا ایک بہت خدا رسیدہ فقیر رہتا تھا، لوگوں نے اس سے درخواست کی کہ وہ حملہ آوروں سے کہے کہ شہر پر رحم کیا جائے، لہٰذا اس کی مداخلت سے شہریوں کی زندگی بچ گئی۔ عمدۃ التواریخ از سوہن لعل، صفحہ ۱۶۳، جلد اول۔

(۸) وہ دسمبر، ۱۷۴۶ء میں مشہد میں پیدا ہوا۔

(۹) تیمور شاہ نے تخت نشین ہونے پر، اپنے نام کا اس عبارت کا حامل سکہ مضروب

کرایا:

چرخ می ارد طلا و نقرہ از خورشید و ماہ
تا زند بر چہرہ نقش سکہ تیمور شاہ

"آسمان نے سورج اور چاند سے سونا اور چاندی حاصل کی تاکہ اس کے چہرے پر تیمور شاہ کا سکہ مضروب کرایا جائے"۔

اس کی مہر پر مندرجہ ذیل عبارت تھی:

علم شد از عنایات الٰہی بعالم دولت تیمور شاہی

"اللہ کے فضل سے تیمور شاہ کی سلطنت' دنیا میں ممتاز ہوئی"۔

(۱۰) ملا عبدالغفور لاہور کا رہنے والا تھا اور وہ ایک ہندو کلال کا بیٹا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے اسے دائرہ اسلام میں داخل کیا اور وہ اس کی زیر نگرانی' عربی کا ایک ممتاز عالم بن گیا۔

(۱۱) جارج تھامپسن کی سرگزشت از فرینکلن۔

(۱۲) ایک نشہ آور دوا۔ Cannabis Stiras

(۱۳) سکھا' بنگال میں ایک اصطلاح ہے جو عموماً سوکھے تمباکو کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور اسے بھنگ کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ بھنگ کو ہاتھ کی ہتھیلی پر گیلی حالت میں ایک گیند کی صورت میں بنا لیا جاتا ہے اور پینے کے لیے خشک کرنے کی خاطر اس میں تمباکو کی تھوڑی سی مقدار شامل کر لی جاتی ہے۔ پنجاب میں بھنگ کو مشروب کے طور پر پیا جاتا ہے۔

(۱۴) شراب' جوانمردی' حوصلہ اور ثابت قدمی کا جذبہ پیدا کرتی تھی۔ دیوی درگا' نے اسے استعمال کیا اور اسی کے زیر اثر' اس نے مہی شاسور کو قتل کیا تھا۔

(۱۵) جسے پنجابی میں بورا بھی کہا جاتا ہے۔

(۱۶) اعضاء کی قطع و برید' مشرقی اقوام کا کوئی خاص وصف معلوم نہیں ہوتا۔ ہنری ہشتم' ایڈورڈ ششم' الزبتھ اور جیمز اول کے دور حکومت میں قوانین منظور کیے گئے تھے جن میں گھناؤنے جرائم کے لیے' آنکھ' بایاں ہاتھ اور ایک کان کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا' "آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت" ایک موسوی قانون ہے۔ یہ قانون بدلے کا قانون ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ برطانوی بادشاہوں کے دور میں یہ سزائیں گھناؤنے جرائم کے لیے دی جاتی تھیں۔ لیکن ایشیائی بادشاہوں میں اکثر یہ تفنن طبع کے لیے اور تمام جرائم کی عدم موجودگی کے باوجود دی جاتی تھیں۔

(۱۷) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کھوج کے قانون پر اب پنجاب کی عدالتوں میں بھی عمل

پیرا ہوا جا رہا ہے اور اس قانون پر قدیم سکھ بھی عمل کرتے تھے۔ جنگل بار کی کثرت والے اضلاع میں مویشیوں کی چوری کے سلسلہ میں یہ بڑا کامیاب رہا ہے' وہاں یہ جرم بار بار کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے مشہور ہے۔

(۱۸) آج کل بھی جنگل بار کے دیہاتوں کے سرداروں میں یہ عادت عام ہے۔

(۱۹) جب ممتاز برطانوی کمانڈار' لارڈ لیک' ۱۸۰۵ء میں' پنجاب میں داخل ہوا' تو سرکردہ سرداروں نے مذہبی تقدس کے باعث ناک پتروں کے عام تحفظ کی درخواست کی' جس کے بارے میں کہا گیا کہ اس کے باعث وہ انتہائی گھمبیر جنگ سے بھی بغیر کوئی گزند پہنچے گزر جائیں گے۔ کمال مہربانی سے ان کی درخواست منظور کر لی گئی۔

(۲۰) یقیناً اس قسم کے مقدمات بھی انگلستان کی عدالتوں میں لائے گئے اور کئی ایسی مثالیں درج ہیں' جن میں آگ میں جل کر مرنے کی کوشش کرنے والوں کو سزا سنائی گئی' پس' میرے خیال میں میتھیو ہیل' انگلستان کا وہ آخری جج تھا' جس نے اس جیسے جرم کے لیے سزا سنائی۔ انجیل' جادوگرنیوں کی مثالیں دیتی ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

توریت' بائیسواں باب' اٹھارہویں آیت

پہلا سیموئیل' پندرہواں باب' تئیس ویں آیت

دوسری شادی' اٹھارہواں باب' دسویں آیت

بادشاہان ثانی' نواں باب' بائیسویں آیت

تواریخ ثانی' تینتیسواں باب' چھٹی آیت

میکاہ' پانچواں باب' بارہویں آیت

نیسم' تیسرا باب' چوتھی آیت

قرآن پاک نے بھی اس کی بہت مثالیں دی ہیں' ملاحظہ کیجئے ۱۱۳ویں سورت' بعنوان "الفلق" اس کے علاوہ اور بھی متعدد مثالیں ہیں۔

باب ۴

سکھ مثلوں کی تاریخ

۱۔ بھنگی مثل

امرتسر سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع پنجواڑ کے آبائی جاٹ چھجہ سنگھ کو بیراگی بندہ نے گورو کی پاہل میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس نے اپنے دیگر تین جاٹ رشتے داروں بھیم سنگھ (جو بھیجا سنگھ کے نام سے بھی مشہور تھا اور قصور کا رہنے والا تھا)' ملا سنگھ اور جگت سنگھ کو بھی اس میں شامل کیا۔ یہ تینوں گہرے دوست بن گئے اور انہوں نے لوٹ مار کی کارروائیوں میں تعاون کرنا شروع کر دیا۔ لوٹ مار کی ان کارروائیوں میں ان کے ساتھ امرتسر کے شمال مشرق میں چھ میل کے فاصلے پر واقع ڈھوسہ کے مہان سنگھ اور گلاب سنگھ' چوپال کا کروڑ سنگھ' روڑانوالہ کا ایک سندھو جاٹ گور بخش سنگھ' اگر سنگھ گنگورہ اور ساون سنگھ رندھاوا شامل ہوگئے' جو چھجہ سنگھ (جس کا گورو کی طرح احترام کیا جاتا تھا) سے پاہل وصول کرنے پر گورو کے سکھ بن گئے۔ مثل کے ارکان بھنگ استعمال کرنے کے بہت زیادہ عادی تھے' (یہ ایک نشہ آور دوا ہے جو ایک بوٹی سے تیار کی جاتی ہے) تب سے ان کا نام "بھنگی مثل" پڑ گیا۔ ہر طرف سے بے شمار سکھ اس مثل میں شامل ہوگئے' لہٰذا مسلح ڈاکوؤں نے دیہاتوں پر شب خون مارنے شروع کر دیے اور جو بھی قیمتی شے ان کے ہاتھ لگتی' اسے لے اڑتے۔ اپنی ابتدائی لوٹ مار کی کارروائیوں سے ان کی اتنی حوصلہ افزائی ہوئی کہ انہوں نے اس بات کا تہیہ کر لیا کہ کوشش کر کے دیکھنی چاہیے کہ علاقوں کے حصول کے متعلق ان کے بازوؤں کی طاقت کیا کر سکتی ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ گووند کی پیشین گوئی پوری ہونے کا وقت اب آن پہنچا ہے' جب اس نے کہا تھا کہ وہ

وقت دور نہیں جب اس کے چیلے علاقے کے مالک بن جائیں گے۔ چھجہ سنگھ کے انتقال پر بھیم سنگھ اس کا جانشین بنا۔ اس نے مثل کو ایک منظم شکل دی' لہٰذا اسے ہی طاقتور بھنگی مثل کا حقیقی بانی کہا جا سکتا ہے۔ نادر شاہ کے حملہ کے بعد بھیم سنگھ نے اپنے حلیفوں ملا سنگھ اور جگت سنگھ کی مدد سے قریبی قبائل سے اپنی فوج بھرتی کر لی' چنانچہ اس نے اپنے آپ کو مثل کے ایک انتہائی طاقتور حصے کا سربراہ بنا لیا۔

بھیم سنگھ کے انتقال پر اس کا بھتیجا اور متبنیٰ بیٹا ہری سنگھ' بھنگی مثل کا سردار بن گیا۔ وہ ایک دیدہ دلیر ڈاکو سردار کے تمام جذبہ کا حامل تھا۔ اس نے ڈاکوؤں کی بڑی بڑی ٹولیوں کو منظم کیا' جن کی مدد سے اس نے علاقے کو غارت کیا۔ شہروں اور دیہاتوں کو تباہ و برباد کیا اور لوٹا کھسوٹا۔ اس کی قیادت میں نہ صرف مثل کی طاقت میں بے انتہا اضافہ ہوا' بلکہ اس کی جرأت مندانہ مہمات میں اکثر بہت زیادہ مال غنیمت حاصل ہوتا' جس نے دوسری مثلوں کے مقابلہ میں اسے بہت زیادہ متمول کر دیا۔ اس وقت بھنگی مثل کی لڑاکا فوج ۲۰ ہزار افراد پر مشتمل تھی' جنہیں علاقے کے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس نے سیالکوٹ' کریال اور میرووال پر قبضہ کرنے کے بعد ضلع امرتسر میں موضع جلوالی کو اپنا صدر مقام بنا لیا۔ اس نے اپنی لوٹ مار کو چنیوٹ اور جھنگ تک بڑھا دیا اور ابدالی بادشاہ احمد شاہ سے جنگ چھیڑ دی۔ سال ۱۷۶۲ء میں اس نے لاہور سے دو میل کے فاصلہ پر واقع کوٹ خواجہ سعید پر چڑھائی کر دی' جہاں لاہور کے افغان حاکم خواجہ عبید نے ایک بہت بڑا اسلحہ خانہ بنایا ہوا تھا' جو ہتھیاروں' اسلحہ اور جنگی ساز و سامان پر مشتمل تھا۔ اس سب کو ہری سنگھ اپنے ساتھ لے گیا۔

ہری سنگھ کی قیادت میں سکھوں نے اس کے بعد دریائے سندھ کے پار اور ڈیرہ جات علاقے پر ہلہ بول دیا۔ ان کے جرنیلوں نے راولپنڈی کو فتح کیا' مالوہ اور مانجھا علاقوں کو مطیع بنایا' ۱۲ ہزار سواروں کے ہمراہ جموں کو تاخت و تاراج کیا' جموں کے راجپوت راجہ رنجیت دیو کو اپنا باج گذار بنایا اور وادی کشمیر میں داخل ہو گئے' تاہم وہاں انہیں زبردست نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ جمنا پر' رائے سنگھ بھنگی اور بھگت سنگھ کروڑ سنگھیا نے بوڑھے نجیب الدولہ کو پریشان کیا' جس نے روہیلوں اور مرہٹوں کی مشترکہ فوج کی مدد سے ان متحدہ سرداروں کی پیش قدمی کو روکنے کا ارادہ کیا تھا' غالباً اس میں وہ کامیاب بھی ہو جاتا اگر اس نازک مرحلے پر اس کی اچانک موت اس منصوبے کا خاتمہ نہ کر دیتی۔

۱۷۶۳ء میں قصور پر حملہ کے وقت ہری سنگھ کے ساتھ کنہیے اور رام گڑھیے شامل

ہوگئے۔ اگلے سال اس نے پٹیالہ کے امر سنگھ سے لڑائی کی' لیکن ایک کارروائی کے دوران مارا گیا۔

ہری سنگھ کی دو بیویاں تھیں۔ ان میں سے ایک ترن تارن کے قریب پنجواڑ کے چودھری ملا کی بیٹی تھی' جس سے اس کے دو بیٹے جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ تھے اور دوسری سے چڑت سنگھ' دیوان سنگھ اور بسو سنگھ تھے۔ جھنڈا سنگھ مثل کی سرداری پر اپنے والد کا جانشین بنا' جو اس کی قیادت میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اس کے اور اس کے بھائیوں کے ساتھ متعدد نہایت ممتاز سردار شامل ہوگئے' مثلاً سیالکوٹ کا صاحب سنگھ' بریا کا رائے سنگھ' ہلووال کا بھاگ سنگھ' سدھ سنگھ دودیہ اور ندھان سنگھ اتو۔

۱۷۶۶ء میں جھنڈا سنگھ نے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ ملتان کی طرف پیش قدمی کر کے مسلمان حاکم شجاع خاں اور داؤد پتروں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا' جو نادر شاہ کے حملہ کے بعد پیدا ہونے والے فسادات کے دوران سندھ سے ہجرت کر کے اس علاقے میں آباد ہوگئے تھے' جو اب بہاولپور کے نام سے مشہور ہے۔ دریائے ستلج کے کنارے ایک جنگ لڑی گئی لیکن اس کے کوئی فیصلہ کن نتائج بر آمد نہ ہوسکے' چنانچہ آخرکار حملہ آوروں اور داؤد پترا سردار مبارک خاں حاکم ملتان کے درمیان صلح نامہ ہوگیا۔ پاک پتن کو سکھوں اور مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں کے درمیان حد بندی مقرر کیا گیا۔

اس کے بعد جھنڈا سنگھ نے اپنی توجہ قصور کی پٹھان آبادی پر کی' جسے اس نے مغلوب کر لیا اور تب ملتان کے سردار سے اپنے معاہدے کا پاس کیے بغیر ۱۷۷۱ء میں ان کے علاقوں پر تازہ حملہ کر دیا۔ انہوں نے ڈیڑھ ماہ تک قلعے کا محاصرہ کیے رکھا' مگر جہان خاں کی قیادت میں داؤد پوتوں اور افغان فوج نے سکھ جرنیل ماجھا سنگھ کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا اور زبردست نقصان کے ساتھ اسے پسپا کر دیا۔

اگلے سال (۱۷۷۲ء) جھنڈا سنگھ کے ساتھ لہنہ سنگھ اور دیگر سکھ سردار بھی شامل ہوگئے اور انہوں نے موزوں حالات کے تحت دوبارہ ملتان پر چڑھائی کر دی اور اس کے نتیجہ میں انہیں بہتر کامیابی حاصل ہوئی۔ ملتان کے اوپر تلے کے حاکموں شجاع خاں' شریف خاں سدوزئی اور شریف بیگ تکلو کے درمیان جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ موخر الذکر سردار نے جھنڈا سنگھ سے مدد مانگی جو فوری طور پر دے دی گئی۔ جھنڈا سنگھ اپنے بھائی گنڈا سنگھ اور جرنیل لہنہ سنگھ کے ہمراہ ساز و سامان سے لیس اور انتہائی طاقتور فوج کے ساتھ ملتان پہنچا اور فوراً شجاع خاں اور داؤد پوتوں پر حملہ کر دیا اور ان پر مکمل فتح حاصل کر لی۔ دفاعی

فوجوں کو زبردست نقصان پہنچا۔ سکھوں نے ملتان پر قبضہ کر لیا اور اسے جھنڈا سنگھ اور لہنہ سنگھ کے درمیان تقسیم کر دیا گیا' جنھوں نے دیوان سنگھ چچو والیہ کو قلعہ دار مقرر کیا اور اپنے حفاظتی دستے اس جگہ تعینات کیے۔ چنانچہ شریف بیگ کو دھوکہ دے دیا گیا اور وہ خیرپور کی طرف بھاگ گیا' جہاں وہ شکستہ دل کے ساتھ فوت ہوگیا۔

ملتان سے واپسی پر جھنڈا سنگھ نے بلوچ علاقے کو مغلوب کیا اور اس میں لوٹ مار مچا دی اور جھنگ' مان خیرا اور کالا باغ کو فتح کیا۔ تاہم وہ شجاع آباد کو حاصل کرنے کی کوشش میں ناکام رہا' جسے ملتان کے کھو جانے کے بعد افغانوں نے تعمیر کیا تھا۔ اس کے بعد اس نے امرتسر کا دورہ کیا' جہاں اس نے ایک خشتی قلعہ تعمیر کیا اور اسے "بھنگی قلعہ" کا نام دیا (جس کے کھنڈرات آج کل بھی لون منڈی کے عقب میں دیکھے جا سکتے ہیں) اور بہترین بازار بنائے۔

بھنگی توپ کی بازیابی

تب وہ رام نگر کی طرف بڑھا جہاں اس نے چٹھوں سے مشور زمانہ زمزمہ (۱) یا بھنگی توپ بازیاب کرائی۔ اس کے بعد اس نے جموں پر چڑھائی کر دی اور کنہیا مثل کے ابھرتے ہوئے سردار جے سنگھ اور سکرچاکیہ مثل کے چڑت سنگھ پر جنگ مسلط کر دی کیونکہ انہوں نے اس کے حلیف' باج گزار اور باغی سردار کے والد راجہ رنجیت دیو کے خلاف جموں کی سرداری کے مدمقابل دعویدار برج راج دیو کی مدد کی تھی۔ جنگ کئی روز تک بغیر کسی فیصلہ کن نتیجہ کے جاری رہی۔ آخر کار چڑت سنگھ سکرچاکیہ حادثاتی طور پر اپنی توڑے دار بندوق پھٹنے کی وجہ سے ہلاک ہوگیا۔ ایک وقت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بھنگی میدان مار لیں گے' لیکن جھنڈا سنگھ کی ہلاکت (جس کو اس کے ایک اپنے پیروکار مذہبی سکھ نے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ اس کام کے لیے جے سنگھ نے اسے رشوت دی تھی) نے جنگ کا فیصلہ کنہیا مثل کے حق میں کر دیا۔

جھنڈا سنگھ کے قتل کے بعد اس کے بھائی گنڈا سنگھ کو متفقہ طور پر مثل کا سردار مقرر کر دیا گیا' جو اپنی طاقت کے عروج پر تھی۔ گنڈا سنگھ نے کاریگروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو جمع کیا۔ امرتسر میں اس کے بھائی نے ترقی کے جن کاموں کا آغاز کیا تھا انہیں مکمل کیا' بھنگی قلعہ کو مکمل کیا اور مضبوط بنایا اور شہر کو وسیع کیا اور اسے کئی بہترین عمارات سے خوبصورت بنایا۔

کنہیوں کی غداری' جس نے اس کے بھائی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا' بری طرح گنڈا

سنگھ کے ذہن میں کھٹک رہی تھی' لہٰذا اپنے مجروح خیالات کو تسکین پہنچانے کے لیے یہ بہانہ کم نہیں تھا۔ جھنڈا سنگھ نے اپنے ایک مثل دار نند سنگھ کو پٹھان کوٹ عنایت کر دیا تھا' جو اسی دور میں اس کے سردار کی حیثیت سے ایک بیوہ اور ایک خوبصورت بیٹی چھوڑ کر فوت ہوگیا تھا۔ بیوہ نے اپنی بیٹی کی شادی حقیقت سنگھ کنہیا کے بھائی تارا سنگھ کے ساتھ کر دی تھی۔ اس نے پٹھانکوٹ کی جاگیر بھی اپنے داماد کو دے دی تھی۔ ان دونوں کارروائیوں نے گنڈا سنگھ کو بہت اذیت پہنچائی۔ اس نے کنہیوں سے کہا کہ وہ پٹھان کوٹ اس کے حوالے کر دیں' لیکن انہوں نے اس پر اپنا جائز قبضہ سمجھتے ہوئے اپنے پاس رکھنے پر زور دیا۔ اس پر گنڈا سنگھ نے بہت بڑی فوج جمع کی' بھنگی توپ کو ہمراہ لیا اور بٹالہ کے راستے پٹھان کوٹ کی طرف روانہ ہوا' لہٰذا متعدد رام گڑھیہ سردار اس کے ساتھ شامل ہوگئے۔ تارا سنگھ اور حقیقت سنگھ کے ساتھ جے سنگھ کنہیا کے بیٹے گور بخش سنگھ اور امر سنگھ بھگا کی قیادت میں کنہیا مثل شامل ہوگئی۔ دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ دینہ نگر میں ہوئی۔ بغیر فیصلہ کن نتیجہ کے کئی روز تک لڑائی جاری رہی۔ بیماری کے باعث گنڈا سنگھ کی اچانک موت کی وجہ سے دس روز کی لگاتار جنگ کے بعد لڑائی رک گئی۔ اس کا بیٹا دیسہ سنگھ چونکہ کم سن تھا' لہٰذا سپاہیوں نے اس کے بھتیجے چرت سنگھ کو مثل کی کمان کے لیے منتخب کر لیا۔ تاہم ابتدائی جھڑپوں میں سے ایک کے دوران چرت سنگھ پٹھان کوٹ میں ہلاک ہوگیا۔ اس کی موت سے بھنگی مثل کی فوج میں مایوسی پھیل گئی۔ وہ پٹھان کوٹ اور اس کے ملحقہ علاقے کو کنہیوں کے ہاتھ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ تب بھنگیوں نے گنڈا سنگھ کے بیٹے دیسہ سنگھ کو اپنے سردار کے طور پر منتخب کر لیا اور دیسہ سنگھ کے نئے وزیر گوجر سنگھ کے ہمراہ واپس امرتسر لوٹ گئے۔ تاہم یہ توقع کرنا بڑا مشکل ہے کہ وہ سردار' جو سردار ہری سنگھ اور جھنڈا سنگھ کی قیادت میں مہم جوئی کے عادی ہوگئے تھے اور دشمن کے خلاف اپنی فوجوں کی رہنمائی کرنے کو فخر سمجھتے تھے' انہوں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس لڑکے کی قیادت کو تسلیم کر لیا تھا۔ متعدد سردار خودمختار ہوگئے۔ ان میں بھاگ سنگھ ہلووالیہ بھی تھا۔ جھنگ سے خراج روک دیا گیا اور اس کے تھوڑی دیر بعد ملتان بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ شجاع خاں کے بیٹے مظفر خاں نے اپنے حلیف' سردار بہاولپور کی مدد سے ۱۷۷۲ء میں ملتان کو بازیاب کرانے کی کوشش کی۔ تاہم اسے جھنڈا سنگھ کے حاکم' دیوان سنگھ نے پسپا کر دیا' حالانکہ موخر الذکر کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ اب سکھ اپنے لیے ایک زبردست آفت کا انتظار کر رہے تھے۔

تیمور شاہ کا پنجاب پر حملہ

تیمور شاہ' جو کابل کے تخت پر اپنے والد احمد شاہ کا جانشین بنا تھا' اس نے پنجاب میں اپنے قبضہ سے نکلے ہوئے علاقوں کو بازیاب کرانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس نے پنجاب پر حملہ کرنے کی غرض سے اپنے جرنیل فیض اللہ کو پشاور میں فوج جمع کرنے کے لیے روانہ کیا۔ فیض اللہ نے سکھوں کو سزا دینے کے مقصد کے لیے افغانوں کو بہت کثیر (۲) تعداد میں جمع کیا۔ زیادہ تر خیبر کے قبائل سے جمع کیے گئے تھے' لیکن وہ بادشاہ کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لیے شاہ کے ایک کھلم کھلا دشمن چم کنی کے صاحبزادہ شیخ عمر کے بیٹے میاں محمد کے ساتھ ایک سازش میں شریک ہوگیا۔ اس نے اس فریب کے ساتھ کہ فوج کو بادشاہ کے سامنے صف آرا کرنا ہے' فوجی دستوں کو پشاور کے قلعہ کی طرف روانہ کیا' لیکن جب وہ قلعہ پر پہنچے تو انہوں نے دروازوں کے محافظوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور زبردستی اندر داخل ہوگئے۔ تیمور شاہ اپنے محل کی بالائی منزل پر تھا' لہٰذا اس نے اپنے محافظوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ بادشاہ کے اپنے محافظ' غلام شاہیوں اور درانیوں نے فیض اللہ کے آدمیوں پر حملہ کیا' لہٰذا ایک زبردست کشت و خون شروع ہوگیا' جس کے نتیجے میں فیض اللہ اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا گیا اور دونوں کو تشدد کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ (۳)

اب تیمور شاہ نے سندھ' بہاولپور اور زیریں پنجاب کے متعلق اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے زبردست اقدامات کیے۔ سال ۷۸-۱۷۷۷ء میں اس نے ملتان سے سکھوں کو نکال باہر کرنے کے لیے افغان فوج کے دو دستے روانہ کیے' لیکن انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ افغانوں کو زبردست نقصان کے ساتھ پسپا کر دیا گیا اور ہینی خاں' جو اس مہم کی کمان کر رہا تھا' سکھوں نے اسے توپ سے باندھ کر اڑا دیا۔

۷۹-۱۷۷۸ء کے موسم سرما میں آگ بگولا شہزادہ بذات خود سکھوں کو سزا دینے کے لیے روانہ ہوا۔ بھنگی سردار گنڈا سنگھ اس وقت مخالف مثلوں کے ساتھ برسرپیکار تھا' لہٰذا ملتان کے خلاف شاہ کی یہ کارروائی کامیاب رہی۔ ایک گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ شاہ کی فوج کی تعداد ۱۸ ہزار تھی' جو یوسف زئیوں' درانیوں' مغلوں اور قزلباشیوں پر مشتمل تھی اور یہ سب درانی سردار زنگی خاں کی کمان میں تھے۔ میدان میں زبردست لڑائی کے بعد آزمودہ کار پہاڑی باشندوں نے کامیابی حاصل کی۔ سکھ زبردست افراتفری اور ابتری کی حالت میں بھاگے۔ فاتح افغانوں نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے بے شمار افراد کو تہہ تیغ کر دیا۔ شاہ کی طرف سے جنگ کی قیادت کرنے والے جرنیل زنگی خاں کمال زئی اور فیض

طالب خاں محمد زئی کا بیٹا بہادر خاں تھے۔ اس جنگ میں تقریباً ۳ ہزار سکھ مارے گئے، جبکہ ۲ ہزار دریا کو عبور کرنے کی کوشش میں ڈوب گئے۔ کئی ہزار سکھوں کے سر اونٹوں پر لاد کر پشاور روانہ کیے گئے اور وہاں لوگوں کی دہشت اور حیرانگی کے لیے ان کی نمائش کی گئی۔
اس فتح کے بعد تیمور شاہ نے ملتان کی حاکیت مظفر خاں المعروف صفدر جنگ کے والد شجاع خاں کو عنایت کر دی اور یہ اس وقت تک اس کے پاس رہی جب تک رنجیت سنگھ نے اسے وہاں سے نکال نہیں دیا۔ اس کے بعد شاہ نے بہاولپور کے عباسی سردار بہاول خاں (۴) کو مغلوب کیا۔ بہاولپور شہر میں لوٹ مار کی گئی اور اس کی متعدد عمارات کو نذر آتش کر دیا گیا۔ نواب کے اسلحہ خانوں کے ساتھ قلعے کے ایک حصہ کو بھی اڑا دیا۔ آخرکار نواب کو سالانہ خراج کی ادائیگی پر مجبور کیا اور افغان فوج وہاں سے چلی گئی۔ تب شاہ نے سندھ کے تالپوروں کو مغلوب کیا، جو اسے تاوان ادا کرنے پر رضامند ہوگئے۔ تالپوروں کے تاوان کی ادائیگی پر رضامند ہونے پر شاہ نے میر فتح علی شاہ کو سندھ میں اپنا صوبیدار مقرر کیا۔
ان واقعات کے بعد دیسہ سنگھ، چنیوٹ کو تسخیر کرنے کے لیے روانہ ہوا، لہٰذا چڑت سنگھ کے بیٹے سردار سکرچاکیہ مہاسنگھ کے ساتھ اس کی کئی جھڑپیں ہوئیں، لیکن ۱۷۸۲ء میں بھنگی مثل کا آٹھ برس تک سردار رہنے کے بعد ایک جنگ میں مارا گیا۔
ہری سنگھ بھنگی کی زیرِ قیادت بہادر ترین افراد میں مثل کے بانی بھیم سنگھ کا ساتھی، اورا کا گور بخش سنگھ بھی تھا۔ وہ ایک عظیم جنگجو تھا۔ اس کے پاس تقریباً چالیس دیہات تھے اور اپنے شہسواروں کے دستوں سے دور و نزدیک تک کے علاقے میں غارت گری کرتا تھا۔
بے اولاد ہونے کے باعث اس نے لہنہ سنگھ (امرتسر ضلع میں سدھا والا کے ایک کہیل جاٹ درگاہا کا بیٹا) کو متبنیٰ بیٹا بنا لیا۔ گور بخش سنگھ کے انتقال پر لہنہ سنگھ اس کا جانشین بنا، لہٰذا متوفی کی چھوڑی ہوئی جاگیر کے معاملہ پر اس کے اور گور بخش سنگھ کے نواسے گوجر سنگھ کے درمیان جھگڑا پیدا ہوگیا۔ دونوں فریقین کی فوجوں میں لڑائی کے بعد، دونوں سرداروں کے درمیان یہ معاہدہ طے پا گیا کہ جاگیروں کو مساوی طور پر تقسیم کر لیا جائے۔ یہ سردار بھنگی مثل کے انتہائی طاقتور سردار بن گئے، چنانچہ انہوں نے ہری سنگھ کے جانشین جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ سے کئی مہمات میں شمولیت کی۔ ان کی اپنی ایک علیحدہ تاریخ ہے۔
جب احمد شاہ، اپنی آخری مہم کے بعد، لاہور میں، ایک ہندو کابلی مل کو اپنا حاکم مقرر کر کے ہندوستان سے رخصت ہوا تو سردار لہنہ سنگھ اور گوجر سنگھ نے شاہ کے نمائندے کو لاہور سے نکال باہر کرنے اور شہر پر قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اس وقت، سکھ بہت زیادہ

دیدہ دلیر ہوگئے تھے، لہٰذا انہوں نے دارالحکومت کی فصیل تک کے علاقے کو لوٹ لیا۔ حاکم
لاہور، کمزور، بزدل اور ظالم تھا اور لوگ بھی اس سے نفرت کرتے تھے۔ سکھوں کے منصوبہ
کی خبر ملنے پر اسے تشویش ہوئی، لہٰذا وہ فرار ہوگیا، لیکن پہلے شہر کو لوٹنا نہ بھولا۔ اس نے
شہر کے شرفاء اور متمول افراد کو لوٹا کھسوٹا اور جو چیز اس کے ہاتھ لگی لے کر بھاگ گیا اور
اپنے بھتیجے امر سنگھ کو انتظام سونپ دیا۔ سکھ، جنہوں نے شہر کی فصیل کے باہر اور اس کے
گرد و نواح میں خوب غارت گری کی تھی، کابلی مل کی روانگی کے دوسرے دن شہر میں
داخل ہوگئے، لہٰذا شہر میں بلاامتیاز لوٹ مار مچا دی گئی، فاتحین نے لوٹ کے مال کو آپس میں
مساوی طور پر تقسیم کر لیا۔ کابلی مل نے جموں کے راجہ، رنجیت دیو کے پاس پناہ حاصل کر
لی۔ پہاڑوں کی طرف جاتے ہوئے راستے میں اس کے ساتھ چند سرکش اور ناراض لوگوں
نے بڑا ناروا سلوک کیا، جنہوں نے حاکم لاہور کے انتہائی ظلم و جبر کے نتیجہ میں لاہور کو
چھوڑ دیا تھا، لیکن جموں کے راجہ کے روانہ کردہ حفاظتی دستہ نے اس کی جان بچا لی۔ اسے
راولپنڈی روانہ کر دیا گیا، وہاں احمد شاہ کے متعین ایک دستے نے اس کی جان بچائی، لیکن
وہ کچھ عرصہ بعد ہی فوت ہوگیا۔

لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ نے بغیر کسی دشواری کے لاہور پر قبضہ کر لیا، اگلی صبح فاتحین
کے ساتھ، جے سنگھ کنہیا کا بھتیجا سوبھا سنگھ بھی شامل ہوگیا، انہوں نے اسے بھی لوٹ مار
کے مال میں حصے دار بنا لیا۔ اس کے بعد دیگر بھنگی اور کنہیا سردار بھی آ گئے، ان سب کے
آخر میں چڑت سنگھ سکرچاکیہ آیا، اس نے شہر کے نئے مالکان کو مشہور زمانہ زمزمہ توپ پیش
کی، جسے سردار گوجرانوالہ لے گیا۔ اس کے بعد شہر کو (جیسا کہ پہلے باب میں بیان کیا گیا
ہے) لہنا سنگھ، گوجر سنگھ اور سوبھا سنگھ کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ ۱۷۶۵ء میں گوجر سنگھ
نئے علاقوں پر قبضہ کرنے کے لیے پنجاب کے شمال میں روانہ ہوگیا۔

سوبھا سنگھ اور لہنا سنگھ دو سال تک لاہور میں سکون کے ساتھ رہے۔ لیکن ۱۷۶۷ء
میں یہ سکوت دوبارہ اس وقت ٹوٹا، جب عظیم درانی بادشاہ نے پنجاب میں اپنا آخری حملہ
کیا۔ فاتح نے تمام نئے سکھ سرداروں کو اپنے آگے بھگا دیا، کیونکہ ان دنوں افغان نام ہی
دہشت کی علامت تھا اور عسکری حلقوں میں یہ تاثر عام تھا کہ کھلے میدان میں سکھوں کی
افغانوں سے کوئی برابری نہیں ہے۔ افغانوں کا خوف کچھ اس قدر تھا کہ ان دنوں کی ضرب
المثل لوگوں کو آج تک یاد ہے:

کھادا پیتا سادا ---- رہندا احمد شاہ دا

مطلب یہ کہ "جو کچھ ہم کھاتے پیتے ہیں ہمارا اپنا ہے' باقی تمام احمد شاہ کا ہے"۔

عام خیال کے مطابق' احمد شاہ' لوگوں کے پاس کچھ نہیں چھوڑتا تھا' ماسوائے اس کے جو ان کے منہ میں ہوتا تھا' باقی سب کچھ ہڑپ کر جاتا تھا۔ لاہور کے مشترکہ حاکموں کو اس کی آمد پر تشویش ہوئی لہٰذا وہ پنجواڑ کی طرف بھاگ گئے' لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے' احمد شاہ' لہنہ سنگھ کو لاہور کی حکومت پر بحال کر کے جلد ہی کابل لوٹ گیا۔

شاہ زمان کا پنجاب پر حملہ

ان واقعات کے تیس سال بعد تک' لاہور کے مشترکہ حاکم' سکون سے حکومت کرتے رہے لیکن ۱۷۹۳ء میں' لاہور پر شاہ زمان نے حملہ کر دیا۔ جو ۱۷۹۳ء میں کابل کے تخت پر جانشین بن گیا تھا۔ تاہم' اس کے ذہن میں یہ خیال سمایا ہوا تھا کہ وہ ایک ہندوستانی سلطنت قائم کرے۔ دسمبر' ۱۷۹۳ء میں بادشاہ' ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ' پشاور کی طرف روانہ ہوا اور بغیر کسی مزاحمت کے حسن ابدال تک آ پہنچا۔ اس مقام سے اس نے اپنے جرنیلوں' احمد خاں شاہنچی اور بہادر خاں محمد زئی کو ۷ ہزار سواروں کے ہمراہ' دریائے جہلم اور چناب کے درمیانی علاقہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ تاہم' ہرات میں اس کے بھائی محمود کی پیدا کردہ تازہ گڑبڑ کے باعث' اسے اپنے منصوبہ جات کے بارے میں مایوسی ہوئی اور وہ اپنے وطن کو واپس لوٹنے اور ہندوستان پر حملہ کے پسندیدہ منصوبے کو چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔ یہ کہنا کافی ہوگا کہ احمد خاں شاہنچی کی قیادت میں اس کی فوج کو سکھوں نے شکست دے کر مار بھگایا۔

پنجاب پر' شاہ زمان کے دوسرے حملے کا آغاز' ۱۷۹۵ء کے اختتام پر ہوا۔ وہ' اٹک کے مقام پر کشتیوں کے پل کے ذریعے دریائے سندھ کو پار کر کے' حسن ابدال میں داخل ہوا' اس مقام سے اس نے شاہنچی کو ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ' روہتاس پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس جرنیل نے بغیر کسی دقت کے روہتاس پر قبضہ کر لیا۔ لہٰذا ککھڑ' جاٹ اور پنجاب کے دیگر مسلمان قبائل اس کے ساتھ مل گئے' اس پر سکھ مایوسی کی حالت میں پہاڑوں یا بیاس کے پار کے علاقہ میں بھاگ گئے۔ تاہم' بادشاہ کو حسن ابدال میں ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس تک خبر پہنچی کہ ایران کے بادشاہ' آغا محمد خاں' نے مغربی خراسان پر حملہ کر دیا ہے' لہٰذا وہ اپنے علاقوں کے دفاع کے لیے فوری طور پر پنجاب سے روانہ ہوا اور جنوری ۱۷۹۶ء میں پشاور پہنچ گیا۔

آغا محمد خاں، جسے تہران واپس جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا، کے ساتھ معاملات نپٹانے کے بعد، شاہ کی ہندوستان کی مہمات کے ساتھ وارفتگی اسے تیسری مرتبہ، پنجاب کی سرحدوں پر لے آئی۔ اس وقت، بالائی ہندوستان کے راجہ، جو انگریزوں اور مرہٹوں کے باعث، زبردست پسے ہوئے تھے، ہندوستان پر درانی بادشاہ کے ایک اور حملہ کے لیے شاہ زمان کے ساتھ گفت و شنید میں شامل ہوگئے۔ پس، روہیل کھنڈ کے شکست خوردہ غاصب، غلام محمد اور اودھ کے وزیر نواب آصف الدولہ کے نمائندوں نے، بادشاہ کو ایک حملے کی ضرورت پر زور دینے کے لیے، ۹۶-۱۷۹۵ میں پنجاب کو پار کیا اور اسے یہ یقین دہانی کرائی کہ ہندوستان کی سرزمین پر اس کی آمد کو اسلامی دنیا سراہے گی کہ اس کے عوام کا نجات دہندہ آگیا ہے۔ شاہ نے، تیس ہزار جوانوں کی فوج جمع کر کے جن میں نصف تعداد درانیوں کی تھی، نومبر ۱۷۹۶ء کے اختتام پر ہندوستان کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اس کی فوج نے چناب کو عبور کیا اور ایمن آباد کے راستے سے دریائے راوی کے کنارے پر واقع شاہدرہ کی طرف روانہ ہوئے، چنانچہ انہوں نے مقبرہ جہانگیر کے احاطے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس مقام سے اس نے اپنے وزیراعظم حافظ شیر محمد خاں المعروف مختار الدولہ وفادار خاں، کو شہر پر قبضہ کرنے کے لیے بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ وزیر نے اپنے سپاہیوں کے ہمراہ کشتیوں کے ذریعے، راوی کو پار کیا۔ اس کی آمد سے قبل، لاہور کے مشترکہ حاکموں، لہنہ سنگھ اور سوبھا سنگھ نے قلعہ کی چابیاں، شہر کے ایک سرکردہ مسلمان (جو مشہور بزرگ حضرت عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے) میاں شاہ چراغ کے حوالے کیں اور چلے گئے۔ بعد ازیں، شاہ، بلامزاحمت لاہور کی طرف بڑھا اور ۳ر جنوری ۱۷۹۷ء کو شہر میں داخل ہوگیا۔

درانی بادشاہ کے لاہور پر قبضہ کی خوشی میں، شہر لاہور میں مسلسل تین راتوں تک چراغاں کیا گیا۔ چند ہندو دکاندار، جنہوں نے جان بوجھ کر مقررہ تاریخوں کو اپنی دکانوں کو روشن کرنے میں غفلت برتی، انہیں سزا کے طور پر جزیہ ادا کرنے کو کہا گیا۔ شہر کے خالی مکانات پر افغان سرداروں اور امراء نے قبضہ جما لیا، جبکہ محل کے سامنے، نمائش گاہ، افغان فوج کے سپاہیوں سے بھر گئی۔ اپنے دادا، احمد شاہ کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، شاہ زماں نے، تیز پیش قدمی کے ذریعے سکھوں کی پناہ گاہوں پر حملہ کرنے کے لیے، ان کے مویشیوں کو پکڑنے کے لیے، غلے کو تباہ کرنے اور دوسرے لفظوں میں انہیں تنگ کرنے کے لیے چھاپے یا چھوٹے دستے، علاقے کی مختلف اطراف میں روانہ کیے۔ ایسے قلعے جو ان تیز

رفتار دستوں کی زد میں آئے انہیں تسخیر کر لیا گیا۔ تاہم' احمد شاہ کے حملہ کے وقت سے' حالات تبدیل ہوگئے تھے اور اب سکھوں کی حکومت بھی عروج پر تھی' تو اس نے دھمکی اور مفاہمت کی ملی جلی حکمت عملی اختیار کرنے کو بہتر خیال کیا' لہٰذا ان تمام سکھوں کی بہت حوصلہ افزائی کی جاتی تھی جو اطاعت پیش کر دیتے' چنانچہ اس وجہ سے بہت سے سکھ سرداروں نے اسے اطاعت پیش کرتے ہوئے لاہور میں خراج عقیدت پیش کیا۔ مسلمان اسے اپنے دین کا غازی مرد اور ملک کا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ پنجاب کے سرکردہ مسلمان' جلال بھٹی' قصور کے نظام الدین خاں اور دیگر اس سے مل گئے۔ لیکن درانی فوج کی پیش قدمی اور پنجاب کے دارالحکومت پر ابدالی بادشاہ احمد شاہ کے پوتے کے قبضہ کے پورے ہندوستان میں زبردست سنسنی پھیل گئی' تاہم بادشاہ پوری طرح تیار نہیں تھا اور اس کے منصوبے بھی مکمل طور پر تیار نہیں تھے اور نہ بروقت تھے۔ دہلی کے ایک پناہ گزین شہزادے اور ٹیپو سلطان نے شاہ کی حوصلہ افزائی جاری رکھی۔ جب موخر الذکر کے ایلچی' بہاولپور میں سے گزرے (جیسا کہ پہلے بھی اودھ کے وزیر کی سفارت کے موقع پر ہوا تھا) تو شاہ زمان اور سندھیہ کے درمیان' بھی سفارت کاروں کا تبادلہ ہوا۔ قطعی طور پر تیمور کے گھرانے کو برسراقتدار لانے کے خیال سے' بادشاہ کی مدد کرنے کے لیے' ہندوستان کے مختلف حصوں میں سازشیں تیار کی گئیں۔ مرہٹوں کی کمزوری اور نواب وزیر کے ملک اودھ کی ابتر حالت نے ہندوستان میں ہر طاقت ور مسلمان کو ترغیب دی کہ وہ اپنے ملک اور دین کے لیے مسلح دفاع کرے۔ روہیلے بھی سرتاپا مسلح ہوگئے اور انھوں نے ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے شاہ کی کوششوں میں تعاون کرنے کا فیصلہ کر لیا' جبکہ' دکن میں بھی ہر مسلمان' پرامید ہو کر اور بے چینی سے اپنے سورما کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ تاہم کچھ دیر بعد ہی یہ امیدیں بے بنیاد ثابت ہوئیں۔ ہرات میں' شاہ کے بھائی شہزادہ محمود کی بغاوت کی خبر موصول ہوئی اور وہ فی الفور' احمد خاں بارک زئی کو سندھ اور جہلم کے درمیانی علاقہ کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے' بہادر خاں محمد زئی' بوستان خاں درانی اور نصراللہ خاں خنک کو ۷ ہزار سواروں' ۱۰۰ زنبوروں اور ۴ توپوں کے ساتھ ملک کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر واپس کابل جانے پر مجبور ہوگیا۔

شاہ زمان کی روانگی کے بعد' لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ واپس لاہور آ گئے اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اسی سال' ۱۷۹۷ء میں لہنا سنگھ کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا چیت سنگھ اس کا جانشین بنا اور تقریباً اسی وقت' سوبھا سنگھ بھی فوت ہوگیا اور اس کا بیٹا موہر سنگھ اس کا

جانشین بنا۔ لاہور کے نئے حاکموں میں نہ تو قابلیت تھی نہ ہی وہ ورثے میں ملنے والے علاقے پر حکومت کرنے کی اہلیت رکھتے تھے اور اس کے باوجود رعایا کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی گئی تھی' چیت سنگھ بزدل شخص تھا' جبکہ موہر سنگھ کو لوگوں پر زیادہ اثر و رسوخ حاصل نہیں تھا۔ سکرچاکیہ مثل کے طاقتور سردار' رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور اس خیال سے وہ بھنگی سرداروں کے رفیقوں' حکیم حاکم رائے' بھائی گور بخش سنگھ اور میاں عاشق محمد کے ساتھ ایک سازش میں شریک ہوگیا۔ ان تینوں نے رنجیت سنگھ کو خط لکھ کر شہر میں داخل ہونے کی دعوت دی اور مشترکہ حاکموں کے خلاف اپنی مدد کا وعدہ کیا۔ جب رنجیت سنگھ ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ' انارکلی میں داخل ہوا' تو چیت سنگھ کے خفیہ نمائندے' نواں کوٹ کے چودھری محکم دین نے حتی الامکان کوششوں سے اپنے آقا کو رنجیت سنگھ کے خلاف پیش قدمی سے روکا' لہٰذا جب رنجیت سنگھ شہر کے سامنے پہنچ گیا تو اس نے لاہوری دروازہ (جس کا انتظام اُس کے پاس تھا) اس کے لیے کھول دیا۔ چیت سنگھ اور موہر سنگھ بھاگ اٹھے لہٰذا' رنجیت سنگھ لاہور کا مالک بن گیا۔ یہ واقعہ جولائی' ۱۷۹۹ء میں رونما ہوا۔

اب ہم' بھنگی مثل کے سرداروں کی سرگزشت کی طرف آتے ہیں۔ گنڈا سنگھ کے بیٹے دیسہ سنگھ کے انتقال کے بعد اس کا کمسن بیٹا گلاب سنگھ جانشین بنا' مثل کے امور کے بارے میں اس کا چچا زاد' کرم سنگھ اس کی رہنمائی کرتا تھا۔ گلاب سنگھ' امرتسر شہر میں رہائش پذیر تھا' اس نے اسے وسیع کیا اور شعور کی عمر کو پہنچنے پر' قصور کی تمام پٹھان آبادی کو تہ و بالا کر کے اسے مغلوب کر لیا۔ قصور کے پٹھان سردار' نظام الدین خاں اور قطب الدین خاں' دونوں بھائی فاتح کی ملازمت میں شامل ہوگئے۔ تاہم ۱۷۹۴ء میں ان بھائیوں نے اپنے افغان ہم وطنوں کی مدد سے پورے قصور کو سکھوں کے قبضے سے چھڑا لیا' لہٰذا افغانوں کو نکالنے کے لیے' گلاب سنگھ کی لگاتار کوششیں ناکام ہوگئیں۔ گلاب سنگھ اپنی عیش و عشرت کے باعث کمزور اور احمق حکمران تھا' نہ تو اس کے پاس کردار کی مضبوطی تھی اور نہ ہی اپنے مخالف سرداروں کی سازشوں کے خلاف (جن کی طاقت اب عروج پر تھی) اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے کافی اثر و رسوخ تھا۔ رنجیت سنگھ' ۱۷۹۹ء میں' لاہور پر قبضہ کر چکا تھا' لہٰذا اس کی کامیابی نے سکھ سرداروں میں تشویش پیدا کر دی تھی۔ اگلے سال' اس کے خلاف ایک سازش تیار کی گئی جس کے نمایاں کردار' گلاب سنگھ بھنگی' گوجر سنگھ بھنگی کا بیٹا صاحب سنگھ' مشہور کلال جسا سنگھ رام گڑھیہ اور قصور کا نظام الدین خاں تھے۔

سرداروں کی مشترکہ فوج کی، رنجیت سنگھ کی فوج کے ساتھ مڈبھیڑ لاہور اور امرتسر کے درمیان بھسین کے مقام پر ہوئی اور برسرپیکار فریقین کے درمیان چند جھڑپیں ہوئیں، جو عام طور پر سازشی سرداروں کے لیے تباہ کن ثابت ہوئیں۔ رنجیت سنگھ اب میدان کا مکمل طور پر مالک تھا۔ جس وقت یہ فوجیں میدان جنگ میں تھیں تو اس دوران، سردار، عیش و عشرت، رنگ رلیوں اور غل غپاڑہ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لہٰذا، گلاب سنگھ بھنگی، شراب کی مدہوشی میں اچانک انتقال کر گیا۔

اس کے انتقال پر اس کا دس سالہ بیٹا گوردیت سنگھ جانشین بنا، وہ اپنی والدہ اور سرپرست، مسمات سکھاں کے ذریعے مثل کے امور کی انجام دہی کرتا تھا۔ اب رنجیت سنگھ، سکھوں کے قلعہ امرتسر کو حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا، جہاں پر ابھی تک مثل کے باقیات طاقت اور اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ جھگڑا پیدا کرنے کے لیے، اس نے مشہور زمانہ زمزمہ توپ کا مطالبہ کر دیا، لہٰذا مسمات سکھاں کی طرف سے اس میں شراکت کے انکار پر اس نے جنگ کا اعلان کر دیا۔ رنجیت سنگھ نے اپنے حلیف فتح سنگھ آہلووالیہ کی مدد سے بھنگی قلعہ پر حملہ کر دیا اور پانچ گھنٹے کی لڑائی کے بعد میدان جیت لیا۔ رنجیت سنگھ نے بھنگیوں کے تمام مقبوضات پر قبضہ کر لیا اور گوردیت سنگھ اپنی والدہ سکھاں کے ہمراہ، رام گڑھ کی طرف فرار ہوگیا۔

گجرات کی فتح

یہ یاد رہے کہ لاہور پر تین بھنگی سرداروں کے قبضہ کے بعد، گوجر سنگھ مزید فتوحات کے خیال سے شمال کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ اس کے منصوبے کامیاب رہے اور وہ اپنے دور میں لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ کے مقابلہ میں بہت زیادہ طاقتور سردار بن گیا۔ اس نے ککھڑ سردار، سلطان مقرب خاں سے گجرات حاصل کر لیا، جسے اس نے ۱۷۶۵ء میں شہر کی فصیل کے نیچے شکست فاش دی، شہر اور اس سے ملحقہ علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے گجرات کو اپنا صدر مقام بنا لیا۔ اگلے برس اس نے جموں کو تاخت و تاراج کیا، اسلام گڑھ، پونچھ اور دیوا بٹالہ پر قبضہ کیا اور چناب کے کنارے پر گرودرا کو تسخیر کیا، وہاں اس نے رحمت خاں اور حشمت خاں کی جاگیر پر قبضہ کر لیا اور اپنے علاقے کو بھمبر کے پہاڑوں اور مانجھا کے علاقے تک وسیع کر لیا۔ تاہم، وہ درانی بادشاہ احمد شاہ کی آمد پر فیروزپور کی طرف بھاگ گیا، لیکن جیسے ہی شاہ نے پنجاب سے منہ موڑا، وہ دوبارہ ایک بہت بڑی فوج

کے ساتھ منظرعام پر نمودار ہوگیا اور اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو بغیر کسی دشواری کے بازیاب کرا لیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد اس نے چڑت سنگھ سکرچاکیہ کی مدد سے (جو انتہائی دوستانہ انداز میں اس کے ساتھ تھا اور اس نے اپنی بیٹی راج کور کی شادی' گوجر سنگھ کے بیٹے صاحب سنگھ سے کر دی تھی) **ککھڑوں** کے قبضہ میں مشہور قلعہ روہتاس کا محاصرہ کر لیا۔

گوجر سنگھ کے تین بیٹے تھے' سکھا سنگھ' صاحب سنگھ اور فتح سنگھ۔ پہلے دونوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہوگیا' لہٰذا دونوں میں لڑائی ہوئی اور سکھا سنگھ مارا گیا۔ دوسرے بیٹے صاحب سنگھ نے اپنے برادر نسبتی مہا سنگھ کو خوش کرنے کے لیے اپنے باپ کی بے عزتی اور بے ادبی کی' اس کے نتیجہ میں بوڑھے گوجر سنگھ نے اس کی تمام املاک پر' اپنے سب سے چھوٹے بیٹے فتح سنگھ کے حق میں قبضہ کر لیا اور خود لاہور چلا گیا جہاں ۱۷۸۸ء میں (۵) اس کا انتقال ہوگیا۔ اگلے برس' برادر نسبتی مہا سنگھ اور صاحب سنگھ کے درمیان جھگڑا پیدا ہوگیا' کیونکہ مہا سنگھ نے گوجر سنگھ کے چھوڑے ہوئے علاقوں پر جانشینی کے لیے فتح سنگھ کے دعویٰ کی حمایت کی تھی۔ مہا سنگھ کی بہن' راج کور نے دونوں سرداروں میں مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ دو برس تک یہ سردار ایک دوسرے کے ساتھ زبردست نفرت اور عداوت کا مظاہرہ کرتے رہے' آخرکار ۱۷۹۲ء میں ایک فیصلہ کن جنگ لڑی گئی' اس موقع پر' مہا سنگھ کو وزیر آباد کے اس کے بااعتماد دوست جودھ سنگھ نے دھوکہ دیا جبکہ کرم سنگھ دولو' صاحب سنگھ کے بلاوے پر' ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ فوراً اس کی مدد کو آن پہنچا۔ اب دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی' پہلے پہل اس کا نتیجہ مشکوک رہا۔ ہوا یوں کہ مہا سنگھ جنگ کے دوران بیمار ہوگیا اور اپنے ہاتھی پر بے ہوش ہوگیا۔ مہاوت نے جب دیکھا کہ اس کا آقا بہت بیمار ہے' تو عارضی آرام کے لیے اپنے آقا کو پڑاؤ تک لانے کے لیے اس نے اپنے ہاتھی کو میدان جنگ سے موڑ لیا۔ مہا سنگھ کے میدان جنگ چھوڑنے کو اس کے ساتھیوں نے لڑائی کو ختم کرنے اور واپس جانے کا اشارہ سمجھا' لہٰذا انہوں نے نہایت ابتری کی حالت میں ایسا ہی کیا۔ سودھرا کے قلعہ کا محاصرہ اٹھا لیا گیا (جس میں صاحب سنگھ نے اپنے آپ کو بند کر لیا تھا) اور مہا سنگھ کو گوجرانوالہ لے جایا گیا' جہاں اس کے تین دن بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے دشمن صاحب سنگھ نے اس کی لاش لے جانے کی کوشش کی' لیکن قادر بخش اور غوث خاں کی بروقت مدد حاصل ہونے کے باعث اسے ناکام کر دیا گیا' جو اپنے توپ خانہ کے ساتھ بھنگی جوانوں کو منتشر کرنے میں

کامیاب ہوگئے تھے۔

اپنے بھائی شہزادہ محمود سے معاملات نپٹانے کے بعد' شاہ زمان کو پنجاب پر دوبارہ توجہ دینے کی فرصت مل گئی' جہاں اس کی عدم موجودگی میں اس کے مفاد کو ٹھیس پہنچی تھی' جیسے ہی شاہ نے پنجاب کی طرف پشت کی' تو سکھ حسب معمول (جیسا کہ وہ ان مواقعوں پر کرتے تھے) اپنی پہاڑی کمین گاہوں اور دیگر پناہ گاہوں سے نکل آئے اور درانیوں کے ہاتھ سے پہنچنے والی مصیبتوں اور ظلم کا بدلہ انہوں نے مسلمانوں سے لینا شروع کر دیا' سکھوں نے درانی جرنیل کی قیادت میں' جہلم کی طرف پیش قدمی کرتی ہوئی پانچ ہزار افغانوں پر مشتمل فوج کو بھی کاٹ کر رکھ دیا۔

لاہور پر قبضہ

بادشاہ ۲۵ر اکتوبر ۱۷۹۸ء کو پشاور سے روانہ ہوا اور بغیر کسی مخالفت کے لاہور میں داخل ہوگیا۔ صاحب سنگھ' گزشتہ موقع پر شاہ کے حملہ کے وقت' لاہور کے بھنگی سرداروں' لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ کی تقلید کرتے ہوئے' شاہ کی آمد پر' پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ بادشاہ نے دھمکیوں اور مفاہمت کی ملی جلی تدابیر کو از سر نو دہرایا' لہٰذا تمام بیان اس بات پر متفق ہیں کہ اس مہم کے دوران' پنجاب کے لوگوں سے کسی قسم کی بھی زیادتی نہیں کی گئی۔ متعدد سکھ سرداروں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا اور تمام مسلمان سرداروں اور زمینداروں نے لاہور میں اس کے دربار میں حاضری دی۔ اس نے قصور کے پٹھان سردار نظام الدین خاں کو ایک قابل حلیف پایا' مقامی طور پر اس کا بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا اور اس نے اپنے آپ کو' مخصوص سکھ سرداروں بشمول نوجوان رنجیت سنگھ (جو خودسری سے علیحدہ ہٹ گیا تھا) کو تنگ کرنے میں مصروف رکھا ہوا تھا۔ شاہ زمان کی اختیار کردہ حکمت عملی بہت مفید ثابت ہوئی تھی۔ پنجاب کے زیادہ تر سرداروں نے بذات خود یا غیرحاضری میں اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ ان میں نوجوان سکھ سردار رنجیت سنگھ بھی شامل تھا۔

۱۷۹۸ء کے آخری حصہ میں' شاہ محمود کے تخت پر دعویٰ کی حمایت کے خیال سے' ایران کے بادشاہ' فتح علی شاہ کے خراسان پر حملہ کی خبر' شاہ زمان تک پہنچی' جس نے جنوری ۱۷۹۹ء کے ابتدائی حصہ میں لاہور سے اس کی روانگی کو ضروری بنا دیا' اس نے اپنے جرنیل شاہنچی کو ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ پنجاب کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑا۔ جرنیل کو ہدایت کی گئی کہ وہ پنجاب میں شاہ کے مفادات پر دھیان رکھے اور یہ دیکھے کہ

سکھ شہروں میں پرامن رعایا کی طرح رہیں اور زمیندار دیہاتوں میں کسی قسم کا ضرر نہ پہنچائیں۔ اسے یہ بھی ہدایت کی گئی کہ وہ سکھوں کو مسلح جتھوں میں جمع ہونے سے روکنے کے لیے اپنے اختیار میں تمام ذرائع کو استعمال کرے اور جہاں کہیں بھی ایسی جماعتیں جمع ہونے میں کامیاب ہو جائیں انہیں بتنی جلد ممکن ہوسکے منتشر کرے۔ شاہنچی خاں نے جب یہ سنا کہ سکھوں کی ایک بہت بڑی تعداد' رنجیت سنگھ کی قیادت میں رسول نگر (اس وقت رام نگر سے مشہور تھا) کے مقام پر جمع ہوگئی ہے تو وہ فوراً اس طرف روانہ ہوا۔ رنجیت سنگھ نے' سردار ملکھا سنگھ پنڈی والا' سرائے کالا والا کے بدھ سنگھ اور رام سنگھ' جودھ سنگھ اٹاری والا اور دھرم سنگھ جلالیہ کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا' لہٰذا افغانوں اور سکھوں کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی' جو افغانوں کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ رسول نگر کا محاصرہ اٹھا لیا گیا اور شاہنچی خاں اس مقصد کے ساتھ گجرات کی طرف روانہ ہوا کہ صاحب سنگھ بھنگی کو وہاں سے نکال باہر کرے جو شاہ کی روانگی کے بعد اس ضلع میں واپس لوٹ آیا تھا اور اس نے شہر اور اس کے مضافات پر قبضہ کر لیا تھا۔ افغان جرنیل نے جہلم کے مسلمان قبائل سے الحاق کر لیا لیکن واپسی پر صاحب سنگھ کو سکھ سرداروں' جودھ سنگھ وزیر آبادی اور اٹاری کے کرم سنگھ دلو اور وزیر سنگھ کا تعاون حاصل ہوگیا۔ اس وقت شاہنچی خاں کی قیادت میں سپاہیوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ دونوں فوجوں میں زبردست جنگ شروع ہوئی' جس میں افغان کماندار کو سینے پر ایک گولی لگی اور وہ ہلاک ہوگیا۔ پٹھان اپنے کماندار کی ہلاکت پر حوصلہ ہار بیٹھے اور افراتفری کی حالت میں واپس ہوئے' لہٰذا اس کے باعث ان کی بہت زیادہ تعداد ہلاک ہوئی۔ جرنیل کی قبر کو آج بھی گجرات کے مشرق میں چار میل کے فاصلے پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اس وقت شاہ زمان ہندوستان پر ایک اور حملہ کرنے کے لیے تیاریوں میں بڑی تندہی سے مصروف ہوگیا اور پشاور آن پہنچا کیونکہ قندھار پر قبضہ نے اس کے ہوش ٹھکانے لگا دیے تھے۔ لہٰذا وہ ہندوستان کو فتح کرنے کے خیال کو ترک کر کے واپس کابل لوٹ گیا۔ یقیناً' اگر شاہ زمان' اپنے آباؤ اجداد کی سلطنت کو کھو نہ دیتا تو اپنے افغان مقبوضات پر مطمئن رہتا اور ہندوستان کی خواہش نہ کرتا' اس کے پایہ تخت سے اس کی بے موقع غیر حاضری اور میدان جنگ سے عدم موجودگی نے اس کے خلاف منصوبے تیار کرنے کے لیے اس کے مخالفوں اور دشمنوں کو موقع فراہم کر دیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے' ۱۷۹۸ء میں ہندوستان پر شاہ زمان کے چوتھے حملہ کے دوران' رنجیت

سنگھ کی بطور ایک سپاہی اور غیر معمولی صلاحیت کے منتظم' ذہانت نے سب سے پہلے درانی بادشاہ کی توجہ حاصل کی اور نہ صرف بادشاہ پر بلکہ دیگر سکھ سرداروں پر بھی تاثر قائم کیا۔
ایران میں تیار ہونے والے منصوبوں کی خبر نے افغان بادشاہ کو فوری طور پر پنجاب سے واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ دریائے جہلم کی طغیانی کے باعث' اس سے پیشتر بھی اسے اپنے توپ خانے کو دوسری طرف لے جانے میں بڑی دشواری کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس نے کابل کی طرف پیش قدمی میں تاخیر کو بہتر خیال نہ کیا۔ چنانچہ' اس نے اپنی توپوں کو چھوڑ کر جلد سے جلد اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ شاہ نے اب رنجیت سنگھ کو ایک فرمان بھیج کر مطلع کیا کہ اگر وہ اس کے توپ خانے کا خیال رکھے اور جتنی جلد ممکن ہو سکے اسے کابل روانہ کر دے تو وہ ازراہ کرم لاہور کے بارے میں اس کی خواہشات پر مناسب غور کرے گا۔
دریا میں ڈوبنے والی بارہ توپوں میں سے آٹھ کو فوری طور پر باہر نکالا گیا اور کابل روانہ کر دیا گیا۔ اس خدمت کے صلے میں رنجیت سنگھ کو کابل کے بادشاہ سے وہ سب کچھ مل گیا جس کی وہ خواہش رکھتا تھا' یعنی بادشاہ کی طرف سے پنجاب کے دارالحکومت کا عطیہ۔ اس وقت سے سکھوں کی تاریخ' ان کے عظیم مہاراجہ کی تاریخ کے ساتھ ضم ہو گئی--- باقی چار توپیں جن کو ۱۸۲۳ء میں نکالا گیا تھا' انہیں لاہور کے اسلحہ خانوں میں رکھ دیا گیا۔

صاحب سنگھ جو اب تک اپنی طاقت اور اولوالعزمی کے باعث مشہور تھا' اب ایک کاہل' عیاش اور بلانوش شخص بن گیا تھا۔ وہ مخالف سرداروں سے لڑتا جھگڑتا تھا' چنانچہ اس کی طاقت کمزور ہوتی گئی تو رنجیت سنگھ نے اس کے تمام مقبوضہ علاقوں پر قبضہ کر لیا' جن کو اس کی تشکیل کردہ نئی بادشاہت میں ضم کر دیا گیا۔ ۱۸۱۰ء میں مہاراجہ نے' صاحب سنگھ کی والدہ مائی لچھمی کی مداخلت پر اسے ایک لاکھ روپے مالیت کی جاگیر عطا کی' جو اگلے سال اس کے انتقال تک اس کے پاس رہی۔ رنجیت سنگھ نے اس وقت ملتان کو فتح کیا اور متوفی کی دو بیواؤں دیا کور اور رتن کور سے چادر اندازی کی رسم کے مطابق شادی کر لی۔ دیا کور نے پشورا سنگھ اور رتن کور نے ملتانہ سنگھ کو جنم دیا' جو عظیم مہاراجہ کے مشہور و معروف بیٹے تھے۔ گوجر سنگھ کا سب سے چھوٹا بیٹا' فتح سنگھ' کپور تحلہ چلا گیا اور آہلووالیہ سردار کے تحت ملازمت اختیار کر لی' لیکن اس کے تھوڑی دیر بعد' وہ اپنے بیٹے جے مل سنگھ کو چھوڑ کر فوت ہو گیا' جو بغیر کسی وظیفہ اور جاگیر کے رام گڑھ میں رہتا تھا' پس عظیم بھنگی مثل کا خاتمہ ہو گیا۔

۲- رام گڑھیہ مثل

اس مثل نے یہ نام، امرتسر میں واقع رام روَنی سے حاصل کیا، جسے مشہور زمانہ ٹھوکا یا ترکھان جسا سنگھ نے رام گڑھ میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس مثل کا بانی، امرتسر کے قرب و جوار میں واقع موضع گگا کا ایک جاٹ اور بیراگی بندہ کا چیلا، خوشل سنگھ تھا۔ اس نے بندہ سے پاہل حاصل کی اور اس کی موت کے بعد، ایک بدنام ڈاکو اور ایک مسلح فوج کا کماندار بن گیا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو امرتسر کے نزدیک سانگی کا نودھ سنگھ اس کا جانشین بنا۔ ایک ڈاکو کی حیثیت سے وہ اپنے پیشرو کے مقابلہ میں بہت زیادہ بدنام تھا اور اس کے پاس ہمیشہ پیروکاروں کی بہت زیادہ تعداد ہوتی تھی۔ ان میں سے سب سے زیادہ دیدہ دلیر اور سرکش تین بھائی، جسا سنگھ، ملا سنگھ (مالی سنگھ) اور تارا سنگھ تھے، وہ بھگوان گیانی کے بیٹے تھے اور ضلع لاہور میں سرسنگ موضع کے ترکھان تھے، انہوں نے اپنے پیشہ کو چھوڑ کر، اپنے رہنما نودھ سنگھ کی قیادت میں نئے پیشہ ڈاکہ زنی کو اختیار کر لیا تھا۔ جسا سنگھ نے عسکری پیشہ اختیار کیا اور بعد ازیں ایک بہادر اور سرکش جنگجو کے طور پر سکھوں میں سب سے زیادہ مشہور ہوگیا۔

جب آدینہ بیگ خاں، ابدالی بادشاہ احمد شاہ کا دشمن ہوا، تو جسا سنگھ اپنے بھائیوں کے ہمراہ، آدینہ بیگ خاں کی طرف سے لڑا۔ اس نے اس قدر دلیری کا مظاہرہ کیا کہ اس نے اسے اپنی فوج کی کمان سونپ دی، جس میں اس وقت زیادہ تر سکھ شامل تھے۔ جب آدینہ بیگ خاں، افغانوں کے شدید دباؤ کے باعث، پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا، تو جسا سنگھ، پٹھانوں کے خلاف، جے سنگھ کنہیا اور امر سنگھ کنگرا کی جنگ میں شامل ہوگیا اور اس میں اپنی شجاعت کا لوہا منوایا۔ ۱۷۵۷ء میں ہندوستان سے احمد شاہ کی روانگی کے بعد جب آدینہ بیگ خاں اپنی پہاڑی کمین گاہ سے واپس آیا تو اس نے سکھوں کا نام و نشان مٹانے کا تہیہ کر لیا، جو اب زیادہ سرکش بن گئے تھے اور مسلمانوں کے خلاف اتحاد کر لیا تھا۔ مرہٹے، جنہوں نے اس وقت، پنجاب کا صفایا کر دیا تھا، آدینہ بیگ خاں کو لاہور کا صوبیدار مقرر کیا۔ نئے صوبیدار نے، روہیلہ سردار، قطب شاہ کو مغلوب کرنے کے بعد، بٹالہ کا محاصرہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔

میر عزیز بخشی کو ایک مضبوط شہسوار دستے کے ہمراہ مانجھا علاقے کی طرف روانہ کیا گیا اور یہ احکامات دیے گئے کہ وہ سکھوں کو جہاں کہیں بھی پائیں، ان پر حملہ کر کے انہیں سزا دیں۔ میر کے ساتھ چار ہزار بیل دار سپاہی (۶) اپنے تیز اوزاروں کے ہمراہ آئے تھے، تاکہ

ان جنگلوں کو صاف کر سکیں جن میں سکھ روپوش ہوگئے تھے' چنانچہ ہزاروں سکھوں کا شکار کیا گیا اور انہیں انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ جو زیادہ مہم جو تھے' وہ فرار ہوگئے اور رام روَنی کے مٹی کے قلعہ میں پناہ حاصل کرلی۔ ان پناہ گزینوں میں نمایاں' رام گڑھیہ مثل کا سردار نودھ سنگھ' اس کے نائب' بھائی' جسا سنگھ' ملا سنگھ اور تارا سنگھ' جے سنگھ کنہیا اور امر سنگھ کنگرا تھے۔ میر عزیز بخشی' سکھوں کی امرتسر مراجعت کا سن کر ادھر روانہ ہوا اور رام روَنی کا محاصرہ کر لیا۔ سکھوں نے جب یہ دیکھا کہ میر کی فوج سے کھلے میدان میں وہ مقابلہ نہیں کر سکتے' تو انھوں نے رات کے وقت باہر نکل کر محاصرین کی فوج پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور افغانوں کو اچانک حملے سے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر واپس آ گئے۔ اس ذریعے سے وہ دشمنوں کی تعداد میں کافی کمی کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ کئی مصائب کا سامنا کرنے اور شیروں کے حوصلہ سے لڑنے کے بعد' سکھ مجبور ہوگئے کہ وہ جس طرح بھی بہتر سمجھتے ہوں فرار ہو جائیں' لہٰذا ایک رات' رام روَنی کی دیواروں کو توڑنے کے بعد (جس نے کافی عرصہ تک انہیں دشمن سے پناہ دی تھی) وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ بھاگتے ہوئے' افغانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان میں سے بہت' مسلمانوں کی تلوار کا نشانہ بن گئے۔ جو قتل ہونے سے بچ گئے انہیں ان کے ہم عصر ہم وطنوں نے' اس مقدس جگہ کے احترام میں' رام گڑھیے' کا نام دیا' جہاں انھوں نے پناہ حاصل کی تھی اور اس نے مثل کو بھی مناسب طور پر یہی نام دیا۔

۱۷۵۸ء میں آدینہ بیگ خاں کے انتقال کے بعد' سکھ پہلے کی طرح سرکش ہوگئے' اس وقت جسا سنگھ نے مثل کی کمان سنبھال لی اور کنہیا مثل کی مدد سے' دینہ نگر' بٹالہ' کلانور' سری ہرگووند پور' قادیان' گھمن اور امرتسر و گورداسپور اضلاع کے متعدد شہروں اور مقامات کا محاصرہ کر لیا' جو چھ اور دس لاکھ روپے کے درمیان آمدنی دیتے تھے۔ احمد شاہ' سکھوں کو سزا دینے کے لیے آیا اور امرتسر میں ان کے ہرمندر کو بارود سے اڑا دیا' غالباً اسی دور میں درانی بادشاہ اور سکھوں کے درمیان "گلوگھرا" جنگ لڑی گئی' جو خونریزی اور بربریت میں مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان لڑی جانے والی تمام دوسری جنگوں سے سبقت لے گئی۔

جب نودھ سنگھ کا انتقال ہوا' تو مثل کی سرداری پر جسا سنگھ اس کا جانشین بنا۔ احمد شاہ کی روانگی کے بعد' یہی جسا سنگھ اپنے بھائیوں ملا سنگھ اور تارا سنگھ اور جے سنگھ کنہیا کے ہمراہ' جنگل کی پناہ گاہ سے نکلا اور اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے دور و نزدیک کے علاقے کو تاخت و تاراج کر دیا اور قلعے تعمیر کیے اور فوجی چوکیاں قائم کیں۔ جب حاکم لاہور خواجہ

عبید نے گوجرانوالہ میں سکھوں کے قلعہ پر حملہ کیا تو رام گڑھیوں اور کنہیوں کی متحدہ فوجوں نے اس کا مقابلہ کیا اور حاکم لاہور نے جو توپیں' اسلحہ اور خزانہ پیچھے چھوڑا' اسے دونوں مثلوں کے سرداروں نے مساوی طور پر بانٹ لیا۔

اس کے ایک سال بعد' احمد شاہ دوبارہ منظرعام پر نمودار ہوا اور ستلج کو عبور کر کے روہتاس اور جنڈیالہ تک بڑھ آیا' جہاں بھی گیا' آگ اور تلوار لے کر گیا--- سکھ حسب معمول بھاگ اٹھے اور اپنے آپ کو صحراؤں اور پہاڑوں میں چھپا لیا' لیکن جیسے ہی شاہ' کابل کے لیے روانہ ہوا' تب اسی وقت' افغان حاکم خواجہ عبید کو نکال باہر کرنے کے بعد' بٹالہ اور کلانور کے مالک بن گئے اور اردگرد کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ جسا سنگھ نے رام رونی پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اس کے قریب ایک بہت بڑی گلی تعمیر کرائی۔ قنوج میں احمد شاہ کا نائب' گھمنڈ چند اور پہاڑوں کے دیگر راجپوت سردار اس کے باج گذار بن گئے' لہٰذا اب اس کے مقبوضہ علاقے پہاڑوں کی طرف بشمول' بست جالندھر کے ایک وسیع خطہ کے' ستلج اور بیاس کے درمیان تقریباً پورے علاقے پر مشتمل تھے۔

جسا سنگھ جو اب اپنی طاقت کے عروج پر تھا' اس نے بٹالہ بمعہ ملحقہ علاقہ' اپنے بھائی ملا سنگھ کو اور کلانور اپنے دوسرے بھائی تارا سنگھ کو دے دیا اور باقی اپنے پاس رکھا۔

چند علاقوں کی آمدنی کی تقسیم کے معاملہ پر' جے سنگھ کنہیا کی قیادت میں' کنہیا اور رام گڑھیہ مثل کے درمیان جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ جے سنگھ کے بیٹے گور بخش سنگھ نے بٹالہ کا محاصرہ کر لیا۔ ملا سنگھ' جس کے پاس شہر کا انتظام تھا' بہت زیادہ ظالم شخص تھا' اسی کے باعث' لوگ اسے ناپسند کرتے تھے' انہوں نے حملہ آور کنہیوں کے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انہیں اشیائے خورد و نوش اور روپیہ پیسہ فراہم کیا۔ وہ مغرور اور خودپسند تھا اور اکثر' محض تفریح کی خاطر لوگوں کو ہلاک کر دیتا تھا۔ ایک روز' زبردست طوفان باد و باراں کے دوران جب بجلی کڑک رہی تھی اس نے ان میں لاف زنی سے ایک گولی داغ دی کہ اس اثناء میں بادلوں سے ایک پتھر اس کے سر پر آ کر لگا۔ وہ واپس قلعہ کی طرف بھاگا' لیکن مشتعل ہجوم نے اسے واپس بھیج دیا' جنہوں نے محاصرین کے لیے دروازے کھول دیے تھے۔ ملا سنگھ بھاگ گیا' ضلع کے حاکموں' راجہ سنگھ اور دیوا سنگھ اور برہمن تارا چند نے شہر کا انتظام گور بخش سنگھ کے حوالے کر دیا۔ کنہیا مثل نے گور بخش سنگھ کی قیادت میں تھوڑے عرصہ بعد تارا سنگھ کو نکال باہر کرنے کے بعد کلانور پر قبضہ کر لیا اور ستلج تک پورا علاقہ رام گڑھیوں سے چھین لیا--- جسا سنگھ نے اپنی بہادری اور

مہارت کے ذریعے بٹالہ کو بازیاب کرا لیا' وہاں اس نے ایک فوجداری چوکی قائم کی اور شہر کے گرد ۳۰ فٹ اونچی اور ۲۱ فٹ چوڑی' اینٹوں کی دیوار بنائی۔ لیکن کلانور کو بازیاب کرانے کی کوشش میں ناکامی ہوئی کیونکہ حقیقت سنگھ کنہیا کے بیٹے جے مل سنگھ نے زبردست مزاحمت کی۔ رام گڑھیوں اور کنہیوں کے درمیان جنگ بغیر کسی وقفے کے جاری رہی' لہٰذا دونوں طرف سے ہزاروں افراد ہلاک ہوئے۔ سکھوں کے مسلح جتھے علاقے پر ٹوٹ پڑے اور مخالف مثلیں' ایک دوسرے کے علاقے سے مال مویشی' بھیڑیں اور بکریاں لے گئیں۔

آخرکار جے سنگھ نے جسا سنگھ کو مغلوب کر لیا اور اسے ستلج کے دوسرے کنارے پر دھکیل دیا' جہاں اس نے بے قاعدہ سواروں کی ایک بہت بڑی جماعت اکٹھی کر کے' ڈاکہ زنی کے اپنے پرانے پیشہ کو اپنا لیا۔ یہاں' اس کی مدد امر سنگھ بھنگیہ نے کی' اس نے حصار کے علاقہ میں رہائش اختیار کر کے اپنی لوٹ مار کو دہلی کی فصیل تک بڑھا دیا۔ ایک مرتبہ وہ خود دہلی میں داخل ہوگیا اور مغلیہ اسلحہ خانے سے چار توپیں لے گیا۔ میرٹھ کا نواب اس شرط پر اسے ۱۰٬۰۰۰ روپے سالانہ ادا کرنے پر رضامند ہوا کہ اس کے ضلع کو چھیڑا نہیں جائے گا۔ اس نے حاکم کو سزا دینے کے لیے' (جو ایک برہمن کی دو بیٹیوں کو زبردستی لے آیا تھا) حصار کو تاخت و تاراج کیا اور لڑکیوں کو ان کے والد کے حوالے کر دیا۔ بعد ازیں' سکرچاکیہ مثل کے ابھرتے ہوئے سردار مہا سنگھ کے درمیان جنگ چھڑ گئی' جس نے مہا سنگھ کو اس بات پر اکسایا کہ وہ ستلج کے پار کے علاقہ سے جسا سنگھ کو اپنی مدد کے لیے بلا لے۔

ایک طرف سکرچاکیوں اور رام گڑھیوں اور دوسری طرف کنہیوں کی متحدہ فوجوں کے درمیان ایک خونریز جنگ چھڑ گئی' جس کے نتیجے میں کنہیا مثل کی کمر ٹوٹ گئی۔ جے سنگھ کا بیٹا' گور بخش سنگھ' جنگ میں مارا گیا۔ جسا سنگھ کے مقبوضات کو بازیاب کرا لیا گیا' لہٰذا کئی سال تک اس نے بڑے سکون کے ساتھ' اپنی مہمات کے پھلوں کا لطف اٹھایا۔ اپنے بھائیوں ملا سنگھ اور تارا سنگھ کے انتقال کے بعد' جسا سنگھ بیاس کے کنارے ریلہ چلا گیا۔

جسا سنگھ' دو بیٹے جودھ سنگھ اور بیر سنگھ چھوڑ کر' ۱۸۱۶ء میں انتقال کر گیا' ان میں سے جودھ سنگھ اس کا جانشین بنا۔ جودھ سنگھ بے عمل شخص تھا' لہٰذا اس کے مقبوضہ علاقوں پر اس کے بہت زیادہ سرگرم اور ہوشیار چچا زاد بھائی اور تارا سنگھ کے بیٹے دیوان سنگھ نے ناجائز قبضہ کر لیا۔ جودھ سنگھ ایک بیٹا ہیرا سنگھ چھوڑ کر انتقال کر گیا' لیکن مثل کے تمام مقبوضہ علاقوں پر اب مہا سنگھ کے بیٹے رنجیت سنگھ نے قبضہ کر لیا تھا' جس نے ۱۸۰۸ء میں کانگڑا سے واپسی پر' بیر سنگھ' دیوان سنگھ اور ہیرا سنگھ کو قید کر لیا۔ مہاراجہ ریلہ کو جانے

والی سڑک کے ذریعہ، امرتسر پہنچا اور رام روَنی کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ مہاراجہ، شہروں پہ شہر فتح کرتا گیا اور ایک مختصر عرصہ میں، رام گڑھیوں کے ڈیڑھ سو قلعوں کو مسمار کر دیا۔ ایک دور کی طاقتور رام گڑھیہ مثل کے باقیات، دیوان سنگھ اور جودھ سنگھ کے لیے مناسب وظائف فراہم کیے گئے، جو دوسری مثلوں کی مانند، ختم ہو گئی اور پنجاب کے مستقبل کے مہاراجہ کی چھائی ہوئی طاقت کے سامنے گر گئی۔

۳۔ کنہیا مثل

اس مثل کا سردار، لاہور کے مشرق میں ۱۵ میل کے فاصلے پر واقع موضع کاہنہ، کا جے سنگھ تھا، جس نے مثل کو یہ نام دیا۔ گھنی کا ایک سندھو جاٹ، خوشالی، جو انتہائی غربت اور کسمپرسی کی حالت میں دن گزار رہا تھا، اس کے تین بیٹے، جے سنگھ، جھنڈا سنگھ اور سنگھا تھے، ان میں سے پہلا، امرتسر کے قریب، فیض اللہ پور کے کپور سنگھ کے پاس چلا گیا، لہٰذا اس نے اسے گورو کی پاھل میں شامل کیا۔ کپور سنگھ کو چھوڑ کر اس نے مانجھا علاقے میں کاہنہ کاچھ کے ایک ڈاکو، امر سنگھ کیگرا سے شمولیت اختیار کر لی، جس کے بے شمار ساتھی تھے۔ اس کے ساتھیوں میں زیادہ دیدہ دلیر، اس کا بھائی جے سنگھ، جھنڈا سنگھ، امر سنگھ بھگا اور حقیقت سنگھ تھے۔ یہ اس فن کے لیے (جس کے ذریعے اپنی لوٹ مار کی کارروائیاں کرتے تھے) اور لوٹ مار کی مقدار کے لیے مشہور تھے۔ وہ امرتسر کی سڑک پر واقع بیگ وال کے نزدیک گھنے ڈھاک جنگلوں میں آباد ہو گئے تھے۔ ان ڈاکوؤں کے آگے نہ جان اور نہ ہی مال محفوظ تھا، جنہوں نے پہاڑوں کی وادی سے لاہور کے ملحقہ علاقے تک پورے علاقے کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ ۱۷۶۳ء میں احمد شاہ، کی پنجاب سے رخصتی کے بعد، ان غارت گروں نے قصور پر حملہ کیا اور ایک ماہ کے محاصرے کے بعد، شہر پر قبضہ کر لیا اور جتنے جواہرات، چاندی، سونے، شالوں اور قالینوں پر ہاتھ ڈال سکتے تھے، اپنے ساتھ لے گئے۔ جے سنگھ، جو اب مثل کا سردار بن گیا تھا، رام گڑھیہ مثل کے جسا سنگھ ترکھان کے ساتھ مل گیا۔ اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے، ان کی متحدہ افواج نے ابدالی بادشاہ احمد شاہ کی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ تب اس نے امرتسر شہر میں ایک وسیع و عریض کٹڑا تعمیر کر کے اسے آراستہ کیا۔

جے سنگھ نے چڑت سنگھ سکرچاکیہ کی مدد سے جھنڈا سنگھ بھنگی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، جموں کی سرداری کے دعویدار کی حمایت سے، اس کے مفادات بھنگی مثل کے خلاف

تھے۔ جب اس کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوگیا کہ اس کے طاقتور حریف جھنڈا سنگھ کو راہ سے ہٹا دیا گیا ہے تو وہ دوسرے جسا سنگھ رام گڑھیہ کو نکال باہر کرنے کے لیے جسا سنگھ آہلووالیہ کے ساتھ ایک معاہدے میں شریک ہوگیا۔ موخرالذکر سردار کو آخرکار' ہریانہ کے جنگلات میں دھکیل دیا گیا جہاں وہ ایک ڈاکو کی زندگی بسر کرنے لگا۔

تب جے سنگھ' سرہند کی طرف بڑھا اور علاقے کو تاخت و تاراج کر دیا' وہ سرہند کی عظیم جنگ میں بھی موجود تھا' جس میں زین خاں کو شکست دے کر قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد' اس نے پہاڑوں کی وادی میں واقع گیروٹا پر حملہ کیا اور ایک گھمسان کی جنگ کے بعد' اس مقام کے سردار' ایزد بخش کو اطاعت پر مجبور کیا۔ تب وہ ایک فوج کو حاجی پور لے کر گیا' جس کو اس نے اپنے مقبوضہ علاقوں میں شامل کیا اور نورپور' داتر پور اور سائی پاہ کے پہاڑی سرداروں کو اپنا باج گذار بنایا۔ اس کے بعد اس نے کیریا کو فتح کیا' وہاں مسلمان اعوانوں نے اس کا ڈٹ کا مقابلہ کیا' لیکن زبردست کشت و خون کے بعد' اس کی بالادستی کو تسلیم کر لیا' سکھوں نے کیریا میں لوٹ مار مچا دی اور شہریوں کو انتہائی بے دردی سے تہ تیغ کر دیا۔

کانگڑا کا قلعدار' نواب سیف علی خاں' زوال پذیر مغلوں کے پہاڑوں میں ایک برائے نام نائب تھا۔ اس نے دہلی تخت کی اطاعت میں رہنے کی تدبیر کی اور اس کے مقبوضہ علاقوں پر گھمنڈ چند کا پوتا' قنوج کا لالچی سردار سنسر چند نظر جمائے ہوئے تھا۔ اس سردار نے کئی مرتبہ کانگڑا کے مشہور و معروف قلعہ پر' طاقتور فوج کے ساتھ حملہ کیا' لیکن ہمیشہ اسے پسپا کر دیا گیا۔ کنہیا سردار' جے سنگھ کی دلیرانہ کارروائیوں اور اس کے عزم و حوصلہ کے بارے میں سننے پر اسے یہ ترغیب ملی کہ وہ شاہی قلعہ کو تسخیر کرنے کے لیے اسی سردار کی مدد حاصل کرے۔ جے سنگھ بے شمار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج کے ساتھ کانگڑا کی طرف روانہ ہوا' لہٰذا قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ بوڑھا مسلمان حاکم' ۱۷۷۴ء میں طبعی موت سے انتقال کر گیا اور اس نے فاتحین کے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو ختم کر دیا۔ جے سنگھ نے مرحوم نواب کے بیٹے جیون خاں کو رشوت کا لالچ دیا کہ وہ قلعہ خالی کر دے اور سکھ فوج کو اندر داخل ہونے کی اجازت دے دے۔ جے سنگھ نے اس انعام کو اپنے پاس رکھا' اس سے قنوج کے سردار کو بڑی مایوسی ہوئی' اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوگیا' لیکن سوائے اطاعت کے اسے کوئی متبادل راستہ دکھائی نہ دیا۔ چنانچہ اپنے نئے اور قیمتی قبضہ سے مستحکم ہو کر جے سنگھ نے اردگرد کے راجاؤں اور ٹھاکروں کے علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کر

لیا، جو ڈاکو ترکھان، سردار جسا سنگھ رام گڑھیہ کو خراج ادا کرتے تھے۔ جے سنگھ، اب دیگر مثلداروں، جسا سنگھ آہلووالیہ، تارا سنگھ، گیبہ اور خوشل سنگھ فیض اللہ پوریہ کی مدد سے، قصور کی پٹھان آبادی کی طرف روانہ ہوا، جس کا مسلمان سردار الف خاں کمزور دفاع کر رہا تھا۔ پٹھانوں نے اپنے مکانوں اور قلعہ بندیوں میں اپنا دفاع کیا، لیکن الف خاں، دفاعی حالت میں رہنے کے بجائے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ، محاصرین کی فوج پر آن پڑا، لیکن اس کا نتیجہ پٹھانوں کے لیے اس قدر تباہ کن ثابت ہوا کہ ان کی بہت بڑی تعداد ماری گئی اور باقی ماندہ بھاگ اٹھے۔ سکھوں نے ان کا تعاقب کیا اور شہر میں داخل ہو کر اس میں لوٹ مار مچا دی۔ غارت گری، انتہائی شدت کے ساتھ کئی روز تک جاری رہی اور ہر قسم کی دولت (جس کا پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے) اپنے ساتھ لے گئے۔ شہر کو تباہ کر دیا گیا اور قلعہ پر قبضہ کر کے اسے مثلوں کے سرداروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ تاہم، نظام الدین خاں نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور پٹھان اس وقت تک اس پر قابض رہے جب تک آخر میں رنجیت سنگھ نے انہیں نکال نہیں دیا۔

جے سنگھ کا نائب، حقیقت سنگھ، کلانور میں انتقال کر گیا، لہٰذا اس کے بیٹے جے مل سنگھ نے مہتاب سنگھ کے بیٹے فتح سنگھ کے ساتھ لڑائی مول لے لی۔ دونوں طرف سے زبردست جنگ کے بعد، جے مل سنگھ نے فتح سنگھ کو قیدی بنا لیا، لیکن فتح سنگھ کی بیوی نے ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے، جے مل پر حملہ کر دیا اور اپنے خاوند کو رہا کرا لیا۔ فتح سنگھ اس کے تھوڑے عرصہ بعد فوت ہو گیا، لہٰذا اس کی موت سے، جے مل سنگھ کا کلانور پر بلاشرکت غیرے قبضہ ہو گیا، اس نے اس کو خوب ترقی دی۔ اس نے ایک طویل عرصہ تک کلانور پر حکومت کی اور اپنے والد کے برعکس (جس کی حکومت میں ملک تقریباً ویران ہو گیا تھا) ہندو اور مسلمان دونوں اس سے محبت کرتے تھے۔ اس نے اپنی بیٹی چندکور کی شادی، رنجیت سنگھ کے سب سے بڑے بیٹے کھڑک سنگھ سے کر دی۔ فتح گڑھ شہر میں شادی کی رسومات نہایت دھوم دھام اور شان و شوکت سے ادا کی گئیں۔

پنجاب میں جے سنگھ کی غیر معمولی طاقت

جے سنگھ نے اب کوٹ کانگڑا پر قبضہ کر لیا اور پہاڑی راجاؤں سے خراج وصول کرنے لگا۔ اس نے جسا سنگھ رام گڑھیہ کو ستلج کے پار بھیج دیا، لہٰذا پنجاب میں اس کو مکمل غلبہ حاصل ہو گیا۔ اس نے چڑت سنگھ کے نوجوان بیٹے مہا سنگھ کو اپنی نگرانی میں لے لیا اور دریائے چناب پر واقع رسول نگر کو مسلمان خاندان سے چھیننے کے لیے لالچی سردار کی مدد

کی۔ مہا سنگھ نے اپنے پاؤں جما کر جے سنگھ کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا اور سیاست کو مطالعہ کا خاص موضوع بنا لیا۔ اس نے جموں میں لوٹ مار کی اور اس سے اپنے آپ کو صاحب ثروت کر کے ہمسایہ پہاڑی اضلاع میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا۔ اب اس کا اپنے سرپرست، جے سنگھ سے جھگڑا پیدا ہوگیا، جس نے لوٹ مار کے منصوبوں میں کامیابی کے لیے نوجوان سردار کے لیے راستہ ہموار کرنے کے صلہ میں جموں سے حاصل کردہ لوٹ مار کے سامان میں ایک حصہ کا دعویٰ کیا تھا۔ اس نے جسا سنگھ رام گڑھیہ کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا، اس نے بڑی خوشی سے ستلج کے اس طرف اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو بازیاب کرانے کا موقع حاصل کر لیا۔ گھمنڈ چند کے پوتے سنسر چند (جس کو کوٹ کانگڑا کے معاملہ میں جے سنگھ کے ہاتھوں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا) کا تعاون بڑی آسانی سے حاصل کر لیا گیا۔ دریں اثناء، بٹالہ کی مسلمان رعایا کو جے سنگھ کی حکومت میں مصیبتوں اور ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا، اس نے ان پر جبر و ستم کیا اور متعدد سرکردہ مسلمانوں کے مکانات کو نذر آتش کر دیا۔ باقی ماندہ میں، غلام غوث کو قید کر لیا گیا، لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا، لیکن جب وہ کابل جاتے ہوئے ابھی راستہ میں تھا کہ مہا سنگھ اسے واپس لے آیا اور بٹالہ میں از سرنو آباد کرنے کا وعدہ کیا۔ جے سنگھ نے گوربخش سنگھ دوبیہ کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا اور جسا سنگھ کو پنجاب میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے اسے ایک فوج کے ساتھ ستلج کی طرف روانہ کیا۔ گوربخش سنگھ نے ستلج کو پار کیا اور پٹیالہ کے قریب اس کی مڈبھیڑ جسا سنگھ کے ساتھ ہوئی، جس میں جسا سنگھ فاتح رہا۔ گوربخش سنگھ جنگ میں مارا گیا اور اس کی فوج کو شکست ہوئی۔ امرتسر کی فصیل کے باہر اپنے حلیفوں کی مدد کے ساتھ کنہیوں اور مہا سنگھ کے درمیان متعدد جھڑپیں ہوئیں، لیکن ان کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ آخر کار متحدہ فوجوں کا آمنا سامنا بٹالہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر "اچل" کے مقام پر دشمن سے ہوا، لہٰذا ان کے اور جے سنگھ کے بیٹے گوربخش سنگھ کی قیادت میں کنہیوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ گوربخش سنگھ نے اس لڑائی میں بہادری کے اعلیٰ جوہر دکھائے، لیکن برتر تعداد کے سامنے اس کی فوج پسپا ہوگئی، لہٰذا مہا سنگھ اور جسا سنگھ نے میدان جیت لیا۔ سینے میں ایک تیر کے زخم کے باعث گوربخش سنگھ کی ہلاکت سے اس کے ساتھی حوصلہ ہار گئے اور ہر طرف بھاگ نکلے۔ جے سنگھ نے جب دیکھا کہ اس کا دلیر بیٹا اپنے دشمنوں سے دست بدست لڑائی کے بعد جنگ میں مارا گیا ہے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اپنے ترکش کو تیروں سے خالی کر دیا اور گھوڑے سے نیچے اتر کر اپنے آپ کو دشمن کے نشانہ کے

سامنے کر دیا۔ اس عمر رسیدہ آزمودہ کار شخص کا اتنا احترام تھا کہ غم کی حالت میں کسی کو بھی اس تک پہنچنے کی جرأت نہیں ہوئی اور تمام لوگ خاموشی سے چلے گئے۔ فاتح فوج اس کے بعد "ریارکی" کی طرف بڑھی اور اس پر قبضہ کر لیا۔

چنانچہ بوڑھا سردار جے سنگھ اپنے دوہرے غم' یعنی شکست فاش اور اپنے بہادر بیٹے کے کھو جانے سے کمزور ہوگیا۔ اس نے بٹالہ شہر کے شمال میں اپنے بیٹے کی قبر پر ایک یادگار تعمیر کرائی۔ بٹالہ کے ہاتھ سے نکل جانے کو کنہیا مثل کے زوال کا آغاز کہا جا سکتا ہے۔ رام گڑھیوں کے شدید دباؤ کے باعث جے سنگھ' جے مل سنگھ اور تارا سنگھ کے ہمراہ پٹھانکوٹ کی طرف چلا گیا۔ اس کی بہو گوربخش سنگھ کی بیوہ سداکور' جو پیچھے رہ گئی تھی' دشمن کے ڈر کے باعث ننگے پاؤں فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی اور سائیاں چلی گئی۔ شہر پر جسا سنگھ رام گڑھیہ نے قبضہ کر لیا اور اپنے قائم مقام باغ سنگھ اور حقیقت سنگھ کو اس کا انتظام سونپ کر جے سنگھ کے کوتوال دھرم سنگھ کو باہر نکال دیا۔ وہ دیوار پھلانگ کر بڑی مشکل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ رام گڑھیہ سردار جسا سنگھ نے اس کے علاقے اسے واپس دے دیے۔

کانگڑا ابھی تک جے سنگھ کا باج گذار تھا اور چونکہ سنسر چند ہر وقت اس کے قبضے کے لیے بے قرار رہتا تھا' لہٰذا اس نے اس پرخواہش علاقے کو حاصل کرنے کے لیے اول الذکر سردار کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ چنانچہ وہ حاجی پور پر حملہ آور ہوا اور بشمول کیریا' پہاڑوں اور شہر کے درمیان پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ کنہیا سردار کی ایک کنیز دسر نے بڑی بہادری سے اٹل گڑھ کے قلعہ کا دفاع کیا۔ اس نے چار ماہ تک بڑی کامیابی سے دشمن کے حملوں کو پسپا کر دیا۔ سنسر چند اور جے سنگھ کے درمیان تین سال تک جنگ جاری رہی کہ گوربخش سنگھ کی بیوہ سداکور' جو ایک ہوشیار اور عالی ہمت خاتون تھی' اس نے اب ابھرتے ہوئے سکرچاکیہ سردار کا اتحاد حاصل کرنے کے لیے شادی کے بندھن کا ایک منصوبہ تیار کیا۔ چنانچہ' اس نے اپنی بیٹی مہتاب کور کی نسبت سکرچاکیہ مثل کے سردار مہا سنگھ کے بیٹے رنجیت سنگھ سے طے کر دی۔ وہ جوالا مکھی کی طرف روانہ ہوئی اور اس کے اور مہا سنگھ کی بیوی راج کور کے درمیان بات چیت طے ہوگئی۔ تاہم سنسر چند نے بڑے اشتیاق اور ضد کے ساتھ کوٹ کانگڑا کا مطالبہ کیا' لہٰذا اس مسئلے کو ثالثی کے ذریعے حل کیا گیا۔ آخرکار فیصلہ یہ ہوا کہ جے سنگھ کوٹ کانگڑا چھوڑ دے اور سنسر چند اپنی طرف سے حاجی پور اور کیریا خالی کر دے۔ مزید اس پر بھی اتفاق رائے ہوگیا کہ رام گڑھیہ اور

کنھیا مثل کے درمیان جنگ کی صورت میں قنوج کا سردار کنہیوں کا ساتھ دے گا۔

جے سنگھ کے ساتھ اب مہا سنگھ' سنسر چند اور نور پور و چمبہ کے راجہ بھی شامل ہوگئے تھے' لہٰذا اس نے بٹالہ کے خلاف پیش قدمی کی اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ تاہم جسا سنگھ نے شہریوں کی مدد سے (جے سنگھ نے جن پر بہت ظلم و ستم کیا تھا) شہر میں اپنے مورچہ کو بہت مضبوط بنا لیا تھا۔ اس جگہ پر قبضہ کرنے کے لیے محاصرین کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں۔ اکیس روز کی جنگ کے بعد محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ لہٰذا جسا سنگھ بٹالہ اور اس کے مضافاتی علاقہ پر بلاشرکت غیرے قابض رہا۔

مہا سنگھ ۱۷۹۲ء میں موضع ڈھیری وال میں انتقال کرگیا۔ اس کے پرانے دوست جے سنگھ نے اس کی موت کا بہت افسوس کیا۔ اس نے اس کے چار سال بعد اپنی پوتی مہتاب کور کی شادی متوفی کے بیٹے رنجیت سنگھ سے کر دی۔ شادی کی رسومات بٹالہ میں مہا سنگھ اور جے سنگھ کے ناموں کے شایان شان (جو بالترتیب سکرچاکیہ اور کنہیا مثل کے سردار تھے) بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے منائی گئی۔ نیز رنجیت سنگھ چونکہ اس وقت بالکل نوجوان تھا' لہٰذا وہ مکمل طور پر اپنی زیرک اور چالاک ساس کے زیر اثر تھا۔

جے سنگھ' دو بیٹے ندھن سنگھ اور باغ سنگھ چھوڑ کر کچھ عرصہ بعد ۱۷۹۸ء میں فوت ہوگیا۔ وہ دونوں اپنے آنجہانی باپ کی چھوڑی ہوئی مثل پر حکومت کرنے کے قابل نہیں تھے۔ وہ اپنی والدہ راج کور کے ہمراہ حاجی پور اور سائیاں چلے گئے' جبکہ مہتاب کور نے مثل کا انتظام سنبھالا اور بٹالہ میں رہائش اختیار کرلی۔ وہاں اس نے شہر کی فصیل کے باہر ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کرایا۔ تب اپنی فوج جمع کر کے اس نے جسا سنگھ رام گڑھیہ سے لڑائی کی۔ ۱۸۰۰ء میں مہتاب کور کے انتقال پر کنہیا مثل کے علاقوں پر رنجیت سنگھ کا قبضہ ہوگیا۔ سب سے پہلے اس نے آدینہ نگر پر قبضہ کیا جو اس وقت گنڈا سنگھ کے بیٹے گلاب سنگھ کے قبضہ میں تھا' جسے اس نے ایک گاؤں جاگیر کے طور پر دیا۔ تب بجن پور' کنہیا مثل کے اصل بانیوں میں سے ایک' امر سنگھ کے بیٹے بدھ سنگھ کے قبضہ میں تھا۔ اسے اس نے دھرم کوٹ جاگیر کے طور پر عطا کیا۔ اس کے بعد جے سنگھ کی بیوہ سے حاجی پور کو چھین لیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جے سنگھ کے زندہ بچ جانے والے بیٹے ندھن سنگھ اور باغ سنگھ کا بھی انتقال ہوگیا' لہٰذا اب کنہیا مثل کا کوئی جائز وارث باقی نہ رہا۔

۱۸۱۱ء میں رنجیت سنگھ' مثل کے باقیات کو تسخیر کرنے بٹالہ گیا اور شمشیر خاں کے تالاب پر خیمہ زن ہوگیا۔ اس نے کمیریا پر قبضہ کیا اور لاہور واپس آنے پر اپنی ساس

سداکور کو قید میں ڈال دیا۔ کنہیا مثل کے تمام زمینداروں کو اپنے پاس بلا کر اس نے مثل کے خاتمے کا اعلان کر دیا' جو آخر کار اس کی اپنی حکومت میں ضم ہوگئی۔ چنانچہ کنہیا حکومت کے بڑے قلعے بٹالہ پر قبضہ کرنے کے بعد عزیز الدین کے بیٹے شاہ دین کو اس جگہ پر مہاراجہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔

۴۔ ناکائی مثل

اس مثل کا سرکردہ سردار سندھو گوت یا قبیلے کے ایک جاٹ چودھری ہیم راج کا بیٹا ہیرا سنگھ تھا اور وہ پرگنہ فرید آباد (جو اب ضلع لاہور کی تحصیل چونیاں میں شامل ہے) موضع بھروال کا رہنے والا تھا۔ یہ علاقہ نکہ کہلاتا تھا اور لاہور کے جنوب مغرب میں ملتان کی سرحد کے ساتھ لگتا تھا۔ تب سے مثل کو ناکئی کا نام دیا گیا۔ ہیرا سنگھ انتہائی نچ بدمعاشوں کی صحبت میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ بھوک افلاس نے اسے اس حد تک اذیت دی کہ وہ اور اس کا خاندان اکثر بھوک برداشت کرتے اور ضروریات زندگی سے محروم رہتے تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ سکھ' لوگوں کے لیے دہشت بن گئے ہیں اور نانک کے دین کو اختیار کرنے سے دنیاوی شان و شوکت اور شہرت حاصل ہوتی ہے' اس نے گورو کی پاھل میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس کے عزیز رشتہ داروں اور دوستوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ دوسرے سرداروں کی طرح اس میں بھی دوسرے لوگوں کی جائیداد کا لالچ کرنے کی کمزوری موجود تھی' جس نے اسے ایک بدنام ڈاکو بنا دیا۔ ڈاکہ زنی کی چھوٹی موٹی کارروائیاں اس رہزن کی حریص بھوک کو مطمئن نہیں کر سکتی تھیں۔ اس ڈاکو کے حریص پیٹ کے لیے زیادہ لذیذ اور اشتہا انگیز دعوت کی ضرورت تھی۔ اس کی ادنیٰ ڈاکہ زنی کی کارروائیوں کے باعث ہر روز شہسواروں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگی۔ ان کی مدد سے وہ کثیر علاقے کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ جن دیہاتوں سے گزرتا یا مطیع کرتا' ان سے خراج وصول کرتا اور ان سے رشوت وصول کرتا' جس نے اس کی دولت اور اثر و رسوخ میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ اس کے پاس شکایات لائی گئیں کہ پاک پتن میں مسلمان بزرگ حضرت بابا فرید شکر گنج" کی مشہور درگاہ کے سجادہ نشین' شیخ سبحان کے تحت علاقہ میں گائے ذبح کرنے کا دستور موجود ہے' تو اس نے اس کی جاگیر پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے وہ پاک پتن روانہ ہوا' جہاں پر درگاہ کے سجادہ نشین شیخ کی قیادت میں مسلمانوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں ہیرا سنگھ کے سر میں گولی

لگنے سے اس کی غارت گر زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ سکھ زبردست نقصان کے ساتھ منتشر ہوگئے اور واپس بھروال لوٹ آئے۔ شیخ سبحان نے ۴ ہزار سواروں کے ہمراہ ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کی بہت بڑی تعداد کو ہلاک کیا۔ ہیرا سنگھ کے انتقال پر چونکہ اس کا بیٹا دل سنگھ کمسن تھا' لہٰذا نتھا سنگھ کا بیٹا' اس کا بھتیجا ناہر سنگھ مثل کا سردار بن گیا۔ ناہر سنگھ ۹ ماہ تک سرداری کی مسند پر بیٹھا' لیکن ۱۷۶۸ء میں کوٹ کمالیہ کی ایک لڑائی میں مارا گیا اور اس کا چھوٹا بھائی رن سنگھ اس کا جانشین بنا۔

رن سنگھ ایک طاقتور سردار بن گیا۔ اس کے زیر انتظام علاقے کی آمدنی نو لاکھ روپے سالانہ تھی اور وہ' چونیاں' قصور کے کچھ حصہ' شرتپور' گوجرہ اور ایک وقت میں کوٹ کمالیہ پر بھی مشتمل تھا۔ یہ مثل میدان جنگ میں خدمات کے لیے شتر زنبورکوں اور چند ایک توپوں کے علاوہ دو ہزار شہ سوار جمع کر سکتی تھی۔ اس نے سید والا کے کمار سنگھ سے جنگ کرکے اسے مغلوب کیا اور ۱۷۸۱ء میں انتقال کر گیا۔

رن سنگھ کے بعد اس کا بڑا بیٹا بھگوان سنگھ جانشین بنا' جس نے اپنی بہن مسمات راج کور کی شادی مہا سنگھ سکرچاکیہ کے بیٹے رنجیت سنگھ سے کر دی تھی۔ کمار سنگھ کے بھائی وزیر سنگھ نے سید والا کو بھگوان سنگھ سے بازیاب کرا لیا' جو خود ایک جنگ میں مارا گیا اور اس کا بھائی گیان سنگھ اس کا جانشین بنا۔ سردار ہیرا سنگھ کے بیٹے دل سنگھ نے بھگوان سنگھ کی موت کا بدلہ لیا۔ اس نے وزیر سنگھ کو ہلاک کر دیا' لیکن بعد میں اسے بھروال کے مقام پر وزیر سنگھ کے ایک نوکر نے قتل کر دیا' جس نے اپنے مالک کا انتقام لینے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ گیان سنگھ ایک بیٹا کاہن سنگھ چھوڑ کر ۱۸۰۷ء میں انتقال کر گیا۔ آخرکار رنجیت سنگھ نے برسراقتدار آنے کے بعد نکئی مثل کو مغلوب کیا اور خاندان کی تمام املاک پر قبضہ جما لیا۔ بھروال کے نواح میں خاندان کے نمائندے کاہن سنگھ کو ۱۵ ہزار روپے سالانہ کی جاگیر دی گئی۔ کاہن سنگھ حال ہی میں لاہور میں انتہائی ضعیف العمری میں فوت ہوا ہے۔

۵۔ آہلووالیہ مثل

اس مثل نے یہ نام لاہور کے مشرق میں پانچ کوس کے فاصلے پر واقع موضع آہلو سے حاصل کیا۔ اس کی بنیاد ایک جاٹ سداؤ سنگھ کلال یا آبکار نے رکھی۔ اس کے چار بیٹے تھے' گوپال سنگھ' ہمو' اسکندر اور چاکا۔ اور ان کے بارے میں صرف اس چیز کا پتہ ہے کہ تینوں چھوٹے بھائی لاہور میں رہتے تھے' جہاں چاکا نے جو گلی تعمیر کرائی تھی' ابھی تک موجود

ہے۔ بڑے لڑکے گوپال سنگھ کا ایک بیٹا تھا دیوا سنگھ' جس کے تین بیٹے' گوربخش سنگھ' صدر سنگھ اور بدر سنگھ تھے۔ بدر سنگھ نے تلسی کے ایک کلال بھاگ سنگھ یا بھاگو کی بہن سے شادی کی۔ یہ شخص بھاگو (جیسا کہ اسے اصل میں پکارا جاتا تھا) بڑے دگرگوں حالات میں زندگی بسر کرتا تھا' لہٰذا اس نے اپنے کاروبار کو آہلو سے ختم کیا اور موجودہ موضع گنج کے قریب لاہور کے نواح میں محلہ ٹل پورہ میں آباد ہوگیا۔ یہاں جب اسے کوئی فائدہ نظر نہ آیا تو فیض اللہ پور چلا گیا اور وہاں فیض اللہ پور مثل کے سردار کپور سنگھ نے اسے گورو کی پاہل میں شامل کیا اور اس کا نام بھاگو سے تبدیل کر کے بھاگ سنگھ رکھا۔ بھاگ سنگھ جلد ہی مشہور آدمی بن گیا۔ پنجاب میں ان دنوں ڈاکوؤں اور گلا کاٹنے والوں کی کمی نہیں تھی اور نہ ہی وہ بھاگو میں ان خصوصیات کو پہچاننے میں ست تھے' جو اسے ان راہزنوں کا سردار بننے میں مناسب شخص قرار دیتی تھیں۔ وہ تمام لوگ جو اپنے آپ کو اپنے ہمسائیوں کے خرچ سے مالا مال کرنا چاہتے تھے' اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے اور اس کے ساتھ تمام اطراف میں علاقے کو تاخت و تاراج کرتے تھے۔

بھاگ سنگھ' کپور سنگھ کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا اور اس کی خواہشات کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ بدر سنگھ نے بھاگ سنگھ کی بہن سے شادی کر لی' جس کے بطن سے ۱۷۱۸ء میں اس کا بیٹا جسا سنگھ پیدا ہوا۔ جب لڑکے کی عمر پانچ برس ہوئی تو بدر سنگھ کا انتقال ہوگیا۔ تب بیوہ' لڑکے کو گورو گووند کی بیوہ مائی سندری کے پاس لے گئی۔ جسا سنگھ کی پیدائش سے قبل ہی گورو کا انتقال ہوگیا تھا' لہٰذا مائی نے ننھے لڑکے کو دعا دی اور اسے ایک نقرئی نیزہ پیش کر کے پیشین گوئی کی کہ وہ ایک عظیم آدمی ہوگا اور یہ کہ اس کی اولاد اور اس کے لیے نیزہ بردار خدمت پر مامور ہوں گے۔ ماں اور بچہ جالندھر میں بھاگ سنگھ کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب کپور سنگھ' بھاگ سنگھ کے گھر گیا تو اسے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ بھاگ سنگھ کی بیوہ بہن اپنے لمبے بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ رباب بجا کر گورو کی تعریف میں بھجن گا رہی ہے۔ اس کا خوبصورت ننھا بیٹا جسا سنگھ اس کے پاس کھیل رہا ہے۔ کپور سنگھ نے مذہب کے لیے اس کی وارفتگی کے لیے اس کو دعا دی اور کہا کہ وہ چھوٹے لڑکے کو اسے دے دے' جس کے نقوش ایک درخشندہ مستقبل کا پتہ دیتے ہیں۔ ماں نے سکھ سردار کی خواہشات کو تسلیم کرتے ہوئے بچے کو اس کے حوالے کر دیا' لہٰذا اس وقت سے کپور سنگھ' جسا سنگھ کے ساتھ اپنے سگے بیٹے کی طرح برتاؤ کرنے لگا۔ جب وہ جوان ہوا تو کپور سنگھ نے اسے اعلیٰ منصب عطا کیا اور اس نے اس سردار کے تحت اس قدر

جوہر دکھائے کہ وہ جلد ہی اسے ایک سیاسی رہنما سمجھنے لگا۔ وہ اپنے ماموں بھاگ سنگھ کے کاروبار کا انتظام بھی کرتا تھا' تاہم وہ کچھ عرصہ بعد ہریانہ میں شاہی فوج کے ساتھ ایک لڑائی میں مارا گیا تھا۔

بھاگ سنگھ چونکہ بے اولاد فوت ہوا تھا' لہٰذا مثل کی سرداری اس کے بھانجے جسا سنگھ کو عطا کی گئی' کیونکہ وہ واحد شخص تھا جو مثل کے سردار کی حیثیت سے موزوں نظر آتا تھا۔ جسا سنگھ چونکہ ایک اولوالعزم اور عسکری صلاحیتوں کے علم کا حامل شخص تھا' لہٰذا اسے جلد ہی بہت زیادہ شہرت حاصل ہوگئی۔ اس کی سیاسی صلاحیتوں' مذہبی جوش و خروش اور بلند خواہشات کے امتزاج نے اسے پنجاب کے انتہائی طاقتور وفاقی سرداروں میں سے ایک بنا دیا۔ سکھ اپنے مذہبی پیشوا کی حیثیت سے اس کا احترام کرتے تھے۔ وقت کے سرکردہ سرداروں میں سے بہت نے اس سے پاہل وصول کی۔ ان میں پٹیالہ کے سردار علا سنگھ کا جانشین اور بیٹا امر سنگھ بھی تھا۔ وہ جیسلمیر کے راجپوتوں کی نسل سے ہونے کا دعویٰ کرتا تھا (اگرچہ اسے ایک کلال کہا جاتا تھا) وہ کپور تھلہ کے حکمران خاندان کا بانی بن گیا' جو آج بھی آہلووالیہ کے خطاب سے مشہور ہے۔ اپنے پیشرو کی طرح وہ بھی فضل پوریہ سردار کی املاک کا بہت احترام کرتا تھا اور اس کی کئی مہمات میں اس کے ساتھ شامل ہوا۔

نادر شاہ کے حملہ کے وقت جسا سنگھ بھاگ گیا اور دیگر سکھ سرداروں کے ساتھ ضلع فیروزپور میں مکتی سر میں پناہ لی۔ لیکن شاہ کی واپسی پر وہ دوبارہ نمودار ہوا اور راوی کے کنارے ڈلیوال کا قلعہ تعمیر کرایا' جہاں اس نے اپنا صدر مقام قائم کیا۔ ۱۷۴۳ء میں اس نے سواروں کی ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ نواب زکریا خاں المعروف خان بہادر پسر نواب عبدالصمد خاں کے نائب دیوان لکھپت رائے پر حملہ کیا' جو خزانے کو ایمن آباد سے لاہور لے جا رہا تھا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور خزانہ اپنے ساتھ لے گیا۔ لاہور کے صوبیدار نے بست جالندھر کے حاکم آدینہ بیگ خاں کو حکم دیا کہ وہ سکھوں کو سزا دے۔ اس پر جسا سنگھ ستلج کی طرف بھاگ گیا' لیکن سکھوں کو زبردست کشت و خون کے ساتھ شکست دی گئی اور ان میں سے سینکڑوں کو روزانہ پابہ زنجیر کر کے لاہور لایا جاتا اور نخاس خانہ یا گھوڑ منڈی (جو اب لاہور کے لنڈا بازار میں شہید گنج کے طور پر مشہور ہے) میں ان کے سر کاٹ دیے جاتے۔ جب اس ظلم و ستم کا خاتمہ ہوگیا تو جسا سنگھ دریائے ستلج کے کنارے نمودار ہوا' جہاں اس نے ایک وسیع و عریض علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اسی دور میں بھنگی سرداروں' ہری سنگھ اور جھنڈا سنگھ نے اپنی غارت گری اور ڈاکہ زنی سے اس علاقے

کو تہہ و بالا کر دیا۔ لاہور کے صوبیدار نے دربار کے ایک افسر لچھی نارائن کو ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ سکھوں کو سزا دینے کے لیے روانہ کیا' لہٰذا ۱۷۴۵ء میں انہیں زبردست نقصان کے ساتھ دوبارہ شکست دی گئی۔ جسا سنگھ نے چناب کے شمال میں واقع پہاڑوں میں پناہ لی۔ اسی سال زکریا خاں کا انتقال ہوگیا اور اس کے دو سال بعد جسا سنگھ نے دیگر سرداروں کی مدد سے قصور پر حملہ کر دیا' لیکن احمد شاہ درانی کی پیش قدمی نے ان کی توجہ ہٹا دی' جس نے سرہند کے قریب سکھوں کو شکست فاش دی۔

احمد شاہ کو پنجاب کی سرحد سے رخصت ہوئے ابھی بمشکل تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ جسا سنگھ نے حاکم لاہور میر منو المعروف نواب معین الملک کے نائب راجہ گوردیت مل پر ہوشیار پور کے قریب حملہ کیا لیکن اسے پسپا کر دیا گیا۔ تب وہ امرتسر میں داخل ہوا اور حاکم صلابت خاں کو قتل کر کے ضلع کے ایک بہت بڑے حصے پر قابض ہوگیا۔ ۱۷۴۹ء میں جسا سنگھ نے شاہنواز خاں (جسے بادشاہ دہلی نے حاکم ملتان مقرر کیا تھا) کو نکال باہر کرنے کے لیے میر منو کے دیوان کوڑا مل کی مدد کی۔ ملتان کے قریب شاہنواز خاں اور دیوان کی فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی' جس میں شاہنواز خاں مارا گیا اور اس کی فوج کو مکمل طور پر شکست ہوئی۔ جسا سنگھ اپنے مال غنیمت کے حصہ کے ساتھ واپس آیا اور حاکم لاہور نے اسے اعزازات سے نوازا۔

۱۷۵۳ء میں جسا سنگھ نے لاہور کی فوجوں کے کماندار عزیز خاں کو شکست دی اور اس کے دو سال بعد قدر کے مقام پر جالندھر دو آب کے حاکم آدینہ بیگ خاں پر اسے فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی اور اس نے خاں کو مجبور کر دیا کہ وہ بیاس پر واقع فتح آباد اس کے حوالے کر دے۔ ایک خواجہ سرا امید خاں کو لاہور کے دربار کی زبردست حمایت حاصل تھی۔ اسے فوج کے ہمراہ کلال سردار کے مقابلہ پر بھیجا گیا۔ جسا سنگھ نے لڑائی میں امید خاں کو ہلاک کر دیا اور اس کے بعد جلد ہی کماندار عزیز خاں کو شکست فاش دے دی' جسے آدینہ بیگ خاں نے اس کے خلاف روانہ کیا تھا۔ جب ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کے خلاف اپنی عظیم مہم میں مصروف تھا' تو جسا سنگھ خاموش نہیں بیٹھا' اس نے سرہند اور دیالپور میں لوٹ مار کی۔ ضلع فیروزپور میں ڈوگر اور تا پل پر قبضہ کر لیا' وہاں اس نے مضبوط چوکیاں تعمیر کیں اور ستلج کی دوسری جانب قادر بخش خاں سے جگراؤں اور کوٹ عیسیٰ خاں کو ہتھیا لیا۔ اسی کے تقریباً درمیان میں اس نے انبالہ میں ہوشیارپور' بھیروز اور نارائن گڑھ پر قبضہ کر لیا اور کپور تھلہ کے سردار رائے ابراہیم بھٹی سے خراج وصول کیا۔

تب وہ لاہور کے جنوب میں جھنگ میں داخل ہوا' لیکن سیال سردار احمد خاں کی جانب سے دلیرانہ سامنا کرنے کے باعث وہاں قدم نہ رکھ سکا۔ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ کی روانگی کے بعد جسا سنگھ نے دیگر سکھ سرداروں کے ہمراہ سرہند پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ جب حاکم لاہور عبید خاں شہر کی فصیلوں میں قلعہ بند ہوگیا تھا' تب اس نے للیانہ 'گووند وال' سلیالہ اور بھوپالہ پر قبضہ کیا اور ترن تارن تک اپنی فتوحات کو بڑھا لیا۔ اس کے بعد بیاس کو پار کرنے کے بعد اس نے سلطان پور اور تلونڈی پر قبضہ کرلیا۔ برنالہ میں عظیم جنگ (جسے سکھ گلو گھڑا کہتے ہیں) کے بعد' جس میں ۱۰ار فروری ۱۷۶۲ء کو احمد شاہ نے مثلوں کی مشترکہ افواج کو مکمل طور پر شکست دی تھی' درانی بادشاہ نے جسا سنگھ کے خلاف ایک مہم تیار کی' جس نے پھلکیاؤں اور نشان والوں کی مدد سے اس کے حفاظتی دستوں کو سرہند سے نکال باہر کیا اور علاقے کو ویران کر دیا۔ سکھوں کو اس جنگ میں شکست فاش ہوئی اور جسا سنگھ دوسرے سکھ سرداروں کے ہمراہ کانگڑا کے پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا۔

احمد شاہ کی روانگی کے بعد جسا سنگھ نے بھنگی' رام گڑھیہ اور کنہیا مثلوں کے ساتھ قصور میں غارت گری مچا دی۔ پٹھان سردار الف خاں کو شکست دے دی اور اس کے نائبین کمال الدین خاں اور حسن خاں کو ہلاک کر دیا۔ قصور کا علاقہ بھنگی مثل کے حوالے کر دیا گیا' جس نے ۱۷۹۴ء تک اس پر اپنا قبضہ رکھا۔ تب ان مثلوں نے ۲۳ ہزار افراد کی فوج جمع کر کے سرہند کی طرف ایک مہم روانہ کی' جس کو انہوں نے افغان حاکم زین خاں اور اس کے نائب بچھی نارائن کماندار کو ہلاک کرنے کے بعد مسمار کر دیا۔ سکھوں کو یہ انتہائی اہم فتح حاصل ہوئی تھی' جو سرہند پر قبضہ کرنے کے بعد اردگرد کے تمام علاقے کے مالک بن گئے تھے۔ تب جسا سنگھ امرتسر لوٹ آیا۔ وہاں اس نے آہلووالیہ بازار تعمیر کرایا (جو آج تک موجود ہے اور یہ پنجاب کے تجارتی دارالحکومت کا انتہائی دلکش حصہ ہے) اور دربار صاحب کو بحال کرنے میں مدد دی' جسے احمد شاہ نے مقدس گائے کے خون سے بے حرمت کیا تھا۔

۱۷۶۸ء میں جسا سنگھ نے دہلی کے نواح میں غازی الدین نگر اور انوپ شہر کو تاخت و تاراج کیا اور مغل جرنیل مرزا سکھاں کو شکست دی' جسے اس کے خلاف روانہ کیا گیا تھا۔ ۱۷۷۱ء میں اس نے رائے کوٹ پر قبضہ کر لیا' جو اس وقت پٹھانوں اور بردال کے راجپوتوں کے قبضہ میں تھا اور اس کے چھ سال بعد کپور تھلہ کو رائے ابراہیم بھٹی سے چھین کر اسے اپنا صدر مقام بنا لیا۔

پس کلال آہلووالیہ' بست جالندھر کے سکھوں میں عظیم ترین سردار بن گیا۔ اس کے مقبوضہ علاقے ستلج کے دونوں جانب اور مشرق کی طرف پھیلے ہوئے تھے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے نئی حکومت الیہ کی فوج یا خالصہ کا دل (خدا کے سپاہیوں کی فوج) کا اعلان کیا اور اس کے منحصرین اور پیروکار اسے بادشاہ کہتے تھے' (اگرچہ عام طور پر تمام سکھ نہیں کہتے تھے)۔ اس نے مندرجہ ذیل عبارت کا حامل سکہ اپنے نام سے مضروب کرایا:

سکہ زد در جہان بفضل اکال --- ملک احمد گرفت جسا کلال

"جسا کلال نے احمد کے ملک پر قبضہ کرنے کے بعد اکال کے فضل سے دنیا میں سکہ مضروب کرایا"۔

اس کے پاس بے شمار دولت اور عسکری وسائل تھے۔ اس کی حکمت عملی فیاضانہ تھی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرتا تھا۔ ان میں سے متعدد کے پاس اس کی ملازمت میں بااعتماد عہدے تھے۔

۱۷۷۶ء میں جسا سنگھ نے جے سنگھ کنہیا' بھنگیوں' سکرچاکیوں اور دیگر سرداروں کے ساتھ جسا سنگھ رام گڑھیہ کو پنجاب سے نکالنے کے لیے اتحاد قائم کیا۔ اس چیز کا انتقام لینے کے لیے کہ رام گڑھیوں نے اس پر حملہ کیا تھا' آہلووالیوں (جن کو دیگر مثلوں کا تعاون حاصل تھا) اور رام گڑھیوں کے درمیان ایک زبردست جنگ لڑی گئی۔ اس کا نتیجہ موخر الذکر مثل کے لیے تباہ کن ثابت ہوا' کیونکہ اس کے سردار کو ہریانہ کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا اور ستلج کے شمال میں اس کی املاک پر آہلووالیوں نے قبضہ کر لیا۔

جسا سنگھ امرتسر میں ۶۵ برس کی عمر میں ۱۷۸۳ء میں انتقال کر گیا۔ نواب کپور سنگھ فیض اللہ پوریہ کی سمادھ کے قریب دربار صاحب امرتسر میں ڈیرا بابا اٹل میں اس کی یاد میں ایک یادگار تعمیر کی گئی۔ سکھ مصنفین اس سردار کی بزرگی اور فیاضانہ طبیعت کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ وہ میدان جنگ میں ایک کامیاب جرنیل تھا۔ اگرچہ عام طور پر سکھ اسے اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کرتے تھے' لیکن اس کے باوجود اسے مثلوں کی متحدہ افواج کی کمان سونپی گئی تھی (جب دشمن کے خلاف مشترکہ طور پر جنگ کی گئی)۔ اس کی درویشی اور راسخ العقیدگی کے باعث اس کو سکھوں میں بہت زیادہ اثر و رسوخ حاصل تھا اور بڑے سے بڑے سردار اس سے پاہل حاصل کرنا اپنے لیے اعزاز سمجھتے تھے۔ ذاتی طور پر جسا سنگھ طویل قد و قامت کا حامل اور خوبصورت تھا۔ یقیناً یہ اس کے اچھے نقوش اور دلکشی تھی' جس نے شیر خوارگی میں نواب کپور سنگھ کی توجہ حاصل کی' جس نے اسے اپنے سگے بیٹے کی

طرح پالا پوسا تھا' جس نے مستقبل کی زندگی میں مکمل طور پر اس کی مدد کی تھی۔ اس کے بازو غیر معمولی حد تک طویل تھے اور وہ بندوق اور کمان کا بہت اچھا نشانے باز تھا۔ غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ اس کی فیاضی نے اسے بہت زیادہ مقبول بنا دیا۔ کہا جاتا ہے وہ کبھی بھی کپڑوں کا جوڑا دوسری مرتبہ نہیں پہنتا تھا' بلکہ اسے اپنے مصاحبین کو دے دیتا تھا۔ ایک مرتبہ جب احمد شاہ کابل کی طرف لوٹتے ہوئے اپنے ہم وطنوں کے لیے کنیزوں کے طور پر خدمات دینے کے لیے پنجاب سے دو ہزار ہندو عورتوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا' اپنے ہم وطنوں کے لیے فرض شناسی کے جذبہ کے تحت وہ ایک رات شاہ کی فوج پر حملہ آور ہوا اور سخت گیر افغانوں کے پنجہ استبداد سے معصوم عورتوں کو آزاد کرا لیا۔ تب اس نے بڑی فیاضی سے انہیں روپیہ پیسہ فراہم کیا اور مناسب حفاظتی دستے کی نگرانی میں انہیں اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ کیا۔ عزم و حوصلہ اور حب الوطنی کے اس عمل سے جسا سنگھ کے تمام ہموطن اس کا بہت زیادہ احترام اور محبت کرنے لگے اور اس نے لوگوں کے تمام طبقوں میں اس کی مقبولیت اور اثر و رسوخ کو بڑھانے میں مدد دی۔

اپنے پیشرو کی مانند جسا سنگھ نے اپنے پیچھے کوئی نرینہ اولاد نہ چھوڑی' لہٰذا مثل کی سرداری پر اس کا جانشین' اس کا ماموں زاد بھاگ سنگھ بنا' جس کی عمر اس وقت ۳۸ برس تھی۔ اس نے رام گڑھیوں پر دو مرتبہ حملہ کیا اور بھنگی سردار گلاب سنگھ سے جھگڑا مول لیا۔ سردار جسا سنگھ رام گڑھیہ نے کانگڑا کے راجہ سنسر چند سے الحاق کر لیا اور ۱۸۰۱ء میں حمیر سنگھ کی قیادت میں آہلووالیوں کو شکست دی' جو بری طرح زخمی ہوا۔ اس شکست کا سن کر بھاگ سنگھ نے اپنی باقی ماندہ افواج کو جمع کیا اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے بذات خود پھگواڑہ کی طرف روانہ ہوا۔ تاہم وہاں وہ بیمار پڑ گیا' لہٰذا اسے واپس کپور تھلہ لایا گیا' جہاں تھوڑے عرصہ بعد ۱۸۰۱ء میں انتقال کر گیا۔

بھاگ سنگھ کا اکلوتا بیٹا سردار فتح سنگھ اس کا جانشین بنا' جس نے سکرچکیہ مثل کے عظیم سردار رنجیت سنگھ کے ساتھ دفاعی الحاق کر لیا' جس نے حال ہی میں امرتسر پر قبضہ کیا تھا۔ نوجوان سرداروں نے مقدس گرنتھ پر دائمی دوستی کی قسم کھائی اور بھائی چارے کی نشانی کے طور پر اپنی پگڑیاں بدل لیں۔ قصور کی پٹھان آبادی کے خلاف متحدہ سرداروں کی مہم ناکام ہونے پر فتح سنگھ نے بیاس کو دوبارہ پار کیا (۱۸۰۲ء-۱۸۰۳ء) اور اگلے دو سال تک اپنے علاقوں کو مجتمع کرنے میں مصروف ہو گیا۔

مرہٹہ سردار جسونت راؤ ہولکر اپنے وطن میں شکستوں کا سامنا کرنے کے بعد ۱۸۰۵ء

میں انگریزوں کے خلاف ستلج کے پار کی ریاستوں کے سرداروں کے ساتھ الحاق کرنے کے لیے پنجاب میں داخل ہوا۔ یکم جنوری ۱۸۰۶ء کو انگریزوں اور سردار رنجیت سنگھ و فتح سنگھ کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کی رو سے سردار، مرہٹہ سردار کو امرتسر سے ۳۰ کوس پیچھے دھکیلنے پر رضامند ہوگئے اور اس بات کا وعدہ کیا کہ آئندہ ہولکر سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھیں گے۔ لارڈ لیک نے بیاس تک ہولکر کا تعاقب کیا اور فتح سنگھ کو احترام اور دوستی کی نشانی کے طور پر ایک چیتا پیش کیا' جبکہ سردار نے برطانوی جرنیل کو ایک باز پیش کیا۔

فتح سنگھ' رنجیت سنگھ کا ایک قیمتی دوست اور حلیف ثابت ہوا اور ۱۸۰۶ء میں ستلج کے جنوب میں اس کی مہمات میں اس کے ہمراہ رہا۔ اس کے علاوہ اگلے سال جھنگ کی طرف مہم میں بھی اس کے ہمراہ تھا' جب قلعے پر قبضہ کرلیا گیا اور سیال سردار احمد خاں کو کئی ماہ تک جاری رہنے والی مہم کے بعد نکال باہر کیا گیا تھا۔ جب ۱۸۰۸ء میں سر چارلس میٹکالف' برطانوی حکومت کے ایلچی کی حیثیت سے مہاراجہ کے پاس لاہور آئے' تو رنجیت سنگھ نے سردار اور اپنے بااعتماد دیوان محکم چند کو ۲ ہزار سواروں کے ہمراہ معزز مہمان کا استقبال کرنے کے لیے قصور روانہ کیا۔ مہاراجہ کے ساتھ فتح سنگھ کی دوستی مخلص اور بے لوث تھی اور سر چارلس میٹکالف کے الفاظ میں رنجیت سنگھ' اس اتحاد پر اپنے غیر معمولی عروج کے لیے اس کا احسان مند تھا۔ وہ کہتے ہیں: "فتح سنگھ کا کردار اگر رنجیت سنگھ کی طاقت اور منصب سے برتر نہیں تو قطعی طور پر اس کے مساوی ضرور ہے اور اس نے دوسرے کے بے باک حاکمانہ جذبے کے سامنے سر تسلیم خم کردیا ہے اور ایسی سیڑھی ہے جس کے ذریعہ سے رنجیت سنگھ عظمت تک پہنچا ہے"۔ وہ امرتسر میں برطانوی حکومت اور مہاراجہ کے درمیان طے پانے والے معاہدہ پر دستخط کیے جانے کے موقع پر موجود تھا' جس کی رو سے برطانوی حکومت نے ستلج کے شمال میں مہاراجہ کے مقبوضہ علاقوں میں دخل اندازی نہ کرنے کا وعدہ کیا' جبکہ مہاراجہ اس بات پر رضامند ہوگیا کہ وہ دریا کے جنوب میں مزید علاقوں پر قبضہ نہیں کرے گا۔ ۱۸۰۹ء میں کانگڑا کی مہم میں فتح سنگھ' مہاراجہ کے ہمراہ تھا اور جب ۱۸۱۰ء کے موسم بہار میں رنجیت سنگھ ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اس نے لاہور اور امرتسر کا انتظام فتح سنگھ کے پاس چھوڑا۔ اگلے برس جب رنجیت سنگھ' شاہ شجاع کے بھائی سلطان محمود سے ملنے راولپنڈی گیا تو وہ اس کے ہمراہ تھا' جہاں کشمیر کی طرف جاتے ہوئے محمود اس کے پاس ٹھہرا ہوا تھا' جو اس وقت حکومت کابل کا باج گذار تھا۔ اسی سال اس

نے دیوان محکم چند اور جودھ سنگھ رام گڑھیہ کے ہمراہ جالندھر کے سردار بدھ سنگھ کو شکست دی۔ بدھ سنگھ ستلج کے پار فرار ہوگیا' لہٰذا اس کی ۳ لاکھ سالانہ آمدنی کی جاگیریں بحق دربار لاہور ضبط کر لی گئیں۔ وہ ۱۸۱۳ء میں مہاراجہ کی طرف سے ہیدرو کے مقام پر کابل کے وزیر فتح خاں سے بڑی دلیری سے لڑا اور جرنیل کو شکست دے کر پنجاب سے نکال دیا۔ اس نے بہاولپور' رجوڑی اور بھمبر کی مہمات میں مہاراجہ کے لیے خدمات سرانجام دیں' ۱۸۱۸ء میں ملتان کے مشہور محاصرہ کے وقت موجود تھا' ۱۸۱۹ء میں کشمیر کی مہم کے دوران دارالسلطنت کا انتظام اس کے پاس رہا اور دو سال بعد مان خیرا کے قلعے کی تسخیر میں مہاراجہ کی مدد کی۔

لیکن لالچی مہاراجہ نے اب اپنے حلیف کے مقبوضہ علاقوں کا لالچ بھی کرنا شروع کر دیا' جس نے اپنی فوج کے ہمراہ اکثر اس کی خدمت کی تھی اور اس کی متعدد مہمات میں حقیقی طور پر بہت زیادہ مدد کی تھی۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے' اسی دور میں ستلج کو مہاراجہ اور برطانوی حکومت کے علاقوں میں سرحد قرار دیا گیا تھا' لیکن مہاراجہ باطنی طور پر معاہدے کی شرائط کو ناپسند کرتا تھا اور اس کو تبدیل کرنے کے بہانے تلاش کر رہا تھا۔ فتح سنگھ کا بااعتماد نمائندہ قادر بخش معاملات کے انتظام کی غرض سے لاہور کے دربار میں مہاراجہ کے پاس حاضر تھا۔ وہ اپنے آقا کے لیے غدار ثابت ہوا۔ رنجیت سنگھ نے اس کے ساتھ اتفاق رائے کرتے ہوئے آہلووالیہ مقبوضات پر قبضہ کرنے کے لیے فقیر عزیز الدین اور آنند رام پنڈاری کی قیادت میں لاہور فوج کی دو پلٹنوں کو بست جالندھر روانہ کیا۔ لاہوری فوج کی روانگی سے باخبر ہو کر فتح سنگھ اپنے پورے خاندان سمیت ستلج کے دوسری جانب فرار ہوگیا اور اپنے آپ کو جگراؤں میں چھپا لیا۔ مہاراجہ کے افسروں نے ستلج کے پار سردار کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی حفاظتی فوج کو نکال باہر کیا۔ اسی اثناء میں غدار قادر بخش' جو امرتسر میں مہاراجہ کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا' وہاں فوت ہوگیا۔ (کہا جاتا ہے انتہائی اذیت سے فوت ہوا) اور مہاراجہ نے تلونڈی' اس کے بیٹوں کو عنایت کر دیا۔ سردار نے ستلج کے پار اپنے علاقوں کے تحفظ کے لیے برطانوی حکومت کی مداخلت کے لیے 'درخواست کی' لیکن اس کی اجازت دینا برطانوی حکومت کے لیے ناممکن تھا' کیونکہ ۱۸۰۹ء کے معاہدہ کے تحت انہوں نے واضح طور پر یہ قول دیا تھا کہ وہ ستلج کے شمال کی طرف مہاراجہ کی کارروائیوں میں مداخلت نہیں کریں گے' لیکن سردار کے ابتدائی مقبوضات میں سے مہاراجہ کی طرف سے پھگواڑہ پر قبضہ کرنے پر حکومت کی دلی ہمدردی نے سرداروں کے درمیان جھگڑے کو

نمٹانے کے لیے دوستانہ حل تلاش کرنے کی راہ ہموار کر دی۔ فتح سنگھ واپس جالندھر دوآب لوٹ آیا' جہاں اسے اس کے علاقوں پر لاہور دربار کی طرف سے نونہال سنگھ اور دیسہ سنگھ نے بحال کر دیا۔ باری اور بست میں سردار کے تمام علاقوں کو بحال کر دیا گیا۔ فتح سنگھ نے غدار قادر بخش کے بیٹوں کو پابند سلاسل کر دیا اور ان سے بھاری رقوم کا مطالبہ کیا۔ اس کے بعد وہ امن و آشتی سے کپور تھلہ میں رہنے لگا۔

سردار فتح سنگھ اکتوبر ۱۸۳۷ء میں انتقال کر گیا۔ وہ ایک فیاض اور آزاد طبیعت کا حامل تھا۔ سر چارلس میٹکالف اسے "نرم خو اور اچھی فطرت کا حامل' بظاہر سادا اور بلاشک و شبہ کم طاقت والا" کہتے تھے۔ اس کے پاس سب سے زیادہ فوج تھی اور رنجیت سنگھ کی فوج میں تمام سرداروں میں اس کے پاس سب سے زیادہ زمین تھی اور اس کو ان سب پر برتری حاصل تھی۔ سر چارلس کہتے ہیں "یہ وہ سردار ہے جو دریائے بیاس کے کنارے پر لارڈ لیک کے پڑاؤ میں تھا' وہاں اس کے دل میں برطانوی حکومت کے لیے احترام پیدا ہو گیا' جس کی وجہ سے اس نے برطانوی حکومت سے یہ امید وابستہ کر لی کہ وہ رنجیت سنگھ کے انتہائی ظلم و ستم سے اسے رہائی دلا دے گی"۔ اپنے علاقہ پر رنجیت سنگھ کے ناجائز قبضہ کے باوجود وہ اس کے لیے مخلصانہ جذبات رکھتا تھا' لہٰذا اس نے مہاراجہ اور اپنے درمیان خود کو دوستی کے بندھن کے سلسلہ میں سچا اور بے لوث ثابت کیا۔ اس نے کپور تھلہ کو خوبصورت بنایا اور اس میں توسیع کی۔ وہ گھوڑوں کا بہت زیادہ شوقین تھا' لہٰذا ایک سیاہ جنگی گھوڑا' جس سے وہ بہت زیادہ لگاؤ رکھتا تھا' اس کی یاد میں اس نے ایک خوبصورت مقبرہ بنوایا' جو کپور تھلہ شہر کے دروازے پر آج بھی موجود ہے۔

فتح سنگھ کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا نہال سنگھ اس کی جاگیروں پر جانشین بنا۔ وہ فن تعمیر کا بہت شوقین تھا' لہٰذا اس نے اپنی حکومت کے صدر مقام' کپور تھلہ میں متعدد خوبصورت عمارات تعمیر کرائیں جو اس کی یاد اور حب الوطنی کی یادگار کے طور پر آج تک موجود ہیں۔ اس کے اور اس کے چھوٹے بھائی امر سنگھ کے درمیان جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ لاہور کے دربار نے اس کی اس معاملے میں حوصلہ افزائی کی کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی طرف سے اس کے حق میں دستبردار ہونے کی امید رکھے۔ متعدد سازشیوں نے نہال سنگھ پر قاتلانہ حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ ایک موقع پر جب وہ اپنے زنانہ حرم سے باہر نکل رہا تھا' تو اس پر حملہ کیا گیا' لیکن اس نے بڑی دلیری سے خود ہی اس کا مقابلہ کیا اور ایک چھوٹے سے زخم کے ساتھ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ تاہم ان حملہ آوروں نے (اس پر

قاتلانہ حملہ کرنے کے تھوڑی دیر بعد) اسے پکڑ کر گرفتار کرنے کے بعد اپنے حریف امر سنگھ کی فیاضانہ محافظت کرنے کے لیے مجبور کرنے کی تدبیر سوچی تھی۔ لیکن یہاں پر دونوں بھائیوں کے درمیان دشمنی ختم نہیں ہوئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشین کھڑک سنگھ' دونوں کے دور حکومت میں یہ جھگڑا جوں کا توں رہا اور امر سنگھ نے لاہور میں اپنی رہائش کے ذریعے نئے مہاراجہ شیر سنگھ کی حمایت حاصل کرلی۔ اسے یہ امید تھی کہ اس مہاراجہ کی مدد سے اسے اپنا گوہر مقصود حاصل ہو جائے گا۔ غالباً اس کی کوششوں کو کامیابی حاصل ہو جاتی اگر ایک حادثہ رونما نہ ہوتا' جس میں امر سنگھ کی جان چلی گئی۔ ۲۸ر مارچ کو مہاراجہ اپنے درباریوں' راجہ دھیان سنگھ اور ہیرا سنگھ' جمعدار خوشحال سنگھ' سردار عطار سنگھ کلیانوالہ' رائے کیسرا سنگھ' بھائی گورمکھ سنگھ اور سردار امر سنگھ آہلووالیہ کے ہمراہ راوی پر کشتی کے ذریعے تفریح پر گیا۔ دیکھا گیا کہ کشتی اچانک پانی سے بھر کر ڈوب گئی۔ جن ہاتھیوں پر یہ جماعت سوار تھی' انہیں فوری طور پر بچانے کے لیے دریا میں داخل کر دیا گیا۔ ان کی مدد سے' ماسوائے امر سنگھ کے' سب کو بچا لیا گیا۔ اس واقعہ نے نہال سنگھ کو جالندھر دوآب میں تمام علاقوں پر بلاشرکت غیرے قابض کر دیا۔

جب لارڈ آک لینڈ نے ۱۸۳۸ء میں پنجاب کا دورہ کیا' تو سردار نہال سنگھ نے رسد جمع کرنے اور دوسرے لفظوں میں کابل کی طرف پیش قدمی کے لیے برطانوی فوج کی مدد کرنے کے لیے اہم مدد بہم پہنچائی۔ دو سال بعد' اس نے کابل کی طرف ایک فوجی دستہ روانہ کیا' حالانکہ اس کی فوج کو صرف جلال آباد تک پیش قدمی کرنا تھی۔ ۱۸۴۵ء کی پہلی سکھ جنگ میں کم از کم اس کا رویہ مشکوک تھا۔ فوجی حکام کی طرف سے یکے بعد دیگرے تقاضوں کے باوجود وہ برطانوی دستوں کو رسد پہنچانے میں ناکام رہا' جس کے لیے ۲۵ر اپریل ۱۸۰۹ء کے معاہدہ کے تحت پابند تھا' جب تک سکھ فوج کو شکست نہیں ہوگئی' اس نے کسی قسم کی مدد نہیں کی۔ اسے حکم دیا گیا کہ وہ بغیر کسی تاخیر کے ستلج کو پار کر کے برطانوی فوج کے ساتھ آ ملے' لیکن دوستانہ تنبیہوں کے باوجود وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا۔ ۳۱ر نومبر کو میجر براڈفٹ کو یہ خبر ملی کہ آہلووالیہ رعایا اور اس کے تمام نمائندے دشمن سے مل گئے ہیں' اور علی وال اور بدو وال کے مقام پر انگریزوں کے خلاف لڑے ہیں۔ راجہ نے اپنی فوج کی بغاوت کے باعث' اپنے بزدلانہ اور غدارانہ رویے کی کمزوری کی وجہ سے اپنی معذوری کے لیے دوسرے انداز میں دلیل پیش کرنے کی کوشش کی' تاہم' برطانوی حکومت نے انتہائی توجہ سے تفتیش کرنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ جب تک برسرپیکار فریقین میں بالادستی کے

لیے کشمکش کا فیصلہ نہیں ہو جاتا' راجہ کا مقصد اس وقت تک اپنے آپ کو علیحدہ رکھنا ہے اور اس کے بعد جنگ کے خاتمہ پر اپنے آپ کو زیادہ طاقتور فریق کے ساتھ شامل کرنا ہے۔ اس کے رویہ کی سزا کے لیے حکومت نے ستلج کے جنوب میں اس کے ۵٬۶۵۰۰۰ روپے سالانہ مالیت کے علاقوں کو قرق کر لیا۔ اس سزا نے سردار پر مکمل اثر قائم کیا' لہٰذا دوسری سکھ جنگ میں' رسد جمع کرنے کے سلسلہ میں اس نے برطانوی حکومت کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس نے ملتان میں خدمات سرانجام دینے کے لیے فوج مہیا کرنے کی پیشکش کی' مگر اس کی خدمات سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ جب جنگ ختم ہوگئی تو گورنر جنرل نے آہلو والیہ سردار کے دارالحکومت کو اپنی تشریف آوری سے اعزاز بخشا اور نہال سنگھ کو ایک راجہ کا خطاب دیا گیا۔

نہال سنگھ' ستمبر' ۱۸۵۲ء میں انتقال کر گیا اور اس کا سب سے بڑا لڑکا رندھیر سنگھ جس کی عمر اکیس برس تھی' اس کا جانشین بنا۔ رندھیر سنگھ ایک باکمال اور روشن خیال شہزادہ تھا۔ اس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران' حکومت برطانیہ کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ جالندھر میں اس کی فوج نے سرکاری اسٹیشن' خزانہ اور جیل کی حفاظت کی اور اس نے اپنی تمام کی تمام گھڑسوار فوج کو باغیوں کے تعاقب میں لگا دیا۔ جولائی میں' اس کی سپاہ نے' جو گھڑسوار' پیادہ فوج اور دو توپوں پر مشتمل تھی' ہوشیار پور کے دفاع کو مستحکم کیا۔ اس نے اور اس کے بھائی شہزادہ بکرمہ سنگھ نے جالندھر اور ستلج کے اس طرف کے علاقوں میں اہم خدمات سرانجام دیں۔ جنگ کے دوران' برطانوی مفادات کے لیے اس کی ۱٬۲۰۰ پیادہ اور ۲۰۰ گھڑسواروں کے ساتھ پانچ توپوں پر مشتمل فوج نے خدمات انجام دیں۔ حکومت برطانیہ نے راجہ اور اس کے بھائی کی خدمات کا بڑی گرم جوشی سے اعتراف کیا۔ یہ راجہ' عسکری خدمت کے بدلے میں ۱۳۳٬۰۰۰ روپے سالانہ کا خراج ادا کرتا تھا' لیکن جنگ کے دوران' راجہ نے جس وفاداری کا مظاہرہ کیا تھا' اس کے اعتراف میں وائسرائے اور گورنر جنرل نے ازراہ کرم پورے سال کا خراج معاف کر دیا اور اس کے علاوہ سالانہ رقم میں ۲۵٬۰۰۰ روپے کی کمی کر دی۔ راجہ اور اس کے بھائی کو بالترتیب ۱۵٬۰۰۰ روپے اور ۵٬۰۰۰ روپے کی خلعت انعام کے طور پر دی گئیں۔ راجہ کے آداب اور توقیر میں اضافہ کیا گیا اور اسے فرزند دلبند راسخ الاعتقاد کا خطاب دیا گیا' جبکہ شہزادہ بکرمہ سنگھ کو بہادر کے خطاب سے نوازا گیا۔ راجہ اور اس کے بھائی بکرمہ سنگھ نے اودھ میں' ۱۸۵۸ء کے دوران' حکومت برطانیہ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور گورنر جنرل کے الفاظ میں وہ

"نمایاں دلیری کے ساتھ لڑے"۔ ان کی فوجوں نے چھ مختلف مواقعوں پر دشمن کا مقابلہ کیا اور نو توپوں پر قبضہ کیا۔ یہ ناقابل شکست بھائی' مکمل دس ماہ تک میدان جنگ میں مسلسل اپنی فوجوں کی قیادت کرتے رہے۔ ملک کے اس حصہ میں راجہ کی بے لوث خدمات کے صلے میں اسے بڑی فیاضی سے نوازا گیا۔ اودھ میں' باوندی اور بھولی کے نام سے مشہور دو جاگیریں جو حکومت کو ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی دیتی تھیں' نصف نرخ پر استمراری مدت کے لیے راجہ کو عطیہ کے طور پر دے دی گئیں۔ شہزادہ بکرمہ سنگھ نے' ضلع بھڑائچ میں ۴۵ ہزار سالانہ کی ایک جاگیر وصول کی۔ باری دو آب میں ۲۶٬۳۰۰ روپے سالانہ مالیت کی جاگیریں جو ۱۸۵۲ء میں نہال سنگھ کے انتقال پر واپس لے لی گئیں تھیں' راجہ کے حوالے کر دی گئیں اور آخر میں اسے انتہائی گراں قدر استحقاق سے نوازا گیا یعنی ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے اسے "تہنیت کی سند" سے نوازا۔ اودھ کے چیف کمشنر کی سفارش پر حکومت ہند نے راجہ کو اعزازی خطاب "راجہ راجگان" بھی عطا کیا۔ تاہم' اس خطاب کا مقصد صرف اودھ میں مقامی طور پر' اسے اودھ کے تعلق داروں پر فوقیت دینا تھا۔ ان میں سے حالانکہ بہت سے کپور تھلہ کے سردار سے کم تر تھے لیکن اس کے باوجود راجہ یا مہاراجہ کہلاتے تھے' مثلاً مہاراجہ مان سنگھ' بلرام پور کا مہاراجہ درگ بیجی سنگھ اور دوسرے۔

اکتوبر ۱۸۶۴ء میں' لاہور میں منعقدہ دربار میں' رندھیر سنگھ کو "ستارہ ہند" جیسے اعلیٰ خطاب سے نوازا گیا۔ اس موقع پر' کشمیر اور پٹیالہ کے مہاراجوں' فرید کوٹ اور جھنڈ کے راجاؤں اور پنجاب کے دیگر خود مختار سرداروں نے شرکت کی۔ اس موقع پر' گورنر جنرل' لارڈ لارنس نے راجہ سے ہندوستانی میں' مندرجہ ذیل انداز سے خطاب کیا۔

"راجہ کپور تھلہ' راجہ رندھیر سنگھ--- مجھے یہ بڑا اطمینان حاصل ہوا ہے کہ عزت مآب ملکہ عالیہ انگلستان نے مجھے یہ اختیار بخشا ہے کہ میں جناب والا کو "ستارہ ہند" جیسے انتہائی اعلیٰ اعزاز سے سرفراز کروں۔ یہ اعزاز صرف ان شہزادگان اور سرداروں کو عطا کیا جاتا ہے' جو اعلیٰ منصب کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر بھی اہلیت کے حامل ہوتے ہیں۔ میرے لیے یہ بڑی مسرت کا باعث ہے کہ میں نے آپ کو ان منتخب افراد میں شامل کیا ہے۔

آپ کے دادا' سردار فتح سنگھ' بہت مشہور سردار تھے۔ وہ آہلووالیہ مثل کے جانے پہچانے رہنما تھے اور عظیم مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دست راست

تھے۔ آپ کے والد' راجہ نہال سنگھ' میرے پرانے دوست تھے' اس وقت آپ ابھی کم سن تھے۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضور والا نے ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کو سنبھالا اور بڑی خوبی سے انہیں نبھایا۔ جب ۱۸۵۷ء کی بغاوت پھیلی آپ بھی ان سرداروں میں شمار ہوتے ہیں' جنہوں نے اپنا فرض ادا کیا اور حکومت برطانیہ کا ساتھ دیا۔ دہلی پر قبضہ ہونے کے بعد' جناب والا نے فوجوں کی قیادت کی اور انہیں اودھ روانہ کر کے وہاں اس صوبہ کو بازیاب کرانے کے لیے مدد فراہم کی۔ ان خدمات کے صلہ میں' اس وقت آپ کو بہت زیادہ تعریف و توصیف اور فیاضانہ انعامات سے نوازا گیا اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اب آپ کو عزت مآب ملکہ انگلستان و ہندوستان سے انتہائی اعلیٰ اور باوقار اعزاز ملنے والا ہے۔ عزت مآب ملکہ عالیہ کے احکامات کے بموجب میں آپ کو انتہائی باوقار اعزاز "ستارہ ہند" عطا کرتا ہوں' اور اس اعلیٰ اعزاز کی بناء پر ملکہ عالیہ نے انتہائی مہربانی اور کرم سے آپ کو ایک نائٹ (نواب) مقرر کیا ہے۔ میں نے اس لیے آپ سے ہندوستانی میں خطاب کیا ہے تاکہ اس وقت موجودہ شہزادگان اور سردار باسہولت اس تقریب میں شرکت کر سکیں اور یہ کہ آپ کے عزیز و اقارب اس سے بہت زیادہ خوشی حاصل کر سکیں۔ نہیں تو میں انگریزی میں تقریر کرتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ میری زبان سے مکمل طور پر واقف ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس تقریب نے حضور والا اور میرے ہم وطنوں کے درمیان اتحاد پیدا کر دیا ہے"۔

راجہ' انگریزی زبان کا ایک اچھا عالم تھا اور اس کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ وہ انگلستان کی سیاحت کرے۔ چنانچہ' مارچ ۱۸۷۰ء میں وہ انگلستان کے لیے روانہ ہوا' لیکن جگر کی خرابی کے باعث (جس نے اس کی صحت کو بہت بری طرح متاثر کر دیا تھا) ۱۲ اپریل کو عدن کے مقام پر انتقال کر گیا۔ اس کی لاش کو بمبئی لے جایا گیا' جہاں اس کے بیٹے کھڑک سنگھ نے اسے وصول کیا' کریا کرم کی رسومات ہندوؤں کے مقدس شہر ناسک میں ادا کی گئیں اور اس کی راکھ کو ہردوار بھیجا گیا۔ راجہ رندھیر سنگھ کے بعد اس کا بیٹا کھڑک سنگھ جانشین بنا' جو ایک کم سن بیٹا (۷) چھوڑ کر قبل از وقت انتقال کر گیا۔

۶- ڈلی والیہ مثل

اس مثل کو یہ نام، لاہور کے مشرق میں دریائے راوی پر ڈیرا بابا نانک کے قریب، موضع ڈلیوال کی نسبت سے دیا گیا، جہاں اس کا اصل بانی، ایک چھتری گلابہ رہائش پذیر تھا۔ گورو کی پاہل میں شامل ہونے اور اپنا نام گلابہ سے گلاب سنگھ رکھنے کے بعد وہ دوسروں کی طرح ایک ڈاکو بن گیا۔ لہٰذا بہت زیادہ دولت اکٹھی کرنے کے بعد وہ سواروں کی ایک بہت بڑی فوج بنانے کے قابل ہوگیا، جس کی مدد سے اس نے لوٹ مار کی تلاش میں پورے علاقے کو کھنگال ڈالا۔ غارت گری کی کارروائیوں میں ایک چرواہا تارا سنگھ اس کے ساتھ شامل ہوگیا، جس کو عرف "گھیبہ" اس ہنرمندی کے باعث دیا گیا، جس سے وہ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے پار اپنے گلوں کو لے جایا کرتا تھا۔ وہ گلاب سنگھ کا بہترین ساتھی بن گیا اور اس کے انتقال کے بعد، مثل کی سرداری پر اس کا جانشین بنا۔ وہ بھنگیوں کے ساتھ قصور کی مہم میں شامل ہوا اور متمول پٹھان شہر کو لوٹنے کھسوٹنے کے بعد بے شمار (۸) دولت جمع کر لی۔ اس نے گنگا کے بااثر چودھری گوہر داس کو سکھ مذہب میں شامل کیا، لہٰذا ان سب لوگوں نے اس کی تقلید کی جن پر اس کا اثر و رسوخ تھا۔ پس، اپنی حالت کو مستحکم کر کے، تارا سنگھ نے دیگر سکھوں کے ہمراہ سرہند پر حملہ کر دیا اور اس شہر کو تاخت و تاراج کرنے میں مدد دی، جسے بیراگی بندہ کے ہاتھوں زبردست تباہی کے بعد ازسرنو آباد کیا گیا تھا۔ اس نے فتح آباد اور ستلج کے مشرق میں تمام علاقے کو فتح کیا، اس کی قیادت میں فوج کی تعداد ۷ ہزار پانچ سو اور ۱۰ ہزار کے درمیان تھی۔ جب رنجیت سنگھ اپنی حکومت کے عروج پر تھا تو اس نے ڈلیوالیوں کے خلاف فتح سنگھ آہلووالیہ کی قیادت میں ایک مہم روانہ کی۔ ڈلیوالیہ سردار کے علاقوں پر حملہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی تمام املاک کو ضبط کر لیا گیا۔ اس کی مثل اب ایک جماعت کی حیثیت سے باقی نہ رہی اور وہ خود بھی ایک پناہ گزین بن گیا۔ تارا سنگھ کے انتقال پر، ستلج کے مشرق میں واقع چند دیہات، اس کے بیٹوں، دسونڈھا سنگھ اور چنڈا سنگھ کو جاگیر میں عطا کر دیے گئے، لیکن آخرکار ان کو سکھوں کے روحانی پیشوا بکرمہ سنگھ بیدی کی جاگیر میں شامل کر دیا گیا، چنانچہ مثل کا خاتمہ ہوگیا۔

۷- نشان والا مثل

اس مثل کی بنیاد، دل کے علم برداروں، سنگت سنگھ جاٹ اور موہر سنگھ جاٹ نے رکھی، تب سے "نشان والا" نام اس مثل کو دے دیا گیا۔ انہوں نے ستلج کے دوسری جانب

ڈاکہ زنی و غارت گری کی اور اپنی ڈاکہ زنی کی کارروائیوں کو ملک کے دور دراز حصوں تک بڑھا دیا۔ ایک مرتبہ انہوں نے میرٹھ کے گنجان آباد شہر پر حملہ کر کے اس میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا اور اس لوٹ پار سے مالا مال ہوگئے۔ ان کا صدر مقام انبالہ تھا' جہاں وہ اپنے فوجی گودام اور رسد رکھتے تھے' ان کی قیادت میں فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ سنگت سنگھ کے انتقال پر موہر سنگھ مثل کا سردار بن گیا' لہٰذا رنجیت سنگھ جو اس وقت ستلج کی دوسری جانب خیمہ زن تھا اس کی موت کا سنا تو اس نے مثل کو تسخیر کرنے کے لیے اپنے دیوان محکم چند کو ایک فوج کے ہمراہ روانہ کیا۔ رنجیت سنگھ کی فوج نے جلد ہی نشان والوں کو میدان سے بھگا دیا اور اس مثل کا وجود ختم ہوگیا۔ محکم چند نے ان کے خزانوں' اشیاء اور اثاثوں پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کے بعد (جب ستلج کو سکھوں اور برطانوی علاقوں کے درمیان سرحد قرار دیا گیا تھا) انبالہ' حکومت برطانیہ کو منتقل ہوگیا' جبکہ ماتحت سرداروں سے متعلقہ شاہ آباد زیر حفاظت رہا' پس مثل کا خاتمہ ہوگیا۔

۸۔ فضل پوریہ مثل

اس مثل کو سنگھ پوریہ بھی کہا جاتا ہے۔ مثل کا بانی ایک جاٹ زمیندار کپور سنگھ تھا' جس نے امرتسر کے قریب واقع موضع فیض اللہ پور کو اس کے مسلمان بانی فیض اللہ سے چھین لیا اور اس کے اردگرد کے علاقہ کو فتح کر کے بڑے گاؤں کو سنگھ پوریہ کا نام دے دیا' تب سے یہ نام' سنگھ پوریہ خاندان کو دے دیا گیا' اگرچہ اس کو اکثر فیض پوریہ بھی کہا جاتا تھا۔ خالصہ کا دل' جس کی بنیاد' فرخ سیر کے دور میں رکھ دی گئی تھی' کپور سنگھ کی زیر قیادت' عروج پر پہنچ گیا تھا' جس نے حقیقی طور پر اس دل کو منظم کیا تھا۔ بلاشبہ وہ ان تمام سکھ رہنماؤں سے ممتاز تھا' جنہوں نے بطور ایک حکمران کے قوم کی عظمت کے لیے راستہ ہموار کر دیا تھا۔ اس کے پیروکار جو ہزاروں کی تعداد میں تھے انہوں نے اس کی ذہانت کے اعتراف میں اسے نواب کا خطاب دیا۔ سکھوں میں یہی ایک واحد مثال ہے کہ انہوں نے ایک اسلامی خطاب اختیار کیا۔ اس نے' جاٹوں' ترکھانوں' جولاہوں' جھیوروں' چھتریوں اور دیگر کو گووند کا پیروکار بنایا' مذہبی طور پر اس کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔ اس کے ہاتھ سے گورو کی پاہل میں شمولیت کو بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ سے ۵۰۰ مسلمانوں کو ہلاک کرنے پر' اپنے اوپر بہت فخر کرتا تھا' کیونکہ اس نے گووند کے احکامات کو پورا کیا تھا' جس نے تمام سچے چیلوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے کی اہمیت پر زور دیا تھا' اس

نے اس خیال سے اپنے آپ کو تسلی دے لی تھی کہ اس مستحسن کارنامے کے لیے اس کو آخرت میں بہت زیادہ انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اس کی قیادت میں پچیس ہزار مسلح پیروکار تھے اور یہ فوج اگرچہ مختصر تھی' لیکن اپنے تعصب کے لحاظ سے تمام سکھ سپاہیوں سے زیادہ خوفناک اور غضبناک تھی۔ کپور سنگھ نے دہلی کی فصیل تک پورے علاقے کو تہ و بالا کر دیا اور اس کے مقبوضات' ستلج کے مشرق اور مغرب تک پھیلے ہوئے تھے۔ یقیناً وہ جسا سنگھ آہلووالیہ اور پٹیالہ کے علا سنگھ کے دور سے قبل سکھ سرداروں میں سب سے زیادہ ممتاز اور خوفناک تھا۔ نواب کپور سنگھ' خالصہ فوج میں حاصل ہونے والے اعزازات کو آہلووالیہ سردار کے لیے چھوڑنے کے بعد' ۱۷۵۳ء میں امرتسر میں انتقال کر گیا۔ اس نے جسا سنگھ کو اپنے پاس بستر مرگ پر بلایا اور آخری عظیم گورو گووند کا آہنی نیزا(۹) اس کے حوالے کر کے اسے خالصہ کے مستقبل کا رہنما اور سکھوں کی برادری پر اپنے اثر و رسوخ کا جانشین قرار دیا۔

نواب کپور سنگھ کے انتقال پر اس کا علاقہ اس کے بھتیجے خوشحال سنگھ کے پاس آگیا' جو دانشمندی اور بہادری میں اپنے چچا کے برابر تھا' لہٰذا اس نے اپنی فتوحات کو ستلج کے دونوں جانب بڑھا لیا۔ اس کے مقبوضات میں' جالندھر' نور پور' بہرام پور' بھارت گڑھ اور پٹی شامل تھے اور اس نے پٹیالہ کے سردار سے بنور کو چھین لیا۔ اپنے ممتاز پیشرو کی مانند اس نے بہت بڑی تعداد کو سکھ بنایا' پٹیالہ کے راجہ علا سنگھ نے اس کے ہاتھوں پاہل میں شمولیت کا اعزاز حاصل کیا۔ مسلمانوں کے خلاف اس کی نفرت' اس کے نڈر حوصلہ کے مساوی تھی' لہٰذا جس گھڑسوار نے ۱۷۶۳ء میں سرہند کے مسلمان صوبیدار نواب زین خاں کو گولی مار کر ہلاک کیا تھا' وہ اس کا پیروکار تھا۔ اس نے لدھیانہ پر قبضہ کر لیا' لیکن بعد ازیں بنور کا نصف ضلع پٹیالہ کو دے دیا۔

۱۷۹۵ء میں خوشحال سنگھ کے انتقال پر' اس کا بیٹا' بدھ سنگھ اس کا جانشین بنا لیکن مثل' رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی طاقت کے سامنے گر گئی' جس نے جالندھر کے پورے علاقے پر قبضہ کر کے سردار کو مجبور کر دیا کہ وہ انبالہ کے شمال مغرب میں' کرت پور اور مچھی واڑا کے درمیان' برطانوی حفاظت کے تحت علاقہ میں رہائش اختیار کر لے۔ بدھ سنگھ ۱۸۱۶ء میں انتقال کر گیا۔ (۱۰)

۹۔ کروڑا سنگھی مثل

اس مثل کو ان کے پہلے سردار ایک جاٹ کروڑی مل کے نام سے مشہور گاؤں کی وجہ سے پنج گڑھیہ بھی کہا جاتا ہے' جس نے پاہل میں شمولیت پر اپنا نام تبدیل کر کے کروڑا سنگھ رکھ لیا اور دوسروں کی مانند ایک ڈاکو بن گیا۔ اس نے دو ساتھیوں مستان سنگھ اور کرم سنگھ کے ساتھ مثل کی بنیاد رکھی۔ کروڑا سنگھ نے کوئی وارث نہیں چھوڑا تھا لہٰذا بھجل سنگھ اس کا جانشین بنا' جو سرہند کے صوبیدار زین خاں کے قتل کے بعد سکھ سرداروں میں سب سے زیادہ خوفناک بن گیا۔ اس نے کرنال سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر جگادھری کی سڑک پر واقع چلاونڈی کو اپنا صدر مقام بنایا اور اپنی فتوحات کو مشرق میں ستلج کے کناروں تک اور جالندھر دوآب تک بڑھا لیا۔ اس کی قیادت میں ۱۲ ہزار لڑاکا سپاہی تھے۔

سکھوں نے سرہند کے مغل فوجدار ملا احمد داد کے خلاف بغاوت کر کے ۱۷۷۸ء میں اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ انہوں نے مالوہ کے علاقے کو بھی مسلمانوں سے چھین لیا۔ یہ خبر موصول ہونے پر دہلی کے بادشاہ شاہ عالم نے عبدالاحد خاں المعروف نواب مجد الدولہ کو ایک فوج کے ساتھ شہزادہ جوان بخت (جو فرخندہ بخت اور اکبر کے نام سے بھی مشہور تھا) کی زیر قیادت سکھوں کو سزا دینے کے لیے روانہ کیا۔ مضبوط شاہی فوج جو ۲۰ ہزار جوانوں کے ساتھ محاصرہ کرنے والی کافی فوج پر مشتمل تھی' بغیر کسی تھوڑی سی بھی مزاحمت کے کرنال پہنچی اور وہاں بھجل سنگھ' کروڑا سنگھ' صاحب کھنڈا والا اور کرم سنگھ شہید ان سے شامل ہوگئے۔ مثل کے انتہائی طاقتور کلیہ سرداروں کی نمائندگی کتھیل کا دیسو سنگھ کر رہا تھا جو دہلی میں ہی شاہی فوج کے ساتھ شامل ہوگیا تھا۔ باغی سکھوں کو زبردستی نواب کو تین لاکھ روپے کا جرمانہ ادا کرنے کو کہا گیا اور ان سے سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ لیا گیا۔ کرنال میں سکھ فوج کے ساتھ ملنے پر وزیر شمال کی طرف بڑھا لیکن اس کی پیش قدمی کو پٹیالہ کے راجہ امر سنگھ نے روکا' جس کے ساتھ بھلکیہ سردار' جھنڈ' نابھہ' بھدر' ملا' کنہیا اور رام گڑھیہ شامل ہوگئے تھے۔ سکھ مثلوں کی متحدہ افواج نے شاہی فوج پر ایک عام حملہ کر دیا' جس نے مزاحمت کی لیکن کمزور فاتح سکھ اس تباہ کن مہم کے بعد' جو ۷۹-۱۷۷۸ء کے سرما میں رونما ہوئی' بالائی دوآب میں داخل ہوئے اور اس میں لوٹ مار مچا دی۔ اس پوری مہم کے دوران شاہی فوج کی جانب بھجل سنگھ کروڑا سنگھیہ کی حیثیت نمایاں رہی۔

طوائف الملوکی کے دنوں میں جب کسی دور میں طاقتور مغلیہ سلطنت تیزی سے زوال

پذیر تھی تو مرہٹوں نے لوٹ مار اور غارت گری کے لیے پنجاب کو سب سے زیادہ بہتر میدان سمجھنا شروع کر دیا۔ پٹیالہ میں دھڑ مرہٹہ کی مہم کو مکمل طور پر کامیابی ہوئی۔ ۱۷۸۸ء کے موسم بہار نے ایک اور مرہٹہ مہم جو امبہ راؤ کے حملہ کا مشاہدہ کیا' جو ضابطہ خاں کے بیٹے مشہور روہیلہ سردار غلام قادر کی مدد سے پنجاب میں داخل ہوا۔ سب سے پہلا سکھ سردار' جس نے حملہ آور کو خوش آمدید کہا' وہ بھیل سنگھ کروڑا سنگھیہ تھا' جس نے اسے اطاعت پیش کی اور اس کا ایک جانثار ساتھی بن گیا۔ بھیل سنگھ کے انتقال پر اس کے دوست اور ساتھی کلسیہ خاندان کے بانی' سردار گوربخش سنگھ کے بیٹے جودھ سنگھ کو کروڑا سنگھیہ مثل کا سردار تسلیم کر لیا گیا۔ اگرچہ اس کی بیواؤں' رام کور اور راج کور نے کئی سال تک چلاونڈی پر قبضہ برقرار رکھا۔ نیز ان کے انتقال پر یہ جاگیر ستمبر ۱۸۴۵ء میں حکومت برطانیہ کے پاس منتقل ہو گئی۔ جودھ سنگھ انتہائی قابل شخص تھا۔ اس نے چھچھروَلی کو فتح کیا اور ڈیرا' بسی' لوتب اور اچرک پر قبضہ کیا۔ اس نے پٹیالہ اور نابھہ کے علاقوں پر ناجائز قبضہ کیا' لیکن پٹیالہ کے راجہ صاحب سنگھ نے ۱۸۰۳ء میں اس کے بیٹے ہری سنگھ سے اپنی بیٹی کی شادی کر کے اسے از سرنو ان کارروائیوں کا ارتکاب کرنے سے روک دیا۔ ۱۸۰۷ء میں نارائن گڑھ کے محاصرہ کے وقت سردار نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں' لہٰذا اسے جاگیروں کی شکل میں بہت زیادہ انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ وہ ۱۸۱۸ء میں ملتان کے محاصرہ کے بعد انتقال کر گیا۔ لہٰذا کروڑا سنگھیہ مثل' کلسیہ خاندان میں ضم ہو گئی' جس کے سردار بشن سنگھ کے پاس اب ایک لاکھ تیس ہزار روپے سالانہ آمدنی کی جاگیر ہے' جس کی آبادی ۶۲ ہزار ہے۔ اسے ماسوائے پٹیالہ' جھنڈ' نابھہ' مالیر کوٹلہ اور فرید کوٹ کے' ستلج کی اس جانب کے تمام سرداروں پر فوقیت حاصل ہے۔

۱۰۔ شہید اور نہنگ مثل

اس مثل کے سردار ایسے اشخاص تھے جو ان باوقار شہیدوں اور سرگرم افراد کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے تھے' جن کے مسلمانوں نے' پٹیالہ کے مغرب میں واقع دمدمہ میں سر کاٹ دیے تھے۔ امرتسر کے گوردوارہ میں اکالی' سرگرم راہب تھے' جو اپنے مذہبی جوش و خروش کے ساتھ اپنے ہمسایوں کی ملکیت پر قبضہ کرنے کی کمزوری کے حامل بھی تھے۔ ان چیلوں کی جماعت کی بنیاد گورو گووند نے رکھی تھی' جس کی تعلیمات نے اسے بیراگی فقیر بندہ کی اختراعات کے خلاف مضبوطی سے قائم رکھا۔ وہ اپنی عبادات میں ہمیشہ اکال اکال (۱۱)

پکارتے ہیں' چار خانہ نیلا لباس پہنتے ہیں' اپنی کلائیوں میں آہنی کڑے پہنتے ہیں اور اپنے سر کے گرد ایک گول چمکدار اور تیز تلوار رکھے ہوتے ہیں۔

مثل کے سردار کرم سنگھ اور گور بخش سنگھ تھے' جن کے مقبوضات ستلج کے مشرق میں پھیلے ہوئے تھے اور ان کی قیادت میں دو ہزار گھڑسوار تھے۔

۱۱- پھلکیہ مثل

اس مثل کا سردار سندھو قبیلے کا ایک جاٹ' پھول تھا' جو راجپوتانہ میں جیسلمیر ریاست شہر اور خاندان کے بانی جیسل (۱۲) کی اولاد میں تیسویں پشت سے تھا۔ وہ بھی دیگر جاٹوں کی طرح ایک بھٹی راجپوت تھا۔ وہ روپ چند کی بیوی مائی امبی کے بطن سے اس کا دوسرا بیٹا تھا اور ۱۶۱۹ء میں موضع بیدوالی یا میہراج میں پیدا ہوا۔ اس نے میہراج سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں کی بنیاد رکھی' جس کو وہ اپنے نام کی نسبت سے پھول کہتا تھا۔ (۱۳) شہنشاہ دہلی' شاہجہاں نے ایک فرمان کے ذریعے اسے اس عہدہ پر بحال کر دیا جو اس کے آباؤ اجداد کے پاس ہوتا تھا۔ وہ بھٹنڈا میں بھکرسر کے قریب راجپوت سردار حیات خاں کی قیادت میں بھٹیوں سے لڑا' جو شکست فاش کا سامنا کرنے پر بھٹنر کے طرف چلا گیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد اسی نام کے ایک گاؤں کے بانی عیسٰی خاں راجپوت نے قصور کے پٹھان سردار نواب حسین خاں کی مدد سے ستلج کی اس جانب فیروز پور کے قریب اسے شکست دی۔ عیسٰی خاں نے موضع پھول کو تاخت و تاراج کر دیا اور سردار پھول کو اس کی میہراج میں پرانی رہائش گاہ کی طرف واپس جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ اپنی حالت کو مستحکم کرنے کے بعد پھول نے عیسٰی خاں کے والد' دولت خاں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور اسے شکست دے کر پھول میں راجپوت نمائندے مولا سنگھ کو نکال باہر کرنے کے بعد اس جگہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے بھٹنر کے سردار حیات خاں پر حملہ کر دیا اور اس کے بھتیجوں' محبت خاں اور محبوب خاں کو قتل کر دیا۔ پھول ایک طاقتور سردار بن گیا' لہٰذا اس نے جگراؤں کے شاہی حاکم کو تاوان کی ادائیگی روک دی۔ اس کو شکست دے کر قید میں ڈال دیا' لیکن زیر حراست ہونے کے باوجود اس کے ساتھ ہر قسم کا احترام ملحوظ رکھا گیا۔ گورو ہرگوبند کی پیشین گوئی' کہ پھول ایک عظیم آدمی بن جائے گا' پوری ہو گئی کیونکہ پھول کے سات بیٹے تھے' جو پٹیالہ' جھنڈ اور نابھہ کے حکمران خاندانوں کے آباؤ اجداد بنے اور اس کے نام پر انہیں پھلکیہ کہا جاتا تھا۔ بھدر' ملود' لدھ گڑھیہ کے گھرانے اور جیاندن کا خاندان اس کی

اولاد میں سے نکلے اور بہت زیادہ دولت اور طاقت کے حامل ہوئے۔

کہا جاتا ہے پھول کی موت بڑے پراسرار حالات کے تحت ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مشہور جوگی سرپوری نے اسے تعلیم دی۔ اس نے اسے سانس روکنے کا فن (حبس دم) سکھا دیا تھا۔ (۱۴) سرہند کے حاکم نے سرکاری تاوان کی عدم ادائیگی کے باعث اسے قید میں ڈال دیا۔ پھول نے سانس روک کر جھوٹ موٹ کی موت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے محافظوں نے اسے مردہ سمجھ کر اس کی لاش اس کے رشتہ داروں کے سپرد کر دی۔ ہوا یوں کہ اس کی بیویوں میں سے ایک' جو اکیلی ہی اپنے خاوند کی پراسرار طاقت سے واقف تھی' اس وقت غیر حاضر تھی۔ اس کے دیگر رشتہ دار' جو صورت حال سے واقف نہیں تھے' فوری طور پر اس کی لاش کا کریا کرم کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ واقعہ متوفی کی عمر کے سترہویں برس ۱۶۵۲ء میں نابھہ کے علاقے میں' دھنولا کے قریب' بہادر پور میں پیش آیا۔ تاہم یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ پھول' سرہند کے مسلمان حاکم کی قید میں' مرگی کی اینٹھن کے باعث فوت ہوا۔

سرداری پر پھول کا دوسرا بیٹا راما یا رام چند اس کا جانشین بنا۔ اس نے بھٹیوں کے علاقہ میں مسلسل لوٹ مار جاری رکھی اور چاندب کے نزدیک قبیلے کے سردار حسن خاں کو شکست دے کر بہت سا لوٹ کا مال' روپیہ پیسہ' گھوڑے اور مویشی اپنے ساتھ لے گیا۔ تب اس نے اپنے والد کے دیرینہ دشمن عیسیٰ خاں کے علاقہ میں حملہ کیا' اسے شکست دی اور جس قیمتی چیز پر بھی ہاتھ پڑا' اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے کوٹ کے مسلمان سردار سے بھی جنگ مول لی اور ایک گھسان کی جنگ کے بعد اسے شکست دی اور اس کے بعد اس کے پڑاؤ کو لوٹ لیا جو بہت زیادہ قیمتی تھا۔ آخر ۱۷۱۴ء میں مالیر کوٹلہ میں اس کے اپنے سردار چین سنگھ کے بیٹوں نے اپنے والد کی موت کے انتقام کی خاطر اسے ۷۵ ویں برس کی عمر میں قتل کر دیا۔ راما کے بعد اس کا تیسرا بیٹا پٹیالہ راج کا بانی مشہور زمانہ علا سنگھ اس کا جانشین بنا' جو ۱۶۹۵ء میں پیدا ہوا۔ اس نے برنالہ کو از سرنو تعمیر کرایا' جو کھنڈر بن چکا تھا اور اسے اپنی حکومت کا دارالحکومت بنایا۔ تب اس نے کوٹ کے رائے سے جنگ کی' جس نے متعدد سرداروں کی مدد سے ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ دوسروں میں مالیر کوٹلہ کا سردار جمال خاں اور جالندھر دوآب کا شاہی فوجدار نواب سید اسد علی خاں بھی تھا۔ (۱۵) زبردست جنگ کے بعد سکھوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اسد علی خاں کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے سپاہی بھاگ اٹھے' باقی ماندہ فوج نے بھی ان کی تقلید کی۔ دشمن کی فوج کی ایک بہت بڑی

تعداد کو ہلاک کر دیا گیا اور متعدد کو قیدی بنا لیا گیا۔ یہ فتح ۱۷۳۱ء میں حاصل کی گئی۔

راجپوتوں اور پٹھانوں کی مشترکہ افواج پر اس شاندار فتح نے قریبی علاقہ میں دہشت پھیلا دی اور حقیقی طور پر علا سنگھ کی حالت کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ ستلج کے پار کے سکھ اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے اور اس کے پیروکاروں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوگیا۔ اس نے متعدد دیہاتوں کو فتح کیا اور بہت سے نئے تعمیر کیے۔ اس کی شہرت دہلی پہنچی تو بادشاہ محمد شاہ نے صوبیدار میر منو اور سمیع یار خاں کو ایک فرمان کے ساتھ (بتاریخ ۲۱ رمضان المبارک ۱۱۴۳ھ) روانہ کیا' جس میں علا سنگھ سے کہا گیا تھا کہ وہ سرہند کے انتظام میں مدد کرے اور اس سے وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ شاہی دربار کو اپنے تئیں مطمئن کرتا ہے تو اسے راجہ کا خطاب دیا جائے گا۔

اب علا سنگھ نے بھٹنر کے حسن خاں کے بیٹے محمد امیر خاں کی قیادت میں بھٹیوں یعنی اپنے دیرینہ دشمنوں پر جنگ مسلط کر دی۔ تب وہ سرہند کے روہیلہ فوجدار علی محمد خاں (۱۶) کے ساتھ شامل ہوگیا' لیکن آخرکار اسے قید خانے میں پھینک دیا گیا' لہٰذا اگر اس کے جانثار ساتھیوں میں سے ایک اس کی رہائی کا بندوبست نہ کرتا تو غفلت میں ہی ضائع ہو جاتا۔ ۱۷۴۹ء میں اس نے بھوانی گڑھ کا قلعہ تعمیر کرایا اور اس کے تین سال بعد' اس کے سرداروں میں سے ایک اور اس کے برادر نسبتی نے اس کے لیے ضلع سناور (۱۷) (جو چوراسی دیہاتوں پر مشتمل ہونے کے باعث) چوراسی کے نام سے بھی مشہور تھا۔ ان میں سے ایک پٹیالہ بھی تھا' جو اب علاقے کا صدر مقام ہے' وہاں علا سنگھ نے اگلے سال (۱۷۵۷ء) مٹی کا ایک چھوٹا سا قلعہ تعمیر کرایا جسے اس علاقے میں سوڈھیوں کے رہنے کی وجہ سے "سوڈھیوں کی گڑھی" (۱۸) بھی کہا جاتا تھا۔ سناور کے سردار محمد شاہ کھوکھر نے علا سنگھ کو اطاعت پیش کی۔ تب علا سنگھ نے راجپوتوں سے جنگ کے بعد (جس میں ان کا سردار فرید خاں مارا گیا) سامانہ (۱۹) کے ایک بہت بڑے حصہ کو فتح کر لیا۔ اس نے بھٹیوں سے جنگ چھیڑ دی' جن کو حصار کے مغل حاکم نواب ناصر خاں کی مدد حاصل تھی' لہٰذا آٹھ روز کی سخت جنگ کے بعد ان کو زبردست نقصان کے ساتھ منتشر کر دیا۔ ۱۷۵۷ء میں اس فتح نے علا سنگھ کی حکومت اور طاقت کو مجتمع کرنے اور اس کے اثر و رسوخ میں اضافہ کرنے میں بہت مدد دی۔

برنالہ کی جنگ

۱۷۶۲ء میں احمد شاہ نے برنالہ پر حملہ کر دیا' جو اس وقت پٹیالہ کا سب سے اہم شہر

تھا۔ اس حملے کا مقصد سکھوں کو اس گستاخی کی سزا دینا تھا' جنہوں نے پچھلے برس ہندوستان سے اس کی روانگی کے بعد سرہند کے حاکم زین خاں کو مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا۔ سکھوں نے مسلمان حملہ آور کے خلاف اتحاد قائم کر لیا' لہٰذا پھلکیہ سرداروں' جسا سنگھ کی قیادت میں آہلووالیوں' فضل پوریوں' سنگھ پوریوں' کیتھل کے بھائیوں اور متعدد دیگر سرداروں نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک جماعت تشکیل دے دی۔ برنالہ کے قریب ایک عظیم جنگ لڑی گئی' جس کے نتیجہ میں سکھوں کو مکمل طور پر شکست ہوئی' جن کے نقصان کا اندازہ ۲۰ ہزار افراد تھے۔ پٹھانوں نے برنالہ کو لوٹ لیا اور علا سنگھ کو گرفتار کر کے شاہ کے سامنے قیدی کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ علا سنگھ کی بیوی رانی فتو نے شاہی خزانے کو چار لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کر کے اپنے خاوند کو رہائی دلائی۔ شاہ نے علا سنگھ کو گلے لگایا اور اسے خلعت عطا کی اور اپنے وزیر شاہ ولی خاں کے دستخط کے ساتھ ایک فرمان جاری کیا' جس میں سرہند کے صوبیدار زین خاں سے خطاب کر کے تلقین کی گئی تھی کہ وہ اس کے علاقوں کو علیحدہ سمجھے اور اس کی خودمختاری کا احترام کرے۔ علا سنگھ نے اب پٹیالہ میں ایک پکے قلعہ کی بنیاد رکھی اور اس شہر کی ترقی پر اپنی توجہ صرف کی۔

اگلے برس درانی بادشاہ نے دوبارہ ہندوستان پر حملہ کیا اور مالیہ کے طور پر ساڑھے تین لاکھ روپے ادا کرنے کی شرط پر علا سنگھ کو صوبہ سرہند کا چکلادار یا پٹے دار مقرر کیا گیا۔ شاہ نے ازراہ کرم علا سنگھ کو راجہ کا خطاب اور ایک خلعت سے نوازا۔ لاہور روانہ ہوتے وقت علا سنگھ' شاہ کے ہمراہ تھا مگر واپسی پر پٹیالہ میں بخار میں مبتلا ہوگیا' جہاں دو روز کی مختصر علالت کے بعد ۲۲ اگست ۱۷۶۵ء کو ۷۰ برس کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا۔

علا سنگھ کے بعد راج پر اس کا پوتا امر سنگھ جانشین بنا۔ درانی بادشاہ احمد شاہ نے ۱۷۶۷ء میں ہندوستان پر اپنے آخری حملہ کے دوران امر سنگھ کو "راجہ راجگان بہادر" کے خطاب سے نوازا۔ انبالہ سے ۲۴ میل جنوب کی طرف کرابوانہ کے مقام پر بادشاہ اور راجہ کے درمیان ملاقات ہوئی' جس میں راجہ کو علم' نقارہ' ایک خودمختار راجہ کے نشان کے ساتھ قیمتی تحائف دیے گئے۔ اسے اپنے نام کا سکہ مضروب کرانے کی بھی اجازت دے دی گئی۔ اس نے اپنی باری پر بادشاہ کو ایک لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کیا۔

امر سنگھ نے مالیر کوٹلہ کے افغانوں پر جنگ مسلط کر دی۔ سکھوں نے ان کے سردار جمال خاں کو میدان جنگ میں قتل کر دیا۔ اس نے منی ماجرا اور کوٹ کپورہ پر کامیاب حملے کیے۔ پٹیالہ کے شمال میں ایک مضبوط قلعہ' سیف آباد پر قبضہ کیا اور اس کے مسلمان مالکان

کو نکال باہر کیا۔ فتح آباد اور سرسہ پر قبضہ کیا اور سرسہ کے مغرب میں آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مضبوط قلعہ رانیہ کا محاصرہ کر لیا' جس پر محمد امین خاں بھٹی کا قبضہ تھا۔ جھنڈ اور رانیہ پر قبضہ سے پیشتر شاہی فوج کو پسپا کر دیا گیا تھا۔ تب ۱۷۷۷ء میں فرید کوٹ کو تاخت و تاراج کیا گیا' لیکن علاقے کا رسمی قبضہ حاصل کرنے کے لیے کوئی کوشش نہ کی گئی۔ اس نے چار ماہ کی زبردست جنگ کے بعد بھٹنڈا کو فتح کر لیا اور علاقے کے سردار سکھ چین کو بارہ دیہات دیکھ بھال کے لیے دیے۔ راجہ فروری ۱۷۸۱ء میں کثرت شراب نوشی کے باعث مرض استسقا میں مبتلا ہو کر ۳۵ برس کی عمر میں فوت ہو گیا۔

امر سنگھ کے بعد اس کا چھ سالہ بیٹا صاحب سنگھ اس کا جانشین بنا اور اس کے بعد کرم سنگھ جانشین بنا۔ انگریز مہم جو جارج تھامس (۲۰) (جو اصل میں مشہور زمانہ زیب النساء المعروف بیگم سمرو کی ملازمت میں تھا) نے پٹیالہ کو تاخت و تاراج کر دیا' لیکن جب ۱۸۰۱ء میں اس کے اور سکھوں کے درمیان صلح ہو گئی تو یہ مہم جو اپنے قلعہ حنسی میں واپس آ گیا۔ کئی سال تک پٹیالہ اولوالعزم' دانشمند اور سرگرم خواتین کے زیر اثر رہا مثلاً رانی حکما' رانی کھیم کور' صاحب سنگھ کی بڑی خالہ بی بی پردھان اور راجہ امر سنگھ کی چچازاد بہن بھگواڑا کی رانی رجندرا' جس نے ایک کثیر فوج کی قیادت کرتے ہوئے پٹیالہ کی طرف پیش قدمی کی اور ننومل کو رہائی دلا کر اسے دوبارہ وزیر کے عہدہ پر بحال کیا۔ جب مرہٹے اپنے سرداروں ابتہ راؤ اور لچھمن راؤ کی قیادت میں جمنا کو پار کر کے پٹیالہ پر حملہ آور ہوئے تو صاحب سنگھ کی بہن رانی صاحب کور ان کے خلاف بڑی دلیری سے لڑی۔ انبالہ سے چند میل کے فاصلے پر مردان پور کے قریب دونوں فوجوں میں تیز جنگ شروع ہوئی۔ سکھ' جن کی دشمن کی منظم فوج سے کوئی برابری نہیں تھی' برتر تعداد کے سامنے پسپا ہونا شروع ہو گئے۔

رانی نے جب یہ دیکھا کہ مراجعت ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گی' تو وہ اپنی رتھ سے اچانک نیچے کود پڑی اور تلوار کھینچ کر سپاہیوں سے بلند آواز میں مخاطب ہوئی: "سپاہیو! میں نے پیچھے نہ ہٹنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ سکھ قوم کے لیے شرم کی بات ہو گی اگر وہ اپنے بادشاہ کی بہن' ایک عورت کو دشمنوں میں قتل ہونے کے لیے چھوڑ جاتے ہیں"۔ اس غیر معمولی خاتون نے جس دلیری کا مظاہرہ کیا تھا' اس سے سکھوں کے سر ندامت سے جھک گئے' لہٰذا انہوں نے فتح پانے یا مر جانے کا تہیہ کر لیا۔ انہوں نے مرہٹوں پر غیظ و غضب سے حملہ کیا' لیکن پسپا کر دیے گئے۔ آخر کار شب خون مارنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس نے

مرہٹوں میں اس قدر خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کر دی کہ وہ انتہائی تیزی سے پیچھے ہٹے اور زبردست افراتفری کی حالت میں کرنال کی طرف بھاگ اٹھے۔

کرم سنگھ دسمبر ۱۸۴۵ء میں انتقال کر گیا' لہٰذا اس کا ۲۳ سالہ بیٹا نریندر سنگھ جانشین بنا۔ نریندر سنگھ نے ریاست لاہور کے ساتھ جنگ کے دوران حکومت برطانیہ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ لہٰذا ستمبر ۱۸۴۷ء میں اس کی خدمات کے اعتراف میں گورنر جنرل نے اسے ایک سند عطا کی۔ راجہ کو دوبارہ حفاظت کی یقین دہانی کرائی گئی اور اس کے سابقہ مقبوضات میں اس کے حقوق کی ضمانت دی گئی۔ اپنی طرف سے اس نے ستی' طفل کشی اور اپنے علاقوں میں غلاموں کے کاروبار کی روک تھام کے لیے اپنے آپ کو پابند کر لیا۔

۵۸ - ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران حکومت برطانیہ کی طرف ہندوستان میں کوئی راجہ اس قدر دلیری اور جرأت مندی سے کھڑا نہیں ہوا' جس طرح مہاراجہ پٹیالہ کھڑا ہوا۔ وہ غالب حکومت سے وابستگی اور وفاداری کے لیے بہت نمایاں تھا۔ اس نے اپنے ممتاز آباؤ اجداد کے نام کے شایان شان ثابت قدمی' اولوالعزمی اور جانثاری سے کام لیا' جس نے اس کی یاد کو نہ صرف تمام انگریزوں کے لیے بلکہ ان تمام ہندوستانیوں کے لیے عزیز بنا دیا' جو ایک ایسی حکومت کے لیے وفاداری کو سراہتے تھے جن کے تحت انہیں امن و آشتی' خوشحالی اور آزادی جیسی نعمتیں حاصل تھیں۔ ان تاریک ترین ایام میں جب مفاد پرست دوست پیچھے ہٹ گئے' وہ زبردست جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھا اور اپنے تمام وسائل کو بغیر کچھ اپنے پاس رکھے' برطانوی حکام کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ دہلی کے بادشاہ نے حکومت برطانیہ کے خلاف اس کی مدد مانگنے اور انعام و اکرام کا وعدہ کرتے ہوئے اسے ایک خط روانہ کیا' لیکن مہاراجہ نے وہ خط من و عن اصل حالت میں برطانوی حکام کے پاس بھیج دیا۔ اس نے سردار پرتاپ سنگھ کی قیادت میں ایک فوج دہلی روانہ کی' جس نے باغیوں کے گڑھ اس شہر کے محاصرہ اور حملہ کے دوران شاندار خدمات سرانجام دیں۔ جنرل ولسن نے مہاراجہ کی مدد کا بڑے پرجوش انداز میں اعتراف کیا۔ اس نے کرنال' تھانیسر اور انبالہ کی حفاظت کے لیے اپنے دستے روانہ کیے اور کرنال سے پھلور تک جرنیلی سڑک (جی۔ ٹی۔ روڈ) کی حفاظت کی۔ اس نے پوری افواج کو پہاڑی مقامات' دگشائی' سباتو اور کاسولی سے انبالہ لے جانے کے لیے اپنے خچروں' ہاتھیوں' اونٹوں اور چھکڑوں کو کالکہ روانہ کیا۔ اس نے جنرل وان کورٹ لینڈ کی قیادت میں جو دستے روانہ کیے تھے' انہوں نے سرسہ' روہتک

افتتاح کیا۔ اپریل ۱۸۷۶ء میں شراب خوری کی زیادتی کے باعث پیدا ہونے والی بیماریوں کی وجہ سے وہ ۲۴ برس کی عمر میں انتقال کر گیا' لہٰذا اس کا چار سالہ بیٹا رجندر سنگھ جانشین بنا۔ پٹیالہ ریاست کے معاہدہ کی رو سے جھنڈ اور نابھہ کے راجاؤں کی طرف سے نامزد کردہ قائم مقام مشاورت کو دوبارہ ریاست کے معاملات سونپ دیے گئے۔ حال ہی میں راجہ کو اختیارات سونپے گئے ہیں' لہٰذا امید کی جاتی ہے وہ ایک روشن ضمیر حکمران ثابت ہوگا۔

جھنڈ خاندان

پھلکیاؤں میں پٹیالہ گھرانے کے بعد سب سے زیادہ اہم جھنڈ خاندان ہے۔ اس خاندان کا بانی پھلکیا خاندان کے بانی چودھری پھول کا بڑا بیٹا تلوکہ تھا۔ تلوکہ کے پوتے گجپت سنگھ نے ۱۷۶۳ء میں سرہند کے افغان حاکم زین خاں کے قتل کے بعد ملک کے ایک بڑے حصہ بشمول جھنڈ اور سفیدن کے اضلاع (جو پانی پت اور کرنال تک پھیلے ہوئے تھے) پر قبضہ کر لیا۔ لیکن وہ دہلی کے بادشاہ کو مالیہ ادا کرتا تھا اور اپنے آپ کو اس کا حلیف سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ واجبات کی عدم ادائیگی کے باعث وزیر نجیب خاں اسے قیدی بنا کر دہلی لے گیا اور تین سال تک قید میں رکھا۔ اس عرصہ کے اختتام پر اسے اپنا بیٹا مہر سنگھ یرغمال کے طور پر چھوڑ جانے پر رہائی ملی۔ جھنڈ پہنچنے پر اس نے شاہی خزانے کو ساڑھے تین لاکھ روپے ادا کرنے کا انتظام کیا۔ اس کی وجہ سے نہ صرف اس کے بیٹے کو رہا کر دیا گیا بلکہ دہلی کے بادشاہ شاہ عالم نے ۲۵ر شوال ۱۱۸۵ ہجری (۱۷۷۲ء) کو ایک فرمان کے ذریعے اسے راجہ کا خطاب دیا۔ اس نے خود مختاری کا دعویٰ کیا اور اپنے دارالحکومت میں ایک سکہ مضروب کرایا۔

۱۸۴۵ - ۴۶ء کی مہم میں برطانوی حکام نے راجہ گجپت سنگھ کی چھٹی پشت سے راجہ سروپ سنگھ کو سرہند ڈویژن کے استعمال کے لیے ۱۵۰ اونٹ فراہم کرنے کے لیے کہا۔ مسلسل وعدوں اور یقین دہانیوں کے باوجود راجہ نے اس میں غفلت برتی کیونکہ اس کے ساتھ حکومت برطانیہ کی طرف سے بڑا فیاضانہ سلوک ہوتا تھا' جو اس کے تقاضوں کو اچھی طرح جانتی تھی' جس کے بارے میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان کا کوئی قانونی جواز ہوگا' لہٰذا حکومت اس کے رویہ سے مطمئن نہ ہوئی اور میجر براڈ فٹ نے اس پر ۱۰ ہزار روپے کا جرمانہ عائد کر دیا۔ اس ذلت کو مٹانے کے لیے راجہ نے اس قدر جوش و خروش اور جانثاری سے کام کیا کہ اسے جلد ہی دوبارہ اعتماد میں لے لیا گیا۔ اس نے رسد اور مال برداری فراہم کرنے میں اپنے آپ کو بڑا مفید ثابت کیا اور برطانوی فوج کے ساتھ خدمات

سرانجام دینے کے لیے ایک فوج مہیا کی۔ کیپٹن ھے کی قیادت میں پٹیالہ کی فوج کے ہمراہ ایک اور فوجی دستہ روانہ کیا گیا اور اس نے بہتر خدمات انجام دیں۔ راجہ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے خلاف شیخ امام الدین کی بغاوت کو دبانے کے لیے برطانوی افسروں کی مدد کرنے کے لیے اپنی فوج کا ایک دستہ کشمیر روانہ کیا۔ ان خدمات کے صلے میں حکومت برطانیہ نے اسے خوب نوازا' لہٰذا اس پر میجر براڈفٹ کے عائد کردہ نہ صرف ۱۰ ہزار روپے کے جرمانے کو معاف کر دیا گیا' بلکہ ۳ ہزار روپے سالانہ مالیت کی زمینیں بھی اسے عطا کی گئیں اور حکومت نے اس سے وعدہ کیا کہ راجہ یا اس کے وارثین سے کبھی بھی مالیہ یا خراج وصول نہیں کیا جائے گا۔ اس پر راجہ نے اپنی طرف سے تمام ہنگامی معاملات میں اپنی تمام فوج کو حکومت کی مرضی پہ چھوڑنے' فوجی سڑکوں کو مکمل طور پر مرمت کرانے اور اپنے علاقہ میں غلامی' طفل کشی اور ستی کو ختم کرنے کا وعدہ کیا۔ مزید برآں اس نے جھنڈ کے علاقہ میں محصول راہداری کو ختم کر دیا۔ اس پر حکومت برطانیہ نے ازراہ مہربانی مزید ایک ہزار روپے سالانہ مالیت کی زمینیں عطا کر دیں۔

راجہ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران حکومت برطانیہ کے لیے اہم خدمات سرانجام دیں۔ وہ دہلی کے محاصرہ کے وقت موجود تھا۔ جب اس شہر پر حملہ کیا گیا اور اس کی فصیل پر سیڑھیاں لگائی گئیں تو اس کی فوج انگریزوں کے شانہ بشانہ لڑی۔ جنرل ولسن نے ۲۲ر ستمبر ۱۸۵۷ء کی روانگی میں دہلی کے قبضہ کے متعلق راجہ اور اس کی فوج کی خدمات کا بہت زیادہ مشاہدہ کیا تھا۔ تب اس نے کہا: "انہوں نے نہ صرف سامان جنگ کی مسلسل حفاظت کے لیے کٹھن فرائض ادا کیے' بلکہ انہوں نے ایک سے زائد موقعوں پر جنرل کی مدد کی اور آخر میں دہلی کے حملے اور قبضہ میں بھی حصہ لیا"۔ علی پور میں جھنڈ سے آنے والی ایک فوج برطانوی پڑاؤ میں شامل ہوگئی اور بدلی سرائے کی جنگ میں اس قدر نمایاں خدمات انجام دیں کہ (میدان میں) اسے کمانڈر انچیف کی شاباش ملی' جس نے مزید برآں ایک مقبوضہ توپ پیش کر کے راجہ کی خدمات کو سراہا۔ راجہ نے اپنے دستوں کو کرنال اور پانی پت روانہ کیا' جہاں انہوں نے امن و امان اور نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے حقیقی طور پر مدد بہم پہنچائی۔ راجہ کی روانہ کی گئی ایک فوج نے دہلی کے شمال میں ۲۰ میل کے فاصلے پر باغ پت کے مقام پر کشتیوں کے پل کو تباہی سے بچایا' لہٰذا میرٹھ سے آنے والی برطانوی فوج جمنا کو پار کر کے سر برنارڈ کی افواج سے ملنے کے قابل ہوگئی۔ ہنسی' حصار اور روہتک اضلاع کے باغی جھنڈ کے چند دیہاتوں میں پھیل گئے تھے اور لوگوں کو تنگ کر رہے تھے' لیکن راجہ

موقع پر پہنچا اور اس فتنے کو فوری طور پر دبا دیا گیا۔

حکومت برطانیہ کے لیے راجہ کی خدمات کو بڑے شاندار طریقے سے نوازا گیا۔ حکومت ہند نے ۵ر نومبر ۱۸۵۷ء کے ایک اطلاع نامہ میں ازراہ مہربانی یہ اعلان کیا کہ اس کی مستقل حمایت کے لیے حکومت خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتی ہے دوری کے نواب کا' جھنڈ کے جنوب میں ۲۰ میل کے فاصلہ پر ۵۷۵ مربع میل پر مشتمل علاقہ بمع ایک لاکھ ۳ ہزار روپے سالانہ آمدنی کے (جس کو نواب کی بغاوت کے باعث ضبط کر لیا گیا تھا) راجہ کو عنایت کر دیا گیا۔ یہ علاقہ بہت زیادہ ترقی کے قابل تھا اور اب اس کی آمدنی تقریباً دوگنا ہے۔ سنگ پور کے قریب ۱۳ ہزار ۸ سو ۱۳ روپے سالانہ آمدنی کے مزید ۱۳ دیہات ہمیشہ کے لیے اس کے حوالے کیے گئے۔ دہلی کے باغی شہزادہ مرزا ابوبکر کا ضبط شدہ مکان بھی ازراہ مہربانی راجہ کو عطا کر دیا گیا اور اس کے بے شمار خطابات اور تحائف میں اضافہ کر دیا گیا۔ اسے فرزند دلبند' راسخ الاعتقاد راجہ سروپ سنگھ بہادر والئی جھنڈ کے اعزازی خطاب سے نوازا گیا اور بہت سی دوسری مراعات عطا کی گئیں۔ سنگ پور کے نزدیک بادر خاں سرداروں کو اس کے جاگیردار بنا دیا گیا۔ اقلیت یا بغیر کسی جانشین کے مقرر کیے کسی سردار کی موت کی صورت میں جانشینی کی شرط رکھی گئی۔ ستمبر ۱۸۶۳ء میں اسے "ستارۂ ہند" کا نائٹ گرینڈ کمانڈر نامزد کیا گیا' لیکن ۲۶ر جنوری ۱۸۶۴ء کو شدید اسہال کے باعث انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا رگھبیر سنگھ اس کا جانشین بنا' جو ایک بہترین سپاہی اور زبردست صاحب ذہانت اور فہم شناس شخص تھا۔

نابھہ خاندان

نابھہ خاندان بھی جھنڈ کے ساتھ پھول کے بڑے بیٹے تلوکہ یعنی ایک ہی جد امجد کی اولاد میں سے ہے۔ تلوکہ کا پوتا حمیر سنگھ (جو ایک بہادر اور باکمال سردار تھا) اس نے ۱۷۵۵ء میں نابھہ شہر کی بنیاد رکھی۔ اس نے بہت سے دیہاتوں کو فتح کیا اور افغان حاکم سرہند' زین خاں کے خلاف پٹیالہ کے علا سنگھ کی مہم میں شامل ہوگیا۔ اسے جنگ میں قتل کر دیا گیا اور الموہ کے نام سے مشہور خطہ اس کے حصہ میں آیا۔ ۱۷۷۶ء میں اس نے حنسی کے مغل حاکم رحیم داد خاں سے روڑی کو چھینا اور اپنے دارالحکومت میں سکہ مضروب کرایا۔

اس وقت حمیر سنگھ کی کامیابیاں اور مقبولیت زیادہ تر اس کے دیوان المعروف "کہ" کی قابلیت کے باعث تھیں' لیکن وہ اپنے ڈاکو ہمسایہ گجپت سنگھ راجہ جھنڈ کے بے انتہا لالچ

کے باعث مکمل طور پر محفوظ نہیں رہا تھا۔ گجپت سنگھ نے نابھہ کے علاقہ میں حملہ کرنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈ لیا۔ حمیر سنگھ کو قیدی بنا لیا اور اس سے سنگ پور کا اہم شہر چھین لیا' جسے بعد میں کبھی بھی بازیاب نہ کرایا جا سکا۔

حمیر سنگھ اپنے آٹھ سالہ بیٹے اور وارث جسونت سنگھ کو چھوڑ کر ۱۷۸۳ء میں فوت ہوگیا۔ اس کی کم سنی کے دوران ریاست کے امور اس کی والدہ مائی دسیو انجام دیتی تھی' جو ۱۷۹۰ء میں انتقال کر گئی۔ وہ انتہائی باحوصلہ اور اولوالعزم خاتون تھی' لہٰذا اپنے خاوند کی قید کے دوران اس نے اپنا بہت سا علاقہ بازیاب کرا لیا' جس پر جھنڈ کے راجہ نے زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔ جب مرہٹہ سردار ہولکر شمال کی طرف سے لاہور کی جانب بڑھ رہا تھا تو جسونت سنگھ نے حکومت برطانیہ کے ساتھ اتحاد کر لیا اور ہولکر کو کسی طرح بھی مدد فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ پنجاب کے سخت گیر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی دوستی خطرناک ہے' تو ۱۸۰۹ء میں مالوہ اور سرہند کے دیگر سرداروں کے ساتھ وہ حکومت برطانیہ کی حفاظت میں آگیا۔ گورنر جنرل کی دستخط شدہ ایک سند اسے عطا کی گئی' اسے تمام خراج کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا اور تمام سابقہ مراعات پر مستحکم کر دیا گیا۔ ۳ر مئی ۱۸۰۹ء کے اعلان کے مطابق ستلج کی اس جانب کی ریاستوں کے تمام دیگر سرداروں کو بھی اسی طرح کی مراعات سے نوازا گیا۔

ستمبر ۱۸۱۰ء میں دہلی کے بادشاہ محمد اکبر شاہ نے راجہ کو "باراربنس سارمور ملوندرا بہادر" کا خطاب عطا کیا۔ راجہ حکومت برطانیہ کا ایک بااعتماد حلیف تھا۔ جب ۱۸۰۴ء میں مرہٹہ ہولکر' نابھہ میں رکا اور حکومت برطانیہ کے خلاف راجہ کی مدد کا مطالبہ کیا تو اس نے حکومت برطانیہ سے اپنی وابستگیوں کی دوستانہ دلیل پیش کرتے ہوئے بڑی ثابت قدمی سے اسے کسی قسم کی مدد فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے گورکھا مہم میں انگریزوں کی مدد کی اور بیکانیر کی مہم میں بھی' اس کے علاوہ کابل کی طرف انگریزوں کی پیش قدمی کے دوران اس نے حکومت کو چھ لاکھ روپے کا قرضہ دیا۔ راجہ ۶۶ برس کی عمر میں ۲۲ر مئی ۱۸۴۰ء کو انتقال کر گیا اور اس کا بیٹا دیویندر سنگھ جانشین بنا۔

دیویندر سنگھ ایک کامیاب حکمران ثابت نہ ہوا۔ لڑکپن سے ہی اس کے گرد خوشامدی اور مفت خور جمع ہوگئے تھے' جنہوں نے اس کے کمزور ذہن میں اس کی اہمیت اور شان و شوکت کے بے ہودہ خیالات سمو دیے تھے--- اس نے اپنے دربار میں انتہائی بے ہودہ انداز میں آداب مجلس کو متعارف کرایا (۲۱) جبکہ برہمن' جو ہر شام اس کے سامنے اشلوک

پڑھتے تھے' اس کی نیکیوں کی تعریف و توصیف کرتے تھے اور دوسروں کے مقابلے میں اس کی شان و شوکت کو بڑھ چڑھ کر زیادہ بتاتے تھے' اس چیز نے اس کے ذہن میں یہ خیال بٹھا دیا کہ انگریزوں کی طاقت زوال پذیر ہے اور یہ کہ وہ دن تیزی سے قریب آ رہا ہے جب پنجاب میں صرف نابھہ ہی کی غالب حکومت ہوگی۔

جب برطانیہ اور لاہور کی حکومت کے درمیان ۱۸۴۵ء میں جنگ چھڑ گئی تو راجہ نے نہ صرف اعلانیہ کارروائیوں سے دربار لاہور سے ہمدردی کا اظہار کیا بلکہ جان بوجھ کر کالکہ سے ریحانہ جانے والی سڑک پر رسد کی فراہمی میں بھی ناکام رہا یا برطانوی نمائندوں کے رسد کے بارے میں مطالبات کو پورا کرنے میں ناکام رہا۔ اس خودسر غفلت کی سزا کے طور پر نابھہ علاقے سے وابستہ دیہارو اور املوہ کی جاگیروں کو ضبط کر لیا گیا' لہٰذا جنگ کے خاتمہ پر راجہ کو لدھیانہ میں صوبیدار کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی گئی جہاں دیگر پناہ گزین سرداروں نے عزت مآب گورنر جنرل کو خراج عقیدت پیش کیا۔ بعد میں اس کے رویہ کے متعلق رسمی تحقیقات کی گئیں' لہٰذا حکم دیا گیا کہ راجہ دیویندر سنگھ کو معزول کر کے اس کے بڑے بیٹے کو (جس کی عمر اس وقت سات برس تھی) اس کی سوتیلی دادی رانی چندکور اور حکومت کے دیگر تین افسران کی سرپرستی میں گدی پر بٹھا دیا جائے۔ سابق راجہ کو متھرا جلاوطن کر دیا گیا' لیکن وہاں اذیت رسانی کی وجہ سے دسمبر ۱۸۵۵ء میں لاہور بھیج دیا گیا اور مہاراجہ کھڑک سنگھ کے مکان میں زیر حفاظت رکھا گیا' جہاں اگلے برس نومبر میں انتقال کر گیا۔

راجہ بھرپور سنگھ اس وقت اپنے باپ کا جانشین بنا جب ابھی محض ایک بچہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے صرف چند ماہ بعد سن بلوغت کو پہنچا۔ اس موقع پر نوجوان راجہ نے عظیم بھلکیہ خاندان کے نام کے شایان شان خلوص دل اور جانثاری سے کام کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ بذات خود باغیوں کے خلاف کارروائی کرے اور دہلی روانہ ہو' جہاں باغی بہت بڑی فوج کی صورت میں جمع تھے' لیکن صرف حکومت برطانیہ نے اس کی کم سنی اور کٹھن فرض کے باعث اسے ایسا کرنے سے منع کیا' لیکن دہلی میں خدمات انجام دینے کے لیے اس کی طرف سے ۳۰۰ سپاہیوں کے دستے کو قبول کر لیا گیا' لہٰذا اس نے محاصرے کے دوران کافی مدد کی۔ راجہ کے سپاہیوں نے لدھیانہ میں نظم و نسق بحال کرنے میں بہت اچھی خدمات بہم پہنچائیں اور اس کے ایک فوجی دستہ نے جالندھر میں ایک پل کو تباہ کرنے اور باغیوں کے راستے میں مقابلہ کرنے میں بہت مفید خدمات انجام دیں' لہٰذا باغیوں کی

ایک بہت بڑی تعداد ہلاک ہوگئی اور راجہ کے جوانوں کا بھی یہی انجام ہوا۔ راجہ نے ایک اور فوج مہیا کی جس نے کمانڈر انچیف کے ہمراہ پھلور سے دہلی تک محاصرہ کے توپ خانے کی حفاظت کی۔ اس نے حکومت کو اس وقت اڑھائی لاکھ روپے کا قرضہ دیا' جب دولت بہت قلیل تھی اور اسے رسد' باربرداری اور اونٹ فراہم کرنے کے لیے بے تحاشا استعمال کیا جاتا تھا۔ اس نے ہر دوسرے فرض کو بھی نہایت پھرتی اور رضامندی سے انجام دیا' جس کی اس سے توقع کی جاتی تھی۔

ان خدمات کے اعتراف میں حکومت برطانیہ نے اسے بڑی فیاضی سے نوازا۔ کمشنر نے اس کے لیے لدھیانہ یا ضلع فیروز پور میں ۳۰ ہزار روپے سالانہ مالیت کے ایک علاقہ کی سفارش کی اور اس کے دیگر استحقاقات میں بھی اضافہ کرنے کی سفارش کی' مثلاً اس کی خلعت میں اشیاء کا اضافہ کیا جائے' جھنڈ کے راجہ کے ساتھ برابری کی شرائط میں اس کی مدارات بڑھائی جائیں' ملٹری سٹیشنوں یا گورنر جنرل کے دربار میں اس کا استقبال سلامی کے ساتھ کیا جاتا اور گورنر جنرل سے ملاقات کے بعد واپسی پر حکومت ہند کا سیکرٹری خارجہ اس کی ادائیگی کرتا۔ حکومت نے ازراہ مہربانی اسے انتہائی قیمتی اور بہت سے تحائف سے نوازا۔ ضبط شدہ جھجر علاقے کا ایک حصہ بمع ایک لاکھ ۶ ہزار روپے سالانہ آمدنی کے' خودمختار اختیارات اور استحقاقات کے ساتھ راجہ کو عطا کیا گیا۔ اس کی آبائی جاگیروں میں اچھے برتاؤ اور تمام ہنگامی معاملات میں عسکری اور سیاسی خدمت کی فراہمی کی شرط کے مطابق اس کی خلعت میں دوگنا سے بھی زائد اضافہ کر دیا گیا اور اس کی سلامی کو بھی بڑھا دیا گیا۔ مئی ۱۸۶۰ء میں عطا کی گئی سند کے ذریعے اسے حق وراثت سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے اعزازی خطابات (۲۲) میں اضافہ کر دیا گیا۔ حکم دیا گیا کہ گورنر جنرل کے پاس اس کی حاضریوں کی ادائیگی سیکرٹری خارجہ کرے گا اور اسے زندگی اور موت کے اختیارات دے دیے گئے۔ یہ تحائف صحیح معنوں میں شاہانہ اور اس کے شایان شان تھے۔

۱۸ر جنوری ۱۸۶۰ء کو انبالہ میں منعقدہ دربار میں وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے ستلج کی اس جانب کے تمام سرداروں کی موجودگی میں نابھہ کے سردار سے جو خطاب کیا' وہ مندرجہ ذیل ہے:

"آپ حکومت برطانیہ کی عمل داری کی مدد میں اپنی قدیم قوم کے دیگر سرداروں کے ساتھ مساوی طور پر سرگرم اور مساوی طور پر مستعد رہے ہیں۔

آپ نے ستلج سے دہلی تک بھاری توپ خانے کو لے جانے میں ملکہ کی فوج کی جو مدد

کی ہے، وہ ایک واضح اور قابل قدر خدمت ہے۔

آپ کے ہمعصر سرداروں کی طرح آپ کی وفاداری اور جوش و خروش کا اعتراف انعام و اکرام اور اعزازات سے کیا گیا ہے جو آپ کو اس بات کی یقین دہانی کرا دیں گے کہ حکومت نے آپ کے رویہ کا کس قدر احترام کیا ہے۔

آپ کی املاک میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور رسمی طور پر آپ کو اور آپ کے وارثین کے لیے اس کی توثیق کر دی جائے گی۔ اگر آپ کو اس میں ناکامی ہوتی ہے تو بھلکیہ گھرانے کے افراد میں سے ایک وارث کے لیے آپ کے انتخاب کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا جائے گا۔

ملکہ کی حکومت کی یہ خواہش ہے کہ آپ کے وفادار خاندان کی حکومت اور شان و شوکت قائم و دائم اور آباد رہے"۔

وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ ایلجن نے ستمبر ۱۸۶۳ء میں راجہ بھرپور سنگھ کو مجلس دستور ساز میں ایک نشست دی، لیکن کام کی زیادتی کے باعث زبردست بخار میں مبتلا رہنے کے باعث اسی سال ۹ر نومبر کو راجہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا، لہٰذا اس کا چھوٹا بھائی بھگوان سنگھ جانشین بنا۔ اس موقع پر ۱۸۶۰ء اور ۱۸۶۲ء کی اسناد کی شرائط کے مطابق ریاست کی سالانہ خام آمدنی کے ۱/۳ حصہ کے مساوی مقررہ نذرانہ حکومت کو ادا کیا گیا۔

۱۲۔ سکرچاکیہ مثل

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے آباؤ اجداد

سکھ مثلوں میں سے آخری اور کہیں زیادہ اہم، جس کے ارکان کی قسمت میں پورے پنجاب کے علاقوں پر حکومت کرنا لکھا تھا، وہ سکرچاکیہ مثل تھی۔ رنجیت سنگھ، جو بعد میں مہاراجہ کے طور پر مشہور ہوا، اس کا تعلق اسی مثل سے تھا۔ امید کی جاتی ہے کہ اس غیر معمولی شخص کے خاندان اور نسل کا بیان قاری کے لیے انتہائی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ شجرۂ نسب اگلے صفحے پر درج ہے۔

بڑائچ گوت کے ایک ہندو جاٹ کالو نے ۱۴۷۰ء میں لاہور کے جنوب مغرب میں چالیس یا پچاس میل کے فاصلہ پر واقع موضع پنڈی بھٹیاں میں اپنے خاندان کے ساتھ گمنامی کی زندگی گزاری۔ یہ خاندان وہاں تین نسلوں تک رہا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں پنڈی بھٹیاں

میں خاندان کے افراد سے جھگڑا پیدا ہونے کے باعث کالو نے اپنی بیوی کے ساتھ اس جگہ کو خیرباد کہا اور اس کے ساتھ نشیبی علاقوں کا سفر کیا۔ آخرکار وہ امرتسر سے ۴ یا ۵ کوس مغرب کی طرف سندھیانوالہ خاندان کی موجودہ آبائی جاگیر راجہ سانسی کے قریب ایک گاؤں سانسری میں آباد ہوگیا۔ یہ خانہ بدوش قبیلے سانسی کی آماجگاہ تھی' جو سرکنڈوں سے بنی جھونپڑی یا خیموں میں رہتے تھے اور ڈاکوؤں کی ٹولیوں کی صورت میں ہر طرف کے علاقوں میں لوٹ مار کرتے تھے۔ اس جوڑے نے سانسیوں کی ایک جھونپڑی میں پناہ حاصل کی۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد کالو کی بیوی نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ کہا جاتا ہے چونکہ سانسیوں نے اسے متبنیٰ بیٹا بنا لیا تھا' اسی وجہ سے سانسی طرز پر اسے جدومن کا نام دیا گیا۔ دوسری کہانی یہ ہے کہ وہ اصل میں ایک سانسی کا بیٹا تھا اور کالو اس کا باپ مشہور ہوگیا۔ بعد ازیں کالو اپنی بیوی اور بچے کے ہمراہ دھرونکل سے ڈیڑھ کوس اور وزیر آباد سے چار کوس کے فاصلے پر واقع سند میں آگیا اور غالباً ۱۴۸۸ء میں انتقال کرگیا۔

چونکہ جدومن سانسیوں کے پڑاؤ میں پروان چڑھا تھا' اس لیے اس میں سانسیوں کے پیشے کو اپنانے کے لیے زبردست رجحان پایا جاتا تھا۔ وہ لوٹ مار کی تمام مہمات میں سانسیوں کے ہمراہ ہوتا تھا' لہٰذا آخرکار ایک موقع پر مارا گیا۔ یہ واقعہ غالباً ۱۵۱۵ء میں رونما ہوا۔

اس کے بیٹے گلیب میں اپنے ڈاکو آباؤ اجداد کی رہزنی سے متعلق تمام خصوصیات پائی جاتی تھیں' لہٰذا وہ جس انوکھے طریقے سے اپنے مویشیوں کے بڑے بڑے گلوں کو چناب اور جہلم کے کناروں سے راوی کے پار لے جاکر فروخت کرتا تھا' اس کے باعث اس کے ساتھیوں نے اس کا عرفی نام منو رکھ دیا۔ اس نے بڑی کامیابی سے سانسی غارت گروں کے جتھوں کی قیادت کی اور اپنی لوٹ مار کو مانجھا کے علاقہ تک لے گیا۔ ڈاکہ زنی کی ایک اور واردات میں آنے والے ایک زخم کے باعث وہ غالباً ۱۵۴۹ء میں سند میں انتقال کرگیا۔

گلیب کا اکلوتا بیٹا کدوہ پہلے سند سے روانہ ہو کر کیالی پہنچا' تب غالباً ۱۵۵۵ء میں سکرچک چلا گیا جو اس وقت گوجرانوالہ کے جنوب میں ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ وہ اپنے ساتھ بہت بڑی تعداد میں مویشی لے کر آیا' جو اسے اپنے والد سے ورثہ میں ملے تھے اور اس کے برعکس ایک پرامن اور خاموش زندگی بسر کی۔ اس کی پرامن اور خاموش طبیعت کی وجہ سے سانسیوں اور اس کے علاقہ کے دیگر افراد نے اسے "رام تھل" یا خدا رسیدہ شخص کا خطاب دیا۔ اپنی محنت اور ثابت قدمی سے وہ سکرچک میں زمینوں کے متعدد چھوٹے چھوٹے قطعات کا مالک بن گیا۔ اس نے انہیں کاشت کیا اور ان کی مدد سے

اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتا تھا۔ وہ دو بیٹے' راجہ دب اور پریمو چھوڑ کر تقریباً ۱۵۷۸ء میں انتقال کر گیا۔

راجا دب نے اپنے والد کی خاموش اور مستعد عادات کو اپنایا اور زرعی پیشہ کے علاوہ سکرچک میں پنساری کی ایک چھوٹی سی دکان کھول لی۔ اس نے لنڈا یا گورمکھی طرز خط سے بھی شناسائی پیدا کر لی' لہٰذا وہ اسے پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہو گیا۔ وہ اپنے پیچھے تین بیٹے' تیلو' تخت مل اور نیلو چھوڑ کر قریباً ۱۶۲۰ء میں انتقال کر گیا۔

تیلو اور نیلو کم سنی میں فوت ہو گئے۔ تخت مل نے روپیہ ادھار دینے کے کاروبار اور دکانداری کو وسعت دے دی۔ اس نے موضع سکرچک اور کیالی میں متعدد چھوٹے چھوٹے قطعات زمین پٹہ پر لے لیے' لہٰذا اسے گاؤں میں سرکردہ افراد میں شمار کیا جانے لگا۔ وہ قریباً ۱۶۵۳ء میں دو بیٹے' بالو اور بارا (المعروف بوبارا یا بھائی بارا) چھوڑ کر فوت ہو گیا۔

بالو ایک ڈاکو بن گیا' لہٰذا ایک گاؤں پر رات کے وقت ڈاکہ زنی کی ایک کارروائی میں اٹھارہ برس کی عمر میں ہلاک ہو گیا۔ مذہبی رجحان اور گوجرانوالہ میں گورو کے ایک خدا رسیدہ چیلے کا چیلا بننے پر بارا کو بھائی یا "پرامن بھائی" کا لقب ملا۔ اس نے گرنتھ پڑھنا بھی سیکھ لی اور ۲۵ برس کی عمر میں پاہل وصول کرنے کے لیے امرتسر کے لیے روانہ ہوا' لیکن اس کے ساتھ ایک حادثہ پیش آ گیا' جس کی وجہ سے وہ اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا۔ تاہم اس نے ایک کٹر مذہبی شخص کا کردار اپنا لیا۔ وہ اپنے سر کو منڈواتا نہیں تھا اور کیالی و سکرچک سے ملحقہ دیہاتوں میں نانک کے مذہب کی تبلیغ کرتا تھا۔ جس وقت وہ گورو کی تعلیمات کو عام کر رہا تھا اور اس نے ایک درویش کا کردار اپنایا ہوا تھا' تو اس دوران اپنے مفادات کو ذرا بھی نظرانداز نہیں کیا' اور وہ جلد ہی سکرچک کی آدھی زمینوں کا مالک بن گیا۔ اپنے باپ کی طرح وہ دکانداری نہیں کرتا تھا' بلکہ گرنتھ مقدس پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کی **تسبیحیں** ہی اس کے خاص پیشے ہیں۔ اگرچہ حادثے نے اسے بذات خود نانک کے مذہب کو رسمی طور پر اختیار کرنے سے روک دیا تھا' لیکن اس نے اپنے بیٹے بدھا پر پاہل میں شمولیت کی ضرورت کے متعلق اور اس مقصد کے لیے امرتسر حاضری دینے پر زور دیا۔ اس نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ وہ مقدس گرنتھ پڑھے اور سکھ بن جائے' لہٰذا اس نصیحت کے ساتھ ہی وہ ۱۶۷۹ء میں انتقال کر گیا۔

جب بدھا کے والد کا انتقال ہوا تو اس کی عمر نو برس تھی۔ اس نے اپنے والد کی آخری نصیحتوں کو یاد رکھا اور ۱۶۹۲ء میں سن بلوغت کو پہنچنے پر اپنے نئے دوستوں کے ساتھ

سکھوں کے مقدس شہر امرتسر روانہ ہوا۔ وہاں اس نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گورو کی پاہل میں شمولیت اختیار کی۔ لہٰذا بدھا اپنے خاندان میں وہ پہلا شخص تھا' جس نے سکھ مذہب اختیار کیا' تاہم وہ اپنے والد اور دادا کی طرح پرامن طبیعت کا مالک نہیں تھا' بلکہ حوصلہ مند' اولوالعزم اور دانش مند شخص تھا۔ وہ سکھوں اور سانسیوں کے غارت گر ٹولوں کا ساتھ دیتا اور ڈاکہ زنی کی کارروائیوں میں ان کے ہمراہ ہوتا تھا' جو اس وقت جنوب کے دور دراز اضلاع میں مویشیوں کی چوری تک محدود تھیں۔ بدھا سنگھ کے بیباک کارناموں اور اس کی لوٹ مار میں کامیابی نے جلد ہی اسے علاقے میں سکھ ڈاکوؤں میں سب سے زیادہ بہادر اور حوصلہ مند ڈاکو کے طور پر شہرت دلا دی۔ اس نے سکرچک میں اپنے لیے ایک بہت بڑا مکان تعمیر کروایا اور اسے اپنا صدر مقام بنا لیا۔ وہاں لوگ اس کا بہت احترام کرتے تھے۔ انہوں نے اسے اپنے گاؤں کے چودھری کا خطاب دیا۔ جو مویشی وہ چرا کر لے جاتا' انہیں یا تو اپنے لیے رکھ لیتا یا امرتسر اور لاہور کے نزدیک فروخت کر دیتا۔ چنانچہ وہ ایک صاحب ثروت شخص بن گیا' اسی لیے اسے کسی قدر اہم شخص سمجھا جانے لگا۔

بدھا سندھ جس چتکبری گھوڑی پر سواری کیا کرتا تھا' وہ پورے علاقے میں اپنے سوار کی طرح مشہور تھی۔ لوگ اس کی گھوڑی کو دیسی کہتے تھے۔ تب سے بدھا سنگھ کو دیسو کا عرفی نام دیا گیا۔ کہا جاتا ہے وہ اپنی گھوڑی پر جہلم' راوی اور چناب کو پچاس میل تک تیر کر پار کرلیتا تھا۔ وہ ایک بہادر اور جرأت مند شخص تھا' لہٰذا کہا جاتا ہے کہ اس کو زندگی بھر تلوار کے بیس زخم اور بندوق کے نو زخم لگے اور اس سے اس کی طاقت جسمانی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ وہ ایک اچھا پرمذاق' بذلہ سنج شخص تھا اور مصیبت زدہ لوگوں پر رحم کرتا تھا۔ اس کے بارے میں ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ اس نے ایک غریب بیوہ کے تمام مویشی (جنہیں اس نے غفلت میں اس کی بے چارگی کی حالت سے ناواقفی کے باعث چرا لیا تھا) اسے واپس کر دیے اور اس پر اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ وہ ۱۷۱۶ء میں مرگی کے باعثِ انتقال کر گیا۔ اس کی بیوی کو اس کی موت کا اس قدر صدمہ پہنچا کہ اس نے ایک تلوار اپنے سینے میں اتار لی۔ دونوں میاں بیوی کی لاشوں کو اکٹھا جلایا گیا۔ ان کے دو بیٹے' نودھ سنگھ اور چندا سنگھ تھے۔ موخر الذکر سے ماں کی طرف سے مہاراجہ سے متعلقہ سندھیانوالہ خاندان کی شاخ پھوٹی۔

اس وقت موجودہ خیالات کے مطابق مویشیوں کی چوری کو کم منافع بخش ذریعہ سمجھا جاتا تھا' جبکہ ایک دھاروی یا رہزن کو ایک باوقار اور منافع بخش پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ پہلے

پیشے کو چھوڑ کر نودھ سنگھ نے ڈاکہ زنی کو اپنا لیا اور اپنی غارت گری کی کارروائیوں کے باعث بہت زیادہ دولت جمع کرنے کے قابل ہوگیا۔ وہ ایک بدنام رہزن بن گیا' لہٰذا راولپنڈی کی سرحدوں سے ستلج کے کنارے تک لوگ اس سے خوف کھانے لگے۔ سکھوں' جاٹوں اور سرداروں کے درمیان اس کی دولت کے ساتھ بیک وقت اس کے اثر و رسوخ اور طاقت میں بھی اضافہ ہوا' لہٰذا ۱۷۳۰ء میں مجیٹھیہ کے ایک سانسی جاٹ بیسو کے بیٹے گلاب سنگھ نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ گلاب سنگھ اور اس کا بھائی امر سنگھ بھی دھروائی بن گئے اور اپنی جمع شدہ دولت کے باعث اہم شخص بن گئے اور انہیں مجیٹھیہ کے سردار سمجھا جانے لگا۔ بادشاہ احمد شاہ ابدالی کے پہلے حملہ کے وقت نودھ سنگھ' نواب کپور سنگھ کی فضل پوریہ مثل میں شامل ہوگیا اور حملہ آور فوج کے ساز و سامان اور بھٹکے ہوئے سپاہیوں کو لوٹنے کی وجہ سے خود کو اور اپنے ساتھیوں کو مالدار بنا لیا۔ اب اسے سکرچک کا سردار سمجھا جانے لگا۔ لوٹ کے مال کو بڑی احتیاط سے وہاں جمع کیا جاتا تھا۔ ۱۷۴۷ء میں اس کا چند افغانوں کے ساتھ فساد ہوگیا اور اس میں اسے سر میں ایک گولی لگنے کے باعث زخم آگیا۔ یہ مہلک ثابت نہ ہوا' لیکن اس حادثے نے اسے ایک چاق و چوبند زندگی گزارنے کے قابل نہ چھوڑا۔ وہ علاقے کے معاملات میں کوئی دخل اندازی کیے بغیر پانچ برس تک زندہ رہا اور چار بیٹے چڑت سنگھ' دل سنگھ' چیت سنگھ اور منگی سنگھ چھوڑ کر ۱۷۵۲ء میں انتقال کر گیا۔

سب سے چھوٹا بیٹا منگی سنگھ ایک کٹر مذہبی شخص کا کردار اپنا کر گرنتھ کی تبلیغ کرنے لگا' لہٰذا اسے ایک بھائی کہا جانے لگا۔ وہ لاولد فوت ہوگیا۔ چڑت سنگھ کی پیدائش ۱۷۲۱ء میں ہوئی۔ اس نے اپنے آپ کو فضل پوریہ مثل سے الگ کر لیا اور جلد ہی اس کے دونوں چھوٹے بھائیوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ خود سرفرازی کے لیے اس کے اپنے خیالات تھے' لہٰذا اس نے صحیح معنوں میں مثل کی عظمت کی بنیاد رکھی۔ خاندانی جھگڑوں کے باعث اس نے اپنا صدر مقام امرتسر کے قریب راجہ سانسی میں منتقل کر لیا' لیکن ۱۷۵۲ء یا اگلے برس اس نے اپنے گرد مذہبیوں' سانسیوں اور دیگر خانہ بدوش ڈاکوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد جمع کر لی اور انہیں ایک علیحدہ جماعت میں منظم کرنے پر انہیں ملک کے ملحقہ خطوں میں لوٹ مار اور غارت گری کی کارروائیوں میں لگا دیا۔ اس چھوٹی سی جماعت کو غارت گری میں جو کامیابی ہوئی' اس نے جلد ہی اسے لوگوں کے لیے ایک دہشت بنا دیا۔ قریبی سردار بڑے اعتماد سے سکھوں کی شجاعت سے متاثر تھے اور یہ خیال جڑ پکڑ گیا تھا کہ کیالی کے چوہدری

محمد یار نے چرت سنگھ کو کیالی میں اپنی ریاستوں کا انتظام سونپ دیا ہے اور خود پندرہ سواروں کے ساتھ اس جماعت میں شامل ہوگیا ہے۔ گوجرانوالہ کے قریب موضع مرلیہ والا کا ملکہ سنگھ بھی اسی دور میں بیس سواروں کے ہمراہ چرت سنگھ کے ساتھ مل گیا۔ پس یہ جماعت جو پہلے چھوٹی تھی' بڑھ کر ۱۵۰ مسلح شہسواروں پر مشتمل ہوگئی اور ان کی مدد سے چرت سنگھ بے لگام ہوگیا اور اس نے بشمول کچی سرائے' گوجرانوالہ کے نواح میں تمام دیہاتوں پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ وہاں اس نے اپنا صدر مقام قائم کرلیا۔

اس وقت ایک سانسی سون ناتھ کے پوتے اور گوجرانوالہ کے سردار امیر سنگھ سے زیادہ چرت سنگھ کے قریب کوئی نہیں تھا۔ سکھ مذہب کی سچائی کے یقین کامل نے اسے یہ ترغیب دی کہ وہ اپنی سو برس کی ضعیف العمری میں پاہل وصول کرے۔ چرت سنگھ کی طرح امیر سنگھ کا تعلق بھی فضل پوریہ مثل سے تھا' لیکن اس سے تعلق ختم کرکے اس نے اپنے طور پر ڈاکہ زنی شروع کر دی اور ایک بدنام ڈاکو بن گیا۔ اس کی غارت گری جہلم کے کنارے سے دہلی کی فصیل تک پھیلی ہوئی تھی' لہٰذا گوجرانوالہ میں ایک بہت بڑے علاقے پر قبضہ کرنے کے باعث اسے ضلع کا سردار سمجھا جانے لگا۔ اس کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ان میں سب سے بڑی لڑکی کی شادی ۱۷۵۶ء میں چرت سنگھ کے ساتھ ہوئی۔ شادی کے اس بندھن نے دونوں سرداروں کی دولت اور طاقت کو متحد کر دیا اور ایک علیحدہ مثل کی تشکیل کرنے کے لیے راہ ہموار کی' جسے اس مقام کی نسبت سے سکرچاکیہ مثل کا نام دیا گیا۔ متحدہ سرداروں نے ایک جھنڈے تلے مثل کی قیادت کی' اگرچہ امیر سنگھ اپنی عمر کے باعث اس کے معاملات میں نمایاں طور پر حصہ لینے کے قابل نہیں تھا۔ انہوں نے ایمن آباد پر حملہ کیا' شہر کو لوٹا' مغل فوجدار کو ہلاک کیا اور بہت زیادہ مال غنیمت اور وہاں کے اسلحہ خانوں سے سامان جنگ اپنے ساتھ لے گئے۔ ۱۷۷۷ء میں سرداروں نے کچی سرائے کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے سلسلہ میں ناکافی سمجھتے ہوئے مٹی کا ایک قلعہ تعمیر کرنا شروع کر دیا' جو اس مقصد کے لیے بہت مناسب تھا' لیکن ان کی توجہ ان کے علاقے پر لاہور کے مسلمان سرداروں کے حملے نے بٹا دی' جو سکھوں کی ابھرتی ہوئی طاقت سے حسد کرنے کے باعث ان کے قلعوں کو تباہ کرنے اور ان کے جتھوں کو منتشر کرنے کی غرض سے ایک بہت بڑی اور مضبوط فوج کے ساتھ روانہ ہوگئے تھے۔ سکھ متحد ہوگئے اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی املاک کا دفاع کیا۔ گزشتہ باب کے آغاز میں اس کے بارے میں ایک بیان درج کیا گیا ہے۔ یہ کہنا کافی ہے کہ حملہ آور فوج کو شکست فاش دے دی گئی اور اس کے

سردار اپنے اسلحہ کے ذخائر اور ہتھیاروں کو دشمن کے پاس چھوڑ کر بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ اسی وقت سے سکھوں کی بیباکی میں اضافہ ہوگیا اور انہوں نے چرت سنگھ کی قیادت میں اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ مضبوط اور خوفناک جماعت کے طور پر منظم کرنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی اس کی شہرت میں اضافہ ہوا' اس نے سکرچاکیہ مثل کے سردار کے طور پر اپنی حکومت قائم کرلی۔

۱۷۶۲ء میں اپنی افغان فوج کے ہمراہ احمد شاہ ابدالی کی آمد پر چرت سنگھ اس بات سے باخبر ہوگیا کہ وہ کھلے میدان میں شاہ کی منظم فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا' لہٰذا حملہ آوروں کی بڑی فوج کے ساتھ براہ راست جنگ کے خطرہ کے پیش نظر اپنے خاندان کو جموں روانہ کر دیا۔ وہاں اس نے اپنی تمام املاک کو چھپا لیا' لیکن خود کسی وقت بھی خاموش نہ بیٹھا۔ منتخب سپاہیوں کے ایک دستہ کے ساتھ اس نے افغانوں کی پیش قدمی کو دق کیا۔ ان کی فوج کے بھٹکے ہوئے سپاہیوں کو کاٹ کے رکھ دیا اور سامان لوٹ لیا۔ اپنی جانب سے افغانوں نے مٹی کے اس قلعے کو مسمار کر دیا' جسے سکھ گوجرانوالہ میں تعمیر کر رہے تھے۔

پنجاب سے احمد شاہ ابدالی کی روانگی کے بعد چرت سنگھ نے اپنے برادر نسبتی بخشش سنگھ کی مدد سے وزیر آباد کو تاخت و تاراج کیا اور مغل افسران کو نکال باہر کرنے کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا اور وہ بخشش سنگھ کو دے دیا۔ اس کے بعد اس نے احمد آباد کو فتح کیا اور یہ دل سنگھ کو دے دیا۔

احمد آباد میں اس تک خبر پہنچی کہ احمد شاہ کا جرنیل نورالدین خاں بمبی زئی روہتاس کی ہندو رعایا پر بہت ظلم و ستم ڈھا رہا ہے (جسے کچھ فوج کے ساتھ وہاں تعینات کیا گیا تھا) اور اس نے گائے ذبح کرنے کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔ وہ اپنی مثل کی فوج کے ساتھ روہتاس کی طرف روانہ ہوا اور نور الدین سے جنگ کر کے اسے شکست دی۔ چرت سنگھ نے روہتاس کو تاخت و تاراج کیا اور پھر دھنی کی طرف روانہ ہوا اور اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد چکوال اور جلال پور پر قبضہ کیا' لہٰذا وہ نذرانہ کی ادائیگی کے باعث حملہ آور کی لوٹ مار سے محفوظ رہے۔ تب اس نے پنڈ دادن خان کو مطیع کیا' جس کے حاکم صاحب خاں کی جاں بخشی ایک بھاری جرمانے کی ادائیگی کی شرط پر کی گئی۔ اس نے اپنے دو سرداروں' بدھ سنگھ اور گور سنگھ کو انتظام سونپا اور حکم دیا کہ وہ اس جگہ ایک قلعہ تعمیر کریں۔ پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے اس نے دو بڑے شہروں' کوٹ صاحب خاں اور راجہ کا کوٹ کو فتح کیا اور پھر واپس گوجروال لوٹ آیا۔ چرت سنگھ کی یکے بعد دیگرے فتوحات اور

اس کی کمان میں طاقت اور وسائل کے باعث مخالف مثلدار اس سے حسد کرنے لگے۔ ان سب نے اس کے متعلق زبردست شکوک و شبہات دل میں پیدا کر لیے اور سوچا (بغیر کسی وجہ کے نہیں) کہ اس کی فتح اور سرفرازی کے متعلق وسیع منصوبوں کے سامنے ان کی اپنی حیثیت محفوظ نہیں ہے۔ تاہم بھنگی مثل سے زیادہ کوئی مخالف نہ ہوا۔ ابھرتے ہوئے سکرچاکیوں کے خلاف سب سے پہلے اس نے دشمنی کے جذبات دل میں پروان چڑھائے' لیکن کھلی جنگ کے امکان کو بعید از قیاس نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ پہاڑی ریاست کی سرحد پر پیدا ہونے والے حالات نے مختلف مثلوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی تھی۔

جموں کے پہاڑوں میں مراجعت کے دوران چڑت سنگھ نے سب سے پہلے اس ریاست کے راجاؤں کے ساتھ شناسائی پیدا کی۔ راجہ رنجیت دیو کو اپنے سب سے بڑے بیٹے برج راج دیو کی متعلق کوئی غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی' لہٰذا اس نے اپنے چھوٹے بیٹے میاں دلیل سنگھ کے حق میں اسے حق جانشینی سے محروم کرنے کا ارادہ کیا۔ برج راج دیو نے چڑت سنگھ کو مقرر کیا کہ وہ اس کا موروثی حق دلانے میں اس کی مدد کرے' لہٰذا وہ اس بات پر متفق ہوگیا کہ اگر اپنے باپ کو معزول کرنے میں کامیاب ہوگیا تو سکرچاکیہ کو ایک بھاری سالانہ خراج ادا کرے گا۔ چڑت سنگھ' جو رنجیت دیو کے خلاف دیرینہ بغض رکھتا تھا' جموں راج کے ولی عہد کی خواہشات پر پورا اترا اور ۱۷۷۴ء میں حقیقت سنگھ اور کنہیا مثل کے جے سنگھ کے ساتھ شامل ہونے پر ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ جموں کی طرف روانہ ہوا۔ رنجیت دیو کی مدد چمبہ' کانگڑا' نورپور اور بسیر کی افواج اور ہری سنگھ کے بیٹوں' جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ کی قیادت میں بھنگی مثل کی ایک فوج نے بھی کی۔ اسی سال کے موسم سرما میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا بسنتی دریا کے کنارے پر ہوا۔ بغیر کسی فیصلہ کن نتیجہ کے متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ آخرکار چڑت سنگھ ایک کارروائی کے دوران اپنے ایک سپاہی کے ہاتھوں میں حادثاتی طور پر بندوق پھٹ جانے کے باعث ہلاک ہوگیا۔

چڑت سنگھ اپنی مثل کے ہمعصروں کے مقابلہ میں بلند خیالات کا مالک اور صاحب بصیرت شخص تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اپنے خاندان کی عظمت کی بنیاد رکھی۔ اس نے اپنی محنت' کفایت شعاری اور ثابت قدمی سے اپنی جاگیروں کو وسیع کیا اور حاکم لاہور خواجہ عبید کی شکست کے بعد پیدا ہونے والی بدنظمی پر قابو پا لیا۔ وہ ابتدائی طور پر میدان میں ایک اولوالعزم رہنما کی حیثیت سے آیا اور جلد ہی ایک عام دھاروی یا ڈاکو سے مثل کی سرداری تک جا پہنچا اور صحیح معنوں میں بطور ایک قوم کے سکھوں کی طاقت میں اضافہ کیا۔ حساب

لگایا گیا ہے کہ اس نے اپنے انتقال کے وقت جو علاقہ اپنے پیچھے چھوڑا' اس کی سالانہ آمدنی تقریباً ساڑھے تین لاکھ روپے تھی اور وہ اس کے دس سالہ سب سے بڑے بیٹے مہا سنگھ کو ورثے میں ملا۔ چڑت سنگھ نے اپنے پیچھے ایک اور بیٹا سہج سنگھ اور ایک بیٹی راج کور چھوڑی' جس کی شادی مشہور زمانہ گوجر سنگھ بھنگی کے بیٹے صاحب سنگھ سے ہوئی تھی۔ مہا سنگھ چونکہ مثل پر حکمرانی کرنے کی ذمہ داری سنبھالنے کے سلسلہ میں ابھی بہت چھوٹا تھا' چنانچہ اس کی والدہ دیساں نے جے سنگھ کنہیا کی مدد سے ریاست کے امور کا فوری طور پر انتظام سنبھال لیا۔ اس نے گوجرانوالہ میں اس قلعہ کو ازسرنو تعمیر کرایا' جسے احمد شاہ ابدالی نے مسمار کر دیا تھا۔

مثل کے متعدد ماتحت سرداروں نے مہا سنگھ کی اطاعت کو جوا اتار پھینکنے کی کوشش کی۔ سرداروں نے یا تو اس کی کم سنی کی بے اعتمادی یا قائم مقام بیوہ سے عدم اطمینان کے باعث ایسا کیا' جو ایک خاندانی راہب' مصر جے رام کے عشق میں گرفتار ہوگئی تھی۔ ان سب میں زیادہ نمایاں دھرم سنگھ تھا' جس نے کھلی بغاوت کر دی تھی۔ تاہم یہ ناراض سردار اس وقت بہت مایوسی کا شکار ہوئے جب ان کی توقعات کے برعکس' بھنگیوں کے علاقہ سے کوئی مدد نہ پہنچی۔ لہٰذا ان سب کو موثر سزا دی گئی۔ اب اس موقع پر مہا سنگھ کی جھنڈ کے گجپت سنگھ کی بیٹی سے شادی کی رسومات منائی گئیں' جس کے ساتھ پہلے سردار کی نسبت ٹھہری ہوئی تھی۔ شادی کی رسم مثل کے نام کے شایان شان بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے ادا کی گئی۔ اس کے بعد دلہن کو ہمیشہ مائی ملوائن یا "مالوہ کی ماں" کے نام سے پکارا گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد مہا سنگھ ایک ایسی مہم میں مصروف ہوا جس نے بطور ایک جنگجو اور فاتح کے اس کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔ رسول نگر' جسے اس وقت سکھ' رام نگر کہتے تھے' دریائے چناب کے مشرقی کنارے پر واقع تھا اور اس وقت اس پر ایک طاقتور مسلمان قبیلے چٹھہ (جو عموماً منچوریہ کے نام سے بھی مشہور تھا) کا قبضہ تھا۔ اس وقت ان کا سردار ایک مسلمان جاٹ پیر محمد تھا۔ مہا سنگھ نے جے سنگھ کنہیا کی مدد سے ٦ ہزار سپاہیوں کی ایک فوج کے ساتھ اس شہر پر حملہ کیا۔ بہانہ جنگ' احمد شاہ کی مشہور زمانہ زمزمہ توپ تھی' جسے جھنڈا سنگھ بھنگی چٹھوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد پیر محمد کے پاس امانتاً" رکھ گیا تھا' کیونکہ زیادہ وزنی ہونے کے باعث چناب کے پار نہیں لے جائی جا سکتی تھی۔ مہا سنگھ نے اب خالصہ کی ملکیت کے طور پر اس کا دعویٰ کیا تھا۔ رسول نگر قصبے کا محاصرہ کر لیا گیا

اور یہ چار ماہ تک رہا۔ چٹھوں کی ملکیت میں تمام مضافاتی علاقے کو ویران کر دیا گیا' لہٰذا ایک معاصر مورخ کے بیان کے مطابق' کسی زمیندار کے گھر گندم کا ایک دانہ بھی باقی نہ رہا۔۔۔

چٹھوں کو بھنگی سرداروں سے مدد مانگنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ وہ اس وقت ملتان اور بہاولپور کو تاخت و تاراج کرنے اور فتح کرنے میں مصروف تھے۔ محصورین کے پاس اس وقت اس کے سوا کوئی اور متبادل راستہ نہیں تھا کہ وہ صلح کر لیں' لہٰذا مہا سنگھ نے گرنتھ پر اپنی مہر رکھ کر اپنے آپ کو اس بات کا پابند کیا کہ اگر پیر محمد ہتھیار ڈال دیتا ہے تو وہ اسے تنگ نہیں کرے گا۔ مسلمان سردار اس یقین دہانی کے کرائے جانے کے بعد بغیر کسی محافظ کے باہر آیا' لیکن مہا سنگھ نے نہایت فریب سے اسے گرفتار کر لیا۔ فاتح کے حکم سے اس کے بیٹوں کو توپوں کے دہانوں پہ باندھ کر اڑا دیا گیا اور رسول نگر قصبہ میں غارت گری مچا دی گئی۔

رسول نگر پر قبضہ کرنے کے باعث مہا سنگھ کی شہرت علاقے میں چاروں طرف پھیل گئی اور اسے بہادری کی وجہ سے اتنی زیادہ شہرت حاصل ہوئی کہ متعدد سردار' جو اب تک بھنگی مثل پر انحصار کرتے چلے آئے تھے' اب انہوں نے سکرچاکیہ سردار کو اپنا سردار تسلیم کر لیا اور اپنی اطاعت اس کو منتقل کر دی اور اس کے جھنڈے تلے جنگ کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھا۔ رسول نگر کا نام تبدیل کر کے رام نگر رکھ دیا گیا اور علی پور کا اکال گڑھ۔ مہا سنگھ کے ایک نائب دل سنگھ کو نئے حاصل شدہ علاقے کا حاکم بنا دیا گیا۔ رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات مقدسہ' جو رسول نگر میں لوٹ مار کے وقت فاتحین کے ہاتھ لگے تھے' انہیں مہا سنگھ نے گوجرانوالہ منتقل کر دیا اور وہاں مناسب حفاظت میں رکھا۔

رسول نگر پر قبضہ کے دو سال بعد ۲ر نومبر ۱۷۸۰ء کو اس کی بیوی مائی ملوائن نے ایک بیٹے کو جنم دیا' جسے رنجیت سنگھ کا نام دیا گیا۔ اس موقع پر زبردست خوشیاں اور جشن منائے گئے' جن میں تمام سکھ سرداروں کو مدعو کیا گیا۔ غریبوں اور ناداروں کو خیرات کے طور پر ہزاروں روپے دیے گئے۔ بچپن میں اس بچے پر شدید قسم کی چیچک کا حملہ ہوا' جس کے باعث اس کی زندگی کو بہت زیادہ خطرہ لاحق ہوگیا۔ اس کے باپ نے غریبوں اور محتاجوں میں بے تحاشا خیرات بانٹی اور بچے کی صحت یابی کے لیے دعائیں حاصل کرنے کے لیے برہمنوں کی بہت بڑی تعداد کو کھانا کھلایا اور کانگڑا و جوالا مکھی کے مقدس مندروں کے لیے

قیمتی تحائف بھیجے۔ بچہ صحت یاب ہوگیا۔ اگرچہ اس کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی اور اس بیماری کے نشانات سے اس کا چہرہ اس قدر مسخ ہو لیا کہ بعد میں وہ ایک انتہائی مکروہ شخص دکھائی دیتا تھا۔ اس وقت کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ اس بدصورت کانے لڑکے کی قسمت میں آئندہ پانچ دریاؤں کے ملک پر حکومت کرنا لکھا ہوا ہے۔

مہا سنگھ نے اب اپنی سلطنت کو وسیع اور بڑا کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ دراصل احمد شاہ کے بیٹے تیمور شاہ کے حملے نے بھنگی مثل کی طاقت کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ سکھوں کو بھنگیوں کی قیادت میں ملتان اور بہاولپور سے نکال دیا گیا تھا۔ مہا سنگھ نے دیگر مثلوں کے زوال پر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اس نے پنڈی بھٹیاں کی طرف پیش قدمی کی' اس علاقے میں لوٹ مار کی' ساہیوال پر حملہ کیا' عیسیٰ خیل اور موسیٰ خیل پر قبضہ کیا اور آخرکار جھنگ کو تاخت و تاراج کر دیا۔ یہ تمام مقامات بھنگی سرداروں اور مثلدار دیسا سنگھ کی ملکیت تھے۔ شراب خوری اور عیاشی کے باعث وہ اس قابل نہیں تھا کہ ان پر قبضہ برقرار رکھ سکتا۔ اس کے بعد وہ لاہور کے تین حکمرانوں میں سے ایک' گوجر سنگھ بھنگی کے بیٹے اور اپنے برادر نسبتی صاحب سنگھ کے ساتھ مل گیا۔ دریں اثناء اسی صاحب سنگھ کا اپنے بھائی سکھا سنگھ کے ساتھ جھگڑا پیدا ہوگیا' لہٰذا اس نے مہا سنگھ کی مدد سے اپنے بھائی پر حملہ کیا اور اسے جنگ میں ہلاک کر دیا۔ گوجر سنگھ کو اپنے بیٹے کی موت کا بہت زیادہ صدمہ پہنچا اور وہ صاحب کی کارروائی سے اس قدر طیش میں آ گیا کہ اس نے اس سے تمام املاک کو چھیننے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ لاہور سے روانہ ہوا اور راوی و چناب کو پار کرنے کے بعد گجرات کا محاصرہ کر لیا۔ صاحب سنگھ کی طرف سے کمزور اور مختصر مزاحمت کے بعد گوجر سنگھ نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اب صاحب سنگھ چونکہ کھلی بغاوت پر اتر آیا تھا' لہٰذا اس نے اپنے آپ کو اسلام گڑھ میں بند کر لیا' لیکن آخرکار اپنے باپ سے معافی کی درخواست کی اور اسے معاف کر دیا گیا۔

اس کے بعد مہا سنگھ نے سیالکوٹ کے قریب کوٹلی پر حملہ کر دیا' جو بندوق سازی کے لیے مشہور تھا اور شہریوں کو ایک بھاری خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔ یہاں اپنے قیام کے دوران اس نے اس قدر وحشیانہ دغابازی کا مظاہرہ کیا' جس نے بعد میں اس کے نام کو صوبہ کے تمام سرداروں اور چوہدریوں کے لیے دہشت بنا دیا۔ دکھاوے کے طور پر ایک اہم مشاورت کا انعقاد کرنے کے لیے اس نے سرداروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو مدعو کیا اور جب وہ اس کے بلاوے پر آئے تو اس نے ان میں سے بیس سرکردہ سرداروں کو گرفتار کر

کے قید میں ڈال دیا۔ گرفتار ہونے والوں میں چرت سنگھ کالا والا' صاحب سنگھ کا بھتیجا' دیا سنگھ' دھنہ سنگھ اور میہان سنگھ وڈالیہ بھی شامل تھے۔ ان سرداروں نے اپنے رتبہ اور دولت کے مطابق بھاری نذرانے ادا کر کے رہائی حاصل کی۔ اس نے اپنے ہی آبائی علاقے کو انتہائی بے دردی سے شکار کیا۔ کئی طاقتور سرداروں کو عاجز کیا اور متعدد قصبات اور شہروں کو مطیع کیا۔ اس کی حکومت کی اتنی دہشت پھیل گئی تھی کہ کوئی بھی اس کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ اس نے اب ایک دوسرے علاقے میں ایک انتہائی اشتہا انگیز اور لذیذ دعوت کو دریافت کر لیا تھا' جو اس کے بے انتہا لالچ کی بھوک کو مٹا سکے۔

جموں کے راجہ رنجیت دیو کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا برج راج دیو' جو اس کا جانشین بنا تھا' حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ ریاست کے امور کی دیکھ بھال کرنے سے زیادہ عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ گدی پر بیٹھنے کے بعد اس نے اپنے چھوٹے بھائی میاں دلیل سنگھ کو قید سخت میں ڈال دیا تھا۔ اس کے درباری اور رعایا عام طور پر بہت بے صبرے تھے' لہٰذا اس چیز نے لالچی سکرچاکیہ سردار کی اس بارے میں حوصلہ افزائی کی کہ وہ اس کے ساتھ جھگڑا مول لے۔

جموں کے معاملات میں مداخلت کی ایک اور وجہ مندرجہ ذیل تھی:

بھنگیوں نے جموں کے راجہ کی ملکیت کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ برج راج دیو نے گدی پر بیٹھنے کے بعد اس علاقے کو دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش کی' لہٰذا اس نے جے سنگھ کنہیا اور حقیقت سنگھ کنہیا سے مدد مانگی۔ جموں کے راجہ کے لیے ایک زبردست جنگ کے بعد کریانوالہ کو بازیاب کرا لیا گیا' چنانچہ کنہیوں نے اپنے حلیف کو دھوکہ دیا اور بھنگیوں کی طرف ہو گئے۔ سکھوں نے نہ صرف کریانوالہ کو بازیاب کرانے میں کامیابی حاصل کی بلکہ حقیقت سنگھ' گوجر سنگھ اور بھاگ سنگھ آہلووالیہ کی قیادت میں جموں پر حملہ کر دیا۔ جموں کے راجہ نے مہا سنگھ سکرچاکیہ کو اپنی مدد کے لیے بلایا' لیکن اسے شکست فاش ہوئی اور وہ حقیقت سنگھ کو ۳۰ ہزار روپے خراج ادا کرنے پر رضامند ہو گیا۔ (چونکہ رقم ابھی تک ادا نہیں کی گئی تھی) چنانچہ حقیقت سنگھ اس نتیجہ پر پہنچا کہ برج راج دیو کا ارادہ ہے کہ اس کی ادائیگی سے احتراز برتے' چنانچہ اس نے مہا سنگھ کے سامنے تجویز پیش کی کہ وہ جموں پر حملہ میں اس کے ساتھ مل جائے۔ سکرچاکیہ سردار' جموں کے راجہ کے ساتھ اپنی دائمی دوستی کے وعدہ کو فراموش کر کے فوراً حقیقت سنگھ کی تجویز کو ماننے پر تیار ہو گیا۔ اس نے چپرال کی طرف پیش قدمی کی' جبکہ حقیقت سنگھ نے ظفروال کا راستہ اختیار کیا۔ پگڑی بدل بھائی

نے جموں کے راجہ کے خلاف کوئی اعلان جنگ نہیں کیا۔

اس وقت جموں اپنی خوشحالی اور دولت کے لیے مشہور تھا۔ پنجاب میں پھیلی ہوئی طوائف الملوکی کی حالت نے سوداگروں اور تاجروں کے لیے کاروبار کرنا نہایت غیر محفوظ بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہ جموں کے پہاڑوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہاں وہ امن اور حفاظت میں اپنے کاروبار چلانے کے قابل ہوگئے۔ نتیجتاً پنجاب کے شمال میں جموں ایک انتہائی خوشحال ریاست بن گئی۔ مہا سنگھ نے اپنی فوج کو منظم کرنے کے بعد جموں کی جانب پیش قدمی کر دی' لہٰذا بزدل راجہ برج راج دیو نے جب اس کی پیش قدمی کا سنا تو وہ اپنے ملک کو حملہ آور کے رحم و کرم پر چھوڑ کر تری کوٹہ دیوی پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ جموں کے سرکردہ شہری بہت زیادہ تحائف کے ساتھ سکرچاکیہ سردار سے ملاقات کرنے کے لیے آئے مگر یہ لالچی سردار کو مطمئن نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اس جگہ میں لوٹ مار مچا دی جائے' لہٰذا اس کی فوج نے بڑی مستعدی سے اس حکم کی تعمیل کی۔ تب جموں شہر اور اس کے محل کو نذر آتش کر دیا گیا۔ انہوں نے پورے علاقے کو تاخت و تاراج کر دیا' لہٰذا تھوڑے عرصہ میں ہی ملک کے طول و عرض میں انتہائی زبردست قسم کا قحط پڑگیا۔ نہ ہی نوجوان سکرچاکیہ سردار کو اپنے نئے حلیف حقیقت سنگھ کے خلوص اور دوستی پر اعتماد رہا۔ اب چونکہ راجہ الگ ہوگیا تھا' چنانچہ اس نے سوچا کہ اب یہ اس کے لیے آسان معاملہ ہوگا' اگر وہ تمام کارروائیوں کا مکمل انتظام سنبھال لے۔ یہ خیال جیسے ہی ذہن میں آیا' فوراً اس پر عمل درآمد کرلیا گیا۔ اس سے حقیقت سنگھ اور اس کی جماعت کو بڑی حیرت اور مایوسی ہوئی۔ اس معاملہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حقیقت سنگھ کا انتقال ہوگیا' لہٰذا انتقام کی پیاس بھی اس کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔

تب دیوالی کے تہوار کی آمد پر (۱۷۸۴ء) مہا سنگھ نے دربار صاحب کے مقدس تالاب میں اشنان کرنے کے لیے امرتسر حاضری دی' جسے رام گڑھیوں نے بحال کر دیا تھا۔ جموں میں مہا سنگھ کی طرف سے جمع کی گئی دولت نے بھنگی سرداروں کو بھڑکا دیا' جو کافی عرصہ سے جموں کے خاندان کی کمزوری کا فائدہ اٹھانے کے لیے کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ اس چیز نے جے سنگھ کنہیا کے دماغ میں بھی زبردست حسد پیدا کر دیا' جو کبھی مہا سنگھ کا سرپرست اور حلیف تھا۔ نوجوان سردار بظاہر اپنے بوڑھے اتالیق کا ہر لحاظ سے احترام کرتا تھا' لیکن سفید سر والا بوڑھا سردار ایک گدھ کی طرح ڈھانچے کی بو پا چکا تھا اور کھانے کے لیے اس سے کم کوئی چیز اسے مطمئن نہیں کر سکتی تھی' حتیٰ کہ مہا سنگھ نے اس بوڑھے شخص کو رام

کرنے کے لیے کمتر رویہ اختیار کیا اور اپنے ہاتھوں میں مٹھائی کا ایک تھال اٹھا کر اس کے پاس پہنچا' لیکن کنہیا سردار نے اس کا استقبال نہیں کیا۔ وہ فوراً اپنی چارپائی پر لیٹ گیا اور اپنے اوپر ایک چادر تان کر زور سے چلایا: "او بھگتیہ (ناچنے والا لڑکا) یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہاری جذباتی بات سننا نہیں چاہتا"۔ یہ مہا سنگھ جیسے انتہائی تند و تیز اور غیراثر پذیر نوجوان سردار کی برداشت کے لیے بہت زیادہ تھا کہ وہ اسے خاموشی سے برداشت کر جائے۔ وہ کنہیا سردار کی طرف سے گستاخانہ برتاؤ کے باعث انتہائی غیظ و غضب کے ساتھ وہاں سے لوٹا اور انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا' لیکن وہ جانتا تھا کہ امرتسر' جہاں کنہیا کی حکومت کو برتری حاصل ہے' اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے مناسب جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ چند سواروں کے ہمراہ مقدس شہر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا اور بحفاظت اپنے گھر پہنچ کر اپنے نمائندوں کو جسا سنگھ رام گڑھیہ کے پاس روانہ کیا' جو کنہیا اور آہلووالیہ مثلوں کی متحدہ افواج سے شکست کھانے کے بعد ستلج کے دوسری جانب فرار ہوگیا تھا۔ سردار کو کنہیوں کے خلاف اس کی کارروائی میں تعاون کرنے کے لیے دعوت دی گئی تھی' لہٰذا اس کو اس بات کی امید ہوگئی کہ اگر اسے اس مہم میں کامیابی ہوگئی تو وہ ستلج کی اس جانب اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات کو بازیاب کرا لے گا۔ اس وقت جسا سنگھ ایک انتہائی کامیاب ڈاکو کی حیثیت سے حنسی اور حصار کے جنگلوں میں رہ رہا تھا' لہٰذا مہا سنگھ کی پیشکش کے خلوص سے قائل ہو کر اس نے پنجاب کی طرف لوٹنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور جتنی فوج جمع کر سکتا تھا' کر کے پنجاب کی طرف بڑھا۔

بوڑھا کنہیا سردار اس درمیانی عرصہ کے دوران جو کچھ بھی کر رہا تھا' وہ بہت توجہ کے لائق ہے۔ جیسے ہی اس نے جموں پہ قبضے اور حقیقت سنگھ کے انتقال کا سنا تو اس نے حقیقت سنگھ کے بیٹے جے مل سنگھ کو گوجرانوالہ روانہ ہونے سے منع کر دیا' جدھر اسے مہا سنگھ نے بلوا بھیجا تھا۔ سکرچاکیہ سردار کو انتقام کی دھمکی دی گئی۔ ۱۷۸۳ء میں جنڈیالہ پر حملہ کیا گیا اور اس کے بعد رسول پور اور منڈیالہ کو تاخت و تاراج کیا گیا۔ نائی سرداروں' وزیر سنگھ اور بھگوان سنگھ کے مقبوضات' مہا سنگھ کے رابطوں پر حملہ کیا گیا اور سرداروں کو اطاعت پر مجبور کر دیا گیا۔ لیکن غالباً اسی وقت مجیٹھیہ کے قریب سکرچاکیوں اور کنہیوں کے درمیان ہونے والی جنگ میں جے سنگھ کو شکست ہوئی۔ نہ صرف اس کے سپاہیوں کو شکست ہوگئی بلکہ اسے مجیٹھیہ سے فرار ہو کر بیاس کے دوسری جانب پناہ لینے پر مجبور کر دیا گیا۔

جب مہا سنگھ نے جسا سنگھ رام گڑھیہ اور قتوچ کے راجہ سنسر چند کو اپنی مدد کے لیے بلوایا تو

اس وقت وہ جالندھر دوآب میں سکرچاکیوں سے دوبارہ جنگ کے لیے ایک وسیع پیمانے پر تیاریاں کر رہا تھا۔

بٹالہ کی جنگ

بٹالہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک جانب مہا سنگھ اور جسا سنگھ کی متحدہ افواج اور دوسری جانب جے سنگھ کی فوج کے درمیان ہونے والی جنگ کی تفصیلات کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ کنہیا مثل کے بیان میں اس کا پہلے ہی ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہ کہنا کافی ہے کہ اس موقع پر مہا سنگھ کے ساتھ کنہیا سردار کے بے شمار ناراض باجگزار شامل ہوگئے، جنہیں اس کے حلیفوں نے بھڑکا دیا تھا۔ بہادر گوربخش سنگھ نے ۸ ہزار سواروں کے ہمراہ انتہائی بے احتیاطی سے اپنے آپ کو دشمن کے نشانہ کے سامنے کر دیا تھا۔ لڑائی چھ گھنٹوں تک جاری رہی، آخرکار گورو سندر داس کے ایک سپاہی کا چھوڑا ہوا تیر اسے سینہ میں لگا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ کنہیوں نے جب دیکھا کہ ان کا سردار مارا گیا ہے، وہ فرار ہوگئے اور بٹالہ پر دشمن کا قبضہ ہوگیا۔

جے سنگھ اگرچہ عاجز آگیا تھا لیکن اس کا جذبہ ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا اور مہا سنگھ سے انتقام لینے کا ارادہ ابھی تک اس کے سینہ میں بھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی فوج کی باقیات کو جمع کیا اور نوشہرہ کے مقام پر دوبارہ مہا سنگھ پر حملہ کر دیا، لیکن اسے زبردست نقصان کے ساتھ پسپا کر دیا گیا، لہٰذا وہ بھاگ کر نورپور چلا گیا اور وہاں دشمن کی آمد پر اپنے آپ کو بند کر لیا۔

گوربخش سنگھ کی بیوہ سداکور کا اب اپنے بوڑھے سسر پر بہت زیادہ اثر و رسوخ قائم ہوگیا تھا، جس کی تمام شفقتیں اور محبت اپنے متوفی بیٹے کے خاندان کے لیے مرکوز ہوگئی تھیں۔ اس دلیر عورت نے اپنے اور اپنی اکلوتی بیٹی مہتاب کور کے مفاد کے لیے بٹالہ کے معاملات کو باقاعدہ بنایا۔ اب اس نے اپنی بیٹی کی منگنی مہا سنگھ کے نوجوان بیٹے سے کرنے کا ارادہ کیا۔ اسے اس بات کی امید تھی کہ اس سے سکرچاکیہ اور کنہیا خاندان میں مستقل دوستی کا بندھن قائم ہو جائے گا اور اس کے باعث اسے اپنے سسر کے انتقال کی وجہ سے کنہیا مثل کی سرداری مل جائے گی۔ اس رشتہ پر مہا سنگھ فوراً رضامند ہوگیا۔ ۱۷۸۵ء میں معاہدے پر دستخط ہوئے اور اگلے سال کے اختتام پر بڑی دھوم دھام سے شادی ہوگئی۔ یہ سمبندھ ملک کے مفادات کے لیے بہت خوش قسمت ثابت ہوا، لہٰذا مہا سنگھ نے اس شادی

کے بعد پنجاب میں کئی سال تک امن و آشتی اور خوشحالی سے حکومت کی۔

۱۷۸۸ء میں گوجر سنگھ بھنگی کے انتقال کے بعد مہاسنگھ نے اس کی املاک کی خواہش کے باعث اس کے بڑے بیٹے صاحب سنگھ کے خلاف اس کے چھوٹے بیٹے فتح سنگھ کا ساتھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس بات کی قطعی طور پر پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ آپس میں شادیوں کے باعث ان میں رشتے داری موجود ہے' مہاسنگھ اور صاحب سنگھ کے درمیان اعلان جنگ کر دیا گیا۔ مہاسنگھ نے اپنے لالچی اور پرعزم منصوبوں کو ہر قیمت پر پورا کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ لہٰذا جنگ کے راستہ کو ناگزیر سمجھا گیا۔ اس جنگ اور اس کے سبب کا بیان پہلے ہی بھنگی مثل کی سرگزشت میں بتا دیا گیا ہے' یہاں یہ کہنا کافی ہوگا کہ مہاسنگھ نے اس موقع پر گجرات پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتے ہوئے صاحب سنگھ سے خراج کا مطالبہ کیا۔ یقیناً اس بنا پر اس کو ادا کرنے سے انکار کر دیا گیا کہ گوجر سنگھ' سکرچاکیہ مثل کے جھنڈے تلے کبھی بھی نہیں لڑا' بلکہ وہ بھنگی مثل کا ایک ساتھی ہے۔

صاحب سنگھ سودھرا کے قلعہ میں بند ہوگیا' جس کا محاصرہ کر لیا گیا تھا۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا۔ اس تمام وقت کے دوران مہاسنگھ نشے کی حالت میں مدہوش رہا۔ آخرکار اسے میدان جنگ سے ہٹا دیا گیا اور پڑاؤ اٹھا لیا گیا۔ محاصرہ اٹھانے کے بعد اسے گوجرانوالہ میں اس کے قلعہ میں لے جایا گیا' جہاں وہ ۱۷۹۲ء میں انتقال کر گیا۔

مہاسنگھ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بہادر' اولوالعزم اور دانش مند تھا اور وہ جس دور میں رہتا تھا' وہ اس کے پرعزم منصوبوں کے لیے بہت سازگار تھا۔ ملک کی حالت اس قدر ابتر تھی' گورو متہ (سکھوں کی قومی مجلس) کا اثر و رسوخ اس قدر کم تھا اور عالی ہمت سرداروں کے درمیان اس قدر سازش پھیلی ہوئی تھی کہ یہ سب چیزیں نوجوان مہاسنگھ کے عالی ہمت منصوبوں اور مہم جویانہ جذبے کے لیے سازگار ثابت ہوئیں۔ اس بارے میں قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی سازگار موقع کو بغیر فائدہ اٹھائے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ جنگوں میں اس کے ابتدائی کارناموں نے اسے اس قدر مشہور کر دیا تھا کہ متعدد بااثر خودمختار سردار اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے تھے۔ اس کی زبردست کامیابیوں نے اسے تمام سکھ سرداروں پر برتری دلا دی تھی۔ اس کی عسکری فہم و فراست' نڈر حوصلہ' سخت طبیعت اور عیش و عشرت اور وقار کے ضوابط پر سختی سے دھیان دینے کی وجہ سے اس وقت سخت مشکل میں گرفتار ہوگیا تھا' لیکن وہ ان جیسے تمام موقعوں پر بڑے باوقار انداز میں بری

الذمہ ہو جاتا تھا۔ اپنی ابتدائی عمر میں اس نے اپنی عظمت کے لیے راستہ ہموار کرنے کی غرض سے اپنی ماں کی سرپرستی کی بیڑیاں اتار پھینکیں۔ ۱۷۷۸ء کے موسم سرما میں اس نے اپنے ہاتھ سے اپنی ماں، مائی دیساں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، کیونکہ اس کو کافی عرصہ سے اس بات کا شبہ تھا کہ اس کے کسی حقیقت سنگھ سے ناجائز تعلقات ہیں، حالانکہ اس نے پہلے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی اور اس کی روک تھام کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے تھے۔ ہوا یوں کہ اس کو گجرات کے قریب جلالپور کے رحمت خاں کے بیٹے خداداد خاں کی حمایت حاصل ہوگئی، جو اپنے گھر سے فرار ہو کر پندرہ یا بیس سواروں کے ہمراہ سکرچاکیہ سردار کے ساتھ آن شامل ہوا تھا۔ اس شخص نے محض اس شبہ میں کہ اس کی والدہ کسی اور کے ساتھ مجرمانہ میل ملاپ کی کوشش کر رہی ہے، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دو سال بعد ایک دعوت میں، جس میں سردار اور خداداد خاں دونوں موجود تھے، دونوں میں ہنسی مذاق ہو رہا تھا کہ دوران گفتگو مہا سنگھ نے خداداد خاں سے ان حالات کے بارے میں پوچھا، جن کے تحت اس کی والدہ کو موت کے گھاٹ اترنا پڑا۔ مادر کش اس پوچھ گچھ کے باعث طیش میں آگیا، لہٰذا اس نے ملامت آمیز لہجے میں جواب دیا کہ اسے اس شخص سے اس قسم کا سوال کرنے پر شرم آنی چاہیے، جس نے اپنی والدہ کو محض ایک سازش میں شریک ہونے کے شبہ میں ہلاک کر دیا، جبکہ اس کی اپنی ماں (مہاسنگھ کی) اپنے بے شرم اور بے وقوف بیٹے کے مکمل طور پر واقف ہونے کے باوجود روزانہ زنا کی مرتکب ہوتی ہے۔ یہ ترکی بہ ترکی جواب مہاسنگھ کے سینہ میں تیر کی طرح لگا، لیکن اس نے فی الحال خاموش رہنا بہتر سمجھا۔ تاہم وہ اپنی ماں کو ہلاک کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں رہا۔ لہٰذا ایک روز اسے اپنے کمرے میں تنہا پا کر اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی تلوار سے اس کا ایک ہاتھ کاٹ کر خداداد خاں کو موقع پر بلوایا اور اسے اس کی لاش اور خون آلود تلوار دکھائی اور اس امید کا اظہار کیا کہ اب دنیا اس بات کو تسلیم کر لے گی کہ اس نے اپنے خاندان کے وقار کو بحال کرنے اور اپنے کردار کو سچا ثابت کرنے میں (جسے اس کی ماں کے رویہ نے داغدار کر دیا تھا) اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ مقتولہ مائی کا فرضی آشنا، جو کنہیا مثل کا رکن تھا، اس نے جب اس سانحے کو دیکھا تو ۳۰۰ سواروں کے ہمراہ اپنی جاگیر، وزیر آباد کی طرف بھاگ گیا۔ بہرحال تحقیق کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ مہاسنگھ کی ماں (المعروف مائی وزیر آبادیہ) کا آشنا صرف ایک برہمن اور خاندانی راہب جے رام تھا۔ وہ اپنی

داشتہ کی طرح اپنے انجام سے بچنے کے لیے افراتفری میں پشاور بھاگ گیا۔ دوسرے باخبر حلقوں سے اس بات کی اطلاع ملی کہ مائی کے ایک سے زائد آشنا تھے۔ اس مادر کش سانحے کے بعد مہاسنگھ نے اس خونی کارروائی کے نتیجہ میں ذہن میں پیدا ہونے والے ناخوشگوار خیالات کو دبانے کے لیے بہت زیادہ شراب خوری شروع کر دی۔ اس زبردست شراب خوری نے اس کے اعصابی نظام کی ترتیب کو درہم برہم کر دیا' لیکن لوگ اصل صورت حال سے ناواقف تھے کیونکہ وہ اس کی بے چینی اور گھبراہٹ کو دیگر اسباب سے منسوب کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اپنی شادی کے پہلے روز سے اسے اپنی بیوی (والدہ رنجیت سنگھ) کی وفاداری پر بھروسہ نہیں تھا اور وہ اپنے والد کے وزیر دیوان لکھپت رائے (جو نہایت دل فریب اطوار کا شخص تھا) کو والدہ رنجیت سنگھ (المعروف مائی ملوائن) کی مہربانیوں اور التفات کے سلسلہ میں اپنا حریف سمجھتا تھا۔ مہاسنگھ میں ایک سردار کی تمام خصوصیات موجود تھیں' لہٰذا اس نے اپنے پیچھے اپنی قوم میں دانش مندی اور بہادری کے لیے بہت زیادہ شہرت چھوڑی۔

حوالہ جات

(۱) یہ وہ بڑی توپ تھی جو سر ہنری ہیرڈنج نے فیروز شہر میں ۲۱ر دسمبر ۱۸۴۵ء کو ملکہ عالیہ کی ۸۰ ویں پیادہ فوج اور ہلکی یورپین پیادہ فوج کی قیادت کرتے ہوئے پکڑی تھی۔ یہ ابھی تک لاہور کے مرکزی عجائب گھر کے دروازہ کے سامنے رکھی ہوئی ہے اور مشتاق سیاح کے لیے ایک انتہائی تاریخی دلچسپی کی حامل ہے۔

(۲) عبدالکریم علوی کی سرگزشت کے مطابق اس موقع پر فیض اللہ خاں نے ۲۵ ہزار سپاہی جمع کیے تھے۔

(۳) تاریخ احمد شاہی کے مصنف کے مطابق جمشیدی' ککمک' غلام شاہی اور درانی فوجیوں نے ۶ ہزار افراد کو قتل کیا۔ ا۔ ملفن سٹون کہتا ہے: "قتل و غارت گری میں بے گناہ اور قصوروار میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا گیا۔ محل کا قبرستان اور شاہی حرم مردوں کی لاشوں سے اٹ گئے اور پشاور کے متعدد علماء کو تہہ تیغ کر دیا گیا"۔ (تاریخ احمدی' صفحہ ۱۹)

(۴) اس کا نام رکن الدین المعروف "محمد بہاول خاں بہادر نصرت جنگ حفیظ الملک" تھا۔ اسے یہ خطاب دہلی کے بادشاہ نے دیا تھا۔ وہ حافظ قرآن تھا اور اسلامی فقہ کا بڑا عالم تھا۔ وہ بہاول خاں اول کا بھتیجا تھا، جس نے بہاولپور کی بنیاد رکھی تھی اور اپنی فتوحات کو بیکانیر سے لکھی جنگلات تک توسیع دی۔

(۵) گوجر سنگھ بھنگی کی سمادھ، قلعہ لاہور کے ثمن برج کے قریب واقع ہے۔

(۶) ایک معاصر مورخ، مولوی محمد دین بٹالوی کی سرگزشت۔

(۷) یہ شہزادہ اکثریت حاصل کر کے اب کپور تھلہ کا حکمران بادشاہ ہے۔

(۸) رائے کنہیا لعل کے مطابق اس نے نقد زر اور دیگر قیمتی سامان کے علاوہ چار لاکھ روپے مالیت کے زیورات بھی حاصل کیے۔

(۹) امرتسر میں اکال بنگا میں اس انتہائی تاریخی دلچسپی کے حامل ہتھیار کو اب بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

(۱۰) اس خاندان کی نمائندگی اب منولی کا سردار جے سنگھ کرتا ہے، جسے حکومت برطانیہ سے جاگیر حاصل ہے۔

(۱۱) ا، سنسکرت زبان کا لاحقہ ہے جس کا مطلب نفی ہے، کال کا مطلب موت ہے۔ پس مشترکہ لفظ اکال بن گیا، جس کا مطلب "نہ مرنے والا" ہوا اور یہ خدا کے ناموں میں سے ایک ہے۔

(۱۲) جیسل، ہندوستان کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ طاقتور، اجمیر اور دہلی کے بادشاہ، پرتھی راج کے دور میں ہوا ہے۔ اس کے بیٹے ہمبل کو دہلی کے غوری سلطان شہاب الدین نے نکال دیا تھا، لیکن دوبارہ اسے اعتماد میں لے کر اسے سرسہ اور بھٹنڈا (بشمول ستلج اور جمنا کے درمیان کا علاقہ) کی حکومت سونپ دی۔ اس نے فیروز شاہ کے آباد کردہ شہر حصار کے قریب ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا، جہاں سمت ۱۲۷۱ میں وہ انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جندرا اس کا جانشین بنا، جو اکیس بیٹوں کا باپ ہونے کی بنا پر مشہور ہے۔ کیتھل، جھمبہ، ارنولی، سدھووال خاندانوں کے آباؤ اجداد، اٹاری کے سردار اور فرید کوٹ کے راجے، بھلکیہ خاندان کی طرح، جیسل کے پوتے جندرا کی اولاد ہیں۔

(۱۳) یہ گاؤں اب نابھہ کے راجہ سے متعلقہ علاقہ میں واقع ہے۔

(۱۴) شاستروں اور گرنتھ میں اس فن کا ذکر پرانیام کے نام سے ملتا ہے۔ ہندوؤں کا

خیال ہے کہ سانس، دماغ میں سمٹ جاتا ہے، جس کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ زندگی کا منبع ہے۔

(۱۵) اس کے چچازاد، نواب سید فقیر اللہ خاں اور نواب سلطان علی خاں بالترتیب تھرا اور لدھیانہ کے فوجدار تھے۔ اس خاندان کی اولاد ابھی تک ضلع لدھیانہ میں جگراؤں شہر میں آباد ہے اور ان کے عربی زبان کے علم و فضل کی وجہ سے بہت احترام کیا جاتا ہے۔ سید رجب علی ارسطو جاہ، میر منشی سابقہ انتظامی بورڈ، نواب فقیر اللہ خاں کے پڑپوتے تھے۔ ان کا انتقال ستمبر ۱۸۶۹ء میں ہوا اور ان کے دونوں بیٹے شریف حسن اور شریف حسین ابھی تک بقید حیات ہیں۔

(۱۶) روہیل کھنڈ میں نواب رامپور کا جد امجد۔ سیر المتاخرین کے مطابق، جب وہ محض ۱۸ ماہ کا بچہ تھا تو اسے سڑک کے کنارے پایا گیا۔ اورنگزیب کے دور کے ایک افغان امیر، داؤد خاں نے اس بچے کو اٹھایا اور اسے متبنیٰ بنا لیا اور اسے علی محمد خاں کا نام دیا۔ داؤد خاں کے انتقال پر وہ اس کا جانشین بنا اور بندیل کھنڈ کا ایک سردار بن گیا۔ اس نے مراد آباد کے فوجدار ہرنند سے لڑائی کی اور اسے شکست دے دی۔ فوجدار اس جنگ میں مارا گیا۔ تب نواب قمر الدین خاں کو اسے سزا دینے کے لیے روانہ کیا گیا۔ تب اسے قید کر لیا گیا، لیکن شاہی گھرانے کی وفادارانہ خدمت کے لیے اسے دوبارہ رہا کر کے اپنے رتبہ پر بحال کر دیا گیا۔

(۱۷) پٹیالہ کے جنوب میں تین میل کے فاصلے پر ایک شہر۔

(۱۸) اس گڑھی کے آثار اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ پٹیالہ کے موجودہ قلعہ کی جگہ نہیں ہے۔

(۱۹) پٹیالہ کے جنوب میں پندرہ میل کے فاصلے پر ۳۰ ہزار باشندوں پر مشتمل ایک شہر۔ اس پر جلال الدین فیروز خلجی کی حکومت تھی، جو سلطان معز الدین کیقباد کے انتقال کے بعد ۱۲۹۸ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا۔

(۲۰) جارج تھامس ۱۷۸۱ء میں ہندوستان آیا۔ وہ کئی سال تک بیگم سمرو کی ملازمت میں رہا، لیکن کسی بدمعاملگی کے باعث اس کے منصب کو کم کر دیا گیا۔ اس نے ایک مرہٹہ سردار آپا کھنڈی راؤ کے تحت ملازمت اختیار کی اور مرہٹہ فوج کو یورپی طرز کی صف بندی کے متعلق تعلیم دی۔ ضلع جھجر اسے جاگیر کے طور پر دے دیا گیا، لیکن تھامس اس کے بعد

خودمختار ہو کر سرکش بن گیا۔ وہ ہنسی اور حصار کے علاقہ پر حکومت کرتا تھا۔ اس کی عسکری مہمات کے لیے ملاحظہ کیجئے: "جارج تھامس کی سرگزشت" از ڈبلیو فر-لنکن، کلکتہ ۱۸۰۳ء۔

(۲۱) وہ اپنے درباریوں سے یہ چاہتا تھا کہ جب وہ اپنی شکایت پیش کر رہے ہوں یا اس سے بات کر رہے ہوں تو جھک جایا کریں اور وہ انہیں اس بات پر مجبور کرتا کہ وہ اپنی گفتگو اور اطوار میں انتہائی غلامانہ عاجزی کا اظہار کیا کریں۔ وہ اس بنا پر کہ سابقہ راجاؤں کے محض پہلو بہ پہلو اس کا تعلق ہے، جھنڈ کے راجہ کے کسی بھی اعزازی خطاب سے انکار کرتا تھا، لہٰذا وہ کہتا تھا کہ پٹیالہ کے مہاراجہ کو صرف راجہ کا نام دے گا۔ اس نے اپنے علاقوں کے پار بنگال کے لیفٹیننٹ گورنر کو ملنے سے انکار کر دیا اور حکومت برطانیہ کے افسروں کے لیے تمام خطابات کو چھوڑنے کی خواہش ظاہر کی۔

(۲۲) اس کا اعزازی خطاب "فرزند ارجمند عقیدت پیوند دولت انگلشیہ بارارنس سرمور راجہ بھرپور سنگھ مندر بہادر نابھہ" تھا۔

حصہ چہارم

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حیات

باب ۱

بطور حکمران لاہور

اس کے عروج سے معاہدہ ستلج تک

(۱۷۹۹ء سے ۱۸۰۸ء)

جب مہا سنگھ کا انتقال ہوا تو اس کے اکلوتے بیٹے رنجیت سنگھ کی عمر بارہ برس تھی۔ اس کی والدہ مائی ملوائن کو اس کے خاوند کے دیوان لکھپت رائے (جو نوشہرہ کا ایک چھتری تھا) کی معاونت کے ساتھ قائم مقام نامزد کیا گیا۔ لہٰذا اس نے کم سن بیٹے کے نام پر مثل پر حکمرانی کی۔ اگرچہ گور بخش سنگھ کنہیا کی بیوہ نوجوان سردار کی ساس سدا کور بھی کافی حد تک معاملات کا انتظام کرتی تھی۔ اس غیر معمولی خاتون سدا کور کی عقلمندی اور توانائی (جس کا شمار اپنی صنف کی عیار اور انتہائی پرعزم خواتین میں ہوتا تھا) نے رنجیت سنگھ کے ابتدائی کارناموں میں حقیقی طور پر اس کی بھرپور مدد کی۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ وہ ایک ایسی سیڑھی تھی جس کی مدد سے رنجیت سنگھ اپنی حکومت کے عروج تک پہنچا۔ اپنی بیٹی مہتاب کور کی منگنی نوجوان رنجیت سنگھ سے کر کے اسے یہ امید ہو گئی تھی کہ اپنے سسر جے سنگھ کے انتقال پر اس کے دونوں بیٹوں بھاگ سنگھ اور ندھن سنگھ کو ہٹا کر کنہیا مثل کی سرداری حاصل کرنے اور پنجاب کی تاریخ میں ایک نمایاں کردار ادا کرنے میں سکر چاکیہ سردار کی حمایت حاصل ہو جائے گی۔ یہ مقاصد جے سنگھ کنہیا کے انتقال پر مکمل طور پر حاصل ہو گئے' جو ۱۷۹۳ء میں یعنی مہا سنگھ کے انتقال کے اگلے سال رونما ہوا۔ لہٰذا اس کے ساتھ ہی اسے کنہیا مثل پر مکمل اختیار حاصل ہو گیا۔

رنجیت سنگھ کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ وہ اپنے دن شکار کرنے، ہر قسم کی زیادتیوں اور اپنی جوانی کے جذبات اور خواہشات کی تسکین کرنے میں بسر کرتا تھا۔ اسے لکھنا پڑھنا بالکل نہیں سکھایا گیا۔ لہٰذا ابھی وہ اپنی والدہ اور ساس کی سرپرستی میں تھا تو کم سنی ہی میں نائی سردار، رام سنگھ کی بیٹی راج کور، دوسری بیوی کا خاوند بن گیا۔ سترہ برس کی عمر کو پہنچنے پر رنجیت سنگھ نے اپنے آپ کو سرکاری امور کے انتظام کے سلسلہ میں تینوں قائم مقام سرپرستوں، لکھپت رائے، مائی ملوائن اور سداکور کے مقابلہ میں زیادہ بہتر اور قابل سمجھنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے باپ کی طرح انہیں یہ باور کرا دیا کہ حکومت کے انتظام کے سلسلہ میں ان کی نگرانی مستقبل کے لیے موقوف ہو جائے گی۔ تب اس نے مکمل ذمہ داری سنبھال لی اور اپنے والد مہا سنگھ کے ماموں دل سنگھ کو اپنا وزیراعظم مقرر کیا۔

اس کے والد نے اپنے انتقال سے تھوڑا عرصہ پہلے نوجوان سردار رنجیت سنگھ کے سر پر سرداری کی پگڑی باندھ کر اسے اس کی نگرانی میں دے دیا تھا۔ دل سنگھ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے رنجیت نے لکھپت رائے کو کیتھل کی طرف ایک مہم پر بھیج دیا، جہاں اس کی ماں کے مشکوک عاشق کو آسانی سے ٹھکانے لگا دیا گیا۔ تمام بیانات اس بات پر متفق ہیں کہ متوفی دیوان ہی صرف مائی ملوائن کا آشنا نہیں تھا، لائق مصر پر بھی شبہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ وہ بھی اس پر عاشق ہے۔ رنجیت سنگھ نے اپنے والد کی قائم کردہ مثال پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی ماں اور اس کے عاشق، دونوں کو اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سانحے کے کئی ماہ بعد تک نوجوان سردار ذاتی سوچ بچار اور خفیہ شہادت کے ذریعے اپنی ماں کے جرم سے اپنے آپ کو قائل کرنے کا آرزو مند رہا۔ ایک روز صبح سویرے اس کے ایک بااعتماد نوکر نے اسے اس کی ماں کی خواب گاہ میں لائق مصر کی موجودگی سے مطلع کیا۔ یہ سننے کے بعد رنجیت سنگھ فوراً کمرے میں داخل ہوا اور اس نے یہ دیکھا کہ اس کے نوکر کی اطلاع بالکل درست ہے۔ بغیر کوئی لفظ ادا کیے وہ ایک ملحقہ کمرے میں تلوار لینے کی غرض سے گیا اور اپنی ماں اور اس کے آشنا کو ہلاک کرنے کی قسم کھا لی۔ وہ انتہائی تیزی سے واپس لوٹا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی لیکن اس سے پیشتر کہ نوجوان منتقم کمرے میں داخل ہوتا، مصر کچھ شور سن کر بھاگ اٹھا۔ مائی اپنے بستر پر نیم عریاں حالت میں بیٹھی تھی اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔

مصر فرار ہوتے ہوئے جلدی میں اس خاتون کی خواب گاہ میں اپنے جوتے اور لباس کا

ایک حصہ چھوڑ گیا تھا۔ اس چیز نے رنجیت کے غصہ کو دوچند کر دیا۔ اس نے ملامت آمیز لہجے میں اس خاتون سے پوچھا کہ "تمہارا عاشق کہاں ہے؟" اس نے جواب میں گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور اس نے اپنے بیٹے کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا کہ وہ اس قدر سرکش اور بے شرم ہوگیا ہے کہ اپنی سگی ماں اور ایک عمر رسیدہ عورت پر ایک ناحق الزام لگا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کا کردار اسی طرح پاکیزہ ہے' جس طرح وہ یا کوئی اور توقع کر سکتا ہے۔ یہ تکرار کچھ دیر تک جاری رہی۔ آخر کار غضب ناک نوجوان نے اپنی ماں کی لعنت ملامت کے باعث دیوانگی کی حالت میں اس پر اپنی ننگی تلوار سے وار کیا۔ اب اس نے ہاتھ جوڑ کر اس سے رحم کی التجا کی لیکن اب اس خونیں جذبے کو دبانے میں بہت دیر ہوگئی تھی جو اس کے شرمناک فعل اور بعد میں اس کے رویے کے باعث نوجوان کے سینہ میں بھڑک اٹھا تھا۔ لہٰذا اس کو اپنی زندگی سے اس جرم کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ رنجیت سنگھ نے اپنی والدہ کی آخری رسومات انتہائی دھوم دھام اور شان و شوکت سے ادا کیں' جو اس جیسے سردار سے متوقع تھیں۔ لیکن اس نے جو کچھ کیا تھا' اس پر دکھ کا اظہار نہیں کیا۔ لہٰذا جب بھی مائی ملوائن کی موت کا ذکر ہوتا' وہ محض یہ کہتا کہ اسے اپنی عیاری کی بالکل صحیح اور مناسب سزا ملی تھی اور اسے اس بات کی خوشی ہے کہ اس کی ماں کی زندگی ختم ہوگئی۔ کیونکہ اگر وہ زیادہ دیر زندہ رہتی تو اس کے گناہ بھی بڑھتے رہتے۔ چنانچہ ہر لحاظ سے جرم اور شرم کی زندگی پر موت کو ترجیح دینی چاہیے۔ لائق مصر فرار ہو کر امرتسر جانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو رنجیت سنگھ کی ساس سداکور کے رحم و کرم اور حفاظت میں چھوڑ دیا تھا لیکن اس عیار عورت نے دغا بازی سے اسے رنجیت سنگھ کے حوالے کر دیا۔ لہٰذا اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

تقریباً اسی دور میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے درانی بادشاہ' شاہ زمان نے پنجاب پر لگاتار حملے کیے۔ وہ ایک ہندوستانی سلطنت قائم کرنے کے بارے میں اپنے دل میں ایک بیہودہ امید کی پرورش کر رہا تھا۔ بادشاہ نے ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے پانچ مرتبہ تیاریاں کیں اور اتنی ہی مرتبہ اس کے مغربی علاقوں کی ظاہر حالت نے اس ملک سے اس کی روانگی کو اشد ضروری بنا دیا۔ شاہ نے بغیر کسی مزاحمت کا سامنا کیے دو مرتبہ پنجاب کے دارالحکومت پر قبضہ کیا لیکن ہر مرتبہ اس علاقے پر مستقبل قبضہ کا انتظام کیے بغیر اسے دریائے سندھ کے مغرب میں اپنے آبائی وطن کی طرف قدم موڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس دور میں اگرچہ سکھ بحیثیت ایک قوم کے طاقتور تھے' لیکن منظم طریقہ جنگ سے ناآشنا تھے

اور مزید برآں ابدالی بادشاہ احمد شاہ کی کامیابیاں جو ابھی تک ان کے ذہنوں میں تازہ تھیں' انہوں نے لوگوں کے لیے افغان نام کو ایک دہشت بنا دیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے' کہ جب افغان بادشاہ کی آمد ہوتی تو سکھ اپنے آپ کو پہاڑوں یا جنگلات میں چھپا لیتے اور حملہ آوروں کی پہنچ سے دور علاقوں کی طرف فرار ہو جاتے اور جیسے ہی وہ یہاں سے روانہ ہوتا' فوراً بہت بڑی تعداد میں دوبارہ نمودار ہو جاتے۔

درانی حملہ آور کی آمد پر فرار ہونے والوں میں رنجیت سنگھ بھی شامل تھا۔ اس نے اپنے حالات کے مطابق دیگر مثلوں سے اتحاد قائم کر لیا اور جس وقت شاہ لاہور کے معاملات میں مصروف تھا' اس نے موقع کا فائدہ اٹھا کر ستلج کو پار کیا اور جن اضلاع میں سے گزرتا' انہیں مطیع کرتا گیا اور لوگوں سے خراج حاصل کیا۔ شاہ کی روانگی کے بعد رنجیت سنگھ کی حیثیت سکھوں میں بتدریج ممتاز ہوگئی اور اس کی بڑھتی ہوئی خوش قسمتی سے اس کے ہم عصر سردار حسد کرنے لگے۔ چٹھہ قبیلے کا سردار حشمت خان' جس کے مقبوضات دریائے چناب کے کنارے پر واقع تھے' اس نے نوجوان سردار کی جان لینے اور اسے راہ سے ہٹانے کے پر خطر کام کا بیڑہ اٹھایا۔ ایک روز جب رنجیت سنگھ گھوڑے پر سوار ایک شکاری مہم سے واپس لوٹ رہا تھا' جب اس کے ساتھی پیچھے رہ گئے تو حشمت خان جو راستے میں موجود جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا' اچانک باہر نکلا اور نوجوان شکاری پر حملہ کر دیا۔ وار خطا گیا اور اس کی ضرب سے لگام دو ٹکڑے ہوگئی۔ اپنے محافظوں کی آمد پر رنجیت سنگھ غضبناک ہو کر اپنے حملہ آور پر پل پڑا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ چٹھوں نے اپنے سردار کی موت پر رنجیت سنگھ کو اطاعت پیش کر دی۔ اس نے مرحوم کی جاگیروں کے ایک بہت بڑے حصہ کو اپنے علاقہ میں شامل کر لیا۔

رام گڑھیوں نے جب جے سنگھ کنہیا کی بیوہ سداکور کی املاک پر ناجائز قبضہ کرنا شروع کر دیا تو اس کی درخواست پر رنجیت سنگھ ایک گھڑ سوار فوج کے ہمراہ بٹالہ کی طرف روانہ ہوا۔ جسا سنگھ رام گڑھیہ کی حکومت کے صدر مقام میانی شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا اور بغیر کسی فیصلہ کن نتیجہ کے متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ آخرکار موسم برسات شروع ہوگیا اور شہر کے چاروں طرف پانی پھیل گیا۔ لہٰذا محاصرہ اٹھا لیا گیا اور فوج کو واپس بھیج دیا گیا۔

اب رنجیت سنگھ نے خود کو لاہور کا مالک بنانے کے لیے منصوبے بنانے شروع کر دیے اور اس سلسلہ میں سداکور (جو اپنے داماد کی طرح پرعزم اور عالی ہمت عورت تھی) نے

اس کی حوصلہ افزائی کی۔ اس نے سوچا کہ یہ کام کرنے کے لیے وقت بہت مناسب ہے۔ کیونکہ اسے درانی بادشاہ کی مداخلت کا بھی کوئی خدشہ نہیں تھا۔ دریائے جہلم کی تہہ سے گم شدہ توپوں کی بازیابی اور انہیں بحفاظت کابل روانہ کرنے کے سلسلہ میں اس کی خدمات نے (جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے) اس کے لیے اس کی رسمی منظوری حاصل کرلی تھی۔

اس کا دیرینہ دشمن جسا سنگھ رام گڑھیہ بہت بوڑھا ہوچکا تھا اور وہ اس قابل نہیں تھا کہ اپنی مثل کے امور کی انجام دہی میں کوئی فعال کردار ادا کر سکے۔ گلاب سنگھ بھنگی گھوڑی سے گرنے پر معذور ہوچکا تھا اور زیادہ تر دوسرے سردار زبردست قوی رنجیت کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے سلسلہ میں بہت کمزور تھے۔

لاہور کی حکومت ثلاثہ

اس وقت لاہور میں تین حکمرانوں لہنہ سنگھ' گوجر سنگھ اور سوبھا سنگھ کی حکومت تھی۔ وہ لاپرواہ' شراب خور' عیاش اور ظالم تھے۔ یہ افراد کس طرح حکومت تک پہنچے اور لاہور پر قبضہ کیا' اس کے بارے میں بھنگی مثل کی تاریخ کے خاکہ میں پوری طرح بیان کر دیا گیا ہے۔ اب سردار فوت ہوچکے تھے تمران کے بیٹے زندہ تھے۔ لہنہ سنگھ کا ایک بیٹا چیت سنگھ' گوجر سنگھ کا ایک بیٹا صاحب سنگھ اور دو اور بیٹے سکھا سنگھ اور فتح سنگھ نیز سوبھا سنگھ کا ایک بیٹا موہر سنگھ تھا۔ جن مسلمانوں کو اس وقت بہت زیادہ اثر و رسوخ حاصل تھا' وہ میاں عاشق محمد اور میاں محکم دین تھے۔ ان کی رائے کا شہر اور اس کے مضافات سے متعلقہ اہم معاملات میں احترام کیا جاتا تھا اور وہ شہر کے چودھری کہلاتے تھے۔ میاں عاشق محمد کی بیٹی کی شادی شہر کے ایک متمول اور با اثر چودھری میاں بدرالدین کے ساتھ ہوئی' جس کا شہر میں چند چھتریوں کے ساتھ جھگڑا ہوگیا تھا۔ یہ چھتری جو بدر الدین سے انتقام لینا چاہتے تھے' لاہور کے حاکموں میں سے ایک سردار چیت سنگھ کے پاس گئے (جو اس وقت قلعہ لاہور میں شیش محل یا ثمن برج میں رہائش پذیر تھا) اور اس سے جھوٹ موٹ شکایت کی کہ بدر الدین بغاوت کر رہا ہے۔ انہوں نے اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ کابل کے حکمران شاہ زمان سے خفیہ خط و کتابت کر رہا ہے۔ انہوں نے اپنی من گھڑت داستان کو سچ ثابت کرنے کے لیے چند مخصوص کاغذات بھی پیش کیے۔ بے شمار افراد نے اس الزام کی تصدیق کچھ اس زور شور سے کی کہ سردار' بدر الدین کے جرم کا قائل ہوگیا۔ چیت سنگھ نے اسے صفائی کا موقع دیے بغیر اور اس سے ملاقات کیے بغیر حکم دیا کہ اسے فوراً گرفتار کرلیا جائے۔ لہٰذا اسے بھاری زنجیریں پہنا کر ایک قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔

بدقسمت شخص کا سسر میاں عاشق محمد اور اس کا ساتھی میاں محکم دین یہ سننے پر بہت پریشان ہوئے۔ لہٰذا وہ چودھری گکہ' اشرف خان اور شہر کے متعدد دوسرے بااثر مسلمانوں کو ساتھ لے کر ایک جماعت کی صورت میں چیت سنگھ کو بدر الدین کی معصومیت پر قائل کرنے اور اسے رہا کرانے کے لیے اس کے پاس گئے۔ تاہم ان کی شنوائی نہیں ہوئی اور انہیں فوری طور پر سردار کے سامنے سے ہٹا دیا گیا۔ جس نے انتہائی غرور اور زعم میں ہتک آمیز زبان استعمال کی۔ چودھری انتہائی مایوسی اور سردار کے ہتک آمیز رویہ سے آگ بگولا ہو کر واپس لوٹ آئے۔ لہٰذا انہوں نے قسم کھا لی کہ چیت سنگھ اور اس کے دوست چھتری' جو فساد کی جڑ ہیں' ان سے ضرور انتقام لیں گے۔ بدر الدین کی رہائی کے لیے تقریباً ایک ماہ تک بات چیت ہوتی رہی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس مشکل کے ازالہ کے لیے ہر قسم کی کوششیں جب ناکام ہوگئیں تو آخرکار دوسرے ذرائع کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک درخواست تیار کی گئی اور اس پر حکیم حاکم رائے' بھائی گوربخش سنگھ' میاں عاشق محمد' میاں محکم دین' محمد باقر' محمد طاہر' مفتی محمد مکرم' میر شادی اور لاہور کے دیگر سرکردہ شہریوں کے دستخط تھے۔ اس میں رنجیت سنگھ سے خطاب کر کے لاہور کے تینوں حاکموں کے چال چلن کے بارے میں بتایا گیا تھا اور لوگوں سے ناروا سلوک کرنے کے نتیجہ میں شہر میں پھیلی ہوئی بے چینی کے بارے میں مکمل طور پر بیان کیا گیا تھا۔ جمع کیے گئے چند سپاہی' شہر اور قلعہ کی حفاظت کے لیے ناکافی ہیں۔ لوگوں پر ظلم و ستم کیا جاتا ہے اور ان کے انتظام حکومت سے نفرت کی جاتی ہے۔ اس میں بیان کیا گیا کہ شہر کے قرب و جوار کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا ہے۔ کسی مکان پر چھت نہیں چھوڑی گئی۔ کڑیوں اور شہتیروں کو نذر آتش کر دیا گیا ہے یا جن کے پاس اختیار ہے وہ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ فصیل کے اندر تقریباً نصف شہر ویران ہوگیا ہے اور متعدد گلیاں اور محلے ویران ہوگئے ہیں۔ حاکم شراب خوری کے عادی ہیں اور ہر وقت مدہوشی کی حالت میں رہتے ہیں۔ لہٰذا اپنی رنگ رلیوں کے لیے وہ شہریوں لو لوٹتے کھسوٹتے ہیں۔

ان وجوہات کی بنا پر سکر چاکیہ سردار کو لاہور پر قبضہ کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ صرف شہر میں اس کی آمد ہی درکار تھی۔ درخواست دہندگان نے جو کچھ بھی کیا تھا' وہ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بہت ضروری تھا۔ ایک آدمی اس خط کو رنجیت سنگھ کے پاس لے گیا' جو اس وقت رسول نگر (یا دوسرے معنوں میں رام نگر سے مشہور تھا) میں تھا۔ لاہور کے شہریوں نے اسی طرح کا پیغام رنجیت سنگھ کی ساس' سداکور کے پاس روانہ

کیا' جو اس وقت کہنیا مثل کی سردار تھی۔ اسے تعاون کرنے کی دعوت دی گئی اور درخواست کی گئی کہ وہ اس مہم میں شامل ہو جائے۔ رنجیت سنگھ نے یہ خط موصول ہونے پر رسول نگر کے آبائی اپنے نمائندے قاضی عبدالرحمان کو ذاتی طور پر میاں عاشق محمد' میاں محکم دین' چیت سنگھ کے منتظم اور دیگر سرکردہ مسلمان شہریوں کے ساتھ کھلی گفت و شنید کرنے کے لیے لاہور روانہ کیا اور کہا کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے مجھے اس کے نتیجہ سے مطلع کیا جائے۔ جب یہ ابتدائی گفت و شنید ختم ہوگئی تو رنجیت سنگھ کو یہ یقین دہانی کرا دی گئی کہ اس کی آمد پر شہر کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے جنگ کے لیے تمام ضروری تیاریاں کر لیں۔ حتی المقدور فوج جمع کرنے کے بعد وہ اپنی ساس سداکور سے مشورہ کرنے کے لیے بٹالہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ اپنی تمام دستیاب فوج کے ساتھ اپنے داماد کے ساتھ شامل ہوگئی اور ان میں اکالیوں اور مذہبیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد شامل ہوگئی۔ تب رنجیت سنگھ اور اس کی ساس کی قیادت میں متحدہ افواج نے امرتسر کی طرف پیش قدمی کر دی۔ یہ باور کرایا گیا کہ سکر چاکیہ سردار مقدس تالات میں اشنان کرنے اپنی معمول کی حاضری پر شہر جا رہا ہے۔ امرتسر سے وہ تقریباً پانچ ہزار سپاہیوں کی قیادت کرتا ہوا لاہور کی طرف روانہ ہوا' جن میں زیادہ تر آوارہ گرد تھے۔

اس نے بارہ دری نواب وزیر خان میں پڑاؤ ڈال دیا (جو اب پنجاب پبلک لائبریری ہے) اور اس کی فوج انار کلی میں موجودہ گورنمنٹ پوسٹ آفس کے مقام پر ٹھہر گئی۔

جب تینوں سرداروں کو رنجیت سنگھ کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاریاں کر لیں۔ ان تینوں سرداروں کے نظم و نسق کے دوران عوامی کاروبار کے لیے شہر کے کھولے جانے والے دروازے صرف دہلی' لاہوری اور روشنائی دروازے تھے۔ باقی دروازوں کو پختہ دیواروں سے بند کر دیا گیا تھا۔ رنجیت سنگھ نے یہ دیکھا تو اسے اپنے مقصد کے حصول میں دشواری نظر آئی۔ میاں عاشق محمد اور محکم دین نے اس کے پاس پیغام بھیجا کہ شہر میں اس کے با آسانی داخلے کے لیے جو ضروری کام تھا' وہ کر لیا گیا ہے۔ لہٰذا شہر کی فصیل میں حضری اور یکی دروازہ کے درمیان ایک بہت بڑا شگاف ڈال دیا گیا ہے' جو اسے خاموشی سے شہر میں داخل ہونے میں مدد دے گا۔ رنجیت سنگھ نے اس اطلاع پر عمل پیرا ہونے میں ہچکچاہٹ سے کام لیا اور دغابازی کے شک و شبہ کے تحت شہر کے کسی دروازے سے ایک فاتح کی طرح داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ مضحکہ خیز حد تک چھوٹی سی مسلح جماعت (تقریباً دو سو) جو شہر سے باہر رنجیت سنگھ سے مقابلہ کرنے کے لیے

آئی۔ اسے مار پیٹ کر شہر کی طرف بھگا دیا گیا۔ جھڑپ میں ان کے پانچ آدمی مارے گئے۔
آخرکار حملہ آور اور میاں عاشق محمد و محکم دین کے درمیان خفیہ گفت و شنید کے نتیجہ میں
اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ رنجیت سنگھ ۱۳ر صفر ۱۲۱۵ھ (سمت ۱۸۵۶ یا ۱۷۹۹ء) کی صبح ۸ بجے
شہر کے لاہوری دروازہ کی طرف بڑھے گا جو اس کی آمد پر کھول دیا جائے گا۔ اس پر اتفاق
کرتے ہوئے رنجیت سنگھ ایک ہزار منتخب سپاہیوں کے ہمراہ مقررہ وقت پر لاہوری دروازہ کی
طرف بڑھا۔ لہٰذا اس سے پیشتر کہ سردار چیت سنگھ اس کے ارادہ یا موجودگی سے باخبر ہوتا'
اس کے لیے دروازہ کھول دیا گیا اور وہ داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ رنجیت سنگھ کی باقی
فوج بھی فوراً اس کے پیچھے داخل ہوگئی اور وہ شہر کی فصیل پر چڑھ گئی۔ جس وقت یہ
کارروائی ہو رہی تھی' چیت سنگھ کو جان بوجھ کر غلط اطلاع دی گئی کہ محاصرین دہلی دروازہ پر
آ گئے ہیں' جسے ان پر بند کر دیا گیا ہے اور دروازہ کے محافظ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے
تیار ہیں۔ چیت سنگھ یہ سننے پر فوراً دہلی دروازہ کے محافظوں سے ملنے اور دشمن کی پیش قدمی
کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کی مدد کرنے کے لیے پانچ سو گھڑسواروں کے ہمراہ قلعہ کے
مشرقی دروازہ سے روانہ ہوا۔ وہ دہلی دروازہ کی طرف روانہ ہونے کے بعد ابھی تھوڑی دور
گیا تھا کہ اس کے سپاہیوں نے اسے مطلع کیا کہ دشمن تو لاہوری دروازہ سے شہر میں داخل
ہوچکا ہے' جسے دغابازی سے ان کے لیے کھول دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر وہ اپنی جان بچانا چاہتا
ہے تو اسے چاہیے کہ وہ دوبارہ قلعے میں داخل ہو کر اسے دشمن کے قبضہ سے بچائے۔ اب
چیت سنگھ نے دیکھا کہ اسے جان بوجھ کر غلط اطلاع دی گئی تھی۔ اس کارروائی کا مقصد
رنجیت سنگھ کو شہر میں داخل ہونے کا ایک اچھا موقع فراہم کرنا تھا۔ لہٰذا وہ فوراً قلعہ کی
طرف لوٹا اور دشمن کی گھڑسوار فوج' جس کی قیادت نوجوان رنجیت سنگھ بذات خود کر رہا
تھا' اس پر حضوری باغ دروازہ بند کرنے کے لیے وہاں پہنچا۔ رنجیت سنگھ کے ہراول دستہ
نے دروازوں کو بند کرنے کی کوشش میں دو یا تین دربانوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ وہ
اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے دروازے کے قریب آ گئے تھے۔ چیت سنگھ نے خود کو قلعہ
میں بند کر لیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ دیگر دو سردار بھی رنجیت سنگھ کے داخلے کا
سننے سے قبل ہی شہر سے فرار ہوگئے تھے۔ رنجیت سنگھ نے اب قلعہ پر گولہ باری شروع کر
دی۔ قلعہ کے اندر چیت سنگھ کے بندوقچیوں نے فوراً اس کا جواب دیا۔ یہ گولہ باری بیس
گھنٹے تک جاری رہی۔

رنجیت سنگھ نے اب قلعہ کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن سداکور نے اسے اس کے

ارادے سے باز رکھا اور اس پر زور دیا کہ محصورین کے پاس کھانے پینے کی کوئی اشیاء نہیں۔ لہٰذا باہر سے ان کے رسل و رسائل کو کاٹ دیا جائے تو وہ جلد ہی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ حالات سے یہ رائے درست ثابت ہوئی۔ اگلی صبح چیت سنگھ نے جب دیکھا کہ اس کے خلاف ہر طرف دغا بازی ہو رہی ہے تو اس نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کیا کہ اسے بغیر چھیڑے شہر چھوڑنے کی اجازت دی جائے اور خود اس کے اور خاندان کے گزارہ کے لیے مناسب وظیفہ مہیا کیا جائے۔ رنجیت سنگھ نے ان شرائط کو بخوشی منظور کر لیا۔ لہٰذا شکست خوردہ سردار قلعہ سے باہر چلا گیا۔

رنجیت سنگھ نے پوری طرح اس سے اچھا برتاؤ کیا اور اسے جاگیر کے طور پر ایک بہت بڑا گاؤں عنایت کر دیا۔ اس کے فوری احکامات کے تحت شہر اور اس کے شہریوں کے ساتھ فاتحین کی جانب سے بہت اچھا برتاؤ کیا گیا۔ لہٰذا حکم دیا گیا کہ اگر اس کے فوجیوں کی جانب سے غارت گری یا بے جا استعمال کی کوئی کارروائی کی گئی تو ان کے ساتھ سختی سے پیش آیا جائے گا۔ ان احکامات کے باوجود متمول ترین شہریوں نے اپنے کاروباری مراکز کو بند کیا اور اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ تاہم رنجیت سنگھ نے جلد ہی انہیں اس بات پر قائل کیا کہ وہ ان کے ساتھ مخلص ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ اپنی دکانوں کو دوبارہ کھول کر کاروبار شروع کر دیں۔

ایک حکم جاری کیا گیا جس میں تمام رعایا کو تحفظ کی یقین دہائی کرائی گئی اور بیرونی جارحیت اور اندرونی خلفشار سے پناہ دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اہل حرفہ کو دوبارہ کام شروع کرنے کی ترغیب دینے کے لیے قلعہ میں جمع شدہ ناقابل استعمال توپوں اور عسکری ذخائر کی ایک بہت بڑی تعداد کو مرمت کی غرض سے ان کے حوالے کر دیا گیا اور اس کے لیے انہیں اچھی خاصی ادائیگی کی گئی۔ ان اقدامات کا اچھا تاثر قائم ہوا۔ لوگوں کو دوبارہ یقین دہائی کرا دی گئی تھی۔ لہٰذا چند دنوں میں شہر پہلے کی طرح مصروف ہو گیا۔

اس وقت پنجاب کی سیاسی حالت کے بارے میں مختصر طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ ایک بہت بڑا شہر قصور جو لاہور کے جنوب مشرق میں ۲۵ کوس کے فاصلے پر واقع تھا اور جس کے شہری زیادہ تر پٹھان تارکین وطن تھے۔ اس پر ایک طاقتور مسلمان سردار نظام الدین خاں کی حکومت تھی۔ چک گورو' جو اب امرتسر کے نام سے مشہور ہے' گلاب سنگھ کی قیادت میں بھنگیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ملتان پر شجاع خاں کے بیٹے مظفر خاں سدوزئی کی حکومت تھی جو ابدالی بادشاہ احمد شاہ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور اس کے آباؤ اجداد

نادر شاہ کے کابل کے تخت پر بیٹھنے کے بعد ہونے والے فسادات میں قندھار سے آ کر ملتان پر قابض ہوگئے تھے۔ ڈیرا پر عبدالصمد خان نے قبضہ کر لیا تھا۔ مانکیرہ' ہوت' بنوں اور مضافاتی علاقہ پر نواب محمد خاں کے جانشین محمد شاہنواز خان معین الدولہ کا قبضہ تھا اور ٹانک پر سرور خان کٹھی خیل کا قبضہ تھا۔ یہ سب افغان غاصب تھے' جو دراصل پنجاب کی کابل حکومت کے حاکم تھے اور درانی حکومت کی کمزور حالت کے باعث اپنے زیر انتظام علاقوں کے خود مختار بن گئے تھے۔ ڈیرہ غازی خان' بشمول بہاولپور اور ملتان سے ملحقہ ایک خطہ پر داؤد پوتہ بہادل خان کی حکومت تھی۔ جھنگ پر احمد خان سیال' پشاور پر فتح خان بارک زئی (جو محمود شاہ کا برائے نام حمایتی تھا) اور کشمیر پر اس کے بھائی عظیم خان کی حکومت تھی۔ قلعہ اٹک جہانداد خان کے تحت وزیر خیل کے قبضہ میں تھا۔ کانگڑا کے پہاڑ راجہ سنسر چند کے زیر انتظام تھے۔ چمبہ' راجہ چڑت سنگھ اور ہوشیارپور سے کپور تھلہ کا علاقہ فتح سنگھ آہلووالیہ کے زیر انتظام تھا جو بعد میں رنجیت سنگھ کا پگڑی بدل بھائی بن گیا۔ ستلج کے پاس اور اس طرح کے علاقوں پر خود مختار سکھ سرداروں کی حکومت تھی اور ان کے متحدہ علاقوں کو مثل کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ دیگر خود مختار سرداروں کی حکومت وزیر آباد' دھنی' خوشاب اور پاک پتن پر تھی جہاں بادا فرید شکر گنجؒ کی عظیم خانقاہ موجود ہے۔ اس کے احترام میں کہا گیا ہے:

تاکہ قائم بود زمین و زمن | باد آباد خاک پاک پتن
کاندران روضہ جناں آسود | شیخ باوا فرید قبلہ من

"جب تک یہ زمین اور دنیا قائم رہے تب تک پاک پتن آباد رہے۔
کیونکہ اس کے نواح میں' جو بہشت کی طرح ہے' باوا فرید شیخؒ" شکر گنج آسودہ خاک ہیں"۔

لاہور میں تسلط قائم کرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے اپنے آپ کو اپنے علاقے مربوط کرنے اور اپنی عمل داری قائم کرنے کے لیے انتظامات کرنے میں مصروف کر لیا۔ اس کی فوجوں نے اب تک جو کامیابی حاصل کی تھی اور اب جب کہ اس نے پنجاب کے دارالحکومت پر قبضہ بھی کر لیا تھا' اس سے اس کے ہمعصر سرداروں میں اس کے لیے حسد' نفرت اور تنگ دلی کے جذبات پیدا ہوگئے۔ اس سے لاہور کو چھیننے کے لیے جسا سنگھ رام گڑھیہ' امرتسر کے گلاب سنگھ بھنگی' گجرات کے صاحب سنگھ بھنگی' وزیر آباد کے جودھ سنگھ اور قصور کے نظام الدین خان کے درمیان ایک طاقتور اتحاد قائم ہوگیا۔ متحدہ افواج جو کئی

ہزار مضبوط سپاہیوں پر مشتمل تھیں' اپنے اپنے سرداروں کی قیادت میں ۱۸۰۰ء کے ابتدائی حصہ میں امرتسر سے لاہور روانہ ہوئیں۔ جسّا سنگھ رام گڑھیہ کمزوری اور بڑھاپے کے باعث ذاتی طور پر مہم میں شامل نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس نے اپنی طرف سے اپنے بیٹوں کو معاملات کی انجام دہی کے لیے روانہ کیا۔ رنجیت سنگھ اپنی حتی المقدور فوج اور اپنی چاق و چوبند ساس سداکور کی مہیا کردہ فوج کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے لاہور سے روانہ ہوا۔ دونوں فریقین کی افواج نے لاہور کے مشرق میں دس کوس کے فاصلے پر موضع بھیسن کے مقام پر ایک دوسرے کے سامنے دو ماہ تک پڑاؤ ڈالے رکھا۔ لہٰذا متعدد بے فائدہ جھڑپیں ہوئیں اور کسی فریق کو بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس تاخیر نے بھنگی سرداروں کو ان کا وہ مقصد بھلا دیا' جس نے مشترکہ دشمن کے خلاف مشترکہ کارروائی کرنے کے لیے ترغیب دلائی تھی۔ رات اور دن کا زیادہ حصہ شراب خوری اور غل غپاڑے میں گزارا جاتا' جو ان کی فوجوں اور ان کے مقصد کے لیے بالکل نقصان دہ تھا۔ یہ بلا نوشی گلاب سنگھ بھنگی کے لیے مہلک ثابت ہوئی۔ جو ایک رات شراب کے نشے میں مدہوشی کی حالت میں اچانک انتقال کر گیا۔ اس سردار کی موت نے پورے بھنگی پڑاؤ میں دہشت پھیلا دی۔ یہ محسوس کیا گیا کہ سکر چاکیہ سردار غیر متزلزل ہے اور میدان کو جیتنے کے لیے پوری طرح تیار ہے۔ لہٰذا متحدہ سرداروں کی فوج منتشر ہو گئی اور اس کے بعد لاہور پر ہمیشہ کے لیے رنجیت سنگھ کا بلا شرکت غیرے قبضہ ہو گیا۔

بٹالہ کے قریب سداکور اور جسّا سنگھ رام گڑھیہ کے بیٹے جودھ سنگھ کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی۔ رنجیت سنگھ نے سداکور کی مدد کی۔ لہٰذا اس کے نتیجہ میں رام گڑھیوں کو مکمل طور پر شکست ہوئی۔ ان واقعات کے بعد رنجیت سنگھ اب چونکہ لاہور کا مالک تھا' لہٰذا وہ شہر میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ سرکردہ شہریوں نے بڑے اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ انہوں نے اسے نذریں پیش کیں اور اپنے نئے بادشاہ سے قیمتی خلعتیں وصول کیں۔ اسی سال سمت ۱۸۵۷ (۱۸۰۰ء) میں رنجیت سنگھ جموں کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے سب سے پہلے میروال پر قبضہ کیا اور اس کے بعد نارووال پر۔ اس مقام کے سردار نے اسے ۸ ہزار روپے کا خراج پیش کیا۔ تب اس نے جسروال کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور اسے تسخیر کرنے کے بعد دفاع کرنے والوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے جموں سے چار میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا' جہاں راجہ نے اس سے ملاقات کی۔ لہٰذا اپنے صدر مقام کو آفت سے محفوظ رکھنے کے لیے

(کیونکہ اسے اس کی دھمکی دی گئی تھی) اس نے اسے ۲۰ ہزار روپے نقد اور ایک ہاتھی پیش کیا۔ حملہ آور اسے اس کے مالک پر بحال کرنے اور اسے ایک خلعت پیش کرنے کے بعد سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوا اور اسے مغلوب کیا۔ تب وہ دلاور گڑھ کے خلاف روانہ ہوا جو اس وقت باوا کیسرا سنگھ سوڈھی کے قبضہ میں تھا۔ جودھ سنگھ وزیر آبادیہ' جو باوا کی مدد کے لیے آیا تھا' اپنے حلیف کا ساتھ چھوڑ کر مایوسی کی حالت میں بھاگ اٹھا' جس نے متعدد جھڑپوں کے بعد محسوس کیا کہ طویل مزاحمت سے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور یہ کہ اس کی کامیابی کی کوئی امید نہیں ہے' اپنے آپ کو فاتح کے حوالے کر دیا لہٰذا اسے معافی دے دی گئی۔ رنجیت سنگھ نے دلاور گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے گزر بسر کے لیے باوا کو شاہدرہ جاگیر کے طور پر دے دیا۔ ان فتوحات کے بعد رنجیت سنگھ واپس لاہور آ گیا جہاں کچھ دیر بعد حکومت برطانیہ کے نمائندے یوسف علی خان نے اس سے ملاقات کی' جو حکومت کی طرف سے ایک دوستانہ خط اور لاہور کے سردار کے لیے ایک ہزار روپے مالیت کے تحائف کے ساتھ آیا تھا۔ اس نمائندے کا بڑے اعزاز سے استقبال کیا گیا اور اسے پانچ حصوں کی ایک خلعت پیش کی گئی اور برطانوی حکام کے لیے قیمتی تحائف اور ملک کی مصنوعات کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

اگلے برس ۱۸۰۱ء میں رنجیت سنگھ نے رسمی طور پر مہاراجہ کا لقب اختیار کیا۔ لہٰذا اس موقع پر منعقدہ ایک دربار عام میں اعلان کیا گیا کہ سرکاری خط و کتابت میں اسے "سرکار" کے طور پر مخاطب کیا جائے' جو طاقت اور حکومت کی علامت ہے۔ دربار میں ان تمام سرداروں' سپہ سالاروں' چودھریوں' لمبرداروں اور دیگر امراء نے شرکت کی' جنہوں نے رنجیت سنگھ کو اطاعت پیش کی تھی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو خاندانی پروہت نے بادشاہت کی علامت کے طور پر مہاراجہ کی پیشانی پر تلک لگایا۔ لہٰذا اس وقت سے رنجیت سنگھ نے آوارہ گرد ڈاکوؤں کے سردار سے ایک قوم کے بادشاہ کے فرائض اور اختیار کے علاوہ مہاراجہ کا لقب اختیار کیا۔ اس موقع پر شہر کے علماء اور شعراء نے موقع کی مناسبت سے نظمیں پڑھیں۔ لہٰذا اس عظیم تاریخی واقعہ سے متعلقہ تقریبات کو انتہائی دھوم دھام اور شان و شوکت سے منایا گیا۔ لاہور میں ایک ٹکسال قائم کرنے کا حکم جاری کیا گیا اور مہاراجہ کے نام کا ایک سکہ مضروب کرایا گیا' جس پر یہ عبارت درج تھی :

دیگ و تیغ و فتح و نصرت بید رنگ یافت از نانک گورو گوبند سنگ

"مطلب یہ کہ تواضع' تلوار' فتح و نصرت' نانک سے گورو گوبند سنگھ کو ہمیشہ کے لیے ملی

ہیں"۔

سکے کی پشت پر سال اور سکہ ڈھالنے کی جگہ کے بارے میں درج تھا۔ ٹکسال کے افتتاح سے متعلقہ تقریبات بھی اسی روز منعقد ہوئیں۔ لہٰذا مضروب کیے گئے نئے روپے' جو اگلے روز مہاراجہ کے معاینے کی خاطر پیش کیے گئے' انہیں غرباء میں خیرات کے طور پر بانٹ دیا گیا۔ مسلمان بادشاہوں کی تقلید کرتے ہوئے شہر لاہور میں موروثی قاضیوں اور مفتیوں کے عہدوں پر نظر ثانی کی گئی۔ پس قاضی نظام الدین کو ایک خلعت پیش کی گئی اور انہیں مسلمانوں میں شادی اور طلاق سے متعلقہ جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا اور اسی طرح مفتی محمد شاہ پور اور مفتی سعد اللہ چشتی کو بھی خلعتوں سے نوازا گیا اور انہیں اختیار دیا گیا کہ وہ جس طرح مسلمان دور حکومت کے دوران کرتے تھے' اسی طرح غیر منقولہ جائیداد کی منتقلی سے متعلقہ حقوق کی دستاویزات تیار کرائیں۔ پرانے محلہ داری نظام کو ازسرنو قائم کیا گیا اور ہر محلہ کو شہر میں زیادہ بارسوخ شخص کے انتظام میں دے دیا گیا۔ کوتوال کا عہدہ امام بخش (المعروف خرسوار) کو بخشا گیا۔ قلعہ کے دروازوں پر نئے محافظ تعینات کیے گئے اور عسکری ضوابط پر نظر ثانی کی گئی اور چند نئے وضع کیے گئے۔ مہاراجہ کے طبیب خاص کا منصب عزیز الدین کے چھوٹے بھائی نور الدین کو عنایت کیا گیا۔ شہر کی موثر حفاظت کے لیے موتی رام (بعد میں دیوان) کو نئی دیواریں تعمیر کرنے اور اس کے گرد خندق بنانے کے لیے ایک لاکھ روپے دیے گئے۔ تقریباً اسی وقت گجرات کے صاحب سنگھ بھنگی نے گوجرانوالہ پر حملہ کر دیا۔ رنجیت سنگھ اپنی ساس کے ہمراہ بھنگی سردار کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ تاہم بابا نانک کی اولاد میں سے صاحب سنگھ بیدی (جس کے اعلیٰ خاندانی نسب کی وجہ سے سکھ اس کا بہت احترام کرتے تھے) کی مداخلت سے مفاہمت پیدا ہو گئی اور مہاراجہ واپس لاہور آ گیا۔ حکیم بغدادی نے ایک مچھلی (جو عربی زبان میں "سکن کر" کے نام سے مشہور ہے اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں مردانہ طاقت کی حیرت انگیز خصوصیات ہوتی ہیں) سے مہاراجہ کے لیے ایک معجون تیار کی۔ وہ اس کے اثر سے بہت خوش ہوا۔ لہٰذا اس نے اسے ۲۰ ہزار روپے سالانہ کی ایک جاگیر عنایت کر دی۔ اس کے بعد مہاراجہ قصور کے نظام الدین خان کے مقابلہ پر روانہ ہوا' جس نے صاحب سنگھ بھنگی سے الحاق کر لیا تھا۔ لیکن پٹھان سردار کو مطیع کرنے کے لیے اس کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ چنانچہ وہ لاہور واپس آ گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے اس نے مضافات کو نذر آتش کیا اور ان میں لوٹ مار مچا دی۔

بھنگی سردار صاحب سنگھ اور قصور کے پٹھان، نظام الدین خان نے دوبارہ علم بغاوت بلند کر دیا۔ رنجیت سنگھ نے قصور میں کمان سنبھالنے کے لیے سردار فتح سنگھ کلی والا کو روانہ کیا اور بذات خود صاحب سنگھ کو مغلوب کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ مہاراجہ کی فوج کی آمد پر صاحب سنگھ گجرات کے قلعہ میں بند ہوگیا۔ لاہور کی فوج نے اس کا سخت محاصرہ کر لیا۔ دونوں جانب سے سخت گولہ باری کی گئی۔ لہٰذا قلعہ کی فصیل میں متعدد شگاف پڑ گئے۔ آخر کار جب صاحب سنگھ نے دیکھا کہ لاہور کے حکمران سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے تو اس نے صلح کے لیے بات چیت کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ اس شرط پر اتفاق رائے قائم ہوگیا کہ بھنگی سردار رنجیت سنگھ کو ایک بھاری نذرانہ پیش کرے گا۔ اس نذرانہ کو ادا کر دیا گیا اور آئندہ اطاعت اور اچھے برتاؤ کی یقین دہانی کرا دی گئی تو مہاراجہ واپس لاہور آگیا۔

نظام الدین خان، جس کے خلاف سردار فتح سنگھ کلی والا کی قیادت میں ایک مہم روانہ کی گئی تھی، مجوزہ شرائط پر اطاعت کے لیے مجبور ہوگیا۔ وہ اپنی جلد بازی پر پچھتایا اور لاہور کے حکمران کا اپنے آپ کو ایک باج گذار تسلیم کر لیا۔ اس نے مہاراجہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اپنے بھائی قطب الدین کو روانہ کیا۔ پٹھان سردار اس بات پر بھی رضامند ہوگیا کہ وہ لاہور کے حکمران کے پیچھے اپنے بھائی کی قیادت میں اپنی فوج کا ایک حصہ روانہ کرے گا۔ لہٰذا اس معاہدے کی ضمانت کے لیے دو پٹھان سرداروں حاجی خان اور واصل خان کو یرغمال کے طور پر لاہور روانہ کیا گیا۔ تب قطب الدین خان کو ایک ہاتھی اور ایک گھوڑے کے تحفہ کے ساتھ مہاراجہ کی طرف سے رخصت کیا گیا۔

لاہور میں یہ خبر پہنچی کہ سردار دل سنگھ (رنجیت سنگھ کے والد سردار مہا سنگھ کا ساتھی) نے گجرات کے صاحب بھنگی سے الحاق کر لیا ہے اور دونوں سردار دوبارہ فوج جمع کر کے لاہور کی طرف بڑھنے والے ہیں۔ رنجیت سنگھ نے دل سنگھ کو ایک دوستانہ خط بھیجا۔ اس میں اس نے اپنے والد اور اس کے درمیان موجود بھائی چارے کی فضا کو یاد کرایا اور اسے یقین دہانی کرائی کہ اسی کے باعث وہ بوڑھے سردار کا بہت احترام کرتا ہے اور اگر وہ دشمنوں کی طرح لڑے تو دنیا ان کی دوستی کے تصور پر ہنسے گی۔ چنانچہ اس نے خلوص اور نیک خواہشات کے ہر قسم کے اظہار کے ساتھ سردار کو تجویز پیش کی کہ وہ لاہور آئے تاکہ وہ مشترکہ طور پر فتح کی مہمات اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں کو اسی طرح شروع کر سکیں جس طرح مہا سنگھ کے اچھے دنوں میں کیا کرتے تھے اور اپنی مشترکہ کاوش کے انعامات کو آپس میں مساوی طور پر تقسیم کریں۔ سردار، رنجیت سنگھ کی تجویز پر متفق ہو کر بھنگی سردار کا

ساتھ چھوڑ کر لاہور روانہ ہوگیا۔ رنجیت سنگھ نے اس کے مرتبہ کے لحاظ سے بڑے اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اس کو قلعہ میں ایک کشادہ گھر مہیا کیا۔ تاہم اس نے رات کے دوران سردار کی رہائش گاہ پر ایک مضبوط حفاظتی دستہ تعینات کیا اور اسے قید میں ڈال دیا گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد مہاراجہ مقید سردار کے علاقہ پر قبضہ کرنے کے لیے اپنی فوج کے ہمراہ اکال گڑھ کی طرف روانہ ہوا لیکن سردار کی رانی تیھو (جو ایک بہادر اور دانش مند عورت تھی) نے اس کا مقابلہ کیا' جو اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے اپنی فوجوں کے ہمراہ بذات خود باہر آئی تھی۔ متعدد جھڑپیں ہوئیں لیکن اس کا نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔

دریں اثناء رنجیت سنگھ کو معلومات بہم پہنچائی گئیں کہ رانی نے گجرات کے صاحب سنگھ اور جودھ سنگھ وزیر آبادیہ کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی ہے اور ان کی افواج اس سے ملنے والی ہیں۔ رنجیت سنگھ نے جب دیکھا کہ رانی کو زیر کرنے کے لیے اس کی تمام کوششیں بے سود ہیں اور جنگ کی طوالت اس کے مفادات کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی تو اس نے واپس چلے آنا بہتر خیال کیا لیکن پہلے صاحب سنگھ کی طاقت کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ اس نے جودھ سنگھ وزیر آبادیہ کو ایک دوستانہ خط لکھ کر اسے آنجہانی مہاسنگھ کی طرف سے عنایات یاد دلائیں اور آئندہ سرفرازی کے لیے سردار کے منصوبوں کی حمایت کی یقین دہانی' لاہور کے حکمران کے خلاف صاحب سنگھ کے ساتھ حصہ لینے سے باز رہنے کے لیے مناسب ترغیب تھی۔ جو اپنی تمام دستیاب فوج کے ساتھ اب گجرات کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ شہر سے دو میل کے فاصلے پر اس کی صاحب سنگھ سے مڈبھیڑ ہوگئی لہٰذا دونوں افواج کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی جو رات گئے سے دوسرے دن شام تک جاری رہی۔ دونوں جانب سے بے شمار افراد ہلاک ہوئے اور جنگ بڑی شدت کے ساتھ دوسرے اور تیسرے روز تک جاری رہی۔ چوتھے روز صاحب سنگھ قلعہ بند ہوگیا۔ رنجیت سنگھ نے اس پر زبردست گولہ باری کی۔ آخرکار قابل احترام درویش صاحب سنگھ بیدی نے دوبارہ سمجھوتہ کرانے کے لیے موثر طور پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا۔ صلح ہوگئی اور صاحب سنگھ کی طرف سے حملہ آور کو تاوان جنگ کے ساتھ ایک بھاری نذرانہ پیش کرنے پر رضامندی کا اظہار کرنے پر محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ اکال گڑھ کے دل سنگھ کو رہا کیا جائے۔ رنجیت سنگھ اپنی فوج کے ساتھ واپس لاہور آگیا اور اس نے معاہدہ کی شرائط پر عمل پیرا ہوتے ہوئے سب سے پہلے دل سنگھ کو رہا کر دیا۔ تاہم بوڑھا

سردار بمشکل اکال گڑھ پہنچا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ رنجیت سنگھ معاہدوں اور وعدوں کا ذرا بھی پاس نہیں رکھتا تھا۔ وہ اپنے منصوبوں کے لیے جب مناسب سمجھتا' معاہدات کرلیتا اور جب بہتر سمجھتا' ان کی خلاف ورزی کرلیتا۔

حال ہی میں طے ہونے والی صلح کی شرائط کو فراموش کر کے اس نے آنجہانی سردار کی املاک پر رال ٹپکانا شروع کر دی اور اکال گڑھ کی طرف پیش قدمی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ جب وہ اس مقام کے چار میل کے فاصلے پر پہنچا تو اس نے اپنے نمائندوں کو دل سنگھ کی بیوہ کے پاس بھیج کر اسے مطلع کیا کہ اسے اس کے مرنے والے شوہر اور اپنے بہترین دوست کی موت کا بہت افسوس ہوا ہے۔ لہٰذا آنجہانی سردار اور اس کے والد کے درمیان موجود دوستی کے رشتہ کے پیش نظر اور خاص طور پر گزشتہ معاہدے کے بعد اپنے خلوص کا ثبوت دینے کے لیے وہ اس سے تعزیت کرنے کے لیے آیا ہے (اگرچہ سکرچاکیہ سردار' موجودہ دکھ پر تعزیت کرنے کے لیے نہ آیا اور دوسرے تمام سردار آئے تو یہ خالصہ کی روایت کے خلاف ہوگا جو سب کو ایک بھائی چارے میں قائم رہنے کی تلقین کرتا ہے) رانی کو پہلے پہل رنجیت سنگھ کی آمد پر تشویش ہوئی لیکن جب اس نے مہاراجہ کے نمائندوں کی بات سنی تو اس کے تمام شکوک و شبہات رفع ہوگئے اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا: "قابل احترام بیدی (جو عظیم گورو کی اولاد ہے) میرے اور سکرچاکیہ سردار کے درمیان ہے۔ تب اسے آنے دو اور جہاں دوسرے تعزیت کے لیے بیٹھے ہیں' اسے بھی بیٹھنے دو"۔ جب رنجیت سنگھ نے یہ سنا تو بہت زیادہ خوش ہوا۔ وہ اپنی تمام فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور سب سے پہلے اس نے بدقسمت رانی کو قید میں ڈال دیا اور اس کے بچوں اور عزیز و اقارب پر زبردست پہرہ بٹھا دیا۔ جب رانی کے سپاہیوں نے اس کی گرفتاری کا سنا تو پوری فوج میں انتہائی تیزی سے خوف و ہراس پھیل گیا اور اس کے بعد افراتفری مچ گئی۔ جس میں ہر کسی کو اپنی حفاظت کی فکر تھی۔ تب رنجیت سنگھ نے آنجہانی سردار کے خزانوں اور عسکری ذخائر (جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ تھے) پر قبضہ کرلیا۔ رنجیت سنگھ نے دل سنگھ کی بیوی کو گزر بسر کے لیے دو گاؤں دیے۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ واپس لاہور آگیا۔

بٹالہ سے اس وقت خبر ملی کہ کانگڑا کے راجہ سنسر چند نے رانی سداکور کے علاقہ پر حملہ کر دیا ہے' جس نے میدانوں میں اتر کر رانی کے چند دیہاتوں کو تاخت و تاراج کر دیا ہے۔ رنجیت سنگھ نے اس طرف اپنی فوج روانہ کی اور سردار فتح سنگھ آہلووالیہ کو ہدایات

جاری کیں کہ وہ بٹالہ میں فوج کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اس کے بعد خود مہاراجہ بھی روانہ ہوا۔ مہاراجہ کی آمد کا سن کر راجہ کے کاروار بھاگ اٹھے۔ لہٰذا رانی نے اپنے چھنے ہوئے علاقوں کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ مہاراجہ نے کانگڑا کے راجہ کے ایک حصہ نوشہرہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی تمام آمدنی کے ساتھ سداکور کو دے دیا۔ تب اس نے نور پور کی طرف پیش قدمی کی۔ اسے مطیع کر لیا۔ اس کی آمد کا سن کر راجہ سنسر چند کانگڑا کے پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا۔ پہاڑوں سے واپسی پر اس نے پٹھان کوٹ کے قریب سجانپور(۱) کے قلعہ کو مسمار کر دیا جہاں دو سکھ سردار اپنی فوجی جارحیتوں کے ذریعے ممتاز بن گئے تھے' ان سے چار بڑی توپیں ہتھیائیں اور سجانپور میں ایک فوجداری چوکی قائم کرنے کے بعد قریبی اضلاع دھرم کوٹ' سوکال گڑھ اور پٹھانوں کی پرانی آماجگاہ بہرام پور پر قبضہ کر لیا۔ اس مقام سے مہاراجہ پنڈی بھٹیاں کی طرف روانہ ہوا۔ اسے مطیع کر کے فتح سنگھ آہلووالیہ کو بخش دیا۔ بند کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور دو ماہ کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ دھنی (جو گھوڑوں کی نسل کے لیے مشہور تھا) کے علاقہ کو اپنا باج گذار بنایا اور پوٹھوار اور دھنی میں اپنی کارروائیوں کے نتیجہ میں ۴۰۰ بہترین گھوڑوں کے ہمراہ واپس لاہور آگیا۔

لاہور میں مہاراجہ تک' اتم سنگھ مجیٹھیہ (جو سیت پور کے قلعہ کا نگران تھا) کی بغاوت کی خبر پہنچی۔ باغی کو سزا دینے کے لیے فوج روانہ کی گئی۔ لہٰذا قلعہ کو تسخیر کرنے کے بعد سردار کو پابہ زنجیر کر کے لاہور بھیج دیا گیا۔ تاہم اسے معاف کر کے ایک بھاری جرمانے کی ادائیگی پر دوبارہ بحال کر دیا گیا۔ قصور کے یرغمال حاجی خان اور واصل خان کو خلعتیں پیش کر کے (جو گھوڑوں' سچے موتیوں کی مالاؤں اور قیمتی شالوں پر مشتمل تھیں) اپنے گھروں میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اسی سال بیساکھ میں نوجوان سردار ترن تارن میں گورو رام داس کے مقدس تالات پر اشنان کرنے گیا تو اس نے سردار فتح سنگھ آہلووالیہ سے ملاقات کی اور اس کے لیے دوستی محسوس کرتے ہوئے بھائی چارے کی علامت کے طور پر اس سے پگڑی بدل لی۔ گرنتھ پر دائمی دوستی کا معاہدہ درج کیا گیا اور اس پر نوجوان مہاراجہ اور آہلووالیہ سردار نے اپنی مہریں ثبت کیں۔ اسی سال فتح سنگھ کے باپ کا انتقال ہوا تو رنجیت سنگھ اس سے تعزیت کرنے کے لیے کپور تھلہ گیا۔

سال ۱۸۰۲ء' نکائی سردار خزان سنگھ کی بیٹی راج کور زوجہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بطن سے ولی عہد کھڑک سنگھ کی پیدائش کے لیے یادگار ہے۔ اس موقع پر زبردست جشن منائے گئے۔ دربار کے سرداروں کو قیمتی خلعتوں سے نوازا گیا اور اس پرمسرت موقع کی یادگار کے

طور پر دارالحکومت کے ہر سپاہی کو سونے کے ایک ہار کا تحفہ دیا گیا۔ مہاراجہ کے حکم سے کرم سنگھ توشہ خانیہ نے شہر کے غربا اور مساکین میں بڑی بڑی رقمیں تقسیم کیں اور لاہور کئی ہفتوں تک خوشیوں اور جشن کے سماں پیش کرتا رہا۔ نجومیوں سے مشورہ کرنے کے بعد نوزائیدہ بچے کا نام کھڑک سنگھ رکھا گیا اور اسے خاندانی پروہت بھائی رام سنگھ کی کفالت میں دے دیا گیا۔

جب یہ تقریبات ختم ہوگئیں تو مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے حلیف فتح سنگھ آہلووالیہ کے ہمراہ ڈسکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے قلعہ کو تسخیر کر لیا گیا اور جب اس کا قلعہ دار مایوسی کی حالت میں فرار ہوگیا تو حملہ آور نے سب کچھ لوٹ لیا۔ ڈسکہ میں ایک فوج داری چوکی قائم کی گئی اور متحدہ سردار واپس لاہور لوٹ آئے۔ پنڈی بھٹیاں سے رنجیت سنگھ تک یہ خبر پہنچی کہ اس مقام پر کرم سنگھ دولو کا بیٹا جسّا سنگھ بھنگی زمینداروں پر بہت سی زیادتیوں کا مرتکب ہوا ہے اور اس نے چنیوٹ کے قلعہ پر قبضہ جما رکھا ہے۔ مہاراجہ ایک فوج کے ہمراہ فوراً اس طرف روانہ ہوا۔ جسّا سنگھ قلعہ بند ہوگیا۔ مہاراجہ نے اس کا زبردست محاصرہ کر لیا اور تھوڑی سی مزاحمت کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ نکالے گئے سردار کے لیے ایک مختصر سا وظیفہ مقرر کیا گیا۔

مہاراجہ ابھی بمشکل چنیوٹ سے واپس لوٹا تھا کہ قصور کے نظام الدین خان کے برپا کردہ نئے فساد کی خبر اس تک پہنچی۔ پٹھان سردار نے افغانوں کی ایک کثیر فوج جمع کی اور لاہور کے علاقہ کی حدود میں دو دیہاتوں میں لوٹ مار مچا دی اور مزید کارروائی کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ مہاراجہ بہت زیادہ طیش میں آگیا' لہٰذا اس نے فتح سنگھ آہلووالیہ کو لکھا کہ وہ جس قدر بھی زیادہ فوج جمع کر کے اپنے ساتھ لا سکتا ہے' لے کر انتہائی تیزی سے قصور کی طرف روانہ ہوجائے۔ کیونکہ مسلمان سردار نے مسلسل اپنے قول کو توڑا ہے۔ لہٰذا اس نے (مہاراجہ) معاہدہ کی خلاف ورزی پر اسے سخت سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ خود مہاراجہ بھی اپنی منتخب فوج کے ہمراہ روانہ ہوا۔ پٹھان' جو خود اچھی طرح تیار تھے' ان کا سامنا سکھوں کی متحدہ فوج سے ہوا اور اس کے نتیجہ میں ایک گھمسان کی جنگ چھڑ گئی' جس میں نوجوان رنجیت اور اس کے حلیف نے ذاتی طور پر بہادری اور جوانمردی کے خوب جوہر دکھائے۔ پٹھانوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو قلعہ میں لوٹ آئے۔ دونوں جانب سے زبردست کشت و خون کے بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا اور باقی ماندہ حفاظتی فوج کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ کیونکہ قصور کی عمارات زیادہ تر گردہوں اور گھیرے

کی شکل میں تھیں۔ چنانچہ حملہ آوروں کو ہر آبادی کو زیر کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہ آئی۔ شہر کو مکمل تاخت و تاراج کر دیا گیا اور مردوں' عورتوں' بچوں پر مشتمل شہریوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ نظام الدین خان نے جب یہ دیکھا کہ وہ اب بے یار و مددگار ہوگیا ہے تو نہایت عاجزی کے ساتھ اپنے آپ کو فاتح کے سامنے پیش کر دیا۔ لہٰذا اسے آئندہ اطاعت کے وعدے پر اور تاوان جنگ کے ساتھ ایک بہت بڑے نذرانہ کی ادائیگی پر دوبارہ بحال کر دیا گیا۔ اس فتح کے بعد مہاراجہ لاہور واپس آگیا اور چنیوٹ و قصور میں حاصل ہونے والی فتوحات کے شکرانے کے طور پر غربا و مساکین میں بڑی بڑی رقمیں تقسیم کیں۔

کچھ عرصہ بعد مہاراجہ نے جالندھر دو آب میں پیش قدمی کی اور جہاں تک گیا' اس کو اپنے علاقہ میں شامل کیا اور لوٹ مار مچا دی۔ پیش قدمی کے دوران اس نے سنا کہ ایک ہندو چھتری چوہر مل کی امیر بیوہ کا پھگواڑہ شہر پر قبضہ ہے اور وہ خود مختاری کی خواہاں ہے۔ رنجیت سنگھ شہر کی طرف روانہ ہوا۔ پھگواڑہ پر قبضہ کر کے چوہر مل کی بیوہ کو ہردوار جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کی کثیر جائیداد کو ضبط کر لیا گیا اور پھگواڑہ کو تمام علاقہ کے ساتھ سردار فتح سنگھ کے حوالے کر دیا گیا۔ اپنی مہم سے واپسی پر مہاراجہ نے فتح سنگھ کی درخواست پر سیر و تفریح کے لیے کپور تھلہ کا دورہ کیا اور سلطان پور کے جنگلات میں چند روز شکار میں گزارے۔ اس مقام پر کوٹ کانگڑا کے راجہ سنسر چند کے بارے میں خبر پہنچی کہ وہ جالندھر کے میدانوں میں اتر آیا ہے' جہاں اس نے بیجواڑہ اور ہوشیار پور پر قبضہ کر لیا ہے۔ مہاراجہ فوراً اس جگہ کے لیے روانہ ہوا اور ان دونوں شہروں سے پہاڑی سردار کو نکال باہر کرنے کے بعد ان میں فوجی چوکیاں قائم کیں۔ سنسر چند کانگڑا کی طرف بھاگ گیا۔ لہٰذا رنجیت سنگھ نے پہاڑوں کے نیچے متعدد دیہاتوں پر قبضہ کر لیا اور اپنے طویل دورہ کے دوران اس نے بوڑھے سرداروں اور سکھ سربراہوں سے' (جن میں امرتسر کے تارا سنگھ گھیبہ' دھرم سنگھ اور فیض اللہ پور کا بدھ سنگھ بھی شامل تھے) زبردستی خراج یا روپے کی صورت میں تحائف وصول کیے۔ اسی اثناء میں سردار بھاگ سنگھ بھگا کا انتقال ہوگیا تو مہاراجہ کے حکم سے اس کی تمام جاگیروں کو رانی سداکور کے حوالے کر دیا گیا۔ رنجیت سنگھ نے باقاعدہ طور پر ہر مرنے والے سردار کے خاندان سے جس طرح منظم طریقے سے زر جرمانہ اور خراج وصول کیا تھا' اس سے سکھ سرداروں کو بڑی تشویش ہوئی۔ چونکہ وہ ایک دوسرے سے حسد کرتے تھے اور آپس میں بٹے ہوئے تھے۔ لہٰذا وہ اس کی مطلق العنان

دست درازوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوئی ذرائع کو بروئے کار نہیں لا سکتے تھے۔

لاہور کو واپسی، رنگ رلیوں اور جشنوں کے لیے یادگار ہے، جن میں مہاراجہ رنجیت بہت زیادہ ملوث ہوگیا تھا۔ وہ ایک حسین و جمیل دوشیزہ موراں کے عشق میں گرفتار ہوگیا۔ لہٰذا اس کے لیے اس کا عشق کچھ اس قدر بے انتہا تھا کہ وقتی طور پر وہ سرکاری امور کو فراموش کر بیٹھا اور مکمل طور پر اس کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ آخرکار اس نے اسلامی رواج کے مطابق اس سے شادی کر لی اور شاہبن اور لاہوری دروازہ کے درمیان خاص طور پر اس کے لیے خریدی گئی حویلی (جو غبارچیوں کا کٹڑا کہلاتی ہے اور اس کے قریب موراں کی رہائش تھی) میں شادی کی تقریبات انتہائی دھوم دھام اور شان و شوکت سے منائی گئیں۔

اس کو سکھ سردار پر زبردست اختیار حاصل ہوگیا اور اس کی اجازت سے لاہور میں اس کے نام کا سکہ مضروب کرایا گیا، جس پر عبارت درج تھی: "موراں، رنجیت سنگھ کی چہیتی ملکہ"۔ ایک موقع پر مہاراجہ نے ایک فیتہ ساز کو بغیر کسی وجہ کے محض اس لیے اپنے توپ خانے کا سپہ سالار مقرر کر دیا کہ وہ ان نیزوں کو چلانے میں بڑا ماہر تھا، جو مہاراجہ کو پسند تھے۔

اپنی نو بیاہتا بیوی کی زلف کا اسیر ہو کر وہ جس لاپرواہی کا شکار ہو کر سب کچھ فراموش کر بیٹھا تھا، آخرکار اس کا خاتمہ ہوگیا۔ اس نے اپنی تمام توجہ دوبارہ سرکاری امور کی طرف لگائی۔ ہردوار کی زیارت کی (اس دوران موراں بھی اس کے ساتھ تھی) فتح سنگھ آہلووالیہ اور دیگر سرداروں کا خراج عقیدت وصول کیا۔ وہ جن سرداروں کے علاقوں سے گزرا، انہوں نے اسے نذرانے پیش کیے اور اس نے ہردوار کے غرباء میں ایک لاکھ روپیہ تقسیم کیا۔

گنگا سے واپسی پر اسے خبر ملی کہ قصور کے نظام الدین خان کو اس کے برادر نسبتی واصل خان، حاجی خان اور نجیب خان نے گھریلو ناچاقی کے باعث قتل کر دیا ہے۔ پہلے دونوں اشخاص کو حال ہی میں دربار لاہور میں بطور یرغمال رکھا گیا تھا۔ جھگڑے کی وجہ یہ تھی کہ نظام الدین خان نے قاتلوں کی جاگیروں کو ضبط کر لیا تھا۔ یہ موقع رنجیت سنگھ کے منصوبوں کے لیے سازگار تھا۔ چنانچہ وہ متحدہ سکھوں کی ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ مرحوم کے بھائی قطب الدین کے خلاف روانہ ہوا جو اب نیا سردار تھا۔ اس کا حلیف آہلووالیہ سردار بھی اس مہم میں اس کے ساتھ شامل ہوگیا۔ قطب الدین رنجیت سنگھ کی پیش قدمی کے لیے مکمل طور پر تیار تھا۔ لہٰذا اس نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ اس نے اپنے تمام

مورچوں کی قلعہ بندی کرلی۔ علاقے میں افغان سپاہیوں کو جھاڑیوں میں چھپا دیا اور اپنے اختیار میں ہر وہ عمل کیا' جو مہاراجہ کے منصوبوں کو ناکام بنا دے اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہا۔ کیونکہ حملہ آور کئی مہینوں تک محصورین پر کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اب رنجیت سنگھ نے اپنے پرانے منصوبے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے افغانوں کو اس بات پہ قائل کرنے کی کوشش کی کہ یہ سب کچھ ان کے فائدے میں ہے۔ لہٰذا یہ ان کے حق میں ہے اگر وہ ہتھیار ڈال دیں۔

جب یہ فریب ناکام ہوگیا تو اس نے ان کی رسد کو کاٹنے کا ارادہ کیا۔ اس ذریعہ سے آخرکار وہ کامیاب ہوگیا۔ محصورین میں قحط کے باعث متعدد جانیں تلف ہوگئیں اور انہیں زبردستی ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا۔ چونکہ خود مہاراجہ بھی محاصرے کو طول دینا نہیں چاہتا تھا لہٰذا وہ بغاوت کی سزا کے طور پر قطب الدین خان سے تاوان جنگ وصول کرنے کے لیے فوری طور پر رضامند ہوگیا اور اس کے بعد علاقہ سے واپس چلا گیا۔

اس سے پیشتر کہ اس کے سپاہی حالیہ مہم کی تھکاوٹ کو دور کرتے' ناقابل تسخیر مہاراجہ اپنی فوج کے ہمراہ ملتان کے لیے روانہ ہوگیا۔ سرداروں اور اس کے دربار کے دیگر امراء نے اس وقت ملتان کے متعلق اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے اسے باز رکھنے کی بہت کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ سپاہی حالیہ جنگوں کے باعث بہت تھک گئے ہیں اور وہ کچھ عرصہ تک جنگ کے کٹھن فرائض کو ادا نہیں کر سکتے۔ رنجیت سنگھ نے ان مشوروں کو بزدلانہ اور بے وقت سمجھا اور ان سب کو رد کر دیا۔ اب اس کے تصور میں وہی انعام تھا' جو اس کے ذہن میں نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ ملتان دولت مند تھا' لہٰذا وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا اور اسی کے باعث اس نے بلا تاخیر اس مہم کا آغاز کیا تھا۔ جب فوج نواب کے علاقوں میں داخل ہوئی تو مظفر خان نے اپنے بااعتماد نمائندوں کو سکھ سردار کے پاس یہ ترغیب دینے کے لیے بھیجا کہ وہ ایک نذرانہ اور مستقبل کی اطاعت کا وعدہ حاصل کرکے واپس چلا جائے۔ نواب نے شہر سے تیس میل کے فاصلے پر رنجیت سے ملاقات کی۔ مہاراجہ نے بڑے اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اس سے خراج کی بہت بڑی رقم وصول کرکے واپس لاہور آگیا۔ (۲)

دسمبر ۱۸۰۲ء میں مہاراجہ نے بھنگی مثل کے باقیات کو مکمل طور پر مغلوب کرنے کا ارادہ کیا جو امرتسر میں ابھی تک صاحب اقتدار تھے۔ کسی زمانے میں انتہائی ہیبت ناک مثل (مہا سنگھ جب زندہ تھا' اس کا زبردست دشمن تھا اور اس نے ایک زمانے میں لاہور کو

بازیاب کرانے کے لیے اس کی قیادت بھی کی تھی) اب اس کے امور کی انجام دہی گلاب سنگھ کی بیوہ رانی سکھاں اپنے کم سن بیٹے گوردیت سنگھ کے نام پر کر رہی تھی۔ آہلو والیہ سردار کو حکم دیا گیا کہ وہ امرتسر میں اپنی تمام دستیاب فوج کے ساتھ مہاراجہ کے ساتھ شامل ہو جائے۔ لہٰذا رنجیت سنگھ بذات خود اپنی فوجوں کے ہمراہ اپنی ساس کے ساتھ لاہور سے روانہ ہوا۔

جب متحدہ افواج امرتسر پہنچیں تو رانی نے شہر کے دروازے بند کر لیے اور شہر کی فصیلوں پر بھاری توپیں نصب کر کے حملہ آور فوج کا پر جوش استقبال کیا۔ سردار فتح سنگھ آہلووالیہ نے پل دروازہ کے سامنے اپنی کارروائیوں کا آغاز کیا اور مہاراجہ نے شہر کے لوہ گڑھ دروازہ کے سامنے۔ آخرکار بھاری گولہ باری کے سامنے دروازے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ لہٰذا حملہ آور فوج اپنے مہاراجہ کی قیادت میں فاتحانہ طور پر داخل ہوگئی۔ اگر مہاراجہ احتراماً اس جگہ سکھ گورو رام داس کی یاد میں مقدس جگہ ہونے کے باعث سپاہیوں کو روک نہ دیتا تو وہ شہر کو تاخت و تاراج کر دیتے۔ تب لوہ گڑھ کے قلعہ کا محاصرہ کیا گیا اور چونکہ بھنگی بہت زیادہ کمزور ہوگئے تھے، چنانچہ بغیر کسی دشواری کے اسے تسخیر کر لیا گیا۔ اس روز موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور بیوہ رانی اور اس کے شیر خوار بچے کے لیے پناہ کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ آخرکار انہوں نے سردار جودھ سنگھ رام گڑھیہ کی حویلی کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے ان کی حالت پہ رحم کرتے ہوئے انہیں پناہ دے دی۔ رام گڑھیہ سردار کی سفارش پر رنجیت سنگھ نے شکست خوردہ بھنگی سردار کی دیکھ بھال کے لیے ایک چھوٹی سی جاگیر عنایت کر دی۔ چنانچہ مثل کا خاتمہ ہوگیا۔ تب رنجیت سنگھ نے مقدس مندر میں داخل ہونے پر ہرمندر کے سامنے اپنا سر جھکایا اور مقدس تالاب میں اشنان کیا۔ اس نے عظیم سکھ ادارہ کے پجاریوں کے وظائف میں بھی اضافہ کیا اور معمول کے مطابق جیسا کہ وہ ان مواقعوں پر کرتا تھا، شہر کے بازاروں میں گزرتے ہوئے غریبوں میں روپے کی بڑی بڑی رقمیں خیرات کے طور پر تقسیم کیں۔

تیمور شاہ کے چاروں بیٹوں، ہمایوں، محمود، شاہ زمان اور شاہ شجاع کے درمیان اقتدار کے لیے افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ لہٰذا ان کی اتنی طاقتور سلطنت تباہ ہوگئی اور ہندوستان میں افغانوں کی کسی دور میں انتہائی خوفناک حکومت کو اب ہر طرف سے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ہر وقت چوکنا رہنے والے رنجیت سنگھ نے اس وقت کو دریائے سندھ کے مشرقی علاقوں میں اپنی فتوحات کو توسیع دینے کے لیے بہت مناسب خیال کیا، جو

کسی زمانے میں افغان اثر و رسوخ اور طاقت کا مرکز تھا۔

دسہرہ تہوار کے بعد (جس کے دوران لاہور میں معمول سے زیادہ رنگ رلیاں منائی گئیں) رنجیت سنگھ نے جھنگ کے طاقتور سیال سردار احمد خان کے پاس اپنے نمائندے روانہ کیے اور اس سے خراج کا مطالبہ کیا اور باور کرایا کہ مستقبل میں اطاعت کا وعدہ ہی صرف جنگ کا متبادل ہے۔ اسی دوران ایک اسلحہ سے لیس فوج کے ساتھ جنگ کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے تیاریاں بھی کر لی گئیں۔ یقیناً نمائندے ایک گریز آمیز جواب کے ساتھ واپس آئے۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ۱۸۰۳ء میں آہلو والیہ سردار کی معیت میں اپنی فوج کے ہمراہ جھنگ کی طرف روانہ ہوگیا۔ نجیب والا کے نام سے مشہور نئی افواج مہاراجہ کے اپنے توپ خانہ کے ہمراہ اس مہم میں شامل تھیں۔ وہ جس دیہات میں سے گزرا' اسے تاخت و تاراج کرتا گیا۔ اگرچہ زمینداروں نے کچھ مزاحمت کی' جس کی وجہ سے اکثر مہاراجہ کی طرف آدمیوں کا نقصان ہوتا تھا۔ چنانچہ سپاہیوں کے لیے حکم جاری کیا گیا کہ جب تک سیال سردار کی حکومت کو مغلوب نہیں کر لیا جاتا' وہ دیہاتوں میں داخل نہ ہوں۔ احمد خاں سیال اپنے گرد سیالوں' کھرلوں' بھروانوں اور دیگر افراد پر مشتمل مسلمان قبائل کی ایک بہت بڑی تعداد کو جمع کر چکا تھا۔ اس کے پاس دو توپیں بھی تھیں' لیکن نو آموزوں کے استعمال میں تھیں۔

لڑائی دوپہر سے شام تک جاری رہی۔ تب احمد خان اپنی دونوں توپوں کے ساتھ واپس شہر میں چلا گیا۔ دونوں جانب بہت زیادہ لوگ ہلاک ہوئے۔ رنجیت سنگھ نے رات کے وقت شہر کا محاصرہ کر لیا اور محصورین کی رسد کو کاٹ دیا۔ اگلے روز جنگ دوبارہ اسی شدت کے ساتھ شروع ہوئی۔ احمد خان نے اپنے توپ خانے کی بذات خود نگرانی کی اور رنجیت سنگھ کے خیمہ میں گولہ پھینکنے میں کامیاب ہوگیا۔ تاہم اس سے بہت کم نقصان پہنچا۔ محاصرہ تین روز تک جاری رہا۔ اب نواب کی طرف لوگ اس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ بہت سے لوگ جو اپنے سردار کی مدد کے لیے ملک سے آئے تھے' اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ ہندو آبادی نے انتہائی عاجزانہ شرائط پر مہاراجہ کو ایک درخواست بھیجی اور اس سے وعدہ کیا کہ شہر میں اس کے فوری طور پر داخلہ کے وقت اپنی طاقت کے مطابق مدد کریں گے۔ نواب کے اپنے نوکر اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ماسوائے نصرت خاں سیال کے سب بھاگ گئے۔ احمد خان نے جب دیکھا کہ اس کی کامیابی کی کوئی امید نہیں تو اپنے خاندان کے ہمراہ ملتان کی طرف فرار ہوگیا۔ مہاراجہ شہر میں داخل ہوا اور اس بے شمار دولت پر قبضہ کر لیا جو سیال سردار نے

سال ہا سال سے جمع کی تھی۔ شہر کے چودھریوں نے لوٹ مار سے حفاظت کی درخواست کی۔ اس کا وعدہ کیا گیا اور اس کے لیے احکامات جاری کیے گئے۔ چونکہ فوج نے گزشتہ تین مہمات میں کچھ حاصل نہیں کیا تھا لہٰذا لوٹ مار کی ممانعت کے بارے میں جاری کردہ احکامات پر توجہ نہیں دی گئی۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ جو کچھ بھی حاصل کر سکتے ہیں' وہ اسی فتح سے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جس طریقے سے بھی مناسب سمجھا' انہوں نے شہریوں کے بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ رنجیت سنگھ سے بے سود اس کے ازالے کی درخواست کی گئی۔ اس نے برملا اس کا اظہار کر دیا کہ وہ اس انتشار کو دبانے میں بالکل بے اختیار ہے۔ احمد خان' فاتح کو ۶۰ ہزار روپے سالانہ خراج ادا کرنے پر رضامند ہو کر واپس جھنگ لوٹ آیا۔ اب مہاراجہ نے تریمو کو پار کر کے اچ پر حملہ کر دیا اور اس مقام کے سردار ناگ سلطان' ایک بخاری سید سے بہت زیادہ خراج وصول کیا۔ اس کے بعد ساہیوال اور گڑھ مہاراجہ کے شہروں کا دورہ کیا گیا اور ان مقامات کے مسلمان بلوچ سرداروں کو مجبور کیا گیا کہ وہ روپے پیسے اور گھوڑوں کی مدد سے مہاراجہ کے لالچ کو مطمئن کریں ورنہ دوسری صورت میں سکھ فوج کو اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے ان کے شہر میں چھوڑ دیا جائے گا۔

۱۸۰۴ء میں سنسر چند دوبارہ اپنے پہاڑی علاقوں سے روانہ ہوا اور ہوشیار پور و بجواڑہ میں دوبارہ غارت گری شروع کر دی۔ لیکن جب رنجیت سنگھ اپنی متحدہ افواج کے ساتھ پہنچا تو پہاڑی راجہ کو مراجعت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ تقریباً اسی دور میں گورکھوں نے پورے جزیرہ نمائے ہندوستان کی بادشاہت کی تمنا شروع کر دی اور کچھ عرصہ بعد پہاڑی سردار ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔

لفظ "شالا مار" پر بحث مباحثہ

شالا مار باغ (لاہور میں بادشاہ شاہ جہاں کا مشہور باغ) رنجیت سنگھ اور اس کے چند دوستوں میں ایک دلچسپ بحث مباحثے کا موضوع بن گیا۔ مہاراجہ کی رائے تھی کہ اس لفظ کا لغوی معنی خدا کی لعنت ہے۔ کیونکہ جھنگ کی بولی میں "شالا" خدا کو کہتے ہیں اور "مار" ایک ہندی لفظ ہے۔ جس کا مطلب "لعنت" ہے۔ چنانچہ اس نے اس کا نام بدل کر کسی اور مناسب اصطلاح میں رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس پر اسے تفصیل سے بتایا گیا کہ شالا ایک ترکی لفظ ہے جس کا مطلب "خوشی" ہے اور مار کا مطلب جگہ ہے۔ چنانچہ ان الفاظ کا اصل مطلب "خوشی کی جگہ" ہے اور ہندوستان میں چغتائی بادشاہوں کے قائم کردہ متعدد باغات کو اسی طرح کا نام دیا گیا ہے اور یہ سب انہوں نے اپنے آبائی وطن ترکستان میں

رائج دستور کے مطابق کیا ہے۔ رنجیت سنگھ ایسا شخص نہیں تھا جو ایک ایسے لفظ کی ترجمانی کے سچ کے بارے میں آسانی سے قائل ہو جاتا۔ جس کو وہ خود یہ مطلب نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے ان سے پوچھا کہ اگر جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں' واقعی اس کا مطلب وہی ہے تو پھر نادر شاہ کے تذکرہ نگاہ مرزا مہدی نے اپنے بادشاہ کی زندگی کے حالات میں اسے (شعلہ ماہ) یا "چاند کا شعلہ" کیوں کہا ہے۔ ہندوستان میں جس کی آمد کی تاریخ کو قطعہ تاریخ چغد قدم (الو کی آمد) اور غم عام سے اخذ کیا گیا ہے۔ ترکی لفظ کے مطلب کے حق میں درباریوں کے دلائل رنجیت سنگھ پر کسی قسم کا تاثر قائم کرنے میں ناکام رہے تو اس نے باغ کو اپنا نام دے دیا۔ وہ اسے "شہلا باغ" کہتا تھا۔ فارسی میں "شہلا" کا مطلب بڑی سیاہ آنکھوں اور سرخ ڈوروں والی دوشیزہ اور "باغ" کا مطلب باغ ہے۔ درباریوں نے لاہور کے مشہور باغ کے لیے اس قدر دلکش نام تجویز کرنے پر مہاراجہ کی ذہانت کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کی۔ چنانچہ حکم جاری کیا گیا کہ اب سے باغ کو اسی نام سے پکارا جائے گا اور تمام سرکاری خط و کتابت میں یہی نام لکھا جائے گا۔ کچھ روز بعد سکھ مہاراجہ نے امرتسر میں ہرمندر پر حاضری دی اور معائنہ افواج کے موقعہ پر فوجی سرداروں کو مندرجہ ذیل اعزازات سے نوازا:

سردار دیسہ سنگھ مجیٹھیہ کو ۴۰۰ سواروں کا کماندار' ہری سنگھ مالوہ کو ایک ادنیٰ مصاحب سے ۸۰۰ پیادہ اور سوار فوج کی کمان کے ساتھ سردار بنا دیا گیا۔ حکم سنگھ چمنی کو ۲۰۰ کی کمان کے ساتھ توپ خانے کا نگران بنایا گیا۔ غوث خان کو ۲ ہزار سواروں کی کمان کے ساتھ توپ خانے کا کماندار بنایا گیا۔ ہندوستان کے روشن خان اور شیخ عباد اللہ کو ۲ ہزار نجیبوں کا کماندار' باج سنگھ کو بابو بھاگ سنگھ مورالی والا کا خطاب دیا گیا اور اس کے ساتھ ایک جاگیر کے علاوہ ۵۰۰ کا کماندار بنا دیا گیا۔ ملکھا سنگھ کو راولپنڈی میں ۷۰۰ کا کماندار' نودھ سنگھ کو پرگنہ کمیپ کی ایک جاگیر کے ساتھ ۴۰۰ کا کماندار' فتح سنگھ دھڑی کے بیٹے اتر سنگھ کو ۵۰۰ پیادوں کا رسالدار' میت سنگھ بھرانیہ کو ۵۰۰ سواروں کا کماندار' کربا سنگھ کو ایک ہزار کا کماندار' نہال سنگھ اٹاری والا کو ۵۰۰ کا کماندار بنایا گیا۔

مذکورہ بالا تمام افراد کو سردار بنایا گیا جب کہ مندرجہ ذیل کو ان کے ناموں کے آگے مخصوص افواج (جو انہوں نے جنگ کے وقت پیش کرنا ہوتی تھیں) کے اعزازی کماندار بنایا گیا۔

کرم سنگھ کے بیٹے جسا سنگھ' گوجر سنگھ کے بیٹے صاحب سنگھ' لنہ سنگھ کے بیٹے چیت

سنگھ' بھاگ سنگھ آہلووالیہ اور چماری کے نرسنگھ کے بیٹوں کو ۱۰ ہزار سپاہیوں کا' کنہیا سرداروں کو ۵ ہزار' نکائی سرداروں کو ۴ ہزار' پہاڑوں کے رائے کو ۵ ہزار اور دوآبہ کے سرداروں کو ۷ ہزار کا کمانداز بنایا گیا۔

۱۸۰۵ء کے ابتدائی حصہ میں مہاراجہ نے چناب اور جہلم کے خاندانوں اور مسلمان سرداروں کے ساتھ معاہدات کیے۔ دربار کابل کو اب ہندوستان کا شاہی اور اعلیٰ دربار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ پنجاب کے سردار' مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ہندوستان کا سب سے بڑا اور انتہائی طاقتور سردار سمجھتے تھے۔ انہوں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔

سرفرازی کے لیے اس کی مدد مانگتے اور کسی بھی ہنگامی حالت یا قومی خطرہ کے معاملات کے پیش نظر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے تھے۔ اسی سال فروری میں مہاراجہ واپس لاہور آگیا اور حسب معمول بڑی عیاشی اور آوارگی کے ساتھ ہولی کا تہوار منایا۔ تب وہ ایک پرہیزگار ہندو کی طرح مقدس گنگا میں اشنان کرنے اور اپنے جمع شدہ گناہوں کو دھونے کے لیے نوکروں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ ہرمندر روانہ ہوگیا۔ یہ ہندوستانی شعر اس نرالے سکھ حکمران کے کردار پر بہت اچھی طرح لاگو ہوتا ہے۔

کہیں عابد نیا کہیں زاہد کہیں رندوں کا پیشوا دیکھا

وہ اپنی دینی زیارت سے جون کے اوائل میں واپس آگیا۔ چونکہ موسم برسات کا آغاز ہوا چاہتا تھا' لہٰذا اس نے فوری طور پر مالی امور کا انتظام شروع کر دیا۔ اس نے محصولات جمع کرنے کا کام سب سے زیادہ بولی دینے والوں کے سپرد کیا ہوا تھا۔ جن کو ہمیشہ اس بات کا یقین ہوتا تھا کہ وہ اس کے خزانوں کے لیے کافی زیادہ جمع کر رہے ہیں۔ کیونکہ نادہندگان ان کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔

اس کے بعد رنجیت سنگھ نے اپنی اگلی مہم ہندوستان میں احمد شاہ کے فتح کیے گئے اضلاع میں شروع کی۔ اسی دور میں شاہ محمود نے شاہ زمان کی آنکھیں نکلوا دیں اور اسے معزول کر دیا۔ اپنی باری پہ اس کے تیسرے بھائی شاہ شجاع نے اسے برطرف کر دیا جو بعد میں لدھیانہ کا مشہور زمانہ جلا وطن بنا۔ رنجیت سنگھ نے اضلاع کے درانی حاکموں پر بہت اچھا تاثر قائم کیا۔ لہٰذا ان میں سے زیادہ تر نے اسے اپنی اطاعت پیش کرنا بہتر خیال کیا۔ تب وہ اپنی فوج کو چناب اور سندھ کے درمیان مسلمانوں کے علاقہ میں لے گیا اور جھنگ کے نواب کو دوبارہ سالانہ خراج ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔ جسے بڑھا کر اب ۲۰٬۰۰۰ روپے کر دیا گیا۔ ملتان پر ایک نئے حملہ کا فیصلہ کیا گیا لیکن جب مہاراجہ کے ہراول دستے ملتان

کے شمال میں بیس میل کے فاصلے پر موضع مہاتما پہنچے تو نواب جو سکھوں سے جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا' اس نے رنجیت سنگھ کو تاوان کے طور پر ۷۰ ہزار روپے ادا کیے۔ لہٰذا وہ نواب کو ایک قیمتی خلعت عطا کرنے کے بعد رخصت ہوگیا۔ اس فتح کے دوران اسے یہ اطلاع ملی کہ مفرور مرہٹوں کی ایک بہت بڑی فوج' جنرل لیک کی قیادت میں برطانوی فوج جس کا زبردست تعاقب کر رہی ہے' اس کی مشرقی سرحد پر پہنچ گئی ہے۔ لاہور کے حکمران کے لیے یہ کوئی خوش کن خبر نہیں تھی۔ اس کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ پنجاب دو غیر ملکی قوموں کے لیے میدان جنگ میں تبدیل ہو جائے۔ مرہٹہ سردار جسونت راؤ ہولکر فتح گڑھ اور دگ کے مقام پر جنرل لیک اور جنرل فریزر سے شکست فاش کھانے اور بے سود جمنا کے جنوب میں ایک نئی فوج جمع کرنے کے بعد اس امید پر پنجاب کی طرف روانہ ہوا تھا کہ وہ انگریزوں کے خلاف سکھوں کی مدد حاصل کر لے گا۔ غالباً اس کی امیدوں کو اس بات سے تقویت ملی تھی کہ ستلج کے پار چند چھوٹے سکھ سردار مثلاً گوردیت سنگھ لاڈوا' تھانیسر کا بھاگ سنگھ اور دوسرے' دہلی میں مرہٹوں کی طرف سے انگریزوں کے خلاف لڑے تھے۔ اس حقیقت حال کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ پٹیالہ میں قیام کے دوران اس نے راجہ صاحب سنگھ اور رانی آوس کور سے بھاری خراج وصول کیا تھا۔ اس بات کو فراموش کر کے اس معاملے میں رنجیت سنگھ قطعی طور پر ایک مختلف شخص ہے' وہ برطانوی فوج کو (جسے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا) بڑی کامیابی سے چکمہ دینے کے بعد روہیلہ سردار امیر خان کے ہمراہ ۱۵ ہزار (۳) سپاہیوں کی فوج کے ساتھ امرتسر کے قریب پہنچ گیا تھا۔ لیکن جنرل لیک جو اس کی پشت پر تھا' اس نے سواروں کے پانچ اور پیادہ فوج کے چار دستوں کے ساتھ پنجاب میں اس کا تعاقب کیا۔ یہ سننے پر رنجیت سنگھ نے پہلے فتح سنگھ کو بلوا بھیجا اور پھر اس کے بعد لاہور پہنچا۔ وہاں ہولکر کے نمائندوں نے اپنے آقا کی طرف سے بھیجے گئے تحائف کے ساتھ اس سے ملاقات کی اور اس کو مرہٹہ سردار کی آمد کے مقاصد کے بارے میں بتایا۔ رنجیت سنگھ بذات خود امرتسر(۴) پہنچا اور مفرور سردار سے ملاقات کی۔ اس نے انگریزوں کے خلاف اس سے مدد مانگی اور دھمکی دی کہ اگر اسے پنجاب سے کوئی مدد حاصل نہ ہوئی تو وہ کابل تک اپنی پیش قدمی کو جاری رکھے گا۔ دریں اثناء لارڈ لیک نے بیاس کو پار کیا اور جلال آباد میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس دن کے ہائیفاسس (بیاس) اور دو ہزار ایک سو برس پہلے کے ہائیفاسس میں زبردست تضاد موجود تھا۔ اس وقت اس دریا نے سکندر اعظم کی مزید پیش قدمی کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دی تھی۔ اس

کے یونانی سپاہیوں نے اس کے کنارے پر یادگار کے طور پر بارہ عظیم الشان قربان گاہیں تعمیر کیں۔ ہندوستان کے منحوس دیوتاؤں نے یونانی فاتح کو واپس بھیج دیا تھا لیکن وہ ممتاز برطانوی جنرل پر کوئی تاثر قائم نہ کر سکے۔ جو پنجاب کی سرزمین پر اسی طرح اجنبی تھا' جس طرح مشہور یونانی فاتح تھا۔

بیاس کے کنارے پر ہزاروں لوگ جمع ہو کر حیرت سے برطانوی فوجیوں کو دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں انگریزوں کے فوجی پڑاؤ' فوجی لباس میں ملبوس گوروں' ان کی جنگی موسیقی' نظم و ضبط' رہن سہن کے انداز اور ان کی عام وضع قطع کو دیکھنے کی عادی نہیں تھیں لیکن مبارک ہے وہ قوم' جس سے ان کا تعلق تھا اور جس کی دور اندیشی سے انہوں نے ان علاقوں پر حکومت کی۔ اگر تاتاری' تیمور' محمود غزنوی یا اسی نوعیت کے کسی دوسرے قزاق ایشیائی فاتح کی پیش قدمی ہوتی (جن علاقوں پر حملہ کیا گیا تھا) تو ان کا معاملہ مختلف ہوتا لیکن ہندوستانی سلطنت کے عروس البلاد کے فاتح اکبر کے شہر آگرہ کے نجات دہندہ برطانوی جرنیل نے (جس کو نابینا شاہ عالم نے "اس سرزمین کا سورما' مالک دوراں" کہا تھا) کس طرح اس ملک میں پیش قدمی کی؟ سخت ترین نظم و ضبط اختیار کیا گیا۔ بغیر ادائیگی کے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں لیا گیا۔ تاہم کسی چھوٹے یا غیر اہم معمولی شخص کو بھی تنگ نہیں کیا گیا۔ اچھی خاصی اجرتیں ادا کیے بغیر لوگوں سے زبردستی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی نہیں کرایا گیا اور کسی وجہ سے بھی کسی شخص سے کوئی زیادتی نہیں کی گئی۔

تماشائیوں نے جلد ہی برطانوی فوج کے افراد کی تعریف کرنا سیکھ لیا اور وہ ان کی اشیاء خریدنے کے سلسلہ میں جو کوئی بھی مدد انہیں پہنچا سکتے تھے' اس کے لیے تیار رہتے تھے۔ شہریوں کی املاک کا زبردست احترام کیا گیا اور تمام اشیاء کی رسد کو باقاعدگی سے پہنچانے کے سلسلہ میں اس ملک کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی' جو انگریزی سپاہی مانگتے ہوں اور انہیں نہ ملتی ہو۔ اگرچہ رنجیت سنگھ متحارب دھڑوں میں سے کسی ایک کو فوج فراہم کر دیتا مگر اپنی نوزائیدہ بادشاہت کی ابتر حالت میں وہ حقیقی طور پر ان میں سے کسی کو بھی مدد پہنچانے سے قاصر تھا اور چونکہ اس کی مکمل حکمت عملی بکھرے ہوئے سکھ عناصر کو متحد کرنے اور پوری قوم کو ایک ریاست یا دولت مشترکہ میں تبدیل کرنے پر مرکوز تھی' چنانچہ غیر ملکیوں کی آمد پر اس نے سکھ مثلوں کا اجلاس طلب کیا' جو ابھی تک اس کے مشورے یا مدد پر انحصار کرتی تھیں۔ اس اجلاس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ لاہور کے سردار اور سکھ قوم کو مفرور مرہٹہ سردار اور حکومت برطانیہ کے درمیان ایک ثالث کی حیثیت سے فرض ادا کرنا

چاہیے۔ ۱۸ دسمبر کو مہاراجہ نے اپنے وکیل کو برطانوی پڑاؤ میں بھیجا اور جلد ہی بات چیت طے ہوگئی۔ ہولکر نے جب دیکھا کہ اس کا پورا علاقہ اس کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور وہ بے یار و مددگار ہوگیا ہے تو صلح کے لیے درخواست کی۔ لہٰذا ۱۸ جنوری ۱۸۰۶ء کو اس کے اور حکومت برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے اسے شمالی ہندوستان میں اپنے تمام مقبوضات سے دستبردار ہونا پڑا۔ رنجیت سنگھ اپنی طرف سے اس بات پر رضامند ہوگیا کہ وہ مرہٹوں کو کوئی مدد نہیں فراہم کرے گا۔ پس جس بلا کا رنجیت سنگھ کو خدشہ تھا' وہ ٹل گئی تھی اور اس کے سکھوں نے اپنے ستاروں کا شکریہ ادا کیا کہ وہ غیر ملکیوں کے ساتھ جنگ میں ملوث نہیں ہوئے۔ برطانوی کمانڈر' رنجیت سنگھ اور آہلو والیہ سردار کے درمیان دوستانہ مراسم مزید مستحکم ہوئے۔ لہٰذا اسی ماہ کے دوران افواج' جنہوں نے پنجاب میں تشویش کی لہر دوڑا دی تھی' ہندوستان روانہ ہوگئیں۔ رنجیت سنگھ نے مرہٹہ سردار جسونت راؤ سے انگریزوں کی بابت بہت سے واقعات سنے تھے اور ان کے جنگی کارناموں پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ ہمیشہ اس حکومت سے خوف کھاتا رہا۔ لہٰذا اس نے ان کے ساتھ پرامن طریقے سے رہنے کا ارادہ کیا۔ تب لاہور میں ہولی کا تہوار ان پریشانیوں کے مطابق خوشیوں کے ساتھ منایا گیا' جنہوں نے گزشتہ چند ماہ کے دوران سکھوں کو حیران کر کے رکھ دیا تھا۔ لہٰذا رنجیت سنگھ' جس کا دماغ اب پرسکون تھا' ہر قسم کی عیاشیوں میں آزادانہ طور پر ملوث ہوا۔

بیساکھ (اپریل) ۱۸۰۶ء میں وہ دریائے سندھ کے کنارے پر واقع کتاس کے مقدس تالاب میں اشنان کرنے کے لیے روانہ ہوا اور اس دریا کے قرب و جوار میں زمینداروں کو اطاعت پر مجبور کیا۔ سفر سے واپسی پر اپنی بے احتیاطی کے باعث وہ بہت سخت بیمار ہوگیا۔ لہٰذا وہ مجبور ہوگیا کہ جب تک تندرست نہیں ہو جاتا' جہلم کے کنارے میانی کے مقام پر ٹھہر جائے۔ موسم برسات لاہور میں مقامی طور پر ترویج و ترقی اور مالی تدابیر کو متعارف کرانے میں بسر کیا گیا۔ شالا مار باغ کو مرمت کرایا گیا اور علی مردان خان کی نہر جو انہیں سیراب کرتی تھی' اسے ازسرنو جاری کیا گیا۔ اس کام کا دوہرا فائدہ ہوا۔ پہلا یہ کہ اس شاندار باغ کو بحال کر دیا گیا اور دوسرا یہ کہ ملحقہ زمینوں کی حالت بہتر ہوگئی' جنہوں نے جلد ہی زیادہ آمدنی دینا شروع کر دی۔

اسی سال ۱۸۰۶ء میں رنجیت سنگھ نے ایک چھتری محکم چند کی صلاحیتوں کو بہت سراہا' جو پہلے گجرات کے صاحب سنگھ کی ملازمت میں تھا۔ اسے اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا تو سکھ

سردار بہت ناراض ہوگئے۔ وہ ایک قابل جرنیل ثابت ہوا اور اپنے نئے آقا کے بھروسہ پر پورا اترا۔ جیسا کہ اس کے بعد کے دور سے ظاہر ہوتا ہے' رنجیت سنگھ کی انتہائی پر ماجرا زندگی کے مکمل دور کی کامیابی زیادہ تر اپنے سرکاری ملازموں کو مقرر کرنے کے لیے اس کے انتخاب کی وجہ سے تھی۔ اسی سال ستلج کو پار کرنے کے بعد اس نے سردار موہر سنگھ نشان والا کی بیوہ (جس نے کچھ عرصہ تک حملہ آور کا ڈٹ کر مقابلہ کیا) کو نکال باہر کرنے کے بعد زیرا پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مناور کے گورو گلاب سنگھ کے والد دغاباز' سوڈھی جواہر سنگھ کی مدد سے اس نے سردار جگت سنگھ بریہ کی املاک' مکتی سر اور کوٹ کپورہ پر قبضہ کر لیا۔ تب اس نے دھرم کوٹ پر حملہ کر کے اسے مغلوب کیا۔ ہری سنگھ اور تارا سنگھ گھیبہ کے برادار نسبتی اربل سنگھ کو نکال باہر کرنے پر ماڑی کو اطاعت پر مجبور کیا۔ اس کے بعد اس نے فرید کوٹ کی طرف پیش قدمی کر دی۔ اس جگہ کے سردار نے بروقت اچھا خاصہ خراج ادا کر کے اپنے آپ کو حملہ کے خطرے سے بچا لیا۔

اس وقت پٹیالہ کے راجہ صاحب سنگھ اور (ولی عہد شہزادہ کرم سنگھ کی والدہ) اس کی بیوی رانی آس کور کے درمیان زبردست جھگڑا پیدا ہوگیا۔ وہ ایک عالی ہمت اور سازشی عورت تھی۔ لہٰذا اپنے کم سن بیٹے کے حق میں یا اپنے لیے ایک علیحدہ علاقہ حاصل کرنے کی خاطر اپنے خاوند کو راستے سے ہٹانے کے لیے منصوبے بنا رہی تھی۔ مرہٹہ سردار جسونت راؤ نے پٹیالہ میں اپنے قیام کے دوران اس کے منصوبوں کی خاطر اس کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی۔ کیونکہ وہ اس جدوجہد کے ذریعے اپنی قسمت چمکانا چاہتا تھا۔ تاہم لارڈ لیک کی آمد نے مرہٹہ سردار کو ستلج عبور کرنے پر مجبور کر دیا اور معاملہ صرف میاں بیوی کے درمیان رہ گیا۔ تاہم ہوا یوں کہ پٹیالہ کے راجہ کی' نابھہ کے سردار سے بھی دشمنی پیدا ہوگئی۔ جھگڑے کی وجہ دراصل پٹیالہ کے شمال میں بیس میل کے فاصلے پر اور نابھہ کے مغرب میں دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں دو لدھی تھا۔ اس پر نابھہ کا راجہ دعویٰ کرتا تھا۔ نابھہ کے راجہ جسونت سنگھ کی چشم پوشی کے ساتھ پٹیالہ کی طرف دو لدھی کے نگران افسر بھائی تارا سنگھ کو قتل کر دیا گیا۔ جھنڈ کا راجہ بھاگ سنگھ' اس کا بھتیجا سردار مہتاب سنگھ اور کیتھل کے بھائی لعل سنگھ نے پٹیالہ کے راجہ صاحب سنگھ کا ساتھ دیا۔

متحارب گروہوں کے درمیان دو ماہ کے عرصہ میں متعدد جھڑپیں ہوئیں اور اس میں زبردست خون خرابہ ہوا۔ آخر کار ایک لڑائی میں تھانیسر کا سردار مہتاب سنگھ مارا گیا۔ یہ خبر سننے پر پٹیالہ کا راجہ غیظ و غضب میں آگیا۔ لہٰذا نابھہ سے چھ میل کے فاصلے پر نردان کے

مقام پر اور نابھہ کے راجہ کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی جس میں راجہ جسونت سنگھ کو شکست دے کر نابھہ کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان لڑائی میں دونوں جانب سے ڈیڑھ سو افراد ہلاک ہوئے۔ متحارب گروہوں نے اپنے اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لیے رنجیت سنگھ کو بلوایا' جسے اس بات سے بڑی خوشی ملی کہ اسے مداخلت کا موقع ملا ہے۔(۵) دسہرہ کو گزرے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ لاہور کے حکمران نے ۲۶؍ جولائی ۱۸۰۶ء کو ۲۰ ہزار سواروں کے ہمراہ ستلج کو عبور کیا۔ اس کی فوج کے ہمراہ سردار فتح سنگھ آہلوالیہ' لاڈوا کا گوردیت سنگھ اور بہت سے دوسرے سردار بھی تھے۔ جالندھر کے سردار بدھ سنگھ اور پھلور کے سردار' دھرم سنگھ سے بہت زیادہ نذرانے وصول کرنے اور نکودر کو مطیع کرنے کے بعد وہ تیسرے روز پٹیالہ کے علاقے میں داخل ہوا اور اس کے اور نابھہ کے درمیان جھگڑے کی وجہ اور پٹیالہ کے راجہ کی ملکیت دو لدھی پر فوراً قبضہ کر لیا اور پٹیالہ کی فوج کو شہر سے باہر نکال دیا۔ مہاراجہ دو لدھی سے پٹیالہ میں منصور پور کی طرف روانہ ہوا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ جھنڈ اور نابھہ کے راجہ' جنہوں نے اسے حملہ کی ترغیب دی تھی' اس کی فوج میں شامل تھے۔ لیکن اس موقع پر پٹیالہ کی فوج کی تعداد لاہور کے سردار کی فوج سے بہت زیادہ تھی۔ میدان جنگ میں دونوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ پٹیالہ کے توپ خانے کے کمانڈار میر مقصود علی کا بھتیجا' میر ذوالفقار علی ذاتی طور پر بھاری توپ خانے کی گولہ باری کی نگرانی کر رہا تھا۔ لڑائی کے دوران وہ اس ہاتھی کے ہودا پہ گولہ پھینکنے میں کامیاب ہو گیا' جس پر راجہ بھاگ سنگھ بیٹھا ہوا تھا۔ رنجیت سنگھ اپنے ہاتھی پر بیٹھا دوربین کے ذریعے کافی فاصلے سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ تب اس نے دشمن کی فوج کی مغلوب تعداد کو دیکھا۔ دریں اثناء پٹیالہ کے راجہ صاحب سنگھ کا نمائندہ چیت سنگھ اپنے آقا کے توسط سے تازہ پیغامات کے ساتھ آیا۔ اگلے روز پٹیالہ کے راجہ اور لاہور کے مہاراجہ کے درمیان صلح ہو گئی۔ اس نے دو لدھی کو پٹیالہ کے سردار کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد مہاراجہ نے نابھہ کے راجہ جسونت سنگھ سے ۵۰ ہزار روپے کا نذرانہ وصول کیا۔

اتنی بڑی فوج کے ساتھ ستلج کے پار ریاستوں میں لاہور کے حکمران کی آمد دہلی میں مقیم برطانوی نمائندے اور جھنڈ کے راجہ کے درمیان خط و کتابت کی وجہ تھی۔ لہذا کسی بھی غیر متوقع ہنگامی حالت کے پیش نظر یہ بہتر خیال کیا گیا کہ کرنال میں برطانوی حفاظتی فوج کو مستحکم کر دیا جائے۔ اگرچہ رنجیت سنگھ ان علاقوں کے معاملات میں پوری طرح مصروف

تھا، جہاں وہ حال ہی میں گیا تھا۔ لہٰذا ان حالات کے تحت وہ حکومت برطانیہ کے ساتھ کسی قسم کی دشمنی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

اس وقت لدھیانہ پر رائے کوٹ کے ایک مسلمان راجپوت رائے الیاس خاں(۶) کی بیواؤں نور النساء اور لچھمی کا قبضہ تھا جس کے خاندان کا دو سو سال سے اس پر قبضہ تھا۔ زوال پذیر مسلمان خاندان نے مہم جو جارج تھامس کی پناہ حاصل کر لی تھی۔ رنجیت میں ہمت عالی کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ہر قیمت پر خود سرفرازی اس کی حکمت عملی تھی۔ اس کے ساتھ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" والا معاملہ تھا۔ کمزوروں کو اس بات کا یقین ہوتا تھا کہ وہ انہیں تباہ کر دے گا۔ لہٰذا وہ اُن کے کھنڈر کی بنیاد پر اپنی عظمت کی عمارت تعمیر کرتا تھا۔ بے یار و مددگار بیوگان کو نکال باہر کرنے کے بعد وہ لدھیانہ کے علاوہ اردگرد کے دیہاتوں کا بھی مالک بن گیا۔ اس سارے علاقہ کو اس نے جھنڈ کے راجہ، اپنے ماموں کو بخش دیا۔ اس نے .سیہ تلوک میں پرگنہ تھارا کو میاں غوث کی بیوہ سے چھین کر اپنے پسندیدہ جرنیل محکم چند کو جاگیر میں دے دیا۔ اس کے بعد جھنڈالہ، رائے کوٹ، جگراؤں، بددوال، تلونڈی، ڈھاکہ اور .سیہ جو دراصل رائے الیاس کی ملکیت تھے، اس کے ہاتھ لگے۔ لہٰذا انہیں جھنڈ اور نابھہ کے راجاؤں، سردار فتح سنگھ آہلووالیہ، دیوان محکم چند، سردار بساوا سنگھ اور سردار بھنگہ سنگھ کے درمیان بانٹ دیا گیا۔ اسی مہم کے دوران اس نے گھمگرمہ کے ضلع کو فتح کیا اور اس کے مالکان، جاٹ سنگھ، گوجر سنگھ اور قبیل خان کو نکال باہر کرنے کے بعد ان کے علاقوں کو نابھہ کے سردار جسونت سنگھ اور لاڈوا کے سردار گوردیت سنگھ کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اس نے جنوب میں انبالہ سے آگے مزید پیش قدمی نہیں کی۔ لہٰذا تھانیسر میں دیوالی کا تہوار منانے اور وہاں مقدس تالاب میں اشنان کرنے کے بعد اس نے دوبارہ ستلج کو پار کیا۔ اس مہم میں اس نے پٹیالہ کے راجہ اور اس کی بیوی کے درمیان تعلقات بہتر بنانے کے لیے کچھ نہ کیا۔ حالانکہ اپنی باری پر انہوں نے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اسے روپے کی بڑی بڑی رقمیں اور قیمتی جواہرات پیش کیے تھے۔

رنجیت سنگھ، تارا سنگھ گھیبہ کی رہائش گاہ راہون کے راستے سے جوالا مکھی کے قدرتی شعلوں یعنی مقدس آگ کی توہمانہ تپسیا کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں کانگڑا کے راجہ سنسر چند کے چھوٹے بھائی سردار فتح چند نے اس تک خبر پہنچائی کہ نیپال کی فوج کے جرنیل امرسنگھ تھاپا نے پہاڑی راجہ کے علاقہ پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے، جو گنگا سے ستلج تک پہاڑی اضلاع [illegible] تاراج کرنے اور مطیع کرنے کے بعد کانگڑا کو مطیع کرنے کے ارادہ سے

حملہ آور ہوا ہے۔ اس نے گڑھ وال کے پہاڑی سردار سے خراج وصول کیا اور نالا گڑھ کے نوجوان سردار کو مطیع کیا۔ تاہم اس نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا تھا۔ سرمور' سیہار اور بھگت کی قریبی ریاستوں پر بھی بعد میں قبضہ کرنے کے بعد اب حملہ آور نے کانگڑا کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چنانچہ سردار نے اسے ایک بڑا نذرانہ ادا کرنے کی شرط پر حملہ آور گورکھوں کے خلاف اس کی مدد مانگی۔ رنجیت سنگھ نے بڑی خوشی سے اس کی درخواست کو منظور کر لیا۔ لہٰذا جب وہ کانگڑا کے قریب پہنچا تو جنرل امر سنگھ کے ایک بااعتماد نمائندے زور آور نے اس سے ملاقات کی اور اپنے آقا کی طرف سے اس شرط پر سنسر چند سے دوگنا نذرانہ پیش کرنے کا وعدہ کیا کہ مہاراجہ اپنی فوجوں کو واپس لے جائے۔ مہاراجہ نے اس بناء پر اس پیشکش کو ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ کانگڑا کے سردار کو زبان دے چکا ہے۔ تاہم اس کی حکمت عملی یہ ہے کہ اجنبیوں کو (جن کے بارے میں امکان تھا کہ وہ اس کی اپنی سلطنت میں بھی گڑ بڑ پیدا کریں گے) سرحدوں سے نکال دیا جائے۔ تاہم گورکھا فوج میں طاعون پھوٹ پڑا۔ جس کی وجہ سے ان کے پڑاؤ میں زبردست جانی نقصان ہوا اور اس چیز نے انتہائی تیزی سے انہیں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ پہاڑی راجہ سے حسب وعدہ نذرانہ وصول کرنے کے بعد پہاڑوں سے واپسی پر رنجیت سنگھ نے نداؤں کے مقام پر ایک ہزار سپاہیوں کو تعینات کیا اور سردار فتح سنگھ کلیان والا کو حکم دیا کہ وہ گورکھا کماندار کی آئندہ حرکات و سکنات کا جائزہ لینے کے لیے اپنی فوج کے ہمراہ بیجاور میں ٹھہرے۔

۱۸۰۷ء کے آغاز میں انتہائی اہم واقعہ پیش آیا کہ ایک بوڑھے سکھ سردار نرسنگھ کا انتقال ہوگیا اور اس کے نتیجہ میں اس سردار کے وسیع و عریض علاقے پسرور اور جمارا کمزور ہوگئے۔ آنجہانی سردار کے بیٹے کو گزر بسر کے لیے ایک چھوٹی سی جاگیر عنایت کر دی گئی۔

قاتل پٹھان نظام الدین خان کا جانشین قصور کا قطب الدین خان دوبارہ سرکش ہوگیا تھا۔

مہاراجہ اب اس بات کا آرزومند ہوا کہ وہ قطب الدین خاں جیسے کانٹا کو اپنے پہلو سے نکال کر اپنی حالت کو مستحکم کرے۔ وہ اس رائے کو بہتر خیال کرتا تھا کہ لاہور کے دیومالائی حریف کو اس کے مسلمان مالکان سے حاصل کرنے اور پٹھان نو آبادی کو مطیع کرنے کے باعث خالصہ میں حقیقی طور پر اس کے وقار اور شہرت میں اضافہ ہوگا۔ ایک انتہائی خوفناک مہم منظم کی گئی' جس کی قیادت خود اس نے اور اس کے والد کے پرانے حلیف مشہور ترکھان جتا سنگھ رام گڑھیہ کے بیٹے جودھ سنگھ نے کی۔ فروری ۱۸۰۷ء میں اس علاقے پر حملہ کیا گیا۔ یہ متعدد چھوٹے قلعوں پر مشتمل تھا اور یہ سب جنگی ساز و سامان

اور اشیائے خوردنی کے ذخائر سے بھرے ہوئے تھے۔ حملہ آور نے شہر کا محاصرہ کر کے باہر سے اس کے تمام رسل و رسائل کو کاٹ دیا۔ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ محصورین نے اس دوران اشیائے خورد و نوش کے تمام ذخائرہ خرچ کر لیے اور اب گھوڑوں اور مویشیوں کے گوشت پر گذارہ شروع کر دیا۔ سکھوں نے اپنے انتقام سے کہیں بڑھ پر پورے علاقہ کو تہ و بالا کر دیا۔ ان کے توپ خانہ نے شہر کی فصیل کے ایک بہت بڑے حصہ کو مسمار کر دیا۔ چنانچہ شہر کو مطیع کرنے کے بعد اس میں لوٹ مار مچا دی گئی۔ شہریوں کے پاس موجود ہر چیز کو زبردستی ان سے چھین لیا گیا۔ سکھوں نے صنف نازک کے ساتھ انتہائی بربریت کا مظاہرہ کیا۔ ان میں سے کئی عورتوں نے گلے میں پھندا ڈال کر یا کنوؤں میں چھلانگیں لگا کر خودکشی کر لی۔ چنانچہ بے عزتی کی زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ سینکڑوں عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر لے گئے اور بے شمار بے یار و مددگار لوگوں کو ان کی پوشاک سے بھی محروم کر کے زبردستی عریاں حالت میں چلنے پر مجبور کیا گیا۔ اس موقع پر سکھوں نے جو زیادتیاں کیں' وہ عام ظلم سے کہیں زیادہ تھیں اور لوگ آج تک اسے یاد رکھے ہوئے ہیں۔ قطب الدین نے اپنے آپ کو قصور کے قلعہ میں بند کر لیا لیکن اندرونی جھگڑوں اور فسادات نے اس کے خاندان کی تباہی کو مکمل کر دیا۔

قصور کی فتح

لہٰذا مارچ کے اختتام پر اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر کے ستلج کے دوسرے کنارے پر اپنے علاقہ ممدوٹ بھیج دیا گیا۔ اسے جاگیر پر اس شرط پر قابض رہنے کی اجازت دی گئی کہ وہ ضرورت کے وقت خدمت کے لیے ۱۰۰ سوار فراہم کرے گا۔ ۱۸۰۰ء میں قطب الدین خان اور اس کے بھائی نے ڈوگروں (ایک سرکش مسلمان قبیلہ' جو قریبی علاقہ میں آباد تھا) کی مدد سے اس علاقے کو رائے کوٹ کے رائے سے چھینا تھا۔ رنجیت سنگھ نے نظام الدین خاں کے بیٹے اور سردار کے بھتیجے فتح دین خان کو اس کے چچا پر عائد کردہ عسکری شرائط کے مطابق روپ میں ایک جاگیر دی۔ قصور اور اس سے ملحقہ تمام علاقہ لاہور کی سلطنت میں شامل کر لیا گیا اور اسے عارضی طور پر سردار نہال سنگھ اٹاری والا کے سپرد کیا گیا۔

کہا جاتا ہے سکھوں نے قصور کی لوٹ مار سے اپنے آپ کو مالا مال کر لیا تھا۔ خاص طور پر قطب الدین خاں کی جائیداد جو مہاراجہ کے ہاتھ لگی اور جو جواہرات' قیمتی پارچات اور سامان' شالوں' گھوڑوں اور اونٹوں پر مشتمل تھی' کہا جاتا ہے وہ بہت بڑی تھی۔ جب کہ سکھوں نے قرآن پاک کے ہزاروں نسخوں' عربی اور فارسی کی جن کتابوں کو لوٹا تھا'

انھیں لاہور کے بازاروں میں انتہائی ارزاں نرخوں پر فروخت کر دیا گیا۔ رنجیت سنگھ نے لاہور واپس آنے پر اس فتح کی خوشی میں ایک عظیم دربار منعقد کیا اور اس موقع پر خوشی منانے کے لیے لاہور اور امرتسر کے شہروں میں چراغاں کیا گیا۔ ایک بہت بڑی رقم اور جائیداد سکھ ہرمندر میں پیش کرنے کے لیے امرتسر روانہ کی گئی۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ دیپالپور کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے اس کے قلعہ کا محاصرہ کر کے اسے تسخیر کر لیا اور ولی عہد کو جاگیر کے طور پر دے دیا۔ دیپالپور میں قریبی سرداروں اور راجوں نے اسے نذریں پیش کیں۔ اس کے بعد ملتان کی طرف پیش قدمی کر دی۔ بدوزئی سردار عبدالصمد خاں، جس نے حال ہی میں لاہور میں پناہ حاصل کی تھی، اس کے اکسانے پر مہم کا آغاز کیا گیا تھا۔

ایک دور میں شاہ زماں نے اسے ملتان کا حاکم مقرر کیا تھا مگر آخرکار مظفر خاں نے اسے شکست دے کر اسے قلعہ اور جاگیر سے محروم کر دیا لیکن بہانوں کی کمی نہیں تھی اور اس مہم کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ ۱۸۰۲ء میں اس نے معاہدہ کیا اور ۱۸۰۶ - ۱۸۰۵ء میں اس کی تجدید کی۔ اس کی رو سے اس نے مہاراجہ کے لیے اپنی اطاعت کو تسلیم کیا تھا۔ اب اس نے اس کے دشمن جھنگ کے احمد خاں سیال کو پناہ دی تھی اور اسے آدمی اور روپیہ فراہم کر کے اپنے علاقوں کے ایک کثیر حصہ کو بازیاب کرانے کے قابل کر دیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس پر شک کیا جاتا تھا کہ وہ قصور کے قطب الدین خاں سے ساز باز کر رہا ہے۔ اپنے راستے میں اس نے حکومت ملتان کے متعدد علاقوں پر قبضہ کر کے وہاں حفاظتی دستے تعینات کیے اور اپریل میں اس نے ملتان کا محاصرہ کر لیا۔ فصیل دار شہر پر قبضہ کر لیا گیا لیکن شہر پناہ، جہاں سرکردہ شہری اپنی قیمتی اشیاء کے ساتھ چلے گئے تھے، اس نے زبردست مزاحمت کی۔ رنجیت سنگھ، جسے ایک مشکل اور طویل محاصرہ کو جاری رکھنے کے لیے وسائل فراہم نہیں کیے گئے تھے، اس نے ۷۰ ہزار روپے کے نذرانہ کی ادائیگی کو بڑی خوشی سے قبول کر لیا (جس کا نصف نواب نے شہریوں سے اکٹھا کیا تھا) اور بڑے اعزاز کے ساتھ واپس ہوا۔ اب دریا کو پار کرنے کے بعد سکھ حکمران اچانک نواب بہاول خاں کے علاقہ میں نمودار ہوگیا۔ اسے چھوٹی ریاستوں کے غاصب کی آمد پر بڑی تشویش ہوئی۔ نواب نے اپنے بااعتماد نمائندوں کو مہاراجہ کے پاس روانہ کیا۔ لہٰذا جلد ہی شرائط طے ہوگئیں اور مہاراجہ نے اپنے قدم لاہور کی طرف موڑ لیے اور مئی میں وہاں پہنچ گیا۔ تب مہاراجہ کے معتمد فقیر عزیز الدین کو اس کی طرف سے نواب بہاول خاں کے لیے ایک قیمتی خلعت کے ساتھ بہاولپور روانہ کیا گیا۔ موسم برسات کے آغاز سے قبل رنجیت سنگھ نے پہاڑوں کے

دامن میں واقع مشہور زمانہ آدینہ بیگ خاں کے شہر آدینہ نگر کو تسخیر کرنے کے لیے ایک فوج روانہ کی اور کانگڑا کے پہاڑوں کی سرحد پر تمام سکھ سرداروں سے نذرانہ وصول کیا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے اپنی ساس' باصلاحیت خاتون سداکور کی ناراضگی مول لی' جس نے اس بلند مرتبے پر پہنچنے کے لیے حقیقی طور پر مدد کی تھی اور یہ تمام علاقے کنہیا مثل کے زیر انتظام ہونے کے باعث اس کی ملکیت تھے۔ مہاراجہ کی طرف سے یہ بے جا مداخلت اس خاتون اور اس کے داماد کے درمیان سازشوں اور معکوس سازباز کے سلسلوں کا آغاز تھی' جس نے آخرکار اسے تباہ کر دیا۔

اب یہ بہت ضروری ہے کہ ستلج کی دوسری جانب کی ریاستوں کے امور کی طرف لوٹ آئیں۔

لڑائی کے میدان سے رنجیت سنگھ کی روانگی متحارب گروہوں کے لیے خاص طور پر پٹیالہ کے راجہ صاحب سنگھ اور اس کی بیوی رانی آس کور (ان میں سے کسی نے بھی اس سے ثالثی کی درخواست کر کے کچھ حاصل نہیں کیا تھا) کے لیے اپنے گھریلو جھگڑوں کو دوبارہ شروع کرنے کے لیے ایک اشارہ تھا۔ معمول کے مطابق انہوں نے ہتھیاروں کے ذریعے ان کا فیصلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ سردار جنہوں نے گزشتہ موقع پر ان کے جھگڑے پر اس شکار کا سب سے بڑا حصہ حاصل کیا تھا' دوبارہ رنجیت سنگھ کی مدد حاصل کرنے پر زور دینا شروع کر دیا۔ جب انہوں نے اس سے مدد کی درخواست کی تو وہ بخوشی رضامند ہوگیا۔ چنانچہ پٹیالہ' جھنڈ اور نابھہ کے راجاؤں کے ساتھ اس نے بیاس کے ساتھ ستلج کے سنگم پر ہریکا پتن سے دریا کو پار کیا۔ اس موقع پر اس کے ساتھ ایک بہت بڑی فوج کے علاوہ اس کا مشہور جرنیل' محکم چند' فتح سنگھ آہلووالیہ اور غربا سنگھ بھی تھے۔ سب سے پہلے اس نے کوٹ کپورا کا دورہ کیا' جسے اس نے گزشتہ سال مطیع کیا تھا اور اس کے بعد بھدر' جس کے سردار سے اس نے ایک نذرانہ وصول کیا۔ تب نابھہ کا دورہ کرنے کے بعد وہ ستمبر ۱۸۰۷ء میں پٹیالہ کے سامنے پہنچ گیا۔ اس وقت پٹیالہ کے راجہ نے اپنے دارالحکومت میں سرداروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو مدعو کیا ہوا تھا (جن میں تھانیسر کا سردار بھنگہ سنگھ بھی شامل تھا) اور وہاں ۱۵ ہزار سپاہیوں کی ایک فوج بھی جمع کر رکھی تھی۔ بشمول راجہ صاحب سنگھ کے تمام سرداروں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔ لہٰذا انہوں نے شہر کے باہر مہاراجہ کا بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے استقبال کیا۔ اب ثالثی کا کام شروع ہوگیا تھا۔ سازشی رانی نے ثالث کو رشوت کے طور پر ایک بہت بڑی رقم پیش کی اور اس کے علاوہ ۷۰ ہزار

روپے مالیت کا ہیروں کا ہار اور خاندان کی ملکیت (کارا خاں کے نام سے مشہور) ایک پیتل کی توپ بھی پیش کی' جسے بعد ازیں انگریزوں نے ستلج کی مہم کے دوران قبضہ میں لے لیا تھا۔ ثالث نے ان قیمتی تحائف سے خوش ہو کر رانی اور اس کے قائم مقام بیٹے کے لیے ۵۰ ہزار روپے سالانہ مالیت کی ایک جاگیر کا فیصلہ کر دیا۔ تاہم تمام بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ جھنڈ' نابھہ کے راجاؤں' تھانیسر کے سردار بھنگہ سنگھ اور کیتھل کے بھائی لعل سنگھ کے اثر و رسوخ نے حقیقی طور پر راجہ اور رانی کے درمیان یہ سمجھوتہ کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ راجہ نے اپنی توپ اور ہار کی جدائی کے تصور سے زیادہ لطف حاصل نہیں کیا اور وہ رنجیت کو ان کی سپردگی سے احتراز برت جاتا اگر موخرالذکر نے بڑے تحمل سے اسے مطلع نہ کیا ہوتا کہ وہ جنگ کا راستہ اختیار کر کے ان پر اپنا حق ثابت کرے۔ اب صاحب سنگھ نے یہ اچھی طرح جان لیا تھا کہ یہ اس کے لیے بہتر ہوگا اگر وہ باوقار انداز میں مطابقت پیدا کر لیتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا(۷) پٹیالہ کے معاملات درست کرنے کے بعد رنجیت سنگھ انبالہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں انبالہ پر قابض سردار گورنجش سنگھ(۸) کی بیوہ رانی دیاکور نے اسے ایک نذرانہ پیش کیا۔ اس نے کیتھل کے بھائی لعل سنگھ' شاہ آباد کے گوردیت سنگھ اور کرم سنگھ' بریہ کے بھگوان سنگھ' کالیہ کے جودھ سنگھ اور سرہند کے تمام سرداروں سے بھی خراج وصول کیا اور جواب میں ہر ایک کو خلعت سے نوازا۔ اس کے بعد اس نے انبالہ اور پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط قلعہ' نارائن گڑھ کو تسخیر کرنے کے لیے پیش قدمی کی۔ اس پر ناہن کے کنور کشن سنگھ کا قبضہ تھا۔ ایک طوفانی حملے کے ذریعے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش ناکام ہوگئی تو قلعے کا سخت محاصرہ کر لیا گیا۔ محصورین نے تقریباً تین ہفتوں تک بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور دشمن کی طرف سے قلعے پر قبضہ کرنے کے لیے ان کے مسلسل حملوں کو لگاتار پسپا کیا۔ ہر موقع پر انہیں زبردست نقصانات سے دو چار کیا۔ آخرکار رنجیت سنگھ کے مشہور جرنیل فتح سنگھ کلیانوالہ کی قیادت میں مہاراجہ کی افواج نے ایک زبردست حملے کے بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ آخری لڑائی تھی' جس میں اس نے حصہ لیا' وہ ایک حملہ میں مارا گیا۔ اگرچہ ابھی فتح یقینی نہیں تھی۔ اس جنگ میں مہاراجہ کے دو سردار موہن سنگھ (کماندار اور سردار) اور دیوا سنگھ بھنڈاری بھی مارے گئے جب کہ مہاراجہ اس جنگ میں اس کے علاوہ ہلاک شدگان اور زخمیوں کی صورت میں اپنے ۴۰۰ آدمیوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ قبضہ ہونے کے بعد مہاراجہ نے ۴۰ ہزار روپے نذرانہ وصول کرنے پر یہ علاقہ سردار فتح سنگھ آہلووالیہ کے سپرد کر دیا۔ حالانکہ اس جاگیر کی مالیت ۵۰۰' ۱۵

روپے سالانہ تھی۔

بوڑھا سردار تارا سنگھ گھیبہ (جو کبھی ڈلی والا مثل کا سردار تھا) جو نارائن گڑھ کے محاصرہ کے دوران لاہور کی فوجوں کے پیچھے آ رہا تھا' اس شہر کے سامنے انتقال کر گیا۔ اس کے ساتھیوں نے خفیہ طور پر اس کی لاش کو کریا کرم کے لیے راہون میں اس کے قلعہ میں روانہ کر دیا' جہاں اس کی بیوی اور بیٹے رہتے تھے۔ جس وقت بوڑھے سردار کی لاش چتا پر تھی اور ماتمی رسومات ادا کی جا رہی تھیں' رنجیت سنگھ کی فوجوں کا ایک دستہ' جسے اس واقعہ کی اطلاع مل چکی تھی' اچانک نمودار ہوا اور متوفی کے خزانوں اور املاک کا مطالبہ کر دیا۔ تاہم ڈلی والا کے بوڑھے سردار کی بیوہ ایک بلند حوصلہ عورت تھی۔ اس نے اپنے زیورات زیب تن کیے اور ہاتھ میں تلوار تھام کر میدان جنگ میں آ گئی لیکن قلعہ راہون کی منہدم دیواریں جلد ہی مسمار ہو گئیں اور یہ جگہ حملہ آوروں کے قبضہ میں آ گئی۔ عمر رسیدہ بیوہ اور اس کے بیٹوں کی گزر بسر کے لیے ایک مخصوص رقم مقرر کی گئی لیکن کچھ دیر بعد اس کی ادائیگی روک دی گئی۔ اس کے بعد سکھ مہاراجہ نے ضعیف رانی کے افسروں کو نکال باہر کرنے کے بعد تارا سنگھ گھیبہ کی جاگیر پر قبضہ کر لیا۔ ستلج کے جنوب میں دھرم سنگھ کی جاگیر اس کے بیٹے سے چھین لی (کیونکہ اس نے حملہ آور کو نذرانہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا) اور بھاگ سنگھ کی بیوہ سے بہلول پور اور بھارت گڑھ کو ہتھیا لیا۔ اسی مہم کے دوران اس کے جرنیل محکم چند نے فیروز پور میں ضلع وونی کو فتح کیا' جسے رنجیت سنگھ نے سال کے آخر میں اپنی ساس سدا کور کو دے دیا۔ اسی سال مہاراجہ نے رائے پور' گھم گرما' سرہند' زیرا' کوٹ کپورا اور دھرم کوٹ میں فتح کیے گئے علاقوں کو اپنے خاص دوستوں سردار فتح سنگھ آہلووالیہ' جھنڈ کے راجہ بھاگ سنگھ' نابھہ کے جسونت سنگھ' جرنیل اور دیوان محکم چند (جو بڑی تیزی سے حمایت حاصل کر رہا تھا) غربا سنگھ اور ناگلہ کے سردار کرم سنگھ میں تقسیم کر دیے۔ تارا سنگھ کی بیوہ کے علاقے راہون میں لسن گڑھ اور پرگنہ رحیم آباد میں دھنور بھی غربا سنگھ کو دے دیے گئے۔ پرگنہ تھرا میں شیر گڑھ سردار اتر سنگھ کو دے دیا گیا۔ اس کے بعد منولی کے زمیندار رنجیت سنگھ سے ۲۰ ہزار' منی ماجرا کے گوپال سنگھ سے ۳۰ ہزار روپے' روپڑ کے سردار ہری سنگھ سے ۱۵ ہزار روپے اور دوآبہ کے زمینداروں سے ۸۰ ہزار روپے کا خراج وصول کرنے کے بعد ستلج کی مہم کو ختم کر دیا گیا۔

رنجیت سنگھ دسمبر ۱۸۰۷ء میں واپس لاہور آ گیا۔ تب سدا کور کی بیٹی رانی مہتاب کور نے مہاراجہ کو شیر سنگھ اور تارا سنگھ کی صورت میں اپنے جڑواں بیٹے پیش کیے حالانکہ

اصل میں اس نے مہاراجہ کے کسی بچے کو جنم نہیں دیا۔ سداکور یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ صرف اپنی بیٹی کے ذریعے ہی اپنے داماد پر اپنے اختیار کو بڑھا سکتی ہے۔ رانی مہتاب کور بے اولاد تھی اور اسی وجہ سے اس کا خاوند مہاراجہ رنجیت سنگھ اسے اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس کی ساس نے ایک منصوبہ تیار کیا جس کی رو سے وہ ایک ماں بن گئی۔ اس نے پورے علاقہ میں یہ افواہ پھیلا دی کہ مہاراجہ کی بیوی مہتاب کور حاملہ ہوگئی ہے۔ لہٰذا جب کچھ وقت گزر گیا تو اس نے انتہائی خوشی کے ساتھ اعلان کیا کہ رانی (اس کی بیٹی) نے جڑواں بچوں کو جنم دیا ہے۔ مہاراجہ کی عدم موجودگی اس کی ساس کے منصوبوں کے لیے بہتر ثابت ہوئی۔ جس رات عوام میں یہ اعلان کیا گیا کہ رانی نے جڑواں بچوں کو جنم دیا ہے' اس سے ایک روز پیشتر دونوں بچوں کو خریدا گیا۔ شیر سنگھ کو ضلع ہوشیار پور میں کیریاں کے ایک آبائی جولاہے' اس کے باپ سے خریدا گیا' جو ایک جاگیر کے طور پر اس وقت مائی سداکور کے قبضے میں تھا اور تارا سنگھ کو مائی کی ایک مسلمان کنیز مانگی کی بیٹی سے خریدا گیا تھا۔ رنجیت سنگھ کو دھوکہ نہیں دیا گیا تھا (لیکن چونکہ وہ ایک باپ کہلائے جانے کے تصور کو پسند کرتا تھا) اس لیے اس نے دونوں کے ساتھ بیٹوں کی طرح سلوک کیا اور انہیں شہزادے کہتا تھا۔

پٹھان کوٹ کی تسخیر

۱۸۰۸ء کے آغاز میں رنجیت سنگھ نے پہاڑوں کے دامن میں واقع سردار جے سنگھ کنہیا کی ملکیت پٹھان کوٹ کے قلعہ کو تسخیر کیا۔ قلعدار فرار ہوگیا لہٰذا سردار کو بڑے صبر و تحمل سے یہ نقصان برداشت کرنا تھا۔ اس کے بعد وہ جسروٹا کی طرف بڑھا۔ وہاں کے راجہ نے ہتھیار ڈال دیے اور پہلے ایک بہت بڑا نذرانہ پیش کر کے باجگزار بن گیا۔ جسروٹا میں کئی روز شکار میں گزارنے کے بعد مہاراجہ چمبہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ابھی وہ نصف فاصلے تک پہنچا تھا کہ چمبہ کا راجہ اس کی آمد کا سن کر خوف زدہ ہوگیا۔ لہٰذا اس نے شرائط طے کرنے کے لیے اپنے نمائندے روانہ کیے۔ راجہ نے ایک بہت بڑا نذرانہ ادا کیا۔ اس کے علاوہ مہاراجہ کے لیے ایک ضیافت یا روپے کا تحفہ بھی پیش کیا۔ لہٰذا نمائندوں کو ان کے آقا کے لیے ایک قیمتی خلعت کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ اس کے بعد بسولی پر حملہ کیا گیا اور راجہ سے ایک نذرانہ کے علاوہ ۸ ہزار روپے سالانہ کا خراج بھی وصول کیا گیا۔
جس وقت مہاراجہ پنجاب کے شمال میں پہاڑی اضلاع میں اپنی فتوحات کو توسیع دے رہا تھا تو دیوان محکم چند ستلج کے بائیں طرف ان سرداروں کو مطیع کرنے میں مصروف تھا' جو پہلے

سردار تارا سنگھ گھیبہ کی قیادت میں ڈلی والا مثل کے منحصرین تھے۔ ان میں سے زیادہ تر سرداروں کو مطیع کر لیا گیا اور لاہور کی نئی سلطنت میں ان کی اطاعت کو منتقل کر کے اس وعدے پر ان کے علاقوں کو بحال کر دیا گیا کہ وہ ایک گھڑ سوار فوج مہیا کریں گے اور لاہور کے مہاراجہ کے پاس مستقل حاضری دیں گے۔

میدانوں میں اترنے کے بعد مہاراجہ نے سرداروں کا ایک بہت بڑا اجلاس طلب کیا۔ اس میں اس نے پنجاب کے ان سرداروں سے رسمی طور پر نذریں وصول کیں، جنہوں نے اپنے تیئں اسے جاگیردار تسلیم کر لیا تھا۔ وہ سب اس کے بلاوے پر اس لیے جمع ہوگئے تھے تاکہ سیالکوٹ کے سردار جیون سنگھ اور گجرات کے صاحب سنگھ کو بچا سکیں، جنہوں نے دھوکہ دہی کے خدشے سے زیادہ بغاوت کے جذبہ کے تحت اس کی حکم عدولی کی تھی۔ اب رنجیت سنگھ ان سرداروں کو ان کی ہٹ دھرمی کی سزا دینے کے لیے ان کے خلاف روانہ ہوا۔ سیالکوٹ پر حملہ کر دیا گیا اور شہر پر یلغار کر کے قبضہ کر لیا گیا۔ لیکن جیون سنگھ نے ایک ہزار لڑاکا سپاہیوں اور چار توپوں کے ہمراہ بڑی کامیابی سے قلعہ کا دفاع کیا۔ رنجیت سنگھ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ سات روز تک جاری رہا۔ اس کے بعد محاصرین نے گولہ باری سے قلعے کا ایک دروازہ توڑ دیا۔ لہٰذا وہ اندر داخل ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کے قابل ہوگئے۔ جیون سنگھ کو پابند سلاسل کر دیا گیا اور اس ضلع کے نظم و نسق کے لیے انتظامات کرنے کے بعد فوج گجرات کے لیے روانہ ہوگئی۔ مہاراجہ خود بھی اس فوج کے پیچھے روانہ ہوا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچتا، صاحب سنگھ کے نمائندوں نے اس سے ملاقات کر کے اسے ایک بہت بڑی رقم بطور خراج پیش کی اور اس کے علاوہ مہاراجہ کے لیے اس کی اطاعت کو تسلیم کرتے ہوئے ایک معاہدہ بھی کیا۔ رنجیت سنگھ ان شرائط سے مطمئن ہو کر واپس ہوگیا۔ تب وہ اکھنور گیا۔ وہاں کے سردار عالم خان نے اسے نذرانہ پیش کیا۔ لہٰذا اسے بحال کر دیا گیا۔(۹)

اسی سال جنوری میں ہرن مینار(۱۰) المعروف شیخوپورہ کو تسخیر کرنے کے لیے مہاراجہ کے توپ خانہ کے کمانڈنٹ غوث خاں اور سردار حکما سنگھ کی قیادت میں ۴ ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج روانہ کی گئی۔ کیونکہ اس جگہ کے سرداروں، اربل سنگھ اور امیر سنگھ نے پورے علاقہ میں اپنی غارت گریوں کے باعث امن عامہ تباہ کیا ہوا تھا۔

شہزادہ کھڑک سنگھ(۱۱) کو اس مہم کا برائے نام انتظام سونپا گیا تھا۔ اربل سنگھ اور امیر سنگھ نے اپنا اور قلعے کا بڑی مضبوطی سے دفاع کیا۔ لہٰذا مہاراجہ کی افواج کو فصیل گرانے

کے لیے بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس میں اس وقت تک کامیابی حاصل نہ ہو سکی' جب تک احمد شاہ کی بھنگی توپ (جسے امرتسر میں بھنگیوں کے قبضہ سے چھینا گیا تھا) قلعہ کے ایک دروازہ کے سامنے نہ لایا گیا۔ تب دروازے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور لاہور کی فوج قلعہ میں داخل ہوگئی اور اسے تسخیر کر لیا گیا۔ اربل سنگھ اور امیر سنگھ کو بیڑیاں پہنا دی گئیں اور ان کے لڑاکا سپاہیوں کی خدمات مہاراجہ کو منتقل کر دی گئیں اور مفتوح علاقہ شہزادہ کھڑک سنگھ کو جاگیر کے طور پر عنایت کر کے اس کی والدہ رانی نکائن کو اس کا سرپرست مقرر کیا گیا۔ رانی اپنی وفات تک قلعہ میں رہی اور شاذ و نادر ہی لاہور آئی۔

اسی سال بیساکھ (اپریل) کے اختتام پر حکومت برطانیہ کا ایک نمائندہ اپنی حکومت کی طرف سے مہاراجہ کے لیے تحائف کے ساتھ لاہور پہنچا۔ اس دورے کا مقصد حکومت برطانیہ اور دربار لاہور کے درمیان دوستانہ تعلقات کو مستحکم کرنا تھا' جسے آٹھ برس پہلے یوسف علی خان کی سفارت کے ذریعے شروع کیا گیا تھا۔ وکیل کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا اور اس کی روانگی کے وقت ۵ ہزار روپے مالیت کی خلعت پیش کی گئی اور اس کے ساتھ برطانوی حکام کے لیے قیمتی اشیاء اور اس ملک کی مصنوعات کی صورت میں تحائف بھی پیش کیے گئے۔

اسی سال کے دوران امرتسر میں گوجر سنگھ بھنگی کے قلعہ کو دربار لاہور کے معتمد عزیز الدین کے بھائی امام الدین کی زیر نگرانی ازسرنو تعمیر کرایا گیا۔ مہاراجہ نے اسے گووند گڑھ کا نام دیا۔ اسے مہاراجہ کے خزانوں کا گودام بنا دیا گیا اور اس میں ۲ ہزار سپاہیوں پر مشتمل حفاظتی فوج تعینات کرنے کے علاوہ بیس بھاری توپوں کو اس کی فصیل پر نصب کر دیا گیا۔ ملتان کے نواب نے وعدہ کے مطابق خراج ادا کرنے میں کچھ تاخیر کی تو بابو باج سنگھ جستا سنگھ بھنگی اور ممدوٹ کے خان قطب الدین (سابقہ والی قصور) کے لیے احکامات جاری کیے گئے کہ وہ نواب اور اس علاقے کے زمینداروں سے (جنہوں نے لاہور کی نئی حکومت کو اپنی اطاعت پیش کی ہے) واجب الادا خراج وصول کرنے کے لیے فوری طور پر ۵ ہزار سواروں کے ساتھ ملتان روانہ ہوں۔ یہ مہم تمام خراج کو اکٹھا کر کے تین ماہ کے بعد واپس لوٹ آئی اور محکم چند دو آبہ کے علاقہ سے چھ لاکھ روپے کے ایک نذرانے کے ساتھ پہنچ گیا۔ اس مہم کو موسم برسات کے دوران جاری رکھا گیا۔ لہٰذا دیوان آنند پور مکھو وال سے نشیب تک پورے علاقہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا' جس پر پہلے بھبجل سنگھ اور تارا سنگھ گھیبہ کی حکومت تھی۔ مہاراجہ دیوان کی بہترین خدمات سے بہت خوش ہوا۔

اسی سال ۱۸۰۸ء میں پہلے احمد شاہ اور پھر شاہ زمان کے ایک مشیر خاص ٹھاکر داس کا بیٹا بھوانی داس (جو شاہ شجاع کی زیر نگرانی ایک افسر مال تھا) مایوسی کی حالت میں کابل کے دربار کو خیرباد کہہ کر لاہور آ گیا' جہاں مہاراجہ نے اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ وہ ایک ممتاز ماہر مالیات تھا۔ اس وقت ریاست لاہور کی آمدنی تقریباً تیں لاکھ روپے تھی اور سرکاری حسابات یا خزانے کا کوئی نظام موجود نہیں تھا۔ مالی کاروبار کا انتظام امرتسر کے بینکار رامانند کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ وہاں اسے پنڈ دادن خان کی نمک کی کانیں بھی پٹہ پر دی گئی تھیں۔ بھوانی داس کو محکمہ مال کا سربراہ بنا دیا گیا۔ لہٰذا اس نے پہلی مرتبہ انتظامی اور عسکری محکموں کے لیے حسابات کا ایک نظام متعارف کرایا۔ اگلے برس اس کا بھائی دیوی داس بھی اس کے ساتھ آن شامل ہوا' جو مشہور و معروف ابدالی شاہ کے وزیر اعلیٰ شاہ ولی خاں کے بیٹے وزیر شیر محمد کا دیوان تھا۔ اسی سال ۱۸۰۸ء میں مہاراجہ کی مہر' کرم چند (جو پہلے بشن سنگھ کلال کی ملازمت میں تھا) کے حوالے کی گئی۔ وہ لاہور کے رتن چند داڑھی والا کا باپ تھا۔

رنجیت سنگھ نے جس باقاعدگی سے جارحیتیں کیں اور غاصبانہ قبضے کیے اور جس قسم کی جنگی تدابیر اختیار کیں' اس سے صاف نظر آ رہا تھا کہ تمام سکھوں کا بادشاہ(۱۲) (کیونکہ وہ اب خود کو یہی کہتا تھا) سندھ سے جمنا تک پھیلی ہوئی سکھ بادشاہت قائم کرنے کا خواہش مند تھا۔ مالوہ اور سرہند کے سکھوں کو بہت زیادہ تشویش لاحق تھی۔ کیونکہ ان کو لاہور کے حاکم کی جارحانہ حکمت عملی میں اپنی تباہی صاف نظر آ رہی تھی۔ ان کے پاس اب صرف دو ہی متبادل راستے بچے تھے۔ یا تو لاہور کے فاتح کی اطاعت کر لیں' یا ہندوستان کی غالب حکومت (ایک ایسی حکومت' جس کے سامنے سکھوں کا نیا مہاراجہ بھی کانپتا تھا) کی پناہ حاصل کر لیں۔ سامانہ(۱۳) میں (اس مقصد کے لیے کہ ان متبادل راستوں سے کس کو اختیار کیا جائے) پٹیالہ' جھنڈ اور نابھہ کے سکھ سرداروں کے منعقدہ ایک اجلاس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ موخر الذکر راستے کو منتخب کر لیا جائے۔ چنانچہ جھنڈ کے راجہ بھاگ سنگھ' کیتھل کے بھائی لعل سنگھ' پٹیالہ کے دیوان سردار چین سنگھ اور نابھہ کے نمائندہ خاص میر غلام حسین پر مشتمل ایک رسمی وفد مارچ ۱۸۰۸ء میں برطانوی نمائندہ مقیم مسٹر سٹین سے ملاقات کرنے اور حکومت برطانیہ کی پناہ کے لیے درخواست کرنے دہلی روانہ ہوا۔ یکم اپریل کو وفد کے ارکان نے مسٹر سٹین کو ایک تحریری یادداشت پیش کی' جس میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔ اس دستاویز میں یہ نکتہ اٹھایا گیا کہ ستلج کی

ریاستیں ہمیشہ بادشاہ دہلی کی زیر حفاظت رہی ہیں اور جنگ کے وقت اسے خدمات بہم پہنچاتی ہیں۔ پس جس وقت درانی بادشاہ احمد شاہ نے بادشاہ دہلی محمد شاہ کے ساتھ جنگ چھیڑ دی تو پٹیالہ کا راجہ علا سنگھ اپنے حصے کے سپاہیوں کے ہمراہ وزیر قمرالدین خان کی فوج میں موجود تھا۔

دوبارہ جب احمد شاہ نے دہلی فتح کر لیا اور دارالحکومت میں نواب نجیب الدولہ کو اپنا صوبیدار بنایا تو پٹیالہ کے راجہ نے نواب کی طرف سے بھارت پور کے راجہ جواہر سنگھ کے خلاف لڑنے کے لیے سردار بھولا سنگھ کی قیادت میں ۴ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ نواب کو فراہم کیا۔ دیگر واقعات کا حوالہ بھی دیا گیا لیکن انہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ وفد کے ارکان نے ان وجوہات کی بناء پر حکومت برطانیہ سے درخواست کی کہ انہیں پناہ دی جائے اور ستلج کے جنوب مشرق میں تمام ریاستوں تک غالب حکومت کو توسیع دے دی جائے۔ بلاشبہ ان ریاستوں کا رویہ دوستانہ تھا اور حکومت ہند نے اپنی طرف سے کرنال میں کنج پورہ کے نواب کو یہ یقین دہانی کرا دی تھی کہ اس کی موروثی املاک کا احترام کیا جائے گا۔ جب کہ سکری کے سکھ سردار کی خدمات کا اعتراف کیا گیا تھا۔ لہٰذا حکومت ہند کی یہ حکمت عملی تھی کہ وہ سس ستلج ریاستوں کے ساتھ تعلقات کے معاملہ میں احتیاط سے کام لے۔ حکومت برطانیہ کے وکیل نے لاہور کے حکمران کے ساتھ ان کے تعلقات میں برطانوی حکومت کی براہ راست مداخلت کے متعلق متحدہ سکھ سرداروں کے وفد کے ارکان سے کوئی وعدہ نہیں کیا لیکن اس کے باوجود انہیں یہ امید دلائی گئی کہ برطانوی حکام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور جب وقت آیا تو ان کی مدد ضرور کی جائے گی۔ جواب اگرچہ حوصلہ افزا تھا لیکن فیصلہ کن نہیں تھا اور کسی لحاظ سے بھی سرداروں کو قطعی طور پر تباہی سے محفوظ رکھنے کے لیے کافی نہیں تھا۔ دریں اثناء اس سفارت کی خبر لاہور میں رنجیت سنگھ کے پاس پہنچی تو وہ انہیں اپنا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں کی طرف جانے سے روکنے کے لیے مستعد ہو گیا۔ چنانچہ اس نے امرتسر میں ان سرداروں کا اجلاس منعقد کیا' جہاں وہ لاہور کے تسلیم شدہ حکمران کے ساتھ اپنی شرائط طے کرنے کے لیے گئے۔ رنجیت سنگھ نے نہایت توجہ اور خلوص دل کے ساتھ ان کا والہانہ استقبال کیا اور ان کے خدشات کو دور کرنے کے لیے حتی المقدور کوشش کی۔

جس وقت ان معاملات کو التوا میں ڈالا گیا تو اسی وقت ہندوستان کے سیاسی پہلو میں زبردست تبدیلی رونما ہوئی اور لارڈ کارن ویلس کی وضع کردہ عدم مداخلت کی حکمت عملی

کو ہندوستان کے نئے گورنر جنرل لارڈ منٹو نے یکسر ترک کر دیا۔ وہ ایک زبردست سیاست دان تھے اور انتظامی ڈھانچے کے سلسلہ میں ان کا خصوصی تجربہ تھا۔ فرانس کا بادشاہ پرعزم نپولین بوناپارٹ اب اپنی طاقت کے عروج پر تھا۔ اس نے یورپ میں نہایت شاندار فتوحات حاصل کی تھیں اور حال ہی میں روس کے بادشاہ کے ساتھ اس نے ایک معاہدہ بھی کر لیا تھا اور اب اس کے بارے میں خیال ظاہر کیا جانے لگا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ (ترکوں اور ایرانیوں کے ساتھ) لہٰذا اس کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے لارڈ منٹو نے نہ صرف جمنا اور ستلج کے پار بلکہ دریائے سندھ کے پار حکومتوں سے بھی ایک دفاعی اتحاد کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ کابل کے بادشاہ شاہ شجاع کے دربار میں' شاہ ایران کے دربار میں اور لاہور کے حکمران رنجیت سنگھ کے دربار میں (جس کی حکومت اب پنجاب میں مضبوطی سے قائم ہوگئی تھی) ان بادشاہوں سے گفت و شنید کرنے اور انہیں اس بات پر قائل کرنے کے لیے کہ ان کے مفادات انگریزوں کے ہم آہنگ ہیں اور فرانسیسی حکومت کی طرف سے اس ملک پر حملہ کی صورت میں سب سے پہلے سکھوں کو نقصان پہنچے گا' سفیر روانہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ اس نے ان پر متحدہ حکمت عملی کی ضرورت پر زور دیا کہ یہی وہ طریقہ ہے' جس سے وہ دشمن کو دور رکھنے کی امید کر سکتے ہیں۔ اگست ۱۸۰۸ء میں مسٹر ا-لفنسٹون کو کابل کے دربار' سر جان میلکم کو تہران کے دربار' مسٹر (بعد ازیں لارڈ) سی۔ ٹی میٹکالف' بنگال کے ایک نوجوان عہدیدار (جن کا شمار لارڈ ویلزلی کے نہایت قابل شاگردوں میں ہوتا تھا اور جو سیاسی بصیرت اور ثابت قدمی کے لیے اپنا لوہا منوا چکے تھے) انہیں برطانوی حکومت کے مختار کل کی حیثیت سے لاہور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں بھیجا گیا۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سس ستلج ریاستوں کے خلاف رنجیت سنگھ کی جارحانہ حکمت عملی لاہور کے لیے اس سفارت کو بھیجنے کا ایک اور محرک تھا۔

مسٹر میٹکالف ۲۲ر اگست کو پٹیالہ پہنچے۔ لہٰذا راجہ صاحب سنگھ نے ان کا والہانہ استقبال کیا۔ راجہ نے اس نمائندے سے اپنی پہلی سرکاری ملاقات میں اسے ریاست کی چابیاں پیش کر دیں۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو انگریزوں کی پناہ میں دے دیا ہے اور درخواست کی کہ چابیوں کی سپردگی دراصل ایک یقین دہانی کے طور پر ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک امانت کے طور پر اپنی ریاست کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔ حالانکہ برطانوی افسر نے چابیوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن اس نے

راجہ کو یقین دلایا کہ حکومت برطانیہ اس کے لیے نیک خواہشات کے جذبات رکھتی ہے۔ اس نے مزید کہا کہ جاپیاں کافی عرصہ سے راجہ کے اپنے ہاتھوں میں محفوظ رہی ہیں اور وہ وقت قریب آ رہا ہے' جب وہ کافی عرصہ تک اس کے ہاتھوں ہی میں رہیں گی۔ اب راجہ نے رنجیت سنگھ کی طرف سے اس کے علاقے پر حملہ کی دھمکی کے پیش نظر پٹیالہ اور دیگر قلعوں کو مستحکم کرنے کے لیے تدابیر اختیار کیں۔

پنجاب میں رنجیت سنگھ کی طاقت

اس وقت مہاراجہ کے پاس لاہور میں' اس کی فوج میں جھنڈ کا راجہ بھاگ سنگھ' نابھہ کا راجہ جسونت سنگھ' کیتھل کا بھائی لعل سنگھ اور لاڈوا کا سردار گوروبت سنگھ شامل تھے۔ پٹیالہ کے راجہ' تھانیسر شاہ آباد' بریہ' .سیہ اور کالسیہ کے راجاؤں نے اپنے نمائندے بھیجے تھے۔ دہلی کے اجلاس میں حوصلہ شکن جواب اور پٹیالہ میں راجہ صاحب سنگھ کے ساتھ مسٹر میٹکالف کی حالیہ ملاقات سے (جس میں پٹیالہ کے راجہ کو سفارش کی گئی تھی کہ وہ اپنی طاقت پر انحصار کرے) ہر سردار نے دربار لاہور کو اپنی پناہ سمجھنا شروع کر دیا اور انگریزوں کے التفات اور مدد کی بجائے ان کا لاہور کے حکمران کے رحم و کرم پر زیادہ بھروسہ ہوگیا۔ اب ہر ایک نے رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی طاقت اور خوش قسمتی کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنی پرعزم زندگی میں (جو غیر محدود معلوم ہوتی تھی) ہر علاقے میں بغیر کسی روک ٹوک کے شہر پہ شہر فتح کیا۔ اس کی بڑی کامیابی یہ تھی کہ اپنے خلاف تشکیل پانے والی مضبوط ترین جماعتوں کی حمایت حاصل کر لی تھی۔ اس نے متحدہ مثلوں کی طاقت کو توڑ دیا اور متعدد مغرور قبائل اور خاندانوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ اس کی افواج نے قدیم حائیڈ سپیز اور بیاس کے درمیانی علاقوں کو فتح کیا۔ خاص پنجاب کو تشکیل دیا۔ حتیٰ کہ خاص پنجاب کی حدود سے بھی آگے تک نکل گیا۔ افغان جو پنجاب کے شمال مغربی حصے پر قابض تھے' پٹھانوں کا سدوزئی خاندان' جس کا صوبہ ملتان پر قبضہ تھا اور کانگڑا کا پہاڑی راجہ (جو پہلے ہی اس کی طاقت کو تسلیم کر چکے تھے) وہ انھیں معمولی غلام سمجھتا تھا۔ بطور مہاراجہ لاہور' اب اس کی یہ زبردست خواہش تھی کہ تمام سکھ ایک جھنڈے تلے متحد ہو جائیں اور ستلج سے جمنا کے کناروں تک اپنی حکومت کو توسیع دے دے اور ان دریاؤں کے درمیان جملہ خود مختار ریاستوں کو اپنی سلطنت میں ضم کر لے۔ ستلج میں اس کی گزشتہ دو مہمات کو کافی کامیابی حاصل ہوگئی تھی۔ اس کے کامیاب ڈاکوں اور فتوحات نے اسے امید دلا دی تھی کہ دوسرے سال میں ستلج سے جمنا تک کا پورا علاقہ اس کی نئی سلطنت لاہور میں شامل ہو

جائے گا۔ وہ اپنے انعام و اکرام میں سخی اور علاقوں کو ضبط کرنے میں بہت سخت تھا۔ اگرچہ اس کی رعایا اس سے محبت نہیں کرتی تھی لیکن وہ دہشت انگیز تھا اور اس کے اردگرد کے لوگ اس کا بہت احترام کرتے تھے۔ اس کو مکمل اختیار حاصل تھا۔ لہٰذا ایک ریاست کے سردار سے لے کر عام سپاہی تک ہر کوئی اس کا حکم مانتا تھا۔ برطانوی نمائندے نے ذاتی طور پر مشاہدہ کرایا تھا کہ سس ستلج کے راجگان اور دیگر سردار اس کے کس قدر اطاعت گزار ہیں۔ جہاں تک اس کی خواہش کے منتخب شدہ مقصد سس ستلج کا تعلق تھا' اس کو انگریزوں کی طرف کوئی دلکشی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ جن کے مفادات وہ جانتا تھا کہ اس کے برعکس ہیں۔

برطانوی نمائندہ' لاہور کی طرف روانہ ہوا لیکن جیسے ہی وہ پہنچا' چالاک مہاراجہ دوہرے مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے تحصیل شدہ شہر قصور میں چلا گیا۔ پہلا یہ کہ وہ ستلج کے پار اپنی پیش قدمی کے لیے تیاری کر سکے اور دوسرا یہ کہ برطانوی نمائندے کو اپنے اہم شہر لاہور اور امرتسر دیکھنے سے روک سکے۔ مسٹر میٹکالف ۱۱ر ستمبر کو قصور پہنچے۔ شہر سے کچھ فاصلے پر دیوان محکم چند اور سردار فتح سنگھ آہلووالیہ نے دو ہزار سواروں کی فوج کے ہمراہ ان کا استقبال کیا۔ وہ حکومت برطانیہ کی طرف سے مہاراجہ کے لیے تحفہ کے طور پر ایک انگریزی گاڑی' گھوڑوں کا جوڑا' سنہری کشیدہ کاری سے مزین ہودوں اور زین والے تین ہاتھی اور شالیں وغیرہ لے کر آئے۔ مہاراجہ نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور ان کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں لیکن موخر الذکر نے گفت و شنید کے موضوع پر بحث سے بڑی ہوشیاری سے احتراز برتا۔ آخرکار ایک نجی ملاقات میں انہیں بیان کر دیا گیا' جیسا کہ توقع کی جا سکتی تھی' مہاراجہ نے برطانوی اتحاد کی پیش بینی پر اطمینان کا اظہار کیا لیکن اپنے آپ کو ستلج کے مشرق تک محدود رکھنے کی اس تجویز پر رضامندی کا اظہار نہ کیا۔ جہاں تک ہندوستان پر فرانسیسی حملے کی اطلاع کا تعلق تھا' اس نے اس معاملہ سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ گفت و شنید میں ابھی زیادہ پیش رفت نہیں ہوئی تھی کہ مہاراجہ نے اچانک پڑاؤ اٹھایا اور عزیز الدین کو ہدایات دے کر کہ وہ نمائندے کے ساتھ اس کے پیچھے آئے' ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ' ستلج کے جنوب میں واقع اضلاع پر تیسری مرتبہ حملہ کر دیا۔ نمائندہ اس کی طرف سے عدم رواداری کے اظہار پر بجا طور پر ناراض ہوا' لیکن وہ ثابت قدمی اور صبر و تحمل کا حامل شخص تھا' لہٰذا وہ کسی کی طرف مہاراجہ کے پیچھے روانہ ہوا' جہاں ان دونوں کے درمیان ایک اور ملاقات ہوئی' لیکن بہتر نتائج ظاہر نہ ہو سکے۔ فیروزپور میں ایک نذرانہ

وصول کرنے کے بعد' مہاراجہ نے اپنے جرنیل' کرم چند چھاہل کو' فرید کوٹ پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا' جس نے بغیر کوئی مزاحمت کیے یکم اکتوبر کو ہتھیار ڈال دیے' مہاراجہ بذات خود' کرم چند کے پیچھے روانہ ہوا اور معزول سردار کے خزانوں اور اثاثوں پر قبضہ کرنے کے بعد' دیوان چند کو اس کا انتظام سونپا۔ برطانوی نمائندہ جس نے ایک تحریری معاہدہ پیش کیا تھا' اس کے پیچھے جانے سے احتراز برتا۔ اس کے بعد وہ پٹھانوں کے علاقہ' مالیر کوٹلہ کی طرف روانہ ہوا' جس پر عطا اللہ خاں کا قبضہ تھا' اس سے مہاراجہ نے ایک لاکھ روپے بطور خراج کا مطالبہ کیا' راستے میں آنے والے اس کے متعدد دیہاتوں کو تاخت و تاراج کر دیا گیا اور اب اسے دھمکی دی گئی کہ اگر اس نے بلا تاخیر جرمانہ ادا نہ کیا تو اس کے شہر میں غارت گری مچا دی جائے گی۔ خاں نے سکھ مہاراجہ کے بھاری مطالبہ سے دب کر جرمانے کا ایک حصہ نقد ادا کیا اور باقی ماندہ' جمال پور کے قلعہ کو اور دیگر تین قلعوں کو پٹیالہ کے راجہ کے پاس رہن رکھ کر' پورا کیا گیا۔ پٹھان سردار نے اس علاقے میں' برطانوی نمائندے کی آمد پر اس مسئلے کو اس کے سامنے رکھا' لیکن مسٹر میٹکالف نے اگرچہ' مظلوم سردار سے ہمدردی کا اظہار کیا مگر مداخلت سے پرہیز کیا۔ مزید براں' نمائندے نے یہ جان کر کہ مہاراجہ اسے فرید کوٹ میں ٹھہرا کر اپنی حدود کو توسیع دینے کے لیے اسے آلہ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے' اس نے اس کے پڑاؤ کے ساتھ مزید آگے جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے مہاراجہ کی طرف سے ان تمام سرداروں پر حملہ کرنے کے سلسلہ میں دشمنی کی کارروائیاں کرنے پر اس سے احتجاج کیا' کیونکہ انہوں نے اس کی حکومت سے پناہ کی درخواست کی تھی اور بڑی لاپرواہی سے اس کی اس درخواست کو ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ اس کے ہمراہ انبالہ جائے۔ نمائندے نے بجاطور پر' اس پہ زور دیا کہ لاہور کے حکمران سے اس کی ملاقات کا مقصد' اس نوعیت کی گفت و شنید کرنا تھا' جس کو صرف مہاراجہ ہی بڑے اچھے طریقے سے سمجھ سکتا ہے' کیونکہ یہ اس حقیقت سے آشکار ہے کہ اس نے بڑی جانفشانی سے اس موضوع پر تمام بحث مباحثوں سے احتراز برتا اور اس کی سفارت کا مقصد بھی یہی تھا کہ جس بات سے وہ بخوبی واقف تھا' اس کی براہ راست مخالفت کے سلسلہ میں کام کیا۔ لیکن لاہور کے حکمران کا مقصد' نمائندے کو جل دینا اور وقت حاصل کرنا تھا۔ مسٹر میٹکالف نے رنجیت سنگھ کے ساتھ اپنی بات چیت کے بارے میں ایک تفصیلی بیان چھوڑا ہے' لہذا سکھ حکمران کے ساتھ اس کی ایک ملاقات کے بارے میں نمائندے کے بیان سے حاصل کردہ اقتباس' جو ذیل میں دیا گیا ہے' دلچسپی کا حامل ہوگا:

"راجہ نے اپنی خواہشات کے مقصد سے برعکس کہا کہ اس کے ذہن میں صرف ایک تھوڑا سا شک باقی ہے کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ گورنر جنرل نے اس ادنیٰ سی درخواست کی منظوری دینے سے ہچکچاہٹ کیوں محسوس کی۔ اس نے کہا کہ اس نے حکومت برطانیہ سے کبھی کسی علاقے کا مطالبہ نہیں کیا۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اپنی قوم کے افراد کے ساتھ معاملات نپٹانے کے لیے اسے چھوڑ دیا جائے اور کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔ اور وہ سب اس کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہیں' لہٰذا وہ گورنر جنرل کو صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس کو سب تسلیم کرتے ہیں' اس کے ساتھ جھگڑا مول نہ لے' یہ کہ حکومت برطانیہ کئی مواقعوں پر بہت زیادہ آمدنی کے حامل علاقوں سے دستبردار ہو چکی ہے اور وہ اس سلسلہ میں خوب اچھی طرح جانی پہچانی جاتی ہے کہ اپنے دوستوں کے لیے قربانیاں دیتی ہے اور یہ کہ وہ اپنی چھوٹی سی درخواست کی منظوری کے سلسلہ میں پس و پیش برتنے کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ میں نے اس پر یہ کہا کہ اگر اس کی درخواست ادنیٰ مقصد کی حامل ہے' تو اس نے جس جانفشانی کے ساتھ اس کی پیروی کی ہے' وہ حیران کن ہے اور اگر یہ اہم ہے تو اسے اس بات پر حیران نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے بارے میں ذرا سا بھی تامل برتا جائے گا"۔

لیکن چار سال پیشتر مہاراجہ نے بذات خود لارڈ لیک کے سامنے تجویز پیش کی تھی کہ دریائے ستلج کو دونوں ریاستوں کے درمیان سرحد مان لیا جائے اور ۱۸۰۸ء میں ستلج کی ریاستوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوال اٹھانے کو اس معاہدہ کے لیے ایک رخنہ سمجھا جا سکتا تھا' جو اس نے خود کیا تھا۔ یقیناً یہ پنجاب میں اس کی بڑھتی ہوئی عسکری طاقت کے باعث تھا۔ لیکن اس کے برعکس نمائندہ دریائے ستلج کے کنارے پر فتح آباد میں ہی رہا۔ حتیٰ کہ رنجیت سنگھ نے دوبارہ دریا کو پار کیا اور اس مقام پر اسے اپنی حکومت سے مزید احکامات ملے۔

اسی اثناء میں رنجیت سنگھ نے اپنی انبالہ کی جانب پیش قدمی جاری رکھی اور سردار گور بخش سنگھ کی بیوہ' رانی دیا کور سے بمعہ اس کے اطاعت گزار علاقوں کے' اسے چھین لیا اور اس بدقسمت خاتون کے تمام جواہرات اور خزانوں پر بھی قبضہ کر لیا' اس خاتون کی ضبط شدہ جاگیریں' نابھہ اور کیتھل کے سرداروں کو دے دی گئیں۔

انبالہ' مہاراجہ کے منظور نظر ایک ادنیٰ ملازم' گنڈا سنگھ صافی کے حوالے کر دیا گیا اور

۵ ہزار سوار اور پیادہ فوج اس کی کمان میں دے دی گئی۔ تب اس نے سنی وال' چاند پور' جھندر' دھاری اور بہرام پور پر قبضہ کیا۔ تمام کی مالیت ۵۰ ہزار روپے سالانہ تھی' انہیں اپنے منظور نظر دیوان محکم چند کو عنایت کر دیا۔ اس کے بعد رحیم آباد' لچھی واڑا' کنہ' تروکوٹ' چلووُدی اور کیلاور پر قبضہ کیا گیا اور اپنے اردگرد کے پسندیدہ سرداروں' کرم سنگھ ناگلہ' فتح سنگھ آہلووالیہ اور دوسروں کے حوالے کر دیے۔ تب شاہ آباد کے سردار کرم سنگھ کے بیٹوں اور تھانیسر کے سردار سے خراج وصول کیا گیا۔(۱۴)

شاہ آباد میں مہاراجہ نے پٹیالہ کے راجہ صاحب سنگھ سے ایک ملاقات کی تجویز پیش کی۔ راجہ اس دعوت کو قبول کرنا نہیں چاہتا تھا' مگر ڈر کے مارے آخرکار ایسا کرنے پر مجبور ہوگیا۔ ۲۴ر نومبر ۱۸۰۸ء کو شاہ آباد کی سڑک پر واقع' پٹیالہ کے مشرق میں بیس میل کے فاصلے پر لکھنوّر کے مقام پر مہاراجہ کے ساتھ اس کی ملاقات ہوئی۔ بابا نانک کے قابل احترام وارث' بابا صاحب سنگھ بیدی کی وہاں موجودگی نے لاہور کے حکمران کی طرف سے فریب کیے جانے کے بارے میں راجہ کے خدشات کو بڑی حد تک ختم کر دیا۔ مہاراجہ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ لکھنوّر پہنچا' جسے ستلج کے جنوب میں واقع ریاستوں کو تسخیر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ ہر سردار کو دوسرے سے دغابازی کا خدشہ تھا۔ یہ ملاقات بیدی کے خیموں میں منعقد ہوئی۔ مہاراجہ نے راجہ صاحب سنگھ کا بڑی مہربانی اور خلوص کے ساتھ استقبال کیا۔ رنجیت سنگھ نے' راجہ صاحب سنگھ سے دائمی دوستی کی قسم کھائی اور بھائی چارے کی علامت کے طور پر اس کے ساتھ پگڑی بدل لی۔ اگلے روز ہر سردار نے رسمی معاہدات پر مہریں ثبت کر کے دستخط کیے۔ چونکہ اب تماشا ختم ہوگیا تھا' اس لیے رنجیت سنگھ نے ۲ر دسمبر کو دوبارہ ستلج کو پار کیا' اس کی فوج میں' جھنڈ کا راجہ بھاگ سنگھ' کیتھل کا بھائی لعل سنگھ اور سس ستلج ریاستوں کے دیگر سردار بھی شامل تھے۔ وہ تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا امرتسر کی طرف روانہ ہوا اور ۴ر دسمبر کو وہاں پہنچا تو برطانوی نمائندہ مسٹر میٹکالف بھی وہاں پہنچ گیا۔

حکومت برطانیہ کا الٹی میٹم

اب گورنر جنرل کے فیصلے سے مہاراجہ کو آگاہ کر دیا گیا کہ سس ستلج کے سرداروں کو حکومت برطانیہ کے زیر حفاظت قرار دیا گیا ہے اور یہ کہ لاہور کی حکومت اس سے اپنا ہر قسم کا تعلق ختم کر لے۔ حکومت نے دلیل پیش کی کہ کافی عرصہ سے ان سرداروں کو ہندوستان کے شمال میں حکومت کی زیر حفاظت سمجھا گیا ہے کہ مرہٹوں کے ساتھ جنگ

شروع ہونے کے باعث حکومت برطانیہ اس حکومت اور اختیار کی مالک بن گئی ہے' جو پہلے شمالی ہندوستان میں اس قوم کے پاس تھا۔ یہ کہ اس وقت مہاراجہ نے ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقہ پر کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا اور یہ کہ اس جنگ کے ابتدائی دور میں سابقہ لارڈ لیک کو مہاراجہ کی طرف سے ایک پیغام ملا' جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ ستلج کو حکومت برطانیہ اور اس کی حکومت کے درمیان سرحد مقرر کیا جائے۔ وہ اس بات کا بین ثبوت تھا کہ مہاراجہ ان دنوں اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ مذکورہ علاقے کا ہندوستان کے شمال میں برتر حکومت پر انحصار ہے۔ مسٹر میٹکالف نے ۱۲ر دسمبر کو اپنے بیان میں لکھا:

"جب سے حکومت برطانیہ اس صورت حال میں آئی ہے' اس نے ستلج اور جمنا کے درمیان سرداروں کو خراج اور مددگاری سے نجات دے دی ہے' جو وہ مرہٹوں کو ادا کرتے تھے اور انہیں اختیار دیا ہے کہ وہ بغیر کسی مداخلت یا روک ٹوک کے اپنے معاملات انجام دیتے رہیں۔ لیکن حکومت برطانیہ کی طرف سے اس فیاضی کا مطلب ان سرداروں کا فائدہ ہے' نقصان نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ حکومت برطانیہ کی برداشت کا فائدہ اٹھا کر کوئی دوسری حکومت ان کو تنگ کرے یا مطیع بنا لے' جنہیں حکومت برطانیہ پناہ اور نجات دینا چاہتی ہے"۔

ان بنیادوں پر یہ اعلان کیا گیا کہ حکومت برطانیہ مہاراجہ یا کسی اور طاقت کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ ان سرداروں کو مطیع بنائے اور اعلان کیا گیا کہ وہ سردار قائم شدہ رسم کے مطابق پہلے بھی تھے اور آئندہ بھی حکومت برطانیہ کی زیر حفاظت رہیں گے۔ چنانچہ مہاراجہ کو کہا گیا کہ وہ ستلج اور جمنا کے درمیان واقع تمام مقامات کو' جنہیں اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے (اس وقت سے جب حکومت برطانیہ کو اس سوال کا پہلی مرتبہ حوالہ دیا گیا) ان کے سابقہ مالکان کے حوالے کرے اور اپنی فوج کو ستلج کے دائیں کنارے تک محدود کر دے۔

رنجیت سنگھ ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقوں میں فتح کیے گئے اپنے پسندیدہ مقامات سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے مختلف حیلے بہانوں سے گاہے بگاہے بات چیت کو طول دے دیا۔ لہٰذا اس نے یہاں تک سمجھ لیا تھا کہ گورنر جنرل کا اعلان حتمی نہیں ہے۔ آخرکار جب اس کو یہ یقین دہانی کرا دی گئی کہ حکومت ہند کا فیصلہ ناقابل تردید ہے' تو اس نے انگریزوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیاریاں کر لیں۔ فوجی تیاریاں کرنے کے سلسلہ میں بڑی سرگرمی دکھائی دیتی تھی۔ تمام علاقوں سے فوج جمع کی گئی۔ جنگی اسلحہ اور

ذخائر جمع کیے گئے۔ امرتسر میں گووند گڑھ کے نئے قلعہ کے دفاع کو مستحکم کیا گیا۔ فصیلوں پر توپیں نصب کی گئیں اور محاصرہ کی صورت میں استعمال کے لیے اشیائے صرف کی ایک بہت بڑی مقدار فراہم کی گئی۔ قلعے کو خوب مضبوط کر دیا گیا۔ مہاراجہ کے پسندیدہ دیوان اور اس کے ایک بہترین جرنیل محکم چند کو فوری طور پر کانگڑا سے واپس بلایا گیا اور ستلج کے کنارے لدھیانہ شہر کی مخالف سمت پر ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ پھلور کے مقام پر تعینات کیا گیا۔ اسی اثناء میں لارڈ منٹو نے لاہور کے حکمران کے ساتھ بات چیت کے سلسلہ میں برطانوی نمائندے کی مدد کرنے اور رنجیت سنگھ کو دریا کے شمال میں موثر طور پر پابند کرنے کے لیے برطانوی فوج کے ایک دستہ کو روانہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس فوجی دستہ نے سر ڈیوڈ او چٹرلونی کی قیادت میں ۱۶ر جنوری ۱۸۰۹ء کو دریائے جمنا پار کیا۔ رسمی طور پر اعلان کیا گیا کہ ستلج کے جنوبی کنارہ پر تمام سکھ' حکومت برطانیہ کی حفاظت میں ہیں۔ یہ جنرل براستہ بریہ' پٹیالہ اور نابھہ لدھیانہ کی طرف بڑھا اور سرہند کے جملہ سرداروں نے اس کو خوش آمدید کہا۔ اس نے انبالہ' رانی دیاکور کو واپس کر دیا' جس نے حکومت کی طرف سے فیاضی کا مظاہرہ کرنے پر اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ذاتی طور پر برطانوی کمانڈر سے ملاقات کی۔ راجہ صاحب سنگھ اور جسونت سنگھ نے برطانوی افواج کا بڑی گرم جوشی اور خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ انہیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ برطانوی افواج ان کے علاقوں سے گزر رہی ہیں۔ اس کے بعد اس نے مالیر کوٹلہ کا دورہ کیا اور پٹھان حکمران کو اس کی حکومت پر بحال کر دیا۔

برطانوی فوج کی پیش قدمی نے کسی حد تک رنجیت سنگھ کو پریشان کر دیا تھا لیکن اس نے سفیر کی تجاویز کو تسلیم کرنے میں احتراز برتنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اس اثناء میں جنرل او چٹرلونی نے لدھیانہ (جس پر برطانوی فوج نے قبضہ کر لیا تھا) میں اپنے مورچے کو مستحکم بنا لیا تھا۔ جس وقت یہ کارروائی ہو رہی تھی' امرتسر میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا (جو کہ اگرچہ نوعیت کے اعتبار سے معمولی تھا) لیکن اس نے لاہور کے مہاراجہ کے دل میں اپنے انگریز ہمسایہ کے لیے بہت زیادہ احترام بڑھا دیا اور اس میں یہ تحریک پیدا کر دی کہ وہ انگریزوں کے عسکری نظم و ضبط کی پیروی کرے۔ ہوا یوں کہ جس وقت مسٹر میٹکالف امرتسر میں تھے' تو مسلمانوں کا مقدس تہوار محرم منایا جا رہا تھا۔ سفیر کی حفاظتی فوج میں شامل مسلمان ہندوستانی سپاہیوں نے بھی اس موقع کے تقدس اور رسومات کے مطابق تہوار منانا شروع کر دیا۔ تعزیہ کا ایک جلوس تیار کر کے گاتی بجاتی ٹولیوں کی صورت

میں شہر کی گلیوں میں سے گزارا گیا۔ جیسے ہی یہ پر شور ہجوم اپنی دھوم دھام کے ساتھ دربار صاحب سے ملحقہ اکالیوں کے محلہ کے قریب سے گزرا' تو متعصب سکھوں نے اسے اپنے مذہب اور مقدس شہر کی توہین سمجھا۔ اس وقت ایک بے باک غضبناک اکالی پھولا سنگھ ان کا سربراہ تھا۔ (جسے بعد میں رنجیت سنگھ کے ابتدائی کارناموں کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام ملا) جیسے ہی مسلمانوں کا جلوس روانہ ہوا' ان متعصب سکھوں نے اپنی بندوقوں سے ان پر فائر کھول دیا اور ان کے تعزیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حالانکہ ہندوستانی سپاہیوں کی تعداد سکھوں کے متابلہ میں بہت کم تھی لیکن انہوں نے اس برتاؤ کو خاموشی سے برداشت کر جانا گوارا نہ کیا۔ انہوں نے یک دم حملہ آوروں کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا اور باقاعدہ طور پر ان سے جنگ شروع کر دی۔ ایک زبردست جنگ شروع ہوگئی۔ جس میں ان مٹھی بھر آدمیوں نے سکھوں کو شکست فاش دے دی۔ وہ تعداد کے مقابلہ میں مقامی سپاہیوں کی محض دو کمپنیوں اور سولہ سواروں پر مشتمل تھے۔ اس کے باوجود مکمل طور پر منظم سپاہیوں کے علاوہ برطانوی سفیر کی حفاظتی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ رنجیت سنگھ جو اس وقت گوبند گڑھ کے قلعہ میں تھا' اس لڑائی کا اور اکالیوں کو ہونے والی شکست کا عینی شاہد تھا۔ اس ہنگامے کا سن کر وہ قلعہ میں اپنی رہائش گاہ سے روانہ ہوا۔ اس وقت لڑائی جاری تھی۔ اس نے صلح کی نشانی کے طور پر اپنا رومال ہوا میں لہرایا اور اکالیوں کے رویہ پہ معذرت کرنے کے لیے مسٹر میٹکالف کے خیمہ کی طرف روانہ ہوا۔ ان میں سے چند کو بس برائے نام سی سزا دی گئی۔ اس نے سفیر کی چھوٹی سی حفاظتی فوج کی بہادری پر اس کی بہت تعریف کی اور ان کے نظم و نسق اور ترتیب کو بھی بہت زیادہ سراہا۔ سفیر کی اجازت سے ہندوستانی سپاہیوں کے نقصانات کا مکمل طور پر ازالہ کر دیا گیا۔ یقیناً یہ ہنگامہ سکھ تعصب کا جوش تھا اس کی کوئی سیاسی اہمیت نہیں تھی اور نہ ہی مہاراجہ نے اس کے لیے کچھ کیا تھا لیکن اس سے مہاراجہ نے انگریزوں کی تنظیم کی قدر و قیمت کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اسی وقت سے سکھ مہاراجہ نے اپنی فوج میں اس جیسا نظم و نسق متعارف کرانے کے لیے حتی المقدور ہر ذریعہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔

اب رنجیت سنگھ کو گفت و شنید میں مزید تاخیر کرنے میں خطرہ محسوس ہونے لگا۔ اس نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ حکومت برطانیہ مستعد ہے اور کسی صورت میں بھی اپنی ثابت قدمی سے نہیں ہٹے گی۔ آخرکار وہ اس حکومت کے ساتھ فوراً تصفیہ کی اہمیت سے باخبر ہوگیا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ اس کی اپنی حکومت ابھی تک پنجاب

میں مضبوطی سے قائم نہیں ہوئی اور وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ تھا کہ ابھی تک پنجاب کے خود مختار سردار کسی وقت بھی اس کی اطاعت کا جوا اتار پھینک کر انگریزوں کے ساتھ مل سکتے ہیں۔ تب ایک سلطنت قائم کرنے کے لیے اس کے تمام امکانات ختم ہو جائیں گے۔ اس کے بلند خیالات پست ہو جائیں گے اور وہ خود بھی ایسی حکومت کے ساتھ جنگوں میں مصروف ہو جائے گا' جس کے بارے میں وہ بخوبی جانتا تھا کہ کھلے میدان میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے برطانوی حکام کے مطالبہ کے مطابق انتہائی دانشمندی سے اپنی فوجوں کو ستلج کے جنوب سے واپس بلانے کے لیے اپنا ذہن تیار کر لیا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اگر کرنل او چٹرلونی کو برطانوی فوج کے پیچھے سس ستلج ریاستوں کی مدد کے لیے جمنا کے پار نہ روانہ کیا جاتا تو ایک اور حملہ ستلج کے پار پہلے سے کہیں زیادہ مہاراجہ کی حکومت کو مضبوطی سے قائم کر دیتا اور اسے برطانوی حکومت کی برتر حکومت سے حقیر برتاؤ کرنے کے قابل کر دیتا۔ اس بروقت پیش قدمی اور مسٹر میٹکالف کی سفارت کا شکریہ کہ انہوں نے جس سفارتی اہلیت' صبر و تحمل اور ثابت قدمی سے اس کا انتظام کیا' اس نے معاملات کے تاریک ترین پہلو میں بھی انہیں کبھی ناکام نہیں ہونے دیا۔ لہٰذا ۲۵ر اپریل ۱۸۰۹ء کو امرتسر میں ایک معاہدہ طے پایا' جس کی رو سے رنجیت سنگھ اس بات پر رضامند ہو گیا کہ وہ ستلج کے جنوب میں واقع علاقے کو فتح کرنے یا اس پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا اور اس علاقہ کے سکھ شہروں پر بادشاہت کے تمام دعووں کو واپس لے لے گا۔(۱۵)

اس وقت سے ۱۸۴۵ء میں انگریزوں کی طرف سے پنجاب کے الحاق تک سس ستلج ریاستوں کی تاریخ سلطنت ہند کی تاریخ میں ضم ہو گئی اور لاہور میں رنجیت سنگھ کی بے چین خواہش کی قائم کردہ نئی بادشاہت سے علیحدہ رہی۔ اسے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے خاص پنجاب میں نئے حاصل شدہ علاقوں کے شمال مغرب اور جنوب مغرب میں ایک وسیع میدان مل گیا تھا۔

معاہدہ طے پانے کے بعد برطانوی سفیر یکم مئی ۱۸۰۹ء کو امرتسر سے روانہ ہوا۔ سرحد پر برطانوی افسروں کو خبردار کیا گیا کہ وہ لاہور کے راجہ کی کارروائیوں پر نظر رکھیں اور دیکھیں کہ معاہدہ کی شرائط کی خلاف ورزی تو نہیں کی جا رہی۔ تاہم یہ سہرا رنجیت سنگھ کے سر رہتا ہے کہ اس نے آخری دم تک انگریزوں کے ساتھ نہایت ایمانداری سے اس معاہدہ کو نبھایا۔ یہ زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ زیرک مہاراجہ حکومت برطانیہ کی طاقت کے بارے

میں اچھی طرح آگاہ تھا اور اس کا ذاتی مشاہدہ یہ تھا کہ یہ حکومت دوستی اور بھائی چارے کی شرائط کے متعلق پرخلوص ہے اور حقیقی معنوں میں اسے طاقتور اور خوشحال دیکھنا چاہتی ہے۔ کیونکہ فسادات، خون خرابہ اور طوائف الملوکی کے بعد بلا شبہ اس کی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا (برطانوی علاقوں کی سرحد پر) اور وہ کافی دیر تک ذلت اور ابتری کا سرچشمہ ثابت ہوتے اور ان کا اعادہ مہاراجہ کی حکومت کو تباہ و برباد کر دیتا۔

یہ واضح ہو کہ ستلج کی جانب کرنل اوچٹرلونی کی پیش قدمی سس ستلج ریاستوں کے سرداران کی پرزور التجاؤں کے مطابق تھی۔ حکومت برطانیہ نے اس کاوش کے بدلہ میں پناہ دیے گئے سرداروں سے ماسوائے اس کے کہ ان کی حکومت کی اندرونی امن و آشتی اور یگانگت میں استحکام ہو، ان سے کسی بات کا مطالبہ نہ کیا۔ کسی قسم کے خراج کا مطالبہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی لاہور کے راجہ کے ساتھ گفت و شنید کا انتظام کرنے کے سلسلہ میں اٹھنے والے بہت زیادہ اخراجات کے لیے کسی قسم کے معاوضے کا مطالبہ ہی کیا گیا۔ ان سرداروں اور برتر حکومت (جس کی پناہ میں اب وہ آئے تھے) کے درمیان تعلقات کو ۶ر مئی ۱۸۰۹ کو طے پانے والے ایک علیحدہ معاہدے (جسے اطلاع نامہ(۱۶) کہا جاتا ہے) میں بیان کیا گیا ہے اور تمام متعلقہ سرداروں میں بھی اس کا اعلان کر دیا گیا، جنہوں نے حکومت برطانیہ کا اپنی التجا کے کامیاب حل کے سلسلہ میں بہت زیادہ شکریہ ادا کیا اور اپنے سرپرستوں اور محافظوں کے لیے احسان مندی کے جذبہ کا اظہار کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ تاہم خود ان سرداروں کے درمیان تعلقات انتہائی غیر تسلی بخش تھے۔ زیادہ طاقتور سردار کمزور سردار کے علاقہ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ لہٰذا اس کے باعث دشمنیاں، جھگڑے ہوتے اور بہت کشت و خون اور جانی نقصان روز کا معمول تھا۔ چنانچہ ۲۲ر اگست ۱۸۱۱ء کو ایک تیسرا باضابطہ اعلان کیا گیا۔ اس میں انہیں خبردار کیا گیا کہ اگر کسی سردار نے کسی دوسرے کی جاگیروں پر زبردستی قبضہ کر لیا ہو یا دوسرے معنوں میں قانونی مالکان کو زخمی کیا ہو تو یہ ضروری ہے کہ کسی قسم کی شکایت پر قانونی چارہ جوئی کرنے سے پیشتر مالک کو مطمئن کر دیا جائے۔ تاہم اعلان میں کہا گیا کہ اگر اس جائیداد کی بحالی میں تاخیر واقع ہو اور برطانوی حکومت کی مداخلت درکار ہو تو "جاگیروں کی آمدنی" قانونی مالک کی بے دخلی کی تاریخ کے علاوہ فوجوں کی روانگی کے باعث اس جگہ کے مکینوں کو ہونے والے دیگر نقصانات کی ادائیگی کا مطالبہ بغیر کسی پس و پیش کے قصور وار سے کیا جائے اور موجودہ احکامات کی نافرمانی پر معاملہ کی نوعیت اور مجرم کے حالات کے مطابق حکومت کے فیصلہ سے

منصفہ طور پر ایک جرمانہ عائد کیا جائے۔

ان کارروائیوں کے بعد کرنل اوچٹرلونی کی زیر قیادت لدھیانہ میں ایک برطانوی چھاؤنی قائم کی گئی اور بٹالہ کے بخشی نند سنگھ بھنڈاری کو برطانوی جنرل کے ساتھ مہاراجہ کا سفیر مقرر کیا گیا۔ دریں اثناء حکومت برطانیہ نے ایک کائستھ خوش وقت رائے کو دربار لاہور میں اپنے خبرنویس کے طور پر روانہ کیا۔

حوالہ جات

(۱) میکریگر صفحہ ۱۵۶ پر واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے "باغ سنگھ بھنگی' جو اب کنہیا مثل کا سردار تھا' انتقال کر گیا اور اس کا بیٹا' جو اس کا جانشین بنا' اس نے سداکور سے جنگ چھیڑ دی۔ اس نے اپنے داماد کو مدد کے لیے کہا۔ وہ اس کے ساتھ شامل ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ اس نے بٹالہ تک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کیا اور سجانپور کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار اس نے سداکور اور اس کے مخالف میں صلح کرائی اور لاہور واپس آ گیا"۔ یہ بیان مکمل طور پر غلط ہے۔ کبھی بھی باغ سنگھ نام کا کوئی شخص بھنگی مثل کا سردار نہیں رہا۔ لہٰذا وہ کنہیا مثل کی سرداری کس طرح کر سکتا تھا؟ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ سداکور خود کنہیا مثل کی سردار تھی۔ بظاہر یہ واقعہ پہاڑوں کے ساتھ ملحقہ سداکور کے علاقہ پر کانگڑا کے سردار کے ناجائز قبضہ سے متعلق ہے۔ پہاڑی سردار کی کارروائیوں کو بھنگی کے ساتھ منسوب کرنا سراسر بے ضابطگی ہے اور یہ قابل غور نہیں ہے۔

(۲) رائے کنہیا لعل اپنی "تاریخ پنجاب" میں یہاں مظفر خاں اور رنجیت سنگھ کی فوجوں کے درمیان لڑی گئی جنگ کے بارے میں ایک طویل بیان لکھتا ہے' جس میں رنجیت سنگھ فاتح رہا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ سکھ شہر میں داخل ہو گئے اور بلا امتیاز شہریوں کو لوٹا کھسوٹا۔ لیکن آخر کار نواب نے صلح کی درخواست کی۔ لہٰذا اس کی درخواست منظور کر لی گئی۔ میں اس بیان کی ہمعصر مورخین سے مطابقت پیدا کرنے سے قاصر ہوں۔ حقیقت میں جو کچھ بھی رونما ہوا' اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے دیوان امرناتھ کی "تاریخ لاہور" (قلمی نسخہ) اور میکریگر' صفحہ ۱۵۶ اور پنجاب کے سردار' صفحہ ۴۸۳ سے موازنہ کیجئے۔

(۳) مقامی مورخین نے اس موقع پر ہولکر کی فوج کی تعداد کے بارے میں بڑی

مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ رائے کنہیا لعل ۴ ہزار بتاتے ہیں اور دیوان امرناتھ دو لاکھ بیان کرتے ہیں۔ تاہم اس کی تعداد ۱۵ ہزار سے زائد نہیں تھی۔ میجر تھارن کی' جنگ' وغیرہ کی سرگزشت۔

(۴) سمتھ کہتا ہے رنجیت سنگھ نے مرہٹہ سردار جسونت راؤ کا لاہور میں استقبال کیا۔ تاہم یہ خاص امر ہے کہ مرہٹہ سردار نے کبھی بھی لاہور کا دورہ نہیں کیا۔ مرے اور کننگھم کی تواریخ کا موازنہ کنہیا لعل اور امرناتھ کی تواریخ سے کیجئے۔

(۵) اس وقت برطانوی ہندوستان میں لارڈ کارن ویلیس کی وضع کردہ عدم مداخلت کی سخت حکمت عملی موجود تھی اور جمنا کے پار حکومت سے کوئی تعلق نہیں رکھا گیا تھا۔ اسی وجہ سے انگریزوں کے مقابلہ پر رنجیت سنگھ کو ثالث کے طور پر مدعو کیا گیا تھا۔

(۶) رائے الیاس خان ایک مسلمان راجپوت تھا اور ۱۷ ویں صدی کے اختتام تک لدھیانہ کا نہایت اہم شخص تھا۔ اس کا جد امجد تلسی داس جیسلمیر سے آکر ۱۳۲۳ء میں فرید کوٹ میں آباد ہوگیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بیٹے گوپال نے ضلع لدھیانہ میں شاہجہانپور کی بنیاد رکھی اور اس کی اولاد میں سے رائے کالا ۱۴۷۸ء میں تلونڈی کا بانی بنا۔ یہ تلونڈی ابھی تک "رائے کی تلونڈی" کے طور پر مشہور ہے۔ یہ خاندان ۱۶۲۰ء میں عروج پر پہنچا اور لدھیانہ شہر کا مالک بن گیا' جسے ۱۴۰ سال پہلے دو لودھی پٹھانوں یوسف اور نہنگ نے آباد کیا تھا۔ اسی وقت سے اس شہر کو لدھیانہ یا لودھیانہ کا نام دیا گیا۔ موجودہ صدی کے آغاز میں رائے کوٹ' تلونڈی' جنڈالہ یا جنڈیالہ' بدووال' جگراوں' لدھیانہ' .یہ وغیرہ جیسے نہایت اہم شہر رائے الیاس خاں کی بیواؤں کے قبضہ میں تھے۔

(۷) رائے کنہیا لعل یہاں تک مضحکہ خیز کہانی بیان کرتا ہے کہ جب راجہ صاحب سنگھ اور اس کی رانی کے درمیان صلح ہوئی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پٹیالہ کے راجہ کے چھوٹے بیٹے کرم سنگھ کو اپنے گھٹنے پر بٹھایا ہوا تھا۔ بچے نے مہاراجہ کی گردن میں سچے موتیوں کے ہار کو دیکھا تو چلا اٹھا: "یہ تو بالکل اسی طرح کا ہار ہے جو میں پہنا کرتا ہوں۔ مجھے یہ ہار دے دیجئے" بچہ رونے لگا اور اس زیور کو حاصل کرنے کے لیے ضد کرنے لگا۔ رائے کہتا ہے اس پر رنجیت سنگھ نے بچے پر ترس کھاتے ہوئے ہار اسے دے دیا اور کبھی واپس نہیں لیا۔ پٹیالہ کے معاملات پر بہترین مستند تصانیف خلیفہ محمد حسن کی "تاریخ پٹیالہ" اور سر لیپل گریفین کی "پنجاب کے راجگان" ہیں۔ تاہم اس موضوع پر خاموش ہیں۔ مزید برآں اس سلسلہ میں جو کہانی بیان کی گئی ہے' وہ خالصتاً" ایک اختراع ہے۔ جہاں تک کرم

سنگھ کا تعلق ہے' وہ ایک چھوٹا بچہ نہیں تھا بلکہ ۱۰ سال کی عمر کا ایک لڑکا تھا۔ لہٰذا مہاراجہ مشکل ہی سے اس عمر کے ایک نوجوان لڑکے کو اپنے گھٹنے پر بٹھا سکتا تھا۔ لہٰذا جب باپ کی زبردست التجائیں' لالچی سکھ حکمران پر کوئی اثر نہیں کر رہی تھیں' تو یہ تصور کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ بچے کی آہ و زاری نے اتنا قیمتی تحفہ اس کی گرفت سے چھین لیا۔ اس موضوع پر خلیفہ محمد حسن اس طرح لکھتے ہیں: "مہاراج (صاحب سنگھ) پہلے پہل ان اشیاء کو حوالے کرنے پر ہچکچایا لیکن سنگھ صاحب (رنجیت سنگھ) نے ۲۶ر اسوج سمت ۱۸۶۴ کو ایک معاہدہ لکھا اور اس پر اپنی مہر ثبت کر کے وعدہ کیا کہ رائے پور اور گوجر مال کے علاوہ ملحقہ دیہات مہاراج کو دیے جاتے ہیں۔ اس پر مہاراج نے توپ اور ہار کو اس کے سپرد کرنا بہتر خیال کیا۔ ان کو حاصل کرنے کے بعد سنگھ صاحب انبالہ کی طرف روانہ ہوگیا"۔ تاریخ پٹیالہ' صفحہ ۱۹۷۔ اسی مصنف کے مطابق ۲۶ر اسوج' ۱۸۶۴ سمت کو کیے گئے معاہدہ کو مہاراجہ نے پورا نہیں کیا۔ اب یہ واضح ہے کہ بچے کے رونے اور مشہور ہار کو اس کے مالک کو واپس کرنے کی کہانی درست نہیں ہے۔

(۸) میکریگر اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۵۹ پر کہتا ہے کہ نذرانہ گورنجش سنگھ سے وصول کیا گیا لیکن سردار ۲۳ برس پہلے یعنی ۱۷۸۳ء میں فوت ہوچکا تھا۔ ضلع انبالہ کو پہلے سنگت سنگھ نے فتح کیا تھا اور اسے اپنے برادر نسبتی دھیان سنگھ کو دے دیا تھا۔ موخر الذکر نے گورنجش سنگھ اور لعل سنگھ کو اس کے انتظام میں تھانیدار مقرر کیا اور پھر فیروز پور میں سنگھ والا چلا گیا۔ انبالہ کی طرف دھیان سنگھ کی واپسی پر اس کے تھانیداروں نے یہ جگہ اس کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا اور خود ہی مالک بن بیٹھے۔ لعل سنگھ کے انتقال پر گورنجش سنگھ اس کا مختار کل بن گیا۔ گورنجش لاولد انتقال کر گیا۔ لہٰذا اس کی بیوہ دیا کور ۱۷۸۳ء میں اس کی جانشین بنی۔ رنجیت سنگھ نے عارضی طور پر اسے خارج کر دیا لیکن جنرل او چٹر لونی نے اسے بحال کر دیا اور اس نے ۱۸۲۳ء میں اپنے انتقال تک اس پر قبضہ برقرار رکھا۔ تب اس کو حکومت کے سپرد کر دیا گیا۔ سر لیپل گریفین کی تصنیف "راجگان پنجاب" صفحہ ۱۰۰۔

(۹) رائے کہنیا لعل یہاں ذکر کرتا ہے (اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر) کہ مہاراجہ نے ڈسکہ کو سردار ندھان سنگھ سے چھین کر فتح کیا تھا لیکن رائے کی کتاب کے صفحہ ۱۵۳ پر دیے گئے اس کے اپنے بیان کے مطابق ڈسکہ کو ۱۸۰۲ء کے آغاز میں تسخیر کیا گیا۔

(۱۰) جہانگیر کی شکارگاہ جہاں اس شہنشاہ نے خوبصورت عمارات تعمیر کرائیں۔ اب یہ راجہ تیج سنگھ کے مشہور بیٹے راجہ ہرنس سنگھ کی جاگیر ہے۔

(۱۱) پرنسپ کہتا ہے کہ اس مہم کی کمان دیوان محکم چند کے سپرد کی گئی لیکن وہ اس وقت آنند پور مکھو وال وادی کو تسخیر کرنے میں مصروف تھا۔ لہٰذا اس نے شیخوپورہ کی مہم میں کچھ نہیں کہا تھا جو کہ شہزادہ کھڑک سنگھ کی قیادت میں تھی۔ سوہن لعل کے روزنامچے بیوتے شاہ کی تاریخ سے اور دیوان امرناتھ کی سرگزشت سے موازنہ کیجئے۔ یہ سب ہمعصر مورخین ہیں۔

(۱۲) رنجیت سنگھ خالصہ جی کہلوانا زیادہ پسند کرتا تھا۔ جس کا مطلب سکھوں کی پوری جماعت لیا جاتا تھا۔ لہٰذا جملہ سرکاری کاغذات میں اس لفظ کی وہی خصوصیت تھی جو مہاراجہ یا سرکار کی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رنجیت سنگھ کی عظیم فتوحات نے اس کے دماغ میں یہ خیالات پیدا کر دیے تھے کہ وہ پوری سکھ قوم کا بادشاہ ہے۔

(۱۳) پٹیالہ میں۔

(۱۴) رائے کنہیا لعل اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۰ پر ذکر کرتا ہے کہ مالیر کوٹلہ کے نواب سے نذرانہ وصول کرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے پٹیالہ کے راجہ کے علاقے میں قصبہ سنام اور قلعہ بھٹنڈا پر قبضہ کر لیا لیکن راجہ سے ۵۰ ہزار روپے کا نذرانہ وصول کرنے کے بعد اس کے حوالے کر دیے۔ میں نے جتنی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے' کسی میں بھی اس مبینہ واقعہ کا ذکر نہیں ملتا۔ پٹیالہ کے معاملات کے متعلق مستند تصانیف "پنجاب کے راجہ" اور "تاریخ پٹیالہ" اس بارے میں کچھ نہیں کہتیں۔ سر لیپل گریفن اپنی تصنیف (جس کا پہلے بھی حوالہ دیا گیا تھا) میں لکھتے ہیں: "لیکن رنجیت سنگھ ایک جنگجو کے بجائے ایک مدبر زیادہ تھا۔ اس نے ان پر حملہ کرنے کو ترجیح دی جو اپنا دفاع کرنے میں قابل نہیں تھے اور اپنی پیش قدمی کے دوران بہ حشم و احتیاط راجہ صاحب سنگھ کے علاقے کو نقصان پہنچانے سے احتراز برتا...... وہ اگر چاہتا تو راجہ کے علاقے کو شامل کر سکتا تھا لیکن اسے ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوئی"۔ ("پنجاب کے راجہ" صفحہ ۱۱۶)

(۱۵) حکومت برطانیہ اور لاہور کے راجہ رنجیت سنگھ کے مابین معاہدہ۔

۱۸۰۹ء کا معاہدہ

واضح ہو کہ حکومت برطانیہ اور لاہور کے راجہ کے درمیان چند اختلافات پیدا ہو گئے تھے' خوش اسلوبی اور دوستانہ انداز میں ان کا تصفیہ کر لیا گیا ہے اور دونوں فریقین مکمل دوستی اور یگانگت کے تعلقات استوار کرنے کے خواہش مند ہیں۔ مندرجہ ذیل شرائط (جو دونوں فریقین کے وارثوں اور جانشینوں کو پابند رکھیں گی) راجہ رنجیت سنگھ اور حکومت

برطانیہ کی طرف سے چارلس تھیو فیلس بہادر کی معرفت طے پائی ہیں۔

شرط اول: حکومت برطانیہ اور حکومت لاہور کے درمیان دائمی دوستی قائم رہے گی۔ موخر الذکر کو اول الذکر کے مقابلہ میں زیادہ پسندیدہ حکومتوں کے برابر سمجھا جائے گا اور حکومت برطانیہ دریائے ستلج کے شمال میں راجہ کے علاقوں اور رعایا سے کوئی واسطہ نہیں رکھے گی۔

شرط دوئم: راجہ اپنے مقبوضہ علاقوں اور دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر اپنے منحصرین کے علاقوں میں داخلی فرائض کی ضرورت سے زیادہ فوج نہیں رکھے گا اور قرب و جوار کے سرداروں کے حقوق اور علاقوں پر ناجائز قبضہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرے گا۔

شرط سوئم: کسی حکومت کی طرف سے بھی مذکورہ بالا شرائط کی خلاف ورزی اور دوستی کے ضوابط سے انحراف کے باعث اس معاہدے کو منسوخ سمجھا جائے گا۔

شرط چہارم: عزتِ مآب گورنر جنرل ان کونسل کی طرف سے معاہدہ کی توثیق کے لیے بیان کی جاتی ہے۔

دستخط و مہر — دستخط و مہر سی۔ ٹی میٹکالف

راجہ رنجیت سنگھ — (کمپنی کی مہر)

(دستخط) منٹو

۳۰ر مئی ۱۸۰۹ کو گورنر جنرل ان کونسل نے توثیق کی۔

(۴) لاہور کی ریاست کے خلاف سس ستلج سرداروں کے لیے حفاظت کا باضابطہ اعلان۔

(معمول کی تمہید کے بعد) واضح ہو کہ

۱ ۔ سرہند اور مالوہ کے علاقوں کو حکومت برطانیہ کی حفاظت کے تحت کر دیا گیا ہے اور اس معاہدے کی رو سے رنجیت سنگھ اس بات کا پابند ہے کہ وہ آئندہ ان میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔

۲ ۔ کہ حکومت برطانیہ کی یہ خواہش نہیں ہے کہ وہ اس انتظام سے فائدہ اٹھا کر راجگان اور سرداروں سے کسی قسم کے خراج کا مطالبہ کرے۔

۳ - یہ کہ راجاؤں اور سرداروں کو وہی حقوق اور اختیارات استعمال کرنے کی اجازت دے دی جائے گی، جو وہ اس سے پہلے اور حکومت برطانیہ کے اعلان برائے تحفظ کے وقت تک اپنے اپنے علاقوں میں رکھتے تھے۔

۴ - یہ کہ راجگان اور سردار برطانوی فوج اور دستوں کو (جب وہ ان کے علاقوں میں سے گزریں، یا حفاظت کی خاطر یا ریاست کے عام مفاد کی خاطر آئیں) تو انہیں ہر قسم کی سہولت اور قیام و طعام مہیا کرنے کے پابند ہوں گے۔

۵ - جنگ کی صورت میں جب بھی بلایا جائے تو سرداروں کو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ برطانوی پرچم تلے شامل ہونا ہوگا۔

٦ - وہ سوداگران جو لدھیانہ میں فوجی دستوں یا برطانیہ کی کسی اور فوج کے استعمال کے لیے یورپ کی مصنوعات لے کر آئیں تو ان پر محصول راہداری عائد نہ کیا جائے مگر سکھوں کے علاقہ میں راستے میں ان کی حفاظت کی جائے۔

۷ - اسی طرح جب مجاز افسران کی طرف سے پاسپورٹوں کے ساتھ سوار فوج کے لیے گھوڑے مہیا کیے جائیں تو انہیں ہر قسم کے محصول سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

❂

باب ۲

معاہدہ ستلج سے ملتان، کشمیر اور پشاور کی فتح تک

(۱۸۰۹ء سے ۱۸۲۶ء)

اگرچہ حکومت برطانیہ اور لاہور کے راجہ کے درمیان صلح اور دوستی کا ایک معاہدہ طے پا گیا تھا، لیکن رسمی قول و قرار نے ان شکوک و شبہات کو ختم کرنے کے لیے کوئی خاص تاثر پیدا نہیں کیا، جو دونوں ریاستیں ایک دوسرے کے حقیقی مقاصد کے متعلق رکھتی تھیں۔ گوالیار کے مہاراجہ سندھیہ، مرہٹہ ہولکر اور روہیلہ سردار امیر خاں کو کافی عرصہ سے اس بات کی امید تھی کہ ہندوستان کے غیر ملکی فاتحین کے خلاف پنجاب کے سکھوں کے ساتھ ایک اتحاد ممکن ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسی مقصد کے تحت ان کے نمائندے کافی عرصہ تک لاہور آتے رہے ہیں۔ یہ شک بھی کیا جاتا تھا کہ رنجیت سنگھ انگریزوں کے خلاف سس ستلج ریاستوں کے سکھوں کے ساتھ ایک خفیہ اتحاد قائم کرنے کے لیے منصوبے بنا رہا ہے۔ کسی بھی ممکنہ ہنگامی حالت کا مقابلہ کرنے کے لیے بہتر یہی خیال کیا گیا کہ لدھیانہ میں دفاعی افواج مقرر کی جائیں اور رسد جمع کی جائے۔ دوسری طرف رنجیت سنگھ کو اپنے خدشات تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان شکوک و شبہات کو رفع کر دیا گیا۔ لہٰذا جیسا کہ مستقبل کے واقعات سے پتہ چلتا ہے، ان ریاستوں نے کافی حد تک بھروسے کے ساتھ ایک دوسرے کا احترام کرنا شروع کر دیا۔

مئی ۱۸۰۹ء میں مسٹر میٹکالف کی رخصتی کے بعد مہاراجہ نے سب سے پہلے اپنی توجہ ستلج کے شمالی کنارے پر لدھیانہ کی مخالف سمت میں واقع قلعہ پھلور اور امرتسر میں گووند

گڑھ کے نئے قلعہ کو مضبوط بنانے پر صرف کی' جہاں اس نے اپنے خزانے جمع کیے ہوئے تھے۔ فصیلوں کو ازسرنو تعمیر کیا گیا اور ہر قلعہ کے گرد ہموار اینٹوں کی ایک گہری خندق تعمیر کی گئی۔ پھلور میں ایک پرانی سرائے کو بھی مکمل طور پر مرمت کرایا گیا اور اسے دفاعی حالت میں بنا دیا گیا۔ دیوان محکم چند کو پھلور کے قلعہ کا قلعدار مقرر کیا گیا۔

جب یہ انتظامات مکمل ہوگئے تو مہاراجہ پہاڑوں کی طرف اپنی مطلوبہ مہم پر روانہ ہوا۔ گورکھا کمانڈر امر سنگھ تھاپا نے گزشتہ چار سال پیشتر اپنی شکستوں کے بعد دوبارہ کانگڑا کا محاصرہ کر لیا تھا۔ نیز حفاظتی فوج کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ لہٰذا جمنا سے جہلم تک ایک سلطنت کو وسیع کرنے کے بارے میں عالی ہمت راجپوت راجہ کے خواب کو ملیامیٹ کر دیا گیا تو سنسار چند نے مصیبت کے وقت اپنے چھوٹے بھائی فتح چند کو ایلچی کے طور پر لاہور روانہ کیا کہ مہاراجہ سے ستلج کے شمال مغرب میں اس کے علاقہ سے گورکھوں کو نکالنے کے لیے امداد حاصل کی جائے۔ اس کی مدد کی قیمت کے طور پر کانگڑا کا مشہور قلعہ اسے پیش کیا گیا۔ مہاراجہ نے برغبت و رضا اس دعوت کو قبول کیا اور ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ پٹیالہ اور جوالا مکھی کی سڑک کے راستے سے کانگڑا کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی عالی ہمت ساس سداکور بھی اس کی فوج میں شامل تھی۔ ۲۸ مئی کو وہ پٹھان کوٹ پہنچ گیا۔ وہاں اس نے کنہیا مثل کی املاک پر قبضہ کیا اور اس کے بعد جوالا مکھی کی طرف روانہ ہوا۔ اس جگہ اس نے جملہ سرداروں کو جمع کیا اور گورکھوں کے خلاف جنگ کرنے کے سلسلہ میں ان سے اپنے حق میں وفاداری کا حلف لیا۔ جسروٹا اور نور پور کے پہاڑی راجاؤں سے نذرانہ وصول کرنے کے بعد اس نے کانگڑا کے قلعہ کی مدد کے لیے پیش قدمی کر دی۔ یہ قلعہ (جس کے بارے میں ہندوستان میں مشہور تھا کہ ناقابل تسخیر ہے) اسے تسخیر کرنے میں تین ماہ کا عرصہ لگا۔ پہاڑی راجاؤں کی متحدہ افواج نے حملہ آوروں کی رسد کاٹ دی۔ لہٰذا وہ اس وجہ سے بہت زیادہ کمزور ہوگئے لیکن اس موقع پر سنسار چند کی طرف سے گورکھوں کے ساتھ بات چیت کرنے اور ان سے وعدہ کرنے کہ اگر اسے اور اس کے خاندان کو بغیر تنگ کیے باہر جانے کی اجازت دے دی جائے تو ہتھیار ڈال دیے جائیں گے۔ اس کی دوغلی حکمت عملی پر سکھ مہاراجہ طیش میں آ گیا۔ اسی اثناء میں اس نے کھٹمنڈو کے جرنیل سے مشہور پہاڑی قلعہ کی مالیت کے برابر روپے کی صورت میں نذرانے وصول کیے تھے۔ رنجیت سنگھ اپنی بہت زیادہ چالاکی کے ذریعے راجپوت راجہ اور نیپال کے کمانڈر دونوں کو فریب دینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اگست میں اس نے اپنے کانگڑا کے حلیف کے بیٹے کو قیدی بنا

لیا' جو اس وقت اس کے پاس حاضر تھا جب کہ مذاکراتی بات چیت کے ذریعے اس نے امر سنگھ تھاپا کو دھوکہ دیا۔ اس بات سے باخبر ہونے پر کہ نیپالی فوج کے پاس رسد اور اسلحہ کی کمی واقع ہوگئی ہے' وہ اچانک اپنی فوج کے ایک منتخب دستہ کے ساتھ نمودار ہوا اور قلعہ میں داخلے کا مطالبہ کیا۔ جب اس کے مطالبے کو رد کر دیا گیا تو اس نے قلعے پر حملہ کر دیا اور سکھ جنگجوؤں کو اپنی پیش قدمی میں اپنے دشمنوں کے ساتھ دست بدست لڑائی میں زبردست نقصان اٹھانا پڑا لیکن بالآخر قلعہ فتح ہوگیا اور رنجیت سنگھ ۲۴ اگست ۱۸۰۹ کو فاتح کی حیثیت سے قلعہ میں داخل ہوا۔ پس مہاراجہ نے اس وادی کی چابی یعنی قلعہ کانگڑا پر قبضہ کر لیا۔
امر سنگھ اس شکست کے بعد ملاکڑا چلا گیا اور اس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا مگر اس کا تعاقب کرنے والی سکھ فوج نے اسے محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا اور چار باغ کی طرف دھکیل دیا۔ آخر کار مہاراجہ اور نیپالی جرنیل کے مابین اتفاق رائے قائم ہوگیا۔ لہذا اس نے رسل و رسائل کے ذرائع حاصل کیے اور ستلج کی دوسری جانب چلا گیا۔ امر سنگھ کافی عرصہ سے اس الٹ پھیر پر غور کر رہا تھا اور اس نے کئی بار سر ڈیوڈ او چٹرلونی اور حکومت برطانیہ کے دیگر حکام کو مشورہ دیا تھا کہ پنجاب پر حملہ کرنے کے لیے متحد ہو جائیں لیکن اسے کسی طرف سے کامیابی نہ ہوئی۔ انگریزوں اور گورکھوں کے درمیان ۱۵ - ۱۸۱۴ء کی جنگ نے گورکھوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا جو بجائے اس کے کہ کشمیر (ا) میں حصہ دار بنتے' کھٹمنڈو کے پہاڑوں میں اپنے ٹھکانوں پر ہی مطمئن ہوگئے تو انگریز میدانوں کے ساتھ ساتھ پہاڑوں میں بھی سکھوں کے ہمسایہ بن گئے۔

دیسہ سنگھ مجیٹھیہ کو کانگڑا کے قلعہ کا قلعدار اور پہاڑ سنگھ کو اس کا نائب مقرر کیا گیا۔ دیسہ سنگھ کو کانگڑا' چمبہ' نورپور' کوٹلہ' شاہ پور' جسروٹا بسولی' مانکوٹ' جسوان' سیبا' گولر' کولہور' منڈی' سوکت' کلو اور داتا پور کی پہاڑی ریاستوں کا ناظم بھی مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ اپنی مذہبی تپسیا کے لیے جوالا مکھی کی طرف روانہ ہوا اور مقدس مندر کے متولیوں میں بڑی بڑی رقمیں تقسیم کیں۔ منڈی' سوکت اور کلو کے پہاڑی راجاؤں سے نذرانے وصول کرنے کے بعد وہ واپس جالندھر دو آب آگیا۔ وہاں اس نے بھیل سنگھ کی بیوہ سے ہریانہ کو چھین لیا' جس کا حال ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔ اسی دوران بھوپ سنگھ فیضلپوریہ اور مہاراجہ کے درمیان ملاقات ہوئی تو مہاراجہ نے دغابازی سے اسے گرفتار کر کے اس کی املاک کو ضبط کر لیا۔ اس کے بعد مہاراجہ امرتسر واپس چلا گیا' جہاں اس نے معمول کے مطابق تمام درباریوں کے ساتھ ہولی کا تہوار منایا۔

اسی دوران مہاراجہ نے پہلی مرتبہ اپنی فوج میں یورپین طرز کی صف بندی کو متعارف کرایا اور برطانوی انداز میں باقاعدہ بٹالین کو تشکیل دیا۔ پوربیوں یا گنگا کے صوبوں اور سس ستلج کے سکھوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔ انگریزی فوج کے مفرور ان کی افواج کی تربیت کرتے تھے۔ انہیں مہاراجہ کی ملازمت میں بہت زیادہ تنخواہیں دی جاتی تھیں اور پیادہ اور توپ خانہ دونوں کی کمان بھی سونپی جاتی تھی۔

اسی سال کے اختتام پر وزیر آباد کے جودھ سنگھ کا انتقال ہوگیا۔ مہاراجہ اس کی جاگیروں کو ضبط کرنے کے لیے اس طرف روانہ ہوا لیکن آنجہانی سردار کے بیٹے گنڈا سنگھ نے اپنی اطاعت پیش کر کے مہاراجہ کو ایک لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کیا۔ لہٰذا اب اس کا لالچ مطمئن ہو گیا تھا اس لیے وہ سردار کے علاقہ کو اپنی سکونت میں شامل کرنے سے باز رہا اور آنجہانی سردار کے نمائندے کو ایک قیمتی شال اور خلعت کی دستار عنایت کرنے کے بعد واپس آ گیا۔ اس کے بعد گجرات کے صاحب سنگھ بھنگی اور اس کے بیٹے کے درمیان جھگڑے کا سن کر رنجیت سنگھ نے اس جھگڑے کا فائدہ اٹھانے کے لیے دریائے چناب کو پار کیا۔ صاحب سنگھ جو اس وقت اسلام گڑھ میں تھا' مہاراجہ کی آمد کا سنا تو جلال پور کی طرف بھاگ گیا۔ لہٰذا اسلام گڑھ کے قلعہ پر رنجیت سنگھ نے قبضہ کر لیا۔ گلاب سنگھ بھنگی نے مہاوار کے قلعہ کو خالی کر دیا اور اس پر مہاراجہ کے افسروں نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مہاراجہ' صاحب سنگھ کے تعاقب میں جلال پور کی طرف روانہ ہوا۔ جلال پور کے قلعہ پر بغیر کسی مخالفت کے قبضہ کر لیا گیا اور صاحب سنگھ روہتاس اور میرپور چو کمیہ قصبہ کے درمیان منگلا کی طرف فرار ہوگیا اور کسی حملہ کے خلاف منگلا کے قلعہ کو مستحکم کیا۔ غالباً اسی وقت میں مہاراجہ کے قابل اور بااعتماد معتمد فقیر عزیز الدین نے گجرات کے قصبہ پر قبضہ کر لیا اور اس اثناء میں کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ خدا ترس فقیر عزیز الدین نے لوٹ مار کے لالچی' سکھ سپاہیوں کو شہریوں پر کسی قسم کی زیادتی کرنے سے منع کر دیا۔ لہٰذا اس کے نتیجہ میں فوج میں (جس نے اس پر قبضہ کرنے میں مدد دی تھی) بے چینی پھیل گئی۔ اس پر فقیر عزیز الدین نے شہر کے لوگوں سے ایک واجبی سا چندہ وصول کیا اور یہ روپیہ سپاہیوں کو دے دیا۔ چنانچہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ فقیر نے صاحب سنگھ کے تمام خزانہ' قیمتی اشیاء اور دیگر ملکیت کو بحق سرکار ضبط کر لیا' جس نے جلال پور میں اپنے آقا کے سامنے مال غنیمت کا ڈھیر لگا کر اسے اس کی فوجوں کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ مہاراجہ بہت زیادہ خوش ہوا اور اپنے معتمد کی شاندار خدمات پر اپنی تعریف کا اظہار کرتے ہوئے

اسے ایک قیمتی خلعت سے نوازا۔ فقیر کے چھوٹے بھائی نور الدین کو گجرات کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ نے منگلا کے قلعہ کو تسخیر کرنے کا ارادہ کیا لیکن صاحب سنگھ کی بیوی (جو باپ کی طرف سے رنجیت سنگھ کی رشتے دار تھی) کی پرزور گزارشات کے بعد اس نے اپنے ارادہ کو ترک کر دیا۔ اسی وقت میں دیوان بھوانی داس کو ایک فوج کے ساتھ جموں کی فتح کے لیے روانہ کیا گیا۔ لہٰذا ایک ماہ کے عرصہ میں جموں کو مہاراجہ کے لیے فتح کر لیا گیا۔ ڈوگرہ راجہ دیدو' جس نے وہاں عروج حاصل کر لیا تھا' اسے نکال باہر کیا گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ جہلم کے مغرب میں واقع علاقہ میں داخل ہوا اور خوشاب تک جا پہنچا اور سرداروں و راجاؤں کو شکست دینے کے بعد اسے تسخیر کر لیا اور ان سب کو باج گذار بنایا۔

ان کارروائیوں کے دوران مہاراجہ کو فروری ۱۸۱۰ء کے آغاز میں اطلاع ملی کہ شاہ شجاع الملک' جس کے ساتھ حال ہی میں مسٹر ایلفن سٹون نے فرانس کے خلاف ایک معاہدہ کیا ہے' اسے اس کی سلطنت سے باہر دھکیل دیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ پنجاب میں پناہ حاصل کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ شاہ زمان' جس نے دو مرتبہ پنجاب پر حملہ کیا' اب کافی عرصہ سے افغانستان کا بادشاہ نہیں رہا تھا۔ اس کے ایک بھائی شاہ محمود نے اسے تخت سے اتار کر اس کی آنکھیں نکلوا دی تھیں۔ اپنی باری پر اسے شاہ زمان کے سگے بھائی شجاع الملک نے تخت سے اتار کر قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۰۹ء تک افغانوں کے ملک میں خانہ جنگی کی حالت رہی۔ تقریباً آدھ درجن انقلابات آ چکے تھے۔ جب خوشنما برطانوی سفارت دربار پہنچی تو شجاع الملک تخت پر جلوہ افروز تھا۔ اس کی کامیابی زیادہ تر اس وجہ سے تھی کہ تاج سے متعلقہ تقریباً سبھی جواہرات اور دیگر قیمتی جائیداد اس کے قبضہ میں تھی' جسے اس کے بھائی شاہ زمان نے اسے سونپا تھا۔ دربار اس وقت پشاور میں تھا لہٰذا بادشاہ اگرچہ تخت پر بیٹھا تھا مگر اس کا اپنا دارالخلافہ اس کے قبضہ میں نہیں تھا۔ قبائل کی جنگ نے پشاور کی سرحدوں سے لے کر قندھار تک تباہی پھیلا دی تھی۔ شاندار سفارت کا پشاور میں خیر مقدم کیا گیا اور معزز سفیر نے شاہ شجاع الملک سے ملاقات کی۔ وہ بادشاہ کے متعلق بیان کرتا ہے کہ وہ تقریباً ۳۰ برس کی عمر کا ایک خوبصورت شخص تھا۔ زیتونی رنگت اور سیاہ گھنی داڑھی تھی۔ فاضل سفیر بیان کرتا ہے کہ : "اس کی وضع قطع کا تاثر شاہانہ اور خوش کن تھا۔ اس کی آواز صاف اور خطاب شاہانہ تھا۔ پہلے ہم نے خیال کیا کہ اس نے جواہرات کی زرہ بکتر زیب تن کر رکھی ہے لیکن قریب سے معائنہ کیا تو ہمیں اپنی غلطی

کا احساس ہوا۔ لہٰذا اس کا حقیقی لباس سبز رنگ کے پشواز پر مشتمل تھا' جس پر بڑے بڑے پھول تھے۔ ان پر سونے اور قیمتی پتھروں سے کام کیا گیا تھا۔ اس کے اوپر ہیروں کا ایک بہت بڑا سینہ بند تھا' جس کی شکل دو ہموار فرانس کے شاہی نشانوں کی طرح تھی۔ اسی نوعیت کا زیور دونوں رانوں پر تھا۔ بازوؤں پر (کہنی سے اوپر) زمرد کے کڑے تھے اور کئی جگہوں پر بہت زیادہ دیگر جواہرات تھے۔ انہی کڑوں میں سے ایک میں کوہ نور تھا' جسے دنیا میں تمام ہیروں سے بڑا ہیرا سمجھا جاتا ہے۔(۲)

شجاع الملک کے ساتھ ایک معاہدہ طے پایا جس میں فرانسیسیوں کے منصوبوں (جن کی اطلاع ملی تھی) کے خلاف افغانوں کے تعاون کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اپنی طرف سے انگریز اس بات پر رضامند ہوگئے کہ ہندوستان کی سرحدوں پر فرانسیسیوں یا کسی اور دشمن کی پیش قدمی روکنے کے لیے کابل کے بادشاہ کا جتنا نقصان ہوگا' یا اخراجات ہوں گے' ان کی تلافی کر دی جائے گی۔ سفارت ابھی بمشکل پشاور سے چار میل کے فاصلے پر پہنچی ہوگی کہ ڈاکوؤں کی ایک ٹولی نے اس خچر کو لوٹ لیا' جو کابل کے بادشاہ کی جانب سے قیمتی شالوں کا تحفہ اور ۱۰ ہزار روپے نقد لے جا رہا تھا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد یہ سنا گیا کہ شہزادہ محمود جسے شجاع الملک نے کابل کے مقام پر بالا حصار میں قید سخت میں ڈال رکھا تھا' فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے اور بہادر و ذہین وزیر فتح خاں بارک زئی کی مدد سے شجاع پر جنگ مسلط کر دی۔ ایک لڑائی میں خود شہزادے نے کمان کی لہٰذا شجاع دوبارہ ہزیمت اٹھانے کے بعد بھاگنے پر مجبور ہوگیا۔ اس نے بے سود ہی مدد حاصل کرنے کے لیے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ اٹک کو پار کیا۔ لہٰذا ۳ر فروری ۱۸۱۰ء کو خوشاب کے مقام پر اس کی مہاراجہ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ مہاراجہ نے سابق بادشاہ کا اس کے اعلیٰ منصب کے مطابق خوشاب میں والہانہ استقبال کیا۔ جیسے ہی شاہ نیچے اترا تو ۱۲۵۰ روپے کی ضیافت (شام کا کھانا) اس کے خیموں کی طرف بھیجی گئی لیکن شاہ کو اپنے معزول بھائی شاہ زمان سے ملنے کی خاطر راولپنڈی روانہ ہونے کی جلدی تھی۔ لہٰذا اس کے اور مہاراجہ کے درمیان کسی قسم کے فیصلہ کن انتظامات نہ ہو سکے۔ شاہ کی امید ابھی مکمل طور پر معدوم نہیں ہوئی تھی۔ پشاور کے لوگ اور اس ضلع کے قرب و جوار میں متعدد طاقتور قبائل' مضبوطی سے شجاع الملک کی اطاعت پر قائم تھے۔ چنانچہ وہ ایک تازہ دم فوج جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ مزید برآں وزیر شیر محمد خاں کے بیٹے کشمیر کے صوبیدار عطا محمد خاں کی طرف سے روپے پیسے کی مدد سے اس نے ایک بار پھر شاہ محمود کے خلاف پیش قدمی کر دی۔ شاہ محمود کو پسپا کر کے

بھاگنے اور قلعہ اٹک میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا گیا۔ تاہم پہاڑی افغانوں کے قبائل نے، جو شجاع کے دوست تھے، اسے تنگ کرنا جاری رکھا۔ لہٰذا شاہ شجاع واپس لوٹا تو ۳۰ مارچ کو اس کا استقبال کیا گیا۔ اس نے پشاور کے مغرب میں وسیع و عریض علاقوں پر قبضہ حاصل کر لیا، جہاں افغان قوم آباد تھی۔ لیکن جلد ہی قسمت کی لہر شاہ محمود کے حق میں ہو گئی کیونکہ آئندہ سال ستمبر میں وزیر فتح خاں کے بھائی محمد عظیم خاں نے شجاع الملک کو شکست فاش دے کر دوبارہ دریائے سندھ کے پار دھکیل دیا تھا۔

جب مسٹر ایلفنسٹون سکھوں کے علاقہ میں سے گزرتے ہوئے برطانوی صوبوں کی طرف لوٹ رہے تھے تو شجاع الملک کے مغرور حرم نے انہیں آ لیا۔ ان کے درمیان جلا وطن، معزول اور نابینا شاہ زمان بھی تھا۔ سفیر (جسے ایک اچھا اور مہربان دل عطا کیا گیا تھا) نے بدقسمت بادشاہ سے ملاقات کی اور ایک بادشاہ کے شایان شان اس سے برتاؤ کیا۔ مسٹر ایلفنسٹون نے "کابل" کے اوپر اپنی بہترین کتاب میں مکمل طور پر اس انتہائی متاثر کن ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ وہ منظر بڑا رقت انگیز تھا۔ ایک ایسا بادشاہ، جس کا نام کبھی ایران اور ہندوستان کے لیے دہشت سمجھا جاتا تھا اور جس کی شہرت ایشیاء کی دوردراز سرحدوں تک پھیل گئی تھی، اب اسے عورتوں کے ہمراہ بے یار و مددگار نابینا اور معزول دیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن شاہ زمان فارسی کا ایک مکمل عالم تھا اور ایشیائی اقوام کی تاریخ سے واقف تھا۔ اس میں ایک بادشاہ کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔ لہٰذا اس کے حصہ میں بھی عام شہزادگان کی قسمت کی طرح انقلابات اور مصائب آئے۔ اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ ان عظیم آفات کے بارے میں بتایا، جن کے باعث بادشاہوں پر زوال آیا۔ اس نے بڑے دوستانہ انداز میں بتایا کہ اسے بھی ان سب کا سامنا کرنا پڑا۔ مسٹر ایلفنسٹون بیان کرتے ہیں: "اگر وہ ایشیا کی پوری تاریخ کا مطالعہ کرتا تو اسے اپنی قسمت کے تغیر و تبدل سے زیادہ قابل ذکر مثل نہ ملتی۔ یعنی وہ اس ملک میں نابینا، معزول اور جلاوطن تھا، جسے اس نے دو بار مطیع کیا تھا"۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع الملک کی پہلی ملاقات کے دوران سکھ حکمران نے سابق بادشاہ کو یہ امید دلائی کہ وہ سکھ فوجوں کے تعاون سے (جن کی خدمات مکار مہاراجہ نے بظاہر خوشی سے پیش کی تھیں) اس کے کھوئے ہوئے کشمیر اور ملتان کے صوبوں کو بازیاب کرانے کی کوشش کرے گا۔ شاہ کی فوج نے ۱۸۰۳ء میں ملتان پر حملہ کیا لیکن مظفر خاں نے اسے پسپا کر دیا۔ موخر الذکر سردار نے ایک سے زیادہ مرتبہ شاہ کو پناہ کی پیش کش

کی تھی اور اسے منانے کے لیے دکھ کا اظہار کیا تھا لیکن شاہ اس شہر اور صوبہ کو اپنے لیے فتح کرنا چاہتا تھا۔ اس موقع پر شاہ کو لاہور کے حکمران کے خلوص پر شبہ ہوگیا تھا لیکن سابق بادشاہ نے جیسے ہی رنجیت سنگھ کو دریا کے مشرق میں مسلمان سرداروں کے ساتھ معاملات طے کرنے کے لیے چھوڑتے ہوئے دوبارہ اٹک کو پار کیا' ویسے ہی اس نے ملتان پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کرلیں۔

تاہم حال ہی میں اطاعت شدہ ضلع ساہیوال کے معاملات نے کچھ عرصہ تک اسے ملتان کے خلاف اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا۔ اب ساہیوال کی آمدنی ۵۰٬۰۰۰' روپے تھی۔ لہٰذا اس کا سردار فتح خاں ۱۸۰۴ء میں رنجیت سنگھ کو سالانہ خراج کے طور پر ۲۵ گھوڑے اور ۲۵ اونٹ دینے پر رضامند ہوگیا۔ اس خراج کو جنوری ۱۸۰۹ء میں ۱۲ ہزار روپے سالانہ رقم کی ادائیگی میں تبدیل کر دیا گیا۔ لہٰذا حال ہی میں سردار اس خراج کو باقاعدگی سے ادا کرنے میں ناکام رہا تو رنجیت سنگھ نے اس عدم ادائیگی کے عمل سے اس کے علاقہ پر حملہ کرنے کا بہانہ تلاش کرلیا۔ چنانچہ ۱۸۱۰ء کے موسم بہار میں اپنی فوجوں کے ہمراہ ساہیوال کی طرف پیش قدمی کر کے سردار کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ بلوچ سردار نے دغابازی کا شک کرتے ہوئے اپنے کم سن بیٹے لعل خاں کو قیمتی تحائف کے ساتھ مہاراجہ کے پاس بھیجا۔ اس نے لڑکے کا پرتپاک استقبال کیا اور بظاہر اسے مطمئن کر کے واپس بھیجا۔ پھر مہاراجہ خوشاب کی طرف روانہ ہوا۔ آخرکار کئی دنوں کے محاصرہ کے بعد سردار ظفر خاں کو نکالنے کے بعد اس کو تسخیر کرلیا گیا۔ چنانچہ فتح خاں کے شکوک و شبہات ختم ہوگئے اور وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگا تھا کہ رنجیت سنگھ رات کے وقت ایک دم ساہیوال کی طرف پلٹا اور قلعے پر اچانک حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا اور اس کے محافظوں کو مکمل طور پر گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ فتح خاں کو پا بہ زنجیر کر کے اس کے خاندان کے ہمراہ لاہور روانہ کر دیا گیا۔ کچی کے مقام پر اس کے قلعہ کو اور اس کی تمام جاگیروں کو بحق سرکار ضبط کرلیا گیا۔ فروری کے اسی مہینہ کے دوران گیلان اور بخارہ کے سیدوں کی رہائش گاہ اوچ کے خلاف ایک فوج روانہ کی گئی۔ تاہم اس کے مذہبی تقدس نے انہیں تباہی سے محفوظ رکھا۔ سیدوں نے گھوڑوں کے تحفہ کے ساتھ مہاراجہ سے ملاقات کی اور خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

ان کارروائیوں کے بعد مہاراجہ ملتان کی طرف مہم پر روانہ ہوا (جس کے متعلق وہ کافی عرصہ سے سوچ رہا تھا) اور مظفر خاں کو منانے کی کوشش کی کہ وہ کابل کے بادشاہ

(جس کا وہ حاکم پابند تھا) کے نام پر یہ اس کے حوالے کر دے۔ نواب نے ایک عاجزانہ پیغام کے ساتھ اپنے نمائندے اس کے پاس بھیجے اور مناسب وقت پر مقررہ تاوان ادا کرنے کا وعدہ کیا لیکن مہاراجہ چونکہ اس زرخیز صوبہ کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کا تہیہ کر چکا تھا' اس لیے کوئی عذر نہیں سنا گیا۔ لہٰذا ایک مختصر وقت میں تمام سکھ فوج راستے میں آنے والے نواحی علاقہ کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد ملتان کے سامنے خیمہ زن ہو گئی تھی۔ نواب نے دفاع کے لیے تیاریاں کر لیں اور قلعہ میں با افراط پانی' اشیائے صرف اور رسد بہم پہنچا دی۔ سکھ فوج جو ۲۴ر فروری کو ملتان پہنچ گئی تھی' نے اگلے روز شہر پر قبضہ کر لیا۔ ملتان میں سکھ فوج کی آمد اور شہر پر ان کے قبضہ نے پورے نواحی علاقہ میں تشویش کی لہر دوڑا دی۔ لیہ اور بھکر کے سردار محمد خاں نے اپنی ریاست کے لیے ۲۰٬۰۰۰ روپے بطور جزیہ ادا کر کے حملہ آور کا رخ موڑ دیا تھا اور بہاولپور کا سردار صادق محمد خاں اگرچہ مظفر خاں کا دوست تھا' اس نے ایک لاکھ روپے کے خراج کی پیشکش کی مگر مہاراجہ چونکہ اور زیادہ مدد چاہتا تھا' اس لیے اس پیشکش کو قبول نہ کیا۔ آخر کار بہاولپور کے امیر نے ملتان کی قریبی مہم میں خدمات کے لیے ۵۰۰ سواروں کے دستہ کو مجبوری کی حالت میں فراہم کیا۔

اب قلعہ ملتان کا سکھ فوج نے محاصرہ کر لیا لیکن پٹھانوں نے زبردست مزاحمت کی۔ لہٰذا سکھ سپاہیوں کی طرف سے ایک حملہ کے ذریعے قلعہ پر قبضہ کرنے کی انتہائی زبردست کوششوں کو مکمل طور پر ناکام کر دیا گیا۔ کئی دنوں تک بھاری گولہ باری کی گئی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تب قلعہ کے سامنے توپیں نصب کی گئیں اور زبردست گولہ باری کی گئی لیکن قلعہ پر اس کا کوئی اثر مرتب نہ ہوا۔ آخر کار سرنگ کھودنے کا راستہ اختیار کیا گیا لیکن محصورین نے بڑی کامیابی سے دھوکہ دے دیا۔ رنجیت سنگھ نے ان سرداروں سے انتہائی مضبوط اور باافراط وعدے کیے بشرطیکہ وہ بروقت موثر پیش قدمی کے ذریعے جنگ میں اپنے جوہر دکھائیں۔ اس نے بذات خود دشمن کے مورچہ کا جائزہ لیا' اس کی چوکیوں کا جائزہ لیا اور اپنی نصب کیں۔ توپوں کے لیے مقامات کی نشاندہی کی اور مختلف سرداروں کے لیے مورچوں کی قطاریں متعین کیں۔ ان سے استدعا کی گئی کہ وہ اپنے ہم وطنوں کے لیے اپنے فرض شناسی کے جذبہ میں شدت پیدا کریں۔ لاہور اور امرتسر سے خشکی اور بحری راستے کے ذریعے آمد و رفت کے لیے وسیع تر انتظامات کیے گئے۔ لہٰذا اس پر خواہش قبضہ کو حاصل کرنے کے لیے ملک کے تمام وسائل کو مکمل طور پر فوجی حکام کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔ قلعہ کی دیواروں کو توڑنے کے لیے بھنگیوں کی مشہور توپ المعروف "زمزمہ" کو لاہور سے

لایا گیا لیکن محصورین پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ توپ اڑھائی من (کچا) یا ۸۰ پاؤنڈ وزن کا گولہ پھینکتی تھی لیکن اتنی بڑی اس توپ کے لیے کام کرنے کے سامان کی سکھوں کے پڑاؤں میں قلت تھی۔ جب کہ کوئی بھی اس کو مناسب طور پر استعمال کرنے کے فن اور علم سے واقف نہیں تھا۔ سکھ توپ خانہ نے شہر پناہ کی فصیلوں پر جو تھوڑا بہت اثر کیا تھا' اس سے محصورین کے جوش و خروش میں زبردست اضافہ ہوگیا۔ انہوں نے جل دے کر قلعہ کے قریب سردار عطر سنگھ ڈھاری کی توپ کو اڑا دیا اور کئی دوسروں کو بھی شدید زخمی کر دیا۔ ان میں سردار نہال سنگھ اٹاری والا اور نوجوان ہری سنگھ نلوا بھی شامل تھے۔ حملہ آور قلعہ کے قریب اپنے مردوں کو چھوڑ کر ابتری اور افراتفری کی حالت میں بھاگ اٹھے لیکن عالی ہمت پٹھانوں نے لاشیں محاصرین کو بھجوا دیں۔ اس میں عطر سنگھ کو شالوں کے جوڑے میں لپیٹ کر روانہ کیا گیا۔ محاصرہ دو ماہ تک جاری رہا۔ اس کے دوران سکھ فوج میں زبردست کمی واقع ہوگئی اور اس کے بہترین جرنیل یا تو مارے گئے یا معذور ہوگئے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم مہاراجہ کا پسندیدہ ساتھی اور بااعتماد سردار عطر سنگھ ڈھاری تھا۔

نہ ہی سکھ فوج کو کسی اور علاقے میں بہتر کامیابی حاصل ہوسکی۔ دیوان محکم چند' جسے شجاع آباد تسخیر کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا' اس نے قلعہ کو ناقابل تسخیر پایا۔ ۲۱ر مارچ کو ایک عام حملہ کیا گیا لیکن سکھ فوج کو زبردست نقصان کے ساتھ پسپا کر دیا گیا۔ دیوان خطرناک حد تک بیمار پڑ گیا۔ لہٰذا سکھوں کی طرف مرنے والوں اور زخمیوں کی صورت میں نقصان بہت زیادہ تھا۔ ۲۵ر تاریخ کو ایک اور عام حملہ کیا گیا لیکن اس کا کوئی بہتر نتیجہ بر آمد نہ ہوسکا۔

اب ان طویل فوجی کارروائیوں نے ملتان اور شجاع آباد' دونوں جگہ سکھوں کے پڑاؤ میں اشیائے صرف کی قلت پیدا کر دی۔ لہٰذا جب مہاراجہ نے دیکھا کہ اس کی مراد پوری ہونے کی امید نہیں رہی تو ۱۹ر اپریل کو واپس لوٹ آیا۔ اس کو زبردستی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ وہ اپنی کوشش میں مکمل طور پر ناکام ہوگیا ہے اور اسے اب زیادہ ملال اس بات کا تھا کہ اس نے گزشتہ مواقعوں پر جن شرائط کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا تھا' اب انہیں قبول کرنے پر مجبور ہے۔ یعنی اڑھائی لاکھ روپے کا خراج' بیس تیر انداز اور ایک فوجی دستے کی جنگ کے وقت فراہمی۔ جزیہ کی رقم میں سے ۳۰ ہزار روپے پیشگی ادا کر دیے گئے جب کہ بقیہ ادائیگی کے لیے مظفر خاں کے برادر نسبتی کو یرغمال کے طور پر حوالے کر دیا گیا۔ اس طریقے سے مہاراجہ کا لالچ کسی حد تک مطمئن ہوگیا تو وہ ۲۵ر اپریل کو واپس لاہور آ گیا۔

اسے اپنی مہم کی ناکامی پر بہت زیادہ افسوس اور ملال تھا۔ اس نے اس کا الزام اپنے سرداروں اور افسروں کے سر تھوپا۔

شالامار باغ میں چند دن آرام کرنے کے بعد اس نے اپنے فوجی محکمہ میں یورپی طرز کی اصلاحی تدابیر کو متعارف کرانے پر اپنی توجہ صرف کی۔ ایک گھڑچڑ سوار فوج کو ماہر جرنیلوں کی نگرانی میں منظم کیا گیا۔ پہلے سے موجود گھڑچڑ سواروں اور گھڑچڑ خاص کو بالترتیب روپے پیسے اور جاگیروں کی صورت میں ادائیگی کی جاتی تھی۔ ان میں اردلی خاص (جس کی مماثلت ایک محافظ سے ہوتی تھی) کا زیادہ تنخواہ اور فوائد کے ساتھ اضافہ کیا گیا۔ ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ سرکاری دستک یا احکامات کو مختلف راجاؤں اور سرداروں کے پاس پہنچائیں' جو ان کے لیے منافع بخش ثابت ہوئیں۔ اسی اثناء میں حاکم ملتان' مظفر خاں نے کلکتہ میں برطانوی گورنر جنرل سے خط و کتابت شروع کر دی اور مہاراجہ نے بھی اسی طرح لدھیانہ میں کرنل سر ڈیوڈ او چٹرلونی کے ساتھ خط و کتابت شروع کی اور ملتان کے خلاف مشترکہ کارروائی کرنے کا مشورہ دیا لیکن دونوں سرداروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا اور انہیں کہہ دیا گیا کہ وہ جس طرح بہتر طریقے سے چاہیں' اپنے معاملات طے کریں۔

وزیر آباد کے جودھ سنگھ کا بیٹا گنڈا سنگھ' جس نے ایک سال پیشتر اپنے والد کے انتقال پر مہاراجہ کو ایک بہت بڑے نذرانہ کی ادائیگی پر بطور عطیہ خلعت وصول کیں' اس چیز سے زیادہ دیر لطف اندوز نہ ہو سکا' جس کے لیے اسے بہت زیادہ قیمت ادا کرنا پڑی۔ جون ۱۸۱۰ء میں ایک بہت بڑی فوج وزیر آباد کی طرف روانہ کی گئی اور آنجہانی سردار کی تمام املاک کو ضبط کر لیا گیا۔ درحقیقت ایک وعدہ کیا گیا کہ جب جودھ سنگھ کے کمسن بیٹے بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں گے تو وزیر آباد ان کے حوالے کر دیا جائے گا لیکن وعدے کو ایفا نہیں کیا گیا۔ آنجہانی سردار کے بیٹوں امر سنگھ اور گنڈا سنگھ کو گزر بسر کے لیے ۱۰ ہزار روپے کی ایک جاگیر عطا کی گئی۔ تقریباً اسی دوران سردار بھیجل سنگھ کی بیوہ رانی رام کور کو بہادر گڑھ سے نکال دیا گیا' جسے اس نے اپنی گزر اوقات کے لیے بطور جاگیر کے رکھا ہوا تھا۔

دسہرا گزرنے پر مہاراجہ' اکتوبر ۱۸۱۰ء میں بذات خود دریائے چناب کے کنارے پر واقع رام نگر کی طرف روانہ ہوا اور ندھان سنگھ ہٹو (جسے اس کے حوصلہ (ہٹ) کے باعث یہ نام دیا گیا تھا) کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ یہ سردار' جس کا صدر مقام لاہور سے چند میل نیچے وادی کے کنارے پر مراکہ میں تھا' مہا سنگھ سکر چاکیہ کے آخری دنوں میں عروج پر پہنچ گیا تھا۔ لہٰذا نہ صرف سکر چاکیہ سردار بلکہ گجرات کا صاحب سنگھ' سیالکوٹ کا پنجاب سنگھ اور

وزیر آباد کا جودھ سنگھ (جن کے ساتھ اس کی مستقل دشمنی تھی) اس سے حسد کرتے تھے۔ جب شاہ زمان نے ۱۷۹۷ء میں پنجاب پر حملہ کیا تو ندھان سنگھ بھی ان چند سکھ سرداروں میں شامل تھا، جنھوں نے شاہ کی آمد کا خیر مقدم کیا اور شاہ نے چناب کے کنارے پر اس کا والہانہ استقبال کیا اور اس کے تمام علاقوں پر اسے مستحکم کیا۔ اس نے کابل کے بادشاہ کے لیے لاہور سے وزیر آباد جانے والی سڑک کو کھول دیا اور اپنے طاقتور حلیف کے لیے کئی دیگر اہم خدمات سرانجام دیں۔ جب رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۰ء کے آغاز میں ملتان پر حملہ کیا تو ندھان سنگھ کو بدقت ۲۵۰ سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ مہاراجہ کے ہمراہ جانے پر راغب کیا گیا۔ لہٰذا مہم کے اختتام پر وہ مہاراجہ کے احکامات کے برعکس ڈسکہ میں اپنے قلعہ کی طرف چلا گیا۔ رنجیت سنگھ نے اسے اپنے پاس بلا بھیجا لیکن حوصلہ مند سردار نے ماسوائے ایک سوڈھی یا سکھ پروہت کی ضمانت کے حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ اس رویہ نے مہاراجہ کو آگ بگولا کر دیا۔ اس نے ۱۷ر اکتوبر، کو قلعے کا سخت محاصرہ کر لیا۔ اس کے سامنے مشہور توپ زمزمہ لائی گئی، جسے غیر معمولی ہنگامی حالت کے مواقعوں پر ہی چلانے کے لیے لایا جاتا تھا۔ محاصرہ ایک ماہ تک رہا لیکن قلعہ پر کوئی اثر مرتب نہ ہو سکا۔ اس کے بعد محصورین کی بیویوں اور خاندانوں کے ساتھ بد سلوکی کی گئی جو حملہ آوروں کے ہاتھ لگ گئے تھے لیکن انتقام کا یہ طریقہ بھی حفاظتی فوج پر تاثر قائم کرنے میں ناکام رہا۔ آخرکار بابا ملک راج بیدی اور جمعیت سنگھ بیدی کی طرف سے دی گئی ضمانت اور ایک اچھی خاصی جاگیر کے وعدے پر بوڑھے سرکش سردار نے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ مہاراجہ کے پڑاؤ میں آیا تو اس نے پروہتوں کی طرف سے کیے گئے وعدے کے تقدس کا خیال کیے بغیر فوراً اسے بیڑیاں پہنا دیں۔ لہٰذا اس وعدہ خلافی پر قدرتی طور پر ان کی بہت ہتک ہوئی۔

نومبر کے مہینہ میں رچنا دو آب میں ہلووال کا بھاگ سنگھ (جو اپنے بیٹے سوبھا سنگھ کے ساتھ پڑاؤ میں موجود تھا) نے مہاراجہ کی ناراضگی مول لے لی۔ لہٰذا اسے پابہ زنجیر کر کے اسی وقت اس کی تمام جاگیروں کو ضبط کر لیا گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ لاہور کی طرف لوٹ آیا اور اپنے وزیر محکم چند کو ۵ ہزار سواروں کے ہمراہ بھمبر کے سلطان خاں اور راجوڑی کے سردار کے علاوہ دیگر پہاڑی قبائل (جو سرکش ہوگئے تھے) انہیں مکمل طور پر مطیع کرنے کے لیے روانہ کیا۔ بھمبر کے سردار نے ایک دلیرانہ مزاحمت کی لیکن آخرکار قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا تو سلطان خاں ۴۰ ہزار روپے سالانہ خراج کے طور پر ادا کرنے پر رضامند ہوگیا۔ اس کے ایک عزیز اسماعیل خاں کو اس علاقے کے ایک بہت بڑے حصہ کا قبضہ دیا گیا، جسے

سکھ جرنیل نے مطیع کیا تھا۔ اس کے بعد کتاس میں گنگ کے پہاڑی قلعہ پر حملہ کیا گیا۔ محصورین نے زبردست مزاحمت کی لیکن مہاراجہ نے پانی کے واحد راستہ کو کاٹ دیا جو چویا سیدن شاہ کہلاتا تھا اور قلعہ کو پانی فراہم کرتا تھا۔ لہٰذا محصورین کو اس کے نتیجہ میں زبردستی ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا۔ اس پر سکھ فوجیوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی سال (۱۸۱۰ء) دسمبر کا مہینہ بادشاہ کی طرف سے عنایات اور مراعات کی کارروائیوں کے لیے مخصوص تھا۔ گجرات کے صاحب سنگھ بھنگی کی والدہ مائی بچھی نے مہاراجہ سے اپنے بیٹے کے لیے اس قدر سفارش کی تھی کہ اس سردار کو جسے اس کی جاگیروں سے نکال دیا گیا تھا' واپس آنے کی دعوت دی گئی اور ایک لاکھ روپے کی آمدنی کے ہمراہ بجونت کا علاقہ اسے بخش دیا گیا۔ بھاگ سنگھ آہلووالیہ کو بھی رہا کر کے جاگیریں عطا کی گئیں۔ سکھ پروہت ملک راج اور جمعیت سنگھ رنجیت سنگھ کے دروازے پر دھرنا(۳) مار کر بیٹھ گئے۔ کیونکہ ندھان سنگھ کو گرفتار کر کے ان کی ہتک کی گئی تھی۔ حالانکہ انہوں نے ذاتی طور پر اسے ضمانت دی تھی کہ اس کے ساتھ محفوظ رویہ اور اچھا برتاؤ کیا جائے گا۔ لہٰذا مہاراجہ نے اس مذہبی مظاہرہ کے سامنے اپنے آپ کو مجبور پایا اور قیدی کو رہا کر دیا۔ ندھان سنگھ کو ایک جاگیر کی پیشکش کی گئی مگر برہم سردار نے اس پیشکش کو رد کر دیا اور فوراً کشمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں اس نے حاکم کشمیر فتح خاں برک زئی کی ملازمت اختیار کر لی۔

جنوری ۱۸۱۱ء میں ساہیوال کا سردار فتح خاں' جسے گزشتہ برس پابند سلاسل کر دیا گیا تھا' اسے بھی رہا کر دیا گیا۔ ایک اداسی فقیر نے مہاراجہ سے اس کی رہائی کے لیے سفارش کی تھی۔ اس سردار کو اس شرط پر جھنگ میں ۱۴،۴۰۰ روپے کی ایک جاگیر دی گئی کہ وہ حکومت کو پچاس سوار مہیا کرے گا۔ وہ دربار سے تین برس تک غیر حاضر رہنے کے بعد ۱۸۱۲ء میں واپس لاہور آ گیا اور جب یہ محسوس کیا کہ اب ہوا اس کی حمایت میں چلنا بند ہو گئی ہے تو بلوچ سردار محمد خاں کے ساتھ رہنے کے لیے منکیرہ چلا گیا۔ آخر میں وہ بہاولپور چلا گیا' جہاں ۱۸۲۰ء میں احمد پور کے قصبہ میں دکھ کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔

جالندھر دو آب (جسے ۱۸۰۶ء میں حکومت میں شامل کیا گیا) میں دھرم کوٹ کے جلاوطن سردار دھرم سنگھ کو دوبارہ اعتماد میں لے کر ایک جاگیر سے نوازا گیا۔ فروری میں مہاراجہ جہلم اور سندھ کے درمیان واقع نمک کی کانوں کی طرف روانہ ہوا اور پنڈ دادن خاں کے قرب و جوار میں تین قلعوں پر قبضہ کیا۔ اسی مہینہ کے اختتام پر خبر ملی کہ کابل کا شاہ محمود ۱۲ ہزار افغانوں پر مشتمل ایک فوج کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ ہوا ہے' جسے اس

نے پار کیا تو پورے علاقہ میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ رنجیت سنگھ فوراً راولپنڈی روانہ ہوا اور وہاں مورچہ سنبھال لیا۔ اس نے اپنے معتمد فقیر عزیز الدین کو شاہ کے پڑاؤ کی طرف بادشاہ کی مہم کے مقصد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ تاہم شاہ نے اپنے نمائندوں کو پہلے سے یہ ہدایات دے دی تھیں کہ اس ملک میں آنے کا اس کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ حاکم کشمیر عطا محمد خاں اور اٹک کے حاکم کو شجاع الملک کے گزشتہ حملہ پشاور میں مدد دینے پر سزا دی جائے یا ڈرایا دھمکایا جائے۔ مہاراجہ کے خدشات دور ہوگئے تو دونوں سرداروں کے درمیان ایک رسمی ملاقات ہوئی' جس کے دوران تحائف کا تبادلہ کیا گیا اور دوستی کے وعدے کیے گئے۔ لاہور واپسی پر مہاراجہ نے دیوان محکم چند کو ملتان اور مانجھا کے درمیانی علاقہ کو تسخیر کرنے کے لیے روانہ کیا' جس پر کانہ سنگھ نکائی کا قبضہ تھا۔ اس پر الزام لگایا گیا کہ وہ شاہ عبدالرزاق اور شاہ دین کے تحت حجرہ شاہ مقیم کی مسلمان رعایا پر ظلم و ستم ڈھا رہا ہے۔ شہزادہ کھڑک سنگھ کو مہم کی برائے نام کمان سونپی گئی۔ یہ علاقہ بغیر کسی مزاحمت کے مستعد جرنیل کے قبضہ میں آگیا تو سردار کانہ سنگھ کو بھیرووال کے مضافات میں ۱۵ ہزار روپے مالیت کی ایک جاگیر سے نوازا گیا۔ اس کے بعد دیوان کو گجرات کے شمالی پہاڑوں کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس نے وہاں کے راجپوت سرداروں سے ۴۰ ہزار روپے وصول کیے۔ اسی دوران سردار دیسہ سنگھ مجیٹھیہ کو کانگڑا اور نور پور کے نصف راستے پر علاقہ تلوک ناتھ میں کوٹلہ کے قلعہ کو تسخیر کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ مہاراجہ کے توپ خانہ کے کمانڈنٹ غوث خاں کی خدمات سردار کے سپرد کر دی گئیں۔ قلعہ پر دھیان سنگھ کا قبضہ تھا۔ کسی وقت میں وہ گولر کے راجہ کا وزیر تھا' جس نے اپنی طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مہاراجہ نے مجیٹھیہ سردار سے وعدہ کیا کہ اگر وہ قلعہ کو ایک ہفتہ کے اندر تسخیر کرنے میں کامیاب ہوگیا تو نصف تلوک ناتھ جاگیر کے طور پر اسے دے دیا جائے گا۔ لہٰذا بہادر سردار نے مقررہ وقت میں قلعے پر قبضہ کر کے مہاراجہ سے ۷ ہزار روپے مالیت کی ایک جاگیر حاصل کی۔ فیضلپوریہ مثل کا بدھ سنگھ' جس کے مقبوضہ علاقے ستلج کے دونوں اطراف پھیلے ہوئے تھے اور جس نے ذاتی طور پر دربار میں حاضر ہونے کے لیے سختی سے انکار کر دیا تھا' اب بغاوت آمیز رویہ اختیار کر لیا۔ لہٰذا ہوشیار دیوان محکم چند فوراً اسوج (ستمبر) میں ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ جالندھر دو آب میں داخل ہوا۔ جودھ سنگھ رام گڑھیہ' فتح سنگھ آہلووالیہ اور دیگر سردار اس کے جلو میں تھے۔ پھلور کے قلعہ میں حفاظتی فوج تعینات کی گئی اور جالندھر شہر کا تنگ

محاصرہ کر لیا گیا۔ باغی سردار انگریزوں کی پناہ حاصل کرنے کے لیے لدھیانہ کی طرف فرار ہوگیا لیکن اس کی فوج نے اپنی ناموس کی خاطر زبردست مزاحمت کی۔ ان کے لیے سب سے زیادہ نقصان وہ بات یہ تھی کہ شہر تک آنے والے راستے کھلے تھے اور کسی حملہ کے خلاف بچاؤ کے لیے کوئی فصیل نہیں تھی۔ لہٰذا کئی روز کی لڑائی کے بعد شہر پر محاصرین کا قبضہ ہوگیا۔ انہوں نے شہریوں کی ہر چیز کو لوٹ لیا اور ان کا ناکہ تنگ کر دیا۔ اس کے بعد جالندھر، پٹی اور ہست پور کے قلعوں کو تسخیر کیا گیا اور فیضلپوریوں کے تین لاکھ روپے سے زائد مالیت کے سارے علاقہ کو ریاست میں شامل کر لیا گیا۔ ان قلعوں میں سردار بدھ سنگھ کی تمام قیمتی اشیاء کو ضبط کر لیا گیا۔ گھڑ سواروں کو بھی سردار کے تعاقب میں روانہ کیا گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کنارے تک پہنچتے، وہ ستلج کو پار کر دیا۔ بعد ازیں اس پر زور دیا گیا کہ وہ حکومت برطانیہ کی زیر حفاظت ایک سردار کی حیثیت سے مطمئن ہوجائے اور دریا کے جنوب اور مشرق میں اپنے باقی ماندہ علاقوں پر گزارہ کرے۔ محکم چند کو اس کی نمایاں خدمات کے عوض دیوان کا خطاب دیا گیا اور ایک قیمتی خلعت سے نوازنے کے علاوہ ہیروں سے مزین ایک تلوار اور سنہری ہودے سے آراستہ ایک ہاتھی بھی عنایت کیا گیا۔

اسی سال دسمبر میں عظیم کنہیا سردار جے سنگھ کے بیٹے ندھان سنگھ نے مہاراجہ کی ناراضگی مول لے لی۔ لہٰذا اسے پابند سلاسل کر کے حاجی پور اور پھلواڑہ میں اس کی جاگیروں کو بھی اسی دوران ضبط کر لیا گیا۔ رنجیت سنگھ کی یہ حکمت عملی میں شامل تھا کہ جاگیری ملکیت کے نظام کو ختم کیا جائے اور اس کے علاوہ ایسے راجاؤں یا سرداروں کو اطاعت پر مجبور کیا جائے، جو طاقت اور خود مختاری کی طرف رجحان رکھتے ہوں یا اپنے عروج کو دنیاوی برتری اور شہرت یا اپنے آباؤ اجداد کے جنگی کارناموں سے منسوب کرتے ہوں۔ پرانی سکھ مثلیں یا تو اس کے غاصبانہ قبضوں اور ظالمانہ حکمت عملی کے ذریعے مٹ گئیں یا بھنگیہ اور ننگ کی طرح انہوں نے ستلج کے مشرق میں آباد ہو کر اس سے زیادہ بڑی حکومت کی پناہ حاصل کر لی۔ کنہیا، رام گڑھیہ اور آہلووالیہ مثلیں اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئی تھیں اور میدان جنگ میں اس کی پیروی پر فخر محسوس کرتی تھیں۔ رشتے داری کے روابط ایسے سردار کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے، جس کی حکمت عملی یہ تھی کہ کسی کو بھی اس کی حکومت کا مقابلہ کرنے یا کسی بھی انداز میں فتح اور ہمت عالی کے لیے اس کے وسیع و عریض منصوبوں میں دخل اندازی کے قابل نہ چھوڑا جائے۔ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ سردار جودھ سنگھ رام گڑھیہ نے اسے سخت سرزنش کی، جس نے حال ہی میں جالندھر

کے علاقہ کی تسخیر میں مدد دی تھی۔ جب اس نے مہم میں شامل ہونے کے لیے دربار سے رخصت چاہی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حکم دیا کہ خصوصی عنایت کی نشانی کے طور پر اسے تحائف دیے جائیں تو بوڑھے سردار نے اپنی معمول کی بے تکلفی اور صاف گوئی سے عرض کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسی دائمی عزت سے معذرت چاہتا ہے' جو غیر یقینی ہے۔ اسی پر اس نے کہا کہ اگر اس وقت اس کی پگڑی اس کے سر رہنے دی جائے تو وہ اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھے گا۔ رنجیت سنگھ جو ہمیشہ قابل اور وفادار لوگوں کی بڑی قدر کرتا تھا اور اس نے اس دور میں اپنے درباریوں کو بڑی خود مختاری دے رکھی تھی اور وہ باقی سرداروں کے مقابلہ میں ان سے زیادہ واقف تھا۔ اس نے اس برجستہ جملے کو مذاق سمجھتے ہوئے مسکرا کر سردار سے کہا کہ وہ اپنے بہترین کام میں مستقل مزاجی سے الفت پیدا کرے جو اس کی پوری زندگی کو یادگار بنا دے گی۔ اس نے سردار کے ساتھ دائمی دوستی کی قسم کھائی اور امرتسر میں مقدس مندر دربار صاحب میں جاہلانہ انداز میں اپنی ہتھیلی کو زعفران سے رنگ کر گرنتھ کے ایک ورق پر مہر لگائی۔ وہ خاص طور پر اپنے وعدوں کا ایمان داری سے پاس نہیں کرتا تھا مگر جودھ سنگھ ایک ایسا مخلص ساتھی اور حلیف ثابت ہوا کہ اسے اس کا علاقہ شامل کرنے کے لیے کوئی بہانہ نہ ملا اور نہ ہی اس کے لیے عنایات برتنے میں کسی بناوٹ سے کام لیا۔ گووند گڑھ کے نئے قلعہ کو رام گڑھیہ سے متعلقہ قلعہ رام گڑھ کی طرز پر تعمیر کیا گیا' جہاں مہاراجہ اپنے ممتاز دوست کی چاپلوسی کرنے کے لیے بغیر کسی محافظ کے جاتا تھا۔

یہ دور عظیم سکھ مہاراجہ کی زندگی میں اس لیے اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں اس نے ہندوستان کے ایک نوجوان گور برہمن خوشحالہ پر اپنی خاص عنایات کی بارش کر دی تھی۔ وہ ضلع میرٹھ کے پرگنہ سردھانہ میں اکری کے ایک غریب برہمن دکاندار ہرگووند کا بیٹا تھا اور ۱۸۰۷ء میں قسمت آزمائی کے لیے لاہور آیا تھا۔ اسے نئی تشکیل شدہ رجمنٹ دھونکل سنگھ والا میں پانچ روپیہ ماہانہ تنخواہ پر ایک سپاہی کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا۔ مہاراجہ کے افسران اعلیٰ گنگا سنگھ اور جتری کے اثر و رسوخ سے وہ رنجیت سنگھ کا ایک محافظ بن گیا اور خلوص دل اور جانفشانی سے فرائض کی ادائیگی اور اپنی تروتازہ اور سپاہیانہ وضع قطع کے ذریعے جلد ہی ترقی کر گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نوجوان خوشحالہ جو دلکش وضع قطع کے علاوہ ایک بہترین آواز کا بھی مالک تھا' ایک رات مہاراجہ کے خیمے کا پہرہ دیتے وقت گا رہا تھا تو اس نے مہاراجہ کی توجہ حاصل کی۔ اسے ۱۸۱۱ء میں جمعدار کے لقب کے ساتھ انتہائی بااعتماد

اور نہایت اعلیٰ عہدہ "ڈیوڑھی والا" یا میر حاجب پر متمکن کر دیا گیا اور اس کے بعد جلد ہی راجہ کا خطاب دینے کے علاوہ وسیع و عریض جاگیریں بھی عنایت کی گئیں۔ یہ عہدہ نہایت اہم اور سودمند تھا۔ کیونکہ ڈیوڑھی والا تقاریب دربار میں نشستوں کی باقاعدگی اور جلسے جلوسوں کے انتظام کا منتظم تھا۔ کوئی شخص چاہے وہ اعلیٰ منصب کا ہی کیوں نہ ہو' اس کی اجازت کے بغیر مہاراجہ کی خلوت گاہ میں نہیں جا سکتا تھا لہٰذا یہی چیز نوجوان خوشحالہ کو متمول کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ کیونکہ ہر اہم شخص سکر چاکیہ سردار جیسی مشہور و ممتاز شخصیت سے ملاقات کرنے کا متمنی تھا۔ ۱۸۱۲ء میں خوشحالہ نے سکھ پتسما حاصل کی اور اسے خوشحال سنگھ کہا جانے لگا۔ خانہ داری کے لیے تمام تقرریاں اس کی مرضی سے ہوتی تھیں اور وہ مہاراجہ کو ہر روز فوج کی خبریں پڑھ کر سناتا تھا۔ خوشحال سنگھ اور اس کا بھتیجا تیج رام (جسے خوشحال سنگھ نے میرٹھ سے بلوا بھیجا تھا' تاکہ اسے اس کا نائب بنا دیا جائے) اب انہیں سرگرم کام پر مامور کر دیا گیا تھا۔ یہ تیج رام' جو خوشحالہ کے بھائی ندھا کا بیٹا تھا' ۱۸۱۶ء میں سکھ بن گیا اور اس نے تیج سنگھ کا نام اختیار کر لیا۔

شاہ زمان کی لاہور آمد

نومبر ۱۸۱۱ء میں افغانوں کا معزول جلا وطن اور نابینا بادشاہ شاہ زمان لاہور آیا۔ وہ اپنے ساتھ اہل خانہ اور منحصرین کو لے کر آیا تھا اور وقتی طور پر شہر میں رہائش اختیار کر لی۔ لیکن سکھ مہاراجہ کے ہاتھوں بے توجہی کا تجربہ ہونے پر وہ راولپنڈی کی طرف لوٹ گیا' جہاں چند ماہ پیشتر اس نے پناہ تلاش کر لی تھی۔ اس کا بھائی شاہ شجاع بھی اسی طرح بدقسمت تھا۔ ملتان میں پذیرائی حاصل کرنے اور دریائے سندھ کے پار علاقہ کو تسخیر کرنے کی بیکار کوشش کرنے کے بعد (ایک بھاری ذمہ داری' جس میں وہ اپنے قابل ترین جرنیل اکرم خاں سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا) وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں نے شاہ زمان کے بیٹے یونس کو برطانوی تعاون حاصل کرنے کی امید پر لدھیانہ روانہ کیا۔ سر ڈیوڈ او چٹرلونی نے شہزادے کا پرتپاک استقبال کیا لیکن اسے صاف صاف بتا دیا کہ حکومت برطانیہ کابل کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی اور یہ کہ ۱۸۰۹ء میں شاہ شجاع کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کی رو سے حکومت برطانیہ صرف اس بات کی پابند ہے کہ فرانسیسیوں کے خلاف افغانستان کا دفاع کرے نہ کہ اس کے اندرونی معاملات میں حصہ لے۔

۱۸۱۲ء کے آغاز میں ولی عہد کنور کھڑک سنگھ کی گورداسپور کے نزدیک فتح گڑھ کے

سردار جے مل سنگھ کنہیا کی اکلوتی بیٹی چندکور کے ساتھ شادی کے موقع پر لاہور میں بہت زیادہ جشن اور خوشیاں منائی گئیں۔ مہاراجہ نے چار برس پیشتر اس سردار کو اس کے علاقہ پٹھان کوٹ سے محروم کر دیا تھا۔ دلہن کی عمر دس برس تھی۔ بارات بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے دولہا اور مہاراجہ کے ہمراہ دلہن کی رہائش گاہ فتح گڑھ روانہ ہوئی۔ سر ڈیوڈ او چٹرلونی مہاراجہ کی پرزور دعوت پر ایک مختصر حفاظتی دستے کے ہمراہ لدھیانہ سے آئے اور اپنے ساتھ ایک توپ بردار گاڑی بھی لے کر آئے۔ رنجیت سنگھ نے جس کا معائنہ کرنے کے لیے زبردست خواہش کا اظہار کیا تھا۔ جھنڈ اور نابھ کے راجگان' کیتھل کا سردار اور دیگر سردار درحقیقت پوری سکھ قوم اس موقع کو عزت بخشنے کے لیے فتح گڑھ میں جمع ہوئی۔ مہمانوں میں کابل کے بادشاہ' ملتان کے نواب' کشمیر کے صوبہ دار اور ٹھٹھہ کے سردار کے نمائندگان بھی تھے' جو اپنے آقاؤں کی جانب سے تنبل یا شادی کے تحائف کے طور پر بڑی بڑی رقمیں لائے تھے۔ مہاراجہ نے اپنی فوج کو قرمزی بانات اور دھاری دار ریشمی پوشاک زیب تن کروائی تھی۔ جب بے شمار ہاتھیوں' گھوڑوں اور ساز و سامان کے ساتھ یہ عظیم الشان بارات لاہور سے مجیٹھیہ کے لیے روانہ ہوئی تو یہ منظر بڑا دلکش تھا۔ اس موقع پر کنہیا سردار نے دل کھول کر خرچ کیا اور اپنے مہمانوں کی آؤ بھگت خالصا شاہانہ انداز میں کی۔ پہلے روز فتح گڑھ میں مہمانوں کی آمد پر ان کی ضیافت کے لیے پچاس ہزار روپے خرچ کیے گئے اور چونکہ مہاراجہ کئی روز تک وہاں ٹھہرا اس لیے اس کی ضیافت کے لیے روزانہ ۱۵ ہزار روپے خرچ کیے جاتے تھے۔ ۶ر فروری ۱۸۱۲ء کو شادی کی رسم انتہائی فضول خرچی سے ادا کی گئی۔ ان تقاریب میں برہمنوں نے شاستروں اور ویدوں کے رواج کے مطابق صدارت کی۔ اس کے بعد بارات دلہن کے ساتھ واپس لاہور آگئی اور شالوں' جواہرات' زیورات' کنیزوں ہاتھی' گھوڑوں اور کئی لاکھ روپے مالیت کی چیزوں پر مشتمل جہیز کی نمائش کی گئی۔ لاہور میں قیام کے دوران سرڈیوڈ او چٹرلونی کے ساتھ قابل ذکر ملنساری کا مظاہرہ کیا گیا اور خوب خاطر تواضع کی گئی۔ ان کے ذاتی آرام کی دیکھ بھال کے لیے حکومت کے اعلیٰ افسران کو مقرر کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے مہاراجہ نے اس وقت ان کی صحبت میں کئی گھنٹے گزار کر بہت خوشی حاصل کی تھی۔

مسٹر میٹکالف کی پنجاب میں آمد کے موقع پر پیدا ہونے والے بہت زیادہ شکوک و شبہات اور بد اعتمادی اب دور ہوگئی۔ لہٰذا مہاراجہ نے بڑے اعتماد سے اپنے مہمان کی تعظیم و تکریم کے لیے اپنی افواج کی صف آرائی کا حکم دیا۔ اس نے ان کی توجہ خاص طور پر اپنی

نئ تشکیل شدہ پلٹنوں کی طرف دلائی۔ اس نے انہیں لاہور کی قلعہ بندی اور قلعہ کو اورنگ زیب کی جامع مسجد کے ساتھ منسلک کرنے کے دفاعی کام کا معائنہ کرایا۔ وزیر دیوان محکم چند نے مہاراجہ کو غیر ملکی مہمان پر اس قدر اعتماد کرنے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی اور واضح کیا کہ ان چیزوں کا علم خود ان کے خلاف بھی استعمال کیا جاسکتا ہے مگر مہاراجہ اس بات پر مطمئن تھا کہ کوئی خدشہ نہیں ہے۔ لہٰذا ہوشیار پور وزیر کے احتجاج کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ مہاراجہ نے برطانوی نمائندے کو ہولی کے تہوار میں شرکت کی دعوت دی (جو اب شروع ہوچکا تھا) لیکن بڑی شائستگی سے اس دعوت سے انکار کر دیا گیا۔ حالانکہ ان تمام راجاؤں اور سرداروں نے' جو شادی کی رسومات میں شریک ہوئے تھے اور اس وقت لاہور میں ٹھہرے ہوئے تھے' بڑی خوشی سے اس وقار کو قبول کرلیا۔

بھمبر پر تازہ حملہ

ولی عہد کی شادی کی تقاریب اور ہولی کے تہوار کے جشن کے بعد عسکری مہمات کا آغاز کیا گیا۔ لہٰذا ۱۸۱۲ء کے موسم بہار میں خبر ملی کہ بھمبر کے سردار سلطان خاں نے اپنے عزیز اسماعیل خاں کو قتل کر دیا ہے (جس کو دو سال پیشتر دیوان محکم چند کی قیادت میں بھیجی گئی مہم کے نتیجہ میں رونما ہونے والے واقعات کے نتیجہ میں بھمبر کے علاقہ کے ایک حصہ کا نگران بنایا گیا تھا) ۵۰۰ سواروں کی چار پلٹنوں اور محاصرہ کے توپ خانہ کے دستہ پر مشتمل لاہور کی فوج کے ایک حصہ کو ولی عہد کے اتالیق بھائی رام سنگھ کی قیادت میں باغی سردار کو سزا دینے کے لیے روانہ کیا گیا۔ شہزادہ کھڑک سنگھ بھی فوج کے ہمراہ تھا اور اس کے پاس مہم کی برائے نام کمان تھی۔ بھمبر کے سردار نے ایک بلند مورچے سے جنگ کا آغاز کر دیا' جس کو اس نے بہت زیادہ غور و خوض کے بعد منتخب کیا تھا۔ دونوں جانب سے بندوقوں کی گولیوں کی بوچھاڑ سے جنگ کا آغاز ہوگیا۔ سکھوں نے توپ خانہ کی گولہ باری کا اضافہ بھی کر دیا لیکن بھمبر کے سردار نے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا' اس نے پوری کارروائی میں اسے فائدہ پہنچایا۔ لہٰذا سکھ اپنے راستے میں آنے والی قدرتی مشکلات پر قابو پانے کے لیے زبردست کوششوں اور انتہائی دلیری کے باوجود تیسرے روز مکمل طور پر شکست کھا گئے۔

جب اس نقصان کی خبر لاہور پہنچی تو دیوان محکم چند کو ایک تازہ دم فوج کے ہمراہ انتہائی تیزی سے گجرات سے میدان جنگ میں روانہ کیا گیا۔ سلطان خاں نے اپنے مورچے کو مستحکم کر لیا لیکن دیوان کے معتمد سردھا رام کے ذریعے گفت و شنید شروع کی گئی۔ لہٰذا سلطان خاں اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پہ رضامند ہوا کہ اس کے ساتھ باوقار سلوک کیا

جائے اور دربار لاہور اس کا علاقہ واپس کر دے۔ اسے لاہور لایا گیا اور رنجیت سنگھ (جو اپنے جرنیلوں کے پختہ عہد و پیمان کو توڑنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتا تھا) نے اسے قید میں ڈال دیا۔ سلطان خاں کو چھ سال تک لاہور میں قید رکھا گیا اور اس کے بعد جموں بھیج دیا گیا' جہاں اس کا انتقال ہوگیا۔ بھمبر میں اس کی تمام املاک اور جائیداد پر قبضہ کر لیا گیا۔ اسماعیل خاں کے وارثین (بظاہر جن کے لیے مہم کا آغاز کیا گیا تھا) نے بے سود ہی جاگیر میں سے حصہ مانگنے کی درخواست کی۔ مہاراجہ کی یہ حکمت عملی تھی کہ بھمبر کے خاندان کو مکمل طور پر پامال کر دیا جائے۔ اس کے بعد دیوان راجوڑی گیا اور وہاں کے سردار سے خراج وصول کرنے کے بعد واپس لاہور آگیا۔ کھڑک سنگھ نے بھائی رام سنگھ کی مدد سے جموں اور اکھنور کی تسخیر مکمل کر لی اور مہاراجہ نے بھمبر کے علاوہ یہ علاقے ازراہ کرم شہزادہ کو جاگیر کے طور پر عنایت کر دیے۔ اس وقت بدھ سنگھ بھگت کو سجانپور کے علاقہ سے محروم کر دیا گیا۔

جس وقت شہزادہ کھڑک سنگھ کی قیادت میں بھمبر کے خلاف مہم بھیجی گئی' اسی دوران دو اور مہمات تشکیل دی گئیں۔ ایک دل سنگھ کی قیادت میں ملتان کے نواب مظفر خاں سے خراج کے واجبات وصول کرنے کے لیے اور دوسری دیسہ سنگھ مجیٹھیہ کی قیادت میں کانگڑہ کے نزدیک پہاڑی راجاؤں کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کرنے کے لیے جنہوں نے خود مختاری کے لیے باغیانہ رویہ اختیار کر لیا تھا۔ دل سنگھ ضلع مٹھا اور ضلع شاہ پور میں ٹوانہ اور بہاولپور میں اوچ میں داخل ہوا اور ان جگہوں کے سرداروں سے خراج وصول کرنے کے بعد ملتان کے سامنے پہنچ گیا۔ واجب الادا خراج کا بقایا ۵۰ ہزار روپیہ تھا۔ اس کے لیے ابوبکر خاں کو دل سنگھ کے پڑاؤ میں بطور یرغمال رکھ لیا گیا۔ نواب کے نمائندے جواہرات فروخت کرنے کے لیے دہلی گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا جب وہ واپس لوٹے تو مظفر خاں نے سکھ سردار کو واجب الادا رقم ادا کر کے ابوبکر خاں کو رہائی دلوائی۔ دل سنگھ نے کوٹ کمالیہ پر حملہ کیا اور اسے اطاعت گزار بنا کر واپس لاہور لوٹ آیا' جہاں مہاراجہ نے اس کی خدمات کے اعتراف میں اسے قیمتی خلعت سے سرفراز کیا۔

دیسہ سنگھ مجیٹھیہ' جو پہاڑوں کی طرف گیا تھا' جلد ہی مہاراجہ بھی خود اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ وہ پہلے امرتسر گیا اور دربار صاحب میں حاضری دینے کے بعد آدینہ نگر روانہ ہوا۔ وہاں اس نے مختلف پہاڑی سرداروں کو بلوانے اور ان کے ساتھ خراج کی ادائیگی میں اضافے کے لیے نئے انتظامات کرنے میں چند دن گزارے۔ اس کے بعد مہاراجہ نے نور

پور کی طرف پیش قدمی کی اور اس جگہ کے راجہ سے ۴۰ ہزار روپے بطور نذرانہ وصول کیے۔ اسی سال بیساکھ (اپریل) میں دیوان محکم چند اور میاں موٹا ڈوگرا کو ایک فوج کے ساتھ منڈی' سکت' کلو کے راجاؤں اور دیگر پہاڑی سرداروں سے خراج وصول کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ کیونکہ ان کے ساتھ گزشتہ جنوری میں معاملات نامکمل رہے تھے۔ ان تمام مقامات کو موثر طور پر تسخیر کر لیا گیا اور دیوان ۱۹۰'۰۰۰ روپے کا نذراجہ جمع کرنے کے بعد واپس لاہور کی طرف لوٹ آیا۔

اگست ۱۸۱۲ء میں شہزادہ کھڑک سنگھ کا سسر جے مل سنگھ بغیر نرینہ اولاد کے فوت ہوگیا۔ مہاراجہ نے آنجہانی سردار کی بیوہ سے تعزیت کرنے کے لیے رام سنگھ کو ریاکاری سے وہاں بھیجا لیکن جیسے ہی اس افسر کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی' اس نے سردار کے ان دفینوں پر قبضہ کرلیا' جنہیں اس نے اپنی زندگی میں کافی عرصہ سے کفایت شعاری کے ذریعے جمع کیا تھا۔ وہ امرتسر کے مہاجنوں کو سود پر روپیہ قرض بھی دیتا تھا۔ انہیں کہا گیا کہ وہ لاہور کے محکمہ مال کو حسابات پیش کریں۔ تین ماہ کے بعد جے مل سنگھ کی بیوہ نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ اسے چندا سنگھ کا نام دیا گیا۔ لہٰذا مہاراجہ نے ضبط شدہ جائیداد کے ایک حصہ کو (جس کی مالیت ۱۵ ہزار روپے تھی) بطور جاگیر وارث کی دیکھ بھال کے لیے آزاد کر دیا۔

بھمبر کے مقتول سردار اسماعیل خاں کے وارثین (جنہیں اپنی جاگیریں بحال کرانے کے سلسلہ میں حال ہی میں لاہور کی مہاراجہ کی طرف سے مایوسی ہوئی تھی) اور راجوڑی کے سردار عزیز خاں نے بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا۔ اس بغاوت کو حاکم کشمیر نے شکل دی اور قریبی علاقہ کے مسلمان سرداروں اور امیروں نے اس کی حمایت کی۔

رنجیت سنگھ جو اکثر اوقات ان مسلمان ریاستوں کے خلاف اپنی طاقت آزما چکا تھا' اب بذات خود انہیں مطیع کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس نے کشمیر کے خلاف اپنے مزید منصوبوں کے لیے اسے بہت ضروری خیال کیا۔ کیونکہ ان سرداروں کی املاک پیر پنجال پہاڑوں کے راستے پر واقع تھیں۔ سرداروں کی متحدہ فوج کو شکست فاش دے دی گئی اور آخرکار اس علاقے کو نومبر کے وسط میں شامل کر لیا گیا۔ وہ خود مختار سردار اور جاگیردار' جو اس بغاوت میں شامل ہوئے تھے' حاکم کشمیر عطا محمد خاں کی پناہ حاصل کرنے کے لیے کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے۔

گزشتہ ستمبر میں جب مہاراجہ بھمبر اور راجوڑی کی پہاڑی ریاستوں کے خلاف مہم کی تیاری کر رہا تھا تو کابل کے سابق بادشاہان شاہ زمان اور شجاع الملک کے خاندانوں نے لاہور

میں رہائش اختیار کر لی۔ ستمبر میں ناقص منصوبہ بندی کے تحت مہم کی ناکامی کے باعث شجاع کی تباہ حال واپسی کے بارے میں پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ شاہ کی بدقسمتی میں اس طرح اضافہ ہوا کہ اٹک کے حاکم جہانداد خاں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس نے قیدی بادشاہ کو کشمیر میں اپنے بھائی عطا محمد خاں کے پاس بھیج دیا۔ وہاں اب اس بدقسمت بادشاہ کو سخت قید میں رکھا گیا تھا۔ نابینا شاہ زماں دونوں خاندانوں کو لاہور لے آیا جہاں مکار سکھ سردار نے ان کی مصیبتوں پر بڑے دکھ کا اظہار کیا اور ناامید شاہ کو امید دلائی کہ وہ اس کے بھائی کو رہائی دلا کر کشمیر کے تخت پر بٹھائے گا۔ اس نے شاہ شجاع کی بیوی وفا بیگم سے اس کے مصائب و آلام پر گہری ہمدردی کا اظہار کیا اور وعدہ کیا کہ وہ حتی المقدور اس کی پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کرے گا لیکن اس امید کا اظہار کیا کہ جب اس کو کامیابی ہو جائے تو ان خدمات کے صلے میں اسے مشہور ہیرے "کوہ نور" کی صورت میں انعام دیا جائے' جو کبھی مغل بادشاہوں کے تخت کو زینت بخشتا تھا۔ ان مکاریوں کا مقصد یہ تھا کہ پریشان حال خاتون میں اعتماد پیدا کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی گزارشات سے اپنے خاوند کو یہ یقین دلا دے کہ کم از کم لاہور کے حکمران کی صورت میں انہیں ایک ہمدرد میسر آ گیا ہے۔ لہٰذا لاہور آنے پر بغیر کسی دشواری کے اس پر اختیار حاصل کیا جا سکتا تھا۔

پرخواہش وادی کشمیر کے خلاف رنجیت سنگھ کے منصوبوں کی تکمیل بس ہوا ہی چاہتی تھی۔ اس کے نوبیاہتا بیٹے کھڑک سنگھ نے جموں کو مطیع کر لیا تھا۔ ذاتی طور پر بھمبر اور راجوڑی کے مسلمان سرداروں کی مکمل تباہی اور ان علاقوں کو آخر میں خالصہ میں شامل کرنے کے لیے اس کی کوششوں کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اس کے سکھ سردار اور جرنیل کشمیر کے جنوبی پہاڑوں میں مختلف راجدھانیوں میں داخل ہو چکے تھے اور مسلسل حملوں کے بعد انہیں سلطنت لاہور کے باج گذار بنا چکے تھے۔ اب صرف وادی میں عام پیش قدمی کرنا باقی رہ گیا تھا۔ نیز کابل کے سابق بادشاہوں کے ساتھ دوستی کا اظہار اور ان بدقسمت بادشاہوں کو مصیبت سے رہائی دلانے کے لیے انتہائی دردمندانہ فرض فوری پیش قدمی کا جواز پیدا کرنے کی لیے بظاہر بہانے تھے لیکن دریائے سندھ کے پار لاہور کے حکمران کی طرح اولوالعزم اور عالی ہمت ایک اور سردار "مشرق کی جنت" یعنی وادی کشمیر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ یہ کابل کے شاہ محمود کا مشہور وزیر فتح خاں تھا' جو حاکم کشمیر عطا محمد خاں اور حاکم اٹک جہانداد خاں' دونوں بھائیوں کو اس بنا پر سزا دینے کے لیے کہ انہوں نے شجاع الملک کی پشاور کو بازیاب کرانے کی کوشش میں اس کی مدد کی تھی اور اس کے علاوہ وہ حکومت کابل

کے لیے صوبوں کو بازیاب کرانے کے لیے روانہ ہوا تھا۔ آٹھ ہزار افغان فوجی پہلے ہی سے روہتاس میں تھے جب کہ وزیر نے نومبر کے اختتام پر ایک کثیر فوج کے ساتھ دریائے سندھ کو پار کیا۔ اس وادی کے نزدیکی علاقوں میں سکھ فوجوں کی حالیہ کامیابیوں نے (جس کے بارے میں اب وزیر غور کر رہا تھا) فوجی کارروائیوں کا اکھاڑا بنا کر دونوں سرداروں کے لیے یہ ضروری بنا دیا تھا کہ وہ کسی جانب سے بھی کارروائیوں کا آغاز کرنے سے پہلے ایک دوسرے کے خیالات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ زیرک وزیر نے کشمیر کی تسخیر کو یقینی بنانے کے لیے مہاراجہ کے تعاون یا کم از کم ہمدردی حاصل کرنے کی اشد ضرورت کو سمجھ لیا تھا کہ اگر لاہور کا حکمران اس کی مخالفت کرے گا تو یقیناً اس میں بڑی دشواری پیش آئے گی۔ چنانچہ اس نے اپنے دیوان گودر مل کو مناسب تحائف کے ساتھ لاہور کے دربار میں روانہ کیا اور مہاراجہ کو دعوت دی کہ کشمیر کے حملہ میں متحد ہو جائیں اور گفت و شنید کو سہل بنانے کی خاطر ایک دوستانہ ملاقات کی تجویز پیش کی۔ مہاراجہ نے بڑی خوشی سے اس تجویز کو قبول کر لیا۔ لہٰذا یکم دسمبر کو دریائے جہلم کے کنارے پر دونوں سرداروں میں ملاقات ہوئی۔ اس بات پر اتفاق رائے ہوگیا کہ مہاراجہ فوج کے ذریعے وزیر کی مدد کرے گا اور اسی دوران وہ حالیہ اطاعت شدہ دروں میں سے حملہ آور فوج کی پیش قدمی کے لیے ہر سہولت بہم پہنچائے گا۔ مہاراجہ نے اس امداد کے بدلہ میں اچھے خاصے فائدے کا مطالبہ کیا۔ یعنی وادی کی آمدنی کا ایک حصہ لیکن چالاک وزیر نے متوقع مال غنیمت کے ایک تہائی حصہ کی پیشکش کی، جس پر اتفاق رائے ہوگیا۔ ان شرائط پر دیوان محکم چند کی قیادت میں بارہ ہزار سکھ فوجیوں کی خدمات افغان کمانڈر کے سپرد کر دی گئیں۔ لہٰذا سکھوں اور افغانوں کی مشترکہ افواج جہلم سے روانہ ہوئیں جب کہ مہاراجہ واپس لاہور کی طرف لوٹ آیا۔ تاہم پٹھان سردار یہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ وادی کشمیر کی تسخیر میں سکھوں کو کوئی نمایاں حصہ لینے اور اسے فتح کرنے کے دعویٰ کی اجازت دی جائے۔ وہ اصل میں یہ چاہتا تھا کہ سکھ حکمران غیر جانبدار رہے۔ جب حملہ آور فوج پیر پنجال کے پہاڑی سلسلہ پر پہنچی تو زبردست برف باری نے اس کی پیش قدمی کو روک دیا۔ سکھ جفاکش افغانوں کے مقابلہ میں پہاڑوں کے موسم سرما کی شدت کے بالکل عادی نہیں تھے۔ لہٰذا حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں رہے تھے۔ فتح خاں نے دیوان سے مشورہ کرنے کا انتظار کیے بغیر یا اسے اپنے ارادے سے آگاہ کرنے کی زحمت گوارا کیے بغیر اپنے پہاڑی سپاہیوں کو تیزی سے آگے روانہ کر دیا۔ محکم چند نے جب دیکھا کہ افغان نے کس طرح اس سے سبقت لے جانے کی کوشش

کی ہے تو اس نے ۲۵ ہزار روپے کی ایک جاگیر کے وعدے پر راجوڑی کے سردار کو آمادہ کیا کہ وہ کوئی راستہ دکھائے' جس کے ذریعے وہ اسی وقت پر وادی میں پہنچ جائے' جس پر وزیر پہنچے۔ سردار نے ایسا ہی کیا۔ لہٰذا ہوشیار و چوکس دیوان' جودھ سنگھ' کالیہ اور نہال سنگھ اٹاری کی قیادت میں مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ شیر گڑھ اور ہری پربت کے محاصرہ کے وقت موجود ہونے کے لیے وادی میں داخل ہوگیا۔ اس پر کابلی وزیر کو بہت زیادہ حیرت ہوئی لیکن سکھ فوج کا یہ حصہ جو اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا تھا' پہاڑوں میں سفر کرنے اور سردی کی شدت سے بہت زیادہ تھک گیا تھا اور اس کے نتیجہ میں کسی قسم کی مدد بہم پہنچانے کے قابل نہیں تھا۔ حاکم کشمیر عطا محمد کمزور سی مزاحمت کرنے کے بعد بھاگ گیا۔ وادی کو تسخیر کر لیا گیا اور وزیر فتح خاں نے بغیر کسی دشواری کے جلد ہی صوبے کے تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ جب دارالحکومت لاہور میں کشمیر کی فتح کی خبر پہنچی تو بہت زیادہ خوشیاں منائی گئیں لیکن اب وزیر فتح خاں نے معاہدہ کے مطابق سکھوں کو مال غنیمت کا تیسرا حصہ دینے سے انکار کر دیا۔ اسی اثناء میں فتح خاں کی طرف سے وادی پر حملہ کے نتیجہ میں کشمیر میں ابتری کی حالت سے فائدہ اٹھا کر شاہ شجاع قید سے فرار ہونے اور دیوان محکم چند کے پڑاؤ میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ دیوان اس بات سے مطمئن ہو کر کہ اگر وہ دوسری کامیابی حاصل نہیں کر سکا تو نہ سہی' اس نے سابق بادشاہ کی صورت میں انعام تو حاصل کر لیا ہے۔ اپنے فوجیوں کے ہمراہ لاہور کی طرف لوٹ آیا' جو پہاڑی دشواریوں اور غیر موافق آب و ہوا کے باعث بہت زیادہ تھک گئے تھے۔ مہاراجہ نے شاہ شجاع کا بظاہر والہانہ استقبال کیا لیکن جب اسے اس بات کا پتہ چلا کہ محکم چند خالی ہاتھ لوٹا ہے اور فتح خاں نے معاہدہ کے مطابق کشمیر کے مال غنیمت میں سے حصہ دینے سے انکار کر دیا ہے تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے اس سے انتقام لینے کا تہیہ کر لیا۔ لہٰذا اس کی تدبیر نے مکمل طور پر اسے ناکام نہیں کیا۔ کشمیر کے سابق حاکم عطا محمد کے بھائی حاکم اٹک جہانداد خاں نے جب دیکھا کہ شاہ محمود کے دھڑے سے اس کے بھائی کو نکال باہر کرنے کے بعد کشمیر میں حکومت حاصل کر لی ہے' تو اسے بڑی تشویش ہوئی۔ لہٰذا رنجیت سنگھ نے اس سے بات چیت شروع کر کے قلعہ اٹک (جو سندھ کے راستے کے اوپر تھا) حوالے کرنے کے عوض اسے ایک بہت بڑی جاگیر کی پیشکش کی۔ جہانداد خاں' جسے کابلی وزیر سے حمایت کی ذرا بھی توقع نہیں تھی' مہاراجہ کی تجاویز پر رضامند ہوگیا اور دیا سنگھ کو (جو اٹک کے قریب ایک سکھ فوج کے ہمراہ کسی بھی ممکنہ ہنگامی حالت کا سامنا کرنے کے

لیے پہلے سے موجود تھا) لاہور کے حکمران کے نام پر قلعہ کا قبضہ دے دیا۔ فقیر عزیز الدین اور دیوان دیوی داس کو فوری طور پر ایک مضبوط فوج کے ہمراہ اردگرد کے علاقہ کا تصفیہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ فتح خاں نے مہاراجہ سے اس کی طرف سے غاصبانہ قبضہ کرنے پر احتجاج کیا اور اس پر الزام لگایا کہ اس نے مبینہ طور پر دغابازی سے کام لیا ہے۔ اس نے فوری طور پر قلعہ کو حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا' جسے رنجیت سنگھ نے اپنی طاقت کے بھروسہ پر دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک کشمیر کے مال غنیمت میں سے حصہ دینے کا وعدہ پورا نہیں کیا جاتا۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس پر فتح خاں کشمیر کے معاملات اپنے بھائی عظیم خاں کے سپرد کرنے کے بعد اٹک کی طرف روانہ ہوا۔ قلعہ اٹک کا تنگ محاصرہ کر لیا گیا۔ کرم چند چاہل ایک فوجی دستہ کے ہمراہ قلعہ کو آزاد کرانے کے لیے لاہور سے روانہ ہوا اور اس کی تھوڑی ہی دیر بعد دیوان محکم چند برہان سے روانہ ہوا۔ سکھ اور افغان افواج کافی عرصہ تک ایک دوسرے کے سامنے پڑی رہیں۔ لہٰذا کئی جھڑپیں ہوئیں' جن میں سکھوں کو بہت نقصان پہنچا لیکن دیوان محکم چند نے اس وقت تک عام حملہ سے اجتناب کیا جب تک افغانوں کے پاس رسد ختم نہیں ہوگئی اور موسم گرما شروع نہیں ہوگیا۔ اس صوبہ میں قحط کا گزر بھی ہوچکا تھا۔ آخرکار موسم میں کافی شدت آگئی تو دیوان نے فوج کو حرکت دینے کا ارادہ کیا اور قلعہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر دریائے سندھ کے کنارے واقع ہیدرو کی طرف پیش قدمی کر دی۔ افغانوں نے سکھوں کی مزید پیش قدمی روکنے کے لیے مورچہ سنبھال لیا۔ ان کی سوار فوج کے ایک حصہ کی قیادت وزیر کا ایک بھائی دوست محمد (بعد میں کابل کا مشہور و معروف امیر بنا) کر رہا تھا۔ افغان فوج زیادہ تر ملکیہ مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ دیوان حملہ کے لیے تازہ دم تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے سکھوں کو جنگ کے لیے ترتیب دیا۔ سوار فوج کو چار حصوں میں تشکیل دیا گیا۔ اس وقت موجود پیادہ فوج کی واحد بٹالین مربع شکل میں تھی اور غوث خاں کی قیادت میں توپ خانہ ان سب کی مدد کے لیے تھا۔ دوست محمد نے پہلے پہل ہراول دستے کے ذریعے زبردست حملہ کیا۔ تاہم سکھ بٹالین کی زبردست فائرنگ سے اسے پسپا کر دیا گیا۔ افغان دوبارہ جمع ہوئے اور دوست محمد نے اپنی سوار فوج کے ساتھ عام حملہ کر کے سکھوں کی اگلی فوج کو ابتری میں مبتلا کر دیا اور ان کی چند توپوں پر قبضہ کر لیا۔ سکھ پسپا ہونا شروع ہوگئے لیکن محکم چند دو توپوں کے ہمراہ اپنے ہاتھی پر آیا اور دشمن پر بوچھاڑ کر دی۔ لہٰذا افغان کچھ اس مزاحمت سے اور کچھ سورج کی جھلسا دینے والی گرمی سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئے اور سکھوں نے اپنی مقبوضہ توپوں کو

بازیاب کرا لیا۔ فتح خاں کو جب اس بات کا یقین ہوگیا کہ دوست محمد خاں قتل ہوگیا ہے تو بھاگ اٹھا۔ لہٰذا فاتح سکھوں نے افغانوں کا تعاقب کیا اور انہیں خیر آباد سے باہر نکال دیا۔ وزیر فتح خاں پشاور، کوہاٹ اور یوسف زئی کو اپنے ایک اور بھائی یار محمد کے انتظام میں چھوڑ کر اور سلطان محمد کو اس کا نائب مقرر کر کے واپس کابل کی طرف لوٹ گیا۔ محکم چند قلعہ اٹک کو آزاد کرانے کے بعد اگست کے مہینہ میں فاتح کی حیثیت سے واپس لاہور آیا۔ ہیدرو کی جنگ ۱۳ جولائی ۱۸۱۳ء کو لڑی گئی اور پہلی مرتبہ تاریخ میں سکھ فوج نے دربار لاہور کی قیادت میں افغانوں کو شکست دی۔ انہوں نے اس وقت سے اپنی طاقت کا خوف بٹھانا شروع کر دیا تھا۔ اس عظیم اور فیصلہ کن فتح کی خوشی میں لاہور میں زبردست جشن منائے گئے۔ راج میں تمام اہم مقامات پر توپوں کی سلامی دی گئی جب کہ لاہور، امرتسر اور بٹالہ کے شہروں میں خوب چراغاں کیا گیا۔ ان خوشیوں اور جشنوں میں دو ماہ گزارے گئے۔ اس کے اختتام پر اسوج (ستمبر) میں مہاراجہ نے بذات خود اپنے نئے فتح شدہ صوبہ اٹک کا دورہ کیا، جس کا مقصد پٹھانوں کو مزید ڈرانا دھمکانا اور ان دور دراز علاقوں میں اپنی دھاک بٹھانا تھا۔

کشمیر کی مہم

اکتوبر ۱۸۱۳ء میں مہاراجہ نے براستہ پٹھانکوٹ جوالا مکھی اور کانگڑا کا دورہ کیا اور اس کے بعد سیالکوٹ میں کنور کھڑک سنگھ کے پڑاؤ میں جا شامل ہوا۔ تب وزیر آباد اور گجرات کا راستہ اختیار کر کے وہ بھمبر پہنچا اور جہلم کے کنارے پر خیمہ زن ہوگیا۔ یہاں پر ایک بہت بڑے پیمانے پر کشمیر کے لیے ایک مہم کی تیاریاں کی گئیں، لہٰذا تمام جاگیرداروں اور پہاڑی راجاؤں کو اطلاع بھیجی گئی کہ وہ اپنی فوجوں کے ہمراہ مہاراجہ کے پڑاؤ میں شامل ہو جائیں۔ سردار دسیہ سنگھ مجیٹھیہ کو نذرانہ وصول کرنے کے لیے مقرر کیا گیا، لہٰذا وہ نورپور کے راجہ سے ۴۰ ہزار روپے، جسروٹا کے راجہ سے ۵۰ ہزار روپے اور چھوٹے پہاڑی راجاؤں سے ایک لاکھ روپیہ وصول کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ توپ خانہ میں بہتری پیدا کرنے کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے اور زنبورک کو زیادہ موثر بنایا گیا، لہٰذا جب تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں تو مہاراجہ نے جہلم کو پار کیا اور بھمبر و روہتاس میں داخل ہوگیا۔ راجوڑی کے مقام پر وہاں کا راجہ اگر خاں اس کے ساتھ شامل ہوگیا اور اس نے راجہ کا پرتپاک استقبال کیا۔ راجوڑی سے سات کوس کے فاصلہ پر ٹھٹھہ کو بڑی آسانی سے تسخیر کر لیا گیا، لیکن پانچ کوس آگے پیر پنجال سلسلہ کے راستے پر واقع بہرام قلعہ کے مقام پر وزیر

روح اللہ کی قیادت میں کشمیری فوج نے زبردست مزاحمت کی۔ اس جگہ پر رسائی اس لیے مشکل تھی کہ چاروں طرف گہری ندیاں بہتی تھیں۔ حاکم کشمیر کے حکم سے تھٹھہ اور بہرام قلعہ کے درمیان ایک ندی کے اوپر قائم پل کو تباہ کر دیا گیا' لیکن راجوڑی کے راجہ نے ایک اور رستے کی نشاندہی کر دی' جس نے ندی کو پار کرنے کی ضرورت پوری کر دی۔ سردار دل سنگھ' دیوان رام دیال' جودھ سنگھ کلسیہ اور فتح سنگھ آہلووالیہ کی قیادت میں ۳۰ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج روانہ کی گئی اور سکھ فوج نے بغیر کسی دشواری کے درے پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازیں دیسہ سنگھ مجیٹھیہ' دیا سنگھ' جوند سنگھ' حکم سنگھ چمنی اور دیوان بھوانی راس نے کمک پہنچائی' جو زنبورک توپ خانہ کے ساتھ وادی میں پہنچ گئے تھے۔ بہرام قلعہ (جس کا شمار وادی کے انتہائی دشوار گزار دروں میں ہوتا تھا) کی تسخیر کے موقع پر مہاراجہ کے پڑاؤ میں بہت زیادہ خوشی منائی گئی' لہٰذا اب سردار میت سنگھ' شام سنگھ' راجہ اگر خاں' دھنہ سنگھ مالوائی اور نامدار خاں ٹھاکر کے لیے پیر پنجال سلسلہ کوہ پر چڑھائی کرنے کے لیے احکامات جاری کیے گئے۔ لیکن زبردست بارشوں نے سکھ فوجیوں کی مزید پیش قدمی میں مداخلت کی اور اس بات کی اطلاع بھی ملی کہ پیر پنجال کی چوٹیاں ابھی تک برف سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ چنانچہ مزید کارروائیوں کو روک دیا گیا اور مہاراجہ راجوڑی کے پار نئے مقبوضہ دروں کو مستحکم کرنے کے انتظامات کرنے اور منتخب مقامات پر غلہ اور ذخائر جمع کرنے کے بعد ۲۶ر دسمبر کو براستہ بھمبر اور روہتاس واپس لاہور آگیا۔

راجوڑی کے پار پہاڑوں میں کارروائی کے دوران مہاراجہ کو دریائے سندھ کے مغرب میں ڈیرہ جات میں کالا باغ کے مقام پر وزیر فتح خاں کی آمد کی اطلاع ملی۔ ڈیرا اسماعیل خاں کا نواب سربلند خاں پہلے ہی وزیر کو بے شمار گھوڑے اور اونٹ پیش کر کے اس کو خوش آمدید کہہ چکا تھا' جبکہ ڈیرہ غازی خاں کے ناظم عبدالجبار خاں نے دریائے سندھ پر ۳۰ کشتیاں اس کے حوالے کر دی تھیں۔ وزیر نے ملتان کے خلاف منصوبے تیار کر رکھے تھے' لہٰذا نواب مظفر خاں نے حملہ کے ڈر سے اپنے وکیل غلام محمد کو کابلی وزیر کے خلاف مدد مانگنے کے لیے لاہور کے دربار میں روانہ کیا۔ کنور کھڑک سنگھ کو ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ ملتان کے نواح میں سرائے کی طرف فوری طور پر روانہ کر کے یہ ہدایات دی گئیں کہ جیسے ہی کابلی وزیر تریمو گھاٹ کو پار کرے' وہ اسی وقت ملتان کی طرف پیش قدمی کر دے۔ ان بروقت اقدامات نے ملتان کی طرف وزیر کی پیش قدمی کو روک دیا اور اسے کابل کی طرف لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔

اسی دوران مہاراجہ کو خبر ملی کہ کمد کا افغان سردار ولی خاں زیادتیوں کا مرتکب ہو رہا ہے۔ سرکش سردار کے ہوش ٹھکانے لگانے کے لیے دیوان محکم چند کو اس طرف روانہ ہونے کا حکم دیا گیا۔ دیوان' سردار جودھ سنگھ رام گڑھیہ' دل سنگھ اور پہاڑ سنگھ مان کے ہمراہ کمد کی طرف روانہ ہوا۔ لہٰذا ولی خاں ۵۰ ہزار روپے نذرانہ پیش کرنے پر رضامند ہوگیا' لیکن بعد ازیں جب اس نے دیکھا کہ اپنے وعدہ کو پورا نہیں کر سکے گا تو قلعہ اٹک سے باہر نکل گیا۔ چنانچہ اس کے پورے علاقے کو ریاست لاہور میں شامل کر لیا گیا۔ دیوان محکم چند' دل سنگھ کو معاملات کا انتظام سونپ کر لاہور آ گیا۔ اس کی تھوڑی دیر بعد مہاراجہ کو یہ خوشخبری ملی کہ دیوان بھوانی داس (جسے اس ریاست کے خلاف ایک مہم پر روانہ کیا گیا تھا) نے ہری پور کے پہاڑی علاقہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس فتح کی خوشی میں لاہور میں شاہی توپوں کی سلامی دی گئی اور سردار بھوپ سنگھ' جسے کچھ عرصہ قبل دھوکہ دہی سے گرفتار کر لیا گیا تھا' اب قید سے رہا کر کے گزر بسر کے لیے ایک چھوٹی سی جاگیر عطا کی گئی۔

مارچ ۱۸۱۳ء میں مہاراجہ نے ذہین سیاستدان گنگا رام کے بارے میں سنا' تو بھائی لعل سنگھ اور سردار ہمت سنگھ جلاوالیہ کی سفارش پر ایک عہدہ کی پیشکش کے ساتھ دہلی سے لاہور آنے کی دعوت دی۔ گنگا رام کا والد کشن داس کشمیر کا آبائی باشندہ تھا اور ۱۷۵۲ء میں کشمیر پر احمد شاہ کی فتح کے بعد ہونے والے فسادات کے دوران ترک وطن کر کے ہندوستان آ گیا تھا۔ گنگا رام نے گوالیار کے مہاراجہ سندھیہ کی ملازمت میں ایک فرانسیسی افسر کرنل لوئیس برکیونن کے تحت اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا تھا اور جب ۱۸۰۹ء میں جنرل سر ڈیوڈ اوچڑلونی نے حکومت برطانیہ کے ساتھ سس ستلج ریاستوں کے سرداروں کے ساتھ تعلقات استوار کیے تو ان ریاستوں کی سیاست کے خفیہ علم نے اس کی طرف سے اس افسر کو بہت فائدہ پہنچایا۔ گنگا رام نے لاہور پہنچنے پر مہاراجہ کو گنگا کا پانی پیش کیا' لہٰذا اسے مہاراجہ کی مہر سونپنے کے بعد محکمہ فوج کا سربراہ اور بے قاعدہ افواج کا خزانچی مقرر کیا گیا۔ اس محکمہ کا سربراہ بھوانی داس تھا۔

کوہ نور ہیرا

اب ہم رنجیت سنگھ کی زندگی کے ایک ایسے واقعہ کی طرف آتے ہیں جس نے اس ملک پر حکمرانی کرنے والے بادشاہوں میں سب سے زیادہ لالچی' غیر مہذب اور خود غرض ہونے کی وجہ سے اس کی یاد پر ایک دھبہ لگا دیا ہے۔ یہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے کہ کشمیر

کے خلاف کارروائی کے دوران دیوان محکم چند' شاہ شجاع الملک' سابق بادشاہ کابل کو لاہور لے کر آیا۔ مہاراجہ نے اس کے رتبے کے مطابق اس کا والہانہ استقبال کیا۔ ولی عہد کنور کھڑک سنگھ کو بادشاہ کا استقبال کرنے کے لیے شاہدرہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ شہر میں مبارک حویلی کے نام سے مشہور گھر بادشاہ' اس کے اہل خانہ اور اقربا کے حوالے کر دیا گیا۔ جیسے ہی بادشاہ نے شہر میں رہائش اختیار کی تو فوراً ہی اس سے اور اس کی بیوی وفا بیگم سے عظیم ہیرے "کوہ نور" (جس نے کسی زمانہ میں مغلوں کے تخت کو زینت بخشی تھی) کا مطالبہ شروع کر دیا گیا۔ شاہ سے وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ اس عظیم ہیرے کو حوالے کر دے تو اسے اس کے بدلے میں ایک بہت بڑی رقم اور ایک قیمتی جاگیر دی جائے گی۔ شاہ نے کہا کہ وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ جبکہ وفا بیگم نے اعلان کیا کہ اس کے خاوند کی گزشتہ مہمات کے لیے روپیہ فراہم کرنے کے لیے اسے کابل کے سوداگروں کے پاس ایک بہت بڑی رقم کے عوض گروی (رہن) رکھا گیا ہے۔ مہاراجہ نے ان بہانوں کو نظرانداز کر کے شاہ کی رہائش گاہ کے گرد ایک مضبوط حفاظتی دستہ مقرر کر دیا۔ سخت تلاشی کے بغیر نہ کوئی آ سکتا اور نہ ہی جا سکتا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ افغان بادشاہ کو انتہائی قیمتی ہیرا حوالے کرنے کی ترغیب دلانے کے لیے محض حراست یا نگرانی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا' تو مہاراجہ نے کمینگی کی حد تک اتر کر اسے زبردستی چھیننے کی تدبیر سوچی۔ بادشاہ کو ہر قسم کے کھانے پینے سے محروم کر دیا گیا۔ پورے دو روز تک بادشاہ کے باورچی خانہ میں چولہا نہیں جلا' لہٰذا شاہ' اس کی بیگمات' بچے اور نوکر چاکر زبردست فاقہ کے شکار ہوگئے' حتیٰ کہ جلاوطن خاندان کو بھی اس ظلم کا نشانہ بنایا گیا' لہٰذا رنجیت سنگھ نے اپنی شہرت کا لحاظ کرتے ہوئے کھانے پینے کی پابندی اٹھالی۔ جب قید و بند اور کھانے پینے سے محرومی کی تدابیر کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو اب چالاکی اور فریب کا راستہ اختیار کیا گیا۔ دربار میں دو جعلی خط تیار کیے گئے' جن کے بارے میں جھوٹ موٹ بتایا گیا کہ شجاع الملک نے وزیر فتح خاں کو لکھے ہیں اور انہیں پکڑ لیا گیا ہے۔ ان میں بیان کیا گیا کہ شاہ کو لاہور کے حکمران کے ہاتھوں عدم رواداری اور برے سلوک کا سامنا ہے اور اس جبر و ستم کے خاتمے کے لیے وزیر اور افغانوں سے مدد کی استدعا کی گئی تھی۔ بظاہر یہ بہانہ شاہ کے خلاف ظلم اور زبردستی میں اضافہ کرنے کے لیے کافی تھا' لہٰذا اس کی رہائش گاہ پر ایک اضافی مضبوط حفاظتی دستے کی تعیناتی کو لازمی قرار دے دیا۔ پہلے دستوں کے علاوہ شہر میں بادشاہ کی حویلی پر نئی تشکیل شدہ رجمنٹوں سے سکھ پیادہ فوج کی دو کمپنیوں کو بھی تعینات کیا گیا اور شاہ کو خاندان سے علیحدہ کرنے کی دھمکی

دینے کے علاوہ یہ بتا دیا گیا کہ اگر اس نے ہیرے کے بارے میں مطالبہ کو پورا نہ کیا تو اسے امرتسر روانہ کر دیا جائے گا' جہاں وہ گووند گڑھ کے قلعہ میں قیدی کی حیثیت سے رہے گا۔ اسے ذاتی تشدد کی دھمکیاں بھی دی گئیں' لہٰذا اس قیمتی ہیرے کو ہتھیانے کے لیے ہر ممکنہ طریقے کو استعمال کیا گیا۔ شاہ نے جب دیکھا کہ تکرار کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا تو اس نے بھی اپنی طرف سے چال چلنے کا ارادہ کر لیا' لہٰذا اس نے کہا کہ ہیرے کو حاصل کرنے کے لیے اسے دو ماہ کا وقت دیا جائے کیونکہ ایک بہت بڑی رقم کے عوض اسے چند بینکاروں کے پاس رہن رکھا ہوا ہے اور اسے چھڑانے کے لیے اتنا عرصہ درکار ہوگا۔ مہاراجہ نے بادل نخواستہ اتنا وقت دے دیا جس کی درخواست کی گئی تھی۔ اس طرح جبر و ستم میں عارضی طور پر ٹھہراؤ آ گیا۔ لیکن سکھ مہاراجہ مطلوبہ ہیرے کو حاصل کرنے کے لیے اتنا بے چین تھا اور اسے شاہ کے وعدے پر اتنا بھی بھروسہ نہیں تھا کہ اس نے اس سے پہلے ہی ہیرے کے بارے میں کڑے مطالبات کو دہرانا شروع کر دیا۔ شاہ نے لاہور کے اس لالچی حکمران کے ہاتھوں ذلت سے تنگ آ کر اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اگر اس نے ہیرے کو حوالے کرنے میں تاخیر سے کام لیا تو سکھ اسے زندگی سے محروم کرنے سے بھی نہیں ہچکچائے گا' آخرکار اس کا مطالبہ پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مہاراجہ کو یہ خبر ملی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی' لہٰذا اس نے یکم جون ۱۸۱۳ء کو ہیرا وصول کرنے کے لیے فقیر عزیز الدین' بھائی گوربخش سنگھ اور جمعدار خوشحال سنگھ کو روانہ کیا۔ تاہم شاہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ جیتنے والا انعام خود حاصل کرے۔ رنجیت سنگھ نے بڑی خوشی سے شاہ کے ساتھ اپنے سرکردہ درباریوں کے ہمراہ ملاقات کرنے کے لیے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔

یہ ملاقات یکم جون کو مبارک حویلی میں شاہ کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ جلاوطن بادشاہ نے لاہور کے حکمران کا والہانہ استقبال کیا۔ لہٰذا دونوں بادشاہ تقریباً ایک گھنٹے تک خاموش بیٹھے رہے۔ آخرکار رنجیت سنگھ نے بے چین ہو کر اپنے ایک خدمت گار کے کان میں سرگوشی کر کے کہا کہ وہ شاہ کو اس کا وعدہ یاد دلائے۔ چنانچہ شاہ نے اپنے ایک خواجہ سرا کو اشارہ کیا۔ وہ اندر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک چھوٹا سا گول لپٹا ہوا کپڑا لے کر آیا اور اسے اپنے آقا اور مہاراجہ کے درمیان رکھ دیا۔ مہاراجہ نے اس کے بعد دیوان بھوانی داس کو حکم دیا کہ وہ اس کپڑے کو کھولے۔ لہٰذا ہیرے کو پوری آب و تاب کے ساتھ باہر نکال کر شناخت کیا گیا۔ مہاراجہ نے فوراً اسے پکڑ کر جیب میں رکھ لیا۔ بادشاہ نے پہلے اس درخشندہ ہیرے کو ایک زمرد میں نصب کر رکھا تھا' جسے وہ اپنے بازو پر پہنا کرتا تھا' مگر اب اسے

نکال کر سونے میں جڑ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد تحائف کا تبادلہ ہوا اور بادشاہ کو گزر بسر کے لیے ایک جاگیر عطا کی گئی اور کابل کو بازیاب کرانے میں مدد دینے کا وعدہ بھی کیا گیا۔ شاہ کی نگرانی پر مامور پہرے داروں کو ہٹا لیا گیا اور شہر میں گھومنے پھرنے کی آزادی دے دی گئی۔ بادشاہ اکثر ایک سرکاری پالکی میں جاتا تھا۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا' جس نے مہاراجہ اور سابق بادشاہ کے درمیان ناخوشگوار رجحانات کو جنم دیا۔ گوجرانوالہ کے کاردار نے ایک خط روانہ کیا' جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اسے افغان بادشاہ کے ایک مصاحب قاضی شیر محمد نے لکھا ہے اور اسے ایک پٹھان سے لیا گیا ہے۔ خط میں کشمیر کے نئے حاکم محمد عظیم خاں سے خطاب کیا گیا تھا اور وزیر فتح خاں کے ساتھ مشترکہ طور پر لاہور پہ ایک حملہ کی تجویز پیش کی گئی تھی کہ اس سے لاہور کے مہاراجہ کو بڑی آسانی سے قتل کر دیا جائے گا اور شاہ کی جماعت شہر میں اس کا انتظام کر دے گی۔ اس خط کو سننے کے بعد رنجیت سنگھ نے ایک شہزادے کو روانہ کیا کہ وہ سابق بادشاہ کو اس کے مندرجات تفصیل سے بیان کر دے۔ شاہ شجاع نے مہاراجہ کو اختیار دے دیا کہ وہ جس طرح مناسب سمجھتا ہے' قاضی کے ساتھ سلوک کرے اور کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔ محافظوں نے اس بزرگ کو چھڑیوں اور جوتوں سے اس بری طرح پیٹا کہ اس کو غش آ گیا' مگر آفرین ہے اس پٹھان کھوپڑی کی سختی پر کہ وہ بڑے تحمل سے اس سزا کو برداشت کر گئی اور پرہیزگار قاضی سے شاہ کے متعلق کوئی راز اگلوانے میں یکسر ناکام کر دیا' جو آخر تک کہتا رہا کہ اس کا آقا معصوم ہے۔ اس کے بعد اسے قید خانے میں ڈال دیا گیا' لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد شاہ نے اپنے جاںنثار مصاحب کو رہا کرانے کے لیے دربار کو ۲۰ ہزار روپے ادا کر دیے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب مہاراجہ نئے فتح کیے گئے صوبہ اٹک میں اپنی طاقت کو مجتمع کرنے اور کابلی وزیر فتح خاں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے کے لیے دریائے سندھ کی طرف روانہ ہوا تو وہ اپنے ساتھ شاہ شجاع کو بھی لے کر آیا تھا۔ بظاہر اس کا مقصد اسے کشمیر کے خلاف حتمی منصوبوں اور دریائے سندھ کے پار علاقہ میں اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کرنا تھا۔ اب موسم میں چونکہ بہت زیادہ شدت آ گئی تھی' اس لیے مہاراجہ اچانک واپس لوٹ آیا اور سابق بادشاہ بھی آہستگی سے اس کے پیچھے ہو لیا' لیکن اس کے اپنے گھر میں غدار موجود تھے' لہٰذا راستے میں اس کی متعدد قیمتی اشیاء کو لوٹ لیا گیا۔ شاہ کا خیال تھا کہ ڈاکو سکھ تھے جبکہ بادشاہ نے مسٹر ا-ملفین سٹون کو پشاور لے جانے کے لیے جس افسر کو روانہ کیا تھا' خیال ہے کہ اس نے سفر کے دوران شاہ

کے لیے مصائب کے پہاڑ کھڑے کر دیے تھے۔ اسی میر ابوالحسن نے اپنے آقا کی جائیداد کا ایک بہت بڑا حصہ ہڑپ کر لیا تھا اور یہ وہی شخص تھا جس نے لاہور میں رنجیت سنگھ کو اصل میں کوہ نور ہیرے اور دیگر قیمتی اشیاء کی نگہداشت کے بارے میں مطلع کیا تھا۔ اسی نے بادشاہ کے خلاف سازش تیار کی تھی' جس کے ذریعے یہ باور کرایا گیا تھا کہ بادشاہ حاکم کشمیر کے ساتھ مل کر سکھ بادشاہت کو ختم کرنے کے لیے منصوبے بنا رہا ہے اور آخر میں اسی شخص نے پنجاب کے دارالخلافہ سے فرار کے لیے جلاوطن خاندان کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کیں۔

اس کے بعد رنجیت سنگھ نے جو کام کیا وہ انتہائی ہتک آمیز' سخت اور جبر و ستم سے بھرپور تھا۔ غدار ابوالحسن کی فراہم کردہ اطلاع اور اٹک سے سکھ دارالحکومت تک شاہ کے سفر میں رونما ہونے والے ناخوشگوار واقعات کی تصدیق ہونے پر رنجیت سنگھ کے دماغ میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا تھا کہ ابھی شاہ کے پاس انتہائی نادر اور قیمتی جواہرات کا ذخیرہ موجود ہے۔ چنانچہ ان کے بارے میں بھی مطالبہ کر دیا گیا' لہٰذا جب شاہ نے جواب میں کہا کہ اس کے پاس کچھ نہیں بچا' تو بھائی رام سنگھ کے ساتھ شاہ کے حرم کے اندرونی کمروں کی تلاشی لینے کے لیے اور قیمتی پتھروں پر مشتمل وہاں سے ملنے والے صندوقوں یا پوٹلیوں کو لانے کے لیے عورتوں کی جماعت کو روانہ کیا گیا۔ تلاشی لینے والی عورتوں نے جو کارروائیاں کیں' وہ شاہی گھرانے کی بدنصیب خواتین کے لیے سراسر ہتک آمیز تھیں' لیکن انہیں اس سلوک کو تحمل کے ساتھ برداشت۔ کرنا تھا' لہٰذا ان کے قبضے میں ہر صندوق اور پوٹلی کو تلاش کر کے سکھ مہاراجہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ جواہرات کے علاوہ تلواروں' پستولوں اور قیمتی اشیاء بشمول نادر خوبصورتی کے قالینوں اور حرم کی خواتین کے استعمال میں آنے والے قیمتی ملبوسات کے ایک بہت بڑے ذخیرے پر قبضہ کر کے لالچی بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ رنجیت سنگھ نے بادشاہ کے میر خواجہ سرا کو حکم دیا کہ وہ ان صندوقوں کو کھولے' لہٰذا اس نے تمام جواہرات اور انتہائی خوبصورت اور قیمتی اشیاء کو قبضہ میں لے لیا۔ شاہ' جسے شالامار باغ میں ایک عارضی رہائش گاہ دی گئی تھی' حکم دیا گیا کہ اسے شہر میں منتقل کر دیا جائے' جہاں دوبارہ اس پر جبر و ستم کے پہاڑ توڑ دیے گئے۔

شاہ نے گراں قدر ہیرے اور کسی زمانے میں درانی خاندان کے تخت کو مزین کرنے والے خزانوں سے محروم ہونے کے بعد یہ سوچا کہ اگر اب بھی وہ سکھ دارالحکومت میں قیام کرے گا تو لالچی میزبان کوئی بہانہ ڈھونڈ کر اس کی زندگی ختم کر دے گا۔ چنانچہ اس نے

اپنے خاندان کے ہمراہ فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ پہرے پر موجود سکھوں کو رشوت دی گئی اور دہلی میں برٹش ریزیڈنسی کے خزانچی اور عظیم بینکار سوگن چند کے نمائندے ہندوستانی باشندے خزانچی بالک رام سے خط و کتابت شروع کی گئی۔ ایک رات شاہ کی بیگمات نے ہندو عورتوں کے کپڑے پہنے اور بیلوں والے ایک چھکڑے میں بیٹھ کر بالک رام کی مدد سے شہر سے باہر چلی گئیں اور انہیں لدھیانہ پہنچا دیا گیا' جہاں اسسٹنٹ ایجنٹ کیپٹن برچ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ شاہ کے حرم کے فرار کے بارے میں رنجیت سنگھ کو نومبر کے آخر میں بتایا گیا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے شاہ کی رہائش گاہ پر مضبوط مسلح حفاظتی دستہ متعین کر دیا اور اس سے یہ اگلوانے کے لیے کہ بیگمات کہاں ہیں' اسے تشدد کی دھمکیاں دی گئیں۔ اس نے ان کی حرکات و سکنات کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ ان کے ارادوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ شہر میں سخت قسم کی تلاشی لی گئی اور پردے دار خواتین کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ جن سوداگروں کے پاس شاہ یا شاہی خاندان کے کسی فرد کی کوئی ملکیت تھی' اس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اسے لاہور کے خزانچی کے حوالے کر دیا جائے۔ آخرکار لاہور کے مہاراجہ کو مطلع کیا گیا کہ افغان خواتین سکھ دارالحکومت سے خزانچی بالک رام کی مدد سے فرار ہوئی ہیں۔ چنانچہ اس افسر کو امرتسر میں اس کی رہائش گاہ پر گرفتار کر کے اسے ہیرا سنگھ توپی کے حوالے کر دیا گیا۔ امرتسر میں اس کے مکانات کو ضبط کر کے اسے حسابات کی کتابیں دکھانے پر مجبور کیا گیا۔ اس ہندو کے قبضہ میں شاہ اور اس کے خاندان کی تمام جائیداد کو ضبط کرنے کے بعد اسے رہا کر دیا گیا۔

لاہور سے شاہ کا فرار

شاہ بھی اپریل ۱۸۱۵ء کی ایک اندھیری رات میں بھیس بدل کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ گلی کی طرف فراش خانہ کی دیوار میں ایک سوراخ کر دیا گیا۔ چنانچہ شاہ اپنے دو غلاموں اور شہزادہ حیدر و شہزادہ ظفر کے ہمراہ اس میں سے نکل گیا۔ شہر کے دروازے بند پا کر شاہ شہر میں لاہوری دروازہ کی نالی کے ذریعے نکلنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد وہ بھاٹی دروازہ کے باہر حضرت داتا گنج بخش" کے مزار اقدس میں گیا اور وہاں اپنے کپڑے صاف کیے جو نالی میں سے گزرنے کے باعث آلودہ ہو گئے تھے۔ داتا صاحب" کے مزار مبارک پر دعا مانگنے کے بعد اس نے سہ پہر کے تقریباً ۲ بجے دریائے راوی کو پار کیا۔ انکشاف سے بچنے کے لیے جان بوجھ کر ستلج کی طرف جانے والے راستے سے احتراز برتا گیا کیونکہ قدرتی طور پر رنجیت سنگھ کا شک لدھیانہ ہی کی طرف ہوتا' وہ اس لیے کہ اس بات کا امکان تھا

کہ شاہ وہیں پر پناہ حاصل کرے گا۔ مہاراجہ کو جب شاہ کے فرار کے بارے میں مطلع کیا گیا تو اس نے مبارک حویلی میں شاہ کی رہائش پر تعینات مسلح محافظوں کی بڑی بے عزتی کی اور قیدی بادشاہ کی بازیابی کے لیے ایک انعام کی پیشکش کر دی۔ سواروں کو ہر طرف بھیجا گیا لیکن اب مفرور قیدی کا کوئی پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ جمعدار خوشحال سنگھ کو اس بات پر مقرر کیا گیا کہ وہ تفتیش کر کے بتائے کہ شاہ کس طرح فرار ہوا اور سکھ دارالخلافہ سے اس کے فرار کے کون لوگ ذمہ دار ہیں۔ اس تفتیش کے نتیجہ میں شہر کے دروازوں کے دربانوں شادی خاں اور یوسف خاں کو امرتسر جلاوطن کر دیا گیا' جہاں انہیں قید میں ڈال دیا گیا جبکہ شہر کے دروازوں پر متعین پرانے محافظوں کو ہٹا کر نئے سکھ محافظ ان کی جگہ مقرر کیے گئے۔

شاہ ایک بیل گاڑی کے ذریعے (جسے اس نے کرائے پر لیا تھا) گوجرانوالہ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے براستہ سیالکوٹ' جموں کی طرف چلا گیا۔ جموں سے وہ کستور گیا۔ وہاں کے سردار نے اس کا والہانہ استقبال کیا اور رنجیت سنگھ سے ناراض چند سکھ بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ شاہ نے ۱۸۱۵ء کے موسم سرما میں کستور کے سردار کی مدد سے تین ہزار افراد پر مشتمل فوج جمع کر کے ایک بار پھر کشمیر کی طرف قسمت آزمائی کی۔ تاہم سردی نے پیر پنجال سلسلہ کوہ کو عبور کرنے سے روکا' لہٰذا جب وادی میں داخل ہونے کی کوشش میں اسے ناکامی ہوگئی تو اس کی فوج تتر بتر ہوگئی اور وہ مراجعت کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اس ناکامی کے بعد اس نے اپنے پرجوش پہاڑی میزبان کے ساتھ کچھ عرصہ تک رہائش اختیار کی اور اس کے بعد کلو کے پہاڑوں میں سفر کر کے ایک طویل اور پیچیدہ راستے کے ذریعے اور انتہائی مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد ستمبر ۱۸۱۶ء میں لدھیانہ پہنچ گیا' جہاں دوبارہ اپنے خاندان کے ساتھ مل گیا اور اس نے اپنے آپ کو حکومت برطانیہ کی حفاظت میں دے دیا۔ برطانوی حکام نے شاہ کی خوب آؤ بھگت کی' لہٰذا اس کے خاندان کی گزر بسر کے لیے ۱۸ ہزار روپے سالانہ کی جو رقم مختص کی گئی تھی' اس کی آمد پر اسے بڑھا کر ۵۰ ہزار روپے کر دیا گیا' جبکہ حکومت نے اس کے نابینا بھائی شاہ زمان کے لیے ۲۴ ہزار روپے کا ایک علیحدہ وظیفہ مقرر کیا۔

کابل کے جلاوطن بادشاہوں کے بارے میں یکساں طور پر بیان کرنے کے بعد اب یہ ضروری ہے کہ ہم ۱۸۱۳ء کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے متعلق بیان کریں۔

ہولی کے تہوار کو معمول کے مطابق دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ منانے اور امرتسر کے مقدس تالاب میں اشنان کرنے کے بعد مہاراجہ نے اپریل ۱۸۱۴ء میں کانگڑا

سے متعلق پہاڑی راجاؤں کو خراج کی ادائیگی پر مجبور کرنے کے لیے اپنی فوج کو پہاڑوں کے نشیب میں واقع آدینہ نگر کی طرف روانہ کیا۔

کشمیر کی اگلی مہم

سال کے وسط میں اس نے کشمیر کی مکمل فتح کے بارے میں پختہ ارادہ کیا۔ چنانچہ فوجی کارروائیوں کا آغاز کر دیا گیا۔ تمام پہاڑی راجاؤں کے علاوہ میدانی علاقوں کے سرداروں کو بھی سیالکوٹ بلایا گیا لہٰذا مہاراجہ بذات خود اس طرف روانہ ہوا اور فوج کے عظیم الشان معائنہ کا اہتمام کیا گیا۔ تجربہ کار دیوان محکم چند نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ موسم سازگار نہیں ہے' اس مہم کے خلاف احتجاج کیا۔ اس نے کہا کہ راستے میں مناسب رسد جمع نہیں کی جا سکتی' یہ کہ اگر اشد ضروری نہیں تو پھر بھی اس بات کی ضرورت پڑ سکتی ہے کہ دشمن کی زبردست مزاحمت کے خلاف اشیائے صرف فراہم کرنے کے لیے بھمبر اور راجوڑی میں بڑے بڑے گودام تعمیر کیے جائیں اور یہ کہ پہاڑی سردار دشمن ہیں۔ تاہم ان تنبیہات پر دھیان نہیں دیا گیا اور جب دیوان نے یہ دیکھا کہ مہاراجہ نے پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس نے حملہ آور فوج کے ہمراہ جانے سے رخصت چاہی۔ تاہم بیماری نے اسے دارالحکومت میں پابند کر دیا اور اسے مہاراجہ کی غیر موجودگی کے دوران نظم و نسق برقرار رکھنے کے لیے وہاں رہنے دیا گیا۔ اس کا صرف بائیس سالہ پوتا رام دیال' جو اس سے پہلے بھی اپنی بہادری اور قابلیت کا لوہا منوا چکا تھا' مہاراجہ کے ہمراہ تھا اور اسے فوج کے ایک دستہ کی کمان سونپی گئی تھی۔ فوج جون کے آغاز میں بھمبر کی طرف روانہ ہوئی اور اس مقام سے آہستگی کے ساتھ پیش قدمی کر کے وادی کے راستے پر راجوڑی پہنچ گئی۔

مہاراجہ نے راجوڑی میں شاہ باغ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا اور اس پہاڑی ریاست کے راجہ اگر خاں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ یہاں پر فوج کو اس کے بھاری ساز و سامان سے نجات دلا کر پہاڑوں کے درمیان پیش قدمی کرنے کے لیے مسلح کیا گیا اور مشہور و معروف پیر پنجال کو پار کرنے کے لیے تیاریاں کی گئیں۔ پونچھ کے راجہ روح اللہ خاں کو ساتھ ملانے کی کوشش ناکام ہو گئی کیونکہ اس کا بیٹا پہلے ہی کابلی حاکم محمد عظیم خاں کے پاس یرغمال تھا۔ تب راجوڑی کے راجہ اگر خاں سے مشورہ کیا گیا کہ وادی پر حملہ کرنے کے لیے کون سا راستہ بہتر رہے گا۔ وہ ایک دغاباز حلیف ثابت ہوا۔ اس نے نہ صرف دشمن کی طاقت اور تعداد کے بارے میں رنجیت سنگھ کو دھوکے میں رکھا بلکہ مہاراجہ کی قیادت میں فوج کے ایک دستہ کو مشورہ دیا کہ وہ توشو میدان درے کے ذریعے پونچھ کا راستہ اختیار

کرے اور دوسرے کو یہ مشورہ دیا کہ وہ وادی میں براستہ سوپین' بہرام گلہ راستے کے ذریعے کشمیر میں داخل ہوں۔ بدقسمتی سے اس مشورے پر عمل کیا گیا اور جل دینے کے لیے فوجی دستہ کو اشیائے صرف فراہم کر کے ۱۵ر جون کو دیوان محکم چند کے پوتے رام دیال کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ دیوان کے ہمراہ سردار دل سنگھ' توپ خانے کا کمانڈنٹ غوث خاں' میت سنگھ پدھانہ اور کئی دوسرے سردار اور جاگیردار تھے۔ جمعدار خوشحال سنگھ ہراول دستے کی کمان کر رہا تھا' جو دشمن کا راستہ صاف کرنے کے لیے تھا' جبکہ ہری سنگھ مالوہ اور نہال سنگھ اٹاری والا پچھاڑی کو لا رہے تھے۔ یہ دستہ ۱۸ر تاریخ کو بہرام گلہ کے سامنے پہنچ گیا لہٰذا پونچھ کے راجہ کے محافظوں کو رشوت دے کر درے کا قبضہ حاصل کر لیا گیا۔ اگلے روز نامدار خاں ٹھاکر (جس کا راستے کے متعلق علم گراں قدر تھا) کی زیر نگرانی سکھ فوج کے ہراول دستے نے سرائے اور مدپورہ درہ کے راستے سے پیر پنجال کی بلند و بالا رکاوٹ کو سر کر لیا اور ان مقامات پر متعین افغان محافظوں کو نکال باہر کرنے کے بعد ہیرپور پر قبضہ کر لیا۔ عظیم خاں نے اس شکست کا سنا تو حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مضبوط فوج روانہ کی' لہٰذا ۲۲ر جولائی کو ہیرپور کے قریب ایک جنگ لڑی گئی' جس میں سکھوں نے کشمیریوں کو شکست دے کر سوپین تک ان کا تعاقب کیا۔

۲۴ر تاریخ کو سکھوں نے دیوان رام دیال کی قیادت میں سوپین پر ایک حملہ کیا' لیکن شکور خاں نے شہر کا زبردست مضبوطی کے ساتھ دفاع کیا۔ سکھ ہراول دستے کی قیادت ایک بہادر جوان اور کھڑک سنگھ کی فوج کا کمانڈنٹ جیون مل کر رہا تھا' جس نے بڑی دلیری سے افغان فوج کا مقابلہ کیا۔ سکھ بڑی بہادری سے لڑے' لیکن تعداد میں کم تھے۔ مزید برآں اس جگہ برف کا طوفان بھی آ گیا' لہٰذا سکھ جو اس قسم کے حالات کے عادی نہیں تھے' اس صورت حال میں اپنے قدم جما کر نہیں رکھ سکتے تھے۔ محمد عظیم خاں کا رسالہ پہنچنے پر سکھوں کو مکمل طور پر شکست ہوگئی اور ان کے متعدد سردار مارے گئے' جن میں دلیر جیون مل اور فتح سنگھ چاچی بھی شامل تھے۔ اگلی رات کو شکست خوردہ سکھوں کو زبردست نقصانات کا سامنا کرنا پڑا اور وہ جابر افغانوں سے بچنے کے لیے (جو ان کی پچھاڑی کے قریب پہنچ گئے تھے) برف پوش پہاڑوں اور وادیوں میں مارے مارے پھرنے لگے۔ رام دیال سری نگر کے قریب ایک گاؤں کی طرف چلا گیا' جہاں زخمی افراد اس کے خیمہ کے گرد جمع ہوگئے۔ جو فرار ہونے میں کامیاب ہوئے' وہ پیر پنجال کی سرحدوں پر چلے گئے۔ سکھوں کو کسی قسم کی کمک بھی نہیں پہنچی تھی اور اب ان کی رسد بھی ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ اشیائے خوردنی کی

طرح کمک کا بھی بے چینی سے انتظار کیا جانے لگا۔

تاہم مہاراجہ کی قیادت میں سکھ فوج کا بڑا حصہ' جو پونچھ کی طرف روانہ ہوا تھا' اسے کوئی بہتر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ موسلادھار بارشوں نے راجوڑی سے اس کی پیش قدمی میں تاخیر کر دی' لہٰذا جب فوج نے ۲۶ر جون کو اپنی منزل مقصود کا ارادہ کیا تو بارشوں اور سردی کے نرغے میں آ گئی۔ رنجیت سنگھ ۲۸ر تاریخ کو پونچھ پہنچا تو اسے خالی پایا۔ اس کو پونچھ کے راجہ کے حکم سے خالی کیا گیا تھا۔ وہاں کے لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ سکھ فوج کی آمد پر شہروں اور دیہاتوں کو خالی کر کے حملہ آوروں کے لوٹنے کے لیے پیچھے کوئی چیز چھوڑ کر نہ جائیں۔ غلے کو یا تو دبا دیں یا وہاں سے ہٹا دیں اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں سکھ فوج کے پہلوؤں پر حملہ کریں۔ جلد ہی ان حربوں کے اثر کو محسوس کیا گیا' کیونکہ سکھ فوج کی رسد تیزی سے کم ہو رہی تھی اور اس نے جولائی کے وسط تک پونچھ میں قیام کو ضروری کر دیا تھا۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ اپنی فوج کے ہمراہ مندی کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے وادی کی سرحد پر واقع توشہ میدان کی طرف بڑھا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ محمد عظیم خاں کی فوج' حملہ آور فوج کی پیش قدمی روکنے کے لیے صف آراء تھی۔ راجہ اگر خاں نے رنجیت سنگھ کو مشورہ دیا کہ بہتر یہی ہے کہ کشمیری فوج پر حملہ کر دیا جائے' لیکن مہاراجہ نے دشمن کے مورچہ کا جائزہ لینے کے بعد یہی بہتر سمجھا کہ جارحانہ انداز اپنانے سے احتراز برتا جائے۔ کشمیر اور لاہور کی افواج ایک دوسرے کے سامنے مورچہ بند ہوئیں اور کئی روز تک بے حس و حرکت رہیں۔ یہاں مہاراجہ کو دیوان رام دیال کے بارے میں مطلع کیا گیا کہ وہ پیر پنجال پہاڑی سلسلہ کے پار اندھا دھند کارروائی کر رہا ہے اور اس علاقے میں اس کی فوج کی حالت نہایت دگرگوں ہے۔ لہٰذا اس نے فوراً رام دیال کی مدد کے لیے بھائی رام سنگھ کے ساتھ دیوان دیوی داس اور قصور کے قطب الدین خاں کی قیادت میں پانچ ہزار سوار اور پیادہ فوج کو روانہ کیا۔ بھائی رام دیال کی دگرگوں حالت کا سن کر بہرام گلہ پر ہی قائم رہا۔ محمد عظیم خاں نے جب دیکھا کہ ہر چیز اس کے لیے موافق ہے تو اس نے لاہور کی بڑی فوج کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے کے بارے میں اس وقت کو بہتر خیال کیا' جس کے بارے میں کافی عرصہ سے سوچا جا رہا تھا اور اب سردی' بیماری اور فرار کے باعث اس کو زبردست نقصان پہنچ رہا تھا۔ پونچھ کے راجہ وزیر روح اللہ نے ۹ر جولائی کو سکھوں پر بے قاعدہ فائر کھول دیا' جس کے نتیجے میں سکھ سپاہیوں میں بدنظمی پھیل گئی۔ اگلی صبح زیادہ زور شور سے حملہ کیا گیا اور اس کے نتیجہ میں

اسی قدر سردی کے مارے سکھوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ مہاراجہ نے اب مراجعت کے بارے میں سوچا' چنانچہ وہ رام دیال کو اس کی قسمت پر چھوڑ کر منڈی کی طرف لوٹا۔ موسلادھار بارشوں کے باعث تمام سڑکیں ناکارہ ہوگئی تھیں اور روح اللہ بھی مزاحم ہو رہا تھا اور بارشوں و سردی نے تو ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سکھوں کو پہاڑی قبائل نے بھی بہت اذیت پہنچائی' جو فوج کے راستے میں بری طرح روڑے اٹکا رہے تھے۔ ان مشکلات کے دوران مہاراجہ نے اپنی مراجعت کو جاری رکھا اور راستے میں قصبہ منڈی کو نذر آتش کر دیا۔ واپسی میں کئی جوانوں اور افسروں کا نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ ان میں سپہ سالار بہادر میت سنگھ پدھانیہ 'گوربخش سنگھ دھاری اور دیسہ سنگھ مان بھی شامل تھے۔ متعدد معذور ہوگئے اور کئی دیسہ سنگھ مجیٹھیہ اور حکم سنگھ چمنی کی قیادت میں واپسی پر اندھا دھند تیزی کے ساتھ دریا میں ڈوب گئے اور اگر نامدار خاں کی رہنمائی نہ ہوتی (جو بڑی فوج کو ایک سہل راستے کے ذریعے پونچھ لے کر گیا تھا) تو موسم کی شدت اور برف پوش دروں کی دشواری کے باعث اور بھی زیادہ لوگ مارے جاتے۔ رنجیت سنگھ تقریباً اپنے تمام سامان سے محروم ہوچکا تھا اور اس کی تمام غیر منظم فوج پونچھ پہنچی' جسے نذر آتش کر دیا گیا۔ تب پونچھ کے راجہ شیر باز خاں کو ساتھ لے کر اس نے کوٹلی کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ وہاں کا راجہ اس کی مراجعت کو کاٹنے کی کوشش کرتا' مگر اس کی رانی نے اس مقصد سے اسے باز رکھا۔ فقیر عزیز الدین نے اس کا دل جیت لیا تھا اور اس نے اپنے خاوند کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سکھوں کو گزرنے کی اجازت دے دے۔ پس مہاراجہ بھمبر پہنچ گیا اور قریبی راستہ اختیار کر کے پہاڑوں سے باہر نکل آیا اور چند ساتھیوں اور تھوڑی سی سہولیات کے ساتھ ۱۲ اگست کو اپنے دارالحکومت پہنچ گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ ہمیشہ کشمیر کی برف اور سردی سے خوف کھاتا رہا اور یہ موضوع اس کے لیے اس قدر اذیت ناک تھا کہ وہ کشمیر کو ایک حقیر جگہ کے طور پر لعنت بھیجے بغیر یاد نہیں کرتا تھا۔

دیوان رام دیال کی قیادت میں ہراول دستے کو سری نگر سے واپسی پر بہت زیادہ اذیت اٹھانا پڑی۔ محمد عظیم خاں نے اس کا تعاقب کیا اور سکھوں کو گھیرے میں لے کر ان کی رسد کاٹ دی۔ اس موقع پر دیوان نے بڑے حوصلے سے کام لیا اور اس قدر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا کہ عظیم خاں شرائط ماننے پر مجبور ہوگیا۔ اس نے نہ صرف سکھوں کی سرحد پر حفاظت سے اسے جانے کی اجازت دے دی' بلکہ اطاعت کی علامت کے طور پر سکھ مہاراجہ کے لیے تحائف بھیجے اور ایک تحریری دستاویز میں لاہور کے دربار کی بالادستی کو

تسلیم کیا (۴) چنانچہ پوری مہم اپنے بہترین افسروں اور جوانوں سے ہاتھ دھونے اور ہر اس چیز سے محروم ہونے کے بعد (جو ایک عسکری جماعت کی حیثیت سے اس کی طاقت اور استقلال کو قائم رکھے ہوئے تھی) واپس لاہور لوٹ آئی۔ مہاراجہ نے اس بات پر افسوس کیا کہ وہ اپنے عمر رسیدہ دیوان کے مصمم ارادے، مشاہدے، مہارت اور بہادری کا فائدہ نہیں اٹھا سکا، جس طرح بوڑھے دیوان نے پیشین گوئی کی تھی ہر واقعہ اسی طرح پیش آیا، لہٰذا لاہور کے مہاراجہ نے آہ بھر کر کہا کہ وہ کتنی بڑی سیاسی غلطی کا مرتکب ہوا ہے، لیکن مصیبت اکیلی نہیں آتی، لہٰذا مہاراجہ اور اصل میں پوری سکھ قوم اس وقت ایک مخلص دوست اور ایک ایسے شخص سے محروم ہوگئی جس میں ایک قابل مشیر اور بہادر جرنیل کی صلاحیتیں مشترکہ طور پر موجود تھیں۔ محکم چند اس بیماری سے تندرست نہ ہوسکا، جس نے کشمیر کی مہم میں اسے اپنے آقا کے ساتھ جانے سے روکا تھا۔ مہاراجہ کی واپسی کے تھوڑے عرصہ بعد دیوان کی حالت بگڑ گئی اور وہ ۱۵ کاتک، سمت ۱۸۷۱ (اکتوبر ۱۸۱۴ء) کو پھلور کے مقام پر انتقال کر گیا۔ (۵) اس سے پوری سکھ برادری اور مہاراجہ کو بہت زیادہ صدمہ پہنچا کیونکہ اس کی کامیابی زیادہ تر اس کی مہارت، بہادری اور وفاداری کے باعث تھی۔ اس کی عسکری مہارت بھی اس کی انتظامی ذہانت کی طرح عظیم تھی اور مہاراجہ نے اس کی شکل میں اپنے انتہائی وفادار اور مخلص نوکر کو کھو دیا۔ نجی زندگی میں دیوان بلند خیال، آزاد اور بلند حوصلہ شخص تھا۔ وہ فوج میں بے حد مقبول تھا اور اسے قوم کے تمام سرداروں کا اعتماد حاصل تھا۔ اس کے انتقال پر مہاراجہ نے اس کی جگہ اس کے بیٹے موتی رام دیوان کو مقرر کیا اور اسے جالندھر دوآب کی حکومت اور قلعہ پھلور کا انتظام بھی سونپ دیا۔ اس کا پوتا رام دیال، جو کشمیر کی مہم میں پہلے ہی اپنی بہادری کے جوہر دکھا چکا تھا، اسے سکھ فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔

مہاراجہ چند روز تک شالامار باغ میں ٹھہرنے کے بعد حکومت برطانیہ کے وکیل عبدالنبی خاں سے ملاقات کرنے کے لیے امرتسر گیا، جو رائے نند سنگھ کے ہمراہ ہندوستان کے گورنر جنرل اور جنرل سر ڈیوڈ اوچٹرلونی کی طرف سے دوستانہ خطوط لے کر لدھیانہ سے آیا تھا۔ نمائندے کا والہانہ استقبال کیا گیا اور رخصت ہونے پر اسے قیمتی شالوں اور ایک ہزار روپیہ نقد پر مشتمل ایک قیمتی خلعت سے نوازا گیا۔

لاہور شہر کی مرمت

لاہور واپسی پر مہاراجہ نے شہر کے گرد ایک خندق تعمیر کرنے اور شہر کی فصیل کو

مرمت کرانے کی طرف اپنی توجہ کی۔ اسی دوران نہنگ اکالیہ' پھولا سنگھ نے ستلج کے پار علاقہ مالوہ میں بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ ان مفرز منصوبوں میں اٹاری کے سردار نہال سنگھ نے اس کی مدد کی۔ دیوان موتی رام کو حکم دیا گیا کہ وہ پھلور سے اپنی فوج کے ہمراہ مالوہ روانہ ہو۔ لہٰذا دونوں باغی سرداروں کو کوٹ کپورا میں گرفتار کرنے کے بعد لاہور لایا گیا۔

۱۸۱۵ء کے آغاز میں حکومت برطانیہ گورکھوں کے ساتھ ایک جنگ میں مصروف ہو گئی' جن کی قیادت امر سنگھ تھاپا کر رہا تھا۔ کرنل (بعد ازیں) جنرل اوچڑلونی نے نیپالی کمانڈر کے خلاف میدان سنبھالا' جس نے چھ ماہ کے عرصہ تک بڑی کامیابی سے برطانوی جنرل کی طرف سے جمنا اور ستلج کے درمیان واقع پہاڑی علاقے پر قبضہ کرنے کی کوششوں کو ناکام بنایا۔ مہاراجہ نے مدد کی پیشکش کے ساتھ فقیر عزیز الدین کو لدھیانہ روانہ کیا اور دیوان بھوانی داس اور موہر سنگھ کو اسی قسم کی پیشکش کے ساتھ گھوڑوں اور قیمتی تحائف کے ساتھ گورنر جنرل کی طرف بھیجا' لیکن اس پیشکش سے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا گیا۔ اسی دوران نیپال کا نمائندہ پرتھی بیلاس انگریزوں کے خلاف مدد کے لیے لاہور پہنچا۔ لیکن مہاراجہ کی طرف سے سرد مہری کا مظاہرہ کرنے کی بنا پر وہ مایوس ہو کر اپنے وطن لوٹ گیا۔ آخر کار انگریزی فوج نے نیپالیوں پر مکمل فتح حاصل کر لی اور انہیں گھاگھرا یا دریائے کالی کے مغرب میں واقع علاقہ سے نکال باہر کیا۔ یہ لاہور کے مہاراجہ کے لیے بہت سازگار تھا اور اس نے پہاڑی جنگ کے لیے گورکھا جوانوں کو اپنی اس فوج میں شامل کرنا شروع کر دیا' جس کو وہ اب پہاڑی مہم کے لیے جمع کر رہا تھا۔

لاہور میں دسہرہ کی تقریبات ختم ہوئیں تو سکھ فوج کو سیالکوٹ میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا' لہٰذا اکتوبر میں دیوان رام دیال' دل سنگھ اور دیوا سنگھ رام گڑھیہ کی قیادت میں ایک دستہ کو پیشگی راجوڑی اور بھمبر کے باغی سرداروں کو سزا دینے اور پیر پنجال کے اس طرف واقع سارے علاقہ کو (جس نے دربار لاہور کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا تھا) تاخت و تاراج کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ خود مہاراجہ بھی وزیر آباد کے راستہ سے ان کے پیچھے گیا۔ نداؤں کے مقام پر اسے جودھ سنگھ رام گڑھیہ کے انتقال کی خبر ملی تو اس نے آنجہانی سردار کے چچازاد بھائیوں وزیر سنگھ' مہتاب سنگھ اور دیوا سنگھ کو بلوا بھیجا' جو اس کی چھوڑی ہوئی جاگیر پر آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ بظاہر اس دعوت کا مقصد جھگڑے کا تصفیہ تھا۔ نداؤں پہنچنے پر سرداروں کا ایک استقبالی خیمے میں پرتپاک استقبال کیا گیا' لیکن گفتگو کے دوران مہاراجہ اچانک خیمہ سے باہر چلا گیا' جو فوج سے گھرا ہوا تھا' لہٰذا رام گڑھیوں کو قیدی بنا لیا

گیا۔ ان کی تمام وسیع و عریض املاک بشمول امرتسر میں قلعہ رام گڑھ اور سو سے زائد چھوٹے قلعوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ سکھوں نے اس کے بعد راجوڑی کو تاخت و تاراج کیا' شہر کی فصیل کو گرا دیا اور راجہ کی عمارات کو زمین بوس کر دیا' جو حملہ آوروں کی غارت گری کے لیے اپنی تمام اشیاء کو چھوڑ کر کوٹلی کی طرف بھاگ گیا۔ راجوڑی کی تسخیر کے بعد سکھ فوج نے کوٹلی کے قلعہ پر ہلہ بول دیا اور قلعہ کے علاوہ قریبی خطہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہاں پر ایک اولوالعزم راجپوت عورت مسمات بیوی نے (جو ایک جاگیر کی مالک تھی) مہاراجہ کو اپنی خدمات پیش کیں۔ اس کی مدد سے سیروچی قلعہ کو تسخیر کیا گیا۔ تب مہاراجہ نے سیروچی اور کوٹلی کے قلعے راجہ شیرباز خاں کو عنایت کر دیے۔ اسی طرح بھمبر کے ساتھ بھی ہوا' لیکن پونچھ اپنی زیادہ بلندی کے باعث اور موسم سرما کے معمول کے مطابق شدت کی وجہ سے اس آفت سے محفوظ رہا۔ اب مزید کارروائیوں کو روک دیا گیا۔ گزشتہ مہم کے تجربہ نے سکھوں کو یہ سکھا دیا تھا کہ اس موسم کے دوران پہاڑی فن جنگ سے ناآشنا فوجیوں کے ساتھ اس جیسے علاقے میں اس طرح کی کارروائیاں کس قدر تباہ کن ثابت ہوتی ہیں۔ اب فوج نوشہرہ کی طرف روانہ ہوئی' لہٰذا مہاراجہ تقریباً دسمبر کے اختتام پر واپس لاہور آ گیا۔

اسی سال پنڈت (بعد ازیں) راجہ دینا ناتھ' جس کا باپ بخت مل دہلی میں ایک ماتحت انتظامی عہدہ پر فائز تھا' اسے اس کے قریبی عزیز اور اس وقت لاہور میں محکمہ انتظام کے سربراہ دیوان گنگا رام نے لاہور آنے کی دعوت دی۔ پنڈت نے جلد ہی اپنی توانائی اور ذہانت کا لوہا منوایا اور مہر شاہی کے ساتھ ساتھ انتظامی محکمہ اور محکمہ مال کا سربراہ بن گیا۔

جنوری ۱۸۲۶ء میں نورپور کے راجہ بیر سنگھ نے مہاراجہ سے ملاقات کی' جو سیالکوٹ میں سرداروں کے اجلاس میں حاضر ہونے کے لیے بلاوے کو تسلیم کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اس پر اس قدر بھاری جرمانہ عائد کیا گیا کہ وہ اس کو ادا کرنے کے بالکل قابل نہیں تھا' لہٰذا اس نے اس کی جگہ اپنی ٹھاکریں یا سونے اور چاندی کے دیوتاؤں کو پیش کر دیا' لیکن ان کی مالیت بھی مطلوبہ رقم کے برابر نہیں تھی۔ آخرکار دیوان عام کے دروازے پر اسے گرفتار کر کے اس کی ہتک کی گئی اور ایک پالکی میں بٹھا کر مصر دلیہ رام کی نگرانی میں واپس اس کی ریاست بھیج دیا گیا اور وہاں اس کی تمام املاک کو ضبط کر لیا گیا۔ گزر بسر کے لیے اسے ایک چھوٹی سی جاگیر کی پیشکش کی گئی مگر اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا' لہٰذا فوج کے ذریعے اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو بازیاب کرانے کی بے سود کوشش کرنے کے بعد وہ ستلج کے پار چلا گیا اور خود کو انگریزوں کی حفاظت میں دے دیا۔ جسوال کے راجہ بیر سنگھ

کے سسر امید سنگھ کا جرم بھی یہی تھا' چنانچہ اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ اس کے تمام علاقوں اور جاگیروں کو ضبط کر لیا گیا۔ تاہم اسے گزر بسر کے لیے جس جاگیر کی پیشکش کی گئی' وہ اسی پر مطمئن ہو گیا۔ ضبط شدہ پہاڑی علاقوں میں سکھ حکومت قائم کرنے کے لیے فقیر امام الدین اور دیوا سنگھ کو دو سو سواروں اور نانک چند دفتری کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

مہاراجہ' فتح سنگھ آہلووالیہ کے ساتھ مل کر راستے میں زمینداروں سے خراج اکٹھا کرنے اور نذرانے وصول کرنے کے لیے اپنی فوج کے ہمراہ ملتان اور بہاولپور کی طرف روانہ ہوا۔ پاک پتن میں اس مقام کی عظیم درگاہ کے سجادہ نشین دیوان شیخ محمد یار نے مہاراجہ کو ایک عمدہ گھوڑا اور جواہرات سے مزین ایک تلوار پیش کی۔ پہلے اس ضلع کا انتظام جمعدار خوشحال سنگھ کے سپرد کیا گیا' لیکن یہاں پر مدفون صوفی بزرگ کے تقدس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس شرط پر سجادہ نشین کو بحال کر دیا گیا کہ وہ ۹ ہزار روپیہ سالانہ خراج ادا کرے گا۔ اس کے بعد بہاولپور کے نواب کے دو وکیلوں' صوبے رائے اور کشن داس نے مہاراجہ سے ملاقات کی تو نواب نے ۸۰ ہزار روپے کا ایک نذرانہ اور ۷۰ ہزار روپے سالانہ خراج ادا کرنے کے لیے ایک نیا معاہدہ کیا۔ اس کے بعد مہاراجہ آسان مسافتوں کے ذریعے پیش قدمی کرتا ہوا ہڑپہ پہنچ گیا' جہاں دیا سنگھ' قطب الدین خاں قصوریہ اور مصر دیوان چند اس سے آ ملے' جو نواب کے ساتھ نیا معاہدہ کرنے کے بعد بہاولپور سے اپنے ہراول دستہ کے ساتھ واپس لوٹے تھے۔ مہاراجہ نے انہیں تلنبہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا' جہاں ۱۵ چیت ۱۸۷۳ سمت کو خود بھی پہنچ گیا۔ یہاں ملتان کے نواب مظفر خاں کا وکیل سید محسن شاہ' مہاراجہ کے لیے گھوڑوں' شالوں اور قالینوں کا تحفہ لے کر آیا تو اس نے نذرانہ کے طور پر ایک لاکھ بیس ہزار روپے کا مطالبہ کر دیا۔ نمائندے نے تاوان ادا کرنے کے لیے وقت مانگا' ۴۰ ہزار روپے نقد ادا کیے اور کہا کہ بقیہ دو ماہ کے بعد دیا جائے گا' لیکن سکھ حکمران نے بے صبری میں احمد آباد کا محاصرہ کر لیا' جسے مصر دیوان چند کے توپ خانہ کے ذریعے بغیر کسی دشواری کے تسخیر کر لیا گیا۔ تب تریمو گھاٹ سے چناب کو پار کر کے مہاراجہ' سالرواہن کے مقام پر اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن ہو گیا۔ سکھوں کا ایک ہراول دستہ خراج کی ادائیگی پر مجبور کرنے کے لیے ملتان پہنچا۔ نیز پھولا سنگھ اکالی نے بھنگ کے نشے میں پرجوش اکالیوں کی ایک فوج کے ساتھ اچانک اس قدر تیزی کے ساتھ شہر پر ہلہ بول دیا کہ حملہ آور فوج نے شہر پناہ کے بیرونی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ نواب نے جب

دیکھا کہ اگر تاوان کی ادائیگی جلدی نہ کی گئی تو مہاراجہ نے انتہا تک جانے کا ارادہ کر لیا ہے' تو اس نے دیوان بھوانی داس کے ذریعے ۸۰ ہزار روپے جمع کرائے اور وعدہ کیا کہ تھوڑے عرصہ میں بقیہ ۴۰ ہزار روپے بھی ادا کر دے گا۔ اب چونکہ لاہور کے مہاراجہ کا لالچ مطمئن ہوگیا تھا' لہٰذا اس نے مانکیرہ پر چڑھائی کر دی۔ سردار سندر سنگھ آہلووالیہ کی قیادت میں سکھ فوج کا ہراول دستہ دریائے سندھ کے نشیب سے سندھ کی سرحد کے پار تک گیا۔ بھکر اور لیہ کا سردار محمد خاں المعروف معین الدولہ (جس کے خاندان کو سندھ کے موجودہ میروں نے نکال دیا تھا) کا اسی دوران انتقال ہوگیا تو مرحوم نواب کے چھوٹے بھائی خدا بخش خاں اور اس کے داماد حفیظ احمد خاں کی مرضی سے شیر محمد خاں کو جانشین مقرر کر دیا گیا۔ مہاراجہ نے اپنے وکیل سبحان رائے کے ذریعے نذرانہ کے لیے بات چیت کا آغاز کیا۔ نواب کی طرف سے رئیس زادہ پنڈی داس' سندر سنگھ اور موہن لعل وکیل مقرر کیے گئے۔ مہاراجہ نے ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپے کا مطالبہ کیا' جبکہ نواب نے صرف ۴۰ ہزار روپے کی پیشکش کی۔ مہاراجہ نے اس کو اپنی ہتک سمجھتے ہوئے مانکیرہ کے علاقے کو تلوار اور آگ سے تاخت و تاراج کرنے کا حکم دے دیا۔ محمود کوٹ' خان گڑھ اور محمد پور کے قلعوں کا تنگ محاصرہ کر لیا اور ان پر زبردست گولہ باری کی گئی۔ بدنام زمانہ اکالی متعصب پھولا سنگھ نے محصور قلعوں سے باہر آنے والی مسلمان آبادی اور حفاظتی فوج کے ساتھ (اس پکے قول و قرار کے باوجود کہ انھیں ہر قسم کے ناروا سلوک سے پناہ حاصل ہوگی) انتہائی شرمناک زیادتیاں کیں اور ان کے ساتھ انتہائی ہتک آمیز اور شرمناک سلوک کیا گیا۔ آخرکار رائے پنڈی داس نے جمعدار خوشحال سنگھ کے ذریعے پچاس ہزار روپے نقد ادا کرنے کا بندوبست کیا۔ چونکہ موسم کی حدت کو بری طرح محسوس کیا جا رہا تھا' لہٰذا سکھ فوج شیر محمد خاں کو علاقے پر حکومت کرنے کے لیے چھوڑ کر واپس ہوگئی۔

اب مہاراجہ جھنگ کی طرف روانہ ہوا' جہاں سیال سردار احمد خاں کو اس کے پاس بلایا گیا اور فوری طور پر بڑا نذرانہ ادا کرنے کو کہا گیا۔ اس نے اس کو ادا کرنے میں اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ اس پر اسے گرفتار کر کے اس کے دیوان جوایا رام کے ساتھ قیدی کی حیثیت سے ایک مضبوط حفاظتی دستے کی نگرانی میں لاہور روانہ کر دیا گیا۔ چار لاکھ روپیہ آمدنی کے پورے علاقے کو ضبط کر کے ایک لاکھ ۶۰ ہزار روپے کے عوض سکھ دیال کو پٹے پر دے دیا گیا۔ انتظامی حکومت سبحان رائے کے حوالے کر دی گئی۔ اسی اثناء میں سردار فتح سنگھ آہلووالیہ کو دریائے چناب پر واقع اوچ اور کوٹ مہاراجہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس

نے اوچ کے سیدوں کو بے دخل کر کے (جس کے علاقوں پر ان کے مذہبی تقدس کی وجہ سے ان کا قبضہ چلا آ رہا تھا) اس پر قبضہ کر لیا' لہٰذا اب انہیں ایک جاگیر فراہم کر دی گئی۔ کوٹ مہاراجہ کے سردار رجب علی خاں کو گرفتار کر کے ایک قیدی کی حیثیت سے سکھ دارالحکومت بھیج دیا گیا۔ اسی دوران دائرہ دین پناہ کے نواب شاہ محمد خاں کا بیٹا عبدالصمد خاں ملتان کے حافظ مظفر خاں کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بننے کے بعد نواب مظفر خاں سدوزئی کے ساتھ فرار ہو کر لاہور آگیا' جہاں مہاراجہ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔

مہاراجہ جنوب میں اپنا دورہ ختم کر کے ۲۰ مئی کو اپنے دارالحکومت میں لوٹ آیا۔ یہاں اسے مطلع کیا گیا کہ وزیر فتح خاں نے اٹک سے دریائے سندھ کو پار کر کے پکھلی اور دمتور کی پہاڑیوں میں پیش قدمی کر کے موقع سے فائدہ اٹھا لیا ہے۔ اس نے اپنے بھائی محمد عظیم خاں کو شکست دے کر علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا ہے اور اسی راستہ سے واپس ہو رہا ہے۔ دیوان رام دیال اس وقت ڈھیری کے زمیندار محمد خاں کے برپا کردہ فساد کو رفع کرنے اور اٹک کے اردگرد کے علاقہ کے معاملات درست کرنے میں مصروف تھا۔ مہاراجہ نے دیوان کو احکامات روانہ کیے کہ جب تک فتح خاں کشمیر سے روانہ ہو کر دوبارہ سندھ کو پار نہیں کر لیتا' وہ کالا کی سرائے ہی میں رہے۔

اب گھریلو مصائب نے مہاراجہ کی توجہ اس طرف مبذول کرا دی۔ ولی عہد کنور کھڑک سنگھ کے سرپرست بھائی رام سنگھ نے شہزادے کی جاگیر میں شامل علاقہ نکا کے انتظام کو درہم برہم کر دیا اور لوگوں پر افسوسناک حد تک ظلم و ستم ڈھائے۔ مہاراجہ کے کانوں تک بھائی کے غلط رویہ اور زیادتیوں کی بہت زیادہ شکایات پہنچیں۔ اس نے مہاراجہ کی دوسری بیوی کنور کی والدہ کے ساتھ نزدیکی تعلق قائم کر لیا تھا' لہٰذا اس خاتون کے علاوہ شہزادے پر اس کا اس قدر اثر و رسوخ تھا کہ تمام سرکاری اور نجی معاملات میں اس کی مرضی کو عمل دخل تھا۔ مہاراجہ نے شہزادے کو (جو سن بلوغت کو پہنچ چکا تھا) ترمیم اور اصلاح کے لیے وقت دیا' لیکن بھائی کی مستعد مداخلت نے بہتری جیسی ہر چیز کی امید کو یکسر ختم کر دیا۔ آخرکار مہاراجہ اس بات پر مجبور ہوگیا کہ معاملہ پر زیادہ سنجیدگی سے غور کرے۔ دیوان کو قیدخانے میں پھینک دیا گیا اور اس سے جاگیروں کی مہتمی کے حساب کا تقاضا کیا گیا۔ کنور کی والدہ کو شیخوپورہ بھیج دیا گیا اور خود شہزادے کو بھی سرزنش کی گئی کہ اس نے معاملات کو اتنی بے احتیاطی سے الجھاؤ میں کیوں پڑنے دیا' لہٰذا دیوان بھوانی داس پشاوریہ کو رام سنگھ کی جگہ کنور کی جاگیروں کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ ساہوکار اتم سنگھ' جس کے ساتھ رام سنگھ کا

حساب کتاب چلتا تھا' اسے پابند سلاسل کر دیا گیا اور معزول دیوان سے متعلقہ جواہرات اور قیمتی پتھر' جن کی مالیت ایک لاکھ روپیہ تھی' اس کے علاوہ ہنڈیوں اور نقدی کی صورت میں چار لاکھ روپیہ کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔

مہاراجہ نے کھڑک سنگھ پر عائد کردہ سزا میں جلد ہی بہت فراخ دلی سے ترمیم کر دی۔ شہزادے کو دربار لاہور کی مسند وراثت پر بٹھانے کے لیے انارکلی میں ایک عظیم دربار منعقد کیا گیا۔ مسند نشینی کی رسم ادا کرنے کے لیے نجومیوں سے مشورہ کیا گیا کہ کون سا دن زیادہ مبارک رہے گا' لہٰذا ان کے مشورے پر ۱۵ ماگھ' سمت ۱۸۷۳ کی تاریخ اس تقریب کے لیے مقرر کی گئی۔ انارکلی کے میدان پر خیمے اور شامیانے نصب کر دیے گئے اور تقریب میں حاضری کے لیے راجاؤں' امراء' سرداروں اور جاگیرداروں کو دعوت نامے جاری کر دیے گئے۔ سردار اس بلاوے کے مطابق لاہور پہنچ گئے اور مقررہ تاریخ پر دربار انتہائی دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ ولی عہد مسند پر بیٹھا تو وہاں جمع تمام سرداروں نے آداب بجا لاتے ہوئے اسے نذرانے پیش کیے' لہٰذا جب تقریب ختم ہوگئی تو سب مہمان سکھ دارالحکومت میں اور اس موقع کی تقریبات میں اپنے استقبال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خوشی خوشی اپنی ریاستوں کو لوٹ گئے۔

لاہور میں دسہرہ کا تہوار منانے کے بعد مہاراجہ نے اکتوبر میں امرتسر کا دورہ کیا' جہاں اس نے سکھ گوردوارہ کے مقدس تالاب میں اشنان کیا۔ تالاب میں پانی پہنچانے کے لیے مادھو پور نہر سے ایک چھوٹی نہر امرتسر تک لانے کے احکامات جاری کیے گئے۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ آدینہ نگر کی طرف روانہ ہوا۔ گزشتہ دورہ کے موقع پر پہاڑوں کی طرف جاتے ہوئے یہاں آیا تھا۔ وہاں پہاڑی راجاؤں کے نمائندوں نے اس سے ملاقات کی۔ ان میں چمبہ کے راجہ کا نمائندہ بھی تھا' جس نے اپنے خراج کی جزوی ادائیگی کے طور پر اسے ۴۰ ہزار روپے کی ایک ہنڈی کے علاوہ پہاڑی پرندوں اور چینی کے برتنوں پر مشتمل نوادرات پیش کیے۔ دیوان موتی رام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی فوج کے ہمراہ جوالا مکھی کی طرف روانہ ہو' لہٰذا خود مہاراجہ بھی ۱۴ کمر کو نورپور کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہ مقام راجہ بیر سنگھ کو نکالے جانے کے بعد رونما ہونے والے حالیہ نقصانات سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا' لہٰذا مہاراجہ نے اس شہر کو ازسرنو آباد کرنے کے لیے اقدامات کیے۔ سوداگروں اور اہل حرفہ کو آمادہ کیا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو واپس آ کر کاروبار شروع کر دیں۔ جب یہ انتظامات مکمل ہوگئے تو مہاراجہ کانگڑا پہنچا' جہاں جوالا دیبی کے مقدس مندر کو نذرانہ پیش کر کے اس نے

پہاڑی راجاؤں سے سالانہ خراج اکٹھا کیا۔ چمبہ کے راجہ نے اپنی طرف واجب الادا خراج کے بقایا کی ادائیگی کی یقین دہانی کے لیے ساہوکار رام نند اور ایلاچی گیر گو سین کو پیش کر دیا' لہٰذا ان کی ضمانت کو منظور کر لیا گیا۔ منڈی کے راجہ اسری سین نے ۶۵ ہزار روپے بطور خراج اور ۳۰ ہزار روپے نذرانہ کے طور پر پیش کیے اور سوکت کے راجہ نے ۱۰ ہزار روپے پیش کیے۔ کلو کے راجہ بکرماسین کا انتقال ہوگیا تھا' لہٰذا مہاراجہ نے سوچا مداخلت کے لیے یہ مناسب موقع ہے۔ چنانچہ وہ کلو روانہ ہوا اور آنجہانی راجہ کے چھوٹے بیٹے ٹھاکر داس سے ایک لاکھ روپے کا نذرانہ وصول کرنے کے بعد اسے گدی پر بٹھا دیا' جبکہ اس کے بڑے بھائی اور جائز وارث نے سکھ مہاراجہ سے انصاف کی درخواست کی' لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ تب جسروٹ کے راجہ لال دیو سے نذرانہ وصول کرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے نداؤں کا دورہ کیا' جہاں اس نے اپنے پرانے حلیف راجہ سنسار چند سے ملاقات کی اور پھر میدانوں کی طرف لوٹ آیا۔ امرتسر کے راستے میں اس نے رام گڑھیہ املاک کی باقیات بشمول ٹنڈا کے قریب جودھ سنگھ کی دولت کے گودام قلعہ میانی پر قبضہ کر لیا۔ یہ سب دولت مہاراجہ کے ہاتھ لگی۔ رنجیت سنگھ نے رام گڑھیہ مثل کی جن تمام املاک کو ضبط کیا' ان کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ پانچ لاکھ روپے لگایا گیا۔ مہاراجہ ۱۳ دسمبر کو جب امرتسر واپس آیا تو اس موقع کی مناسبت سے شہر میں چراغاں کیا گیا۔ اپنے دارالخلافہ میں مہاراجہ کی واپسی اس لیے زیادہ قابل غور ہے کہ اس وقت ہولی کا تہوار منایا جا رہا تھا۔

۱۸۱۷ء کے آغاز میں فقیر نور الدین کو رام گڑھیہ علاقے کے معاملات درست کرنے کے لیے روانہ کیا گیا اور ماگھ (جنوری) میں اسی سال کے دوران دیوان موتی رام' بھوانی داس پشاوریہ' ہری سنگھ مالوہ اور دیگر سرداروں کو ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ خراج کی ادائیگی پر زور دینے کے لیے ملتان کے خلاف روانہ کیا گیا۔ توپ خانے کا کمانڈنٹ مصر دیوان چند توپوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ سکھ فوج نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا' مگر مظفر خاں نے نہایت دلیری سے دفاع کیا اور حملہ آوروں کو محاصرہ اٹھا کر واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ جب فوج لاہور پہنچی تو مہاراجہ نے بھوانی داس کو (جس نے محاصرہ کیا تھا) قید خانے میں ڈالنے کے علاوہ اس پر ۱۰ ہزار روپے کا جرمانہ بھی عائد کر دیا۔ اس کے بعد لشکر کو شہزادہ شیر سنگھ اور تارا سنگھ کی قیادت میں ہزارہ کے محمد خاں کے خلاف روانہ کیا گیا' جس نے اٹک کے سکھ حاکم حکم سنگھ چمنی کی ناک میں دم کر دیا تھا۔

نواحی علاقہ کے ہزاروں لوگ محمد خاں کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے' لہٰذا ایک جنگ لڑی گئی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو مکمل شکست ہوئی اور وہ ہر طرف منتشر ہوگئے۔ خود محمد خاں بھی اس جنگ میں مارا گیا اور اس کا بیٹا سید احمد خاں جانشین مقرر ہوا۔ سزا کے طور پر اس کے خراج کو ۵۰ ہزار روپے سے بڑھا کر ۷۵ ہزار کر دیا گیا اور سکھ فوج واپس آگئی۔ اسی سال رئیس زادہ پنڈی داس کے ذریعے مانکیرہ کے نواب کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا' جس کی رو سے نواب کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ ۸۰ ہزار روپے سالانہ خراج ادا کرے گا اور جنگ کی صورت میں ملتان میں خدمات انجام دینے کے لیے ایک فوجی دستہ' گھوڑے اور اونٹ فراہم کرے گا۔ سال کے آخری حصہ میں مہاراجہ کی مکمل توجہ ملتان کے خلاف ایک مہم کے لیے فوجی تیاریاں کرنے میں مرکوز ہوگئی۔ سخت محنت اور عیش و عشرت کے باعث مہاراجہ کی صحت بہت زیادہ خراب ہوگئی تو حکیموں نے اس کے لیے تجویز کیا کہ وہ پرہیز کا راستہ اختیار کرے' جو چالیس روز تک قائم رہا۔ تاہم اس میں توانائی کی کمی نہیں تھی' لہٰذا جیسے ہی اس کی شکایت رفع ہوئی تو اس نے بشمول نقل و حمل اور رسد رسانی کے انتظامات کے لیے تمام تیاریوں کو اپنی ذاتی نگرانی میں شروع کرا دیا۔ فیصلہ کیا گیا کہ اشیائے صرف اور جنگی سامان کو راوی اور چناب کے ذریعے پہنچایا جائے' لہٰذا ان دریاؤں پر تمام کشتیوں کو طلب کر لیا گیا۔ مطلوبہ میدان جنگ تک بھاری توپ خانے کو لے جانے کے لیے بیلوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو حاصل کیا گیا۔ مشہور توپ زمزمہ کو امرتسر سے روانہ کیا گیا' لہٰذا ریاست کے تمام سردار ہر علاقے سے رسد اور افراد جمع کرنے میں مصروف تھے۔

جنوری ۱۸۱۸ء میں ۲۵ ہزار سکھوں کی ایک فوج لاہور سے جنوب مغربی سرحد کی طرف روانہ ہوئی۔ مہم کی اولین کمان شہزادہ کھڑک سنگھ کو دی گئی اور مصر دیوان چند کو اس کا نائب مقرر کیا گیا' جسے اس کی صلاحیتوں اور سرگرمی کے باعث ایک ادنیٰ حیثیت سے بلند کر کے توپ خانے کے کمانڈنٹ کے عہدہ پر متمکن کر دیا گیا۔ اسے ظفر جنگ کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا۔ لگاتار حملوں اور مسلسل دست درازیوں نے اس علاقے کے وسائل کو ختم کر کے رکھ دیا تھا اور اس کے اوپر اس قحط جس پھیلا دی تھی کہ مہاراجہ نے محسوس کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنی دیرینہ خواہش کے علاقہ پر بغیر کسی دشواری کے باآسانی قبضہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے ہر ممکنہ واقعات کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیا اور وہ سکھوں کے خلاف اپنے دین کی خاطر مسلمانوں کے اتحاد کے خطرے سے بھی پوری طرح باخبر تھا۔ یہ ایسا امر تھا جس کی تصدیق مستقبل کے واقعات سے ہوگئی۔ مہم کا آغاز کرنے سے

پیشتر جھنگ کے سردار احمد خاں سیال کو رہا کر دیا گیا' جسے گزشتہ نو ماہ سے سخت قید میں رکھا گیا تھا۔ اس کے بڑے بیٹے عنایت خاں سے رابطہ قائم کیا گیا اور اسے اس کے اچھے برتاؤ کی ضمانت کے لیے دوبارہ سندھ سے لاہور بلوایا گیا۔ احمد خاں کو ضلع امرتسر میں میرووال کے مقام پر گزر بسر کے لیے ۱۲ ہزار روپے کی ایک جاگیر عنایت کی گئی۔ اب ایک بہت بڑی رقم کے علاوہ مظفر خاں سے پانچ بہترین گھوڑوں کا مطالبہ کیا گیا' لہٰذا جب اس مطالبے کو پورا نہ کیا گیا تو ملتان کے راستے میں آنے والے خان گڑھ اور مظفر گڑھ کے قلعوں پر دھاوا بول کر ان پر قبضہ کر لیا گیا۔ نواب کی طرف سے ایک اعلان جاری کیا گیا' جس میں مسلمانوں کو اسلام کی خاطر تلوار اٹھانے کے لیے کہا گیا تھا' لہٰذا نواحی علاقہ سے سینکڑوں مسلمان جمع ہو گئے اور نواب نے انہیں اسلحہ فراہم کیا۔

ملتان شہر پر قبضہ

سکھوں نے دیوان موتی رام کی قیادت میں ملتان شہر کا تنگ محاصرہ کر لیا۔ نواب مظفر خاں نے انتہائی طاقت کے ساتھ اس کا دفاع کیا۔ محاصرہ کئی دنوں تک قائم رہا۔ آخرکار سکھ توپ خانہ کی زبردست گولہ باری کے نتیجہ میں شہر کی فصیل میں متعدد دراڑیں پڑ گئیں اور حملہ آوروں نے ایک گھمسان کی جنگ کے بعد فروری میں شہر پر قبضہ کر لیا۔ اب قلعہ پر بمباری کا آغاز کیا گیا۔ شہر پناہ میں محاصرہ کے پیش نظر کھانے پینے کی اشیاء وافر مقدار میں فراہم نہیں کی گئی تھیں اور نواب کے پاس صرف ۲ ہزار افراد کا ایک حفاظتی دستہ تھا۔ مظفر خاں نے اتنے قلیل ذرائع سے اس قدر دلیری کے ساتھ دفاع کیا کہ سکھوں نے اس سے پہلے اس کی مثال نہیں دیکھی تھی۔ سکھوں نے اگلے مورچوں پر توپیں نصب کر دیں۔ ہر جاگیردار کے پاس ایک توپ تھی اور خندق کے باہر مورچے قائم کر لیے۔ ان مورچوں سے انہوں نے اپنی توپوں اور بندوقوں سے قلعہ پر زبردست فائر کھول دیا۔ محصورین نے باہر نکل کر کئی حملے کیے اور دونوں افواج کے درمیان کئی زبردست معرکے ہوئے' لیکن سکھوں کی مسلسل گولہ باری نے شہر پناہ کی فصیل میں متعدد شگاف پیدا کر دیے' لہٰذا اپریل کے مہینہ میں بالائی دفاعی مورچے تقریباً مسمار ہو گئے۔ اگلے ماہ مٹی کے پشتوں کے قریب مورچوں پر قبضہ کر لیا گیا۔

۲ جون تک بمباری کی گئی۔ عظیم بھنگی توپ اب پوری طرح سرگرم عمل تھی اور اس کی گولہ باری سے چار گنا فائدہ ہوتا تھا۔ دیگر بھاری توپیں' جن کی بہت زیادہ تعداد تھی' وہ بھی بہتر کارکردگی دکھا رہی تھیں۔ فصیل میں دو بڑے شگاف ڈال دیے گئے اور دروازوں

کو اڑا دیا گیا۔ لیکن محافظوں نے ان کے پیچھے مٹی کے ڈھیر لگا دیے اور ان سے اپنے حملہ آوروں کے ساتھ دست بدست لڑائی میں مصروف ہو گئے۔ سکھوں نے متعدد حملے کیے' لیکن ہر مرتبہ چھوٹی سی حفاظتی فوج نے حملے کو پسپا کر دیا اور اپنے دشمنوں کو زبردست نقصان پہنچایا۔

رنجیت سنگھ اگرچہ موجود نہیں تھا لیکن محاصرہ سے متعلق معاملات کی انجام دہی کے سلسلہ میں باقاعدگی سے احکامات بھیجتا رہا۔ اس نے مصر دیوان چند کو مسلسل احکامات بھیجے اور اسے قلعہ پر دھاوا بولنے کا خطرہ مول لینے سے منع کیا' جس کے لیے سکھ فوج بڑی بے چین تھی۔ اس سے مہاراجہ کا مقصد مظفر خاں کو اپنی مرضی سے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنا اور اسے ایک جاگیر کی پیشکش کو قبول کرنے پر آمادہ کرنا تھا۔ تاہم نواب نے سختی سے انکار کر دیا اور دشمن کو پسپا کرنے یا مر جانے کا تہیہ کر لیا۔ اب نواب کی طرف سے سپاہیوں کا فرار شروع ہو گیا' کیونکہ سکھوں نے اس کے پٹھان ساتھیوں کو بڑی بڑی رشوتیں پیش کیں' لہٰذا ان میں سے صرف چند ایسے تھے جنہوں نے اس ترغیب سے ہاتھ کھینچا۔ آخرکار شہر پناہ کے محافظ کم ہو کر دو یا تین سو لڑاکا افراد رہ گئے۔ ان میں سے زیادہ تر نواب کے مصاحبین اور عزیز رشتہ دار تھے۔ باقی افراد میں سے یا تو مارے گئے یا دشمن سے مل گئے۔ اس چھوٹی سی جانثار جماعت نے آخری دم تک دفاع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب معاملات اس مرحلے پر تھے' تو سادھو سنگھ ایک متعصب اکالی نے اپنے جیسے پرجوش اور نڈر چند ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور ۲ جون کو بغیر احکامات کے قلعہ کے ایک بیرونی مورچے پر دھاوا بول کر اچانک افغانوں پر آن پڑا۔

یہ جمعہ کی صبح تھی اور مسلمان رات بھر کی محنت مشقت اور نگرانی کے بعد آرام کر رہے تھے۔ انہیں اچانک آ لیا گیا۔ سکھ فوجیوں نے خندقوں میں سے یہ سب کچھ دیکھا تو اسی لمحہ فوراً آگے بڑھے۔ لہٰذا پورے مورچہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ تمام محافظوں کو دست بدست لڑائی میں قتل کر دیا گیا۔ پوری سکھ فوج اس کامیابی سے حوصلہ پا کر قلعہ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھی اور حضری دروازہ پر ایک شگاف کے ذریعے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوئی' جو چار ماہ کی گولہ باری کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اکالی متعصب سکھوں کی ایک چھوٹی سی جماعت نے اچانک قلعہ کے قبضہ کی راہ ہموار کر دی۔ یہ دیکھ کر بوڑھے نواب مظفر خاں نے سبز لباس زیب تن کیا اور اپنے بیٹوں' اقرباء اور ذاتی مصاحبین پر مشتمل اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کے ہمراہ حضری دروازہ کے قریب اپنی رہائش گاہ کے دروازوں پر تلواریں

سونت کر کھڑا ہوگیا۔ اب یہ مٹھی بھر سورے اپنے حملہ آوروں پر چڑھ دوڑے' لہٰذا یہ یورش اس قدر غضب ناک اور سخت تھی کہ انہوں نے بے شمار دشمنوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ دشمن میں سے راستہ بناتا ہوا نواب اپنی چھوٹی سی جانثار جماعت کے ساتھ حضرت بہاء الحق" کے مزار پر پہنچ گیا۔ یہاں پر نواب نے آخری دم تک مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا اور اس کی زبردست بہادری کا خوف کچھ اس قدر پیدا ہوگیا تھا کہ سکھ پیچھے ہٹ گئے اور انہوں نے اپنی بندوقوں سے فائر کھول دیا۔ بہادروں نے چلا کر کہا "مردوں کی طرح آگے آؤ اور دیانتدارانہ لڑائی میں ہم اپنی بہادری کو آزمائیں"۔

یہ ایک کھلی دعوت دی جس پر سکھوں نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ چنانچہ سفید داڑھی والا نواب مظفر خاں زخموں سے چور ہو کر گر گیا' لیکن آخری دم تک قابل نفرت دشمن کی پناہ قبول کرنے سے انکار کرتا رہا۔ لہٰذا اس کے ساتھ اس کے پانچوں بیٹے' شاہنواز خاں' ممتاز خاں' ایاز خاں' حق نواز خاں اور شہباز خاں بھی ہلاک ہوگئے۔ اس کے علاوہ نواب کا بھتیجا نصر اللہ خاں' اس کی ایک بیٹی اور اس کے مشیران' خان محمد خاں' خدا یار خاں اور صاحب داد خاں بھی مارے گئے۔ اس کے دوسرے بیٹے ذوالفقار خاں کو چہرے پر ایک زبردست زخم لگا۔ نواب کا سب سے بڑا بیٹا سرفراز خاں' جسے اس کے والد کے مکہ مکرمہ جانے کی بنا پر عدم موجودگی میں چند سالوں کے لیے حکومت کی باگ ڈور سونپی گئی تھی' اسے ایک تہہ خانے میں چھپا ہوا پایا گیا' لہٰذا اسے اس کے سب سے چھوٹے بیٹے امیر باز خاں کے ساتھ قیدی بنا لیا گیا۔ دیوان رام دیال' سرفراز خاں کو اپنے ہاتھی پر بٹھا کر ساتھ لایا اور اس کے خیمے تک بڑے احترام سے پہنچایا۔ حفاظتی فوج میں سے صرف چند افراد ہی فرار ہونے میں کامیاب ہوسکے۔ نواب مظفر خاں کو اس کے بیٹے شاہنواز خاں کے ہمراہ بڑے احترام کے ساتھ حضرت بہاول حق" کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ سکھ فوج نے اب قلعہ اور شہر میں غارت گری مچا دی۔ اس موقع پر سکھوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ قلعہ میں تقریباً ۴۰۰ سے ۵۰۰ تک مکانات زمین بوس کر دیے گئے اور ان کے مالکان کو ہر چیز سے محروم کر دیا گیا۔ نواب کے قیمتی پتھروں' جواہرات' زیورات' شالوں اور دیگر قیمتی اشیاء کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا اور دیوان رام دیال نے مہاراجہ کے معائنے کے لیے ان اشیاء کو انتہائی احتیاط سے سنبھال کر رکھ لیا۔ جملہ ہتھیاروں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ شہر میں متعدد مکانات کو نذر آتش کر دیا اور شہریوں کے پاس کوئی قیمتی چیز نہ چھوڑی گئی۔ سینکڑوں لوگوں کو ان کے کپڑوں سے محروم کر دیا گیا۔ عورتوں سے دست درازیاں کی گئیں'

لہٰذا متعدد عورتوں نے بے حرمتی سے بچنے کے لیے کنووں میں کود کر خودکشی کر لی یا دوسرے لفظوں میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ شہر کی غارت گری کے دوران سینکڑوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ درحقیقت کوئی ایسا شخص ہو گا جو نقصان اور ظلم و ستم سے محفوظ رہا ہو۔ قصہ مختصر' بے چارے شہریوں پر ملتان کی لوٹ مار کے دوران اس قدر خوفناک زیادتیاں کی گئیں اور اس قدر بھیانک واقعات نے جنم لیا کہ لوگوں کو آج تک یاد ہیں اور اکثر موضوع بحث ہوتے ہیں۔ جب سب کچھ ختم ہو گیا تو شہزادہ کھڑک سنگھ قلعہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوا اور نواب کی تمام سرکاری جائیداد اور خزانوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد شجاع آباد کے قلعہ پر قبضہ کر کے اس میں لوٹ مار مچا دی گئی اور سونے چاندی کے برتنوں اور دیگر قیمتی اشیاء پر مشتمل چار لاکھ روپے مالیت کا مال غنیمت فاتحین کے ہاتھ لگا۔

ملتان پر قبضہ کی خبر سب سے پہلے جس شخص نے رنجیت سنگھ تک پہنچائی' وہ سردار فتح سنگھ آہلووالیہ کی ملازمت میں ایک چوبدار تھا۔ مہاراجہ نے اسے طلائی کڑوں کا جوڑا اور قیمتی کلابتون (بٹے ہوئے ریشمی اور طلائی دھاگوں سے تیارہ کردہ کپڑا) کی ایک چادر پیش کی' لہٰذا سرکاری ذرائع کے توسط سے خبر کی تصدیق ہونے پر لاہور میں زبردست خوشیاں منائی گئیں اور آٹھ روز تک جشن کا سماں رہا۔ مہاراجہ ایک ہاتھی پر سوار ہو کر لاہور کی اہم گلیوں میں سے گزرا تو اس نے ہجوم کے ہاتھ پاؤں مارنے کے لیے روپے نچھاور کیے۔ فتح کے شکرانے کے طور پر روپے پیسے کی صورت میں ایک بہت بڑا نذرانہ دربار صاحب امرتسر روانہ کیا گیا۔ امرتسر اور لاہور کے شہروں میں زبردست چراغاں کیا گیا اور لاہور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی ہر عبادت گاہ میں خیرات کے طور پر پیسے بھیجے گئے۔ محل میں کئی روز تک جشن کا سماں رہا اور مہاراجہ نے بے شمار طلائی کنگن' کینٹھے (ہار) اور شالیں ملتان روانہ کیں کہ انہیں جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانے والے سرداروں اور جاگیرداروں میں تقسیم کر دیا جائے۔ تاہم ان خوشیوں کے دوران اور فیاضانہ کارروائیوں میں رنجیت سنگھ نے ایک موقع پر اس حد تک لالچ کا اظہار کیا جو صرف اسی کا خاصہ تھا' لہٰذا فتح اور علاقائی سرفرازی کے ساتھ ساتھ یکساں طور پر دولت جمع کرنے میں بھی وہ اسی طرح اپنے حرص و طمع کا اظہار کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے قلعہ ملتان کو دولت کا ایک عظیم گودام سمجھتا آ رہا تھا اور شہر کی دولت کے بارے میں بھی مبالغہ آمیز خیالات اس کے ذہن میں رہتے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ مال غنیمت اس کی توقعات سے بہت کم ہے تو اس نے احکامات جاری کیے کہ پوری فوج کو لاہور واپس بھیج دیا جائے ماسوائے جودھ سنگھ کلسیہ کی قیادت میں فوج

کے ایک حصہ کے' کیونکہ جگہ پر قبضہ اور علاقے کے انتظام کے لیے ان کا وہاں رہنا بہت ضروری تھا۔ فوج کی واپسی پر اس نے ایک اعلان جاری کر کے تمام سرداروں' جاگیرداروں' افسروں اور سپاہیوں کو بلوا کر ان پہ زور دیا کہ ملتان کی لوٹ مار میں انہوں نے جو کچھ حاصل کیا ہے' اسے سرکار کے حوالے کر دیں اور اگر کسی شخص کے پاس مال غنیمت کی کوئی چیز (جو اس نے لوٹ مار میں حاصل کی ہے) جو روپیہ پیسہ پایا گیا تو مخصوص تاریخ کے بعد اس کی سزا موت ہوگی۔ اس حکم کے ذریعے خزانہ میں پانچ لاکھ روپے مالیت کی شالیں' برتن' قیمتی ملبوسات' کتابیں اور قالین وغیرہ جمع کرائے گئے' جبکہ ملتان کی لوٹ مار کے سامان کا تخمینہ دو ملین سٹرلنگ پاؤنڈ لگایا گیا تھا۔ فوجیوں نے سونے چاندی کے سکوں' زیورات اور قیمتی پتھروں کی صورت میں جو کچھ لوٹا تھا' ان میں سے بہت کم واپس کیا گیا۔ فوج نے حاصل کردہ تمام جائیداد کو توشہ خانہ میں بھیج دیا اور اسے سرکار کی تحویل میں دے دیا گیا۔ مہاراجہ نے اس بات پر بڑا فخر محسوس کیا کہ اس کے احکامات کو بے پروائی سے نہیں مانا گیا' لیکن وہ نتیجہ سے مطمئن نہ ہوا اور اس بات کی شکایت کی کہ اسے توقع سے بہت کم مال غنیمت ملا ہے۔ لہٰذا اس واقعہ سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ کی فوج پر اس کا کس قدر اختیار تھا۔ ملتان کی انتظامی حکومت سکھ دیال کھتری کے سپرد کی (جس کے پاس جھنگ کا ٹھیکہ تھا) اور بابو باج سنگھ کو شہر پناہ کا قلعہ دار مقرر کیا گیا۔ جمعدار خوشحال سنگھ کے تھانے کو مظفر گڑھ میں نہال سنگھ اٹاری والا کے بیٹے شام سنگھ کا خان گڑھ اور فتح سنگھ آہلووالیہ کا تولنبہ میں قائم کیا گیا۔ نواب کا بڑا بیٹا سرفراز خاں (جس کے لیے اس کے والد نے کابل کے دربار سے بطور نواب اس کی جانشینی کے لیے ایک توثیق نامہ حاصل کر لیا تھا) اس کو اس کے زخمی بھائی ذوالفقار خاں کے ہمراہ دیوان چند قیدی بنا کر لاہور لے آیا تھا۔ مہاراجہ نے سرفراز خاں کا پرتپاک استقبال کیا اور دھومن خاں کے ذریعے اسے (جس کو اس کے ذاتی آرام کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا گیا تھا) ۲۵۰۰ روپے کی ایک ضیافت بھیجی۔ شرق پور اور نولکھا میں ایک جاگیر (جس کو بعد میں نقد وظیفہ میں تبدیل کر دیا گیا) اس کے گزارہ کے لیے مقرر کی گئی اور ذوالفقار خاں کو ایک وظیفہ دیا گیا۔ دل سنگھ نکھیریا' جودھ سنگھ کلسی' دھنہ سنگھ اور دیگر سرداروں کو ملتان روانہ کیا گیا اور قلعہ کی فصیل' خندق اور شہر کو مرمت کرایا گیا۔

مہاراجہ کا حاجب جمعدار خوشحال سنگھ' جس پر عنایات کی بارش کر دی گئی تھی اور جس کے پاس حضرت شمس تبریزؒ کے مقبرہ پر کمان تھی' ملتان کے قبضہ کے تھوڑی دیر بعد زیر

عتاب آ گیا۔ اس کا بھائی رام لعل' جو ۱۸۲۹ء میں ہندوستان سے آ کر اس سے مل گیا تھا' اسے محافظ دستے میں ایک عہدے پر مقرر کیا گیا تھا۔ دربار شاہی میں سب سے زیادہ پسندیدہ رنجیت سنگھ کا یار شاطر تھا' اس کو اس سے ذاتی وابستگی تھی۔ مہاراجہ کی خواہش تھی کہ رام لعل' برہمنی دھاگے کو ترک کر کے اپنے بھائی کی طرح گورو کی پاہل حاصل کر کے سکھ بن جائے' لیکن انتہائی ترغیبانہ پیشکشیں بھی رام لعل کو اپنے آقا کی خواہش پوری کرنے پر آمادہ نہ کر سکیں۔ جب مہاراجہ اس معاملہ پر بہت بے صبرا ہوگیا تو رام لعل اپنے بھائی کے مشورہ سے ستلج کے پار ہندوستان کی طرف فرار ہوگیا' لہٰذا اس نے اپنے آپ کو سکھ مہاراجہ کی پہنچ سے دور کر لیا۔ اس پر رنجیت سنگھ آگ بگولا ہوگیا۔ خوشحال سنگھ کو فوراً حراست میں لے لیا گیا' لہٰذا رنجیت سنگھ نے مصر دیوان چند کے مشورہ پر عمل پیرا ہو کر اور ظفر جنگ کے اکسانے پر (جس کے ساتھ خوشحال سنگھ کا ملتان کے مال غنیمت پر جھگڑا ہوگیا تھا) خوشحال سنگھ کو حاجب کے عہدہ سے ہٹا کر اس کی جگہ ایک نوجوان راجپوت (جو اب توجہ کا مرکز بن رہا تھا) دھیان سنگھ کو اس عہدہ پر مقرر کر دیا۔ خوشحال سنگھ پر پچاس ہزار روپے کا جرمانہ عائد کیا گیا' لہٰذا رام لعل نے یہ دیکھ کر کہ اس کی ضد کے نتیجہ میں اس کے بھائی کو زیر عتاب لایا گیا ہے' لاہور واپس آ گیا اور پاہل وصول کر کے اپنا نام تبدیل کر کے رام سنگھ رکھ دیا۔ خوشحال سنگھ کی جاگیریں واپس کر دی گئیں اور اب اسے مشاورت میں شامل کر کے چار ہزار بے قاعدہ سپاہیوں کی کمان سونپ دی گئی۔ چنانچہ اسے پہلے کے مقابلہ میں زیادہ اختیار حقیقی حاصل ہوگیا۔ رام لعل کو چیت سنگھ کی پلٹنوں کا کمانڈنٹ بنا دیا گیا اور تیج سنگھ کو شہزادہ کھڑک سنگھ کی قیادت میں بے قاعدہ افواج کا جرنیل مقرر کر دیا گیا۔

(۲)

ملتان کے قبضہ کے بعد امن و عامہ دراصل ایک ایسے واقعہ کی پیداوار تھی' جس نے لاہور کے مہاراجہ کی مستقبل کی تقدیر پر حقیقی معنوں میں اثر قائم کیا تھا۔ کابل کے بہترین وزیر فتح خاں کے خلاف ایک سازش تیار کی گئی' جس کی بہادری اور سیاسی بصیرت نے شاہ محمود کو کابل کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ اس کی توانائی اور صلاحیتوں نے سندھیوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا تھا اور اس نے کشمیر کو فتح کیا اور ان جھگڑالو اور سرکش قبائل میں یگانگت پیدا کی' جن پر افغانوں کی سلطنت مشتمل تھی۔ بزدل محمود کا بیٹا شہزادہ کامران وزیر کی طرف سے اپنے باپ پر بے انتہا اثر و رسوخ کی وجہ سے حسد کرنے لگا۔ اس کے دماغ میں ایک بے سود زعم جڑ پکڑ چکا تھا کہ وزیر کی قابلیت اور تجربے کو معطل کر کے سلطنت کے

معاملات کو اس کے بغیر بھی نپٹایا جا سکتا ہے۔ وزیر کو ہرات میں ایرانیوں کے ایک حملہ کو پسپا کرنے کے لیے روانہ کیا گیا اور اس کے جلو میں اس کا بھائی دوست محمد خاں اور ایک سکھ سردار جے سنگھ اٹاری والا بھی شامل تھا' جس نے ناراض ہو کر پنجاب کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ وزیر نے افغان نام کو سہارا دیا اور ایرانیوں پر مکمل فتح حاصل کر کے انہیں زبردست کشت و خون کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اس سے ذہین وزیر کی صلاحیتوں کو ہر جگہ سراہا گیا' تاہم اس نے شاہی گھرانے کے ایک شہزادے فیروز الدین کو ہرات کی حکومت سے ہٹانے اور اسے محمود کے تحت لانے کا منصوبہ تیار کیا' تاکہ اس پر اس کی گرفت مضبوط ہو جائے۔ دوست محمد اور اس کا سکھ حلیف' جنہیں حاکم شہزادے کو ہٹانے کے کام پر لگایا گیا تھا' کسی نہ کسی طرح بھونڈے انداز میں اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ نہ صرف شہزادے کی جائیداد کو لوٹ لیا گیا' بلکہ ایک شاہی خاتون کو بھی اس کے جواہرات حاصل کرنے کے لیے چھیڑا گیا۔ درانی خاندان کی ایک عورت کی ہتک انتقام کا بہانہ بن گئی اور وزیر کی حکومت کے خلاف کھلی مزاحمت کی کوشش کو قابل عمل نہ سمجھتے ہوئے دغابازی کا راستہ اختیار کیا گیا۔ کامران نے وزیر کے اعزاز میں ایک عظیم ضیافت کا اہتمام کیا' لہٰذا اس پر تکلف ضیافت کے دوران چار سو مسلح کرد' جنہیں ایک ملحقہ کمرے میں چھپایا گیا تھا' اچانک انہوں نے باہر نکل کر وزیر کو گرفتار کر لیا۔ اسے اس دغابازی کا ذرا سا بھی شک نہیں تھا۔ کامران نے سب سے پہلے فتح خاں کو دہکتی ہوئی سلاخوں سے اندھا کیا۔ کچھ دیر بعد اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انتہائی وحشیانہ طریقے سے اذیت دے کر ہلاک کر دیا گیا۔

وزیر فتح خاں کے قتل نے افغانوں کے پورے علاقہ میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ وزیر کا تعلق ایک طاقتور بارک زئی قبیلے سے تھا اور اس کے پچاس بھائی تھے۔ وہ سبھی مختلف علاقوں کے حاکم یا دوسرے لفظوں میں بارسوخ اور صاحب ثروت تھے۔ ان سب نے یکساں طور پر بغاوت کا علم بلند کر دیا اور سلطنت کے طول و عرض میں انتقام کا ایک ہی نعرہ گونج اٹھا۔ محمد عظیم خاں اپنے چھوٹے بھائی جبار خاں کو کشمیر کا انتظام سونپ کر وہاں سے روانہ ہوا۔ اس نے کامران کو شکست فاش سے دوچار کیا اور اس کی افواج کو کابل سے باہر نکالنے کے بعد تیمور شاہ کے بیٹے' ایوب شاہ کو کابل کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس کا اصل منصوبہ شاہ شجاع کو بحال کرانا تھا' لیکن اس وقت چونکہ وہ بادشاہ اس کی پہنچ سے دور تھا' لہٰذا شاہ ایوب کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے غزنی اور قندھار کو تسخیر کیا' لہٰذا اتنے مختصر عرصہ میں صرف شہر اور ہرات کے میدان ہی کمزور شاہ محمود اور اس کے سرکش

و نااہل بیٹے کامران کی حکومت میں رہ گئے۔ باقی ماندہ افغانستان' وسیع و عریض بارک زئی خاندان نے آپس میں بانٹ لیا اور وہ خودمختار راجدھانیوں میں تبدیل ہوگیا۔

افغانستان کے فسادات رنجیت سنگھ کی تدابیر کے لیے سازگار تھے۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ وقت آگیا ہے کہ وہ پشاور اور اٹک کے پار علاقہ میں اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا دے۔ مزید یہ کہ خٹک مسلمانوں نے حال ہی میں بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا اور سکھ فوج کے ایک دستہ کو شکست دی تھی۔ فوج کو حکم دیا گیا کہ وہ راوی کے پار جمع ہو جائے۔ وہاں مہاراجہ پندرہ روز تک خیمہ زن رہا اور ذاتی طور پر فوجی انتظامات اور رسد و جنگی سامان جمع کرنے کی نگرانی کی۔ جب اس کے انتظامات مکمل ہوگئے تو وہ اکتوبر میں اٹک کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے اپنے بااعتماد نمائندے باوا پھڈی کو اپنی فوج سے پیشگی روانہ کیا۔ باغی خٹکوں نے باوا کو قتل کر دیا۔ اس سے مہاراجہ کو بہت زیادہ صدمہ پہنچا۔ اس نے ایک ہاتھی پر دریا کو عبور کیا۔ پھولا سنگھ اکالی' مہتاب سنگھ نکھیوہ اور گورکھ سنگھ کی قیادت میں ایک فوجی دستہ افغانوں کو سزا دینے کے لیے روانہ کیا گیا' لہٰذا ایک لڑائی لڑی گئی جس میں افغانوں کو شکست ہوئی۔ خٹک سرداروں' فیروز خاں اور نجیب اللہ خاں نے اطاعت پیش کر دی' لہٰذا ایک بھاری نذرانہ کی ادائیگی پر انھیں معافی دے دی گئی۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ نے دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع خیرآباد کو تسخیر کیا اور دریا کے مخالف کنارے پر جہانگیرا اور دوسرے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ نوشہرہ کے مقام پر دیوان شام سنگھ اور دوسروں نے (جنھیں پشاور کی طرف روانہ کیا گیا تھا) اسے یہ یقین دہانی کرائی کہ افغانوں کے پاس کوئی ایسی منظم فوج نہیں ہے جس کے ساتھ وہ میدان میں اس کا مقابلہ کر سکیں۔ تب اس نے پشاور پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا اور اس شہر پر ۲۰ر نومبر کو قبضہ کر لیا۔ پشاور کا افغان حاکم یار محمد خاں سکھوں کی آمد پر شہر کو خالی کر کے یوسف زئی پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا۔ مہاراجہ نے شہر کو لوٹ مار سے بچائے رکھا' لیکن بالاحصار کے علاوہ اور شیخ عمر کی رہائش گاہ چکنی کو بھی نذر آتش کر دیا۔ دیوان شام سنگھ کو اربابوں اور پشاور کے سرکردہ افراد سے نذرانے اکٹھا کرنے کا کام سونپا گیا۔ لہٰذا اس مد کے تحت ۲۵ ہزار روپے جمع کیے گئے۔ مہاراجہ پشاور میں اپنی فوج کے ساتھ تین روز تک ٹھہرا' لہٰذا قبائل کے سرکردہ افراد نے اسے خراج عقیدت پیش کیا اور اس نے انھیں خلعتوں سے نوازا۔

چوتھے روز وہ عطا محمد خاں کے بھائی' اپنے حلیف جہانداد خاں' وزیر خیل (جس کی دغابازی سے اس نے اٹک پر قبضہ حاصل کیا اور جسے ابھی تک اس کی خدمات کے صلے میں

مناسب طور پر انعام و اکرام سے نوازا نہیں گیا تھا) کو پشاور کے معاملات کا انتظام سونپ کر واپس ہوگیا۔ تاہم اسے اپنے وسائل پر چھوڑ دیا گیا اور کسی قسم کی مدد نہیں دی گئی۔ مہاراجہ اپنے ساتھ وہ چودہ توپیں بھی لے گیا' جنہیں پشاور میں پکڑا گیا تھا' لہٰذا اپنے دارالحکومت کی طرف واپس لوٹتے ہوئے اس نے ان کے ساتھ اٹک کو پار کیا۔ اسی دوران یار محمد خاں کے بھائی دوست محمد خاں بارک زئی نے اپنے وکیلوں' دمودر مل اور حافظ روح اللہ کو مہاراجہ کے پاس بھیج کر ایک لاکھ روپے سالانہ رشوت کی پیشکش کی بشرطیکہ پشاور اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ پر اسے قبضہ کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ اس تجویز کو قبول کر لیا گیا اور وکیلوں کو خلعتوں سے نوازا گیا۔ تاہم اس کے تھوڑے عرصہ بعد اسے خبر ملی کہ بارک زئی سرداروں نے اپنے پہاڑی لشکروں کے ساتھ میدانی علاقوں میں اتر کر پشاور پر قبضہ کر لیا ہے اور کمزور جہانداد خاں کو نکال باہر کیا ہے۔ اس نے ہشت نگر میں پناہ حاصل کر لی ہے۔ مہاراجہ یہ سن کر مشتعل ہوگیا' لہٰذا اس نے فوراً سردار دل سنگھ کو ۱۲ ہزار سپاہیوں کی فوج کے ساتھ یہ احکامات دے کر روانہ کیا کہ نکالے گئے حاکم جہانداد خاں کو بحال کیا جائے۔ دل سنگھ نے دوبارہ اٹک کو پار کیا اور شہزادہ کھڑک سنگھ اور دیوان چند ظفر جنگ بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ تاہم کابلی وکیل مرزا حسن' حافظ روح اللہ اور دمودر مل وہاں پہنچے اور دوست محمد خاں کے توسط سے ۵۰ ہزار روپے ہنڈیوں کی شکل میں اور متعدد گھوڑے بمع پھل وغیرہ کے پیش کیے۔ تحائف کو وصول کر لیا گیا اور سکھ فوج' جسے پشاور کی طرف روانہ کیا گیا تھا' واپس بلا لیا گیا۔ مہاراجہ کتاس کے چشمہ میں اشنان کرنے کے بعد پوہ یا دسمبر میں واپس اپنے دارالخلافہ کی طرف لوٹ گیا۔

کابل کے معاملات کی حالت نے جلاوطن شاہ شجاع کو ترغیب دی کہ وہ ایک بار پھر دریائے سندھ کے پار اپنی قسمت آزمائے۔ جہانداد خاں وزیر خیل عام معافی حاصل کرنے کے بعد اس سے مل گیا۔ شاہ کچھ فوج جمع کر کے پشاور پہنچا۔ اس پہ قبضہ کر کے اب خیبر کی طرف پیش قدمی کر چکا تھا' لیکن محمد عظیم خاں نے اپنے پہاڑی جوانوں کو جمع کر کے اسے شکست دے دی اور واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد وہ ڈیرہ غازی خاں کی طرف روانہ ہوا اور بہاول پور کے نواب صادق خاں کی مدد سے اپنی فوج میں سپاہیوں کے ایک اور دستہ کو شامل کرنے میں کامیاب ہوا۔ جب رنجیت سنگھ کو اطلاع دی گئی کہ شاہ' دائرہ دین پناہ میں تسلط قائم کرنے کا رجحان رکھتا ہے اور اس نے سندھ کے امیروں کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی ہے' تو اس نے مکر کے قلعہ دار دل سنگھ کو حکم دیا کہ وہ ڈیرہ

غازی خاں کی طرف روانہ ہو اور اسے اس علاقہ سے باہر نکال دے۔ تاہم اس سے پیشتر کہ دل سنگھ اٹک کو پار کرتا' بدنصیب بادشاہ سندھ کی طرف روانہ ہوگیا اور افغان سلطنت (جو اب موجود نہیں تھی) کے امراء اور دیگر منحصرین سے بے سود گفت و شنید کرنے کے بعد بحفاظت اپنی پرانی پناہ گاہ لدھیانہ کی طرف لوٹ گیا' جہاں وہ ۱۸۱۲ء سے اپنے خاندان کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اس کی منحوس قسمت' جو شاہ اور اس کے خاندان پر متعدد مصائب لائی تھی' اس نے ابھی تک اسے نہیں چھوڑا تھا۔ وہ شمال کے دور دراز علاقوں یا مغرب کی طرف میدانوں یا پہاڑوں میں جس کام کا بیڑا بھی اٹھاتا' اس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلتا تھا۔ وہ قابلیت سے تہی دامن نہیں تھا اور نہ ہی اس میں طاقت کی کمی تھی' مگر اس میں اس موروثی طاقت اور پیدائشی توانائی کی کمی تھی' جو اس کے گرد جمع ہونے والوں پر اپنی دھاک بٹھا سکتی یا ان میں اعتماد پیدا کر سکتی۔ جانداد خاں کو چونکہ لاہور کے مہاراجہ کے دربار میں حمایت کی امید نہیں تھی' لہٰذا وہ شاہ محمود کی جماعت کے ساتھ قسمت آزمائی کے لیے ہرات کی طرف چلا گیا۔

فروری ۱۸۱۹ء میں دیسہ سنگھ مجیٹھیہ اور قنوج کے سنسار چند کو پہاڑی راجاؤں سے خراج اکٹھا کرنے کے لیے ایک مہم پر روانہ کیا گیا۔ کلہوڑ کا راجہ' جس کے علاقے ستلج کے شمال اور مغرب میں پھیلے ہوئے تھے' لیکن اس کا دارالحکومت بیلاس پور' انگریزوں کی طرف دریا کے کنارے پر تھا' اس نے اس مطالبے کے خلاف مزاحمت کرنے کی جرات کر لی۔ راجہ دراصل گورکھوں کا دوست تھا' جو قنوج کے راجہ کے بدترین دشمن تھے' چنانچہ وہ اس بات پر بہت خوش ہوا کہ اس کی طاقت کو مغلوب کرنے کا موقع آگیا ہے۔ دیسہ سنگھ اور سنسار چند نے ستلج کو پار کیا اور راجہ کی ملکیت پچروتا' مکال گڑھ اور بنولی دیوی کے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور چند دنوں میں ہی اسے دریا کے دائیں کنارے پر واقع پورے علاقہ سے نکال باہر کیا۔ ایک فوجی دستہ بیلاس پور کے خلاف روانہ کیا گیا۔ لہٰذا راجہ کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ ان کارروائیوں نے انگریزوں کی مداخلت کو ضروری بنا دیا' لہٰذا دہلی میں مقیم وکیل شاہی نے ملحقہ پہاڑوں میں متعین پولیٹیکل ایجنٹ کو حکم دیا کہ وہ جائے وقوعہ پر پہنچے اور سکھوں کی مزید پیش قدمی کو فوجی طاقت سے روکے۔ رنجیت سنگھ نے اس موقع کی نزاکت کے خطرہ کے پیش نظر اپنی فوج کو فوراً واپسی کا حکم دیا اور برطانوی نمائندے کے ساتھ ذاتی طور پر معذرت کرنے کے لیے دیسہ سنگھ کو روانہ کیا۔ تاہم محاصرہ اٹھانے سے قبل دیسہ سنگھ بیلاس پور کے راجہ سے ۲۴ ہزار روپے ہتھیانے میں کامیاب ہوگیا۔ اب

چونکہ لڑائی کا خطرہ ٹل چکا تھا' لہٰذا رنجیت سنگھ نے وادی کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے لیے آخری منصوبہ یعنی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے بارے میں سوچا۔ اس موقع پر ایسے حالات پیدا ہوگئے' جو سرفرازی کے متعلق اس کے خیالات کے لیے نہایت سازگار تھے۔ حاکم کشمیر جبار خاں کا وزیر بیردھر' اپنے افغان آقا سے ناراض ہو کر کشمیر سے فرار ہوگیا اور لاہور میں مہاراجہ کے پاس پناہ حاصل کر لی۔ وہ نہایت بارسوخ شخص تھا' لہٰذا اب اس نے مہاراجہ کو کشمیر میں مختلف مراکز پر افغان افواج کی طاقت کے بارے میں اہم معلومات فراہم کر کے اسے اس کے آئندہ منصوبوں کے لیے استعمال کیا۔ محمد عظیم خاں (جو بارک زئی بھائیوں میں سب سے زیادہ طاقتور تھا) وادی سے دور دراز کے علاقوں میں اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلہ میں اس وقت کشمیر سے غیر حاضر تھا' لہٰذا وادی انتہائی تجربہ کار افغان فوج سے محروم تھی اور اسی وجہ سے وہ اپنے بھائی کی مدد کرنے سے قاصر تھا' جسے اپنی غیر موجودگی میں ملک کا انتظام کرنے کے لیے چھوڑ گیا تھا۔

اپریل کے مہینہ میں سکھ فوج دیوان چند ظفر جنگ فاتح ملتان کی کمان میں لاہور سے روانہ ہوئی۔ مہاراجہ کی غیر موجودگی میں سردار فتح سنگھ آہلووالیہ کو لاہور کا انتظام سونپا گیا اور راجہ سلطان خاں بھمبر کو سات سال کی قید سے رہا کر کے اس کی خدمات دیوان چند کے سپرد کر دی گئیں۔ ظفر جنگ کے ہراول دستہ کی مدد کے لیے ایک دوسرے فوجی دستہ کو شہزادہ کھڑک سنگھ کی قیادت میں دے دیا گیا' جبکہ مہاراجہ تیسرے فوجی دستہ کے ساتھ اسلحہ جنگ کی ترسیل کو قابل عمل بنانے اور میدان جنگ کی طرف رسد اور ذخائر کی تیز روانگی کی ذاتی طور پر نگرانی کرنے کے لیے فاضل فوج کی حیثیت سے وزیر آباد میں ٹھہر گیا۔ تجربے نے رنجیت سنگھ کو اچھی طرح باور کرا دیا تھا کہ موسم سرما میں کشمیر پر حملہ کرنے کی کوشش کس قدر تباہ کن ثابت ہوتی ہے' جب برف' وادی کے دروں کو ناقابل عبور بنا دیتی ہے' لہٰذا اس نے مئی ۱۸۱۹ء تک بڑی دانش مندی سے روانگی کو ملتوی کر دیا تاکہ گرم موسم شروع ہو جائے۔ دیوان چند' بھاری توپوں کو بھمبر میں چھوڑ کر اور اپنے ساتھ ہلکی توپیں لے کر راجوڑی پہنچا۔ وہاں کے راجہ عائز خاں نے اپنے لوگوں پر سکھ فوجیوں کی زیادتیوں کے باعث دائمی دوستی کے حلف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بغاوت کر دی۔ دیوان چند نے اس کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ اس پر راجہ فرار ہوگیا۔ تاہم اس کا بیٹا رحیم اللہ سکھوں سے مل گیا اور دیوان چند نے اسے وزیر آباد کی طرف مہاراجہ کے پاس بھیج دیا۔ اس نے ازراہ مہربانی اسے باپ کی جگہ راجہ مقرر کر دیا۔

راجوڑی کی تسخیر

مہاراجہ اپنے پڑاؤ کے ساتھ گجرات روانہ ہوا اور وہاں سے بھمبر چلا گیا۔ دیوان چند' سکھ ہراول دستے کو ساتھ لے کر پہاڑوں کے اوپر پیادہ فوج کے ساتھ پیدل روانہ ہوا۔ اس نے ۲۳ر جون کو راجوڑی تسخیر کرلیا اور بیرام گلہ میں داخل ہوگیا۔ پونچھ کے تھانیدار میر محمد خاں نے دیوان کو اپنی اطاعت پیش کر دی اور اسی طرح سوپین کے تھانیدار محمد علی نے بھی کیا۔ پونچھ کا راجہ زبردست خاں' جو اپنے قلعہ تری کی طرف بھاگ گیا تھا' اس نے قلعہ کے دروازے بند کر کے سکھ جرنیل کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کر دیا اور مزاحمت کی۔ راجہ سلطان خاں (علاقے کے بارے میں جس کا علم گراں قدر تھا) کو قلعہ تسخیر کرنے کا حکم دیا گیا۔ راجہ نے اپنے جوانوں کے ہمراہ فصیل پر سیڑھیاں لگائیں اور لڑائی شروع ہوگئی' جس میں محافظوں کی بہت بڑی تعداد ہلاک ہوئی۔ آخرکار زبردست خاں نے ہتھیار ڈال دیے اور سکھ فوج نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ راجہ رحیم اللہ نے حاکم بسانہ کو مہاراجہ کی اطاعت کے لیے رضامند کر لیا اور ایک بارسوخ زمیندار نامدار خاں نے اپنے پورے وسائل کو سکھ کماندار کے سپرد کر دیا۔ پیر پنجال کے راستے پر قبضہ حاصل کرنے پر دیوان چند نے فوج کو اپنی قیادت میں تین دستوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک مختلف راستے کے ذریعے وادی میں پہنچنا تھا۔ وہ جس دستے کی قیادت کر رہا تھا' اسے پیر پنجال کو پار کرنا تھا' لہٰذا اس رکاوٹ کو عبور کر کے وہ وادی میں اتر گیا۔ پٹھانوں نے اس ہراول دستے کا مقابلہ کیا' لہٰذا لڑائی شروع ہوئی جو سارا دن جاری رہی۔ فریقین میں سے متعدد افراد ہلاک ہوئے۔ آخرکار سکھوں میں جوش و خروش بڑھ گیا تو پٹھان ڈر کر بھاگ گئے اور اپنے پڑاؤ کو پیچھے چھوڑ گئے' جسے لوٹ لیا گیا۔

۲۹ر جون کو وادی میں موجود ۱۲ ہزار مضبوط جوانوں پر مشتمل پوری سکھ فوج نے سوپین کی سڑک پر واقع سرائے علی میں مورچہ سنبھال لیا۔ تب مہاراجہ شاہ آباد پہنچا اور دیکھا کہ رسد اور کمک کے لیے اس کے انتظامات مکمل ہوچکے تھے۔ سردار جبار خاں نے ۵ ہزار افغانوں کے ساتھ سوپین کے میدان پر خم ٹھونکا ہوا تھا۔ ۵ر جولائی کی صبح سکھ فوج کی صفوں میں نرسنگھ (بگل) کی آواز لاہور کی فوج کے لیے پیش قدمی کا اشارہ تھی' لہٰذا سکھوں کی آمد پر دونوں افواج میں ایک گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ افغان بڑے شاندار انداز میں لڑے اور شروع میں حملہ آوروں کو پسپا کرنے اور ان کی دو توپوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس پر سکھوں نے مل کر حملہ کیا' لہٰذا ان کی یورش اس قدر زبردست تھی

کہ افغان تھوڑی سی کوشش کے بعد برتر تعداد کے آگے پسپا ہوگئے اور وادی کو حملہ آوروں کے قبضہ کے لیے چھوڑ کر انتہائی تیزی سے شیر گڑھ کی طرف بھاگ اٹھے۔ متعدد افراد جنگ اور تعاقب کے دوران مارے گئے۔ ان میں سردار مہرول خاں اور میراخور صمد خاں بھی شامل تھے۔ سردار جبار خاں زخمی ہوگیا اور بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہوسکا۔

سکھوں کا کشمیر پر قبضہ

اب کشمیر سکھوں کے قبضہ میں تھا' جو فاتحانہ انداز میں شہر میں داخل ہوئے۔ اگلے روز مہاراجہ کے لشکر نے شیر گڑھ پر قبضہ کرلیا۔ جبار خاں اپنے باقی ماندہ افغانوں کے ہمراہ دریائے سندھ کی جانب پہاڑوں کو پار کرکے بھمبر گیا اور آخرکار پشاور پہنچ گیا۔ کشمیر میں داخل ہونے پر سکھوں نے اپنی عادت کے مطابق شہریوں کو لوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا' لیکن دیوان چند نے انہیں روک دیا۔ چنانچہ شہر حملہ آوروں کی ڈاکہ زنی سے محفوظ رہا۔ اس کے بعد سکھوں نے راجوڑی کے قریب بلند پہاڑوں کی چوٹی پر دشوار گزار جگہ پر واقع عظیم گڑھ کے قلعہ کو تسخیر کیا اور اسے مضبوطی سے مستحکم کر دیا۔

مہاراجہ نے اہم اور شاداب صوبہ کشمیر کی فتح کی خبر سن کر بہت زیادہ خوشی منائی اور فقیر عزیز الدین کو موسم اور آب و ہوا کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے اور دیوان دیوی داس کو مال گزاری اور آمدنی کا انتظام سنبھالنے کے لیے روانہ کرنے کے بعد واپس لاہور آ گیا۔ مہاراجہ نے حسب معمول لاہور میں اپنی فوج کی حاصل کردہ فتح کی یادگار کے طور پر کئی دن خوشیوں اور جشن میں گزارے۔ لاہور اور امرتسر کے شہروں میں تین روز تک چراغاں کیا گیا۔ مہاراجہ نے امرتسر کا دورہ کیا اور وہاں دربار صاحب میں حاضری دے کر گوردوارہ میں ایک بہت بڑی رقم نذرانہ کے طور پر پیش کی۔ لاہور واپس آنے پر اس نے دیوان چند کو واپس بلا لیا اور آنجہانی دیوان محکم چند کے بیٹے دیوان موتی رام کو کشمیر کے پہلے حاکم کی حیثیت سے روانہ کیا گیا۔ دیوان موتی رام اپنے ساتھ بیردھر پنڈت کو بھی لے گیا۔ علاقے کے مالی معاملات کو نپٹانے کے بارے میں اس کی آشنائی گراں قدر تھی۔ پنڈت کو ۵۳ لاکھ روپے کے عوض کشمیر کا ٹھیکہ دے دیا گیا اور جواہر مل کو دس لاکھ روپے کے عوض شال کی صنعت کا ٹھیکہ دے دیا گیا۔

۱۸۱۹ء کا بقیہ سال الحاق کے بعد انتظامات کرنے میں صرف ہوا۔ پونچھ اور راجوڑی کے راجاؤں کی سرکشی پر دیوان محکم چند کے پوتے رام دیال کو انہیں اطاعت پر مجبور کرنے

کے لیے روانہ کیا گیا۔ پونچھ کے راجہ زبروست خاں نے اپنے بیٹے کو مہاراجہ کے پاس بھیج کر پیش کردہ شرائط کو قبول کر لیا۔ ہری سنگھ مالوہ' سردار دل سنگھ اور دیوان بھوانی داس' جنہیں پینڈا خاں کے قبضہ میں دربند کے قلعہ اور وادی میں دیگر قلعوں کو تسخیر کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا' ان مقامات کو مکمل طور پر مطیع کرنے میں کامیاب رہے۔

لاہور میں دسہرہ منانے اور امرتسر میں مکھی کے میلہ میں اشنان کرنے کے بعد مہاراجہ سال کے آخر پر ایک فوج کے ساتھ ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ اس مہم کا مقصد بہاولپور کے نواب کے علاقہ کو تاخت و تاراج کرنا اور سندھ کے علاوہ سکھر کے میروں سے نذرانہ وصول کرنا تھا۔ وہ پہلے بذریعہ سڑک براستہ کوٹ حسن خاں' پنڈی بھٹیاں گیا اور اس کے بعد دریا کے راستے چنیوٹ گیا' جہاں چند روز قیام کرنے کے بعد وہ ملتان کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسی دوران اسے خبر ملی کہ اس کی بیویوں' رانی رتن کور اور رانی دیا کور نے دو بیٹوں کو جنم دیا ہے۔ اس کے بیٹے چونکہ کشمیر اور ملتان کی فتح کے موقع پر پیدا ہوئے تھے' لہٰذا مہاراجہ نے ان واقعات کی یادگار کے طور پر رانی دیا کور کے بیٹے کو کشمیرا سنگھ اور رتن کور کے بیٹے کو ملتانہ سنگھ کا نام دیا۔ کشمیرا سنگھ دراصل جموں کے ایک راجپوت کا بیٹا تھا اور دیا کور نے یہ دیکھتے ہوئے کہ شیر سنگھ اور تارا سنگھ کو جڑواں بیٹوں کے طور پر آگے کرنے میں رانی مہتاب کور کی سازش کس طرح کامیاب ہوگئی تھی' اس کی تقلید کی اور مختلف اوقات میں دو لڑکے حاصل کیے اور انہیں اپنے بتایا۔ یہ کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ تھے۔ مہاراجہ نے انہیں اپنے بیٹے تسلیم کر لیا اور سیالکوٹ میں ۵۰ ہزار روپے مالیت کی جاگیر عنایت کر دی۔

ملتانہ سنگھ کی شہرت یافتہ ماں رانی رتن کور پہلے دو برجی کے مول سنگھ' پھر گجرات کے سردار صاحب سنگھ اور آخر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیوی تھی۔ اس نے ملتانہ سنگھ کو ایک مسلمان کنیز سے خریدا تھا۔ مہاراجہ نے اسے اپنا بیٹا تسلیم کر لیا اور اسے ضلع امرتسر میں' اجنالہ میں ۲۰ ہزار روپے کی ایک جاگیر بخش دی۔ شہر سیالکوٹ' جہاں ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ لڑکے پیدا ہوئے ہیں' اس موقع کی مناسبت سے وہاں چراغاں کیا گیا اور غریبوں میں بڑی فیاضی سے خیرات بانٹی گئی۔

ملتان میں قیام کے دوران مہاراجہ نے شام سنگھ پشاوریہ (جسے کچھ عرصہ قبل چھ لاکھ اور پچاس ہزار روپے کے عوض اس علاقے کا پٹہ دیا گیا تھا) کی طرف سے زیادتیوں کے ارتکاب کا سنا' تو سردار کو اس کے عہدہ سے ہٹا کر پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اکال گڑھ کے

ایک چوپڑا کھتری خوشناک رائے کا بیٹا ساون مل' جس کی صلاحیتوں سے مہاراجہ خوب اچھی طرح آگاہ تھا اور جو دل سنگھ کی قیادت میں اپنے بھائی نانک چند کے ساتھ کام کر چکا تھا' اسے نئے حاکم بھائی بدن ہزاری کے تحت ۲۵۰ روپے ماہانہ پر محکمہ حسابات کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ بھائی بدن ہزاری میں صلاحیتوں کی شدید کمی تھی' لہٰذا ماسوائے اپنی چاپلوسی اور خوشامد کے' اس کے پاس سفارش کے لیے کچھ نہیں تھا۔

اسی دوران جمعدار خوشحال سنگھ نے دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر کابل کے دست نگر ڈیرہ غازی خاں پر قبضہ کر کے پٹھان حاکم زمان خاں کو نکال باہر کیا۔ بہاولپور کے نواب رکن الدولہ نے دو سال پیشتر بڑی کامیابی سے درانی سردار پر حملہ کیا تھا' لہٰذا نئے حاصل شدہ ضلع کا پٹہ ایک بھاری مالگزاری پر اسے دے دیا گیا۔

رنجیت سنگھ ۲۷ر اپریل ۱۸۲۰ء کو مانکیرہ کے حافظ احمد خاں سے مشہور گھوڑا سفید پری حاصل کرنے کے بعد واپس لاہور آ گیا۔ وہ دیوان چند کی طرف سے خلل اندازی کی دھمکیوں کے باعث اس سے دستبردار ہو گیا۔ رنجیت سنگھ کو ہر ایسی چیز حاصل کرنے کا شوق تھا' جو اپنی خوبصورتی یا عمدگی کے لیے قابل دید ہو' لہٰذا یہ خیال عمر کے ساتھ بڑھتے بڑھتے جنون کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ گھوڑا برف کی طرح سفید تھا (اسی وجہ سے یہ نام دیا گیا) اور اپنی بے مثال خوبصورتی اور رفتار کی وجہ سے ممتاز تھا۔

ہزارہ کی مہم

اسی دوران ہزارہ' دھمتورا اور تربیلہ کے مسلمان باشندوں کی بغاوت کی خبر موصول ہوئی۔ بھائی مکھن سنگھ' جسے امن و امان بحال کرنے کے لیے وہاں بھیجا گیا تھا' اسے قتل کر دیا گیا اور نئے حاکم حکما سنگھ چمنی کو لاہور سے روانہ کیا گیا تو اس نے معاملات کو زیادہ خراب کر دیا۔ اس کے رویہ نے قبائل کو مکمل طور پر مشتعل کر دیا تھا' لہٰذا مختلف اوقات میں سکھوں کے خلاف کامیابی نے انہیں اعتماد بخشا۔ مہاراجہ نے یہ سننے پر سردار فتح سنگھ آہلووالیہ اور رانی سداکور کو خط لکھ کر انہیں کہا کہ وہ فوراً اپنی اپنی فوج کے ساتھ بغاوت زدہ علاقے کی طرف روانہ ہو جائیں۔ دیوان رام دیال توپ خانہ کے کمانڈنٹ جرنیل الٰہی بخش' شام سنگھ اٹاری والا' گنڈا سنگھ لما' شیوا سنگھ اور اہیر سنگھ کو بھی شہزادہ شیر سنگھ کی قیادت میں آگے روانہ کیا گیا' جسے پوری مہم کی کمان سونپی گئی تھی۔ فتح سنگھ آہلووالیہ اور دیگر تجربہ کار سرداروں نے باغی پہاڑی افراد کو سزا دینے کے سلسلہ میں معتدل تدابیر اختیار کیں اور بغاوت کو بڑی حد تک دبا دیا گیا تھا' لیکن رانی سداکور نے کیریاں سے آکر

انتہائی سخت قدم اٹھائے اور سرکردہ باغی قبائل کے نام و نشان کو مٹانے کا تہیہ کر لیا۔ ان میں سے ایک رتیہ بھی تھا' جسے سرغنہ خیال کیا جاتا تھا۔ نیز اس قبیلہ سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں افراد کو سکھوں نے تہہ تیغ کر دیا۔ اس موقع پر سکھوں نے اس حد تک زیادتی کا ارتکاب کیا کہ وہ پرامن کسان' جنھوں نے کبھی بھی اپنے گھروں کو نہیں چھوڑا یا اپنے ہل کو ہتھیاروں سے تبدیل کیا تھا' انہیں بھی انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ پہاڑی لوگوں اور مسواری' سری کوٹ' تربیلہ' یوسف زئی اور سوات کے افغانوں نے سکھوں کی ان زیادتیوں کو دیکھتے ہوئے ایک عظیم اتحاد قائم کر لیا اور ان سے جنگ کرنے اور نکال باہر کرنے کے لیے تمام علاقوں سے بہت بڑی تعداد میں جمع ہوگئے۔ شہزادہ شیر سنگھ نے جرنیل الٰہی بخش کو آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ جرنیل نے اپنے توپ خانہ کے ساتھ قبائل سے جنگ چھیڑ دی۔ ایک شدید لڑائی شروع ہوئی لیکن سکھ تعداد میں بہت کم تھے اور پہاڑی جوانوں نے ان کی صفوں کو ہر طرف سے گھیر کر انہیں زبردست بھاری نقصان سے دوچار کیا۔ دیوان رام دیال ایک پرجوش نوجوان تھا' لہٰذا اس نے جرنیل الٰہی بخش کو نرغے میں دیکھا تو فوراً اپنی قیادت میں موجود دستوں کے ساتھ اس کی مدد کو گیا۔ تاہم وہ بڑی مشکلات میں بھی ہمیشہ مطمئن رہتا تھا' لہٰذا لڑائی شام تک جاری رہی۔ اس دوران فریقین کا بھاری نقصان ہوا۔ شام کے وقت سکھ مکمل طور پر تھک گئے اور اپنی خندقوں میں واپس چلے گئے۔ دیوان رام دیال نے سب سے آخر میں میدان کو چھوڑا' لہٰذا افغانوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ باقی فوج سے علیحدہ ہوگیا ہے تو گنڈ گڑھ کے قریب دروں میں اچانک اس پر آن پڑے۔ دیوان کے ہمراہ مٹھی بھر سکھ بڑی دلیری سے لڑے' لیکن حملہ آوروں نے پورے دستے کو کاٹ کر رکھ دیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ دیوان بھی قتل ہونے والوں میں شامل تھا۔ (۷)

سکھ اپنے جرنیل کی موت پر دہشت زدہ ہوگئے اور اپنا پڑاؤ اٹھا کر انتہائی تیزی سے ہزارہ سے مراجعت کر گئے۔ چنانچہ سکھوں کے انتہائی ہونہار جرنیل کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا' اس کی موت کا نہ صرف مہاراجہ (جسے مشہور دیوان محکم چند کا قابل پوتا ہونے کی حیثیت سے اس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں) بلکہ پوری سکھ قوم کو انتہائی گہرا صدمہ پہنچا۔ آنجہانی دیوان ۱۸۱۴ء کی کشمیر مہم میں اپنا لوہا منوا چکا تھا اور خالصہ فوج (جس میں وہ بہت زیادہ مقبول تھا) کے ایک رہنما کی حیثیت سے اپنی قابلیت اور بہادری کے باعث شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس کے والد دیوان موتی رام نے اپنے بیٹے کی موت کا سنا تو اسے بہت

زیادہ اذیت پہنچی۔ اس پر فارسی کا یہ شعر کس قدر صادق آتا ہے۔

ازین بد چہ باشد بہ عالم دگر
پدر خاک ریزد بہ گور پسر

"دنیا میں اس سے زیادہ اور غم کیا ہو سکتا ہے کہ ایک باپ کو
اپنے بیٹے کی قبر میں مٹی پھینکنی پڑ رہی ہے"۔

موتی رام نے اپنے ہونہار بیٹے کی بے وقت موت کے دکھ سے مغلوب ہو کر کشمیر کی حکومت کو چھوڑ کر بنارس میں اپنی باقی ماندہ زندگی کو ایک پجاری کی حیثیت سے گزارنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مہاراجہ اسے عوامی زندگی سے علیحدہ ہونے کی اجازت دینے پر رضامند نہیں تھا' لہٰذا اسے واپس لاہور بلا لیا گیا اور ہری سنگھ مالوہ کی صورت میں ایک انتہائی سپاہیانہ سردار کو کشمیر روانہ کیا گیا۔ اب چونکہ رام دیال موجود نہیں تھا' لہٰذا وہ سکھ فوج میں سب سے زیادہ پرشکوہ سپاہی تھا۔ ہری سنگھ ایک سکھ جاگیردار تھا' جس نے ایک موقع پر گھوڑے کی پشت پر بیٹھے ہوئے ایک شیر کو تن تنہا ہلاک کر کے (اگرچہ گھوڑے کی قربانی دے دی تھی) حوصلہ اور پھرتی کے سلسلہ میں بہت زیادہ شہرت حاصل کی تھی۔ اگرچہ وہ ایک اچھا سپاہی تھا' لیکن بطور ایک منتظم کے وہ ناکام رہا اور کشمیر کے عوام کو ظلم و ستم کی چکی میں پیس کر رکھ دیا۔ چنانچہ ایک سال کے بعد اسے واپس بلا کر موتی رام کو از سرنو حاکم کشمیر مقرر کیا گیا' جو امن پسند اور زاہدانہ طبیعت کا حامل شخص تھا۔ یہ عہدہ ۱۸۲۶ء تک اس کے پاس رہا۔

گلدھیری کے سردار محمد خاں کی طرف سے نذرانہ ادا کرنے اور تربیلہ کے زمیندار سربلند خاں اور دیگر سرداروں کی اطاعت کے بعد ہزارہ میں طویل کارروائیوں کا خاتمہ ہو گیا' لہٰذا شہزادہ شیر سنگھ اور سکھ سردار واپس لاہور آ گئے۔ مئی میں راجوڑی کا راجہ عائز خاں' جس نے بغاوت کر دی تھی' اس علاقے میں دیوان چند کی آمد پر فرار ہو گیا تھا' اسے دربار لاہور کے ڈھیوڑی والا میاں دھیان سنگھ کے بھائی گلاب سنگھ نے گرفتار کر کے قیدی کی حیثیت سے لاہور بھیج دیا۔ اسی دوران گلاب سنگھ نے اطلاع بھیجی کہ اس کے خلاف ایک جنگ میں بدنام ڈوگرا باغی دیدو' توپ کا گولا لگنے سے ہلاک ہو گیا ہے۔ مہاراجہ نے میاں گلاب سنگھ کی خدمات سے خوش ہو کر اس کے خاندان کو کشمیر میں ایک جاگیر عنایت کر دی' جس سے وہ کافی عرصہ سے وابستہ چلے آ رہے تھے۔ راجوڑی کے راجہ رحیم اللہ خاں اور غریب اللہ خاں نے کشمیر میں اپنی خدمات کے صلہ میں ۱۲ ہزار روپے کی ایک جاگیر حاصل

کی۔

سیاح مور کرافٹ کا دورۂ لاہور

اسی سال لنکا شائر کے آبائی' ایک متعدد اور اولوالعزم سیاح' ولیم مور کرافٹ نے دربار لاہور کا دورہ کیا۔ اس نے جراحی کے پیشہ میں لیور پول میں تعلیم حاصل کی' لیکن آخرکار بحیثیت ایک پیشہ ور معالج سلوتری کے' لندن میں آباد ہوگیا اور بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی اسپ خانہ کے نگران کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔ وہ پانچ برس قبل چینی تاتار کے راستے سے وسطی ایشیا میں داخل ہونے کے باعث ایک عالی ہمت سیاح کے طور پر شہرت حاصل کر چکا تھا۔ وہ پہلا یورپی باشندہ تھا' جس نے ہمالیہ کو پار کر کے سندھ اور ستلج دریاؤں اور دو انتہائی شاندار جھیلوں راون اور منسوار کے چشموں کے محل وقوع' ان پہاڑوں اور کیونیلون سلسلہ کوہ کے درمیان عظیم میدان میں سے سفر کیا۔ اب وہ بلخ اور بخارہ کی طرف جاتے ہوئے جوالا مکھی اور نداؤں سے آ رہا تھا' جہاں وہ گھوڑے خریدنے کے لیے جا رہا تھا۔ اس نے ہندوستان کی دیسی گھڑسوار فوج کے لیے عربی گھوڑے کے مقابلہ میں ترکی گھوڑے کو متعارف کرانے کے لیے حکومت پر بہت زیادہ زور دیا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ اس ملک کی گھڑسوار فوج کو صرف ترکی گھوڑے کو شامل کرنے سے ہی ترقی دی جا سکتی ہے۔ اس کے پاس برطانوی ہند اور ہمالیہ کے پار اضلاع کے درمیان تجارتی رابطہ قائم کرنے کے لیے بھی تدبیر تھی۔ ان بہترین مقاصد کو ذہن میں رکھے ہوئے وہ لداخ اور یارقند جاتے ہوئے سکھوں کے دارالحکومت سے گزرا' لہٰذا لاہور کے دربار میں اس کا والہانہ اور پرتپاک استقبال کیا گیا۔ مہاراجہ نے اس سے مختلف موضوعات پر بڑی آزادی سے گفتگو کی اور اسے اجازت دے دی کہ وہ گھومنے پھرنے کے لیے شہر' قلعہ یا مضافات میں جس جگہ جانا چاہتا ہے' جا سکتا ہے۔

مہاراجہ سے ملاقات کے موقع پر مسٹر مور کرافٹ نے اسے دو نالی والی اور تین نالی والی پستولوں کے جوڑے' ایک تلوار' ایک توپ کا ماڈل' سفید چوڑی وش اور پہاڑوں سے لائے گئے مشک کے تھیلے پیش کیے۔ مہاراجہ پستولوں اور توپ کے تحفہ سے بہت خوش ہوا۔ اس نے مسٹر مور کرافٹ کے معائنہ کے لیے اپنے گھوڑوں کو سامنے سے گزارا' لہٰذا اس نے خیال کیا کہ ان میں سے چند نہایت شاندار جانور تھے۔ مسٹر مور کرافٹ نے مہاراجہ سے کئی ملاقاتیں کیں۔ ان سب میں موخر الذکر نے آزادانہ گفتگو کی۔ پسندیدہ موضوعات بحث زیادہ تر اس کے فوجی اور اسپ خانہ کے انتظامات اور گزشتہ مہمات کے بارے میں

ہوتے تھے۔ اس نے مسٹر مور کرافٹ کو سکھوں' ہندوستانیوں اور گورکھوں پر مشتمل اپنی دو پلٹونیں دکھائیں' جنہیں اس نے کمپنی کی فوج کی طرز پر تربیت دی تھی۔ مہاراجہ نے کہا کہ انہیں کمپنی کی ملازمت سے مفرور ایک نائیک نے تربیت دی تھی۔ مور کرافٹ نے مہاراجہ کے بارے میں بیان کیا کہ وہ بڑی صاف طبیعت کا مالک تھا۔ تمام موقعوں پر اس نے اس سے مختلف موضوعات پر بظاہر آزادانہ گفتگو کی۔ مسٹر مور کرافٹ نے مہاراجہ سے اس کے علاقوں میں آنے والے انگریز سوداگروں کے لیے محصولات کے مقررہ پیمانے کی سفارش کی' لیکن اس مسئلے پر غور و خوض غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ تاہم مہاراجہ نے فوری طور پر منڈی اور کلو سے لداخ تک اس کی روانگی اور کشمیر سے اس کے گزرنے کی اجازت دے دی اور کلو تک اس کے ساتھ جانے کے لیے ایک مصاحب کو مقرر کیا۔ لاہور سے روانگی پر مسٹر مور کرافٹ کو قیمتی شالوں کی ایک خلعت پیش کی۔

مسٹر مور کرافٹ پیر پنجال پہاڑوں کے ذریعے وادی کشمیر میں اترا اور کابل و بخارہ کا دورہ کیا۔ وہ تقریباً پانچ ماہ تک بخارہ میں رہا اور متعدد قیمتی گھوڑوں کی خریداری کی۔ ان کے ساتھ اس نے واپس ہندوستان کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا' لہٰذا واپسی پر ۴ تا ۵/ اگست ۱۸۲۵ء کو اس نے دریائے اوکسس (آملو دریا) کو پار کیا۔ تاہم اب اس نے میمنہ جانے کا ارادہ کیا' جہاں اس نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ وہ غالباً یہاں گھوڑوں کے ذخیرہ میں اہم اضافہ کر سکتا ہے۔ وہ بخارہ سے لکھتا ہے: "اس سے پہلے کہ میں ترکستان سے روانہ ہوتا' میں نے اس خطہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا' جو غالباً ایشیا میں بہترین گھوڑوں پر مشتمل تھا' لیکن اس کے ساتھ گزشتہ پانچ سال سے ہر قسم کا رابطہ منقطع تھا۔ تجربہ جان جوکھوں سے بھرپور ہے"۔

اس علاقہ میں بہت زیادہ ملیریا پھیلا ہوا تھا' اگرچہ اسے اس خراب موسم میں اس علاقے میں جانے کے خطرہ سے آگاہ کر دیا گیا تھا' لیکن اس نے یورپی علاج معالجے اور اپنی طبی مہارت پر بے چون و چراں انحصار کیا' لہٰذا اس کی زندگی اس کے شوق کی بھینٹ چڑھ گئی۔ اسے آودخو کے مقام پر بخار نے آلیا اور اس کا انتقال ہوگیا۔ مسٹر مور کرافٹ روسی وزیر شہزادہ نیسیل وڈ کا ایک خط مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لیے لے جا رہا تھا' جس میں روس کے شہنشاہ کو ایک شفیق بادشاہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا' جو خلوص دل کے ساتھ دوسرے ملکوں کی خوشحالی چاہتا تھا اور خاص طور پر سکھوں کے مہاراجہ کا دوست اور خیر خواہ تھا۔ شہزادے نے رنجیت سنگھ کی مہربان توجہ کے لیے ایک سوداگر کی سفارش کی تھی اور روس

اور پنجاب کے درمیان تجارتی تعلقات قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے مہاراجہ کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ اگر پنجاب سے کوئی سوداگر اس کے اپنے ملک میں آئے گا تو اس کا پرتپاک استقبال کیا جائے گا۔ تاہم اس سے پہلے کہ یہ رقعہ مخاطب کے پاس پہنچتا' حامل رقعہ کا انتقال ہوگیا۔

اسی سال کے دوران منڈا جی بھسلا المعروف آپا صاحب' جسے انگریزوں کی فیاضی نے ناگپور میں مامور کیا تھا' لیکن وہ نہ تو احسان مند اور نہ ہی قابل تعریف حلیف تھا' اسے سرکاری قیدی کی حیثیت سے الہ آباد بھیجا گیا تو وہ برطانوی حکام کے قبضہ سے فرار ہوگیا اور امرتسر پہنچ گیا۔ اس نے ایک فقیر کا بھیس بدل لیا اور آوارہ گردی کرنے لگا' لیکن رنجیت سنگھ نے اسے انگریز حلیفوں کا بدترین دشمن سمجھتے ہوئے اپنا علاقہ چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔ وہ پہاڑوں کی طرف چلا گیا اور قنوج کے راجہ' سنسار چند کے پاس پناہ حاصل کر لی۔ وہاں رہتے ہوئے وہ شاہ زمان کے ایک بیٹے شہزادہ حیدر کے ساتھ ایک سازش میں شریک ہوگیا۔ اس کا مقصد پورے ہندوستان کو مطیع کرنا تھا۔ اس منصوبہ کی رو سے شہزادے کو بادشاہ اور مرہٹہ کو اس کا وزیر بننا تھا اور دکن کو اس کے تحت' دہلی میں درانی دربار کی راجدھانی بنانے کا منصوبہ تھا۔ راجہ نے روپے پیسے کی بہت بڑی رقمیں اس کے سپرد کی تھیں' لیکن جب اس کے خواب قنوج کے راجہ پر منکشف ہوگئے (جو رنجیت سنگھ کا پابند تھا) تو اس نے مرہٹہ کو بن بلایا مہمان سمجھتے ہوئے اپنے علاقے سے نکال دیا۔ آپا صاحب مندی کی طرف چلا گیا اور حکومت برطانیہ کی معرفت جودھ پور کے راجہ کے پاس پناہ حاصل کر لی۔

امرتسر کے گوردوارہ میں مذہبی فرائض ادا کرنے کے بعد مہاراجہ نے سداکور کے علاقہ بٹالہ کا دورہ کیا اور عظیم اخور کے گوکل تاش' شمشیر خاں کے تالاب کے قریب خیمے گاڑ دیے۔ وہ بٹالہ میں ایک ماہ تک رہا اور بظاہر اپنا وقت سیر و تفریح اور کھیل تماشے میں گزارا' لیکن حقیقت میں وہ اپنی ساس کو اس کے وسیع و عریض علاقوں سے محروم کر کے ان پر قبضہ کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ سداکور کی بیٹی مہتاب کور کا نامور بیٹا اب جوان ہوگیا تھا اور مہاراجہ کے بیٹے کے طور پر اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے ایک علیحدہ جاگیر اور انتظام کے لیے شور مچانے لگا تھا۔ ہزارہ کی مہم کے بعد' جس میں شیر سنگھ کو اعلیٰ کمان سونپی گئی تھی' رنجیت سنگھ نے نہ صرف نوجوان شہزادے کے پیش کردہ مطالبات کو تسلیم کر لیا بلکہ اس امید پہ ان کے بارے میں زور دینے کے سلسلہ میں اس کی حوصلہ افزائی کی کہ

اس سے سداکور اپنے تصرف میں کنہیا مثل کے علاقوں میں سے اپنے نواسے کے لیے ایک مناسب جاگیر مختص کر دے گی۔ سداکور نے اس کے برعکس اپنے داماد پر شیر سنگھ کو تسلیم کرنے اور اپنے سے بلاتعلق شہزادے کو ایک جاگیر مہیا کرنے پر زور دینے کی خواہش کی۔ چونکہ رنجیت سنگھ کا اصل مقصد (کسی زمانے میں طاقتور) کنہیا مثل کے علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کرنا تھا' لہٰذا اس نے بڑی سختی سے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس بات پر زور دیا کہ اس کی اپنی تجویز کے مطابق نوجوان شہزادے کے لیے ایک جاگیر مختص کی جائے۔ چالاک سکھ مہاراجہ نے اپنے مقصد کے تحت شیر سنگھ اور اس کی نامور والدہ کے درمیان کشیدگی پیدا کر دی اور اس کی سازشوں نے (جن میں گامے خاں خانسامہ کی چاپلوسیوں نے اس کی مدد کی) سداکور اور جے سنگھ کنہیا کے ایک پرانے اور بااعتماد نوکر بیساکھا سنگھ کے درمیان جھگڑا پیدا کر دیا' جسے اس خاتون کی بہت زیادہ حمایت حاصل تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے منصوبے مکمل ہوگئے ہیں تو اس نے خیال کیا کہ اپنے مقصد کو طاقت کے ذریعے حاصل کرنے کا وقت آگیا ہے' لہٰذا اکتوبر ۱۸۲۰ء میں اس نے سداکور کے پاس حکم بھیج کر اس پر زور دیا کہ وہ دونوں شہزادوں' شیر سنگھ اور تارا سنگھ کی دیکھ بھال کے لیے اپنی آدھی جاگیریں مختص کر دے۔ اس جواں ہمت خاتون نے اس حکم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے دریائے ستلج کو پار کر کے ودھنی کی جاگیر کو انگریزوں کی حفاظت میں دینے کی دھمکی دے دی۔ یہ سننے پر رنجیت سنگھ نے اسے مفاہمتی خطوط لکھے اور داماد کی حیثیت سے ہر قسم کی عاجزی کے ساتھ اس سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ دم دلاسہ ملنے کے بعد سداکور نے رنجیت سنگھ سے شاہدرہ میں اس کے پڑاؤ میں ملاقات کی۔

یہاں اسے شہزادوں کے لیے مطلوبہ انتقال پر رضامند کر کے ایک معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور اس کے بعد قلعہ میں بھیج دیا گیا۔ تاہم کچھ دیر بعد سازش کے ذریعے فرار ہونے اور ایک رات کو گورو ارجن کی سمادھ پر حاضری دینے کا بہانہ کر کے مغربی دروازے کے ذریعے قلعہ سے باہر آ کر وہ ایک بند گاڑی میں اپنے علاقہ کی طرف فرار ہوگئی۔ رنجیت سنگھ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے شہزادہ کھڑک سنگھ کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا' لہٰذا اسے کیریاں جاتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ اب اسے انتہائی قید سخت میں محل کے اندر رکھا گیا اور دیوان چند ظفر جنگ کو اس کے علاقوں پر قبضہ کرنے اور اس کی قیمتی اشیاء و دیگر جائیداد کو ضبط کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ دیوان چند نے سب سے پہلے بٹالہ پر قبضہ کیا اور اس کے بعد پٹھان کوٹ پر۔ ان مقامات پر متعین رانی کی افواج نے کوئی مزاحمت

نہیں کی۔ اس کے بعد وہ رانی کی سلطنت کے صدر مقام کیریاں (اس وقت اٹال گڑھ کہلاتا تھا) کی طرف گیا' جو کنہیا مثل کی دولت اور قیمتی اشیاء کا گودام تھا' لیکن اس قلعہ پر قابض' رانی کی ایک کنیز نے زبردست مزاحمت کی۔ قلعہ کو فتح کرنے کے لیے سکھوں کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو دیوان چند ظفر جنگ نے فریب کا راستہ اختیار کیا۔

اس نے سداکور (جسے اس کے ساتھ قیدی بنا کر بھیجا گیا تھا) کو ایک دستاویز پر اپنی مہر ثبت کرنے کے لیے کہا' جس میں قلعہ دار کو قلعہ حوالے کرنے کی اجازت دی گئی تھی' لہٰذا اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو اس کا کھانا پینا بند کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ دو روز تک انتہائی سختی کے ساتھ رانی کو کھانے پینے سے محروم رکھا گیا' لیکن تیسرے روز اس نے دستاویز پر مہر ثبت کرنے کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا۔ ایسا کرنے پر رانی کی فوج قلعہ سے باہر چلی گئی۔ کنہیا مثل کی ملکیت بہت بڑی جائیداد بشمول شالیں' جواہرات' فوجی گودام اور دفینے' سکھ جرنیل کے ہاتھ لگے' لہٰذا انہیں لاہور لایا گیا' جہاں وہ سرکار کی ملکیت بن گئے۔ دوبارہ قبضے کی ان کارروائیوں کے بعد رانی کو فوجی دستے کی نگرانی میں دوبارہ لاہور روانہ کیا گیا' جہاں وہ اپنے انتقال تک ایک قیدی کی حیثیت سے رہی۔ چنانچہ پنجاب کی سیاست میں تقریباً تیس برس تک نمایاں کردار ادا کرنے کے بعد عالی ہمت سداکور کا خاتمہ ہوگیا' جس کا شمار پنجاب کی تاریخ میں انتہائی قابل ذکر خواتین میں ہوتا تھا۔ وہ رنجیت سنگھ کی طاقت کا سرمایہ اور اس مہاراجہ کے لیے ایک ایسی سیڑھی تھی جس کی مدد سے وہ اپنی عظمت کی چوٹی پر پہنچنے کے قابل ہوسکا۔ وہ اس کی کوششوں میں اس کی ساتھی تھی اور اسی کی توانائی' سازشوں اور اثر و رسوخ کے باعث اسے اپنے ابتدائی کارناموں میں زیادہ تر کامیابی حاصل ہوسکی۔ اس نے آخر دم تک غیر لچک دار طبیعت کو برقرار رکھا اور اسے حالات کے ہاتھوں جس تباہی کا سامنا کرنا پڑا' وہ اس کے مزاج کی تیزی اور آزادی کردار سے کم نہیں تھی۔ ان دونوں کو سکھ مہاراجہ اپنی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے برداشت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے اپنی قید کی آفت کو انتہائی بے چینی اور بے صبری کی حالت میں برداشت کیا۔ وہ زور شور سے اپنا سینہ کوٹتے ہوئے اپنے ناشکرے داماد کو لعنت ملامت کرتی اور کوسنے دیتی اور ہر روز گالیاں دیتی اور بین کرتی تھی۔ ستلج کے جنوب میں ودھنی میں مقید بیوہ کا تسلط قائم تھا' جہاں انگریز نمائندے دریا کی اپنی جانب کنہیا مثل کے مفادات کی نمائندہ کے طور پر اس کی بہت قدر کرتے تھے اور ابھی تک اسے انگریزوں کی حفاظت کی جائز حقدار سمجھتے تھے۔ تاہم جب تک رنجیت سنگھ کو ودھنی سے زبردستی بے

دخل نہیں کر لیا گیا' ایسا نہیں کیا گیا' لہذا بیوہ رانی کے اختیار کو اس جگہ بحال کرنے کے لیے ایک فوجی دستہ لدھیانہ سے روانہ کیا گیا۔ بٹالہ جاگیر کے طور پر شیر سنگھ کو دے دیا گیا اور کنہیا مثل کے باقی ماندہ علاقے بشمول ملحقہ پہاڑی علاقہ سردار دیسہ سنگھ مجیٹھیہ کے انتظام میں دے دیے گئے۔

دسہرہ کے بعد مہاراجہ سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوا' جہاں اکتوبر ۱۸۲۰ء میں سکھ فوج کے معاینے کا اہتمام کیا گیا۔ شہزادہ کھڑک سنگھ کی جاگیریں' علاقہ نکا اور کلانور پٹے پر دے دی گئیں۔ اول الذکر ۸۵ ہزار روپے کے عوض دیوان سکھ دیال اور موخر الذکر ہندوستان کے مولوی مظہر حسین کو دے دی گئی۔ اس کے بعد مہاراجہ چناب کو پار کرنے اور پہاڑوں کے ساتھ پیش قدمی کرنے کے بعد چب بھاؤ علاقہ میں پہنچا' جہاں کے قبائل سرکش ہوگئے تھے۔ بغاوت زدہ علاقہ دیوا بٹالہ اور دیگر دیہاتوں کو نذر آتش کر دیا گیا اور باغی قبائل کو سخت سزا دی گئی۔

راولپنڈی پر قبضہ

اس کے بعد جہلم کو عبور کرنے کے بعد رنجیت سنگھ راولپنڈی کی طرف روانہ ہوا۔ سردار نند سنگھ کو نکال باہر کرنے کے بعد اس علاقے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ نانک چند دفتری کو' شامل کیے گئے نئے علاقہ کا انتظام سونپ کر مہاراجہ ۱۳ر دسمبر کو واپس لاہور آ گیا۔

پھاگن (فروری) ۱۸۲۱ء میں ولی عہد کھڑک سنگھ کی بیوی چندکور (جو گورداسپور کے قریب فتح گڑھ کے سردار جے مل سنگھ کنہیا کی بیٹی تھی) کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ نجومیوں کے مشورہ سے لڑکے کا نام نونہال سنگھ رکھا گیا۔ رنجیت سنگھ کے پوتے کی پیدائش کے موقع پر لاہور کے دربار میں زبردست خوشیاں و جشن منائے گئے۔ دیوان امرناتھ نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وضع کیا' جس سے شہزادے کی پیدائش کے سن سمت کا پتہ چلتا ہے:

چون عقل کل آن نہال دانش
در گلشن آفرینش آمد
تاریخ ولادتش بہ جستم
گلدستہ باغ دانش آمد

"جب عقل کل کے پودے نے دنیا کے باغ میں آنکھ کھولی تو میں نے اس کی تاریخ پیدائش کے متعلق تلاش کیا تو وہ مجھے ان

الفاظ میں ملی (۸) عقل کے باغ کے گلدستہ کی آمد ہوئی ہے"۔
اس وقت سکھ فوج نے کشتور اور مانکوٹ کے علاقوں پر قبضہ کر لیا' جنہیں سلطنت لاہور میں شامل کر لیا گیا۔
دسہرہ کے بعد سکھ فوج کو امرتسر میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا۔ لہٰذا مہاراجہ' ملتان کے جنوب میں واقع علاقوں کو حتمی طور پر تسخیر کرنے کے لیے بذات خود فوج کی کمان ہاتھ میں لے کر دریائے سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ مانکیرہ کے نواب حافظ احمد خاں کے وسائل حصول بالجبر اور جبری خراجوں کے باعث اور علاقے میں لوٹ مار اور غارت گری کی وجہ سے ختم ہو کر رہ گئے تھے۔ چنانچہ رنجیت سنگھ کو اس بات کی امید نظر آنے لگی کہ اس کا علاقہ باآسانی فتح ہو جائے گا۔ مٹھا ٹوانہ کے مقام پر دریائے سندھ کو پار کرنے کے بعد سردار ہری سنگھ نلوا اس کے ساتھ آ ملا' لہٰذا دیوان چند اور کرپا رام (جو خوشاب میں اس سے آ ملے تھے) کو بھکر شہر اور قلعے کی تسخیر کے لیے روانہ کیا گیا۔ سکھ فوج کی آمد پر مانکیرہ کے نواب کے نمائندے سید امام شاہ اور حاکم شاہ بھکر سے فرار ہوگئے' لہٰذا اس جگہ کو بغیر کسی مزاحمت کے تسخیر کر لیا گیا۔ اس جگہ سے سردار دل سنگھ اور جمعدار خوشحال سنگھ کو ۸ ہزار سپاہیوں کے ایک دستہ کے ہمراہ ڈیرہ اسماعیل خاں کو تسخیر کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ ڈیرہ اسماعیل خاں میں نواب کے حاکم نے مزاحمت کی۔ سکھ فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لہٰذا جب حاکم کو گرفتار کر لیا گیا تو نواب کی افواج منتشر ہوگئیں۔ نواب کی تمام جائیداد اور اسلحہ جنگ سکھوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد خان گڑھ' لیہ اور منج گڑھ کو بھی بالترتیب بغیر کسی مزاحمت کے تسخیر کر لیا گیا۔ تب پوری فوج نے مانکیرہ کی طرف پیش قدمی کر دی۔ نواب نے اپنی فوج کی طرف واجب الادا بقایا جات کو ادا کرنے کے بعد ایک زبردست مزاحمت کی تیاریاں کر لیں۔ شہر مانکیرہ کے گرد مٹی کی دیوار تھی اور قلعہ اینٹوں کا تھا' لیکن حملہ آور فوج کو قدرتی مشکلات کے خلاف جدوجہد کرنا تھی۔ قلعہ اور شہر ریتلے صحراؤں اور ریتلے ٹیلوں کے درمیان واقع تھے۔ اس علاقے میں پانی کے نظام اور کنوؤں کی مکمل عدم موجودگی نے سکھ فوج کا ناکہ تنگ کر دیا۔ ایک دستہ قلعے کا محاصرہ کرنے کے لیے آگے بڑھا' لہٰذا اس جگہ کو گھیرے میں لے لیا گیا۔
منج گڑھ اور دیگر مقامات سے انتہائی دشواری اور خرچ پر بیلوں' اونٹوں' گھوڑوں اور خچروں کی پشت پر محاصر فوج کے لیے پانی کی رسد لائی گئی۔ مہاراجہ اپنے ساتھ بھاری توپیں بھی لے کر گیا تھا' لہٰذا محصورین کے خلاف مسلسل گولہ باری کی گئی۔ لیکن مانکیرہ کی فوج

نے ہر دروازے اور برج کو موثر طور پر قبضے میں رکھا ہوا تھا اور فصیل پر دفاعی ذرائع مہیا کیے گئے تھے۔ انہوں نے محاصرین پر بندوقوں اور توپوں کی گولہ باری کی بوچھاڑ کر دی جو اپنے مورچوں کو خندق کے قریب لے آئے تھے۔ دریں اثناء انتھک مہاراجہ کی ذاتی نگرانی کے تحت سکھ فوج کے ساتھی اپنے پڑاؤ میں بیس کنویں کھودنے میں کامیاب ہوگئے' لہٰذا اب تازہ پانی کی فراہمی آسان ہوگئی تھی' جس سے حملہ آور فوج کو بڑی سہولت میسر آگئی۔

اب ایک اور دستہ محاصرے کی تکمیل کے لیے آگے بڑھا۔ رنجیت سنگھ اس سارے انتظام کی خود نگرانی کر رہا تھا۔ محاصرہ بائیس روز تک جاری رہا۔ اس دوران نواب اپنے موقف پر قائم رہا لیکن اب اس کی طرف سے اخراج شروع ہوگیا اور اس کے چند سرکردہ سردار خفیہ طور پر قلعہ سے باہر آکر رنجیت سنگھ سے مل گئے اور ان مقامات کی نشاندہی کر دی جہاں کامیابی سے حملہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ حملہ کے لیے رجحانات میں تبدیلی واقع ہوگئی' لیکن نواب نے اپنے چاروں طرف غداری کو دیکھتے ہوئے اور یہ سوچتے ہوئے کہ اس نے اپنے آباؤ اجداد کے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے بہت کچھ کر کے دیکھ لیا ہے' اپنے نمائندوں قاضی گل محمد اور علی جاہ سکندر خاں کو رنجیت سنگھ کے پاس صلح کی شرائط تجویز کرنے کے لیے روانہ کیا۔ وہ یہ تھیں کہ نواب کو اپنے پورے خاندان' جوانوں' ہتھیاروں اور جائیداد کے ساتھ حفاظت سے شہرپناہ سے اس کے پڑاؤ میں جانے کی اجازت دی جائے اور یہ کہ ڈیرہ اسماعیل خاں کا قبضہ اس کے پاس رہنے دیا جائے اور ایک مناسب جاگیر عنایت کی جائے۔ مہاراجہ نے ان شرائط کو مان لیا۔

نواب نے سکھوں کے کردار کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا تھا اور سکھ مہاراجہ کی ایمانداری سے متعلق خیالات کو جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ کاغذ کے ایک ٹکڑے پر اپنے ہاتھ کی کھلی انگلیوں کو زعفران لگا کر چھاپ لگائے تاکہ معاہدے کے اقرار نامے کی تصدیق ہو جائے۔ نیز مہاراجہ خالصہ مذہب کی ایک نئی مثال پیش کرنے کے لیے بے چین تھا' جو ذرائع کی کمی کے حامل اس علاقے میں انتہائی مہنگی مہم کو بند کرنے کے مقابلے میں کم نہیں تھی' لہٰذا اس نے خانہ پری کر دی۔ نواب کے لیے قیمتی ملبوسات روانہ کیے گئے۔ اب چونکہ اس کے شکوک و شبہات دور ہوچکے تھے' لہٰذا اس نے قلعے کو حوالے کر دیا اور اپنے ساتھ اپنی تمام جائیداد اور ہتھیاروں کو لے کر ۳۰۰ ساتھیوں کے ہمراہ باہر آگیا۔ اس کا پڑاؤ سکھوں کی حدود کے اندر نصب کیا گیا' لہٰذا اس نے ۲۰ر تاریخ کو مہاراجہ سے ملاقات کی۔ مہاراجہ اس کا استقبال کرنے کے لیے تھوڑا سا اٹھا اور ایک ہی

مسند پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ نواب نے اپنے فاتح سے التجا کی کہ شہر کو لوٹ مار سے محفوظ رکھا جائے اور اس کے لیے باعتماد ثابت ہونے والے سپاہیوں کو مناسب ملازمت فراہم کی جائے۔ مہاراجہ نے ان درخواستوں کو منظور کر لیا۔ اس نے نواب کے لیے دوستی کے مزید ثبوت کے لیے ان افراد کو برطرف کر دیا' جو اپنے مفتوحہ بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر اس سے آ ملے تھے۔ نواب نے مہاراجہ کو اسلحہ کی ایک بہت بڑی مقدار کے ساتھ بائیس توپیں حوالے کر دیں' لہٰذا اس کے حرم' خاندان اور مصاحبین کو ایک مناسب حفاظتی دستے کی نگرانی میں ڈیرہ اسماعیل خان روانہ کر دیا گیا۔ مہاراجہ نے نواب حافظ احمد خاں کے جس علاقے کو حکومت میں شامل کیا تھا' اس کی سالانہ آمدنی دس لاکھ روپے تھی اور اس کے حصول سے رنجیت سنگھ کو بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی تھی' لہٰذا اس نے حکم دیا کہ اس موقع کی مناسبت سے لاہور اور امرتسر کے شہروں میں چراغاں کیا جائے۔ سردار امیر سنگھ سندھیانوالہ کو حاکم مانکیرہ مقرر کیا گیا' جبکہ بھکر اور لیہ راج کور کھتری کو پٹہ پر دے دیے گئے۔ اس کے بعد ٹانک اور ساگر کے مسلمان بلوچ سرداروں کو مطیع کرنے کے بعد سکھ فوج دائرہ دین پناہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس مقام سے فوج کو خشکی کے راستے سے ملتان بھیجا گیا۔ خود مہاراجہ دریائے سندھ پر کشتیوں کے ذریعے ڈیرہ غازی خاں کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں پر نواب بہاولپور سے تاوان جنگ کے طور پر پانچ لاکھ روپے ہتھیائے گئے اور ڈیرہ غازی خاں و مٹھن کوٹ کے پٹہ کے لگان میں اضافہ کر دیا گیا' جو اسی نواب کے قبضہ میں تھے۔ تب ملتان میں اپنی فوج کے ساتھ ملنے کے بعد مہاراجہ ۲۷ر جنوری ۱۸۲۲ء کو واپس اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹ آیا۔

لاہور پہنچنے پر مہاراجہ نے نارا کے زمینداروں کے ہاتھوں سردار امر سنگھ مجیٹھیہ کے قتل اور اس کے ایک سرکردہ سردار جے سنگھ اٹاری والا کے افغانستان کی طرف فرار کے بارے میں سنا تو اس پر اس نے دیوان چند کو نارا کے زمینداروں کو سزا دینے اور دیوان کرپا رام کو سرائے صالح میں امن و امان بحال کرنے کے لیے روانہ کیا' وہاں کا سردار پینڈے خاں سرکش ہو گیا تھا۔ علاقے میں بہادر ہری سنگھ نلوا کی خدمات کے صلے میں وادی کشمیر میں پکھلی اور دھندور کے علاقے اسے جاگیر کے طور پر عنایت کر دیے گئے۔

مارچ ۱۸۲۲ء میں (مونسیئر ونتورا پیدائشی طور پر اطالوی لیکن فرانسیسی فوج میں پیادہ فوج کا کرنل اور مونسیئر ایلرڈ ایک فرانسیسی باشندہ سوار فوج میں جس کے پاس یہی عہدہ تھا) دو یورپی مہم جو فوجی ملازمت کی تلاش میں لاہور کے دربار میں پہنچے۔ نپولین بونا پارٹ کے

زوال نے فرانس کے نوجوانوں کی عسکری خواہشات کو کچل کے رکھ دیا تھا' لہٰذا یہی افسر ایران میں بے سود قابل عزت ملازمت تلاش کرنے کے بعد قندھار اور کابل کے راستے خشکی کا سفر کر کے لاہور آ گئے۔ وہ ایران کے مسلمانوں کی طرح کا لباس پہن کر آئے تھے اور ان کا دوستانہ و باوقار استقبال کیا گیا' لیکن شک آمیز سردار پہلے تو یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ان نوجوانوں کو کس چیز نے ان کا وطن چھوڑنے اور اس قدر طویل سفر کرنے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے اپنے خیالات فارسی میں بیان کیے' لیکن سکھ مہاراجہ اس سے مطمئن نہ ہوا۔ اس نے انہیں کہا کہ وہ اپنی زبان میں اظہار کریں۔ جب یہ ہوگیا تو اس نے فرانسیسی زبان میں ان کے تحریر کردہ کاغذ کو مقامی زبان میں ترجمہ کروانے کے لیے لدھیانہ میں برطانوی نمائندے کے پاس بھیج دیا۔ ترجمہ دیکھ کر اس کے شکوک و شبہات دور ہوگئے تو اس نے انہیں' فوج کو فرانسیسی طرز پر صف آرا کرنے اور ترتیب میں منظم کرنے پر مامور کر دیا۔ مقبرہ انارکلی انہیں رہائش کے طور پر دے دیا گیا اور ان کے لیے اعلیٰ تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں دونوں افسران نے اپنی قابلیت اور توانائی کے باعث مہاراجہ کا مکمل اعتماد حاصل کر لیا اور ڈریگون (سپاہی جو پیادہ و سوار دونوں فوجوں کے لیے کام دے سکے) کے نئے دستے تیار کیے' جنہیں انہوں نے یورپی سوار فوج کی طرز پر منظم اور مرتب کیا۔ انہوں نے وزیر خاں کے باغ کے نزدیک بیرون شہر لاہور ایک بہت بڑا مکان تعمیر کرایا اور خوبصورت بازار بنوائے۔ چار سال بعد ان کے ساتھ مونسیئر کورٹ (جس نے اپنی تربیت پیرس کے فنی ادارے سے حاصل کی اور ایک زمانہ میں سپین میں مارشل بیسرز کا مصاحب تھا) اور مونسیئر ایویٹ بائل شامل ہوگئے۔ ان دونوں افسران کو سکھ فوج کے جرنیل بنا دیا گیا' لہٰذا کورٹ نے سکھ توپ خانے اور بندوق بازی میں انتہائی استحکام پیدا کر دیا۔ سکھوں میں مطابقت کا جذبہ پایا جاتا ہے' لہٰذا یورپی نظم و نسق اور تربیت کے تحت ان کے کردار کی فضیلت اور مزاج کی بیباکی میں ترقی ہوئی۔ رنجیت سنگھ کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ اس کی فوج کو یورپی طرز کی تربیت دی جائے اور یہ خواہش اس وقت پیدا ہوئی جب امرتسر میں ۱۸۰۹ء میں اس نے یورپی نظم و نسق کی فضیلت کا پہلا تاثر لیا تھا' جہاں (پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے) مسٹر میٹکالف کے ہندوستانی محافظ دستے کے مٹھی بھر جوانوں نے اکالیوں کے ایک ہجوم کو مار بھگایا تھا۔ رنجیت سنگھ کے اس پسندیدہ منصوبے کو کم یا زیادہ عمدگی سے کسی نہ کسی طریقے سے پورا کیا جا رہا تھا' تب سے اس نے سابقہ نائیکوں اور کمپنی کی ملازمت سے مفرور سپاہیوں اور مقامی افسروں کی خدمات سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے

کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ رنجیت سنگھ نے انتہائی مشکل سے اپنے جوانوں کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے روایتی ہتھیاروں اور طریقہ جنگ کو ترک کر دیں۔ ان کے پرانے طریق جنگ کو ترک کرنے کی حوصلہ افزائی کے طور پر وہ انہیں اچھی تنخواہ اور راشن دیتا تھا۔ وہ ان کی تعلیم و تربیت اور ساز و سامان پر ذاتی توجہ دیتا تھا' لٰہذا وہ پہلا شخص ہے جس نے عجیب و غریب لباس پہن کر اور یورپی طرز کی عسکری مشقوں اور نقل و حرکت کی تعمیل کر کے تعصب کو ختم کیا۔ ان افسران کی مدد سے مہاراجہ جلد ہی ۵۰ ہزار جوانوں کی ایک اچھی خاصی منظم فوج بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ باقاعدہ لشکر' توپ سازی کے کارخانے' پاؤڈر میگزین اور چھوٹے ہتھیاروں کے کارخانے لاہور اور امرتسر میں قائم کیے گئے۔

رنجیت سنگھ اپنی ملازمت میں شامل ہونے والے یورپی باشندوں سے چاہتا تھا کہ وہ نہ تو گائے کا گوشت کھائیں' نہ اپنی داڑھی منڈوائیں اور نہ ہی تمباکو پئیں۔ پہلی دو شرائط پر متفق ہونے پر تیسری شرط کو ختم کر دیا گیا۔ ونتورا اور ایلرڈ نے مہاراجہ کی باقاعدی سوار فوج کو منظم کیا۔ جنرل ایو ٹیبال نے پیادہ فوج کو تربیت دی' جبکہ جنرل کورت نے اس کے توپ خانہ کو مرتب کیا۔ ان کی تنخواہ کی حد ۲ ہزار روپے سے ۳ ہزار روپے ماہانہ تک تھی۔ اس کے علاوہ زمینوں اور روپے پیسے کی صورت میں بھی شاہانہ انداز میں نوازا جاتا تھا۔ ان کا دائرہ کار وسیع تھا اور انہیں مہاراجہ کا بھرپور اعتماد حاصل تھا' حالانکہ سرکاری امور یا دربار سے متعلقہ معاملات میں ان سے مشورہ نہیں لیا جاتا تھا۔

اپریل کے آغاز میں محمد عظیم خاں (جو اپنے بھائی فتح خاں کی حکومت پر اس کا جانشین بنا) مفرور جاگیردار جے سنگھ اٹاری والا کے ہمراہ پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا مقصد رنجیت سنگھ کو دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر رکھنا تھا اور حتیٰ کہ اس نے مخالف کنارے پر سکھوں کے قبضہ میں اہم مقام خیرآباد کو بھی دھمکایا۔ مہاراجہ نے دیوان چند کو افغانوں کی نقل و حرکت پر دھیان رکھنے کے لیے روانہ کیا اور کچھ دیر بعد جنرل الٰہی بخش کی قیادت میں دستوں اور دھنکل سنگھ کی پلٹنوں کے ذریعے کمک روانہ کی گئی۔ افغانوں اور سکھوں کے درمیان متعدد جھڑپیں ہوئیں اور یہ کارروائیاں خود مہاراجہ کو مغربی جانب لے آئیں' لیکن وطن کے معاملات نے محمد عظیم کو مراجعت پہ مجبور کر دیا اور مہاراجہ جموں کے پہاڑوں میں اکھنور کا دورہ کرنے کے بعد جون میں اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹ آیا۔

دیوان خاص کے امیر دھیان سنگھ کے والد کسور سنگھ کا پہاڑوں میں انتقال ہوگیا تو

مہاراجہ نے اس کے سب سے بڑے بیٹے گلاب سنگھ کو بلوا کر اس کے آنجہانی باپ کی جگہ اسے جموں کا راجہ مقرر کر دیا۔ اسی اثناء میں پکھلی اور دمتور کے قبائل نے بغاوت کر دی' لہٰذا سردار ہری سنگھ نلوا (جسے یہ علاقے جاگیر کے طور پر دیے گئے تھے) کو فوج کے ہمراہ مجرموں کو سزا دینے کے لیے روانہ کیا گیا۔ ہری سنگھ نے پورے علاقہ میں خوف و ہراس پھیلا دیا اور باغی دیہاتوں کی آبادی کو تہہ تیغ کر دیا۔ پکھلی اور دمتور کو نذر آتش کر دیا گیا اور ہزاروں لوگ بے گھر ہوگئے۔ زبردست بربریت کی ان کارروائیوں کے بعد ہری سنگھ واپس لاہور آگیا۔

دسہرہ کے بعد یا اکتوبر ۱۸۲۳ء میں روہتاس کے مقام پر سکھ فوج کا اجتماع ہوا۔ اس موقع پر رنجیت سنگھ نے یہ دیکھنے پر خصوصی توجہ دی کہ آیا جاگیردار اپنے حصے کی فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ لہٰذا جو اس وقت اپنے حصہ کی فوج کے ساتھ حاضر نہیں ہوا یا اس نے اپنے آدمیوں کو مناسب طور پر اسلحہ سے لیس کرنے میں کوتاہی برتی' اس کے ساتھ انتہائی سختی سے پیش آیا۔ اس جرم کے مرتکب ہونے والوں میں ایک جاگیردار دل سنگھ نیرنا بھی شامل تھا' گزشتہ مواقعوں پر جس نے' باوقار انداز میں خدمات انجام دی تھیں۔ رنجیت سنگھ نے سختی کے ساتھ اس کو سرزنش کی اور ایک بھاری جرمانے کی دھمکی دی۔ اس پر بوڑھا سردار رات کے وقت اپنی خوابگاہ میں گیا اور زہر کھا کر ہلاک ہوگیا۔

دسمبر میں سکھ فوج راولپنڈی کی طرف روانہ ہوئی' تب فقیر عزیز الدین کو بارک زئی حاکم یار محمد خاں سے خراج وصول کرنے کے لیے پشاور روانہ کیا گیا۔ سردار نے مطالبے کی مزاحمت کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ پا کر مہاراجہ کے لیے قیمتی گھوڑوں کا تحفہ بھیجا' لہٰذا اس نے اسے مطمئن کر دیا تو عزیز الدین کو واپس بلا لیا گیا۔ تب مہاراجہ نے کٹاس کی زیارت کی اور جنوری ۱۸۲۴ء کو لاہور واپس لوٹ آیا۔

محمد عظیم خاں' جو کابل میں برسراقتدار تھا' اس نے اپنے پشاور کے بھائی کی کارروائی کو منظور نہ کیا اور خیبر کے پار معاملات کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے جلال آباد کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ ۲۷ر جنوری کو پشاور پہنچ گیا اور یار محمد خاں اس کے منصوبوں پر شک کرنے کے باعث یوسف زئی پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا۔ مہاراجہ نے اس نقل و حرکت کا سن کر شہزادہ شیر سنگھ کو ایک سوار دستے کے ساتھ روانہ کیا اور شہزادے کے پیچھے دیوان کرپا رام' ہری سنگھ نلوا' سردار عطر سنگھ اور سردار دھنو سنگھ بھی روانہ ہوگئے۔ سکھ لشکر نے اٹک کو پار کر کے قلعہ جہانگیرا کا محاصرہ کر لیا' جسے دونوں جانب کچھ نقصان کے بعد سکھوں

نے قبضہ میں لے لیا۔ افغان انتہائی تیزی سے پہاڑوں کی طرف فرار ہو گئے۔

جنگ نوشہرہ

افغانوں کو ہونے والی شکست نے ان کے جوش و خروش کو دوچند کر دیا۔ وہ اٹک کے مغرب میں ۱۸ کوس کے فاصلے پر ٹیری پہاڑوں پہ بہت بڑی تعداد میں جمع ہو گئے اور سوات' بونیر اور آفریدیوں و خٹک علاقہ کے جہادی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ محمد عظیم خاں ابھی پشاور میں تھا اور اس نے اعلان کے ذریعے تمام مسلمانوں کو دین کی خاطر تلوار اٹھانے کی دعوت دی۔ مہاراجہ نے اس اجتماع عظیم کا سنا تو اپنی فوج کو راوی کے پار شاہدرہ میں جمع کیا اور شہزادہ کھڑک سنگھ و دیوان چند کو آگے روانہ کر کے خود اپنی فوج کے ساتھ ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ محمد عظیم خاں اب پشاور اور اٹک کے درمیان نوشہرو پہنچ گیا' جبکہ افغانوں نے دوست محمد خاں اور عظیم خاں کے بھائی جبار خاں کی قیادت میں سکھوں کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر لی تھی۔ مہاراجہ نے ۱۵ ہزار سواروں کے ساتھ ۱۳ مارچ کو دریا پار کر لیا۔ توپیں ہاتھیوں کے ذریعے دریا کے دوسری جانب لے جائی گئیں۔ دریا چند مقامات پر بہت گہرا تھا' لہٰذا موقع کی نزاکت کے پیش نظر انتہائی تیزی کے ساتھ اسے عبور کرنے کی کوشش میں مہاراجہ کو کسی تھوڑے نقصان کا سامنا نہیں ہوا' کیونکہ ایک ہزار سے کسی طرح بھی کم تعداد میں لوگ نہیں ڈوبے۔ ان میں مولوی مظہر حسین ہندوستانی بھی تھا' جس کے پاس کلانور کا پٹہ تھا۔ چوتھے روز سردار دیسہ سنگھ مجیٹھیہ' سردار فتح سنگھ آہلووالیہ' امیر سنگھ سوریانوالہ' رتن سنگھ گھرجاکیہ' ولا سنگھ ملوائی' سدا سنگھ نودھ اور سدا سنگھ ناہیرنہ نے کچھ نقصان اٹھا کر اپنی فوج کے ساتھ گذر غازی والا کے مقام سے دریا کو پار کر لیا۔ پوری فوج اکوڑا میں داخل ہو گئی' جہاں رنجیت سنگھ سے جے سنگھ اٹاری والا بھی آ ملا' جسے اپنی معافی کے بارے میں اندیشہ تھا' لہٰذا اسے دوبارہ اعتماد میں لے لیا گیا۔ خٹک اور یوسف زئی قبائل کے بیس ہزار پہاڑی باشندے' جو رضاکارانہ طور پر اس جہاد میں شامل ہوئے تھے اور اپنے پیرزادوں کے اثر و رسوخ سے اکٹھا ہوئے تھے' کافر حملہ آوروں کے خلاف اپنے دین کی خاطر لڑنے کے لیے دریا کے بائیں کنارے پر جمع ہوئے تھے' جبکہ محمد عظیم خاں باقاعدہ افغان فوج کے ساتھ دائیں کنارے پر خیمہ زن تھا۔

مہاراجہ نے جنرل الیرڈ اور جنرل ونتورا کی قیادت میں آٹھ بٹالین اور دو توپ خانوں کو محمد عظیم خاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کیا اور اپنی بڑی فوج کے ساتھ غازیوں پر چڑھائی کر دی' جنہوں نے نوشہو کے قریب دریا کے بائیں کنارے پر پہاڑیوں کے گرد

مورچے سنبھال لیے تھے۔ سکھ افواج کے ایک مضبوط دستہ کو ٹیری پہاڑوں کے عقب میں تعینات کیا گیا۔ اس میں پہاڑی فوج بھی جمع کی گئی' لہٰذا یہ فوری طور پر اس کے پیچھے روانہ ہوسکتی تھی۔ سکھ افواج نے ست گورسہائے اور کرنل مہا سنگھ اکالیہ کی قیادت میں پہاڑوں پر پیش قدمی کر دی' لہٰذا محمد عظیم خاں کے بھتیجے محمد زمان خاں اور خٹک کے مرحوم فیروز خاں کے بیٹے صادق خاں کی قیادت میں افغانوں کے ایک دستہ سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ (۹) موخر الذکر نے مغلوب تعداد پر ایک زبردست حملہ کیا' نیز ان کی بندوقوں کی گولیوں کے ساتھ ان پہاڑوں کے پتھر بھی برسنا شروع ہوگئے جن پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے نتیجہ میں سکھوں کی آگے بڑھتی ہوئی قطاروں کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی جنگ کے دوران ایک افغان ست گورسہائے کے سر پر پہنچ گیا' لہٰذا اس نے اس کے سر میں گولی مار کر موقع پر ہی ہلاک کر دیا۔ ایک اور افغان نے مہا سنگھ کو مہلک زخم لگا دیے۔ سکھوں کی بہت بڑی تعداد ہلاک ہوگئی اور افغانوں نے اپنے حملہ آوروں کو پہاڑ سے نیچے مراجعت پر مجبور کر دیا۔ اس پر بے باک اکالی پھولا سنگھ نے اپنے جیسے چند پرجوش سواروں کے ہمراہ غیظ و غضب کے ساتھ حملہ کر دیا' لیکن مسلمان پیادہ فوج نے یکساں طور پر مذہبی جوش و خروش اور جذبے کے ساتھ ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ مزید برآں انہیں اپنے مقام کا بھی فائدہ پہنچا۔ وہ اپنے حملہ آوروں پر اس قدر غیظ و غضب اور ثابت قدمی سے چڑھ دوڑے کہ سکھوں کو مکمل طور پر شکست ہوگئی اور ان کا سردار قتل ہوگیا۔ چنانچہ اس پرجوش اکالی رہنما کا خاتمہ ہوگیا' جس نے اس وقت اچانک پرجوش حملہ کر کے جب باقاعدہ جنگی فن بے اثر ثابت ہوچکا تھا' سکھ جنگوں میں بہت زیادہ شہرت حاصل کی تھی۔ (۱۰)

اپنی کامیابی سے خوش ہو کر افغان' بھاگتی ہوئی سکھ فوج پر چڑھ دوڑے اور ان سے غضبناک انتقام لیا۔ اب رنجیت سنگھ نے اپنی فاضل فوج کے ساتھ بذات خود حملہ کر دیا' لہٰذا اس کی مجتمع فوج اور توپ خانے نے دشمن پر بے قاعدہ فائر کھول دیا' جسے ان کے سامنے قطار کی صورت میں ترتیب دیا گیا تھا۔ غازیوں کو اگرچہ رسد اور اشیائے صرف فراہم نہیں کی گئی تھیں اور حتیٰ کہ ان سے جس تنخواہ کا وعدہ کیا گیا تھا' اس سلسلہ میں بھی ان کی حق تلفی کی گئی تھی' مگر انہوں نے انتہائی دلیری کے ساتھ اس حملے کا سامنا کیا اور غروب آفتاب تک ہر حملے کو پسپا کر دیا۔ اس وقت تک ان کی نصف تعداد ختم ہوچکی تھی۔ اب رنجیت سنگھ اپنے ہراول دستوں کی مدد کے لیے اپنی نجیب اور گورکھا پلٹنوں کو آگے لے کر آیا اور نیچے ایک مضبوط دستہ تعینات کر کے اسے حکم دیا کہ اگر لاہور کی فوج کے کسی

سپاہی کو میدان جنگ سے منہ موڑتے ہوئے دیکھا جائے تو فوراً گولی مار دی جائے۔ اسی دوران پہاڑوں کی دوسری جانب متعین فوج کو حکم دیا گیا کہ وہ پچھاڑی کی طرف پیش قدمی کریں اور حملہ کرکے دشمن کو اس کے مورچوں سے بے دخل کردے۔

افغانوں کی شکست

غازی' جو فن جنگ سے نا آشنا تھے' ان کے مورچے کو گھیرے میں لے لیا گیا' لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو دو فائروں کے درمیان پایا۔ تلوار ہاتھ میں لیے وہ سکھ توپ خانے پر پل پڑے اور دست بدست لڑائی میں مشغول ہوگئے۔ لیکن اس وقت تک ان کی بہت بڑی تعداد ختم ہوچکی تھی اور سکھوں نے انہیں ان کے مورچوں سے باہر نکال دیا تھا۔ پٹھانوں کی باقیات نے رات کے اندھیرے میں دشمنوں میں سے راستہ بنایا اور پہاڑوں کی طرف نکل گئے' لیکن اس سے پیشتر انہوں نے خالصہ فوج کے پیشہ ور اور منظم سپاہیوں کو زبردست نقصان سے دوچار کردیا تھا۔ اس جنگ میں سکھوں کی جانب سے متعدد بہادر افراد ہلاک ہوگئے۔ ان میں گھریا سنگھ مناس' کرم سنگھ چاہل اور ایک گورکھا جرنیل بلب دھر سنگھ بھی شامل تھے۔ موخر الذکر افسر نے انگریزوں کے ساتھ جنگ میں حکومت نیپال کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں (انگریزوں کی طرف سے جنرل جلیسپی اور جنرل مارینڈل قیادت کر رہے تھے) لیکن زمانہ امن میں وہ ایک شادی شدہ عورت کو ورغلا کر لے گیا۔ وہ اپنے وطن سے فرار ہو کر پنجاب میں رنجیت سنگھ کی ملازمت میں شامل ہوگیا' جہاں وہ ایک باوقار موت سے ہمکنار ہوا۔ اس جنگ میں سکھوں کے پاس ۲۴ ہزار لڑاکا جوان تھے' لہٰذا کیپٹن ویڈ کے تخمینہ کے مطابق ان کے ۲ ہزار سپاہی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ افغانوں کی طرف سے ۴ ہزار سے زائد افراد اس جنگ میں کام آئے۔ اپنی شکست اور کشت و خون کے باوجود بہادر اور اولوالعزم پہاڑی باشندے اگلے روز اپنے رہنما پیرزادہ محمد اکبر کی قیادت میں لڑائی شروع کرنے کے لیے دوبارہ جمع ہوئے' لیکن محمد عظیم خاں کے خزانے اور حرم منچنی میں تھے اور اس کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ خدانخواستہ کہیں وہ حملہ آوروں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں' اسی خطرے کے پیش نظر اپنا پڑاؤ اٹھا دیا' لہٰذا غازی اب کسی مدد اور حمایت کے بغیر تھے' اس لیے وہ بادل نخواستہ منتشر ہوگئے۔ بارک زئی سردار نے جب اپنی رضاکار فوج کی شکست کا سنا تو اسے بہت دکھ پہنچا۔ وہ بہت رویا اور اپنی داڑھی کو نوچ ڈالا اور اپنے بھائیوں کی دغابازی پر انہیں خوب لعنت ملامت کی' جنہوں نے اتنی بھیانک آفت کو اس پر مسلط کروا دیا تھا۔

شہزادہ شیر سنگھ' دیوان کرپا رام اور ہری سنگھ نلوا نے دریا کی دوسری جانب محمد عظیم خاں کے پڑاؤ' چمن کاوا کی طرف جنرل ایلرڈ اور جنرل ونتورا کے پیچھے پیش قدمی کر دی۔ عظیم خاں تیزی سے اپنی باقی ماندہ افواج کو جمع کرنے اور منچنی میں اپنے حرم اور دولت کو ہمراہ کرنے کے بعد انتہائی افراتفری کی حالت میں مہمند پہاڑوں کو عبور کر گیا اور سکھ مہاراجہ اور اس کی فوج کے لیے میدان صاف کر کے وادی جلال آباد کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اگلے روز مہاراجہ' قلعہ ہشت نگر کی طرف روانہ ہوا اور اس پر قبضہ کر لیا۔

رنجیت سنگھ ۱۷؍ مارچ کو پشاور میں داخل ہوا اور اس کے سکھوں نے درۂ خیبر تک پورے علاقہ میں غارت گری مچا دی' جبکہ پشاور شہر لوٹ مار سے محفوظ رہا۔ پوری مسلمان آبادی کے جذبات اپنے کافر حملہ آوروں کے خلاف بھڑے ہوئے تھے' لہٰذا ان پرجوش مسلمانوں کی متحدہ ٹولیوں نے سکھ فوج کے بھٹکے ہوئے سپاہیوں کو کاٹ کے رکھ دیا۔ ہر رات ان کی لوٹ مار کا دھیان رکھنے کے لیے ان کے پڑاؤ کی مسلسل نگرانی کی جاتی تھی۔ رنجیت سنگھ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ پورے علاقہ کے عوام میں اس کے خلاف تلخی بھری ہوئی ہے' تو اس نے دانش مندی سے اس کو اپنے پاس نہ رکھنے کا سوچا۔ اس نے خفیہ طور پر یار محمد خاں اور دوست محمد خاں کو بلوا بھیجا۔ وہ ڈھاکہ سے سکھوں کے پڑاؤ میں آتے وقت اپنے ساتھ پانچ گھوڑے بھی لائے' جن میں مشہور زمانہ گوہربار بھی شامل تھا' جس نے اپنی بے مثال خوبصورتی اور پھرتی سے سکھ مہاراجہ کو بہت محظوظ کیا۔ اس نے اپنے بھائی سے ان کی دغابازی اور اپنے لیے خدمات کے صلے میں انہیں نوازتے ہوئے پشاور پر دربار لاہور کے باجگزار کی حیثیت سے قبضہ برقرار رکھنے کی اجازت دے دی۔ تاہم اس نے بھائیوں کے درمیان علاقے کو تقسیم کرنے پر خاص توجہ دی۔ دوست محمد خاں کو یار محمد اور اس کے بھائیوں کی مخالف سمت میں رکھا گیا۔ اس سے مکار مہاراجہ کا مقصد بھائیوں میں آئندہ فسادات اور لڑائی جھگڑے کا موقع پیدا کرنا تھا۔ اس سے وہ اپنی حکمت عملی کے مطابق کسی دھڑے کی مدد کرنے کے قابل ہو سکتا تھا۔ ان انتظامات کے بعد مہاراجہ ۲۶؍ اپریل کو اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹ آیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد محمد عظیم خاں اسہال کے باعث انتقال کر گیا۔ وہ دل شکستگی کی حالت میں فوت ہوا' لہٰذا اس کے انتقال کے ساتھ ہی ان بھائیوں کا اتحاد ختم ہوگیا' جو کابل' قندھار اور پشاور کے تینوں صوبوں پر حکومت کر رہے تھے۔ اس کے مشہور بھائی وزیر

فتح خاں کے انتقال کے بعد محمد عظیم خاں کو خاندان کا سربراہ سمجھا جانے لگا۔ اپنے زبردست حوصلہ اور بے انتہا سخاوت کی وجہ سے اس کو خوب شہرت حاصل تھی۔ وہ سخی اور پرشکوہ تھا اور نمود و نمائش و عشرت کا شوقین تھا' لیکن سرکاری اخراجات پر نہیں۔ وہ اپنے بھائیوں کے فریب کا شکار ہوگیا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے متعدد بھائیوں اور بھتیجوں کے درمیان فسادات اور جھگڑے شروع ہوگئے جو کسی کو بھی اپنا سربراہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔

پشاور میں فتح حاصل کرنے کے بعد مہاراجہ واپس لاہور آیا تو اس موقع پر زبردست خوشیاں منائی گئیں۔ لاہور اور امرتسر کے شہروں میں چراغاں کیا گیا اور کئی دن جشن میں گزارے گئے۔ اب شہر امرتسر کے گرد پختہ اینٹوں کی دیوار تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو یہ کام سرداروں کے سپرد کر دیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک کو تعمیر کے لیے ایک حصہ دے دیا گیا۔ یہ کام انتہائی زور شور سے شروع کیا گیا۔ سردار فتح سنگھ آہلووالیہ نے اپنے علاقہ سے ایک ہزار معمار روانہ کیے اور دل سنگھ' دیسہ سنگھ اور دیگر جاگیرداروں میں سے ہر ایک نے اپنی جاگیروں میں سے اپنے حصے کے آدمی اور سامان فراہم کیا۔ اس کے بعد مہاراجہ دینہ نگر کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے سجان پور (جہاں پہاڑوں میں واقع بسولی کے راجہ نے اسے خراج عقیدت پیش کیا) اور پہاڑی راجاؤں سے تین لاکھ روپے بطور نذرانہ اکٹھے کیے۔ دسہرہ لاہور میں اکتوبر کے مہینہ میں منایا گیا' لہٰذا سال کے اختتام پر مہاراجہ مسلمان باغی جاگیرداروں کو مغلوب کرنے کے لیے دریائے سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے خوشاب' لکھی' سانگھڑ' لیہ' کچی اور ڈیرہ غازی خاں کا دورہ کیا اور بلوچیوں و دیگر جاگیرداروں سے خراج اور نذرانے وصول کیے۔ اس نے جنوب مغربی جانب کا رخ کیا۔ اس سے اس کا مقصد سندھ کے امیروں پر دھاک بٹھانا اور شکارپور پر غاصبانہ قبضہ کرنا تھا' لیکن اس کے منصوبوں کی تکمیل نہ ہو سکی اور وہ دسمبر کے مہینہ میں اپنی فوج کے ساتھ واپس لاہور آ گیا۔

کابل کے تیمور شاہ کا بیٹا شہزادہ ابراہیم لاہور آیا تو اس کا والہانہ استقبال کیا گیا اور اس کے استقبال کے لیے حضرت داتا گنج بخش" کے مزار اقدس کے قریب خیمے نصب کیے گئے۔ ملتان کے نوابین' سرفراز خاں اور ذوالفقار خاں پر مامور پہرے داروں کو ہٹا لیا گیا اور انہیں اپنی مرضی سے گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی گئی۔

اس سال کے دوران دو مشہور ہستیوں کا انتقال ہوا۔ ایک امرتسر کا عظیم ساہوکار رامانند تھا' جس نے ترکے میں آٹھ لاکھ روپے چھوڑے۔ انہیں ضبط کر لیا گیا اور ان سے

شہر لاہور کی دیوار تعمیر کی گئی۔ دوسرا تحریج کا مشہور نانہ سنسار چند تھا' ایک زمانے میں جس کی طاقت' خود مہاراجہ کے لیے خطرے کی علامت تھی۔ مہاراجہ اس وقت نوینہ گر میں تھا' لہٰذا اپنے والد کی گدی پر جانشین مقرر ہونے پر بطور نذرانہ اس کے بیٹے انرودھ چند سے دو لاکھ روپے کا مطالبہ کیا گیا۔ نوجوان سردار نے انکار کیا۔ اس پر اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے فقیر عزیز الدین کو ایک گھڑسوار دستے کے ساتھ نداوں روانہ کیا گیا۔ انرودھ چند کو تشویش ہوئی تو اس نے جوالا مکھی کی جانب فقیر سے ملاقات کی' جہاں اس وقت دربار موجود تھا' لہٰذا ایک لاکھ روپیہ ادا کر دیا گیا تو باقی رقم معاف کر کے اس کی جانشینی کو تسلیم کر لیا گیا۔

اس سال کے اختتام پر دیوان چند فالج کے باعث انتقال کر گیا۔ اس سے مہاراجہ کو بہت زیادہ رنج ہوا۔ پورا دربار جنازے میں شریک ہوا اور دیوان کی نعش کو صندل کی لکڑی سے جلایا گیا۔ مہاراجہ نے راجہ دھیان سنگھ اور راجہ گلاب سنگھ اور کمانڈنٹ میان سنگھ کے ذریعے متوفی کے لیے زربفت کا کفن اور قیمتی چادریں منگوائیں اور اس کے علاوہ ۲ ہزار روپے غرباء میں تقسیم کر دیے۔ دیوان چند ملتان' کشمیر' مانکیرہ اور کئی دوسرے مقامات کا فاتح تھا اور اس نے لاہور کے مہاراجہ کے تحت بڑی قابلیت اور ایمانداری کے ساتھ خدمات سرانجام دی تھیں۔ وہ عسکری صلاحیتوں کا حامل تھا اور مہاراجہ کو اس کے مشاہدے' مہارت اور توانائی پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ دیوان چند فوج میں بہت زیادہ مقبول تھا' لہٰذا اس کی موت کا نہ صرف مہاراجہ کو بلکہ پوری سکھ قوم کو بہت زیادہ صدمہ پہنچا۔ متوفی کی جگہ اس کے بھائی سکھ دیال کو دیوان مقرر کیا گیا۔

۲۵ - ۱۸۲۴ء کے موسم سرما میں کوئی فوجی مہم روانہ نہ کی گئی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ محکم چند کے بیٹے موتی رام کو سردار ہری سنگھ نلوا کی جگہ حاکم کشمیر مقرر کیا گیا' جس کا ظلم و ستم ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ موتی رام صلح جو شخص تھا' اگرچہ لوگ اسے پسند کرتے تھے مگر وہ کاہل اور سرد مہر تھا۔ جس وقت وہ کشمیر میں تھا تو اس کے بیٹے کرپا رام کے پاس جالندھر دوآب کا انتظام تھا اور دوسرا بیٹا شیو دیال ضلع گجرات میں خاندانی جاگیروں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ راجہ دھیان سنگھ' جو اب توجہ حاصل کر رہا تھا' اس خاندان کی طاقت اور دولت سے حسد کرتا تھا' لہٰذا مہاراجہ نے اس کی درخواست پر پھلور کے نزدیک سکھ قلعہ اور جاگیر (جو پہلے محکم چند کی جاگیر تھی) راجہ کے برادر نسبتی رام سنگھ کو عنایت کر دی' جس سے سیبا کے سابق راجہ نے اپنی بٹی کی شادی کا وعدہ کیا تھا۔ اس سلوک

سے کرپا رام آگ بگولا ہوگیا' لہٰذا مہاراجہ کی طرف سے دربند اور گنڈ گڑھ کی سابقہ مہم کے موقع پر پوری فوج کے ساتھ آنے کے احکامات کے برعکس وہ صرف پچاس سواروں کے ساتھ حاضر ہوا۔ رنجیت سنگھ غضبناک ہوگیا۔ اس نے کرپا رام کو قید کر کے اس کے والد موتی رام کو کشمیر سے واپس بلا لیا۔ موتی رام پر ۷۰ ہزار روپے کا جرمانہ عائد کیا گیا۔ پہلے پہل بھیما سنگھ کمانڈنٹ کو بطور حاکم روانہ کیا گیا' لیکن تھوڑے عرصے بعد اسے گورکھ سنگھ اور دیوان چونی لال کے مقابلے میں برطرف کر دیا گیا' جنہیں ۲۷ لاکھ ۵۰ ہزار روپے کے عوض کشمیر پٹے پر دے دیا گیا تھا۔ شیودیال کو بھی اس کے عہدے سے ہٹا دیا گیا اور پھلور کا قلعہ فقیر عزیز الدین کو اور اس کے بعد سردار دیسہ سنگھ مجیٹھیہ کے حوالے کر دیا گیا۔(۱۱)

گورکھ سنگھ اور چونی لال کی تقرری ناکام ثابت ہوئی کیونکہ وہ مقررہ آمدنی جمع کرانے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ نیز ڈیڑھ سال کے بعد محکم چند کے خاندان کو دوبارہ اعتماد میں لے لیا گیا تو کرپا رام کو بطور حاکم کشمیر روانہ کیا گیا۔ کرپا رام نہایت قابل شخص تھا۔ وہ ایک حلیم الطبع اور شریفانہ طبیعت کا حامل انسان تھا اور اس کے علاوہ نمود و نمائش کا شوقین تھا' لہٰذا اس کے عہدہ کی مدت کے دوران وادی کے بندوبست میں بہت بہتری پیدا ہوئی۔ اس نے سری نگر میں رام باغ لگوایا' جہاں اب راجہ گلاب سنگھ کا مجسمہ ایستادہ ہے۔

اسی سال کے دوران لدھیانہ میں جنرل ونتورا نے ایک یورپی خاتون سے شادی کر لی۔ لاہور میں شادی کی رسومات فرانسیسی طرز کے مطابق منعقد ہوئیں۔ مہاراجہ نے تمبل کے طور پر دولہا کو دس ہزار روپے اور اپنے درباریوں اور امراء کو تیس ہزار روپے پیش کیے۔

دسہرہ کے بعد مہاراجہ اپنی فوج کے ہمراہ سندھ کی طرف ایک مہم پر روانہ ہوا اور پڑاؤ پنڈ دادن خان تک روانہ ہوا' لیکن اس کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ یہ علاقہ قلت کا شکار ہے' تو اس نے اس منصوبے کو ترک کر دیا اور اپنے قدم لاہور کی جانب موڑ لیے' جہاں وہ ۲۴ر نومبر کو پہنچ گیا۔

دسمبر ۱۸۲۵ء میں رنجیت سنگھ کا پگڑی بدل بھائی اور پرانا حلیف سردار فتح سنگھ آہلووالیہ اس کے ہاتھوں دغابازی کے شک کے باعث اپنے پورے خاندان کے ہمراہ کپور تھلہ سے فرار ہو کر ستلج کے پار جگراؤں چلا گیا۔ جب لاہوری فوج کی دو پلٹنیں اس کے علاقہ کی طرف روانہ ہوئیں تو اسے تشویش لاحق ہوئی اور حال ہی میں اس کے ہتھیار بند ساتھی نے اسے زبردستی ایک پختہ قلعے کو نامکمل چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دربار میں حاضر اس کے

نمائندے چوہدری قادر بخش نے مہاراجہ کی حکمت عملی اور خیالات کے بارے میں اسے انتہائی غیر موافق بیانات روانہ کیے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنے دیوان کے اثر و رسوخ تلے تھا' جس کا نام شیر علی تھا اور وہ جالندھر کا ایک مغل تھا۔(۱۲) لیکن سردار نے ذاتی طور پر اپنے پرانے حلیف کے کردار کا مطالعہ کیا تھا۔ بہرکیف اپنے شکوک و شبہات کے معاملہ میں وہ کتنا ہی حد سے بڑھ گیا ہو' لیکن اس سے زیادہ بہتر اور کون سمجھ سکتا تھا کہ دائمی دوستی کے قول و قرار' اس کے "پگڑی بدل بھائی" کے لیے اس وقت کوئی وزن نہیں رکھتے' جب اس کے اپنے مفادات کا تعلق ہو۔ وہ رام گڑھیہ سردار کے انجام کا گواہ تھا' جس سے مہاراجہ نے دائمی دوستی کی قسم کھائی تھی' لہٰذا وہ یہ بھولا نہیں تھا کہ اس کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک ہو سکتا ہے۔ اس امر واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سردار اپنے دیرینہ ساتھی سے کس قدر خوفزدہ تھا۔

۱۸۱۱ء کے اوائل میں اس نے برطانوی حکام سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اسے انگریزوں سے وابستہ ایک علیحدہ سردار کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ اس موقع پر اس کا مقصد ستلج کے شمال میں اپنے علاقوں کی حفاظت کے سلسلہ میں حکومت برطانیہ سے ضمانت حاصل کرنا تھا۔ اس کو اس بنا پر انکار کر دیا گیا کہ ۱۸۰۹ء کے معاہدہ کے تحت حکومت برطانیہ کے پاس دریا کے اس طرف مہاراجہ کے معاملات میں مداخلت کرنے کا کوئی بہانہ نہیں اور حقیقت میں نہ ہی اس وقت سس ستلج کے تمام علاقے حکومت کی حفاظت میں تھے۔ جگراؤں (جہاں سردار نے پناہ حاصل کی تھی) نارائن گڑھ کے ساتھ تھا اور مہاراجہ نے قریبی دیہات' فتح سنگھ کو ایک نذرانہ کی ادائیگی پر بخش دیے تھے' لہٰذا ان دونوں جاگیروں کی وجہ سے حکومت برطانیہ نے لاہور کے دربار کی بالادستی کو تسلیم کر لیا تھا۔ تاہم اسے ستلج کے انگریزوں کی طرف والے کنارے پر سرہند میں اس کی آبائی جاگیروں کے متعلق انگریزوں کی حفاظت کی یقین دہانی کرائی گئی۔ لیکن برطانوی حکام جس وقت اس کے مقبوضہ علاقوں یا مہاراجہ لاہور سے اتحاد سے پہلے ستلج کے بائیں کنارے پر اس کے آباؤ اجداد کے علاقوں کو تسلیم کر رہے تھے اور دریا کے اسی کنارے پر ان علاقوں کے قبضہ کو تسلیم کر رہے تھے جو اس وقت کیا گیا جب سردار اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فتوحات یکساں طور پر مساوی تھیں' لہٰذا سردار کو مشورہ دیا گیا کہ وہ بے سروپا شکوک و شبہات کے زیر اثر نہ آئے بلکہ اس دوستی پر کاربند رہے جو کافی عرصہ سے اس کے اور لاہور کے مہاراجہ کے درمیان قائم ہے۔ دوسری جانب رنجیت سنگھ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا پرانا رفیق انگریزوں

کے ہاتھ میں چلا جائے' چنانچہ اس نے اس کے خدشات دور کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی۔ فقیر عزیز الدین نے مہاراجہ کے حکم سے ستلج کے پار آہلووالیہ سردار کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کی حفاظتی فوج کو بھی نکال دیا تھا۔ مہاراجہ کے آدمیوں نے امرتسر میں واقع گڑہ آہلووالیہ کو بھی ضبط کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس نے مفاہمت کی زبردست خواہش کا اظہار کیا اور اسے ہر لحاظ سے یقین دہانی کرا دی کہ دارالحکومت میں واپس آنے پر اس کی ذات اور املاک کی حفاظت کی جائے گی۔ بات چیت کرنے کے لیے باوا عطر سنگھ سوڈھی کو منتخب کیا گیا' لہٰذا وہ مفرور سردار کو واپس لانے کے لیے دیوان سوداگر مل اور وکیل امیر چند کے ہمراہ جگراؤں گیا۔ فتح سنگھ کو اگرچہ اپنے پرانے رفیق کے وعدوں اور یقین دہانیوں پر اعتماد نہیں تھا' مگر اس نے اپنے علاقے کی طرف لوٹ جانا قرین مصلحت خیال کیا' لہٰذا وہ ۱۸۲۷ء کو واپس آ گیا۔ اس کی واپسی پر فوراً اس کی املاک کو بحال کر دیا گیا اور اسی سال دربار میں اس کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ مہاراجہ کے سامنے حاضر ہونے پر سردار فتح سنگھ نے اپنی تلوار نیام سے نکال کر مہاراجہ کے سامنے رکھ دی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔ مہاراجہ نے اسے گلے لگا لیا اور اس سے نرم لہجے میں بات کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سے اس کی تلوار اس کی نیام میں رکھ دی اور اسے نقرئی ہودہ سے مزین ایک ہاتھی' سچے موتیوں کے ایک ہار' چند جواہرات اور قیمتی ملبوسات پر مشتمل ایک خلعت فاخرہ کے ساتھ رخصت کیا۔ اب چونکہ آہلووالیہ سردار کے شکوک و شبہات دور ہو چکے تھے' اس لیے فقیر نورالدین کو مہاراجہ کے افسران کو ہٹا کر سردار کے افسران کو بحال کرنے کے لیے کپور تھلہ روانہ کیا گیا۔ مستقبل کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آہلووالیہ سردار کے خدشات مبالغہ آمیز حد تک غلط تھے۔ اس کا شمار ان چند افراد میں ہوتا تھا' جن کا مہاراجہ خلوص دل کے ساتھ احترام کرتا تھا۔

۱۸۲۶ء کے ابتدائی حصہ میں جمنڈ کے راجہ سنگت سنگھ نے دربار میں حاضری دی۔ مہاراجہ نے چند سرداروں کو راجہ سے ملاقات کرنے کے لیے امرتسر روانہ کیا' لہٰذا وہ بڑے احترام کے ساتھ اسے لاہور لے کر آئے۔ وہاں مہاراجہ نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ اس کے لیے محل کے سامنے مستی دروازہ کے میدان پر خیمے اور شامیانے نصب کیے گئے' لہٰذا اسے اور اس کے ساتھیوں کے لیے سرکاری خرچ پر تمام ضروریات مہیا کی گئیں۔ وہ ہولی کے تہوار پر موجود تھا' چنانچہ مہاراجہ نے اپنے افسروں سے کہا کہ وہ مہمان کو نذرانے پیش کریں۔ مہاراجہ (معلوم ہوتا تھا وہ سنگت سنگھ کو بہت زیادہ پسند کرنے لگا تھا) کی خواہش

پر راجہ نے اس کے ساتھ جوالا مکھی جانے پر رضامندی ظاہر کر دی اور دینہ نگر میں مہاراجہ کی واپسی کا انتظار کیا۔ مہاراجہ ہوشیار پور گیا اور وہاں سے اونا' جہاں اس نے صاحب سنگھ بیدی سے ملاقات کی اور اسے پانچ ہزار روپے کا نذرانہ پیش کیا۔ اس کے بعد نداؤں کا دورہ کیا تو آنجہانی سنسار چند کے بیٹے انرودھ چند نے خراج عقیدت پیش کر کے نذرانہ کے طور پر چند بہترین گھوڑے پیش کیے۔ تب مہاراجہ نے جوالا مکھی حاضری دی۔ وہاں اس نے ایک طلائی چھتر پیش کیا اور پہاڑوں میں شہنشاہ جہانگیر کے دورہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں خاصی دلچسپی کا اظہار کیا اور وہ مقامات دیکھے جہاں بادشاہ نے سیر کی تھی۔

کانگڑا میں سرینگر کے باغات میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد نورپور اور چمبہ کے ملحقہ برف پوش پہاڑوں پر واقع قلعہ تاراگڑھ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا' جسے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا' لیکن وزیر نتھو نے راجہ کی طرف سے ۲۵ ہزار روپے کا نذرانہ ادا کر دیا تو اس منصوبے کو ترک کر دیا گیا۔ اب جمعدار خوشحال سنگھ' دیوان کرپا رام اور سردار لہنا سنگھ کو ایک فوج کے ساتھ کوٹلہ کے قلعہ کو تسخیر کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ لہٰذا مہاراجہ' بسولی اور جسروٹا کے راجاؤں کو کوٹلہ کے خلاف مہم میں خوشحال سنگھ سے تعاون کرنے کے احکامات دے کر واپس آدینہ نگر آ گیا۔ کوٹلہ ایک مضبوط قلعہ تھا اور اس کے مورچہ سے موثر طور پر گولہ باری اور حملے کے خلاف مزاحمت کی جا سکتی تھی۔ سردار دھنہ سنگھ کو بھی ایک فوجی دستہ کے ہمراہ جمعدار خوشحال سنگھ کے ساتھ شامل ہونے کے لیے روانہ کیا گیا۔ جب ساری فوج جمع ہو گئی تو قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا اور اس میں جانے والی ندی (جس کا منبع پہاڑوں میں تھا) کو بند کر دیا گیا۔ لہٰذا پانی کی فراہمی کو کاٹ دینے سے محصورین انتہائی مشکلات کا شکار ہو گئے' چنانچہ حملہ آور فوج کو پسپا کرنے کے لیے کئی دن کی کوششوں کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ سکھوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور جمعدار خوشحال سنگھ نے قلعدار کو قید میں ڈال دیا' لیکن بعد میں کرتار پور کے سوڈھی کی سفارش پر اسے رہا کر دیا گیا۔ کوٹلہ کے تمام علاقہ کو خالصہ میں شامل کر لیا گیا اور سابق راجہ شمشیر سنگھ کو گزر بسر کے لیے ۱۲ ہزار روپے سالانہ کی ایک جاگیر عنایت کر دی گئی۔ کالا باغ سے کنور کھڑک سنگھ سے خبر موصول ہوئی کہ بنوں کے قبائل کو مغلوب کر کے ان سے نذرانہ وصول کر لیا گیا ہے۔ بنوں کی کارروائیاں ختم ہونے پر شہزادے کو حکم دیا گیا کہ وہ لاہور واپس آ جائے۔

جنرل ونتورا اور جنرل ایلرڈ نے مہاراجہ سے گزارش کی کہ چند سکھ سرداروں اور

سپاہیوں نے ان کے تحت خدمات سرانجام دینے سے انکار کر دیا ہے اور ننگی تلواروں سے ان کی مخالفت کرنے پر تیار ہوگئے ہیں۔ فوج کی طرف سے اس باغیانہ روش کی وجہ غیر ملکیوں کی قیادت میں خدمات انجام دینے سے نفرت تھی۔ مہاراجہ ایک فوجی دستے اور چند توپوں کے ساتھ شہر سے باہر انارکلی کی طرف آیا اور وہاں خیمے گاڑنے کا حکم دیا۔ متعدد گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ افسران کی تذلیل کی گئی اور سرغنوں کو جرمانہ کیا گیا۔ ان بروقت اقدامات نے فوج میں امن و امان بحال کر دیا اور مہاراجہ نے بے جا خدشات کو دور کرنے کے لیے انتہائی احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔

اسی سال کے دوران دیوان گنگا رام کا انتقال ہوگیا۔ وہ انتہائی قابل شخص تھا' لہٰذا ۱۸۲۱ء میں اسے گجرات کی حکومت کا انتظام سونپا گیا تھا اور وہ دو سال تک اس منصب پر فائز رہا۔ اس نے سب سے پہلے آبکاری کا نظام منظم کیا اور فوجی حسابات کے نظام میں انتہائی بہتری پیدا کی۔ مہر شاہی کے محافظ کے طور پر اور محکمہ فوج کے شعبہ حساب میں پنڈت (بعد میں راجہ) دینا ناتھ اس کا جانشین بنا۔

خبر ملی کہ گنڈ گڑھ کے زمینداروں نے بغاوت کر کے مہاراجہ کے قلعدار اور اس جگہ پر نمائندے عباس خاں خٹک کو قید کر لیا ہے' لہٰذا سردار ہری سنگھ نلوا اور جنرل ونتورا کو ایک فوج کے ساتھ اس طرف روانہ کیا گیا۔ گنڈ گڑھ کے قریب ایک لڑائی ہوئی' جس میں کئی سو زمیندار مارے گئے اور باقی ماندہ فرار ہوگئے۔ آخرکار بغاوت کے سرغنوں نے اطاعت پیش کر کے عباس خاں خٹک کو رہا کر دیا۔ ہری سنگھ اور فرانسیسی جنرل اس کے بعد سری کوٹ کی طرف گئے' جس کا قلعہ پکھلی اور دمتور کے قرب و جوار میں موجود پہاڑوں کی چوٹی پر واقع تھا۔ سکھوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور پٹھانوں نے زبردست مزاحمت کی۔ محاصرہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ اس کے اختتام پر پٹھانوں کو (جنہوں نے بڑی دلیری سے اس مضبوط قلعے کا دفاع کیا تھا) ہتھیار پھینکنے پر مجبور کر دیا گیا اور سکھوں نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ مہاراجہ' سری کوٹ کے قلعے پر قبضہ کا سن کر بہت خوش ہوا' لہٰذا اس نے فرانسیسی جرنیل اور ہری سنگھ کو پشاور کی طرف روانہ ہونے اور یار محمد خاں سے خراج کا مطالبہ کرنے کا حکم دیا۔ شہزادہ شیر سنگھ کی قیادت میں لاہور سے کمک روانہ کی گئی۔ نیز سکھ دیال اور توپ خانہ کے افسران' مظہر علی امام شاہ اور شیو پرشاد کو بھی روانہ کیا گیا۔ سکھ فوج نے اٹک کو پار کر لیا' لیکن یار محمد خاں (جس کے خلوص کے خلاف شکوک و شبہات کا اظہار کیا گیا تھا) نے اپنے وکیلوں کو ایک لاکھ روپے کی ہنڈیوں کے ساتھ شہزادہ شیر سنگھ کے پاس

روانہ کیا' تو سکھ فوج واپس آ گئی۔

اس سال کے دوران متعدد مشہور شخصیات کا انتقال ہوگیا۔ بہاولپور کا نواب صادق محمد خاں المعروف رکن الدولہ اپریل ۱۸۲۶ء میں انتقال کر گیا اور اس کا بیٹا رحیم یار خاں' محمد بہاول خاں کا لقب اختیار کر کے اس کا جانشین بنا۔ ستلج کے مغرب اور شمال میں واقع علاقہ کے لیے اس کے والد نے جو پٹہ جات اور قول و قرار کیے تھے' نئے نواب نے ان کی تجدید کی اور اپنی مسند نشینی کے موقع پر ۲۵ ہزار روپے کا نذرانہ ادا کیا۔ مانکیرہ کا سابق نواب اور ڈیرہ اسماعیل خاں کا جاگیردار حافظ احمد خاں بھی انتقال کر گیا۔ مرحوم نواب کی جگہ اس کے بیٹے شاہنواز خاں نے جاگیروں کا انتظام سنبھالا۔ اب دربار' چناب کے کنارے پر واقع گڑھی گلہ میں تھا۔ اس مقام سے کنور کھڑک سنگھ کو احکامات جاری کیے گئے (جو اس وقت پنڈ دادن خاں میں تھا) کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ ڈیرہ اسماعیل خاں کی طرف روانہ ہو اور شاہنواز خاں سے اپنے باپ کی جاگیروں کا جانشین بننے پر ۲۵ ہزار روپے بطور نذرانہ وصول کرے۔ مہاراجہ واپس لاہور آگیا' لہٰذا شہزادے نے نذرانہ وصول کر لیا تو اسے بنوں کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ منڈی کے راجہ زلیم سین کا بھی انتقال ہوگیا اور اس کا بھتیجا (جو کہ راجہ اسری سین کا احمق بیٹا تھا) بیرسین اس کا جانشین بنا۔ منڈی میں راجہ سوچیت سنگھ کو حکم دیا گیا کہ وہ نئے راجہ کو گدی پر بٹھائے اور اس سے بطور نذرانہ ۵۰ ہزار روپے وصول کرے۔

نورپور کا سابق راجہ بیر سنگھ' جسے ۱۸۱۶ء میں بے دخل کر دیا گیا تھا' اس نے اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کو بازیاب کرانے کی کوشش کی۔ اس نے پہاڑی جوانوں کی ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے قلعہ پر حملہ کر دیا' لیکن سردار دیسہ سنگھ مجیٹھیہ نے اسے شکست دے کر بھگا دیا۔ اس نے ایک دھرم شالا میں فقیر کا بھیس بدل لیا' لیکن دیسہ سنگھ نے اسے گرفتار کر کے قیدی کی حیثیت سے لاہور روانہ کر دیا۔ ستمبر میں قصور کا قطب الدین خاں اس بنا پر کہ اس کے پاس ستلج کے بائیں کنارے پر ممدوٹ اور رمنا والا کا قبضہ ہے' انگریزوں کی پناہ حاصل کرنے کے لیے ستلج کے پار ہجرت کر گیا' لیکن اسے بتا دیا گیا کہ اس کے جاگیری تعلقات رنجیت سنگھ کے ساتھ ہیں' لہٰذا اس چیز نے برطانوی حکام کو اسے ایک خودمختار سردار تسلیم کرنے سے روک دیا۔

سال کے آخر پر مہاراجہ سخت محنت اور بے احتیاطی کی عادت کے باعث بیمار پڑ گیا۔ حکیم عزیز الدین اور حکیم عنایت شاہ نے اس کا علاج کیا مگر اس کی بیماری میں اضافہ ہوتا

گیا' لہٰذا وہ کئی روز تک اپنے دربار کے معاملات کو نپٹا سکنے کے قابل نہ رہا۔ اس نے برطانوی حکام سے ایک یورپی معالج مہیا کرنے کی درخواست کی' لہٰذا برٹش انڈین آرمی کے ایک سرجن ڈاکٹر اینڈریو مرے کو لدھیانہ سے اس کا علاج کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ فقیر عزیز الدین اور دیوان موتی رام نے شالامار باغ میں اس کا استقبال کیا' لہٰذا لاہور پہنچنے کے پہلے روز مہاراجہ نے اس کو ایک ہزار روپے نقد اور ضیافت کے طور پر پھل' مٹھائی کے چند تھال' عرق گلاب کی بوتلیں اور بید مشک پیش کیے۔ یہ افسر لاہور کے دربار میں کئی روز تک رہا۔ اس دوران اسے ایک سو روپیہ یومیہ کا وظیفہ دیا جاتا تھا' لیکن مہاراجہ کو اپنے معالجین پر زیادہ اعتماد تھا' چنانچہ انگریز ڈاکٹر کو ایک انوکھی شے کے علاوہ کچھ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے مہاراجہ اپنے طاقتور ہمسایوں اور حلیفوں یعنی انگریزوں کے ساتھ معاملات میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کرتا تھا۔ اس نے لارڈ امہرسٹ (اس وقت کے شمالی صوبہ جات کے لیے گورنر جنرل) کے دورہ کے صحیح مقصد کے بارے میں جاننے کی خواہش کی۔ اس نے دریافت کیا کہ انگریزوں کے ساتھ گزشتہ جنگ میں برمی سپاہی کس طرح لڑے اور فاتح حکومت برطانیہ نے مفتوحہ بادشاہ سے کتنی رقم کا مطالبہ کیا۔ اس نے بارک پور کے مقام پر سپاہیوں کی بغاوت کے بارے میں متجسسانہ انداز میں پوچھا اور یہ دریافت کیا کہ کس کامیابی سے مقامی سپاہیوں کو اس گڑبڑ کو فرو کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ مہاراجہ کی صحت یابی پر لاہور میں ہولی کا تہوار انتہائی خوشیوں کے درمیان منایا گیا۔

حوالہ جات

(۱) مہاراجہ نے کیپٹن ویڈ کو بتایا کہ گورکھے کشمیر میں حصہ لینے کے خواہش مند تھے' لیکن اس کا اپنا خیال تھا کہ انہیں پنجاب کی حدود سے باہر رکھا جائے۔ کننگھم کی "تاریخ پنجاب" صفحہ ۱۵۶۔ تاہم رنجیت سنگھ کو گورکھا حکومت کی تسخیر میں مدد کرنے کے لیے نہیں کہا گیا تھا۔

(۲) لارڈ منٹو نے بادشاہ کے لیے کئی شاندار تحائف بھیجے تھے۔ افغان افسران نے' جنہیں ان تحائف کی وصولی کا انتظام سونپا گیا تھا' ان میں سے چند اونٹوں کو روک لیا' جن پر انہیں بھیجا گیا تھا' حتیٰ کہ سواری کے ان چار لونٹوں کو بھی پکڑ لیا' جو غلطی سے محل میں

داخل ہو گئے تھے۔ انہوں نے مسٹر ایلفنسٹون کے فیل بانوں کی پوشاکیں اتار لیں اور اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ وہ دو انگریز پیدل آدمی (جنہیں شیشے کے جھاڑ فانوس دے کر روانہ کیا گیا تھا) گورنر جنرل کی طرف سے شاہ کے لیے بھیجے گئے تحفہ کا حصہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے افغان بادشاہ بھی اس کی خواہش رکھتا تھا کیونکہ مسٹر ایلفنسٹون اور ان کے وفد نے جو موزے زیب تن کیے ہوئے تھے' اس نے ان کی تعریف کر کے ایک پیغام کے ذریعے اس بات کی خواہش کی کہ اسے بھی اسی قسم کی اشیاء دی جائیں۔ ایلفنسٹون کی تصنیف "کابل"۔

(۳) دھرنا کا مطلب' دھمکی کا طریقہ یا کسی شخص سے مطلوبہ حمایت کے انکار پر اس کے لیے غیبی قہر کی دعا مانگنے کے لیے اس کے دروازے پر بیٹھ جانا اور ہر قسم کے کھانے پینے سے انکار کرنا۔ اب یہ ہندوستانی مجموعہ قانون میں قابل سزا ہے اور اس کے لیے قید اور جرمانہ بھی ہے۔

(۴) یہاں کننگھم کہتا ہے کہ محمد عظیم خاں نے ہراول دستے کو اس کے کمانڈر کے دادا حکم چند کے احترام میں چھوڑ دیا تھا۔ مرے کا بھی یہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ تاہم یہ معاملہ بعینہ نہیں ہے۔ سب اس بات پر متفق ہیں کہ دیوان رام دیال نے اس قدر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا کہ محمد عظیم خاں کو اس کے اور اس کے دادا کے درمیان موجود دوستی کے بارے میں یاددہانی کرانا پڑی' لیکن اس دوستی کے لیے دیوان نے آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے ہی اس جنگ میں دو ہزار افغان قتل ہو چکے تھے اور محمد عظیم خاں نے یہ محسوس کر لیا کہ وادی میں سکھوں کا طویل قیام خطرناک ہے۔۔۔ امرناتھ کی تاریخ کا "پنجاب کے راجگان" صفحہ ۵۵۶ سے موازنہ کیجئے۔

(۵) پھلور کے مقام پر ایک باغ میں اس کی سادھ تعمیر کی گئی۔

(۶) مرے' اس واقعہ کی تاریخ' ۱۸۱۷ء بتاتا ہے' لیکن تمام بیانات اس بات پر متفق ہیں کہ خوشحال خاں کو اس نفع بخش عہدہ یعنی حاجب کے منصب سے ۱۸۱۸ء میں ملتان کے قبضہ کے بعد ہٹایا گیا۔ موازنہ کیجئے "راجگان پنجاب" صفحہ ۳۱ اور مولوی دین محمد کی سرگزشت۔

(۷) مرے' اپنی کتاب کے صفحہ ۳۵ پر یہ واضح کرتا ہے کہ رام دیال کی موت اس وقت واقع ہوئی جب وہ وادی کشمیر کے الگ تھلگ سرداروں کے خلاف ادنیٰ کارروائیوں میں مصروف تھا۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ رام دیال ہزارہ اور قریبی علاقہ کے مسلمانوں کے

خلاف لڑائی میں مارا گیا۔ موازنہ کیجئے "راجگان پنجاب" صفحہ ۵۵۷ کا سوہن لعل اور دیوان امرناتھ کی تصانیف کے ساتھ۔

(۸) عربی اور فارسی میں ہر حرف کے اعداد ہیں اور ایک جملے کے الفاظ کے اعداد مل کر تاریخ کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(۹) اس مہم کے دوران سکھوں نے علاقہ خٹک پر قبضہ کر لیا تھا۔

(۱۰) مشہور زمانہ پھولا سنگھ (گزشتہ صفحات میں جس کا پہلے بھی حوالہ دیا گیا ہے) پہلے ایک مفرور تھا۔ وہ بیراگی فرقے کا ایک اکالی سکھ تھا اور اسے اپنے ہموطنوں پر بہت زیادہ اثر و رسوخ بھی اسی وجہ سے حاصل تھا۔ اس نے امرتسر کے گوردوارہ کے ان اکالیوں کی قیادت کی تھی، جنہوں نے ۱۸۰۹ء میں مسٹر میٹکالف کے دستے پر اور اسی سال کیپٹن وہائٹ پر حملہ کیا تھا، جنہیں پٹیالہ کی حدود کی مساحت پر مامور کیا گیا تھا۔ ۱۸۱۲ء میں اس نے ریاست جھنڈ کے باغی شہزادے پرتاپ سنگھ کی حمایت کی اور نندپور مکھووال میں مورچہ سنبھال کر اسے نکالنے کے لیے خالصہ کی پوری طاقت کا مقابلہ کیا۔ انگریزوں نے جگہ جگہ اس کا تعاقب کیا اور مہاراجہ نے بھی کئی سال تک اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر وہ قابو نہ آ سکا۔ شہزادہ پرتاپ سنگھ کی بغاوت پر مہاراجہ نے پھلور میں اپنی فوج کو سخت احکامات بھیجے کہ مفرور کو اس کے علاقہ سے نکال دیا جائے۔ فوج حکم کے مطابق اس کے خلاف روانہ ہوئی، لیکن جب وہ وہاں پہنچی تو پھولا سنگھ نے فوجیوں سے پوچھا، آیا یہ ست گورو کے چیلوں کا فرض ہے کہ وہ ایک گورو کو ہلاک کر دیں۔ حفاظتی فوج نے اس کے ساتھ ایک آوارہ گرد فقیر کی طرح سلوک کرتے ہوئے کوئی زیادتی نہیں کی۔ پوری فوج نے اسے علاقے کو تاخت و تاراج کرنے سے روکنے کے لیے دو ماہ تک اس کا پیچھا کیا۔ جدھر وہ روانہ ہوا، اس طرف پیش قدمی کی، لہٰذا کبھی اور چیز کے مقابلہ میں اسے گارڈ آف آنر پیش کرتے رہے۔ وہ ایک قابل ذکر شخص تھا اور اگرچہ وہ ایک ڈاکو اور مفرور تھا، مگر اس کے باوجود ایک شاندار سپاہی اور ایک بہادر و پرجوش انسان تھا۔ ("راجگان پنجاب" صفحہ ۳۵۰)۔ ۱۸۲۰ء میں اس نے امرتسر میں مسٹر مور کرافٹ کو بتایا کہ وہ رنجیت سنگھ سے مطمئن نہیں ہے، لہٰذا اس نے انگریزوں کے ساتھ شامل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ جس جگہ بھی گیا اپنے ساتھ تلوار اور آگ لے کر گیا۔ معزز سیاح نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا اور اس کو زیادہ دانش مندانہ اور وفادارانہ مقاصد رکھنے کا مشورہ دیا۔ سفرنامہ I، ۱۱۰۔

(۱۱) پر۔نیسپ اپنی تصنیف "پنجاب میں سکھ حکومت کی ابتداء" کے صفحہ ۱۲۳ پر ذکر

کرتا ہے کہ اس ترقی کے نتیجہ میں موتی رام کو ذلیل نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کے لیے عنایات میں کمی کی گئی اور یہ کہ کشمیر کی حکومت اس کے پاس رہنے دی گئی۔ معاملہ اس طرح نہیں تھا۔ موتی رام کو کشمیر کی حکومت سے واپس بلا لیا گیا اور پورا خاندان زیر عتاب آ گیا تھا۔ موازنہ کیجئے "راجگان پنجاب" صفحہ ۵۷۷ اور کنہیا لعل کی "تاریخ پنجاب" صفحہ ۳۱۲ اور "دیوان امرناتھ کی تاریخ" (قلمی نسخہ)۔

(۱۲) قادر بخش نے اپنے آقا کو سربمہر خطوط روانہ کیے' جن میں مہاراجہ کی طرف سے سردار کے لیے برے محرکات کی نشاندہی کی گئی تھی اور سردار کے دیوان شیر علی نے ان خطوط میں خوب رنگ آمیزی کی تھی۔ قادر بخش ایک کایاں آدمی تھا' لہٰذا وہ لاہور کے مہاراجہ کے انتقام سے بچ نکلا' جبکہ شیر علی کا اس قدر ناک میں دم کیا گیا کہ وہ مہاراجہ کے دورۂ کپور تھلہ کے تھوڑی دیر بعد انتقال کر گیا۔ "دیوان امرناتھ کی تاریخ" (قلمی نسخہ) صفحہ ۸۰۔

باب ۳

سید احمد غازی کے عروج سے ' جنگ کابل کی بندش اور مہاراجہ کی زندگی کے خاتمہ تک

(۱۸۲۷ء---۱۸۳۹ء)

۱۸۲۷ء کے ابتدائی حصہ میں 'ایک پرجوش مسلمان' سید احمد نے اپنے آپ کو بطور ایک مصلح پیش کر کے پشاور اور اٹک کے درمیان واقع یوسف زئی پہاڑوں میں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سبز جھنڈا بلند کر کے سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا۔ بالائی ہندوستان میں بریلی کے مقام پر ان کا تعلق سیدوں کے خاندان سے تھا اور انہوں نے عظیم پردیسی رہنما امیر خاں کی ملازمت میں' سوار فوج کے ایک ادنیٰ افسر کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ مرہٹوں اور پنڈاریوں کی مشترکہ طاقت کے خلاف جنگ کے اختتام کے بعد' (جس کے نتیجہ میں انگریزوں نے اس سردار کی عسکری طاقت کو تباہ کر دیا تھا) لہٰذا ایک خود مختار راجہ کے طور پر شناخت ہونے پر' سید نے امیر خاں سے اپنا تعلق منقطع کر کے پرجوش میلان اختیار کیا اور دعویٰ کیا کہ انہیں آسمان سے خصوصی خبریں موصول ہوئی ہیں' لہٰذا وہ دہلی چلے گئے۔ یہاں شہر کے انتہائی پرہیزگار مبلغین' مولوی عبدالحیٔ' مولوی محمد اسماعیل اور مولوی عبدالعزیز ان کے ساتھی بن گئے' جنہیں انہوں نے اپنی مجوزہ تعلیمات کا پرجوش حامی پایا۔ یہ سراسر قرآن پاک کے احکامات کے مطابق تھیں' قرآن پاک میں خدا کے الفاظ میں پیش کردہ تعلیمات کے منافی کسی چیز کے اقرار سے انکار کرنا' بزرگوں اور اولیائے کرام کو غیر ضروری اہمیت دیے بغیر' محض پرہیزگار اشخاص کے طور پر ان کے ارشادات کو تسلیم کرنا' عبادت کی بگڑی ہوئی اشکال بشمول' اولیائے کرام کے مزاروں پر جھکنے اور ان کی یاد کے لیے دعائے خیر کرنے' محرم

کے مہینہ میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا ماتم کرنے اور دیگر رسومات اور مختلف رواجوں کو ختم کرنا، جنہیں مصلح نے بت پرستانہ قرار دے دیا تھا۔ ۱۸۲۲ء میں انہوں نے کلکتہ کا دورہ کیا، لہٰذا ان کے زور خطابت کے ساتھ ان کے مذہبی جوش و خروش اور ان کے مبینہ مشن سے وابستہ تقدس کے باعث، مسلمان آبادی میں سے پیروکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد انہیں حاصل ہو گئی۔ انہوں نے بحری سفر کے ذریعے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت بھی کی اور خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے قسطنطنیہ کا دورہ بھی کیا۔ واپسی پر انہوں نے پورے ہندوستان کا سفر کیا۔ اس دوران انہوں نے اپنی نئی تعلیمات کی تبلیغ کی اور چار سال کی غیر حاضری کے بعد، دہلی لوٹ آئے۔ یہاں پر ان کے جانثار ساتھی، مولوی عبدالحیٔ اور مولوی اسماعیل ان سے مل گئے اور "تقویت الاسلام" کے نام سے مشہور کتاب شائع کی گئی، جس میں اس مصلح کے خیالات کو اجاگر کیا گیا تھا۔ اس بڑے شہر میں بے شمار ہجوم اس بزرگ کے گرد جمع ہو گئے، لہٰذا اب انہوں نے اپنے دین کی خاطر اپنے آپ کو وقف کرنے کے فیصلہ کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے بے دین سکھوں کے خلاف جہاد میں اپنے ساتھ شامل ہونے کے لیے مسلمانوں پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ سکھوں نے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام لیواؤں پر بے شمار زیادتیاں کی ہیں، لہٰذا انہیں نیست و نابود کر دینا چاہیے۔ انہوں نے برطانوی حکام سے پیچیدگیاں پیدا ہونے سے بڑی احتیاط سے احتراز برتا، حالانکہ انگریزوں کے علاقوں میں ان کے مبینہ منصوبوں کی مدد کے لیے چندے جمع کیے گئے، لیکن انہوں نے اس حکومت کے افسروں کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔ انہوں نے تقریباً ۵۰۰ ساتھیوں کے ہمراہ دہلی کو خیرباد کہا اور اس بات کا انتظام کیا گیا کہ پرجوش اور مذہبی جذبے سے سرشار اس جماعت کے پیچھے مقررہ رہنماؤں کی قیادت میں دیگر ٹولیاں بھی آنی چاہئیں۔ وہ سب سے پہلے اپنے پرانے آقا، امیر خاں کے دارالحکومت ٹونک گئے، امیر خاں کا انتقال ہو چکا تھا، اس لیے انہوں نے اس کے بیٹے برسراقتدار نواب کو اپنے اصلاحی دین کے پیروکاروں میں شامل کیا۔ نوجوان چیلے نے اپنے روحانی پیشوا کو روپے پیسے کی شکل میں کافی مدد بہم پہنچائی، چنانچہ اپنی حالت کو مستحکم کرنے پر وہ پہلے شکارپور، وہاں سے سندھ کے صحراؤں میں سے خیرپور پہنچے۔ یہاں میر رستم خاں نے ان کا والہانہ استقبال کیا، لہٰذا پیچھے آنے والے باقی ماندہ غازیوں کے ساتھ ملنے پر وہ قندھار کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس علاقے پر قابض بارک زئی سرداروں کے ذہنوں پر ان کے اس مذہبی مشن کا کوئی تاثر مرتب نہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر بہتر مواد کی تلاش میں غلزائی علاقے میں سے گزر کر

شمال کی جانب سفر کیا۔ ۱۸۲۷ء کے آغاز میں' دریائے کابل کو پار کر کے وہ یوسف زئی پہاڑوں میں واقع پنجتر پہنچے' اور بے دین ظالم سکھوں کے خلاف دائمی جہاد شروع کرنے کے مقصد کے ساتھ پہاڑوں کی جنگجو مسلمان آبادی کے درمیان نبی اکرم ﷺ کے سبز علم کو بلند کر دیا۔ یوسف زئیوں کو اس وقت' یار محمد خاں بارک زئی کے منصوبوں کا اندیشہ تھا' جو ان کے عظیم دشمن مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف ہو گیا تھا' لہٰذا غازیوں کے لشکر کو نجات دہندگان سمجھا گیا اور احمد کو دینداروں کا رہنما تسلیم کر لیا گیا۔

رنجیت سنگھ نے اپنی سرحد کے ساتھ اس ہولناک شورش کی تنظیم کا سنا تو خیر آباد اور ملحقہ علاقے میں اپنے مفادات کو تحفظ دینے کے لیے اٹک کے پار ایک بہت بڑی فوج روانہ کی۔ سکھوں کا ایک دستہ' سردار بدھ سنگھ' سردار عطر سنگھ سندھیانوالہ اور لہنہ سنگھ' سندھیانوالہ کی قیادت میں اٹک سے چند میل اوپر اکوڑا کی طرف روانہ ہوا' جہاں انہوں نے اپنی حالت کو مستحکم کرنے کے لیے مورچے قائم کر لیے۔ سید نے ایک بے شمار لیکن بے سروساماں لشکر کے ساتھ اس فوج پر حملہ کر دیا۔ سکھ کمانداراپنے خندقی مورچوں سے لڑے اور اپنے برتر نظم و ضبط اور ساز و سامان سے انہوں نے پرجوش پہاڑی باشندوں کے حملے کو پسپا کر دیا' جن کے سینکڑوں افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔ سید احمد مکمل طور پر شکست کا سامنا کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ پہاڑوں کی طرف لوٹ آئے۔ تب سکھوں کی چھوٹی ٹولیوں اور محافظ دستوں کے خلاف باقاعدہ طریقہ جنگ اختیار کیا گیا۔ اس سے موخر الذکر کو بہت سخت نقصان پہنچا۔

اسی دوران رنجیت سنگھ مشہور گھوڑا "لیلیٰ" حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو گیا' جو خوبصورتی اور عمدگی کے لحاظ سے مشہور زمانہ گھوڑے گوہربار سے بھی سبقت لے گیا تھا' جسے مہاراجہ نے بارک زئی خاندان سے حاصل کیا تھا۔ یہ وہ گھوڑا تھا جسے ایران کا بادشاہ فتح علی شاہ قچار بھی حاصل کرنے کے لیے بہت خواہش مند تھا اور اس کے مالک سردار یار محمد خاں نے پچاس ہزار روپے نقد اور پچیس ہزار روپے کی ایک جاگیر کی شکل میں اس کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس کے حصول کے لیے سردار یار محمد خاں سے گفت و شنید کی گئی' لیکن اعلان کیا گیا کہ گھوڑا مر گیا ہے۔ مہاراجہ نے اس افواہ پر یقین نہ کیا' لہٰذا جب افغانوں کا اعلان بعد میں غلط ثابت ہوا' تو مہاراجہ کے نمائندوں نے یار محمد خاں سے زبردستی ایک تحریر شدہ اقرار نامہ حاصل کر لیا' جس میں گھوڑا حوالے کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس کے بعد معاہدے پر عمل کرانے اور جانور کے حصول کے لیے کچھ عرصہ بعد شہزادہ شیر سنگھ اور جنرل

دنتورا کو بھی روانہ کیا گیا۔ شہزادہ کھڑک سنگھ کے نمائندے دیوان دھنپت رائے نے بغیر احکامات کے پشاور میں لوٹ مار مچادی اور گردونواح میں چند اہم مقامات پر قبضہ کرلیا۔ شہزادہ شیر سنگھ دیوان کی جلدبازی سے آگ بگولا ہوگیا' لہٰذا اس نے اس کی طرف سے اس کارروائی پر سرزنش کی۔ دیوان نے اپنے آقا کی برتر حیثیت پر اعتماد کرتے ہوئے شیر سنگھ کی شان میں کچھ گستاخی کردی۔ اس پر اسے گرفتار کرکے بری طرح کوڑے لگائے گئے۔ اس کے تمام خیموں اور املاک کو لوٹ لیا گیا اور اسے قیدی کی حیثیت سے لاہور بھیج دیا گیا۔ مہاراجہ اس سے اس قدر ناراض ہوا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے اس کے چہرے پر کئی تھپڑ لگائے اور اس کو بیس ہزار روپے جرمانہ کی سزا دی۔

اس وقت مسلمان مصلح سید احمد کی شہرت خدائی فوجدار کی حیثیت سے سرحد کے پہاڑی خطوں میں اپنے عروج پر پہنچ گئی اور ان کی طاقت میں زبردست اضافہ ہوگیا۔ یار محمد نے سید کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور اپنے خلاف طاقتور یوسف زئی قبیلہ کے عام رویہ کو دیکھتے ہوئے اس قبیلہ کے سرداروں کے ساتھ ان کے علاقوں کے معاملہ میں معاہدہ کرنے کو قرین مصلحت خیال کیا۔

۱۸۲۷ء کے دوران' دیوان موتی رام اور فقیر عزیز الدین کو ایک تعریفی سفارت پر اس وقت کے گورنر جنرل' لارڈ ایمہرسٹ کی طرف شملہ روانہ کیا گیا' جو اس وقت موسم گرما کے باعث وہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس موقع پر گورنر جنرل کے لیے قیمتی تحائف' مثلاً گھوڑے' ہاتھی اور پشمینہ روانہ کیے گئے اور انگلستان کے بادشاہ کے لیے کشمیر میں تیار کردہ شال کا ایک خیمہ بھیجا گیا۔ لدھیانہ میں گورنر جنرل کے نمائندے' کیپٹن ویڈ نے سفارت کا پرتپاک استقبال کیا' جس کے ذریعے لاہور کے دربار اور حکومت ہند کے درمیان معاملات طے پاتے تھے۔ اسے خاص طور پر سفارت کے ارکان کے آرام کا خیال رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد گورنر جنرل کے عملہ کے چند افسران کے ساتھ لدھیانہ میں گورنر جنرل کے نمائندے کو عزت ماب لارڈ نے ایک مناسب وفد کے ہمراہ جوابی تعریفی سفارت کے طور پر بہترین تحائف کے ساتھ روانہ کیا۔ اس وقت دربار امرتسر میں تھا۔ شہزادہ شیر سنگھ اور فقیر عزیز الدین کو پانچ کوس کے فاصلے پر سفارت کا استقبال کرنے کے لیے روانہ کیا گیا اور ۳۱ مئی کو امرتسر آمد پر پانچ ہزار روپے نقد' پانچ سو طلائی مہریں اور پھلوں مٹھائیوں کے دو سو تھال بطور ضیافت بھیجے گئے۔ اگلے روز مہاراجہ نے رام باغ میں سفارت کے معزز اراکین سے ملاقات کی۔ اس موقع پر مہاراجہ کے تمام سپاہی بسنتی رنگ کی وردی

میں ملبوس تھے اور انتہائی دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ گورنر جنرل کے بھیجے گئے تحائف مہاراجہ کو پیش کیے گئے۔ وہ ان سے بہت خوش ہوا۔ وہ دو بہترین گھوڑوں' نقرئی ہودے سے مزین ایک ہاتھی' ہیروں کے جڑاؤ کی تلوار' ایک توپ' ایک پستول' سچے موتیوں کے دو ہار اور انواع و اقسام کی پشمینہ اور کمخواب کے ملبوسات پر مشتمل تھے۔ ایک ہزار ایک سو روپے کی رقم ان تحائف کو لانے والوں کو دی گئی۔ اگلے روز سکھ فوج کا معائنہ عمل میں لایا گیا اور راجہ دھیان سنگھ نے قابل احترام مہمانوں کو شہر اور دربار صاحب گوردوارہ کا نظارہ کروایا۔ انہوں نے اکال بنگا کے اکالیوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھا' جو اب غیر ملکیوں کو دیکھ کر نفرت کا اظہار نہیں کر رہے تھے' جس طرح ۱۸ برس پیشتر مسٹر میٹکالف کے دورہ کے موقع پر کی تھی۔ یہ وفد اپنے استقبال سے بہت زیادہ خوش ہو کر واپس برطانوی علاقہ کی طرف لوٹا۔ شہزادہ شیر سنگھ اس کے ساتھ جنڈیالہ تک اور فقیر امام الدین لدھیانہ تک گیا۔ اگلے برس مہاراجہ نے برطانوی کمانڈر انچیف' لارڈ کومبرمیئر کو خوش آمدید کہنے کے لیے ایک وکیل شملہ روانہ کیا۔

اس سال لاہور میں ہیضہ کی وباء پھیل گئی۔ اس کے باعث بہت بڑی تعداد میں شہری ہلاک ہوئے' جن میں سردار بدھ سنگھ سندھیانوالیہ بھی شامل تھا' جو حال ہی میں یوسف زئی پٹھانوں کے خلاف بڑی بہادری سے لڑا تھا۔ مہاراجہ کو سردار کی صحت کے بارے میں بڑی تشویش تھی' چنانچہ اس نے اس کی علالت کا سن کر فوری طور پر حکیم عزیز الدین' حکیم حاکم رائے اور جاوا کیر کو اس کے علاج کے لیے روانہ کیا لیکن مریض کا انتقال ہو گیا۔ مہاراجہ کو اس سے بڑی تشویش ہوئی' لہٰذا وہ اس وباء کے دوران شہر کو اس بیماری کے رحم و کرم پر چھوڑ کر راوی کے پار شاہدرہ میں رہنے کے لیے چلا گیا۔ اسی دوران کشمیر میں زلزلے کے یکے بعد دیگرے جھٹکے آئے' جس کے نتیجہ میں زبردست جانی و مالی نقصان ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ہزاروں لوگ بے گھر ہو گئے اور ہزاروں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔(۱)

اس وقت لاہور کے دربار میں میاں دھیان سنگھ اور اس کے بھائی گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ' مہاراجہ کی خصوصی عنایات کے حامل تھے۔ وہ رنجیت دیو کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ سب سے بڑا بھائی گلاب سنگھ' سب سے پہلے جمعدار خوشحال سنگھ کی قیادت میں سکھ سوار فوج میں بحیثیت گھڑسوار (گھوڑ چڑھا) کے شامل ہوا۔ اس نے اپنے بھائی دھیان سنگھ کو جموں سے بلوا بھیجا' لہٰذا دونوں نے مہاراجہ کی خصوصی توجہ پا کر رنجیت سنگھ کے تحت ہرکاروں کی ملازمت حاصل کر لی۔ اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان ہرکاروں کی قسمت میں جلد ہی پہاڑوں کے راجہ بننا لکھا ہے اور یہ کہ رنجیت سنگھ کی جنگی صلاحیتوں کے ذریعے قائم

شدہ وسیع و عریض سلطنت میں ان کو برتری حاصل ہوگی۔ دھیان سنگھ کو جلد ہی ڈیوڑھی والا مقرر کیا گیا اور برہمن میر صاحب' خوشحال سنگھ کو ہٹا دیا گیا' تاہم اس کی جاگیریں اور املاک اس کے پاس ہی رہیں۔ جبکہ گلاب سنگھ نے جموں اور کشمیر کے گرد و نواح میں ادنیٰ مسلمان سرداروں کی پیدا کردہ گڑبڑ کو فرو کر کے اپنا لوہا منوایا۔ اس کی خدمات کے اعتراف میں جموں اسے جاگیر میں دے دیا گیا' چنانچہ اس نے اپنے مقاصد کے لیے اپنا سکھ نام استعمال کرتے ہوئے پہاڑوں کے راجپوتوں کے درمیان اپنا اثر و رسوخ اور طاقت استعمال کرنی شروع کر دی۔ دھیان سنگھ نے اپنے آپ کو مہاراجہ کی ذات سے وابستہ کر لیا' جبکہ سوچیت سنگھ سرکاری امور سے الگ تھلگ ایک زرق برق درباری اور بہادر سپاہی بن گیا۔ حقیقت میں یہ بھائی اپنی شان و شوکت کے خود معمار تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو یکے بعد دیگرے راجہ کے منصب پر فائز کیا گیا۔ اس سال دھیان سنگھ کو راجہ راجگان راجہ ہندپت راجہ بہادر کے خطاب کے ساتھ وزیر مقرر کیا گیا۔ مہاراجہ کو دھیان سنگھ کے نوعمر بیٹے ہیرا سنگھ سے جنون کی حد تک عشق ہو گیا۔ اس کی عمر اس وقت بارہ برس کے قریب تھی۔ اسے اپنے والد اور چچا کی طرح راجہ مقرر کیا گیا اور اسے مہاراجہ کے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا استحقاق حاصل تھا' جبکہ دوسرے تمام کھڑے ہوتے یا فرش پر بیٹھتے تھے۔ مہاراجہ شاذ و نادر ہی اسے نظروں سے اوجھل ہونے دیتا اور اس سے مزاحیہ گفتگو کر کے محظوظ ہوتا تھا۔ قنوج کے سنسار چند کا بیٹا انرودھ چند' فتح سنگھ آہلووالیہ کے بیٹے کی شادی کی تقریبات میں شامل ہونے کے لیے جاتے ہوئے اپنی دو خوبصورت بہنوں کے ساتھ لاہور میں موجود تھا۔ قنوج راجہ کے خاندان کو اس کے شجرہ نسب کی قدامت کے باعث پہاڑی راجاؤں کے درمیان بہت اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا' لہٰذا دھیان سنگھ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ راجہ اس کی گرفت میں ہے' اپنے بیٹے ہیرا سنگھ کے لیے اس کی ایک بہن کا رشتہ مانگ لیا۔ پہاڑی راجہ کا غرور عود کر آیا کیونکہ اس نے سوچا کہ جموں کے پہاڑی باشندوں سے شادی کی نسبت اس کے لیے ذلت کا باعث ہوگی۔ پنڈت مہدا سودن اور پنڈت رام کشن' جنہیں دربار میں اعلیٰ مقام حاصل تھا' انہیں پہاڑی راجہ کے ساتھ بات چیت شروع کرنے کے لیے منتخب کیا گیا۔ لہٰذا مہاراجہ کے اثر و رسوخ کے باعث انرودھ چند سے ایک تحریری اقرار نامہ حاصل کر لیا گیا' جس میں اس نے شادی کے لیے اس تجویز پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ لڑکیوں کی والدہ اپنے بیٹے کے مقابلہ میں زیادہ غضبناک تھی۔ اس نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ فرار ہو کر ستلج کے پار جانے کی تدبیر نکال لی' جہاں وہ لاہور کے مہاراجہ اور اس کے منظور نظر ڈوگرہ وزیروں کی گرفت سے محفوظ رہ سکتی تھی۔

دھیان سنگھ کے نمائندے دل باغ رائے اور گاہی خاں کو ازودھ چند کے پاس اس کا اقرار نامہ یاد کرانے کے لیے (جو اس نے کاغذ کے ایک سادہ ورق پر اپنے ہاتھ کی کھلی انگلیوں کے ساتھ زعفران لگا کر نشان کی شکل میں کیا تھا) اور اس کی بہنوں کو واپس لانے پر زور دینے کے لیے روانہ کیا۔ تاہم وہ اپنی املاک اور جاگیروں کو سکھ حکمرانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر ستلج کے جنوب کی جانب فرار ہو گیا۔ اسے انگریزوں سے مداخلت کی درخواست کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا کیونکہ یہ حکومت ہمیشہ ستلج کی اس جانب سکھوں کے معاملات میں مداخلت کرنے سے باز رہی تھی۔ سنسار چند کی بیوہ اپنے خاندان کی برتری پر مغرور تھی' لیکن جب وہ دکھ اور افسوس کے ساتھ جھکی تو اس غم کے باعث انتقال کر گئی اور اس کا بیٹا بھی عاجزی کی حالت میں دل شکستگی کے ساتھ اس کے پیچھے قبر میں جا پہنچا۔ ازودھ چند کے انتقال کا سن کر مہاراجہ' آنجہانی راجہ کی راجدھانی کو ضبط کرنے کے خیال سے پھگواڑہ سے نداؤں روانہ ہوا۔ نداؤں میں ازودھ چند کے بھائی فتح چند کا بیٹا ردار چند اس سے آملا۔

تیراہ' ریاہ اور پلہیار کے قلعے تسخیر کر لیے گئے اور راجہ کی فوج نے اس وعدے پر خالی کر دیے کہ انہیں تنخواہ کے بقایا جات دیے جائیں گے جو بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ پلہیار کے قلعہ دار نگاہیہ کو اس کے عہدہ پر بحال کر دیا گیا۔ فتح چند' اس کے بیٹے ردار چند' اس کے بھتیجوں دل تھمن' دیوی چند اور مالک چند کو مناسب جاگیریں دی گئیں۔ ان انتظامات کے بعد مہاراجہ قدرتی شعلوں کی پوجا کرنے کے لیے (جو ہندوؤں کے نزدیک بہت مقدس ہیں) جوالا مکھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ رنجیت سنگھ آنجہانی راجہ سنسار چند کے جائز وارثین کے مصیبت کے وقت بھی انتہائی زبردست جذبہ اور بلند حوصلہ کے اظہار کے باعث مایوس ہو گیا تو بذات خود سنسار چند کی دو بیٹیوں سے شادی کر کے اپنی خواہش کی تسکین کر لی۔ وہ راجہ کی اس عورت کے بطن سے تھیں جس کا نام گدین تھا اور اسے راجہ سے پیدا ہونے والے متعدد بچوں کے ہمراہ پہاڑوں سے اٹھا لیا گیا تھا۔ (۲) اسی عورت گدین کے بیٹے جودھ بیر چند کو راجہ کے منصب پر فائز کیا گیا اور اپنے والد کی راجدھانی میں سے اسے ایک قیمتی جاگیر عطا کی گئی۔

۱۸۲۹ء میں ہیرا سنگھ کی شادی کی رسومات لاہور میں انتہائی دھوم دھام سے منائی گئیں۔ اس کی شادی ایک ہم پلہ رتبے کی دوشیزہ کے ساتھ ہوئی اور اس میں سکھ سرداروں کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ کانگڑا کے ناراض خاندان نے اپنی غیر حاضری سے خود کو ممتاز بنا دیا۔

۱۸۲۸ء کے سال میں مہاراجہ چند باغی زمینداروں کو سزا دینے کے لیے سیالکوٹ گیا۔

سردار عطر سنگھ مانکیریا کو سانگھڑ کی طرف روانہ کیا گیا تاکہ وہ اس مقام کے حاکم اسد خاں سے چند گھوڑوں کا مطالبہ کرے۔ خبر ملی تھی کہ اس کے پاس چند خوبصورت جانور ہیں۔ عطر سنگھ' بساوا سنگھ اور لہنہ سنگھ سندھیانوالیوں پر عاید مقررہ نذرانہ (جو آنجہانی سردار بدھ سنگھ کی جاگیریں رکھنے کی شرط تھا) موصول ہونے کی ناکامی پر ان کی املاک کو قرق کرنے کے احکامات جاری کر دیے گئے۔

۱۸۲۹ء کے دوران سید احمد کو زہر کے ذریعے راہ سے ہٹانے کی کوشش کی گئی اور پشاور کے حاکم پر اس جرم کا شک کیا گیا۔ سید اپنے پہاڑی لشکر کے ساتھ دوبارہ میدان میں اتر آئے۔ یار محمد خاں کی قیادت میں پشاور کی فوج اور سید احمد کی قیادت میں غازیوں کی فوج کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی' جس میں پشاور کی فوج کو مکمل طور پر شکست ہوگئی اور ان کے رہنما کو مہلک زخم آئے۔ شہزادہ شیر سنگھ اور جنرل ونتورا کی بروقت موجودگی کے باعث پشاور بارک زئی خاندان سے محفوظ رہا' جو اس وقت ایک چھوٹے سے حفاظتی دستے کے ساتھ وہاں یار محمد خاں کے معاہدہ کے تحت مشہور گھوڑا لیلیٰ حاصل کرنے کے لیے گئے تھے۔ گھوڑا حاصل کر لیا گیا اور یار محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں کی پشاور پر حاکمیت کو تسلیم کر لیا گیا تو سکھ فوج دریائے سندھ کی طرف واپس آگئی۔ سید احمد کی شہرت کشمیر پہنچی اور چونکہ دریائے سندھ اور اس وادی کے درمیان مسلمان آبادی لاہور کے دربار کی ناراض رعایا تھی' اس لیے اولوالعزم سید احمد نے ان علاقوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے اس کو اچھا موقع خیال کیا۔ چنانچہ انہوں نے جون ۱۸۳۰ء میں اٹک کو پار کیا' لیکن جنرل ایلرڈ اور ہری سنگھ نلوا کی قیادت میں سکھ فوج نے ان کی پیش قدمی کو روک دیا۔ سید کی قیادت میں غازیوں کو شکست ہوگئی اور اس مصلح کو دریائے سندھ کے مغرب کی طرف لوٹ جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ چند ماہ کے بعد سید انتہائی طاقت کے ساتھ دوبارہ پشاور کے میدانوں میں اتر آئے۔ سلطان محمد خاں پشاور کا دفاع کرنے کے لیے حتی المقدور فوج جمع کر کے میدان میں آگیا۔ ایک جنگ لڑی گئی' جس میں بارک زئی سردار کو شکست ہوگئی۔ ان کی فوج منتشر ہوگئی اور پشاور پر سید احمد اور ان کے غازیوں کے لشکر کا قبضہ ہوگیا۔ اب سید کی طاقت عروج پر پہنچ گئی۔ کامیابی سے خوش ہو کر اور کافر سکھوں کی تباہی کے لیے اپنے مبینہ مشن کے تقدس کے باعث انہوں نے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا اور یہ بھی خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مندرجہ ذیل عبارت کے حامل اپنے نام کے سکے بھی مضروب کرائے:

"منصف احمد' دین پناہ' جس کی تلوار کی چمک کافروں میں تباہی پھیلا دیتی ہے"۔

ایک پرجوش سردار کے ہاتھوں پشاور کے قبضہ اور یارک زئی فوج کی تباہی کی خبر لاہور میں بڑی تشویش سے سنی گئی' لہٰذا اس مدعی کو سزا دینے کی خاطر مہاراجہ کو بذات خود میدان میں اترنے پر آمادہ کیا گیا۔ سکھوں نے اٹک کو پار کیا اور پشاور کے میدانوں میں نمودار ہو گئے' لیکن ان کی آمد پر سید نے دوبارہ پہاڑوں کی طرف راہ فرار حاصل کی' لہٰذا باغی فوجیں' جنہوں نے پشاور اور ملحقہ مقامات پر قبضہ کیا ہوا تھا' ہر طرف پھیل گئیں۔ رنجیت سنگھ نے جب کسی ایسی معقول چیز کو موجود نہ پایا' جس پر اس کے انتقام کا غصہ اتارا جا سکتا تو اس نے سلطان محمد خاں کو پشاور کی حکومت پر بحال کرنے اور اس کی مدد کے لیے ایک فوجی دستے کو چھوڑنے کے بعد اٹک کو دوبارہ پار کیا۔ تاہم جیسے ہی مہاراجہ نے واپسی کا راستہ اختیار کیا تو اسی وقت ہندوستانی عالی ہمت سید اپنی باغی فوجوں کے ساتھ دوبارہ منظر عام پر نمودار ہو گئے اور دوسری مرتبہ پشاور پر قبضہ کر لیا۔ سلطان محمد خاں چونکہ سید کو باہر نکالنے کے قابل نہیں تھا' اس لیے اس نے ان کے ساتھ شرائط طے کرنا زیادہ آسان پایا۔ وہ یہ تھیں: سید کی بالادستی کو تسلیم کیا جائے۔ نذرانہ کے طور پر ۳ ہزار روپے ماہانہ کی ادائیگی کی جائے۔ غازیوں کے ساتھ ملنے کے لیے جانے والے آدمیوں اور دولت کے لیے آزادانہ نقل مکانی کی جائے۔ مصلح کے قائم کردہ نئے عقیدہ کے مولویوں کے ذریعے پشاور میں انصاف کی حکومت وضع کی جائے اور ان کی مجوزہ تعلیمات پر سخت عمل درآمد کرایا جائے۔ ان شرائط پر پشاور کی حکومت سلطان محمد خاں کے سپرد کر دی گئی۔ وہ کچھ عرصہ تک اس معاہدے پر کاربند رہا اور مقررہ نذرانہ ادا کرتا رہا۔ لیکن سید احمد کو اپنی پہاڑی کمین گاہوں کی طرف لوٹے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ پشاور میں ایک عوامی شورش اٹھ کھڑی ہوئی اور آبادی نے ان دو مولویوں اور قاضی کو قتل کر دیا' جنہیں اصلاحی اصولوں پر انصاف کے بندوبست کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ چنانچہ پشاور سید کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مزید برآں انہیں پہاڑوں میں بھی زیادہ بہتر کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ان کے یوسف زئی لشکری اب ان کے جوئے سے تھک گئے تھے اور ان کی حیثیت کو اب بوجھ سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ کسانوں نے خوشی کے ساتھ اپنی اشیاء کا دسواں حصہ انہیں ادا کر دیا تھا' کیونکہ خدائی فوجدار کو ایسی ادائیگی ان کے مذہبی خیالات کے مطابق تھی۔ لیکن سید نے یہ فرمان جاری کر کے کہ ان تمام لڑکیوں کی شادی ان کے ہندوستانی پیروکاروں کے ساتھ کر دی جائے' جو شادی کے قابل ہو گئی ہیں' انہیں زبردست مشتعل کر دیا۔ اس بدعت کے لیے مصلح کے محرکات پر اعتراض کیا گیا اور ان کے خلاف عدم اعتماد بہت زیادہ ہو گیا' کیونکہ نہ صرف اس اعلان اور اس کے جزوی نفاذ سے ان

کی آزادی میں مداخلت ہوتی تھی (جو پہاڑی باشندے اب تک حاصل کیے ہوئے تھے) بلکہ انہوں نے اپنی غیر شادی شدہ عورتوں کے ساتھ ضرورت مند ہندوستانیوں کی زبردستی شادی کو ان قبائل کے لیے باعث ذلت خیال کیا' جنہیں اپنے آباؤ اجداد کی بہادری کی روایات پر فخر تھا۔ ان کی عوامی تبلیغ میں یہ اعلان کرنا کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو اولیائے کرام کے مزاروں کے سامنے جھکنا نہیں چاہیے یا ان کے مزارات پر دعائے خیر کرنی چاہیے یا مردے کی روح کے ایصال ثواب کے لیے کھانا یا پیسے کی صورت میں کوئی چیز پیش نہیں کرنی چاہیے' کیونکہ ایسی رسومات انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ اولیائے کرام کی کرامات کے متعلق ان کے عدم اعتقاد اور ان کی دیگر تعلیمات' جو انہوں نے عرب میں نجد کے وہابی مولویوں سے اخذ کی تھیں' ان کے متعلق خاص طور پر ملاؤں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا' کیونکہ بطور مذہبی رہنما کے' ان کو اپنی بالائی آمدنیوں اور وظائف سے براہ راست فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ انہوں نے متفقہ طور پر سید کو ایک دغاباز قرار دیا' لہٰذا وہ جلد ہی اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ (جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے) یوسف زئی پہاڑوں کی طرف روانہ ہونے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن مظفر آباد کے باغی سردار اور کشمیر کے نواح میں پہاڑی اخوان پر ان کا اثر و رسوخ بدستور قائم رہا۔ رنجیت سنگھ نے شہزادہ شیر سنگھ کی قیادت میں ایک دستہ سید کے خلاف روانہ کیا۔ اول الذکر نے سکھوں کے خلاف بے قاعدہ طریق جنگ کو اپنائے رکھا اور کھردرے پہاڑوں میں انہیں زیادہ کامیابی ہوتی رہی۔ تاہم ایک جنگ میں مئی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر انہیں اور ان کے وزیر محمد اسماعیل کو اچانک جا لیا گیا اور سکھوں نے دونوں کو قتل کر دیا۔ انہوں نے جلد ہی پہاڑوں کے باغی اخوانوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ شہزادہ شیر سنگھ نے سید اور ان کے وزیر کے سر مہاراجہ کو بھجوا دیے۔ چنانچہ فریبی سید احمد کا خاتمہ ہو گیا' جس نے مذہب کے لباس میں اپنے اور ساتھیوں کے فوائد کو ترویج دینے کی کوشش کی۔ وہابی عقیدے کے حمایتی کے طور پر ان کی موجودگی امت مسلمہ (جو دین کے ابتدائی علماء کی تجویز کردہ قرآن اور حدیث کی تعلیمات پر عمل پیرا ہے) کے لیے بھی اتنی ہی خطرناک تھی' جتنی غیر مسلم عوام کے لیے۔ ان کے انتقال کا پتہ چلنے کے فوراً بعد ان کے نائبین کو سرحدی پہاڑوں سے نکال دیا گیا۔ ان کے غازی بھی بھیس بدل کر فرار ہو گئے اور ان کے خاندان نے اپنے پرانے آقا ٹونک کے نواب کے پاس پناہ حاصل کر لی۔ سید کے انتقال کے بعد پشاور کے گردو نواح میں خاموشی چھا گئی اور رنجیت سنگھ نے اس مدعی کے خلاف فتح حاصل کرنے کے بعد کوئی زیادہ اہم فوجی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔

اب رنجیت سنگھ کی طاقت مجتمع ہو گئی تھی اور اس کی شہرت بام عروج پر تھی۔ اس نے مسلمانوں کے صوبے کشمیر' ملتان اور پشاور کو اطاعت پر مجبور کیا۔ وہ پنجاب خاص میں پہاڑوں اور میدانوں کا مالک تھا' لہٰذا اس نے لداخ اور سندھ کے بارے میں بھی منصوبے بنانے شروع کر دیے۔ دور دراز کے بادشاہوں نے اس سے دوستی کی۔ ۱۸۲۶ء میں نظام حیدر آباد کے وکیل درویش محمد نے چار گھوڑوں' ایک تلوار' ایک توپ اور متعدد بندوقوں پر مشتمل تحائف کے ساتھ لاہور کے دربار میں حاضری دی۔ یہ تحائف مہاراجہ اور شہزادہ کھڑک سنگھ کے لیے تھے۔ اسی سال ہرات کے شہزادہ کامران کا نمائندہ تحائف کے ساتھ پہنچا۔ ۱۸۲۹ء میں بلوچستان سے نمائندے سکھ مہاراجہ کے لیے گھوڑوں کے تحائف لے کر لاہور آئے اور اس سے درخواست کی کہ وہ دریائے سندھ کے مغرب میں ڈیرہ غازی خاں کی سرحد پر دجال اور ہڑند کی چوکیوں کو بحال کرنے میں مدد دے' جن پر رنجیت سنگھ کے ایک جاگیردار نواب بہاولپور نے غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اگلے برس اسے گوالیار کے نوجوان مہاراجہ کی شادی میں شرکت کی دعوت دی گئی' لیکن اس دعوت کو اس بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا کہ جب مہاراجہ کے بیٹے کی شادی ہوئی تو سندھیا لاہور نہیں آیا تھا۔ انگریزوں نے اس کی دوستی کی قدر کی اور اس کی کارروائیوں کو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا' مگر ان کو اس کی طرف سے کچھ اندیشہ بھی رہتا تھا کیونکہ اس نے روس کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی تھی۔

کشمیر میں تیار کردہ شال کا خیمہ' جسے مہاراجہ نے عزت ماب بادشاہ ولیم کے لیے بطور تحفہ بھیجا تھا' اسے لارڈ ایمہرسٹ ۱۸۲۸ء میں واپس یورپ جانے پر انگلستان ساتھ لے گئے اور وہ عجوبہ اور تعریف و توصیف کی چیز بن گیا۔ اس تحفہ کے بدلے میں بادشاہ سلامت کی طرف سے ہندوستان میں عزت ماب جہاں پناہ کے نمائندہ کے طور پر گورنر جنرل لارڈ ایلن بورو کی طرف سے رنجیت سنگھ کو پانچ گھوڑوں کے ہمراہ دوستی کا ایک مراسلہ بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان گھوڑوں کو لے جانے والا بحری جہاز ۱۸۳۰ء میں بمبئی پہنچا اور لیفٹیننٹ الیگزینڈر برنز (جن کے پاس "کچھ" میں ایک سیاسی عہدہ تھا) گورنر جنرل کی اجازت سے اور بمبئی کے گورنر میجر جنرل سرجان میلکم کے انتخاب کے بعد ان تحائف کے ساتھ اپنی سفارت پر سکھ دارالحکومت کی طرف جانے کے لیے دریائے سندھ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے سفر کے راستے کے لیے دریائے سندھ کو منتخب کیا گیا' کیونکہ انگلستان اور ہندوستان' دونوں کے حکام اس دریا کے بارے میں جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے مکمل معلومات حاصل کرنے کے آرزومند تھے۔ اس کے راستے کے بڑے حصے کے بارے میں اس وقت صرف ایرئین' کرٹیس اور سکندر

اعظم کی مہم کے دیگر مورخین کے وضع کردہ بیانات موجود تھے۔ مزید بر آں ایران میں روس کی کامیابی کے باعث اس بات کے خدشات کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ یہ طاقت اپنے منصوبوں کی توسیع کے لیے مشرقی ممالک کے خلاف بھی کارروائی کرے گی' لہٰذا اس چیز نے ہندوستان کی سرحدوں پر واقع علاقوں کی حالت اور عسکری دفاع کے طور پر روکاٹ اس عظیم دریائے سندھ کے بارے میں انگریزوں کے لیے علم کو وسیع کرنے کی اشد ضرورت پیدا کر دی۔ سندھ کے امیروں نے انگریزوں کے خلاف زبردست حسد کا اظہار کیا اور سفارت کو اپنے دارالخلافہ حیدر آباد کے عقب سے روانہ ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ لیفٹیننٹ برنز کو امیروں کے لیے تحائف دے کر بھیجا گیا تھا اور بیک وقت سیاسی نوعیت کی واقفیت حاصل کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی۔ انہیں ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ دریائے سندھ میں پانی کی گہرائی' دریا کی سمت اور چوڑائی کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ جہاز رانی کے لیے یہ کیا سہولیات بہم پہنچا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے کناروں پر ایندھن کی فراہمی' اس کے کنارے پر آباد لوگوں اور شہزادوں کی حالت اور اس کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر معلومات حاصل کریں جو اس تحقیق سے معلوم ہو سکتی ہوں۔ لیفٹیننٹ برنز کے عملہ میں ایک نوجوان افسر انیسائن' جے۔ ڈی' لکی' بھی شامل تھا' جو بائیسویں رجمنٹ 'این۔ آئی میں شامل ہونے کے علاوہ ایک سرویئر اور ایک مقامی ڈاکٹر بھی تھا۔ اسے نوکروں کا ایک مناسب عملہ بھی فراہم کیا گیا تھا۔ وہ ۲۱ جنوری ۱۸۳۱ء کی صبح کو "کچھ" میں منڈوی کے مقام سے پانچ مقامی کشتیوں کے ایک بیڑے کے ساتھ روانہ ہوا۔ سندھ کے امیروں نے جہاز رانی میں دشواری اور سندھ و لاہور کے علاقہ کے درمیان غیر یقینی اور ابتر حالت کی بنا پر (حالانکہ اس بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا تھا) اس بیڑے کو اپنے علاقہ سے گزرنے کی اجازت دینے کے متعلق شدید نفرت کا اظہار کیا۔ بہت زیادہ غیر ضروری تاخیر کے باعث مطلوبہ اجازت دے دی گئی' لیکن اس سے پہلے "کچھ" میں پولیٹیکل ایجنٹ کرنل پونگر نے اس موضوع پر زوردار الفاظ میں امیروں کو خط لکھا اور انہیں قائل کیا کہ دریائے سندھ کے راستے سے سفارت کو گزرنے کی مطلوبہ اجازت دینے سے انکار کو اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا جائے گا کہ برسر اقتدار میروں کی جانب سے خلاف سلیقہ کارروائی کی گئی ہے اور اسے حکومت برطانیہ کی جانب ایک غیر قانونی کارروائی شمار کیا جائے گا۔ لیفٹیننٹ برنز بیان کرتے ہیں کہ دریائے سندھ کے کنارے پر لوگوں نے انتہائی تعجب سے انگریزوں کو دیکھا۔ ایک آدمی نے اس جماعت کو روکا اور بے چینی سے مطالبہ کیا کہ "اے

"سفید چہرے" دکھائے جائیں کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے اپنی زندگی میں ایسے چہرے نہیں دیکھے تھے"۔ اس سفارت کو ہر جگہ جس طرح خوش آمدید کہا گیا تھا' اس چیز نے انگریزوں کو آمادہ کیا کہ وہ اس شخص اور اس سارے مجمع کو اپنے چہرے دکھا دیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کابل کے سابق بادشاہ شاہ شجاع کو دیکھا ہے مگر کسی انگریز کو کبھی نہیں دیکھا۔ جس وقت "گورے چہروں والے" کسی جگہ جاتے تو ہر طرف یہی نعرہ لگایا جاتا' بسم اللہ۔ انہیں بادشاہوں اور شہزادوں کے نام دیے گئے اور خواتین نے انہیں دیکھ کر اپنے خاوندوں سے زیادہ حیرانگی کا اظہار کیا۔

۲۷ مئی کی شام کو یہ جماعت داؤد پوتوں کے علاقہ میں داخل ہوئی' جس پر نواب بہاول خاں کی حکومت تھی' لہٰذا ایک اعلیٰ منصب کے شخص غلام قادر خاں نے ان کا والہانہ استقبال کیا' جسے نواب نے انہیں خوش آمدید کہنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ نواب سے اوچ کے مقام پر ملاقات ہوئی اور ایک عظیم تقریب کے علاوہ آٹھ توپوں کی سلامی بھی دی گئی۔ خان ایک جگہ پر بیٹھا تھا' جہاں قالین بچھائے گئے تھے اور تقریباً دس افراد اس کے پاس حاضر تھے۔ وہ لیفٹیننٹ برنز سے بغلگیر ہونے کے لیے اٹھا اور خصوصی طور پر مسٹر ایلفین سٹون کے بارے میں حال چال پوچھا۔ اس نے کہا کہ انہوں نے اپنی حکومت اور داؤد پوتوں کے خاندان کے درمیان دیرپا دوستی کی بنیاد رکھی تھی۔ لیفٹیننٹ برنز بیان کرتے ہیں کہ بہاول خاں تقریباً تیس برس کی عمر کا ایک خوبصورت شخص تھا اور بھاری بھرکم ڈیل ڈول کا حامل ہونے کے ساتھ تحمل مزاج اور شریف انسان دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تسبیح تھی' لیکن موتیوں کے شمار کرنے کے باعث اس کی گفتگو میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اس اعزاز کے بارے میں بات کی جو انگلستان کے بادشاہ نے رنجیت سنگھ کو تحائف بھیج کر بخشا تھا۔ اس نے سیاسی معاملات کو نہیں چھیڑا لیکن اپنے پسندیدہ مشغلے' ہرن کے شکار کے انداز اور اپنی بندوق کی ساخت کے بارے میں بات کی۔ اس نے لیفٹیننٹ برنز سے کہا کہ وہ صحرا میں اس کی رہائش گاہ پر کچھ دیر اس کے ساتھ رہیں تو اسے خوشی حاصل ہوگی۔ یہ افسر اپنے بارے میں بیان کرتا ہے کہ وہ خاں کی مہربانی اور شفقت آمیز برتاؤ سے بالکل مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے دادا کو عزت مآب مسٹر ایلفین سٹون نے ایک سند عطا کی تھی' جسے بڑے فخر سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ یہ اس بات کا بین ثبوت پیش کرتی تھی کہ ہندوستان کے اس دور دراز کونے میں انگریزی طور طریقے کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔ ۵ جون کو نواب نے معزز مہمان کے پاس جوابی حاضری دی اور تقریباً ایک گھنٹہ تک بیٹھ کر یورپ کی مصنوعات کے متعلق بے شمار

سوالات کیے۔ وہ ایک میکانکی انداز کے ذہن کا مالک تھا اور اس نے چند توپیں، توپ اور دھماکہ خیز بارود تیار کیا تھا، جنہیں اس نے یورپی انداز میں تیار کیا تھا اور لیفٹیننٹ برنز نے اس کے بارے میں خیال کیا کہ اس کا سہرا کاریگروں کے سر جاتا ہے۔ اس نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ پستولوں کے ایک جوڑے، ایک گھڑی اور چند دیگر اشیاء پر مشتمل اس کے لیے بھیجے گئے تحائف سے بہت خوش ہوا۔ جب رسمی دورہ ختم ہوگیا تو مہماندار نواب کی طرف سے برطانوی افسر کے لیے بطور تحائف نقرئی و روغنی زین کے ساتھ قیمتی زیبائشی ساز سے مزین دو گھوڑے، ایک باز اور چند انتہائی قیمتی شالیں اور بہاولپور کی دستکاریوں کے تشت لے کر آیا۔ ان کے علاوہ ۲ ہزار روپے کی ایک تھیلی اور نوکروں کے لیے ۲۰۰ روپے کی رقم بھی روانہ کی گئی اور سب سے آخر میں ایک خوبصورت بندوق، لیفٹیننٹ برنز کے الفاظ میں "اس کو جس انداز میں پیش کیا گیا تھا اس سے اس کی قدر و قیمت میں دوگنا اضافہ ہوگیا"۔ پیغام رساں نے کہا: "خان نے اس بندوق کے ساتھ کئی ہرن مارے ہیں اور ان کی یہ التجا ہے کہ آپ اسے قبول فرمالیں اور جب آپ اسے دیکھیں گے تو آپ کو یاد آجائے گا کہ بہاول خاں آپ کا دوست ہے"۔ لیفٹیننٹ برنز نے شام کے وقت رخصت چاہنے کے لیے الوداعی حاضری دی، تب اس نے نواب کو ایک خوبصورت ضرب دار بندوق پیش کی اور اسے یقین دہانی کرائی کہ وہ اس کی مہربانی اور مہمان نوازی کو کافی عرصہ تک یاد رکھے گا۔ بہاول خاں اس سے بغلگیر ہوا اور اس سے التجا کی کہ وہ اسے اپنی خیریت کے بارے میں مطلع کرے اور اگر اس کی خدمات کی ضرورت ہو تو حکم کرے۔ سکھوں کے ملک میں اترنے کے فوراً بعد سردار لہنہ سنگھ نے سرکاری طور پر سفارت کا استقبال کیا۔ وہ بے شمار خادمین کے ہمراہ ایک ہاتھی پر سوار ہو کر آیا۔ وہ انتہائی قیمتی لباس میں ملبوس تھا اور اس نے زمرد کا ایک ہار اور ہیروں کے جڑاؤ سے مزین بازو بند پہنے ہوئے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ میں ایک کمان اور دوسرے ہاتھ میں اپنے آقا کی طرف سے فارسی زبان میں تحریر شدہ دو خطوط تھے۔ مہاراجہ نے اسے اور دیگر دو مہمانداروں کو مقرر کیا تھا۔ اس نے سکھوں کی رسم کے مطابق برطانوی افسر کو کمان پیش کی اور اسی دوران اس کی آمد پر مہاراجہ کی طرف سے اسے مبارک باد کے خطوط بھی پیش کیے۔ اپنے آقا کی خواہش کے مطابق اس نے اعلان کیا کہ مہاراجہ اس اعزاز سے بخوبی آگاہ ہے، جو انگلستان کے بادشاہ نے اسے بخشا ہے اور اسے مطلع کیا کہ سکھ فوج کو خاص طور پر سرحد پہ تعینات کیا گیا ہے کہ وہ فوراً سندھ کے وحشیوں کو سزا دے، جنہوں نے سکھ دارالحکومت کی طرف سفارت کی پیش قدمی کو اتنی زیادہ تاخیر پر مجبور کیا۔ تب ضیافت کے طور پر ۱۴۰۰ روپے

کی رقم پر مشتمل تھیلے برطانوی افسر کے قدموں میں رکھے گئے اور یہ جماعت واپس ہو گئی۔ سکھ سرداروں کو سفارت کے استقبال سے متعلق سخت ترین احکامات جاری کیے گئے تھے' لہٰذا ان پر پوری طرح عمل در آمد کیا گیا۔ ان کو مہاراجہ کی طرف سے ایک پروانہ (۳) میں یکجا کیا گیا تھا' جسے ہم نے لیفٹیننٹ برنز کے روزنامچہ سے حاصل کر کے ذیل میں درج کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مہاراجہ کے علاقوں میں سفارت کا کس قدر والہانہ اور پرتپاک استقبال کیا گیا۔

اس پروانے کی زبان مشرقی طرز پر ہونے کے باعث کسی حد تک مبالغہ آمیز ہے' لیکن اس کے باوجود یہ اس موقع پر لاہور کے مہاراجہ کے خلوص' رویہ اور اعتماد کا بہت زیادہ ثبوت ہے' جو اس نے برطانوی افسر کو اپنے قلعوں کا معائنہ کرنے کی اجازت دے کر پیش کیا۔ خاص طور پر اس رعایت کی اس وقت بہت قدر دانی کی گئی جب ہندوستان کے زیادہ تر سرداروں نے بے اعتمادی اور حسد کا اظہار کیا تھا۔ جب سکھوں کے علاقہ میں سفارت کی آمد کی خبر مہاراجہ تک پہنچی تو اس نے مہماندار کے لیے بطور تحفہ ہیروں اور زمرد سے مزین طلائی بازو بند کا ایک جوڑا روانہ کیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مہاراجہ اپنے امراء اور سرداروں کو ہمیشہ بڑی فیاضی سے تحائف عنایت کرتا تھا۔

قافلہ ۱۵ جولائی کو لاہور سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلے پر چھانگا مانگا پہنچا تو سردار شام سنگھ' فقیر نورالدین اور دیگر سرداروں پر مشتمل مہاراجہ کی طرف سے بھیجے گئے وفد نے ان سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھ نیزہ برداروں اور سکھ رسالے کا ایک دستہ بھی لائے تھے۔ ان میں سے موخر الذکر حال ہی میں سید احمد کے خلاف مہم سے شام سنگھ کے ساتھ لوٹا تھا۔ ملاقات ہاتھیوں پر ہوئی۔ شام سنگھ نے لیفٹیننٹ برنز کو ایک کمان پیش کی اور مہاراجہ کی طرف سے ان کی آمد پر مبارک باد دی۔ مہاراجہ کی طرف سے انگلستان کے بادشاہ کی خیر خیریت پوچھی گئی اور ہر سردار نے سونے اور چاندی پر مشتمل تھیلی پیش کی۔ سرداروں نے انتہائی خوشامدانہ اور خوش کن لہجہ اپنایا' لیکن عالم فاضل فقیر نورالدین (جسے سکھ مہاراجہ کا اعتماد اور بھروسہ حاصل تھا) کی شیریں بیانی خاص طور پر نہایت دلکش تھی' نہ صرف استعمال کیے گئے الفاظ کے سلسلہ میں بلکہ جس خلوص کے ساتھ ان کا اظہار کیا گیا تھا' فقیر نے لیفٹیننٹ برنز سے خطاب کرتے ہوئے کہا "آپ کی بحفاظت آمد میں مدد دینے کے لیے موسموں میں بھی تبدیلی واقع ہو گئی' لہٰذا جب بارش ہونا چاہیے تھی اس وقت دھوپ نکل آئی' لیکن یہ انگلستان کا سورج ہے۔ اب آپ کو خود کو گھر میں خیال کرنا چاہیے اور اس باغ میں آپ

گلاب کے پھول ہیں۔ یہ کہ اب انگریزوں اور سکھوں کے درمیان ایسی دوستی پروان چڑھ گئی ہے کہ ایران اور روم کے باشندے اسے اپنے دور دراز کے علاقوں میں مشتہر ہوتا سن لیں گے۔ یہ کہ جب مشن سندھ کے وحشیوں میں سے نمودار ہوا تو اندھیرے کی جگہ روشنی نے لے لی اور یہ کہ اس کے عمومی اثر سے کلی' پھول میں تبدیل ہو گئی"۔

۱۸ جون کی صبح کو لیفٹیننٹ برنز سرکاری طور پر لاہور میں داخل ہوئے۔ مہاراجہ کے وزیر فقیر عزیز الدین اور راجہ گلاب سنگھ نے ایک محافظ سوار دستے اور پیدل فوج کی ایک رجمنٹ کے ہمراہ لاہور سے تین میل کے فاصلے پر ان کا استقبال کیا۔ یہ جماعت شہر سے باہر مونسیئر شیولیئر ایلرڈ کے مکان میں ٹھہر گئی' لہٰذا وفد کے سردار' لیفٹیننٹ برنز کو مہاراجہ کی طرف سے ایک بہت بڑی رقم اور کافی مقدار میں مٹھائیاں پیش کر کے واپس چلے گئے۔ دربار میں پیشی کے لیے ۲۰ تاریخ مقرر کی گئی۔ تب صبح نو بجے کے قریب مہاراجہ کے امراء کا ایک وفد ایک بہت بڑے دستے کے ساتھ لیفٹیننٹ برنز اور ان کے وفد کو محل لے جانے کے لیے پہنچ گیا۔ گلیوں میں سوار' توپ خانہ اور پیادہ فوج قطاروں کی صورت میں کھڑی تھی۔ جب برطانوی افسر ایک ہاتھی پر وہاں سے گزرا تو انہوں نے سلامی دی۔ گلیاں تماشائیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں' جنھوں نے گلی کی طرف کھلنے والی ہر کھڑکی اور ہر چھجے کو بھر دیا تھا۔ جب یہ قافلہ محل کے پہلے دیوان میں داخل ہوا تو راجہ دھیان سنگھ نے اس کا استقبال کیا' جس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک عمدہ سپاہیانہ قسم کا شخص تھا اور اس نے زرہ بکتر زیب تن کر رکھی تھی۔ وہ ان کو محل کے دروازے تک لے کر گیا۔ جس وقت لیفٹیننٹ برنز دروازے پر اپنے جوتے اتارنے کے لیے جھکا تو اس نے اپنے آپ کو اچانک ایک کوتاہ عمر رسیدہ شخص عظیم مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بازوؤں میں بغلگیر پایا۔ اس کے دو بیٹے اس کے ہمراہ تھے' وہ بھی اسی طرح مسٹر لیکی اور لیفٹیننٹ برنز سے بغلگیر ہوئے۔ مہاراجہ' لیفٹیننٹ برنز کا ہاتھ تھام کر اسے محل کے اندر لے گیا۔ وہاں اس نے کیپٹن ویڈ اور ڈاکٹر مرے کو بھی دیکھا' جو تحفے کو دیکھنے کے لیے لدھیانہ سے آئے تھے۔ لیفٹیننٹ برنز اور ان کے وفد کو مہاراجہ کے سامنے چاندی کی کرسیوں پر بٹھایا گیا۔ مہاراجہ نے ایک ہار' بازو بند اور زمرد کے کڑے پہن رکھے تھے۔ ان میں سے چند بہت بڑے تھے۔ اسی طرح اس کے تمام امراء نے بھی جواہرات سے مزین اشیاء پہنی ہوئی تھیں اور وہ سکھ مہاراجہ کے پسندیدہ پیلے رنگ کے لباس میں آئے تھے' جس سے بہت دلکش تاثر ملتا تھا۔ عزت ماب مہاراجہ نے بڑی فیاضی سے تہنیتی اور تعریفی کلمات ادا کیے اور خاص طور پر جہاں پناہ بادشاہ انگلستان کا حال چال دریافت کیا اور سر جان

میلکم کے بارے میں بھی پوچھا۔ جب رسمی تقاریر ختم ہو گئیں تو لیفٹیننٹ برنز نے مہاراجہ کے لیے اعلان کیا کہ حقیقت میں وہ جہاں پناہ' بادشاہ انگلستان کی طرف سے مہاراجہ کے لیے بطور تحفہ پانچ گھوڑے لاہور لے کر آیا ہے' جو دونوں حکومتوں کے درمیان موجود یگانگت اور دوستانہ تعلقات کے اعتراف میں ہیں اور اس کے علاوہ مہاراجہ کے احترام کی نشانی کے طور پر محترم گورنر جنرل کی طرف سے ایک بگھی بھی لایا ہے۔ اس کے بعد جہاں پناہ کے وزیر کی طرف سے عزت ماب رنجیت سنگھ کے لیے دوستانہ خط کو سنہری کپڑے کے ایک تھیلے میں انگلستان کے نشان منصبی کی مہر کے ساتھ پیش کیا گیا۔ مہاراجہ نے احتراماً مہر کو پیشانی سے لگایا اور اپنے وزیر فقیر عزیزالدین کو حکم دیا کہ وہ با آواز بلند فارسی زبان میں اس خط کے ترجمہ کو پڑھ کر سنائے۔ چنانچہ پورے دربار کی موجودگی میں اسے پڑھ کر سنایا گیا۔ جب خط پڑھا گیا تو مہاراجہ نے انگلستان کے بادشاہ کی طرف سے اس خط کی آمد کی خوش کن خبر اپنی رعایا تک پہنچانے کے لیے قلعہ کی فصیل سے توپوں کی سلامی دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ لاہور کے شہریوں کو اس واقعہ کی اطلاع دینے کی غرض سے ساٹھ توپیں داغی گئیں۔ اس کے بعد مہاراجہ نے وفد کے ارکان اور اپنے درباریوں کے ہمراہ تحائف کا معائنہ کیا۔ وہ گھوڑوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے اور اس کے درباریوں نے اس کی جسامت' رنگ اور ظاہری وضع قطع کی خاص طور پر بہت تعریف کی۔ مہاراجہ نے کہا کہ یہ تو چھوٹے ہاتھی ہیں۔ لیفٹیننٹ برنز نے مہاراجہ کی فیاضی اور اس موقع پر گرمجوشی کے اظہار کی بہت تعریف کی۔ ہر لفظ اس کے دل کی آواز تھی اور اس انتہائی احترام کے جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا' جو وہ حکومت برطانیہ کے لیے رکھتا تھا۔ برطانوی افسر اور اس کے درمیان گفتگو ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی۔ مہاراجہ نے دریائے سندھ کی جہازرانی' پانی کی گہرائی' اس کے کناروں پر آباد لوگوں کی حالت اور سیاسی و عسکری نقطۂ نظر سے ان کی اہمیت کے بارے میں بے شمار سوالات کیے۔ جب اسے بتایا گیا کہ سندھ ایک متمول علاقہ ہے تو اس کا لالچ عود کر آیا۔ اس نے ہمسایہ ریاستوں کے جملہ نمائندگان کو لیفٹیننٹ برنز سے متعارف کرایا اور حکم دیا کہ اس کے اسپ خانہ کے گھوڑوں کو مہمان کے معائنہ کے لیے سامنے سے گزارا جائے۔ ان کی تعداد تیس تھی۔ ان سب کو انتہائی شاندار اور قیمتی ساز سے مزین کیا گیا تھا اور چند کو انتہائی قیمتی جواہرات سے آراستہ کیا گیا تھا۔ مہاراجہ سامنے سے گزرنے والے ہر گھوڑے کا نام لیتا تھا۔ اس نے ہر ایک کا شجرہ اور خصوصیات بیان کیں۔

اگلی صبح معزز مہمان کی آمد کی مناسبت سے میدان قواعد میں مہاراجہ کی افواج کا معائنہ

منعقد ہوا۔ مہاراجہ شہر کی فصیل سے کچھ فاصلے پر ایک چھجے میں بیٹھا ہوا تھا تو جس وقت فوجی معائنہ کی غرض سے ان کے سامنے سے گزرے تو مہاراجہ نے ان کی چابکدستی اور ساز و سامان کے بارے میں لیفٹیننٹ برنز سے اس کی رائے پوچھی۔ اس نے مختلف موضوعات پر اس سے آزادانہ گفتگو کی۔ اس نے بتایا کہ ہر بندوق پر اس کے سترہ روپے خرچ آئے ہیں۔ کشمیر کی آمدنی کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس نے کہا کہ اس سال اسے حال ہی میں ۳۶ لاکھ روپے کی آمدنی ہوئی ہے' جو گزشتہ سال کی آمدنی سے چھ لاکھ روپے کے اضافے کے ساتھ ہے۔ مہاراجہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "حرامزادوں کو نکالنے کے لیے میں تمام لوگوں کو کشمیر بھیج دیتا ہوں۔ اس علاقے میں بہت زیادہ دلچسپی اور خوشی کا سامان ہے۔ میں یا تو اپنے کسی بیٹے کو یا خود وہاں جاتا ہوں"۔ یہ رنجیت سنگھ کی گفتگو کا انداز تھا۔ یہ اس کے کردار کی مضبوطی اور اصلیت تھی' جس کی بہت زیادہ تعریف نہیں کی جاسکتی۔ ناشتے کی تیاریوں کا دھیان کرنے کے لیے جماعت اس سے رخصت ہوئی۔ وہ عموماً اپنا کھانا کھلی فضا میں اس وقت کھاتا تھا جب باہر اپنے پڑاؤ میں ہوتا تھا اور اس کے سپاہی موجود ہوتے تھے اور بعض اوقات گھوڑے کی پیٹھ پر بھی کھاتا تھا۔ اسے گھڑسواری اور طویل سفر کا بہت شوق تھا اور ایسے موقعوں پر وہ ایک اچھے سپاہی کی طرح زین پر بیٹھے ہوئے کھانا پسند کرتا تھا۔ وہ شان و شوکت' دھوم دھام سے بالکل آزاد تھا' اس کے باوجود ہر کوئی اس سے ڈرتا تھا۔ لہٰذا اس کے گرد جمع پورے ہجوم میں کوئی فرد بھی ایک لفظ تک ادا کرنے کی جرات نہیں کرتا تھا بلکہ اشاروں سے بات کرلیتا تھا۔

اسے انگلستان کی طاقت اور وسائل کے بارے میں جاننے کی بڑی جستجو رہتی تھی' لہٰذا اس نے خفیہ طور پر ہندوستان کے ایک مقامی شہری کو بلوا بھیجا (جو مشن کے عاملہ میں شامل تھا اور وہ انگلستان میں بھی رہا تھا) اور اس سے انگلستان کے وسائل کے بارے میں پوچھا اور خصوصی طور پر دریافت کیا کہ برطانوی قوم کی دولت اور طاقت اسی قدر زیادہ ہے جس قدر اس کا اپنا خیال ہے۔

جب لیفٹیننٹ برنز اور ان کے وفد کے ارکان ایک صبح شاہدرہ میں مقبرہ جہانگیر کا معائنہ کرنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ رنجیت سنگھ ایک میدان پر بیٹھا ہے اور اسے سپاہیوں نے گھیرا ہوا ہے۔ اس نے اس افسر کو بلوا بھیجا اور اس سے کافی دیر تک بات چیت کرتا رہا۔ اس نے اسے پنجاب میں افغانوں کی یورشوں کے بارے میں بتایا اور اسے آگاہ کیا کہ وہ اس وقت جس میدان پر بیٹھے ہوئے ہیں' یہاں افغانوں کا پڑاؤ ہوتا تھا۔ اس نے لدھیانہ میں مقیم

جلاوطن نابینا بادشاہ' شاہ زمان کے حملوں اور ہندوستان کے خلاف منصوبوں کے بارے میں بتایا۔

۲۵ جولائی کی شام کو اس نے لیفٹیننٹ برنز کے لیے دربار خاص کا اہتمام کیا اور اس موقع پر اسے بہت خوش باش دیکھا جا سکتا تھا۔ دربار کو برخاست کرنے کا حکم دیا گیا تو رنجیت سنگھ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کشمیر اور ملحقہ پہاڑوں کی تیس یا چالیس رقاص لڑکیاں' لڑکوں کی طرح کے یک رنگ لباس میں ملبوس اس کی خدمت پر مامور تھیں۔ ان کے نقوش قابل ذکر حد تک خوبصورت تھے اور ان کے جسم چھوٹے' خوبصورت اور دلکش تھے۔ وہ لہراتے ہوئے ریشمی ملبوسات میں ملبوس تھیں' جن پر گہرے اور چمکدار جواہرات آویزاں تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کمان اور ترکش تھا۔ رنجیت سنگھ نے کہا: "یہ میری ایک پلٹون ہے' لیکن وہ مجھے کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی پلٹون ہے جس میں نظم و ضبط برقرار نہیں رکھ سکتا"۔ اس رائے زنی سے انگریز مہمان بہت محظوظ ہوا اور نقلی جنگ میں مصروف نازنینوں کے انداز سے بہت خوشی حاصل کی۔ اس کے بعد اسے ان دونوں خواتین کے بارے میں بتایا گیا (جو مہاراجہ کی ملازمت میں اس شعبے کے اندر کمانڈنٹ کے منصب پر فائز تھیں) اور کہا گیا کہ ان کے پاس بطور جاگیر دو گاؤں ہیں اور انہیں بالترتیب ۵ اور ۱۰ روپے یومیہ کا وظیفہ بھی ملتا ہے۔ جب ان کے کرتب ختم ہو گئے تو اس غیر منظم فوج کو ہاتھیوں پر بٹھا کر ان کے گھروں میں بھیج دیا گیا۔ تب رنجیت سنگھ نے حکومت برطانیہ کے ساتھ اپنے تعلقات کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا کہ وہ شروع ہی سے اس کی اس وقت سے بہت قدر کرتا ہے' جب ۱۸۰۵ء میں اس نے سب سے پہلے سر جان میلکم سے جان پہچان پیدا کی تھی۔ وہ یورپی حکومتوں کی متعلقہ طاقت کے بارے میں جاننے کے لیے بہت متجسس تھا' لہٰذا اس نے دریافت کیا کہ فرانس اور انگلستان میں سے بڑی طاقت کونسی ہے؟

اس موضوع سے وہ اپنے فرانسیسی افسران کی طرف آ گیا اور برطانوی افسر سے اپنے سپاہیوں کے نظم و ضبط کے بارے میں اس کی رائے معلوم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس نے دریائے سندھ کے پار غازیوں کے خلاف اپنی مہمات کا ذکر کیا اور اس کی قوم کی بہادری کی تعریف کی' جس کو اس نے تسلیم کر لیا تھا۔ وہ کشمیر کے پہاڑوں اور پشاور کے میدانوں میں اپنی کامیابیوں کے لیے ان کا احسان مند تھا۔ اس نے کہا کہ اس کے سپاہی جانثاری سے اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور تعصب سے پاک ہیں۔ یہ اپنی کمر پر آٹھ روز کے لیے کھانے پینے کی اشیاء اٹھا سکتے ہیں۔ جہاں پانی کی کمی ہو' وہاں کنویں کھود سکتے ہیں' سڑکیں بنا سکتے اور قلعے تعمیر

کر سکتے ہیں۔ یہ ایسے فرائض ہیں جن کو ہندوستان کے مقامی باشندے ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ وہ اپنے سرداروں اور درباریوں سے بڑی فیاضی سے پیش آتا ہے اور کشمیر کی شالوں کے بارے میں بتایا کہ وہ اس کے پاس بکثرت ہیں۔ اس موضوع سے ہٹ کر اس نے اپنی شرابوں اور تیز مشروبات کی تعریف کرنا شروع کر دی۔ اس نے لیفٹیننٹ برنز کو یقین دلایا کہ اس کی شرابوں کو سچے موتیوں اور قیمتی جواہرات سے بنایا گیا ہے۔ پوری گفتگو میں رنجیت بہت باتونی اور بھڑبھڑیا رہا۔ لہٰذا ملاقات کے آخر میں ایک شاندار کمان اور ایک ترکش پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ شال کے کپڑا کے ساتھ قیمتی ساز سے مزین ایک گھوڑا بمع سنگ یشب کا ایک ہار اور اس کے سر پر بگلے کا پر لگایا گیا تھا۔ مہاراجہ نے کہا: "یہ میری سواری کے گھوڑوں میں سے ایک ہے' لہٰذا میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اسے قبول فرمایئے"۔ اسی طرح کے تحائف مسٹر لیکی کو بھی پیش کیے گئے۔ اس کے بعد مہاراجہ نے اپنے ہاتھ سے مہمانوں پر عرق گلاب اور صندل کے تیل کا چھڑکاؤ کیا' چنانچہ تحائف پیش کرنے کی رسم مکمل ہو گئی۔

اگلی صبح میدان قواعد میں مہاراجہ کے گھڑسوار توپ خانے کا معائنہ ہوا۔ وہاں ۵۱ توپیں تھیں' جن کی کمان ایک مقامی افسر کر رہا تھا۔ ان کی نقل و حرکت میں بڑی پھرتی دکھائی دے رہی تھی۔ مہاراجہ نے کہا: "آپ جو اب یہ توپیں دیکھ رہے ہیں' ان میں سے ہر ایک پر افسروں اور جوانوں کی تنخواہ اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں میرے ۵ ہزار روپے سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ میرے پاس قلعہ شکن اور چھوٹی توپوں کے علاوہ ۱۰۰ توپیں ہیں' لہٰذا میرے فرانسیسی افسروں نے مجھے بتایا ہے کہ میرے پاس بہت زیادہ ہے"۔

مشن کے ارکان سے ۱۶ اگست کو الوداعی ملاقات کی گئی اور اس موقع پر لیفٹیننٹ برنز کی پرزور خواہش پر مہاراجہ کے جواہرات اور مشہور ہیرے "کوہ نور" کی نمائش کی گئی۔ اس کی جسامت مرغی کے انڈہ سے نصف تھی اور اس کی خوبصورتی اور شفاف پن بہت عمدہ تھا۔ وزن یہی کوئی ساڑھے تین روپے کے لگ بھگ تھا۔ اس کو ایک بازو بند میں جڑا گیا تھا۔ اس کے اطراف میں چڑیا کے انڈے کے برابر ہیرے جڑے گئے تھے۔ نمائش میں رکھے گئے جواہرات میں ایک بہت بڑا لعل بھی رکھا گیا تھا' جس کا وزن ۱۴ روپوں کے برابر تھا اور اس پر متعدد بادشاہوں کے نام کندہ تھے' جن میں اورنگ زیب اور احمد شاہ درانی کے نام بھی شامل تھے اور ایک بڑی جسامت اور ۱۱ روپوں کے وزن کے برابر پکھراج بھی تھا' جس کا حجم بلیئرڈ کے گیند سے نصف تھا۔ پھر مہاراجہ نے لیفٹیننٹ برنز کو سچے موتیوں کی ایک مالا مرحمت کی۔

اس نے اس کے ایک ہاتھ کی انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی پہنائی اور دوسرے ہاتھ کی انگشت شہادت میں زمرد کی انگوٹھی پہنائی۔ اس نے اسے چار دوسرے جواہرات (جن میں زمرد اور سچے موتی جڑے ہوئے تھے) بھی عنایت کیے۔ اس کے بعد سنہری کپڑے سے مزین ایک گھوڑا بھی پیش کیا گیا' جس کی لگام اور زین پر طلائی زیورات آراستہ کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ شالوں اور دیگر قیمتی ملبوسات کشمیر کی دستکاریوں پر مشتمل ایک خلعت بھی پیش کی گئی۔ اسی طرح مسٹر لیکی کو بھی ایک خلعت سے نوازا گیا اور دیگر مصاحبین میں تقسیم کرنے کے لیے ۲ ہزار روپے روانہ کیے گئے۔ بعد ازاں ایک دوستانہ خط تیار کیا گیا جسے ایک ریشمی تھیلے میں بند کر کے سچے موتیوں کی ایک ڈوری سے باندھا گیا تھا۔ یہ بادشاہ انگلستان کے وزیر کے نام تھا اور مہاراجہ کو بھیجے گئے خط کے جواب میں روانہ کیا گیا تھا۔ اس کو بزبان فارسی انتہائی پر تکلف انداز میں تحریر کیا گیا تھا۔ لیفٹیننٹ برنز کو اس میں باغ سخن کی بلبل اور شیریں بیانی کے پروار الفاظ کے پرندہ کا نام دے کر اعزاز بخشا گیا۔ خط کہتا ہے "بادشاہ انگلستان کے بھیجے گئے گھوڑوں کے نعل دیکھ کر نیا چاند حسد کے مارے زرد ہو گیا اور قریباً آسمان سے غائب ہو گیا"۔ یہ خط پیش کر کے مہاراجہ لیفٹیننٹ برنز سے بغلگیر ہو گیا اور کہا کہ گورنر جنرل تک میری طرف سے احترام اور خلوص کے اعلیٰ جذبات پہنچا دیں۔ لیفٹیننٹ برنز نے شملہ کی طرف جانے کے لیے اسی شام کو لاہور کو خیرباد کہا' جہاں اسے گورنر جنرل' لارڈ ولیم بینٹنک کو اس سفارت کے بارے میں بیان دینے کے لیے بلایا گیا تھا۔

یہاں یہ بات بیان کرنا بہت اہم ہو گا کہ سفارت (جس کا نہایت شان و شوکت سے استقبال کیا گیا تھا) لاہور سے اس کی روانگی کے بعد ان تحائف کا کیا کیا گیا' جو وقتی طور پر لاہور کے دربار کی زبردست توجہ کا مرکز بنے تھے۔ سانڈ گھوڑا' جو چھکڑے کے گھوڑوں کے ہمراہ تھا اور جو اپنے بڑے سر اور بڑی ٹانگوں کی وجہ سے قابل ذکر تھا' اسے نسل کشی کے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے بجائے ایک گھوڑا سدھانے والے کے ہاتھوں میں دے دیا گیا کہ وہ اسے چال سکھائے۔ یہ بھاری بھرکم جانور سکھوں کے لیے کسی خاص عجوبے سے کم نہیں تھا اور ہمیشہ محل کے صحن میں یا مہاراجہ کے خیمہ کے سامنے قیمتی جواہرات کے ہاروں اور طلائی زین سے آراستہ کھڑا رہتا تھا۔ گھوڑیوں کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا تھا اور گورنر جنرل کی بھیجی گئی بگھی کو بھی چند روز تک ایک عجوبہ کے طور پر دیکھ بھال کرنے کے بعد ایک بیکار چیز سمجھ کر الگ رکھ دیا گیا۔ یہی صورت حال ۱۸۱۰ء میں لارڈ منٹو کی طرف سے مہاراجہ کو بھیجی گئی زیبائشی بگھی کے ساتھ تھی' جسے لاہور کے عظیم اسلحہ خانہ میں پہلے ہی سے نظرانداز کر کے ڈال دیا گیا تھا۔

جون ۱۸۲۸ء میں پیرس کے رائل میوزیم آف نیچرل ہسٹری کے سفری فطرت پرست مونسیئر وکٹر جیکیو مونٹ کو اس ادارے کی کونسل نے ہندوستان کی تاریخ فطرت اور اس کے شعبوں میں تحقیق کرنے اور عجائب گھر کے لیے سامان اکٹھا کرنے اور سائنس کو ترقی دینے کے لیے ایک سائنسی سفارت پر مشرقی ممالک کی طرف روانہ کیا۔ ہندوستان کے مختلف حصوں کا سفر کرنے کے بعد یہ ممتاز فطرت پرست مارچ ۱۸۳۱ء میں سکھوں کے دارالحکومت کا دورہ کرنے کی غرض سے پنجاب پہنچ گیا۔ فقیر عزیز الدین کے بیٹے شاہ دین نے پھلور کے مقام پر اس کا عسکری اعزازات کے ساتھ استقبال کیا۔ لاہور میں بھی اس کا اسی طرح والہانہ استقبال کیا گیا اور اس کے ہموطنوں جناب ایلرڈ' ونتورا اور کورت نے اس کی تہہ دل سے خوب آؤ بھگت کی۔ وہ اپنے سفرنامہ میں بیان کرتا ہے کہ "اسے ایک پر تکلف نخلستان کے دروازے پر ٹھہرایا گیا جو گل لالہ' رنگ برنگے اور گلاب کے پھولوں پر مشتمل ایک بہت بڑا سبزہ زار تھا۔ اس کے ساتھ سنگترے اور یاسمین کے درختوں کی روشیں تھیں اور کناروں پر حوض تھے' جن میں چھوٹے فوارے ایک بہت بڑی تعداد میں چل رہے تھے"۔ یہ مشہور و معروف شالامار باغ تھا' جسے بہترین ذوق اور خوبصورتی کے ساتھ بنوایا گیا تھا۔ اس نے مہاراجہ سے کئی ملاقاتیں کیں اور اس سے گفتگو میں کئی گھنٹے گزارے۔ "de omnibus tebus et quibus dam aliis" سیاح لکھتا ہے "اس کی گفتگو ایک ڈراؤنے خواب کی طرح ہے۔ وہ ان ہندوستانیوں میں پہلا متجسس انسان ہے' جن سے میں مل چکا ہوں اور اس کا انوکھا پن اس کی پوری قوم کی لاپرواہی کے برابر ہے۔ اس نے مجھ سے ہندوستان' برطانیہ' یورپ' بوناپارٹ' اس دنیا کے متعلق (عموماً) اور اگلی دنیا کے بارے میں' دوزخ' جنت' روح' خدا' شیطان کے متعلق اور اسی نوعیت کے ہزاروں سوالات پوچھے"۔ مونسیئر جیکیو مونٹ' رنجیت سنگھ کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ وہ ایک غیر معمولی شخص ہے اور بوناپارٹ کی ہو بہو تصویر ہے۔ اس وقت مہاراجہ' لاہور سے روانہ ہونے والا تھا' لہٰذا اس نے مونسیئر ونتورا کو' خراج جمع کرنے کی غرض سے حکم دیا کہ وہ دس ہزار سپاہیوں اور تیس توپوں کے ساتھ 'ملتان کی طرف روانہ ہو۔ فرانسیسی سیاح نے کئی دنوں تک خوب آؤ بھگت کرانے کے بعد ' ۱۸ مارچ کو رخصت چاہی' لہٰذا اسے ۵۰۰۰ روپے کی ایک خلعت سے نوازنے کے علاوہ' ۱۱۰۰ روپے کی ایک تھیلی بھی عنایت کی گئی۔ اسے سکھ سلطنت کی سرحدوں تک بحفاظت پہنچانے کے لیے' سوار اور پیادہ سپاہیوں کی خدمات اس کے سپرد کر دی گئیں۔ اپریل ۱۸۳۱ء میں محکم چند کے بیٹے' دیوان موتی رام' فقیر عزیز الدین اور سردار ہری سنگھ نلوا پر مشتمل' سکھوں کے ایک

وفد نے مہاراجہ کی طرف سے لارڈ کے لیے خیر و عافیت اور حکومت برطانیہ کی خوشحالی و بھلائی کے لیے نیک خواہشات پہنچانے کے لیے تحائف کے ساتھ' ہندوستان کے گورنر جنرل' عزت ماب' لارڈ ولیم بنٹینک سے ملاقات کی۔ گورنر جنرل نے وفد کا پرتپاک استقبال کیا' انہوں نے سکھ مہاراجہ کے موافق میلان کو دیکھتے ہوئے اپنے اور مہاراجہ کے درمیان ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ رنجیت سنگھ کا بڑھتا ہوا عروج اور دریائے سندھ کی اس جانب اس کی حکومت کا قیام ایسے محرکات تھے' جن کی وجہ سے گورنر جنرل نے ایسے موقع پر رسمی ملاقات کی تجویز رکھی تھی۔ جب روس کے ایران کے خلاف منصوبوں کی تیاری اور مشرق کی جانب اس کی پیش قدمی' سیاسی حلقوں میں گرماگرم موضوعات بحث تھے' لٰہذا یہ مناسب خیال کیا گیا کہ دنیا کو باور کرا دیا جائے کہ دونوں ریاستوں میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ دوسری جانب' رنجیت سنگھ نے اپنے انگریز ہمسایہ سے اتحاد کرنے کے لیے اپنی اغراض کو مدنظر رکھا کیونکہ پنجاب خاص' میں اگرچہ اس کی حکومت کو غلبہ حاصل تھا' مگر دریائے سندھ کے پار علاقہ میں اس کے قدم جمانا ذرا مشکل تھا' لٰہذا وہ عوام الناس کو یہ باور کرانے کے لیے بہت بے چین تھا کہ ہندوستان کی غالب حکومت نے اسے خالصہ کا سربراہ تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ مہاراجہ کی خاص توجہ کا شکریہ ادا کرنے اور لارڈ اور اس کے درمیان ایک ملاقات کا اہتمام کرنے کی تجویز پیش کرنے کے لیے' کیپٹن ویڈ کو سکھوں کے دارالحکومت بھیجا گیا۔ مہاراجہ اپنے چند درباریوں (جن میں دلیر سردار ہری سنگھ نلوا سب سے ممتاز تھا) کی اختلاف رائے کے باوجود ملاقات کے لیے رضامند ہو گیا' لٰہذا دریائے ستلج کے کنارے پر واقع روپڑ کو مجوزہ ملاقات کے لیے انتہائی سہل مقام کے طور پر منتخب کر لیا گیا۔ ۱۶ اکتوبر کو امرتسر میں رام باغ کے اندر' حسب معمول انتہائی شان و شوکت کے ساتھ دسہرہ کا دربار منعقد ہوا' اس موقع پر سرداروں نے نذریں پیش کیں اور اپنے مہاراجہ سے خلعتیں وصول کیں۔ تقریبات کے اختتام پر جھنڈ کے راجہ سنگت سنگھ کو ایک مراسلہ روانہ کیا گیا' جس میں اسے روپڑ کی ملاقات کے لیے جالندھر میں مہاراجہ کے ساتھ ملنے کے لیے کہا گیا' لٰہذا مہاراجہ اپنی تیاری کر کے اپنے راجاؤں اور سرداروں کے ہمراہ' ۱۰۰۰۰ بہترین سوار' تربیت یافتہ ۶۰۰۰ پیادہ فوج اور توپ خانے کی دو بیڑیوں کے ساتھ' بذات خود اس طرف روانہ ہو گیا۔ برطانوی حکام نے روپڑ میں اس موقع کو زیب و زینت دینے کے لیے ہر طرح کا انتظام کر لیا۔ برطانوی افواج کے ساز و سامان کے لیے ہمیشہ سے مہاراجہ کی گہری دلچسپی' یورپی تربیت اور طریقہ جنگ کے انداز اور ایسے مواقعوں پر اس کے مشہور زمانہ تجسس میلان کو سامنے رکھتے ہوئے سرکاری حکام نے

جہاں تک ممکن ہو سکا، مختلف نوعیت کی افواج کے عظیم مظاہرے کے لیے خصوصی انتظامات کیے، یورپی نیزہ برداروں کے دو دستوں، ایک یورپی پلٹون، مقامی پیادہ فوج کے دو دستوں، سیکنز کی بے قاعدہ سوار فوج کے دو دستوں اور ایچ۔ ایم کی سولھویں نیزہ بردار فوج کے سوار دستے کو روپڑ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا گیا۔ مہاراجہ کا پڑاؤ دریائے ستلج کے مخالف کنارے پر لگایا گیا، پڑاؤ میں اس کی آمد کے فوراً بعد گورنر جنرل کی طرف سے اعلیٰ برطانوی افسران پر مشتمل وفد (جن میں میجر جنرل ریمسے، مسٹر پرنسپ، میجر کولون اور لارڈ کے چیف سیکرٹری شامل تھے) نے مہاراجہ کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے لیے ملاقات کی۔ مہاراجہ نے سلامی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور سروانہ (۴) کے طور پر ۱۰۰۰۰ روپے کی ایک تھیلی پیش کی۔ جب وہ واپس جانے لگے تو وفد کے ہر رکن کو جواہرات، شالوں اور گھوڑوں پر مشتمل ایک خلعت پیش کی گئی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد، مہاراجہ نے گورنر جنرل کا شکریہ ادا کرنے کے لیے، کنور کھڑک سنگھ کے ہمراہ، جھنڈ کے راجہ سنگت سنگھ، راجہ گلاب سنگھ، سردار عطر سنگھ سندھیانوالیہ، سردار شام سنگھ اٹاری والا اور ہری سنگھ نلوا کو روانہ کیا۔ ان میں سے ہر ایک نے گورنر جنرل کو ایک کمان اور سروانہ کے طور پر ۱۱۰۰ روپے پیش کیے اور اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹتے وقت انہیں خلعت سے نوازا گیا۔ اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ دونوں سرداروں کے درمیان ملاقات اگلی صبح ۲۶ اکتوبر کو ہونی چاہیے۔

اب تک تمام معاملات احسن طریقے سے انجام دیے جا رہے تھے کہ مہاراجہ کے ذہن میں اچانک تبدیلی واقع ہو گئی۔ اسے کسی دغابازی یا فریب کا شبہ ہوا، لہٰذا اس کے مشیروں نے اسے بتایا کہ اس نے ایک غیر ملکی مقام پر حکومت برطانیہ کے نمائندے سے ملاقات کرنے کے لیے اپنے علاقہ کو چھوڑ کر غیر دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ یا تو وہ گورنر جنرل سے امرتسر میں ملاقات کرے یا اس ملاقات کو ملتوی کر دے۔ شکوک و شبہات میں مبتلا مہاراجہ نے رات کے پچھلے پہر، مونسیئر الیرڈ کو بلا کر مطلع کیا کہ وہ اگلے روز کی ملاقات میں شریک نہیں ہو گا۔ اس افسر نے اپنے آقا کے خدشات کو دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور اسے اس بات پر آمادہ کرنے کے لیے بھرپور زور لگایا کہ کوئی ناخوشگوار واقع پیش نہیں آئے گا۔ وہ وہاں سے رخصت ہوا تو مہاراجہ ابھی تذبذب کا شکار تھا، لہٰذا اب نجومیوں کو بلوایا گیا۔ اپنی مقدس کتابوں سے رجوع کرنے کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ انگریز، مہاراجہ کے مخلص دوست ہیں اور یہ کہ یہ ملاقات، دونوں ریاستوں کے درمیان دوستی کو اور زیادہ مضبوط کرے گی۔ لیکن انہوں نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ گورنر جنرل سے ملاقات کے

وقت' اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک سیب اٹھا کر جائے اور جیسے ہی اس سے ملاقات ہو تو اسے ان میں سے ایک سیب دے دے اور دوسرا اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اگر عزت ماب گورنر جنرل صاحب بغیر کسی حیل و حجت کے اسے وصول کر لیں تو اس کے نتیجہ میں ملاقات بہت مناسب اور موزوں رہے گی اور کارروائی بلا خطر جاری رکھی جا سکے گی۔

اگلے روز' گورنر جنرل کی طرف سے ایک وفد نے مہاراجہ سے ملاقات کی تو ملاقات کے لیے تیاریاں کر لی گئیں۔ مہاراجہ نے صبح سویرے مونسیئر ایلرڈ کی ڈریگون فوج کے ۸۰۰ سپاہیوں کو پیشگی' پل کے پار روانہ کیا اور ان کے بعد' اپنی بہترین گھڑ چرا فوج کے ۳۰۰۰ سواروں کو روانہ کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ سب نے دریا کو پار کر لیا ہے تو اس نے ناشتہ کیا اور اپنے سرکردہ سرداروں کے ساتھ روانہ ہوا' تمام سردار' مہاراجہ کی طرح ہاتھیوں پر سوار تھے اور بسنتی رنگ کے لباس میں ملبوس تھے۔ جب تمام دریا کے پار چلے گئے تو اس نے حکم دیا کہ کسی کو بھی ریا کے پار نہ جانے دیا جائے' لہٰذا اس نے حکم پر عمل در آمد کی غرض سے مخالف کنارے پر ایک مضبوط حفاظتی دستہ تعینات کر دیا۔ کھلے میدان کو پار کرنے کے بعد' سکھ مہاراجہ اپنے دستے کے ہمراہ' گورنر جنرل کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا' جو تھوڑے فاصلے سے شروع ہو گیا تھا۔ برطانوی فوج کی قطاروں نے ایک راستے کی شکل بنا دی تھی۔

مہاراجہ نے ہر سپاہی کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ان سے ان کی ترتیب اور انداز تربیت کے بارے میں مختلف سوالات کیے' اس نے ہر اس عجیب و غریب چیز کے بارے میں دریافت کیا' جس میں اسے دلکشی نظر آئی۔ چنانچہ وہ آہستگی سے آگے بڑھتا ہوا گلی کے وسط میں پہنچ گیا۔ یہاں اس کی گورنر جنرل سے ملاقات ہوئی۔ آداب و تسلیمات کے تبادلہ کے بعد' مہاراجہ نے نجومیوں کی تلقین کے مطابق' سب سے پہلے گورنر جنرل کو اس وقت سیب پیش کیا جب دونوں سرداروں کے ہاتھی قریب آ گئے۔ سیب کو فوراً قبول کر لیا گیا۔ اس نیک شگون سے خوش ہو کر مہاراجہ' گورنر جنرل کے ھودا میں چلا گیا اور دونوں سردار' گورنر جنرل کے عملہ کے افسروں اور مہاراجہ کے جلو میں شامل سرداروں کے ساتھ اکٹھے ملاقات کے خیموں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہاتھی سے اتار کر مہاراجہ کو ایک بیرونی خیمے کی طرف لے جایا گیا' جہاں انگریز شرفاء اس موقع پر ملاقات کے لیے جمع ہوئے تھے اور جس وقت مہاراجہ ایک اندرونی خیمے کی طرف جانے لگا تو وہ کھڑے ہو گئے۔ اس خیمے میں مہاراجہ کے عملہ کے سرداروں اور اس کے افسروں کے لیے کرسیاں مہیا کی گئیں۔ اس نے اپنے سرداروں میں سے ہر ایک کا نام خود پکارا اور اس وقت تک خیمے میں داخل نہیں ہوا جب تک سب اندر جا کر اپنی کرسیوں پر نہ بیٹھ

گئے۔ گورنر جنرل اور مہاراجہ' پہلو بہ پہلو رکھی ہوئی شاہی کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔ انتہائی دلکش سماں دکھائی دے رہا تھا۔ سکھ سردار نہ صرف بسنتی رنگ کے لباس میں ملبوس تھے' بلکہ ان کی انتہائی چمکدار زرہ بکتر کے اوپر اسی رنگ کے رومال بھی تھے اور اس کے ساتھ' ان کے سروں' سینوں اور بازوؤں کو' ہیروں' لعلوں' زمردوں اور دیگر قیمتی پتھروں سے آراستہ کیا گیا تھا' اس سے یہ منظر حقیقی معنوں میں عظیم تر ہو گیا تھا۔ گورنر جنرل اور مہاراجہ کے درمیان دوستانہ گفتگو کے بعد' مہاراجہ اور اس کے ساتھیوں کے لیے تحائف لائے گئے اور دربار میں ان کی نمائش کی گئی۔ یہ ۵۱ طشتوں پر مشتمل تھے' ان میں کلکتہ' ڈھاکہ اور بنارس کی انواع و اقسام کی دستکاریاں' پارچات' قیمتی جواہرات' سچے موتیوں کے ہار' ہیروں کے جڑاؤ کے سرپیچ' ایک طرہ' بازوبند' جواہرات سے مزین ایک تلوار اور ایک خوبصورت بندوق کو قرینے سے سجایا گیا تھا۔ ان میں برما کے ایک بہترین ہاتھی اور حصار کے اسپ خانہ کے دو بہترین گھوڑوں کا بھی اضافہ کیا گیا تھا۔ انہیں مہاراجہ کے معائنہ کے لیے سامنے سے گزارا گیا۔ ولی عہد کے لیے' طلائی و نقرئی ساز اور قیمتی زیورات سے مزین ایک گھوڑے کے علاوہ' قیمتی پارچات اور جواہرات کے اکیس طشت رکھے گئے۔ سرداروں کے لیے بھی خلعت فاخرہ کا اہتمام کیا گیا۔ مہاراجہ نے اپنے تحائف کی ہر چیز کا بغور جائزہ لیا اور طشت برداروں اور خدمت پر مامور ملازمین کو دو ہزار روپے کی ایک تھیلی پیش کی۔ اس کے بعد ملاقات ختم ہو گئی اور مہاراجہ' بظاہر اس ملاقات سے بہت زیادہ خوش' تقریباً دوپہر کے وقت واپس اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ گیا۔ جب وہ برطانوی فوج کی گلی میں سے گزرا تو اس نے مختلف فوجیوں سے دوبارہ' ان کی ترتیب اور ساز و سامان کے بارے میں سوالات شروع کر دیے' جہاں اسے کوئی چیز دلکش یا دلچسپ معلوم ہوتی وہاں ٹھہر جاتا۔ تاہم' وہ اس وقت تک انگریزوں کے پڑاؤ سے رخصت نہیں ہوا جب تک گورنر جنرل سے اس رسمی دورے' اپنے پسندیدہ موضوع (گھوڑوں کے بارے میں) اور استقبالی خیمے کے دروازے پر' مہاراجہ کے سامنے ان کے معائنہ کے بارے میں بات نہیں کر لی۔ اپنے پڑاؤ میں پہنچنے پر مہاراجہ نے کشمیر میں تیار کردہ اور قیمتی پتھروں سے آراستہ' تین قلمدان' اپنے بااعتماد وزیر' فقیر عزیز الدین کے ذریعے گورنر جنرل کو بھیجے۔ ان میں سے ایک گورنر جنرل کے لیے' دوسرا ان کی بیگم کے لیے اور تیسرا' ان کے چیف سیکرٹری کے لیے تھا۔

اگلے روز عزت مآب گورنر جنرل نے مہاراجہ کی طرف جوابی دورہ کیا۔ ان کے استقبال کے لیے مہاراجہ کے پڑاؤ میں عظیم الشان تیاریاں کی گئی تھیں۔ ملاقات کے لیے مقررہ جگہ پر

کشمیری کام کی کڑھائی سے مزین خیمے نصب کیے گئے اور یہاں سے دریا کے کنارے تک' گورنر جنرل کے پڑاؤ کی طرف کے رخ' فوجیوں کی دوہری قطار ایستادہ کی گئی تھی۔ جب ہر چیز مکمل ہو گئی تو ولی عہد سلطنت شہزادہ کھڑک سنگھ اور شہزادہ شیر سنگھ نے گورنر جنرل کو سکھ پڑاؤ میں لانے کے لیے دریا کو پار کیا۔ گورنر جنرل نے سواروں کے پہرے سے آگے نیزہ برداروں اور سوار سپاہیوں کی حفاظت میں دریا کو عبور کیا۔ مہاراجہ نے بذات خود' کشتیوں کے پل پر ان سے ملاقات کی اور آداب و تسلیمات کے تبادلے کے بعد' وہ مہاراجہ کے ھودا پر بیٹھ گئے۔ جب دونوں سردار تشریف فرما ہو گئے تو وہاں حاضر' توپ خانے نے ایک شاہی سلامی دی اور فوجیوں نے ہتھیار پیش کیے۔ گورنر جنرل اور مہاراجہ آہستگی کے ساتھ درباری خیموں کی طرف گامزن ہوئے' جنہیں پر تکلف انداز میں آراستہ کیا گیا تھا۔ مہاراجہ' برطانوی فوج' خاص طور پر اپنے آگے چلتے ہوئے بینڈ کی وضع قطع سے بہت زیادہ متاثر ہوا' اس نے دیکھا کہ جس وقت یہ وفد پل کے اوپر سے گزر رہا تھا تو بینڈ اس دوران' دریا کے کنارے پر انتہائی دلچسپی اور خوشی کے ساتھ دھن بجا رہا تھا۔ سکھوں کے پڑاؤ میں' خوبصورت کشیدہ کاری سے مزین قناتوں' شامیانوں اور خیموں نے ایک بہت بڑی جگہ کو احاطہ کیا ہوا تھا۔ جس خیمے میں گورنر جنرل اور مہاراجہ تشریف فرما ہوئے' اسے سچے موتیوں اور جواہرات سے آراستہ کیا گیا تھا۔ فرش کے کپڑا پر ریشمی کشیدہ کاری' انتہائی پر تکلف انداز میں طلائی اور نقرئی کام کے ساتھ کی گئی تھی۔ ایک طرف' ایک چھپر کھٹ رکھا ہوا تھا' جسے انتہائی عمدہ زر بفت کے پردوں اور انتہائی قیمتی موتیوں اور لعلوں کی جھالروں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ گورنر جنرل کو ایک تخت پر نشست مہیا کی گئی تھی' جس پر سنہری دھاگے کا کام کیا گیا تھا۔ مہاراجہ' تخت کے دائیں جانب ایک طلائی کرسی پر بیٹھا۔ جب سب حضرات بیٹھ گئے تو مہاراجہ نے ریاست کے تمام سرداروں کو گورنر جنرل کے سامنے باری باری پیش کیا اور ان میں سے ہر ایک نے گورنر جنرل اور مہاراجہ' دونوں کو طلائی مہر کی نذر پیش کی' جسے چھو کر وصول کر لیا جاتا۔ ان سرداروں کو لدھیانہ میں مقیم' اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ' کیپٹن (بعد ازیں) سر کلاڈ ویڈ نے متعارف کرایا۔ انہوں نے چلتے ہوئے ہر ایک کے بارے میں مختصراً بیان کیا۔ اس کے بعد' مہاراجہ کے شاندار ساز و سامان سے مزین گھوڑوں کو لایا گیا اور انہیں معائنے کے لیے سامنے سے گزارا گیا۔ مہاراجہ نے حسب معمول ہر ایک کا نام اور خصوصیات بیان کیں' خوش گپیوں میں ایک گھنٹہ گزر گیا اور پھر رقاصاؤں کو لایا گیا۔ رنگ برنگے زرق برق لباس میں ملبوس ان رقاصاؤں کی موجودگی سے محفل کی رونق دوچند ہو گئی اور نہایت

مسحور کن سماں پیدا ہوگیا۔ جب رخصتی کا وقت آیا' تو گورنر جنرل اور ان کے عملہ کے لیے تحائف کو سامنے لایا گیا۔ گورنر جنرل کے لیے تحائف کو ۱۰۱ طشتوں میں سجایا گیا تھا اور یہ کشمیر اور پنجاب کے دیگر مقامات کے قیمتی پارچہ جات' جواہرات اور مختلف جسامت کے سات ہیروں پر مشتمل تھے۔ اس کے علاوہ دس بندوقیں' ایک تلوار' دو کمانیں بمعہ تیروں کے' ایک ڈھال' ان سب میں قیمتی پتھر جڑے گئے تھے' سونے اور چاندی کے متعدد برتن اور طلائی و نقرئی کپڑے کے پردوں سے مزین ایک چھپر کھٹ بھی تھا۔ ان میں شاندار ساز سے آراستہ دو بہترین گھوڑوں اور نقرئی ھودا سے آراستہ ایک ہاتھی کا اضافہ بھی کیا گیا تھا۔ گورنر جنرل کے عملہ کے افسروں کو بھی مختلف مالیت اور نوعیت کے تحائف دیے گئے اور اس کے بعد معزز مہمانوں کو عطر اور پان پیش کیے گئے' اس کے بعد محفل برخاست ہوگئی اور گورنر جنرل' شہزادہ کھڑک سنگھ اور شہزادہ شیر سنگھ کے ہمراہ اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ گئے۔

اگلے چار روز' شام کی تقاریب اور فوجوں کے معائنہ میں صرف ہوئے۔ ۳۱ اکتوبر کو مہاراجہ نے دریا کے پار' چھروں اور چاند ماری کی چند مسلح مشقوں کا مشاہدہ کیا۔ اس چھ پنیوں میں سے ایک کے ساتھ ایک چھتری کو نشانہ بنایا گیا' اس کے بعد مہاراجہ کی خدمت میں حاضر سرداروں نے گھڑ سواری اور پھرتی کے کمالات کا مظاہرہ کیا۔ سب سے پہلے' راجہ دھیان سنگھ (جو ایک اچھا کھلاڑی تھا) نے گھڑ سواری' نشانہ بازی اور تلوار بازی کے فن کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد بالترتیب' راجہ سوچیت سنگھ' راجہ گلاب سنگھ' سردار ہری سنگھ نلوا' جنرل الٰہی بخش' جنرل ونتورا اور جنرل ایلرڈ بھی آئے۔ ان میں سے ہر ایک نے عسکری کمالات میں انتہائی مہارت اور چابکدستی کا مظاہرہ کیا۔ سب سے آخر میں خود مہاراجہ گھوڑے پر بیٹھ کر آیا۔ میدان میں پیتل کا ایک برتن رکھ دیا گیا اور مہاراجہ نے سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے ننگی تلوار کی نوک سے تین مرتبہ اسے اوپر اٹھایا۔ اس نے کرنل سکنر کی فوج کے ساتھ مل کر گھڑ سواری کے کمالات کا مظاہرہ بھی کیا۔ سکھ سرداروں اور خاص طور پر مہاراجہ کے کرتبوں کے مظاہرہ پر' انگریز تماشائیوں نے خوب داد دی۔ اس موقع پر گورنر جنرل نے مہاراجہ کو ۲ پانچ پنی گھڑ چڑھ توپیں بمعہ گھوڑوں اور ساز و سامان کے پیش کیں۔

گورنر جنرل اور مہاراجہ کے درمیان الوداعی ملاقات' اسی روز کی شام (۳۱ اکتوبر) کو لارڈ کے پڑاؤ میں ہوئی۔ گورنر جنرل نے مہاراجہ کو اس موقع پر ساختہ کلکتہ ایک آہنی معلق پل کا ماڈل پیش کیا' جسے اسی مقصد کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ چنانچہ مہاراجہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ مہاراجہ ملاقات کے دوران' نہایت مستعد رہا اور اس نے برطانوی فوج کے نظم و نسق

اور تربیت کے متعلق' مختلف درجوں کے افسران کی تنخواہ' توپوں کے انتظام اور ہر گولی میں دھات کے وزن کے بارے میں بہت زیادہ تجسس کا اظہار کیا۔ وہ انگریزی فوجیوں کی نقل و حرکت سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ ان تمام تقریبات کے بعد' اسی رات کو حکومت برطانیہ اور مہاراجہ کے مابین دائمی دوستی کے لیے ایک نئے معاہدے کو تیار کرنے کے بعد اس پر متعلقہ فریقین نے دستخط کیے۔ یہ ۱۸۰۹ء کے معاہدے کی محض تجدید تھی' اس میں صرف دریائے سندھ کی جہاز رانی کے متعلق دفعات کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اگلی صبح یعنی یکم نومبر' ۱۸۳۱ء کو دونوں پڑاؤ اٹھالیے گئے اور مراجعت شروع کر دی۔

روپڑ میں ملاقات پر' رنجیت سنگھ نے دو اعلیٰ افسران کو اپنے پڑاؤ میں مدعو کیا' جن کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ انہیں گورنر جنرل کا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اعتماد حاصل ہے' ان میں سے ایک گورنر جنرل کا سرکاری سیکرٹری تھا۔ اس نے ان افسران کے ساتھ' سندھ کے امور کے بارے میں طویل گفتگو کی اور بڑی بے تکلفی سے اظہار کیا کہ وہ اس ملک کے بارے میں کس قسم کے خیالات رکھتا ہے۔ اس نے اس ملک کی دولت' اس کے وسیع و عریض وسائل اور میروں کی قیادت میں حکومت کی ابتر حالت کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے خزانوں کا لالچ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ انہیں وہاں' ہندوستان پر نادر شاہ کے حملہ کے وقت سے جمع کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ اس ملک کو باآسانی فتح کیا جاسکتا ہے' کیونکہ اس کی کوئی باقاعدہ فوج اور سپاہی نہیں ہیں۔ اس نے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ حال ہی میں سندھ کے میروں نے لیفٹیننٹ برنز کو اپنے علاقہ سے گزرنے کی اجازت نہ دے کر کس قسم کے رویہ کا اظہار کیا ہے' اور اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک "کچھ" میں برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ نے پرزور التجا نہیں کی۔ چنانچہ اس نے انگریزوں کے ساتھ مل کر مشترکہ طور پر سندھ کے میروں کے خلاف حملہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ تاہم گورنر جنرل چونکہ یورپ اور ہندوستان کے درمیان تجارت کے لیے دریائے سندھ کے زیریں حصے کو کھولنے کے لیے میروں کے ساتھ گفت و شنید کرنے کی غرض سے کرنل پوٹینگر کو ایک سیاسی مشن پر سندھ کے دربار میں روانہ کر چکے تھے' لہٰذا مہاراجہ کے ساتھ کسی قسم کے گٹھ جوڑ کو مناسب خیال نہ کیا گیا کہ مبادا کہیں وہ خفیہ طریقے سے حکومت برطانیہ کے پرامن اور فائدہ مند منصوبے میں مزاحم ہونے کی کوشش نہ کرے۔

۹ نومبر کو مہاراجہ' کپور تھلہ پہنچا' جہاں وہ سردار فتح سنگھ آہلووالیہ کا مہمان تھا۔ سردار نے مہاراجہ کے استقبال کے لیے عظیم الشان تیاریاں کی تھیں۔ لہٰذا مہاراجہ اور اس کے سردار

ان رنگ رلیوں میں غرق ہو گئے جو ان کے لیے فراہم کی گئی تھیں۔ امرتسر میں حاضری اور وہاں دربار صاحب میں اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کے بعد مہاراجہ ' ۱۶ تاریخ کو واپس لاہور آگیا' اس وقت شہزادہ شیر سنگھ کو حکم دیا گیا کہ وہ وادی کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے کشمیر جائے۔ اسی دوران شہزادہ کھڑک سنگھ کو' ٹانک اور بنوں کے ملکوں اور اخوان سے چندے اور نذرانے وصول کرنے کے لیے ان اضلاع کی طرف روانہ کیا گیا۔ اسی سال' حاکم قندھار' سردار پر دل خاں کا نمائندہ میراخور' اپنے آقا کی طرف سے گھوڑوں کے ایک تحفہ کے ساتھ' لاہور کے دربار میں پہنچا' لہٰذا اسے اس کے بدلہ میں تحائف عنایت کیے گئے اور اس ملک سے روانگی کے وقت خلعت فاخرہ سے نوازا گیا۔ بہاولپور کے نواب صادق محمد خاں (جسے دو لاکھ اور پچیس ہزار روپے سالانہ ادائیگی کے عوض ڈیرہ غازی خاں کا ضلع پٹے پر دیا گیا تھا) نے دو سال کی ادائیگی روکی ہوئی تھی' چنانچہ جنرل ونتورا کو ایک فوج کے ہمراہ' خراج وصول کرنے کے لیے بہاولپور کی جانب روانہ کیا گیا۔ نواب ابھی تک مطلوبہ رقم جمع کرانے میں ناکام رہا' تو اس کی جائیداد' جس کی مالیت چھ لاکھ روپے تھی' ضبط کر لی گئی۔

اسی سال دسمبر میں' لاہور کے دربار میں' ہندوستان کے گورنر جنرل کی طرف سے ایک مراسلہ موصول ہوا' جس میں لاہور کے مہاراجہ کے وسیع و عریض خیالات پر گورنر جنرل کی مسرت کا اظہار کیا گیا' کیونکہ مہاراجہ نے کچھ عرصہ پہلے ایک دخانی کشتی کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی' اس سے اس کے روشن اور بلند خیالات کا ثبوت ملتا ہے' لہٰذا تجویز پیش کی گئی کہ دونوں ریاستوں کے درمیان تجارتی تعلقات گہرے اور مضبوطی سے قائم ہو سکتے ہیں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد' لدھیانہ میں پولیٹیکل ایجنٹ' کیپٹن ویڈ نے سندھ کی طرف کرنل پوٹینگر کے مشن کے مقصد سے مہاراجہ کو آگاہ کرنے کے لیے لاہور میں رنجیت سنگھ کے پاس رسمی دورہ کیا اور اسی منصوبہ کے متعلق' ستلج کی آزادانہ جہاز رانی سے متعلق اسے تجویز بھی پیش کی۔ اس موقع پر حکومت ہند ان خیالات کا اظہار کر رہی تھی (جن کی کوئی بنیاد نہیں تھی) کہ اسے پنجاب کے دریاؤں پر جہاز رانی کے لیے گنگا تک بالادستی حاصل ہے' لہٰذا اس تجویز کو تجارتی و سیاسی اغراض کے ساتھ ساتھ' ایران میں روس کے اثر و رسوخ اور اپنی حکومت کو مشرق اور جنوب میں مزید توسیع دینے کے امکان کے پیش نظر بہانہ بنایا گیا تھا۔ اگرچہ دریائے سندھ کے مغربی علاقوں میں انگریزی تسلط کی خواہش اور ان علاقوں میں انگریزی تجارت کو فروغ دینے کے لیے ذرائع اختیار کرنا' واضح طور پر ہندوستان کی سلطنت کی حفاظت اور مفاد کے لیے تھا' حالانکہ ان کارروائیوں سے آگاہ کرنے کے لیے نہ تو یہ ضروری تھا اور نہ ہی اس کی خواہش

تھی کہ سکھ حکومت جیسی مخالف حکومت کو پیدا کیا جائے۔ خاص طور پر اس وقت جب دونوں کے مفادات' واضح طور پر متصادم تھے' مہاراجہ کے شکوک و شبہات دور نہیں ہوئے تھے اور اس نے محسوس کیا کہ انگریزوں نے اس علاقے کے خلاف اس کے اپنے وہی منصوبے بنانے شروع کر دیے ہیں جو وہ کافی عرصہ سے بنا رہا تھا۔ لیکن وہ انگریزوں کی حکومت کا لحاظ کرنا سیکھ چکا تھا' لہٰذا وہ سندھ کے خلاف اپنے مقدم محرکات کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے روپڑ میں 'گورنر جنرل سے ملاقات پہ کہا تھا کہ سندھ کے وکیل اس کے پڑاؤ میں حاضر ہیں' لہٰذا اس نے ان سے دریافت کیا کہ اگر آپ چاہیں تو میں حضور والا سے ان کو متعارف کروا سکتا ہوں۔ اس سوال کا جواب نفی میں دیا گیا لیکن اس وقت ہر کوئی سمجھ سکتا تھا کہ لاہور کے فریبی مہاراجہ کا اس بحث سے کیا مطلب ہے۔ اس موقع پر اس نے کیپٹن ویڈ سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ اسے شکار پور پر بالادستی حاصل ہے اور اپنے حق میں دلائل دیتے ہوئے اس نے بارک زئیوں کی برتر حکومت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ محمد عظیم خاں اور اس کے بھائیوں نے ابتداء میں کٹھ پتلی بادشاہ' شاہ ایوب کے تابعداروں کی حیثیت سے اس علاقے پر قبضہ رکھا تھا۔ سندھ کے خلاف انگریزوں کے ساتھ مشترکہ پیش قدمی میں تعاون کرنے کے لیے اس کی درخواست پر کان نہیں دھرا گیا اور وہ یہ جانتا تھا کہ اس ملک کے معاملات کے متعلق' حکومت برطانیہ کے منصوبہ میں مزاحمت کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اب اس نے حیدر آباد کے میر مراد علی کو ڈیرہ غازی خاں کا ٹھیکہ دینے کے لیے تجاویز پیش کیں۔ لیکن اس کے تمام منصوبے ناکام ہو گئے تو حکومت ہند کی رائے پر کافی غور و خوض کیا گیا' لہٰذا رنجیت سنگھ نے اپنے حلیفوں کی پرامن تدابیر میں مزاحم ہونے کو دانشمندانہ یا سہل خیال نہ کیا۔ چنانچہ اس نے مشترکہ جہاز رانی کے لیے ستلج اور سندھ کو کھولنے کے لیے رضامندی ظاہر کر دی' اس کی نگرانی مٹھن کوٹ میں مقیم ایک برطانوی افسر کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن اس نے برطانوی افسر سے اس حقیقت کو پوشیدہ نہیں رکھا کہ حکومت برطانیہ کے تجارتی منصوبوں نے دریائے سندھ کے مغرب میں اس کے سیاسی منصوبوں اور کارروائیوں کو قائل کر لیا ہے۔

چار ماہ بعد' اپریل ۱۸۳۲ء میں' کرنل پوٹینگر کے توسط سے حکومت برطانیہ اور سندھ کے میروں کے مابین ایک معاہدہ طے پا گیا' جس کی رو سے میر' سندھ کی سڑکوں اور دریا کا راستہ' ہندوستان کے سوداگروں اور تاجروں کے لیے کھولنے پر رضامند ہو گئے۔

جنوری ۱۸۳۲ء کے ابتدائی حصہ میں' لیفٹیننٹ الیگزینڈر برنز' ایک اولوالعزم اور قابل افسر (جنہوں نے گزشتہ برس لاہور کے دربار میں سفارت کی قیادت کی تھی اور جو دربار لاہور

کے ساتھ معاملات کے بارے میں بیان دینے کے لیے لارڈ ولیم بینٹنک کے پاس شملہ گئے تھے) کابل' قندوز' بلخ اور بخارہ کی طرف جاتے ہوئے (جہاں انہوں نے ہندوکش سلسلہ کے راستے سے پہنچنا تھا) لاہور پہنچے۔ ان کے سفر کا مقصد ان ملکوں کی حالت کے بارے میں اور ان کے راستہ کے متعلق معلوم کرنا تھا۔(۵) ان کا والہانہ استقبال کیا گیا اور وہ شیولیئر مونسیئر الیرڈ کے مہمان بنے۔ انہوں نے مہاراجہ سے کئی ملاقاتیں کیں' جس نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ مہاراجہ نے ہندوستان کے گورنر جنرل کے ساتھ پہلی مرتبہ ملاقات پر اطمینان کا اظہار کیا اور اس نے لیفٹیننٹ برنز کے آئندہ سفر کے اغراض و مقاصد کے متعلق سوالات کیے۔

مہاراجہ نے اپنے معزز مہمان کو رات کے وقت' شیش محل یا ثمن برج میں الوداعی ضیافت دی' اس وقت محل کو مومی شمعوں سے انتہائی شاندار انداز میں روشن کیا گیا تھا' مختلف رنگوں کے پانی سے لبریز بوتلیں' روشنی کے قریب رکھی گئیں' جس سے نظارے کی شان و شوکت میں چار چاند لگ گئے۔ مغلیہ شہنشاہوں کی قدیم نشست گاہ' ایوان عظیم (جو سنگ مرمر کے محرابی ستونوں کی قطار کے سامنے تھا) سے' مہمان کو مہاراجہ کی خوابگاہ' ایک چھوٹے سے کمرہ میں لے جایا گیا' جہاں رات کی رنگ رلیوں نے منعقد ہونا تھا۔ مہاراجہ کا چھپر کھٹ' جو کمرے کے ایک کونے میں رکھا گیا تھا' مکمل طور پر سونے سے ڈھکا ہوا تھا' سائبان بھی ایک بہت بڑی طلائی چادر کی شکل میں موجود تھا۔ یہ تقریباً دس انچ بلند طلائی ستونوں پر استادہ تھا۔ کشمیری شالوں پر مشتمل پردوں پر سنہری کشیدہ کاری کی گئی تھی اور اس پر چھپر کھٹ کے ستونوں اور ٹانگوں سے اس کی شاخ دار موم بتیوں تک ہر چیز سونے کی تھی۔ مہمانوں کے لیے کرسیاں (جن میں کیپٹن ویڈ اور ڈاکٹر مرے بھی شامل تھے) سونے اور چاندی کی تھیں۔ شاہی میزبانوں نے کابلی انگوروں سے کشید شدہ شراب کے جام آزادی سے پیش کیے' جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا نشہ بہت تیز تھا اور وہ برانڈی سے زیادہ طاقتور تھی۔ رنجیت سنگھ نے خوب جام لنڈھائے اور مہمانوں کو اپنے ابتدائی کارناموں کا دلچسپ بیان سنایا اور اپنی نجی زندگی سے وابستہ کئی واقعات کا ذکر کیا۔ اس نے کہا کہ اس کی طرف سے مختلف مواقعوں پر اس کے تین سردار کام آئے۔ اس نے اپنی سمجھ بوجھ سے اپنی فوج کی دو بغاوتوں کو فرو کیا اور ایک موقع پر اسے اپنے مدمقابل کو للکارنا پڑا کہ وہ جھگڑے کا فیصلہ انفرادی لڑائی سے کر لے۔ نصف شب کے بعد' رقاصاؤں کی بناوٹی لڑائی اور ایک پر تکلف کھانے کے ساتھ ضیافت کا اختتام ہو گیا۔

لیفٹیننٹ برنز نے میدان قواعد میں ۱۰ فروری کی شام کو مہاراجہ سے رخصت چاہی' جہاں

اس کے سپاہی یہ دکھانے کے لیے جمع ہوئے تھے کہ انہوں نے گولے پھینکنے میں کس قدر ترقی کرلی ہے۔ اس نے برطانوی افسر کی حفاظت اور قریبی راجاؤں اور خیبری ڈاکوؤں کی طرف سے قابل احترام برتاؤ کی یقین دہانی کرانے کے لیے پشاور، کابل کے سرداروں کے علاوہ، دریائے سندھ کے پار متعدد شخصیات کے لیے خطوط تیار کروائے۔ اس نے سرحد اور اپنے دارالسلطنت کے درمیان، جملہ سرداروں اور راجاؤں کے لیے بھی احکامات جاری کیے، ان کو تلقین کی کہ وہ برطانوی افسر سے قابل احترام برتاؤ کو اپنا فرض سمجھیں اور انہیں تمام ضروریات مہیا کریں۔ اس کے بعد، ہاتھی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس نے مہم کے ہر رکن سے خلوص دل کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے الوداع کہا۔ اس نے خاص طور پر لیفٹیننٹ برنز سے درخواست کی کہ وہ اکثر اسے خط لکھیں اور جن ممالک میں بھی جائیں وہاں کا حال بتائیں۔ ان کی سیاست اور رسم و رواج کے متعلق بتائیں اور جس علاقہ میں بھی ہوں، اسے فراموش نہ کریں۔ اولوالعزم اور صاحب دل لیفٹیننٹ برنز لکھتے ہیں: "اس کے علاقوں سے بہت زیادہ دور ہوتے ہوئے بھی ہم نے اس کی درخواست کو فراموش نہیں کیا، ہم نے تاتار اور بخارہ کے صحراؤں میں، رنجیت سنگھ کے مراسلات وصول کیے"۔ وہ کہتے ہیں: "میں کسی بھی ایشیائی باشندے سے، اس شخص سے زیادہ تاثرات کے ساتھ رخصت نہیں ہوا۔ بغیر تعلیم اور بغیر رہنمائی کے وہ اپنی سلطنت کے جملہ امور کی انجام دہی بے مثال سمجھ بوجھ اور طاقت کے ساتھ کرتا ہے، چنانچہ وہ اپنی حکومت کو جس اعتدال پسندی کے ساتھ چلاتا ہے، کسی مشرقی بادشاہ میں اس کی مثال نہیں ملتی"۔ یہ رائے، ایک باکمال انگریز سیاح، پنجاب میں سکھ بادشاہت کے بانی کے متعلق رکھتا تھا۔ چونی لال جمعدار کو سواروں کے ایک دستہ کے ہمراہ، لیفٹیننٹ برنز اور ان کے عملہ کو دریائے سندھ تک بحفاظت لے جانے کے لیے روانہ کیا گیا۔

دربار ابھی امرتسر میں تھا کہ مہاراجہ نے اپنے ایک پرانے اور قابل ترین سردار کے انتقال کی افسوس ناک خبر سنی۔ وہ دیسہ سنگھ مجیٹھیہ تھا، جسے مہاراجہ سے تقریباً ۲۵۰۰۰، روپے سالانہ مالیت کی جاگیریں اور عطیات حاصل تھے۔ وہ کانگڑا اور ملتان کی مہمات میں بڑی کامیابی سے لڑا تھا اور کافی عرصہ سے پہاڑی ریاستوں میں، مہاراجہ کا حاکم چلا آ رہا تھا۔ اس کا بیٹا لہنہ سنگھ، اس کی جاگیروں اور اعزازات میں اس کا جانشین بنا، لہٰذا مہاراجہ نے اسے "کثیر الاعتقاد" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ مہاراجہ نے لہنہ سنگھ کے لیے، قیمتی کپڑے کے گیارہ پارچات پر مشتمل ایک خلعت فاخرہ، ایک جگھا (ایک طلائی زیور جو پگڑی پہ پہنا جاتا ہے) ایک

طرہ اور طلائی آویزوں کا ایک جوڑا روانہ کیا اور اسے راوی اور ستلج کے درمیان پہاڑی علاقے کا حاکم مقرر کیا گیا۔ وہ اس عہدہ پر ۱۸۴۴ء کے آغاز تک فائز رہا۔ تاہم سردار پہاڑوں میں نہیں بلکہ امرتسر یا مجیٹھیہ میں رہائش رکھتا تھا اور اپنے زیر انتظام ریاستوں میں حسابات کا جائزہ لینے اور ضروری انتظامات کرنے کے لیے مقررہ دورے کرتا تھا۔ امرتسر میں اس کے پاس دربار صاحب کا انتظام تھا' یہ ایک باوقار عہدہ تھا جس پر اس سے قبل اس کا والد متمکن تھا۔ ان تمام اعزازات کے بدلہ میں یقیناً اسے مہاراجہ کو ایک اچھا خاصا نذرانہ پیش کرنا تھا' جو جانشینی کے تمام معاملات میں بطور تحائف یا نذرانہ بہت بڑی رقمیں وصول کرتا تھا۔

سندھ کے میر رستم علی اور میر مراد علی کے وکلاء آسامند اور محمد درویش کو ان کے آقاؤں کے لیے خلعت عنایت کر کے واپس ان کے وطن جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اسی اثناء میں حاکم پشاور سردار سلطان محمد خاں کا میراخور اور سردار ہری سنگھ نلوا کا وکیل پچاس گھوڑوں' پچیس خچروں اور اسی قدر اونٹوں کے ساتھ لاہور پہنچے' جو یوسف زئی اور چک ہزارہ کے افغانوں نے بطور خراج روانہ کیے تھے۔ سلطان محمد خاں نے مہاراجہ کے ذاتی استعمال کے لیے ایک بہترین گھوڑا "پری پرواز" بھیجا' لہٰذا مہاراجہ اس کی خوبصورتی سے بہت خوش ہوا۔ جنرل ونتورا نے سانگھڑ کے نواب اسد خاں کے بیٹے ذوالفقار خاں کو قیدی بنا کر لاہور بھیج دیا۔ سردار کے گھوڑوں' خچروں' اونٹوں اور عسکری ذخائر کی ایک بہت بڑی تعداد کو ضبط کر لیا گیا اور لاہور آنے پر انہیں مصر بیلی رام توشہ خانیہ کے حوالے کر دیا گیا۔

قطب الدین خاں قصوریہ' جو ممدوٹ کے قبضہ کے لیے اپنے بھتیجے فتح دین خاں کے ہاتھوں شکست فاش کھانے کے بعد امرتسر آ گیا تھا اور اس وقت سے وہیں رہ رہا تھا' اسی سال کے دوران اس کا امرتسر میں انتقال ہو گیا۔ اس کے وکیل چرت رام کو حکم دیا گیا کہ وہ مرحوم نواب کی نعش کو دفن کرنے کے لیے ممدوٹ پہنچا دے۔

سال کے اختتام پر پہاڑوں کے یوسف زئیوں نے دوبارہ گڑبڑ شروع کر دی۔ ۱۵ ہزار کے دستے پر مشتمل یہ پہاڑی باشندے پینڈا خاں اور فتح خاں کی قیادت میں دربند اور جہانگیر آباد کے نزدیک جمع ہوئے اور ہری سنگھ نلوا کی قیادت میں سکھ فوج کو گھیرے میں لے لیا اور سکھ پڑاؤ پر شب خون مار کر ان کی ایک بہت بڑی تعداد کو تہ تیغ کر دیا۔ مہاراجہ نے یہ خبر سننے کے فوراً بعد سردار فتح سنگھ مان' دھونکل سنگھ اور گنگا سنگھ کی قیادت میں نجیب پلٹنوں کو میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند ہفتوں میں اس گڑبڑ کو فرو کر دیا گیا اور پہاڑی باشندے زبردست ہزیمت اٹھا کر اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ گئے۔ بعد ازیں ہری

سنگھ نے اٹک سے اوپر مسلمان قبائل کو شکست دے دی اور دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر ایک قلعہ تعمیر کرکے ان کی بہتر اطاعت گزاری کا یقین دلایا۔

سال کے اختتام پر سدا کور' جسے ۱۸۲۰ء سے سنگین قید میں رکھا گیا تھا' امرتسر میں انتقال کر گئی۔ مہاراجہ نے فوراً بیلی رام کو متوفیہ کے ترکے کی قیمتی اشیاء اور جائیداد کو ضبط کرنے کے لیے امرتسر روانہ کیا۔ اس کی آخری رسومات شہزادہ نونہال سنگھ نے ادا کیں' لہٰذا مہاراجہ بذات خود امرتسر گیا اور آنجہانی رانی کے رشتے داروں سے تعزیت کرنے کے لیے اس کے گھر گیا۔ اس کے بعد اس کی سرکردہ کنیز مائی دسی کو بلایا گیا کہ وہ اس کی تمام املاک اور قیمتی اشیاء حوالے کر دے۔ چنانچہ رانی کے نجی کمروں کی کڑی تلاشی لی گئی تو اس کی ملکیت میں دو لاکھ روپے مالیت کے اثاثے تلاش کر لیے گئے۔ انھیں بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ ضبط شدہ جواہرات میں ساٹھ ہزار روپے مالیت کے سچے موتیوں کا ایک ہار بھی تھا۔

بلوچستان کی سرحد سے دریائے کابل تک پھیلی ہوئی ایک افغان بادشاہت کے دل نشین خواب کو' جلاوطن بادشاہ' شاہ شجاع نے ابھی تک فراموش نہیں کیا تھا' جو لدھیانہ میں اپنے نابینا بھائی کے ساتھ اب انگریزوں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ فارغ اوقات میں وہ فتح اور علاقائی سرفرازی کے لیے منصوبے تیار کرتا تھا' لہٰذا اس نے رنجیت سنگھ (جس نے وقتی طور پر اسے بے فائدہ امیدوں سے بہلایا تھا) سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دونوں سرداروں کے درمیان ۱۸۳۲ء میں اس وقت دوستانہ تعلقات پیدا ہوئے جب ہرات کے خلاف ایرانیوں کی پیش قدمی نے کھوئی ہوئی بادشاہت کے خلاف منصوبہ بندی کرنے کے لیے شاہ کی مزید حوصلہ افزائی کی۔ شاہ نے آدمیوں اور روپے پیسے کی صورت میں امداد کے بدلے میں تجویز پیش کی کہ وہ دریائے سندھ کے مغرب میں واقع مہاراجہ کے مقبوضہ علاقوں کے تمام دعووں سے مستقل طور پر دستبردار ہو جائے گا' جو اصل میں درانیوں کی کابل بادشاہت کا جزو لاینفک ہیں اور مشہور ہیرے "کوہ نور" کے حق سے بھی بری الذمہ ہو جائے گا۔ شاہ اس وقت شکارپور کے قرب و جوار میں تھا' جب اس نے اپنے وکیل ملا شکور کو دربار لاہور میں حاضر رہنے کے لیے روانہ کیا۔ مہاراجہ نے اپنے وکیل الف شاہ کو بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہنے کے لیے روانہ کیا۔ اب یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ افغانستان کی بادشاہت' جس کی اولوالعزم درانیوں نے بنیاد رکھی تھی' کس طرح اس دور میں مختلف راجدھانیوں میں بٹ گئی اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کا تعلق کس طرح قائم ہوا۔

جب کامران ۱۸۱۹ء میں کابل کی حکومت پر اپنے والد شاہ محمود کا جانشین بنا تو افغانستان میں

بہادر کابلی وزیر فتح خاں (جسے کامران نے ۱۸۱۸ء میں انتہائی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا) کے خاندان میں بچ جانے والے سب سے بڑے اور اس کے بھائی بارک زئی سردار محمد عظیم خاں کی طاقت سب سے زیادہ تھی۔ اس کے کئی بھائی تھے۔ ان سب نے نئے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی تھی' لہٰذا محمد عظیم خاں اپنے بھائی کے قاتل کو معزول کرنے کے لیے ان سے مل گیا۔ اس نے شجاع الملک کو جلاوطنی سے بلوایا' اس کے آباؤ اجداد کے تخت پر بحال کرنے کا وعدہ کیا اور اپنی شرط پوری کرنے کی ضمانت کے طور پر قرآن پاک کے ایک نسخہ پہ اپنی مہر لگا کر سابق بادشاہ کو روانہ کیا۔ شاہ فوراً پشاور کی طرف روانہ ہو گیا۔ امکان تھا کہ تمام مصائب کے بعد اب شاہ کو اپنے آباؤ اجداد کے تخت پر دوبارہ متمکن کرایا جائے گا اور وہ اس پر اپنی حکومت برقرار رکھے گا' مگر قسمت ہمیشہ اس بد قسمت بادشاہ کی کامیابی کے راستے میں آڑے آتی تھی۔ چنانچہ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا' جس نے اس کے مقصد کو پورا ہونے سے روک دیا۔ جس وقت عظیم خاں ابھی تک پشاور سے غیر حاضر تھا تو شجاع نے خود کو بادشاہ سمجھتے ہوئے قبل از وقت شان و شوکت کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ اس کے خیر خواہ کا ایک عظیم دوست' ایک امیر' جس وقت ایک پالکی میں بیٹھ کر شہر میں سے گزر رہا تھا تو بادشاہ کے رتبہ پر ناجائز قبضہ کے الزام میں اس کی بے عزتی کر کے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا گیا۔

اس ناعاقبت اندیش کارروائی نے پورے بارک زئی خاندان کو بھڑکا دیا۔ انہوں نے اس ہتک کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا' لہٰذا اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ کسی زیادہ صاحب مروت آقا کو تخت پر بٹھایا جائے۔ شجاع کے ایک بھائی ایوب نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تخت پر اپنا دعویٰ کر دیا۔ عظیم خاں کے پڑاؤ میں داخل ہو کر اس نے انتہائی غلامانہ رویہ اختیار کر لیا۔ اس نے کہا کہ "مجھے صرف بادشاہ بنا دیجئے اور میرے نام کا سکہ مضروب کرانے کی اجازت دے دیجئے' چنانچہ پوری حکومت اور سلطنت کے وسائل آپ کے پاس ہوں گے۔ میری خواہش روٹی اور محض بادشاہ کے لقب سے پوری ہو جائے گی"۔ اس کی التجا کو قبول کر کے اسے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ وہ وزیر کے ہاتھوں میں محض آلہ کار بن کر رہ گیا تھا' جسے مکمل اختیار حاصل تھا۔ کٹھ پتلی بادشاہ' اس کے احکامات کی بلاحیل و حجت پیروی کرتا اور تمام سرکاری امور میں اس کے مشورے پر عمل کرتا تھا۔ اس دور میں کابل کے اندر بادشاہت کی حالت اس قدر بگڑ چکی تھی کہ وزیر کو اس کے عہدہ پر فائز کرنے کے موقع پر عنایت کی جانے والی خلعت فاخرہ بھی اس کی اپنی ملکیت کا حصہ ہوتی تھی اور خفیہ طور پر بادشاہ کو بھیجی جاتی' جو بڑی دھوم دھام اور

بادشاہت کی شان و شوکت کے ساتھ اسے وزیر کو عنایت کرتا۔ شاہی خاندان کے متعدد نوجوان شہزادے' جو بادشاہت کی خواہش رکھتے تھے' انہیں نئے بادشاہ کے حوالے کر دیا گیا' لہٰذا اس نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شجاع فوری طور پر پشاور کی طرف فرار ہو گیا اور وہاں سے شکار پور کی راہ لی۔

جنگ نوشہرہ ۱۸۲۳ء میں سکھوں اور افغانوں کے درمیان لڑی گئی' جس نے محمد عظیم خاں کی قسمت پر مہر لگا دی۔ دریائے سندھ اور پشاور کے درمیان واقع پورے علاقے میں سکھوں کی بالادستی قائم ہو گئی' لہٰذا محمد عظیم خاں کابل سے واپسی کے فوراً بعد اسی سال مئی کے مہینہ میں دل شکستگی کی حالت میں انتقال کر گیا۔ اس نے اپنے ترکہ میں تین ملین سٹرلنگ سے زائد مالیت کا خزانہ چھوڑا' جو اس کے سب سے بڑے بیٹے حبیب اللہ خاں کو ورثے میں ملا۔ وہ محمد عظیم خاں اور فتح خاں دونوں کی سرداری پر جانشین بنا تھا۔ لیکن نوجوان سردار جلد ہی مرحوم کے بھائیوں کے لیے وجہ عداوت بن گیا۔ اس کے خلاف ایک سازش تیار کی گئی اور اس کی والدہ کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ خزانے کو حوالے کر دے ورنہ اس کے بیٹے کو توپ کے دہانے پر باندھ کر اڑا دیا جائے گا۔ محمد عظیم خاں کا ایک بھائی شیر دل خاں تقریباً نصف ملین سٹرلنگ اپنے ساتھ لے گیا اور اپنے آپ کو قندھار کے ایک خود مختار سردار کے طور پر مستحکم کر لیا۔ دوسری' ایک اور بھائی سلطان محمد خاں کی قیادت میں (جو رنجیت سنگھ کا تابعدار تھا) پشاور میں قائم کی گئی' جبکہ کابل کے ساتھ غزنی اور جلال آباد' مرحوم وزیر کے ایک اور بھائی' چالاک' دوست محمد خاں کے حصہ میں آئے۔ بلخ کو بخارہ کی سلطنت میں شامل کر لیا گیا اور ہرات پر شاہ محمود کے بیٹے کامران کا قبضہ ہو گیا' جو سلطنت ایران کو اپنی اطاعت پیش کر چکا تھا' لہٰذا سندھیوں نے جب دیکھا کہ شاہ محمود کے خاندان میں اب ایسا کوئی فرد نہیں بچا جو زبردستی ان سے خراج وصول کر سکے تو انہوں نے حکومت کابل کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا۔ کابل کا کٹھ پتلی بادشاہ ایوب اس طوائف الملوکی کے ماحول میں اپنا بیٹا گنوا کر پنجاب کی طرف ہجرت کر گیا اور ۱۸۲۳ء میں لاہور کے دربار میں پناہ حاصل کر لی۔ پس اس عظیم درانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا' ۷۶ برس قبل احمد شاہ کی ذہانت و تدبر نے جس کی بنیاد رکھی تھی۔

سکھ' سلطان محمد خاں کی پشاور پر سرداری کے عوض گھوڑوں اور چاول کی شکل میں سالانہ خراج وصول کرتے تھے۔ اس نے اپنی آمدنی میں اپنے دونوں بھائیوں' پیر محمد خاں اور سعید محمد خاں کو حصے دار بنا لیا۔ اس وقت (۱۸۳۲ء) خالص آمدنی کم و بیش پانچ لاکھ روپے تھی۔ اسی قسم کے حالات' جن کی وجہ سے درانی حکومت کا خاتمہ ہوا تھا' بطور ایک الگ

تھلگ راجدھانی کے کابل کے استحکام کے سلسلہ میں پیش آئے' لہٰذا یہ علاقہ بمع اپنی تابعدار ریاستوں' غزنی اور جلال آباد کے' ۱۸۲۶ء میں دوست محمد خاں کے ہاتھ لگا' جس نے اپنے ایک واحد بھائی کی مدد سے اس راجدھانی پر حکومت کی۔ آمدنی اٹھارہ لاکھ روپے تھی اور سردار کے پاس ۹ ہزار سوار اور ۲ ہزار پیادہ فوج کے علاوہ دیگر کمک' دیہاتی فوجی اور ۱۸ توپوں کا ایک توپ خانہ بھی تھا۔ دوست محمد خاں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کاروبار سلطنت پر مسلسل توجہ رکھنے کے باعث روزانہ اپنے قاضی اور ملاؤں کے ساتھ کمرۂ عدالت میں حاضر ہوتا اور قانون کے مطابق جھگڑوں کا فیصلہ کرتا تھا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ شیردل خاں نے کابل سے قندھار ہجرت کرنے کے بعد اپنے بھتیجے کی لوٹ مار سے قندھار کی سرداری قائم کی۔ سردار کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ انفرادی عادات کا مالک اور حوصلہ و بہادری کے معاملے میں اپنے بھائی فتح خاں سے مماثلت رکھتا تھا۔ شیردل کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اپنے ایک بیٹے کے حوصلہ کا امتحان لینے کے لیے اس کی انگلی کاٹ دی اور اسے کہا کہ اگر اس نے آواز نکالی یا چلایا تو وہ اس کا بیٹا یا بارک زئی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس نوجوان نے نہایت صبر و تحمل سے درد کو برداشت کیا۔ کابل سے ہجرت کے وقت شیردل کے چاروں بھائی اس کے ہمراہ تھے' لیکن اب وہ اور اس کا ایک بھائی زندہ نہ رہے' لہٰذا قندھار پر کوہن دل خاں نے اپنے زندہ بچ جانے والے دونوں بھائیوں' رستم دل خاں اور مہردل خاں کی مدد سے حکومت کی۔ اس راجدھانی کی آمدنی تقریباً آٹھ لاکھ تھی اور افواج ۹ ہزار سواروں اور چھ توپوں پر مشتمل تھیں۔

ہرات پر شہزادہ کامران نے حکومت کی جو اس وقت ایران کا ایک اطاعت گزار علاقہ بن گیا۔ ایرانی سپاہی کئی مرتبہ اس میں داخل ہوئے اور ایک رقم کی ادائیگی پر ہی واپس ہوئے۔ اس سال (ستمبر ۱۸۳۲ء) ولی عہد نے بذات خود اس پر حملہ کیا۔ اس نے مالی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور یہ بھی چاہا کہ سکوں پر شاہ ایران کا نام کندہ کرایا جائے۔

دریائے سندھ کے مغرب میں ملک کے حالات اس قسم کے تھے کہ شاہ شجاع نے اپنے آباؤ اجداد کے تخت و تاج کی بازیابی کے لیے نئے منصوبے بنانے شروع کر دیے۔ تھانیسر کی رانی کی دو توپیں خرید کر شاہ شجاع ۱۸۳۳ء میں ایک اینگلو انڈین کیمپبل (جسے اس نے چھ سو جوانوں کی کمان سونپی تھی) کی خدمات حاصل کر کے لدھیانہ سے روانہ ہوا۔ شاہ سب سے پہلے مالیر کوٹلہ گیا اور وہاں ایک ماہ تک رہا۔ عید کے تہوار پر مالیر کوٹلہ کے نواب نے بادشاہ کو ۵ ہزار روپے اور دو گھوڑے پیش کیے۔ اس کے بعد شاہ جگراواں کی طرف روانہ ہوا' جہاں

کپور تھلہ کے سردار فتح سنگھ آہلووالیہ نے اسے ۲ ہزار روپے اور چند تلواریں بھیجیں۔ ایک پندرھواڑے کے بعد وہ بہاولپور گیا اور نواب سے ۵ ہزار روپے' ایک توپ' چند اونٹ اور بیل حاصل کیے۔ اس کے بعد شاہ نے شکارپور کی طرف پیش قدمی کی اور شکارپور سے چھ میل کے فاصلے پر واقع کام پور کے مقام پر حیدر آباد کے وکیل حسین شاہ نے اس سے ملاقات کی۔ اس نے اسے ۵۰ ہزار روپے' پانچ یا چھ گھوڑے' چند تلواریں اور دو خیمے پیش کیے۔ شاہ شکارپور میں دس ماہ تک رہا۔ یہاں سے اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ایک ایرانی گھوڑا اور چند خیمے تحفہ کے طور پر بھیجے' جس نے اسے اس یقین دہانی پر (کہ وہ ہمیشہ کے لیے کشمیر' اٹک' پشاور' بنوں اور ڈیرہ جات کے علاقوں کے دعوےٰ سے دستبردار ہو جائے گا) ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپے کے علاوہ ایک توپ اور ۲۱ بندوقیں بھیجیں۔ سندھیوں نے حیدر آباد کے تالپور امیر (جو شاہ کی بڑھتی ہوئی طاقت سے حسد کرتا تھا) کے ساتھ شامل ہو کر شکارپور کے قریب اس پر حملہ کر دیا۔ لیکن شاہ نے ۹ جنوری ۱۸۳۴ء کو انھیں شکست فاش دے کر امیر کی چار توپوں پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں سندھ کے کئی سردار مارے گئے' جن میں حسین شاہ بھی شامل تھا۔ سندھیوں نے شاہ کو ۵۰ ہزار روپیہ نقد ادا کیا اور آئندہ اطاعت کا وعدہ کیا۔ اپنی کامیابی سے خوش ہو کر شاہ نے شہر کا محاصرہ کرنے کی غرض سے قندھار کی طرف پیش قدمی کرنے کی تیاریاں کر لیں۔ اس نے قلات کے خاں کو مراسلات بھیج کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اسے پانچ لاکھ روپے' دس گھوڑے اور چند اونٹ بھیجے۔ خاں نے اسے ایک لاکھ روپیہ' چار گھوڑے اور بیس اونٹ روانہ کیے۔ حیدر آباد کے قریب طلوانی کا سردار بہادر خاں کاکڑ بھی ایک لاکھ روپے' پانچ گھوڑوں اور بیس اونٹوں کے ساتھ اس سے مل گیا۔ اب کئی ہزار لڑاکا جوانوں کی فوج کے ساتھ قندھار پہنچنے پر شاہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ حملہ کے ذریعے اس جگہ پر قبضہ کرنے کی ایک کوشش ناکام ہو گئی۔ دوست محمد خاں کابل کا انتظام اپنے بھائی امیر محمد خاں کے سپرد کر کے شاہ شجاع کو نکالنے کے لیے قندھار میں اپنے بھائیوں کی مدد کرنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ بظاہر اب ہر چیز شاہ کے منصوبوں کے حق میں معلوم ہوتی تھی۔ اس کے پاس ایک مضبوط فوج کی کمان تھی اور وہ ایک بہت بڑے خزانہ اور عسکری ذخائر کا مالک تھا' جنھیں اس نے خود خریدا تھا اور مختلف حکمران سرداروں نے اس میں اپنا حصہ ڈالا تھا۔ اس کے ساتھ کابل کے لوگوں کی ہمدردی اور نیک خواہشات بھی تھیں۔ غلام خانہ رہنما پہلے ہی شاہ کی حمایت کا اعلان کر چکے تھے' لہٰذا انھوں نے امیر محمد خاں کے حصول کا فیصلہ کر لیا۔ غزنی کے جنوب میں کڑا باغ کے ہزارہ سردار گلستان خاں نے کابلی امیر کی حکومت کے خلاف بغاوت کر

دی اور اس غزنی فوج کو شکست دے دی' جسے اس کے خلاف روانہ کیا گیا تھا۔ شاہ نے دوست محمد خاں کے ایک بھائی نواب جبار خاں سے بھی خط وکتابت کا سلسلہ شروع دیا' جس کا خیال تھا کہ قندھار کے خلاف شاہ کی کارروائیاں حکومت برطانیہ کی بالواسطہ منظوری کے بغیر نہیں ہیں۔ نواب کے اثر ورسوخ نے شاہ کو ایک مضبوط جماعت کی حمایت دلا دی۔ جبار خاں کی ہدایت کے مطابق نواب محمد زماں خاں اور محمد عثمان خاں سختی سے شاہ کی حمایت کے پابند ہوگئے۔ فریقین کے درمیان مندرجہ ذیل مفاہمت ہوئی: نواب جبار خاں نے غلزائیوں کی سرداری حاصل کرنا تھی' جس سے دوست محمد خاں نے اسے محروم کر دیا تھا اور نواب محمد زمان خاں نے جلال آباد حاصل کرنا تھا' جبکہ محمد عثمان خاں کو اس کی جاگیروں پر بحال کیا جانا تھا۔ بوڑھے جبار خاں میں شاہ کی فتح پر اس قدر جوش و خروش بھر گیا کہ غزنی میں اس نے دوست محمد سے التجا کی کہ وہ شاہ سے شرائط طے کرنے کے لیے اسے قندھار جانے کی اجازت دے دے۔ اپنے بھائی کی التجاؤں پر عیار سردار نے جواب دیا "لالہ! یہ سوچنے کے لیے کافی وقت ہوگا کہ ہمیں کب شکست ہوئی"۔ اسی اثناء میں اس نے شاہ شجاع کو مراسلہ لکھا۔ اس میں طنز سے بیان کیا کہ اس کے قندھاری بھائی بے احتیاط انسان ہیں اور بادشاہ سلامت کی آمد پر شائستگی اور سلیقہ کے قواعد وضوابط سے ناآشنا ہیں۔ یہ کہ وہ بادشاہ کے وقار کے احترام سے پوری طرح آگاہ ہے' اسی لیے وہ اب گیتی پناہ کا احترام کرنے اور ان کی حفاظت کے لیے کابل آرہا ہے۔ چنانچہ دوست محمد بیس ہزار سواروں' پانچ ہزار پیادوں اور تقریباً ۱۸ توپوں کے ہمراہ تیز پیش قدمی کرتا قندھار کے گردونواح میں پہنچ گیا۔ اتنی دیر میں شاہ نے نادر شاہ کے تعمیر کردہ قندھار کے پرانے شہر پر قائم ایک خندقی مورچہ سنبھال لیا۔

لہٰذا اگر وہ اسی مورچہ پر توجہ مرکوز رکھتا تو اس کی طرف سے اپنے دشمن کی مکمل تباہی کے لیے کسی کوشش کے کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ تاہم ہوا یہ کہ معاملہ اس کے برعکس ہوگیا۔ اپنے جرنیلوں کے مشوروں کو رد کر کے اور دیگر سرداروں کے انتباہ کے باوجود اس نے کابلی فوج کی آمد کے ساتھ ہی خندقی مورچوں کو خالی کر دیا۔ پہاڑ کی شمالی سرحد کی طرف لوٹ کر حسین خاں کے پرانے قصبہ کی وادی میں واقع باغات پر قبضہ کر لیا۔ یہ ایک تباہ کن حرکت تھی۔ بزدل بادشاہ کا مقصد اپنی پچھاڑی کو فرار کے لیے کھلا رکھنا تھا کیونکہ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ چاہے جنگ کے کسی قسم کے بھی امکانات ہوں' شاہ ہمیشہ فتح سے زیادہ اپنی ذاتی حفاظت کا خیال کرتا تھا۔ اگلے روز دوست محمد خاں قندھار پہنچ گیا' لہٰذا اس کے اگلے روز اس کا بیٹا محمد اکبر خاں ۱۲ ہزار سواروں اور چار توپوں کے ساتھ شہر سے باہر آگیا۔ اس کمک کے

آنے پر دوست محمد خاں نے اپنی تلوار نیام سے نکال کر آگے بڑھنے کا حکم دیا' لیکن تقریباً پچاس گز تک سرپٹ گھوڑا دوڑانے کے بعد واپس آگیا۔ شام کے تقریباً پانچ بجے شاہ شجاع نے مسٹر کیمپبل کو دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ افسر ماہرانہ اقدام سے تمام کو سامنے لا کر بالترتیب عبدالصمد خاں کی پلٹونوں اور محمد اکبر خاں اور قندھار کے سرداروں کے رسالے کو منتشر کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن شام کے باعث اسے صفوں کی طرف لوٹ آنے کا حکم دیا گیا۔ اگلے روز صبح سویرے دوست محمد خاں نے اپنی افواج کو جنگ کے مطابق مرتب کیا۔ شاہ کی فوج کے جرنیل سمندر خاں اور جہانداد خاں بارہ ہزار سواروں کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ مسٹر کیمپبل کو دو پلٹونوں کے ساتھ آگے بھیجا گیا لیکن اس کی مدد کے لیے کوئی توپ یا رسالہ نہیں تھا۔ باقی ماندہ پوری فوج کو ان کے پیچھے جانے کا حکم دیا گیا۔ شاہ کی فوج میں نظم و ضبط اور ترتیب نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کی فوج کے متعدد دستے ایک دوسرے سے ہٹ کر کارروائی کر رہے تھے۔ اس حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ کی فوج ایک خشک نالے کے کناروں کے درمیان محصور ہوگئی اور اس میں بدنظمی پیدا ہوگئی۔ شاہ شجاع نے اپنے ہاتھی سے مسٹر کیمپبل کو "چپاؤ" یا آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ موخرالذکر نے احتجاج کیا اور گزارش کی کہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ جم کر مقابلہ کیا جائے اور مستقل مزاجی سے جنگ کی جائے اور یہ کہ اب صفوں کو توڑنے کا وقت نہیں ہے۔ تاہم شاہ کے دماغ میں خبط سمایا ہوا تھا' لہٰذا اس نے "چپاؤ' چپاؤ" کے الفاظ کو بار بار دہرایا' لیکن سب کو اس بات پر حیرانگی ہوئی کہ ایک ہی سانس میں اس نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے پر زور دیا اور اپنے مہاوت کو واپس مڑنے کا حکم بھی دے دیا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور وہ دہشت زدہ ہو کر فرار ہوگیا۔ مسٹر کیمپبل نے دو گھنٹوں تک دشمن کا مقابلہ کیا لیکن زخمی ہوگیا اور اسے قیدی بنا لیا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تین سو ہندوستانیوں نے بہادری سے مقابلہ کیا' لیکن برتر تعداد ان پر غالب آگئی۔ بارک زئیوں نے فتح کے بعد کشت و خون اور لوٹ مار کی انتہا کر دی اور مفروروں کی تمام توپیں اور اسلحہ کے ذخائر افغانوں کے ہاتھ لگ گئے' حتیٰ کہ مفرور شاہ کے ضروری کاغذات اور خطوط بھی قندھاری بھائیوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ یہ انہوں نے دوست محمد کے حوالے کر دیے۔ ان کاغذات میں رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع کے درمیان ایک معاہدے کی نقل اور کیپٹن وِیڈ کی مہر والے چند خطوط بھی تھے۔ یہ جنگ یکم جولائی ۱۸۳۴ء میں لڑی گئی۔ اگر شاہ کاہلی کا مظاہرہ نہ کرتا اور اس کے جرنیلوں سمندر خاں اور جہانداد خاں کی تلون مزاجی اور نااہلیت آڑے نہ آتی تو یہ جنگ اس کے لیے تباہ کن ثابت نہ ہوتی۔ مسٹر

کیمپبل کو مہردل خاں کے مکان میں رکھا گیا' جس نے اس کے زخموں کو صاف کر کے ایک جراح سے اس کا علاج کرایا۔ ایک ہفتہ کے بعد دوست محمد خاں نے نواب جبار خاں اور اپنے وزیر مرزا عبدالسمیع خاں کے ہمراہ مہردل خاں سے ملاقات کی۔ امیر' مسٹر کیمپبل سے بہت احترام سے پیش آیا اور اسے ایک ہاتھی پر کابل بھیج دیا' جہاں اسے ۴۰۰ روپے ماہانہ کی تنخواہ پر توپ خانے کی کمان سونپ دی گئی۔

شاہ' قندھار میں شکست کے بعد فرح کی طرف ہجرت کر گیا۔ ہرات کے شہزادہ کامران نے اسے اچھے خاصے تحائف اور ایک خط بھیجا' جس میں قندھار پر ایک اور حملہ کرنے میں مدد کے لیے چار ہزار سواروں اور توپوں کے ہمراہ اپنے بیٹے شہزادہ جہانگیر کو روانہ کرنے کی پیشکش کی گئی تھی' لیکن شکوک و شبہات میں گھرے ہوئے شاہ کو بغیر کسی بنیاد کے اس بات کا اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں جہانگیر کو اسے گرفتار کرنے کی ہدایت نہ کی گئی ہو' فرح سے لاش کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں سے وہ سیستان کے صحراؤں میں سفر کرتا ہوا بلوچستان میں قلات پہنچ گیا۔ یہاں بروہی سردار محراب خان نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ قندھار کے رحم دل خاں نے اسے خط لکھا کہ شاہ کو گرفتار کر کے اس کے آدمیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ خان کی بیوی بی بی گل جان اس کی رائے میں شریک ہوتی تھی۔ اس نے سوچا کہ شاہ نے اپنی مصیبت کے وقت ان پر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے' اس سلسلہ میں یہ کسی بلوچ سردار کے شایان شان نہیں کہ وہ اسے دھوکہ دے' لہٰذا اس نے اسے ایک مخصوص حفاظتی دستے کی نگرانی میں زیہری کی طرف بھیج دیا۔ وہاں سے بادشاہ نے کچھی میں باغ کی راہ لی۔ یہاں اس نے قندھار پر ایک اور حملے کی غرض سے ایک فوج تیار کرنے کی نئی کوششیں شروع کر دیں' لیکن اس کا جرنیل سمندر خاں بیمار ہو کر اچانک فوت ہو گیا۔ شاہ اس کے بعد سندھ میں حیدر آباد کی طرف چلا گیا' لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ ہر طرف ہوا کا رخ اس کے لیے موافق نہیں' آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس سے زیادہ بہتر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ وہ پنجاب میں اپنی پرانی پناہ گاہ' لدھیانہ کی طرف لوٹ جائے۔ چنانچہ وہ اپنی فوج سے ہاتھ دھو کر' لیکن دو لاکھ پچاس ہزار روپے نقد اور قیمتی اشیاء کے ساتھ واپس اسی جگہ لوٹ آیا۔

۱۸۳۳ء کے آغاز میں امرتسر کے ایک متمول کھتری شیو دیال کا انتقال ہو گیا تو کمانڈنٹ شام سنگھ کو متوفی کی تمام املاک ضبط کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ متوفی کے تینوں بیٹوں' رام داس' کشن چند اور نارائن داس نے تھوڑی سی پس و پیش کی تو انہیں پابہ زنجیر کر کے لاہور بھیج دیا گیا۔ وہاں ان سے ایک لاکھ روپیہ ہتھیانے کے بعد انہیں آزاد کر دیا گیا۔ مہاراجہ'

امر تسر کی ایک طوائف گل بہار پر فریفتہ ہو گیا(۶) اور اسی سال کے دوران انتہائی دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ اس سے شادی کر لی۔ بارات کی قیادت دولہا نے کی۔ وہ عروسی سہرا سر پہ باندھ کر دلہن کے گھر گیا۔ یہاں اسی طبقے کی ایک عورت موراں (جس کے ساتھ اس سے پہلے مہاراجہ نے شادی کر لی تھی) کی بہن مولہ نے دولہا کی گردن میں سچے موتیوں کا ایک ہار پہنایا اور اس کے کپڑوں پر زعفران کا عطر چھڑکا۔ انتہائی خوشیوں کے دوران تقریبات و رسومات کا اختتام ہوا' نیز لاہور اور امر تسر میں کئی روز تک جشن کا ساسماں رہا۔

اسی دوران شہزادہ کھڑک سنگھ کو ایک فوج کے ہمراہ کوہ سلیمان کے علاقہ کی مکمل اطاعت کے لیے سانگھڑ روانہ کیا گیا۔ سردار اسد خاں نے سکھ فوج کی آمد کا سنا تو وہ پہاڑوں کے افغانوں کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کے لیے پہاڑوں کی طرف فرار ہو گیا۔ مہاراجہ نے یہ سنا تو حاکم ملتان' دیوان ساون مل کو احکامات جاری کیے کہ وہ سانگھڑ کی طرف کمک روانہ کرے۔ کچھ ہی دیر بعد سکھوں نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا اور چند گھوڑوں کے نذرانہ کے علاوہ ایک لاکھ ۵۰ ہزار روپے سالانہ رقم کی ادائیگی کے عوض جنرل ونتورا کو پٹے پر دے دیا گیا۔

شہزادہ شیر سنگھ کی قیادت میں دیوان بیساکھا سنگھ کی طرف سے کشمیر کی بدانتظامی کی خبریں موصول ہوئیں' جسے کچھ عرصہ قبل بطور حاکم وہاں بھیجا گیا تھا۔ دیوان کو پابہ زنجیر کر کے لاہور بھیج دیا گیا اور اس پر پانچ لاکھ روپے کا جرمانہ عاید کیا گیا۔ جمعدار خوشحال سنگھ' بھائی گورمکھ سنگھ اور شیخ غلام محی الدین کو آمدنی اور اخراجات کے حسابات کا جائزہ لینے اور معزول دیوان کی جگہ اس ملک کے انتظام میں شہزادہ شیر سنگھ کی مدد کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔

اسی دور میں کشمیر میں اس قدر زبردست قحط پھیل گیا کہ ہزاروں لوگ اس ملک سے مختلف اطراف میں ہجرت کر گئے اور سینکڑوں فاقہ اور بھوک سے ہلاک ہو گئے۔ شال کی صنعت' جسے دیوان موتی رام اور کرپا رام کے دور میں خوب ترقی ملی تھی' شہزادہ شیر سنگھ کی حکومت کے تحت بالکل بند ہو گئی۔ وہ اپنا سارا وقت شراب خوری اور عیش و عشرت میں بسر کرتا اور اس نے اپنے ماتحتوں کو اپنے کام کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جمعدار خوشحال سنگھ' جسے کچھ عرصہ پہلے کشمیر روانہ کیا گیا تھا' اس نے معاملات کو اور زیادہ بگاڑ دیا۔ اس کے جبر و ستم کے خلاف بہت سی شکایات موصول ہوئیں۔ بڑے بڑے کارخانے بالکل دیوالیہ ہو گئے اور ہزاروں لوگ' جو شال کی تجارت سے آمدنی حاصل کرتے تھے' ان کے لیے کوئی کاروبار نہ رہ گیا۔ اس کے ساتھ زبردست قحط کا اضافہ بھی ہو گیا' جس نے لوگوں کو مکمل طور پر تباہ کر کے رکھ دیا۔ لاہور اور امر تسر کی گلیاں بھوک سے بے حال کشمیریوں سے بھر گئیں' جو گلیوں میں

روٹی کے لیے فریادیں کرتے پھرتے تھے۔ لاہور کا کوتوال خدا بخش' مہاراجہ کو ہر روز بھوک سے مرنے والے افراد کی تعداد کے بارے میں خبر دیتا تھا۔ مہاراجہ نے حکم دیا کہ امرتسر میں قلعہ گوبند گڑھ میں گندم کے گودام کو وہاں موجود بے حال کشمیریوں کی مدد کے لیے کھول دیا جائے اور سردار لہنہ سنگھ اور میاں سمدو کو خصوصی احکامات دیے گئے کہ وہ روزانہ سرکاری خرچ سے آٹا اور کمبل تارکین وطن کشمیریوں میں بانٹ کر ان کی مصیبت اور بدحالی کو کم کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح کے انتظامات لاہور میں بیلی رام کی قیادت میں کیے گئے۔ قحط زدہ لوگوں کو مسجد وزیر خاں' ہندوؤں کے چند مندروں اور مسلمانوں کی خانقاہوں میں ٹھہرایا گیا' جہاں ہر روز ان میں آٹا تقسیم کیا جاتا تھا۔ دو سو سال کے عرصہ تک کشمیر میں ایسا قحط نہیں پڑا تھا۔ بہت سے کشمیری خاندانوں نے اس دور کی بدحالی کے پیش نظر اپنی بقا کے لیے اب لاہور' امرتسر' لدھیانہ' نورپور' پٹھانکوٹ اور ڈیرہ بابا نانک میں رہائش اختیار کر لی۔ مہاراجہ نے جمعدار خوشحال سنگھ اور شیخ غلام محی الدین کو کشمیر سے واپس بلا کر جنرل میہان سنگھ کو کشمیر کے امور کے انتظام کے سلسلہ میں شہزادہ شیر سنگھ کے نائب کی حیثیت سے روانہ کر دیا۔ جنرل نے بدحال آبادی کی مدد کے لیے بہت کچھ کیا' لہٰذا اس کی کوششوں سے بدحالی بہت حد تک کم ہو گئی۔ مہاراجہ' جمعدار خوشحال سنگھ سے کشمیر میں اس کی زیادتیوں کے سلسلہ میں اس قدر ناراض تھا کہ اس نے ایک ماہ تک اسے اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔

اسی دوران حکم جاری کیا گیا کہ سرکاری خط و کتابت میں راجہ دھیان سنگھ کو بطور "راجہ کلاں بہادر" کے خطاب سے مخاطب کیا جائے۔ اسی دور میں مہاراجہ' لدھیانہ میں برطانوی نمائندے کیپٹن ویڈ کے اطوار اور خطاب سے اس قدر خوش ہوا کہ اسے "فرزند دلبند" کے اعلیٰ خطاب سے سرفراز کیا۔ وہ کاروبار کے سلسلہ میں اکثر لاہور آتا رہتا تھا اور میدان میں شکار کے وقت مہاراجہ کے ساتھ ہوتا تھا۔ کرم چند کے بیٹے تارا چند کو ایک دیوان مقرر کر کے ضلع بنوں کے اخوان اور ملکوں سے خراج وصول کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ سجان پور کے کاردار' رام سنگھ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بارے میں اطلاع دی گئی کہ اس نے امرتسر کے ساہوکاروں کے پاس بیس ہزار روپیہ چھوڑا ہے۔ فقیر امام الدین کو حکم دیا گیا کہ وہ فوری طور پر روپے کو ضبط کر کے حکومت کے پاس جمع کرا دے۔ اس وقت دربار امرتسر میں تھا' لہٰذا ضبطی اور قرقی روز کا معمول بن گئی تھی۔ شیخ غلام محی الدین کو پابند سلاسل کر دیا گیا اور اس سے ایک بھاری جرمانے کا مطالبہ کیا گیا۔ مصر روپ لال کو شیخ کی نجی املاک پر قبضہ کرنے کے لیے ہوشیار پور روانہ کیا گیا۔ پوشیدہ خزانے کو شیخ کی نجی رہائش گاہ سے جس انداز میں

دریافت کیا گیا' وہ دلچسپ ہے۔ ایک کشادہ مقبرہ (جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ شیخ کے پیر کی جائے مدفون ہے) تعمیر کیا گیا اور ملا اس کے گرد بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور (اولیائے کرام کے مزارات کی طرح) لوبان جلا کر بیٹھے ہوتے تھے۔ مصر کو اطلاع دی گئی کہ پیر کا نام نہاد مزار دراصل سونے اور چاندی کا گودام ہے' اس میں کوئی پیر دفن نہیں ہے۔ لہٰذا اس مقام کو کھودنے پر ساڑھے نو لاکھ روپے سے زائد کا خزانہ اس میں چھپا ہوا پایا گیا۔ اس بات کی اطلاع مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دی گئی تو اس نے ملامت آمیز انداز میں شیخ سے کہا "تمہارے پیر کی راکھ سونے اور چاندی میں بدل گئی ہے۔ وہ بلاشک و شبہ بہت عظیم بزرگ رہا ہے"۔ شیخ نے بے سود قسم کھا کر کہا کہ اس دولت کو اس کے والد شیخ اجالا نے سردار روپ سنگھ کی ملازمت میں جمع کیا تھا۔ رنجیت سنگھ بڑی اچھی طرح جانتا تھا کہ اجالا کوئی اتنا بڑا سردار نہیں تھا اور اس نے اپنی زندگی میں ایک لاکھ روپے سے زیادہ نہیں دیکھے تھے۔ اس کو اس بات کا یقین تھا کہ اس دولت کو شیخ نے بھوکے کشمیریوں سے اس وقت نچوڑا تھا جب وہ شہزادہ شیر سنگھ کا ایک نائب تھا۔ پوری دولت کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا اور اس کے علاوہ ۲۵ ہزار روپے کا جرمانہ بھی عائد کیا گیا۔ رنجیت سنگھ نے جنرل ونتورا پر بھی آنکھ رکھی ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں اسے شک تھا کہ اسے ڈیرہ غازی خاں کے پٹہ سے بہت زیادہ دولت حاصل ہو رہی ہے' لیکن اس کی بہتر خدمات کے اعتراف اور سرحد پر واقع اضلاع کے نہایت شاندار انتظام نے ایک ایسے افسر کے خلاف اپنی طمع کو پورا کرنے سے اسے روکا۔ لوگوں کی طرح افسر اور حکومت بھی اس کا احترام کرتی تھی۔

راجہ سوچیت سنگھ کے ذریعے قنوج کے انرودھ چند کے بیٹوں' رائے رام بیر چند اور برمودھ چند کو متعارف کرایا گیا۔ انہوں نے نذرانہ کے طور پر ۳۱ طلائی مہریں' ایک گھوڑا' ایک ہاتھی اور ایک تلوار پیش کی۔ مہاراجہ نے سنسار چند کے پوتوں کا پرتپاک استقبال کیا اور انہیں کانگڑا کے پہاڑوں میں ۵۰ ہزار روپے کی ایک جاگیر عطا کی۔ مہاراجہ فطرتاً زیادہ تیز مزاج نہیں تھا' حالانکہ بہت زیادہ لالچی تھا مگر اس کی سخاوت مثالی تھی اور اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ کسی کو مایوس نہ کیا جائے۔ اسی سال کے دوران مصر بیلی رام کو حکم دیا گیا کہ انگلستان کے بادشاہ کے لیے کلکتہ بھیجنے کے لیے تحائف کے طور پر چند بہترین شالیں اور دیگر اشیاء تیار کروائے۔

امرتسر سے لاہور واپسی پر اسی سال کے اختتام پر مہاراجہ کی صحت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ اسے فقیروں کی دعاؤں پر بہت زیادہ یقین تھا اور وہ ان سے خوف بھی کھاتا تھا۔ اس

دور میں دریائے راوی کے کنارے پر ایک بیراگی فقیر رہتا تھا' لہٰذا رنجیت سنگھ ایک عام آدمی کا روپ دھار کر اس کے پاس گیا اور اپنے لیے دعا کرانے کی درخواست کی۔ اس نے نذر کے طور پر شالوں کا ایک جوڑا' ایک ہزار روپے اور مصری کے ۲۵ ٹکڑے پیش کیے۔ مگر فقیر نے انہیں غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد وہ لاہور کے قرب و جوار میں حضرت میاں وڈا کے مزار پر گیا اور نابینا درویشوں سے دعا کرنے کی التجا کی (جو خانقاہ میں حاضر تھے) اور انہیں روپیہ پیسہ اور پھل پیش کیے۔ چاند کی پہلی تاریخ کو غریبوں کو خیرات دی گئی۔ اسی روز مہاراجہ نے گزشتہ رات جو خواب دیکھا تھا اسے بیان کیا۔ اس نے دیکھا کہ خوفناک چہروں والے' سیاہ لباس میں ملبوس سکھوں کی ایک ٹولی اس سے درشت لہجے میں بات کر رہی ہے۔ مہاراجہ اس سے بہت پریشان ہو گیا' لہٰذا اس خواب کی تعبیر کے لیے برہمنوں اور نجومیوں سے مشورہ کیا گیا۔ انہوں نے اپنی مقدس کتابوں سے استفادہ کرنے کے بعد بتایا کہ اس نے خواب میں جن سکھوں کو دیکھا' وہ نہنگ تھے اور اسے یہ کہنے کے لیے آئے تھے کہ اس نے ایک مسلمان خاتون (گل بہار) سے شادی کر کے اپنے گورو کے مذہب کو چھوڑ دیا ہے اور یہ کہ جب تک جلدی اس کا کفارہ ادا نہیں کیا جائے' اس وقت تک گورو کی ناراضگی دور نہیں ہو گی' چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ مہاراجہ از سرنو پاہل حاصل کرے اور اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر کے اپنے آباؤ اجداد کے دین کی تجدید کرے۔ چنانچہ سکھ مہنت آتما سنگھ اور دیوا سنگھ کو بلوایا گیا اور ضروری رسومات ادا کر کے مہاراجہ کو گورو کی پاہل میں شامل کیا گیا۔ رنجیت سنگھ کا توہمانہ یقین اسی قدر تھا حالانکہ دوسری مرتبہ پاہل حاصل کرنے کے بعد بھی اس نے اپنی چہیتی مسلمان بیوی کو دور کرنے کا خیال تک نہیں کیا۔ اس واقعہ کے بعد بے شمار قیدیوں کو رہا کیا گیا اور صوبوں کے حاکموں کے لیے احکامات جاری کیے گئے کہ وہ اپنے زیر انتظام مجرموں کی ایک مقررہ تعداد کو رہا کر دیں۔ اس موقع پر لاہور میں بھی چند پرانے سرکاری قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ ان میں جموں کا میاں بھوپ دیو (جسے پندرہ سال سے قید میں رکھا گیا تھا) نورپور کا راجہ بیر سنگھ اور بھمبر کا فیض طالب خاں بھی شامل تھا۔ بھوپ دیو کی خدمات کنور کھڑک سنگھ کے سپرد کر دی گئیں اور فیض طالب خاں کی خدمات سردار عطر سنگھ سندھیانوالیہ کے حوالے کر دی گئیں۔ بطور معاوضہ راجہ بیر سنگھ سے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کیا گیا مگر صرف ۸۰ ہزار روپے حاصل کیے جا سکے۔ بسنت کا تہوار آیا تو کنور کھڑک سنگھ کو مزار حضرت لال حسین" پر حسب معمول دربار منعقد کرنے کا حکم دیا گیا' لہٰذا اس نے سرداروں اور راجاؤں سے نذرانے وصول کیے۔

پنڈت مدھو سودن اور دربار کے دیگر برہمنوں نے شاستروں سے استفادہ کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا کہ مہاراجہ سے منحوس ستارے کا اثر مکمل طور پر زائل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ۵۱ تولے کا ایک طلائی بت تیار کیا جائے اور اس میں لعل اور نیلم جڑ دیے جائیں۔ انہوں نے کہا اس بت کو بنارس یا متھرا کے کسی برہمن کو خیرات کے طور پر دے کر اسے ایک ایسے چھکڑے میں بٹھا کر (جسے بھینسیں کھینچتی ہوں) بیاس اور ستلج کے پار بھیج دیا جائے۔ مصر بیلی رام کو بت بنانے کا حکم دیا گیا' لہٰذا ایسا کرنے کے بعد چوتھے روز پنڈتوں کے مطالبہ کے مطابق' ان شہروں کے کسی آبائی برہمن کی تلاش شروع کر دی گئی' لہٰذا متھرا کے ایک برہمن کو تلاش کر کے اس کے جسم پر تیل مل کر اس کو کالا کر دیا گیا۔ اس کے بعد اسے کالا لباس پہنا کر بھینسوں کے ایک چھکڑے میں بٹھا دیا گیا۔ اس کے ہاتھ میں طلائی بت تھا۔ اس کے علاوہ اسے ۵ ہزار روپے اور طلائی بالیاں اور ایک سیاہ گھوڑا بھی پیش کیا گیا' جس کے اوپر سیاہ زین کالی اطلس سے ڈھکی ہوئی تھی۔ چنانچہ تیار کر کے برہمن کو سپاہیوں کی حفاظت میں بیاس اور ستلج کے پار بھیج دیا گیا۔ ڈاکٹر مرے بھی لدھیانہ سے مہاراجہ کو دیکھنے آیا' تاہم کچھ دیر بعد وہ اپنی بیماری سے صحت پا چکا تھا۔

۱۸۳۴ء کے آغاز میں محکمہ مال کا سربراہ دیوان بھوانی داس انتقال کر گیا۔ وہ ملتان' پشاور اور یوسف زئی مہمات میں بڑی کامیابی سے لڑا تھا اور اس سے قبل شہزادہ کھڑک سنگھ کے سرکردہ دیوان کی حیثیت سے امرتسر اور گورداسپور تک رام گڑھیہ سرداروں کے علاقہ کی تسخیر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ وہ ایک ممتاز ماہر مالیات تھا' لہٰذا ایک مرتبہ خزانچی مصر بیلی رام نے اس پر غبن کا الزام لگا دیا تھا۔ اس موقع پر رنجیت سنگھ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے بھرے دربار میں دیوان کو نیام میں بند تلوار سے مارا اور ایک لاکھ روپے کا جرمانہ عائد کر دیا۔ بعد ازیں اسے ایک پہاڑی تقرری پر جلاوطن کر دیا گیا' لیکن اس کی خدمات کی قدر و قیمت معلوم ہو گئی تو اسے واپس بلا کر چند ماہ کے بعد اس کے عہدہ پر بحال کر دیا گیا۔ اس کے انتقال کے بعد پنڈت دینا ناتھ اس کا جانشین بنا۔

اسی دوران ضلع بنوں میں گڑھی ولاسہ خاں کے زمینداروں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ بخشی تارا چند' سردار شام سنگھ' سردار جے سنگھ اور سردار جگت سنگھ اٹاری والا نے گڑھی میں باغیوں کا محاصرہ کر لیا' لیکن کم و بیش دو ہزار محصورین نے اچانک باہر نکل کر حملہ کر دیا اور اپنی بندوقوں کی گولیوں سے تین سو سکھوں کو ہلاک کر دیا اور پانچ سو سے زائد زخمی کر دیے۔ سکھ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور گڑھی سے ایک کوس کے فاصلہ تک پیچھے ہٹ

گئے۔ مہاراجہ نے یہ خبر ملنے پر فوراً راجہ سوچیت سنگھ کو سکھ فوج کی مدد کے لیے ایک فوج کے ہمراہ میدان جنگ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ تاہم نقصان کا سن کر اسے بہت غصہ آیا۔ کچھ عرصہ قبل تارا چند کو ایک دیوان مقرر کیا گیا تھا اور اسے بنوں، ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خاں کا انتظام سونپا گیا تھا۔ اس موقع پر اس کے ساتھ بہترین سکھ فوج بھی تھی۔ آٹھ ہزار جوانوں اور آٹھ توپوں پر مشتمل اس کی فوج کی قیادت اٹاری، نکا اور بٹالہ کے سردار کر رہے تھے۔ لہٰذا مہاراجہ نے اس کی شرمناک پسپائی کے ساتھ متعدد جری جوانوں کے نقصان کو اپنی پیشہ وارانہ زندگی کی ہتک اور اپنے عسکری کردار پر ایک دھبہ خیال کیا۔ وہ غصے کی حالت میں آپے سے باہر ہو گیا اور دیوان اور اس کے بھائیوں، منگل سین اور رتن چند پر ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپے کا جرمانہ عائد کر دیا۔ تارا چند کا راجہ سوچیت سنگھ کے ساتھ بھی جھگڑا ہو گیا، (اس وقت جس کے پاس ڈیرہ جات کا انتظام تھا) لہٰذا بعد میں یہی اس کے لیے بربادی کا باعث بنا۔ دریں اثناء راجہ سوچیت سنگھ کی کوششوں سے بنوں کی سرحد پر امن وامان بحال کر دیا گیا۔

پشاور کی ابتر حالت کے باعث اور افغانستان کی بادشاہت کے لیے شاہ شجاع اور دوست محمد خاں کے درمیان چھڑ جانے والی نئی جنگ کی صورت میں کابل کے بابگزار بن جانے کے امکان کے پیش نظر اب رنجیت سنگھ کو ترغیب ملی کہ وہ اس صوبہ کو مستقل طور پر اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کرے۔ دسہرہ کے فوراً بعد سردار ہری سنگھ نلوا کو حکم جاری کیا گیا کہ وہ اپنی تمام افواج کے ساتھ یوسف زئی پہاڑوں سے پشاور کی طرف روانہ ہو جائے اور وہاں شہزادہ نونہال سنگھ کے نائب کے طور پر کام کرے، جسے اسی اثناء میں جنرل ونتورا اور جنرل کورت کے ہمراہ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ لاہور سے اس جانب روانہ کیا گیا۔ اس فوج نے اپریل کے اختتام پر دریائے سندھ کو پار کر لیا اور پشاور کے نواح میں پہنچنے پر گھوڑوں، چاول، تلواروں وغیرہ کی صورت میں زائد خراج کا مطالبہ کیا گیا۔ پیش کردہ گھوڑوں وغیرہ کو رد کر دیا گیا کہ یہ مناسب نہیں ہیں۔ سکھوں کا مقصد وقت حاصل کرنا تھا۔ بارک زئی سرداروں نے سکھوں کے منصوبوں کے اندیشہ کے پیش نظر پہلے ہی اپنے خاندانوں کو اپنی توپوں اور دیگر املاک کے ساتھ دریائے کابل کے شمال میں واقع اچنی میں بھیج دیا تھا۔ وہ خود اپنے گھوڑوں کے ساتھ پشاور ہی میں رہے۔ ان پر ایک لمحہ میں زین ڈال کر تیار کیا جا سکتا تھا۔ ایک عینی شاہد لکھتا ہے کہ "دن میں تقریباً دو تین مرتبہ نوکروں کو اپنے سروں پر زینیں رکھے بھاگتے ہوئے اور یہ دریافت ہونے پر واپس آتے ہوئے دیکھ کر بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوتا تھا کہ انہیں جو اشارہ کیا گیا تھا وہ درست نہیں تھا۔" ہر ہلکی چیز کو اٹھا کر ساتھ لے گئے، حتیٰ کہ

مکانات کے دروازے اور کھڑکیاں بھی۔ دراصل پشاور میں ہمیشہ سے یہ رسم چلی آرہی تھی کہ جب کبھی گردونواح میں سکھوں کی آمد کی خبر ملتی تو ایسا ہی کیا جاتا۔ پشاور کے بوڑھے غلام خانہ کے باقیات' (جو شیعہ ہونے کے باعث بارک زئی بھائیوں کی حکومت سے ناخوش تھے) نے اور ملک کے سرکردہ ہندو دیوانوں نے ہری سنگھ کے ساتھ خفیہ خط و کتابت شروع کر دی۔ ہری سنگھ نے ہر چیز کو اپنے لیے موافق پاکر بارک زئی سرداروں سلطان محمد خاں' اس کے بھائی پیر محمد خاں اور اس کے بھتیجے نواب جبار خاں کے بیٹے عبدالغیاث خاں اور نائب حاجی خاں کو پیغام بھیجا کہ وہ شہر کو خالی کر کے علی مردان خاں کے باغ کی طرف چلے جائیں کیونکہ شہزادہ نونہال شہر کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ دریں اثناء سکھ افواج حرکت میں آگئیں۔ لہٰذا سلطان محمد خاں نے دوربین (جو ہر وقت اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی) کے ذریعے اس کا مشاہدہ کیا تو فوراً فرار ہونے کی تیاری کرلی۔ گھوڑوں پر کاٹھیاں انتہائی جلدی میں ڈالی گئیں اور وہ فوراً ان پر سوار ہوگئے اور ماسوائے عبدالغیاث خاں اور اس کی جماعت کے' سب ملحقہ پہاڑوں کی طرف فرار ہوگئے۔ سکھ باقاعدہ نظم و ضبط کے ساتھ آگے بڑھے۔ نوجوان شہزادہ ایک ہاتھی پہ بیٹھا ہراول دستے کی قیادت کر رہا تھا اور ہری سنگھ و دیگر سرداروں کا لشکر اس کے پیچھے آرہا تھا۔ ان کے پیچھے گھڑسوار فوج کے دستے اور سب سے آخر میں جنرل کورٹ کی پلٹونیں صفوں کی صورت میں آگے بڑھ رہی تھیں۔ چند افغان' جو درختوں میں چھپ گئے تھے' انہیں باہر نکال لیا گیا۔ حاجی خاں کے آدمیوں نے سکھوں کی پیش قدمی کو روکا' لہٰذا ایک جھڑپ شروع ہوگئی' جس میں حاجی خاں کا بھائی' خاں محمد خاں بری طرح زخمی ہوگیا اور اسے میدان جنگ سے باہر لے جایا گیا۔ فریقین کی جانب سے اچھی خاصی بوچھاڑ کی گئی اور افغانوں میں بھی انفرادی بہادری کی مثالوں کی کمی نہیں تھی۔ ایک بہادر شخص اپنے چھ دشمنوں کو کاٹ کے رکھ دیتا تھا۔

اب سکھوں نے شہر کا چکر مکمل کر لیا اور بالاحصار پر قبضہ کر لیا۔ لہٰذا بیک وقت اس کے ساتھ ہی ۶ مئی ۱۸۳۴ء کو شہر پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ شکست خوردہ سردار پہاڑوں کی وادی میں ٹکال اور شیخاں کی طرف فرار ہوگئے۔ بعد میں اطلاع ملی کہ پیر محمد خاں ساڑھے تین لاکھ روپے مالیت کے خزانہ کے ساتھ (جسے وہ پشاور سے لے گیا تھا) کوہاٹ کی طرف چلا گیا ہے۔ چنانچہ سکھ ایک اہم اور پیداواری علاقے کے مالک بن گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان محمد خاں اگر حتی المقدور کوشش کے ساتھ اس علاقے کا دفاع کرتا تو یہ اتنی آسانی سے لقمہ تر نہ بن جاتا۔ حالانکہ سردار نے اپنی فوج کے ایک بہترین حصہ کو باہر بھیج دیا تھا اور اس

علاقے کے لوگوں کو شہر کا دفاع کرنے سے منع کر دیا تھا۔

پشاور پر قبضہ کر لیا گیا تھا، مگر رنجیت سنگھ کا ذہن پر سکون نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی پوری توجہ سرحد کے معاملات پر مرکوز کر دی۔ فوج کو روزانہ اس طرف روانہ کیا جاتا۔ کنور کشمیرا سنگھ کو اس کی فوج کے ساتھ اٹک کی طرف اور سردار تیج سنگھ کو پشاور کی طرف روانہ کیا گیا۔ سب سے آخر میں مہاراجہ بذات خود پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں روہتاس کے مقام پر ایک ماہ تک خیمہ زن رہا اور اس نے راجہ گلاب سنگھ کو اپنے پڑاؤ سے قبل پشاور روانہ کیا۔

سکھوں کے پشاور پر قبضہ سے امیر دوست محمد خاں کو بہت پریشانی ہوئی کیونکہ وہ ہمیشہ سے دعویٰ کرتا آیا تھا کہ یہ کابل کا اطاعت گزار ہے۔ امیر نے بے سود حکومت برطانیہ سے درخواست کی کہ وہ سکھوں کو پشاور سے واپس جانے پر آمادہ کرنے اور اس کے اور لاہور کے حکمران کے درمیان اختلاف دور کرنے کے لیے مداخلت کرے۔ اسے بتایا گیا کہ حکومت اس معاملہ میں مداخلت کرنا نہیں چاہتی۔ اگرچہ دوست محمد اور اس کے بھائیوں کو صاف بتا دیا گیا کہ حکومت برطانیہ کی یہ خواہش ہے کہ ان کے ساتھ تجارتی سہولیات کے باہمی تبادلے کا تعلق پیدا کر لیا جائے۔ چنانچہ اسے اپنے وسائل پر اور لاہور کی حکومت کے ساتھ اپنی مرضی سے تصفیہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تو امیر نے پشاور کی طرف پیش قدمی کرنے کی تیاری کر لی۔ اسی دوران اس نے ایک ایرانی باشندے محمد حسین کے ذریعے (جو چند سالوں سے کابل میں رہائش پذیر تھا) شاہ ایران سے خط و کتابت شروع کر لی۔ اس نے اس بات کی خواہش کا اظہار کیا کہ اس کا بھائی نواب جبار خاں (جو کابل میں کافی بارسوخ شخص تھا) اس خط و کتابت میں شریک ہو جائے، لیکن نواب نے اس معاملہ میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس نے ہمیشہ حکومت برطانیہ کے ساتھ وابستگی کی وکالت کی ہے اور آئندہ بھی ایسا کرتا رہے گا۔

آخر کار امیر نے جلال آباد میں پڑاؤ اٹھایا اور آسان منازل طے کرتا ہوا ابسوال پہنچا۔ عید قربان کا تہوار علی باغاں میں منایا گیا اور یہاں امیر نے آنے والی لڑائی میں اپنی فوجوں کی کامیابی کی دعا کی۔ اس نے بلند آواز میں پکارا تاکہ اس کے اردگرد کے لوگ بھی سن لیں۔ ”اللہ! میں ایک کمزور مکھی ہوں اور ایک دیوہیکل ہاتھی سے مقابلہ کرنے والا ہوں۔ تمہاری طاقت عظیم ہے تمہارے اوپر ہی اس بیچاری مکھی کا انحصار ہے۔ اگر تمہاری رضا شامل حال رہی تو یہ مکھی، ہاتھی سے مقابلہ کر کے فتح یاب ہوگی۔ میں تجھی سے مدد چاہتا ہوں اور تجھی

سے فتح کی درخواست کرتا ہوں"۔ اردگرد کے علاقہ سے غازیوں کا ایک لشکر بھی امیر کے ساتھ مل گیا۔ اس نے غازی کا قابل فخر لقب اختیار کر لیا اور آبادی میں عام طور پر فرض شناسی کا جذبہ ابھارنے کی کوشش کی' جس کے بارے میں اس نے اعلان کیا کہ وہ پشاور کے کافر حملہ آوروں کو تباہ کر دے گا۔ سکھوں نے اپنی طرف خیبر کے ملکوں اور ادنیٰ سرداروں کو وظائف دے کر ان کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی' لیکن انہوں نے مذہبی خیالات کے پیش نظر سکھوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور امیر سے مل گئے۔ خیبر کی گھاٹیاں پار کر کے امیر نے پہاڑوں کی وادی میں شیخاں کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ خبر کہ افغانوں نے پشاور کے میدانوں میں مورچہ سنبھال لیا ہے' مہاراجہ کو اس سے (جو دریائے سندھ کے مشرقی علاقہ میں مٹرگشت کر رہا تھا) ترغیب ملی کہ وہ اس جگہ کی طرف پیش قدمی تیز کر دے۔ وہ اپنی فوج میں اعتماد بحال کرنے کے بعد جلد ہی وہاں پہنچ گیا۔ سردار سلطان محمد خاں اس سے مل گیا۔ اس نے اسے اخلاقی مدد بہم پہنچائی' لیکن وہ کسی طرح بھی مہاراجہ کو مادی مدد پہنچانے کی حالت میں نہیں تھا۔ لاہور کے آزمودہ کار مہاراجہ نے ذاتی طور پر اپنی توجہ اور کوششوں سے فوری طور پر اپنی فوج کا مزاج تبدیل کر دیا' جسے اب تک مختلف مورچوں میں بٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ افغان فوجوں کا قریب ترین پڑاؤ ساکت رہا کیونکہ کسی نقل و حرکت کے بارے میں نہیں سوچا گیا تھا۔ کابلی امیر کے ساتھ بات چیت کے ذریعے جھانسہ دینے کے لیے مزید وقت حاصل کیا گیا۔ افغانوں کی طرف سے نواب جبار خاں اور آغا حسین سفیر مقرر ہوئے۔ آغا حسین کو نواب جبار خاں کی کارروائیوں پر نظر رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ امیر کو اس پر بھروسہ نہیں رہا تھا۔ تاہم بعد کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آغا اپنے بارک زئی ساتھی کے مقابلہ میں امیر کا ایک ایماندار اطاعت گزار نہیں تھا۔ اس نے سکھوں سے ایک بہت بڑی رقم وصول کر کے اپنے آقا کو کابل کی طرف قدم موڑنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ لاہور کے مہاراجہ نے حاصل شدہ وقت کو اپنی افواج جمع کرنے اور افغان مورچوں کو مکمل طور پر گھیرے میں لینے کے لیے انہیں ازسرنو تقسیم کرنے میں استعمال کیا۔ پانچ پڑاؤ پر مشتمل سکھ افواج نے نیم دائرہ بنایا۔ ان کے سامنے والے حصے کی حفاظت رسالے نے کی۔ ان کی پچھاڑی ۳۵ پلٹونوں پر مشتمل باقاعدہ پیادہ فوج نے کی' لہٰذا ان کے عقب میں مختلف طاقت کی سوار فوج کے دستے تھے۔ جس وقت ایک حملہ کے لیے یہ انتظامات کیے جا رہے تھے' مہاراجہ نے فقیر عزیز الدین اور مسٹر ہارلن (ایک اینگلو انڈین' جو اس کی ملازمت میں داخل ہو چکا تھا) کو امیر کو واپس جانے پر آمادہ کرنے کے احکامات کے ساتھ امیر کے پڑاؤ کی طرف روانہ کیا۔ سردار سلطان محمد

خاں کو بھی گفت و شنید میں مدد دینے کے لیے سفیروں کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ تاہم یہ ابھی زیر غور تھے کہ امیر کو مطلع کر دیا گیا کہ سکھوں نے اس کی پوری فوج کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ اس پر اسے بہت حیرانگی ہوئی۔ اسے شاید کم از کم اتنی جلدی جنگ کے لائے جانے کا اندازہ نہیں تھا' کیونکہ اسے اپنی فوج پر سکھ فوج کی انتہائی برتری کی خبر تھی' لیکن اب اس پر واضح ہو گیا تھا کہ مراجعت اور فرار میں اسے ایک راستے کا انتخاب کرنا ہو گا۔ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ بشمول اپنی توپوں اور عسکری ساز و سامان کے اسلحہ جنگ سے محروم ہو جائے گا۔ اس پس و پیش میں اس نے اپنے با اعتماد وزیر مرزا سمیع خاں سے مشورہ کیا' لہٰذا یہ مشورہ دیا گیا کہ امیر کے پڑاؤ میں سکھوں کے سفراء کو گرفتار کر لیا جائے۔ دوست محمد خاں اچھی طرح جانتا تھا کہ مہاراجہ کے طبیب فقیر عزیز الدین (جو اس کے لیے ادویہ تجویز کرتا ہے اور خوراک کو باقاعدہ بناتا ہے) کی موجودگی اس کی بقا کے لیے بہت ضروری ہے' لہٰذا اس بات پر غور کیا گیا کہ مہاراجہ ناگزیر فقیر کے تبادلے کے لیے پشاور کو حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے گا یا کسی بھی صورت میں بطور معاوضہ ایک بہت بڑی رقم پیش کر دے گا' تاہم بین الاقوامی قوانین کے خلاف ایک اقدام سے وابستہ بے عزتی سے احتراز برتنے کے لیے سکھوں کے سفیروں کی مجوزہ گرفتاری میں سردار سلطان محمد خاں کو ملوث کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ امیر نے سردار کو بلوایا اور رازداری کے لیے قرآن پاک پر حلف کے تبادلوں کے بعد اسے اپنے ارادہ سے مطلع کر دیا۔ یہ مشورہ دیا گیا کہ چونکہ سفیر اس کے ساتھ آئے تھے' اس لیے اگر وہ انہیں اپنے ساتھ لے جائے گا تو ہر چیز خواہش کے مطابق حاصل ہو جائے گی۔ سردار نے دیکھا کہ امیر کی حکمت عملی یہ ہے کہ اس کی اپنی شہرت سے اس کی تباہی لائی ہے۔ اس نے جھوٹ موٹ اس منصوبہ میں شامل ہونے پر رضامندی ظاہر کر دی اور فوری طور پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیا۔ قرآن پاک پر قسم کھائی' لیکن اس بات پر غور کیا کہ جن حالات کے تحت حلف اٹھایا گیا ہے' ان میں یہ قانونی طور پر پابند نہیں ہو گا۔ دوست محمد خاں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا مقصد حاصل ہو گیا ہے' فقیر اور مسٹر ہارلن کو اپنے پاس بلوایا اور انہیں لعنت ملامت کی اور برا بھلا کہا۔ عالم فاضل فقیر کے متاثر کن خطاب سے کسی قدر ٹھنڈا ہو کر اس نے کہا کہ اس نے افغان پڑاؤ میں سفیروں کو محض مجوزہ شرائط کے پورا کرنے کے لیے یرغمال بنایا ہے' جو یہ ہیں کہ پشاور کا نصف علاقہ اس کے بھائی سلطان محمد خاں کے حوالے کر دیا جائے اور نعل بندی کے طور پر چند لاکھ روپے اسے ادا کر دیے جائیں۔ فقیر نے اس بات پر زور دیا کہ یہ اس کے اور اس کے ساتھی کے لیے ضروری ہے کہ

وہ واپس جاکر مہاراجہ کو امیر کی تجاویز سے روشناس کرا سکیں' لیکن اس پر جواب دیا گیا کہ ایسا ایک خط کے ذریعے زیادہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد فقیر نے دلیل پیش کی کہ سفیروں کی قید اس احترام کی براہ راست خلاف ورزی ہے جو دیگر تمام اقوام کی طرح افغانوں میں انہی کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس پر امیر نے جواب دیا کہ سکھ کافر ہیں اور دوسرے لوگوں کی طرح نہیں' یہ خود ہی حلف اور معاہدے توڑ ڈالتے ہیں' لہٰذا ایسے لوگوں کے ساتھ مختلف انداز میں کارروائی کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ بعد ازیں سفیروں کو سردار سلطان محمد خاں کے حوالے کر دیا گیا۔ تاہم سلطان محمد خاں نے اپنے خلاف اپنے بھائی کے شیطانی منصوبوں کے متعلق سوچ کر اور مہاراجہ کا اعتماد حاصل کرنے کا خیال کر کے سفیروں کو لے جانے کے بجائے نہایت احترام سے انہیں بحفاظت اپنے پڑاؤ میں بھیج دیا اور بالآخر انہیں مچنی روانہ کر کے وہاں مہاراجہ کے احکامات کا انتظار کرنے لگا۔

دوست محمد خاں نے اب منظم طریقے سے مراجعت کرنے کا فیصلہ کر لیا' لیکن غازیوں نے اس کے فوجی بازار کے ایک بڑے حصے کو لوٹ لیا۔ شام کے وقت وہ خیبر کی گھاٹیوں میں واقع پکھاری کی پہاڑیوں پہ پہنچا تو اسے خبر ملی کہ کابلی فوج کی ہجرت پر سکھوں نے فتح کی خوشی میں فوجی سلامی دی ہے۔ تاہم امیر نے اس خیال سے اپنے آپ کو تسلی دے لی کہ اس نے فقیر عزیزالدین اور مسٹر ہارلن (جن کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ ابھی تک سردار سلطان محمد خاں کے قبضہ میں ہیں) کو گرفتار کر کے سکھوں کو مات دے دی ہے۔ دریں اثناء اس نے شیخاں کی جانب اپنی مراجعت جاری رکھی' لیکن جمار گھی کے مقام پر اسے بتایا گیا کہ سفیروں کو قبضے میں رکھنے کے لیے اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے اور وہ اس کی پہنچ سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ امیر اور اس کے بااعتماد وزیر مرزا کو بہت زیادہ شرمندگی ہوئی اور انہیں سلطان محمد خاں کی دغابازی اور اپنے منصوبے کی یکسر ناکامی پر بہت دکھ پہنچا۔ اس نے اپنی افواج کو جلال آباد میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ چند دستے پیشگی سرخ پال کی طرف روانہ کیے گئے' جہاں اس کے سپاہیوں نے محافظوں پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کے گھوڑوں' ہتھیاروں اور اسلحہ کو لوٹ لیا۔ امیر اپنی فوج میں نظم و ضبط بحال کرنے کے قابل نہیں تھا' چنانچہ اس نے رات کے وقت' اپنے قدم کابل کی جانب موڑ لیے۔ اس نے شرم کے مارے اپنے آپ کو تین یا چار روز تک بالا حصار کے قلعہ میں بند کر لیا اور کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔ اسی طرح اس کے وزیر مرزا سمیع خاں نے بھی اپنے گھر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور غیظ و غضب اور خجالت کے باعث اپنے قلمدان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور جنگ و سیاسی معاملات

پر اس کے مشورہ پر عمل نہ کرنے پر امیر کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

امیر دوست محمد خاں کی کابل کو مراجعت پر' مہاراجہ نے حکم دیا کہ پرانے قلعہ کی جگہ پر ایک انتہائی مضبوط قلعہ تعمیر کیا جائے۔ سردار ہری سنگھ نلوا' راجہ گلاب سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ نے بڑے جوش و خروش سے اس حکم کی تعمیل کی۔ سکھوں نے اس علاقے کی حفاظت کے لیے اور قلعے بھی تعمیر کیے۔ سکھوں نے پشاور میں اپنی طاقت کو مجتمع کر لیا' جہاں دریائے سندھ کے مغرب میں' پہاڑوں کے دامن میں ان کے نمائندے رہائش پذیر تھے' اب انہوں نے حقیقی طور پر علاقے پر قبضہ کر لیا اور اپنے اثر و رسوخ کو بنوں کی آخری حد تک بڑھا دیا۔ مہاراجہ' کئی ہفتوں تک پشاور میں رہا۔ یہاں نواب جبار خاں کے بیٹے عبدالغیاث خاں اور شہر کے معزز شہریوں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ مہاراجہ نے راجہ گلاب سنگھ کو ملک کے مالی امور کا سربراہ بنایا' جبکہ جنرل ونتورا کو محکمہ فوج کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ بعد ازیں' راجہ گلاب سنگھ بیمار پڑ گیا' تو جنرل ایویٹ بائل کو اس کی جگہ مقرر کیا گیا۔ ان انتظامات کے بعد' مہاراجہ' واپس لاہور آ گیا۔ پشاور میں خدمات کے اعتراف میں شہزادہ نونہال سنگھ کو ایک لاکھ روپے کی جاگیر عطا کی گئی۔

سال ۱۸۳۴ء کے دوران' مہاراجہ نے فوج میں اونٹ اور گھوڑوں کو داغنے کا طریقہ متعارف کرایا' لہٰذا ایک حکم کے تحت ایسے تمام جانوروں کو داغ دیا گیا۔ انگلستان کے بادشاہ کے لیے تحائف اب بھیجے جانے کے لیے تیار تھے۔ ستمبر ۱۸۳۴ء میں' سردار گوجر سنگھ اور بھائی گووند جس کو بادشاہ اور گورنر جنرل کے لیے خطوط کے ساتھ' ایک سفارت پر کلکتہ روانہ کیا گیا۔ یہ صرف دوستانہ سفارت تھی' اس کا سیاسی معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ سودھرا(۷) کے قاضی کمال الدین کے بیٹوں کے قبضہ میں' شیخ غلام محی الدین کی ملکیت' شالوں اور کشمیری جبوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود پائی گئی' لہٰذا انہیں بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ دسہرا دربار کے بعد (جو امرتسر میں بڑی دھوم دھام سے منعقد کیا گیا) مہاراجہ بٹالہ کی طرف روانہ ہوا اور شمشیر خاں کے تالاب کے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ شہزادہ شیر سنگھ کی جاگیر تھی' اس کے بیٹے کنور پرتاپ سنگھ نے' سرحد پر فرض انجام دینے کے لیے اپنے باپ کی عدم موجودگی پر مہاراجہ کو ایک ہاتھی' دو گھوڑوں اور ایک سو روپے کے علاوہ مٹھائی کے ایک سو ایک طشتوں کی نذر پیش کی' اسے قبول کر لیا گیا اور شہزادے کو خلعت فاخرہ پیش کی گئی۔ اس کے بعد مہاراجہ سیالکوٹ گیا' وہاں شہزادہ پشورا سنگھ کا خراج عقیدت وصول کر کے جہلم روانہ ہوا اور روہتاس کے نواح میں خیمہ زن ہو گیا۔

یہاں اسے اپنے حلیف' جھنڈ کے راجہ سنگت سنگھ کے انتقال کی خبر ملی۔ یہ واقعہ ۲ نومبر کو بسیہ میں رونما ہوا۔ مہاراجہ کو' راجہ کے انتقال کا سن کر بہت دکھ ہوا کیونکہ اس کا شمار اس کے انتہائی قیمتی اور قابل بھروسہ دوستوں میں ہوتا تھا۔ انتقال کے وقت' آنجہانی راجہ کی عمر صرف ۲۳ برس تھی۔ روہتاس میں چند سرداروں نے مہاراجہ کو اپنی تلواریں پیش کر دیں' لہٰذا انہیں پشاور میں خدمات سرانجام دینے کا حکم دیا گیا۔ مہاراجہ واپس لاہور آ گیا۔ سال ۱۸۳۴ء کا اختتام شہزادہ نونہال سنگھ کی' اٹاری کے سردار شام سنگھ کی بیٹی کے ساتھ منگنی سے ہوا۔

۱۸۳۴ء کے اوائل میں' کشتواڑ میں' راجہ گلاب سنگھ کی افواج کے کمانڈر زور آور سنگھ نے لداخ کے حکمران خاندان میں پیدا ہونے والے جھگڑوں کا فائدہ اٹھا کر راجہ کو معزول کر کے اس کی جگہ اس کے باغی وزیر کو بٹھا دیا۔ لداخ کے صدر مقام' لیح میں ایک سکھ حفاظتی فوج تعینات کی گئی اور تیس ہزار روپے کا خراج مقرر کیا گیا۔ معزول راجہ نے بے سود ہی لاسہ میں چینی وزیر سے شکایت کی' اس نے مداخلت کرنے پر رضامندی کا اظہار نہیں کیا' کیونکہ راجہ کے جانشین نے مقررہ خراج کی ادائیگی باقاعدگی سے جاری رکھی تھی۔ جموں کو واپسی پر' زور آور سنگھ کو تحائف کے ساتھ لاہور روانہ کیا گیا' علاقے کی دستکاریوں کو اس نے ترتیب دیا تھا۔ یہ تحائف وصول کر کے مہاراجہ کو بڑی خوشی محسوس ہوئی اور وہ عالی ہمت زور آور سے یہ سن کر بھی بہت خوش ہوا کہ اگر مہاراجہ کا حکم ہو تو وہ چینی سلطنت کی سرحد تک اپنی فوجوں کو لے جا سکتا ہے۔

اس علاقے میں شاہ شجاع سے امیروں کی شکست اور بارک زئی بھائیوں کے ہاتھوں' قندھار میں ہزیمت اٹھا کر اس بادشاہ کی لدھیانہ کو واپسی کے باعث' رنجیت سنگھ کے دماغ میں سندھ میں بالادستی کا خیال دوبارہ عود کر آیا۔ حیدر آباد کے نور محمد خاں نے اس شرط پر' شکار پور اس کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا کہ اسے سابق بادشاہ کے منصوبوں کے خلاف ایک ضمانت دی جائے' لیکن رنجیت سنگھ کو سندھیوں کے وعدے پر زیادہ اعتماد نہیں تھا' لہٰذا اس نے سندھ کے پار معاملات میں اپنی مداخلت جاری رکھی۔

حاکم ملتان' ساون مل نے روجھان کے مزاریوں کو سزا دینے کے لیے (جنہوں نے سکھ چوکیوں پر حملے کیے تھے) جودھ سنگھ کے بیٹے ملا سنگھ کو ایک فوج کے ساتھ روانہ کیا' لہٰذا سکھوں اور مزاری ڈاکوؤں کے درمیان جنگ میں' ایک سو مزاری ہلاک ہوئے۔ بعد میں ناہر سنگھ کو ایک فوجی دستہ اور ایک توپ کے ساتھ' سکھ سرحد پر امن و امان بحال کرنے کے لیے

روجھان کی طرف روانہ کیا گیا۔ مہاراجہ نے ایک سردار غلام شاہ کولہاڑا (جسے تالپوروں نے نکال دیا تھا) کی دیکھ بھال بھی کی' جسے کابل سے ایک جاگیر بھی عطا کی گئی تھی۔ مہاراجہ نے مزاریوں کے پایہ تخت' روجھان میں' کولہاڑا خاندان کے اس نمائندے کو ایک مناسب وظیفہ عنایت کیا۔ رنجیت سنگھ نے حکومت برطانیہ پہ دوبارہ' شکارپور پر اپنے دعویٰ کا زور دینا شروع کر دیا اور تکرار کی کہ یہ خراسان کے سرداروں کا اطاعت گزار تھا' اس نے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ مٹھن کوٹ کے نیچے دریا' دریائے سندھ کا نہیں بلکہ معاہدے کا دریا' ستلج کا باجگزار ہے' لہٰذا فصیح و بلیغ' فقیر عزیز الدین کے الفاظ میں: "یہ دریا' جس نے کافی عرصہ سے ان کی دوستی کے علامتی باغ کو تازگی اور خوبصورتی بخشی ہے اور جس کا زرخیز راستہ' سمندر کی طرف جاتے ہوئے درحالانکہ' مشرق کی دو برادرانہ طاقتوں کی متحدہ بادشاہتوں کو جدا کرتا ہے"۔ انگریز' رنجیت سنگھ کے اولوالعزم خیالات سے ناخوش تھے' لیکن ان کا مقصد احتیاط اور میانہ روی سے کام لینا اور متصادم مفادات رکھنے والی ریاستوں کے ساتھ دوستانہ شرائط پر قائم رہنا تھا۔

مہاراجہ نے اسی سال کے دوران' دوسری مرتبہ' پشاور کا دورہ کیا اور فوری نوعیت کے عسکری اور مالی انتظامات کی ذاتی طور پر نگرانی کی۔ پشاور میں مہاراجہ نے سردار سلطان محمد خاں کو کوہاٹ اور ہشت نگر میں تین لاکھ روپے اور دوآبہ میں پچیس ہزار روپے کی جاگیر دی۔ مہاراجہ کی لاہور واپسی پر' سردار اپنے چند بیٹوں کے ساتھ' اس کے ہمراہ آیا اور اسے دریائے راوی کے کنارے پر مقبرہ جہانگیر میں ٹھہرایا گیا۔

دسہرہ سے کچھ دیر پہلے' مہاراجہ پر فالج کا حملہ ہوا' جو اس کی زبان پر اثر انداز ہوا' جس کے باعث وہ بولنے سے قاصر ہو گیا۔ فقیر عزیز الدین اور فقیر امام الدین نے گرما گرم پانی کا سینک اور مرہم تجویز کیے' جنہیں آزادانہ استعمال کیا جاتا تھا۔ امرتسر کے سردار لہنہ سنگھ مجیٹھیہ اور لاہور کے عدالتی' سردار رتن سنگھ گھرجاگیہ کو حکم دیا گیا کہ وہ چند قیدیوں کو رہا کر دیں۔ ہر رات مہاراجہ کے تکیے کے قریب' دو ہزار روپے رکھ دیے جاتے اور صبح کے وقت انہیں غریبوں میں خیرات کے طور پر بانٹ دیا جاتا۔ لاہور اور امرتسر کے برہمنوں میں' گھوڑے' مویشی اور کپڑے خیرات کے طور پر تقسیم کر دیے گئے' جوالا مکھی اور کانگڑا کے مندروں میں بڑی بڑی رقمیں نذرانے کے طور پر بھیجی گئیں۔ ملتان سے موسیقاروں اور بھجن گانے والے گویوں کو بلوایا گیا' لہٰذا وہ اطباء کے مشورہ کے مطابق' مہاراجہ کا دل اپنی کارکردگیوں سے بہلاتے تھے۔ چند دنوں میں مہاراجہ کی قوت گویائی لوٹ آئی اور اس کی

صحت بحال ہو گئی۔ مہاراجہ کے غسل صحت کے موقع پر' برہمنوں اور فقیروں میں پانچ ہزار روپے تقسیم کیے گئے۔

اس وقت دربار امرتسر میں تھا' مہاراجہ گھوڑے پر بیٹھ کر بارہ دری سے رام باغ تک گیا' وہاں اس کے امراء اور درباریوں نے اسے سلام پیش کیا' سب نے بطور سروانہ رقم پیش کی۔ سردار سلطان محمد خاں نے ایک بہترین گھوڑا پیش کیا' لہٰذا اس سے وعدہ کیا گیا کہ دسہرہ کے بعد' اسے اپنی جاگیروں کی طرف جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔ کنور نونہال سنگھ کو ساون مل سے سالانہ آمدنی وصول کرنے کے لیے ملتان روانہ ہونے کا حکم دیا گیا اور مہاراجہ' امرتسر میں دسہرہ کا تہوار منانے کے بعد' اسوج میں اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹ آیا۔

اس سال متعدد معزز یورپی اور ایشیائی شخصیات نے لاہور کا دورہ کیا۔ یورپی شخصیات میں' ڈاکٹر میکر یگر' ایک امریکی مہم جو ڈاکٹر ھارلن' جرمن سیاح ہونی گبرگھر اور سمرو کی بیگم کی ملازمت میں شامل ومشن شامل تھے۔ ایشیائی شخصیات میں' نیپال کے مہاراجہ کا وکیل کشن پنڈت' بیکانیر کے راجہ کا وکیل سرجو اور تبت کے حکمران راجہ کا بھائی راجہ بھیم کال' شامل تھے۔

اسی سال کے دوران کنور نونہال سنگھ اور سردار عطر سنگھ سندھیانوالیہ نے نواب شاہ نواز خاں کو ڈیرہ اسماعیل خاں کے قبضہ سے محروم کر دیا اور دربار کے احکامات کے تحت' نواب کو حراست میں لے لیا۔ ٹانک کے قلعہ کو بھی سرفراز خاں سے چھین لیا گیا اور وہاں ایک فوجداری چوکی قائم کی گئی۔ قلعہ سے ملنے والی ۳۰ توپوں اور دوسرے جنگی سامان کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ تاہم کنور کو گڑھی یونس خاں میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی' جہاں افغانوں سے تصادم کے نتیجہ میں' ۲۵۰ سکھ سپاہی ہلاک ہوئے اور دو سردار زخمی ہو گئے۔

سردار سلطان محمد خاں' جو کچھ عرصہ سے دربار میں تھا' اس نے یکم جنوری ۱۸۳۶ء کو اپنے وطن میں اپنی جاگیروں (جو اسے عنایت کی گئی تھیں) کی دیکھ بھال کرنے کے لیے واپس جانے کی اجازت چاہی۔ اگلے مہینے کی ۷ تاریخ کو سردار بساوا سنگھ سندھیانوالیہ کا انتقال ہو گیا۔ وہ سردار عطر سنگھ اور سردار لہنا سنگھ کا سگا بھائی تھا' لہٰذا مہاراجہ کو اس کے انتقال کی خبر سن کر بہت صدمہ ہوا۔ تقریباً مارچ کے اختتام پر رائے گوبند جس اور سردار گوجر سنگھ' جنہیں ایک سفارت پر کلکتہ روانہ کیا گیا تھا' گورنر جنرل کی طرف سے' موسیقی کے آلات' دوربینوں' تصاویر' ہندوستان' پنجاب اور سندھ کے نقشہ جات اور مختلف قسم کے قیمتی ملبوسات پر مشتمل تحائف کے ساتھ' واپس لاہور آ گئے۔ شہزادہ شیر سنگھ اور سردار تیج سنگھ نے فتح خاں کی

قیادت میں پنجتار کے سرکش یوسف زئیوں کو سزا دی۔ ان کا سردار' بنر کی طرف فرار ہو گیا' جبکہ پنجتار کو لوٹ لیا گیا اور نواحی دیہاتوں کو تاخت و تاراج کر دیا گیا۔ خیبر کے قریب جمرود کے مقام پر' ہری سنگھ نلوا نے آفریدیوں کی ایک فوج کو شکست دی۔ دربار میں جب یہ خبر پہنچی تو ان فتوحات کے موقع پر' توپوں کی سلامی دی گئی۔ اسی دوران' مصر روپ لال کو حکم دیا گیا کہ وہ آنند پور کے سوڈلی عطر سنگھ کی جاگیروں کو ضبط کر لے۔ اسی دوران بھائی رام سنگھ کو روانہ کیا گیا کہ وہ عطر سنگھ سندھیانوالیہ سے شہزادہ نونہال کی شادی کی آمد پر بطور تمبل بیس ہزار روپے اور بطور نذرانہ تیس ہزار روپے وصول کرے۔ بساوا سنگھ کے انتقال اور خاندانی جاگیروں پر جانشینی کے باعث' وہ اسے ادا کرنے کا پابند تھا۔ اوڈا کے امیر خاں کو پابہ زنجیر کر کے لاہور لایا گیا اور اسے مہاراجہ کے سامنے پیش کر دیا گیا' اس پر الزام تھا کہ اس نے دربار کی حکومت کے خلاف' بغاوت میں پنجتار کے فتح خاں کی مدد کی تھی۔ مہاراجہ نے سردار تیج سنگھ اور ہری سنگھ کے بااعتماد نمائندے قاضی حسین بخش سے اس کے چال چلن کے متعلق پوچھ گچھ کرنے کے بعد' حکم دیا کہ اسے شہر کے بھاٹی دروازہ کی برجی میں سنگین قید میں رکھا جائے۔

شہزادہ نونہال سنگھ کی شادی کی آمد کے باعث' حکم دیا گیا کہ محکمہ فوج کے جملہ ملازمین کی ایک ماہ کی تنخواہ بطور تمبل کاٹ لی جائے اور سرکاری مالیہ کے علاوہ' زمینداروں سے فی سینکڑہ دو روپے کی فیس وصول کی جائے۔ لاہور اور امرتسر کے تمام ساہوکاروں پر بھی فی کس پانچ روپے کا محصول عائد کر دیا گیا۔

سکھوں کا روجھان پر قبضہ

اگست ۱۸۳۶ء میں' حاکم ملتان' ساون مل نے مہاراجہ کو اطلاع دی کہ سکھ چوکیوں پر مزاریوں کے مسلسل حملوں کے باعث اس نے روجھان پر رسمی قبضہ کر لیا ہے۔ آئندہ اکتوبر میں مزاریوں اور سکھوں کے درمیان ایک اور جنگ لڑی گئی' جس میں مزاریوں کو بھاری نقصان کے ساتھ شکست دی گئی اور فاتح سکھوں نے ان کے قلعہ پر قبضہ کر لیا جسے کان کہا جاتا تھا۔ شہزادہ کھڑک سنگھ اور شہزادہ نونہال سنگھ دونوں اس وقت' بہت بڑی افواج کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے پر موجود تھے۔ انگریزوں نے مہاراجہ کی طرف سے ان مظاہروں کو پسند نہ کیا' ان کا مفاد اسی میں تھا کہ دریائے سندھ کے کنارے کے ساتھ' سکھوں کی طاقت کو بڑھنے سے روکا جائے۔ آخر کار کیپٹن ویڈ' ذاتی طور پر مہاراجہ سے اس بات کی وضاحت

کرنے کے لیے لاہور آئے کہ وہ حکومت برطانیہ کی واضح حکمت عملی کی مخالفت کر کے ایک عظیم خطرہ مول لے رہا ہے۔ رنجیت سنگھ نے تعظیم کے باعث اپنے پرانے حلیفوں کی بات مان لی۔ اس نے کان کا قلعہ مسمار کر دیا مگر رودھان اور مزاریوں کے علاقہ پر قبضہ برقرار رکھا۔ اس کے درباریوں نے اسے انگریزی حکومت کی تجاویز ماننے سے روکنے کی بہت کوشش کی' لیکن مہاراجہ نے اپنا سر جھٹک دیا اور اس حکومت کے خلاف جنگ کے خطرہ کی نشاندہی کی' جس نے دو لاکھ سپاہیوں پر مشتمل مرہٹوں کی افواج کو ناکام بنا دیا تھا اور اب جس کے قدموں میں' عظیم مغلوں کی سلطنت بمعہ اپنے وسیع و عریض وسائل کے پڑی ہوئی تھی۔ مزید براں' یہ دکھانے کے لیے کہ اس نے انگریزوں کی طرف سے سندھ کی سرحد پر اپنے اولوالعزم خیالات کی روک تھام کو کس طرح مکمل طور پر فراموش کر دیا ہے' اس نے گورنر جنرل کو ایک دوستانہ خط لکھا' اس میں عزت مآب گورنر جنرل کو دعوت دی گئی کہ وہ اس کے پوتے کی شادی کی تقریبات میں شرکت کرے' جس پر اس نے آنکھ رکھی ہوئی ہے کہ وہ اپنے لیے سندھ کے پر خواہش صوبہ کو فتح کرے گا۔ اس نے تاحال پرانی بنیادوں پر سندھ کے امیروں سے تعلقات وابستہ کیے ہوئے تھے۔ ان کے نمائندے اس کے دربار میں حاضر تھے اور وہ اس کی طاقت سے خوفزدہ تھے۔ اس نے مزاریوں کی بالادستی سے متعلق مسئلہ پر' امیروں کے ساتھ سرحد کے متعلق کسی واضح تصفیے پر رضامندی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اپنے طاقتور انگریز حلیفوں کے ساتھ مبینہ جنگ سے احتراز کے باوجود اس نے آئندہ کسی تاریخ تک' سندھ پر حتمی بالادستی کے خیالات جاری رکھے۔

اسی سال کے دوران' جنرل الیرڈ' (جو رخصت پر اپنے آبائی وطن گیا تھا) اپنے ساتھ تحائف اور شاہ فرانس کی طرف سے مہاراجہ کے لیے ایک دوستانہ خط کے ساتھ واپس لاہور آگیا۔ جنرل' کلکتہ کے راستے سے واپس آیا اور اپنے وطن سے چند فرانسیسی زرہ بکتر لے کر آیا' جنہیں سکھ سردار بڑے فخر سے پہنتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے اسے واپس لاہور آنے اور سکھ آقا کو خراج عقیدت پیش کرنے کی اس قدر خواہش تھی کہ واپسی پر مہاراجہ کو پہلی نظر دیکھ کر اس نے فارسی کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے' جنہیں ایک ایرانی شاعر نے اس کی مرضی کے مطابق مرتب کیا تھا اور جنہیں اس نے خدا سے دعا کرنے کے لیے زبانی یاد کر لیا تھا:

الٰہی بادشاہم زندہ بادا فلک در خدمت او بندہ بادا
بدر گاھش رسم اعزاز یابم دھم جان گردن از حکمش بتابم
بود لاھور گر میرم' مزارم بود تابوت در غنچہ انارم

ترجمہ: "اے خدا! میرا بادشاہ ہمیشہ سلامت رہے!

آسمان ایک غلام کی طرح اس کی خدمت میں حاضر رہے۔

میں بادشاہ کے دربار میں پہنچوں اور عزت پاؤں۔

اور اگر میں اس کی حکم عدولی کروں تو مجھے موت آجائے۔

جب میں مرجاؤں تو میری قبر لاہور میں بنے۔

اور مجھے انارکلی میں دفن کیا جائے"۔(۸)

مہاراجہ کو اپنے فرانسیسی افسر کی زبانی یہ سطریں سن کر بہت زیادہ خوشی ہوئی' لہٰذا اس نے اسے طویل عمری کی دعا دی اور اسے سرکار کا وفادار اور قابل ترین ملازم قرار دیا۔

سال ۱۸۳۷ء شہزادہ نونہال کی آنے والی شادی کی عظیم تیاریوں کے ساتھ شروع ہوا۔ رنگ برنگی تقریبات کا مرکز امرتسر تھا' جہاں مہاراجہ نے پہلے ہی سے ابتدائی انتظامات کرانے کے لیے اپنے زیادہ تر باعتماد سرداروں کو روانہ کر دیا تھا اور اب خود اس طرف روانہ ہوا۔ مہاراجہ کا ارادہ تھا کہ اس واقعہ کو شان و شوکت اور عظمت کے لحاظ سے پنجاب کی تاریخ میں یادگار بنا دیا جائے' لہٰذا مہاراجہ اور اس کے افسروں نے حتی المقدور کوشش کی کہ یہ تقریبات' پنجاب میں گزشتہ تمام مواقعوں سے سبقت لے جائیں۔ پٹیالیہ' جھنڈ' نابھہ اور فرید کوٹ کے راجاؤں' مالیر کوٹلہ کے نواب' کپورتھلہ' کلسیہ' نارائن گڑھ اور لاڈوا کے سرداروں' سوکت' منڈی' چمبہ' نورپور کے پہاڑی راجاؤں اور ستلج سے سندھ تک کے زیادہ تر دیگر راجاؤں اور سرداروں کو شادی کی تقریبات میں حصہ لینے کے لیے بلوایا گیا۔ رنجیت سنگھ نے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ آک لینڈ' آگرہ کے گورنر سرچارلس میٹکالف اور ہندوستان میں برطانوی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل سرہنری فین کو شادی کی تقریبات میں شرکت کے لیے مدعو کیا' لیکن صرف کمانڈر انچیف نے ہی شرکت کی۔ دریائے ستلج پر' ہری کاپتن کے مقام پر' شہزادہ شیر سنگھ اور سردار لہنہ سنگھ مجیٹھیہ نے بے شمار سوار اور پیادہ' حشم و خدم کے ساتھ' جنرل کا استقبال کیا۔ امرتسر سے پانچ میل کے فاصلے پر' ولی عہد کھڑک سنگھ' وزیراعظم راجہ دھیان سنگھ نے مہمان سے ملاقات کی۔ جمعدار خوشحال سنگھ نے کمانڈر انچیف سے ملاقات کر کے ان کی آمد پر انہیں مبارک باد پیش کی اور بطور سروانہ پانچ ہزار روپے کی ایک تھیلی بھی پیش کی اور انہیں اپنے پڑاؤ کی طرف لے گیا۔ یہ وفد دو ہزار سے تین ہزار سواروں پر مشتمل تھا۔ تمام نہایت عالی شان پوشاک میں ملبوس تھے اور سڑک کے دونوں جانب نصف میل کے فاصلے تک پھیلے ہوئے تھے۔ شہزادہ اور اس کے عملہ کے افسران'

جواہرات اور طلائی و نقرئی ملبوسات سے دمک رہے تھے۔ وفد میں سب سے زیادہ متاثر کن شخصیت، وزیر اعظم کی تھی، جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پنجاب کا سب سے زیادہ طاقتور شخص تھا۔ اس نے انتہائی شاندار لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور جواہرات سے ڈھکا ہوا تھا، جو اس کی گردن، اس کی پگڑی، اس کی تلوار اور خنجر کے دستے پر اور اس کے پورے لباس پر قطار اندر قطار لٹکے ہوئے تھے، جبکہ اس کے سینہ پر ایک فرانسیسی چار آئینہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے ایرانی گھوڑے پر سوار تھا، جو اس طرح بل کھا کر اور کلیلیں بھر کر چل رہا تھا، جیسے اسے اپنے ممتاز سوار پر فخر ہو۔ زین اور لگام پر طلائی کام کی کشیدہ کاری کی گئی تھی، زین کا کپڑا نقرئی ریشے کا تھا اور گھوڑے کی دم تک پھیلا ہوا تھا۔ گھوڑے کی ٹانگیں، گھٹنوں تک اور زیریں پنڈلیوں تک اور اس کی دم کو سرخ رنگ سے رنگا ہوا تھا۔
شہزادہ شیر سنگھ، جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سیاہ داڑھی کے ساتھ ایک خوبصورت شخص تھا، اس کی ہیروں، زمردوں اور لعلوں سے مزین ایک انتہائی خوبصورت دستار تھی، ان میں سے چند زمرد خاص طور پر بڑی جسامت اور گراں قدر مالیت کے تھے۔
جیسے ہی یہ شاندار جلوس، مہاراجہ کے خزانوں کے گودام، قلعہ گوبند گڑھ کے قریب سے گزرا، تو قلعہ کی توپوں نے شہریوں کے لیے "جنگی لارڈ" (کمانڈر انچیف) کی آمد کا اعلان کیا۔
کمانڈر انچیف کا پڑاؤ، موضع کٹھانی میں قائم کیا گیا اور اس سے کچھ فاصلے پر مہاراجہ کے خیمے تھے۔ ہر ایک کی چوٹی پر ایک سنہری گیند تھا اور قرمزی قناتوں نے اس کا احاطہ کیا ہوا تھا اور اس پر پاسبانوں کی قطار بندی کی گئی تھی۔ اپنے پڑاؤ میں پہنچنے پر مصر رام کشن نے، مہاراجہ کی طرف سے، عزت ماب مہمان کو اکیس سو طلائی بدکیاں اور مٹھائیوں کے پانچ سو طشت بطور ضیافت پیش کیے، اس کے بعد جماعت واپس چلی گئی۔
اگلے روز (۶ مارچ) گیارہ بجے صبح، رنجیت سنگھ اور کمانڈر انچیف کے درمیان، مہاراجہ کے رام باغ میں واقع چمن گھر میں ملاقات ہوئی۔ مہاراجہ کی جماعت نے نصف راستے میں برطانوی جنرل سے ملاقات کی۔ مہاراجہ اور اس کے زیادہ تر درباری، زرد لباس میں ملبوس تھے اور ان کے چاروں طرف سوار اور پیادہ فوج کا جمگھٹا تھا۔ "شیر پنجاب" کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کوتاہ قد و قامت کا ایک کمزور دکھائی دینے والا بوڑھا شخص تھا۔ اس کا لباس بہت سادہ تھا، جو ایک سبز کشمیری دستار، کوٹ، دستانوں پر مشتمل تھا، بڑے بڑے موتیوں کی ایک قطار سینے تک چلی گئی تھی، اس کے بازوؤں کے گرد، کافی بڑے ہیروں کی ایک لڑی تھی اور اس کی گردن، بازو، ٹانگیں، بڑے بڑے موتیوں کی قطاروں سے ڈھکے ہوتے تھے۔

مہاراجہ کے ہاتھی کے پیچھے بے شمار دوسرے بھی چلے آرہے تھے' جن کے ساز قیمتی تھے' ان پر طلائی کپڑے اور زرد' سبز اور قرمزی رنگ کے ریشمی لباس میں ملبوس' ریاست کے سردار بیٹھے ہوئے تھے' جہاں تک نگاہ جاتی تھی' سونے' چاندی اور جواہرات کی بہتات دکھائی دیتی تھی۔ جب دونوں شخصیات میں ملاقات ہوئی تو دونوں کے ہاتھیوں کو پہلو بہ پہلو لایا گیا' لہٰذا سر ہنری اپنے ہاتھی سے مہاراجہ کے ہاتھی پر آ گئے اور اس سے انگریزی انداز میں ہاتھ ملایا اور اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ملاقات' مہاراجہ کے گھر کے سامنے ایک چھپرکٹ کے نیچے ہوئی' جسے خوبصورت کشمیری شالوں سے بنایا گیا تھا' اس پر نقرئی کشیدہ کاری کی گئی تھی اور اسے چاندی کے کھمبوں سے سہارا دیا ہوا تھا۔ فرش کو قیمتی کشمیری شالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ریاست کے نوابین اور امراء طلائی و نقرئی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے' ان میں سے ہر ایک میں کئی ہزار پونڈ مالیت کے جواہرات آویزاں کیے گئے تھے لیکن امراء میں سب سے زیادہ شاندار لباس' وزیراعظم کے بیٹے کا تھا۔ وہ ایک خوبصورت لڑکا تھا اور اس وقت سب سے زیادہ' پسندیدہ شخصیت تھا' وہ لغوی معنوں میں جواہرات کا ایک ڈھیر تھا۔ اس کی گردن' بازو اور ٹانگیں اس قدر ہاروں' بازو بندوں اور موتیوں' ہیروں اور لعلوں سے بنے ہوئے کڑوں سے ایک دوسرے کے اوپر ڈھکے ہوئے تھے کہ ان میں سے کسی چیز کا پتہ چلانا بہت مشکل تھا۔ جیسا کہ مہاراجہ حسب معمول ایسے مواقعوں پر کرتا تھا' اس نے کمانڈر انچیف سے برطانوی پلٹونوں میں' کرنل سے عام سپاہی تک ترتیب' توپوں کو انگریزی طریقے سے ڈھالنے اور دیگر اسلحہ جنگ کے تیار کرنے کے بارے میں بے شمار سوالات کیے۔ اس نے دریافت کیا کہ سر ہنری نے کتنی جنگوں میں حصہ لیا' اس نے کمپنی کی فوج کی استعداد اور ہر پلٹون سے وابستہ انگریز افسران کی تعداد کے بارے میں پوچھا۔ اس کے بعد' عزت مآب کمانڈر انچیف کے لیے تحائف لائے گئے۔ یہ قیمتی ملبوسات' جواہرات اور دیگر قیمتی اشیاء اور پانچ ہزار روپے کے نذرانے پر مشتمل تھے۔ بعد ازیں' قیمتی ساز و سامان سے آراستہ' مہاراجہ کے پسندیدہ گھوڑوں کو معائنہ کے لیے معزز مہمان کے سامنے سے گزارا گیا اور انہیں مختلف قسموں کے پانچ گھوڑے پیش کیے گئے۔

کمانڈر انچیف اور دیگر انگریز افسران کی روانگی کے وقت' مہاراجہ دروازے میں کھڑا ہو گیا اور ہر ایک سے ہاتھ ملاتا جاتا تھا۔

اسی روز سہ پہر کے وقت' دولہا کو تمبل (شادی کے تحائف) پیش کرنے کی رسم ایک وسیع و عریض مکان میں منعقد ہوئی' جہاں سر ہنری فین اور ان کا عملہ بھی موجود تھا۔ اس

مجلس میں اسی سے زائد رقاصائیں بھی تھیں' جو بیک وقت تین یا چار طائفوں میں گا رہی تھیں۔ لیکن وہاں جمع ہونے والے ہجوم کے شور و غوغا کے باعث' ان کے گانے سنائی نہیں دے رہے تھے۔ مہاراجہ اور دولہا (جس نے ایک سنہری نقاب سے نصف چہرہ چھپایا ہوا تھا) ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے' جو مصنوعی نارنگیوں سے لدا ہوا تھا۔ اس موقع پر موجود تمام راجاؤں اور سرداروں نے یکے بعد دیگر' دولہا کو نذرانے پیش کیے۔ سرہنری فین نے گیارہ ہزار روپے اور راجہ دھیان سنگھ نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے' جبکہ راجہ گلاب سنگھ' راجہ سوچیت سنگھ اور دوسروں نے اپنے اپنے منصب کے مطابق چھوٹی رقمیں پیش کیں۔ تمام ذرائع سے وصول شدہ تمبل کی مالیت' پچاس لاکھ روپے تھی۔ یہ رسم دو گھنٹے تک جاری رہی اس کے بعد محفل برخاست ہو گئی۔

۷ مارچ کی صبح کو' دولہا کو عروسی سہرا پہنانے کی رسم' دربار صاحب کے ہر مندر میں منعقد ہوئی۔ مہاراجہ نے برہمنوں کی تجویز کردہ ایک مبارک ساعت میں اپنے ہاتھ سے ہیروں اور موتیوں کی ایک چادر' طلائی دھاگے سے دولہا کے سر پر باندھی۔ ایسا کرنے کے بعد' گرنتھ کے سامنے پانچ سو روپے کے ساتھ' مصری کی پانچ ڈلیاں بھی پیش کی گئیں۔ ایک سو پچاس روپے اکال بنگاہ کو اور دربار کے دوسرے بنگاہوں میں سے ہر ایک کو ۱۲۵ روپے پیش کیے گئے' جبکہ وہاں موجود اکالیوں میں ۵۰۰ روپے تقسیم کیے گئے۔ سہ پہر کے تین بجے پوری برات' دلہن کے باپ کی رہائش گاہ' اٹاری کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس جلوس کے ہمراہ مصنوعی باغیچے' مندر' مینار اور بھنورے بھی لے جائے گئے' جس وقت مہاراجہ آگے بڑھا' تو اس نے ہر طرف غریبوں پہ دولت نچھاور کی' لہٰذا لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ وہاں پہ جمع ہونے والا ہجوم بے مثال تھا۔ شادی کی خبر لوگوں کو ملک کے طول و عرض سے کھینچ لائی تھی۔ نیز یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ کسی طرح بھی چھ لاکھ سے کم افراد موجود نہیں تھے۔ مہاراجہ کے ہاتھی کے قریب' اس قدر دباؤ تھا کہ متعدد جانیں تلف ہو گئیں۔ ایک دوسرے کے آگے ہاتھیوں کا ہجوم تھا اور سینکڑوں گھوڑوں کی کلیلیں اور شوخیاں بہت زیادہ پریشانی کا باعث بن رہی تھیں۔ اس میں ہجوم کے شور و غوغا' وقفے وقفے سے توپوں کی گھن گرج' موسیقی کے آلات' باجوں اور بگلوں کی آوازوں اور ڈھول کی دھما دھم کا اضافہ بھی ہو گیا تھا' اس سے اس منظر کا بہتر اندازہ کیا جا سکتا ہے جب برات' دلہن کے والد کے گھر پہنچی' تو بوڑھے سردار شام سنگھ نے مہاراجہ کو ۱۰۱ طلائی مہریں اور قیمتی ساز و سامان سے آراستہ پانچ گھوڑے' کنور کھڑک سنگھ کو ۵۱ طلائی مہریں اور ایک گھوڑا اور کنور شیر سنگھ کو گیارہ طلائی مہریں اور ایک گھوڑا پیش کیا' اسی طرح

تمام بڑے سرداروں کے ساتھ بھی کیا گیا۔

سردار ایک بہت بڑے عالی شان قلعہ میں رہتا تھا۔ چھت پر ایک بہت بڑی چھتری نصب کی گئی تھی' وہ پوری عمارت پر سایہ فگن تھی اور اس کے نیچے' عزت ماب مہمان اور مہاراجہ تشریف فرما ہوئے' یہ وسیع و عریض کشادہ عمارت' بلند ترین مینار اور بالکونی سے زیریں دربار تک تماشائیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اب دولہا کو پہلی مرتبہ' محفل سے متعارف کرایا گیا۔ اس کا چہرا ہیرے موتیوں کی لڑیوں سے تیار کردہ سہرے سے ڈھکا ہوا تھا۔ اب رسم کے مذہبی حصے کا آغاز ہوا اور برہمنوں کی طرف سے تجویز کردہ مبارک گھڑی ۹ بجے اس کا اختتام ہوا۔ رسم ختم ہوئی تو عظیم الشان آتش بازی کا مظاہرہ کیا گیا' اس کے بعد ناچ شروع ہوا' جو پوری رات تک رہا۔ مہاراجہ ایک شاہانہ کرسی پر براجمان تھا' اس کے گرد اس کے وزراء اور منظور نظر تھے۔ اس نے اپنے گھٹنے' زردوزی کے کام سے مزین ایک طلائی میز پر رکھے ہوئے تھے۔ کمانڈر انچیف اس کی دائیں جانب' سونے کی ایک کشادہ کرسی پر تشریف فرما تھے۔ رنجیت سنگھ کے سینہ پر بڑے موتیوں کی قطاریں دکھائی دے رہی تھیں اور اس کے بازو پر' عظیم ہیرا' کوہ نور موجود تھا' جسے وہ سرکاری مواقعوں پر پہنتا تھا۔ اب رنجیت سنگھ نے حکم دیا کہ اس کی پسندیدہ شراب پیش کی جائے۔ ہر مرتبہ اس نے اس کا آزادانہ اور اتنا تیز استعمال کیا کہ انگریز مہمانوں کو حیرت ہوئی۔ اس نے اس طرف خاص توجہ دی کہ آیا جنرل واقعی شراب پی رہے ہیں کہ نہیں۔ یہ دیکھنے کے لیے وہ خود ان کے گلاس میں دیکھتا۔ اس کے استعمال میں آنے والی شراب اس قدر تیز تھی کہ اس کی تھوڑی سی مقدار نے انگریز مہمانوں کی آنکھوں سے آنسو نکال دیے لیکن مہاراجہ بغیر کسی تاثر کے' کناروں تک بھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے متعدد گلاس پی گیا۔ عزت ماب کمانڈر انچیف نے مہاراجہ اور پوری محفل کے اطمینان کے لیے رات گئے تک شاہانہ تقریبات میں آزادانہ حصہ لیا۔

عظیم "باڑہ" اور جہیز کی نمائش

آٹھ تاریخ کی صبح کو' غریبوں میں روپیہ پیسہ تقسیم کرنے کے لیے پانچ میل کے قطر میں ایک عظیم "باڑہ" تشکیل دیا گیا۔ پورے چکر کے گرد' فوج جمع تھی' اس کے اسی دروازے تھے' جن پر سوار پہرے دار سپاہی تعینات تھے' جو کسی کو اپنا انعام لیے بغیر باہر نہیں جانے دیتے تھے اور جو ایک مرتبہ باہر چلا جاتا اسے دوبارہ اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ سارے

انتظامات' مصر بیلی رام اور کنور کھڑک سنگھ کے ذمے تھے۔ ہر دروازے پر ایک افسر مقرر تھا' جب دربان ہر آنے والے کو اس کے سامنے پیش کرتے' تو وہ مہاراجہ کی فیاضی کے اظہار کے طور پر اسے ایک روپیہ دیتا تھا۔ ایک ملین سے زائد لوگوں کو ادائیگی کی گئی۔ بعد ازیں' دلہن کے والد نے جہیز کی نمائش کی۔ یہ طلائی و نقرئی ساز و سامان کے قیمتی زیورات سے آراستہ ۱۰۱ گھوڑوں' ۱۰۱ مویشیوں' ۱۰۱ بھینسوں' ۱۰ اونٹوں' ۱۱ ہاتھیوں' کئی ہزار روپے مالیت کے سونے چاندی کے زیورات' نقرئی و طلائی برتنوں' قیمتی پتھروں' ملتان کے ریشمی ملبوسات اور بنارس کی قرمزی کمخواب اور شالوں کے ۵۰۰ جوڑوں پر مشتمل قیمتی پارچہ جات پر مشتمل تھا۔ کشمیر کی لاثانی کھڈیوں کی دستکاریاں ہونے کے باعث یہ شالیں بہت خوبصورت تھیں' جبکہ متعدد جواہرات نہایت دیدہ زیب اور بہت زیادہ قیمتی تھے۔ صرف زنانہ پوشاک نے ایک ایکڑ سے زائد رقبہ کو گھیرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کھانے اور ہاتھ دھونے کے برتنوں کے مکمل جوڑے تھے' یہ سب چاندی کے تھے اور ان پر نہایت خوبصورت کندہ کاری کی گئی تھی۔ رات کے دوران' آتش بازی کا ایک اور مظاہرہ کیا گیا' جو شان و شوکت کے لحاظ سے 'گزشتہ شب کے مظاہرے سے سبقت لے گیا۔ پوری رات' خوشیوں اور رنگ برنگی تقریبات میں بسر کی گئی۔ دلہن کے والد نے مہاراجہ' کمانڈر انچیف' شہزادگان اور سرکردہ سرداروں کو قیمتی خلعت پیش کیے' تو اس کے بعد محفل برخاست ہو گئی۔ مہاراجہ' کمانڈر انچیف اور شہزادوں کے لیے خلعت' جواہرات' قیمتی پارچہ جات اور ساز و سامان سے آراستہ ایک ایک ہاتھی پر مشتمل تھے۔

۱۱ مارچ کی رات کو مہاراجہ نے لاہور کے شالامار باغ میں' عزت مآب جنرل اور ان کے عملے کو ضیافت دی' جسے اس موقع کے لیے پر تکلف انداز میں آراستہ کیا گیا تھا۔ سارے باغ میں تیل کے چراغوں کی قطاروں سے چراغاں کیا گیا تھا' انہیں دیواروں کے طاقوں' چھتوں کی جھریوں' فواروں اور روشوں کے کناروں کے ساتھ مناسب وقفوں پر قرینے سے سجایا گیا تھا۔ پانی میں ان کی روشنی کا عکس پڑ رہا تھا' اس سے حیرت زدہ تماشائیوں نے بہت زیادہ حظ اٹھایا۔ ہر دس یا بارہ گز کے فاصلے پر مختلف رنگوں کی خوبصورت قندیلیں رکھی گئی تھیں اور پھول مالاؤں کی نقل کے طور پر' درختوں کی ٹہنیوں کو اسی رنگ کی قندیلوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ سارا منظر ایک دلکش نظارہ پیش کر رہا تھا اور باغ سے زیادہ پرستان معلوم ہو رہا تھا۔ اس محفل کو انگریز بیگمات نے بھی اپنی موجودگی سے رونق بخشی۔ ان کے لیے اس شاندار باغ کے بانی' شہنشاہ شاہ جہاں کے سنگین تخت کے سامنے' سنگ مرمر کی بارہ دری کی ہموار چھت پر

ایک شاندار خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ قسمت کے نشیب و فراز اور پھر اس چیز کی ناپائیداری کو دیکھ کر (جس کی اصل' انسانی فن یا مہارت ہوتی ہے) ایک آہ بلند ہوتی ہے۔ کافی عرصہ پہلے' عظیم مغل' دین پناہ (جیسا کہ اس کے خوشامدی اسے اس لقب سے پکارتے تھے) اس تخت پر بیٹھا تھا' اور اس کے گرد اس کے ایرانی امراء اور چہیتے جمع ہوتے تھے۔ اب' بطور مہاراجہ پنجاب' بمعہ اپنے لمبی داڑھی والے درباریوں اور مشیروں کے اس جگہ پر قبضہ کرنے کی سکھ مہاراجہ کی باری تھی۔ لیکن اس میں مزید تبدیلیاں ابھی پردۂ اخفاء میں تھیں۔ کچھ ہی عرصہ بعد' مغل اعظم کی اس تفریح گاہ کی قسمت میں مغرب بعید کے ملک میں آباد ایک عالی ہمت قوم کی ملکیت بننا لکھا تھا۔ یقیناً کسی کو بھی کل کے حالات کا ادراک نہیں تھا۔ یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ رات انتہائی خوشیوں میں گزاری گئی۔ جیسے ہی انگریز خواتین واپس ہوئیں' انگریز مہمان' دربار عام میں داخل ہوئے اور ناچ گانا رات گئے تک جاری رہا۔ اس تماشے کے دوران' بوڑھا شیر' انگریز جرنیل کو حسب معمول شراب پلاتا رہا اور سوالات پوچھتا رہا۔

۱۴ تاریخ کی صبح کو سرہنری فین اور ان کا عملہ' اس کے ایک دیہاتی ڈیرا اور متعدد چھوٹے باغات کو دیکھنے کے لیے (جنہیں مہاراجہ نے موسم گرما کے دوران' آرام گاہوں کے طور پر سڑک کے ساتھ بنوایا تھا) رنجیت سنگھ کی خصوصی خواہش پر' اس کے چمن گھر کے قریب اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ کمانڈر انچیف کا مصاحب سفر کے بارے میں اپنے بیان میں لکھتا ہے کہ "جب وہ بغیر کسی مصاحب کے اس صبح' سرہنری کو اپنے ساتھ جانے کے لیے کہنے کے لیے آیا تو ہم نے قیاس کیا کہ وہ کمانڈر انچیف کو اپنے جلو میں موجود افراد دکھانا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ ہم اس کے ساتھ لاہور کی سیر کریں' لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ انہیں اپنے باغیچے دکھانے کے لیے اس کی نیک نیتی اور مہربانی کا اس میں عمل دخل تھا' جو درختوں اور پوست کے پھولوں سے بھرے ہوئے تھے اور اپنی خوشبو سے انگریزوں کے دماغ کو متاثر کر سکتے تھے"۔ مصنف مزید لکھتا ہے: "رنجیت سنگھ کے پاس رہنے کے لیے باقاعدہ کوئی رہائش گاہ نہیں' بلکہ اس کے بجائے وہ مسلسل جنگوں میں مصروف رہنے اور ایک علاقے سے دوسرے میں جانے کے لیے مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے شاہراؤں کے کناروں کے ساتھ اس نے علیحدہ کمرے بنوائے ہیں' تاکہ خیموں کے لیے بہت زیادہ گرمی ہو جانے کی صورت میں ٹھنڈی جگہ دستیاب ہو سکے"۔ مہاراجہ نے حقیقی طور پر ایک سپاہی کی زندگی بسر کی۔ طویل جنگوں کی غیر تسکین پذیر پیاس اور علاقائی سرفرازی کو مدنظر رکھنے کی وجہ سے اسے گھوڑوں کا بہت زیادہ شوق تھا اور پیش قدمی کے وقت بھی وہ گھوڑے کی پشت

پر بیٹھے ہوئے کھانا کھاتا تھا۔

۱۴ تاریخ کی سہ پہر کو مہاراجہ نے سرہنری فین کی طرف سرکاری دورہ کیا۔ وہ اپنے فوجیوں اور درباریوں میں گھرا ہوا تھا اور جس وقت وہ برطانوی حفاظتی دستے کے درمیان سے گزرا (جو اس کا استقبال کرنے کے لیے ترتیب سے کھڑا ہوا تھا) تو وہ کئی مرتبہ رکا اور ان کے ساز و سامان کے متعلق سوالات کیے۔ جس وقت وہ دربار خیمہ میں داخل ہوا تو اس نے سر ہنری سے سوالات پوچھنے بند نہ کیے: "ہندوستانی فوج کی تعداد کیا ہے؟"--- "کیا برطانوی جنرل کا خیال ہے کہ روسی تسلط ایران میں انگریزوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا رہا ہے؟"--- "کیا یہ خیال درست ہے کہ روسیوں کے اس طرف آنے کی صورت میں اسے موثر طور پر امداد بہم پہنچانے کے لیے ایران کے پاس مناسب طاقت ہے؟" اور اسی طرح کے بہت سے سوالات نہایت ذوق و شوق سے کیے گئے تھے اور ان میں بہت سے ایسے تھے جن کا آسانی سے جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ایک گھنٹے تک ان سوالات اور جوابات کے بعد' آخرکار برطانوی جنرل اٹھا اور مہاراجہ (جس کا سر' سرہنری فین کی کمر تک آتا تھا) کو ایک قریبی خیمہ کی طرف لے گیا' جہاں اس کے لیے تحائف رکھے گئے تھے۔ یہ ایک ہاتھی' آٹھ گھوڑوں' ایک دونالی توپ' ایک بندوق' پستولوں کے ایک تسمہ اور مختلف اقسام کے ملبوسات کے ۵۱ پارچات پر مشتمل تھے۔ ان رسومات کے بعد مہاراجہ اپنے ہاتھی پر برطانوی توپ خانے کی طرف روانہ ہوا اور دوبارہ ان کی ترتیب کے بارے میں سوالات شروع کر دیے اور ان کی زرہ بکتر اور ساز و سامان کو انتہائی غور سے دیکھا تاکہ چھوٹے سے چھوٹا معاملہ بھی اس کی نظر سے بچ نہ جائے۔

۱۶ تاریخ کو لاہور میں تقریباً اٹھارہ ہزار جوانوں پر مشتمل' سکھ فوج کا عظیم معائنہ منعقد ہوا۔ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سب بہت زیادہ عمدہ پوشاک میں ملبوس تھے اور یورپی انداز میں مسلح تھے۔ دوسری صبح برطانوی سپاہ کا معائنہ منعقد ہوا' جو برطانوی جرنیل کے حفاظتی دستہ کی شکل میں تھی۔ یہ ۱۶ویں نیزہ بردار اور چوتھی سوار' گھڑچڑھ توپ خانہ کے ایک دستہ' تیرھویں ہلکی پیادہ فوج کے ۲۰۰ جوانوں اور مقامی پیادہ فوج کی ۷ ویں' ۸ ویں اور ۲۰ ویں پلٹنوں میں سے آٹھ کمپنیوں پر مشتمل تھی۔ اس بوڑھے شخص نے جوانوں کے نظم و ضبط اور جنرل کی طرف سے ان کی نقل و حرکت (اور وہ کس طرح اتنی بڑی فوج کا انتظام کرتے ہیں) کے بارے میں وضاحت پر بڑی خوشی محسوس کی اور اس کا یقین اور زیادہ ہو گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اندر تک گیا اور ہر توپ کو دیکھا' جوانوں کی وردیوں کا معائنہ کیا' ہر

صف میں ان کی تعداد کو گنا' لہٰذا اس نے جس قدر دلچسپی کا اظہار کیا اور جس قدر ذوق و شوق سے سوالات کیے' اس سے اس نے ہمارے دل جیت لیے"۔

یہ وہ بیان ہے جو ایک عینی شاہد نے اس معاینے کے بارے میں دیا ہے اور یہ رنجیت سنگھ کی انتہائی فہم و فراست اور حقیقی معنوں میں فوجی نقطۂ نظر سے اس اعلیٰ کارکردگی کے متعلق اس کی دلی ستائش کی شہادت پیش کرتا ہے۔ برطانوی سپاہ کے معیار کے متعلق بات کرتے ہوئے اس نے کمانڈر انچیف سے کہا: "میں دیکھتا ہوں کہ میرے فرانسیسی اور دوسرے افسر کس قدر جھوٹے ہیں' انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ انگریزوں میں نظم و ضبط بالکل نہیں اور یہ کہ اگرچہ اس کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے مگر یہ ابھی تک محض دکھاوا ہے اور جس وقت وہ دشمن کے سامنے آتے ہیں تو معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ اس نے کہا' لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ کس قدر جھوٹے ہیں۔ آپ نے مجھے دکھایا ہے کہ نہ صرف فوج کس طرح نقل و حرکت کر سکتی ہے' بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ اس نقل و حرکت کو دشمن فوج پر کس طرح اثر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اب یہ بات میرے لیے حیرت کا باعث نہیں ہے کہ انگریز مشرق میں ہمیشہ فاتح رہے ہیں"۔ مسلح جوانوں نے ایک کارنامے میں پھرتی کا مظاہرہ کیا' اس سے خاص طور پر رنجیت سنگھ کو حیرت ہوئی۔ گھڑچڑھ توپ خانے کی ایک بیڑی میں سے ایک چھ پنی توپ کو اس کی گاڑی سے اتار اگیا' زمین پر پھینک کر اس کے ٹکڑے کیے گئے اور نہایت سرعت سے اس کو جوڑ کر دوبارہ گاڑی پہ رکھا گیا اور مکمل طور پر گھوڑوں پہ سوار آدمیوں کے استعمال کے قابل بنا دیا گیا اور انہیں سرپٹ دوڑا دیا گیا اور یہ سب کچھ پانچ منٹ کے مختصر عرصہ میں ہوا۔ پہلی مرتبہ' رنجیت سنگھ کو بالکل یقین نہیں آیا کہ اس توپ کو ٹکڑے ٹکڑے کیسے کر دیا گیا' اس نے سمجھا شاید ساز کا کوئی حصہ ٹوٹ جانے سے ایسا ہوا ہے' لیکن جب دوبارہ اسے ایسا کر کے دکھایا گیا تو اسے یقین آ گیا کہ اصل میں کیا ہوا تھا۔ جوانوں کو دیکھ کر اسے بہت مسرت ہوئی۔ اس نے ان کی مہارت پر ستائش کے اظہار کے لیے' سپاہیوں کے لیے تحفہ کے طور پر رقم بھیجنے کی خاطر کمانڈر انچیف سے اجازت حاصل کر لی۔ لہٰذا براہ راست اپنے محل میں جانے پر' اس نے سپاہیوں میں تقسیم کرنے کے لیے ۱۰۰۰ روپے کی ایک تھیلی روانہ کی۔

۱۸ تاریخ کی صبح کو بوچھاڑ' شلک اور تیز گولہ باری سے توپ خانے کی مشق کا مظاہرہ کیا گیا۔ چھروں کی بوچھاڑ سے ٹاٹ کے نشانوں کو کئی مرتبہ نیچے گرایا گیا تو مہاراجہ کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ دوبارہ لگانے کے بعد بڑی کامیابی سے انہیں پھاڑ دیا گیا۔ شہزادہ شیر سنگھ (جو ایک اچھا شکاری تھا) اور کئی دوسرے سردار وہاں موجود تھے' اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر کر

انہوں نے توپوں کے نشانوں کا معائنہ کیا۔ شیر سنگھ کی نصب کردہ ایک چھتری کو ۴۰۰ گز کے فاصلے پر پانچویں اور چھٹی بندوقوں کی بوچھاڑ سے چیتھڑوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ مہاراجہ اس مشق سے بہت زیادہ خوش ہوا' لہٰذا گھر جاکر اس نے مسلح جوانوں کے لیے ۱۲۰۰ روپے کی تھیلی تحفہ کے طور پر بھیجی --- ہر اس افسر کے لیے جس نے توپ سے نشانہ لگایا تھا' ایک شال اور طلائی کڑے بھیجے گئے۔ اس کے بعد کمانڈر انچیف کے معائنے کے لیے درباری جواہرات کی نمائش کی گئی۔ نیز ان میں سے چند کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ دنیا بھر میں سب سے بہترین تھے۔ تلواروں' بازو بندوں' مالاؤں' کڑوں اور دیگر زیورات و جواہرات کی مختلف اقسام تھیں۔ کئی تلواریں بہت قیمتی تھیں۔ بعض معاملات میں صرف ان کے پھل کی مالیت' دس ہزار روپے تھی اور ان کے دستوں اور نیاموں پر موجود سونے اور جواہرات کی مالیت اس سے پانچ گنا زائد تھی۔ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق' درانی بادشاہوں سے تھا' جنہوں نے غالباً ان اشیاء کو دہلی کے بادشاہ یا اس کے وزراء اور امراء سے زبردستی حاصل کیا تھا۔ رنجیت سنگھ نے اپنی باری پر انہیں شاہ شجاع الملک سے ہتھیا لیا۔

۱۹ مارچ کی شام کو مہاراجہ نے محل میں انگریز خواتین کے اعزاز میں ایک عظیم الشان ضیافت کا اہتمام کیا' ۲۰ تاریخ کی سہ پہر کو یہ خواتین رنجیت سنگھ کی بیگمات کو دیکھنے گئیں۔ ثمن برج کی پوری عمارت کو اس موقع کے لیے ہاروں اور پھولوں کی چادروں سے سجایا گیا تھا۔ شہزادہ کھڑک سنگھ کی والدہ' مہارانی نکائن' حرم سرا کی دیگر رانیوں اور اراکین کے ہمراہ معزز مہمانوں کا استقبال کرنے کے لیے قلعے کے دروازے تک آئی (ماسوائے رنجیت سنگھ) ہر مرد کو محفل سے نکال دیا گیا تھا۔ بڑے صاحب' بوڑھے شیر کو اپنی بیویوں کے درمیان بیٹھا ہوا پایا گیا' انہوں نے انگریز بیگمات کا پرتپاک استقبال کیا۔ ملاقات کچھ دیر تک رہی' اس کے بعد سکھ بیگمات نے اپنی انگریز بہنوں کو چند انتہائی خوبصورت اور انتہائی قیمتی تحائف پیش کیے۔

ہولی کا تہوار

۲۲ تاریخ کو مہاراجہ نے انتہائی دھوم دھام سے ہولی کا تہوار منایا۔ یہاں سر ہنری فین بھی موجود تھے۔ یہ سماں اس وقت اور بھی دلچسپ ہو گیا' جب مہاراجہ نے اپنے ہاتھ سے سر ہنری کے سر پر' سرخ رنگ اور زرد زعفران انڈیلا۔ وزیر اعظم نے اس دوران' سونے اور چاندی کے اوراق پر سرخ رنگ لگا کر جنرل کے تمام جسم پر مل دیا۔ تمام سردار' اپنے ہاتھوں میں سرخ رنگ کی ٹوکریاں اور زعفران سے بھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے گیند تھامے'

کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کسی نتیجہ کی پرواہ کیے بغیر بڑی آزادی سے ان کو ایک دوسرے پر پھینک رہے تھے۔ لمبی داڑھی والے کئی افراد کی داڑھیاں رنگ گئیں اور بہت سے' سرخ خاک کی وجہ سے عارضی طور پر اندھے ہو گئے۔ مہمانوں میں' ایک راسخ العقیدہ مسلمان' افغان سفیر گل محمد خاں بھی شامل تھا' جو حال ہی میں قندھار سے آیا تھا۔ اسے ذرا بھی گمان نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو جائے گا' لیکن چند ہی لمحات میں اس کے خوبصورت کپڑے سر سے پاؤں تک رنگین ہو گئے اور اس کی داڑھی (جسے اس نے عمدگی سے کنگھی کیا ہوا تھا) چمکدار زعفرانی رنگ میں تبدیل ہو گئی' جبکہ خشک سرخ رنگ اس کی آنکھوں میں بھر دیا گیا۔ بہادر مگر شرمندہ' خاں نے چاروں طرف حیرانگی سے دیکھا' مگر کسی طرف سے بھی اس پر توجہ نہیں کی گئی' اب کچھ دیر کے لیے آداب محفل کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا تھا' وہ وہاں سے سرپٹ بھاگا' اس پر پوری محفل میں زبردست قہقہے پھوٹ پڑے۔ مہاراجہ کی پسندیدہ محافظ عورتیں' یعنی رقاصائیں' جن کی تعداد تیس یا چالیس کے قریب تھی (بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے کئی نہایت حسین و جمیل تھیں) سارا وقت موجود رہیں۔ جنگ میں جوش و خروش آ گیا لیکن انہوں نے اس لڑائی میں کوئی بیہودہ حصہ نہیں لیا۔

کمانڈر انچیف نے ۲۷ تاریخ کو مہاراجہ کے چمن گھر میں' اس سے الوداعی ملاقات کی۔ مہاراجہ ایک مسند پر براجمان تھا اور حسب معمول اس کا دربار خدمت میں حاضر تھا اور سدھائے ہوئے کبوتر اس کے سامنے قالین پر دانہ چگ رہے تھے۔ نصف گھنٹہ کی تعریفی گفتگو کے بعد جنرل اور اس کے عملے کے لیے الوداعی تحائف لائے گئے۔ کمانڈر انچیف کے لیے تحائف انتہائی شاندار شالوں' ایک خوبصورت تلوار' نقرئی ھودا سے مزین ایک ہاتھی اور گھوڑوں پر مشتمل تھے۔ روانگی پر' مہاراجہ نے برطانوی کمانڈر انچیف کو الوداع کہا اور انہیں اور ان کے ملٹری سیکرٹری کو فرانس کے "لیجن ڈی آنیئر" کی طرف پر بنایا گیا' اعزاز "مبارک ستارہ پنجاب" عطا کیا۔ مسٹر فین کا پرائیویٹ سیکرٹری کہتا ہے: "مجھے یقین ہے کہ وہ اور وہاں موجود ہر شخص کو اس پر خلوص اور صاحب دل مہربان بوڑھے شخص سے جدا ہوتے وقت دکھ محسوس ہو رہا تھا' جسے ہم سب نے ایک دیرینہ دوست سمجھنا شروع کر دیا تھا اور اسی طرح اس سے پیش آئے"۔ شہزادہ شیر سنگھ کمانڈر انچیف کو واپسی سفر پر لے جانے کے لیے دریائے بیاس تک گیا۔

لاہور میں سرہنری کے قیام کے دوران' سردار سلطان محمد خاں کے بھائی' سردار پیر محمد خاں نے دربار میں حاضری دی۔ جو ۱۲۰۰ افغانوں کے دستہ کے ہمراہ مہاراجہ کو خراج عقیدت

پیش کرنے کے لیے آیا تھا۔ یہ تمام افغان سپاہی' زنجیری زرہ بکتر میں اور گھٹنوں تک بڑے موزوں میں ملبوس تھے۔ پیر محمد خاں' مہاراجہ کے لیے مشہور زمانہ گھوڑا "کوہ نور" بھی لے کر آیا' جس کے لیے مہاراجہ نے کئی سال تک کوشش کی مگر اسے کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور اس کے علاوہ ۱۰۰۰۰ روپے مالیت کی مشہور خراسانی تلوار بھی لایا۔

۱۸۳۷ء کے موسم سرما میں سکھوں نے آزمودہ کار جرنیل' ہری سنگھ نلوا کی قیادت میں' خیبر کی پہاڑیوں کے دہانہ پر واقعہ' قلعہ جمرود پر قبضہ کر لیا۔ یہ کابلی امیر دوست محمد خاں کے لیے انتہائی ناخوشگوار خبر تھی' اس نے محسوس کیا کہ سکھوں نے جو تدبیر اختیار کی ہے وہ ان کی مزید جارحیت کا پیش خیمہ ہے' کیونکہ خیبر سے جلال آباد تک سڑک بالکل کھلی ہے۔ چنانچہ یہ ضروری خیال کیا گیا کہ اگر واقعی تصادم کا خطرہ مول نہیں لینا تو طاقت کا مظاہرہ کیا جائے۔ کابل میں رہتے ہوئے' امیر نے' کارروائیوں کی نگرانی کے لیے اور اس وقت' اشد ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنے بااعتماد وزیر' مرزا سمیع خاں کو روانہ کیا۔ اسے روپیہ پیسہ فراہم کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ وہ خیبر کے ملکوں کو سالانہ وظائف کی ادائیگی کر کے ان کا تعاون حاصل کرے۔ اس موقع پر جمع شدہ فوج کی قیادت' امیر کے پانچ بیٹوں' محمد افضل خاں' محمد اکبر خاں' غلام حیدر خاں' محمد عظیم خاں اور محمد اکرم خاں نے کی۔ ان کے ساتھ' نواب جبار خاں' نواب محمد عثمان خاں' نواب محمد زمان خاں کا بیٹا شجاع الدولہ خاں اور امیر کا بھتیجا شمس الدین خاں بھی شامل تھے۔ باجوڑ کے میر عالم خاں اور مہمند کے سعادت خاں کو حاجی خاں کے ساتھ روانہ کیا گیا اور دریائے کابل کے شمال میں دوآبہ اور ہشت نگر کے اضلاع پر حملہ کرنے کے لیے باجوڑ اور مہمند سے امدادی افواج روانہ کی گئیں' جہاں سردار لہنا سنگھ' شب قدر سے سکھ افواج کے ساتھ مل گیا تھا۔

جنگ جمرود

جمرود سے ہری سنگھ کی عارضی عدم موجودگی نے مرزا سمیع خاں اور امیر کے بیٹے کو ترغیب دی کہ وہ ایک حملہ کے ذریعے قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں' لہٰذا دیواروں پہ گولہ باری شروع کر دی گئی دو تین روز میں' قلعہ کے کمزور دفاع کو مسمار کر دیا گیا اور افغان خونریز بن گئے اور بظاہر حاصل ہونے والی کامیابی پر ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے کہ ہری سنگھ اچانک نمودار ہوا اور ان پر حملہ کر دیا' جو ان کی پسپائی پر منتج ہوا۔ یہ واقعہ ۳۰ اپریل ۱۸۳۷ء کو پیش آیا۔ اس کے بعد ہری سنگھ نے نائب امیر اخوند زادہ' ملا مہمند خاں

نائب اور زریں خاں عرض بیگی کے دستوں پر دھاوا بول دیا۔ اس نے ان میں ابتری پھیلا دی' ان کے سردار بری طرح زخمی ہوئے اور نہایت افراتفری میں میدان جنگ سے بھاگ اٹھے۔ وہ افواج جن کی قیادت' امیر کے بیٹے اور نواب جبار خاں کر رہا تھا (جن پر ابھی حملہ نہیں کیا گیا تھا) وہ بھی منتشر ہو کر بھاگ اٹھیں۔ امیر کے بڑے بیٹے' محمد افضل خاں کا دستہ ہی صرف ثابت قدمی سے میدان میں ڈٹا رہا' اس نے دو ہزار جوانوں کے دستہ کو اکٹھا کر کے دلیری سے مقابلہ کیا۔ ہری سنگھ نے اس کو غیر لچک پذیر پایا تو خلاف توقع الٹا گھوم گیا اور اس نے مشاہدہ کیا کہ امیر کے بیٹوں اور نواب نے خیبر کی گھاٹیوں میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا ہے' وہ ان کی افواج پر چڑھ دوڑا۔ حملہ انتہائی غضبناک تھا' لہٰذا سکھوں نے افغانوں کو ان کے مورچوں سے ایک زبردست کشت و خون کے بعد پیچھے دھکیل دیا اور چودہ توپوں پر قبضہ کر لیا۔ سکھوں نے یہ خیال کر کے کہ فتح حاصل کر لی ہے' دشمن کو میدانوں کی طرف دھکیلنے کے لیے اس کا تعاقب کیا' لیکن شمس الدین خاں (جو جنگ میں حصہ لینے کے لیے آ رہا تھا) کی قیادت میں' ایک بہت بڑے سوار دستہ نے ان کی پیش قدمی روک دی۔

اس کمک کی بروقت آمد نے افغانوں کو میدان جنگ کی طرف لوٹنے پر اکسایا' جو بغیر جنگ میں حصہ لیے واپس جا رہے تھے' اب انہوں نے اپنی باری پر سکھ افواج پر زبردست حملہ کر دیا۔ نواب جبار خاں اور شجاع الدولہ جو بھاگ اٹھے تھے' وہ بھی واپس آ گئے' لہٰذا انہوں نے ایک کامیاب حملہ کر کے اپنی دو مقبوضہ توپوں کو بازیاب کرا لیا۔ اس بحران میں' بہادر ہری سنگھ (جو نہایت دلیری سے پیچھے ہٹتے ہوئے سکھوں کو جمع کر رہا تھا) کو ایک مہلک زخم لگا' لہٰذا اسے میدان جنگ سے اٹھا کر باہر لے جایا گیا۔ اس حادثے نے سکھ سپاہ میں خوف و ہراس پھیلا دیا' وہ پیچھے ہٹ کر جمرود کی فصیل کے نیچے خندقوں میں آ بیٹھے۔ افغانوں نے اپنی چودہ میں سے گیارہ توپوں کو بازیاب کرا لیا اور سکھوں کی بھی مزید تین توپوں پر قبضہ جما لیا۔

سکھوں نے بڑی مشکل سے شکست کو تسلیم کیا۔ افغان جمرود پر قبضہ کرنے کے قابل نہیں تھے' کیونکہ وہاں ابھی تک سکھوں کی مضبوط حفاظتی فوج تعینات تھی لیکن سکھوں کے لیے اپنے جرنیل کا نقصان ناقابل تلافی تھا۔ بہادر سکھ سردار اسی روز انتقال کر گیا' اس روز کی شام نے اس کی لاش کے جلنے کا نظارہ کیا۔ ہری سنگھ ایک نڈر سپاہی اور ایک پرشکوہ سردار تھا۔ اس کے نڈر حوصلہ نے اکثر اسے انتہائی سخت حالات میں بھی ثابت قدم رکھا تھا اور آخر کار وہ اپنی بہادری کی نذر ہو گیا۔ وہ افغانوں کا جانی دشمن تھا اور ان سے سخت نفرت کرتا تھا' وہ ان کو بزدل سمجھتا تھا اور کہتا کہ وہ ان کی حیثیت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ افغانوں میں

اس کی دہشت کچھ اس قدر تھی کہ پشاور اور نواح میں آج تک مائیں اپنے بچوں کو ہریہ کا نام لے کر ڈراتی ہیں۔

جمرود میں سکھ فوج کی شکست اور ہری سنگھ نلوا کی موت نے لاہور کے دربار میں کچھ تشویش پیدا کر دی۔ سکھ سردار' لڑکپن میں مہاراجہ کا ہجولی تھا اور وہ بھی اسی کے شہر میں پیدا ہوا تھا۔ مہاراجہ ذاتی طور پر اسے پسند کرتا تھا' لہٰذا اس کی موت کا اسے بہت دکھ پہنچا کیونکہ وہ ایک انتہائی جرات مند اور وفادار نائب اور ایک قابل و تجربہ کار مشیر تھا۔ اس موقع پر لاہور میں زبردست جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گیا۔ مہاراجہ اب بذات خود روہتاس کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے دھیان سنگھ کو پیشگی طور پر' جمرود روانہ کیا' جہاں اس مستعد وزیر نے قلعہ کی تعمیر کے کام کو انتہائی زور و شور سے شروع کرایا' اس کی بنیادوں پر اپنے ہاتھ سے کام کر کے اس نے اپنے مہاراجہ کے لیے جانثاری اور سرگرمی کی مثال قائم کی۔ میدانی توپ خانوں کو دریائے چناب کے ذریعے ۲۰۰ میل کے فاصلے پر صرف دو دن کے مختصر عرصہ میں نہایت پھرتی اور تیزی سے رام گڑھ سے پشاور لے جایا گیا۔ جیسے ہی سکھوں کی کمک' جمرود پہنچی تو افغان نہایت تیزی سے ڈھاکہ کی طرف مراجعت کرنے پر مجبور ہو گئے' جہاں سے وہ سفید کوہ کے مضافات کی طرف چلے گئے۔

یہ پہلے ذکر کر دیا گیا ہے کہ سردار لہنا سنگھ سندھیانوالیہ کو پسپا کرنے کے لیے حاجی خاں اور چند افغان سرداروں کو ہشت نگر سے روانہ کیا گیا تھا۔ سکھ سردار نے قلعہ ہشت نگر کے قریب' خندقی مورچہ سنبھال لیا تھا۔ افغان' پہاڑوں میں طویل ٹال مٹول کرنے کے بعد آخر کار حاجی خاں' باجوڑ کے میر عالم خاں' مہمند سردار سعادت خاں اور کھونر کے سید بابا جان کی قیادت میں میدانوں میں نمودار ہو گئے۔ قلعہ پر ایک حملہ کیا گیا' مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ سردار سلطان محمد خاں' جو اب اپنے بھائی پیر محمد خاں کے ہمراہ' لاہور میں مہاراجہ کے پاس حاضر تھا' اس کا اثر و رسوخ خفیہ طور پر کام کر رہا تھا' لہٰذا باجوڑ' کھونر اور یوسف زئی سرداروں نے حاجی خاں کو دھوکہ دیا' لہٰذا اسے سعادت خاں مہمند کے ساتھ واپس جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس وقت پشاور میں تقریباً چالیس ہزار کے قریب سکھ فوج موجود تھی۔

اکتوبر ۱۸۳۷ء میں رنجیت سنگھ کے پگڑی بدل بھائی' سردار فتح سنگھ آہلووالیہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا بڑا بیٹا' نہال سنگھ اس کی جاگیروں پر اس کا جانشین بنا۔ اسی دوران' منڈی کے راجہ کی بیماری کے باعث' اسے اس راجدھانی کے راجہ کے طور پر جانشین مقرر کرنے کے لیے ایک تجویز پیش کی۔ پچاس ہزار روپے کے نذرانے کا مطالبہ کیا گیا۔ مگر وزیر صرف بیس ہزار

روپے ادا کرنے پر رضامند ہوا' لہٰذا مطلوبہ رقم کی ادائیگی کیے جانے کے بعد' بلیر سنگھ کو بطور راجہ مقرر کیے جانے کی رسمی منظوری دے دی گئی اور اس کے لیے ایک خلعت روانہ کی گئی۔ اس وقت دربار امرتسر میں تھا' لہٰذا یکم فروری کو مہاراجہ' سردار لہنہ سنگھ مجیٹھیہ اور گووند گڑھ کے قلعہ دار' فقیر امام الدین کے ہمراہ' ہرمندر گیا اور گرنتھ کے سامنے' ۱۱۰۰ روپے اور ۵۰۰ روپے اکال بنگاہ پہ پیش کیے گئے' جبکہ چند مویشیوں' بھینسوں' دو گھوڑوں اور ایک ہاتھی کے ساتھ ۱۱۰۰ روپے برہمنوں میں تقسیم کیے گئے۔ اسی اثناء میں' ٹانک میں پینڈا خاں کی بغاوت کی خبر ملی' جس نے اپنے گرد بے شمار باغیوں کو اکٹھا کر لیا تھا' یہ زیادہ تر پہاڑی علاقے کے باشندے تھے۔ سردل سنگھ اور شہزادہ نونہال سنگھ کے دستوں کے کمانڈنٹ' چیت سنگھ نے آہلووالیہ سردار کے نمائندے حافظ محمد افضل خاں کے تعاون سے اس گڑبڑ کو فرو کر دیا۔ باغیوں کی طرف سے' ایک سو افراد مارے گئے' جبکہ سکھوں کا اس سے نصف نقصان ہوا۔ اس علاقے کا خطہ' کچھی' پینسٹھ ہزار روپے' گیارہ گھوڑوں' اکاون اونٹوں اور اکیس شکاری کتوں کے عوض' فتح سنگھ ٹوانہ کو پٹہ پر دے دیا گیا۔ ۱۸۳۷ء کے سال کا اختتام' شاہ ایوب کے انتقال سے ہوا' جسے زبردستی لاہور میں جلاوطنی کے طور پر رہنے پر مجبور کر دیا گیا تھا' لہٰذا وہ رنجیت سنگھ سے ملنے والے وظیفہ سے اپنا گزارہ کرتا تھا۔

یہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ افغانستان کے شاہی خاندان سدوزئی کی ایک شاخ نے ہرات کی حکومت حاصل کر لی تھی۔ شہزادہ کامران' جس نے اس زرخیز صوبہ کی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا' وہ شاہ ایران کا اطاعت گزار بن گیا۔ نیز فتح علی شاہ کے بیٹے ایرانی شہزادہ عباس مرزا کی کامیابی نے اس سدوزئی حکمران کو اس قدر دہشت زدہ کر دیا کہ اس نے خراسان کی سرحد پر غوریان کے مضبوط قلعہ کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ عباس مرزا اور بعد ازیں اس کے والد فتح علی شاہ کے انتقال کے بعد' پیدا ہونے والی گڑبڑ نے شاہ کامران کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ ایران کے ساتھ اپنی وابستگیوں کو پورا کرنے سے احتراز برتے۔ خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا گیا' اس کے علاوہ غوریان کے قلعہ کو مسمار کرنے اور ہرات میں موجود ایرانی خاندانوں کو ان کے گھروں کی طرف واپس بھیجنے سے انکار کر دیا گیا۔ ہرات کا حکمران یہاں نہیں رکا۔ اس کے وزیر نے خراسان پر حملہ کر دیا اور ایرانی رعایا کے بارہ ہزار افراد کو وسطی ایشیا میں بطور غلام فروخت کرنے کے لیے پکڑ لیا گیا۔ ایران کے نوجوان بادشاہ محمد شاہ نے ہرات پر حملہ کر کے کامران کو اس کی غداری کی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ نئے بادشاہ نے اس بناء پر کہ نادر شاہ کے دور میں غزنی اور قندھار' سلطنت ایران کا حصہ تھے' ان پر اپنا دعویٰ کر

دیا۔ معاملات کی اسی نوعیت میں' برطانوی سفیر مسٹر ایلیس نے شاہ ایران سے تعزیت کی اور ایک سفارت پر تہرانی دربار کا دورہ کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ تہران کی مشاورتوں میں روسی اثر و رسوخ نمایاں ہے اور شاہ کی طرف سے ہرات پر اپنی بادشاہت کا ایک قدیم حصہ ہونے کا دعویٰ بھی زیادہ تر' روسی سفیر کاؤنٹ سیمونچ کے مشورہ کی وجہ سے تھا۔ پورے وسطی ایشیا میں مہم کو روس کی فتح سمجھا جاتا تھا' جن کی وجہ سے انگریزوں کے تسلط پر اس کو تحریک دی گئی تھی' جن کی طرف سے اس سے توبہ کی گئی تھی' کیونکہ ایرانیوں کو صرف روسیوں کا ہراول دستہ ہی سمجھا جاسکتا تھا' جن کو ہندوستان کی انتہائی قریبی سرحد کے بالکل نزدیک لایا جاسکتا تھا۔ ہرات کے محاصرہ کے لیے ایک بہت بڑی ایرانی فوج جمع ہوگئی' لہٰذا حکومت برطانیہ نے اپنی شمال مغربی سرحد کی حفاظت کے لیے بروقت اقدامات اٹھانا ضروری سمجھا۔ کیپٹن الیگزینڈر برنز جو ۱۸۳۱ء میں رنجیت سنگھ کی طرف سفارت کے بعد کابل کی طرف روانہ ہوگئے تھے اور بمبئی سے واپسی پر براستہ ایران' وسطی ایشیا میں سفر کرتے ہوئے بخارہ تک جاپہنچے تھے۔ انہیں لارڈ آک لینڈ نے ایک تجارتی سفارت پر بطور سفیر دوست محمد خاں کے دربار میں بھیجا۔ اس سفارت کا مقصد افغانستان کے فی الحقیقت' حکمرانوں کی مدد کے لیے بلانے کے لیے' ان معاہدات کے لیے ضروری تدابیر کرنا تھا' جو ۱۸۳۲ء میں حکومت برطانیہ نے سندھ کے امیروں' بہاولپور کے نواب اور مہاراجہ رنجیت سنگھ سے کیے تھے' جن سے ان کا مقصد' تجارت کی توسیع کو بہتر بنانے کے لیے دریائے سندھ کی جہاز رانی کو کھولنا اور وسطی ایشیا میں برطانوی قوم کے جائز اثر و رسوخ کو حاصل کرنا تھا' جو باہمی فوائد ہی کے ذریعے حاصل ہوسکتا تھا۔ کابل کے لیے کیپٹن برنز کی سفارت کے اصل مقاصد خالصتاً تجارتی نوعیت کے تھے' حالانکہ افغانستان میں بطور برطانوی نمائندہ کے انہوں نے معاملات کے نئے پہلو کے تحت' واقعات پر دھیان رکھنے میں دلچسپی لی۔ وہ ستمبر ۱۸۳۷ء میں کابل پہنچے اور امیر دوست محمد خاں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا' لیکن دوست محمد خاں' جس نے اپنے بھائی کی موت کا انتقام لینے کے لیے درانی احمد شاہ کے حکمران خاندان کو بے دخل کر دیا تھا' اب پورے افغانستان پر مکمل خودمختاری کا آرزومند تھا۔ وہ سکھوں سے وادی پشاور کو بازیاب کرانے کا خواہش مند تھا' لہٰذا ۳۱ مئی ۱۸۳۶ء کو گورنر جنرل کو خط لکھنے کا اس کا مقصد' علاقائی سرفرازی کے سلسلہ میں اپنے منصوبوں میں حکومت برطانیہ کی ہمدردی حاصل کرنا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سکھوں کو پشاور سے پرے دھکیلنے کے لیے اسے ہتھیاروں اور اسلحہ کی ضرورت ہے' نہ کہ ہندوستان سے اشیاء کی گانٹھوں کی۔ روپڑ میں' ۱۸۳۱ء میں لارڈ ولیم بینٹنک اور رنجیت سنگھ کے درمیان

طے پانے والے معاہدہ نے انگریزوں کو دریائے سندھ کے پار علاقہ میں لاہور کے مہاراجہ کے معاملات میں دخل اندازی کرنے سے روکا' لہٰذا افغانستان کی شکستہ اور پریشان بادشاہت کو مدد بہم پہنچانے کے تمام خیالات کو ترک کر دیا گیا۔ مہاراجہ سے ان وابستگیوں کے بعد حکومت ہند نے کابلی سردار (جس نے حال ہی میں امیر کا لقب اختیار کیا تھا اور اسے ایک غاصب سے زیادہ کچھ اور نہیں سمجھا جاتا تھا) کو اس کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلہ میں کسی قسم کی مادی امداد فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔

اپنے حلیف کی حمایت کو ترک کرنے سے حکومت برطانیہ کے انکار سے مہاراجہ بہت زیادہ قابل احترام ہو گیا' لہٰذا وہ مہاراجہ کی حکومت کی مدد کرنے کے سلسلہ میں مضبوطی سے ڈٹ گئے۔ دوست محمد خاں نے اپنی طرف سے سفیر سے بہت بہتر اور دوستانہ سلوک کیا اور کابل اور افغانستان میں برطانوی تجارت کو فروغ دینے کے لیے اپنے دلی تعاون کی یقین دہانی کرائی لیکن اپنے خوفناک ہمسائے سکھوں کے خلاف مدد کے لیے اپنے مطالبے پر اصرار کرتا رہا۔ برطانوی سفیر کے پیغام نے اس کے لیے سیاسی معاہدہ کی کوئی امید نہ چھوڑی۔ دوست محمد خاں نے پوری جانفشانی سے انگریز سفیر کے ذہن کو روسی سازش کے خدشات اور روس کی طرف سے مشرق کی جانب پیش قدمی کی تنبیہات کے باعث' ہندوستان کو لاحق خطرہ کے اندیشوں سے بھر دیا۔ لیکن سکھ افواج پر امیر کے اچانک اور بلااشتعال حملوں کو ان علاقوں میں جنگ کے شعلے بھڑکانے کے لیے شمار کیا گیا' جہاں حکومت برطانیہ اپنی تجارت کو توسیع دینے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ خیال درست تھا کہ اگر افغانوں کے حملے جاری رہے تو حکومت کے فلاحی مقاصد کو نقصان پہنچے گا۔ انتہائی تباہ کن نتیجہ سے احتراز برتنے کے لیے گورنر جنرل نے کیپٹن برنز کو مجاز بنایا کہ وہ دوست محمد خاں کو اطلاع دے دیں کہ اگر وہ مہاراجہ کے ساتھ مبنی بر انصاف اور مناسب شرائط طے کرنے کا آرزومند ہے تو گورنر جنرل' مہاراجہ کے ساتھ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے دونوں حکومتوں کے درمیان دوستانہ مفاہمت بحال کرنے کی کوشش کریں گے۔ مہاراجہ کو چونکہ برطانوی قوم کی ایمانداری اور دوستی پر مکمل بھروسہ تھا' چنانچہ اس نے گورنر جنرل کی تجویز پر فوراً رضامندی ظاہر کر دی۔ جس وقت یہ پرامن بات چیت جاری تھی' اسی دوران کیپٹن برنز ۱۹ دسمبر ۱۸۳۷ء کو ایک روسی سفیر کیپٹن ونکووچ کی اچانک آمد پر حیران رہ گئے۔ یہ سفیر (جو' اورنبرگ میں روسی کونسل جنرل کا مصاحب تھا) تہران کے دربار میں روسی سفیر کاونٹ سیمونچ کی طرف سے ایک خط لے کر آیا تھا۔ اس خط میں کارروائی کی کوئی حتمی حد مقرر نہیں کی گئی تھی' لیکن الفاظ

"اس کے ساتھ اپنے رازوں کے متعلق بھروسہ کریں اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اسے مجھ جیسا سمجھیں اور اس کے الفاظ کو میرے الفاظ خیال کریں" میں بہت زیادہ اہمیت اور مطلب پایا جاتا تھا۔

کیپٹن برنز' جنہیں گورنر جنرل کا مکمل اعتماد حاصل تھا اور وسطی ایشیا کے معاملات پر اختیار حاصل تھا' گورنر جنرل سے انتہائی تاکیدی انداز میں خطاب کیا۔ ہندوستان کی سرحد کے ساتھ اب شروع ہونے والی گفت و شنید کے قریبی خطرہ کی نشاندہی کی گئی اور اس بات پر زور دیا گیا کہ اس علاقے میں ظاہر ہونے والی روسی سازش کا مقابلہ کرنے کے لیے اب کہیں زیادہ مضبوط اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ روس کا خوف اور خطرہ جو ہندوستان میں پھیل گیا تھا' یکساں طور پر اس کو ڈاؤننگ سٹریٹ میں انگریز وزراء نے بھی محسوس کیا اور اس سے تہران کے دربار میں انگریز سفارت کار بھی مشتعل ہو گئے۔ لارڈ آک لینڈ نے دوست محمد خاں کو خط لکھا' اس میں تقاضا کیا گیا کہ وہ تمام غیر ملکی حلیفوں سے اجتناب کرے اور اپنے دربار سے روسی سفیروں کو رخصت کر دے۔ لیکن یہ عیار سردار شان و شوکت اور فتح مندی کے لیے بے قرار تھا اور اس دوستی پر مبنی اپنے خیالات کو اہمیت دیتا تھا۔ لاہور کے اجلاسوں میں جلال آباد اور کابل پر سکھوں کے حملہ کے سوال پر پہلے ہی گرما گرم بحث ہو چکی تھی' لہٰذا قندھاری بھائیوں کو یہ دوستانہ یقین دہانی کرائی گئی اور اس طرف اشارہ کیا گیا کہ اگر کابل کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے سکھوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو دوست محمد خاں اپنی کم مائیگی کا درست اندازہ لگانے کے قابل ہو جاتا۔ تاہم' اب اس نے انگریزوں کو دھمکانے کے لیے خود کو روس کی بانہوں میں دے دیا ہے' اس سے پشاور پر قبضہ کرنے اور رنجیت سنگھ کے خلاف ایک ضمانت حاصل کر لی ہے۔

حکومت ہند نے اب واضح طور پر دیکھ لیا تھا کہ ایک بیرونی طاقت کی مدد کے وعدہ نے زیادہ تر دوست محمد خاں کی حوصلہ افزائی کی ہے' جس کے مفادات براہ راست ان سے متصادم ہیں۔ اس بات پر زور دیا گیا کہ اس نے انتہائی غیر مناسب دعویٰ استعمال کر کے سکھوں سے غلط فہمی پیدا کر لی ہے۔ اسی طرح گورنر جنرل' مہاراجہ کی دوستی کے احترام اور انصاف کے ساتھ' مہاراجہ کے غور و خوض کے لیے پیش کرنے کی خاطر وسیلہ نہیں بن سکتے تھے۔ یہ کہ اس نے سرفرازی کے جن منصوبوں اور خواہش کا اظہار کیا ہے وہ ہندوستان کی سرحدوں کے امن و امان اور سلامتی کے لیے نقصان دہ ہے اور یہ کہ اب اس نے اس بات کی برملا دھمکی دے دی ہے کہ وہ ان منصوبوں کی تکمیل کے لیے جب چاہے غیر ملکی امداد

حاصل کر سکتا ہے۔ اب یہ واضح تھا کہ امیر نے افغانستان میں ایرانیوں کے منصوبوں کی مبینہ حمایت کی تھی جہاں تک ہندوستان میں برطانوی طاقت کا تعلق تھا' وہ اس کی غیر دوستانہ اور نقصان دہ نوعیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر حکومت ہند' کیپٹن برنز کو کابل سے واپس بلانے پر مجبور ہوگئی' لہٰذا وہ ۲۶ اپریل ۱۸۳۸ء کو وہاں سے روانہ ہوگئے۔ اب روسی مختار کل کو کابل کے دربار میں داخلے کی اجازت دے دی گئی اور امیر اس سے بغلگیر ہوا۔ اس نے ایک دم دوست محمد خاں کو کثیر رقم فراہم کرنے اور رنجیت سنگھ کو منانے کی پیشکش کر دی۔

کیپٹن برنز جولائی ۱۸۳۸ء میں گورنر جنرل سے ملاقات کرنے کے لیے شملہ جاتے ہوئے راستے میں لاہور پہنچے' لہٰذا مہاراجہ نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ شملہ میں افغانستان کے معاملات میں غیر ملکی سازشوں کے مسئلہ پر بحث کی گئی' لہٰذا اس بات پر غور کیا گیا کہ حکومت برطانیہ کو سکھ مہاراجہ اور دوست محمد خاں کے درمیان بہترین مفاہمت پیدا کرنے کے لیے مزید مداخلت نہیں کرنی چاہیے اور یہ کہ دوست محمد خاں کی مخالف حکمت عملی سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک کابل اس حکومت کے زیر انتظام رہے گا' اس وقت تک انگریزی حکومت اس بات کی امید نہیں کر سکتی کہ ہندوستانی سلطنت کے نواح میں آسودگی حاصل ہو سکے گی یا اس کے مستحکم مفادات کو حاصل کیا جا سکے گا۔ چنانچہ غیر ملکی سازش کا سدباب کرنے اور ہندوستانی سرحد کی طرف اس کی جارحیت کو روکنے کے لیے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ وسطی ایشیا میں سے فاتحانہ پیش قدمی کرنے اور شاہ شجاع کو اس کے آباؤ اجداد کے تخت پر ایک خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے بحال کرنے کے لیے ایک فیصلہ کن ضرب لگائی جائے۔ درحقیقت بادشاہ' تخت کابل کا جائز وارث تھا اور پورے افغانستان میں اس کی مقبولیت' بہترین حکام کی مضبوط اور متفقہ شہادت سے ثابت تھی۔ مزید براں اس نے (برسر اقتدار ہوتے ہوئے) بیرونی مخالفت کی متحدہ مزاحمت کرنے کے لیے تدابیر کو بڑی گرم جوشی سے قبول کر لیا تھا' جس کو اس وقت حکومت برطانیہ نے ضروری خیال کیا تھا۔ جب بارک زئی خاندان نے اس کی سلطنت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تو اس نے اپنی سلطنت میں اس کی ایک باوقار پناہ فراہم کر دی تھی۔ بارک زئی سرداروں کی نااتفاقی اور نامقبولیت کے باعث حکومت ہند کسی بھی حالات کے تحت' حکومت برطانیہ کے مفید حلیف ہونے اور قومی دفاع کے ضروری اقدامات میں حکومت کی مدد کرنے کے سلسلہ میں نامناسب خیال کرتی تھی۔ جب تک وہ برطانوی مفاد اور سلامتی کے لیے نقصان دہ کارروائیوں سے پرہیز کریں گے اس وقت تک ان کی حکومت کو تسلیم کیا جاتا

رہے گا اور ان کی حیثیت کا احترام کیا جاتا رہے گا۔ لیکن اب ان سرداروں کے رویہ کی وجہ سے ایک مختلف حکمت عملی کا ظہور ہو گیا تھا جو ہندوستان میں برطانوی بادشاہت کی حفاظت کے لیے ناگزیر تھی۔ مشرق میں برطانوی مقبوضات کی بہتری کا یہ تقاضا تھا کہ حکومت برطانیہ کی مغربی سرحد پر ایک ایسا حلیف ہو جو (ایک دشمن طاقت کی مدد کرنے والے اور فتح مندی و سرفرازی کے منصوبوں کو فروغ دینے کے متلاشی سرداروں کی جگہ) جارحیت کا مقابلہ کرنے اور امن و آشتی قائم کرنے میں دلچسپی لیتا ہو۔ انہیں منصفانہ اور حکیمانہ خیالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت ہند نے شاہ شجاع الملک کی حمایت کے متعلق سوچا تھا۔ اس کا ارادہ دلیرانہ اور دانشمندانہ تھا اور مضبوط حکمت عملی کا انتخاب، انگریزی نام کے شایان شان تھا۔ چند مصنفین نے اس حکمت عملی پر الزام لگایا کہ یہ نقصان دہ تھی لیکن جو یہ جانتے تھے کہ اس وقت ہندوستان میں رائے عامہ کیا تھی اور دریائے سندھ کے اس طرف، دوستانہ سکھ حکومت کی موجودگی کے باوجود، ہندوستان کی سرحد کے ساتھ واقع علاقوں میں مستعد غیر ملکی سازش تیار کرنے سے کیا مضر اثرات پیدا ہو رہے تھے، وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس وقت کے حالات کے تحت بہترین حکمت عملی کا انتخاب کیا گیا۔ مفتوحہ بادشاہوں نے پورے ہندوستان میں شمال کی طرف سے ایک حملے کی افواہ پھیلا دی تھی، لہٰذا پورے ملک میں، اس امید کی لہر دوڑ گئی کہ ہندوکش کے پار واقع حکومت کا غلبہ ہو جائے گا۔ اس وقت یہ امر انتہائی غیر دانشمندانہ ہوتا اگر کابل کے دربار میں روسی تسلط کو پوری طاقت سے قائم ہونے دیا جاتا، نہ ہی یہ حکومت برطانیہ کی حیثیت کے شایان شان ہوتا کہ وہ بغیر کسی وجہ کے اپنے حلیف، مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حمایت سے دستبردار ہو جاتی، حکومت برطانیہ کے لیے جس کا خلوص بلاشک و شبہ قائم ہو چکا تھا۔ کابل کے غاصب بارک زئی نے مہاراجہ کے خلاف انگریزوں کے اتحاد کی التجا کی تھی، یہ ایسی درخواست تھی، جس کے پرزور انکار کو ضروری خیال کیا گیا اور جب امیر واضح طور پر روس کی طرف چلا گیا اور حکومت کی اعلان شدہ حکمت عملی کے خلاف کارروائی کرنے کی تیاری کر لی تو موافقت کی خاطر دانشمندی سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ دنیا کو دکھا دیا جائے کہ حکومت برطانیہ ہمیشہ منصفانہ اور مناسب حمایت کے قیام کے لیے تیار رہی ہے اور یہ کہ وہ کسی صورت میں بھی غیر ملکی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی وجہ سے ہندوستان میں اپنے وقار کو ٹھیس پہنچنے نہیں دے گی۔ یہ منصوبہ دلیرانہ اور باوقار تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اسے فوری طور پر اختیار کر لیا جاتا اور بعد ازیں، غلطیوں کو نظرانداز کر دیا جاتا تو اس سے گوہر مقصود ضرور حاصل ہو جاتا۔

شاہ شجاع کو بحال کرنے کا منصوبہ ۱۸۳۸ء کے پہلے چار مہینوں میں تیار ہو گیا' لہٰذا حکومت برطانیہ کے لیے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی لازوال دوستی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ مہاراجہ کو اس زیر غور کارروائی میں ایک فریق بننے کی دعوت دی جائے' چنانچہ اس کو حکومت برطانیہ کے خیالات سے آگاہ کرنے کے لیے اسی سال مئی میں مہاراجہ کی طرف ایک سفارت کو روانہ کیا گیا۔ یہ سفارت' حکومت کے پولیٹیکل سیکرٹری مسٹر میکنیٹن' لدھیانہ میں پولیٹیکل ایجنٹ کیپٹن ویڈ' گورنر جنرل کے ملٹری سیکرٹری عزت ماب کیپٹن ڈبلیو۔ جی۔ اوبرن' گورنر جنرل کے مصاحب کیپٹن میکریگر اور گورنر جنرل کے سرجن ڈاکٹر ڈرمنڈ پر مشتمل تھی۔ وہ مہاراجہ کے متعدد اعلیٰ افسران اور سرداروں کے ہمراہ شملہ سے روانہ ہوئے۔ سفارت نے ۲۰ویں پلٹون کے دو دستوں' دو گھڑچڑ زنبوروں اور ہیڑ سے کے ایک سوار دستے کی حفاظت میں دریائے ستلج کو پار کیا' اس کے دوسرے کنارے پر اس میں سردار اجیت سنگھ اور سردار کرم سنگھ بھی شامل ہو گئے۔ اس وقت دربار' مہاراجہ کی گرمائی رہائش گاہ آدینہ نگر میں تھا۔ شہر سے دو منزلوں کے فاصلہ پر مہاراجہ کے پوتے اور شہزادہ شیر سنگھ کے سات سالہ بیٹے شہزادہ پرتاپ سنگھ نے اس وفد سے ملاقات کی۔(۹)

اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک خوبصورت لڑکا تھا' قیمتی لباس میں ملبوس اور چھوٹے چھوٹے زیبائشی ہتھیاروں' یعنی ڈھال' تلوار اور ایک بندوق سے مسلح' جواہرات اور قیمتی پتھروں سے ڈھکا ہوا اور ایک سکھ سوار دستے اور چند توپوں کی حفاظت میں تھا۔ وہ ایک سفید گھوڑے پر سوار تھا' جسے گہرے سرخ رنگ کی حنا سے رنگا ہوا تھا۔(۱۰)

آدینہ نگر سے ایک منزل کے فاصلے پر' اس دلچسپ لڑکے نے وفد سے اجازت چاہی۔ اس پر مسٹر میکنیٹن نے عزت ماب گورنر جنرل کی جانب سے یادگار کے طور پر اسے ایک طلائی گھڑی اور ایک زنجیر پیش کی۔ اس نوعمر شہزادے نے انتہائی شاندار انداز میں اپنے شکریے کا اظہار کیا اور آخر میں یہ کہا: "آپ لارڈ آک لینڈ سے کہہ دیں کہ حکومت برطانیہ شیر سنگھ کے بیٹے کو ہمیشہ اپنا دوست پائے گی" تب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر (پروں اور جواہرات سے ڈھکا ہوا تھا) اس نے انتہائی شاندار انداز میں اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور انتہائی شان سے اپنے حفاظتی دستے کے گرد چکر لگا کر سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

دربار سے پانچ میل کے فاصلہ پر راجہ شیر سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ نے اس وفد سے ملاقات کی۔ وہ سنہری ہودا سے مزین ہاتھی پر بیٹھے ہوئے تھے اور مہاراجہ کے محافظ دستہ کے تقریباً ۵۰۰ سواروں کی حفاظت میں تھے' جو زنجیری زرہ بکتر اور مختلف رنگ اور معیار کی قیمتی

ریشمی صدریوں میں ملبوس تھے۔ وفد کے ارکان کے لیے خیمے ایک نہر کے کنارے پر آم کے درختوں کے ایک جھنڈ میں نصب کیے گئے' جس نے چند سو گز کے فاصلے پر مہاراجہ کے باغات کو جدا کر رکھا تھا۔ پڑاؤ میں آمد پر سلطان محمود کے توپ خانہ نے شاہی سلامی دی۔ وفد کے آرام و سکون کا خیال رکھنے کے لیے مہاراجہ کے افسران نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آم کے سرسبز پیڑوں کے جھنڈ میں کشادہ خیموں کے علاوہ مہاراجہ کے حکم سے سفارت کے ارکان کے آرام و سکون اور قیام و طعام کے لیے چھوٹی عمارات بھی تعمیر کی گئیں۔ انہیں خس خس کی ٹٹیوں کے ذریعے ٹھنڈا رکھا جاتا تھا۔ ان عمارات میں ہرایک کو خوبصورت ریشمی غلاف سے مزین چھپر کھٹ اور قالین اور زردوزی کے کام سے آراستہ رضائیاں وغیرہ مہیا کی گئی تھیں۔ اس میدان میں بے شمار عمارات پھیلی ہوئی تھیں۔(۱۱) جن میں ایک بہت بڑے باغیچے سے گھرا ایک زنان خانہ بھی تھا۔ اس باغ میں سایہ دار درخت تھے اور درمیان سے ایک نہر گزرتی تھی۔ مسلسل آب پاشی' کناروں اور اس کے گردونواح کو ہروقت سرسبز و شاداب رکھتی تھی اور انہی سایہ دار درختوں کے نیچے مہاراجہ اپنی فوج کی صف آرائی اور ترکیب میں موسم گرما گزارتا تھا۔ میدان قواعد اور دروازے کے درمیان (جو ایک عمدہ ہموار میدان کی طرف کھلتا تھا) ہمیشہ ایک قرمزی اور سنہری کشیدہ کاری سے مزین شال کا ایک چھوٹا سا خیمہ نصب رہتا تھا۔ وہ سامنے سے بالکل کھلا ہوتا تھا۔ یہاں مہاراجہ رات ہوتے ہی آرام کے لیے چلا جاتا اور اپنے بااعتماد سپاہیوں کے پہرہ میں کھلی فضا میں سوتا تھا۔ اس کی تلوار اور ڈھال ہر وقت اس کے تکیہ کے پاس رکھی ہوتی اور اس کے خیمہ کے سامنے ایک زین پوش گھوڑا ہر وقت تیار کھڑا ہوتا تھا۔ صبح کے وقت وہ ہمیشہ گھوڑے یا ہاتھی کی پشت پر بیٹھا اپنی فوج کی صف آرائی کا معائنہ کرتے ہوئے یا توپ خانے کی مشق کی نگرانی کرتا دکھائی دیتا تھا۔

سفارت کے اراکین نے ۲۹ مئی کی صبح کو مہاراجہ سے تعارفی ملاقات کی۔ راجہ سوچیت سنگھ اور سردار اجیت سنگھ نے ان کو بحفاظت مہاراجہ کی خدمت میں حاضر کیا۔ جب وہ برآمدے میں پہنچے تو مہاراجہ کا وزیر راجہ دھیان سنگھ آگے بڑھا اور برطانوی افسران کو محل کا چکر لگا کر دربار عام میں لے گیا۔ اس ایوان کے دروازے پر مہاراجہ بہ نفس نفیس کھڑا تھا۔ جو افسران سے دوستانہ انداز میں بغلگیر ہونے کے بعد انہیں دربار کے بالائی کونے تک لے گیا اور اپنے سامنے انہیں طلائی کرسیاں پیش کیں۔ جب مہاراجہ ایک طلائی کرسی پر بیٹھ گیا تو اس کے تمام سردار اس کے گرد فرش پر اکڑوں بیٹھ گئے۔ ماسوائے اس کے وزیر دھیان سنگھ کے' جو اپنے آقا کے عقب میں کھڑا رہا۔ معمول کے مطابق حال چال دریافت کرنے کے بعد لارڈ

آک لینڈ کی جانب سے مہاراجہ کے لیے تحائف پیش کیے گئے۔ یہ خوبصورت ہیروں کے ایک ستارہ میں آویزاں اور بڑے بڑے موتیوں کی لڑی کے خاشیہ سے آراستہ لارڈ آک لینڈ کی تصویر' طلائی مینڈ کی پستولوں کے ایک جوڑے' قیمتی پتھروں کے جڑاؤ سے آراستہ ایک سنہری نیام میں دمشق کی ایک شاندار تلوار' طلائی ساز و سامان اور زین (جس میں قیمتی نگینے جڑے ہوئے تھے اور روغن کیا ہوا تھا) سے آراستہ دو بہترین نسل کے گھوڑوں پر مشتمل تھے۔ رنجیت سنگھ نے نہایت توجہ سے ہر چیز کا معائنہ کیا۔ معلوم ہوتا تھا وہ انہیں اپنے خزانہ میں جمع کرنے سے پہلے ہر موتی اور جواہر کا شمار کر رہا ہے۔ یہ محض ایک رسمی ملاقات تھی اور اس دن کسی قسم کا کاروبار سلطنت نہ ہوا۔ یہ وقت زیادہ تر مختلف موضوعات پر رنجیت سنگھ کے سوالات کے جواب میں گزر گیا۔ وہ زیادہ تر گھڑ سواری' شکار' لڑائی' شراب خوری وغیرہ وغیرہ کے بارے میں تھے۔ ۳۱ مئی کو کاروباری معاملات نپٹانے کے لیے سفارت کا استقبال مہاراجہ کے محل میں کیا گیا۔ حال چال پوچھنے اور تعریفی کلمات کے بعد مہاراجہ اپنے خلوت خانہ کی طرف چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد سفارت کے معزز اراکین کو بھی اندر آنے کی درخواست کی گئی۔ مہاراجہ کو ایک بہت بڑی نقرئی کرسی پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا دیکھا گیا۔ نوعمر ہیرا سنگھ اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کا وزیر دھیان سنگھ اپنے آقا کی کرسی کے عقب میں کھڑا تھا۔ لدھیانہ میں مہاراجہ کا نمائندہ فقیر عزیز الدین اور سردار لہنہ سنگھ اس کے قدموں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد مسٹر میکنیٹن نے لارڈ آک لینڈ کی جانب سے مہاراجہ کو لکھا گیا خط اسے پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے حکومت کی جانب سے کابل کے معاملات کے متعلق اختیار کرنے کے لیے مجوزہ حکمت عملی کے متعلق مہاراجہ کو تفصیل سے بتایا۔ مہاراجہ کو دعوت دی گئی کہ وہ کابل سے دوست محمد خاں کو نکالنے اور شاہ شجاع الملک کو اس کے آباؤ اجداد کے تخت پر بحال کرنے کے لیے حکومت برطانیہ سے تعاون کرے۔ اس بات کی وضاحت کی گئی کہ اگر مہاراجہ بذات خود اس مہم کی ذمہ داری اٹھانا اور اپنے وسائل پر بھروسہ کرنا چاہے تو اسے مکمل اختیار حاصل ہے لیکن اگر برطانوی تعاون کو ضروری خیال کرے تو حکومت بخوشی گوہر مقصود حاصل کرنے کے لیے اسے حتی المقدور ہر قسم کی امداد بہم پہنچائے گی۔ دھیان سنگھ' جو اپنے آقا کے پیچھے کھڑا ہوا تھا' اس نے انگریزوں سے الحاق پر ہچکچاہٹ کا اظہار کیا۔ حالانکہ اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ اس پر رائے زنی کر سکتا تاہم اس نے اپنے انداز اور سر ہلانے سے اس منصوبے کے متعلق ظاہر کرا دیا کہ وہ مہاراجہ کے سامنے غور کے لیے پیش کیے گئے منصوبہ کا کس قدر مخالف ہے۔ تاہم رنجیت سنگھ نے بغیر کسی

حیل وجت کے برضا و رغبت اس منصوبے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ دو گھنٹے کی ملاقات کے بعد سفارت کے اراکین نے رخصت چاہی۔ اس اجلاس کی چھوٹی تفصیلات کو آئندہ کسی وقت تک ملتوی کر دیا گیا۔ وفد کے رخصت ہونے کے بعد مہاراجہ کے سرداروں نے اسے انگریزوں سے اتحاد کیے بغیر کابل کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے اپنا آزاد راستہ اختیار کرنے پر راغب کرنے کے لے بھاری دلائل پیش کیے۔ لیکن مہاراجہ نے انہیں بتا دیا کہ اس نے اپنا ذہن بنا لیا ہے' اس لیے وہ اس معاملہ پر مزید کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔ سفارت کے اراکین نے ۱۳ جولائی کو لاہور میں مہاراجہ سے آخری ملاقات کی۔ اس تاریخ کو مہاراجہ نے حضوری باغ میں اپنے سنگ مرمر کے محل میں ایک دربار عام منعقد کیا۔ سفارت کے ہر افسر کو ایک خلعت فاخرہ پیش کی گئی' جو موتیوں کی ایک مالا' ہیروں کی ایک چیلنک' شالوں کے چھ جوڑوں' طلائی کشیدہ کاری سے مزین ریشم کے کئی پارچات' ہیروں کے بازو بند کے ایک جوڑے' ایک تلوار' طلائی و مخملی زین پوش اور ساز و سامان سے آراستہ ایک گھوڑے پر مشتمل تھی۔ حفاظتی دستے کے جوانوں کو بارہ سو روپے پیش کیے گئے اور سفارت کے ملازمین کو بھی اسی قدر رقم سے نوازا گیا۔ بعد میں مہاراجہ تمام افسروں کے ساتھ گرم جوشی سے بغلگیر ہوا اور ان کی صحت اور خوشحالی کے لیے دعا کرنے کے بعد واپس قلعہ کی طرف لوٹ آیا۔

اب دربار لاہور کے لیے برطانوی سفارت کا مقصد حل ہو گیا تھا۔ چنانچہ مسٹر میکنیٹن' شاہ شجاع سے ملاقات کر کے اسے اس کی قسمت میں تبدیلی سے آگاہ کرنے (جو انگریزوں اور لاہور کے مہاراجہ کی مشترکہ مدد سے رونما ہونے والی تھی) اور اسے لاہور میں مہاراجہ اور حکومت برطانیہ کے درمیان طے پانے والے معاہدہ میں ایک فریق بنانے کے لیے لدھیانہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس بات چیت کے نتیجہ میں حکومت برطانیہ مہاراجہ اور شاہ شجاع الملک میں ایک تہرا معاہدہ طے پایا' جس کی رو سے مہاراجہ کو اس کی تمام املاک کی ضمانت دی گئی۔ شاہ شجاع کو اپنی فوج کی مدد سے افغانستان میں داخل ہونا تھا لیکن برطانوی فوج اور مہاراجہ نے اسے مدد بہم پہنچانا تھی۔ سندھ کے حکمرانوں کو خود مختاری کی ضمانت دی گئی۔ جب کہ شاہ کامران کے قبضہ میں ہرات کی یکجہتی کا پوری طرح خیال رکھا گیا۔ رنجیت سنگھ کچھ زیادہ ہی حاصل کرنے اور افغانستان میں کارروائی کی کامیابی سے معقول حصہ پانے کے لیے بے چین تھا۔ وہ شکار پور کے حصول کے سلسلہ میں انگریزوں کے اعتراضات کو اچھی طرح جانتا تھا۔ لہٰذا اس نے اشارہ دے دیا کہ مال غنیمت میں اسے حصہ کے طور پر جلال آباد کے

حصول کی اجازت دے دی جائے۔ اپنی طرف سے شاہ شجاع اسے اس شرط پر دو لاکھ روپے سالانہ کی امدادی رقم ادا کرنے پر رضامند ہو گیا کہ وہ اس کے بدلہ میں شاہ کی امداد کے لیے پشاور کے علاقہ کی حدود میں ۵ ہزار مسلمان سواروں اور پیادوں کی ایک فوج کو تعینات کرے گا۔ اس کے علاوہ شاہ' مہاراجہ کو سالانہ تحفہ کے طور پر اعلیٰ نسل کے منظور شدہ رنگ اور نسل کے ۵۵ گھوڑے' ۱۱ ایرانی تیغے' ۷ ایرانی تیر' ۲۵ خچر اور مختلف انواع و اقسام کے پھل اور افغانستان کی دیگر مصنوعات فراہم کرنے پر بھی رضامند ہو گیا۔

نومبر ۱۸۳۸ کے اختتام پر برطانوی افواج فیروز پور میں جمع ہو گئیں اور لارڈ آک لینڈ کے مطابق یہ "مشہور زمانہ سندھ کی فوج" تھی اور سر ولیوبائی کوٹن اس کی قیادت کر رہے تھے۔ مہاراجہ اور گورنر جنرل کے درمیان منعقد ہونے والے اجلاس نے اس یادگار مہم کے افتتاح کو مزید شان و شوکت بخش دی۔ یہ اجلاس ۳۰ نومبر کو فیروز پور میں منعقد ہوا۔ مہاراجہ پر حال ہی میں ایک انتہائی شدید اور خطرناک بیماری کا حملہ ہوا تھا اور اس کی صحت بہت کمزور تھی۔ لیکن اس نے اجلاس کے مقصد میں انتہائی جاندار دلچسپی لی اور اس موقع پر اپنے حوصلہ' جذبہ' ذوق و شوق اور فراست کا مظاہرہ کیا۔

عزت ماب لارڈ آک لینڈ فیروز پور کے پڑاؤ میں ایک ہندوستانی فرمانروا کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ تشریف لائے۔ حضور والا کے پڑاؤ کی وضع قطع جاذب نظر اور دلفریب تھی۔ اگرچہ سکھ راجاؤں اور سرداروں کے جواہرات اور زنجیری زرہ بکتروں نے وائسرائے کے عملہ کی سادہ وردیوں کو گہن لگا دیا تھا مگر برطانوی سردار کے حشم و خدم اور ان کے ۱۵ ہزار جوانوں کے حفاظتی دستہ نے یکدم سکھ حکمران کو عظیم برطانوی قوم کی ٹھوس طاقت اور بے مثال کردار پر ذوق و شوق سے غور کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پر تکلف ملاقاتوں کے باہمی تبادلوں نے اس موقع کو شان و شوکت عطا کر دی جب کہ جامع مسجد اور فیروز پور شہر کا چراغاں اپنی دلکشی اور شان و شوکت کے لحاظ سے قابل ذکر تھا۔ دونوں اقوام کی افواج کے متعدد معائنے منعقد ہوئے لیکن مہاراجہ کے حفاظتی دستہ سے زیادہ کسی اور نے اتنا شاندار مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ زرد اطلس کے ساتھ سنہری رومالوں اور شالوں میں ملبوس تھے۔ کچھ لوگ سنہری' قرمزی' ارغوانی یا پیلے لباس میں ملبوس تھے۔ انہوں نے اپنی داڑھیوں کو مٹی سے محفوظ رکھنے کے لیے طلائی یا نقرئی ریشے کے پارچات سے لپیٹا ہوا تھا اور ان کے ہتھیار تمام سونے کے تھے۔ پر تکلف مہمان نوازی کے باہمی تبادلے اور جاہ و جلال کے مظاہرہ کے دوران ایک ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا۔ سکھوں نے جسے ایک منحوس شگون سمجھا۔ جس وقت

مہاراجہ نہایت عمدہ توپوں کا معائنہ کرنے کے لیے آگے بڑھا (جو اسے پیش کیے گئے تحائف کا حصہ تھیں) تو لڑکھڑا کران کے سامنے منہ کے بل گر پڑا۔ اسے کوئی چوٹ نہیں آئی مگر اس کے باوجود اس شگون کو منحوس خیال کیا گیا۔

شاہ شجاع نے جو فوج تیار کی وہ استعمال سے زیادہ دکھاوے کے لیے تھی اور یہ برطانوی فوج سے متحد ہو گئی تھی۔ دسمبر کے آغاز میں ۹۵۰۰ جوانوں پر مشتمل بنگالی فوج بغیر کسی تاخیر کے سندھ کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار تھی۔ اسی دوران میجر جنرل ڈنکن کی زیر قیادت ۴۲۵۰ جوانوں پر مشتمل فالتو فوج فیروز پور میں موجود تھی۔ مہاراجہ ۱۵ ہزار جوانوں کی ایک نگران فوج تیار کرنے میں مصروف تھا۔ تقریباً ۶ ہزار جوانوں کے ایک سکھ دستے کو لیفٹیننٹ کرنل ویڈ کے احکامات کے تحت دے دیا گیا تھا۔ لہٰذا یہ شہزادہ تیموز کے ہمراہ جنوری ۱۸۳۹ء میں لاہور سے روانہ ہوئے۔ پشاور کے مقام پر اس فوج میں مہاراجہ کے پوتے شہزادہ نونہال سنگھ کی قیادت میں ایک اور سکھ فوج شامل ہو گئی۔ خود شاہ شجاع کو شکار پور اور کوئٹہ کے راستے سے پیش قدمی کرنا تھی۔ وہ ایک فوج کے ساتھ قندھار میں داخل ہوا تو بارک زئی سردار اس کی آمد پر بھاگ گئے۔ چنانچہ اسے ۸ مئی ۱۸۳۹ء کو رسمی طور پر تخت پہ بٹھا دیا گیا۔ اس موقع پر تقریباً ۷۵۰۰ جوانوں پر مشتمل پوری انگریز فوج کو صبح صادق کے وقت شمال کی طرف قندھار کے شہر کے سامنے صف آراء کر دیا گیا۔ ایک وسیع و عریض میدان کے وسط میں ایک تخت رکھ دیا گیا۔ طلوع آفتاب کے وقت محل سے شاہ کی روانگی کا اعلان بالاحصار قلعہ کی فصیلوں سے ایک شاہی توپ کی سلامی سے کیا گیا۔ اس کے تخت نشین ہونے پر توپ خانے نے ۱۰۱ توپوں کی سلامی دی۔ سفیر سرجان کینے اور وزیر مسٹر میکینٹن نے حکومت ہند کی جانب سے شاہ کے دربار میں حکومت برطانیہ کے توسط سے تحائف پیش کیے اور اس کے بعد بادشاہ کی ملازمت میں انگریز اور مقامی افسران نے نذریں پیش کیں۔ (۱۲)

رنجیت سنگھ بظاہر اب اپنی عظمت کے عروج پر پہنچ گیا تھا مگر اس کی شان و شوکت اور مزید حکومت کی پیاس کے دوران اس کا انجام قریب آ گیا تھا۔ ذہنی اضطراب اور کمزور جسم کی حالت میں وہ دریائے سندھ کے پار زرخیز میدانوں کو یاد کر کے ٹھنڈی آہ بھرتا تھا اور شکار پور اور سندھ کے خلاف ایک مہم شروع کرنے سے منع کیے جانے پر اسے بہت دکھ پہنچا تھا کیونکہ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس کی آرزو رکھتا تھا۔ اس کی اپنی حکومت سے زیادہ ایک عظیم طاقت (جس کا وہ بہت زیادہ احترام کرتا تھا) نے اس کی خواہش کو مغرب کی جانب محدود کر دیا تھا۔ اسی طرح پہلے جنوب اور مشرق میں بھی کیا گیا تھا۔ لاہور اور امرتسر میں لارڈ آک

لینڈ کی میزبانی کے دوران اسے اظہار میں دشواری محسوس ہوئی۔ اس کی صحت گرتی چلی گئی مگر وہ اپریل میں قندھار کے قبضے کی خبر سننے تک زندہ رہا۔

رنجیت سنگھ کا انتقال

مہاراجہ کو ایک مضبوط اور طاقتور ڈیل ڈول عطا کیا گیا تھا جو محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کے قابل تھا۔ بحیثیت فاتح اور لوگوں کے سردار کے' جس کے لیے اس کی خواہشات اور خصلت کا عیاں ہونا لازمی تھا۔ اسے غیر معمولی قوت برداشت سے نوازا گیا تھا لیکن اگر وہ فولادی ارادے کا بھی مالک ہوتا تو پھر بھی وہ لازمی اس کی مہیب جدوجہد کا شکار ہو جاتا۔ اس کی سلطنت کے اندرونی معاملات اور اپنے اردگرد کے بے شمار قبائل اور راجدھانیوں کی تسخیر نے اس کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کو بہت زیادہ خرچ کیا تھا لیکن سب سے زیادہ جو چیز اس کے خاتمے کا باعث بنی' وہ اس کی بے احتیاطی اور بے تحاشہ شراب نوشی تھی۔ مہاراجہ کو ۱۸۳۴ء میں فالج ہو گیا تھا اور یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ وہ اس کے بعد کبھی بھی مکمل طور پر قوت گویائی حاصل نہ کر سکا۔ وہ صرف اشاروں کی مدد سے اپنا مدعا بیان کرتا تھا اور کوئی صاف تلفظ ادا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

وہ انگریزی علاج سے جزوی طور پر صحت یاب ہو گیا تھا مگر دوبارہ بیمار پڑ گیا۔ مہاراجہ کے طبیب خاص فقیر عزیز الدین کی سربراہی میں پشاور اور لاہور کے اطباء' نجومیوں اور جوگیوں کو مشورہ کے لیے بلوایا گیا۔ وہ اپنے ساتھ یونانی' ہومیوپیتھک' ایلوپیتھک' ہائیڈروپیتھک طریقہ علاج کی ضخیم کتابیں لے کر آئے۔ تجویز کیے گئے مندرجہ ذیل نسخہ سے بظاہر یہ پتہ چلتا ہے کہ عطائی طریقہ علاج کی بھی کمی نہیں تھی۔ مشورہ کے بعد انہوں نے متفقہ طور پر مریض کو ایک معجون کی خوراک دینے کا فیصلہ کیا' جسے سچے موتیوں اور قیمتی پتھروں کے اجزاء سے تیار کیا گیا تھا۔ فقیر نے بذات خود مہاراجہ کے لیے معجون تجویز کی تھی لیکن ایک پندرھواڑے سے بھی کم عرصہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مہاراجہ کو کچھ ہوش آیا تو اس نے اس دوران اپنے سرکردہ سرداروں اور افسروں کا ایک اجلاس طلب کیا اور اپنے سب سے بڑے لڑکے کھڑک سنگھ (۱۳) کو رسمی طور پر حکمرانی کے اختیارات تفویض کر کے اس کے ماتھے پر تلک لگایا۔ اسی اثناء میں راجہ دھیان سنگھ کو نئے مہاراجہ کا وزیر اعظم تسلیم کر لیا گیا۔ رنجیت سنگھ نے اس کا ہاتھ دھیان سنگھ کے ہاتھ میں دے کر اپنے بیٹے اور وارث کا انتظام اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے دھیان سنگھ کو تلقین کی کہ وہ ایک سرپرست اور اتالیق کی طرح اس کا خیال رکھے

اور اسے بھی اسی جیسا سمجھے۔ اس کے بعد وزیر کو خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا گیا اور اسے نائب السلطنت عظمیٰ' خیر خواہ کیمی' دولت سرکار' وزیر معظم' دستور مکرم' مختار و مدار المہم کا خطاب دیا گیا۔

سرکاری طور پر اس امر کی اطلاع ملتان' پشاور' کشمیر اور دیگر مقامات کے حاکموں کو دی گئی اور سلطنت کے طول و عرض میں اس کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا انتقال اور ماتمی رسومات

جب مہاراجہ کے آخری لمحات آن پہنچے تو غریبوں میں ہزاروں روپے بطور خیرات بانٹے گئے۔ (۱۴) راجہ دھیان سنگھ نے دس لاکھ روپے کا ایک بلند چبوترہ تیار کروایا اور اس پر دس ہزار روپے مجموعی مالیت کی متعدد شالیں پھیلا دیں۔ اس چبوترے پر مہاراجہ کا انتقال ہوا۔ مہاراجہ کی وصیت کے مطابق مشہور ہیرے "کوہ نور" کو جگن ناتھ کے مندر یا گورو رام داس کے ادارے کے لیے دان کرنے کا ارادہ کیا گیا اور رنجیت سنگھ وقف کی علامت کے طور پر اس پہ پانی ڈالنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ جمعدار خوشحال سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ کو ہیرا لانے کے لیے بھیجا گیا مگر مصر بیلی رام (جو توشہ خانے کا منتظم تھا) نے اس بناء پر اسے حوالے کرنے پر اعتراض کیا کہ یہ سرکار کی ملکیت ہے' لہٰذا اسے خیرات کے طور پر نہیں دیا جا سکتا۔

مہاراجہ کی نعش کو عطریات سے غسل دے کر اور معطر کرنے کے بعد اس کی زندگی کی طرح قیمتی ملبوسات پہنا دیے گئے اور زیورات سے آراستہ کر دیا گیا۔ مہاراجہ کی چار رانیاں اور اس کی سات کنیزیں اپنی مرضی سے اپنے آقا اور خاوند کی لاش کے ساتھ خود کو جلانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ انہیں اس بات کی امید تھی (جو ان کے مذہب نے دلائی تھی) کہ وہ اپنے دنیاوی آقا کے ہمراہ بہشت میں داخل ہو جائیں گی۔ خود کو زندہ جلانے والی رانیوں میں ایک کانگڑا کے مشہور راجہ سنسار چند کی بیٹی راج دیوی تھی (۱۵) جسے مہاراجہ نے اطاعت پر مجبور کیا تھا۔ ہندومت کی تعلیمات کے مطابق صرف بے اولاد بیویاں ہی خود کو اپنے خاوندوں کی چتا پر زندہ جلا سکتی تھیں اور وہ بظاہر اس امید پہ اس خوفناک رسم کو ادا کرتی تھیں کہ انہیں اگلے جہاں میں وہ کچھ مل جائے گا' جس کا اس دنیا میں انکار کیا گیا ہے۔

تمام رانیاں' جنھوں نے خوفناک رسم قربانی کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا' مہاراجہ کی لاش کے سرہانے کھڑی ہوئیں تو انہوں نے وزیر دھیان سنگھ کو اپنے پاس بلوایا۔ دھیان سنگھ نے مقدس کتاب "سری گیتا جی" مہاراجہ کے سینے پہ رکھی اور اپنے آقا کے جسم اور مقدس

کتاب کو چھو کر نئے مہاراجہ کھڑک سنگھ سے وفاداری کرنے کا حلف اٹھایا اور کھڑک سنگھ و نونہال سنگھ کو دوستانہ شرائط پر لانے کی بھرپور کوشش کرنے کا وعدہ بھی کیا۔

مہاراجہ کی نعش کو بحری جہاز کی شکل کے ایک آراستہ و پیراستہ بوان (ارتھی) پر رکھا۔ اس میں سونے کا جڑاؤ کیا گیا تھا اور اس کے بادبانوں اور جھنڈوں کو قیمتی ریشمی کپڑے سے بنایا گیا تھا' جس پر طلائی کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ اس جہاز کو اس تختے پر رکھ دیا گیا جس پر مہاراجہ کی نعش پڑی ہوئی تھی اور بے شمار افراد نے اسے اٹھایا ہوا تھا۔ جنازے کے ہمراہ ہزاروں لوگ تھے۔ لہٰذا یہ جلوس آہستگی سے قلعہ کے اندرونی حصہ سے چتا کی طرف روانہ ہوا' جہاں اصل میں ایک چھوٹا سا خوبصورت باغ موجود تھا۔

جس وقت ماتمی جلوس روانہ ہوا تو ہجوم پر ہزاروں روپے خیرات کے طور پر پھینکے گئے۔ لہٰذا محتاج اور غریب غرباان پر ٹوٹ پڑے۔ عظیم مہاراجہ کی رانیاں زندگی میں پہلی مرتبہ حرم سرا سے بے پردہ باہر آئیں اور ننگے پاؤں خراماں ارتھی کے پیچھے چلنے لگیں۔ وہ بالکل سفید لباس میں ملبوس تھیں اور انہوں نے کسی قسم کے زیورات نہیں پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے زنان خانے سے رخصت ہونے سے قبل اپنے تمام جواہرات اور قیمتی اشیاء غریبوں میں تقسیم کر دیں۔ ان میں سے ایک رانی جو اپنی اشیاء کو تقسیم نہیں کر سکی تھی' اس کے ساتھ ایک آدمی اس کی قیمتی اشیاء اٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔ لہٰذا جس وقت وہ ہیبت ناک قربان گاہ کی طرف گئی تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان اشیاء کو غریبوں میں بانٹ دیا۔ ہر رانی کے آگے دو یا تین قدم کے فاصلے پر ایک آدمی ہاتھ میں آئینہ پکڑے اس کی طرف منہ کیے پیچھے کی طرف چل رہا تھا۔ رانی کے سامنے آئینہ کر کے چلنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہ دیکھ لے کہ کہیں اس کے نقوش تو تبدیل نہیں ہوگئے اور قربانی کے ارادے کا کوئی تاثر تو اس کی وضع قطع پر نہیں پڑ گیا۔

رانیوں کے بعد سات کنیزیں بھی ننگے پاؤں ان کے پیچھے روانہ ہوئیں۔ ان میں سے چند چودہ یا پندرہ برس کی معلوم ہوتی تھیں۔ سب کی سب اپنے منتظر انجام سے بالکل بے نیاز معلوم ہو رہی تھیں۔ دراصل انہوں نے خود اس کی خواہش کی تھی۔ ڈاکٹر ہونی برگر' جو اس غمناک منظر کے عینی شاہد تھے' بیان کرتے ہیں "شاید ہمارے دل اس خوفناک جلوس کے منظر کو دیکھ کر ان بے چارے شکار ہونے والوں سے زیادہ دھڑک رہے تھے"۔

نقاروں کی آوازوں میں ماتم سنائی دے رہا تھا۔ گویے غمناک بھجن گا رہے تھے اور ان کے سازوں کی آواز پورے مجمع میں افسردگی اور غم پھیلا رہی تھی۔ اس میں وسیع و عریض

ماتمی ہجوم کی چہ میگوئیاں بھی شامل ہو گئی تھیں' جن کے پر تشویش چہرے اندرونی کرب اور دکھ کی شہادت دے رہے تھے اور اس کے علاوہ اپنے آقا کے لیے ان کی محبت کا اظہار ہو رہا تھا' جس کی وہ پوجا کرتے تھے اور وہ ان سے محبت کرتا تھا۔ اس نے اس نظارے کو انتہائی غمناک پہلو دے دیا تھا۔ چتا کو صندل کی لکڑی اور معبر سے چھ فٹ بلند مربع شکل میں بنایا گیا تھا۔ اس کے اوپر انتہائی آتش گیر اشیاء' مثلاً بنولے وغیرہ بچھائے گئے۔ ارتھی کو اس کے قریب لایا گیا تو اس کی قیمتی اشیاء زیورات اور قیمتی غلاف وغیرہ اتار کر ہجوم کو دے دیے گئے۔ اس کے بعد برہمنوں اور گوردوں نے اپنی مقدس کتاب سے اقتباسات پڑھے اور مہاراجہ کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کے لیے دعائیں کیں۔ اس میں تقریباً آدھ گھنٹہ صرف ہوا۔ چتا تک جانے کے لیے ایک سیڑھی تھی۔ سب سے پہلے وزراء اور سردار سیڑھی پر چڑھے اور انہوں نے مہاراجہ کی نعش کو آہستگی کے ساتھ ارتھی سے اتارنے اور احترام سے تختے سمیت اس کو چتا کے درمیان رکھنے میں مدد دی۔ بعد ازیں چاروں رانیاں موت کو حقیر سمجھنے والی دلیری کے ساتھ ایک ایک کر کے اپنے منصب کے مطابق مہلک سیڑھی پر چڑھیں اور اپنے خاوند کے سر کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد کنیزیں بھی اسی حوصلہ اور موت سے حقارت کا اظہار کرتے ہوئے سیڑھی پر چڑھیں اور اپنے آقا کے قدموں میں بیٹھ گئیں۔ ستی ہونے والی خواتین جب مہاراجہ کی نعش کے گرد بیٹھ گئیں تو انہیں سرکنڈوں کی چٹائیوں سے ڈھانپ کر اوپر بافراط تیل انڈیل دیا گیا۔ اس موقع پر راجہ دھیان سنگھ رانیوں کے پاس آیا اور ان سے التجا کی کہ وہ نئے مہاراجہ کی خوشحالی کے لیے دعا کریں۔ لیکن رانیوں نے ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا۔ وہ آنکھیں بند کیے اور ہاتھ مہاراجہ کے سر کی طرف پھیلائے بیٹھی تھیں' جسے انہوں نے تھام رکھا تھا اور اب قریب آنے والے مہلک لمحہ کی امید میں مکمل سکوت طاری کیا ہوا تھا۔ تب سرکنڈوں کی ایک موٹی چٹائی لائی گئی۔ اسے تیل سے تربتر کر کے اس سے سب کو ڈھانپ دیا گیا۔ وزیر راجہ دھیان سنگھ اور سردار بعد میں نیچے اتر آئے۔ معلوم ہوتا تھا راجہ کو بہت زیادہ دکھ ہوا تھا اور اس غم نے اس پر اس قدر غلبہ پا لیا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کو بوجھ خیال کیا اور رانیوں کے ساتھ جل مرنے پر زور دینے لگا۔ دو یا تین مرتبہ اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لہٰذا اسے ستیوں کے انجام کا حصہ دار بننے سے روکنے کے لیے بڑی مشکل پیش آئی۔ بعد ازیں تیل' عطر اور گھی بڑی فیاضی سے چتا پر انڈیلا گیا۔ یہ سب کچھ ہو گیا تو شہزادہ کھڑک سنگھ نے ہر طرف سے چتا کو آگ لگائی۔ لہٰذا ایک لمحہ میں ساری چتا بھڑک اٹھی۔ اس کے شعلے آسمان سے باتیں

کرنے لگے۔ آنکھ جھپکنے کی دیر میں وہ بدقسمت انسان' جنہیں چٹائیوں سے ڈھک دیا گیا تھا' ختم ہو گئے اور ایک مختصر سے وقت میں پورا ڈھیر راکھ میں تبدیل ہو گیا۔

چتا کے جلنے میں دو دن لگے۔ تیسرے روز خاندان کے افراد نے مردے کی ہڈیاں اور راکھ اٹھائی اور علیحدہ کوزوں میں ڈال کر انہیں کشمیری شالوں سے بنائے گئے علیحدہ خیموں میں رکھ دیا گیا' جن کے کھمبے سونے اور چاندی کے بنے ہوئے تھے اور ان پر بہت زیادہ پیسہ خرچ آیا تھا۔ اس کے بعد ہڈیوں کو گنگا کی طرف بھیجنے کی تیاریاں کی گئیں۔ مہاراجہ اور اس کی چاروں رانیوں کی راکھ کو قیمتی ساز و سامان سے آراستہ علیحدہ پالکیوں میں رکھا گیا اور شاہانہ انداز میں قلعہ سے باہر لایا گیا۔ ان کے ہمراہ قیمتی شالوں' قیمتی ساز و سامان سے آراستہ ہاتھی' گھوڑوں' سونے چاندی کے برتنوں' قیمتی ملبوسات وغیرہ پر مشتمل قیمتی تحائف بھی تھے۔ یہ سب مقدس دریا کے کنارے ہر مندر میں رہنے والوں برہمنوں میں خیرات کے طور پر تقسیم کرنے کے لیے تھے۔ جلوس قلعے سے روانہ ہوا تو اسے ایک شاہی توپ کی سلامی دی گئی۔ تمام راجگان اور سردار اور شاہی گھرانے کے اراکین اس کے ہمراہ تھے۔ کچھ لوگ پیدل اور دیگر ہاتھی گھوڑوں پر سوار تھے۔

یہ جلوس شہر لاہور کے اہم گلیوں اور بازاروں میں سے گزرا' جو لوگوں کے ہجوم سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ گلیاں' گھروں کی چھتیں' کھڑکیاں اور بالکونیاں تماشائیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جب جلوس نیچے سے گزرا تو بلند مقامات پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔ جس پالکی میں مہاراجہ کی راکھ موجود تھی' اس کے دروازے کھلے ہوئے تھے چاروں رانیوں کی راکھ جن پالکیوں میں رکھی گئی تھی' ان کے دروازے بند تھے۔ وفادار وزیر دھیان سنگھ مہاراجہ کی پالکی کے دائیں ہاتھ' اس کے قریب ہاتھ میں مور کے پروں کا پنکھا تھامے چل رہا تھا۔ اس سے وہ مکھیوں کو ہٹا رہا تھا۔ اس سے اس نے اپنے آنجہانی سرپرست اور آقا کے لیے آخر تک عقیدت و احترام کا اظہار کیا۔ جب جلوس بیرون دہلی دروازہ پہنچا تو قلعہ کی فصیل اور شہر کی دیواروں سے آخری سلامی دی گئی جو کافی دیر تک کانوں کو بہرہ کرتی رہی۔ شاہی سلامی سرداروں اور راجاؤں کے لیے واپس جانے کا اشارہ تھی۔ اس کا اختتام ہوا تو تمام لوگ اس راکھ اور تحائف کو پہرے داروں کے ذریعے انہیں منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے چھوڑ کر شہر کی طرف لوٹ آئے۔ جس وقت مہاراجہ کی راکھ برطانوی علاقے میں اضلاع کے صدر مقامات اور دیسی ریاستوں سے گزری تو احترام اور سلامی کے لیے اسی طرح رسومات اختیار کی گئیں' جس طرح مہاراجہ کی زندگی میں کی جاتی

تھیں۔ تیرہ روز تک سوگ منایا گیا۔ سوگ کا لباس سفید تھا۔ تیرھویں روز آخری رسومات کریاکرم انجام دی گئیں اور برہمنوں و فقیروں میں ہزاروں روپے تقسیم کیے گئے۔

قاری اس بات سے باخبر ہے کہ رنجیت سنگھ نے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور نہ ہی کسی زبان میں لکھ پڑھ سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ علماء و فضلاء کا بہت احترام کرتا تھا۔ اس کے معتمد ہروقت اس کے پاس حاضر رہتے تھے اور وہ فارسی' پنجابی یا ہندی زبان میں لکھے گئے کاغذات اپنے سامنے پڑھواتا اور یہ دیکھتا کہ اس کے احکامات درست شکل میں لکھے گئے ہیں اور مسودات اس کے خیالات کے مطابق ہیں۔ وہ عوام سے پنجابی میں گفتگو کرتا مگر یورپی مہمانوں سے ہندی میں بات کرتا تھا۔ وہ چھوٹے ڈیل ڈول کا حامل تھا اور نقوش کی خوبصورتی کے لیے قدرت کا تھوڑا سا شکرگزار تھا جو چیچک کے باعث مسخ ہوگئے تھے اور اس وجہ سے اس کی بائیں آنکھ بھی ضائع ہوگئی تھی۔ تاحال اس کی وضع قطع دل آویز' اس کے اطوار اور انداز تخاطب دلکش اور اس کے نقوش زندہ دلی اور تاثر سے بھرپور تھے۔ اس کی واحد آنکھ بڑی تیز اور متلاشی تھی اور اس کی آگ اور چمک بیک وقت اپنے مالک کے ذہن کی تیز فہمی اور چستی کا مظاہرہ کرتی تھی۔ وہ ایک طویل لہراتی ہوئی سفید داڑھی کا مالک تھا' جس نے اس کی وضع قطع کو ایک اضافی زینت بخش دی تھی۔ وہ عام طور پر آلتی پالتی مار کر اپنی کرسی میں بیٹھتا تھا اور جس وقت بات کر رہا ہوتا تو اس کا ایک ہاتھ گھٹنے پر رکھا ہوتا جب کہ دوسرے ہاتھ سے اپنی داڑھی کھجا رہا ہوتا تھا۔

وہ ایک تروتازہ قوت متخیلہ کا مالک تھا اور اس کی عادات مسرور اور قطعی بے باک تھیں۔ لباس کے معاملہ میں وہ بہت زیادہ سادہ تھا۔ حالانکہ وہ کھیل تماشے اور طمطراق کا بہت شوقین تھا۔ اپنے دربار کی شان و شوکت پر بہت زیادہ توجہ دیتا اور اپنے امراء و سرداروں کو شاندار لباس اور جواہرات سے آراستہ دیکھ کر محظوظ ہوتا تھا۔ وہ متعصب نہیں تھا مگر باقاعدگی سے مذہبی رسومات ادا کرتا۔ مقررہ وقت پر ہر روز گرنتھ سنتا اور گوروؤں' بھائیوں اور باواؤں کو (جو مذہبی رسومات کی ادائیگی میں اس کی مدد کرتے تھے) بڑی فیاضی سے انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔

اس کے پاس زمانہ سازی کی زبردست قوت تھی۔ جیسا کہ گزشتہ ابواب میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کی متلون مزاجی کی کوئی حد نہیں تھی۔ اولوالعزمی یا خوشی کے حصول کے لیے وہ دوستی کے بندھن اور خونی و محبت کے رشتوں کی قطعی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ ایام جوانی میں وہ قابل ذکر حد تک چست و چالاک اور طاقتور تھا اور شاندار گھڑسوار و شکاری تھا اور عسکری

کمالات میں بہت ماہر تھا۔ وہ کھیل تماشوں کا بہت شوقین اور اپنے درباریوں کو تحائف دینے میں بڑا فضول خرچ تھا لیکن عمر کے ساتھ ساتھ اس کا لالچ بھی بڑھتا رہا اور اس کے علاوہ اس میں خزانہ جمع کرنے کی خواہش بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ جسمانی ترکیب کے درہم برہم ہونے کے نتیجہ میں بعض اوقات اس کے مزاج میں ہیجان پیدا ہو جاتا تھا۔ لہٰذا وہ گھوڑے پر سواری کرنے کے قابل نہیں رہتا تھا' ماسوائے اس کے کہ اسے اٹھا کر بٹھا دیا جائے۔ وہ عسکری مظاہروں اور صف آرائی میں خوشی محسوس کرتا اور اپنی فوج کے ساز و سامان میں خصوصی دلچسپی لیتا تھا۔

رنجیت سنگھ نے سکھوں کی سیاسی حالت کو نئے قالب میں ڈھالا تھا اور متعدد چھوٹی منتشر ریاستوں کو ایک سلطنت میں یکجا کیا۔ ہندوستان کی غالب حکومت کے ساتھ اس کے تعلقات انتہائی دوستانہ نوعیت کے تھے۔ اگرچہ پہلے پہل ان کے متعلق اس کے دل میں کچھ وسوسے پیدا ہو گئے تھے لیکن جب اس نے اپنے مقام کو تسلیم کر لیا تو حکومت کے ساتھ نہایت دیانت داری سے معاہدہ کی پاس داری کی اور آخر دم تک اس حکومت کے ساتھ اپنے الفاظ پر قائم رہا۔

حوالہ جات

(۱) دیوان امرناتھ کے مطابق ایک لاکھ اڑتالیس ہزار لوگ اس وبا سے ہلاک ہوئے۔

(۲) ان میں سے ایک لڑکی کا رشتہ راجہ دھیان سنگھ کے بیٹے کے لیے مانگا گیا تھا لیکن رنجیت سنگھ ان بہنوں کی بے مثال خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے بذات خود دونوں سے شادی کر لی۔ ان کی والدہ نے مہاراجہ پر زور دیا کہ اسے شادی کی تمام رسومات ادا کرنا ہوں گی یعنی سر پر ہار پہننا ہوں گے اور عروسی سہرا بھی پہننا ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ رنگیلا مہاراجہ انتہائی خوشی کے ساتھ ان رسومات سے گزر گیا۔

(۳) اپنے افسران کے لیے مہاراجہ کا پروانہ:

"دیوان اجودھیہ پرشاد مونسیئر شیولیر ونتورا اور عظیم و دانا سردار لہنا سنگھ اور ملتان کے صوبیدار لالہ ساون مل کو واضح ہو کہ جب مسٹر برنز سرحد پر پہنچیں تو آپ فوری طور پر ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھیں اور اس سے پہلے تیج سنگھ

کی قیادت میں ۲۰۰ پیادے اور نیزہ بردار جلال پور کی طرف روانہ کریں تاکہ وہ ان کی آمد پر بطور ایک اعزازی دستے کے تیار رہیں اور آپ بھی اسی دوران قرب و جوار میں اپنی آمد کی اطلاع دے دیں۔ جب مسٹر برنز پہنچ جائیں تو آپ دیوان کے زیر انتظام نقرئی ہودے سے مزین ایک ہاتھی فورا روانہ کر دیں۔ وہ مسٹر برنز کو کہے کہ یہ جانور صریحاً ان کے استعمال کے لیے بھیجا گیا ہے اور پھر ان سے اس پر بیٹھنے کو کہے جو یہ ثابت کرے گا کہ دونوں حکومتوں کے درمیان دوستی عظیم ہے۔ جب مسٹر برنز ہاتھی پر سوار ہو جائیں تو سردار لہنا سنگھ اور ساون مل دوسرے ہاتھیوں پر بیٹھ کر وہاں پہنچیں اور حتی المقدور والہانہ اور پرتپاک انداز میں استقبال کر کے ان سے ملاقات کریں اور دور دراز کے سفر سے بخیرو خوبی آمد پر ان کو مبارک باد دیں اور اس دوران غریبوں میں ۲۲۵ روپے تقسیم کر دیں۔ اس کے بعد آپ ایک خوبصورت کمان پیش کریں اور آپ میں سے ہر ایک گیارہ طلائی جھلملی پیش کرے اور اس کے بعد جناب والا کو مقام غسل پر لے جایا جائے اور ان کے ساتھ گیارہ سو روپے اور مٹھائیوں کے پچاس مرتبان رکھے جائیں۔ تب آپ نے مندرجہ ذیل اشیاء فراہم کرنی ہیں ۔ گھاس' غلہ' کھلیان' دودھ' انڈے' مرغابیاں' دنبے' دہی' سبزیاں' پھل' گلاب کے پھول' مصالحے' پانی کے برتن' بستر اور ہر وہ چیز جو ضروری ہو۔ یاد رہے کوئی چیز مقدار میں کم نہ ہو اور نہ ہی اس میں غفلت برتی جائے اور نہ ہی تاخیر ہو۔ جب آپ ملاقات کرنے جائیں تو دو کمپنیوں اور سوار فوج کی گشت کرا کے سلامی دیں اور اس کے مطابق مسٹر برنز کی مرضی کے مطابق محافظ تعینات کریں۔ جب آپؐ شجاع آباد پہنچیں تو گیارہ توپوں کی سلامی دیں اور ہر وہ چیز مہیا کریں جس کے بارے میں پہلے حکم دیا گیا ہے اور مٹھائیوں اور پھلوں کے مرتبانوں کے ساتھ گیارہ سو روپے پیش کرنے کے علاوہ جس چیز کی خواہش کی جائے' اسے پورا کیا جائے۔ اگر مسٹر برنز شجاع آباد کا قلعہ دیکھنے کی خواہش کریں تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے دکھائیں اور یہ دیکھیں کہ کوئی رکاوٹ نہ ہو اور کوئی بھی اپنی آواز بلند نہ کرے۔

ملتان پہنچنے پر آپ مسٹر برنز کو انتہائی احترام کے ساتھ وہاں لے جائیں اور وہ جس باغ کو بھی پسند کریں' وہاں ان کا خیمہ نصب کر دیں۔ یعنی حضوری' بیگی' شیش محل یا خاص دعام یا کوئی اور۔ اس کے بعد آپ انہیں دو ہزار پانچ سو روپے

کی تھیلی اور مٹھائیوں کے ایک سو مرتبان پیش کرنے کے علاوہ قلعہ کی فصیل سے گیارہ توپوں کی سلامی پیش کریں۔ جب آپ ان کی آمد کا شکریہ ادا کریں تو آپ کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس بات کا خیال رکھیں کہ آیا وہ اپنے طویل سفر کے بعد پانچ چھ روز تک ملتان میں ٹھہرنا تو نہیں چاہتے۔ لہٰذا جس طرح ان کی مرضی ہو' ویسے ہی کیا جائے۔ اگر وہ قلعے کو دیکھنا چاہیں تو آپ تینوں اشخاص ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور کسی کو شور نہ مچانے دیں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ نہنگ یا اسی طرح کے دوسرے غلط قسم کے لوگ فاصلے پر رہیں۔

ملتان سے روانہ ہوتے وقت آپ لاہور کے لیے مسٹر برنز کو فراہم کرنے کے لیے اشیائے خورد و نوش سے ۱۰۰ اونٹوں کو لاد دیں اور پہلی منزل کے لیے صوبیدار ساون مل بذات خود ساتھ جائیں اور رخصت لینے کے بعد موسیئر شیولیر ونتورا کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ سردار لہنا سنگھ اور دیوان اجودھیہ پرشاد' فتح سنگھ رام گڑھیہ کے ساتھ دو کمپنیوں اور نیزہ برداروں کے ہمراہ مسٹر برنز کے ساتھ آئیں اور آسان منازل کے ذریعے لاہور کی طرف روانہ ہوں اور ان کی آمد کی روزانہ اطلاع بھجوائیں۔ ڈیرہ سید والا کے مقام پر کاردار' معمول کی مٹھائیوں کے ساتھ ۱۱۰۰ روپے پیش کرے گا۔ نیز آپ سب کو اس بات کی ہدایت کی جاتی ہے کہ دونوں ریاستوں کے درمیان موجود عظیم دوستی کا ہر وقت خیال رکھیں"۔

(۴) سروانہ کی رقم غریبوں میں بانٹنے کے لیے ہوتی ہے۔ ہندوستان کے امراء میں یہ رسم موجود ہے کہ کسی ملاقات کے موقع پر غریبوں میں خیرات کرنے کے لیے سروانہ کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۵) اس موقع پر لیفٹیننٹ برنز کے ساتھ کشمیر کا ایک ہندو لڑکا موہن لال بھی تھا جو بعد میں لدھیانہ کے سرکاری قیدی آغا حسن جان کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ دہلی کالج کا طالب علم تھا اور اس کی تصنیف بعنوان "موہن لال کا سفرنامہ" عوام الناس میں بہت مشہور ہے۔ سفر میں اس کا ساتھی محمد علی تھا' جس نے بمبئی کے انجینئرنگ ادارے سے تعلیم حاصل کی تھی۔

(۶) وہ رانی گل بیگم کہلاتی تھی۔ وہ ۱۸۶۳ء میں لاہور میں انتقال کر گئی۔ اسے تادم مرگ بارہ ہزار تین سو اسی روپے سالانہ کا وظیفہ ملتا تھا۔

(۷) ایک قصبہ جو سلطان محمود غزنوی کے چہیتے غلام ملک ایاز نے تعمیر کرایا تھا۔ اس

مقام پر اس نے ایک سرائے تعمیر کرائی تھی' جسے اس کے ایک سو دروازوں کی وجہ سے سد درہ کہا جاتا تھا۔ سودھرا یا سرھورا (سوہدرہ) اس نام کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

(۸) ملاحظہ کیجئے "تاریخ لاہور" از دیوان امرناتھ (قلمی نسخہ)

(۹) رسم کے مطابق شیر سنگھ کو بذات خود سفارت کے ارکان کا استقبال کرنے کے لیے آنا تھا کیونکہ آدینہ نگر شہزادے کی جاگیر تھا مگر کہا گیا کہ گزشتہ رات کو مہاراجہ کے ساتھ ایک محفل شراب خوری کے باعث وہ ابھی تھوڑا بہت سنبھلا تھا' لہٰذا اس وجہ سے وہ سفر کرنے کے قابل نہیں تھا۔

(۱۰) عزت ماب مسٹر اوبرن اس ذہین اور خوبصورت لڑکے پرتاب سنگھ کے بارے میں مندرجہ ذیل تفصیل بیان کرتے ہیں: "اب تک میں جتنے بھی لڑکوں سے ملا ہوں یہ ان سب سے زیادہ ذہین ہے۔ انتہائی جاذب نظر اور بڑی بڑی متاثر کن انوکھی آنکھوں کا مالک ہے۔ اس کے انداز و اطوار بہت ہی زیادہ دلکش' شستہ اور شریفانہ ہیں اور ہر قسم کے بھدے پن اور ناشائستگی سے مکمل طور پر پاک ہے' جو اس عمر کے زیادہ تر یورپی بچوں میں پائی جاتی ہے۔ دوران گفتگو میں نے اس سے پوچھا کہ اگر اس کی بندوق اصلی ہوتی تو وہ اس سے نشانہ لگاتا۔ وہ اس سوال پر انتہائی غضب میں آکر اپنی کرسی سے چھلانگ مار کر نیچے اتر آیا اور انتہائی سرعت سے اس کو بھر کر زور سے چلایا "اب میں کس کو گولی کا نشانہ بناؤں؟" میں نے جواب دیا کہ اس وقت میں نے پڑاؤ میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو گولی سے محفوظ رہ سکے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا وہ ایک سو گز کے فاصلے سے کسی آدمی کو نشانہ بنا سکتا ہے' اس پر اس نے بغیر توقف کیے جواب دیتے ہوئے سکھ سرداروں اور راجاؤں کے ہجوم کی طرف اشارہ کر کے کہا (جو سب خیمے کے گرد جمع تھے) "یہ سب آپ کے دوست ہیں' مگر مجھے حکومت برطانیہ کا کوئی دشمن دکھائیے اور جلد ہی آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں"۔ کہا جاتا ہے اس کا والد اس لڑکے کو بہت عزیز رکھتا ہے' لہٰذا جب گزشتہ برس مہاراجہ نے سر ہنری فین کو بحفاظت پنجاب کی سرحد تک لے جانے کے لیے اسے روانہ کیا تو وہ اس کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ مگر رنجیت سنگھ کو یورپیوں پر اس قدر بدگمانی ہے کہ جب وہ ابھی تین منزل کے فاصلے تک نہیں گئے تھے کہ اس نے ایک سوار دستے کو ان کے پیچھے روانہ کیا اور حکم دیا کہ پرتاب سنگھ کو واپس لے آئیں تاکہ وہ اپنے والد کی دربار میں واپسی تک بطور ایک یرغمال کے رہے"۔ شیر سنگھ کی جاگیروں میں پیش قدمی کے دوران' برطانوی افسران کے سارے پڑاؤ کے لیے اسی شہزادے کے خرچ پر رسد کی فراہمی کی گئی۔ کیریاں میں سفارت کے ارکان

کے لیے ایک عظیم الشان ضیافت کا اہتمام کیا' وہ اپنے لیے اس استقبال سے بہت خوش ہوئے۔ مولوی دین محمد کی سرگزشت۔

(۱۱) "شیر پنجاب" کی موسم گرما کی خلوت گاہ پر ان میں سے کوئی موجود نہیں ہے۔ نہر کے کنارے پر ایک نظرانداز بارہ دری باقی بچی ہے' جو آدینہ نگر کے پرانے باسیوں اور اس کی گزشتہ عظمت و شان و شوکت کی یاد دلاتی ہے۔ اس مقام پر آم کے درخت ابھی تک بکثرت موجود ہیں' نہری اور نکاسی انتظام کے ذریعے ان کی شادابی کو قائم رکھا گیا ہے' لہٰذا آج کل جون جولائی کی جھلسا دینے والی گرمی میں لوگوں کے لیے یہ ایک تفریح گاہ اور سیر کا مقام ہے۔

(۱۲) جولائی ۱۸۳۹ء میں غزنی پر دھاوا بولا گیا اور کابل پر قبضہ کیا گیا۔ شاہ شجاع ۸ اگست ۱۸۳۹ء کو تخت نشین ہوا۔ افغانستان میں بعد کے تباہ کن واقعات کے لیے دیکھئے "جنگ افغان" اور کابل و افغانستان پر دیگر تصانیف۔

(۱۳) سمتھ کے مطابق' کھڑک سنگھ کو صرف اس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس لایا گیا جب بوڑھا بادشاہ بستر مرگ پہ تھا۔ اسے اور شیر سنگھ دونوں کو بڑی ہوشیاری سے سرحد پر کافی فاصلے پہ رکھا گیا تھا' جبکہ دربار میں ڈوگرا خاندان کا اثر و رسوخ سب سے زیادہ تھا۔

(۱۴) رائے کنہیا لعل اپنی کتاب "تاریخ پنجاب" میں کہتا ہے کہ اس موقع پر' ۲۲ لاکھ روپے نقد اور ۲۵ لاکھ روپے مالیت کی جائیداد مساجد' دھرم شالاؤں اور دیگر مذہبی اداروں میں مسلمان اور ہندو غریب غربا میں تقسیم کی گئی اور ۲۵۰ من گھی' جوالا مکھی کے دیوی مندر کے لیے بھیجا گیا۔

(۱۵) رائے کنہیا لعل اپنی کتاب میں ذکر کرتا ہے کہ سنسار چند کی دونوں بیٹیاں جو مہاراجہ کی رانیاں تھیں' انہوں نے خود کو چتا پر جلا ڈالا تھا۔ یہ غلط ہے' کیونکہ ڈاکٹر ہونی برگر کے مطابق (جو اس منظر کے عینی شاہد تھے) صرف ایک ستی ہوئی تھی' دوسری کچھ عرصہ پہلے دق کے مرض سے انتقال کر چکی تھی۔

حصہ پنجم

رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد کا دور

باب ۱

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشین

کھڑک سنگھ

رنجیت سنگھ کی ماتمی رسومات ختم ہوئیں تو اس کا سب سے بڑا جائز بیٹا' کھڑک سنگھ تخت نشین ہوا اور اسے پنجاب کا مہاراجہ تسلیم کر لیا گیا۔ وہ کم سمجھ بوجھ کا انسان تھا اور اپنے باپ کے مقابلے میں افیم کا زیادہ عادی تھا۔ اسے دن میں دو مرتبہ نشہ کرنے کی عادت تھی' لہٰذا سارا وقت وہ نیم مدہوشی کی حالت میں گزارتا تھا۔ جسمانی لحاظ سے تو وہ اپنے والد کی ہو بہو نقل تھا مگر اس جیسی مدبرانہ صلاحیتیں اس کے پاس نہیں تھیں۔ چیت سنگھ' جس کے پاس' تعریف کرنے کے لیے تکبر اور خوشامد کے سوا کچھ نہیں تھا' اسے نئے مہاراجہ کے ذہن پر اس قدر اختیار حاصل ہو گیا تھا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں محض ایک کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا۔ کھڑک سنگھ نے سب سے پہلے راجہ دھیان سنگھ اور اس کے بیٹے ہیرا سنگھ کو بادشاہ کے زنان خانہ میں آزادانہ داخلے کے حق سے محروم کر دیا' تاکہ وزیر خفیہ طور پر بادشاہ کو سرکاری امور کے متعلق اپنی گزارشات نہ پیش کر سکے۔ چیت سنگھ کو وزیر کے عہدہ پر متمکن کر دیا گیا اور دھیان سنگھ کو قتل کرنے کا ایک منصوبہ تیار کر لیا گیا۔ چیت سنگھ اپنے آقا' کھڑک سنگھ کے ساتھ قلعہ میں رہتا تھا اور اس نے حال ہی میں محافظوں کے دو دستے تیار کر لیے تھے' ان کے ساتھ اس نے سازش کر لی کہ کسی صبح جیسے ہی دھیان سنگھ قلعہ میں داخل ہو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس سازش کا دھیان سنگھ کو پتہ چل گیا تو وہ نہ صرف اس دغابازی کی تکمیل سے خود کو بچانے میں بلکہ کنور نہال سنگھ کو اپنی طرف کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا' اس نے چیت سنگھ سے اس قدر مکمل انتقام لیا کہ اس کے تمام

منصوبے ناکام کر دیے اور وہ خود بھی ایک افسوسناک اور مہلک انجام سے دوچار ہوا۔ یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ کھڑک سنگھ نے حکومت برطانیہ سے الحاق کر لیا ہے اور چھ آنہ فی روپیہ محصول ادا کرنے' سکھ فوج کو توڑنے اور سرداروں کو برطرف کر کے ان کی جگہ انگریز افسران کو مقرر کرنے کے لیے ان کی رفاقتی بالادستی کو تسلیم کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ یہ افواہ جلد ہی پورے شہر میں گردش کرنے لگی اور گلی بازاروں میں گفتگو کا ایک اہم موضوع بن گئی۔ انتظامی و عسکری حلقوں نے اس فرضی پرفریب عہد و پیمان پر اپنے غصے کا برملا اظہار کیا۔ کھڑک سنگھ پر واشگاف انداز میں الزام تراشی کی گئی اور فوج نے اسے ایک غدار سمجھنا شروع کر دیا جو اس کے منصب کے شایان شان نہیں تھا۔ نونہال سنگھ (جو اپنے والد کے تخت نشین ہونے سے کچھ عرصہ پہلے پشاور میں رہائش پذیر تھا) اسے راجہ گلاب سنگھ کے ہمراہ فوراً واپس بلایا گیا۔ وہ شہر میں داخل ہوا تو اپنے والد کا کھلا دشمن تھا۔ کھڑک سنگھ کے خلاف سب کے خیالات کچھ اس قدر مضبوط تھے کہ اس کی بیوی' (نونہال سنگھ کی والدہ) چندکور بھی اس کی سخت دشمن ہو گئی اور اپنے خاوند کو تخت سے اتارنے کے لیے اپنی پوری رضامندی اور چشم پوشی کا اظہار کر دیا۔ ایک سازش (جسے وزیر کے بھائیوں اور ان کی جماعت کے سرداروں کی منظوری اور حمایت حاصل تھی) تیار کی گئی کہ چیت سنگھ کو قتل کر دیا جائے اور مہاراجہ کو معزول کر کے قید میں ڈال دیا جائے۔ اس سازش کو صیغہ راز میں رکھا گیا' حتیٰ کہ یہ منصوبہ کارروائی کے لیے بالکل تیار ہو گیا۔ جب موثر تدابیر کا وقت آن پہنچا' تو وزیر اپنے دونوں بھائیوں' گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ' سندھیانوالہ سرداروں اور دیگر افراد کے ہمراہ' طلوع آفتاب سے دو گھنٹے قبل قلعہ کی طرف گیا۔ لہٰذا یہ سبھی ننگی تلواروں کے ساتھ کھڑک سنگھ کی خوابگاہ میں داخل ہو گئے۔ راستے میں ان کا سامنا دو بھائیوں سے ہوا' انہیں کاٹ کے رکھ دیا گیا۔ ذرا آگے گئے تو ان کی مڈبھیڑ کھڑک سنگھ کے گدوائی (ماشکی) سے ہوئی' جو اپنے آقا کو اشنان میں مدد کرانے کے بعد ابھی لوٹ رہا تھا' کیونکہ کھڑک سنگھ کو صبح سویرے عبادت کے لیے نہانے کی عادت تھی۔

مسلح ڈاکوؤں کو دیکھ کر گدوائی خوفزدہ ہو کر اپنے آقا کی خوابگاہ کی طرف دوڑا مگر اسے دھیان سنگھ نے جا لیا اور اپنی انگریزی بندوق سے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد یہ جماعت' بادشاہ کی خوابگاہ کی طرف بڑھی۔ چیت سنگھ کو جس خطرے کا خدشہ تھا' اب اس نے اس کو بھانپ لیا تھا' لہٰذا وہ جلدی سے شاہی خوابگاہ کے نزدیک ایک طویل تاریک کمرے پر مشتمل خوابگاہ میں چھپ گیا۔ یہاں پر سازشیوں کا سامنا بادشاہ کے محافظوں اور دو

مسلح دستوں سے ہوا' انہوں نے پہلے پہل ہلکی سی مزاحمت کی' مگر جب دھیان سنگھ اور گلاب سنگھ دونوں بھائیوں نے اپنے چہرے دکھائے تو وہ اس قدر دہشت زدہ ہوگئے کہ انہوں نے اپنے ہتھیار ڈال دیے اور اس جماعت کو آزادانہ طور پر بادشاہ کی خوابگاہ میں جانے کی اجازت دے دی۔ سازشی اس قدر غضبناک ہوگئے تھے کہ اگر نونہال سنگھ اور اس کی والدہ چندکور بروقت پہنچ کر کھڑک سنگھ کو کوئی گزند نہ پہنچانے کی تلقین نہ کرتے' تو وہ مہاراجہ کو جان سے مار ڈالتے۔

بادشاہ کو اچانک حملہ کر کے حراست میں لے لیا گیا' اس کے بعد اس کے منظور نظر چیت سنگھ کی تلاش شروع کر دی گئی' جسے آخرکار خواب گاہ کے ایک تاریک کمرے میں چھپا ہوا پایا گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں ایک ننگی تلوار تھامے ایک کونے میں دبکا ہوا تھا اور خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ پتہ چلنے کے بعد اس نے معافی کی التجا کی اور بچے کی طرح رونے لگا۔ اس کے باوجود اسے کھینچ کر دھیان سنگھ کے پاس لایا گیا' اس نے اسے پہچان کر اپنے لمبے چاقو سے اس کے پیٹ میں دو مرتبہ وار کیا۔ چنانچہ اس بدنام سازشی کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ غضب ناک حملہ آوروں نے فوراً چیت سنگھ کے رشتہ داروں اور ساتھیوں کی تلاش شروع کر دی' لہٰذا ان کا پتہ چلانے پر ان کا بھی یہی حشر کیا گیا۔ یہ واقعہ ۸ر اکتوبر ۱۸۳۹ء کو رونما ہوا اور یہ ان بے شمار کشت خون اور دہشت گردی کے واقعات کا آغاز تھا' جنہوں نے پنجاب میں سکھ حکومت کی تاریخ پر ایک انمٹ دھبہ چھوڑا۔

ان دہشت ناک کارروائیوں کے بعد کھڑک سنگھ کو دستبردار ہو کر اپنے شہر والے مکان میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اس نے تقریباً تین ماہ کے مختصر عرصہ تک حکومت کی۔

نونہال سنگھ

برائے نام بادشاہ کی حقیقی اولاد اور اکلوتے بیٹے شہزادہ نونہال سنگھ کی پنجاب کے حکمران کی حیثیت سے حکومت کا اعلان کر دیا گیا' لہٰذا اس نے ۱۸ سال کی کم عمری میں حکومت کی باگ دوڑ سنبھال لی۔ اس کے نقوش اور طبیعت کی مماثلت حیران کن حد تک اپنے ممتاز دادا کے ساتھ تھی اور انتہائی کم عمری میں فوج کا پیشہ اختیار کرنے کے باعث وہ فوج میں بہت مقبول تھا۔ وہ اولوالعزم اور جنگجوانہ جذبے کا حامل تھا' اس میں انتہا درجے کی دوراندیشی اور گہرے مشاہدے کا اضافہ بھی ہوگیا تھا' لہٰذا کاروبار سلطنت کے معاملات میں بصیرت نے اسے مکمل طور پر اس منصب کے لیے کامیاب قرار دے دیا تھا' جس کی اس نے خواہش کی تھی۔ رنجیت سنگھ کو اپنے پوتے سے بہت زیادہ لگاؤ تھا اور اس نے اس بات

کا درست اندازہ لگایا تھا اور اس امید کو دل میں جگہ دی تھی کہ ایک روز یہ اس وسیع و عریض سلطنت پر حکومت کرے گا' جس کی اس نے بنیاد رکھی تھی۔ اس کی بھی کچھ کمزوریاں تھیں۔ اسے اپنے روحانی پیشواؤں کی معصومیت پر بہت اعتقاد تھا۔ وہ مکمل طور پر برہمنوں کے زیراثر تھا' لہٰذا وہ جو کچھ کہتے اس کا فوراً یقین کر لیتا۔ برہمنوں' باواؤں اور فقیروں نے اسے یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہ افغانستان کی سرحدوں سے لے کر پرجیہ (ہندوؤں کا انتہائی مقدس شہر جو اب بنارس کے نام سے مشہور ہے) بشمول ہندوستان کے قدیم عروس البلاد دہلی تک حکومت کرے گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو ان باتوں کی سچائی پر اس حد تک قائل کر لیا گیا کہ اس نے ان حضرات کو شاہی اسناد دے دیں' جن کی رو سے ان پیش گوئیوں کو پورا ہونے سے پہلے ہی انہیں دہلی اور بنارس کے قرب و جوار میں جاگیریں عطا کر دی گئی تھیں۔ وہ اپنے والد اور اس کی مشکلات کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا' لہٰذا لاہوری دروازہ میں اس کی نجی رہائش گاہ پر شاذ و نادر ہی جاتا تھا یا صرف اس کی فرضی دغابازی اور بزدلانہ رویے پر اسے برا بھلا کہنے کے لیے ادھر کا چکر لگاتا تھا۔

معزول بادشاہ پر ایک مضبوط حفاظتی دستہ مقرر کر دیا گیا' جس کے بارے میں خیال ظاہر کیا گیا کہ وہ برطانوی علاقے میں جا کر پناہ حاصل کرنے کے لیے لاہور سے رخصت ہونے کی خاطر جھوٹ موٹ بیماری کا بہانہ کر رہا ہے۔

نونہال سنگھ' انگریزوں سے سخت نفرت کرتا تھا' لہٰذا کہا جاتا ہے اس نے ان سے جنگ کرنے کے لیے لاہور کے قرب و جوار میں ایک فوج بھی جمع کر لی تھی' لیکن گھریلو جھگڑوں اور درباری سازشوں کے رونما ہونے کے باعث' اس کے شیطانی منصوبوں کو ناکامی ہوئی' کیونکہ ان سازشوں نے اسے اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی موقع فراہم نہیں کیا۔ اس نے منڈی کے راجہ کے خلاف ایک فوج روانہ کی اور کمال گڑھ کا قلعہ تسخیر کر لیا۔

کھڑک سنگھ کی سمجھ بوجھ بالکل ناکارہ ہو کر رہ گئی تھی' لہٰذا وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے باغیانہ اور گستاخانہ رویے سے دل شکستہ اور افسردہ ہو کر قولنج کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور نو ماہ کے عرصہ تک بستر بیماری پر پڑا رہا۔ اس دوران اس کے بیٹے نے اس کے علاج کے سلسلہ میں انتہائی ممکنہ حد تک بے نیازی کا اظہار کیا' لہٰذا اس کے فوری خاتمہ کے منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے اسے خاص طور پر مقرر کیے گئے عطائی اور نیم حکیموں کی نگرانی میں دے دیا۔ انہوں نے اس سانحہ میں اپنا کردار ادا کیا۔

نوجوان شہزادے نے معزول بادشاہ اپنے والد کے پاس صرف اور صرف ایک مرتبہ کھڑک سنگھ کے انتقال سے ایک روز پیشتر حاضری دی اور اس موقع پر بھی اس نے اس کے ساتھ انتہائی ظالمانہ اور گستاخانہ سلوک کیا۔ اسے اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ اس کے باپ کی بیماری محض ڈھونگ ہے' حالانکہ اصل میں بیماری پہلے سے مضمحل قویٰ کے لیے اس کے عطائی حکیموں کی تجویز کردہ نقلی ادویہ کے استعمال سے پیدا ہوئی اور اس میں اضافہ ہوا۔ اگلے روز ۵ر نومبر ۱۸۴۰ء کو کھڑک سنگھ اڑتیس برس کی جوان عمری میں انتقال کر گیا۔

مرتے ہوئے بادشاہ نے اپنے ناخلف بیٹے کے لیے انتہائی محبت کا اظہار کیا۔ جان کنی کے عالم میں اس نے اپنے پیارے اور اکلوتے بیٹے کو پکارا کہ وہ اس کی پدر کشی پر اسے معاف کر دے' مگر اس پر جن لوگوں کو مقرر کیا گیا تھا' انہوں نے ان التجاؤں کو شہزادے تک ایک جنونی شخص کی خیالی باتوں اور مرتے ہوئے باپ کی گالیوں کی صورت میں پہنچایا۔

پس نونہال سنگھ کو اپنے والد کے بستر مرگ سے دور رکھا گیا تھا۔ شہزادے کو کھڑک سنگھ کے انتقال کی خبر لاہور کے مضافات میں اس کی پسندیدہ شکارگاہ شاہ بہاول میں پہنچائی گئی۔ وہ اس وقت وہاں ایک شکاری جماعت میں مشغول تھا۔ اس نے یہ خبر سن کر برملا خوشی کا اظہار کیا۔ جب اسے پہلی مرتبہ خبر ملی تو اس نے پورے دو گھنٹے تک اپنی اس تفریح کو چھوڑنے کا خیال تک نہ کیا' لیکن پھر کھڑک سنگھ کی آخری رسومات کی ادائیگی کے احکامات خاموشی سے جاری کر دیے۔ کھڑک سنگھ کی بیویوں میں سے دو رانیاں(۱) اور اس کی سات کنیزیں اس کی چتا پر زندہ جل گئیں۔ یہ رسم مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھ کے سامنے ایک کھلی جگہ پر نونہال سنگھ اور اس کے دربار کی موجودگی میں ادا کی گئی۔ نوجوان مہاراجہ بالکل مطمئن نظر آ رہا تھا' لہٰذا ابھی اس کے باپ کی لاش آدھی بھی نہیں جلی تھی کہ وہ اپنے سرداروں کے ہمراہ وہاں سے چلا گیا' جن کے ساتھ اس نے چتا سے تھوڑی دور کے فاصلے پر ایک نالے میں غسل کیا۔ ہاتھی اور بادشاہت کا دیگر ساز و سامان اس کے عقب میں چلا آ رہا تھا۔ متوفی بادشاہ کے احترام میں بظاہر یہ جماعت سوار نہیں ہوئی تھی۔ غسل کرنے کے بعد شہزادہ اپنے جلو کے ساتھ قلعہ کی طرف چل پڑا۔ جس وقت وہ حضوری باغ کے شمالی دروازہ کی محراب کے پاس پہنچا تو اس نے گلاب سنگھ کے بڑے لڑکے اور دھیان سنگھ کے بھتیجے' میاں ادھم سنگھ کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے رہے۔ شہزادے نے اس بات سے بے خبر کہ ایک مہلک لمحہ ان کا انتظار کر رہا ہے' اپنے ساتھی سے چند مزاحیہ کلمات کہے۔ جیسے ہی وہ دونوں محراب میں داخل ہوئے تو کسی چیز کے ٹوٹنے

کی زبردست آواز سنی گئی اور دیکھا گیا کہ بالائی دیوار کا ایک ٹکڑا گر پڑا اور اس نے ان دونوں نوجوان شہزادوں کو کچل ڈالا جو اس کے نیچے سے گزر رہے تھے۔(۲) اودھم سنگھ فوراً ہلاک ہوگیا۔ شہزادہ' جس کا سر خوفناک حد تک کچلا گیا تھا' دھیان سنگھ نے اسے بے ہوشی کی حالت میں ایک پالکی میں ڈالا اور اسے قلعہ کی طرف لے گیا۔ سردار لہنہ سنگھ مجیٹھیہ نے پالکی کے پیچھے جانے کی کوشش کی' لیکن دھیان سنگھ نے اسے روک دیا۔ دیگر سرداروں نے بھی پیچھے جانے کی کوشش کی مگر وزیر نے انہیں قلعہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ اس کے دروازے فوری طور پر بند کر دیے گئے۔ زخمی شہزادے کی والدہ مہارانی چند کور نے قلعے کے دروازوں سے سر ٹکرایا اور اپنے اکلوتے اور چہیتے بیٹے کو دیکھنے کی خاطر دلدوز چیخیں ماریں' روئی چلائی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کسی کو داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔ نونہال سنگھ کو بے ہوشی کی حالت میں ایک اندرونی کمرے میں لے جایا گیا اور اس کی حالت کے بارے میں حقائق کو صیغہ راز میں رکھا گیا۔ صرف وزیر' اس کے دو ساتھی اور چند منتخب پہاڑی باشندے اس کے پاس موجود تھے۔ دروازوں کے باہر منتظر سرداروں کو اطلاع دی گئی کہ کسی خطرے یا اندیشہ کی کوئی بات نہیں' شہزادے کے تھوڑی دیر بعد تندرست ہونے کا امکان ہے۔ کیونکہ اسے ہلکا سا زخم آیا ہے' جس نے اس کے دماغ کو سخت دھچکا پہنچایا ہے۔ اس کے باعث وہ تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہوگیا ہے۔ اسے تھوڑے آرام کی ضرورت ہے لہٰذا اس کے آرام میں خلل نہیں ڈالنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے انہیں حکم دیا کہ وہ خاموشی سے واپس چلے جائیں اور اپنے کام سے کام رکھیں۔

دو گھنٹے بعد وزیر نے چند کور کو اطلاع دی کہ اس کے بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے' لیکن اگر وہ حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی ہے (اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وزیر نے اس کی حمایت کرنے کا وعدہ کیا) تو وہ اس وقت تک اس معاملے کو صیغہ راز میں رکھے جب تک وہ اس کے اعلان کے لیے کسی وقت کو مناسب نہیں سمجھتا۔ اس نے اس وقت تک اس خاتون کو نہیں چھوڑا جب تک اس سے یہ پکا وعدہ نہیں لے لیا کہ وہ حسب منشاء کارروائی کرے گی۔ چنانچہ نونہال سنگھ کی موت کو تین روز تک صیغہ راز میں رکھا گیا۔ وزیر نے شیر سنگھ کو بلوانے کے لیے اس موقع سے فائدہ اٹھایا' جس کے ساتھ اس نے پہلے ہی کیریا سے خط و کتابت کر رکھی تھی اور اسے خالی تخت پر بٹھانے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ شیر سنگھ پہنچ گیا تو شہزادے کی موت کا عام اعلان کر دیا گیا اور اس کی ماتمی رسومات کی تیاریاں کی جانے لگیں۔ کریا کرم کی رسم اسی مقام کے قریب انجام دی گئی'

جہاں اس نے اپنے دادا کی آخری رسومات کو دیکھا تھا۔ متوفی کی دو خوبصورت نوجوان بیواؤں نے اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ خود کو بھی جلا دیا۔ شیر سنگھ نے ایک بارہ برس کی لڑکی کو اس کی کم عمری اور بے مثال خوبصورتی کے باعث جلنے سے روک دیا۔

نونہال سنگھ کی موت کے اصل سبب کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اور اس کا ساتھی اودھم سنگھ حادثاتی طور پر کچلے گئے۔ دوسروں کا خیال یہ ہے کہ چالاک سازشی لوگوں نے سارا منصوبہ پہلے سے تیار کر رکھا تھا اور یہ انہی کی سازش تھی۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نونہال سنگھ کو منظرعام سے ہٹانے کے لیے تیار کیے گئے منصوبے کے نتیجہ میں ایسا ہوا' تو میں ان سے متفق نہیں ہوں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جموں کے بھائی (جن پر اس جرم کے ارتکاب کا شبہ ظاہر کیا جا رہا تھا) ایسا منصوبہ تیار کرنے کے بالکل قابل تھے' لیکن وہ یقیناً گلاب سنگھ کے سگے بیٹے کی جان ضرور بچا لیتے' جس سے دھیان سنگھ بہت زیادہ محبت کرتا تھا اور یہ ان کے لیے بالکل آسان ہوتا کہ وہ شہزادے کے ساتھی کے طور پر کسی اور کو مقرر کر دیتے' جو اس وقت اپنی جگہ چھوڑ دیتا' جس وقت نوجوان مہاراجہ دروازے سے باہر نکلا تھا۔ مزید برآں پتھروں اور اینٹوں سے تیار کردہ بھاری بھرکم ڈھانچے کے گرنے کے بالکل درست وقت کا پہلے سے ادراک بہت مشکل تھا۔

ڈاکٹر ہونی برگر (جو اس واقعہ کے عینی شاہد تھے) کے مطابق وزیر کا اپنا بازو بھی بری طرح زخمی ہوگیا۔ اس زخم کا علاج خود فاضل ڈاکٹر نے کیا تھا۔ مزید برآں جس وقت مہاراجہ کا انتقال ہوا تو بغیر کسی توقف کے شیر سنگھ کو تخت پر بٹھانے کے لیے اس کی فوری آمد کا انتظام کرنا بہت آسان ہو جاتا اور مہارانی چند کور بیوہ کھڑک سنگھ (جسے بعد میں تخت پر بٹھا دیا گیا تھا) کو رام کرنے کے لیے تین دن ضائع نہ کیے جاتے۔ اس بات کا امکان ہے کہ کھڑک سنگھ اور چیت سنگھ کے ساتھی اس منصوبہ کے خالق ہوں' کیونکہ انہوں نے ڈرپوک کھڑک سنگھ کو انتہائی دھوکہ دہی سے لوٹا کھسوٹا اور فریب دیا تھا اور شہزادے نے ان سے حساب چکانے کا تہیہ کر لیا تھا۔

میرا خیال ہے کہ اس کے بہت زیادہ گناہوں اور مکاری کے لیے یہ قدرت کا مبنی بر انصاف انتقام تھا۔ توپوں کی طویل گھن گرج (جنہوں نے دنیا کے لیے اعلان کیا تھا کہ کھڑک سنگھ اب زندہ نہیں رہا) قادر مطلق کے ہاتھوں میں ایک ایسا آلہ تھا' جس نے اس نوجوان مہاراجہ کی ایک روزہ حکومت کو ختم کر دیا تھا۔ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ توپوں کی گھن

گرج نے پرانے قلعے کو بنیادوں تک ہلا دیا تھا۔ میرا خیال ہے اس خاص موقع پر اس کا کوئی حصہ گر جانا بہت زیادہ غیر معمولی نہیں ہے۔ لہٰذا اس دیو ہیکل شہزادے کے اس انوکھے انداز میں موت سے ہمکنار ہونے کو اس کے سوا کسی اور بات سے منسوب نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خدا کا قہر تھا۔۔۔

چند کور

اب مہارانی چند کور نے اسے شاہی اختیار دینے کے لیے راجہ دھیان سنگھ کو اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے کہا مگر کچھ حاصل نہ ہوا کیونکہ عیار وزیر اچھی طرح جانتا تھا کہ مہارانی کی جماعت اور سندھیانوالیے اس کے جانی دشمن ہیں' لہٰذا اگر وہ برسراقتدار آ گئے تو وہ سب سے پہلے اس کی اور اس کے خاندان کی تباہی کا سامان کریں گے۔ چنانچہ اس نے سرداروں پر زور دیا کہ وہ ہر لحاظ سے رنجیت سنگھ کے نامور بیٹے شیر سنگھ کو تخت پر بٹھا دیں۔ اس نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ ایک عورت میں ایک وسیع و عریض سلطنت کا انتظام کرنے کی صلاحیتوں کی کمی ہوتی ہے' جو پنجاب جیسے ملک کے لیے بہت ضروری ہیں اور سکھ فوج خاموشی سے رانی کی حکومت کی اطاعت نہیں کرے گی۔

تاہم چند کور کی جماعت غالب آ گئی۔ اس نے سندھیانوالیوں کے سردار عطر سنگھ کو (جو اس وقت ہردوار گیا ہوا تھا) اپنی مدد کے لیے دارالحکومت سے بلوا بھیجا۔ اسے دیگر سرداروں کی حمایت بھی حاصل تھی' لیکن سب سے زیادہ اس کے حامی سندھیانوالیہ تھے' جو رنجیت سنگھ سے اپنی مشترکہ کونسل کا دعویٰ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی حیثیت مستحکم کرنے پر اس نے انتہائی فیاضی سے برہمنوں میں خیرات تقسیم کی' لہٰذا مقبول عام داد و تحسین کے ذریعے اسے بطور مہارانی پنجاب تخت پر بٹھا دیا گیا۔ دونوں دھڑوں میں اس بنا پر ناچاقی پیدا ہوگئی کہ اس کی بہو حاملہ ہے' اور وہ رحم مادر میں موجود بچے کی قائم مقام کے طور پر حکومت کر رہی ہے' لیکن اگر نونہال سنگھ کی رانی ایک لڑکی کو جنم دیتی ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ نوعمر ہیرا سنگھ کو بطور بیٹا متبنیٰ بنا لے (مہاراجہ اپنی زندگی میں اسے بیٹا ہی سمجھتا تھا) اور اس ذریعہ سے اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لے۔ مکار دھیان سنگھ بظاہر رانی کے خلوص کے مظاہرے سے مطمئن معلوم ہوتا تھا' لیکن گستاخ شیر سنگھ کا ارادہ تھا کہ ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ دھیان سنگھ نے جنگجویانہ تیاریوں کے لیے اس وقت کو نامناسب سمجھا' لہٰذا اس نے اپنے منظور نظر کو خاموشی سے لوٹ جانے کا مشورہ دیا۔ نیک طینت عیاش اس بات پر عمل کرتے ہوئے بٹالہ کی طرف لوٹ گیا اور وہاں اپنے

اطمینان قلب کے لیے اپنے پسندیدہ مشاغل سے لطف اندوز ہوا۔ دھیان سنگھ بیماری کا بہانہ کر کے تبدیلی آب و ہوا کی خاطر جموں کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ اب چند کور کو مائی کے منصب کے تحت نونہال سنگھ کے ہونے والے بچے کی قائم مقام کا مکمل اختیار حاصل ہوگیا تھا۔ اس نے عطر سنگھ سندھیانوالیہ کو ایک خلعت فاخرہ عنایت کی اور اسے وزیر اعظم مقرر کیا۔ عطر سنگھ کی قیادت میں چار سرداروں کی ایک مشاورت قائم کی گئی۔ تمام سرکاری امور میں اس کا مشورہ حاصل کیا جاتا تھا۔ اس موقع پر راجہ گلاب سنگھ نے رانی سے الحاق کر لیا۔ جموں کے ان بھائیوں (جو ہر قسم کی اہم سازشوں میں حصہ لیتے تھے) کی حکمت عملی یہ تھی کہ جو جماعت جیت جائے' اسی کو فوقیت دی جائے۔ مزید برآں اس شک کے تحت کہ کہیں انگریزی حکومت شیر سنگھ کے دعویٰ کو تسلیم نہ کر لے' راجہ دھیان سنگھ نے اس حکومت کو یہ خبر پہنچائی۔ شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر ازسرنو بٹھانے کے متعلق پیدا ہونے والی گڑبڑ سے چند ماہ پیشتر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی چہیتی بیوی رانی جنداں نے ایک لڑکے دلیپ سنگھ کو جنم دیا تھا۔ پس حکومت برطانیہ کو پہلی مرتبہ لاہور کے تخت کے ایک دوسرے وارث کی موجودگی کا پتہ چلا۔

راجہ دھیان سنگھ تقریباً ایک ماہ تک جموں میں رہا لیکن اس نے لاہور میں جاسوس چھوڑے ہوئے تھے' جو دارالحکومت میں رونما ہونے والی تمام کارروائیوں سے اسے خفیہ طور پر مطلع رکھتے تھے۔ انہوں نے خالصہ فوج اور اس کے سرداروں سے کچھ اس قدر بہترین کھیل کھیلا تھا کہ متعدد سپاہیوں نے اس بات کی یقین دہانی کرا دی کہ جب بھی شہزادہ شیر سنگھ اور دھیان سنگھ لاہور کی دیواروں کے سامنے نمودار ہوں گے تو ان کی اطاعت کی جائے گی اور ان کی ہر قسم کی مدد کی جائے گی۔

اب لاہور پہ چڑھائی کرنے کے لیے اس وقت کو مناسب سمجھتے ہوئے شیر سنگھ' دھیان سنگھ کے ساتھ پہلے سے طے شدہ انتظامات کے مطابق تقریباً ۳۰۰ ساتھیوں کے ہمراہ کیریا سے روانہ ہوا اور شالامار باغ میں ٹھہر گیا۔ تاہم اسے یہ سن کر بڑی مایوسی ہوئی کہ دھیان سنگھ پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت شالامار باغ میں اس کے ساتھ شامل ہونے کے بجائے ابھی تک اپنے پہاڑی علاقہ سے روانہ ہی نہیں ہوا۔ اس چیز نے ایک اولوالعزم سردار اور شیر سنگھ کے ایک سرکردہ مشیر جوالا سنگھ (جو وزارت کا خواہشمند تھا) کو سریع الاعتقاد شہزادے کے ذہن میں یہ خیال قائم کرنے کا موقع فراہم کر دیا کہ دھیان سنگھ کو اس کے مفادات کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور اس کی حقیقی ہمدردیاں اپنے بھائی گلاب سنگھ کے

ساتھ ہیں، جس نے برملا مہارانی کی حمایت کی ہے۔ اب شیر سنگھ نے جوالا سنگھ کو فوج سے براہ راست گفت و شنید کرنے کی اجازت دے دی، لہٰذا میاں میر میں تعینات خالصہ فوج کو شہزادے کی آمد کی اطلاع دے دی گئی۔ فوج نے اگلے روز بدھو کا آوا (لاہور کے نزدیک ایک بلند و بالا اینٹوں کا پرانا بھٹہ، جس پر جنرل ایوی ٹیبائل نے ایک بارہ دری تعمیر کرائی، بعد میں جو فتح گڑھ کے نام سے مشہور ہوئی) میں جمع ہونے کے لیے اپنے آمادگی کا اظہار کیا۔ اس مقام کو پنچوں یا خالصہ فوج کے نائبین کے جمع ہونے کے لیے استعمال کیا گیا۔ انہیں ان دنوں فوج اور عوام پر بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اگلے روز ۱۴ر جنوری ۱۸۴۱ء کو شیر سنگھ، بدھو کا آوا پہنچا، جہاں میاں میر اور اردگرد کے مقامات سے آ کر خالصہ فوج بھی جمع ہوئی تھی۔ شیر سنگھ نے اس ٹیلے پر مورچہ سنبھال لیا۔ پیادہ فوج کے چار اور سواروں کے دو دستوں کے ساتھ اس کے اردگرد متعدد توپیں نصب کر کے اس کی سلامتی کو یقینی بنایا گیا۔ اب فوج کے پنچ اور خالصہ سپاہ کے زیادہ تر سردار پہنچ گئے، لہٰذا انہوں نے اسے خراج عقیدت پیش کر کے اسے سرعام پنجاب کا مہاراجہ قرار دیا۔

لوگوں کے ہجوم در ہجوم، شہر سے آئے اور انہوں نے "واہ گورو جی کی فتح" کا طویل اور مسلسل نعرہ لگا کر اسے خوش آمدید کہا۔ شیر سنگھ کی حمایت کا ارادہ ظاہر کرنے کے لیے، فوج نے توپیں داغ کر اس کا اعلان کیا، جس نے اب لاہور کے حیران پریشان شہریوں کو طویل خواب سے بیدار کر کے ان میں ان کے خطرے کا جذبہ اجاگر کر دیا تھا۔ مہارانی کو جب لاہور کے مضافات میں شیر سنگھ کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے شہر کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا اور راجہ گلاب سنگھ، جمعدار خوشحال سنگھ، سردار تیجا سنگھ اور سندھیانوالہ خاندان کے سرداروں پر مشتمل اپنے وزراء کا اجلاس طلب کیا۔ گلاب سنگھ کی سپاہ، جو دریائے راوی کے پار شاہدرہ کے مقام پر خیمہ زن تھی، اسے فوری طور پر لاہور کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا گیا۔ لہٰذا اسے ثمن برج کے شمال میں، میدان قواعد میں تعینات کر دیا گیا۔ اسے لاہور کے مضافات میں خیمہ زن، شیر سنگھ کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجنے کا ارادہ تھا، مگر گلاب سنگھ نے اچانک اپنا منصوبہ تبدیل کر کے فوج کو قلعہ میں تعینات کر دیا، لہٰذا اس نے دفاع کے لیے اپنے مورچہ کو مستحکم کر لیا۔

جمعدار خوشحال سنگھ، سردار تیجا سنگھ اور دیگر سندھیانوالہ سرداروں کی قیادت میں فوج قلعہ میں داخل ہو گئی اور ان سب کی خدمات راجہ گلاب سنگھ کے سپرد کر دی گئیں۔ اب شہر کے گرد ہر برجی اور دروازے کو مستحکم کر دیا گیا۔ گلاب سنگھ نے شہر کو دفاع کے قابل

بنانے کے لیے انتھک کوششیں کیں' اس نے ذاتی طور پر ہر چوکی کا معائنہ کیا اور تمام ضروری احکامات دیے۔ مختلف چوکیوں کا دورہ کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بھر بھر کر سپاہیوں میں دولت تقسیم کی' اس کے بدلے میں انہوں نے وفاداری کی زبردست یقین دہانی کرائی۔ راجہ نے قلعہ میں واپس آ کر تمام سرداروں' افسران اور فوج کے جوانوں کو جمع کیا اور ہر ایک سے خود حلف لیا۔۔۔ اس نے مہارانی چندکور کی اطاعت پر مضبوطی سے کاربند رہنے اور اپنی طاقت کے مطابق شیر سنگھ کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں سے قرآن پاک پر اور ہندوؤں سے گنگا کے پانی پر حلف لیا۔ اس کے بعد مزید مراعات اور دشمن کو پسپا کرنے اور مہارانی کے لیے لاہور کا تخت حاصل کرنے کی صورت میں ترقی کے وعدے کے ساتھ سپاہیوں میں بخشش کے طور پر چار ماہ کی تنخواہ تقسیم کی گئی۔

جس وقت شہر اور قلعہ میں یہ کارروائیاں جاری تھیں' سوچیت سنگھ اور جنرل ونتورا (جنہوں نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا) شیر سنگھ کے ساتھ مل گئے۔ اب شہزادے کی قیادت میں فوج کی تعداد ۷۰،۰۰۰ تھی' لہٰذا اس کا جوش و خروش اس قدر بڑھ گیا کہ شیر سنگھ اسے روک نہ سکا۔ وہ رات کے آٹھ بجے شہر میں میوا سنگھ کی بارکوں اور بادشاہی مسجد کے مغربی حصہ کے درمیان موجود ایک چھوٹے سے دروازے کے ذریعے داخل ہوا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد اس کا توپ خانہ سب سے پہلے یکی دروازہ اور دہلی دروازہ کے ذریعے اور بعد میں ٹیکسالی دروازہ اور دیگر دروازوں کے ذریعے داخل ہوا۔ شیر سنگھ نے دروازوں کے محافظوں اور دربانوں کو (جنہوں نے ایک روز پیشتر بطور انعام بڑی بڑی رقمیں حاصل کر کے چندکور کی اطاعت کی قسم کھائی تھی) زیادہ قیمتی اور بھاری انعامات دے کر اپنی جانب کر لیا تھا۔ پس شیر سنگھ صبح صادق سے قبل شہر کے اہم حصوں کا مالک بن گیا۔ اس نے حضوری باغ کی طرف کے دروازے میں داخل ہونے کے لیے مزید رشوتیں دے کر اس کا انتظام بھی کیا۔ لہٰذا اس کی فوج نے محل کے باغ پر قبضہ کر لیا اور خاموشی سے بادشاہی مسجد کو بھی تحویل میں لے لیا' جہاں گلاب سنگھ کی فوج کی طرف سے جمع کردہ بہت بڑا میگزین ان کے ہاتھ لگا۔

پورے شہر میں ساری رات کے دوران' ہنگامے اور فسادات کی حالت رہی۔ مشتعل فوج نے تمام اہم بازاروں کو لوٹ لیا۔ سوداگروں اور بیوپاریوں کی دکانیں (جنہیں رات ہونے کے باعث بند کر دیا گیا تھا) توڑ کر ان کا مال اسباب لوٹ لیا گیا اور چٹہ بازار کو نذر آتش کر دیا گیا' جس کے شعلے شہر کے بلند ترین مکان تک جاتے تھے۔

صبح ہوتے ہی ۷۰۰۰۰ پیادوں پر مشتمل پوری فوج ۵۰۰۰۰ ساتھیوں کے ہمراہ قلعہ کی طرف غیظ و غضب کے ساتھ بڑھی۔ فضا جنگی نعرے "واہ گورو جی کی فتح"۔۔۔ "واہ گورو جی کا خالصہ" سے بھری ہوئی تھی۔ قلعے کو ہر طرف سے پرجوش فوج نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ انہوں نے فصیل کے نیچے اس مقام کو شہد کی مکھیوں کے غول کی طرح گھیرا ہوا تھا۔ قلعہ کے گرد توپوں کو اس انداز میں نصب کیا گیا تھا تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھ سکیں۔ حتیٰ کہ ۲۳۰ توپوں کی اس لگاتار قطار کو بھی ناکافی سمجھا گیا' لہٰذا مزید توپیں میدان جنگ میں لائی گئیں۔ محاصر فوج کی بڑی تعداد حضوری باغ میں موجود تھی' جہاں شیر سنگھ نے بذات خود ان کو نقل و حرکت کی ہدایات دیں۔ ان کی چوکیوں کو مرتب کیا اور افسران کو اختیارات تفویض کیے۔ ماسوائے محل کی بارہ دری میں چند منٹ آرام کرنے کے' اس کا سارا وقت مسلسل اپنی فوج کو ذاتی طور پر مرتب کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ قلعہ کے مغربی دروازہ کو اڑانے کے لیے اس طرف سنگ مرمر کی بارہ دری کے سامنے بارہ توپیں نصب کی گئیں۔

محصورین' گلاب سنگھ کی ڈوگرہ فوج (جسے شاہدرہ سے آنے کا حکم دیا گیا تھا) اور بدھ سنگھ مان کی قیادت میں ۱۲۰۰ سکھوں کی ایک فوج پر مشتمل تھے' قلعہ کی بیت المال موتی مندر کی حفاظت کر رہی تھی۔ انہوں نے قلعہ کی فصیل کے نیچے صف بندی کر رکھی تھی' جس پر مختلف مقامات پر ان کی توپیں نصب تھیں۔

یہ سب ایک عجیب و غریب اور دہشت ناک تماشا پیش کر رہے تھے۔ انعام و اکرام کی امید اور مزید لوٹ مار کی خوشی میں' شیر سنگھ کی قیادت میں وحشی خالصہ فوج (جو ایک مضبوط جتھے کی شکل میں تھی) قلعے کی دیواروں کے قریب پہنچی اور اس پر اس طرح حملہ آور ہوئی جیسے ایک بپھرا ہوا سمندر غیظ و غضب کے ساتھ کسی چٹان سے ٹکراتا ہے۔ جنگجوؤں کے وحشی نعروں اور ان کی وحشی موسیقی کی بلند آوازوں سے کان بہرے ہوگئے تھے۔ بعد ازیں محافظوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے حملہ آور فوج کی توپوں سے گولوں کی بوچھاڑ کر دی گئی' جس نے محاصرین اور محصورین دونوں کو مکمل طور پر چکرا کے رکھ دیا اور اکبر اعظم کے تعمیر کردہ قلعے کی دیواروں کو بنیادوں تک ہلا کر رکھ دیا۔ قلعہ میں محافظ فوج نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ محاصرین اب پہلے سے بھی زیادہ مشتعل ہوگئے تھے اور دروازوں کو فوری طور پر کھولنے کے مطالبے کے لیے زیادہ شور و غوغا کرنے لگے۔ اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ آخرکار قلعہ کے مغربی دروازہ کے سامنے نصب شدہ بارہ توپوں سے بیک وقت'

خوفناک گولہ باری شروع کر دی گئی' لہٰذا اس کے نتیجے میں پرانا دروازہ ۳۹ جوانوں میں سے ۳۷ کے ساتھ نیچے گر پڑا' جو گولہ بارود سے بھری ہوئی دو توپوں کے ہمراہ اس کا دفاع کر رہے تھے۔ اب ۳۰۰ اکالیوں کی ایک ٹولی' قلعہ کے سامنے توپوں پر قبضہ کرنے کے لیے دوڑی مگر زندہ بچ جانے والے دو آدمیوں نے بیک وقت اپنی توپیں داغ دیں' لہٰذا آنکھ جھپکنے کی دیر میں حملہ آوروں میں سے ایک سو افراد دروازے کے ملبہ پر ڈھیر ہوگئے' جہاں ہلاک ہونے والے محافظوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ محاصرین کے گھوڑوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی ہلاک ہوگئی۔ اب ڈوگروں نے دیواروں اور قلعہ کی فصیلوں سے اپنی بندوقوں سے فوری طور پر فائرنگ شروع کر دی' اس کے نتیجے میں ان بارہ توپوں کو چھوڑ دیا گیا' جو ابھی تک محصورین پر تباہی لائی ہوئی تھیں' لہٰذا تقریباً دس منٹ کے اندر محل کا باغ محاصرین سے پاک ہوگیا۔ وہ اپنے پیچھے میدان جنگ میں ۳۵۰ ہلاک شدگان' ۱۰۰ زخمیوں کے علاوہ ۵۰ قیدیوں کو چھوڑ کر مختلف اطراف میں پھیل گئے' جنہیں ڈوگروں نے باہر نکال کر قیدی بنا لیا تھا۔

قلعہ کے مغربی دروازے جیسے حالات کے تحت مشرقی دروازے پر بھی گولہ باری کی گئی اور محاصرین کو اسی طرح کے نتائج کا سامنا کرنا پڑا' ان کے بہت زیادہ افراد اور جانور ہلاک و زخمی ہوئے۔ چنانچہ خالصہ فوج نے پہلے حملہ میں پسپا ہو کر قلعہ کے اردگرد نصب توپ خانہ سے ایک بھاری اور عام گولہ باری شروع کر دی اور اس کو اس قدر شدت اور جوش و خروش سے جاری رکھا کہ اس سے پرانی دیواروں کی تباہی کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ لیکن فصیل پر موجود ڈوگرہ حفاظتی فوج کی گولہ باری اس قدر مرتب طریقے سے کی گئی کہ تقریباً ایک گھنٹہ میں فصیل کے نیچے توپ خانہ کو خاموش کر دیا گیا اور محاصرین نے پیچھے ہٹ کر شہر کے مکانات میں پناہ حاصل کی۔ تقریباً ۲۶ توپیں میدان میں چھوڑ دی گئیں' اب ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ مردہ انسانوں کی لاشیں اور گھوڑوں و بیلوں کے ڈھانچے' جنہیں کافی تعداد میں چاروں طرف دیکھا گیا' انتہائی کریہہ نظارہ پیش کر رہے تھے۔

اس موقع پر خالصہ فوج نے انتہائی وحشیانہ اور بربریت کا سلوک کیا۔ شہر کے نجی مکانات کی خواتین کو پکڑ کر انہیں اپنی توپوں کے سامنے اور اپنے اردگرد کھڑا کرنے پر مجبور کر دیا۔ متعدد عورتوں کو توپوں کے پہیوں کے ساتھ زبردستی باندھ دیا گیا۔ ان عورتوں کو زبردستی اپنی توپوں کے اردگرد اور اپنی صفوں کے آگے کھڑا کرنے کا ان وحشیوں کا مقصد' دشمن کی براہ راست گولہ باری کے اثر کو تبدیل کرنا تھا۔ تاہم مٹھی بھر ڈوگرہ فوج محتاط رویہ

اختیار کرنے پر تعریف کے لائق ہے' اس نے ان مصائب کو پیش نظر رکھا' جن میں انہیں پھینک دیا گیا تھا اور ان دشواریوں کو سامنے رکھا جن میں وہ مبتلا ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس قدر مہارت سے فصیل کے نیچے محاصرین پر براہ راست فائرنگ کی کہ صرف چند بدقسمت عورتیں زخمی ہوئیں' لہٰذا محاصرین کی صفوں میں بربادی کا کام اس قدر تیزی سے ہوا کہ انہیں زبردست حیرانگی ہوئی۔ ان کی دلیری اور انسانیت کے بہترین ثبوت کی طرح' بطور نشانچی ان کی مہارت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان ۱۲۰۰ عورتوں میں سے' جنہیں وحشیانہ انداز میں بے پردہ کر دیا گیا تھا' صرف ۱۹ سکھوں کی بربریت کا شکار ہوئیں جبکہ حفاظتی فوج کی گولہ باری سے ان کی توپوں کے اردگرد ۲۰۰ توپچیوں کو مردہ پایا گیا۔

اسی طرح محاصرین نے تین دن اور تین رات تک گولہ باری جاری رکھی اور چھوٹی سی محافظ فوج نے اپنی استعداد اور طاقت کے مطابق اس کا جواب دیا۔ سکھوں نے شہر کے مکانات کے اندر اور ان کے عقب میں محفوظ مورچے سنبھال لیے اور سہولت کے ساتھ اپنی توپیں دیواروں کے قریب نصب کر دیں اور اس مقصد کے لیے بنائے گئے روشن دانوں میں ان کے دہانے رکھ دیے۔ ان پوشیدہ توپوں سے وقفے وقفے کے ساتھ زبردست گولہ باری کی جاتی۔ قلعہ میں (جسے شہنشاہ اکبر نے شاہی گھرانے کی رہائش کے لیے بطور ایک محل کے بنوایا تھا) اس وقت کوئی روشن دان نہیں تھا' لہٰذا محصورین نے اس نقص پر قابو پانے کے لیے قلعہ میں لکڑی اور مٹی کے مورچے استادہ کیے۔ ان سے وہ محاصرین کی گولہ باری کا جواب دیتے تھے۔ محاصرین نے مسلسل اور بھاری گولہ باری تین روز تک جاری رکھی' اس کے نتیجہ میں قلعہ کی دیوار میں متعدد بڑے بڑے سوراخ ہو گئے' اس سے ڈوگروں کو فائدہ پہنچا اور وہ رات کے دوران محاصرین پر متعدد حملے کرنے کے قابل ہو گئے۔ اس موقع پر شیر سنگھ نے چالیس کے قریب موچیوں کی خدمات مستعار لیں' جو پیشہ کے اعتبار سے شکاری تھے اور بڑے اچھے نشانہ باز تھے۔ اس نے انہیں بادشاہی مسجد کے میناروں پر بٹھا دیا۔ ہر موچی کو ۱۰ روپے سے ۲۰ روپے کے نرخ کے حساب سے ادائیگی کی گئی۔ ان کے بلند مورچہ نے انہیں قلعہ کے اندر حفاظتی فوج کو زبردست نقصان سے دوچار کرنے کے قابل کر دیا' جو موثر طور پر ان کی فائرنگ کا جواب دینے سے قاصر تھے کیونکہ وہ اپنے ہتھیاروں سے محل کے ہر کونے پر چھائے ہوئے تھے۔

محاصرہ پانچ روز تک رہا۔ اس دوران ایک مرتبہ محاصرین کے ذہن میں خیال آیا کہ

بادشاہی مسجد کو اڑا دیا جائے جہاں شیر سنگھ مورچہ سنبھالے ہوئے تھا اور جس کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ وہ ۶۰۰۰ من بارود کے میگزین پر مشتمل ہے۔ تاہم وہ اس کو اڑانے سے اس لیے باز رہے کہ انہیں بارود سے بھرے ہوئے زیریں راستوں کے پھٹنے کی وجہ سے (جنہوں نے حضوری باغ کے گلاب خانہ کو قلعہ کے وسط سے ملایا ہوا تھا) اپنی تباہی کا خدشہ تھا۔ پانچویں دن کی شام کو لاہور میں شاہدرہ سے تین چار میل کے فاصلے پر ایک مقام پر جموں کے پہاڑوں سے راجہ دھیان سنگھ کی آمد کی خبر پہنچی۔ شیر سنگھ نے جنگ کو روکنے کا حکم دیا اور گلاب سنگھ کے ساتھ بات چیت کرنے لگا' مگر اس سردار نے کہا کہ جب تک اس کا بھائی دھیان سنگھ ثالث کا کردار ادا نہیں کرے گا' وہ کسی تجویز کو قبول نہیں کر سکتا۔ شیر سنگھ نے راجہ دھیان سنگھ کا پرتپاک استقبال کر کے اسے نہایت احترام سے لاہور لانے کے لیے اپنے ۵۰۰ گھڑچروں کو متعدد راجاؤں اور سرداروں کے ہمراہ روانہ کیا۔ راجہ محاصرے کے چھٹے روز اس فوج اور جموں سے اپنے ساتھ آنے والے ۵۰۰ ساتھیوں کی حفاظت میں اپنے بھائی سوچیت سنگھ کے ہمراہ شہر میں داخل ہوا۔ شہر کی فصیل کے قریب' اس کی ملاقات شیر سنگھ سے ہوئی' جو ایک مضبوط حفاظتی دستہ اور بے شمار خدم و حشم کے ساتھ' اس کا استقبال کرنے کے لیے آیا تھا۔

شہر کے ٹکسالی دروازہ میں ہزاروں لوگ راجہ کا استقبال کرنے کے دلیے جمع ہوئے' لہٰذا جیسے ہی وہ شہر کی فصیل کے سامنے نمودار ہوا' فوج نے اس کی آمد کی خوشی میں طویل اور مسلسل نعرے لگائے۔ ان نعروں کے درمیان راجہ دھیان سنگھ شہر میں داخل ہوا اور اس کے حکم سے لڑائی بند کر دی گئی۔ سکھوں نے اب مردوں کو جلانا اور دفن کرنا شروع کر دیا' لہٰذا حضوری باغ کو مردہ انسانوں کی لاشوں اور مویشیوں و گھوڑوں کے ڈھانچوں سے خالی کر دیا گیا۔ صفائی کا کام محاصرے کے ساتویں اور آٹھویں روز بھی جاری رہا۔ اس سے پتہ چلا کہ محاصرین کی جانب ۴۷۸۶ افراد' ۶۱۰ گھوڑے اور ۳۲۰ بیل ہلاک ہوئے جبکہ محصور حفاظتی فوج کی جانب ۱۳۰ سے زیادہ افراد ہلاک نہیں ہوئے۔ شیر سنگھ نے چھ دنوں کے دوران خالصہ فوج میں انعام و اکرام کی صورت میں چار اور پانچ لاکھ روپے کے درمیان رقم خرچ کی جبکہ حفاظتی ڈوگرہ فوج نے گلاب سنگھ سے مجموعی طور پر انفرادی لحاظ سے ۱۰۰ روپے کی رقم حاصل کی۔ اس میں افسران کے لیے انعامات شامل نہیں تھے' جن کی رقم زیادہ تھی۔ سکھ فوج نے اپنے مورچے تعمیر کرنے اور اپنی توپوں کی حفاظت کے لیے دفاعی کاموں کی خاطر لکڑی حاصل کرنے کے لیے شہر کے تقریباً نصف مکانات کو مسمار کر دیا۔ نیز

انہوں نے اس قدر ہولناک زیادتیاں کیں جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مردوں کو بڑے بڑے انباروں کی صورت میں اکٹھا کر کے ایندھن کی طرح جلا دیا گیا۔ ان چتاؤں کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے تھے اور گوشت و ہڈیوں کے جلنے کی سڑاند فضا میں رچی ہوئی تھی۔ وحشی سپاہیوں کو دیکھا گیا کہ وہ زخمی انسانوں کو چتاؤں پر پھینک رہے تھے۔ جب ان نیم مردہ زخمی انسانوں کو آگ میں پھینکا جاتا تو شعلوں میں ان کی دلدوز چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ رحم کے لیے چلاتے مگر کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ ان کی التجاؤں کو محض قہقہوں میں اڑا دیا جاتا اور ان سے پوچھا جاتا کیا وہ اگلے جہان جانے سے ڈرتے ہیں۔ چڑھ جاؤ بھائی! چڑھ جاؤ' خوف کس گل دا"۔ سکھ سپاہیوں کی طرف سے اس قدر ہولناک زیادتیوں کا مقصد وہ تھوڑا سا مال حاصل کرنا تھا' جو انہوں نے ان کے ساتھیوں کے پاس دیکھا تھا۔ اب صلح کی بات چیت شروع کر دی گئی' لہٰذا راجہ گلاب سنگھ نے مہارانی چندکور کے توسط سے مقررہ ہدایات کے مطابق صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے راجہ ہیرا سنگھ کو روانہ کیا۔ ہیرا سنگھ محاصرے کے ساتویں روز سندھیانوالہ سرداروں کے ہمراہ' ثمن برج سے باہر آیا' لہٰذا مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہوگئی:

مہارانی چندکور قلعہ لاہور' شیر سنگھ کے حوالے کر دے اور تخت لاہور پر اپنے تمام دعووں کو ترک کر دے۔ اس کے بدلے میں شیر سنگھ سابق مہارانی کو جموں کے پہاڑوں سے ملحقہ نو لاکھ روپے کی جاگیر دے گا' جس کا انتظام گلاب سنگھ اس کے مختار کی حیثیت سے کرےگا۔ دوسری یہ کہ شیر سنگھ' مہارانی کے ساتھ' چادر دلنا کی رسم کے مطابق شادی کی خواہش سے باز رہے گا۔ تیسری یہ کہ ڈوگرہ فوج کو بغیر تنگ کیے قلعہ اور دارالحکومت سے روانہ ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ چوتھی یہ کہ معاہدے کو پورا کرنے کی ضمانت فراہم کی جائے گی۔

راجہ گلاب سنگھ' مہارانی کور کی تمام دولت اور قیمتی اشیاء کو اس کے لیے بحفاظت رکھنے کے بہانے سے اپنے ساتھ لے گیا۔ معاہدہ پر جس رات دستخط ہوگئے اس کے دوسرے روز ڈوگرہ افواج نے قلعہ خالی کر دیا۔ راجہ گلاب سنگھ قلعہ میں رنجیت سنگھ کے جمع کردہ خزانے بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ سولہ چھکڑے روپوں اور نقرئی سکوں سے بھرے ہوئے تھے جبکہ ۵۰۰ سواروں میں ہر ایک کو طلائی مہروں کا ایک ایک تھیلا اور اس کے اردلیوں کو بھی جواہرات اور دیگر قیمتی اشیاء سپرد کی گئی تھیں۔ گلاب سنگھ نے لاہور کو خالی کرتے وقت' تمام قیمتی پشمینہ اور قیمتی الماریاں اور رنجیت سنگھ کے اصطبلوں میں بہترین

گھوڑوں کو چرا لیا۔ یہ واقعہ لڑائی بند ہونے کی اگلی رات کو رونما ہوا۔ اپنے آبائی وطن کی طرف روانہ ہونے سے قبل اس نے نئے مہاراجہ کو خراج عقیدت پیش کیا' اس نے اسے یقین دلایا کہ اس نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ مکمل ایمانداری کے ساتھ اور بوڑھے مہاراجہ کے ایک دیرینہ نوکر کی حیثیت سے کیا ہے۔ مزید براں اس کا یہ فرض تھا کہ وہ عظیم مہاراجہ کی بہو کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے' جس نے خود کو اس کی نگرانی میں دے دیا تھا۔

شیر سنگھ

۱۸ر جنوری ۱۸۴۱ء کو (سمت' ۱۸۹۷) شیر سنگھ لاہور کے تخت پر بیٹھا۔ ماسوائے سندھیانوالوں کے جملہ سرداروں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ دھیان سنگھ کو دوبارہ وزیر کے منصب پر فائز کیا گیا اور نئے مہاراجہ نے اسے ایک قیمتی خلعت سے سرفراز کیا۔ فوج کی تنخواہ میں مستقل طور پر ایک روپیہ ماہانہ کا اضافہ کر دیا گیا۔ طاقتور سندھیانوالہ خاندان کی تمام جاگیروں اور علاقوں کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا اور عطر سنگھ سندھیانوالہ اور اس کے چھوٹے بھائی لہنا سنگھ کو گرفتار کرنے کے احکامات جاری کر دیے گئے۔

عطر سنگھ اپنے بھتیجے اجیت سنگھ کے ہمراہ ستلج کے پار برطانوی علاقے کی طرف فرار ہو گیا' جبکہ لہنا سنگھ (ایک اور سرکردہ فرد) جو اپنے فوجی دستہ کے ہمراہ ابھی تک وہیں تھا' اسے سرکاری قیدی بنا کر اور پابہ زنجیر کر کے لاہور روانہ کر دیا گیا۔ فوج جس نے شیر سنگھ کو حکومت میں لانے کے لیے اہم کردار ادا کیا تھا' اب سرکش اور بے قابو ہو گئی' انہوں نے اپنے افسروں پر غصہ اتارنا شروع کر دیا' ہر طرح سے انہیں تنگ کیا یا ان کی تنخواہ یا انعامات کے سلسلہ میں انہیں دھوکہ دیا۔ ان افسروں کے متعدد مکانات جلا دیے گئے' لہٰذا جن آدمیوں کو فوج کے خلاف نفرت کرتے ہوئے' یا اس بارے میں مشکوک پایا جاتا' انہیں گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ لاہور میں دربار کی ملازمت میں شامل یورپی باشندوں نے غضبناک خالصہ فوج کی زیادتیوں کے ارتکاب کو دیکھا تو وہ خوفزدہ ہو گئے۔ دربار میں انتہائی شہرت یافتہ اور ایک اعلیٰ افسر جنرل کورت' فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا' لیکن ایک بہادر نوجوان انگریز فاؤ لکز کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا' شہر میں مقیم فوجی خزانچیوں اور وزیروں کو دن دیہاڑے لوٹ لیا گیا۔ فوج کی یہ بے چینی صرف دارالحکومت تک محدود نہ رہی' کشمیر میں جنرل میہان سنگھ کو لوٹ کر قتل کر دیا گیا' جبکہ پشاور میں جنرل ایو ٹیبائل پر اس قدر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ جلال آباد میں پناہ حاصل کرنے کے لیے اس شہر کو

چھوڑ گئے۔ خالصہ فوج کی سرکشی بتدریج کم ہوتی گئی مگر اس وقت تک نہیں جب تک انگریزوں کی مداخلت کی دھمکی نہ دی گئی۔

حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے سے قبل، شیر سنگھ عیش و عشرت میں مبتلا رہتا اور بہت زیادہ شراب خوری کا عادی تھا۔ اپنی بادشاہت کو مستحکم کرنے کے بعد وہ اپنے پسندیدہ مشاغل شکار، کشتی وغیرہ میں مشغول ہوگیا لیکن اس نے سرکاری امور کی جانب کوئی توجہ نہیں دی، وہ مکمل طور پر اس کے دانشمند وزیر راجہ دھیان سنگھ کے سپرد کر دیے گئے تھے۔ وہ ایک بہادر اور تحمل مزاج شخص تھا اور خوش اخلاق طبیعت کا حامل تھا۔ تاہم کچھ دیر بعد وہ مکمل طور پر آوارہ ہوگیا اور مے خواری میں خاص طور پر پشمین کا رسیا ہوگیا۔ اورنگ زیب کی شاہی مسجد کے سامنے سنگ مرمر کا محلاتی باغ اس کی پسندیدہ تفریح گاہ تھی۔ یہاں وہ پھولوں کے بستر پر بیٹھا کرتا، خوبصورت سنگ مرمر کی محرابوں پر پھولوں کی چادریں لٹکی ہوتی تھیں اور زمین پر عرق گلاب اور مشک عنبریں کا چھڑکاؤ ہوتا تھا، جبکہ موسیقاروں کی ٹولیاں شیریں دھنیں سنا رہی ہوتیں۔ "کھاؤ پیو اور خوش رہو" یہ قدیم شہرت کے حامل شاہی دانشور سردانہ پالس کا مقولہ تھا، لہٰذا یہ مقولہ عیاش شیر سنگھ پر بالکل صادق آتا تھا۔

چاہے وہ حضوری باغ کی بارہ دری یا شالامار باغ کی سنگ مرمر کی بارہ دری (بمعہ پر تکلف حماموں کے) یا ثمن برج کے شیش محل یا شاہ بلاول کی پسندیدہ بارہ درہ میں ہوتا، تو گویوں اور خوبصورت رقاصاؤں کی ٹولیاں ہر وقت اس کے پاس حاضر رہتیں۔ لوگ اس کی زیادتیوں کو نفرت سے نہیں دیکھتے تھے، جو کسی شخص کی جسمانی طاقت کا اس بات سے اندازہ لگاتے تھے کہ وہ ایک ہی نشست میں کس قدر مقدار میں شراب پی سکتا ہے۔ لہٰذا اس وقت جب ہر قسم کی عیاشی روز کا معمول بن چکی تھی تو اصل میں دولت اور دنیاوی شان و شوکت ہی کو معیار سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک عام سپاہی کے لیے شراب خوری اور عورتوں کے رسیا ہونے کو ایک سماجی معاملہ سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ اور اس کی رعایا کی عیاشی کے ناگزیر نتیجہ کی پیش گوئی کرنے کے لیے کسی انتہائی الہامی طاقت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کچھ عرصے بعد ہی ایسی خانہ جنگی اور فسادات شروع ہوگئے، جنہوں نے اس بدعنوان اور زوال پذیر بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔

عیار راجہ دھیان سنگھ نے اپنی آنکھ عالی ہمت جوالا سنگھ پر رکھی ہوئی تھی، جو کبھی اس کا مدمقابل اور وزارت عظمیٰ کا امیدوار تھا۔ یاد رہے کہ شیر سنگھ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس کی اعانت کے ذریعے اور ڈوگرہ سردار کی مدد کے بغیر لاہور کی حکومت حاصل

کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اسے وزیر مقرر کر دے گا۔ جوالا سنگھ ایک متمول سردار تھا اور اسے خالصہ فوج پر زبردست اثر و رسوخ حاصل تھا۔ لاہور کے محاصرہ کے دوران جب دھیان سنگھ اپنے پہاڑی علاقہ سے شہر پہنچا اور جب شیر سنگھ اس مہم کی ناکامی پر پچھتایا اور جنگ بند کرنے کا حکم دیا' تو جوالا سنگھ نے محسوس کیا کہ دھیان سنگھ کا فیصلہ برسرپیکار دونوں دھڑوں کے لیے قانونی حیثیت کا حامل ہوگا اور اس کی اپنی خدمات پر کوئی دھیان نہیں دیا جائے گا' تو اس نے دیکھا کہ اس کا مفاد جنگ جاری رہنے میں ہے۔ اس کا کامیاب پہلو یہ تھا کہ دھیان سنگھ کی مداخلت کے بغیر وہ اپنے لیے پسندیدہ اور پرخواہش وزیر کا منصب حاصل کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی فوج پر زور دیا کہ وہ جنگ کے زور پر قلعہ پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے ثابت قدمی سے ڈٹی رہے' لہٰذا شیر سنگھ کی طرف سے جنگ بندی کے احکامات کی بارہ گھنٹے تک خلاف ورزی کی گئی۔ لیکن شیر سنگھ اور دھیان سنگھ کی مشترکہ کوششوں ہی سے جنگ بند ہوئی۔ وہ ذاتی طور پر فوج کے سامنے آئے' تو انہوں نے وضاحت کی کہ انہیں انعامات کی پیشکش کے ذریعے باز رہنے پر آمادہ کیا گیا تھا۔ ان تمام معاملات نے دھیان سنگھ کے مشتعل دل میں شعلے بھڑکا دیے۔ اس نے جوالا سنگھ کے خلاف مہاراجہ کے کانوں میں اس قدر زہر بھر دیا تھا کہ اس نے اپنے دیرینہ اور پرجوش خادم کو ایک خطرناک اور عیار حریف سمجھنا شروع کر دیا۔ جوالا سنگھ اپنی ۵۰۰۰ گھڑ چڑھ فوج کے ہمراہ شالامار باغ میں ہٹ کر خیمہ زن ہوگیا' لہٰذا جب مہاراجہ نے اسے اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا' تو اس نے سختی سے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر مہاراجہ نے اپنے منحرف اور نافرمان نمائندے کو سزا دینے کی خاطر' اپنے وزیر کے ہمراہ اپنی فوج کے ساتھ شہر سے باہر آنے کا فیصلہ کیا مگر جوالا سنگھ نے اس کی آمد کا سنا تو اپنے ناراض آقا کا استقبال کرنے کے لیے آگے بڑھا اور اس کے قدموں پہ گر پڑا۔ جوالا سنگھ کو لاہور لا کر فوراً بیڑیاں پہنا دی گئیں' اسے مئی ۱۸۴۱ء میں ایک تاریک اور گہری کوٹھری میں پھینک دیا گیا' جبکہ قید خانے میں اسے روزانہ کوڑے لگائے جاتے اور اس کے بعد اسے قید خانے سے خوراک کی صورت میں وظیفہ ملتا' جو آٹے کی نصف مقدار اور یکساں مقدار میں نمک پر مشتمل ہوتا تھا' جنہیں آپس میں ملا کر دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سزا کے طور پر اس کے تلووں پہ گرم سلاخیں بھی لگائی جاتیں۔ اس تشدد کے تحت وہ چالیس روز تک زندہ رہا' لہٰذا قلعہ شیخوپورہ میں اس کا انتقال ہوگیا' جہاں اسے موت سے دس روز پیشتر بھیج دیا گیا تھا۔

اگرچہ شیر سنگھ اور چندکور کے درمیان صلح کے معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ

رانی چندکور شیر سنگھ سے شادی کے بندھن سے آزاد ہوگی' لیکن معلوم ہوتا ہے مہاراجہ نے چادر اندازہ کی رسم کے ذریعے اس سے شادی کا خیال نہیں چھوڑا۔ ہوسکتا ہے رانی شیر سنگھ کی پناہ قبول کر لیتی اور اس کی بیوی بن جاتی' مگر گلاب سنگھ نے اسے خفیہ طور پر یقین دلا دیا تھا کہ مہاراجہ ایسا صرف اس کی تباہی کے لیے کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ یہ کمزور اور پراعتماد خاتون قلعہ سے روانہ ہوئی اور شہر میں اپنے آنجہانی بیٹے کے نجی مکان میں چلی گئی۔ شیر سنگھ اس کے رویہ سے آگ بگولا ہوگیا لیکن جب دھیان سنگھ نے اسے مزید یقین دلایا کہ رانی اسے رنجیت سنگھ کا ایک نام نہاد بیٹا سمجھتی ہے جبکہ وہ اپنے تئیں' کنہیا مثل کے عظیم سردار جے مل سنگھ کی بیٹی ہونے کے ناتے اعلیٰ خاندان اور گھرانے کی خیال کرتی ہے' تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس مسلسل دروغ بیانی سے مشتعل ہو کر شیر سنگھ نے بیوہ مہارانی کی زندگی ختم کرنے کا خفیہ طور پر فیصلہ کر لیا۔ چندکور کی کنیزوں کو اپنی مالکہ کے قتل کی خاطر رشوت دے کر وہ اچانک اپنے دربار کے ہمراہ وزیر آباد روانہ ہوگیا۔ اس نے اس منصوبہ کی تکمیل کی صورت میں ان چاروں کنیزوں میں سے ہر ایک کو ۵۰۰۰ روپے کی جاگیر دینے کا وعدہ کیا۔ ایک روز جب شیر سنگھ لاہور سے غیر حاضر تھا' یہ بے وفا کنیزیں اپنی مالکہ کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں تو انہوں نے اس کے سر پہ اینٹوں سے ضرب لگائی اور اس کا بھیجا باہر نکال دیا۔ یہ قتل جون ۱۸۴۲ء میں شہر میں اس کے بیٹے نونہال سنگھ کے تعمیر کردہ اسی مکان میں کیا گیا' جہاں وہ شیر سنگھ کے خوف سے رہ رہی تھی۔ دھیان سنگھ مہاراجہ کی عدم موجودگی میں حملہ آوروں کو سزا دینے کے لیے روانہ ہوا' لہٰذا اس نے شہر میں کوتوالی کے سامنے سرعام ان کے ناک' کان اور ہاتھ کاٹ دیے۔ تاہم ان کی زبانیں نہیں کاٹی گئیں' لہٰذا انہوں نے بتایا کہ کن حالات کے تحت مہاراجہ اور اس کے وزیر' دونوں نے انہیں اس ہولناک جرم کے ارتکاب پر اکسایا تھا۔ تاہم وہ جو کچھ بھی کہتیں اسے دیوانے کی بڑ سمجھا جاتا' لہٰذا انہیں دریائے راوی کے دوسری جانب جلاوطن کر دیا گیا اور انہیں اس کے بعد کہیں نہیں دیکھا گیا۔ شیر سنگھ اور گلاب سنگھ نے جب اس بدنصیب رانی کی موت کی خبر سنی تو انہیں انتہائی خوشی ہوئی کیونکہ اس موت سے تخت لاہور کی ایک دعویدار کو خاموشی سے راہ سے ہٹا دیا گیا تھا' جبکہ گلاب سنگھ نے اس کی بہت بڑی دولت کا پرامن اور بلاشرکت غیرے قبضہ حاصل کر لیا تھا۔

کابل کی مہم کے کامیاب اختتام پر (جس میں مہاراجہ پنجاب نے حکومت برطانیہ کی اعانت کی تھی) فیروزپور میں دونوں افواج کا ایک عظیم معائنہ منعقد ہوا۔ تخت لاہور کے ولی

عہد شہزادہ پرتاب سنگھ نے وزیر راجہ دھیان سنگھ کے ہمراہ گورنر جنرل لارڈ ایلن بورو سے ملاقات کی' اس کے نتیجہ میں حکومت ہند اور دربار لاہور کے درمیان مزید دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

فروری ۱۸۴۳ء میں کابل کے رہا شدہ امیر دوست محمد خاں کا لاہور میں والہانہ استقبال کیا گیا۔ نیز دربار اور اس کے درمیان رسمی طور پر ایک دوستانہ معاہدہ طے پایا۔

اب مہاراجہ اور اس کے وزیراعظم راجہ دھیان سنگھ کے درمیان موجود دوستانہ تعلقات کا خاتمہ ہو گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے انتہائی سخت نفرت شروع کر دی جیسا کہ ہمارے قارئین جانتے ہیں سندھیانوالیے' رنجیت سنگھ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور آنجہانی مائی چندکور کے مطالبات کے حامی تھے' وہ شیر سنگھ اور دھیان سنگھ کے جانی دشمن تھے اور مائی کی طرف سے اپنی افواج کے ساتھ شیر سنگھ کے خلاف لڑے تھے۔ وہاں پہ سکھ روحانی پیشواؤں کا ایک خاندان بھی تھا' وہ بھائی کہلاتے تھے' انہیں اپنے مذہبی تقدس کے باعث دربار اور بادشاہ کے زنانہ پہ زبردست اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ان میں سب سے نمایاں بھائی رام سنگھ اور بھائی گورکھ سنگھ تھے' وہ اپنے بادشاہ کی حمایت کے سلسلہ میں حریف تھے اور ان دھڑوں سے وابستہ تھے جن کے مفادات باہمی طور پر مخالف تھے۔ چنانچہ بھائی رام سنگھ ڈوگرہ سرداروں' راجہ لال سنگھ اور اس کے خاندان کا حامی تھا جبکہ بھائی گورکھ سنگھ اور مصر بیلی رام اپنی حکمت عملی پر متحد تھے اور ڈوگرہ سرداروں اور راجہ لال سنگھ کے جانی دشمن تھے۔ شیر سنگھ نے سندھیانوالہ خاندان کے سردار لہنہ سنگھ کو قید میں ڈال دیا تھا کیونکہ اس نے اس کے تخت نشین ہونے سے قبل اس کے خلاف حصہ لیا تھا۔ اس کا بھائی عطر سنگھ اور بھتیجا اجیت سنگھ آخرکار ستلج کے پار تھانیسر میں رہنے کے لیے چلے گئے۔ اس بات کی اطلاع بھی ملی کہ اجیت سنگھ نے برطانوی گورنر جنرل کے سامنے اپنے مسائل پیش کرنے کے لیے کلکتہ کا دورہ کیا ہے۔ شیر سنگھ ایک فراخ اور مہربان دل کا مالک تھا' لہٰذا اپنی تحمل مزاجی کے باعث' بعض اوقات اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کرنے کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔ بھائی رام سنگھ کی مداخلت سے لیکن زیادہ تر خواتین کے اثر و رسوخ سے (کیونکہ بھائی نے اپنے تقدس کے زیر اثر شیر سنگھ کی منظور نظر خواتین پر دسترس حاصل کر لی تھی) جلاوطن سندھیانوالہ سرداروں' عطر سنگھ اور اجیت سنگھ کو واپس بلا لیا گیا اور لہنہ سنگھ کو قید سے رہائی دے دی گئی۔ ان کی ضبط شدہ جاگیریں بحال کر دی گئیں اور مہاراجہ نے ان پر مزید مراعات اور نوازشات کا ڈھیر لگا دیا۔ عطر سنگھ اپنی جاگیروں کی طرف

لوٹ گیا مگر لہنہ سنگھ اور اس کے بھتیجے اجیت سنگھ کو دربار میں ان کی معمول کے مطابق جگہوں پر فائز کر دیا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ سندھیانوالہ سرداروں کو شیر سنگھ کے دماغ پر اس قدر اختیار حاصل ہوگیا کہ ان کا مشورہ سیاسی اور گھریلو دونوں معاملات میں مانا جانے لگا۔ انہیں ہر دن اور رات' جلوت اور خلوت میں مہاراجہ کے ساتھ دیکھا جانے لگا۔ وہ اس کے گہرے دوست بن گئے۔ وہ جو کچھ بھی مانگتے انہیں دیا جاتا اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس پر وہ زور دیتے ہوں اور اس کی منظوری نہ دی جائے۔

دھیان سنگھ جس سے انہوں نے اپنا عروج اور قسمت حاصل کی تھی' قدرتی طور پر اپنے آقا پر ان کے زبردست اختیار سے جلنے لگا' لہٰذا مہاراجہ کی بے توجہی نے اسے اس کا خفیہ اور جانی دشمن بنا دیا۔ وزیر نے گلاب سنگھ کو خفیہ طور پر جموں سے بلوایا' لہٰذا دارالحکومت میں اس کے مختصر قیام کے دوران' دونوں بھائیوں نے اس وقت موجودہ حالات کے مطابق حکمت عملی اختیار کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس وقت سے وزیر نے مہاراجہ کے نام نہاد بیٹے دلیپ سنگھ (جس کی عمر اس وقت پانچ یا چھ برس تھی) پر زیادہ توجہ دینی شروع کر دی۔ اس نے اس بچے کے ساتھ تخت کے جائز اور حقیقی وارث کے طور پر سلوک کرنا شروع کر دیا اور اس کا بہت زیادہ احترام کرنے لگا۔ وہ اس کو اکثر اپنے پاس بلا بھیجتا اور اسے مہاراجہ کی انتہائی چہیتی ملکہ رانی جنداں کی اولاد کے طور پر پیش کرتا۔ یقیناً مہاراجہ' وزیر کے اس رویہ سے بہت سخت ناراض ہوگیا۔ اس نے مختلف طریقوں سے اس کا اختیار کم کرنے اور اس کا چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن دھیان سنگھ اتنا مضبوط تھا کہ اسے شیر سنگھ جیسا دلیر شخص بھی کچل نہیں سکتا تھا۔ سندھیانوالہ سردار جو بادشاہ کے خلاف ہر وقت ایک انتہائی گہری اور خفیہ دشمنی رکھتے تھے' وہ اسے ایک نوآموز اور غاصب سمجھتے تھے اور اس کا وزیر' جس کی عداوت ان کی ترامیم سے کم نہیں ہوئی تھی اور بظاہر وہ ان کے حالیہ رویہ سے قائل ہوگیا تھا' احتیاط سے ان واقعات پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے آقا کی مہربانیوں اور اس کے اعتماد سے بے خبر تھے جو وہ ان پر کرتا تھا۔ یکساں طور پر وہ دانشمند اور پسندیدہ وزیر کی مہربانی کو فراموش کر بیٹھے تھے' اس نے انہیں جلاوطنی سے واپس بلانے اور انہیں مہاراجہ کے دھیان میں لانے کے لیے انتظامات کرنے کی خاطر جس کا اظہار کیا تھا۔ اب انہوں نے خیال کیا کہ مہاراجہ اور اس کے وزیر دونوں سے انتقام لینے کا موقع میسر آگیا ہے' جو اس وقت بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے خرچ پر اپنی سرفرازی کے لیے کچھ کر رہے ہیں۔

مہاراجہ اور سندھیانوالہ سرداروں کے درمیان جھوٹ موٹ کی زبردست خوش اخلاقی اور اختلاط پایا جاتا تھا۔ عیش و عشرت اور بے تکلف رنگ رلیوں میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا تھا۔ سردار' مہاراجہ کے ساتھ جھگڑتے' حتیٰ کہ ان کے درمیان تلخ کلامی بھی ہوتی مگر ان سب کو اچھے پہلو سے دیکھا جاتا تھا۔ ان رنگ رلیوں میں اجیت سنگھ نے کئی بار مہاراجہ کو جان سے مارنے کی دھمکی دی لیکن اس نے اس کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ شیر سنگھ کے دوستوں نے اسے بار بار اپنی حفاظت کرنے کے لیے کہا اور اس بات پر بھی زور دیا کہ وہ سندھیانوالوں پر اندھا دھند اعتماد نہ کرے' مگر اس نے ان تنبیہات کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ جب ان کے منصوبوں کی تکمیل ہو گئی' انہوں نے سب سے پہلے شیر سنگھ سے ملاقات کی اور اس کے ساتھ ایک نجی اجلاس منعقد کیا۔ انہوں نے مہاراجہ کے ساتھ اپنی وفاداری اور حکومت کے لیے جانثاری کی کہانیاں بیان کرنا شروع کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ بطور خادمین اور وفادار رعایا کے ان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے دھیان سنگھ کی عیاریوں کی حمایت کریں یا اس کا ساتھ دیں' جس نے مہاراجہ کی جان لینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ انہوں نے مہاراجہ کو مطلع کیا کہ دھیان سنگھ کے منصوبوں سے اسے آگاہ کر کے ان کا مقصد کوئی دنیاوی انعامات حاصل کرنا نہیں' کیونکہ انہوں نے آخر کار اس دنیا کو چھوڑ جانا ہے اور پروردگار کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اگر انہیں اس جیسی دولت کی پرواہ ہوتی تو وہ خود کو ساٹھ لاکھ روپے کی جاگیر سے محروم نہ کرتے' جس کا وعدہ دھیان سنگھ نے مہاراجہ کی جان لینے کی شرط پر کیا ہوا تھا۔ انہوں نے مہاراجہ کو یقین دلایا کہ دھیان سنگھ نے نوجوان دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور یہ کہ اس نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں کم سن سردار کی نابالغی کے دوران اس کے مختاروں کی حیثیت سے کام کرنا چاہیے۔ یہ سب کچھ شیر سنگھ کو بظاہر صاف دلی اور سخت رازداری اور مہاراجہ سے رازداری کا حلف لینے کے بعد بتایا گیا تھا۔ انہوں نے مہاراجہ کو اس بات کی یقین دہانی بھی کرائی کہ اصل میں اسے قتل کرنے کے لیے وزیر نے انہیں رشوت دی تھی۔ شیر سنگھ جو ایک بہادر اور جری سپاہی تھا' اس معلومات سے بہت متاثر ہوا اور اس نے معمول کے بھدے پن سے اپنی تلوار نیام سے باہر نکالی اور یہ کہتے ہوئے اسے سرداروں کو پیش کیا: "یہ تلوار ہے اور یہ میرا گلا' اسے کاٹ ڈالو اگر تمہیں مجھے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' لہٰذا حکم کی بجا آوری کر ڈالو۔ لیکن وہ دن نہ بھولو کہ وہ دن دور نہیں ہو گا کہ وہی آدمی تمہارے گلے کاٹ ڈالیں گے جن کے اب تم آلہ کار بنے

ہوئے ہو"۔ مکار سندھیانوالہ بھائی اس پیش گوئی سے جھوٹ موٹ ڈر کر اچانک کھڑے ہوگئے اور اپنے ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر احتجاجاً" کہا: "اپنے بادشاہ اور آقا کی جان لے لیں! ہمارے اپنے سر کس لیے ہیں؟ اگر ہمارے آقا کی قیمتی زندگی (جس پر لاکھوں لوگوں کی خوشی اور بہبود کا انحصار ہے) کے خلاف بدنیتی سے کوئی منصوبہ بنایا گیا تو سب سے پہلے یہ قربان ہوں گے"۔ اس طرح انہوں نے مہاراجہ سے اپنی صاف دلی اور خلوص کا اظہار کیا کہ وہ وزیر کے پرفریب منصوبوں اور اپنے لیے ان سرداروں کی وفاداری اور جانثاری کا قائل ہوگیا۔ انہوں نے مہاراجہ کو تجویز پیش کی کہ دغاباز وزیر کو فوراً ہلاک کر دیا جائے' لہٰذا انہوں نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔ مہاراجہ نے اس کے لیے اپنی مکمل رضامندی دے دی۔ نیز ان بھائیوں نے اس کے دستخط کا حامل ایک فرمان (۳) حاصل کر لیا جس میں انہیں اپنی مرضی کے مطابق کارروائی کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اور انہیں اس کارروائی کی تمام ذمہ داریوں سے مبرا قرار دیا گیا تھا' جو وہ حکمران خاندان کے مفادات کے لیے کرنا چاہتے ہوں۔ بعد ازیں اس پر اتفاق رائے ہوگیا کہ سندھیانوالہ سردار کچھ دیر کے لیے امرتسر کے قریب راجہ سنسی میں اپنی جاگیروں کی طرف لوٹ جائیں اور اس کے بعد خوب اچھی طرح مسلح اور ساز و سامان سے لیس اپنی فوج کے ساتھ واپس آ جائیں' جسے انہوں نے شاہ بلاول المعروف حاضری (افواج کی صف آرائی اور معائنے کی عام جگہ) میں مہاراجہ کے سامنے معائنہ کے لیے صف آراء کرنا تھا۔ اس فوج کو مہاراجہ کے سامنے پوری طرح لیس ہو کر اپنی نمائش کے لیے اپنی بندوقوں اود اسلحہ کے ساتھ تیار رہنا تھا۔ اس نے راجہ دھیان سنگھ کو بلانا تھا اور ان کے معائنہ کے لیے اسے احکامات دینے تھے' بعد میں راجہ اور اس کے بیٹے ہیرا سنگھ کو اچانک فوج نے گھیرا ڈال کر گولی مار دینا تھی۔

ابتدائی انتظامات کر کے اور اس دستاویز کو حاصل کر کے (جس میں وزیر کے قتل کا اختیار دیا گیا تھا) سندھیانوالہ بھائی یکدم راجہ دھیان سنگھ کے پاس گئے' لہٰذا تمہید کے بعد انہوں نے اسے اس کی موت کا پروانہ دکھایا جس پر مہاراجہ کے دستخط تھے۔ راجہ نے سندھیانوالوں کے بیان کی حقیقت یا اس دستاویز کے اصلی ہونے پر بہت غور و خوض کیا۔ اس نے کہا میں اس بات پر یقین کرنے سے قاصر ہوں کہ اس کا منظور نظر شیر سنگھ (بظاہر ان کے درمیان کسی قسم کا بھی اختلاف ہو) اس کے ساتھ اس قسم کی بیوفائی کر سکتا ہے۔ قصہ مختصر اس نے سرداروں کو یہ باور کرا دیا کہ جب تک اس کے آقا کی مہر اور دستخط

دونوں اس دستاویز پر موجود نہ ہوں وہ اس بات پر یقین نہیں کرے گا کہ وہ اس کے خلاف اس قسم کے منصوبے بنا سکتا ہے۔ لہنا سنگھ اور اس کے بھتیجے نے دستاویز پر مہاراجہ کی اپنی مہر ثبت کرانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ راجہ دھیان سنگھ یہ دیکھ کر آگ بگولا ہوگیا۔ مکار سندھیانوالوں نے جب دیکھا کہ ان کا وار کارگر ثابت ہوا ہے اور اس کے ذہن میں اس کی گہری چھاپ لگ گئی ہے تو انہوں نے اسے مشورہ دیا کہ اس بے وفائی کی سزا کے طور پر مہاراجہ سے بھی اسی طرح سلوک کیا جائے جس طرح اس نے انہیں معصوم راجہ کے ساتھ کرنے کو کہا تھا۔ وہ دھیان سنگھ جیسے دانشمند' بلند خیال اور ایک بے گناہ وزیر کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے سے باز رہے ہیں' لہذا وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اسی صورت میں اپنے ہم وطنوں کے لیے اپنا فرض ادا کریں گے اگر وہ اس بے شرم' غاصب اور عیاش شخص کی زندگی کا خاتمہ کر دیں' جسے یکساں طور پر عوام بھی قبول نہیں کرتے اور وہ اس اعلیٰ منصب پر فائز رہنے کے بھی قابل نہیں' جس تک وہ اس مدبر وزیر کی اعانت کے ذریعے پہنچا تھا' جس کی اس نے اب جان لینے کی کوشش کی ہے۔ اس خوشامدانہ اظہار نے راجہ کے ذہن میں گہرا تاثر پیدا کر دیا' لہذا اس نے اپنے آقا کو قتل کرنے کے لیے اپنی پوری رضامندی دے دی اور سندھیانوالوں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے تو انہیں انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ انہوں نے دھیان سنگھ کی تیار کردہ ایک دستاویز حاصل کی' جس میں انہیں مہاراجہ کی جان لینے کا اختیار دیا گیا تھا' لہذا انہوں نے اس پر بھی اسی طرح وزیر کے دستخط حاصل کر لیے' جس طرح مہاراجہ سے وزیر کے قتل کی خاطر لیے تھے۔

یہ سب کچھ ہونے کے بعد دھیان سنگھ کے ساتھ انہوں نے یہ معاملہ طے کیا کہ وقوعہ کے روز' محل پر کچھ فوج تعینات کی جائے کیونکہ اسی طرح اس کام کی نگرانی کی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد سندھیانوالیے' وزیر سے رخصت ہو کر راجہ سنسی کی طرف روانہ ہوگئے۔ چنانچہ سندھیانوالوں نے اس کھیل کو کچھ اس خوبصورتی سے دوہرے انداز میں کھیلا کہ انہوں نے مہاراجہ اور وزیر کا اعتماد بھی حاصل کر لیا اور ان دونوں کے علم کے بغیر ان کی تباہی کا بندوبست بھی کر دیا۔ اس کھیل کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا گیا کہ مہاراجہ اور وزیر ایک دوسرے کے بے خبر قاتل بن گئے۔ ان میں سے ہر ایک کا یہ خیال تھا کہ یہ ضرب اس کے حریف پر لگائی گئی ہے' لیکن آخر میں دونوں اس کا شکار ہوگئے۔

راجہ دھیان سنگھ نے اب بیماری کا بہانہ کیا اور شہر میں اپنی نجی رہائش گاہ میں چلا گیا۔

اس سانحہ کے لیے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا تھا اور اتفاق سے یہ ہندی مہینے کا بھی پہلا دن تھا۔ شیر سنگھ اسی روز علی الصبح شہر سے روانہ ہوا۔(۴) وہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے ہمراہ صرف دھیان سنگھ' دیوان دینا ناتھ اور زرہ بکتر سردار بدھ سنگھ (ایک بہادر شخص جو ہر وقت اس کے پاس رہتا تھا) تھے۔ وہ شہر کے روشنائی دروازہ سے گزرا اور میدان قواعد کے راستہ سے شاہ بلاول میں اپنے محل کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ کوئی حفاظتی دستہ نہیں تھا۔ مقررہ وقت پر شاہ بلاول میں بندوقوں کی فائرنگ سے سندھیانوالوں کی آمد کا اعلان کیا گیا۔ وہ نئی جمع شدہ فوج کے ساتھ حاضر ہوئے' ان کے ساتھ تقریباً پچاس ساتھی تھے' جو انہی کی طرح مسلح اور ساز و سامان سے خوب اچھی طرح لیس تھے' چونکہ یہ ہندی مہینے کی پہلی تاریخ (یا سنکرت کا دن) تھا' اس لیے اس تاریخ کو دربار منعقد نہیں کیا گیا۔ مہاراجہ مکان میں داخل ہو کر بارہ دری کی کھڑکی کے سامنے بیٹھ گیا اور چند پہلوانوں کی کشتی سے دل بہلانے لگا۔ یہ کھیل تھوڑی دیر تک جاری رہا اور مہاراجہ نے اپنے ہاتھ سے انہیں انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ وہ کھڑکی میں بیٹھا ہوا تھا کہ اجیت سنگھ نے اپنی جمع کردہ فوج کی آمد کی اطلاع دی' جسے اس نے کھڑکی کے سامنے صف آراء کر دیا۔ مہاراجہ نے دیوان دینا ناتھ کو حکم دیا کہ انہیں سپاہیوں میں شامل کر لیا جائے۔ پہلوانوں نے مہاراجہ سے تحائف وصول کرنے پر اسے اپنی اطاعت پیش کی' مہاراجہ نے انتہائی بے تکلفی اور مہربانی سے ان کی آؤ بھگت کی۔ وہ اپنی کرسی میں بڑے آرام سے پڑ گیا' اسے اپنے انجام کی ذرا بھی خبر نہیں تھی' جو اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ جس وقت مصروف تھا' اسی دوران اجیت سنگھ' شیر سنگھ کے پاس آیا اور اس کے معاینے کے لیے ایک خوبصورت دو نالی شکاری بندوق دکھائی اور مسکراتے ہوئے کہا: "دیکھیے میں نے ۱۴۰۰ روپے کے عوض کتنی بہترین بندوق خریدی ہے۔ اب میں اسے ۳۰۰۰ میں بھی فروخت نہیں کروں گا"۔ مہاراجہ نے بندوق پکڑنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا' اس کی دونوں نالیوں میں گولیاں بھری ہوئی تھیں' لہٰذا جیسے ہی اجیت سنگھ نے اسے مہاراجہ کے حوالے کیا تو اس نے بیک وقت دونوں نالیاں اس کے سینہ میں خالی کر دیں؟ مہاراجہ تیزی سے یہ کہتا ہوا پیچھے کی طرف اپنی کرسی پر گرا' "ایسہ کی دغا؟" اور اس کے فوراً بعد ہلاک ہوگیا۔ جیسے ہی مہاراجہ ڈھیر ہوا' اجیت سنگھ نے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ شیر سنگھ کا زرہ بکتر بردار بدھ سنگھ' بندوق کی آواز سن کر فوراً موقع پر آیا۔ اس دلیر آدمی نے اجیت سنگھ کے دو ساتھیوں کو کاٹ ڈالا اور اجیت سنگھ پر بھی وار کیا' مگر تلوار دو ٹکڑے ہوگئی۔ وہ دوسری تلوار لینے

کے لیے دوڑا مگر اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گر پڑا' لہٰذا اجیت سنگھ کے ساتھیوں نے اسے فوراً ہلاک کر دیا۔ کھڑکی کے سامنے صف آراء سندھیانوالوں کے سپاہیوں نے کھڑکی میں سے شیر سنگھ کے گرد جمع ہونے والے آدمیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس کے بعد کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے تباہی پھیلانی شروع کر دی' لہٰذا مہاراجہ کے جن ملازمین نے ذرا بھی مزاحمت کی انہیں فوراً گولی مار دی گئی یا بے دردی سے کاٹ کر پھینک دیا گیا۔

بعد ازیں قاتل قریبی باغ کی طرف ولی عہد پرتاب سنگھ (جس کی عمر صرف بارہ برس تھی) کی تلاش میں گئے۔ جس وقت خونخوار لہنا سنگھ ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر شہزادے کی طرف بڑھا تو اس وقت وہ باغ میں اپنی عبادت میں مصروف تھا اور برہمنوں کو خیرات(۵) دے رہا تھا۔ لڑکا خوفزدہ ہو کر لرزہ براندام ہوگیا اور لہنا سنگھ کے پاؤں میں گر کر معافی کی درخواست کرتے ہوئے کہنے لگا: "اے چچا! خدا کے لیے میری جان بخشی کر دیجئے' میں ایک خادم کے طور پر آپ کے گھوڑوں کی لید اٹھانے کے لیے آپ کی خدمت کروں گا"۔ خون آشام لہنا سنگھ نے جواب دیا: "چچا اور وہ بھی اس وقت؟" یہ الفاظ ادا کر کے اس نے لڑکے کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد بدذات سپاہیوں نے اپنی تلواروں سے اس لڑکے کے جسم کے ٹکڑے کر دیے۔

اپنے مشترکہ آقا اور اس کے بڑے بیٹے کے خون سے ہاتھ رنگنے کے بعد سازشیوں نے سرفرازی اور خونریزی کے لیے اپنے منصوبے کو توسیع دینے کے لیے اقدامات کیے۔ تقریباً ۳۰۰ سواروں اور ۲۵۰ پیادوں پر مشتمل ایک جماعت' باغ کے باہر انتظار کر رہی تھی' جہاں یہ خونیں معاملہ انجام دیا گیا۔ اجیت سنگھ اس فوج کے ہمراہ تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہوا' جہاں اب کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ شہریوں نے وحشی سپاہیوں کے خوف سے خود کو اپنے گھروں میں بند کر لیا تھا۔ دکانیں بند اور کاروبار معطل ہوگیا تھا۔ جس وقت اجیت سنگھ تیزی سے شہر کی طرف گیا' لہنا سنگھ تقریباً ۲۰۰ سواروں کے ساتھ آہستگی سے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ لاہور کے تقریباً نصف راستے میں اجیت سنگھ کی مڈبھیڑ' وزیر کے ساتھ ہوئی جو اپنی معمول کی عبادت کے بعد ابھی ابھی قلعہ سے باہر آ رہا تھا اور چند ساتھیوں کے ہمراہ بے فکری کے انداز میں شاہ بلاول کی طرف جا رہا تھا' اسے اس بات کا قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ سندھیانوالہ سرداروں کے ساتھ تیار کردہ اس کے منصوبہ کو اتنی جلدی عملہ جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ اجیت سنگھ نے راجہ کو پرنام کیا اور اسے مطلع کیا کہ کام ہوگیا ہے۔ راجہ نے حیرت کا اظہار کیا اور اس خبر کی درستگی پر شک و شبہ ظاہر کیا' اس پر مقتول باپ اور بیٹے

کے سر پیش کر دیے گئے۔ دھیان سنگھ نے نوجوان شہزادے کی جان لینے پر سندھیانوالہ بھائیوں کو قصور وار ٹھہرایا لیکن اجیت سنگھ نے بیان کیا کہ ایسا کرنے کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ اب اجیت سنگھ نے راجہ کو ملک کے نظم و نسق کے متعلق حتمی انتظامات کرنے کے لیے اپنے ساتھ قلعہ کی طرف لوٹ جانے کو کہا۔ راجہ نے جب اپنے حفاظتی دستہ پر نظر ڈالی تو اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ سندھیانوالہ سپاہیوں کی تعداد ان سے بہت زیادہ تھی' لہٰذا اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی متبادل راستہ نہیں کہ وہ اجیت سنگھ کے ہمراہ قلعے کی طرف چلا جائے۔ وزیر اور سردار اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قلعہ کے بیرونی دروازہ میں داخل ہوئے لیکن جب یہ قافلہ دوسرے دروازے پر پہنچا تو دربانوں نے وزیر کے خدمتگاروں کو داخل ہونے سے روک دیا' جبکہ اجیت سنگھ کے ۵۰۰ یا ۶۰۰ سپاہی اندر داخل ہوگئے۔ اب دھیان سنگھ کا شک یقین میں بدل گیا تھا' لہٰذا اس نے دوبارہ اپنے چاروں طرف دیکھا کہ اس کے ساتھ کتنے آدمی آئے ہیں۔ تاہم اب وہ قطعی بے یارومددگار تھا' حالانکہ اس نے اجیت سنگھ کی گفتگو کے لہجے اور اردگرد کے حالات سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے' اس کے باوجود اس نے بظاہر پرسکون انداز اپنائے رکھا اور حتی المقدور دوستانہ انداز میں اجیت سنگھ سے گفتگو جاری رکھی اور کسی قسم کے خوف یا خدشے کا اظہار نہیں کیا۔ اسے اس بات کی خبر تھی کہ اگر اس نے کسی قسم کے شک کا اظہار کیا تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ سندھیانوالہ سردار سے یہ پوچھنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا کہ قلعے کی فصیل پہ کھڑے آدمی کون ہیں۔ اس کے بعد اجیت سنگھ اپنا گھوڑا وزیر کے پاس لایا' اس کو ہاتھ سے پکڑ کر اور بظاہر بے تکلفی سے اس نے پوچھا: ''اب بادشاہ کسے ہونا چاہیے؟'' اس سوال پر راجہ نے جواب دیا: ''دلیپ سنگھ سے زیادہ بہتر کوئی اور مستحق نہیں ہے؟''(۶) اجیت سنگھ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا: ''چنانچہ وہ بادشاہ بن جائے گا اور تم اس کے وزیر ہو جاؤ گے' لیکن اس ساری مصیبت کے صلے میں ہمیں کیا ملے گا؟'' راجہ اس تمسخر سے ناراض ہوگیا اور واپس جانے لگا۔ پاس کھڑے ہوئے بوڑھے بھائی گورکھ سنگھ نے کہا: ''دستاویزات الفاظ سے زیادہ بہتر ہیں' شیر سنگھ اور اس کے بیٹے کی طرح راجہ کو بھی ہلاک کر دو' تمہارا راستہ صاف ہو جائے گا''۔ اس پر اجیت سنگھ نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور فوراً ہی وزیر کو عقب سے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا' کیونکہ وہ قلعہ کی فصیل پر مورچہ سنبھالے ہوئے آدمیوں کی زد میں تھا۔ بندوق کی پہلی گولی کے فوراً بعد دوسری بھی آئی' حالانکہ پہلی گولی اس کا خاتمہ کر چکی تھی۔ جیسے ہی وہ اپنے گھوڑے سے

ڈھیر ہو کر نیچے گرا' بھاڑے کے سپاہیوں نے اپنی تلواروں سے اس کے ٹکڑے کر دیے۔ وزیر کے چند قریبی خدمتگاروں میں سے ایک مسلمان اردلی' قلعہ کے اندر پہنچ گیا اور اس نے مزاحمت کی' مگر اسے بھی فوراً ہلاک کر دیا گیا' لہٰذا اس کی لاش کو بھی اپنے آقا کے مردہ جسم کے ساتھ قلعہ کے بندوق سازی کے کارخانہ میں کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔

ان واقعات کے فوراً بعد لنہ سنگھ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہنچ گیا۔ جب اسے پتہ چلا کہ اس کی عدم موجودگی کے مختصر وقفہ کے دوران کیا ہو گیا ہے' تو اس نے اس جلدبازی پر اپنے بھائی کو ملامت کی' کیونکہ سندھیانوالہ بھائیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ راجہ دھیان سنگھ' اس کے بیٹے ہیرا سنگھ اور بھائی راجہ سوچیت سنگھ کو کسی بہانے سے ایک جگہ اکٹھا کر کے ختم کر دیا جائے۔ ان حالات کے تحت آنجہانی راجہ کا بیٹا اور بھائی ابھی تک موجود تھے چونکہ انہیں خالصہ فوج پر زبردست اثر و رسوخ حاصل تھا' اس لیے سندھیانوالوں کا مقصد اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا' جتنی آسانی سے اس صورت میں ہونا تھا اگر ان کے تیار کردہ اصلی منصوبے پر عمل درآمد کیا جاتا۔ تاہم وہ اس سے دلبرداشتہ نہیں ہوئے اور انہوں نے شروع کیے گئے اپنے کام کو ہر صورت میں مکمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ مصر لال سنگھ (جو بعد میں انگریزوں کے ساتھ جنگ میں بڑا مشہور ہوا) کے ذریعے وزیر کے نام سے راجہ ہیرا سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی طرف ایک ہرکارہ روانہ کیا گیا' وہ اس وقت بدھو کا آوا میں اپنی افواج کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان سے التجا کی گئی کہ وہ قلعہ میں حاضر ہو جائیں کیونکہ سرکاری امور پر ان سے مشورہ کرنا ہے۔ یہ راجگان اور ان کے مشیر جن میں سب سے نمایاں رائے کیسری سنگھ تھا (جس نے بعد میں اپنے آقا سوچیت سنگھ کی طرف سے لڑتے ہوئے دلیری کے جوہر دکھائے تھے) بہت زیادہ ہوشیار تھے اور سندھیانوالیے انہیں دھوکہ نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ دھیان سنگھ کی اپنی تحریر یا اس کے دستخط کی صورت میں وہ قلعہ میں حاضر ہو جائیں گے۔ اب سندھیانوالوں نے راجاؤں کو اس حکم کی تعمیل پر مجبور کرنے کے لیے ۵۰۰ سواروں کو روانہ کیا لیکن راجاؤں نے اپنی تمام فوج کو جمع کر کے اس قدر دھمکی آمیز سامنا کیا کہ سندھیانوالہ سواروں نے بغیر حملہ کی جرات کیے اسی طرح خاموشی سے لوٹ جانا بہتر خیال کیا جس طرح آئے تھے۔

نوجوان راجہ ہیرا سنگھ نے شیر سنگھ کی موت کی خبر سنی مگر اسے شائبہ تک نہ ہوا کہ اس کے باپ کا بھی یہی انجام ہوا ہے۔ جب مصر لال سنگھ نے اس سے ملاقات کر کے اسے قلعہ میں حاضر ہونے کے لیے کہا تو ہیرا سنگھ نے اپنی فوج سے خطاب کرتے ہوئے

اسے نصیحت کی کہ وہ مہاراجہ کی موت کا خیال نہ کریں۔ وہ اور اس کا چچا' جان بوجھ کر دھیان سنگھ اور سندھیانوالہ قبیلہ کے درمیان صلاح مشورے کے بعد پیدا ہونے والی خونریزی سے علیحدہ رہنے کے لیے مونسیئر ایویٹ بائل کے گھر چلے گئے تھے۔ ایک گھنٹہ کے بعد وزیر کی موت کا عام اعلان کر دیا گیا' لہٰذا یہ خبر نوجوان راجہ ہیرا سنگھ پہ بجلی کی طرح گری۔ وہ بری طرح رونے لگا اور زمین پر گر کر لوٹنے اور سر پٹکنے لگا۔ لیکن دور اندیش بھائی کیسری سنگھ نے اس کے بچگانہ رویے پر اسے سرزنش کی اور کہا کہ وہ اپنے مقتول باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کی خاطر ثابت قدم رہے۔ بھائی کے تسلی آمیز الفاظ نے اس پر بہت اثر کیا' لہٰذا اب ہیرا سنگھ نے بادشاہ' اس کے بے گناہ کم سن بیٹے اور اس کے دانشمند وزیر کے خون سے ہاتھ رنگنے والوں کی تباہی کو یقینی بنانے کے لیے سپاہیوں پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کا تہیہ کر لیا۔ وہ ایویٹ بائل کے گھر کے جھروکہ میں بیٹھ گیا اور متعدد سرداروں کو پیغامات بھیج کر فوری طور پر حاضر ہونے کی درخواست کی۔ اس بلاوے کی فوراً تعمیل کی گئی' لہٰذا سردار اپنی افواج کے ساتھ' بدھو کے آوا کے میدان میں جمع ہو گئے۔

نوجوان راجہ نے سامنے آ کر اپنی تلوار اتارتے ہوئے کہا: "تم جانتے ہو کہ غداروں نے ہمارے بادشاہ' اس کے معصوم بیٹے اور میرے پیارے اور بہادر باپ کو قتل کر دیا ہے' جو تم سے بھی اسی طرح پیار کرتا تھا جس طرح مجھ سے کرتا تھا۔ ہم اپنے بادشاہ سے محروم ہو گئے ہیں اور میں یتیم ہو گیا ہوں۔ اپنے مقتول بادشاہ کے لیے اب میں تمہارے حوصلہ' حب الوطنی اور وفاداری پر بھروسہ کرتا ہوں یا تو ثابت قدمی سے میرا دامن تھام لو یا اس تلوار سے میرا خاتمہ کر دو' کیونکہ دشمنوں میں ذلت سے زندہ رہنے کے بجائے وقار سے مر جانا بہتر ہے"۔ اس نے انہیں یاد دلایا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ شیرخوارگی سے اسے کس قدر پیار کرتا تھا اور اس نے متبنیٰ بیٹے کی حیثیت سے اسے کس قدر ذوق و شوق سے پروان چڑھایا اور اب کس طرح غدار اس کا گلا کاٹنے کے لیے تیار ہیں۔ اس نے انہیں یقین دلایا کہ سندھیانوالہ سرداروں نے انگریزوں کے ساتھ ایک غدارانہ الحاق کر لیا ہے اور اس ملک کی حکومت ان کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہیں' اس نے اس بات پر زور دیا کہ اگر انگریزوں کی حکومت' پنجاب میں قائم ہو گئی' تو پوری سکھ قوم ذلیل و خوار ہو جائے گی اور ان کا عظیم اور شاندار نام گمنامی میں ڈوب جائے گا۔ سکھ جو اب جنگی پیشے پر فخر کرتے ہیں' انہیں کھیتی باڑی اختیار کر کے ایک حقیر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ اس نے ان کی تنخواہ میں ڈیڑھ گنا اضافہ کرنے کا وعدہ کیا' ہر پیادہ سپاہی ۱۲ روپے ماہانہ اور ہر سوار ایک

روپیہ یومیہ حاصل کرے گا۔ یہ سب کچھ بھاڑے کے سپاہیوں کے لیے کافی تھا' اب انہیں اور کچھ نہیں سننا تھا۔ بادشاہ یا وزیر (ان دونوں کا وہ بہت احترام کرتے تھے) کی موت ان کے لیے کوئی خوشگوار خبر نہیں تھی' نوجوان راجہ (جسے بذات سندھیانوالوں کی دغابازی نے یتیم کر دیا تھا) اس کی موجودگی' معصومیت اور افسوس' اس کی فصاحت و بلاغت اور سب سے زیادہ اچھے خاصے انعام و اکرام اور مستقل طور پر تنخواہ میں اضافہ کے وعدوں نے خالصہ فوج کے ذہن میں زبردست تاثر پیدا کیا' انہوں نے متفقہ طور پر نوجوان راجہ کے بلاوے پر لبیک کہا اور بلند نعروں سے اس کی تجویز کا خیرمقدم کیا۔

ہیرا سنگھ کی قیادت میں قلعہ پر ایک حملے کا فیصلہ کیا گیا' بہادر فوج نے فتح یا موت کا تہیہ کر لیا۔ ہیرا سنگھ نے انہیں فورا جنگ کے لیے تیار ہونے کا کہا' لیکن اسی دوران اس نے ان پر زور دیا کہ وہ اس وقت تک انتظار کریں جب تک اس کے منصوبے مکمل نہیں ہو جاتے۔ لیکن فوج بے چین تھی اور غصے سے بھڑک رہی تھی اس لیے کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔ اگرچہ جس وقت اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آن پہنچا تو تقریباً نصف فوج کھانے پکانے اور شام کا کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی' حتیٰ کہ انہوں نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا ہوا تھا' انہی میدانوں میں اپنے کھانا پکانے کے برتن اور آدھی پکی ہوئی خوراک چھوڑی اور ہتھیار سنبھال کر نقارچیوں اور ڈھنڈورچیوں کے بلاوے پر لبیک کہا۔ سستی کا مظاہرہ کرنے والوں کو بندوقوں کے کندوں سے ٹھوکا مار کر زبردستی کھانے پینے کی اشیاء چھوڑ کر جنگ کے لیے تیار ہونے پر آمادہ کیا گیا۔ چنانچہ انتہائی مختصر وقت میں تقریباً ۴۰،۰۰۰ سپاہی جمع ہو کر دشمن کے خلاف پیش قدمی کرنے کے لیے ہیرا سنگھ کے احکامات کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔

جس وقت ہیرا سنگھ نے اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لیے بدھو کا آوا میں یہ انتظامات کر لیے تو سندھیانوالہ سردار قلعہ بند ہوگئے اور انہوں نے نقارہ بجا کر رنجیت سنگھ کے سب سے چھوٹے بیٹے دلیپ سنگھ کا بطور مہاراجہ اور اجیت سنگھ کا اس کے وزیر کی حیثیت سے اعلان کر دیا۔ انہوں نے سرداروں اور فوج و توپ خانے کے کمانڈروں کو بلا بھیجا اور ان سے اپنی حمایت کے وعدے حاصل کیے لیکن یہ ایک غیردانشمندانہ اقدام تھا۔ اگر وہ فوج کے سامنے آ کر سچے سکھوں اور مہاراجہ کے رشتے داروں کی حیثیت سے اس پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کی کوشش کرتے تو غیر ملکی ڈوگروں کے مقابلے میں فوج کی خیرخواہی حاصل کرنے کے لیے یہ کہیں بہتر موقع ہوتا' لیکن وہ اس میں ناکام رہے تھے۔

ہیرا سنگھ خالصہ فوج (ان میں سب سے نمایاں جنرل ونتورا اور جنرل ایویٹ بائل تھے) اور تقریباً ایک سو زنبوروں کے ساتھ، غروب آفتاب کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد لاہور پہنچا۔ وہ اپنے تمام سرداروں اور امراء کے ہمراہ دہلی دروازہ پہ پہنچا اور "واہ گورو جی کی فتح" کے زبردست نعرہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوا، جس کی بازگشت پورے شہر میں سنائی دی۔ اس کے علاوہ ان کے نقاروں اور وحشی موسیقی کی پرشور آوازوں اور ہجوم کے غل غپاڑہ نے آدھی رات کے وقت شہریوں کو ہراساں اور دہشت زدہ کر دیا۔ حالیہ زیادتیوں اور خانہ جنگیوں سے جن کا صبر و تحمل پہلے ہی ختم ہوچکا تھا اور ان کے حوصلے پست ہوچکے تھے۔ ایک مرتبہ پھر قلعے کو گھیرے میں لے کر اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ گزشتہ مواقعوں کی طرح اس کی کمزور اور شکستہ دیواروں پر زبردست گولہ باری شروع کر دی گئی۔ محصورین تقریباً ایک ہزار یا بارہ سو مسلح جوانوں پر مشتمل تھے لیکن انہوں نے گزشتہ تین سال پیشتر محاصرہ میں ڈوگروں کی طرح اب اتنی بہتر قیادت نہیں کی اور وہ پہاڑی سپاہیوں کے مقابلے میں سپاہیوں اور نشانہ بازوں کی حیثیت سے بہت کم تر تھے۔ دونوں جانب سے ساری رات گولہ باری جاری رہی، لیکن محصورین کے مقابلہ میں حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی، لہٰذا وہ موثر طور پر ان کی گولہ باری کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اگلے روز صبح کے وقت تک قلعہ کی دیواروں میں متعدد دراڑیں پیدا ہوگئیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اتنی بڑی نہیں تھی کہ فوج اس میں داخل ہوسکتی۔ اس وقت راجہ ہیرا سنگھ نے توپ خانے کے تمام افسروں کو بلوایا اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ ایک قابل گزر سوراخ کرنے میں کامیاب ہوگئے تو انہیں اچھے خاصے انعام سے نوازا جائے گا۔ اس نے اس بات کی قسم کھا کر ان کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا کہ وہ اس وقت تک نہ کچھ کھائے اور نہ ہی کچھ پیئے گا، جب تک اپنے باپ کے قاتلوں کے بے دھڑ سر اپنے قدموں پر نہیں دیکھ لیتا۔ دریں اثناء مقتول وزیر کی بیوہ اپنی کنیزوں کے ساتھ اپنے متوفی شوہر کی چتا پر چڑھنے کی تیاری کر رہی تھی۔ ہیرا سنگھ نے مکاری سے اپنی سوتیلی ماں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس وقت تک اس ہولناک رسم کی ادائیگی کو ملتوی کر دے جب تک وہ اپنے آنجہانی شوہر کے قاتلوں کو سزا ملتے اور ان کے سر جسموں سے جدا ہوتے نہیں دیکھ لیتی۔ ستی ہونے والی بیوہ اور اس کی کنیزیں سپاہیوں میں انتقام کا جذبہ تیز کرنے کے لیے ان کے سامنے کھڑی ہوگئیں، لہٰذا ان کی افسردگی اور اداس چہروں نے ان کے غیظ و غضب میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ ہیرا سنگھ کے انعامات اور شہر کی لوٹ مار سے سپاہی مالا مال ہوچکے تھے، اس کے علاوہ ان سے وعدہ کیا گیا

کہ جیسے ہی ہیرا سنگھ کے سامنے سندھیانوالہ سرداروں کی لاشیں پیش کریں گے تو انہیں قلعے کی لوٹ مار سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ اس کے نتیجہ میں توپچیوں نے قلعہ کی دیوار میں مطلوبہ سوراخ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لہٰذا مینار کے نزدیک جنوب مغربی زاویے سے اگلی صبح تقریباً ۹ بجے انہوں نے اس میں کامیابی حاصل کر لی۔ سکھوں کی ملازمت میں ایک ہسپانوی کرنل' ایم ہربن سب سے پہلے مسمار دیوار کے مورچوں پر چڑھا۔ چالیس یا پینتالیس ہزار پیادہ اور گھوڑوں سے نیچے اتری ہوئی فوج فوراً انتہائی تیزی کے ساتھ آگے بڑھی اور سوراخ میں داخل ہو کر اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو بہا کر لے گئی۔ راجہ سوچیت سنگھ کا سرکردہ مشیر سیڑھی کے ذریعے شکستہ دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ اس نے اپنے زیرِ قیادت فوجی دستہ کے داخلہ کی راہ ہموار کر دی۔ قلیل حفاظتی فوج نے زبردست مزاحمت کی مگر محاصرین کی برتر تعداد نے انہیں دبا لیا اور تقریباً ختم کر کے رکھ دیا۔ لہٰذا ایک گھنٹہ کے اندر مزاحمت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اجیت سنگھ سندھیانوالہ اور اس کا بااعتماد نمائندہ مہر گھسیٹا' رسے کے ذریعے دیوار کے اوپر سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے' لیکن ایک مسلمان سپاہی نے انہیں دیکھ لیا اور ان کا تعاقب کیا۔ اجیت سنگھ نے سخت دباؤ کی حالت میں' اپنے ہاتھ سے طلائی کنگن اتار کر اس شخص کے آگے پھینکتے ہوئے اسے ترغیب دی کہ اگر وہ اس کی جان بخشی کر دے تو اسے اور بھی زیادہ نوازا جائے گا۔ لیکن اسے اور اس کے ساتھی کو فوراً قتل کر دیا گیا' لہٰذا مسلمان سپاہی نے اجیت سنگھ کا سر کاٹا اور تیزی سے ہیرا سنگھ کی طرف روانہ ہوا' اس نے یہ سرِ فتح کی نشانی کے طور پر اسے پیش کیا' سپاہی کو انتہائی فیاضی سے انعام و اکرام سے نوازا گیا۔

محاصرہ اور حملہ کے دوران کارہائے نمایاں سرانجام دینے والوں کو قیمتی تحائف اور جاگیریں عطا کی گئیں' جبکہ عام سپاہیوں کی جیبیں تحائف کے طور پر اور مالِ غنیمت کی صورت میں سونے اور چاندی سے بھر گئیں۔ فوج نے اب قلعہ میں بلا امتیاز لوٹ مار مچا دی۔ رانی چند کور کے مکان کو لوٹ لیا گیا اور وسیع مقدار میں ملبوسات' شالیں اور جواہرات چرا لیے گئے۔ شاہی توشہ خانہ کو بھی لوٹ لیا گیا اور جو چیز ملی اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ لاہور کے شہریوں سے زبردست زیادتیاں کی گئیں۔ سوداگروں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے اپنی دکانیں چھوڑ دیں۔ شہریوں نے اپنی قیمتی اشیاء زمین میں دفن کر دیں' لہٰذا غضبناک سکھوں نے ہر بے یارومددگار چیز کو لوٹ لیا۔ گلیوں میں عام عورتوں کے ناک کاٹ دیے گئے اور جس نے ذرا بھی مزاحمت کی اسے فوراً ہلاک کر دیا گیا۔

کچھ عرصہ تک جاری رہنے والی لوٹ مار کو راجہ ہیرا سنگھ کے حکم سے روک دیا گیا۔
وہ اجیت سنگھ کا سر اپنی سوتیلی ماں کے پاس لایا اور اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ اسے تھام کر رانی نے بلند آواز سے کہا: "اب مجھے ذہنی سکون مل گیا ہے' اب چتا تیار کی جائے اور میں اگلے جہاں کی طرف اپنے مالک کے سفر میں اس کے ساتھ جاؤں گی"۔ نوجوان ہیرا سنگھ سے مخاطب ہوتے ہوئے اس نے کہا: "جب میں تمہارے باپ سے ملوں گی تو میں کہوں گی کہ تم نے بہادر اور فرض شناس بیٹے کا فرض ادا کر دیا ہے"۔ چتا بالکل تیار تھی۔ اس نے بڑے تحمل اور مکمل اطمینان سے بات کی۔ پاس کھڑے ہوئے لوگوں میں اپنی قیمتی اشیاء اور جواہرات خیرات کے طور پر بانٹ دیے اور اپنے امور کے بارے میں احکامات دیے۔ سب سے آخر میں اس نے ہیرا سنگھ کی دستار میں اپنے آنجہانی شوہر کی کلغی لگائی' اس کے بعد وہ اپنی کنیزوں کے ہمراہ خاموشی سے اور خوشی کے ساتھ چتا کی طرف جانے والی مہلک سیڑھی پر چڑھ گئی۔ تیرہ کنیزیں اپنی مالکن کے اردگرد بیٹھ گئیں۔ اب اس خاتون نے مسکراتے ہوئے اور خوشی کے ساتھ آخری رخصت چاہی اور ایک بلند اور شاندار آواز میں مشعل سے آگ لگانے کا حکم دیا۔ اس کے حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ آنکھ جھپکنے کی دیر میں پوری چتا شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں ناقابل شناخت راکھ کے ڈھیروں کے سوا کچھ بھی باقی نہ بچا۔

اس موقع پر ایک دلچسپ اور وفاداری کا ایک رقت انگیز واقعہ رونما ہوا۔ رانی کی ایک دس سالہ نوخیز کنیز اور پہاڑوں کی باسی کو بشمول رانی' سبھی نے چتا پر بلیدان دینے کے لیے بہت چھوٹا قرار دیا' لہٰذا اس کی مالکہ نے اسے اپنے سوتیلے بیٹے ہیرا سنگھ کی تحویل میں دے کر اسے سختی سے نصیحت کی کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرے۔ لیکن اس لڑکی نے اپنی مالکہ کے ساتھ شعلوں کی نذر ہونے کے لیے ضد کی۔ وہ تین مرتبہ چتا پر گری اور اتنی ہی مرتبہ اسے زبردستی واپس لایا گیا۔ آخرکار اس نے اپنی عمر اور صنف کے حوصلہ اور جوش و خروش سے کام لیتے ہوئے باآواز بلند راجہ کی لاش سے احتجاج کیا (جو چتا پر پڑی ہوئی تھی) کہ اگر اسے اپنی مالکہ کے ساتھ اب اپنی جان قربان کرنے کا موقع نہ دیا گیا تو وہ اس کے فوراً بعد کسی اور طریقے سے اپنی جان ختم کرے گی۔ رانی نے جب دیکھا کہ اس ننھی لڑکی نے اس کے ساتھ خود کو قربان کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے' تو اس نے اسے اپنے پاس بلوا لیا۔ اس پر لڑکی خوشی خوشی چتا پر چڑھ گئی اور اپنی مالکہ کے قدموں میں بیٹھ گئی' جس نے اپنے خاوند کا سر گود میں رکھے ہوئے اب آنکھیں بند کر لی تھیں۔

ہیرا سنگھ کے حکم کے تحت لوٹ مار بند کرنے اور لڑائی کے بعد سندھیانوالہ سردار لہنہ سنگھ کی تلاش شروع کر دی گئی' کیونکہ اس کی لاش مقتولین میں نہیں ملی تھی اور وہ غائب ہوگیا تھا۔ قلعہ کے ہر کونے کھدرے اور اس کے اردگرد کا معائنہ کیا گیا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ آخرکار ایک سپاہی نے ایک مشعل کی مدد سے زیرزمین ایک نالی میں جھانک کر دیکھا تو اس نے سردار کو اپنے وفادار راہ سنگھ کے ساتھ ایک تاریک کوٹھڑی میں چھپا ہوا پایا۔ راہ سنگھ تقریباً پچاس برس کا ایک مضبوط اور توانا شخص تھا۔ دیکھا گیا کہ سردار کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور اس کا بہادر خدمتگار ہاتھ میں ننگی تلوار لیے کوٹھڑی کے دروازے پر کھڑا اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ غضبناک سپاہی اس شخص پر ٹوٹ پڑے لیکن گرنے سے پہلے اس نے تیرہ آدمیوں کو کاٹ کے رکھ دیا اور کچھ دیر بعد زخموں سے چور ہو کر گرا اور مر گیا۔ اس نے مرتے وقت درخواست کی کہ اس کے آقا کو کچھ نہ کہا جائے' لہٰذا سکھوں نے اس کی بہادری کی قدر کرتے ہوئے لہنہ سنگھ کو زندہ پکڑنے کا فیصلہ کیا' لیکن ان میں سے ایک شخص نے یہ کہتے ہوئے سردار کو موقع پر گولی مار کر ہلاک کر دیا: "کیا ہم ۱۰،۰۰۰ روپے کھو رہے ہیں؟" فوری طور پر سردار کا سر تن سے جدا کر دیا گیا اور اسے راجہ ہیرا سنگھ کے پاس لے گئے۔ اس نے سپاہیوں کو وعدہ کے مطابق انعامات سے نوازا۔ لہنہ سنگھ کا قتل' دن کا آخری واقعہ تھا' اس کے اختتام پر فاتح سپاہی اپنے حجروں کی طرف لوٹ گئے۔(۷) جب قلعے پر مکمل طور پر ہیرا سنگھ کا قبضہ ہوگیا تو وہ سب سے پہلے نوجوان مہاراجہ دلیپ سنگھ کے پاس گیا اور اطاعت کے طور پر اس کے قدموں کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد وہ حضوری باغ کی طرف گیا اور سنگ مرمر کی بارہ دری میں بیٹھ کر حکم دیا کہ سندھیانوالوں کے تمام دوستوں اور عزیز رشتہ داروں کو (جو اس وقت دارالحکومت میں موجود تھے اور انہوں نے حال ہی میں بند ہونے والی لڑائی میں اس کے خلاف حصہ لیا تھا) اس کے پاس حاضر کیا جائے۔ اس نوجوان منتظم نے ان سب کو اپنی موجودگی میں یکے بعد دیگرے انتہائی بے دردی سے قتل کرا دیا یا گولی مروا دی۔ ان میں عظیم مہاراجہ کا کرنجتی بھائی گورکھ سنگھ اور خزانچی مصر بیلی رام بھی شامل تھے۔ موخرالذکر نے آنجہانی وزیر کے قتل کے لیے اکسایا تھا اور اس کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا تھا کہ اس نے اپنے آقا کی موت پر چشم پوشی سے کام لیا تھا۔ جبکہ بھائی گورکھ سنگھ نے ہمیشہ ڈوگرہ خاندان کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کی تھی' حالانکہ اسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بہت زیادہ حمایت حاصل تھی۔(۸) ایک سندھیانوالہ نے خود کو ایک نالی میں چھپا لیا تھا اسے باہر نکال کر اس کا پیٹ چاک کر دیا گیا۔ اجیت سنگھ اور لہنہ سنگھ کی

لاشوں کو شہر میں گھسیٹا گیا اور بعد ازیں ان کی قطع و برید کر کے عوام الناس کی نمائش کے لیے انہیں دروازوں پر لٹکا دیا گیا۔ راجہ سنسی اور ہر جگہ' سندھیانوالوں کی املاک اور جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور ان کے مکانات مسمار کر دیے گئے۔ عطر سنگھ جو اپنے بھائی اور بھتیجے کی مدد کے لیے آ رہا تھا اس نے ان کی شکست اور موت کے بارے میں سنا تو انتہائی تیزی سے پیچھے ہٹا اور ایک مشہور سکھ مہنت' بابا بیر سنگھ کے پاس پناہ حاصل کر لی۔ ہیرا سنگھ کے آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا' مگر عطر سنگھ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ اپنے تمام ساتھیوں کے سمیت ستلج کو پار کر گیا۔ اب جملہ سندھیانوالوں کو موت' جائیداد کی ضبطی یا جلاوطنی کی صورت میں سزا دی گئی۔ ہیرا سنگھ نے صرف واحد سندھیانوالہ سردار شمشیر سنگھ کی جاں بخشی کی' جس کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ کا دشمن تھا۔ سب کچھ ہونے کے بعد تمام سپاہی قلعہ میں جمع ہوئے تو ہیرا سنگھ نے بطور بخشش تحریری طور پر ایک ماہ کی تنخواہ کا اقرار نامہ تیار کرایا اور مستقل طور پر تنخواہ میں اضافے کی یقین دہانی کرائی۔

چوتھے روز تمام فوجی افسروں کا اجلاس بلایا گیا جس میں ہر کمپنی کے پنچ بھی موجود تھے۔ یہ اجلاس حضوری باغ میں بلایا گیا اور اس میں حکومت کے جملہ سردار شریک ہوئے۔ انتظامی اور عسکری افسروں کے اس اجلاس میں عوام کے نعروں میں دلیپ سنگھ کو مہاراجہ پنجاب اور ہیرا سنگھ کو اس کے وزیر کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا اور اس کا سرعام اعلان کر دیا گیا۔ ہیرا سنگھ نے منافقت سے کام لیتے ہوئے وزیر کے منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے لیے یہ وجہ بتائی کہ حکومت میں اس کے بہت سے دشمن ہیں جو اس سے اور اس کے خاندان سے نفرت کرتے ہیں لہٰذا اس بات کا امکان ہے کہ وہ اس کے منصوبوں کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے' لیکن فوج نے اسے یقین دہانی کرا دی کہ جو شخص اس کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھے گا اسے سرکار کا براہ راست دشمن سمجھا جائے گا اور فوری طور پر سزا دی جائے گی۔ لہٰذا اپنے خلوص کے ثبوت کے طور پر سرداروں اور پنچوں نے ان مخصوص افسروں اور افراد کے قتل یا گرفتاری کا مشورہ دیا' جن کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ سندھیانوالوں کی جماعت کے آدمی ہیں۔ بظاہر ان کے ارادے کی ایمانداری سے مطمئن ہو کر ہیرا سنگھ نے بادل نخواستہ وزیر کا منصب قبول کر لیا۔

اس وقت فوج کو مکمل اختیار حاصل ہو گیا۔ وہ بادشاہ بنا سکتی تھی اور بادشاہ کو ہٹا سکتی تھی۔ فوج کی بے انتہا خواہشات اس حد تک تجاوز کر چکی تھیں کہ وہ جس چیز کی خواہش

کرتی اسے اس سے روکا نہیں جا سکتا تھا۔ سپاہیوں نے شاہی اصطبل سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بہترین گھوڑے چرا لیے' کوئی بھی ان کی اس غارت گری کے خلاف ایک لفظ بھی ادا کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ بوڑھے بادشاہ کی تمام بگھیوں' ہاتھیوں اور قیمتی ساز و سامان کو ہر طرف بکھیر دیا گیا۔ لہٰذا عظیم مہاراجہ نے' جنہیں جمع کرنے کے لیے سالہا سال تک کٹھن مصیبت اور مشکلات اٹھائی تھیں' اب انہیں خالصہ فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ شیر سنگھ کی موت کے بعد صرف چند ہفتوں کے اندر خزانہ سے خفیہ طور پر ۳۵ اور ۴۰ لاکھ روپے کے درمیان رقم حاصل کی گئی۔ لہٰذا مثبت طور پر اس بات کا اظہار کیا گیا کہ اس کے علاوہ فوج کو جو دیگر قیمتی اشیاء دی گئی ہیں وہ اس کا آٹھواں حصہ بھی نہیں جو ہیرا سنگھ نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ شیر سنگھ کے تخت نشین ہونے سے قبل گلاب سنگھ بے بہا دولت اپنے ساتھ پہاڑی گھپاؤں کی طرف لے گیا تھا۔۔۔۔۔۔

دلیپ سنگھ

ستمبر ۱۸۴۳ء میں دلیپ سنگھ کا بطور مہاراجہ پنجاب اعلان کر دیا گیا اور ہیرا سنگھ کو وزیر کے اعلیٰ مگر مہلک منصب پر فائز کیا گیا۔ ہیرا سنگھ عظیم مہاراجہ کی زیر نگرانی پروان چڑھا تھا اور اس دور کے مطابق مناسب صلاحیتوں اور عزائم کا حامل تھا۔ اس نے بہترین تعلیم حاصل کی تھی اور وہ خوب اچھی طرح لکھنے اور پڑھنے کے قابل تھا۔ ایک آنکھ والے بادشاہ کے مکتبہ فکر میں تعلیم حاصل کرنے اور مستقل طور پر اس کے پاس حاضر رہنے کے باعث اس نے غور و خوض اور بصیرت کے متعلق بوڑھے بادشاہ کی عادات حاصل کر لیں' جبکہ منافقت اور مکاری کے معاملہ میں وہ اپنے باپ دھیان سنگھ کے ساتھ مماثلت رکھتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جس فوج میں وہ بے انتہا مقبول ہے اس کے ساتھ اور سرداروں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنا ہے۔ وہ جواہرات پہننے کا بہت زیادہ شوقین تھا اور اپنے والد کے برعکس وضع قطع میں زنانہ اطوار کا حامل تھا جبکہ اس کا باپ دراز قد' توانا اور طاقتور شخص تھا مگر اسے بذلہ سنجی اور ذہانت عطا کی گئی تھی اور اس کی تدابیر دانشمندانہ اور موقع محل کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتی تھیں جب اسے وزیر کے منصب پر فائز کیا گیا تو وہ عنفوان شباب میں تھا (یعنی اس کی عمر ۲۵ برس تھی) کم سن بادشاہ کی عمر آٹھ سال تھی' لہٰذا اس کا ایک نوجوان وزیر تھا۔ وہ اگر سرکاری امور میں پہاڑی علاقہ کے ایک مکار اور متعصب برہمن جلا مصر کے اثر و رسوخ کے تحت خود کو مکمل طور پر نہ دے دیتا تو اس کے

سامنے ایک طویل سیاسی زندگی ہوتی۔ اس شخص کو نوجوان وزیر پہ زبردست اختیار حاصل تھا جو اسے ایک دیوتا سمجھتا تھا' وہ علم نجوم کی خیالی باتوں اور جھوٹی پیش گوئیوں سے اس کا دل بہلائے رکھتا۔ اس کے اور راجہ گلاب سنگھ کے چھوٹے بھائی راجہ سوچیت سنگھ کے درمیان سخت دشمنی پیدا ہوگئی' اس کی ابتداء اس رقابت سے ہوئی جو آنجہانی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں موجود تھی' ان دونوں کا وہاں آزادی سے آنا جانا تھا۔ کم سن مہاراجہ کی والدہ رانی جنداں' راجہ سوچیت سنگھ کی حمایت میں تھی' لہٰذا اس نے اسے ترغیب دی کہ وہ اپنے بھتیجے ہیرا سنگھ کو (جسے کاروبار سلطنت کے معاملہ میں کم عمر اور ناتجربہ کار اور اپنے عہدہ کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں نااہل خیال کیا جاتا تھا) بے دخل کر کے وزارت حاصل کر لے۔ اس صورت حال نے راجہ کو جلا پنڈت سے متصادم کر دیا' اس کو اس بات کا واضح طور پر ادراک ہوگیا کہ اگر اس کے سرپرست ہیرا سنگھ کو اس کے چچا نے اقتدار سے ہٹا دیا تو اس کی اپنی تباہی یقینی ہے۔ سوچیت سنگھ کے اولوالعزم خیالات نے اس کے اور ہیرا سنگھ کے درمیان انتہائی سخت عداوت پیدا کر دی' اس نے اپنی حیثیت کو پرخطر دیکھا تو اسی کے باعث جلا سنگھ کے احساسات میں بھرپور حصہ لیا۔ سوچیت سنگھ کو رانی کی مکمل حمایت کے علاوہ اس کے بڑے بھائی جواہر سنگھ اور چند سرداروں کا التفات بھی حاصل تھا۔ ہیرا سنگھ نے عام سپاہیوں کی تنخواہ میں اڑھائی روپے کا اضافہ کر کے اور ان کی طرف واجب الادا بقایا جات ادا کر کے فوج میں اپنی مقبولیت کو بڑھا لیا تھا' اس نے ان سے دوسری عنایات کے وعدے بھی کیے اور انتہائی فیاضی سے انہیں نوازا۔ اس موقع پر اس نے اپنے چچا گلاب سنگھ کی طرف پیغام بھیج کر اسے دارالحکومت میں آنے کی درخواست کی۔

گلاب سنگھ کی لاہور آمد

گلاب سنگھ ۱۰ نومبر کو لاہور پہنچا اور اس کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ اس کے اثر و رسوخ سے لنہ سنگھ مجیٹھیہ (جس کے متعلق پہلے ہیرا سنگھ نے اس شک کا اظہار کیا تھا کہ اس نے اس کے خلاف سازش کی ہے) کی ہیرا سنگھ سے مفاہمت ہوگئی۔ تاہم بوڑھے عیار سردار نے اپنی تدابیر میں احتیاط سے کام لیا' جب تک اس کی خودمختاری کو تسلیم کیا جاتا تھا' اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ وزیر کا عہدہ اس کے بھائی یا بھتیجے دونوں میں سے کسی کے پاس رہے۔ اسی اثناء میں سوچیت سنگھ ان اعزازات کے لیے بے چین ہوگیا جن کا وعدہ رانی جنداں نے اس سے کیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھتیجے کی حکومت پر اچانک ضرب

لگانے کے لیے دلیپ سنگھ کے ماموں جواہر سنگھ سے سازباز کرلی۔ خالصہ فوج کے معائنے کے موقع پر جواہر سنگھ کو ہاتھی پر کم سن مہاراجہ کو بازوؤں میں لے کر بیٹھنے اور فوج سے وزیر اور اس کی جماعت کی طرف نوجوان مہاراجہ اور اس کی والدہ کے ساتھ ناروا سلوک کی شکایت کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ اس نے فوج کو دھمکی دی کہ اگر فوری طور پر اس کی شکایت کا ازالہ نہ کیا گیا تو وہ اپنے بھانجے کے ہمراہ دریائے ستلج کے پار انگریزوں کے پاس پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ یہ راستہ اس امید پر اختیار کیا گیا تھا کہ خالصہ فوج کم سن مہاراجہ پر ترس کھائے گی اور متفقہ طور پر سوچیت سنگھ یا جواہر سنگھ کو مستقبل کے لیے وزیر منتخب کر لے گی' چونکہ یہ اہتمام رات گئے کیا گیا تھا اور معائنہ کے لیے غیر معمولی وقت تھا' اس وجہ سے فوج کو دال میں کچھ کالا نظر آیا۔ انگریزوں کی پناہ کا تصور ان کے سراسر منافی تھا۔ انہیں سوچ بچار کے لیے وقت کی ضرورت تھی چنانچہ جواہر سنگھ اور اس کے کم سن بھانجے کو رات تک کے لیے ایک مضبوط حفاظتی دستے کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ اس وقت خالصہ فوج جلا کے سر ایک برہمن مصر جودھا رام کی زیر کمان تھی اور اس نے جواہر سنگھ کے منہ پر تھپڑ مار کر اسے ذلیل کر دیا تھا۔ چنانچہ اگر جواہر سنگھ کو وزیر کے عہدہ پر فائز کر دیا جاتا تو اس کی ناک کٹ جاتی۔ رات کے دوران پنچوں کا ایک اجلاس بلایا گیا اور ان کے بحث مباحثے کے نتیجہ میں جواہر سنگھ اور سوچیت سنگھ کو سرکار کے غدار قرار دیا گیا' کیونکہ اس بات کا خیال کیا گیا کہ ان کا اصل مقصد کم سن مہاراجہ کو انگریزوں کی پناہ میں دینا اور اس حکومت کو اس ملک پر قبضہ کرنے کی دعوت دینا ہے۔ وزیراعظم ہیرا سنگھ (جس کے جاسوس ساری رات اپنے کام میں مصروف رہے تھے) کو خالصہ فوج کے اختیار کردہ طرز عمل سے آگاہ کیا گیا' چنانچہ اس کو اس کی مکمل پسندیدگی حاصل ہوئی۔ شہر میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ جواہر سنگھ نے کم سن مہاراجہ کو فیروزپور لے جا کر حکومت برطانیہ کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ دوسرے روز علی الصبح وزیر گھوڑے پہ بیٹھ کر باہر گیا اور دونوں مفروروں کو واپس شہر لے آیا۔ جس وقت کم سن مہاراجہ شہر میں داخل ہوا تو اس موقع پر ۱۰۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ نیز اسے دوبارہ اس کی والدہ کے حوالے کر دیا گیا' جس سے اس کی خوشی اور اطمینان کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ جواہر سنگھ کو قید سخت میں بند کر کے' بیڑیاں پہنا کر شہر میں مہاراجہ کھڑک سنگھ کی حویلی میں ڈال دیا گیا۔ کم سن مہاراجہ کا ماموں ہونے کے باعث فوج کی درخواست پر جواہر سنگھ کی جان بخشی کر دی گئی۔ اس وقت سے سوچیت سنگھ کو سرکار کا دشمن سمجھا جانے لگا اور اس پر انگریزوں کی حمایت کے سلسلہ

میں زبردست شک کیا جانے لگا۔ تاہم اس کی طاقت اور اثر و رسوخ کا خوف اور دارالحکومت میں اس کے بڑے بھائی گلاب سنگھ کی موجودگی' اسے کسی قسم کے نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے کافی تھی۔ وزیر کے احکامات کے تحت راجہ سوچیت سنگھ کی ملازمت کے تحت پیادہ فوج کے دو دستوں (جو قلعہ میں موجود تھے) اور وہاں ٹھہرے ہوئے راجہ کے تمام آدمیوں اور منحصرین کو فوری طور پر بے دخل' غیر مسلح اور دوسرے لفظوں میں بے عزت کر دیا گیا۔ وزیر کی خصوصی اجازت کے بغیر قلعہ میں راجہ سوچیت سنگھ اور اس کے آدمیوں کے داخلے کو روکنے کے سلسلہ میں بھی احکامات جاری کیے گئے۔ پس راجہ کا قہراب رسوائی کی صورت میں اس کے بھتیجے کے ہاتھوں اس پر مسلط ہوگیا تھا جس کی کوئی انتہا نہیں تھی' لیکن وہ فوج پر وزیر کے اختیار اور اثر و رسوخ سے اچھی طرح واقف ہوگیا' تو اس نے جھوٹ موٹ رضامندی کا اظہار کر دیا۔ دریں اثناء گلاب سنگھ نے جب دیکھا کہ دشمن چچا اور بھتیجے کے درمیان کوئی دوستانہ تصفیہ ہونا ناممکن ہے تو اس نے اپنے بھائی سوچیت سنگھ کو اپنے ساتھ لے کر منظرعام سے ہٹ جانا بہتر خیال کیا۔ جانے سے پیشتر اس نے وہ تمام قیمتی اشیاء جو ہیرا سنگھ نے اپنے لیے جمع کی تھیں اور اپنے آنجہانی بھائی دھیان سنگھ کے تمام مال و اسباب کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ پس قیمتی اشیاء اور کثیر مال و دولت سے لدے ہوئے وہ راجہ سوچیت سنگھ اور اپنے ۲۰۰۰ سپاہیوں کے ہمراہ جموں کے لیے روانہ ہوگیا۔ اپنے علاقہ میں پہنچنے پر اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ سوچیت سنگھ (جو لاولد تھا) کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس کے چاروں بیٹوں میں سے کسی کو اپنے قانونی وارث اور نمائندہ کے طور پر منتخب کر لے' چنانچہ سوچیت سنگھ بخوشی اس تجویز پر رضامند ہوگیا تو راجہ گلاب سنگھ کے سب سے چھوٹے بیٹے رام بھیر سنگھ المعروف میاں پینو کے بارے میں راجہ سوچیت سنگھ کے متبنی بیٹے اور وارث کے طور پر سرعام اعلان کر دیا گیا۔ لہٰذا مکار بوڑھے گلاب سنگھ نے اپنے بے اولاد بھائی سوچیت سنگھ کی بے انتہا دولت اپنے لیے حاصل کر لی۔

غالباً اسی وقت جلا پنڈت نے آنجہانی مہاراجہ شیر سنگھ کی بیوہ سے رابطہ قائم کیا' لہٰذا کم سن مہاراجہ کو زہر دے کر بیوہ کے بیٹے کو تخت پر بٹھانے کی سازش تیار کر لی گئی۔ تاہم رانی جنداں کو بروقت اس کی اطلاع دے دی گئی تو ممکنہ تباہی کو شروع ہی سے دبا دیا گیا۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آنجہانی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دو متبنی بیٹے کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ تھے۔ وراثت کے طور پر کشمیرا سنگھ کو مہاراجہ سے سیالکوٹ اور پشورا سنگھ کو

گوجرانوالہ ملا تھا۔ پنجاب میں چند ایسے اشخاص تھے جو لاہور کے تخت کی جانشینی کے لیے رنجیت سنگھ کے دونوں متبنی بیٹوں کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ سے زیادہ کم سن دلیپ سنگھ کے دعویٰ کو برتر خیال کرتے تھے' لہٰذا وزیر ہیرا سنگھ نے خیال کیا کہ جب تک دونوں بھائی الگ تھلگ ہو کر برسراقتدار ہیں اس وقت تک اس کی حیثیت غیر محفوظ ہے۔ چنانچہ انہیں مشکلات میں گرفتار کرنے کے لیے بہانے تراشے گئے' ان پر الزام لگایا گیا کہ سابقہ بادشاہ اور اس کے وزیر کو قتل کرنے کے لیے انہوں نے سندھیانوالہ بھائیوں کی گزشتہ سازشوں میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ جعلی خطوط تیار کیے گئے جن کے بارے میں ظاہر کیا گیا تھا کہ انہیں کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ نے لکھا تھا' اس کے باعث انہیں گزشتہ خونریزی میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کشمیرا سنگھ کے ایک پرانے نوکر کپور سنگھ (جس کے پاس سیالکوٹ میں کاردار کا منصب تھا) نے متعدد انکشافات کیے۔ اس آدمی نے زیادہ تر وزیر کے اکسانے پر اپنے آقا کے خلاف اس قسم کا مخالف رویہ اختیار کیا تھا لیکن خالصہ فوج' بوڑھے مہاراجہ کے متبنی بیٹوں کو رسوا کرنے کے خلاف تھی۔ راجہ گلاب سنگھ نے دربار سے ملنے والے احکامات کی تعمیل میں انہیں قید کر لیا اور ان کی تمام قیمتی اشیاء کو ضبط کر لیا۔ ان پر ۵۰ لاکھ روپے کا جرمانہ عائد کیا گیا اور ان کی جاگیروں کو ضبط کر لیا گیا۔ صرف ۲۰٬۰۰۰ روپے حاصل کیے جا سکے' لہٰذا حالات کے تحت اسے کافی سمجھا گیا اور ان کی جاگیریں بحال کر دی گئیں۔ اس شرط پر انہیں معافی دی گئی کہ وہ کاردار کپور سنگھ کو کچھ نہیں کہیں گے' جو ان کی مصیبتوں کا باعث بن گیا تھا۔ تاہم اپنی رہائی کے فوراً بعد شہزادوں کو اپنے بے وفا اور بے ایمان نوکر کے برتاؤ میں نقص تلاش کرنے کا بہانہ مل گیا' لہٰذا اسے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس چیز نے کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ کے خلاف وزیر کے شیطانی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے لاہور کے دربار کو نیا موقع فراہم کر دیا' کیونکہ اس وقت تک ان بھائیوں نے سیالکوٹ میں اپنی حیثیت کو بہت زیادہ مستحکم کر لیا تھا۔ مزید براں اس میں پشاور سے آنے والے چند باغی سپاہی بھی شامل ہوگئے تھے۔ یہ ضروری خیال کیا گیا کہ انہیں ہتھیاروں کے زور پر تسخیر کیا جائے۔

راجہ گلاب سنگھ کو دربار کی طرف سے حکم دیا گیا کہ وہ ان کے علاقہ پر حملہ کر کے انہیں سرکاری قیدی بنا کر لاہور لائے۔ ان بھائیوں نے زبردست مزاحمت کی اور اپنی قیادت میں ایک مختصر فوج کے ساتھ جموں کے راجہ کی فوج کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ (جس کی قیادت وہ خود کر رہا تھا) گلاب سنگھ نے لاہور سے کمک کی درخواست کی لیکن خالصہ فوج

نے حسب معمول عظیم مہاراجہ کے متبنی بیٹوں کے خلاف کارروائی کرنے یا ان کی تباہی کا ذریعہ بننے سے انکار کر دیا۔ اس شرط پر صرف دو مسلمان دستوں اور چند ڈوگرہ سپاہیوں کو سیالکوٹ روانہ کیا گیا کہ وہ بھائیوں کو ذاتی طور پر کوئی گزند نہ پہنچائیں گے لیکن یہ فوج خالصہ فوج سے آویزش کے خطرہ کے پیش نظر سیالکوٹ میں اس کی آمد پر بالکل بے حس و حرکت رہی' لہٰذا دوبارہ تازہ کمک کا مطالبہ کیا گیا۔ اس موقع پر دھیان سنگھ سے متعلقہ دو دستوں کی ساتھ ۵۰۰ سواروں اور چھ زنبوروں کو کمک کے طور پر لاہور سے روانہ کیا گیا۔ موسلا دھار بارش کے دوران کارروائیوں کا آغاز کیا گیا اور شہر و قلعہ دونوں کا تنگ محاصرہ کر لیا گیا۔ ان بھائیوں نے زبردست مزاحمت کی مگر غروب آفتاب سے قبل شہر پر راجہ گلاب سنگھ کا قبضہ ہوگیا۔ تاہم ابھی قلعہ پر قبضہ کرنا باقی تھا' لہٰذا ساری رات اور اگلے روز دوپہر تک زبردست گولہ باری کی گئی تو محصور بھائیوں نے برتر تعداد کے سامنے اپنی شکست تسلیم کر لی اور اس شرط پر قلعہ کو محاصرین کے حوالے کرنے کی اجازت دی کہ انہیں اپنے خاندان اور مال و زر سمیت بغیر تنگ کیے جانے دیا جائے۔ اس پر اتفاق رائے ہوگیا تو دونوں بھائیوں نے رات کا اندھیرا ہونے پر قلعہ خالی کر دیا اور دریائے راوی اور ستلج کے درمیان واقع علاقہ مانجھا کی طرف چلے گئے' جہاں وہ سخت حالات کے تحت آوارہ گردی کرتے رہے۔

اب جبکہ سیالکوٹ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے متبنی بیٹوں کے متعلق ہیرا سنگھ کے منصوبوں کو مکمل کامیابی ہوئی تھی لیکن دارالحکومت میں وزیر کو غضبناک خالصہ فوج کے ہاتھوں رسوائی اور ہر قسم کی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سکھ قوم اس شخص کے متبنی بیٹوں کا زبردست احترام کرتی تھی' جس کا ہر جگہ احترام و عزت کی جاتی تھی اور یہ کہ عظیم خالصہ فوج شروع ہی سے آنجہانی مہاراجہ کے متبنی بیٹوں کے خلاف جنگ کرنے کی مخالف تھی۔ دو مختلف مواقعوں پر کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ کے خلاف ایک فوجی دستے کی پیش قدمی خالصہ فوج کی مرضی کے یکسر خلاف تھی۔ جب سے دوسرا فوجی دستہ لاہور سے روانہ ہوا تھا' اس نے ہر ممکنہ طریقے سے وزیر کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ انہیں خدشہ تھا کہ لاہور سے جانے والی فوج نہ صرف سیالکوٹ کے شہر اور قلعہ کو تسخیر کر لے گی بلکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ بوڑھے مہاراجہ کے نامور بیٹوں کو بھی جان سے مار ڈالے گی۔ اس بات سے لاہور میں زبردست افراتفری پیدا ہوگئی اور فوجیوں نے اس قدر زبردست ہوشیاری سے ہیرا سنگھ کی نقل و حرکت کی نگرانی کی کہ اسے تین یا چار روز تک

شہر میں واقع اس کے والد کی نجی رہائش گاہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی گئی' دراصل اسے وہاں قیدی بنا لیا گیا تھا۔ وزیر کو اس وقت تک رہا نہیں کیا گیا جب تک خالصہ فوجیوں کو اس بات کی یقین دہانی نہیں کرا دی گئی کہ دونوں شہزادوں کی جانیں اور مال اسباب محفوظ ہیں اور بدذات جلا پنڈت کو آئندہ سرکاری معاملات میں حصہ نہیں لینے دیا جائے گا۔ کفارہ کے طور پر وزیر نے ایک اور شرط پیش کی یعنی رانی جنداں کے بھائی جواہر سنگھ کو رہا کر دیا جائے۔ اسے فوری طور پر منظور کر لیا گیا۔ راجہ سوچیت سنگھ' جسے اس کے بھتیجے ہیرا سنگھ نے جواہر سنگھ اور خالصہ فوج کے معاملہ میں شکست دی تھی (جس کی وجہ سے راجہ کو جموں کے پہاڑوں کی طرف جانا پڑا) ابھی تک وزارت کی خواہش رکھتا تھا۔ اسے نوجوان رانی جنداں کی حمایت پر زبردست بھروسہ تھا کیونکہ وہ اس کا منظور نظر تھا۔ اس نے انتہائی دلچسپی سے دربار کے معاملات اور عام طور پر پنجاب کی سیاست پر دھیان دیا اور اس کے جاسوس مستقل طور پر لاہور میں اپنے کام میں مصروف تھے۔ دریں اثناء ہیرا سنگھ کی مشکلات میں بہت اضافہ ہوگیا۔ دارالحکومت کے دل میں طویل خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں' فوجیوں کو ترتیب میں رکھنے کے لیے غیر معمولی خرچ اٹھنے لگا اور دیگر بھاری متفرق اخراجات کی وجہ سے نہ صرف سرکاری خزانہ خالی ہوگیا بلکہ سلطنت کے وسائل بھی ختم ہوگئے۔ ملک میں پھیلنے والی طویل طوائف الملوکی اور افراتفری کے دوران' کوئی آمدنی حاصل نہیں کی جا سکتی تھی' لہٰذا پورا ملک تباہ ہو کر رہ گیا۔

اس اثناء میں راجہ دھیان سنگھ کا بااعتماد اور قریبی ساتھی ایک ٹوانہ سردار فتح خاں (جس پر اپنے آقا کو خفیہ طریقے سے قتل کرانے کا شبہ تھا) اور جس وقت اجیت سنگھ نے راجہ کو ایک جانب رکھا ہوا تھا' سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت اپنے آبائی صوبے ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی طرف فرار ہوگیا اور وہاں بغاوت کھڑی کر دی۔ ناظم ملتان دیوان ساون مل کا بیٹا' جس کے ذمے دربار کی آمدنی کے بہت زیادہ واجبات تھے' دشمن ہوگیا اور اس نے ٹوانہ سردار کی حمایت بھی کی' اس سے دربار میں زبردست تشویش پیدا ہوگئی۔ اس طرح پشاور کے معاملات بھی غیر تسلی بخش تھے۔ چند سپاہی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کر رہے تھے چونکہ وہاں انہیں دینے کے لیے کوئی نہیں تھا' اس لیے انہوں نے بغاوت کر دی اور سیالکوٹ میں باغی شہزادوں سے مل گئے۔ دربار میں روپے پیسے کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ وزیر نے اپنے دست راست جلا پنڈت کو مالی حسابات کی جانچ پڑتال کرنے اور ناظموں' کارداروں' جاگیرداروں' پٹے داروں وغیرہ وغیرہ کی جانب سے واجب الادا رقم کا

پتہ لگانے کے لیے مقرر کیا۔ حسابات کا جائزہ لیا گیا تو امراء اور دیگر افراد (جن میں راجہ گلاب سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ بھی شامل تھے) کی جانب بڑی بڑی رقمیں واجب الادا پائی گئیں۔ لاہور کے نزدیک رہنے والوں کو روپیہ فراہم کرنے کے لیے مجبور کیا گیا' لہٰذا اس وزیر اور اس کے منظور نظر جلا کی نامقبولیت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ مالی محرکات کے باعث جلا پنڈت کے احکامات کے تحت سرکاری ملازمت میں شامل' تمام یورپی باشندوں کو معطل کر دیا گیا۔ دریں اثناء کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ کی بغاوت کے سلسلہ میں خالصہ' ہیرا سنگھ کے ساتھ صبر و تحمل کا دامن کھو چکی تھی' لہٰذا چند دستوں کو حتمی طور پر اس کی طرف سے روانہ کیے جانے سے قبل (جن کے ساتھ راجہ سوچیت سنگھ کے جاسوس مصروف عمل تھے) اسے لاہور آنے کی دعوت دی گئی اور اس کے بھتیجے کے خلاف مدد کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا۔ اسے لاہور کے چند درباریوں کی طرف سے بھی مدد کی یقین دہانی کرائی گئی۔ چنانچہ راجہ' ۲۶ مارچ ۱۸۴۳ء کو اچانک دریائے راوی کے کنارے شاہدرہ کے مقام پر آ پہنچا اور اس نے ان فوجیوں اور سرداروں کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے پیغام بھیجا۔ لیکن ان دنوں خالصہ فوج کے مزاج اور میلان سے زیادہ مستقل طور پر تبدیل ہونے والی کوئی چیز روئے زمین پر موجود نہیں تھی۔ اب وہ طوفان گزر چکا تھا' جس سے ہیرا سنگھ کے تیار کردہ وسیع و عریض تانے بانے کی تباہی کا خطرہ تھا اور پوری خالصہ فوج نے دوبارہ وزیر کو اپنا مشترکہ رہنما سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ سوچیت سنگھ کو گول مول جواب بھیجا گیا لیکن اس سے قطعی دل برداشتہ نہ ہو کر خونخوار اور بے چین سردار نے اپنی بڑی فوج کو شاہدرہ میں چھوڑ کر تقریباً ۴۰۰ سواروں اور پیادوں اور اپنے مشیر خاص' رائے کیسری سنگھ کے ہمراہ دریا کو پار کیا۔ اس کا خیال تھا کہ فوجیوں کے سامنے اس کی موجودگی سے اسے ان کی ہمدردی حاصل ہو جائے گی۔ فوج میں سواروں اور باقاعدہ پیادہ اور توپ خانے کے درمیان ایک قسم کی عداوت پائی جاتی تھی اور راجہ کا خیال تھا وہ سوار فوج میں مقبول ہے۔ تاہم اس کی توقعات کا ادراک نہیں کیا گیا۔ جن پلٹونوں نے اسے مدعو کیا تھا اسے واپس چلے جانے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے کہا وہ خالصہ کی عام مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ سوچیت سنگھ جو ایک بہادر اور باحوصلہ سپاہی تھا' اس نے واپس نہ جانے بلکہ آخری دم تک ڈٹے رہنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ وہ آدھی رات کے وقت' لاہور کے مضافات میں واقع میاں وڈا کے مقبرہ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں مزار سے ملحقہ ایک پرانی مسجد میں ڈیرا جما لیا اور اپنے ساتھ لائی ہوئی مختصر سی فوج کو مسجد کے اردگرد تعینات کر دیا۔ باقی ماندہ رات' راجہ سوچیت

سنگھ کو گرنتھ میں سے طویل اقتباسات پڑھ کر سنانے میں گزاری گئی۔ اب یہاں یہ بیان کرنا دلچسپ ہوگا کہ شاہدرہ میں سوچیت سنگھ کی آمد کے بعد لاہور میں کیا ہوا۔ ہیرا سنگھ نے دریائے راوی پہ اپنے چچا کی آمد کا سن کر فوج کے پنچوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر اور نہایت عاجزی اور اطاعت کے انداز میں مندرجہ ذیل لہجے میں خطاب کیا:

خالصہ جی! تمہارے پرانے وزیر کا بیٹا اور تمہارے بوڑھے مہاراجہ کا متبنیٰ بیٹا اب سائل بن کر تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اسے بتایئے اس نے کون سا ایسا قصور کیا ہے' جس کی سزا دینے کے لیے اس کے چچا کو مدعو کیا گیا ہے' جو اس کا سب سے بڑا دشمن اور آپ کا بھی بدترین دشمن ہے اور آپ اس سے واقف ہیں کہ وہ فرنگی کا گہرا دوست ہے۔ اگر آپ مجھے مارنا چاہتے ہیں تو یہ تلوار پڑی ہے۔ میں آپ کو مکمل اختیار دیتا ہوں کہ فوراً میرا سر تن سے جدا کر دیجئے۔ میں اپنے لیے یہ فخر کی بات سمجھوں گا کہ میں بہادر خالصہ کے ہاتھوں مرا ہوں۔ لیکن گورو کا واسطہ ہے مجھے شرم کی موت مرنے نہ دیجئے۔ اگر آپ نے میرے چچا کو پہاڑوں سے نہیں بلوایا اور اس کی مدد کرنا نہیں چاہتے تو میری مدد کیجئے اور اچھے و بہادر سپاہیوں کی طرح میرے حق میں لڑیے۔ چنانچہ آپ کو گورو کی عنایات حاصل ہو جائیں گی۔

اس میں انعام کے طور پر ہر سپاہی کے لیے ایک طلائی بکی (چاہے وہ پیادہ ہو یا سوار) اور ہر افسر کے لیے ایک کینٹھہ کا وعدہ بھی شامل ہوگیا۔ یہ خالصہ کے جذبے کو اجاگر کرنے کے لیے کافی تھا۔ انہوں نے وزیر کی اطاعت اور اس کے چچا کی تباہی کے لیے تازہ اطاعت کا حلف اٹھایا۔ اگلے روز ۱۲ یا ۱۵ ہزار پیادہ' ۳ یا ۴ ہزار سوار فوج اور ۵۶ توپوں سے خانقاہ میاں وڈا کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اس وسیع و عریض فوج کا سامنا سوچیت سنگھ کے منتخب تقریباً ۴۵ آدمیوں نے کرنا تھا۔ اس کے باقی ماندہ سپاہی رات گئے بے ایمانی سے اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ خالصہ فوج میاں وڈا کے میدان میں جمع ہو' لاہور میں راجہ سوچیت سنگھ کے دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ ابھی بھی وقت ہے' وہ قریبی پہاڑوں کی طرف فرار ہو جائے لیکن بہادر راجہ ایک لمحہ کے لیے بھی بھاگنے کے خیال کو قریب نہیں لا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اس کو بزدلی خیال کرتا تھا۔ اس نے ہر صورت میں لڑنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ ملحقہ پہاڑوں میں سے سوچیت سنگھ کی افواج کو شامل ہونے سے روکنے کے لیے راوی کے راستے کو کاٹ دیا گیا۔ دن کی روشنی میں مسجد کے اندر مختصر سی جانثار جماعت پر عام حملہ کر دیا گیا اور اس کی دیواروں پہ زبردست گولہ باری شروع کر دی گئی۔ توپوں کی

گھن گرج کے درمیان سوچیت سنگھ اور اس کے جانثار ساتھی مکمل ذہنی اطمینان کے ساتھ مقدس گرنتھ سنتے رہے۔ خانقاہ میں درویشوں کی دنیاوی تربیت کے لیے ایک مدرسہ موجود تھا۔ وہاں (اب بھی) بے آسرا نابینا اشخاص کی بہت بڑی تعداد کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ جس وقت یہ گولہ باری شروع کی گئی' ان میں سے تقریباً ایک سو بے سہارا درویش اور نابینا اشخاص خانقاہ میں موجود تھے۔ سجادہ نشین میاں شرف دین نے اسے تباہی سے بچانے کے لیے راجہ سوچیت سنگھ سے التجا کی کہ وہ مسجد کو چھوڑ دے۔ انہوں نے اس مشکل مرحلہ میں بھی اسے بحفاظت باہر تک چھوڑ کر آنے کا وعدہ کیا لیکن راجہ پر میاں صاحب کی التجاؤں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں مسجد کی پرانی دیواریں زمین بوس ہوگئیں۔ تمام نابینا درویش ہلاک ہوگئے مگر دوسرے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ گرنتھ پڑھنے والے نے اب کتاب کو بند کر دیا۔ لہٰذا سوچیت سنگھ اور اس کے ساتھی ہاتھ میں تلوار لے کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھے۔ راجہ سوچیت سنگھ انتہائی جوانمردی سے (اس کے لیے تاریخ میں شاید ہی کوئی برابری کر سکتا ہو) پیش قدمی کرتے ہوئے صف کے سامنے آگیا اور اس طرح بلند آواز میں ان سے خطاب کیا: "تمہاری ایمانداری پر بھروسہ کر کے تمہاری خصوصی دعوت پر میں لاہور آیا۔ تم نے مجھے فراموش کر دیا ہے اور اب اتنی بڑی تعداد میں مجھے ہلاک کرنے کے لیے آئے ہو۔ میں تم سے منت کرتا ہوں کہ اس موقع پر مجھ سے سچے سپاہیوں کی طرح برتاؤ کرو۔ میرے دوستو ایک ایک کر کے آؤ اور دنیا کو ایک راجپوت سپاہی کی قدر و منزلت دیکھنے دو" اس بہادر سپاہی نے جس وقت یہ الفاظ ادا کیے' وہ نہایت تیزی سے دشمن کی صفوں کے بالکل نزدیک آگیا تھا۔ سوچیت سنگھ جیسے شخص کی تندی اور بہادری کے اظہار نے پہلی صفوں میں اس قدر خوف پیدا کر دیا کہ تھوڑی دیر کے لیے سپاہی بتوں کی طرح ساکت رہ گئے۔

اسی اثناء میں راجہ کے وزیر رائے کیسری سنگھ (جو ایک بہادر اور طاقتور شخص تھا) نے اسے واپس کھینچ لیا۔ لہٰذا جانثار جماعت نے اپنے آقا کو اپنی مختصر تعداد کے درمیان کر کے اسے وقتی طور پر پناہ دے دی تھی اور آخری دم تک اس سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا تھا۔ بعد ازیں مٹھی بھر بہادر سپاہی تلواریں ہاتھ میں لیے اپنے حملہ آوروں کی پہلی صف پر ٹوٹ پڑے۔ لہٰذا ان کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ انہوں نے اصل میں چار پلٹنوں کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔ پہلی صفوں میں تیس سے زائد حملہ آور میدان جنگ میں ہلاک ہوئے اور سورماؤں نے اپنے تک پہنچنے والوں کو کاٹنا جاری رکھا۔ راجہ اور اس کے ساتھیوں نے جس زبردست

شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کیا تھا' اس سے پوری خالصہ فوج میں وحشت پھیل گئی اور توپچی خوف زدہ ہو کر بھاگ اٹھے۔ کوئی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ حالانکہ ہیرا سنگھ اپنے ہاتھ میں ایک جلتی ہوئی مشعل کے ساتھ اپنے پاؤں پر جما ہوا تھا اور انہیں دباؤ ڈالنے اور گولی چلانے پر زور دے رہا تھا۔ رائے کیسری سنگھ نے اپنے ہاتھ سے پہلی صف میں نو حملہ آوروں کو ہلاک کیا۔ بے شمار افراد نے فرار ہونے کی کوشش کی تو ان کے اپنے ساتھیوں نے سنگینوں سے انہیں ہلاک کیا۔ راجہ کا ایک ساتھی بسنت سنگھ بھی وہ دوسرا شخص تھا' جو اپنی بہادری کے باعث مشہور ہوا۔ اس نے ہلاک ہونے سے قبل بارہ سے زائد سکھوں کو قتل کیا لیکن یہ مٹھی بھر سورما میدان جنگ میں کتنی دیر تک کھڑے رہ سکتے تھے جب کہ ان کے دشمن ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ چند منٹ اور گزرنے کے بعد محصورین کی پوری جماعت (ماسوائے ایک کے' جو بری طرح زخمی ہو کر بچ گیا تھا) میدان میں ہلاک ہوگئی۔ یہ کہنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں کہ بہادر راجہ سوچیت سنگھ بھی قتل ہونے والوں میں شامل تھا۔ اس نے دو گولیوں کے زخم لگنے کے باعث مرنے سے قبل اپنے ہاتھ سے تین آدمیوں کو قتل کیا۔ پس یہ جری راجپوت سپاہی اپنے ۴۴ جانثار ساتھیوں کے ہمراہ ختم ہوگیا۔ اس یادگار اور تاسف انگیز غیر مساوی لڑائی میں خالصہ فوج کا کل نقصان تقریباً ۱۹۰ آدمیوں کی ہلاکت اور زخمیوں کی صورت میں تھا۔

فوجیوں کو واپس اپنے کوارٹروں کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور اب ہیرا سنگھ نے میدان جنگ کا دورہ کیا تاکہ دشمن کی لاشوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ سب سے پہلے اس کی نظر رائے کیسری سنگھ (ایک سپاہی کے طور پر اس ملک میں چند لوگ ہی اس کی دلیری اور بہادری کے مساوی ہوں گے) کے جسم پر پڑی۔ اس بہادر شخص نے مرنے سے پہلے کم و بیش بیس دشمنوں کو کاٹ کے رکھ دیا۔ وہ کئی بار نیچے گرا مگر اتنی ہی بار وہ دوبارہ اٹھا اور خونریز مقابلہ شروع کیا۔ آخرکار زخموں سے چور ہو کر وہ ایک شیر کی مانند گرا' مگر اس سے پہلے اس نے اپنے ہاتھوں سے' مہلک زخم لگانے والوں کو ہلاک کر دیا۔ جب ہیرا سنگھ اس کے سرہانے کھڑا ہوا تھا تو رائے جان کنی کے عالم میں تھا۔ مرتے ہوئے سورما نے یہ کہتے ہوئے وزیر کو پرنام کیا: "جے دیب"۔ اور پانی کے لیے اشارہ کیا مگر اسے ظالمانہ جواب ملا کہ اس کی پیاس بجھانے کے لیے بہترین جگہ پہاڑ ہیں' جہاں صاف اور شفاف ٹھنڈے پانی کی بہتات ہے۔ بعد ازاں اس نے بے چینی کی حالت میں چاروں طرف دیکھا اور مرگیا۔ جب ہیرا سنگھ نے مقتولین کے ڈھیر میں اپنے چچا کی خاک و خون میں لتھڑی ہوئی

لاش کو دیکھا تو اسے بہت زیادہ دکھ پہنچا۔ وہ اس دل گیر اور افسردہ منظر کو دیکھ کر اپنے آنسو نہ روک سکا۔ اس نے لاش کو اپنی پالکی میں ڈالا اور قلعہ کی طرف لے گیا۔ راجہ سوچیت سنگھ کے مختاران خاص، رائے کیسری سنگھ اور بھیم سین کی لاشوں کے ساتھ بھی باوقار سلوک کیا گیا۔ دیگر لاشوں کو منصب اور حالات کے مطابق ٹھکانے لگا دیا گیا۔ راجہ ہیرا سنگھ، نقاروں کی آوازوں اور وقفے وقفے سے توپوں کی گھن گرج کے ساتھ انتہائی شان و شوکت اور دھوم دھام سے شہر کی طرف لوٹا کیونکہ یہ جلوس فتح کا جشن منانے کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اسی روز سوچیت سنگھ کی لاش کو راجہ گلاب سنگھ کے بیٹے میاں اودھم سنگھ کی سمادھ کے قریب جلا دیا گیا۔ ہیرا سنگھ اور دربار آخری رسومات کے موقع پر موجود تھے۔ متوفی راجہ کی پانچ رانیوں نے اپنے آنجہانی خاوند اور مالک کی پگڑی، لاش کے نعم البدل کے طور پر اپنے سامنے رکھی اور ستی کی رسم کے مطابق اپنی جانیں قربان کر دیں۔(۹)

یاد رہے کہ مہاراجہ شیر سنگھ کے قاتلوں کا بھائی اور بھتیجا سردار عطر سنگھ سندھیانوالہ ابھی زندہ تھا۔ اب اسے وزارت کی خواہش تھی، لہٰذا اس نے ۲ مئی ۱۸۴۴ء کو دریائے ستلج پار کیا اور ایک مذہبی شخص باوا بیر سنگھ کے ساتھ مل گیا، جو ان دنوں مانجھا کے علاقہ میں مشہور ہوچکا تھا اور محافظوں کے طور پر اس کے پاس پیادہ اور سواروں پر مشتمل ۱۵۰۰ کی ایک فوج اور دو توپیں تھیں۔ اس نے ان سرداروں اور راجاؤں کو بھی پناہ دے رکھی تھی، جنہیں دربار میں بے عزت کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ان تمام مشترکہ افواج کی تعداد تقریباً ۳۰۰۰ جوان اور تین توپوں پر محیط تھی۔ باوا بیر سنگھ نے اعلان کیا کہ سلطنت لاہور اصل میں گورو گوبند سنگھ کی سلطنت ہے کیونکہ مہاراجہ دلیپ سنگھ ابھی محض ایک بچہ ہے اور اپنے معاملات کا انتظام کرنے کے بھی قابل نہیں۔ چنانچہ خالصہ کو چاہیے کہ وہ اپنے لوگوں میں سے کسی کو انتظامی سربراہ مقرر کر دے۔ ہیرا سنگھ نے خود کو اپنے منصب کے لیے قطعی نااہل ثابت کیا ہے اور یہ کہ وہ اور اس سے پہلے اس کا باپ اپنی ذاتی سرفرازی کے لیے گورو کے سچے چیلوں، یعنی ہزاروں سکھوں کا خون بہاتے رہے ہیں، لہٰذا اب وقت آن پہنچا ہے کہ جموں کے خاندان کی حکومت ختم ہو جانی چاہیے اور خالصہ کو عظیم مہاراجہ کے رشتہ داروں کے حقوق پر غور کرنا چاہیے، کیونکہ اس کے رشتے داروں میں سے سردار عطر سنگھ سندھیانوالہ سے بہتر کوئی شخص اس اہم منصب پر فائز ہونے کے لائق نہیں اور یہ کہ اس کو وزیر کے منصب پر فائز کر کے خالصہ، ملک و قوم کی خواہشات پر پورا اترے گی۔ اس مقصد کے لیے خفیہ طور پر فوج اور دربار کے سرداروں کو خطوط جاری کیے گئے اور ہیرا سنگھ

نے انہیں پکڑ لیا۔

ستلج پر جنگ

سرکش کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ بھی بغاوت میں شامل ہو گئے۔ سردار عطر سنگھ اور اس کی قیادت میں تمام باغیوں کو سزا دینے کے لیے جنرل مہتاب سنگھ مجیٹھہ' جنرل گلاب سنگھ کلکتیہ (رنجیت سنگھ کے دور میں ایک دوستانہ سفارت کے ساتھ کلکتہ جانے کے باعث اسے یہ نام ملا) وزیر کے چھوٹے بھائی میاں جواہر سنگھ' حاکم جالندھر دو آب شیخ امام الدینؒ اور دوسرے سرداروں کی قیادت میں فوری طور پر لاہور سے ایک بہت بڑی فوج روانہ ہوئی۔ خالصہ فوج نے روانگی سے قبل وزیر کو واضح طور پر باور کرا دیا کہ وہ تقدس کے باعث مقدس باوا کو کوئی گزند نہیں پہنچائے گی۔ ہیرا سنگھ نے انہیں یقین دہانی کرا دی کہ اس سے زیادہ کوئی شخص اس مقدس باوا کے زبردست احترام کو محسوس نہیں کرتا۔ پوری مہم کو ہیرا سنگھ کے ایک عزیز میاں لابھ سنگھ کے زیر انتظام کر دیا گیا۔ لڑائی شروع ہو گئی لہذا عام لڑائی اور اس کے بعد افراتفری و ہنگامے کے دوران سب سے پہلے اس کا شکار خود باوا ہوا۔ اس کی ایک ٹانگ توپ کے ایک گولے سے اڑ گئی۔ عطر سنگھ نے جنرل گلاب سنگھ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ بعد ازیں وہ خود بھی دست بدست لڑائی میں شہزادہ کشمیرا سنگھ اور دیگر سرداروں کے ساتھ مارا گیا۔ باغیوں کی طرف سے سینکڑوں افراد فرار ہونے کی کوشش میں دریا میں غرق ہو گئے۔ باوا نے پنجاب کے تمام علاقوں سے اپنے چیلوں اور پیروکاروں سے (جن کی تعداد ہزاروں میں تھی) بہت زیادہ دولت حاصل کر کے جمع کی ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے اس کے پڑاؤ کی عام لوٹ مار کے لیے ترغیب ملی' جسے باوا کی بزرگی کے باوجود روکا نہیں جا سکتا تھا۔

فوج اپنے جرنیل میاں لابھ سنگھ کے ساتھ فتح مندی کے ساتھ واپس دارالحکومت کی طرف آ گئی۔ اگرچہ خالصہ نے زبردست شرمندگی کے جذبات کے ساتھ کافی عرصہ تک اپنے قابل احترام معلم کی افسوس ناک موت کو یاد رکھا اور جنرل کورٹ کی پلٹنوں کو (جن کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا تھا کہ وہی اس بے حرمتی کی قصوروار ہیں) "گوروما ر" کا نام دیا۔ نیز کچھ عرصہ قبل ان کے آدمیوں کو خالصہ کے ساتھ کھانے پینے کی اجازت دی گئی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دوسرے متبنیٰ بیٹے پشورا سنگھ نے اپنے بھائی کشمیرا سنگھ کا انجام دیکھا تو لاہوری دربار کی طرف روانہ ہوا اور اپنی اطاعت پیش کر دی۔ اس کی زمینیں اور جاگیریں بحال کر دی گئیں اور وہ پرامن زندگی بسر کرنے کے لیے گوجرانوالہ چلا گیا۔

اب خالصہ فوج میں امن و آشتی کا دور دورہ ہوگیا اور وزیر ہیرا سنگھ کو اپنے لیے بہتر اور نہایت خوش حال دنوں کی تلاش ہوئی۔ اس کے انتہائی طاقتور حریف اور بدترین دشمن راجہ سوچیت سنگھ اور سردار عطر سنگھ (جن سے اسے ہر وقت خطرہ رہتا تھا) ہلاک ہوگئے تھے اور اب کوئی اس کے ذہنی سکون کو خراب نہیں کر سکتا تھا۔

سوچیت سنگھ کی چھوڑی ہوئی جائیداد کی تقسیم اور دوسرے معاملات کے سلسلہ میں وزیر اور اس کے چچا راجہ گلاب سنگھ کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اور یہ اس قدر خوفناک پہلو اختیار کر گیا کہ پیادہ فوج کی بیس پلٹونوں کے ساتھ سواروں اور توپ خانے کی ایک مناسب تعداد کو جموں کی طرف روانہ کیا گیا لیکن بھائی رام سنگھ' دیوان دینہ ناتھ اور شیخ امام الدین کے ذریعے (جنہیں بعد میں ایک خصوصی سفارت پر جموں روانہ کیا گیا تھا) گفت و شنید کر کے چچا اور اس کے بھتیجے کے درمیان غلط فہمی کو پر امن طریقے سے دور کر دیا گیا۔ مفاہمت کے استحکام کی یقین دہانی کرانے کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ راجہ ہیرا سنگھ کا چھوٹا بھائی جواہر سنگھ بطور یرغمال جموں میں رہے گا جب کہ راجہ گلاب سنگھ کا سب سے بڑا بیٹا میاں موہن سنگھ اسی حیثیت سے لاہور کے دربار میں رہے گا۔

ہیرا سنگھ اب بظاہر اپنی طاقت کے عروج پر پہنچ چکا تھا مگر اس نے اور اس کے بااعتماد مہنت پنڈت جلا نے لاہور کے دربار اور اس کے باہر بہت سے دشمن بنا لیے تھے۔ ان کی حفاظت اسی میں تھی کہ وہ کافی عرصے تک اقتدار پر قبضہ جمائے رکھیں۔ پنڈت (جو ایک عیار اور اولوالعزم شخص تھا) کے پاس دھیان سنگھ کے بیٹوں کے معلم کا عہدہ تھا۔ ہیرا سنگھ اپنے منصوبہ ساز اور بدخصلت مہنت اور معلم کے ہاتھ میں ایک آلہ کار کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اس شخص کو اس پر اس قدر اختیار حاصل تھا کہ اس کی تمام وزارتی تدابیر (چاہے وہ نجی ہوں یا سرکاری) اسے یہی کامل سازشی شخص بتاتا تھا۔

خالصہ کی طرف سے مسلسل شکایت کے باوجود اسے ابھی تک غیر محدود اختیار حاصل تھا۔ اس چیز نے اس کے خلاف زبردست عداوت اور بہت زیادہ نفرت کے جذبات کو بھڑکایا۔ اپنے غرور اور تکبر کے باعث اس نے بغیر کسی کا لحاظ و احترام کیے ہر سردار حتیٰ کہ سرداروں اور امراء میں سے نہایت طاقتور شخص کو بھی کچلنے کی کوشش کی۔ اس کا اختیار کردہ رویہ جارحانہ اور ہر ایک کے لیے ذلت آمیز تھا۔ چنانچہ اس سے تمام چھوٹے بڑے کے جذبات مجروح ہوتے تھے۔ ایک قابل سردار لہنہ سنگھ مجیٹھیہ' ہردوار کی زیارت کا بہانہ کر کے مارچ ۱۸۴۴ء میں پنجاب سے رخصت ہوچکا تھا۔ اب صرف جلا کی طرف ایک

برہمن لال سنگھ ہی ایک بارسوخ سردار باقی بچا تھا۔ اس نے اپنا یہ مقام نہ تو وزیر اور نہ ہی اس کے منظور نظر پنڈت سے حاصل کیا تھا بلکہ کم سن مہاراجہ کی والدہ رانی جنداں کی مہربانیوں سے حاصل کیا تھا۔ پنڈت کی یہ عادت تھی کہ وہ رانی کے بھائی جواہر سنگھ سے اہانت آمیز سلوک کرتا تھا اور اپنے کبر و نخوت میں اسے رانی کے خلاف گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے کی بھی جرات ہوگئی۔ دریں اثناء جواہر سنگھ بروقت طور پر لاہور سے نکل کر سکھوں کے مقدس شہر امرتسر میں رہائش اختیار کرکے موثر طور پر بھائیوں' اکالیوں' باواؤں' گوروؤں اور دیگر مذہبی افراد میں لاہور دربار کے خلاف نفرت کے بیج بونے میں کامیاب ہوگیا۔ لاہور واپسی پر اسے سرداروں' خالصہ سپاہیوں اور ان کے پنچوں کی طرف سے حمایت کے وعدے موصول ہوئے۔ وہ سب ڈوگرا خاندان کی حکومت سے تنگ آ چکے تھے۔

خزانچی لال سنگھ' راجہ دھیان سنگھ کا اہم خادم و نمک خوار تھا۔ جس کے ذریعے اس نے دربار میں ایک شاندار مقام حاصل کیا تھا۔ وہ ہر وقت ہیرا سنگھ کی صحبت میں رہتا تھا اور اس کا بااعتماد اور قیمتی دوست تھا۔ اس نے اور پنڈت جلا نے سچی دوستی کی علامت کے طور پر پگڑیاں تبدیل کر لی تھیں۔ عیار رانی جنداں اور اس کے عاشق لال سنگھ نے ڈوگرہ خاندان کی حکومت اور اس کے ساتھ مصر جلا کے اختیار کو ختم کرنے کے لیے ایک سازش تیار کر لی۔ ہیرا سنگھ اور اس کا محبوب اس بات سے قطعی بے خبر تھے کہ ان کا اپنا نمک خوار دوستی کے لباس میں حقیقی طور پر ان کی تباہی کا سامان کرے گا۔ نہنگوں اور دیگر کٹر مذہبی اشخاص کی حمایت حاصل کرنے کے لیے جواہر سنگھ کو روپیہ پیسہ فراہم کیا گیا۔ مقررہ وقت میں تمام باقاعدہ بے صبرے سپاہی اس کی جماعت سے وابستہ ہوگئے۔

یہ مہینے کا پہلا دن تھا اور رانی جنداں حسب معمول غریبوں میں خیرات کے طور پر (نوجوان مہاراجہ کو بڑی آفات سے محفوظ رکھنے کی خاطر) طلائی ٹکیاں تقسیم کر رہی تھی کہ پنڈت جلا نے انتہائی ہتک آمیز اور گستاخانہ انداز میں دھمکیاں دیں اور انتہائی غلیظ گالیاں دیں۔ آگ بگولا رانی اور اس کے زخمی بھائی نے خالصہ کے بچوں سے اپیل کی۔ عظیم مہاراجہ کی عزیزہ کی بے جا اور بلا جواز بے عزتی پر ان کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک روز علی الصبح قلعہ کے سامنے میدان قواعد میں فوج کے معائنہ کے موقع پر جواہر سنگھ نے فوجیوں کے سامنے آکر (جو برملا اب اس کے حمایتی بن گئے تھے) رسمی طور پر راجہ ہیرا سنگھ سے کہا کہ وہ جلا پنڈت کو اس کے حوالے کر دے۔ اس نے مثبت طور پر ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم کھلی جنگ سے احتراز برتا گیا اور فریقین پر امن طور پر

واپس چلے گئے۔ حالانکہ خفیہ طور پر وہ دشمن ہی رہے۔ اب ہیرا سنگھ اور پنڈت جلا نے دیکھ لیا کہ ان کی حکومت تیزی سے روبہ زوال ہے اور اگر دارالحکومت میں کچھ دیر اور رہے تو ہو سکتا ہے انہیں جان سے ہاتھ دھونا پڑیں۔ راجہ نے فوراً جموں کے پہاڑوں کی طرف فرار کی تیاریاں کر لیں اور اپنی تمام قیمتی اشیاء کو ہاتھوں پر رکھ کر میاں میرؒ میں تعینات فوج کے معائنے کا بہانہ کر کے پنڈت جلا، میاں سوہن سنگھ، لابھ سنگھ اور دیگر افراد کے جلو میں تین یا چار سو سواروں اور پیادوں کے ساتھ ۲۱ دسمبر ۱۸۴۴ء کو علی الصبح شہر میں اپنی نجی رہائش گاہ سے روانہ ہوا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ شہر سے رات کے اندھیرے میں روانہ ہو لیکن تیاریوں میں کچھ تاخیر کی وجہ سے وہ صبح سے پہلے روانہ نہ ہو سکا۔ یہ جماعت ابھی بمشکل شہر کے ٹکسالی دروازہ سے گزری تھی کہ سکھ افواج کے کوارٹروں کی جانب سے بگلوں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے جواہر سنگھ کو بطور وزیر سلامی دی تھی۔ بگلوں کی آواز سن کر اس جماعت نے اپنی رفتار بڑھا دی اور راوی کے کنارے پر پہنچ گئی، جہاں راجہ کے سکھ خدمت گار باقی فوج سے علیحدہ ہوگئے لہٰذا ڈوگرہ سردار نے اپنے آدمیوں اور سپاہیوں کے ہمراہ دریا کو پار کیا اور ترگر کی طرف روانہ ہوا۔

یہ سب پرانی بارہ دری میں آرام کرنے کی غرض سے گھوڑوں سے اتر آئے۔ انہوں نے ابھی بمشکل اپنے گھوڑوں سے کاٹھیاں اتاری تھیں کہ انہوں نے شہر کی جانب سے سواروں کے ایک بہت بڑے دستے کو پوری رفتار سے اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس پر وہ فوراً گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انتہائی تیزی سے اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔ سواروں کا جتھہ انتہائی تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ مفروروں کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ ہیرا سنگھ نے اپنے پیشوا پنڈت کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے تیزی سے راجہ سوچیت سنگھ کے گھوڑ چڑوں کا رخ کیا، جو اس کے تھوڑے ہی فاصلے پر تھے۔ اسے ان سے پناہ حاصل ہونے کی امید تھی۔ جیسے ہی راجہ اور اس کی جماعت نزدیک آئی تو سپاہیوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ لہٰذا اپنا رخ تبدیل کر کے انہوں نے امید پر شاہدرہ میں واقعہ شہنشاہ جہانگیر کی سرائے کی راہ لی کہ وہاں پہ خیمہ زن چند پٹھانوں کی مدد حاصل ہو جائے گی لیکن پٹھانوں نے انہیں پسپا کر دیا۔ جماعت مایوسی کی حالت میں حتی المقدور رفتار کے ساتھ شاہراہ کی طرف روانہ ہوئی لیکن شاہدرہ گاؤں سے کم و بیش ۶۰۰ گز کے فاصلے پر انہیں جا لیا گیا۔ ہیرا سنگھ نے تعاقب کرنے والے سپاہیوں کی توجہ ہٹانے کے لیے اپنے تھیلے کھولے اور طلائی مہروں کو بکھیر دیا تاکہ وہ انہیں لوٹنا شروع کر دیں لیکن سردار شام سنگھ اٹاری والا اور جرنل میوہ

سنگھ مجیٹھیہ نے سپاہیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا سوروں کو قتل کر دو' انہیں جانے نہ دو لیکن سونا سب کے لیے دلکشی رکھتا ہے۔ لہٰذا سپاہی بھی اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ سپاہیوں کو اشرفیاں اکٹھی کرنے میں کچھ وقت لگا۔ ڈوگرہ سردار اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے دشمنوں کی پہنچ سے کافی دور نکل گئے اور جب تعاقب کرنے والے قریب پہنچے تو یہی طریقہ دہرایا گیا۔ یعنی تھیلے خالی کر کے اشرفیاں بکھیر دی گئیں۔

دوڑتے ہوئے جھڑپ شروع ہو گئی لہٰذا مفروروں کی تمام پیادہ فوج کو یا تو کاٹ کے رکھ دیا گیا یا منتشر کر دیا گیا۔ بھاگتے ہوئے ڈوگرہ سردار اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ۱۰ یا ۱۲ کوس کے فاصلے تک گئے ہوں گے کہ تقریباً دوپہر کے وقت پنڈت جلا مکمل طور پر تھک گیا اور اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ لہٰذا تعاقب کرنے والے سکھوں نے فوراً اس کے ٹکڑے کر دیے۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو تقریباً ۲۰ گھروں پر مشتمل تھا۔ ہیرا سنگھ اپنی پیاس بجھانے کے لیے وہاں گھوڑے سے اترا۔ جواہر سنگھ اب جنرل ونتورا کی ڈریگون فوج کے ساتھ قریب آیا اور حکم دیا کہ اس چھوٹے سے گاؤں کو نذر آتش کر دیا جائے۔ سکھوں نے اس جگہ کو گھیرے میں لے کر نذر آتش کر دیا۔ اپنی جان کو خطرے میں پا کر ہیرا سنگھ اپنے حفاظتی دستہ کے ساتھ دوبارہ گھوڑے پر بیٹھا لیکن فرار کی کوشش میں اس کی پوری جماعت کے ساتھ اسے کاٹ کے پھینک دیا گیا۔ ماسوائے چھ سپاہیوں کے' جو گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانے کے باعث جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ تمام قیمتی اشیاء جو مفرور وزیر اپنے ساتھ لے جا رہا تھا' اس کے تعاقب کرنے والوں کے ہاتھ لگ گئیں۔ یہ واقعہ ۲۱ دسمبر ۱۸۴۴ء کو رونما ہوا۔

سردار جواہر سنگھ اپنے جلو میں خالصہ فوجیوں کے ہمراہ تقریباً دوپہر کے وقت فاتحانہ انداز میں دارالحکومت میں داخل ہوا' جہاں اس کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ وہ اپنے ساتھ فتح کی نشانی کے طور پر راجہ ہیرا سنگھ' اس کے مشیر خاص پنڈت جلا' وزیر کے چچا زاد بھائی سوہن سنگھ اور لابھ سنگھ کے سر بھی لے کر آیا۔ بعد میں بطور فاتح کمانڈر اسے تحسین و آفرین سے نوازا گیا۔ ہر کوئی اپنا نذرانہ پیش کرنے اور مبارک باد دینے کے لیے آگے بڑھا۔ چند امریکی اور ہسپانوی باشندے' جو ابھی تک شہر میں موجود تھے' انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور انہیں ان کے سابقہ عہدوں پر بحال کر دیا گیا۔ اگلے روز سرداروں کے سروں کو عوام الناس کی نمائش کے لیے شہر کے متعدد دروازوں پر لٹکا دیا گیا۔ ہیرا سنگھ کے سر کو لاہوری دروازہ پر اور سوہن سنگھ کے سر کو موری دروازہ پر لٹکایا گیا۔ خالصہ فوج اور جنرل

میوہ سنگھ میاں لابھ سنگھ کا کچھ احترام کرتے تھے اور کچھ عرصہ اس کے زیر قیادت خدمات بھی انجام دے چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس کے سر کو ہتک آمیز سلوک سے بچا لیا۔ پنڈت جلا (جو کبھی ہیرا سنگھ کا منظور نظر تھا) کو لعنت آمیز انداز میں یاد کیا گیا اور پرجوش اکالیوں اور نہنگوں نے اس کے سر کے ساتھ انتہائی ذلت آمیز سلوک کیا۔ انہوں نے اسے دوسروں کے ہمراہ دروازوں پر نہیں لٹکایا بلکہ چند دنوں تک اسے شہر میں گھر گھر اور دکان دکان لیے پھرتے تھے۔ انہوں نے اسے دکھانے کی زحمت کے عوض تماشائیوں سے ہر ایک سے چند کوڑیاں حاصل کیں۔ پنڈت کی نامقبولیت اس قدر تھی۔ حتیٰ کہ عورتوں نے بھی اسے دیکھ کر اس کی یاد پر لعنت بھیجی۔ انہوں نے کہا "یہ وہی بدمعاش ہے جس نے نوجوان ہیرا سنگھ کو اپنے بہادر چچا سوچیت سنگھ کو قتل کرنے پر اکسایا۔ اس کے لیے اس نے ۲۰ ہزار آدمیوں کی فوج کا مطالبہ کیا جب کہ اس کے حریف کی مدد صرف چالیس دلیر پہاڑی باشندوں نے کی"۔ جب سر کو پورے شہر میں گھسیٹا اور لوگوں کو دکھا دیا گیا تو اسے کوڑا کرکٹ اور گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا اور ہفتوں تک وہاں پڑا رہنے دیا گیا۔ میاں سوہن سنگھ اور ہیرا سنگھ کے سروں کو نیچے اتار کر قلعہ سے باہر کتوں کے حوالے کر دیا گیا۔ چند روز کے بعد انہیں راجہ دھیان سنگھ کے مکان کے نجی کمروں میں پہنچا دیا گیا' جہاں تقریباً فروری ۱۸۴۶ء کے وسط میں گلاب سنگھ نے انہیں دریافت کیا۔ جب وہ گورنر جنرل کے دورہ پر لاہور آیا۔ جب عزت ماب گورنر جنرل نے برطانوی فوج کے ساتھ پنجاب کے دارالحکومت پر چڑھائی کی تھی۔ ہیرا سنگھ اور لابھ سنگھ کی لاشیں اس دیہات میں' جہاں انہیں قتل کیا گیا تھا' جنگلی جانوروں اور پرندوں کا شکار بن گئیں۔

اس مشکل دور میں جن لوگوں نے پنجاب میں سیاسی واقعات کی کارروائی کو دیکھا ہے' وہ اس بات کا مشاہدہ کرنے میں ناکام نہیں ہو سکتے کہ سکھ فوج نے سمجھ بوجھ اور مشاہدے کی شدید کمی کا اظہار کیا تھا۔ اگر وہ حب الوطنی کے غلط تصور اور اندھا دھند جوش و خروش کے تحت کارروائی نہ کرتے تو اس وقت بہت زیادہ کشت و خون اور مصیبت سے بچا جا سکتا تھا' جس نے ملک کو تاخت و تاراج کر کے رکھ دیا تھا۔ اگر شیر سنگھ اور دھیان سنگھ کی موت کے بعد فوج سندھیانوالہ بھائیوں کے حق کو تسلیم کر کے اجیت سنگھ یا لہنہ سنگھ کو وزیر کے منصب پر فائز کر دیتی' اس سے جموں کا خاندان مکمل طور پر بے دخل ہو جاتا۔ سلطنت اپنی طاقت اور استحکام حاصل کر لیتی اور جانبداری اپنی موت آپ مرجاتی۔ سندھیانوالیے بوڑھے مہاراجہ کے مشترکہ جد امجد کی نسل ہونے کے بعد اس منصب کے لیے بہت

مناسب تھے اور انہوں نے پنجاب کے تسلیم شدہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کے مفادات کے ساتھ مکمل طور پر مفاہمت پیدا کر لی تھی۔ سندھیانوالوں کی تباہی اور ڈوگرہ خاندان (جن کے مفادات کبھی بھی جائز حکمرانوں کے مطابق نہیں ہو سکتے تھے) کی اقتدار پر بحالی عظیم مہاراجہ کی سلطنت کے لیے موت ثابت ہوئی۔ جب ہیرا سنگھ کے والد کو قتل کیا گیا تو وہ زندگی سے قطعی ناشناسا تھا۔ لہٰذا حالات کے تقاضہ کے مطابق اسے گرفتار کر لیا جاتا تو پورے ملک میں امن و امان بحال ہو جاتا۔ چنانچہ نہ صرف ہزاروں جانیں بچ جاتیں بلکہ سلطنت کی بے بہا دولت اور خزانے (جنہیں جموں کے پہاڑوں میں بھیج دیا گیا) بھی ریاست میں ہی رہتے اور اس کا وسیلہ طاقت اور وقار ثابت ہوتے لیکن معاملات کے مطابق پنجاب کی قسمت پر مہر لگ گئی۔ یہ مقولہ بالکل درست ہے:

"Quem deus vult perdere prius dementat".

جواہر سنگھ کی وزارت

اب لاہور کے ناٹک کی تماشا گاہ پر جو اہم کردار نمودار ہوئے' وہ عظیم مہاراجہ کی رانی جنداں کا بھائی سردار جواہر سنگھ اور اس کا منظور نظر برہمن لال سنگھ تھے۔ ان کا پہلا کام خالصہ فوج میں اپنی مقبولیت میں اضافہ کرنا تھا۔ کیونکہ وہ ملک کی سیاست میں اپنے غیر محدود اختیار سے باخبر ہو چکے تھے۔ شاہی توشہ خانہ کے تمام طلائی برتنوں کو پگھلا کر انہیں ساروں کو دے دیا گیا کہ وہ ہر سپاہی کو دینے کے لیے ان سے طلائی کینٹھے یا کنگن تیار کر دیں۔ ان کینٹھوں کی تیاری کے لیے پورے دو ماہ صرف ہوئے۔ لہٰذا خالصہ سپاہی ان طلائی انعامات کو پا کر خوشی اور فخر سے پھولے نہ سمائے۔ اب سپاہی بے شمار دولت کے مالک بن گئے تھے۔ گزشتہ چار سالوں کے دوران پھیلنے والی طوائف الملوکی' جس نے حقیقی طور پر ملک کے تمام وسائل کو ختم کر کے رکھ دیا گیا تھا' ان کے لیے فائدہ مند تھی۔ اس وقت سے جو بھی دھڑا برسر اقتدار آیا' اس نے اپنا عروج اور طاقت صرف انہیں سے حاصل کی اور ان کی مہربانی اور حمایت سے اپنا مقصد حاصل کیا۔

خالصہ فوج اپنی کامیابی سے خوش ہو کر کئی ہزار کی تعداد میں شام سنگھ اٹاری والا' جنرل میوہ سنگھ مجیٹھیہ' سلطان محمود خاں اور فتح سنگھ مان کی قیادت میں راجہ گلاب سنگھ کو مطیع کرنے کے لیے جموں کی طرف روانہ ہوئی۔ دربار نے گلاب سنگھ سے جرمانہ کے طور پر تین کروڑ روپے اور آنجہانی راجہ سوچیت سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ کی جائیداد کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا۔ جموں میں شروع ہونے والی لڑائی میں فتح سنگھ مان' ڈوگروں کے ہاتھوں ہلاک

ہوگیا۔ وہ رنجیت سنگھ کے دور کا ایک بہادر بوڑھا سردار تھا اور خالصہ فوجیوں میں بہت پسندیدہ تھا۔ اس کے قتل نے خالصہ فوج میں غم و غصے کی زبردست لہر دوڑا دی۔ وہ اب جموں کی وادیوں کے نیچے بہنے والے دریا توی تک پہنچ گئے۔ جموں کے ہوشیار راجہ کو اپنی فوج کی کمتری کا پورا علم تھا اور اسے سردار مان کے قتل سے خالصہ کے درمیان پیدا ہونے والے جوش و خروش کا بھی خطرہ تھا۔ لہٰذا وہ اپنے تمام کمالات کو میدان عمل میں لے آیا۔

اس نے بوڑھے سردار کی موت پر دکھ کا اظہار کیا اور اس میں کسی قسم کا حصہ لینے کی تردید کی۔ وہ اپنے بھتیجے' میاں جواہر سنگھ (جس کو خالصہ بہت زیادہ پسند کرتی تھی) کو اپنے ساتھ ۔لے کر بذات خود فوجیوں کے پاس گیا اور پنچوں کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اعلان کیا کہ وہ اور اس کا خاندان ہمیشہ کی طرح ان کے جانثار خادم ہیں اور یہ کہ اس نے جتنی بھی دولت جمع کی ہے' وہ ان کی ہے۔ اس نے آزادانہ طور پر فوج میں اپنی دولت تقسیم کر دی اور اونٹوں اور ہاتھیوں پر لاد کر تین لاکھ روپیہ نذر کے طور پر دربار لاہور کے لیے بھیجا۔ اس کی ذاتی کوششوں اور پنچایت کے اراکین پر توجہ نے اس تباہی کو بچا لیا تھا' جس کے لیے جموں کی لوٹ مار کا خطرہ تھا اور یہاں تک کامیاب ہوا تھا کہ اس نے جزوی طور پر چند دوستوں کی حمایت بھی حاصل کر لی تھی لیکن اس کے باوجود اپریل ۱۸۴۵ء میں اسے فوج کی نگرانی میں لاہور لایا گیا۔

دارالحکومت پہنچنے پر اسے ایک ہاتھی پر بٹھا کر ایک مضبوط حفاظتی دستہ کی نگرانی میں رانی سے ملاقات کرنے کے لیے ثمن برج کی طرف لایا گیا۔ رانی نے اس کا پرتپاک استقبال کیا اور وہ اس کے پیش کردہ حسابات سے اس قدر مطمئن ہوئی کہ اس نے اسے وزیر کا عہدہ پیش کیا' جو ابھی تک رسمی طور پر اس کے بھائی جواہر سنگھ کو عطا نہیں کیا گیا تھا۔ اس نے موخر الذکر میں عدوات کو بہت زیادہ بھڑکا دیا۔ اس کی خواہش غالب آ گئی' لہٰذا اسے ۱۴ مئی ۱۸۴۵ء کو رسمی طور پر وزیر بنا دیا گیا۔ اسی دوران لال سنگھ کو راجہ کا خطاب دیا گیا۔ گلاب سنگھ اس تقریب میں موجود تھا۔ بعد ازیں اس نے اٹاری کے راجہ چھتر سنگھ کی بیٹی کے ساتھ کم سن مہاراجہ کی منگنی میں بھی شرکت کی جو ۱۰ جولائی کو انجام پائی۔ اپنے اقتدار کو مضبوطی سے مستحکم کر کے اب جواہر سنگھ' گلاب سنگھ کو پہاڑوں میں اس کے حالیہ رویہ کا حساب دینے کے لیے لایا تھا۔ گلاب سنگھ نے جنگ سے بچنے کو قرین مصلحت خیال کیا۔ کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ ہوا کا رخ اس کے حق میں نہیں رہا۔ لہٰذا وہ لاہور سے روانہ ہونے کے لیے بے چین ہوگیا۔

وہ دربار کو ارسٹھ (۶۸) لاکھ روپے کا جرمانہ ادا کرنے اور اپنے بھائی سوچیت سنگھ کے تقریباً تمام علاقوں (جن کے بارے میں دربار نے ایک لاوارث جاگیردار کی قابل ضبطی جائیداد کے طور پر دعویٰ کیا تھا) اور اپنے بھتیجے ہیرا سنگھ کی جائیداد سے دستبردار ہونے پر رضامند ہوگیا۔ قصہ مختصر اس نے صرف اپنی جاگیریں ہی اپنے پاس رکھیں۔ جہلم اور سندھ کے درمیان نمک کی کانوں کے لیے پٹے کی تجدید بھی کی گئی' جس نے گلاب سنگھ کو بہت بڑی آمدنی کے علاوہ روہتاس کے پہاڑوں پر اپنے اختیار سے بھی محروم کر دیا۔ پس گلاب سنگھ اپنی بہت زیادہ حقیقی طاقت سے محروم ہو کر تقریباً اگست کے اختتام پر تین یا چار ماہ کے قیام کے بعد اپنے وطن کے لیے لاہور سے روانہ ہوا۔

ستمبر ۱۸۴۴ء میں ایک ڈاکو (جس پر ڈاکہ زنی کا الزام لگایا گیا تھا) نے ملتان کے قابل اور ہر دلعزیز حاکم ساون مل کو قتل کر دیا۔ لہٰذا اس کے بیٹے کو جانشین بننے کی اجازت دے دی گئی۔ خالصہ نے اس سے زائد معاہدے کا مطالبہ کیا' جس سے نئے حاکم نے احتراز برتا۔ اس نے اس بڑے نذرانہ کی ادائیگی پر بھی اعتراض کیا' جسے اس نے اپنے والد کے منصب پر فائز ہونے پر ادا کرنا تھا۔ دربار نے اس کے رویہ سے ناراض ہو کر ملتان کے خلاف ایک فوج روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن نئے حاکم نے اس کی جنگی تیاروں کا سنا تو اطاعت پر آمادہ ہوگیا اور دربار کو جرمانہ یا نذرانہ کے طور پر ایک لاکھ اسی ہزار روپے کی رقم ادا کر دی' جس نے تمام مطالبات پورے کر دیے۔ اگرچہ چند ادنیٰ اضلاع (جو اصل میں اس کے پاس تھے) اس سے لے لیے گئے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا متبنی بیٹا پشورا سنگھ' جسے اس کے بھائی کشمیرا سنگھ کے قتل کے بعد پرامن اور الگ تھلگ زندگی گزارنے کی شرط پر گوجرانوالہ میں اس کی جاگیروں پر بحال کر دیا گیا تھا' اب دوبارہ لاہور کی حکومت پر اپنے دعوؤں کی تجدید کرنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ گلاب سنگھ (جو اس وقت اپنے پہاڑی علاقہ میں محفوظ تھا) نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ اس نے اس موقع پر دوہرا کھیل کھیلا۔ یعنی ایک طرف تو اس نے شہزادہ سے اپنی مکمل حمایت کا وعدہ کیا (حالانکہ وہ بالکل بے کار شخص اور نااہل تھا۔ عظیم مہاراجہ کے ساتھ رشتے داری کے سوا اس کے پاس سفارش کے لیے اور کچھ بھی نہیں تھا)۔ دوسری جانب اس نے جواہر سنگھ کو اس بات پر اکسایا کہ وہ اسے جلا وطن کر دے یا جس طرح بھی ممکن ہوسکتا ہے' اسے اپنے سے دور کر دے۔ کیونکہ صرف وہی اس کا واحد دشمن اور اس کے کم سن بھانجے کا حریف ہے۔ پشورا سنگھ ان سپاہیوں کی طرف سے حمایت کی یقین

دہانوں کے بعد (جنہوں نے سردار جواہر سنگھ کی طرف سے اپنے کم سن مہاراجہ کے ساتھ انگریزی علاقہ میں پناہ حاصل کرنے کے اعلان پر اسے قید میں ڈال دیا تھا) لاہور کی طرف روانہ ہوا' جہاں فوجی وفد نے بڑی دھوم دھام سے اس کا استقبال کیا۔ رانی کی دعوت پر وہ دربار میں بھی حاضر ہوا۔ لہٰذا اس نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور اپنے بیٹے دلیپ سنگھ کے مساوی احترام کے ساتھ اس سے برتاؤ کیا۔ اس چیز نے رانی کے بھائی وزیر کے دماغ میں عداوت پیدا کر دی۔ اس نے سرد مہری سے شہزادے کا استقبال کیا اور دربار میں اس کے ساتھ کچھ بے اعتنائی کا اظہار بھی کیا۔ شہزادہ برتاؤ سے دلبرداشتہ ہو کر شہر سے باہر آگیا اور اس نے شہر کے باہر بدھو کا آوا کے ٹیلے پر جنرل ایویٹ بائل کے مکان میں ڈیرہ لگا لیا' جہاں اس کے دوستوں نے اسے مورچہ سنبھالنے کا مشورہ دیا۔ ان کے ذہن میں یہ توہمانہ خیال تھا کہ شاید اس سے کوئی خوش قسمتی وابستہ ہو۔ کیونکہ یہ وہی جگہ تھی جہاں خالصہ فوج نے شیر سنگھ کو لاہور کے بادشاہ کے طور پر سلامی دی تھی۔

یہاں پر فوج کے پنچ' پشورا سنگھ کے اردگرد جمع ہوگئے۔ انہوں نے اسے اپنی مدد کی پیش کش کی۔ اس چیز نے اس میں کامیابی کا جوش و خروش پیدا کر دیا۔ وزیر نے یہ خبر سنی تو اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے فوری اقدامات کیے اور اس معاملہ پر اپنی بہن سے مشورہ کیا۔

دونوں بہن بھائی ایک ہی حکمت عملی اختیار کرنے پر رضامند ہوگئے۔ حکومت کے دعویدار شہزادہ کے حق سے دستبردار ہونے کے لیے سپاہیوں کو اس پر آمادہ کرنے کی خاطر انتہائی بے باک وعدے کیے گئے۔ ہر سپاہی کے لیے ۲۵ روپے مالیت کے ایک طلائی ہار کے علاوہ دیگر اشیاء کا وعدہ کیا گیا۔ خالصہ اس سخاوت سے بہت خوش ہوئے۔ لہٰذا انہوں نے پشورا سنگھ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی راج دھانی کی طرف چلا جائے اور وہاں زیادہ مناسب موقع کا انتظار کرے۔ شہزادہ دانش مندی سے واپس چلا گیا اور اپنے ساتھ خالصہ کی نیک خواہشات اور لاہور کے دربار کی طرف سے قیمتی تحائف لے کر گیا۔ وزیر نے اپنا قہران پلٹونوں پر نکالا جنہوں نے پشورا سنگھ کو دارالحکومت میں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس نے کمانڈر کے کان اور ناک کاٹنے کا حکم دے دیا۔ جموں کے حکمران نے دیکھا کہ دربار لاہور اور پشورا سنگھ کے درمیان لڑائی پیدا کرنے کے لیے اس کا منصوبہ ناکام ہوگیا ہے' چنانچہ اس نے وزیر پر زور دیا کہ وہ جلدی سے شہزادے کو قتل کرنے کے انتظامات کرے۔ اس نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس کے بھانجے کم سن مہاراجہ کا حریف ہونے کے ناطے وہ

اپنی بالا دستی قائم کرنے کے لیے کسی بھی اولین موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دے گا اور یہ کہ جتنی جلدی اسے منظر عام سے ہٹا دیا جائے گا' یہ سلطنت لاہور کے استحکام اور مفادات کے لیے اتنا ہی بہتر ہو گا۔ ہوشیار راجہ نے اس لائحہ عمل کو مد نظر رکھا ہوا تھا کہ اگر جواہر سنگھ کو پشورا سنگھ کی موت کا ذمہ دار سمجھ لیا گیا تو خالصہ اس سے اس کی موت کا انتقام لے گی۔ چنانچہ اس کے اثر و رسوخ اور طاقت کے پھیلاؤ کی دو بڑی رکاوٹیں ہٹ جائیں گی اور اس معاملے میں ملوث ہونے کے سلسلہ میں اس پر ذرا بھی شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر ہے۔ اس وقت پشورا سنگھ کے پاس سیالکوٹ ایک جاگیر کے طور پر تھا لیکن سکھ سپاہیوں کے ساتھ چھوڑ جانے کے باعث وہ انتہائی تنگ حالات میں تھا۔ اسی موقع پر وہ جولائی کے اختتام پر اٹک میں نمودار ہو گیا۔ وہاں مضافات کے مسلمان پٹھان اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ چنانچہ اس نے اچانک حملہ کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنے مہاراجہ ہونے کا باضابطہ اعلان کر دیا اور کابل کے دوست محمد خاں سے خط و کتابت شروع کر دی۔ باغی شہزادے کو سزا دینے کے لیے لاہور سے فوج روانہ کی گئی لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کا متبنیٰ بیٹا ہونے کے باعث اس کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا کہ منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد انہوں نے اس کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی اور بغاوت اسی طرح قائم رہی۔ روز بروز مستحکم ہوتی گئی اور اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

یہ خبر سننے پر لاہور کے وزیر کو انتہائی مایوسی اور اذیت پہنچی۔ لہٰذا اب لاہور کی خالصہ فوج کی مدد کے بغیر دو اعلیٰ منصب کے با اعتماد سرداروں کی قیادت میں ایک فوج کو شہزادے کو سزا دینے کے لیے روانہ کیا گیا۔ مہاراجہ کے نئے سسر سردار چھتر سنگھ اٹاری والا اور وزیر کے ایک قریبی دوست فتح خاں ٹوانہ کو فوراً اٹک کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا گیا۔ اول الذکر نوشہرہ سے روانہ ہوا اور موخر الذکر ڈیرہ اسماعیل خاں سے روانہ ہوا' جہاں وہ راجوڑی اور سندھ کے بالائی ڈیرا جات سے متعلق پہاڑی علاقہ کے لوگوں کے ساتھ چند اختلافات کا تصفیہ کرنے کے لیے اس وقت خصوصی فرض ادا کر رہے تھے۔ پشورا سنگھ نے قلعہ میں اپنا مورچہ اس قدر مستحکم کر لیا تھا کہ جب ان سرداروں کی مشترکہ افواج اٹک میں پہنچیں تو انہوں نے دیکھا کہ جارحانہ حربہ اختیار کرنا سراسر حماقت ہو گی۔ چنانچہ سرداروں نے گفت و شنید کرنے کا فیصلہ کیا جو بارہ روز تک جاری رہی۔ پشورا سنگھ جو اپنی طاقت اور خالصہ کے بچوں میں اپنی بہت زیادہ مقبولیت سے باخبر ہو چکا تھا' اس لیے پہلے پہل اس نے

شرائط طے کرنے سے انکار کر دیا لیکن سرداروں نے ہر طرح سے خلوص کا اظہار کرتے ہوئے مہاراجہ کے توسط سے بڑے بڑے وعدے کیے۔ آخرکار شہزادہ ۳۰ اگست کو قلعہ خالی کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ قبضے کی شرائط یہ تھیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا ہونے کے ناطے اس کی حیثیت کے مطابق عزت و احترام کے ساتھ اس سے برتاؤ کیا جائے گا۔ یہ کہ سیالکوٹ میں اس کی گزشتہ جاگیروں کے علاوہ دربار اسے مستقل طور پر ایک لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی حامل ایک اور جاگیر بھی تفویض کرے گا۔ اس کی سند کے لیے سردار جواہر سنگھ کے تحریر کردہ خطوط پیش کیے گئے اور یہ کہ وہ اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں دارالحکومت میں فاتحانہ طور پر داخل ہوگا۔ بظاہر اس کے ساتھ انتہائی دوستانہ اور تعظیمانہ برتاؤ کیا گیا۔ پس اس کے پہرے داروں کو ہٹا کر اسے فریب سے قیدی بنا کر قلعہ اٹک کے ایک تاریک برج (جسے کالا برج کہا جاتا تھا) میں پھینک دیا گیا۔ جہاں رات کے وقت اسے پھانسی دے دی گئی اور اس کی لاش کو دریائے سندھ میں پھینک دیا گیا۔ اس سانحہ کے دوسرے روز غدار سرداروں نے خالصہ کی فوج کے ڈر سے وزیر کو اپنی کامیابی کا بتانے کے لیے لاہور جانے کی جرات نہ کی۔ لہٰذا وہ اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگئے۔

لاہور کے وزیر نے پشورا سنگھ کی موت کی خبر سنی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ قلعہ کی فصیل سے توپوں کی سلامی دی گئی اور رات کو شہر میں چراغاں کیا گیا۔ وزیر کے مشیران خاص باوا رتن سنگھ اور بھائی چیتو نے اس غیر دانشمندانہ اور خطرناک کارروائی پر اسے سرزنش کی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

شہزادے کے افسوس ناک انجام کی خبر سن کر اور اس سے بھی زیادہ اس موقع پر جشن کے مظاہرے کو دیکھ کر خالصہ فوج کے غیظ و غضب اور غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پوری خالصہ فوج نے اتحاد کر لیا اور اس گھناؤنے جرم کے خالق جواہر سنگھ سے انتقام لینے کی قسم کھائی۔ اس موقع پر ڈوگرہ کارندے سکھ فوج کے غیظ و غضب کو بھڑکانے کے لیے اپنے کام میں مصروف تھے۔ میاں اربیلہ سنگھ کا بیٹا پرتھی سنگھ اور اس کی جماعت دارالحکومت میں تھے۔ لہٰذا انہوں نے سپاہیوں کے ساتھ اس خوبصورتی سے اپنا کردار نبھایا کہ فوج کے کئی دستے شہر سے تین یا چار میل کے فاصلے پر میاں میرؒ کی سڑک پر اپنی بقیہ فوج کو جمع کرنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ ان کا مقصد جواہر سنگھ کو گرفتار کرنا یا اس معاملہ کے تقاضہ کے مطابق کارروائی کرنا تھا۔ (ماسوائے قلعہ میں تعینات جواہر سنگھ کی دو محافظ پلٹونوں کے) پوری خالصہ فوج ان کے ساتھ مل گئی۔ اب فوج کے پنچوں نے جواہر سنگھ کو پیغامات بھیجے'

جن میں اس سے خالصہ کے پاس حاضر ہونے کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن سردار نے ان کے مطالبے پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ اسے ابھی تک اس بات کی امید تھی کہ وہ رشوتوں اور وعدوں کے ذریعے فوج کو اپنی طرف کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس نے اور اس کی بہن' دونوں نے فوج کے پنچوں کو اس معاملہ کو چھوڑنے پر آمادہ کرنے کے لیے اپنی پوری توانائی صرف کر دی۔ حتیٰ کہ انہوں نے تحریری معاہدے بھی کیے جن میں جواہر سنگھ کا قصور معاف کرنے کی صورت میں سپاہیوں کی تنخواہ میں اضافہ کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ مگر ان کے تمام وعدے اور اعلانات غیر موثر ہوگئے۔ ڈوگرہ دھڑے نے پنچوں کو فوری طور پر ایک کافی بڑی رقم کی صورت میں رشوت دی تھی۔ لہٰذا وہ اب کسی وعدے کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے' چاہے وہ کتنی ہی فیاضی سے کیا گیا ہو اور نہ ہی کسی التجا کو مان سکتے تھے' چاہے وہ کتنی ہی عاجزی سے کی گئی ہو۔ بے چین اور غضبناک فوج کا ایک حصہ حرکت میں آگیا اور دہلی دروازہ کے سامنے ٹھہر گیا۔ فوج کا ایک دوسرا حصہ قلعہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ان کے نقاروں اور بگلوں کی آواز نے بدذات وزیر کو خواب غفلت سے چونکا دیا۔ اب جواہر سنگھ کو اپنی حیثیت خطرے میں محسوس ہوئی۔ لہٰذا وہ فوراً اس معاملہ پر مشورہ کرنے کے لیے اپنی بہن کے پاس گیا۔ اسے اور اس کے بیٹے' نوجوان مہاراجہ کو اپنے ساتھ لے کر تقریباً ایک ہزار جوانوں کی حفاظت میں تقریباً دوپہر کے وقت وہ ۲۱ ستمبر ۱۸۴۵ء کو قلعہ سے روانہ ہوا اور اس طرف روانہ ہوا جہاں بڑی فوج خیمہ زن تھی۔ وہ ایک ہاتھی پر سوار تھا اور کم سن مہاراجہ اس کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب کہ اس کی بہن رانی ایک کنیز منگیلہ کے ساتھ ایک دوسرے ہاتھی پر اس کے پیچھے آ رہی تھی اور زنانہ کے افراد اور دوسری کنیزیں ہاتھیوں پر پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھیں۔ جیسے ہی سردار اپنی جماعت کے ساتھ آگے بڑھا تو اسے ہر طرف سے سلامی دی گئی۔ رانی نے بھی اس وقت سپاہیوں سے انعامات کے انتہائی فیاضانہ وعدے کیے۔ اب وہ آگے بڑھی تو اس نے اس امید پر کہ اس کے بھائی کی جان بخشی کر دی جائے گی' ذاتی طور پر وعدے کیے۔ جواہر سنگھ کو اپنی طرف سے اس بات کی امید تھی کہ جب وہ فوج کے سامنے آئے گا تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ اس کا خیال تھا کہ کم سن مہاراجہ اور مادر ملکہ کی موجودگی میں وہ محفوظ ہے۔ اطراف میں کھڑی ہوئی خالصہ فوج کی سلامی سے بھی اسے مزید حوصلہ ملا اور بظاہر ہشاش بشاش انداز میں اس نے ان کا جواب دیا لیکن اب اس کی قسمت پر مہر لگ گئی تھی۔ لہٰذا اس کے بھانجے اور بہن کی موجودگی سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جس وقت وہ دھوم دھام اور دلیری کے ساتھ آگے بڑھ

رہا تھا تو اچانک بگل بجنے شروع ہوگئے اور نقارے گونجنے لگے اور اس کے ساتھ جنگ کے اشارے کے طور پر بینڈ باجے بجائے جانے لگے۔ ایک زبردست ہنگامہ شروع ہوگیا اور فوجیوں نے اچانک جواہر سنگھ کے ہاتھی کو روک لیا۔ انہوں نے مہاوت کو اس کے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ مشتعل اور غضبناک فوج نے چاروں طرف سے ہاتھی کو گھیر لیا اور کم سن دلیپ سنگھ کو زبردستی اس کے ماموں کے بازوؤں سے چھین لیا گیا۔ جواہر سنگھ نے فوجیوں کے سامنے سر جھکا دیا اور اپنے ہاتھ جوڑ کر ان سے التجا کی کہ ایک لمحہ کے لیے اس کی بات سن لیں لیکن انہوں نے اسے ایک لفظ ادا کرنے نہیں دیا۔ اسے بائیں جانب سے ایک سنگین گھونپ دی گئی۔ جیسے ہی وہ دائیں جانب جھکا تو ایک آدمی نے اس کے سر میں گولی مار دی۔ وزیر ہلاک ہو کر ہودے سے نیچے گرا اور اس کی لاش کو ہاتھی سے کھینچ کر چاروں طرف کھڑے ہوئے آدمیوں کی تلواروں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اس جگہ پر اس کے فوراً بعد جواہر سنگھ کے مشیران بادا رتن سنگھ اور بھائی چیتو کو بھی بغیر لحاظ کیے ہلاک کر دیا گیا۔ جواہر سنگھ اور رانی قلعہ سے طلائی و نقرئی سکوں کی صورت میں جو زر نقد اپنے ساتھ لائے تھے' اب اسے سپاہیوں نے لوٹ لیا اور رانی اور اس کی کنیزوں کو ان خیموں کی طرف جانے پر مجبور کیا گیا جو چند روز پیشتر ان کے استقبال کے لیے نصب کیے گئے تھے۔ یہ سب کچھ سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ہو رہا تھا۔ کم سن دلیپ سنگھ کو کچھ دیر کے لیے اپنی والدہ سے جدا کر کے فوج کے پاس رکھا گیا۔ انہیں خدشہ تھا کہ رانی غصے اور جوش میں خود کو اور اپنے بچے کو ختم کر ڈالے گی۔ جب یہ خدشات دور ہوگئے تو شہزادے کو دوبارہ اس کی ماں کے حوالے کر دیا گیا۔ تاہم سپاہیوں نے کسی قسم کے حادثہ کو روکنے کے لیے ساری رات رانی کے خیموں کی زبردست نگرانی کی۔ اس نے ساری رات اپنے پیارے بھائی کی موت پر ماتم کرتے اور خالصہ کو برا بھلا کہتے ہوئے' چیخنے چلانے میں گزاری۔ صبح ہوتے ہی اسے اس کے بھائی کی کٹی پھٹی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ لہٰذا اس کا ماتم اور دردناک رونا پیٹنا اس قدر شدت سے شروع ہوگیا کہ راہ گیروں کو اس پر بہت ترس آیا۔ حتیٰ کہ ان کے پتھر دل بھی پگھل گئے' جنہوں نے اس کے بھائی کے قتل میں حصہ لیا تھا۔

بری طرح روتے ہوئے اس نے خود کو اور اپنے بچے کو بھائی کی لاش پر گرا دیا۔ لہٰذا کچھ منت سماجت کر کے اور کچھ زبردستی اسے لاش سے علیحدہ کیا گیا۔ وہ اپنے بال نوچتے اور کپڑے پھاڑتی ہوئی زمین پر لوٹنے لگی۔ اس دل گیر نظارے سے انتہائی سخت گیر تماشائیوں میں بھی ہمدردی کا جذبہ عود کر آیا۔

دوپہر کے وقت یہ نظارہ ختم ہو گیا تو مہارانی کو بڑی مشکل سے شہر کی طرف لوٹنے پر آمادہ کیا گیا۔ مقتول وزیر کی لاش بھی شہر کی طرف لے جائی گئی' جہاں اسی روز دربار کے متعدد سرداروں کی موجودگی میں مستی دروازہ کے سامنے اس کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ مقتول وزیر کی دو رانیاں اور اس کی تین کنیزیں لاش کے ساتھ ستی ہو گئیں۔

اس ہولناک تقریب میں سکھ سپاہیوں کا ایک حفاظتی دستہ بھی موجود تھا۔ لہٰذا انہوں نے بدنصیب عورتوں سے اس قدر ظالمانہ اور بربریت کا سلوک کیا کہ اس قوم کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جب یہ بیچاری بے یار و مددگار خواتین اپنی تمام دولت اور زیورات کے ساتھ (جنہیں ان کے اطراف میں آدمیوں نے کھلے طشتوں میں اٹھایا ہوا تھا) ایک خاموش جلوس کی شکل میں قربان گاہ کی طرف بڑھ رہی تھیں (ان کا مقصد اس دولت کو خیرات کے طور پر تقسیم کرنا تھا) تو ان مسلح ڈاکوؤں نے بے شرمی سے انہیں لوٹ لیا اور جیسے ہی یہ بدقسمت عورتیں چتا پر بیٹھیں' تو ان بدمعاش محافظوں نے ان کے ناک اور کانوں سے زیورات کھینچ کر اتار لیے (جو ان کے مذہب کی سخت تلقین کے تحت پہنے جاتے ہیں) ان راکھشسوں نے اس بے عزتی پر ان کی چیخوں اور لعنت ملامت کو صرف مختلف قسم کی گالیاں ہی سمجھا۔ یہ سب کچھ لوٹنے کے بعد بھی وہ مطمئن نہ ہوئے تو انہوں نے آگ سے ان کی انگوٹھیاں اور ان کی قیمتی پوشاک پر آویزاں اشیاء کو بھی باہر کھینچ لیا۔ ان بے یار و مددگار مظلوم عورتوں نے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس پوری سکھ قوم پر لعنت بھیجی' جن سے ان وحشیوں کا تعلق تھا۔

پس سکھوں نے پشورا سنگھ کی موت کا انتقام لے لیا تھا۔ اس سانحہ کے بعد کئی ہفتوں تک رانی کا غم کم نہیں ہوا۔ وہ ہر روز ماتم کرتی اور اپنے بال بکھرا کر اپنی کنیزوں کے ہمراہ لاہور کی گلیوں میں عوام الناس کے سامنے سے گزرتی ہوئی میدان قواعد کے پار مستی دروازہ کے باہر ایک باغ میں واقع اپنے بھائی کی سادھ پر جاتی' جہاں وہ زار و قطار اپنے آنسو بہاتی رہتی۔

فوجیوں نے اب رانی کے ساتھ صلح کرنے کا ارادہ کیا۔ مختلف پلٹنوں نے وزیر کے قتل کے سلسلہ میں ایک دوسرے پر تہمت لگانی شروع کر دی۔ اس جرم کے ساتھ جن کا قریبی واسطہ تھا' چند لوگوں نے صرف انہیں کو سزا کے قابل قرار دیا۔ جب کہ دوسروں نے یہ دلیل پیش کی کہ اس کارروائی میں موجود ہر سپاہی کو اس مقصد کا پورا علم تھا' جس کے لیے انہیں بلوایا گیا تھا۔ چند روز کے بعد رانی نے ثمن برج میں پنچوں اور سرداروں کا

ایک اجلاس طلب کیا۔ لہٰذا جب سب جمع ہوگئے تو اس نے اعلان کیا کہ اسے تب تسلی ہوگی جب اس کے دشمنوں کو گرفتار کر کے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ سوچیت سنگھ کا سابقہ دیوان جواہر مل' جو اس وقت موجود تھا اور سازش میں شریک تھا' اسے گرفتار کر کے رانی کے حوالے کر دیا گیا اور جہاں تک پرتھی سنگھ اور دیگر ڈوگروں کا تعلق تھا (جنہوں نے فوج کو روپیہ فراہم کیا تھا) ان کے بارے میں اس بات پر اتفاق رائے ہوگیا کہ انہیں بھی گرفتار کر کے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ تاہم انہیں رات کے وقت چند سواروں کے ہمراہ شہر سے پہاڑوں کی طرف روانہ ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ لہٰذا رانی نے یہ دیکھا تو خیال کیا کہ اس کے پاس سوائے اب خاموش رہنے کے اور کوئی متبادل راستہ نہیں۔ اس وقت اس کے پاس سب سے زیادہ قریبی سردار لال سنگھ تھا' جس کے متعلق سب کو معلوم تھا کہ وہ اس کا عاشق ہے۔ لہٰذا اس کے مشورہ کے تحت چند دنوں کے بعد جواہر مل کو رہا کر دیا گیا۔

رانی نے اب حکومت کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ وہ ہر روز دربار منعقد کرتی' جن میں احکامات جاری کیے جاتے۔ دسہرہ کے بعد اسے سرکار کی قائم مقام قرار دے دیا گیا۔ لہٰذا وہ اکثر عوام الناس میں آتی اور سرکاری امور پر دیوان دینہ ناتھ' بھائی رام سنگھ اور مصر لال سنگھ سے باری باری مشورہ کرتی۔ لیکن اصل طاقت ابھی تک فوج کی پنچائتوں کے پاس تھی' جو وزارت کو گلاب سنگھ کے ہاتھ میں دینا چاہتی تھی۔ اگرچہ اس عیار راجہ نے اس پرخطر منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ خوشحال سنگھ کا بھتیجا تیج سنگھ' جو اس وقت حاکم پشاور تھا' وہ لاہور پہنچا تو اسے وزارت کے اعلیٰ منصب کی پیش کش کی گئی مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ رانی' جو ہمیشہ سے اپنے عاشق لال سنگھ کے مفادات کو بڑھانے کے لیے بے چین رہی' اس نے علم غیب کے ذریعے اس تقرری کے مسئلہ کو حل کرنے کا فیصلہ کیا۔ کاغذ کی پانچ پرچیاں تیار کی گئیں۔ ہر ایک کے اوپر امیدوار کا نام تھا۔ لہٰذا کم سن مہاراجہ کو قرعہ اندازی کرنے کے لیے کہا گیا۔ حادثاتی طور پر یا جان بوجھ کر لال سنگھ کا نام نکل آیا (لیکن فوج نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا) لہٰذا یہ منصوبہ بھی ناکام ہوگیا۔ رانی نے لال سنگھ کی بطور مختار کل وزیر اور تیج سنگھ کی بطور سپہ سالار مدد کے ساتھ قائم مقام کی حیثیت سے سرکاری امور کی انجام دہی جاری رکھی۔

خالصہ فوج کی طاقت اب اپنے عروج پر تھی۔ ہر کوئی اس سے خوف کھاتا تھا اور حکومت کے اعلیٰ ترین افسران کو اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر فوجیوں کا لالچ (جس کی کوئی انتہا

نہیں تھی) پورا نہ ہوا تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ رانی نے اپنی خطرناک صورت حال کو دیکھ لیا تھا۔ خالی خزانے اور سلطنت کے بالکل ختم وسائل کے ساتھ وہ باغی سکھ سپاہیوں کے لالچ کو پورا کرنے کی حیثیت میں نہیں تھی۔ جو اب شیر سنگھ کے کم سن بیٹے کو مہاراجہ پنجاب بنانے کے متعلق آزادانہ باتیں کرتے پھرتے تھے۔ رانی اور اس کے دوستوں نے ان کی توجہ کسی اور جانب لگانے اور ان کے اتحاد کو توڑنے کے لیے ستلج کو پار کر کے حکومت برطانیہ سے جنگ کرنے کی تجویز تیار کی۔ یہ سننے پر سپاہیوں نے جنگی اسلحہ اور عسکری ذخائر کے لیے شور مچانا شروع کر دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اگر ان کو ان کی فراہمی نہ کی جاتی تو وقتی طور پر ہندوستان کی مہم کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ دریں اثناء دربار امرتسر منتقل ہوگیا اور تمام سرکاری احکامات رام باغ کے محل سے جاری ہونے لگے۔ یہ تقریباً نومبر ۱۸۴۵ء کے آغاز میں واپس لاہور آگیا اور کچھ دیر تک کے لیے شالا مار باغ میں خیمہ زن ہوگیا۔ راجہ لال سنگھ نے اب برملا وزیر کے فرائض سنبھال لیے اور رانی کے زیر انتظام سرکاری امور کی انجام دہی دینے لگا۔

اب یہ افواہیں آزادانہ گردش کرنے لگیں کہ برطانوی فوج ستلج کے جنوب اور مشرق کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔ دریائے ستلج کے پار علاقوں کے سکھ حاکموں کی طرف سے خطوط تیار کیے گئے، جن میں یہ دکھایا گیا تھا کہ برطانوی افسران واقعی سکھ رعایا کے معاملات میں دخل اندازی کر رہے ہیں اور انہیں ہر قسم کی مصیبت اور اذیت سے دو چار کر رہے ہیں۔ یہ افواہیں اس قدر کامیابی سے پھیلائی گئیں کہ فوج میں زبردست اشتعال پیدا ہوگیا اور لاہور شہر میں زبردست تشویش پھیل گئی۔ نومبر کے آغاز میں راجہ لال سنگھ نے شالامار باغ میں سرداروں، فوج کے پنچوں اور سرکاری افسران کا اجلاس طلب کیا۔ لہٰذا جب سب جمع ہوگئے تو دیوان دینا ناتھ نے ایک خط پڑھ کر سنایا۔ نفس مضمون یہ تھا کہ اسے ستلج کے پار ایک سکھ افسر نے بھیجا ہے، جس میں خفیہ طور پر بتایا گیا تھا کہ برطانوی حکام دربار کی رعایا سے اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کر رہے ہیں اور ان سے خراج کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس نے مطلع کیا کہ کشمیر اور پشاور میں حکومت کا کوئی نظام نہیں۔ انہوں نے حکومت کی آمدنی کے حساب میں ایک روپیہ بھی جمع نہیں کرایا اور یہ کہ پورے ملک میں افراتفری اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔

اس نے انہیں یاد دلایا کہ ان کا مہاراجہ محض ایک بچہ ہے اور پوری سکھ قوم بحیثیت وفادار رعایا کے اس کے حقوق کا دفاع کرنے کی پابند ہے اور یہ کہ اگر سکھ حکومت اور

اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے فوری انتظامات نہ کیے گئے تو اس کے نتیجہ میں اس کا خاتمہ ناگزیر ہوگا۔ بعد ازیں دیوان نے راجہ لال سنگھ کو وزیر اور سردار تیج سنگھ کو سکھ افواج کا سپہ سالار مقرر کرنے کے لیے اجلاس کو مہارانی کی خواہش سے آگاہ کیا گیا۔ اس فصیح و بلیغ تقریر نے خالصہ کے پنچوں اور وہاں جمع سرداروں پر اس قدر اثر مرتب کیا کہ انہوں نے متفقہ طور پر جنگ کا نعرہ لگایا اور مہارانی کی تجویز کردہ تقرریوں کی بلند نعروں کے ساتھ منظوری دے دی۔ اس اجلاس کے دو یا تین روز بعد کم سن مہاراجہ اپنے سرداروں کے ساتھ لاہور میں محل کی طرف لوٹ گیا۔

لاہور کے عوام کے تمام طبقوں میں ہندوستان کے لیے ایک مہم نمایاں موضوع بحث تھا اور وحشی فوجی کھلے بندوں اس لوٹ مار کی تفصیل بیان کرتے پھر رہے تھے، جس کی انہیں متھرا، دہلی اور بنارس سے ملنے کی امید تھی۔ کیونکہ ان کے مدنظر پورے ہندوستان کو تسخیر کرنے کی شیخی سے کم اور کوئی بات نہیں تھی۔ راجہ لال سنگھ اور سردار تیج سنگھ کو رسمی طور پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھ پر بٹھا دیا گیا اور فوج کے پنچ اور سردار، سرداروں کو آداب بجا لانے اور ستلج کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے احکامات حاصل کرنے کے لیے وہاں جمع ہوئے۔ پہلے گرنتھ سے اقتباسات پڑھ کر سنائے گئے اور کرچا پرشاد یا چینی اور کشمش سے تیار کردہ میٹھی روٹی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد پنچوں اور سرداروں سے درخواست کی گئی کہ وہ کم سن مہاراجہ دلیپ سنگھ سے وفاداری اور وزیر راجہ لال سنگھ و سپہ سالار سردار تیج سنگھ کے لیے اطاعت کے وعدہ کے طور پر اپنے ہاتھ مقدس گرنتھ اور رنجیت سنگھ کی سمادھ کے اوپر چھتری پر رکھیں۔ ان رسومات کے بعد رسمی طور پر حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ کا اعلان کیا گیا اور خالصہ فوج کو ستلج کے پار پیش قدمی کرنے کا حکم دیا گیا۔

دربار نے اس مہلک فیصلے کے چار اسباب پیش کیے۔ پہلا برطانوی فوجوں کی ستلج کی طرف پیش قدمی اور پنجاب میں فسادات شروع ہونے سے قبل برطانیہ کی طرف سے جارحانہ تدابیر اختیار کرنا، جس کو جارحانہ تیاریوں کی روشنی میں دیکھا گیا۔ دوسرا برطانوی حکام کا فیروز پور کے بیت المال میں اٹھارہ لاکھ روپے جمع کرانے سے انکار، سکھ حکومت نے جس کا دعویٰ آنجہانی راجہ سوچیت سنگھ کی جائیداد کے طور پر کیا تھا۔ تیسرا حکومت برطانیہ کی طرف سے نابھہ کے راجہ کے لیے موضع موروان کی ضبطی کی توثیق اور آخری ستلج کے جنوب میں خالصہ مقبوضات میں سکھ فوجیوں کے آزادانہ داخلے کی اجازت دینے سے حکومت برطانیہ کا انکار۔ یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا کہ انگریز ستلج کے اوپر ایک پل بنانے کے

لیے بمبئی میں کشتیاں تیار کر رہے ہیں اور فوجیوں کو سندھ میں ملتان کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے ساز و سامان سے لیس کیا جا رہا ہے۔ یقیناً یہ تمام الزامات بے قابو اور بے ہودہ خالصہ فوج کو ایک ایسی طاقت کے ساتھ متصادم کرانے کے لیے محض بہانے تھے' جس نے اگر ان کے وجود کو نہیں تو ان کے اثر و رسوخ کو ضرور تباہ کر دیا تھا۔ چنانچہ فوج کے احتساب کے ذریعے پنجاب میں ایک سکھ حکومت کے قیام کو ممکن بنا دیا۔

حوالہ جات

(۱) ان میں سے ایک خاتون انتہائی خوبصورت اور تقریباً بائیس برس کی عمر کی تھی۔ (سمتھ)

(۲) میجر میکریگر اپنی تصنیف "سکھوں کی تاریخ" میں لکھتا ہے کہ جموں کے راجہ گلاب سنگھ کا بڑا لڑکا بھی اسی ہاتھی پر سوار تھا۔ لہٰذا اس کا بھی یہی انجام ہوا۔ یہ حقیقت نہیں ہے۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پیدل چل رہے تھے اور جب وہ محرابی دروازہ میں سے گزرنے لگے تو اس دروازے کا ایک حصہ ان پر گرا۔ وزیر کا بھتیجا موقع پر ہی ہلاک ہوگیا اور شہزادہ اس بری طرح زخمی ہوا کہ بے ہوش ہوگیا۔ یہ بیان انگریزوں اور مقامی تفصیلات کے عین مطابق ہے۔

(۳) میکریگر کے مطابق اس فرمان پر اس کے دستخط اس وقت حاصل کیے گئے جب وہ شراب کے نشے میں مدہوش تھا۔ اسے اس بات کا کوئی ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس میں بڑی مشکل ہی سے حقیقت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دستاویز کے لیے بعد ازیں اس کی مہر بھی حاصل کر لی گئی تھی۔ مجوزہ قتل کا طریقہ اور وقت صرف اس فرق کے ساتھ مقرر تھے کہ اصل میں شکار خود مہاراجہ تھا۔ قتل کے روز بھی بالکل اسی قسم کے پیش نامہ پر عمل درآمد کیا گیا۔ مہاراجہ بے ہوشی کی حالت میں اس سارے انتظام کے بارے میں رضامندی نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اس نے پروگرام کے مطابق عمل پیرا ہو کر سندھیانوالہ سرداروں کا استقبال کرنا تھا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ سارا منصوبہ اچھی طرح سوچا سمجھا تھا اور اسے شیر سنگھ کی مکمل طور پر منظوری حاصل تھی۔

(۴) سمتہ کے مطابق اس موقع پر شیر سنگھ شہر کے مشرق میں تین میل کے فاصلے پر شاہ بلاول میں رہنے کے لیے گیا تھا۔ تاہم سارے بیانات اس پر متفق ہیں کہ وہ اپنے قتل کے روز ہی شہر سے روانہ ہوا تھا۔

(۵) اس واقعہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈاکٹر ھونی برگر اپنی تصنیف "مشرق میں مہمات" میں لکھتے ہیں کہ "جس جگہ اس ہولناک جرم کا ارتکاب کیا گیا میں حادثاتی طور پر اس سے دس قدم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ نیز اس کے المناک قتل سے پانچ منٹ قبل میں مہاراجہ سے باغ میں ایک درخت کی نیچے کھڑا بات کر رہا تھا' جہاں اس نے اپنی واپسی تک مجھے وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا۔ ہماری ملاقات کا موضوع بمعہ آلات کے بارود کا کارخانہ تھا' جس کے بنانے کا مجھے دھیان سنگھ نے حکم دیا تھا۔ شیر سنگھ نے چار روز پیشتر (بروز اتوار) اس کارخانے کا معائنہ کیا تھا اور اس قدر مطمئن ہوگیا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے میرے بازوؤں پر طلائی کڑوں کا ایک جوڑا پہنایا اور مجھے ۹۰۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ کے علاوہ ۵۰۰ روپے کی اضافی رقم دینے کا حکم دیا۔ یہ محض ایک زبانی وعدہ ہوا کرتا تھا۔ میں تحریری طور پر اختیار حاصل کرنے کی غرض سے روزانہ دربار گیا۔ لہٰذا اس مہلک جمعرات کو بھی اس کے ساتھ تھا' جس روز اسے قتل کر دیا گیا"۔ فاضل ڈاکٹر اس ہولناک واقعہ کے عینی شاہد تھے اور حقائق کے بارے میں ان کے بیان کی ہم آہنگی زیادہ تر ہمارے بیانات کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ شیر سنگھ کی موت کے بارے میں میکریگر نے جس قسم کی کہانی بیان کی ہے' کسی معلوم مستند بیان کے ساتھ اس کی کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ وہ لکھتا ہے: "جس وقت وہ مصروف تھا' اجیت سنگھ نے ایک نئی انگریزی بندوق پر مشتمل ایک خوبصورت صندوقچہ پیش کیا اور شیر سنگھ کو دکھایا۔ مہاراجہ نے اس صندوقچے اور اس کی اشیاء کا معائنہ کیا اور نالی اور اس کے دستہ کو اٹھایا اور ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر اس کا نشانہ دیکھا۔ اجیت سنگھ نے بتایا کہ یہ بھری ہوئی ہے۔ اس پر شیر سنگھ نے اجیت سنگھ کے ایک خدمت گار کو بندوق دی اور کہا کہ وہ اس سے گولی چلائے۔ اس کے آقا نے اشارہ کیا اور بندوق کی گولیاں مہاراجہ کے سینے میں اتر گئیں" یہ بیان بذات خود نہایت بعید از قیاس ہے۔ کیونکہ یہ اجیت سنگھ کے ایک نوکر کو مہاراجہ کا قاتل بتاتا ہے جب کہ تمام بیانات اس پر متفق ہیں کہ خود اجیت سنگھ قاتل تھا۔

(۶) یہ گرہن کا دن تھا۔ لہٰذا شہزادے کو سونے اور چاندی میں تولا گیا تھا۔ جسے خیرات کے طور پر برہمنوں کو دیا جانا تھا۔

(۷) میکریگر ننہ سنگھ کی موت کو اجیت سنگھ کی ہلاکت سے پہلے بتاتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ "ننہ سنگھ کو اسلحہ کے لیے حضوری باغ سے آتے ہوئے اور بادشاہی مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ کیسری سنگھ نے نشانہ لگایا اور سردار مہلک زخموں کے باعث گر پڑا مگر اسے دروازے میں سے گھسیٹ کر خواب گاہ کی طرف لایا گیا' جہاں وہ دو روز بعد انتقال کر گیا"۔ یہ بیان مکمل طور پر غیر مستند ہے۔ سنتہ کی تصنیف "لاہور کے حکمران خاندان کی تاریخ" کا موازنہ رائے کنہیا لال کی "تاریخ پنجاب" سے کیجئے۔

(۸) دونوں کو مذہبی اشخاص ہونے کے باعث (ایک گرنتھی اور دوسرا برہمن تھا) قتل کر کے اس کو سکھ عوام کے جوش و خروش سے بچنے کے لیے عوام الناس سے پوشیدہ رکھا گیا۔ مصر بیلی رام کو شیخ امام الدین کے حوالے کر دیا گیا' جس نے خفیہ طریقے سے اسے ہلاک کر دیا۔

(۹) مسٹر میکریگر بیان کرتے ہیں کہ ان رانیوں نے خود کو اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ جلا ڈالا تھا۔ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ راجہ جموں سے لاہور کی طرف اپنی رانیوں کے بغیر آیا تھا اور اسے اس کے بھتیجے کی سمادھ کے نزدیک اکیلے ہی جلایا گیا تھا۔

باب ۲

انگریزوں کے ساتھ جنگیں

سکھوں کی پہلی جنگ

پنجاب میں جس وقت فسادات اور افراتفری کا دور دورہ تھا' اس دوران حکومت برطانیہ نے صلح کل اور برداشت کا رویہ اختیار کیا۔ درحقیقت اس بارے میں شاید یہ نہیں سوچا گیا تھا کہ ایک غیر متحد' فتنہ ساز اور اندرونی جھگڑوں میں مصروف قوم' اپنے طاقتور مگر بے ضرر ہمسایہ کے علاقہ پر حملہ کرنے کا خطرہ مول لینے کے لیے اس قدر بیباک ہو جائے گی۔ برطانوی حکام ان اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی سختی سے دفاعی طرز عمل پر کاربند رہے۔ جون ۱۸۴۵ء کے اوائل میں گورنر جنرل سر ہنری ہارڈنج نے جہاں تک ممکن ہو سکے پنجاب میں ایک سکھ حکومت قائم رکھنے کے لیے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ اس حکمت عملی کے اعلان کو ستمبر میں اور دوبارہ اکتوبر کے ابتدائی حصہ میں دوہرایا گیا۔ مسلسل اشتعال انگیزی کی گئی' لیکن اس کا جواب ہتھیاروں سے نہیں بلکہ دوستانہ مشورے یا واضح انداز میں بروقت تنبیہات سے دیا گیا۔ گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف (سر ہیوگوہ) کی ۱۴ دسمبر تک رائے یہ تھی کہ سکھ' ستلج کو پار نہیں کریں گے۔

۸ دسمبر کو سکھوں کی بہت بڑی افواج ستلج کے دائیں کنارے پر نمودار ہوئیں اور اگلے دو روز تک ان کی بہت بڑی تعداد کا دخول جاری رہا۔ جیسے ہی وہ داخل ہوئے انہوں نے توپ خانے کو وہیں چھوڑا' جس میں وہ بے شمار توپیں لائے تھے۔ سکھ سواروں کی ایک کثیر تعداد نے بھی بائیں کنارے کی طرف دریا کو پار کیا۔ فیروزپور کے سامنے ہری کا پتن تک کے میدان سکھ فوجیوں کی بے شمار تعداد سے بھر گئے۔ فیروزپور کی ظاہری چوکی اس

وقت ۱۰،۰۰۰ جوانوں اور ۳۱ توپوں کے ساتھ ایک بہادر اور ماہر افسر' سر جان لٹل کے قبضہ میں تھی۔ ۱۳ تاریخ تک سکھ کشتیوں کے پل کے ذریعے بہت بڑی افواج کی شکل میں دریا کو پار کر کے فیروزپور سے تقریباً دس میل تک آگے بڑھ گئے۔ گورنر جنرل نے اپنے ایجنٹ میجر براڈفٹ کی طرف سے موصول شدہ اطلاعات کے نتیجہ میں کرنال کے مقام پر کمانڈر انچیف سے ملاقات کی اور اس کے بعد سرحد پر ایک دوسری چوکی' لدھیانہ کا دورہ کیا۔ اس وقت ایک پوری رجمنٹ مقامی پیدل فوج کی پانچ پلٹنوں' مقامی سواروں کی ایک پلٹن اور گھڑ چڑھ زنبوروں کے دو لشکروں کے قبضہ میں تھی۔

۸ تاریخ تک برطانوی فوج نے کوئی پیش قدمی نہیں کی' لہٰذا حکومت برطانیہ کی صلح کل حکمت عملی کا اس حقیقت سے پتہ چلتا ہے کہ جب سکھوں نے ستلج کی طرف پیش قدمی کی' تو سر ہنری نے اعلان کیا کہ "سرحد کی خلاف ورزی کیے جانے کے بغیر اس کی طرف سے کسی طرح بھی جنگ کا جواز پیدا نہیں ہوتا"۔ برطانوی ترجمان بیان کرتا ہے کہ دریائے ستلج پر حکومت لاہور کو بھی اسی طرح کمک بھیجنے کا حق تھا' جس طرح اس دریا پر ہمیں اپنی چوکیوں کو مدد پہنچانے کا حق تھا۔ تاہم جیسے ہی انہوں نے ۸ دسمبر کو یہ سنا کہ سکھ جنگ پر آمادہ ہیں تو انہوں نے حکم دیا کہ حملہ آور فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے فوری تدابیر کی جائیں' لہٰذا انہوں نے اس سلسلہ میں بھرپور کوششیں کیں۔ ۱۳ تاریخ کو حکومت برطانیہ کی حکمت عملی اور اغراض و مقاصد پیش کرنے کے لیے باضابطہ طور پر اعلان جاری کیا گیا۔ اس منشور میں اعلان کیا گیا کہ حکومت برطانیہ ہمیشہ سے حکومت پنجاب کے ساتھ دوستانہ شرائط پر قائم رہی ہے اور ۱۸۰۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ طے پانے والے معاہدہ کی شرائط پر ایمانداری سے کاربند رہی ہے۔ یہ کہ حکومت برطانیہ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشینوں کے ساتھ بھی اسی قسم کے دوستانہ تعلقات قائم رکھے ہیں۔ یہ کہ مہاراجہ شیر سنگھ کے انتقال کے وقت سے گورنر جنرل پر یہ فرض عائد ہوگیا ہے کہ وہ حکومت لاہور کی غیر منظم حالت کے پیش نظر برطانوی سرحد کی حفاظت کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔ یہ کہ لاہور کے دربار کی طرف سے گزشتہ دو سالوں کے دوران متعدد غیر دوستانہ کارروائیوں کے باوجود گورنر جنرل نے ہر موقع پر انتہائی برداشت کا مظاہرہ کیا اور خلوص دل کے ساتھ پنجاب میں ایک مضبوط حکومت کے از سرنو قیام کو دیکھنے کی خواہش کی۔ یہ کہ برطانوی علاقہ پر حملہ کرنے کی غرض سے سکھ فوج نے دربار کے احکامات کے تحت حال ہی میں لاہور سے پیش قدمی کر دی ہے اور وضاحت کے لیے مسلسل مطالبات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ یہ

کہ اب سکھ فوج نے بغیر کسی اشتعال کے برطانوی علاقے پر حملہ کر دیا ہے۔ اور چنانچہ حکومت برطانیہ کے اختیار کو قائم رکھنے اور عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرنے اور امن عامہ میں گڑبڑ پیدا کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے اور برطانوی صوبوں کی موثر حفاظت کے لیے گورنر جنرل نے تدابیر ضرور اختیار کرنا تھیں۔ بعد ازیں اس دستاویز میں جتایا گیا کہ ستلج کے بائیں کنارے پر مہاراجہ دلیپ سنگھ کے مقبوضات کو ضبط کر کے برطانوی علاقوں میں شامل کر لیا گیا ہے۔

اب اس بات کا اندازہ لگایا گیا کہ سکھوں کا مقصد' حکومت برطانیہ کے خلاف ایک عام بغاوت پیدا کرنا تھا۔ انہوں نے اس حکومت کی ملازمت میں مقامی فوج کے ساتھ باقاعدہ طور پر سازباز کرنے کی کوشش کی اور ان کے مذہبی تعصبات کو ہوا دی۔ کچھ وقت تک اس مقصد کے لیے حفاظتی سکھ ریاستوں کے سرداروں کو اس بات پر اکسانے کے لیے سازشیں بھی کی گئیں کہ جیسے ہی لاہور کی فوج ستلج کو پار کرے وہ خالصہ کے ساتھ مل جائیں۔

پانچ ہزار جوانوں اور بارہ توپوں پر مشتمل لدھیانہ کی پوری فوج اور پچھتر سو جوانوں اور چھتیس توپوں کی انبالہ فوج نے بریگیڈیئر و میلر کی قیادت میں پیش قدمی کر دی اور تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے وہ انبالہ اور کرنال کی سڑکوں کے اتصال پہ واقع بسیان پہنچ گئے' جہاں میجر براڈفٹ نے رسد اور ذخائر جمع کر رکھے تھے۔ لال سنگھ نے فیروزپور کے قریب سر جان لٹیلر کے قریب سے گزر کر' جنوب مشرق کی جانب تقریباً دس میل کے فاصلے پر موضع فیروز شہر میں خندقی مورچہ سنبھال لیا تھا جبکہ اس کی فوج کے ایک حصہ نے پچاس ہزار جوانوں اور ایک سو آٹھ توپوں کی مکمل تعداد کے ساتھ مدکی پر چڑھائی کر دی۔ جب اس نے سنا کہ پیش قدمی کرتی ہوئی برطانوی فوج اس کے مقابلے میں تھوڑی ہے تو وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ برطانوی فوج نے چھ دنوں میں ۱۵۰ میل کا سفر طے کیا اور کم کھانا کھایا یا آرام کیا' کیونکہ سکھوں کی طرف سے ستلج کو پار کرنے کی خبر ۱۱ دسمبر کو اس وقت انبالہ پہنچی' جب کمانڈر انچیف کی جانب سے ناچ گانے کی ایک عظیم دعوت کا اہتمام کیا جانا تھا۔

مدکی کی جنگ

۱۸ دسمبر ۱۸۴۵ء کو فیروزپور سے بیس میل جنوب مشرق کی جانب مدکی کے مقام پر پہلی جنگ تقریباً گیارہ سو لڑاکا جوانوں پر مشتمل انبالہ اور لدھیانہ کی متحدہ فوج اور لال سنگھ کی قیادت میں تقریباً تیس ہزار جوانوں کے ساتھ چالیس توپوں پر مشتمل سکھ فوج کے درمیان

لڑی گئی۔ ایک عینی شاہد کے مطابق اس تاریخ کو برطانوی پڑاؤ میں مکمل خاموشی تھی اور دشمن کے متعلق اس کے سوا کچھ نہ سنا گیا کہ وہ انگریزوں کے قریب آگیا ہے کہ تقریباً شام کے چار بجے اچانک بھاری توپوں کے گرجنے کی آواز سنائی دی۔ گورنر جنرل (جو ایک پرانے اور آزمودہ کار سپاہی تھے) (۱) گھوڑے پہ بیٹھے تیزی سے میدان جنگ کی طرف بڑھے۔ برطانوی سپاہی تھکن سے چور اس وقت رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ سپاہیوں کو فوراً جنگ کے لیے صف آرا کر دیا گیا۔ کمانڈر انچیف سر ہیو گوہ' سواروں اور گھڑچڑھ توپ خانے کے ہمراہ آگے بڑھے اور پیادہ فوج اور میدانی توپ خانے کو پیچھے آنے کا حکم دیا گیا۔ دشمن کا مورچہ برطانوی پڑاؤ سے دو میل کے فاصلے پر جنگل' جھاڑیوں اور ریتلے ٹیلوں کے پیچھے تھا' جن میں انہوں نے اپنے توپ خانے کو نصب کیا ہوا تھا۔ برطانوی فوج کے سامنے آنے پر سکھ توپ خانے نے زبردست گولہ باری شروع کر دی' جس نے اس جانب انگریزوں کی پیش قدمی کو روک دیا' لیکن برطانوی سواروں کی بغلی نقل و حرکت نے سکھوں کی بائیں جانب کا رخ کیا اور ان کی پیادہ فوج کی پچھاڑی اور توپوں پر دھاوا بول دیا۔ جبکہ توپ خانے نے دشمن کی توپوں کو خاموش کر دیا۔ بعد ازیں' سر جان ایم کیسکیل' میجر جنرل سر ایچ سمتھ اور میجر جنرل گلبرٹ کی قیادت میں برطانوی پیادہ فوج نے سکھ پیادہ فوج پر حملہ کر دیا۔ جس وقت دونوں جانب سے انتہائی غیض و غضب کے ساتھ لڑائی جاری تھی' تو لال سنگھ نے اپنے اصل منصوبہ کے مطابق سکھوں کو اپنی بہادری پہ بھروسہ کرتے ہوئے لڑتے چھوڑ کر اچانک میدان کو چھوڑ دیا۔ سخت جان سکھ اپنے کمانڈر کی دغابازی سے دلبرداشتہ نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے نہ ختم ہونے والی قوت اور جانثاری کے ساتھ جنگ جاری رکھی۔ ان کے سواروں میں سے چند اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر کر ہاتھوں میں تلواریں لیے غیض و غضب سے انگریزوں کی صفوں پہ ٹوٹ پڑے' مگر انہیں زبردست کشت و خون کے ساتھ پسپا کر دیا گیا۔ سر ہنری انگریز فوج کے ایک حصہ کی نقل و حرکت کی بذات خود نگرانی کر رہے تھے۔ خود کو اس طرح عیاں کرنے پر مسٹر کیوری نے عزت مآب سے احتجاج کیا لیکن سر ہنری نے اسی طرح اس مشورے کی پرواہ نہ کی جس طرح اسی سرزمین پر دو ہزار سال پیشتر مقدونیہ کے بادشاہ نے اپنے مشیروں کے مشورہ کی پرواہ نہیں کی تھی۔ گورنر جنرل کی موجودگی نے سپاہیوں میں اعتماد پیدا کر دیا' لہٰذا برطانوی سپاہی انتہائی حوصلہ سے لڑے۔ آخرکار سکھ انگریزوں کی مصمم دلیری کے سامنے پسپا ہوگئے۔ چنانچہ انہیں سنگین کی نوک پر چوکی در چوکی پیچھے دھکیل دیا گیا۔ رات کی سیاہی کی آمد اور گرد و غبار کے

باعث انگریز فوج دریا کی جانب (جدھر وہ بھاگ اٹھے تھے) ان کا تعاقب نہ کر سکی' لیکن رات سے قبل ان کی سترہ توپوں پر قبضہ کر لیا گیا' ان میں سے چند بھاری توپیں تھیں۔ یہ جنگ ریگستانوں میں گرد و غبار کے بادلوں کے درمیان' تاروں کی نیم روشنی میں ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی۔ فتح' کامیابی سے حاصل کر لی گئی اور اس کے ذریعہ سے انگریزوں کو اپنے دشمن کے اصل کردار کا پتہ چل گیا۔ ایک افسر جو اس لڑائی میں موجود تھا' اس طرح منظر کشی کرتا ہے:

> "اب شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا اور معلوم ہو رہا تھا جیسے دشمن مراجعت کرنے والا ہے۔ جب ہم دوڑ رہے تھے' تو ہمارے پاؤں کے نیچے آدمیوں' گھوڑوں اور اونٹوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں' کچھ سسکیاں لے رہے تھے اور کچھ مردہ تھے' جبکہ زخمی بیچارگی سے کراہ رہے تھے اور ہمیں مدد کے لیے پکار رہے تھے' جو ہم نہیں دے سکتے تھے"۔

انگریزوں کی جانب ۲۱۵ افراد ہلاک اور ۶۵۷ زخمی ہوئے۔ مرنے والوں میں میجر جنرل سر رابرٹ سیل (جو جلال آباد کا بہادری سے دفاع کرنے کے لیے مشہور تھے) اور میجر جنرل سر جان ایم کیسکیل بھی شامل تھے۔

جنگ کے دوران سکھ اپنے حوصلے قائم رکھنے کے لیے نقارے بجاتے رہے۔ انہوں نے کیپٹن بیڈولف کو گرفتار کر لیا اور انہیں زنجیر سے باندھ کر رکھا' جب جنگ نے خودبخود انگریزوں کے حق میں فتح کا فیصلہ دینا شروع کر دیا' تو انہیں واپس بھیج دیا گیا۔ سکھوں نے کیپٹن کو سرخ رنگ کا ایک لمبا سا لبادہ اوڑھایا ہوا تھا جبکہ وہ ان کے کپڑے نوادرات کے طور پر اپنے ساتھ لے گئے۔ واپس آنے پر کیپٹن بیڈولف نے سکھ سپاہیوں کی طبیعت' ان کی توپوں اور اسلحہ جنگ کی تعداد کے بارے میں اہم خبر پیش کی۔

۱۸ تاریخ کی لڑائی کے بعد' سکھ مدکی اور فیروزپور سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر موضع فیروز شہر کے گرد اپنے مورچہ کے لیے نہایت سرگرمی سے خندق کھودنے میں مصروف ہوگئے۔ اب اس علاقہ میں سکھوں کی عظیم خندقوں پر ایک حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا' لہٰذا اس مقصد کے تحت سر جان لٹیل نے برطانوی فوج کے ساتھ الحاق کر لیا' جو فیروزپور سے اپنے ساتھ پانچ ہزار پیادہ فوج' سواروں کی دو پلٹونیں اور اکیس توپیں لے کر آئی تھی۔ اب برطانوی افواج کی تعداد سولہ ہزار سات سو جوانوں اور انہتر توپوں پر مشتمل تھی جبکہ دشمن کی فوج' سکھ فوج کے' تینتیس ہزار منتخب جوانوں کے علاوہ ایک سو آٹھ بھاری توپوں پر

مشتمل تھی' ان توپوں کو دھات کے وزن کے لحاظ سے برطانوی توپوں پر برتری حاصل تھی۔ سر ہنری ہارڈنج نے کمانڈر انچیف کو بطور نائب کمانڈار کے اپنی خدمات کی پیشکش کی' لہذا بخوشی انہیں قبول کر لیا گیا۔ سر جان لٹیل کی فوج کے ساتھ سکھوں کی خندقوں سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر جب ۲۱ دسمبر کو تقریباً دوپہر کے وقت ملاپ کیا گیا' تو فوری طور پر دشمن کے مورچے پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حملے کا آغاز تقریباً سہ پہر کے چار بجے کیا گیا' سر ہیوگوہ دائیں حصے کی اور گورنر جنرل بائیں حصہ کی کمان کر رہے تھے۔ برطانوی فوج صف آراء ہو کر پیش قدمی کر رہی تھی اور ان کے توپ خانہ نے تیز گولہ باری شروع کر دی' دشمن نے اس کا اتنی تیزی اور شدت سے جواب دیا کہ برطانوی فوجیوں کی جانب سے ان توپوں کو خاموش کرانے کے لیے بہترین کوششیں بھی ناکام ہو گئیں۔ سنسناتی گولیوں اور توپ کے گولوں کے طوفان کے درمیان' عملہ کے کیپٹن پرنگل او ہیملن نے خندقوں میں پاؤں جما لیے اور دشمن سے چند توپیں چھین لیں' لیکن توپوں کے عقب میں صف آراء سکھ پیدل فوج نے بندوقوں سے اس قدر شدید بوچھاڑ شروع کر دی کہ آگے بڑھتی ہوئی فوج خوفزدہ ہو کر پیچھے بھاگی۔ برطانوی فوجیوں نے دوبارہ حملہ شروع کر دیا' لہذا غروب آفتاب تک دشمن خندقی مورچوں کے ایک حصہ پر آخرکار قبضہ کر لیا گیا۔ میجر جنرل سر ہیری سمتھ کے دستہ نے موضع فیروز شہر پر قبضہ کر لیا مگر وہ رات کے دوران اس پر قبضہ برقرار رکھنے کے قابل نہیں تھے' اس لیے واپس چلے جانا پڑا۔ ملکہ عالیہ کی تیسری ڈریگون فوج نے انتہائی دلیری سے دشمن پر حملہ کیا اور ان کی چند خوفناک توپوں پر قبضہ کر لیا۔ دشمن کے پاس ابھی تک ان کے مورچے کا کثیر حصہ تھا۔ اب میدان پر رات کا تسلط قائم ہو گیا تھا۔ ہر طرف لڑائی میں جوش و خروش تھا اور اسے جس شدت اور تیزی کے ساتھ لڑا جا رہا تھا' اس نے انگریزوں میں افراتفری اور بد نظمی پھیلا دی۔ اس رات کو اصل میں "دہشت کی رات" کہنا زیادہ درست تھا۔ تھکے ہارے سپاہیوں کو (جو زیادہ محنت سے تھک گئے تھے اور ان کی تعداد بھی کم ہو گئی تھی) پیاس' سردی اور تھکن نے بے حال کر دیا۔ ابھی تک ان کا حوصلہ بلند تھا' انہوں نے جس حوصلے اور ہوشیاری کا مظاہرہ کیا وہ صحیح طور پر برطانوی سپاہیوں کے شایان شان تھی۔ سر ہنری ہارڈنج نے اپنے سرکاری مراسلات میں اس یادگار رات کے واقعات کے بارے میں بڑا واضح بیان دیا ہے۔ جسے ہاؤس آف کامن میں سر رابرٹ پیل نے بڑے جوش و خروش سے پڑھا تھا۔ سر ہنری نے لکھا:

"۲۱ دسمبر کی رات' میری زندگی کی انتہائی غیر معمولی رات تھی۔ میں

خوراک و لباس سے محروم آدمیوں کے ساتھ خیمہ زن تھا اور ہماری راتیں شدید سرد تھیں۔ ہمارے سامنے جلتا ہوا پڑاؤ تھا' زبردست گولہ باری سے ہمارے ساتھی گر رہے تھے' یہ گولہ باری ساری رات جاری رہی۔ اس میں سکھوں کے وحشیانہ نعرے' انگریزوں کی داد و تحسین' فوجیوں کے چلنے کی آواز اور مرنے والوں کی کراہیں بھی شامل ہوگئیں۔ اسی حالت میں مٹھی بھر آدمیوں کے ہمراہ (جو گزشتہ رات کو توپیں لائے تھے) میں مختلف پلٹونوں کے مزاج کا جائزہ لینے اور ان کے حوصلہ کو بڑھانے کے لیے' مختصر وقفوں میں آرام کرتے ہوئے صبح تک ان کے ساتھ رہا۔ میں نے ۲۹ویں' ۳۱ویں' ۵۰ویں اور ۹ویں رجمنٹ کے اپنے پرانے دوستوں کے ساتھ اپنے آپ کو خوش دلی سے پایا۔ سب اور ان میں سے ہر ایک کے لیے میرا یہ جواب تھا کہ ہمیں صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرنا چاہیے' اسے پیٹنا چاہیے یا میدان میں باوقار انداز میں مر جانا چاہیے۔ بہادر آزمودہ کار جنرل (سرہیوگوہ) جو مہربانی دل اور زبردست بہادری میں یگانہ روزگار تھے' مجھ سے ان کی مکمل ہم آہنگی تھی"۔

رات کے دوران فیروزپور کی طرف پیچھے ہٹنے کی تجویز تھی مگر لارڈ گوہ کا نڈر حوصلہ اور سرہنری ہارڈینج کی زبردست جرات اس قسم کا راستہ اختیار کرنے کے زبردست خلاف تھی۔ گورنر جنرل کی ممتاز وضع قطع اور خوش دلی نے ان مشکلات کے دوران تھکے ہارے سپاہیوں کا دل بہلائے رکھا۔ سکھ اپنے ساتھ کثیر تعداد میں جھاڑیاں بھی لائے تھے' انہوں نے رات کے وقت انہیں جلا کر اپنے اکڑے ہوئے اعضاء کو گرمی پہنچائی۔ انہوں نے توپوں کی مسلسل گولہ باری سے انگریز فوجیوں کو تنگ کرنا جاری رکھا۔ لہٰذا انگریزوں کا مورچہ زبردست خطرے میں گھر گیا۔ ان مشکلات کے درمیان رات گزر گئی۔ ۲۲ تاریخ کو صبح ہوتے ہی برطانوی فوج انتہائی پھرتی سے صف آراء ہوئی' لہٰذا وسط سے ایسی بھاری توپوں کی گولہ باری شروع کر دی گئی جو زیادہ سے زیادہ موثر ثابت ہوسکیں۔ سردی اس قدر شدید تھی کہ آدمیوں کو بندوقیں پکڑنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ دن کے وقت ان کی پیاس اس قدر زیادہ تھی کہ وہ متعفن پانی پینے کے لیے دوڑے جسے زہر سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ گھوڑے زبردست تھکاوٹ اور مشقت کے باعث تقریباً پاگل ہوچکے تھے۔ سرہیوگوہ اور سرہنری ہارڈینج تیزی سے آگے بڑھے' دشمن کی گولہ باری ان کی پیش قدمی نہ روک سکی' لہٰذا انہوں نے اس کو موضع فیروزپور شہر اور ان کے پڑاؤ سے پیچھے دھکیل دیا۔ بعد ازیں

برطانوی فوج نے قلب پر حملہ کر کے پڑاؤ کا صفایا کر دیا' ہر مزاحمت ختم کر دی اور دشمن کو اس کے پورے مورچہ سے بے دخل کر دیا۔ اس کے بعد فوج نے اپنے دونوں کمانڈروں کو اپنے سامنے انتہائی خوشی کے ساتھ خالصہ کے مقبوضہ علم کو دکھاتے ہوئے دیکھا تو وہ ٹھہر گئی۔ انگریزوں نے میدان مار لیا تھا اور ۷۳ سے زائد توپوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ سکھ فوج مکمل طور پر پسپا ہو کر ستلج کے پار چلی گئی' اس نے انتہائی افراتفری اور مایوسی کی حالت میں غلہ کے بڑے بڑے ذخائر' پڑاؤ کے ساز و سامان اور اسلحہ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ ان کا کمانڈر لال سنگھ پہلے ہی فرار ہو چکا تھا' لہٰذا آگ بگولا فوج نے اس کا اسلحہ خانہ لوٹ لیا۔

لیکن فاتحین کی کوششوں اور خوشیوں کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ تیج سنگھ (جس نے اس عظیم جنگ میں کمان کی تھی) ستلج سے بیس ہزار پیادوں' پانچ ہزار سواروں اور ستر توپوں پر مشتمل ایک تازہ دم فوج لے کر آ گیا۔ اس موقع پر برطانوی کمانڈروں نے ایک نئی سکھ فوج کی اچانک پیش قدمی پر تشویش کا اظہار کیا' کیونکہ ان کا ہر قسم کا اسلحہ تقریباً ختم ہو چکا تھا' جبکہ سپاہی مکمل طور پر تھک چکے تھے اور ان کی گزشتہ مشقتوں کی تھکاوٹ دور کرنے کا اب وقت نہیں تھا۔ تاہم ہوا یہ کہ سکھ اپنی توپوں سے چند فائر کر کے برطانوی سواروں کی نقل و حرکت پر بظاہر خوفزدہ ہو کر اسی طرح واپس ہو گئے جس طرح آئے تھے۔ تیج سنگھ کے پرجوش اور قابل اعتماد سپاہیوں نے اسے مشورہ دیا کہ صبح کے وقت انگریزوں کی صف پر حملہ کر دیا جائے' لیکن اس نے جان بوجھ کر تاخیر کی اور اس وقت تک میدان میں نہیں آیا جب تک لال سنگھ کی فوج کو مکمل طور پر شکست نہیں ہو گئی' اس کا مقصد سرکش خالصہ فوج کو منتشر اور مرعوب کرنا تھا۔ اس نے انگریزوں کی فتح کو مکمل کر دیا۔

جب سے انگریزوں نے اس سرزمین پر قدم جمائے' اس وقت سے لڑی گئی متعدد جنگوں میں سے کوئی ایسی جنگ نہیں تھی' جس میں اس قدر نقصانات ہوئے ہوں' جتنے اس جنگ میں ہوئے تھے۔ اس جنگ میں ان کے ۶۹۴ افراد مارے گئے اور ۱۷۲۱ زخمی ہوئے یا تقریباً پوری انگریز فوج کا ساتواں حصہ معروف تھا۔ مرنے والوں میں پولیٹیکل آفیسر میجر براڈفٹ' ہرات کی شہرت کا حامل' ڈی آر سی ٹوڈ اور بریگیڈیئر و ملیس شامل تھے۔ گورنر جنرل کا پورا عملہ ناکارہ ہو گیا' ماسوائے ان کے بیٹے کیپٹن ہارڈنج کے۔ سکھوں کے نقصان کا تخمینہ آٹھ ہزار لگایا گیا۔ ۷۳ توپوں اور متعدد جھنڈے فاتحین کے ہاتھ لگے۔ فیروز شہر کی فتح بہت اہمیت کی حامل تھی' کیونکہ اس سے نہ صرف خالصہ فوج کی حوصلہ شکنی ہوئی بلکہ وہ تقریباً اپنی تمام توپوں سے محروم ہو گئے۔ درحقیقت اگر برطانوی کمانڈروں کو ۲۱ تاریخ کی

رات کو لال سنگھ کی نااہلی یا تیج سنگھ کی غداری کا علم یا یقین ہوتا' تو اس رات کسی کے ذہن میں فیروزپور کی طرف لوٹنے کا خیال نہ آتا۔ ان کارروائیوں کے بعد سکھ کمانڈر تیج سنگھ نے گورنر جنرل کے ساتھ گفت و شنید کرنے کے لیے برطانوی پڑاؤ کا دورہ کیا' مگر عزت مآب گورنر جنرل نے اس وقت تک اس کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ کرنے سے انکار کر دیا جب تک برطانوی فوج پنجاب کے دارالسلطنت کی دیواروں تک نہیں پہنچ گئیں۔

گورنر جنرل کا اعلان

۳۱ دسمبر ۱۸۴۵ء کو گورنر جنرل نے فیروزپور میں اپنے پڑاؤ سے ایک باضابطہ اعلان جاری کیا' جس میں بتایا گیا کہ حکومت لاہور نے بلااشتعال یا اعلان جنگ کے' انگریزوں سے جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ یہ کہ ایک بہت بڑی سکھ فوج جس نے برطانوی علاقوں پر حملہ کیا' اسے پسپا کر کے ستلج کے پار دھکیل دیا گیا ہے اور یہ کہ حکومت برطانیہ کے لیے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ وہ بلااشتعال جارحیت کے لیے سزا دینے اور حکومت پنجاب اور فوج کی طرف سے آئندہ غداری کی اسی قسم کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے اقدامات کرے۔ ہندوستان کے ان تمام مقامی باشندوں پر زور دیا گیا (جنہیں حکومت لاہور کی ملازمت میں لیا گیا تھا) کہ وہ فوری طور پر اپنی ملازمت چھوڑ کر خود کو ہندوستان کے گورنر جنرل کے زیر احکامات لے آئیں۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ انگریزوں کی جانب دریائے ستلج کے کنارے کی طرف آ جائیں اور برطانوی حکام کے سامنے حاضر ہو جائیں۔ اگر وہ اس حکم کی بجاآوری میں ناکام رہے تو انہیں برطانوی پناہ کے تمام حقوق سے دستبردار سمجھا جائے گا اور ان کے ساتھ اپنے ملک کے غداروں اور حکومت برطانیہ کے دشمنوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

جس وقت انگریز بھاری توپوں' اسلحہ اور ذخائر کی کمی کے باعث (جس کے بارے میں روزانہ دہلی سے توقع کی جاتی تھی) بیکاری کا شکار تھے' تو دشمن نے جنوری کے وسط میں بالائی ستلج پر مزید ایک اور حملہ کر دیا۔ رنجور سنگھ مجیٹھیہ (سردار لہنا سنگھ کا بھائی) کی قیادت میں سکھوں کی ایک مضبوط فوج نے ستر توپوں کے ساتھ پھلور کے مقام پر ستلج کو پار کیا اور لدھیانہ کے سرحدی پڑاؤ پر حملہ کر دیا' اس وقت مناسب حفاظتی فوج وہاں تعینات نہیں تھی۔ ایک ادنیٰ سردار لاڈوا کا راجہ بھی اس کے ساتھ شامل ہوگیا۔ وہ انگریزوں کا اطاعت گزار تھا لہٰذا اب وہ ان کا غدار ثابت ہوا تھا۔ سر ہیری سمتھ کو ایک سوار فوج اور اٹھارہ توپوں کے ساتھ لدھیانہ کی مدد کے لیے روانہ کیا گیا۔ بدووال کا قلعہ (جس میں رنجور سنگھ نے ایک چھوٹی سی حفاظتی فوج پھینک دی تھی) اس کے راستے میں آتا تھا' لیکن اس سے

پیشتر کہ برطانوی جرنیل وہاں پہنچتا' دس ہزار سکھ فوجیوں کی کمک وہاں پہنچ گئی۔ سر ہیری سمتھ نے غیر مساوی لڑائی سے بچنے کی کوشش کی اور سکھوں کے مقبوضہ مورچے سے ذرا فاصلے پر رہ کر اپنی پیش قدمی جاری رکھنے کا سوچا۔ لیکن سکھوں نے جنگ کا تہیہ کیا ہوا تھا' لہٰذا جیسے ہی برطانوی فوج سامنے آئی' اپنی توپوں سے ان پر گولہ باری شروع کر دی۔ ایک زبردست جھڑپ شروع ہو گئی' انگریزوں کو شکست ہوئی۔ ان کے سازوسامان کا ایک حصہ اور باربرداری کے بے شمار جانور سکھوں کے ہاتھ لگے۔ درحقیقت اگر بریگیڈیئر کیورٹین کی قیادت میں سوار فوج کا دستہ (جو دھرم کوٹ سے روانہ ہوا تھا) بروقت مدد بہم نہ پہنچاتا اور دشمن پر اچانک حملے نہ کرتا' تو انگریزوں کی طرف نقصان اس سے کہیں زیادہ شدید ہوتا۔ اب سر ہیری سمتھ نے لدھیانہ کے ساتھ آمد و رفت شروع کی' جسے مدد فراہم کی گئی۔ بدووال کی جھڑپ ۲۱ جنوری ۱۸۴۶ء کو ہوئی۔ انگریزوں کی جانب ۶۹ افراد ہلاک' ۶۸ زخمی ہوئے اور ۷۷ لاپتہ ہوئے۔ موخر الذکر لوگوں میں بے شمار افراد کو لاہور میں قیدی بنا لیا گیا' ان میں ایک اسسٹنٹ سرجن' مسٹر ہیرن بھی تھے۔

اس وقت رنجور سنگھ کو ستلج کے دائیں کنارے سے چار ہزار باقاعدہ سپاہیوں' بارہ توپوں اور سواروں کے ایک بہت بڑے دستے کی صورت میں کمک پہنچی' لہٰذا وہ بظاہر اس راستے کے ذریعے انگریزوں کی آمدورفت کو روکنے کے لیے جگراؤں کی طرف بڑھا۔ سکھوں نے بدووال میں اپنی کامیابی سے خوش ہو کر انگریزوں کو میدان سے بھگانے کی شیخی بگھارنی شروع کر دی۔

علی وال کی جنگ

گلاب سنگھ ۲۷ جنوری ۱۸۴۶ء کو لاہور پہنچا اور اسے فوری طور پر وزیر اور رہنما تسلیم کر لیا گیا۔ سکھوں کے ساتھ بیک وقت' سر ہیری سمتھ کو بھی بریگیڈیئر وہیلر کی قیادت میں ایک رسالے کی صورت میں کمک پہنچی اور اس کا ملاپ لدھیانہ کی فوج کے ساتھ ہو گیا' جس کی وجہ سے اب ان کی قیادت میں گیارہ سو جوانوں کے ساتھ بتیس توپیں بھی تھیں۔ ۲۸ تاریخ کو دن کی روشنی میں وہ دشمن پر حملہ کرنے کے لیے اس فوج کے ساتھ روانہ ہوئے' جس نے تقریباً پندرہ ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج اور چھپن توپوں کے ساتھ علی وال میں ایک خندقی مورچہ سنبھال لیا تھا۔ برطانوی فوج کے سامنے آتے ہی دشمن نے فوراً زبردست گولہ باری شروع کر دی' لہٰذا ایک گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ سنگینوں اور تلواروں کی چمک سے انتہائی جاذب نظر سماں پیدا ہو گیا تھا۔ گردوغبار بالکل نہیں تھا اور

سورج بھی خوب چمک رہا تھا۔ برطانوی لشکر چند منٹ تک گولہ باری کے باعث ٹھہرنے پر مجبور ہوگیا' حتیٰ کہ بریگیڈیئر دائیں جانب آگے بڑھے' لہٰذا حملہ کر کے موضع علی وال پر قبضہ کر لیا گیا' لیکن سکھوں نے میدان میں قدم جمائے رکھے اور انتہائی ثابت قدمی سے لڑی۔ برطانوی فوج کے ساتھ کئی بار ان کا دست بدست مقابلہ ہوا۔ پیدل فوج کے ذریعے سولھویں نیزہ بردار دستے پر ایک حملہ میں انہوں نے اپنی بندوقیں پھینک دیں اور اپنے حریفوں کے نیزوں کے خلاف تلوار اور ڈھال کے ساتھ آگے بڑھے۔ تاہم ان کی زبردست مزاحمت بے سود ثابت ہوئی' برطانوی فوج مورچہ در مورچہ حملہ کرتی گئی اور توپ کے بعد توپ پکڑتی چلی گئی۔ حالانکہ دشمن نے بندی کے عقب میں جمع ہونے کی کئی بار کوشش کی' آخرکار اسے مکمل طور پر محصور کر لیا گیا' لہٰذا وہ تیزی سے ستلج کی دوسری جانب فرار ہوگیا۔ ان میں سے سینکڑوں دریا میں ڈوب گئے اور سینکڑوں برطانوی توپ خانے کی گولہ باری کی زد میں آ کر ہلاک ہوگئے' جو انتہائی باقاعدگی سے دشمن کی کشتیوں کے خلاف نشانہ لگا رہا تھا۔ دریا پر تیرتی ہوئی سینکڑوں لاشوں کا نظارہ انتہائی ہولناک تھا۔ دشمن کی ساری توپوں کو یا تو قبضہ میں لے لیا گیا یا ان میں میخیں ٹھونک دی گئیں یا وہ دریا میں غرق ہوگئیں اور ان کا تمام اسلحہ جنگ' غلے کے ذخائر اور تقریباً ہر وہ چیز جو میدان میں لائی گئی تھی' فاتحین کے ہاتھ لگ گئی۔ کمانڈر انچیف اپنے سرکاری مراسلہ میں اس یادگار جنگ کے کامیاب پہلو کے بارے میں بیان کرتے ہوئے خوشی سے اظہار کرتے ہیں: "جب تعریف ہی معیار نہ ہو تو میں تعریف سے ناواقف ہوں۔ میں یہاں اپنی مضبوط رائے اور مشاہدے کا برملا اظہار کروں گا کہ کسی بھی فوج نے کسی بھی جنگ میں اس سے پہلے کبھی اس سے زیادہ جوانمردی کا مظاہرہ نہیں کیا"۔ اس جنگ میں انگریزوں کا نقصان ۱۵۱ آدمیوں کی ہلاکت' ۴۱۳ زخمی اور ۲۵ لاپتہ کی صورت میں ہوا۔

علی وال میں سکھوں کی بروقت شکست کا فوری اثر یہ ہوا کہ انہوں نے انگریزوں کی جانب ستلج کے کنارے پر وہ تمام قلعے خالی کر دیے' جن میں حفاظتی فوج تعینات تھی اور دریا کے بائیں کنارے پر تمام علاقہ حکومت برطانیہ کے حوالے کر دیا۔ گلاب سنگھ' جس نے لال سنگھ کی بے دخلی کے بعد وزیر کا منصب سنبھال لیا تھا' بجائے اس کے کہ وہ مفتوح سپاہیوں کو جمع کرتا' اس نے ہندوستان کے فاتحین کے خلاف کامیابی کی امید رکھنے کی حماقت پر انہیں برا بھلا کہا۔ اس نے گورنر جنرل کے ساتھ بات چیت شروع کر دی لیکن جب اسے بتایا گیا کہ لاہور میں سکھ بادشاہت کو تسلیم کرنے کے لیے حکومت برطانیہ کا پہلا

مطالبہ فوری طور پر سکھ فوج کو برطرف کرنے کا ہے تو اس نے بتایا کہ وہ اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ سرکش فوج کے ساتھ نپٹ نہیں سکتا۔

دریں اثناء سکھ دوبارہ جنگ شروع کرنے کے لیے سخت تیاریاں کرنے سے باز نہ آئے۔ انہوں نے ستلج کے دائیں کنارے پر مورچہ سنبھالے رکھا، جبکہ بائیں کنارے پر انہوں نے انگریزوں کی بڑی فوج کے سامنے خوفناک خندقیں تعمیر کیں۔ سکھوں نے ان مورچوں کی تعمیر کے علاوہ فیروزپور سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر موضع سوبراؤں کے مقام پر ایک انتہائی طاقتور خندقی مورچہ تعمیر کرنے کے لیے ایک ماہر ہسپانوی افسر ہیوربہ کو اس کام پر لگایا۔ ہری کاپتن سے نیچے انہوں نے دریا کے آرپار ایک کشادہ پل بنا دیا، اس کے پہلو دریا کی سطح پر تھے اور سامنے سے اسے ایک خندق کے ذریعے چھپایا گیا تھا۔ معائنہ کی ایک جماعت نے کئی بار ان عظیم الشان دفاعی کاموں کا جائزہ لیا، انہیں تقریباً اڑھائی میل کے فاصلے تک پھیلایا گیا تھا۔ دریا کو پار کرنے کے لیے طاقتور توپوں کا پہرہ لگایا گیا تھا۔ سکھوں کی نفری کا تخمینہ پینتیس ہزار لڑاکا جوانوں کے ساتھ، ۶۷ توپیں لگایا گیا، اس کے علاوہ دوسرے کنارے پر پل کے ذریعے وابستہ فاضل فوج بھی تھی۔ یہ فاضل فوج کثیر پڑاؤ اور چند توپوں پر مشتمل تھی، انگریزوں کی جانب مورچہ بندی کے پہلوؤں میں تھی۔ انگریزوں نے فیصلہ کیا کہ جب تک دہلی سے ایک خوفناک محاصرہ فوج اور اسلحہ پہنچ نہیں جاتا، سکھوں کے خندقی مورچہ پر حملے میں تاخیر کر دی جائے۔ یہ اشیاء فروری کی سات اور آٹھ تاریخ کو پڑاؤ میں پہنچ گئیں اور آٹھ تاریخ ہی کو لدھیانہ کی مدد کے لیے روانہ کیے گئے لشکر بھی بڑی فوج میں شامل ہو گئے۔ اب برطانوی فوج کی کل تعداد پندرہ ہزار جوان تھی، ان میں پانچ ہزار یورپی تھے۔

علی وال میں انگریزوں کی فتح سے سکھوں کا حوصلہ کافی حد تک پست ہو گیا تھا، انگریز سپاہی پراعتماد اور فتح کی امید میں شاداں تھے۔ سکھ کمانڈروں کے درمیان مایوس کن حد تک اتحاد کی کمی تھی، لہٰذا یہ درست کہا گیا کہ جب سپاہیوں نے سب کچھ کیا تو رہنماؤں نے کچھ بھی نہ کیا۔ کیپٹن کننگھم بیان کرتے ہیں: "جرات مند دل اور عمل کرنے والے ہاتھ بے شمار تھے، مگر ان کی رہنمائی کرنے اور حوصلہ بڑھانے والا کوئی دماغ نہیں تھا"۔ انگریز سپاہیوں کے چہرہ پر خوشی کی جھلک تھی، سپاہی شاہانہ انداز میں صف آرا تھے، دیوہیکل ہاتھی بھاری بھرکم توپیں کھینچ رہے تھے اور نقل و حمل کا محکمہ، دہلی سے کثیر تعداد میں اسلحہ اور سامان جنگ لا رہا تھا۔ اب پیش قدمی میں کوئی چیز مزاحم نہیں تھی، لہٰذا علی وال کی فتح کے

صرف بارہ روز بعد یا ۱۰ فروری کو سکھوں کے مضبوط مورچوں پر دھاوا بولنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس تاریخ کی صبح کو ایک گہری دھند میں' فوج کی طبیعت نے دشمن پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ انگریزوں کی بھاری توپوں کو بہت بڑی تعداد میں تیج سنگھ کی زیر کمان سکھوں کی خندقوں کے انتہائی اولین مورچوں کے سامنے نصب کیا گیا۔ لال سنگھ اپنی سوار فوج کے ساتھ دریا پر ٹھہرا ہوا تھا۔ سکھوں نے انگریزوں کی ایک نگران چوکی (جسے رات کے وقت بے یارو مددگار چھوڑ دیا گیا تھا) پر قبضہ کیا تو ان کے پست حوصلے' دوبارہ بڑھ گئے۔ اٹاری کے بوڑھے' تجربہ کار' شام سنگھ نے دیوہیکل ہمسایہ کے ساتھ جنگ مول لینے کی جرات کرنے پر سکھوں کے انتخاب پر ماتم کیا' لیکن بوڑھے سردار کی نصیحتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا گیا۔ اس پر بوڑھے دلیر سپاہی نے مایوس خالصہ کے سامنے اپنے عسکری گورو کی روح اور مقدس دولت مشترکہ کی قربانی کے طور پر دشمن کے ساتھ پہلی لڑائی میں مرنے کے لیے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

صبح کے تقریباً سات بجے گہری دھند چھٹ گئی' انگریزی توپوں نے دشمن کے خندقی مورچوں پر گولہ باری شروع کر دی' لہٰذا تین گھنٹوں سے زائد عرصہ میں دشمن کی فوج پر ایک زبردست آہنی طوفان کی بارش کر دی گئی' ہر طرف موت اور تباہی پھیل گئی' لیکن سکھوں نے مٹی' لکڑی اور گٹھوں کی شکل میں اپنے بڑے بڑے مورچوں کے عقب سے فوراً اس گولہ باری کا جواب دیا۔ میدان جنگ پر گندھک کے دھوئیں کے بادل چھا گئے' ہتھیاروں کے چمکیلے فولاد اور پیتل کے روغنی ساز و سامان کے ساتھ عجیب قسم کا تضاد تھا۔ انگریزی توپوں کی خوفناک نالیوں اور چھوٹی توپوں نے دشمن پر زبردست حملہ جاری رکھا' لیکن سکھوں نے اپنی بھاری بھرکم توپوں سے انگریزی فوج کی فصیلوں پہ اپنی گولہ باری جاری رکھی۔ ۱۲۰ توپوں کی گھن گرج (جو دونوں جانب سے کی جا رہی تھی) سے اس قدر شور برپا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی' اس گولہ باری کو بیس میل کے فاصلے پر فیروزپور میں بھی باسانی سنا گیا۔

جلد ہی یہ ظاہر ہوگیا کہ جنگ کا فیصلہ بندوق اور سنگین پر چھوڑ دیا جائے گا۔ نو بجے بریگیڈیئر سٹیسی کی قیادت میں اور گھڑسوار توپ خانے کی مدد سے برطانوی فوج کے بائیں بازو نے فوری طور پر حملے کے لیے پیش قدمی کی۔ وہ سکھوں کی بھاری توپوں سے تین سو گز کے فاصلے پر تھے' لیکن ان کے حملہ کے اصولی طریقہ اور نقل و حمل کی باقاعدگی کے باوجود دشمن کی توپوں بندوقوں اور زنبوروں کی گولہ باری اس قدر مہلک تھی کہ فوج کے ایک

بڑے حصہ کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ جنگ میں زبردست شدت پیدا ہوگئی لیکن انگریزوں کی مستحکم دلیری نے انہیں آخرکار فتح سے ہمکنار کر دیا۔ حملہ آور جنہیں پسپا کر دیا گیا تھا جمع ہو کر انتہائی ثابت قدمی سے آگے بڑھے۔ ایک بوڑھے اور نڈر کمانڈر سر رابرٹ ڈک نے ان کی قیادت کی' اگرچہ سکھوں نے زبردست مزاحمت کی اور وہ بڑے جوش و خروش سے لڑے' لیکن دلیر انگریز سپاہی انتہائی پھرتی سے خندق میں کود پڑے اور دوبدو کشمکش کے بعد غالب آگئے اور فتح کے پرشور نعرے بلند کرتے ہوئے فصیل پر چڑھ گئے۔ سخت جان سکھ بہادری سے لڑے' انہوں نے میدان میں ہر جگہ زبردست مقابلہ کیا' لیکن قسمت خالصہ کو فراموش کر چکی تھی۔ جنگ جیتنے کے لیے ان کی بہادرانہ کوششیں بے فائدہ ثابت ہوئیں' لہٰذا ہر طرف تباہی ان کا انتظار کرنے لگی۔ سکھوں کی گولہ باری پہلے کم ہوئی اور اس کے بعد بالکل بند ہوگئی۔ چنانچہ سوبراؤں کی خوفناک خندقیں' جنہوں نے انگریزوں پر تباہی مسلط کر دی تھی' آخرکار ان پر قبضہ کر لیا گیا۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے بعد دشمن کا مورچہ بھاری بھرکم توپ خانے کے ساتھ ناقابل تسخیر ہوگا' مگر اب سب کچھ ختم ہوچکا تھا۔ غدار تیج سنگھ حسب معمول پہلے حملہ کے وقت فرار ہوگیا' اس نے دریا کے دوسرے کنارے سے وابستہ پل کے درمیان میں ایک کشتی دریا میں چھپا رکھی تھی۔ لیکن خالصہ کے بااعتماد دوست' بوڑھے شام سنگھ کا برتاؤ بہت مختلف تھا' جس نے اپنے ہم وطنوں سے کیے گئے وعدہ کو یاد کر کے اپنی برف کی مانند لمبی داڑھی کی طرح سفید براق لباس زیب تن کیا' گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا' اپنے پرجوش ساتھیوں کی ہمت بندھا کر انہیں حملہ کے لیے لے کر آگے بڑھا اور بہادروں کے لیے ان کے عظیم گورو کی ہمیشہ قائم رہنے والی خوشی کے وعدے سے ان کے حوصلے بڑھائے۔ چنانچہ لڑتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کرتے اور ان میں فرض شناسی کا جذبہ بیدار کرتے ہوئے اور آخری دم تک موت کو حقارت سے دیکھتے ہوئے یہ آزمودہ کار سپاہی ایک شہید کی طرح میدان میں گرا' لہٰذا اس کے ہموطن آج تک اس کی یاد بڑے احترام سے مناتے ہیں۔ اس روز زبردست خونریزی ہوئی۔ خندقیں مردوں اور مرتے ہوئے انسانوں سے بھر چکی تھیں اور مورچے ایک سرے سے دوسرے تک خون آلود ہوچکے تھے۔ حالانکہ فاتحین کے شدید دباؤ کی صورت میں بھی گورو کا کوئی چیلا میدان سے نہیں بھاگا' بلکہ ان سب نے دلیری سے مقابلہ کیا۔ رات کے وقت ستلج کی موجیں بپھر گئیں' لہٰذا وہ سکھوں کے تعمیر کردہ کشتیوں کے پل کو بہا کر لے گئیں۔ مفتوح لشکر نے تیر کر دائیں کنارے تک پہنچنے کی کوشش کی' لیکن انگریزوں کا

گھڑسوار توپ خانہ قریب آن پہنچا۔ انہوں نے بھاگتی ہوئی فوج پر اندھا دھند فائرنگ کی بوچھاڑ کر دی' حتیٰ کہ دریا کا پانی خون سے سرخ ہوگیا اور دریا لاشوں سے بھر گیا۔ جنگ کا آغاز نو بجے ہوا' لہٰذا گیارہ بجے تک یا دو گھنٹے کے مختصر عرصہ میں سکھوں کی طرف سے میدان میں لائی گئی کل افواج کا ایک تہائی حصہ تباہ ہوگیا۔ سینکڑوں افراد گولہ باری کے مہلک طوفان کی نذر ہوگئے جبکہ سینکڑوں بپھرے ہوئے دریا کو عبور کرنے کی کوشش میں ڈوب گئے۔ کمانڈر انچیف بیان کرتے ہیں' "ان کا زبردست کشت و خون' افراتفری اور دہشت اس قدر زیادہ تھی کہ اس نے ان کے مہربان فاتحین کے دلوں میں رحمدلی کے جذبات پیدا کر دیے۔ اگر خالصہ سپاہی جنگ کے ابتدائی حصہ میں قتل و غارت گری کرتے ہوئے اور حملہ کے نشیب و فراز میں ہر زخمی سپاہی کو بے دردی سے ہلاک کر کے اپنی بہادری کو داغدار نہ کرتے تو جنگ کی قسمت ان کے رحم و کرم پر ہوتی"۔ سر ہیوگوہ کو بھی یہ کہتے سنا گیا کہ انہیں پورا یقین تھا دشمن کی لاشیں اس قدر زیادہ تھیں کہ "وہ ایک کے بعد دوسری لاش پر پاؤں رکھ کر دریا کے دوسرے کنارے تک جا سکتے تھے"۔

سپاہیوں نے ۶۷ توپوں' دو سو سے زائد زنبوروں' بے شمار جھنڈوں اور لاتعداد اسلحہ جنگ کو قبضہ میں لے لیا' یہ انگریزی فتح کی نشانیاں تھیں۔ کمانڈر انچیف کے حکم سے خالصہ کی تعمیر کردہ بے ڈھنگے پل کے ایک حصہ کو جلا دیا گیا۔ یہ فتح فیصلہ کن تھی لیکن یہ فتح' فاتحین کو زبردست نقصان کے بغیر حاصل نہیں ہوئی۔ میدان جنگ میں بشمول میجر جنرل سر رابرٹ ڈک (جس وقت وہ خندقوں کے قریب اپنے بہادر جوانوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے تو وہ بری طرح زخمی ہوگئے' انہوں نے جنگ بلقان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور وہ واٹرلو کے میدان میں بھی موجود تھے) (۲) تین سو بیس برطانوی فوجی میدان میں قتل ہوئے۔ انگریزوں کی جانب دو ہزار تراسی افراد زخمی ہوئے۔ سکھوں کا نقصان بہت زیادہ تھا' ان کے آٹھ ہزار افراد ہلاک' زخمی ہوئے یا ڈوب گئے۔ زخمیوں میں کمانڈر انچیف تیج سنگھ بھی شامل تھا۔ اس فتح کے باعث سکھ فوج ناقابل تلافی حد تک ٹوٹ پھوٹ گئی اور منتشر ہوگئی۔ اس بات کی اب امید باقی نہیں رہی تھی کہ وہ دوبارہ ہتھیار اٹھانے کے قابل ہوگی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ انگریزوں کی فتح کے میدان' سوبراؤں کے مضافات میں دو ہزار سال پیشتر سکندر اعظم نے ایک خونریز جنگ لڑی۔ انگریز سورماؤں نے (جو اس جنگ میں شریک تھے) اپنے لڑکپن میں ہندوستان سے اس قدر دور دراز فاصلے پر واقع ملک میں کبھی اس بات کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ کبھی اس میدان پر چلیں گے' جو مقدونیہ کے فاتح کی

تاریخ میں بہت زیادہ مشہور ہے۔ نہ ہی یہ ان محرکات کے تضاد کے لیے کم دلچسپ ہے' جنھوں نے مقدونیہ کے بادشاہ اور برطانوی گورنر جنرل کو اپنی اپنی باری پر' پانچ دریاؤں کے مشہور ملک پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا۔ ایک فتح کے غیر تسکین پذیر لالچ کے زیر اثر تھا' جبکہ دوسرے نے انسانیت کی خاطر' ایک جارح دشمن کے خلاف اپنے دفاع کے لیے تلوار اٹھائی تھی۔ ایک نے ملک پر حملہ کیا' نصف فتح کیا اور اسے پریشانی اور افراتفری کی حالت میں چھوڑ کر فوراً چلا گیا۔ دوسرا فسادات اور لوٹ مار سے نجات دہندہ کی حیثیت سے آیا' ملک کو مکمل طور پر فتح کیا اور فتح کو برقرار رکھا' مفتوح شہریوں کو امن' تہذیب و تمدن اور آزادی کی نعمتیں عطا کیں۔ یہ انتہائی عظیم اور انتہائی قیمتی تحائف ہیں جو اقوام' ایک روشن خیال اور خیرخواہ حکومت کے تحت حاصل کرتی ہیں۔

فتح کی رات کو ہی برطانوی فوج کے ہراول دستے فیروزپور کے سامنے ستلج کو پار کر گئے' ان کی پیش قدمی روکنے کے لیے کوئی دشمن موجود نہیں تھا۔ میجر ایبٹ نے اس سامان سے ۱۲ تاریخ تک ستلج پر کشتیوں کا پل تعمیر کر لیا' جسے ایک برس پیشتر لارڈ ایلن بورو نے سندھ سے فراہم کیا تھا' لہٰذا ۱۳ تاریخ کو پوری انگریز فوج ماسوائے بھاری توپ خانہ کے دریا کو پار کر گئی۔ لاہور سے ۳۲ میل اور دریا سے ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع قصور پر برطانوی فوج کے ہراول دستے نے گیارہ تاریخ کو قبضہ کر لیا۔ اسی روز لاہور سے سفیر بھی وہاں پہنچے۔ اگلے روز بغیر کسی مزاحمت کے قصور کے قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ گورنر جنرل ۱۴ تاریخ کی صبح کو کمانڈر انچیف کے پڑاؤ میں شامل ہو گئے۔ اس بات کا اندازہ لگایا گیا کہ امرتسر کی جانب سکھ دوبارہ بیس ہزار کی تعداد میں جمع ہو گئے ہیں لیکن وہ فاتحین سے جنگ کرنے کی حالت میں نہیں۔ اسی روز گورنر جنرل نے ایک اعلان جاری کیا' جس میں بتایا گیا کہ برطانوی فوج نے ستلج کو پار کر لیا ہے اور وہ پنجاب میں داخل ہو گئی ہے یہ کہ انگریز اس وقت تک پنجاب سے دستبردار نہیں ہوں گے' جب تک ۱۸۰۹ء کے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے اور برطانوی صوبوں پر بلااشتعال حملہ کرنے کی پاداش میں فراخ دلی سے کفارہ ادا نہیں کر دیا جاتا۔ جنگ کے دوران اٹھنے والے اخراجات کے لیے پورا حرجانہ ادا کیا جائے اور لاہور کے علاقوں کی حکومت کے لیے ایسے انتظامات کیے جائیں جو آئندہ غداری اور جارحیت کی اسی قسم کی کارروائیوں کے خلاف حکومت برطانیہ کو مکمل تحفظ فراہم کرے۔ یہ کہ حکومت ہند نے ریاست لاہور کی حکومت اور فوج کے خلاف فوجی کارروائی' علاقائی سرفرازی کے لیے نہیں کی حالانکہ حرجانہ اور تحفظ کی فراہمی کے لیے ضروری تدابیر' لاہور کے علاقوں کے

ایک حصہ کے قبضہ کو بھی شامل ہو کر دیں گی' جس کی حد دربار کے رویہ اور برطانوی سرحد کے تحفظ کی اغراض کے ذریعے متعین کی جائے گی۔ یہ کہ حکومت ہند کسی بھی حالات کے تحت' ستلج اور بیاس کے درمیان واقع پہاڑی یا میدانی اضلاع کو برطانوی صوبوں میں شامل کرے گی' ان کی آمدنی کو اس حرجانے کا ایک حصہ سمجھا جائے گا' جس کا تقاضا ریاست لاہور سے کیا گیا ہے۔ یہ کہ حکومت ہند (جیسا کہ کئی مرتبہ بتایا گیا ہے) نے کبھی بھی پنجاب میں سکھ حکومت کو تہ و بالا کرنے کی خواہش نہیں کی۔ حالانکہ دربار کا رویہ انتہائی سخت رہا ہے اور انتقام کے لیے انتہائی تدابیر اختیار کی جاتی رہی ہیں' اس کے باوجود گورنر جنرل کی ابھی تک یہ خواہش ہے کہ دربار اور سرداروں کو حکومت برطانیہ کے حکام کے سامنے پیش ہونے کا موقع دیا جائے' لہٰذا نیک نیتی کے جواب کے ذریعے اور دانشمندانہ مشوروں کو اختیار کر کے اس کے بانی اور انگریزوں کے بااعتماد حلیف' آنجہانی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد کی صورت میں ایک سکھ حکومت کو منظم کرنے کے لیے گورنر جنرل کو اس قابل کر سکیں۔ چنانچہ گورنر جنرل نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد کے خیرخواہ تمام سرداروں کو بلوایا' تاکہ وہ لاہور میں ایک سکھ حکومت قائم کرنے کے لیے انتظامات کرنے میں ان سے تعاون کریں' ایسی حکومت جو اپنی فوج پر قابو رکھنے' اپنی رعایا کی حفاظت کرنے کے قابل ہو اور ان اصولوں پر مبنی ہو جو آئندہ سکھ ریاستوں کو خوشحالی فراہم کر سکے۔ برطانوی سرحد کو جارحیت کی مسلسل کارروائیوں کے خلاف تحفظ دلائے اور پوری دنیا کے سامنے ہندوستان کی غالب حکومت کی اعتدال پسندی اور انصاف کا ثبوت بہم پہنچائے۔ اعلان کا اختتام اس بیان سے ہوا کہ اگر دربار نے سکھ قوم کو فوجی طوائف الملوکی اور بدنظمی سے نجات دلانے کے لیے مہیا کردہ اس موقع سے غفلت برتی اور برطانوی فوج کی مخالفت کا اعادہ کیا گیا تو حکومت ہند پنجاب کی آئندہ حکومت کے لیے دیگر ایسے ہی انتظامات کرے گی' کیونکہ برطانوی حکومت کے مفادات اور تحفظ کی بجاآوری انصاف کے مطابق اور مناسب ہوتی ہے۔

اب رانی اور دربار نے اپنے منتخب شدہ وزیر راجہ گلاب سنگھ پر زور دیا کہ وہ فوری طور پر برطانوی پڑاؤ میں جا کر دربار کے نام پر رحم کی التجا کرے اور گفت و شنید شروع کرنے کی کوشش کرے۔ تمام راجاؤں' سرداروں اور فوج کی پنچایتوں نے عہد کیا کہ راجہ' حکومت برطانیہ کے ساتھ لاہور میں ایک سکھ حکومت تسلیم کرنے کے لیے اعلان کی بنیاد پر جو بھی شرائط طے کرے گا' وہ ان پر عمل درآمد کریں گے۔ ۱۵ تاریخ کو راجہ گلاب سنگھ'

دیوان دینا ناتھ' فقیر نور الدین اور بارک زئی سردار سلطان محمد خاں نے قصور میں گورنر جنرل سے ملاقات کی۔ گورنر جنرل نے راجہ اور اس کے ساتھیوں کا استقبال ایک خلاف قانون حکومت کے نمائندگان کی حیثیت سے کیا۔ دوستانہ اجلاسوں میں معمولات کو حذف کر دیا گیا اور نذریں قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ گورنر جنرل نے سکھ وفد کو بتایا کہ حکومت برطانیہ کے لیے دربار اور سکھ فوج کا رویہ کس قدر بلااشتعال اور ناجائز رہا ہے اور اس عرصہ میں اس حکومت نے کس قدر اعتدال پسندی اور برداشت سے کام لیا ہے۔ انہوں نے سکھ حکومت کی مخالف اور غدارانہ کارروائیوں سے الگ تھلگ رہنے پر راجہ کے رویہ کی تعریف کی اور اس کے رویہ کے مطلب پر غور کرنے کے لیے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ جہاں تک ان شرائط کا تعلق تھا جن کی بنا پر حکومت برطانیہ دربار لاہور کے ساتھ تصفیہ کے لیے تیار ہو جائے گی' اس کے لیے عزت مآب گورنر جنرل نے سرداروں کو اپنے چیف سیکرٹری مسٹر کیوری اور شمالی ہندوستان کے معاملات کے لیے اپنے نمائندے میجر لارنس کے پاس روانہ کیا۔ ان افسران کے ساتھ ان سرداروں کا اجلاس رات کے وقت منعقد ہوا۔ لہٰذا جب انہیں صلح کی شرائط بتائی گئیں' تو انہوں نے کچھ دیر بحث مباحثہ کے بعد ایک دستاویز پر دستخط کر دیے' جس میں انگریزوں کے تمام مطالبات کو تسلیم کر لیا گیا۔ ان میں یہ شرائط بھی شامل تھیں کہ دلیپ سنگھ کو لاہور کے بادشاہ کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے گا' لیکن اس بات کا تقاضا کیا گیا کہ ستلج اور بیاس کے دریاؤں کے درمیان تمام علاقے کو مکمل خودمختاری حاصل ہوگی۔ فاتحین کو تاوان جنگ کے طور پر ڈیڑھ کروڑ روپے یا ڈیڑھ ملین سٹرلنگ کی ادائیگی کی جائے گی' موجودہ سکھ فوج کو سبکدوش کر کے تنخواہ کے معاملے میں رنجیت سنگھ کے دور میں موجود قواعد اور نظام کے تحت اس کی تشکیل نو کی جائے گی۔ فوج کی حد مقرر کرنے کے لیے انتظام کرنا' آئندہ سے اس کی حد مقرر کرنے کے لیے حکومت برطانیہ کو اطلاع دی جائے گی' انگریزوں کے خلاف استعمال ہونے والی تمام توپوں کو حوالے کیا جائے گا' دریائے ستلج کے دونوں کناروں کا اختیار اور انتظام انگریزوں کے حوالے کیا جائے گا' لہٰذا سکھ ریاست کی سرحدوں کے آئندہ تصفیہ اور اس کے نظم و نسق کی تشکیل کے لیے اسی طرح کے دیگر انتظامات' لاہور میں متعین کیے جائیں گے۔ اس بات پر بھی اتفاق رائے ہوگیا کہ کم سن مہاراجہ' بھائی رام سنگھ اور لاہور میں رہ جانے والے دیگر سرداروں کے ہمراہ فوراً گورنر جنرل کے پڑاؤ میں حاضر ہوں اور خود کو ان کے حوالے کر دیں اور یہ کہ مہاراجہ ذاتی طور پر گورنر جنرل کو اپنی اطاعت پیش کرنے کے بعد'

لاہور کی طرف ان کی پیش قدمی کے وقت دیگر سرداروں کے ہمراہ ان کے ہمراہ جائے۔
ستلج اور راوی کے درمیان تقریباً نصف راستے پر واقع للیانی کو ملاقات کے لیے مقرر کیا گیا' لیکن اس سے پہلے کہ گورنر جنرل اس مقام پر پہنچتے' مہاراجہ اپنے سرداروں کے ساتھ لاہور سے روانہ ہوا' عزت ماب سے فوری ملاقات کرنے کے لیے رضامندی کا اظہار کیا گیا۔ تاہم سر ہنری نے لاہور کے مہاراجہ سے مقررہ دن ملاقات کرنے کو درست خیال کیا' چنانچہ ۱۸ فروری کی سہ پہر کو مہاراجہ نے راجہ گلاب سنگھ' بھائی رام سنگھ' دیوان دینا ناتھ' فقیر نور الدین اور دیگر دس یا بارہ سرداروں کے ہمراہ للیانی میں عزت ماب کے پڑاؤ میں انہیں اپنی اطاعت پیش کی۔ وہ سب سادہ پوشاک میں ملبوس تھے اور اپنی حالت کے مطابق مناسب طور پر عاجزی کے ڈھنگ میں آئے تھے۔ ملاقات درباری خیمہ میں ہوئی' اس موقع پر سر ہیوگوہ اور عملہ موجود تھا۔ مہاراجہ کی آمد پر نہ تو کوئی سلامی دی گئی اور نہ ہی ایسے مواقعوں پر اختیار کیے جانے والے دیگر معمولات کی انجام دہی کی گئی' گورنر جنرل نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے یہ وجہ بتائی کہ ابھی تک چونکہ رسمی اطاعت پیش نہیں کی گئی' اس لیے ایک دوستانہ شہزادے کے طور پر کمسن مہاراجہ کا استقبال نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مہاراجہ نے ذاتی طور پر اطاعت پیش کی اور گورنر جنرل کی طے کردہ شرائط کے مطابق حکومت برطانیہ کی معافی اور بردباری کے لیے درخواست کی۔ سر ہنری نے بیان کیا کہ صلح کی شرائط وزیر کو بتا دی گئی ہیں اور سرداروں نے اس سے اتفاق رائے قائم کیا ہے اور چونکہ انہوں نے مہاراجہ کے توسط سے حکومت برطانیہ کی عائد کردہ تمام شرائط کو تسلیم کر لیا ہے' اس لیے بحث کو دوبارہ شروع کرنا غیر ضروری ہے۔ مزید براں مہاراجہ ان جیسی کارروائیوں میں حصہ لینے کے لیے بہت کم عمر ہے۔ انہوں نے مہاراجہ کے ساتھ (اس وقت سے جب اس نے خود کو حکومت کے رحم و کرم پر چھوڑا) حکومت برطانیہ کی حمایت پر بحال ہونے والے شہزادہ کی حیثیت سے برتاؤ کرنے کو بہتر خیال کیا' جس نے ایک ایسے شخص کی اولاد (اس شہزادے) سے بردباری کا سلوک کیا تھا' جو کافی عرصہ سے سرداروں اور عوام کی طرف سے منتخب کردہ حکمران کے طور پر سکھ قوم کے نمائندہ کی حیثیت سے برطانوی حکومت کا بااعتماد دوست اور حلیف تھا' اس کے ساتھ ایسا برتاؤ اس شرط پر کیا گیا کہ حکومت برطانیہ کی عائد کردہ تمام شرائط (جنہیں پہلے مہاراجہ کے وزراء اور سرداروں سے بیان کیا گیا ہے) پر ایمانداری سے عمل درآمد کیا جائے گا۔ بعد ازیں' آنجہانی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے انگریزوں سے لگاؤ کے متعلق کچھ بحث کی گئی اور اس امید کا اظہار کیا گیا

کہ کمسن مہاراجہ اپنے والد کے نقش قدم پر چلے گا' اس کے ساتھ ہی اجلاس برخواست ہوگیا۔ اس پر بھی اتفاق رائے ہوگیا کہ مہاراجہ فوری طور پر لاہور میں رانی کے پاس واپس نہیں جائے گا' بلکہ گورنر جنرل کے پڑاؤ میں رہے گا اور عزت مآب کے ساتھ سکھ دارالحکومت کی طرف جائے گا۔

جس وقت للیانی میں کمسن مہاراجہ اور گورنر جنرل کے مابین دوستانہ بات چیت ہو رہی تھی' تو لاہور اور امرتسر کے شہروں میں زبردست تشویش اور خوف و ہراس پھیل گیا۔ کسی غیر ملک اور ریاست کی فاتح فوج کی آمد پر گزشتہ ادوار میں لوگوں کو جن آفات کا تجربہ ہوا تھا' وہ سب کو ابھی تک یاد تھیں' لہٰذا اس بات کا خدشہ تھا کہ برطانوی فاتح' اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے۔ اس پر گورنر جنرل نے للیانی میں اپنے پڑاؤ سے ۱۸ فروری کو سرداروں' سوداگروں' تاجروں' رعیت اور لاہور و امرتسر کے دیگر شہروں کے لیے ایک اعلان جاری کیا۔ انہیں مطلع کیا گیا کہ اس روز مہاراجہ دلیپ سنگھ نے گورنر جنرل سے ملاقات کی ہے اور اپنی گزشتہ مخالف کارروائیوں پر اپنی اور سکھ حکومت کی پشیمانی کا اظہار کیا ہے۔ یہ کہ گورنر جنرل کو اس بات کی امید ہے کہ دونوں حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات ازسرنو تیزی سے قائم ہو جائیں گے اور یہ کہ لاہور اور امرتسر کے شہریوں کو برطانوی فوج سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ گورنر جنرل نے پنجاب کے شہریوں کو یقین دہانی کرائی کہ اگر دربار لاہور نے نیک نیتی سے کام لیا اور خالصہ فوج نے مزید مخالفت نہ کی تو ان کی جان و مال انگریزی فوج کی چھیڑ چھاڑ سے محفوظ رہے گی۔ چنانچہ ان پر زور دیا گیا کہ وہ اپنے تمام خدشات کو دور کر دیں اور پورے اعتماد کے ساتھ اپنے اپنے کام شروع کر دیں۔

اسی اثناء میں راجب گلاب سنگھ نے مثبت طور پر احکامات دیے کہ سوبراؤں میں شکست کے بعد جو سپاہی لاہور کے مشرق میں ۱۸ میل کے فاصلے پر واقع رائے ونڈ میں خیمہ زن ہیں' وہ اپنی جگہ قائم رہیں۔ ان سپاہیوں کی تعداد کا اندازہ چودہ ہزار سے بیس ہزار سوار اور پیادہ فوج بمعہ تقریباً پینتیس توپیں تھا۔ وہ سردار تیج سنگھ اور راجہ لال سنگھ کی زیر قیادت تھے۔ لاہور میں برطانوی فوج کی مسلمان اور نجیب پلٹونوں کو قلعہ اور شہر کے دروازوں پر تعینات کر کے سخت احکامات دیے گئے کہ کسی بھی مسلح سکھ سپاہی کو داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

آسان منازل کے ذریعے برطانوی فوج ۲۰ فروری کی صبح کو لاہور کے قدیم شہر میں پہنچ

گئی۔ لہٰذا دوپہر کے وقت میاں میرؒ کے میدان پر اس کے خیمے نصب ہوگئے۔ حالانکہ کچھ روز پیشتر خالصہ فوج اپنی پسپسی مہم پر نکلی تھی' انہوں نے شیخی بگھاری تھی کہ وہ جمنا اور گنگا کے درمیانی علاقوں کو فتح کرلیں گے اور انہیں اس بات کی امید تھی کہ وہ دہلی' متھرا اور بنارس کی لوٹ مار سے خود کو مالا مال کرلیں گے۔ اسی روز دوپہر کے وقت مہاراجہ کو یورپی گھڑسوار فوج کی دو پلٹونوں' مقامی سوار فوج کی دو پلٹونوں اور گھڑسوار توپ خانے کے دو دستوں کی حفاظت میں (یہ سب بریگیڈیئر کیورٹین کی قیادت میں تھے) قلعہ کی جانب اس کی رہائش گاہ کی طرف لایا گیا۔ عزت ماب کے ہمراہ حکومت کے چیف سیکرٹری مسٹر کیوری' پولٹیکل ایجنٹ میجر لارنس' پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر سی ہارڈنج اور دیگر عہدیداران تھے۔ محل کے دروازے پر پہنچ کر حفاظتی دستہ واپس چلا گیا۔ لہٰذا راجہ گلاب سنگھ مہاراجہ کو اندرونی دروازے تک لے کر آیا۔ بعد ازیں مسٹر کیوری نے مہاراجہ' اس کے وزراء اور سرداروں کو بتایا کہ گورنر جنرل کے حکم سے مہاراجہ کو برطانوی فوج کی حفاظت میں اس کے محل میں لایا گیا ہے' جسے اس نے حکومت برطانیہ کو اپنی اطاعت پیش کرنے کے پیش نظر چھوڑا تھا اور اپنے آپ کو' اپنے دارالسلطنت اور ملک کو گورنر جنرل کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اور یہ کہ عزت ماب گورنر جنرل نے آنجہانی رنجیت سنگھ کی یاد کے احترام میں اپنی حمایت کا اظہار کرتے ہوئے' اس کا محل اسے واپس کر دیا ہے۔ جب مہاراجہ محل میں داخل ہوا تو گھڑچڑ توپ خانے نے اکیس توپوں کی سلامی دی۔

آنجہانی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خاندان کی رہائش گاہ' محل کی حدود کے اندر کوئی سپاہی تعینات نہیں کیا گیا' لیکن قلعہ کے دروازے پر انگریز فوجی تعینات کیے گئے۔ سپاہیوں نے بادشاہی مسجد اور حضوری باغ کا رسمی قبضہ بھی حاصل کرلیا۔ شہر کے باشندوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے وقت دینے اور انہیں یہ باور کرانے کے لیے کہ انگریز انہیں لوٹنے اور تکلیف پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے' سخت احکامات جاری کیے گئے کہ (ماسوائے ان افسران کے' جنہیں سرکاری کام کے لیے بھیجا گیا ہے) کوئی یورپی باشندہ تاحکم ثانی' شہر میں یا اس کے قریب بھی نہ جائے۔ گورنر جنرل نے ۲۲ فروری کو ایک اعلان جاری کیا جس میں رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لیا گیا تھا اور دشمن کے اوپر برطانوی سپاہیوں کی حاصل کردہ فتوحات کے بارے میں بیان کیا گیا۔ اس حقیقت پر فخریہ انداز میں اطمینان کا اظہار کیا گیا کہ انہوں نے چھ روز کے مختصر عرصہ میں خالصہ فوج کے منتخب سپاہیوں کو چار جنگوں میں شکست دی ہے اور ان سے دو سو بیس توپیں چھین لی ہیں۔ یہ کہ ان کی عظیم فوج میں سے

اب صرف چودہ ہزار باقی بچے ہیں اور یہ کہ اب وہ ایک معاہدہ کرنے والے ہیں' جس کی شرائط کی رو سے اسی طرح کی خلاف ورزی کے علاوہ کے ذریعے برطانوی صوبے حاصل ہو جائیں گے' جس کا ارتکاب سکھوں نے انگریزوں پر بلااشتعال حملہ کر کے کیا تھا۔

۵ مارچ کو گورنر جنرل نے لاہور میں عظیم دعوت کا اہتمام کیا' جس میں فوج کے تمام افسران' بشمول کمانڈر انچیف اور سر چارلس نیپئر بھی موجود تھے۔ اس کے بعد سلامتی کے جام پیے گئے اور تقاریر کی گئیں' جن میں افسران نے ایک دوسرے کے متعلق اور میدان جنگ میں بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لیے فوج کی مدح سرائی کی۔ ہر چہرے پر خوشی کی جھلک تھی' لہٰذا ضیافت کے اختتام پر "ہپ ہپ ہرا" کی آوازوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

۸ مارچ کو حکومت برطانیہ اور دربار لاہور کے درمیان طے پانے والے معاہدہ پر حکومت برطانیہ کے نمائندگان' کمشنروں' مسٹر کیوری اور میجر لارنس نے اور دربار لاہور کی طرف سے' راجہ لال سنگھ' سردار تیج سنگھ' بھائی رام سنگھ' دیوان دینا ناتھ اور فقیر نور الدین نے دستخط کیے۔ اس موقع پر سکھ سرداروں نے مہاراجہ کے توسط سے میجر لارنس کے نام ایک خط پیش کیا' اس میں دربار لاہور کے لیے گورنر جنرل کی توجہ' مہربانی اور فیاضی کا شکریہ ادا کیا گیا تھا اور اس زبردست خواہش کا اظہار کیا گیا تھا کہ حکومت' امور کے اطمینان بخش تصفیہ کی کوشش کر رہی ہے' لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کسی بھی گڑبڑ کے رونما ہونے سے بچنے کے لیے موثر تدابیر کی جائیں' اس کے لیے یہ مناسب ہوگا کہ ریاست' مہاراجہ اور شہر کے باسیوں کی حفاظت کے لیے چند برطانوی پلٹنیں بمعہ توپ خانہ اور افسران کے لاہور میں ٹھہر جائیں۔

اگلے روز سہ پہر کے وقت گورنر جنرل نے اپنے درباری خیمہ میں کمسن مہاراجہ کی موجودگی میں صلح کے معاہدہ کی توثیق کر دی۔ مہاراجہ کے ہمراہ راجہ لال سنگھ' راجہ گلاب سنگھ' سردار تیج سنگھ اور تقریباً تیس دوسرے سردار اور انتظامی افسران تھے۔ اس کے علاوہ کمانڈر انچیف اور عملہ' حاکم سنگھ (سر چارلس نیپئر) اور عملہ ڈویژنوں کے جنرل' بریگیڈیئر' ہر محکمہ کے سربراہان اور افواج کی کمان کرنے والے تمام افسران بمعہ ہر برطانوی پلٹون کے ایک مقامی افسر کے بھی موجود تھے۔ اس موقع پر گورنر جنرل ایک تخت پر بیٹھے تھے اور مہاراجہ ان کی دائیں جانب ایک دوسرے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک معزز مہمان شہزادہ والڈیمیر بائیں جانب بیٹھا ہوا تھا۔ خیمے کے ایک جانب برطانوی افسران اور دوسری جانب

سکھ سردار کھڑے تھے۔ خیمے سے باہر گورنر جنرل کا بینڈ وقفوں وقفوں سے بج رہا تھا۔ معاہدہ کی توثیق اور اس کی نقول کے تبادلے پر گورنر جنرل نے مہاراجہ سے خطاب کیا۔ چیف سیکرٹری مسٹر کیوری نے ان کی تقریر کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا۔

اس خطاب میں سر ہنری نے اپنی خواہش کو دہرایا کہ دونوں حکومتوں کے درمیان امن و سلامتی قائم رہے گی اور یہ کہ سکھ حکومت ازسرنو قائم ہو کر اپنی فوج کا انتظام کرنے اور اپنی رعایا کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائے گی اور اپنے ہمسائیوں کے حقوق کا احترام کرے گی۔ انہوں نے مستقبل میں مثال کی تقلید کے لیے' حکومت برطانیہ کی طرف رنجیت سنگھ کی حکمت عملی کی تعریف کی۔ نیز اس بات کی زبردست خواہش کا اظہار کیا کہ وہ دانشمندانہ صلاح مشورہ اور معاہدات کی تعمیل کے لیے نیک نیتی سے عمل درآمد کریں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ مخالفانہ کارروائیوں کے ذریعے سرفرازی نہیں چاہتی اور کسی طرح بھی ان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرنے کی خواہشمند نہیں ہے اور یہ کہ انہوں نے دربار کے پرزور التماس پر بادل نخواستہ اس بات کی منظوری دے دی ہے کہ برطانوی فوج اس وقت تک لاہور میں رہے گی جب تک معاہدہ کے مطابق سکھ فوج کی تشکیل نو نہیں کرلی جاتی' لیکن انہوں نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ یہ کسی طرح بھی سال کے اختتام سے زیادہ عرصے کے لیے یہاں نہیں رہے گی۔ عزت ماب گورنر جنرل نے بیان کیا کہ "اگر حکومت برطانیہ اس وقت پیش کیے گئے دوستانہ تعاون کی دانشمندانہ طور پر مخلصانہ کوششوں سے پیروی کرے گی تو ریاست خوشحال ہو جائے گی اور ان کے تعاون میں کمی نہیں آئے گی' لیکن اگر انہوں نے اس موقعہ کو نظرانداز کر دیا تو حکومت برطانیہ کی طرف سے کوئی مدد ریاست کو بچا نہیں سکے گی"۔

اس تقریر کے اختتام پر وہاں موجود سرداروں نے عزت ماب گورنر جنرل کی طرف سے کمسن مہاراجہ کے لیے ان کی مہربانی اور قیمتی مشورے پر ان کا بہت زیادہ شکریہ ادا کیا اور اس مشورہ پر عمل درآمد کے لیے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

صلح کے معاہدہ کی شرائط کی رو سے مہاراجہ' ستلج کے جنوب میں واقع علاقوں کے دعویٰ سے دستبردار ہوگیا اور دریائے بیاس اور ستلج کے درمیان تمام پہاڑی اور میدانی علاقہ مستقل طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی عمل داری میں آگیا۔ حکومت لاہور ڈیڑھ کروڑ روپے بطور تاوان جنگ کی ادائیگی یا حکومت برطانیہ کو اس کی ادائیگی کے لیے اطمینان بخش ضمانت دینے میں ناکام رہی' تو مہاراجہ ایک کروڑ روپے کے مساوی' دریائے سندھ اور بیاس کے

درمیان پہاڑی علاقوں کی املاک بشمول کشمیر اور ہزارہ کے صوبہ جات' کمپنی کی حوالے کر
دے گا اور معاہدہ کی توثیق پر یا اس سے قبل بقیہ پچاس لاکھ روپے ادا کرنے کا پابند ہوگا۔
۵ لاہور کی فوج کے باغی سپاہیوں کو سبکدوش کرنے اور آنجہانی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور
میں رائج تنخواہ اور قواعد و ضوابط کے مطابق نظام کے تحت پیادہ فوج کی باقاعدہ یا آئین
پلٹنوں کی تنظیم نو کرے گا۔ ریاست لاہور کی باقاعدہ فوج' پیادہ فوج کی پچیس بٹالین سے
تجاوز نہیں کرے گی' ہر ایک آٹھ سو سنگینوں اور بارہ سو سواروں پر مشتمل ہوگی' اس کے
علاوہ چھتیس توپیں' جنہیں دریائے ستلج کے دائیں کنارے پر انگریزی فوج کے خلاف استعمال
کیا گیا تھا' انہیں حوالے کیا جائے گا۔ دریائے بیاس اور ستلج کا انتظام بمعہ گڑھا اور پجند'
مٹھن کوٹ میں سندھ کے ساتھ اس کے سنگم اور مٹھن کوٹ سے بلوچستان کی سرحد تک
محصول داری کے معاملہ میں حکومت برطانیہ کے پاس رہے گا۔ لاہور کے علاقوں سے
برطانوی فوج کو آزادی سے گزرنے دیا جائے گا اور لاہور کی حکومت انگریزوں کی منظوری
کے بغیر کسی یورپی یا امریکی باشندے کو ملازمت نہیں دے گی۔ لاہور اور برطانیہ کی حکومتوں
کے درمیان دوستانہ تعلقات بحال کرنے کے لیے ریاست لاہور کے لیے جموں کے راجہ
گلاب سنگھ کی خدمات کے اعتراف میں مہاراجہ ایسے علاقوں اور پہاڑی اضلاع میں راجہ
گلاب سنگھ کی خودمختاری تسلیم کرنے پر رضامند ہوگیا' جو انگریزوں نے اس کے حوالے کرنا
تھے۔ حکومت برطانیہ کی منظوری کے بغیر ریاست لاہور کی سرحدوں پر کسی قسم کی تبدیلی
نہیں کی جائے گی' اور اس کے تمام جھگڑوں کے لیے اس حکومت سے رجوع کیا جائے گا' جو
ریاست لاہور کے اندرونی نظم و نسق میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گی۔

حکومت برطانیہ کی طرف سے مسٹر فریڈرک کیوری اور میجر ایچ ایم لارنس اور مہاراجہ
دلیپ سنگھ کی طرف سے بھائی رام سنگھ' راجہ لال سنگھ' سردار تیج سنگھ' سردار چھتر سنگھ
اٹاری والا' سردار رنجور سنگھ مجیٹھیہ' دیوان دینا ناتھ اور فقیر نورالدین نے لاہور میں ۹ مارچ
۱۸۴۶ کو سولہ شرائط پر مشتمل مندرجہ بالا معاہدہ پر اتفاق رائے کا اظہار کر دیا' لہٰذا اسی
روز عزت مآب سر ہنری ہارڈنج' جی۔ سی۔ بی۔ گورنر جنرل اور عالی جگہ مہاراجہ دلیپ سنگھ
کی مہر کے ذریعے اس کی توثیق کر دی گئی۔

۱۰ مارچ کو سر ہنری نے مہاراجہ کے محل یا ثمن برج میں سرکاری طور پر اس سے
ملاقات کی۔ موقع کی مناسبت سے اس کو پر تکلف انداز میں آراستہ کیا گیا تھا۔ فرش پر
قالینوں کے ساتھ کشمیری شالیں بھی بچھائی گئی تھیں اور اس کے باہر ایک بہت بڑا شامیانہ'

جس کے کناروں پر شالیں لگائی گئی تھیں' اندرونی حصہ کو سورج کی تمازت سے محفوظ رکھے ہوئے تھا۔ چوکور احاطہ کی زمین پر قیمتی شالیں بچھائی گئی تھیں۔ تمام سکھ سردار نہایت قیمتی پوشاکوں میں ملبوس تھے اور انواع و اقسام کے ملبوسات نہایت دلکش نظارہ پیش کر رہے تھے۔ دیوان دینا ناتھ نے مہاراجہ اور وہاں پہ جمع تمام سرداروں کے توسط سے خطاب کیا۔ اس نے ریاست لاہور کا انتظام کرنے کے لیے گورنر جنرل کی طرف سے مہاراجہ کے لیے مہربانی اور فیاضی کے اظہار' ایک روز پیشتر عزت ماب کے بہترین مشورہ اور لاہور میں برطانوی فوج کے حفاظتی دستہ کو چھوڑنے کے لیے سرداروں کی درخواست پر عمل درآمد کرنے کے سلسلہ میں گورنر جنرل کا گرمجوشی سے شکریہ ادا کیا۔ خطاب کے اختتام پر تقریباً کبوتر کے انڈے کی جسامت کا مشہور و معروف ہیرا "کوہ نور" کمپنی کو دکھایا گیا' لہٰذا شالیں اور تلواریں پیش کیے جانے کے بعد تقریب اختتام کو پہنچی۔

۱۱ مارچ ۱۸۴۶ء کو حکومت برطانیہ اور دربار لاہور کے مابین معاہدہ کی شرائط طے پا گئیں' جن کی رو سے گورنر جنرل' سکھ فوج کی تنظیم نو کے دوران' مہاراجہ اور شہر لاہور کے باسیوں کی حفاظت کے لیے سال ۱۸۴۶ء کے اختتام تک ایک انگریزی فوج کو لاہور میں چھوڑ جانے کے پابند تھے۔ اپنی طرف سے دربار مذکورہ فوج کے سلسلہ میں حکومت برطانیہ کو ان تمام زائد اخراجات کی ادائیگی کرنے پر رضامند ہوگیا' جو حکومت نے چھاؤنیوں اور ایک غیر ملکی علاقہ میں اپنے سپاہیوں کی مصروفیت کے باعث برداشت کرنا تھے۔

گورنر جنرل نے امرتسر میں ۱۵ مارچ کو رسمی طور پر گلاب سنگھ کو مہاراجہ کا خطاب عنایت کیا۔ نیا حلیف اس خطاب کو پا کر اٹھا اور ہاتھ جوڑ کر اس اعزاز کے لیے عزت ماب کا گرم جوشی سے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ خود کو ان کا زرخرید غلام تصور کرتا ہے۔

امرتسر میں مہاراجہ گلاب سنگھ اور حکومت برطانیہ کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے حکومت برطانیہ نے دریائے سندھ کے مشرق میں تمام پہاڑی علاقہ اور راوی کے مغرب میں (بشمول چمبہ اور لاہول کو مستثنیٰ کرکے) واقع علاقہ اس کے حوالے کر دیا' جو اس علاقے کا حصہ تھا جسے ریاست لاہور نے حکومت برطانیہ کے حوالے کیا تھا۔ مہاراجہ اس منتقلی کے عوض حکومت برطانیہ کو ایک لاکھ سٹرلنگ پونڈ ادا کرنے پر رضامند ہوگیا۔ حکومت برطانیہ کی منظوری کے بغیر مہاراجہ کے علاقوں کی حدود میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ مہاراجہ اس بات کا پابند ہوگا کہ وہ حکومت برطانیہ کی منظوری کے بغیر کسی برطانوی یا یورپی و امریکی باشندے کی خدمات حاصل نہیں کرے گا اور اس کی بالادستی تسلیم کرے گا'

اس کی نشانی کے طور پر وہ حکومت برطانیہ کو ہر سال ایک گھوڑا' بارہ بہترین اونی بھیڑیں اور کشمیری شالوں کے تین جوڑے پیش کرے گا۔

چنانچہ بطور ایک قوم کے سکھوں کی آزادی ختم ہوگئی۔ رنجیت سنگھ کی سمجھ بوجھ نے جس بادشاہت کو تشکیل دیا تھا' وہ حقیر ہوگئی اور اس مقابلے کا خاتمہ ہوگیا' جس کی ابتداء سے انتہا تک تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ میجر (بعد ازیں) سر ہنری لارنس جو پولوک کی افواج سے وابستہ سکھ فوج کے ہمراہ کابل گئے تھے اور کھٹمنڈو' نیپال کے دربار میں برطانوی نمائندہ کے طور پر خدمات سرانجام دے چکے تھے' انھیں لاہور میں امور کا نگران مقرر کیا گیا۔ سکھوں کی مقبوضہ توپیں' جن کی تعداد دو سو پچاس تھی' انھیں برطانوی سپاہیوں کی حفاظت میں کلکتہ کی طرف روانہ کر دیا گیا' لہٰذا وہ اپنی منزل مقصود کی طرف جاتے ہوئے مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے شہریوں کی دلچسپی کا سامان بن گئیں' جہاں تمام فوجی اعزازات کے ساتھ ان کا سرعام استقبال کیا گیا۔

جس مہارت' بصیرت اور مشاہدہ کے ذریعے اس یادگار مہم کو مشہور کیا گیا' اس کے لیے سر ہنری ہارڈنج تعریف کے مستحق ہیں' جن میں غیر معمولی حد تک ایک سیاستدان اور ایک جنگجو کی خصوصیات مشترکہ طور پر موجود تھیں۔ پہلے سے فوج میں اضافہ اور فیروزپور کی طرف سنری پل کی منتقلی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لڑائی کے لیے ناتیار نہیں تھے لیکن انہوں نے دانشمندی سے برطانوی سرحد کی حفاظت کے لیے ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے غفلت نہیں برتی' انہوں نے اس جنگ کے لیے کسی قسم کی اشتعال انگیزی نہیں کی جو دشمن کی طرف سے شروع ہوئی۔ چوکس اور بلند نظر دماغ کے علاوہ ان میں بدرجہ اتم زیرکی اور دانشمندی کا بھی اضافہ ہوگیا' لہٰذا ان کی برداشت اور سیاسی دیانتداری نے ہی دشمن پر انھیں عظیم فتوحات دلائیں۔ انگلستان میں انگریزوں کی فتح کے بیانات کو بڑے جوش و خروش سے وصول کیا گیا۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے فوج کے لیے شکریہ کی آراء منظور کیں اور سر ہنری ہارڈنج اور کمانڈر انچیف کو منصب نوابی پر فائز کر دیا گیا۔ سر ہنری سمتھ کو ایک چھوٹا نواب بنایا گیا اور ان افسران کو نہایت فیاضی سے آرڈر آف باتھ سے نوازا گیا جنھوں نے مہم میں حصہ لیا تھا اور حکومت ہند کے حکم سے فوج کو بارہ مہینے کا بھتہ عطا کیا گیا۔

معاہدہ طے پانے کے بعد رانی جنداں کو ریاست کی قائم مقام اور راجہ لال سنگھ کو بطور مختار کل وزیر کے تسلیم کر لیا گیا۔ تمام مواقعوں پر میجر لارنس کا مشورہ اور ہدایت دستیاب

رہی۔ رانی کی طرف سے اپنے عاشق کا وزیر کے عہدہ کے لیے انتخاب خالصہ سلطنت کی زندگی کے لیے ایک دوسرا انتہائی مہلک دھچکا ثابت ہوا۔ جلد ہی لال سنگھ کی غداری عیاں ہوگئی۔ اس نے کشمیر میں سکھوں کے حاکم شیخ امام الدین کو اکسایا کہ وہ یہ علاقہ گلاب سنگھ کے حوالے نہ کرے کیونکہ معاہدہ کے مطابق انگریز اسے کشمیر کا خودمختار بادشاہ تسلیم کرنے پر رضامند ہوگئے ہیں۔ دربار لاہور نے یہ علاقہ حکومت برطانیہ کے حوالے کر دیا تھا۔ باغی شیخ اور گلاب سنگھ کی افواج کے درمیان متعدد جنگیں لڑی گئیں' لہٰذا شیخ نے اس وقت تک ہتھیار نہیں پھینکے جب تک میجر لارنس بذات خود سپاہیوں کی فوج کے ساتھ (جو پہلے انگریز افواج کے خلاف لڑ چکی تھیں) کشمیر کی طرف روانہ نہ ہوگئے۔ ۳ اور ۴ دسمبر ۱۸۴۶ء کو قلعہ کے سامنے ایک خیمہ میں لال سنگھ پر ایک کھلے دربار میں مقدمہ چلایا گیا۔ تفتیشی عدالت میجر جنرل لٹیل' لیفٹیننٹ کرنل لارنس' لیفٹیننٹ کرنل گولڈی' مسٹر کیوری اور مسٹر جے لارنس پر مشتمل تھی۔ دیوان دینا ناتھ نے ملزم کا دفاع کیا' لیکن جب اسے الزام پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے اپنے دفاع میں کچھ نہیں کہا۔ شیخ امام الدین نے سرکاری پروانہ نویس' پورن چند کی تحریر میں تیار کیے گئے خطوط پیش کیے' جن پر لال سنگھ کے دستخط تھے' جو اس نے خفیہ طور پر اسے روانہ کیے تھے' ان میں اسے تلقین کی گئی تھی کہ وہ کسی صورت میں بھی یہ علاقہ گلاب سنگھ کے حوالے نہ کرے۔ لال سنگھ کا جرم واضح طور پر ثابت ہوچکا تھا۔ سرداروں کو عدالت کے فیصلہ سے آگاہ کیا گیا۔ ان سے واپس چلے جانے کی درخواست کی گئی اور لال سنگھ کو برطانوی افسران کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ اسے وزیر کے عہدہ سے معزول کر دیا گیا اور اسے مطلع کیا گیا کہ اسے محل میں داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ کرنل لارنس کے معاون مسٹر ایڈورڈز اور ایک حفاظتی دستہ کی حفاظت میں اسے اس کے گھر پہنچایا گیا اور کچھ دیر بعد ہی اسے وظیفہ پر لاہور سے بنارس کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

لاہور کی حکومت کو اب دیوان دینا ناتھ' سردار تج سنگھ' اٹاری کے سردار شیر سنگھ اور فقیر نور الدین کے ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ میجر لارنس حسب معمول دربار میں انگریزوں کے مفادات کی نمائندگی کرتے رہے۔ ۱۱ مارچ ۱۸۴۶ء کے معاہدہ کے مطابق لاہور سے برطانوی سپاہیوں کی واپسی کا وقت آنے سے پہلے سکھ سرداروں نے حکومت برطانیہ کو اس عرصہ میں توسیع کرنے کے لیے (جس عرصہ تک انہیں لاہور میں ٹھہرایا گیا تھا) کہنے کی اشد ضرورت کو محسوس کیا' کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ انگریزوں کے تعاون اور ہدایت کے

بغیر نظم و نسق چلانا ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے حکومت سے التماس کیا کہ جب تک مہاراجہ سن بلوغت کو نہیں پہنچ جاتا' اس وقت تک برطانوی نگہداری جاری رکھی جائے۔ لارڈ ہارڈنگ نے حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد مجوزہ تدبیر کے لیے باول نخواستہ منظوری دے دی' لہٰذا ۲۶ دسمبر ۱۸۴۶ء کو پنجاب کے اکیاون سرکردہ سرداروں نے ایک نیا معاہدہ کر کے اس پہ دستخط کیے' جس کی رو سے انگریز اس ملک کے حقیقی مالک بن گئے۔ لاہور میں برطانوی ریذیڈنٹ کی زیر ہدایت آٹھ سرداروں یعنی دیوان دینا ناتھ' سردار تیج سنگھ' اٹاری کے سردار شیر سنگھ' فقیر نور الدین' سردار رنجودھ سنگھ' بھائی ندھان سنگھ' سردار عطر سنگھ کلیانوالہ اور سردار شمشیر سنگھ سندھیانوالہ پر مشتمل ایک سرکاری مشاورت کے ذریعے حکومت لاہور کا انتظام کرنے کے لیے ایک معاہدہ کیا گیا۔ سکھ حکومت اپنی جانب سے پنجاب میں دس ہزار انگریز سپاہیوں کی دیکھ بھال کے لیے حکومت برطانیہ کو بائیس لاکھ روپے ادا کرنے پر رضامند ہوگئی۔ اس معاہدے کو ۴ ستمبر ۱۸۵۴ء تک قائم رہنا تھا' اس تاریخ کو دلیپ سنگھ کے سن بلوغت کو پہنچنے پر حکومت اس کے حوالے کی جانا تھی۔ کرنل لارنس کو لاہور میں برطانوی ریذیڈنٹ مقرر کیا گیا۔

لاہور میں منعقدہ ایک عوامی دربار میں ۲۶ دسمبر کو معاہدہ کی توثیق کر دی گئی' کمانڈر انچیف بھی اس موقع پر موجود تھے۔ لارڈ ہارڈنگ ایک تخت پر تشریف فرما تھے' انہوں نے خطاب کرتے ہوئے حکومت لاہور کی بہبود کے لیے حکومت برطانیہ کے مقصد کی وضاحت کی' وہاں موجود سرداروں میں مشہور زمانہ شیخ امام الدین بھی تھا۔ سرداروں کے لیے مسٹر کیوری نے تقریر کا ترجمہ کیا' لہٰذا جواہرات' شالوں' بندوقوں وغیرہ پر مشتمل کثیر نذروں کے ساتھ دربار برخاست ہوگیا۔

حوالہ جات

(۱) پنجاب میں مہمات کے دوران لارڈ ہارڈنگ کو اکثر دیکھا جاتا کہ وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں سامنے میز پر سرکاری کاغذات اور صندوقچے پڑے ہوئے ہیں اور وہ احکامات جاری کر رہے اور ہدایات دے رہے ہیں۔ جب کاروبار حکومت پر فوری توجہ کی ضرورت ہوتی تو وہ تکلفات کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور خیموں کی آمد کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

(۲) اس بہادر سپاہی کی یادگار فیروزپور کے قبرستان میں واقع ہے اور اس کو بھربھرے پتھر کی سلوں سے ڈھکا گیا ہے۔ سنگ مرمر کی لوح پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے: "یہاں پر میجر جنرل' نائٹ کمانڈر آف آرڈر آف دی باتھ اور آف ہینوور' آسٹرین ملٹری آرڈر آف میریا تھریسا کے نائٹ اور رشین آرڈر آف ولادیمیرز ۳۷ویں رجمنٹ کے کرنل' تولے میٹ' پرتھ شائر' این۔ بی کے سر رابرٹ ہنری ڈک مسرت بخش روز محشر کی امید میں لیٹے ہوئے ہیں"۔

"وہ مصر میں مائدہ کے مقام پر بلقان میں واٹرلو اور ہندوستان میں اپنے وطن کے لیے لڑے اور زخمی ہوئے۔ فیونیٹس ڈی آنز' بوساکو' سلامانکہ اور واٹرلو میں اپنی بہادری اور مہارت کے عوض انہوں نے دو تمغے اور دو اعزازات حاصل کیے۔ ۲۹ جولائی ۱۷۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ وہ ۱۰ فروری ۱۸۴۶ء کو فتح کے وقت ہلاک ہوئے' جب ملکہ عالیہ کی ۸۰ویں رجمنٹ کا حوصلہ بڑھا رہے تھے اور سوبراؤں میں سکھوں کے خندقی مورچہ پر حملہ کرنے کے لیے اپنی فوج کو آگے لے جا رہے تھے۔ وہ باوقار طور پر زندہ رہے اور باوقار طور پر غمناک موت سے ہمکنار ہوئے"۔

باب ۳

سکھوں کی دوسری جنگ

دیوان مول راج کی بغاوت

پنجاب سے لال سنگھ کا خروج دلیپ سنگھ کی راج ماتا (جو ایک انتہائی مکار اور بدکار عورت تھی) کے لیے کوئی خوشی کی بات نہیں تھی لیکن سکھ سردار جلد ہی ۲۶ دسمبر ۱۸۴۶ء کو کیے گئے اپنے معاہدہ پر پچھتانے لگے اور انہیں اس سے خوف محسوس ہونے لگا۔ کیونکہ شکست کا سامنا کرنے کے باوجود وہ ابھی تک مطیع نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ رنجیت سنگھ کی تنظیم کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنے والی ان کی بادشاہت اور ۸۰ ہزار منظم سپاہیوں کی فوج کے علاوہ تقریباً ۳۰۰ توپوں پر مشتمل توپ خانہ ابھی تک ان کے پاس تھے۔ جب کہ معاہدہ کی شرائط کی رو سے ان کا ملک اپنے زیادہ تر زرخیز صوبوں سے محروم ہوگیا۔ لاہور کا دربار سیاست کی طرح چال چلن میں بھی بدکردار تھا۔ لہٰذا انگریزوں کے لیے ان کی بددیانتی کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ میجر ہنری لارنس، جنہیں ۱۰ ہزار برطانوی سپاہیوں کے ساتھ لاہور میں چھوڑا گیا تھا، انہوں نے نظم و نسق برقرار رکھنے کے لیے بڑی محنت کی۔ مگر خرابی صحت نے نومبر ۱۸۴۷ء میں انہیں پنجاب کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا وقتی طور پر ان کے بھائی سرجان (بعد ازیں) لارڈ لارنس کو ان کی جگہ پر مقرر کیا گیا اور آخرکار یہ عہدہ حکومت کے سابقہ چیف سیکرٹری سرفریڈرک کیوری کے سپرد کیا گیا، جنہوں نے ۶ اپریل ۱۸۴۸ کو اس عہدہ کے فرائض سنبھالے۔

ملتان کا دیوان مول راج ایک تجربہ کار فریبی اور مکار شخص تھا۔ ۱۸۴۴ء میں اپنے باپ ساون مل کا جانشین بنا۔ مولراج کے قبضہ میں ملتان کا صوبہ ۱۸۴۸ء کے موسم بہار میں

شمال کی طرف دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر واقع ضلع کچی سے جنوب کی طرف سندھ کی مشرقی سرحد تک اور مشرق میں دریائے راوی پر واقع چیچا وطنی اور ستلج پر واقع ٹبی سے مغرب کی طرف' دریائے سندھ کے پار کوہ سلیمان تک پھیلا ہوا تھا۔(۱) ساون مل نے قلعہ ملتان کو اس کے گرد ایک چوڑی اور گہری خندق کھود کر اس کے سامنے پختہ اینٹوں کا پشتہ تعمیر کر کے مستحکم کر دیا تھا جب کہ خندق میں ۳۰ فٹ بلند ایک خوفناک دیوار بھی تھی۔ وہ بادشاہت کا خواہش مند تھا۔ لہٰذا اس کا سب سے بڑا بیٹا مول راج مستقبل کی خود مختاری کے خوابوں کے درمیان جوان ہوا تھا۔ ساون مل کے انتقال پر مول راج کو اس شرط پر ملتان کا حاکم مقرر کیا گیا کہ وہ دربار کو بطور نذرانہ تیس لاکھ روپے ادا کرے گا۔ لہٰذا نوے لاکھ روپے کی بہت بڑی رقم' جسے بوڑھے دیوان نے ۲۴ سال کے طویل عرصہ میں جمع کیا تھا' نئے حاکم نے اپنے بھائیوں کے ساتھ بانٹ لی۔ راجہ لال سنگھ نے حکومت لاہور کے از سر نو قیام پر نذرانہ کی ادائیگی وصول کرنے کے لیے مول راج کے خلاف ایک فوج روانہ کی لیکن سپاہیوں کو جھنگ کے قریب شکست دے دی گئی۔ لاہور میں برطانوی ریذیڈنٹ نے مداخلت کی اور اس بات پر تصفیہ ہو گیا کہ ضلع جھنگ کو مول راج کی عمل داری سے ہٹا دیا جائے۔ نذرانہ کو کم کر کے بیس لاکھ کر دیا جائے اور ابھی تک اس کے زیر انتظام اضلاع کی آمدنی کی رقم کو بڑھا کر ایک تہائی کر دیا جائے۔ سر جان لارنس کے مطابق "مول راج نے اپنی بغاوت کے وقت تک ایمانداری سے اپنے مال عہد و پیمان کو پورا کیا تھا" مگر وہ بذات خود سخت گیر اور لالچی ثابت ہوا۔ لہٰذا تجارتی اور زرعی طبقوں کے لیے وہ قابل نفرت شخص بن گیا۔ انہوں نے انتہائی نفرت سے اس کی دست درازیوں کی شکایت کی۔ اس صوبہ میں بوڑھے دیوان کی مقبولیت مثالی تھی۔ مول راج' جس نے ورثہ میں اس کے آزاد خیالات یا پسندیدہ خصوصیات میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا تھا' اس کے متعدد بہترین قوانین کو توڑ دیا تھا۔ درحقیقت لوگ اس کے والد کے انتقال سے قبل اس کے کردار سے اچھی طرح واقف تھے۔ لہٰذا ضلع جھنگ میں ایک ضرب المثل ابھی تک موجود ہے جس میں سکھوں کے دور کے متعلق اشارہ کیا گیا ہے۔ اس میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ جب ملتان کو ساون (بارش) لیہ کو کرم (مہربانی) سے نوازا گیا تو جھنگ پر مولا (ایک کیڑا جو مکئی کی جڑیں کھاتا ہے) کی صورت میں آفت نازل کی گئی۔(۲)

دربار نے ملتان میں مول راج کی سخت تدابیر میں مداخلت کر دی۔ چونکہ سرکاری امور ایک برطانوی ریذیڈنٹ کی زیر نگرانی تھی' اس لیے انہیں زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کیا

جاسکتا تھا۔ مول راج کو لاہور آنے کے لیے کہا گیا۔ لہذا ریزیڈنٹ سر جان لارنس کے ساتھ ملاقات میں اس نے صوبہ ملتان کے عہدہ سے مستعفی ہونے کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن اس کا استعفیٰ منظور نہ کیا گیا۔ ملتان پہنچنے پر اس نے دوبارہ اپنی خواہش کو دہرایا کہ وہ مستعفی ہو کر یہ منصب روانہ کیے گئے کسی مجاز شخص کے حوالے کر دے گا۔ اس پر سردار کاہن سنگھ کو حاکم ملتان نامزد کیا گیا اور سر فریڈرک کیوری نے نئے حاکم کے ساتھ اس کے صوبہ کی طرف جانے کے لیے دو برطانوی افسروں کو منتخب کیا۔ ان میں سے ایک نوجوان بنگالی عہدیدار مسٹر پی۔ اے وانس اگینیو تھے (جو لاہور میں ریزیڈنٹ کے معاون تھے اور اب انہیں اہم فرائض سونپے گئے تھے) اور دوسرے فرسٹ بمبئے یورپین فیوزیلرز کے لیفٹیننٹ ڈبلیو۔ اے اینڈرسن تھے۔ سر فریڈرک مسٹر وانس اگینیو کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ "وہ انتہائی قابل، چست اور صاحب بصیرت شخص تھے اور انہیں انتظامی فرائض سر انجام دینے کا اچھا خاصہ تجربہ تھا"۔ وہ لیفٹیننٹ اینڈرسن کو ایک اعلیٰ پائے کا مشرقی عالم بتاتے ہیں، جو کچھ عرصہ تک سر چارلس نیپئر کے تحت سندھ میں ڈپٹی کلکٹر رہ چکے تھے اور انہوں نے ملتان کے تمام اضلاع میں سفر کیا تھا۔ مسٹر وانس اگینیو اس علاقے کے مقامی باشندوں میں بہت مقبول تھے۔ ان کے لیے وہ بہت زیادہ مہربانی لے کر آئے تھے۔ لیفٹیننٹ اینڈرسن کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک غیر معمولی کمالات اور مخصوص پسندیدہ اطوار کے حامل افسر تھے۔

افسران گرمی سے بچنے کے لیے دریا کے راستہ سے گئے جب کہ کاہن سنگھ ۶۰۰ گورکھوں کے حفاظتی دستہ، ۷۰۰ سواروں اور گھڑچڑھ توپ خانہ کے ایک دستہ کے علاوہ چھ توپوں کے ساتھ خشکی کے راستہ سے گیا۔ یہ سب ۱۸ اپریل کو ملتان کے مضافات میں ایک جگہ جمع ہوئے اور قلعہ سے بالکل قریب ایک مستحکم چار دیواری عیدگاہ میں خیمہ زن ہوگئے۔ مول راج نے ۱۸ تاریخ تک برطانوی افسروں سے دو مرتبہ ملاقات کی اور بظاہر خلوص اور مہربانی سے پیش آیا۔ لہذا اس بات پر تصفیہ ہوگیا کہ اگلے روز قلعہ نئے حاکم کے حوالے کر دیا جائے گا۔

۱۹ تاریخ کی علی الصبح کو مسٹر وانس اگینیو اور لیفٹیننٹ اینڈرسن سردار کاہن سنگھ کے ساتھ مول راج کے ہمراہ قلعہ کی طرف روانہ ہوئے، جس نے قلعہ کی چابیاں برطانوی افسران کے حوالے کر دیں۔ دو گورکھا کمپنیوں کو قلعے کا انتظام سونپ دیا گیا اور مختلف مقامات پر سنتری خانے نصب کر دیے گئے۔ قلعہ کی سابقہ حفاظتی فوج کو جمع کر کے اس

کے خدشات رفع کر دیے گئے اور سپاہیوں سے ملازمت کا وعدہ کیا گیا۔ تمام انتظامات مکمل ہوگئے تو برطانوی افسر (جو غیر مسلح تھے اور انہیں کسی بات کا شک و شبہ نہیں تھا) مول راج کے ہمراہ عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جیسے ہی یہ رسالہ دروازے پہ پہنچا تو مول راج کے دو سپاہی خندق کی پل پر کھڑے دکھائی دیے۔ ان میں سے ایک امیر چند نے تھوڑی دیر کے لیے مسٹر وانس ایگنیو کو غور سے دیکھا اور ان پر ایک برچھی سے وار کر کے انہیں گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ مسٹر ایگنیو نے مزاحمت کی اس پر ڈاکو نے اپنی تلوار کھینچ کر انہیں دو زخم لگائے لیکن خود حفاظتی دستہ کے ایک سوار کے ساتھ خندق میں گر گیا۔ مول راج یا تو اپنی جان کے خطرہ کے پیش نظریا اس واقعہ سے لاتعلق فوراً سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا عیدگاہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع ام خاص میں اپنے چمن گھر کی طرف فرار ہوگیا۔ کاہن سنگھ اور مول راج کے برادر نسبتی رنگ رام نے زخمی افسر کو بدقت ہجوم سے بچایا اور انہیں ایک ہاتھی پر واپس عیدگاہ کی طرف لائے۔ مول راج کے ذاتی سواروں نے لیفٹیننٹ اینڈرسن کا تعاقب کر کے انہیں بری طرح زخمی کر دیا اور مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ بعد میں ان کے چند گورکھا سپاہیوں نے انہیں تلاش کیا اور ایک ڈولی میں انہیں عیدگاہ میں لے کر آئے۔

مسٹر وانس ایگنیو نے دن میں حوصلہ کر کے لاہور میں ریزیڈنٹ کو اس واقع کی اطلاع بھیجی اور ڈیرہ اسماعیل خاں میں جنرل کورٹ لینڈ اور بنوں میں لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو اپنی آفت سے مطلع کرنے کے لیے خطوط روانہ کیے۔ انہوں نے مول راج کو بھی ایک خط بھیج کر اپنے پاس بلوایا کہ وہ دغابازی کے متعلق حساب دے۔ اسے کہا گیا کہ وہ مجرموں کو گرفتار کر کے ان کے حوالے کرے۔ انہوں نے اسی دوران دیوان کی سازش کے سلسلہ میں بہت زیادہ بے اعتباری کا اظہار کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسٹر ایگنیو نے اس کٹھن مرحلہ میں نہایت اطمینان اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ مول راج کی طرف سے ایک جواب موصول ہوا' جس میں بتایا گیا کہ پوری حفاظتی فوج باغی ہے۔ یہ کہ وہ نہ تو مجرموں کو حوالے کر سکتا ہے اور نہ ہی خود آ سکتا ہے اور یہ کہ برطانوی افسران کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی حفاظت خود کریں۔ فوج نے اس پر زور دیا کہ وہ اپنی خودمختاری کا اعلان کر دے۔

دیوان اپنی والدہ کے پاس گیا اور اس سے مشورہ طلب کیا۔ ساون مل کی بیوہ نے کہا "ایک مرد کی طرح کام کرو' اپنے امیروں سے مشورہ کرو اور مشورہ کے لیے عورتوں کے پاس

نہ آؤ"۔ چنانچہ دیوان مول راج نے اپنے سرداروں کا اجلاس طلب کر کے جنگ کے لیے اپنا ذہن بنا لیا۔ آخری دم تک لڑنے کے لیے مسلمانوں نے قرآن پاک پر اطاعت کا حلف اٹھا کر اپنی مہریں لگائیں۔ ہندوؤں نے گنگا کے پانی پر قسم کھائی اور سکھوں نے مقدس گرنتھ پر حلف اٹھایا۔ سکھوں نے مول راج کی کلائی پر ایک جنگی کنگن باندھا۔ یہ ۲۰ اپریل ۱۸۴۸ تھا۔ اب حفاظتی فوج کے جوانوں کو رشوت دی گئی۔ چنانچہ پیادہ سوار اور توپ خانے کے تمام سپاہی ساتھ چھوڑ کر مول راج کی طرف چلے گئے۔ صرف سردار کاہن سنگھ آٹھ یا دس با اعتماد سواروں اور برطانوی افسران کے گھریلو ملازمین کے ساتھ آخر تک ان کے ساتھ رہے۔ انہوں نے ہال کے بلند و بالا مرکزی گنبد کے نیچے زخمی انگریزوں کے بستروں کے گرد ایک گروہ بنا لیا تھا۔

اسی روز شام کے وقت مول راج کے مذہبی سکھوں کی جماعت کی قیادت میں ایک ہجوم شہر سے بلند نعرے لگاتا عیدگاہ کی طرف بڑھا۔ سردار کاہن سنگھ نے مسٹر اینگنیو سے سفید جھنڈی لہرانے اور رحم کی اپیل کرنے کے لیے اجازت مانگی۔ خون ضائع ہونے سے مسٹر اینگنیو کی طاقت جواب دے گئی تھی۔ مگر ایک انگریز کا وقار ختم نہیں ہوا تھا۔ ان کے قلب نے انہیں ناکام نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے رحم مانگنے کے تصور کو حقیر جانتے ہوئے جواب دیا "رحم کے لیے وقت گزر چکا ہے۔ اب کسی سے نہیں مانگا جا سکتا۔ اگر وہ چاہیں تو ہم دونوں کو ہلاک کر سکتے ہیں' مگر ہم آخری انگریز نہیں ہیں۔ جب ہم گزر جائیں گے تو ہمارے بعد ہزاروں انگریز یہاں آ کر مول راج' اس کے سپاہیوں اور اس کے قلعہ کو تہس نہس کر دیں گے" اب ہجوم پرجوش نعروں کے ساتھ تیزی سے اندر داخل ہوا۔

کاہن سنگھ کو قیدی بنا لیا گیا۔ زخمی اور اپنی زندگی سے مایوس دونوں انگریزوں نے ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ مسٹر اینگنیو اپنے ہم وطنوں کے بستر کے قریب بیٹھے ہوئے تھے' جو بری طرح زخمی تھا اور حرکت کرنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما اور دونوں نے خود کو اپنی قسمت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

مشتعل ہجوم شور و غوغا کرتا' چیختا چلاتا اور تمسخر اڑاتا اندر داخل ہوا۔ لہٰذا انہوں نے بندوقوں کے کندوں سے ملازمین کو پرے ہٹا دیا۔ بعد ازیں ایک مذہبی گودر سنگھ ایک ننگی تلوار کے ساتھ مسٹر اینگنیو پر چڑھ دوڑا۔ لہٰذا ان پر گالیوں کی بوچھاڑ کر کے اس نے ان کی گردن پر تلوار سے دو وار کیے اور تیسرے وار سے ان کا سر کاٹ دیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے سپاہی نے ان کے بے جان لاشے پر اپنی بندوق خالی کر دی۔ لیفٹیننٹ اینڈرسن کو

تلواروں کے وار کر کے فوراً ہلاک کر دیا گیا۔ لہٰذا دونوں لاشوں کو گھسیٹ کر باہر لایا گیا۔ ان کی قطع و برید اور پا ئمالی کے بعد ساری رات باہر پڑا رہنے دیا گیا۔ قاتل گودر سنگھ مسٹر ایگنیو کا سر مول راج کے پاس لے گیا۔ اس نے ایک ہاتھی' روپے پیسے اور گھوڑے کی شکل میں اسے انعام و اکرام سے نوازا۔ کیونکہ اسے شکار سے نجات مل گئی تھی۔ سر کو کاہن سنگھ (جو اب مول راج کا قیدی تھا) کی گود میں پھینک کر استہزائیہ انداز میں کہا گیا لو اس نوجوان کا سر سنبھالو' جسے ملتان پر حکومت کرنے کے لیے لایا گیا تھا۔ سردار زار و قطار رونے لگا لیکن مول راج نے غیر ملکیوں کے ساتھ ہمدردی کرنے پر اسے سرزنش کی۔ دیوان کے حکم سے مقتول انگریزوں کی لاشوں کو عیدگاہ کے قریب ایک جلدی میں تیار کی گئی قبر میں دفن کر دیا گیا لیکن وہ وہاں بھی محفوظ نہیں تھے۔ ملتان کے عوام نے دو مرتبہ انہیں باہر نکالا اور ان کے وہ کپڑے پھاڑ ڈالے' جن میں انہیں دفن کیا گیا تھا۔ انہیں تیسری مرتبہ دفن کیا گیا اور قبر پر ایک محافظ دستہ تعینات کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ اس معاملہ کو فراموش کر دیا گیا۔

اس گھناؤنے جرم کی خبر سے زبردست غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ لہٰذا لاہور میں برطانوی ریزیڈنٹ سر فریڈرک کیوری نے فوراً فوج کو ملتان کے لیے روانہ ہونے کے احکامات دیے لیکن کمانڈر انچیف کے حتمی احکامات کا انتظار کیا۔ سال کا گرم ترین موسم شروع ہو گیا تھا۔ لہٰذا بہتر طور پر یہ خیال کیا گیا کہ زیادہ موزوں موسم تک اس کارروائی کو ملتوی کر دیا جائے۔ لاہور دربار کی پیش رفت سست تھی' لہٰذا جب ریزیڈنٹ نے سکھ حکومت کو بتایا کہ مول راج کی بغاوت کا ہر صورت میں خاتمہ کرنا ہے تو سرداروں نے اس کام کا بیڑا اٹھانے سے معذوری کا اظہار کیا۔

بنوں میں لیفٹیننٹ (بعد ازیں سر) ہربرٹ ایڈورڈز نے مسلمان سپاہیوں کی ایک فوج تیار کی اور ان کے ساتھ دریائے سندھ پار کر لیا۔ جنرل کورٹ لینڈ نے چار ہزار سپاہیوں کی فوج کے ساتھ ان کی مدد کی۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر بغاوت کو دبا دیا گیا۔ باغی سپاہیوں کے ساتھ پہلی لڑائی ۲۱ مئی کو ڈیرہ غازی خاں میں لڑی گئی۔ حاکم لونگا مل نے جب جنرل کورٹ لینڈ (جنہیں بنوں سے سورج مکھی رجمنٹ کی کمک پہنچی) کی آمد کا سنا تو ڈیرہ غازی خاں میں اپنا مورچہ مستحکم کر لیا اور ضلع ڈیرہ غازی خاں کا ایک طاقتور تومندار جلال خاں لغاری اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ کھوسہ قبیلے کا انتہائی طاقتور تومندار کوڑا خاں اس کا زبردست دشمن تھا' جس نے پندرہ روز پیشتر لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو

اپنی اطاعت پیش کر دی تھی۔ اس افسر نے کوڑا خاں کے بیٹے غلام حیدر خاں کو ایک قیمتی خلعت عطا کیا اور اسے جنرل کورٹ لینڈ کے سپرد کر دیا جو اس وقت دائرہ دین پناہ میں خیمہ زن تھے۔ یہ نوجوان بلوچ سردار جنرل کی اجازت حاصل کر کے اپنے والد کے قبیلہ کی فوج کے ہمراہ مرنے یا مارنے کا ارادہ کر کے پیشگی طور پر ڈیرہ غازی خاں کی طرف روانہ ہوا۔ ڈیرہ غازی خاں میں اس کا والد کوڑا خاں بھی اس کے ساتھ آن شامل ہوا۔ لہذا دونوں نے اپنے جانی دشمن لغاریوں (جو بہت بڑی تعداد میں لونگا مل کے گرد جمع ہو گئے تھے) کے ساتھ زبردست جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ باغی حاکم کے ساتھ اب اس کا چچا' حاکم سانگھڑ و منگروٹا' چین مل بھی شامل ہو گیا۔ وہ اپنی پوری فوج ایک توپ اور پانچ زنبورکوں کے ساتھ شہر سے باہر آیا۔

کھوسہ رات کے آخری پہر نزدیک آئے۔ لہذا لغاریوں نے جوانمردی سے لڑتے ہوئے انہیں ایک سے زائد مرتبہ پسپا کر دیا۔ طلوع آفتاب ہوتے ہی بوڑھا کوڑا خاں اپنے گھوڑے سے اترا۔ تلوار نیام سے نکال کر اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اگر وہ سچے کھوسہ ہیں' اس کے پیچھے پیدل چلے آئیں اور دشمن کے فرار ہونے کے لیے اپنے گھوڑے وہیں چھوڑ دیں۔ اس کے قبیلہ نے حکم کی تعمیل کی اور دشمن پر ایک زبردست حملہ کر دیا۔ لڑائی تین گھنٹوں تک جاری رہی۔ حتیٰ کہ فتح عظیم کھوسہ قبیلے کے حصہ میں آئی اور دشمن مغلوب ہو گیا۔ چین مل اپنے ایک بھتیجے کے ساتھ میدان جنگ میں مارا گیا۔ لونگا مل کو قیدی بنا لیا گیا اور توپ اور پانچ زنبورکوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ باغی میدان جنگ میں چالیس مردے چھوڑ گئے اور کھوسوں کے پندرہ آدمی ہلاک ہوئے' جن میں کوڑا خاں کا بھتیجا محمد خاں بھی شامل تھا۔

ڈیرہ غازی خاں میں شکست کے باعث مول راج دریائے سندھ کے پار اپنی تمام راج دھانیوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ دربار لاہور نے میدان جنگ میں بہادری اور نمایاں خدمات کے صلہ میں کوڑا خاں اور اس کے بیٹے کو "عالی جاہ" کے بہترین خطاب سے سرفراز کیا۔ بعد ازیں لارڈ ڈلہوزی نے خاں کو وظیفہ آبائی وطن میں ایک باغ کے دائمی بخشش اور اس کی جاگیروں کی توثیق کر کے خاں کی خدمات کے لیے اپنی قدردانی کا اظہار کیا۔

کنیری کی لڑائی

دوسری اہم جنگ چناب کے کنارے پر واقع کنیری کے مقام پر ۱۸ جون کو لڑی گئی۔ مول راج کے جرنیل رنگ رام کی قیادت میں فوج کی تعداد ۷ ہزار بشمولی پٹھان سوار'

باقاعدہ پلٹنوں اور گورکھوں پر مشتمل تھی' جنھوں نے ملتان میں مسٹرا یگنیو اور لیفٹیننٹ اینڈرسن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس کے علاوہ دس توپیں بھی تھیں۔ لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی قیادت میں برطانوی فوج نواب بہاولپور کی طرف سے پانچ ہزار آدمیوں کی ایک فوج اور لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی طرف سے سرحدی مسلمان قبائل سے بھرتی کیے گئے۔ اتنی ہی تعداد میں سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ باقاعدہ پیادہ فوج کی سبحان خاں پلٹون اور جنرل کورٹ لینڈ کی سورج مکھی رجمنٹ' دس توپیں اور پچیس زنبورکیں بھی شامل تھیں۔ یہ گھمسان کی جنگ تھی اور صبح سات بجے سے شام کے ساڑھے چار بجے تک نو گھنٹوں تک جاری رہی۔ دشمن کی توپ خانے نے گولہ باری شروع کر دی۔ لہٰذا جلد ہی کورٹ لینڈ کے بہتر تربیت یافتہ توپ خانہ نے اس کا جواب دیا۔ دشمن کی دو توپوں کو فوراً خاموش کر دیا گیا اور باقی ماندہ توپوں کی گولہ باری کم ہوگئی۔ ازاں بعد لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے سبحان خاں کی رجمنٹ کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سبحان خاں (جو ایک بھاری بھرکم مضبوط سپاہی تھا) نہایت پھرتی سے جھاڑیوں پر سے کود کر بذات خود اپنے آدمیوں کی قیادت کی۔ جوانوں نے مزید دو توپیں قبضہ میں لے لیں' جنہیں سنگین کی نوک پر زمین پہ اتارا گیا۔ اب پوری انگریزی فوج دشمن کی طرف بڑھی' جو ایک جگہ جمع ہو چکا تھا۔ لہٰذا فریقین کا توپ خانہ پوری طاقت سے دوبارہ کھل گیا۔ ساڑھے تین بجے لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے جنرل کورٹ لینڈ کے منظم سورج مکھیوں اور سبحان خاں کی مسلمانوں پر مشتمل رجمنٹ کو سامنے بلایا۔ بذات خود ان کی کمان سنبھالی اور انہیں باغیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ حکم کی فوری تعمیل کی گئی۔ سپاہی انتہائی تندی اور ناقابل مقابلہ طاقت کے ساتھ دشمن پر چڑھ دوڑے۔ دست بدست لڑائی شروع ہوگئی' جس میں سبحان خاں نے اپنے آدمیوں کی قیادت کرتے ہوئے سنگین کی نوک پر دشمن کی ایک توپ پر قبضہ کر لیا۔ اب دشمن کی صفوں میں افراتفری پیدا ہوگئی۔ لہٰذا فتح کے لیے کچھ دیر لڑائی کے بعد باغیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان کا جرنیل رنگ رام کافی عرصہ پہلے فرار ہوچکا تھا۔ چنانچہ اب فتح مند انگریزی سپاہیوں نے باغیوں کا زبردست تعاقب کیا۔ چناب سے چار کوس کے فاصلے پر نمر کے مقام پر دشمن کا پڑاؤ اور ان کا تمام اسلحہ خیمے اور ذخائر فاتحین کے ہاتھ لگے۔ باغی جن دس توپوں کو میدان میں لائے تھے' ان میں سے آٹھ پر قبضہ کر لیا گیا۔ انگریزوں کی جانب ۲۴۷ آدمی ہلاک یا زخمی ہوئے جب کہ دشمن نے میدان میں ۵۰۰ اور ۶۰۰ کے درمیان مردے چھوڑے۔ زخمیوں کے سمیت ان کا کل نقصان تقریباً ایک ہزار تھا۔ کنیری کی جنگ کے باعث سندھ اور چناب کے درمیان پورا علاقہ اور

چناب اور ستلج کے درمیان کا تقریباً پورا علاقہ مول راج کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

۲۰ جون کی علی الصبح شجاع آباد کے قلعدار نے لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو اپنی اطاعت پیش کر دی اور چودھریوں اور ساہوکاروں نے وہاں پیش ہو کر مہمان سلوک کے لیے درخواست کی۔ برطانوی افسر نے فوراً اس کا وعدہ کیا۔ اب نواب بہاولپور کے سپاہیوں کو قلعہ کا پر امن قبضہ لینے کے لیے بھیجا گیا۔

اسی اثناء میں ملتان میں بھائی مہاراج سنگھ نام کا ایک انتہائی قابل احترام سکھ گورو مول راج کے ساتھ شامل ہو گیا۔ وہ بھائی بیر سنگھ کا جانشین اور چیلا تھا۔ یاد رہے کہ یہی بیر سنگھ راجہ ہیرا سنگھ کے زمانہ میں شمشیر سنگھ کے چچا عطر سنگھ سندھیانوالہ کی طرف سے دریائے ستلج پر لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ ملتان میں متعصب ہندوؤں کے درمیان ایک سکھ گورو کی موجودگی اور اس کے متبرک فیوضات اور فتح کے لیے دعاؤں نے ان میں اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ لہٰذا باغی فوج کی تمام صفوں میں جنگی نعرہ "دھرم" بلند ہوا۔ مول راج ذاتی طور پر اپنے مذہبی مشیر اور معتمد خاص مسٹر کلباس کے مکمل طور پر زیر اثر تھا' جو اعلیٰ ذات کا ایک برہمن تھا۔ وہ اس کے لیے بالکل ویسا ہی تھا' جیسا چھ سال قبل لاہور میں جلا پنڈت ہیرا سنگھ کے لیے تھا۔ ۲۸ جون ۱۸۴۸ء کی صبح کو لیفٹیننٹ ایڈورڈز متحدہ افواج کے ساتھ آدمی والا باغ سے ملتان کے تین کوس پر واقع سورج کنڈ کی طرف روانہ ہوئے۔ لہٰذا ۳۰ تاریخ کو شیخ امام الدین کا ۴ ہزار سپاہیوں پر مشتمل دستہ بھی ان سے آ ملا۔

سکھ گورو نے انتہائی جانفشانی سے ستاروں کا حساب لگانے کے بعد مول راج کو مطلع کیا کہ انگریزوں کے ساتھ لڑائی کے لیے یکم جولائی مبارک دن ہو گا۔ تب اسے بذات خود اپنی فوج کی قیادت کرنی چاہیے۔ لہٰذا اس کی فوج ناقابل تسخیر ہو گی۔ اس مضبوط یقین دہانی سے متاثر ہو کر دیوان نے لڑائی کا فیصلہ کر لیا۔ لہٰذا اچانک سورج کنڈ پل (جہاں حملے کی توقع تھی) سے اپنے سپاہیوں کو بلوا کر اور انہیں والی محمد' نہر کی دوسری جانب روانہ کر کے برطانوی پڑاؤ سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ایک میدان میں آ پہنچا۔ یہ یکم جولائی کی دوپہر کا وقت تھا۔ اس چال کا مقصد نواب بہاول خاں کی فوج کے ساتھ لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی فوج کے ملاپ کو روکنا اور موخرالذکر پر اس وقت حملہ کرنا تھا' جب دریائے چناب کے پار لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی فوج کے راستہ کی حفاظت کرنے کے لیے حرکت پذیر ہو۔

جیسے ہی برطانوی افسروں کو دشمن کی آمد سے مطلع کیا گیا تو انہوں نے جوانوں کی صف بندی کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت فوج مندرجہ ذیل ترتیب میں روانہ ہوئی۔ بہاولپور کی فوج

لیفٹیننٹ لیک کی قیادت میں دائیں جانب' شیخ امام الدین کے سپاہی بائیں طرف' سبحان خاں کی مسلمان رجمنٹ اور سورج مکھی جنرل کورٹ لینڈ کی زیر قیادت بمعہ توپوں کے مرکز میں پٹھان پیدل افواج بائیں قلب میں اس کے پہلوؤں میں' لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی زیر کمان پٹھان سوار فوج میدان جنگ میں' دشمن کے پاس گیارہ ہزار سے زائد فوج اور بائیس توپیں تھیں۔ دشمن نے موضع سداسام میں اپنا میدان منتخب کیا۔ لیفٹیننٹ لیک نے اپنے داؤد پوتوں کے ساتھ ایک بلند ٹیلے پہ قبضہ جمایا ہوا تھا اور اس بلند مورچہ سے دشمن کی بائیں جانب زبردست گولہ باری کی بوچھاڑ کر دی' فوراً ہی اس کا جواب دیا گیا۔ ازاں بعد انگریزی فوج کے قلب اور بائیں بازو نے پیش قدمی کی اور دشمن کی گولہ باری کو خاموش کر دیا' اس پر عام لڑائی شروع ہوگئی۔ سکھ انتہائی ثابت قدمی سے میدان میں ڈٹے رہے اور بڑے حوصلہ سے لڑے' لیکن انہوں نے انگریزی توپ خانہ کی برتر گولہ باری کا سامنا کرنے کو ناممکن سمجھا۔ لہٰذا انہیں ناقابل تلافی بدنظمی میں واپس جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ مول راج' جو بذات خود کمان کر رہا تھا' ہودا کے ساتھ ایک گولہ ٹکرانے کے باعث اپنے ہاتھی سے نیچے گر گیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نہایت تیزی سے شہر کی جانب بھاگ اٹھا۔

انگریزوں کی جانب مرنے والوں اور زخمیوں کی کل تعداد ۲۸۱ تھی۔ ہلاک شدگان میں چند مشہور پٹھان بھی تھے۔ ڈیرہ کے نواب کا ایک عزیز رحیم خاں' حدکہ' حسین خاں موسیٰ زئی اور خیسور کا فتح خاں' نواب بہاولپور کی ملازمت میں کیپٹن میکفرنس بھی اپنی رجمنٹ کی قیادرت کرتا ہوا ہلاک ہوگیا۔ متعدد پٹھان سرداروں نے اس جنگ میں اپنی۔ بے مثال بہادری کے ذریعے اپنا لوہا منوایا۔ ان میں ملتان کا غلام سرور خاں خاکوانی' جو ایک مشاق شمشیر زن اور نڈر سپاہی تھا' لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے اسے "فخر سرحد" کا خطاب دیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے متعدد سکھوں کو ہلاک کیا تھا اور ایڈجوٹنٹ جنرل فوجدار خاں تھا۔ وہ دونوں زخمی ہوگئے تھے۔ دشمن کو انتہائی بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ سداسام کی جنگ کے نتیجہ میں مول راج ملتان شہر اور قلعہ میں بند ہوگیا۔ لہٰذا وہ ماسوائے انگریزی فوج کے محاصرہ کی مزاحمت کرنے کے' باہر نکلنے سے قاصر تھا۔

لاہور میں جب سداسام کی فتح کی خبر موصول ہوئی تو دربار نے قلعہ سے سرکاری طور پر توپوں کی سلامی دینے کا حکم دیا۔ لہٰذا گوبند گڑھ اور اٹک کے قلعوں اور ہزارہ' پشاور' بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خاں کی چھاؤنیوں سے بھی اسی طرح توپوں کی سلامی دی گئی۔

دریں اثناء مول راج خاموش نہیں بیٹھا۔ اس نے ملتان کے پرجوش شہروں کے تعاون

سے شہر کے گرد خندق کے باہر ایک عظیم الشان مٹی کا پشتہ تعمیر کرایا اور لاہور سے ناراض سکھوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا۔ اس وقت سردار چھتر سنگھ اٹاری والا کا بیٹا راجہ شیر سنگھ، سکھوں کا حاکم ہزارہ پانچ ہزار جوانوں کی ایک فوج، دس گھڑ چڑھ توپوں اور دو چھوٹی توپوں کے ساتھ ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ اس فوج کی کمان میں راجہ کے دو ساتھی سردار شام سنگھ سندھیانوالہ اور سردار عطر سنگھ کلی والا بھی تھے، جنھیں سوار فوج کا انتظام سونپا گیا تھا جب کہ راجہ کے پاس پیادہ فوج اور گھڑچڑھ توپ خانے کے دستہ کا خصوصی اختیار تھا۔ راجہ کی فوج کو اپنے جھنڈے تلے لانے کے لیے کام کرنے کی خاطر مول راج نے متعدد سازشیں کیں لیکن وہ بے سود ثابت ہوئیں۔ لیفٹیننٹ ایڈورڈز اور لیفٹیننٹ لیک کی زیر قیادت افواج اس وقت ملتان سے دو کوس کے فاصلے پر واقع ٹبی میں خیمہ زن تھی جب کی شیر سنگھ کا دستہ ان کی پچھاڑی میں تھا۔ افواج اسی حالت میں رہیں حتیٰ کہ جنرل وش، ایک توپ خانہ اور آٹھ مسلح جوانوں کی ایک فوج کے ساتھ ۱۸ اگست کو آن پہنچے۔

ملتان کا محاصرہ

جنرل وش ۴ ستمبر کو ملتان پہنچے اور دیکھا کہ لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے سات ہزار سات سو پیادہ اور ۴ ہزار سوار فوج کے علاوہ لیفٹیننٹ لیک کی زیر قیادت ۵ ہزار سات سو پیادوں اور ایک ہزار نو سو سواروں پر مشتمل نواب بہاول خاں کی فوج اور راجہ شیر سنگھ کی قیادت میں ۹۰۰ پیادوں اور ۳ ہزار آٹھ سو سواروں کی ایک سکھ فوج کے ساتھ اس کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ پس انگریزوں کی جانب فوج کی کل تعداد ۴۵ توپوں اور ۴ مارٹرز کے ساتھ ۳۲ ہزار جوان تھی۔ ان متحدہ افواج سے مقابلہ کرنے کے لیے مول راج کے پاس صرف تقریباً ۲ ہزار جوان اور اس کے علاوہ ۵۴ بھاری توپیں اور ۴ مارٹر (یا چھوٹی توپیں) تھیں لیکن اس نے قلعہ ملتان کو ہندوستان کا مضبوط ترین قلعہ بنا دیا۔ لہٰذا اسے بھرت پور ثانی کہنا بے جا نہیں تھا۔ محاصرے کی کارروائیوں کا آغاز ۷ ستمبر کو ہوا۔ لہٰذا ۹ تاریخ کو فصیل کے قریب ایک گاؤں اور باغ (جن کے گرد خندق بنائی گئی تھی) پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ایک دلیرانہ حملہ اور دشمن کی طرف سے زبردست مزاحمت کے بعد برطانوی فوج کثیر نقصان کا سامنا کر کے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئی۔ ۱۲ تاریخ کی صبح کو شہر کے مضافات میں دشمن کے مورچے پر ایک اور حملہ کیا گیا۔ مول راج کے سپاہی اچھی طرح لڑے لیکن انھیں ایک دھرم شالا (جسے انھوں نے مضبوطی سے قلعہ بند کیا ہوا تھا) میں زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ اس چار دیواری کے اندر ۳۰۰ افراد کو قتل کر دیا گیا۔ اس کامیابی کے ذریعے برطانوی سپاہی

شہر کی دیواروں کے قریب تک پیش قدمی کرنے کے قابل ہوگئے۔ لہٰذا اس بات کی توقع کی جانے لگی کہ چند روز تک شہر کو تسخیر کرلیا جائے لیکن اب ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے تمام توقعات کو ملیا میٹ کر دیا۔

سردار چھتر سنگھ اٹاری والا' جس کی بیٹی کی شادی دلیپ سنگھ سے ہونا تھی' اپنے صلاح کار اور مشیر میجر جیمز ایبٹ کے زیر انتظام صوبہ ہزارہ کا سکھ حاکم تھا۔ اگست کے اوائل میں اس کی زیر قیادت سکھ سپاہیوں نے بغاوت کر دی اور سکھ حکومت کے ملازم ایک امریکی کرنل کینورا کو قتل کر دیا۔ بعد ازیں باغی سکھ قلعہ پر قبضہ کرنے (جو دریا کی پار راستے پر موجود تھا) کی غرض سے اٹک کی طرف روانہ ہوئے لیکن لیفٹیننٹ نکلسن پشاور میں برطانوی معاون میجر جارج لارنس کے احکامات پر عمل در آمد کرتے ہوئے ان سے پہلے وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ لہٰذا قلعہ ان کے ہتھے چڑھنے سے بچ گیا۔ شیر سنگھ' جس کا رویہ کافی عرصہ سے مشکوک تھا' آخرکار اس نے اپنے والد کے ساتھ اپنا قرعہ ڈال دیا۔ لہٰذا ۱۴ ستمبر کو علی الصبح اس نے اپنے سپاہیوں کی قیادت کرتے ہوئے حکم دیا کہ خالصہ کے نام سے "دھرم کا ڈھوسہ" بجایا جائے اور پھر وہ باغیوں کے ساتھ مل گیا۔ اعلان کیا گیا کہ یہ جنگ مول راج اور دربار کے درمیان لڑائی نہیں بلکہ ایک مذہبی جھگڑا ہے۔ لہٰذا جو بہشت میں جانے کا خواہش مند ہے' وہ اپنے دین کے دفاع میں ایک شہید کی طرح مرجائے۔ "واہ گورو جی کی فتح" خالصہ کا متفقہ نعرہ تھا۔ وہ جسمانی طور پر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ شیر سنگھ کے دو ساتھی سردار عطر سنگھ اور سردار شمشیر سنگھ اس کا ساتھ چھوڑ کر لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی طرف چلے گئے۔ جنرل وش کی زیر قیادت ۲۰ ہزار جوانوں میں سے ۱۳ ہزار بے قاعدہ تھے اور زیادہ تر پٹھان تھے' جن کا بے جا مشرقی غرور دوسروں کے فائدہ کے لیے زمین کھودنے کی انہیں اجازت نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ جنرل وش کی قیادت میں موثر فوج کم ہو کر ۵ ہزار آٹھ سو پیادوں اور نقب زنوں تک رہ گئی۔ عسکری علم کے قوانین کے مطابق محاصرہ فوج شامل ہونے کے بعد مول راج کے پاس ۱۵ ہزار بہترین سپاہی تھے۔ کرنل چیپ چیف انجینئر' جنہوں نے گوالیار کے محاصرہ کا مشاہدہ کیا تھا' اپنی رائے کے طور پر بیان کیا کہ برطانوی جنرل کی قیادت میں فوج کی طرف سے حملہ کے لیے ملتان کا قلعہ بہت زیادہ مضبوط تھا۔ باقاعدہ سپاہی کم ہوگئے تھے اور میجر ایڈورڈز کی فوج کے ایک حصہ کو باغیوں کے قبضہ سے بچانے کے لیے مختلف مقامات پر تعینات کیا گیا تھا۔

شجاع آباد میں بنگالی گودام اور اچ میں بمبئی گودام کی حفاظت کے لیے تین ہزار افراد کو

بھیجا گیا' لہٰذا ملتان اور ستلج کے درمیان سڑک کو کھلا رکھنے اور ملتان کی حفاظتی فوج تک رسد اور کمک پہنچنے سے روکنے کے لیے چناب کے دائیں کنارے پر گھاٹوں کی نگرانی کرنے کی خاطر جوان روانہ کیے گئے۔ شیخ امام الدین کو دو ہزار آدمیوں سے زائد ایک فوج اور دو توپوں کے ساتھ جھنگ میں باغیوں کے خلاف روانہ کیا گیا۔ وہ مول راج کے ایک انتہائی چاق و چوبند افسر نارائن سنگھ کی قیادت میں تھے۔ لہٰذا شیخ نے انہیں جھنگ سے باہر نکال دیا اور چنیوٹ تک ان کا تعاقب کیا' جہاں بعد میں انہوں نے جنرل وش کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ ان تمام حالات کے نتیجہ میں جنگی مشاورت کا اہتمام کیا گیا' جس میں وقتی طور پر ملتان کے محاصرہ کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ برطانوی سپاہیوں کو خندقوں سے واپس بلا لیا گیا اور سورج کند کے میدان پر مورچہ سنبھال لیا گیا۔

دریں اثناء رانی جنداں اپنی سازشوں میں انتہائی سرگرم ہو گئی۔ مئی میں اس کی تیار کردہ بہت بڑی سازش کا لاہور میں پتہ چلایا گیا۔ اس کا مقصد مقامی سپاہیوں کو باغی کرنا تھا' لہٰذا دو سرغنوں جنرل کاہن سنگھ اور رانی کے خفیہ نمائندے بھائی گنگا رام کو سزائے موت دے دی گئی۔ متعدد خطرناک منصوبوں میں ملوث ہونے کے باعث ۲۰ اگست کو اسے لاہور چھوڑنے پر آمادہ کیا گیا۔ لہٰذا دربار کے مشورہ اور گورنر جنرل کی رضامندی سے اسے دارالحکومت سے بیس میل کے فاصلے پر شیخوپورہ کی طرف بھیج دیا گیا۔ اس نے اپنی سازشوں سے حکومت کو تنگ کرنا جاری رکھا۔ لہٰذا ملک کے مناسب نظم و نسق کے لیے پنجاب میں اس کی موجودگی کو ناموافق پایا گیا تو اسے ایک مضبوط حفاظتی دستہ کی نگرانی میں فیروز پور لے جایا گیا اور بعد میں بنارس بھیج دیا گیا۔ حتیٰ کہ اپنی جلا وطنی کے دوران بھی وہ خاموش نہیں بیٹھی۔ اس نے اپنے حق کی وکالت کرنے کی خاطر ایک وکیل کی خدمات حاصل کرنے کے لیے ایک نمائندہ کلکتہ بھیجا۔ اس نے پنجاب میں مقامی ریاستوں اور دہلی کے مغرب میں واقع علاقوں میں برطانوی راج کو پامال کرنے کے لیے سرداروں کو اکسانے کی خاطر پیغامات بھیجنے کی تدبیر کی۔ پورا پنجاب پوشیدہ طور پر بے چینی میں گھر گیا۔ ہزارہ کے پولٹیکل آفیسر میجر ایبٹ اور اٹک میں قلعہ کے نگران لیفٹیننٹ نکلسن' دونوں نے فوری طور پر اپنی حالت مستحکم کرنے کے لیے کمک مانگی۔ نومبر کے آغاز میں پشاور نے بغاوت کر دی۔ پولٹیکل افسر میجر جارج لارنس اپنی بیگم اور لیفٹیننٹ بووائی کے ساتھ کوہاٹ کی طرف فرار ہو گئے۔ وہاں غدار افغان حاکم نے انہیں چھتر سنگھ کے حوالے کر دیا۔ اس نے ان کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا اور انہیں یرغمال کے طور پر رکھا۔ بنوں میں سکھ فوج کے ایک

یورپی افسر کرنل ہومز کو اس کے اپنے سپاہیوں نے قتل کر دیا۔ کچھ دیر بعد ملک فتح خاں ٹوانہ' جسے میجر ایڈورڈز نے بنوں کے حاکم کی حیثیت سے روانہ کیا تھا' دیپالپور کے قلعہ میں سکھ فوج نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ باغیوں نے ملک پر زور دیا کہ وہ ہتھیار پھینک دے۔ فتح خاں نے ہاتھ میں تلوار اور ڈھال لے کر قلعے کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ ازاں بعد وہ باہر گیا اور باغیوں سے چیخ کر مخاطب ہوا "میں ملک فتح خاں ٹوانہ ہوں۔ مجھے کتے کی طرح گولی نہ مارو بلکہ اگر تم میں سے کوئی دو ایک آدمی کے برابر ہیں تو سامنے آئیں" سکھ سپاہی پرجوش چیخ و پکار کے ساتھ اس کے اوپر پل پڑے۔ انہوں نے کہا "تم وہی ہو جس نے ہمارے شہزادے پشورا سنگھ کو قتل کیا لہٰذا ہم تمہیں قتل کر دیں گے" اسے سینکڑوں گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ لہٰذا وہ ہلاک ہوگیا۔

سر ہربرٹ ایڈورڈز بیان کرتے ہیں "اس نے بڑی جوانمردی اور ملکانہ انداز میں اپنے قول کو نبھایا۔ ۴۹ - ۱۸۴۸ء کی جنگ میں میں نے وفاداری اور احسان مندی کی بہت سی مثالیں دیکھیں' جن سے ہندوستان کے باسیوں کے متعلق میں نے اندازہ لگایا لیکن اس قلعہ کی دہلیز پر جس کا دفاع کرنے کا اس نے وعدہ کیا تھا' ملک فتح خاں ٹوانہ کی موت سے زیادہ اصل میں کوئی چیز المناک نہیں تھی"۔ دوست محمد خاں (جس کے پاس مول راج نے اپنے سفیر بھیجے تھے) کابل میں ایک بہت بڑی فوج جمع کر رہا تھا۔ لہٰذا اس نے پشاور پر قبضہ کرنے کی خاطر اپنی فوج کا ایک حصہ پیشگی طور پر جلال آباد روانہ کر دیا۔ اس نے بنوں پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے ایک بیٹے کو بھی ایک فوج دے کر روانہ کیا۔ قندھار کے سرداروں نے مول راج سے بات چیت شروع کر دی جب کہ کشمیر کے فریبی مہاراجہ (جس پر پنجاب کے سازشیوں نے مدد کے لیے آنکھیں لگائی ہوئی تھیں) نے دونوں دھڑوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنے کے لیے ہوشیاری سے کام لیا۔ مول راج کو شک ہوا کہ راجہ شیر سنگھ نے انگریزوں کے ساتھ سازباز کر رکھی ہے۔ راجہ نے دیوان کو حقارت سے چھوڑا اور وزیر آباد کے نزدیک اپنے والد کے ساتھ شامل ہوگیا' جہاں ان کی متحدہ افواج کی تعداد تقریباً ۳۰ ہزار جوان تھی۔ راجہ پہلے ہی سکھ برادری کے لیے بھڑکیلے اعلانات اور باغیانہ خطوط جاری کر چکا تھا۔ انہیں یاد دلایا کہ فرنگیوں نے عظیم مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیوہ مہارانی اور قوم کی ماں کے ساتھ نامناسب ظلم و ستم روا رکھا ہے۔ یہ کہ سلطنت اپنی سابقہ شہرت کھو چکی ہے۔ لہٰذا اس نے خالصہ جی' مقدس گورو اور مہاراجہ کے تمام خادموں پر زور دیا کہ وہ اپنی جانیں قربان کر دیں اور فرنگیوں کو قتل کر دیں۔ اس خدمت کے عوض انہیں مقدس گورو

کی عنایات حاصل ہوں گی اور انھیں اعلیٰ منصب اور انعامات کی تقسیم کی صورت میں نوازا جائے گا۔ اپنے والد کے ساتھ ملنے کے لیے اس نے راستے میں دیہاتوں کو لوٹا' مساجد کی بے حرمتی کی' راہبوں کو قتل کیا' سوداگروں پر ظلم و ستم کیا اور دیگر ایسی زیادتیوں کا مرتکب ہوا' جو کسی ایشیائی جنگ کا خاص وصف ہوتی ہیں۔ پس سارا پنجاب بھڑک اٹھا۔ لہٰذا مخالفت کے بیج' جنھیں بہت گہرائی میں بویا گیا تھا' مختلف علاقوں میں پوری طاقت سے ابھر آئے تھے اور ایسے حالات پیدا کر دیے' جو پنجاب میں فرمانروائی کے لیے آخری کوشش کی طرف لے گئے۔ دوست محمد کا پشاور یا بنوں کو فتح کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیفٹیننٹ ٹیلر نے اس کی فوج کی موثر روک تھام کی جب کہ قندھار سے ہرند کی طرف مہم کو چھوڑ دینا پڑا۔ کیونکہ جمع شدہ افواج بری طرح بخار میں مبتلا ہوگئیں اور آخرکار منتشر ہوگئیں۔ ۲۷ دسمبر کو ملتان کا دوبارہ محاصرہ کر لیا گیا۔

اس مہینے کی ۲۱ تاریخ کو بریگیڈیئر ڈونڈس کی قیادت میں بمبئی کی فوج ملتان پہنچی۔ اس وقت تک مول راج نے شہر اور اس کے مضافات کی قلعہ بندی کو مزید مستحکم کر لیا تھا۔ شہریوں نے "جہاد" کے جوش و خروش میں فصیل کے پل تختہ میں تبدیل کرنے کے لیے اپنے دروازے اور تختے اکھاڑ ڈالے لیکن مول راج کی قیادت میں افواج کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی اور متعدد افراد اس کا ساتھ چھوڑ کر جہلم پر چھتر سنگھ کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے۔ یہ جگہ اب بغاوت کا گڑھ بن رہی تھی۔ مول راج کو روپے پیسے کی قلت کا سامنا تھا۔ لہٰذا اس نے سونے کے ذخیرہ کے اب سکے بنوانے شروع کر دیے تھے۔ قلعہ کے اندر ابھی تک اس کی کمان میں ۱۲ ہزار لڑاکا جوان تھے۔ کمانڈر انچیف کی آمد پر جنگ کا آغاز ہوگیا۔ ان کی ذاتی کمان میں افواج کی تعداد ۲۰ ہزار آدمیوں اور تقریباً ایک سو توپوں پر مشتمل تھی۔

سرہنری لارنس' جو رخصت بیماری پر انگلستان چلے گئے تھے' دوسرے محاصرہ کا آغاز دیکھنے کے لیے بر وقت طور پر ملتان کی طرف لوٹ آئے۔ وہ ابھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئے تھے مگر ان کی فرض شناسی کا زبردست جذبہ تمام ذاتی اغراض و مقاصد پر حاوی ہوگیا۔ چونکہ سر فریڈرک کیوری کے عہدہ کی مدت ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان کی خدمات کو قریبی کارروائیوں سے وابستہ لارڈ گوہ کے حوالے کر دیا گیا۔ ۲۷ دسمبر کو مضافات پر حملہ کرنے کے لیے ایک برطانوی دستے کو روانہ کیا گیا۔ ان مضافات میں مول راج کا اپنا چمن گھرام خاص بھی شامل تھا۔ جب کہ تین دیگر دستوں کو دھوکہ دینے کا حکم

دیا گیا تاکہ دشمن کو حیران کیا جا سکے۔ بے قاعدہ افواج نے فریب کا آغاز دوپہر کے وقت کیا۔ لہٰذا شام کے چار بجے تک ساون مل کی سمادھ' تبریز کے بزرگ کی نیلی مسجد اور ام خاص کی چھاؤنیوں کے سمیت مضافات کی پوری قطار انگریزوں کے قبضہ میں آ گئی۔ بریگیڈیئر ڈونڈلس نے توپوں کے ساتھ متعدد اہم چوکیوں پر قبضہ کیا۔ جب کہ بمبئی فیوزیلرز (بندوقچی) نے سنگین کی نوک پر دشمن پر حملہ کر کے انہیں شہر کی طرف دھکیل دیا۔ لہٰذا بمبئی کے مقامی بندوق بردار سپاہی حقیقت میں شہر کے ایک دروازے میں داخل ہو گئے۔

اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ پہلے شہر پر قبضہ کر کے شہر سے قلعہ پر حملہ کیا جائے۔ اس کے بارے میں غور کیا گیا کہ محاصرین کے لیے کسی کھلے مقام سے حملہ کرنے کے مقابلہ میں اس صورت میں کم دشواری میں مبتلا ہونے کا امکان ہے۔ میجر ایڈورڈز اور لیفٹیننٹ لیک کی زیر قیادت بے قاعدہ افواج کو مقبوضہ مضافات کی طویل قطار پر قبضہ برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا۔ جب کہ باقی ماندہ برطانوی فوج کو محاصرہ جاری رکھنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

۲۹ تاریخ کو ۲ ہزار افراد پر مشتمل باغیوں کے ایک دستہ نے شہر کے دہلی دروازہ سے باہر نکل کر حملہ کیا لیکن ڈیڑھ گھنٹے کی سخت لڑائی کے بعد انہیں واپس فصیل کے اندر دھکیل دیا گیا۔ اس لڑائی میں ایک رضاکار میک میہن کی زبردست تعریف کی گئی' جس نے سکھ پیادہ فوج کے سردار کو کاٹ کے رکھ دیا' جو ایک قوی شخص تھا۔ اس نے ایک ہی وار سے اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیے۔

۳۰ تاریخ کو قلعہ میں سب سے بڑا میگزین' جس میں ۵ ہزار من بارود ذخیرہ کیا گیا تھا' مارٹر توپ کے ایک گولے کے باعث پھٹ پڑا۔ اس نے جامع مسجد کو تباہ کر دیا' جس کا بلند و بالا مینار کافی عرصہ سے قدیم شہر کی شان تھا۔ اس دھماکہ میں قلعہ کی فوج کے پانچ سو آدمی ہلاک ہوئے۔

ملتان پر قبضہ

۲ جنوری کو اطلاع ملی کہ شہر کے خونی برج اور دہلی دروازہ میں دو قابل گزر شگاف پڑ گئے ہیں۔ لہٰذا حملہ آور افواج آگے بڑھیں اور انہوں نے راستے میں حائل خندق کو پار کر لیا۔ مگر انہیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ سامنے تقریباً ۳۰ فٹ بلند شہر کی دیوار تھی۔ اسے ابھی تک خندق نے چھپایا ہوا تھا۔ وہ ناقابل شکست اور مکمل طور پر ناقابل گزر تھی۔ چنانچہ شہر کی فصیل کے اس حصہ پر موجود فوج واپس جانے پر مجبور ہو گئی۔ اور دوسری فوج کی مدد کرنے کے لیے خونی برج کی طرف روانہ ہوئی۔ شگاف کو باآسانی سر کر لیا گیا لیکن چوٹی پر

پہنچ کر پتہ چلا کہ اس کی اندرونی جانب مورچہ بندی کی گئی ہے۔ ایک انتہائی خونریز لڑائی شروع ہو گئی۔ افواج خندقوں سے گزر کر فصیل کی طرف بڑھیں اور انہوں نے شگاف کی چوٹی پر انگریزی پرچم نصب کر دیا۔ باغیوں کو کونوں کھدروں میں دھکیل کر انگریز شہر کے مالک بن گئے۔ محاصرہ کے دوران زبردست کشت و خون کیا گیا اور انگریزی توپ خانے کا تاثر انتہائی خوفناک تھا۔ ۳ جنوری ۱۸۴۹ء کو ملتان کا منہدم شہر ایک ایسے جہاز کا نظارہ پیش کر رہا تھا' جو ایک بہت بڑے طوفان کے باعث تباہ ہو کر ٹوٹ پھوٹ گیا ہو اور اسے ایک نامہربان کنارے کی طرف دھکیل دیا گیا ہو۔ گلیاں مقتول سکھوں سے بھری پڑی تھیں' جن کے لمبے کیس لہو میں لتھڑے ہوئے تھے اور ہوا سے اڑتی ہوئی داڑھیوں سے مردوں کی وضع قطع آسیب زدہ دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی مکان یا دیوار انگریزوں کی گولہ باری سے محفوظ نہیں رہی تھی۔ ہر چیز گولہ باری سے جھلس کر سیاہ ہو چکی تھی۔ مولراج ۳ ہزار سے زائد منتخب آدمیوں کے ساتھ قلعہ کی طرف لوٹ گیا۔ باقی تمام منتشر ہو گئے اور فرار ہو گئے تھے۔ دیوان نے انہیں جمع کرنے کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہو۔ وہ اب حوصلہ ہار بیٹھے تھے۔ لہٰذا باہر نکل کر حملہ کرنے یا ہتھیار پھینکنے کے سوا قلعہ کی فوج کے پاس کچھ نہیں بچا تھا۔ مول راج اب انتہائی مشکلات کا شکار ہو چکا تھا۔ مسلسل گولہ باری نے قلعہ کے اندرونی حصہ کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ جامع مسجد کے دھماکہ میں سارا آٹا اڑ گیا۔ قلعہ کی فوج کا ہر سپاہی اپنی خوراک کے لیے گندم پیسنے پر مجبور ہو گیا۔ مول راج کے سرکردہ مشیروں نے فوراً اسے ہتھیار ڈالنے پر زور دیا۔ لہٰذا اس نے وعدہ کیا کہ وہ یا تو یہ کر گزرے گا یا زہر کھا لے گا۔

مول راج نے صلح کے لیے درخواست کی لہٰذا اس نے میجر جنرل وش کی طرف ارسال کردہ ایک عرضی میں کہا "اگر آپ میری جان بخشی کر دیں اور میری خواتین کی حفاظت کریں تو میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔ دوسری صورت میں بے عزتی سے زندہ رہنے کی بجائے باوقار طور پر مرجانا زیادہ بہتر ہے"۔ باغی دیوان نے کہا "آپ مہربانی و شفقت کا سمندر ہیں۔ اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو میں طمینان کے ساتھ اپنی قسمت کو گلے لگا لوں گا"۔ اس کے لیے برطانوی جنرل نے جواب دیا "ماسوائے جنگ کے مجھے تمہاری جان لینے یا دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ صرف گورنر جنرل ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جہاں تک تمہاری خواتین کا تعلق ہے تو حکومت برطانیہ مردوں سے جنگ کرتی ہے' عورتوں سے نہیں"۔

۲۲ جنوری کی صبح کو ا یگنیو اور اینڈرسن کے قاتل نے خود کو انصاف کے حوالے کر دیا۔ وہ ریشمی پوشاک زیب تن کر کے ایک عربی گھوڑے پر سوار انتہائی شان و شوکت کے ساتھ قلعہ سے باہر آیا۔ اسے چیف انجینئر کے خیمہ میں قیدی کے طور پر رکھا گیا اور انگریز سپاہیوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مشہور قلعہ کی بلند ترین برجی پر برطانیہ کا پرچم تازہ ہوا میں لہراتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ۳ ہزار اور ۴ ہزار جوانوں پر مشتمل قلعہ کی فوج نے اسی دوران بریگیڈیئر ہروی اور بریگیڈیئر کیمبل کی قیادت میں افواج (جنہیں قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اسی ترتیب میں تھیں) کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیے۔ پس ملتان کے دوسرے محاصرہ کا خاتمہ ہو گیا اور انگریزی حکومت کی بالادستی مکمل طور پر قائم ہو گئی۔ انگریزوں کی طرف ۲۱۰ آدمی ہلاک اور ۹۸۲ زخمی ہوئے۔

مسٹر وانس ا یگنیو اور لیفٹیننٹ اینڈرسن کی لاشوں کو نظرانداز کی گئی ایک قبر سے باہر نکالا گیا' جہاں وہ کشمیری شالوں میں لپٹی ہوئی پہلو بہ پہلو پڑی ہوئی تھیں۔ فرسٹ بمبئے فیوزیلرز کے سپاہی انہیں قلعہ کی چوٹی پر مقررہ آرام گاہ کی طرف لے گئے' جہاں انہیں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا۔ وفادار کاہن سنگھ اور اس کے بیٹے کی لاشوں کو ان کے قید خانے کے کھنڈرات تلے ایک دوسرے سے بغلگیر پایا گیا۔

بعد ازیں مول راج کو لاہور لایا گیا۔ دو افسران اور ایک عہدیدار پر مشتمل ایک فوجی عدالت نے اس پر مقدمہ چلایا۔ انہوں نے اسے مجرم پایا لیکن "حالات کے شکار" کے طور پر اس کے لیے رحم کی سفارش کی۔ لارڈ ڈلہوزی نے سفارش قبول کر لی۔ لہٰذا مول راج کو سمندر پار جلا وطن کر دیا گیا لیکن سزا کو عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔

چنانچہ کچھ عرصہ بعد وہ انتقال کر گیا۔ پس دغاباز میزبان دیوان مول راج کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا' جس نے عیدگاہ میں اپنے دو معصوم انگریز مہمانوں کو قتل کر دیا تھا۔ بزدل اور کینہ پرور دشمن' جس نے اپنی حکومت کے ساتھ عہد کو توڑا۔

لارڈ ڈلہوزی نے اپنے پورے وسائل کے ساتھ انگریزوں کی مدد کرنے کے صلہ میں نواب بہاول خان کو ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا وظیفہ عنایت کیا اور ہر ماہ اپنی فوج کو میدان میں رکھنے کے لیے ایک لاکھ روپیہ عطا کیا۔

حوالہ جات

(۱) ایڈورڈز۔

(۲) بوڑھے دیوان نے حکومت کی چند ذمہ داریوں سے چھٹکارا حاصل کرنے اور اپنے بیٹوں کو کاروبار سلطنت کا عادی بنانے کے لیے جھنگ کا صوبہ (اس وقت ملتان میں شامل تھا) مول راج کے زیر انتظام اور لیہ اپنے دوسرے بیٹے کرم نارائن کی نگرانی میں دے دیا۔ وہ خود ملتان میں رہا۔ "پنجاب کی سرحد پر ایک سال" از سر ہربرٹ ایڈورڈز۔

باب ۴

سکھوں کی دوسری لڑائی کا اختتام

آزادی کے لیے سکھوں کی آخری کوشش

ملتان کی بغاوت کو دبا دیا گیا تھا مگر یہ عظیم قومی بغاوت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور پورے پنجاب میں بے چینی پھیل گئی۔ عظیم خالصہ فوج اور سکھ آبادی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ انگریزوں کو مکمل طور پر پنجاب سے نکال کر خالصہ کی بالادستی کو بحال کر دیا جائے۔ سرداروں کا عام خیال یہ تھا، چونکہ انگریزوں نے کابل کو چھوڑ دیا تھا، لہٰذا وہ پنجاب سے بھی چلے جائیں گے۔ جنگ کا اکھاڑہ (جس کا تقریباً آغاز ہو ہی گیا تھا) چناب اور سندھ کے درمیان واقع تھا۔ شیر سنگھ نے اپنے باغی باپ چھتر سنگھ کے ساتھ شمولیت اختیار کر کے اپنا صدر مقام دریائے چناب کے بائیں کنارے پر واقع رام نگر میں قائم کیا، یہ مقام دریا کے سرچشمہ اور دریائے سندھ کے ساتھ اس کے سنگم کے درمیان تقریباً نصف راستے پر تھا۔ اس نے اب علیحدہ لائحہ عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، لہٰذا اس مقصد کے تحت اس نے ایک دستہ کے ساتھ رام نگر کے سامنے ایک خم پر دریا کے وسط میں واقع ایک جزیرے پر قبضہ کر لیا اور گھاٹ پر توپیں نصب کر کے اسے مستحکم کر دیا۔ اس نے انتہائی بھڑکیلے اعلانات جاری کیے، خالصہ سپاہیوں کو جمع ہونے اور اپنے ملک کی آزادی کے لیے غیر ملکیوں سے جنگ کرنے پر زور دیا گیا۔ چھتر سنگھ اور دوست محمد کے درمیان ایک معاہدہ تشکیل پا گیا، اس کی رو سے اس بات پر اتفاق رائے ہو گیا کہ اگر دوست محمد نے انگریزوں کے خلاف سکھوں کی مدد کی، تو دوست محمد کی زندگی کے بے پناہ مقصد، پشاور کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے کہ میجر (بعد ازیں سر) جارج لارنس کو باغی کوہاٹ لے گئے تھے، چھتر سنگھ انہیں واپس پشاور لے کر آیا اور وہاں قید کر دیا۔ پشاور میں ۸٬۰۰۰ سپاہیوں پر مشتمل دربار کی پوری فوج، جسے دوست

محمد کے بھائی سلطان محمد نے دغابازی سے ورغلایا تھا' چھتر سنگھ سے مل گئی۔ دوست محمد بطور حکمران پشاور اعلان کر کے ایک افغان فوج کے ساتھ دریائے سندھ کی طرف بڑھا اور اٹک پر حملہ کر دیا' اس کی آمد پر وہ دربار کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اٹک کے نگران لیفٹیننٹ ہربرٹ نے جوانمردی سے دفاع کیا' مگر وہ چھتر سنگھ کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے' اس نے انہیں قیدی بنا لیا۔ دوست محمد نے اپنے ایک بیٹے کو درانی سپاہیوں کی فوج کے ساتھ شیر سنگھ کے پڑاؤ کی طرف روانہ کیا چنانچہ سکھ اور افغان جو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے' پہلی مرتبہ انگریزوں کے خلاف صف آرا ہوئے۔ فیروز پور میں دونوں افواج اکتوبر ۱۸۴۸ء کے دوران جمع ہوئیں۔

لارڈ گوہ' ۲۱ نومبر کو' سہارن میں بڑی فوج میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ شیر سنگھ ۱۵٬۰۰۰ جوانوں اور ایک مضبوط توپ خانے کے ساتھ دریائے چناب کے دائیں کنارے پر واقع رام نگر میں خیمہ زن ہے۔ اس کے علاوہ بائیں کنارے پر مورچوں سے ڈھکی ہوئی ایک مضبوط فوج بھی موجود ہے۔ بریگیڈیئر کیمپبل اور بریگیڈیئر کیورٹین کو ایک پیادہ فوج اور ایک سوار دستے کے ساتھ دشمن کو دریا کے پار دھکیلنے اور بائیں کنارے پر اس کی توپوں پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ اگلی جانب پیش قدمی کی گئی اور سکھوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ تاہم گہری ریت کے باعث برطانوی گھڑ چڑھ توپ خانہ بے یارومددگار ہو گیا' لہٰذا جب دشمن بائیں کنارے پر اپنی بھاری توپوں کو حرکت میں لے آیا تو برطانوی توپچیوں کو جنگ سے پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ دشمن نے یہ دیکھتے ہوئے ۳۰۰۰ سکھ سواروں کی ایک فوج کو گھاٹ کے پار بھیج دیا۔ بائیں کنارے پر پہنچنے پر انگریز سواروں نے ان پر لگاتار حملے کیے مگر زمین کی بے قاعدہ نوعیت اور گرد و غبار کے بادلوں نے سواروں کو دھوکہ دیا۔ یہ زیادہ تر توپوں کی جنگ تھی' جو جنرل تھیک ویل کے پہلو کی نقل و حرکت سے اٹھی' لہٰذا انتہائی نامساعد حالات کے تحت ایک مستحکم مورچہ کے خلاف حملہ کر دیا گیا۔ ۱۴ویں لائٹ ڈریگون کے لیفٹیننٹ کرنل ولم ہیولاک بھی اس جنگ میں مارے گئے' وہ اس سورما کے بھائی تھے' جس نے بعد میں ہندوستان میں لازوال شہرت حاصل کی۔ وہ کئی جزیرہ نما جنگوں مین سورما رہ چکے تھے۔ وہ ایک نڈر سپاہی اور ایک اولوالعزم جنگجو تھے' ان کے زبردست حملوں نے چند منٹوں میں دریا کے کنارے کو اس کے کالے قابضین سے صاف کر دیا لیکن آخری حملہ میں وہ دشمن میں گھر گئے۔ اپنے بائیں بازو سے (جو ان کے جسم سے آدھا کٹ گیا تھا) تلوار کے ساتھ وہ زبردست وار کر رہے تھے اس کے بعد وہ دائیں ہاتھ کے

ساتھ وار کرنے لگے اور پھر انہیں کاٹ کے رکھ دیا گیا۔ ان کے آخری الفاظ تھے: "میرے پیچھے آؤ"۔ یہ موت ایک انگریز سپاہی کے شایان شان تھی۔ نیزہ بردار فوج کے جنرل کیورٹین بھی اس لڑائی میں مارے گئے اور متعدد افسر بری طرح زخمی ہوئے۔

دشمن کو دریا کے بائیں کنارے سے دھکیل کر اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ دائیں پہلو سے دشمن کے مورچہ پر حملہ کیا جائے۔ لہٰذا ۲ دسمبر کو میجر جنرل سر جوزف تھیک ویل نے ۸،۰۰۰ سپاہیوں کی فوج کے ساتھ ۲۴ میل اوپر وزیر آباد سے دریائے چناب کو پار کیا۔ بعد میں دیگر سپاہی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے، لہٰذا متعدد غیر فیصلہ کن جھڑپیں ہوئیں۔ ۲۸ دسمبر کو لارڈ گوہ نے اپنی فوج کے ساتھ چناب کو پار کیا اور دریا کے دائیں کنارے پر مورچہ سنبھال کر جزیرہ اور رام نگر کی توپوں پر بھاری گولہ باری شروع کر دی۔ بریگیڈیئر گوڈبی نے ایک فوج کے ساتھ دریا کو پار کیا اور جنرل تھیک ویل کے ساتھ خط و کتابت شروع کی۔ جنرل سر والٹر گلبرٹ ایک سوار دستے کے ساتھ دریا کے پار چلے گئے۔ ان چالوں نے رام نگر میں شیر سنگھ کو اپنے مورچے چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ ایک کثیر فوج کے ساتھ وہ جنرل تھیک ویل پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا، جن کی افواج کے ساتھ اس کا سامنا سعد اللہ پور کے مقام پر ہوا، مگر ان کے قریب آنے کی کوشش کیے بغیر وہ اپنی تمام توپوں اور ساز و سامان کو ساتھ لے کر انتہائی تیزی سے جہلم کی طرف روانہ ہوا۔

چنانچہ شیر سنگھ عدم نقصان کے ساتھ چناب سے روانہ ہوا اور اس نے موضع رسول میں مورچہ سنبھال لیا۔ جہلم پر یہ ایک غیر معمولی مضبوطی کی حامل چوکی تھی، لہٰذا لارڈ گوہ نے جب سنا کہ چھتر سنگھ، شیر سنگھ سے ملنے کے لیے پیش قدمی کر رہا ہے تو اس نے اس ملاپ سے پہلے شیر سنگھ کو زبردست جنگ میں ملوث کرنے کا فیصلہ کیا۔ مختلف عہدوں کے ایک سو سرداروں کی قیادت میں شیر سنگھ کے سپاہیوں کی تعداد اب چالیس ہزار تھی۔ تقریباً سبھی کو رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کی قیادت میں انگریز اور فرانسیسی افسروں نے تربیت دی تھی، لہٰذا ان میں زبردست نظم و ضبط موجود تھا، اس کے علاوہ اتنی بھاری دھات کی ۶۲ توپیں لائی گئیں جو کبھی بھی اس سے پہلے میدان میں نہیں لائی گئی تھیں۔ شیر سنگھ نے جنرل تھیک ویل کی فوج کے ساتھ تصادم سے بچنے کے لیے جس انداز میں احتراز برتا تھا، اس نے جہلم کے لیے اس کے راستہ کو صاف کر دیا تھا اور اس نے جس دانشمندی سے اپنے مورچے کا انتخاب کیا تھا، اس سے بطور ایک جرنیل کے اس کی انتہائی مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ مورچہ بائیں جانب پہاڑیوں کی زیریں میڈ (جس کے درمیان سے ندیاں اور جہلم کا بڑا دریا گزرتا تھا) کی حفاظت

میں اور دائیں جانب ایک گھنے جنگل میں گھرے ہوئے مختلف دیہاتوں کی وجہ سے محفوظ تھا' جو ایک قدرتی فصیل کا کام دیتے تھے۔ مینڈ سے جنوب کی طرف تقریباً تین میل کے فاصلے پر چلیانوالہ میں خندقیں کھودی گئیں' قدرتی مشکلات کے باعث ان کی فوج کی نقل و حرکت سمجھ میں نہ آ سکی' لہٰذا دشمن کے مورچہ کا جائزہ لینے کے لیے کافی وقت حاصل نہ کیا جا سکا۔

چلیانوالہ کی خونی لڑائی

۱۳ تاریخ کو برطانوی فوج موضع لولیانوالہ پہنچی' لہٰذا کچھ دیر لڑائی کے بعد لارڈ گوہ نے دشمن کی ایک مضبوط ٹولی کو ایک بلند ٹیلے سے نکال باہر کیا۔ ٹیلے پر چڑھ کر کمانڈر انچیف اور ان کے عملہ نے اردگرد کے علاقے کا مکمل نظارہ کیا اور دیکھا کہ خالصہ فوج پہاڑیوں کی قطاروں کے ساتھ باوقار انداز میں جنگی ترتیب کے ساتھ کھڑی ہے۔ ان کی توپوں کو زیادہ تر جھاڑیوں سے چھپایا گیا تھا اور ان کی مضبوط پیادہ فوج اور خوبصورتی سے صف آراء رسالے کو انتہائی مناسب انداز میں ترتیب دیا گیا تھا۔ سکھ گھڑچڑ توپ خانے کے ایک حصہ نے آگے بڑھ کر برطانوی مورچے پر گولہ باری شروع کر دی' اس پر کمانڈر انچیف نے فوری کارروائی کا حکم دیا۔ برطانوی توپ خانہ دیہات کے سامنے ایک کھلی جگہ کی طرف بڑھا' لہٰذا انگریزوں کی بھاری توپوں نے دشمن کے توپ خانہ پر فائر کھول دیا۔ دشمن کی توپوں نے انگریزوں کی گولہ باری کا زبردست جواب دیا' چنانچہ انگریزی فوج نے کمانڈر انچیف کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر جنگ کے مطابق ترتیب دے لی۔ انگریزی فوجوں نے دشمن کے قلب پر تیز گولہ باری شروع کر دی' جہاں زیادہ تر یہ توپیں نصب کی گئی تھیں' لیکن دشمن نے اتنی تیزی اور موزونیت کے ساتھ ترچھی گولہ باری اور بندوقوں کی گولیوں کی بوچھاڑ کر دی کہ یہ انگریزوں کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہوئی۔ فوری طور پر ان کے ۴۵۹ آدمی بمعہ ۲۳' افسروں کے ہلاک یا زخمی ہو گئے۔ بریگیڈیئر جنرل کولن کیمپل (بعد ازیں لارڈ) کلائڈ' سر والٹر گلبرٹ' بریگیڈیئر ماؤنٹین (جنہوں نے چین میں لارڈ گوہ کی قیادت میں اپنا لوہا منوایا تھا) اور بریگیڈیئر پنی کویک' میں سے ہر ایک نے اپنی باری پر انتہائی زبردست حملے کیے' لہٰذا فاضل توپ خانے اور سفری توپوں کی بروقت آمد نے انگریزوں کو دشمن کے قبضہ میں اپنی چھ توپوں میں سے دو کو بازیاب کرانے کے قابل بنا دیا۔ رات تک جنگ انتہائی غیض و غضب کے ساتھ جاری رہی' لہٰذا اندھیرا پھیلتے ہی دونوں جانب سے گولہ باری بند ہو گئی۔ سکھ جنہوں نے جنگ شروع کی تھی' بتدریج واپس ہوتے گئے اور میدان جنگ کو انگریزوں کے قبضہ میں چھوڑ گئے'

جنہوں نے اس کے باعث فتح کا دعویٰ کر دیا۔ حالانکہ سکھوں نے اپنی فتح سمجھتے ہوئے اس کی خوشی میں ۲۱ توپوں کی سلامی دی' لہٰذا چھتر سنگھ کے دارالحکومت اٹک میں ایک جیسی سلامی دی گئی۔ انگریزوں کی طرف سے بھاری نقصان ہوا' ۶۰۲ آدمی ہلاک اور ۱۶۵۱' زخمی ہوئے۔ تین پلٹونیں اپنے جھنڈے کھو چکیں اور چار گھڑ چڑ توپوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ لارڈ گوہ کی زیر کمان متعدد سکھ سپاہی بھی فرار ہو گئے۔ سکھ اپنے متعدد بہادر اور پرانے افسروں اور سپاہیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ وہ اپنی کئی توپیں میدان جنگ میں چھوڑ گئے' ان میں سے بارہ' انگریز' جنگ ہونے کے بعد اپنے پڑاؤ میں لے آئے۔ باقی ماندہ کو سکھوں نے رات کے اندھیرے میں بازیاب کرا لیا تھا۔ سکھوں نے ان بے یار و مددگار زخمیوں کو انتہائی بیدردی سے قتل کر دیا' جن کو انگریز جنگ ختم ہونے سے قبل میدان جنگ سے ہٹانے سے قاصر تھے۔ آزادی حاصل کرنے کے لیے' یہ رنجیت سنگھ کی فوج کی آخری کوشش تھی۔ وہ بہادری اور بے خوفی سے لڑے' لہٰذا لڑی جانے والی خونی جنگ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوا' کیونکہ وہ ایک ماہ تک' حربی مورچوں پر قابض رہے' جہاں سے انگریز انہیں نکال نہ سکے۔

انگلستان میں انگریز قوم نے چلیانوالہ کی خونریزی پر کڑی تنقید کی' جن کے کان کافی عرصہ سے ہندوستانی فتوحات کے درخشاں بیانات سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ مقبول عام ناراضگی کا طوفان برپا ہو گیا' لہٰذا آزمودہ کار کمانڈر کی جرنیلی پر کھلا حملہ کیا گیا۔ لارڈ گوہ کو واپس بلانے کا مطالبہ کیا گیا' لہٰذا برطانوی پارلیمنٹ میں لارڈ جان رسل نے جب اعلان کیا کہ بلوچیوں کے فاتح' سر چارلس۔ جے۔ نیپئر کو پنجاب کی افواج کا کمانڈر مقرر کیا جائے گا' تو اس پر زبردست تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے کہ سر چارلس نیپئر ہندوستان پر اترتے' لارڈ گوہ نے گجرات کی جنگ جیت کر (جس نے خالصہ کی آرزوؤں پر کاری ضرب لگائی تھی) برطانوی افواج کے وقار کو سنبھال لیا تھا۔

گجرات کی لڑائی

ملتان کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد جنرل وش بارہ ہزار جوانوں کے ہمراہ' جہلم میں کمانڈر انچیف کو کمک پہنچانے کے لیے روانہ ہوئے۔ کشمیر کے بنائے گئے نئے مہاراجہ' گلاب سنگھ نے میدان جنگ کی طرف دس ہزار سپاہی روانہ کیے' مکار مہاراجہ نے اپنی مخصوص عیاری سے کام لیتے ہوئے اپنے خیر خواہوں کو (جو حال ہی میں اس کی قسمت کے ثالث بنے تھے) اپنے مخالفوں سے اپنی مرضی کے مطابق معاملہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا' دراصل اس نے آنے والی

بڑی جنگ میں فاتح ثابت ہونے والی جماعت کے ساتھ شامل ہونے کے موقع کے لیے خود کو محفوظ رکھا۔ شیر سنگھ' جنرل وش کی آمد کا سن کر دریائے چناب کو پار کرنے اور لاہور پر چڑھائی کرنے کی خاطر' وزیر آباد کی طرف روانہ ہوا لیکن اس طرف اس کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے انگریزی سپاہیوں کی ایک مضبوط فوج کو وزیر آباد کی طرف روانہ کیا گیا۔ لہٰذا چناب کے گھاٹوں پر ان سپاہیوں کے بروقت قبضہ سے سکھوں کو دریا پار کرنے سے روک دیا گیا۔ چنانچہ شیر سنگھ نے ناکام ہو کر گجرات میں اپنا مورچہ سنبھال لیا' جہاں اس کا والد' چھتر سنگھ اپنی تمام افواج کے ساتھ اور دوست محمد خاں کا ایک بیٹا تین ہزار افغانوں کی ایک فوج کے ساتھ اس سے آن ملے۔ لارڈ گوہ کے تخمینہ کے مطابق جمع شدہ افواج کی تعداد ۶۱٬۵۰۰ جوانوں کے ساتھ' ۶۱ توپیں تھیں۔ انہوں نے جہلم اور چناب کے درمیان واقع گجرات شہر کو گھیرے میں لے لیا لیکن یہ چناب کے زیادہ قریب تھا۔ لارڈ گوہ کی قیادت میں برطانوی فوج کی تعداد ۲۵٬۰۰۰ تھی اور اس کے علاوہ ایک سو توپیں تھیں' ان میں سے زیادہ تر بھاری تھیں (اور انہیں ہاتھی کھینچ رہے تھے' دونوں مہمات کے دوران اب پہلی مرتبہ انہیں استعمال کیا گیا تھا) جنرل وش کی قیادت میں بمبئی کی فوج کی کمک پہنچنے پر حملہ شروع کر دیا گیا۔

آزمودہ کار برطانوی کمانڈر نے ٹھنڈے دل اور سوچ بچار کے ساتھ' اپنے سامنے اتنی بڑی جنگ لڑی۔ اسے انتہائی خوفناک فوج کا سامنا کرنا تھا' جو برطانوی افواج کا مقابلہ کرنے کے لیے ابھی مشرق میں نمودار ہوئی تھی' لیکن اس نے اس طرح جنگ لڑی جس طرح اس عظیم جنگ کو عسکری علم کے تحت اصولوں پر لڑا جانا چاہیے تھا۔ ۲۱ فروری کو علی الصبح لارڈ گوہ نے سکھوں پر زبردست گولہ باری شروع کر کے جنگ کا آغاز کر دیا۔ دشمن نے انتہائی ثابت قدمی سے گولہ باری کا جواب دیا' لیکن توپوں کے ڈیڑھ گھنٹہ کے سخت ترین مقابلہ کے بعد (جس میں اس کی صفوں کے اندر زبردست تباہی پھیلنے کے علاوہ اس کی متعدد توپیں اور چھکڑے بھی تباہ ہو گئے۔ سکھوں کی گولہ باری کو قریب قریب خاموش کر دیا گیا' لہٰذا عام لڑائی شروع ہو گئی تو برطانوی پیادہ فوج نے ایک تیز حملہ کیا۔ سکھوں کو ان کے خندقی مورچوں سے نکال باہر کر کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ وہ مجتمع ہوئے' لہٰذا مشترکہ سکھ اور افغان سوار فوج نے برطانوی افواج پر اچانک حملہ کر دیا۔ کیپٹن میلکم کی زیر قیادت مشہور زمانہ سندھ کی سوار فوج نے دلیری سے ان کا مقابلہ کیا اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ازاں بعد پیادہ فوج اطراف میں آئی' گجرات کا گھیراؤ کر کے اس نے سکھوں کو زبردست نقصان سے دوچار کیا۔ دوپہر تک دشمن انتہائی ابتری میں اپنا پڑاؤ' ساز و سامان' رسد اور اسلحہ فاتحین کے لیے چھوڑ کر مراجعت

کر گئے۔ برطانوی پیدل فوج اور توپ خانہ نے سنگدلی سے ان کا تعاقب کیا' لہٰذا انتہائی خوفناک انتقام لیا گیا۔ افغان اپنے خالصہ حلیفوں کے شکست خوردہ مقدر کو چھوڑ کر میدان جنگ میں یا اپنے فرار کے دوران پنی نصف تعداد سے ہاتھ دھو کر خیبر کی طرف مراجعت کر گئے۔ فاتح انگریزوں کی جانب نقصان کم ہوا' ان کے پانچ افسر ہلاک اور ۲۴ زخمی ہوئے۔ اس کے علاوہ ۹۲ لشکری ہلاک اور ۶۸۲ زخمی ہوئے۔ انگریزوں نے دشمن کی ۵۳ توپوں کے ساتھ متعدد پرچم قبضہ میں لے لیے۔ سکھوں کا نقصان کئی ہزار کی صورت میں تھا' نیز ان کی عظیم فوج منتشر ہو چکی تھی۔ میجر لارنس کو ان کی بیوی بچوں کے ہمراہ (جو سکھوں کے ہاتھوں قیدی بن گئے تھے) برطانوی پڑاؤ کی طرف واپس بھیج دیا گیا' وہاں پر جوش نعروں کے ساتھ راجہ شیر سنگھ اپنی فوج کی تباہی کے بعد سولہ ہزار جوانوں اور اپنی تمام توپوں کے ساتھ مانکیالہ کی عظیم بدھ یادگار میں' برطانوی پڑاؤ کی طرف روانہ ہوا اور ۱۲ مارچ کو جنرل گلبرٹ کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے۔ اس یادگار دن کا نظارہ عظیم' غمناک اور افسردہ تھا۔ برطانوی شیر نے خالصہ کی طاقت کو موثر طور پر عاجز کر دیا تھا اور رنجیت سنگھ کی سلطنت پر ایک کاری ضرب لگائی تھی۔ طاقتور سکھ قوم کی تمام آرزوؤں کو (حالانکہ وہ گمراہ کن تھیں) خاک میں ملا دیا گیا' عظیم خالصہ کی عسکری قوت کی باقیات کو اس قدر شکستہ کر دیا گیا کہ وہ دوبارہ کبھی بھی متحد نہ ہو سکی۔ جمع ہونے والے سرداروں میں سب سے زیادہ نمایاں راجہ شیر سنگھ تھا' اس نے برطانوی جرنیل کو اپنی تلوار پیش کر کے مثال قائم کر دی۔ اس کے بعد' دیگر سرداروں نے یکے بعد دیگرے اپنی تلواریں جنرل کے قدموں میں ڈال دیں۔ بعد میں سکھ سپاہی آئے' وہ بہادر جنگجو' جنہوں نے کافی عرصہ تک اپنے ہتھیاروں کو فاتح انگریزوں سے بچایا تھا۔ رنجیدہ خاموشی میں وہ آگے بڑھے اور یکے بعد دیگر ڈھیروں پر اپنے ہتھیار ڈال دیے۔ ان میں سے چند اشکبار آنکھوں کے ساتھ' دوسروں نے آہوں' سسکیوں میں نظریں جھکا کر اپنے ہتھیار حوالے کر دیے۔ سپاہیوں کو یہ رسم ادا کرنے کے لیے دو مقامی پیادہ فوجی پلٹونوں کی قطاروں کے درمیان میں سے گزرنا ہوتا تھا' جنہیں اس فرض کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ مفتوح سپاہیوں کو مہربانی سے اپنے گھوڑے پاس رکھنے کی اجازت دے دی گئی اور ہر ایک کو واپس اپنے گھروں کی طرف جانے کے لیے ایک روپیہ دیا گیا۔ مزید اکیاون توپیں حوالے کی گئیں' برطانوی حکومت کے لیے سکھوں کی اطاعت مکمل ہو گئی۔ لارڈ ڈلہوزی کے زوردار الفاظ میں "حاصل شدہ فتح' موقع کی عظمت اور جنگ کے شاندار اور فیصلہ کن نتیجہ کے مساوی تھی"۔ فتح کی تکمیل "بلند ترین امیدوں کے مساوی تھی"۔

باب ۵

الحاق پنجاب

گجرات میں شاندار فتح کے بعد پنجاب کی قسمت کو زیادہ دیر تک تذبذب میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ ہندوستان کی حکومت برطانیہ نے سکھ دربار کے ساتھ اپنے تعلقات میں ہمیشہ تحمل اور میانہ روی سے کام لیا اور گورنر جنرل کی حکمت عملی ابتدا ہی سے مکمل طور پر غیر جارحانہ اور کسی لالچ یا خواہش کی آلائش سے مکمل طور پر آزاد رہی۔ انہوں نے خلوص دل سے خواہش کی کہ پنجاب میں ایک مضبوط حکومت قائم ہو جائے' اپنی فوج کا انتظام کرنے اور اپنی رعایا کی حفاظت کرنے کے قابل ہو سکے اور ہندوستان میں غالب حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش مند ہو لیکن سکھوں کی ڈوبتی ہوئی قسمت نے اس عظیم حکمت عملی کو سراہے جانے سے روک دیا۔ لہٰذا اس پر عمل درآمد کرانے کی ہر کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ چنانچہ یہ بالکل واضح تھا کہ قریبی بحران کا سامنا کرنے کے لیے کوئی درمیانی راستہ نہیں کھولا گیا اور یہ کہ اپنانے کے لیے صرف ایک ہی تدبیر یکساں طور پر درست اور معقول تھی اور وہ یہ تھی کہ اس علاقے کو برطانوی سلطنت میں شامل کر دیا جائے۔ کم سن مہاراجہ کو پہلے ہی حکومت پر بحال کر دیا گیا تھا اور خود سکھ سرداروں میں سے منتخب کردہ سرکاری مشاورت کے زیر انتظام کر دیا گیا تھا۔ یہ حتی الامکان کوشش تھی جو ایک قدردان اور ہمدرد حکومت ملک کے ساتھ انصاف برتتے ہوئے زوال پذیر سکھ ریاست کے لیے کر سکتی تھی۔ اس بات کی امید تھی کہ سکھ دربار اور سردار جوابی طور پر ایمانداری سے اور عاقلانہ پنچائتوں کا لحاظ کرتے ہوئے کم سن مہاراجہ کے تحت ایک سکھ حکومت قائم کرنے کے قابل ہو جائیں گے لیکن ایک مناسب آزمائش کے بعد یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا۔

لہٰذا دربار لاہور کے لیے ہندوستانی حکومت کی تمام نیک خواہشات کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر قسم کی مروت کا اظہار کیا گیا اور ملک کی آزادی برقرار رکھنے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کی گئی مگر ملک کے نمائندوں نے اس کی خود مختاری کو سلامت رہنے نہیں دیا۔ انہوں نے اپنی غداری اور فریب سے ایسی جنگ کو دعوت دی' جس کا خاتمہ ان کی تباہی کی صورت میں ہوا۔ سکھوں کی طرف سے عہد شکنی کے نتائج کی پہلے سے نشاندہی کر دی گئی تھی۔ سکھوں کی پہلی جنگ کے خاتمے پر لارڈ ہارڈنج نے اپنے اعلان میں کہا "اگر سکھ قوم کو فوجی طوائف الملوکی اور لاقانونیت سے بچانے کے لیے اس موقع کو نظر انداز کیا گیا اور برطانوی فوج کی مخالفت کا اعادہ کیا گیا تو حکومت ہند پنجاب کی آئندہ حکومت کے لیے اسی طرح کے دیگر انتظامات کرے گی تاکہ برطانوی حکومت کے مفادات اور سلامتی کا درست اور معقول بدلہ دیا جا سکے" یہ بالکل واضح تھا کہ مروت کے اظہار کا اعادہ معتبر حکمت عملی اور لوگوں کے درست مفادات کے لیے ناموافق ہوتا (جو سالہا سال کی طوائف الملوکی اور بد انتظامی سے کمزور ہو گئے تھے) اور مشرق میں انگریزوں کے وقار کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا۔ چنانچہ گورنر جنرل کی اختیار کردہ حکمت عملی کے انصاف اور دانش مندی کی بہت کم لوگ تردید کریں گے' جس میں انہوں نے اعلان کیا کہ اب سے پنجاب' ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا ایک اٹوٹ انگ بن گیا ہے۔

۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو لاہور میں دربار منعقد کیا گیا' جس میں گورنر جنرل کے مندرجہ ذیل اعلان میں الحاق پنجاب کے بارے میں بتایا گیا۔ اسے کم سن مہاراجہ اور باقی ماندہ سکھ سرداروں کی موجودگی میں با آواز بلند پڑھ کر سنایا گیا' جو انگریزوں کی طرف کھلی دشمنی کی کارروائیوں سے باز رہے۔

۲۱ مارچ ۱۸۴۹ء کا اعلان

"مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں برطانوی قوم اور سکھوں کے درمیان کئی سال تک امن اور دوستی قائم رہی۔ جب رنجیت سنگھ کا انتقال ہو گیا اور سرکاری مجالس کی رہنمائی کے لیے اس کی دانشمندی موجود نہ رہی تو سرداروں اور خالصہ فوج نے بغیر کسی اشتعال اور وجہ کے اچانک برطانوی علاقوں پر حملہ کر دیا۔ ان کی فوج کو یکے بعد دیگرے شکست دی گئی۔ انہیں اس علاقے سے کشت و خون اور شرم کے ساتھ پیچھے دھکیل دیا گیا' جس پر انہوں نے حملہ کیا تھا اور لاہور کے دروازوں پر مہاراجہ دلیپ سنگھ نے گورنر جنرل کو اپنی اور سرداروں کی اطاعت پیش کی اور حکومت برطانیہ کی بردباری کے لیے درخواست کی۔ گورنر

جنرل نے ریاست لاہور کے لیے اپنی حکومت کی بردباری عنایت کر دی۔ انہوں نے فیاضی سے اس بادشاہت کی جاں بخشی کر دی' جسے تہس نہس کرنے کا انہیں پورا حق حاصل تھا۔ لہذا مہاراجہ کو تخت پر بحال کرنے کے بعد دونوں ریاستوں کے درمیان دوستانہ معاہدے کیے گئے۔ انگریز ایمانداری سے اپنے وعدہ پر قائم رہے اور بہ حزم احتیاط ہر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئے' جو معاہدوں نے ان پر عائد کی تھیں۔ لیکن سکھ عوام اور ان کے سرداروں نے بے شرمی اور بے ایمانی سے ان وعدوں کی خلاف ورزی کی' جن کے وہ پابند تھے۔ انہوں نے سالانہ خراج کا کوئی حصہ کسی وقت بھی ادا نہیں کیا اور حکومت ہند کی طرف سے ملنے والے بہت بڑے قرضہ جات کبھی بھی ادا نہیں کیے۔ حکومت برطانیہ کا انتظام' جس کے لیے انہوں نے خود کو رضاکارانہ طور پر پیش کیا تھا' ہتھیاروں کے ذریعے اس کی مزاحمت کی گئی۔ امن و امان کو ہٹا دیا گیا۔ ریاست کے لیے کام کرنے والے برطانوی افسران کو قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح کے فرائض انجام دینے والے دوسرے عہدیداروں کو قید خانے میں پھینک دیا گیا۔ آخرکار پنجاب میں متعدد سردار پوری ریاست اور پوری سکھ قوم سے مل گئے۔ انہوں نے معاہدوں پر دستخط کیے اور حکومت کے ایک رکن کی قیادت میں ہمارے خلاف مسلح بغاوت کر دی اور انگریزوں اور ان کی حکومت کو تباہ کرنے کے لیے ایک زبردست اور خونریز جنگ چھیڑ دی۔ حکومت ہند نے اعلان کر دیا تھا کہ مزید کسی فتح کی ضرورت نہیں' لہذا اس کی کارروائیوں سے اس کے قول و قرار کا خلوص ثابت ہے۔

حکومت فتح کے لیے اب کسی قسم کی خواہش نہیں رکھتی لیکن اس فرض کی پابند ہے کہ اپنی سلامتی کے لیے اور اپنے زیر انتظام لوگوں کے مفادات کی حفاظت کے لیے بھرپور کردار ادا کرے۔ اس مقصد کے تحت اور ریاست کو بلا اشتعال اور بے فائدہ جنگوں کی تکرار سے محفوظ رکھنے کی یقین دہانی کرانے کے لیے گورنر جنرل فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ ایک ایسی قوم کو مکمل طور پر مطیع کیا جائے جس کی اپنی حکومت کافی عرصہ سے اس کے انتظام کرنے سے قاصر رہی (جیسا کہ اب واقعات سے پتہ چلتا ہے) اور جسے کوئی سزا خلاف ورزی سے نہ ڈرا سکی اور نہ ہی دوستانہ کارروائیاں امن پر راضی کر سکیں۔ اس لیے گورنر جنرل نے پہلے بتایا اور بذریعہ ہذا اعلان کیا ہے کہ پنجاب کی بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا ہے اور یہ کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تمام علاقے اب اور اس کے بعد ہندوستان میں انگریزی سلطنت کا حصہ ہیں۔ عزت مآب مہاراجہ سے بامروت اور باوقار برتاؤ کیا جائے گا۔ چند سردار' جو انگریزوں کے خلاف جنگوں میں شامل نہیں تھے' اپنی جائیداد اور منصب اپنے

پاس رکھیں گے۔ حکومت برطانیہ تمام لوگوں کو، چاہے وہ مسلمان، ہندو یا سکھ ہوں، آزادانہ طور پر اپنے مذہب پر عمل درآمد کی اجازت دے گی۔ لیکن کسی بھی شخص کو اس کے اپنے مذہب کی تلقین یا اجازت کے مطابق رسومات اور طور طریقوں کا لحاظ کرتے ہوئے دوسروں کے مذاہب میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ ان سرداروں کی جاگیریں اور املاک بحق سرکار ضبط کرلی جائیں گی، جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ کی۔ پنجاب میں ہراس قلعہ بند مقام کے دفاعی انتظامات کو مکمل طور پر تباہ کردیا جائے گا، جہاں برطانوی فوج کا قبضہ نہیں ہوگا اور لوگوں کو ہنگامہ یا جنگ کے اعادہ کے لیے ذرائع سے محروم کرنے کی خاطر موثر تدابیر کی جائیں گی۔ گورنر جنرل پنجاب کے تمام شہریوں، سرداروں اور عوام سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ پرامن طور پر خود کو حکومت برطانیہ کی بذریعہ ھذا اعلان کردہ سرکار کے سامنے پیش کردیں، جو سرکار کی تابعدار اور پر امن رعایا بن کر رہیں گے تو حکومت برطانیہ ان پر مہربانی اور خیر خواہی کے ساتھ حکومت کرے گی لیکن اگر تشکیل شدہ حکومت کی مزاحمت کرنے کے لیے دوبارہ کوشش کی گئی، اگر دوبارہ ہنگامے اور دنگا فساد کیے گئے تو گورنر جنرل پنجاب کے عوام کو تنبیہہ کرتے ہیں کہ رواداری کا وقت اب گزر چکا ہے اور یہ کہ ان کے جرم کی فوری اور انتہائی سخت سزا دی جائے گی"۔

گورنر جنرل کے اعلان کے ذریعے وضع کردہ حکمت عملی کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کی رو سے سکھوں کے ساتھ مفتوح دشمن کی طرح برتاؤ نہیں کیا گیا بلکہ تاج برطانیہ کی آزاد رعایا جیسا سلوک کیا گیا۔ انہیں ملکہ کی دوسری رعایا کی طرح حفاظت اور حقوق حاصل تھے۔ کمسن مہاراجہ دلیپ سنگھ (جس نے ۱۸۵۴ء کو سن بلوغت کو پہنچنا تھا) کو پانچ لاکھ روپے کا وظیفہ عطا کیا گیا۔ تمام سرکاری ملکیت بحق ایسٹ انڈیا کمپنی ضبط کرلی گئی۔ مشہور زمانہ کوہ نور ہیرا (جس کا شمار دنیا کے انتہائی قیمتی اور خوبصورت جواہرات میں ہوتا تھا) اسے انگریزوں کے حوالے کردیا گیا۔

۳ جولائی ۱۸۵۰ء کو منعقدہ درشنی دربار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین نے یہ ہیرا حضور ملکہ عالیہ وکٹوریہ کو پیش کردیا۔ لہٰذا بعد میں اسے ۱۸۵۱ء کی عظیم نمائش میں رکھا گیا۔ وہ تمام سکھ سردار، جنہوں نے گزشتہ جنگوں میں حصہ نہیں لیا تھا، انہیں ان کے منصب کے مطابق وظائف عطا کیے گئے اور ان کے آبائی دیہاتوں میں آباد کردیا گیا۔ پنجاب کی فتح انگریزوں کے لیے بہت بڑی عسکری کامیابی تھی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انگریزی قوم کی طرف سے اس وسیع و عریض صوبہ کے حصول کے باعث ہندوستان کی فتح

مکمل ہوگئی اور ہندوستان کی سلطنت کو اس کی قدرتی سرحدوں کے اندر یعنی ہندوستان کی تاریخی سرحد "ممنوعہ دریا" سندھ' بلند و بالا ہمالیہ پہاڑوں اور عظیم بحیرہ ہند کے اندر لایا گیا۔

کم سن مہاراجہ دلیپ سنگھ کو بنگالی فوج کے ڈاکٹر سرجان لوگن کی اتالیقی میں دے کر شمال مغربی صوبوں کی طرف اور اس کے بعد اس کی والدہ مہارانی چندکور یا جنداں کے ساتھ انگلستان بھیج دیا گیا۔ اس کے تمام ذاتی اثاثے اور جواہرات اس کے سرپرستوں کے حوالے کر دیے گئے۔ تمام سرکاری ملکیت عوامی فروخت کے لیے رکھ دی گئی۔ حالانکہ ان تدابیر کو لوگوں کے درمیان کچھ جوش و خروش پیدا کرنے کا باعث قرار دیا گیا' اس کے باوجود وہ اپنی طرف سے کسی جوش و خروش کے اظہار کے بغیر اپنی اطاعت بجا لاتے رہے۔ ڈاکٹر لوگن کی دانش مندانہ معاونت اور رہنمائی کے تحت دلیپ سنگھ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور سوفولک میں وسیع و عریض جاگیریں حاصل کر کے ایک انگریز معزز شہری بن گیا۔ اس نے شان و شوکت اور دانش مندی کا چال چلن اپنایا اور ملکہ نے اس کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کیا اور ضیافتوں پر مدعو کر کے اسے عزت بخشی۔ سرکاری مواقعوں پر وہ نہایت قیمتی جواہرات سے مزین پوشاک میں آتا تھا۔ وہ اکثر دربار میں حاضری دیتا اور سیاستدان اور شہری اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اس نے ایک مصری عیسائی خاتون سے شادی کر لی' جس سے اس کی اولاد بھی ہوئی۔ چنانچہ کئی سال تک پرامن اور پر آسائش زندگی بسر کرنے کے بعد اس کے مزاج میں اچانک تبدیلی واقع ہوئی۔ جب اس نے اپنے وطن پنجاب کا دورہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اسے حکومت کی طرف سے ہندوستان کا سفر کرنے کی اجازت مل گئی۔ اس کے فوراً بعد اس نے نہ صرف گورو کی پاہل حاصل کر کے دوبارہ اپنا پرانا مذہب اختیار کر لیا بلکہ پنجاب کے چند پرانے سرداروں سے مشکوک خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حکومت نے اس شخص کی اس کارروائی کی مذمت کی' جسے انگریزوں کی روٹی پر پروان چڑھایا گیا تھا اور اس پر مہربانی و شفقت سے عنایات کی گئی تھیں۔ لہذا اسے واپس انگلستان آنے کا حکم دیا گیا لیکن اس نے بے نیازی کا اظہار کیا۔ اس کی عیسائی بیوی دکھ کے باعث انگلستان میں انتقال کر گئی۔ اس کی مفسد ماں بدنام زمانہ چندکور (یا جنداں) جس کی خواہش اور سازشوں کے باعث خاص طور پر رنجیت سنگھ کی سلطنت اتنی تیزی سے روبہ زوال ہوئی' قریباً اندھی ہوگئی۔ لہذا شکستہ دلی اور پست حوصلہ کے ساتھ وہ پہلے ہی ۱۸۶۳ء میں انگلستان میں انتقال کر چکی تھی اور اس کی آخری آرام گاہ لندن کے مضافات میں بنی۔

لارڈ ڈلہوزی کی حکمت عملی

لیکن انگریزوں کی طرف سے پنجاب میں حاصل کردہ فتوحات سے کہیں زیادہ اہم امن اور تہذیب کی فتوحات تھیں لیکن لارڈ ڈلہوزی کے ہوشیار ذہن نے نئے الحاق شدہ ملک (جس میں انتظامی اور عسکری دونوں حکومتوں کی خصوصیات مشترکہ طور پر موجود تھیں) کے نظم و نسق کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا۔ حقیقی انصاف کی یقین دہانی کرانے کے لیے دھکا دینے والے ضوابط اور پیچیدہ باریکیوں کے بغیر لوگوں کو تحفظ قانون فراہم کیا گیا اور اگر یہ نظام باقاعدہ صوبوں کے سخت طریق کار کے مقابلہ میں نرم ہوتا تو جنگ کے عادی عوام کی حالت کے لیے اس کو مکمل طور پر اختیار کر لیا جاتا' جو حال ہی میں اقتدار سے محروم ہوئے تھے اور ایک مطلق العنان غیر آئینی حکومت کی حکمرانی کے عادی ہو گئے تھے۔ لاہور میں ایک انتظامی بورڈ قائم کیا گیا۔ اسے گورنر جنرل سے براہ راست خط و کتابت کا اختیار حاصل تھا۔ بورڈ میں پہلی نشست اس سپاہیانہ سیاستدان کو دی گئی' جو اپنے قلب کی شفقت اور اپنے منصوبوں کی درستگی کے لیے جانے پہچانے تھے۔ انہوں نے پہلے مہاراجہ کے نام پر ریاست لاہور کے معاملات کا انتظام بھی کیا تھا۔ یہ کرنل (بعد ازیں سر) ہنری لارنس تھے۔ ان میں اعلیٰ درجے کی فہم و فراست کے علاوہ غیر متزلزل دماغی قوت بھی تھی۔ بورڈ میں ان کے ساتھی' ان کے بھائی مسٹر جان (بعد ازیں لارڈ) لارنس (کمپنی کی سول سروس کے ایک افسر) اور مسٹر چارلس گرینویلے مینسل تھے۔ (وہ بھی ایک متحد عہدیدار تھے) جان لارنس' مسٹر تھامسن اور ان کے پیشروؤں کے تحت شمال مغربی صوبہ جات میں مالگزاری کے تصفیہ کے معاملہ میں اور پنجاب میں جالندھر دو آب کے منتظم کی حیثیت سے اپنا لوہا منوا چکے تھے اور مسٹر مینسل ہندوستان میں بطور ایک قابل ترین ماہر مالیات کی زبردست شہرت حاصل کر چکے تھے۔ بورڈ کے فرائض کو سیاسی' مالیاتی اور عدالتی شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور اراکین میں سے ہر ایک کو ان محکموں میں سے ہر ایک کے لیے خصوصی انتظام سونپا گیا تھا لیکن جب غیر معمولی اہمیت کا کوئی سوال اٹھتا تو سب مشترکہ طور پر کام کرتے تھے۔

ان قابل افسروں کی رہنمائی میں اصلاحی تدابیر کے ذریعے پنجاب کی اصلاح کے عظیم کام کا آغاز کیا گیا۔ آبادی کے مفسد عناصر کو بے ضرر بنانے کے لیے دانش مندی سے انگریزی فوج کو ملک میں رہنے دیا گیا۔ لاہور میں سابقہ دربار کے سکھ سپاہیوں اور فوجی محافظوں کے ایک عظیم اجتماع کا اہتمام کیا گیا۔ جب سب کو ادائیگی کر کے سبک دوش کر دیا

گیا تو بعد میں انتہائی ہونہار افراد کو انگریزی ملازمت میں لے لیا گیا۔ جب کہ ضعیف اور ناتواں افراد کو وظائف اور بخششیں عطا کی گئیں۔ بہادر افراد کی بڑی بڑی ٹولیوں نے (جو کبھی اپنی حکومت کو پامال کرنے اور سلطنت کو چلاتے کے لیے مفسد اور خوفناک تھے) جس آسانی اور خاموشی سے اپنے ہتھیار ڈال دیے تھے اور جنگی پیشہ کو ترک کر کے زراعت کے پیشہ کو اختیار کر لیا تھا' وہ انگریزی حکومت کے پیدا کردہ خوشگوار تاثر اور اس اطمینان کی طرف اشارہ تھا' جس کے ساتھ عوام نے اس حکومت کی تدابیر کو قبول کر لیا تھا۔

اہم مقامات پر ماسوائے فوجی مقاصد کے لیے ضروری قلعوں کے تمام کو مسمار کر دیا گیا اور جنہیں باقی رکھا گیا' ان کو سائنسی اصولوں پر مرمت یا از سر نو تعمیر کیا گیا۔ سندھ اور ستلج کے درمیان واقع اس صوبہ کے اس حصہ میں عام تخفیف اسلحہ کا حکم دیا گیا۔ لہذا اس پر خاموشی اور باقاعدگی کے ساتھ عمل درآمد کیا گیا۔ پولیس کے دو شعبے فوجی اور انتظامی تشکیل دیے گئے۔ آٹھ ہزار ایک سو جوانوں پر مشتمل فوجی پولیس کو فوجی افسروں کے زیر انتظام کر دیا گیا۔ انہیں محافظ مہیا کرنے' علاقے کی گشت' جرائم کا سدباب کرنے اور مجرموں کو گرفتار کرنے کا فرض سونپا گیا تھا۔ جب کہ انتظامی پولیس کو انتظامی افسروں کی قیادت میں رکھا گیا تھا۔ انہیں شہروں اور دیہاتوں کی نگرانی اور اندرونی امن و امان قائم رکھنے کے فرائض سونپے گئے تھے۔ پنجاب فرنٹیئر فورس کے نام سے (سرحد پر خدمات انجام دینے کے لیے) ایک خصوصی فوج تیار کی گئی اور اسے بورڈ کے زیر انتظام کر دیا گیا۔ پوری سرحد کے ساتھ فوجی سڑک کے متوازن مضبوط چوکیوں کا ایک سلسلہ قائم کیا گیا۔ سب سے پہلے شروع کیے گئے کاموں میں لاہور اور پشاور کے درمیان جرنیلی سڑک (جی۔ ٹی روڈ) کی تعمیر کی گئی جب کہ ہر جانب چوراہوں کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ باری دو آب نہر کا آغاز کیا گیا اور رفاہ عامہ کے دوسرے کئی کاموں کی ذمہ داری اٹھائی گئی۔ پورے برطانوی نظام اور اس کے قوانین کو متعارف کرایا گیا۔ تمام اہم مقامات پر سرکاری عمارات کی تعمیر کا کام ہاتھ میں لیا گیا۔ وسطی دو آب کے جنگلات (جو چوروں اور ڈاکوؤں کی پناہ گاہ تھے) انہیں صاف کر دیا گیا اور ان میں سے سڑکیں گزار کر ان پر پولیس چوکیاں قائم کر دی گئیں۔ ہر ضلع میں سرکاری مدرسے' خیراتی شفا خانے اور قید خانے قائم کیے گئے۔ تجارت پر عائد بھاری محصولات کو معاف کر دیا گیا اور آئندہ کے لیے حکومت کو قابل ادائیگی لگان کے معاملہ میں مالکان زمین اور کاشتکاروں کے ساتھ باقاعدہ انتظامات کو متعارف کرایا گیا۔ لگان کے انتظام کے سلسلہ میں دیہاتی طبقوں اور سرحدوں کی حدود قائم کرنے کی لیے شمال مغربی سرحدی

صوبوں میں رائج قوانین کا لحاظ کیا گیا۔ ملک کے وسائل کو ترقی دی گئی۔ فروری ۱۸۵۳ء کو انتظامی بورڈ کو ختم کر کے سرجان لارنس کو پنجاب کا پہلا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔ ان کا شاہی حکومت سے براہ راست تعلق تھا اور اس کے احکامات بجا لانے اور تمام انتظامی و سیاسی محکموں میں مقامی سرکاری انتظامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے منظور شدہ اعلیٰ عہدیدار تھے۔ ان کی ماتحتی میں ایک عدالتی کمشنر کا تقرر کیا گیا۔ محکمہ عدالت میں انہیں اعلیٰ اختیار حاصل تھا اور اس کے علاوہ مالیاتی کمشنر کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ یہ مالیاتی شعبہ کا سربراہ تھا۔ پولیس، تعلیم اور مقامی و بلدیاتی چندوں کی نگرانی عدالتی کمشنر کے سپرد کی گئی۔ چیف کمشنر نے سب سے اہم تدابیر اختیار کیں۔ ان میں سے عوام کو ترجیح دیتے ہوئے مکان کا محصول ختم کر دیا گیا اور اس کے نعم البدل کے طور پر شہروں اور بڑے دیہاتوں میں محصول چونگی عائد کر دی گئی۔ کانگڑا کے پہاڑوں میں چائے کی کاشت کو متعارف کرایا گیا۔ پورے صوبہ میں شجرکاری کے کاموں کو وسیع کیا گیا اور ٹھگی کو حقیقی معنوں میں ختم کر دیا گیا۔

حکومت برطانیہ نے کالعدم سکھ حکومت کے جاگیردار امراء کے مصائب کو کم کرنے کے لیے حتی المقدور کوشش کی۔ انہیں اچھے خاصے وظائف عطا کیے گئے۔ ان کے موروثی حقوق کو تسلیم کر لیا گیا اور ان کے ساتھ بامروت سلوک کیا گیا اور حکومت کے افسران ان کا احترام کرتے تھے۔ ابھی تک ان کے نوکروں چاکروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ عوامی جلوسوں میں ان کی بھیڑ ہوتی تھی۔ حالانکہ شہر کی رہائش گاہیں بھدے ساز و سامان اور مہمانوں کے باعث زیادہ زرق برق اور پرتکلف نہیں تھیں۔ اسی طرح ان کے محافظوں کو حکومت کی سخاوت حاصل تھی۔ سابقہ حکومت کے بے شمار منحصرین کو بھی فیاضی سے سہولیات بہم پہنچائی گئی تھیں۔ نہ صرف شاہی بیوگان کو اچھے خاصے وظائف عطا کیے گئے اور ان کے خدمت گاروں کا خیال رکھا گیا بلکہ سابقہ دربار کے کاغذات میں سے راجہ دینا ناتھ کے مہیا کردہ اعداد و شمار کے مطابق دربار کے عہدیداروں، ڈیوڑھی والوں، نیزہ برداروں، جوتشیوں، طبیبوں، علاموں، موسیقاروں اور خدمت گاروں کو سرکار انگریزی سے وظیفہ ملتا تھا۔ چنانچہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کے تخت کے گرد جمع رہنے والے ہجوم کو انگریزی حکومت کے تحت حقیقی آرام حاصل ہوا۔

نہ ہی سابقہ حکومت کی راہبانہ ذات برادریوں اور مذہبی طبقوں کو نظر انداز کیا گیا۔ انہیں اپنے نئے آقاؤں کی حکومت میں ہر طرح مطمئن اور خوش رکھنے کی کوشش کی گئی سکھوں کے مقدس مقامات کا احترام کیا گیا۔ مسلمانوں کے مذہبی اور قومی اداروں کی دیکھ

بحال کی گئی اور سکھ حکومت کی طرف سے ڈیرہ نانک' امرتسر' ترن تارن اور آنند پور کی سادھوں کے لیے نذر و نیاز کے ایک بڑے حصہ کو ان کے پاس رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ تمام مذہبی افراد' حتیٰ کہ گداگروں اور دیہاتی جوگیوں کے ساتھ بھی بڑا فیاضانہ برتاؤ کیا گیا اور انہیں زمینی عطیات پاس رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس برتاؤ سے خوش ہو کر انہوں نے اپنے انگریز حکمرانوں کی لیے دعائے خیر کی۔ آبادی کے لوگوں پر ان کے بلواسطہ اثر و رسوخ کو حکومت کی جانب شمار کیا گیا۔

زرعی طبقے بھی اپنے تحفظ کے لیے کچھ کم شکر گزار نہیں تھے۔ وہ سابقہ حکومت کے تحصیلداروں اور کارداروں کے ظلم و ستم تلے دبے ہوئے تھے۔ چودھری' جو سکھوں کی حکومت میں مالگزاری میں مدد دیتے تھے اور دیہاتوں سے بیگار لیتے تھے اور انہیں بہت سی مراعات اور سہولتیں حاصل تھیں' ان کے اثر و رسوخ کو بڑی حد تک کم کر دیا گیا۔ ان کی بہت سی معقول مراعات ان کے پاس رہنے دی گئیں۔ بھائی چارے کے نمائندگان کے طور پر ان کی قانونی حیثیت کو مستحکم اور قائم کیا گیا لیکن دیہاتی طبقوں پر ان کے ناجائز اثر و رسوخ کو ختم کر دیا گیا۔ دیہاتی پٹے داری کے حقوق و ملکیت کو درست کیا گیا اور ان کے حقوق کا اندراج کیا گیا۔ باقاعدہ زرعی محصول کے لیے کھڑی فصل یا غلے کے ذخیرے کی تقسیم کے لگان کی تبدیلی سے کسان مالکان حکومت کی مداخلت سے محفوظ ہوگئے اور اپنے انتہائی سازشی بھائی بندوں کی ہیرا پھیری سے بھی بچ گئے۔ لہٰذا زمینی ملکیت کی قدر و قیمت بڑھ گئی۔ پہلے اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔ چنانچہ تخفیفی محصول کے ذریعے نقد ادائیگی کے سخت نتائج سے احتراز برتا گیا۔ کاشتکاروں کے حقوق اور ان کی محنت کا معاوضہ زیادہ محفوظ ہوگئے۔ چھاؤنیوں اور عظیم الشان تعمیرات عامہ کی ترقی کے باعث کام کرنے والے طبقے' بشمول محنت کش اور اہل حرفہ اتنے خوشحال ہوگئے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اشیائے خورد و نوش کی غیر معمولی ارزانی کے باعث غریب طبقوں کو بہت فائدہ پہنچا اور کاروباری و تجارتی طبقے توقع سے زیادہ خوشحال ہوئے۔ قصہ مختصر اس حکومت کی مضبوط اور قابل اعتماد فصیل بننے کے لیے (جس نے انہیں تحفظ فراہم کیا تھا) جفاکش زمیندار اور زور آور کسان سے کفایت شعار تاجر اور اولوالعزم سرمایہ دار تک سب خوب خوشحال ہوگئے۔

معاشرہ کے ڈھانچہ سے قطع نظر رسل و رسائل اور آب پاشی کے لیے وسیع تعمیرات عامہ کی ترقی کے باعث ملک کی بیرونی حالت میں بھی تیزی سے تبدیلی واقع ہوگئی۔ ہر طرف بہترین چھاؤنیاں نمودار ہوگئیں اور انتظامی و فوجی دونوں طرح کی سرکاری عمارات نے ملک

کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیے۔ حالات کی یہ تبدیلی دیہاتوں کے مقابلہ میں شہروں میں کچھ کم نمایاں نہیں تھی۔ شاید گلیوں کی شکل و صورت پہلے کے مقابلہ میں کم پر تکلف اور درخشاں تھی مگر نکاسی آب، گلیوں میں حفظان صحت، بازاروں کی تعمیر میں اصلاحات ایک عام مشاہدہ کرنے والے کے لیے بھی ثابت کرتی تھیں کہ صحیح آرام اور صفائی ستھرائی کے ایک دور کا آغاز ہوچکا ہے۔

جو دیگر اہم سرکاری تدابیر اختیار کی گئیں، وہ تھیں کہ ڈاکہ زنی کے خلاف جہاد کیا گیا، ٹھگی کا سدباب کیا گیا، طفل کشی کے خلاف تحریک چلائی گئی، مجرموں کا سراغ لگایا گیا، جیلوں کی معاشی اور حفظانی اصلاح، جیل خانے کی مزدوری سے استفادہ، مالیاتی نظام کی تکمیل، زمین کی پیمائش، پٹواریوں کی تربیت، حقوق کا اندراج، داخلی پیش رو، مساحت، مردم شماری، اعداد و شمار کی تیاری، بڑی شاہراؤں کے لیے انتظامات، کارواں سراؤں اور رسد کے گوداموں کی تعمیر، مویشیوں کی نسل کشی میں ترقی، شجرکاری، زرعی سائنس کی تحصیل، ارضیاتی تحقیقات اور آخر میں مالگزاری کی نگرانی۔ ایک تجارتی اور زرعی آبادی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مسٹر منٹگمری اور مسٹر ٹمپل کی مشترکہ کاوشوں سے ایک مناسب انتظامی مجموعہ قوانین تیار کیا گیا اور چیف کمشنر نے اس پر نظر ثانی کی۔ زخمی یا کمزور سپاہیوں کے لیے اور تھکے ماندے عہدیدار کی بحالی صحت کے لیے پہاڑوں میں ایک صحت گاہ قائم کی گئی۔ قصہ مختصر پانچ برس کے قلیل عرصہ میں پنجاب بالکل تبدیل ہوگیا۔ ملک کی پوری وضع قطع اپنی کہانی آپ بیان کرتی تھی۔ اس کی پولیس کی قوت اور طاقت میں اس کے ملکی انصاف کی سادگی اور درستی میں اور اس کے بلدیاتی بندوبست کی مقبولیت میں پنجاب، ہندوستان میں بہترین تنظیمی صوبوں سے برابری کرنے لگا۔ پنجاب میں یہ اصلاحات اس کے پہلے چیف کمشنر سرجان لارنس کے ساتھ ان کے قابل ساتھیوں کی مدد سے کی گئیں۔ زیادہ تر منصوبوں کا آغاز پہلے ہی انتظامی بورڈ کے تحت کر دیا گیا تھا مگر ان تدابیر کی انجام دہی کا سہرا سرجان لارنس کی قابل حکومت کے سر جاتا ہے۔

جنوری ۱۸۵۷ء کے اوائل میں سرجان لارنس نے پشاور کے قریب جمرود کے مقام پر کابل کے امیر دوست محمد خاں کے ساتھ مذاکرات کیے۔ دوست محمد خاں اپنی سفید براق متبرک داڑھی کے ساتھ اونٹ کے موٹے بالوں سے تیار کردہ لباس میں ملبوس اپنے دو بیٹوں اور انتہائی قابل اعتماد سرداروں کے ہمراہ درباری خیمہ میں داخل ہوا۔ اس اجلاس میں امیر کو ضمانت مہیا کی گئی کہ جب تک ایران کے ساتھ جنگ جاری رہے گی، اسے بارہ لاکھ

روپے سالانہ کی امدادی رقم مہیا کی جائے گی۔ چاہے یہ ملتوی ہو یا قائم رہے۔ حکومت برطانیہ کو اس امداد کو جاری رکھنے کی خوشی ہوگی۔ اس وعدے کے ساتھ ۴ ہزار بندوقوں کا تحفہ بھی دیا گیا۔ جب امیر کے خیمہ میں معاہدہ کے کاغذات پر دستخط کر کے مہر لگا دی گئی تو امیر دوست محمد خاں پکارا "اللہ اور اس کا رسولؐ گواہ رہیں میں نے حکومت برطانیہ کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا ہے۔ آئے جو بھی ہو' میں اب اسے اپنی موت تک تھامے رکھوں گا" لہٰذا وہ اپنے الفاظ پر قائم رہا۔ کیونکہ اس کے انتقال کے دن بھی حکومت برطانیہ کے ساتھ اس کا عہد و پیمان قائم تھا۔ شاہ ایران' افغانستان کے حکمران کے رویہ کو اور انگریزوں کے ساتھ اس کے از سر نو اتحاد کو دیکھتے ہوئے ہرات کے لیے اپنے دعویٰ سے دستبردار ہوگیا اور افغانستان سے اپنی فوج کو واپس بلا لیا۔ لہٰذا اس کے بعد جنگ تیزی سے ختم ہوتی چلی گئی۔ میدان جنگ میں ایرانیوں کے ساتھ افغان فوج کے تصادم سے احتراز برتا گیا۔ دریں اثناء پنجاب انگریز سیاستدانوں کی ترقیاتی نگرانی میں خوب خوشحال ہوگیا' جن کے ذمہ اس کے نظم و نسق کا خوشگوار مگر کٹھن فرض سونپا گیا تھا۔ لیکن اب ایک ایسا واقعہ رونما ہوا' جس نے حکومت برطانیہ کی نہ صرف پوری توجہ حاصل کی' بلکہ اس کی فہم و فراست اور ثابت قدمی پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا۔

۱۸۵۷ء کی فوجی بغاوت

مئی ۱۸۵۷ء میں عظیم فوجی بغاوت کا طوفان پھٹ پڑا۔ میرٹھ میں بغاوت اور دہلی میں یورپیوں کے قتل عام کی پہلی خبر حکومت پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں ۱۱ تاریخ کو موصول ہوئی۔ چیف کمشنر راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا پنجاب کے دارالحکومت میں صرف جوڈیشل کمشنر مسٹر سر رابرٹ منٹگمری ہی بطور چیف سول آفیسر کے موجود تھے۔ انہیں فوراً بہت بڑے خطرے کا احساس ہوگیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے دانشمندی اور بصیرت (جو انہی کا خاصہ تھی) کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اب ہنگامی حالت کی اجازت دینے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً اس مقام کے سرکردہ انتظامی و فوجی افسروں یعنی فنانشل کمشنر مسٹر (بعد ازیں سر) ڈونالڈ میکلوڈ' کمشنر مسٹر اے۔ اے رابرٹس' چیف انجینئر میجر اوسنے' ملٹری سیکرٹری کرنل میکغرسن اور کیپٹن لارنس و کیپٹن ہی سن کا اجلاس طلب کیا۔

اس اجلاس میں جوڈیشل کمشنر نے تجویز پیش کی کہ میاں میر میں فوجی چھاؤنی کی کمان کرنے والے بریگیڈیئر کاربٹ کو وہاں تعینات دیسی فوج کو غیر مسلح کرنے کے لیے روانہ کیا

جائے۔ اس تجویز کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ لہٰذا جوڈیشل کمشنر، کرنل میکفرسن کے ہمراہ میاں میر کی طرف روانہ ہوئے اور بریگیڈیئر کاربٹ کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے غیر مشروط طور پر اس کی منظوری دے دی۔ میاں میر میں سپاہیوں کی پلٹنوں کو غیر مسلح کرنا، ایک دانشمندانہ فیصلہ تھا۔ جیسے واٹرلو کی جنگ سے پہلے انگریزی ناچ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کسی طرح بھی ان واقعات کے سائے کو معاشرے پر اپنا اندھیرا پھیلانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ ۱۲ تاریخ کی شام کو ایک انگریزی ناچ اور ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ جب کہ صبح کی پریڈ کے لیے خاموشی سے تیاری کر لی گئی۔ جن پلٹنوں کو غیر مسلح کیا جانا تھا، وہ کافی عرصہ سے میسور اور سارنگاپٹم سے فیروز شہر اور گجرات تک میدان جنگ میں اپنی فتوحات کے لیے مشہور تھیں۔ ۱۳ تاریخ کو علی الصبح تمام افواج نے میاں میر میں پریڈ کی۔ جن دیسی پلٹنوں کو غیر مسلح کیا جانا تھا، ان کی تعداد چار تھی اور وہ ۳ ہزار پانچ سو جوانوں پر مشتمل تھی۔ جب کہ اس فرض کی ادائیگی کے لیے تین سو انگریز سپاہی ۱۳ توپوں کے ساتھ موجود تھے۔ چالاکی سے ان افواج کو آمنے سامنے لایا گیا۔ انگریزوں کی توپیں اور بندوقیں بھری ہوئی تھیں۔ سپاہیوں کو اس کی خبر نہیں تھی۔ یہ چال مکمل ہونے پر سپاہیوں کو ہتھیار جمع کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب ان کے پاس حکم کی تعمیل کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ ایک لمحہ میں بغاوت کے خطرے کو دور کر دیا گیا۔ لہٰذا دیسی فوج بغیر ہتھیاروں کے باہر چلی گئی۔ ایک ترتیب وار اور سپاہیانہ انداز میں اس سے زیادہ اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

صبح کی یہ سادہ سی تدبیر پنجاب کی تقدیر میں ایک نقطہ انقلاب تھی۔ درحقیقت خود ہندوستان کے لیے بھی۔ بعد ازیں یہ معلوم ہوا کہ اسی صبح کو دیسی پلٹنوں نے قلعہ اور لاہور کے میگزین پر قبضہ کرنا تھا۔ یہ یقینی بات تھی کہ یہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ تھا۔ کیونکہ میاں میر میں پلٹنوں کو غیر مسلح کرنے کے چھ گھنٹے بعد ان کے ساتھیوں نے فیروز پور میں بغاوت کر دی۔ فیروز پور میں اسلحہ خانہ وسیع و عریض عسکری ذخائر پر مشتمل تھا۔ ۴۵ ویں دیسی پیادہ فوج نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر بریگیڈیئر جونز نے اسے شکست دی۔ انہوں نے ملکہ عالیہ کی ۹۱ ویں پیادہ فوج اور ۳۰۰ یورپین توپ خانہ پر مشتمل انگریزی فوج کے ساتھ اس کو قبضہ میں لے لیا۔ ۴۵ ویں پیادہ فوج کو کامیابی سے غیر مسلح کر دیا گیا اور اسے چھاؤنی سے باہر بھیج دیا گیا لیکن اس سے پہلے انہوں نے سرکاری و نجی عمارات کو نذر آتش کر کے زبردست نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد ۵۴ ویں فوج کے بڑے حصہ نے اپنے ہتھیار ڈال دیے۔ ڈپٹی کمشنر میجر مارسڈن کی قیادت میں ۱۰ ویں سوار فوج نے

مفرور باغیوں کا تعاقب شروع کیا۔ متعدد افراد کو قیدی بنا لیا گیا اور بعد ازیں پٹیالہ کے علاقہ میں گرفتار کیا گیا۔ مگر بہت سے فرار ہو کر دہلی میں باغیوں کے ساتھ مل گئے۔ سکھوں کے بنارس، امرتسر کو فوراً محفوظ بنا دیا گیا۔ گووند گڑھ کے عظیم قلعہ میں کثیر ذخائر جمع کر لیے گئے۔ ستلج پر واقع پھلور کے لیے جالندھر سے بروقت کمک روانہ کی گئی، جہاں ایک اور بڑا میگزین تھا۔ پشاور ان افراد کے ہاتھ میں تھا جو یہ بہتر جانتے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ یعنی میجر ایڈورڈز بریگیڈیئر کاٹن اور کرنل نکلسن۔ وہاں پر مسلح اور غیر مسلح پلٹنوں کی طرف سے کی گئی بغاوت کو بجلی کی تیزی اور اثر کے ساتھ دبا دیا گیا۔ جالندھر میں غیر مسلح سپاہیوں نے بغاوت کر دی، جو زبردست افراتفری اور لوٹ مار کے بعد پھلور میں ۳ دیسی پیادہ فوج کے ساتھ شامل ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ ۲ مئی کو مردان میں ۵۵ ویں دیسی پیادہ فوج نے بغاوت کر دی اور آزاد علاقہ کی طرف فرار ہو گئی لیکن سرحد کے پہاڑی باشندوں نے باغیوں کو دھوکہ دیا یا وہ میجر ایڈورڈز کی پولیس کے تعاقب کا شکار ہو گئے۔ بعد ازیں متعدد افراد کو برطانوی علاقہ میں لایا گیا اور گولیوں کی بوچھاڑ یا توپوں سے اڑا دیا گیا۔ سول سروس کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ریکٹس نے فوری تدابیر اختیار کر کے لدھیانہ میں بغاوت کو دبا دیا۔ ملتان میں میجر کرافورڈ چیمبرلین کی طرف سے فوج کی ایک عام پریڈ منعقد ہوئی تو انہوں نے بغاوت کے خدشہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیسی فوج کی ۶۲ ویں اور ۶۹ ویں پلٹنوں کو حکم دیا کہ وہ فوراً اپنے ہتھیار ڈال دیں۔ اول الذکر نے فوراً ہتھیار ڈال دیے۔ ۶۹ ویں رجمنٹ نے پس و پیش کیا مگر توپوں کے خوف سے انہوں نے بھی سر تسلیم خم کر دیا۔ باغی فوجیوں کو غیر مسلح کرنے سے شہریوں میں اعتماد بحال ہو گیا۔ انہوں نے کمشنر میجر ہملٹن سے ملاقات کر کے ملتان میں امن و امان اور سلامتی بحال کرنے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ جو شہری خوف و ہراس کے باعث شہر چھوڑ گئے تھے، فوراً واپس آ گئے اور کاروبار شروع کر دیا۔ جولائی کے پہلے ہفتہ میں جہلم اور سیالکوٹ کی مقامی فوج نے بغاوت کر دی مگر ان کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دی گئی۔ موخر الذکر مقام سے باغیوں کے آخری آدمی تک کو ختم کر دیا گیا۔

سخت تدابیر اختیار کر کے جولائی کے اختتام تک پنجاب میں ۱۳ ہزار مقامی سپاہیوں کو غیر مسلح کر دیا گیا۔ نہ ہی یہ دیکھ کر کم مسرت ہوئی کہ اگرچہ کمپنی کی ملازمت میں بنگالی سپاہیوں نے پورے پنجاب میں نافرمانی اور باغیانہ رویے کا اظہار کیا تھا۔ سیاستدان، جو اس کے امور کی رہنمائی کر رہے تھے، میرٹھ اور دہلی کی بغاوت کے اعلان کے بعد ایک ہفتہ کے اندر ستلج کے دونوں جانب سکھوں کی اور سندھ کی دونوں جانب مسلمانوں کی وفاداری پر اعتبار کرتے

کے قابل ہوگئے۔

خاموش سخت قوت کا مظاہرہ کیا گیا کہ پنجاب کی آبادی انگریزوں کی حکومت سے بہت زیادہ متاثر ہوگئی۔ لہٰذا وہ یک دم انگریزوں کے گہرے دوست بن گئے۔ لاہور میں تیار کی گئی پلٹونوں میں اندرونی علاقہ کے سکھوں اور سرحد کے مسلمانوں کو یکساں طور پر بھرتی کیا گیا۔ لہٰذا چار ماہ کے قلیل عرصہ میں اس جگہ فراہمی کے لیے صوبہ میں اٹھارہ نئی پلٹونیں بھرتی کی گئیں۔ ان کو گاہے بگاہے میدان جنگ دہلی کی طرف روانہ کیا گیا۔ دہلی کے محاصرہ میں مدد دینے کے لیے پلٹون کے بعد پلٹون کو دریائے ستلج کے پار بھیجا گیا۔ سات ہزار جوانوں پر مشتمل پٹیالہ' جھنڈ اور نابھہ کے راجاؤں کی افواج باقاعدہ سپاہیوں کے ہمراہ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اس میں مہاراجہ کشمیر کی طرف سے ۲۲۶۷ پیادوں' ۱۹۰ سواروں اور ۱۴۰ توپچیوں پر مشتمل دستے کا بھی اضافہ ہوگیا۔ اس کے علاوہ حرکت پذیر دستہ بھی اس میں شامل تھا' جس نے حال ہی میں بریگیڈیئر جنرل جان نکلسن کی قیادت میں سیالکوٹ کے باغیوں کو کچل دیا تھا۔ فیروز پور سے بھاری محاصرے کا توپ خانہ بھی روانہ کیا گیا تھا۔ بعد میں وہاں پنجاب کا انتظام کرنے کے لیے چار ہزار پانچ سو بشمول بیمار' یورپین پیچھے رہ گئے۔ اب بحران کا سامنا تھا۔ اب ہر نگاہ بغاوت کے گڑھ دہلی کی جانب لگی ہوئی تھی' جس کا پنجاب سے بھیجی گئی کمک پہنچنے سے پہلے جنرل ا-لسن ایک مختصر سی فوج کے ساتھ محاصرہ کر چکے تھے۔

دریں اثناء دہلی کا بوڑھا بادشاہ' جو محض ایک کٹھ پتلی اور تیموری نسل کا واحد نمائندہ تھا' حکومت برطانیہ نے فیاضی سے کام لیتے ہوئے اسے ایک فیاضانہ وظیفہ فراہم کیا تھا اور جو ایک موروثی دعویدار کے طور پر نہیں بلکہ تاج برطانیہ کے تابعدار کی حیثیت سے مغل اعظم کے محل میں پر امن طور پر رہ رہا تھا۔ اس نے ہندوستان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ سنگ مرمر کے دربار عام میں ایک قدیم نقرئی تخت رکھ دیا گیا اور نقلی بادشاہ نے تخت پر بیٹھ کر ۲۱ توپوں کی سلامی حاصل کی اور اس کے بعد شاہی فرمان جاری کرنے شروع کر دیے۔ توپ خانے کے ایک صوبیدار بخت خاں کو بادشاہ کے بیٹے مرزا مغل کی زیر قیادت سپہ سالار مقرر کیا گیا' جو اپنی عسکری صلاحیتوں کے مقابلہ میں اپنی ذاتی شہرت کے باعث بہتر طور پر جانا پہچانا جاتا تھا۔ شاعر دوبارہ نمودار ہوگئے۔

لہٰذا انہوں نے زبردست غوروخوض کے بعد سکہ کے لیے مندرجہ ذیل مضمون تیار کیا:

"انگلستان اور ہند کے فاتح سراج الدین بہادر نے ایک نیا سکہ جاری کیا ہے"۔

لکھنؤ سے بادشاہ کو خبر موصول ہوئی کہ مینڈو خاں کے بیٹے قدرت اللہ نے بادشاہ کی منظوری کی شرط پر اودھ کے مرحوم بادشاہ واجد علی شاہ کے بیٹے کو اس کے باپ کے تخت پر بٹھا دیا ہے اور اس نے مندرجہ ذیل عبارت کا حامل سکہ رائج کر دیا ہے:

بزد زد سکہ نصرت طرازی   سراج الدین بہادر شاہ غازی

"سراج الدین غازی نے فتح و نصرت کے نشان پر ایک طلائی سکہ قائم کیا ہے"۔

ہندو پنڈت رنگ دار پیشانیوں کے ساتھ اور ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لیے اس ناٹک کے اہم کرداروں کے گرد جمع ہو گئے اور تخفی علم میں تحریر کردہ اپنی بھاری بھرکم کتابیں کھول کر پیشین گوئی کی کہ سنیچر یا انتقام کا دیوتا انگریزوں کے سر پر اتر آیا ہے۔ رام کی کرپا سے ان کا پڑاؤ لنکا کی طرح کی آگ سے جل کر تباہ ہو جائے گا اور یہ کہ مہا بھارت میں بیان کیا گیا ہے کہ مقررہ تاریخ پر ایک ایسی خون ریز جنگ لڑی جائے گی کہ گھوڑوں کے سم خون میں ڈوب جائیں گے اور یہ کہ پورے ہندوستان پر سپاہیوں کی افواج غالب آ جائیں گی"۔(۱)

اسلام پر کلنک کا ٹیکہ متعصب اور متکبر ملاؤں نے اپنے غلط پاگل پن میں انگریزی حکومت کے گوناگوں احسانات کو فراموش کر کے جمعہ مسجد میں پیغمبر اسلامؐ کا سبز علم بلند کر دیا۔ انہوں نے ایمان والوں سے التماس کی کہ وہ دین اسلام کی خاطر جنگ کریں۔ حالانکہ انہوں نے غلط طور پر اس کا دعویٰ کیا تھا۔ شہر کے فسادی (جو ایسے طبقے کے نمائندے تھے، جس نے ایک سو پچیس سال قبل سخت گیر نادر شاہ کو آبادی کے خلاف تلوار اٹھانے کے لیے بہانہ مہیا کیا تھا) ان دعویداروں سے مل گئے۔ حالانکہ اس سے پیشتر خطرہ کے وقت وہ اور ان کے جھوٹے مولوی سب سے پہلے شہر سے باہر چلے گئے تھے۔

دہلی پر قبضہ

۲۰ ستمبر کو دہلی پر قبضہ کر لیا گیا۔ مغلوں کے محل پر قبضہ ہو گیا اور بادشاہ نے اپنی چہیتی بیوی زینت محل اور دو بیٹوں اور ایک پوتے (مرزا مغل، مرزا قریش سلطان اور مرزا ابوبکر پسر مرحوم ولی عہد) (سابقہ گھناؤنے جرائم پہ اکسانے والے اہم کردار جو مقبرہ ہمایوں میں چلے گئے تھے) کے ساتھ خود کو کیپٹن ہڈسن کے حوالے کر دیا، جس نے دہلی کی طرف لوٹتے ہوئے اپنے ہاتھ سے شہزادوں کو گولی مار کر ہلاک کیا اور حکم دیا کہ ان کی لاشوں کو داروغہ کی عدالت، کوتوالی کی طرف روانہ کر دیا جائے، جہاں انہیں چبوترے پر پھینک دیا گیا اور دلیر سپاہیوں اور مختتم سکھوں کی تحقیر و تضحیک کے لیے انہیں وہاں سرعام چھوڑ دیا گیا۔

کیونکہ اسی مقام پر ۱۸۰ سال پیشتر سکھوں کا ایک جنگجو گورو تیغ بہادر' اورنگ زیب کی سخت نفرت کا شکار ہوگیا تھا۔ لہٰذا گورو کے چیلوں کی پرجوش امید کافی عرصہ سے ایک پیش گوئی کی شکل اختیار کر گئی تھی کہ روز جزا زیادہ دور نہیں۔ آخرکار بدلے کا دن آن پہنچا۔ جیسا کہ عبرانی زبان کی ایک پرانی کہانی میں بتایا گیا ہے کہ عالمگیر کے وارثوں کے بے سر لاشے وہاں کھلے پڑے رہے۔ حتیٰ کہ حفظان صحت کے پیش نظر انہیں ہٹا کر وہاں پہنچا دیا گیا' جہاں انہوں نے بے یار و مددگار انگریز عورتوں اور بچوں کے قتل عام کا حکم دیا اور اس کا مشاہدہ کیا تھا۔

بادشاہ پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور اسے ملکہ کے خلاف جنگ کرنے اور اپنے ہاتھ لگنے والے انگریز شہریوں کے قتل عام کا مجرم پایا گیا۔ لارڈ کیننگ نے اس کی جان بخشی کر دی لیکن اسے اپنے بیٹے جواں بخت اور بیوی زینت محل (جو بغاوت میں ایک اہم آلہ کار تھی اور لاہور کی بدنام زمانہ (جنداں) یا چندکور کی غدارانہ سازش میں مدمقابل تھی) کے ساتھ رنگون کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ پس بابر کے شاہی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ تاہم شاہ عالم کے دور سے' خطاب سے زیادہ کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

بریگیڈیئر جنرل نکلسن ۱۴ تاریخ کو دہلی کے حملہ کے وقت' حملہ کے لیے ایک دستہ کی بہادری سے قیادت کرتے ہوئے بری طرح زخمی ہونے کے باعث ۲۳ تاریخ کو اپنے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے تو فوج اور عوام کو سخت دکھ پہنچا۔ اس واقعہ سے لارنس بھائیوں کے انتخاب کا پوری طرح پتہ چلتا ہے۔ یکساں طور پر بہادر' اولوالعزم اور اپنے پیشے سے مخلص ہونے کے باعث ان میں ایک سپاہی کی اعلیٰ خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ جب اس بے مثال شخص کے انتقال کی خبر لاہور پہنچی تو ان کا تذکرہ نویس لکھتا ہے کہ سر جان زار و قطار رونے لگے اور انہوں نے سرنیوائل کو کہا "ہم بہت سے اچھے اور عظیم سپاہیوں سے محروم ہوگئے ہیں۔ مگر جان نکلسن کے ساتھ کسی کا بھی موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک شاندار سپاہی تھے۔ کافی عرصہ تک ہمیں ان جیسا شخص نہیں ملے گا"۔ بہادر جان نکلسن کا انتقال ہوگیا جو نیلسن اور وولف کے ساتھ موازنہ کیے جانے کے نااہل نہیں تھے' مگر جب تک ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہے' ان کی شہرت نہیں مر سکتی۔(۲)

یہ انگریز قوم کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ فتح کے دوران جب برطانوی سپاہی فاتحانہ انداز میں شہر اور محل کے اندر داخل ہوئے تو شہریوں میں عورتوں اور بچوں میں سے

کسی کو بھی ان کے ہاتھ سے گزند نہیں پہنچا۔

دہلی کے محاصرہ کے آغاز سے اختتام تک فاتحین کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا' یعنی ان کے ۳٬۸۳۷ افراد ہلاک و زخمی ہوئے۔ محصورین کی تعداد کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا۔

دہلی پر قبضہ کی خوشی میں پنجاب کے اہم مقامات پر توپوں کی سلامی دی گئی۔ چنانچہ چیف کمشنر نے واجباً" بہادر فوج کی خدمات کو تسلیم کیا' انہوں نے سپاہیوں اور جنگی اسلحہ کی فراہمی کے لیے اپنی انتھک کوششوں سے اس انتہائی اہم فتح کے حصول کے لیے ایک بہت اہم کردار ادا کیا:

"ذی وقار ہے وہ فوج جس نے میجر جنرل ولسن کی قیادت میں انتہائی اہم فتح حاصل کی ہے' جس کے باعث بنگال کی باغی فوج کی پھیلی ہوئی بغاوت کو بالائی ہندوستان میں شکست فاش ہوئی ہے۔ ہمارے درمیان کلائیو اور لیک کے دور کی یاد تازہ ہوگئی ہے' نہ تو زبردست وبا ہیضہ' نہ ہی ہندوستان کے موسم گرما کی مہلک چلچلاتی دھوپ (جس نے انتہائی افسوسناک حد تک گزشتہ تین ماہ کے دوران ہماری مختصر سی فوج کی صفوں کو کم کر دیا تھا) پڑاؤ کے تکلیف دہ اور مسلسل فرائض' تربیت یافتہ اور آزمودہ کار دشمن (جو ہمارے آدمیوں اور ہر طرح کی توپوں کے مقابلہ میں ہزاروں کی تعداد میں برتر تھا) کے ساتھ مسلسل مقابلے' ۱۴ تاریخ کو حملہ کے دوران باغیوں کی طرف سے پیش کردہ زبردست مزاحمت' ہمارے یورپی اور مقامی سپاہیوں کی گرم جوشی کو کم کر سکی' نہ ہی اس غیر متزلزل حوصلے اور ثابت قدمی کی برابری کر سکی' جو کوئی عذر قبول نہیں کرتی اور کامیابی سے کم کچھ حاصل نہیں کرتی۔

ایک احسان مند حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کے لیے میجر جنرل ولسن اور ان کی فوج کی خدمات کو تسلیم کرے' کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں لیکن چیف کمشنر انہیں اپنا دلی خراج تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتے"۔

شہر کے قبضہ کے بعد بروز اتوار برطانوی افواج کی آخری فتح کے حصول پر شکرانہ ادا کرنے کے لیے مغلوں کے درباری ایوان میں عبادت کا اہتمام کیا گیا۔ لہٰذا ہر ممنون دل اور ہر ہونٹ سے شیریں اور عاجزانہ تسلیم و رضا کے کلمات جاری تھے۔

"تمہارے لیے نہیں' اے مالک ہمارے لیے نہیں' مگر تعریف تمہارے نام کے لیے ہے!"

اس مقام پر ایک مناسب موقع پر برطانوی افسروں اور سپاہیوں نے خوشی سے دھکتے

ہوئے چہروں کے ساتھ، ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کی صحت کے لیے شراب کے جام بہائے۔ اس موقع پر ہزاروں فتح مند آوازوں سے فضا معمور ہوگئی، وہ اپنے محبوب قومی ترانے کے الفاظ دہرا رہے تھے: "خدا، ملکہ عالیہ کو پناہ میں رکھے!"

پس متحمل، ثابت قدم اور تیار پنجاب نے ہندوستان کو بچا لیا۔ نہ صرف، پانچ قدیم دریاؤں کو بغاوت سے پاک کر دیا گیا بلکہ دماغ اور ہاتھ، مشرق میں برطانوی افواج کے وقار کو قائم رکھنے کی خاطر تدابیر کے لیے تیار ہوگئے۔ پنجاب شمال مغربی صوبہ جات کی ازسرنو فتح کے لیے سپاہیوں کا گہوارہ بن گیا۔ جب جنرل ولسن نے پنجاب کی اعانت اور انگریز سپاہی کی موروثی بہادری پر کامیابی کی امید رکھتے ہوئے سپاہیوں کی ایک ناکافی تعداد کے ساتھ دہلی کے سامنے ثابت قدمی سے میدان سنبھالا ہوا تھا تو ایک سلطنت کا وقار سخت خطرے میں تھا۔ صورت حال سخت خطرناک تھی، مگر پنجاب بذات خود ہندوستان کے لیے طاقت کا سرچشمہ ثابت ہوا۔ پنجاب کے بحران کے دوران اس کے انگریز منتظمین نے عزم و حوصلہ اور مستقل مزاجی کی جن خاصیتوں کا زبردست مظاہرہ کیا، اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ اس کی حکومت نے جس طاقت اور عظیم فہم و فراست کا مظاہرہ کیا، اس سے پہلے اس کو کبھی بھی نہیں دیکھا گیا----

چند لوگوں نے یہ دلیل پیش کی کہ پنجاب کو حال ہی میں فتح کیا گیا ہے، انگریزی فتوحات کی یاد ابھی تازہ ہے۔ اس علاقے میں زیادہ تر مسلمان اور سکھ، مخالف قومیں آباد ہیں، ان میں سے کوئی بھی انگریزوں کو بے دخل کر کے دوسرے کو برسراقتدار نہیں دیکھ سکتی، کیونکہ انہوں نے دونوں کو امن و سکون فراہم کیا ہے، اس لیے عام طور پر تبدیلی کی خواہش نہیں کی جاتی۔ تاہم یہ یاد رکھا جائے کہ پہلی سکھ جنگ میں حالانکہ زبردست طاقت کے ساتھ کارروائی کی گئی تھی اور برطانوی افواج کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی تھی، لیکن یہ سرکش سکھوں کو ڈرانے کے لیے ناکافی تھی، جنہوں نے دوسری لڑائی میں کودنے کو ترجیح دی اور یہ کہ اگرچہ سکھوں کی طاقت کو وقتی طور پر کچل دیا گیا تھا لیکن قوم کا عسکری جذبہ ابھی تک مردہ نہیں ہوا تھا، مسلمان اور سکھ اسی طرح کے اغراض و مقاصد کی پیروی میں مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کے لیے متحد ہوسکتے تھے، جن کے بارے میں کمپنی کی ملازمت میں ہندو اور مسلمان سپاہی غور و خوض کر رہے تھے اور یہ کہ جنگ اور سرگرم زندگی کی عادی ایک قوم کے لیے زندگی کے پرامن مشاغل کی جستجو ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ آبادی کے سرکش عناصر کی روک تھام اور پورے بغاوت کے دوران حکمرانوں کی

طرف لوگوں کی عام ہمدردی حاصل کرنے کو ہندوستانی تاریخ میں انتہائی ٹھوس اور شاندار کامیابیوں میں شامل سمجھا گیا۔ منتظمین کی انتھک کوششیں قابل تحسین ہیں' جنھوں نے بحران میں مشکلات کا سامنا کیا اور ان پر قابو پایا۔ شاید ہندوستان کی تاریخ میں اس سے بڑا کوئی صفحہ نہیں ہے' جس نے پنجاب کی نجات کے بارے میں درج کیا ہو یا جس نے انگریزی قوم کی خصوصیات سے زیادہ شاندار خصائص کو بیان کیا ہو۔

فروری ۱۸۵۸ء میں دہلی اور حصار کی ڈویژنوں کو ریگولیشن اضلاع سے جدا کر کے رسمی طور پر پنجاب میں شامل کر دیا گیا اور انھیں سر جان لارنس کے زیر انتظام کر دیا گیا۔

بحالی امن کے بعد دہلی کو برباد کرنے اور جامع مسجد کو تباہ کرنے کی تجویز تھی مگر سر جان لارنس کے سر یہ سہرا جاتا ہے کہ انھوں نے دونوں کو بچا لیا۔ جہاں تک مسجد کو مسمار کرنے کا تعلق تھا' اس کے بارے میں انھوں نے کہا' "میں کسی طرح بھی اس کی منظوری نہیں دے سکتا۔ دوستوں کی حمایت یا دشمنوں کی ناراضگی کی خاطر ہمیں انتہائی احتیاط سے مذہبی عمارات کو تباہ کرنے سے باز رہنا چاہیے"۔ گزشتہ بحران کے دوران غداری کے لیے جن لوگوں پر شک و شبہ کا اظہار کیا گیا تھا' انھوں نے کھلی کچہری میں ان کے مقدمہ کی وکالت کی اور احتیاطی تدابیر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان تمام بھوکے شہریوں کو واپس دہلی شہر میں لائے' جنھیں اپنے گھروں سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ ملکہ معظمہ ان کے رحم دلانہ خیالات میں برابر کی شریک تھیں' انھوں نے اس طرح سے گورنر جنرل کو خط لکھا:

> "قوم' پرامن شہریوں' انتہائی مہربان اور پرخلوص مقامی باشندوں (جنھوں نے ہماری مدد کی' مفروروں کو پناہ دی اور ایماندار اور سچے ہیں) سے انتہائی شفقت آمیز برتاؤ کیا جائے۔ انھیں جان لینا چاہیے کہ کالی چمڑی سے کسی قسم کی نفرت نہیں کی جاتی' ہرگز نہیں مگر ملکہ کی یہ زبردست آرزو ہے کہ انھیں خوش و خرم' مطمئن اور آباد دیکھے"۔

بغاوت کے متعلق سر جان لارنس کی یہ رائے تھی:

> "اس کی ابتداء خود فوج سے ہوئی' اس کو کسی بیرونی یا مقدم سازش سے منسوب نہیں کیا جا سکتا حالانکہ بعد میں اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے اس نے باغی افراد سے فائدہ حاصل کیا۔ فوری وجہ کارتوسوں کا معاملہ تھا اور کچھ بھی نہیں"۔

حکومت برطانیہ نے پنجاب کے سرداروں کی خدمات کے لیے انھیں فیاضی کے ساتھ

انعام و اکرام سے نوازا۔ مہاراجہ پٹیالہ کو' جھجر کے علاقہ کی ڈویژن' نرنول (جس کی مالیت دو لاکھ روپے تھی) ہمیشہ کے لیے عطا کر دی گئی۔ اس کے علاوہ بھدر کی چھوٹی ریاست (جسے حاصل کرنے کے لیے مہاراجہ نے زبردست خواہش کا اظہار کیا تھا) اس کے دائرۂ اختیار میں دے دی گئی اور اس پہ عائد ۵۲۶۵ روپے سالانہ مالیت کا محصول مبادلہ بھی معاف کر دیا گیا۔

جھنڈ کے راجہ کو ایک لاکھ تیس ہزار روپے سالانہ مالیت کے ددری علاقہ کا موروثی حق عطا کیا گیا' اس کے علاوہ کلاراں پرگنہ میں تیرہ دیہاتوں کے ساتھ تیرہ ہزار آٹھ سو دس روپے سالانہ لگان بھی عنایت کیا گیا۔

نابھہ کے راجہ کو ایک لاکھ چھ ہزار روپے سالانہ مالیت کا حامل جھجر علاقے کا ایک حصہ دائمی طور پر عنایت کیا گیا۔

اس کے بعد یہ سردار اس کے عوض جب بھی حکومت کو ضرورت ہو' انتظامی و فوجی خدمت بہم پہنچانے کے پابند تھے۔

مہاراجہ کشمیر کی فراہم کردہ مدد کے اعتراف میں اسے ایک لاکھ روپے مالیت کے جواہرات اور گھوڑے پیش کیے گئے۔ مہاراجہ نے ملکہ عالیہ کی قبولیت کے لیے کشمیر کے بہترین ملبوسات کا ایک قیمتی انتخاب روانہ کیا۔

کپور تھلہ کا راجہ جو اپنی ذاتی کمان میں دو ہزار افراد کی ایک فوج اودھ کی طرف لے کر گیا تھا اور اس نے چھ مختلف جنگوں میں حصہ لیا تھا' اسے اس علاقہ میں ایک بہت بڑی جاگیر عطا کی گئی' لہٰذا وہ بذات خود اودھ میں ایک سرکردہ تعلق دار بن گیا۔

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو لارڈ کیننگ نے الہ آباد میں ایک عظیم دربار منعقد کیا' جس میں انہوں نے ہرمیجسٹی ملکہ وکٹوریہ (ہندوستانی عوام کی سچی میگنا چرتہ) کی طرف سے حکومت ہند کی ذمہ داری اٹھانے کے متعلق ان کا اعلان شائع کیا۔ پس اڑھائی صدیوں تک قائم رہنے والی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا' لہٰذا ملک کا پورا نظم و نسق تاج برطانیہ نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ تب سے ملکہ انگلستان نے پندرہ ارکان کی ایک کونسل کے تعاون سے اپنے ایک سرکردہ معتمد اعلیٰ کے ذریعے ہندوستان پر حکومت شروع کر دی۔ کمپنی کے آخری گورنر جنرل ملکہ کے پہلے وائسرائے بن گئے۔ اسی تاریخ کو لاہور میں شاہی اعلان کی اشاعت کر دی گئی۔ اس کے ذریعے تمام موجودہ رسم و رواج' حقوق و درجات' معاہدوں و قول و قرار کی توثیق کی گئی۔ معاشرے کے تمام طبقوں کو مذہبی رواداری فراہم کی گئی۔

سب کے لیے امن و امان کا اعلان کیا گیا اور ماسوائے ان لوگوں کے جنہوں نے برطانوی رعایا کے قتل میں براہ راست حصہ لیا تھا' سب کے لیے عام معافی کا اعلان کیا گیا۔

یکم جنوری ۱۸۵۹ء سے پنجاب اور اس کی ریاستوں میں لیفٹیننٹ گورنر کے عہدہ کو قائم کیا گیا۔ سر جان لارنس' جو ابھی تک چیف کمشنر کے منصب پر فائز تھے اور اس کے ساتھ انگریزوں کے تعلق کے آغاز سے خفیہ طور پر اس کی سیاست سے وابستہ چلے آ رہے تھے' انہیں اس کا پہلا لیفٹیننٹ گورنر مقرر کیا گیا۔ ۸ فروری ۱۸۵۹ء کو امرتسر سے ملتان تک کے لیے پنجاب ریلوے کے سنگ بنیاد رکھنے کی رسم' اس کے پہلے لیفٹیننٹ گورنر نے ادا کی' جو کافی عرصہ سے اس کی تعمیر کی وکالت کرتے چلے آئے تھے۔ سر جان لارنس کو جو نقرئی بیلچہ پیش کیا گیا اس پر اس موقع کی مناسب سے مقولہ درج تھا:

Tam bello quam pace

سر جان نے اپنے عہدہ سے مستعفی ہونے سے قبل جو آخری کام کیے ان میں سے ایک' مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ (جو کافی عرصہ تک دربار لاہور میں وزیراعظم رہا' جس کے اثر و رسوخ کے باعث گلاب سنگھ پہاڑوں میں حکمرانی تک پہنچا) کے بیٹے جواہر سنگھ کے درمیان عرصہ دراز سے قائم دشمنی ختم کرانا بھی تھا۔ جواہر سنگھ کو انبالہ یا اس کے مشرق میں کہیں بھی رہائش اختیار کرنے کی شرط پر گلاب سنگ سے ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا وظیفہ بھی ملا۔

سر جان لارنس کام کی زیادتی کے باعث صحت خراب ہونے کی وجہ سے فروری کے اختتام پر اپنے عہدہ کو خالی کر کے انگلستان روانہ ہونے پر مجبور ہوگئے۔ لاہور سے ان کی روانگی کے موقع پر سول اور ملٹری کے افسروں اور شرفاء نے ان سے خطاب کیا' جس میں بغاوت کے دوران سر جان لارنس کی خدمات کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

ہمارے درمیان موجود ملٹری افسران جانتے ہیں کہ جب پنجاب' ہندوستان کے فسادات کے باعث خطرے میں تھا اور سراپا احتجاج بنا ہوا تھا' تو آپ نے فوجی حکام سے باہمی مشورہ کرتے ہوئے اندرونی امن و امان قائم کیا اور ہمارے حلیفوں اور سرحد کے اندر اور اس کے بغیر رعایا کو سہارا دیا۔ جب شمالی ہند کی قسمت کا دارومدار دہلی کے قبضہ پر تھا تو آپ نے کیسے اس مقصد کی برتر اہمیت کو سراہتے ہوئے اور پنجاب پر قبضہ کرنے کے لیے مختصر ترین انگریزی فوج کا تخمینہ لگاتے ہوئے محاصرہ میں مصروف ہمارے بہادر ہم وطنوں کی اعانت کے

لیے آدمی، ساز و سامان اور خزانہ فراہم کرنے کے لیے زبردست کوشش کی۔ درحقیقت آپ نے اس عظیم کارروائی کو جاری رکھنے کے لیے وسائل کا ایک بہت بڑا حصہ پیدا کیا تھا اور حفاظت کے ساتھ مطابقت کے لیے پنجاب کے تمام دستیاب وسائل کو اس کے لیے وقف کر دیا تھا۔

.... اور آخر میں ہم تمام (چاہے ہمارا تعلق کسی بھی طبقے یا پیشے سے ہے) اس فہم و فراست، غیر متزلزل ثابت قدمی اور مقصد کے ساتھ ایمانداری سے آگاہ ہیں، جس کے ساتھ آپ نے سرکاری ملازمت کو ترقی دینے کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا۔ اپنے ذاتی علم اور مشترکہ اطلاع کے مطابق ہمارا یہ خیال ہے کہ بے مثال مشکل کے زمانہ کے دوران آپ نے بہترین انتظام اور ثابت قدمی سے بالائی ہندوستان میں انگریزی حکومت کو تحفظ دینے کے لیے نہایت دانشمندی سے کام لیا۔ درحقیقت بہت سے ایسے لوگ ہیں جو مشکل دور میں اپنے اور اپنے خاندانوں کے تحفظ کے سلسلہ میں آپ کے شکرگزار ہیں۔

سر جان لارنس نے مجمع کی طرف سے پنجاب میں ان کی خدمات کا خوش دلی سے اعتراف کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ بغاوت میں اپنی خدمات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انہوں نے کہا:

"جب ہندوستان میں مقامی فوج کے ایک بڑے حصہ نے پہلی مرتبہ بغاوت کی علامات کا اظہار کیا، جب مقام در مقام سرکشی پھیل گئی۔ حتیٰ کہ پنجاب میں تمام ہندوستانی سپاہی سرکش ہوگئے اور بغاوت اٹھانے کے لیے موقع کا انتظار کرنے لگے تو پنجاب میں برطانوی بالادستی قائم رکھنے کے لیے مجھے متفکر نگاہوں سے ذرائع تلاش کرنا تھے۔ اپنے اختیار میں سول اور ملٹری افسران کے معیار، سول گورنمنٹ کے تحت منظم، تربیت یافتہ، تیار کی گئی پنجابی فوج کی برتری، سرداروں اور عوام کی عام وفاداری اور اپنے انگریز سپاہیوں کی دلیری میں مجھے یہاں امن عامہ حاصل کرنے اور ہندوستان میں مدد بہم پہنچانے کے لیے ذرائع مل گئے"۔

۲۶ فروری ۱۸۵۹ء کو سر جان لارنس اپنے جانشین، سر رابرٹ منٹگمری کو اپنے عہدے کا چارج حوالے کر کے انگلستان روانہ ہوگئے۔ سر رابرٹ منٹگمری کی مبارک حکومت کا آغاز نہر باری دو آب میں پانی لانے سے ہوا۔ سنگ بنیاد رکھے جانے کے ساڑھے سات سال بعد

اپریل ۱۸۵۹ء کو پہلی مرتبہ پانی کو اس نہر میں داخل کیا گیا۔ نہر اور اس کی شاخوں کی کل لمبائی ملتان سے اوپر' ۵۶ میل کے قریب تھی' جہاں یہ دوبارہ راوی سے مل جاتی تھی۔ ۲۴۶ میل تھی اور اس پر لاگت کا تخمینہ ایک کروڑ' پینتیس لاکھ' پچاسی ہزار' پانچ سو' دو روپے لگایا گیا۔

انبالہ میں وائسرائے کا دربار

۱۸ جنوری ۱۸۶۰ء کو لارڈ کیننگ نے انبالہ میں ایک دربار منعقد کیا' جس میں سس ستلج ریاستوں کے تمام سرداروں نے شرکت کی۔ اس دربار میں وائسرائے نے ۱۸۱۴ء کی گورکھا جنگ کے دوران خاندان کے سربراہ (قدماء میں سے ایک) کی خدمات کے اعتراف میں آنجہانی راجہ کے ایک ناجائز بیٹے اگر سنگھ کے لیے ازراہ کرم شملہ کے پہاڑوں میں ریاست ہندور بحال کر دی۔ یہ ریاست حکومت برطانیہ کے قبضہ میں آ گئی تھی لیکن مقامی حکام کی خواہشات کے مطابق وائسرائے نے تسلیم شدہ وارث کی خودمختاری کو اس شرط پر بحال کر دیا کہ وہ ہر سال پانچ ہزار روپے کا خراج ادا کرے گا۔ لارڈ صاحب بہادر نے قرضہ جات اور نذرانہ کے عوض مہاراجہ پٹیالہ اور جھنڈ و نابھہ کے راجاؤں کو علاقہ میں اضافہ کی اجازت بھی دے دی۔

یہ سال ملکہ عالیہ کی طرف سے گورنر جنرل کی سفارش پر پنجاب اور پورے ہندوستان کے خودمختار سکھ اور ہندو سرداروں کو ان کی دیرینہ رسم کے معاملہ میں شفقت آمیز رعایت عطا کرنے کے لیے یادگار ہے۔

یہ کہ حقیقی وارثوں کی ناکامی کی صورت میں ہندوانہ قانون اور ان کی قوم کی رسم و رواج کے مطابق ان کی طرف سے جانشین کے انتخاب کو تسلیم کر لیا جائے گا اور جب تک ان کے گھرانے تاج برطانیہ کے وفادار رہیں گے اور حکومت برطانیہ کے لیے عہد و پیمان کے معاہدات کی شرائط پر ایمانداری سے قائم رہیں گے' اس وقت تک ان کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

مسلمان سرداروں کے لیے بھی یقین دہانی کرائی گئی۔ یہ کہ مملکت محروسہ کی خواہش ہے کہ ان کی حکومتیں قائم رہیں اور یہ کہ اسلامی قانون اور وراثت اکبر کے حقوق کے مطابق ان کی جائز جانشینی کو بحال رکھا جائے۔

گورنر جنرل نے ہندوستان کی خودمختار ریاستوں کے لیے حکومت برطانیہ کی آئندہ حکمت عملی کا اعلان مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا:

"ہمارے انتظام کی زبردست صاف گوئی اور روشن خیالی اس کی بلند آواز اور کسی مقامی حکومت کے مقابلہ میں عوام کے آئندہ فائدہ کے لیے یقینی وعدہ کے باوجود ابھی تک میرا خیال ہے کہ اپنی براہ راست حکومت کو توسیع دینے کے مقابلہ میں ہمارے سامنے ایک بلند اور زیادہ سخت فرض ہے اور یہ کہ ہمیں پہلی توجہ اس حکومت کو موجودہ حدود کے اندر مستحکم کرنے اور اپنی عام بالادستی کے لیے ان سب لوگوں کی مطمئن رضامندی اور احترام حاصل کرنے پر دینی چاہیے جو اس کی رعایا ہیں۔ ہماری بالادستی کو دلی طور پر اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جائے گا جب تک ہم خود کو ان شکوک و شبہات پر چھوڑے رکھیں گے جن کو اب محسوس کیا جا رہا ہے اور مقامی ریاستوں کے لیے ہمارے حتمی ارادے کے متعلق ہماری غیر یقینی حکمت عملی نے جس کی دلیل پیش کی ہے.... مقامی سرداروں میں اپنے متعلق الفت پیدا کرنے کے باعث ہماری حکومت کی سلامتی میں اضافہ ہوا ہے' کہ نہیں ہوئی۔

سندھیہ اور بعد میں ریوا' چرکری کے مہاراجاؤں اور وسطی ہندوستان کے وسیع خطہ پر دوسرے سرداروں کی جانی پہچانی خدمات کے قطع نظر جہاں مقامی ریاستوں نے ہمارے اختیار کو توڑ موڑ دیا ہے' میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء میں بالائی ہندوستان کی حالت کو یاد کرتا ہو اور شکرگزار نہ ہو' یہ کہ روہیل کھنڈ کے بہت بڑے اور مضبوط صوبہ کے وسط میں رامپور کی الگ تھلگ چھوٹی سی ریاست باقی رہ گئی ہے اور اس پر ابھی تک اس کے مسلمان راجہ کی حکومت ہے اور یہ کہ پنجاب کی سرحدوں اور دہلی کے اوپر اضلاع پر پٹیالہ کے راجہ اور اس کے رشتہ دار ابھی تک بلاشرکت غیر حکومت کر رہے ہیں۔

جس وقت کے بارے میں' میں بات کر رہا ہوں' مقامی حکومت کے یہ ٹکڑے اس طوفان کے لیے بند کا کام کر رہے ہیں' جو ایک بہت بڑی لہر کی صورت میں ہمارے اوپر چھا جاتا۔۔۔ اور خاموش ادوار میں ان کے اپنے مشاغل ہیں۔ بے چین افراد' جو سوائے ہتھیاروں کے کوئی پیشہ قبول نہیں کریں گے' مقامی درباروں میں پرفریب سازشیں تیار ہوتی ہیں اور جو ہماری سخت اور انتہائی رسمی حکومت سے ناراض ہوں گے وہاں اطمینان سے رہیں گے اور وہ دن آئے گا جب ہندوستان پر ایک بیرونی دشمن حملہ کرے گا یا جب انگلستان کے مفادات کے لیے ضرورت ہوگی کہ اس کی مشرقی سلطنت' غیر معمولی خطرہ سے دوچار ہوگی تو ہمارا سرمایہ انہیں مقامی ریاستوں میں ملے گا۔ لیکن انہیں یہ باور کرانے کے لیے ہمیں ان کے سرداروں اور بارسوخ خاندانوں کے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے سلوک

کرنا چاہیے۔ انھیں یہ بتا دینا چاہیے کہ ان کے شک و شبہ کے برعکس ان کی خودمختاری محفوظ ہے' یہ کہ ان کے علاقہ کو برطانوی علاقہ میں تبدیل کرنے کے لیے ہم کسی مناسب موقع کا انتظار نہیں کر رہے اور انھیں اس بات کا قائل کرنا چاہیے کہ ہمیں بے دخل کر کے اس ملک میں اور اس سے باہر کسی نئے حکمران کی حمایت حاصل کرنے میں مدد فراہم کرنے سے انھیں کچھ حاصل نہیں ہوگا"۔

یہ سچ ہے کہ حکومت برطانیہ نے لارڈ کیننگ کی وضع کردہ دانشمندانہ حکمت عملی پر ایمانداری سے عمل درآمد کیا' لہٰذا ہندوستان کے سردار تاج برطانیہ کے لیے اپنی وفاداری کے اعتماد پر پورا اترے۔

پنجاب میں قحط

۳۔ ۱۸۶۰ء میں پنجاب ایک قحط کے زبردست اثرات سے دوچار ہوا' جس نے پورے علاقہ میں ویرانی پھیلا دی۔ حکومت پنجاب نے ایک ریلیف کمیٹی قائم کی' مسٹر (بعد ازیں سر) ڈونالڈ میکلوڈ' فنانشل کمشنر کو اس کا صدر نامزد کیا گیا۔ ۱۸۶۱ء میں چند ماہ تک جن لوگوں کو روزانہ کھانا کھلایا جاتا تھا ان کی اوسط تعداد نوے ہزار اور ایک لاکھ سولہ ہزار کے درمیان تھی۔ اس تنگ دستی کو دہلی کے مضافات (وہ شہر جو چند برس پہلے عظیم بغاوت کا گڑھ تھا) میں بری طرح محسوس کیا جا رہا تھا۔ حکام نے بھوکے لوگوں کے ہجوم سے (جو روٹی کے لیے واویلا کرتے پھرتے تھے) گہری ہمدردی کا اظہار کیا' لہٰذا اس آفت کو بڑی حد تک کم کر دیا گیا۔ تخمینہ لگایا گیا کہ نصف ملین لوگوں کو امداد بہم پہنچائی گئی اور حکومت نے تقریباً ایک ملین سٹرلنگ کے تین حصے خرچ کیا۔ دہلی کی افلاک زدہ آبادی کو اس مشکل ترین دور میں امداد بہم پہنچا کر عیسائی محبت کا حقیقی مظاہرہ کیا گیا' یعنی برائی کے بدلہ میں اچھائی' کیونکہ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں چند برس قبل اس شہر میں کیا کیا گیا تھا۔

۹ جون ۱۸۶۳ء کو کابل کے امیر دوست محمد خاں کی ہنگامہ خیز زندگی کا ہرات میں خاتمہ ہوگیا' لہٰذا اس کا بیٹا شیر علی خاں اس کا جانشین بنا' جسے اپنے والد کی زندگی میں ہی ولی عہد مقرر کر دیا گیا تھا۔ ۲۸ نومبر ۱۸۶۲ء کو دہلی کی جامع مسجد (جسے ۱۸۵۷ء میں شہر پر قبضہ کے وقت سے بطور عبادت گاہ بند کر دیا گیا تھا) چند شرائط پر مسلمانوں کے حوالے کر دی گئی' جسے فسادات کے خلاف اور حکومت کے مفادات کے نقصان کے خلاف فراہم کرنے کے لیے شمار کیا جاتا تھا۔ ملتان کی مشہور و معروف عیدگاہ' ۱۸۴۸ء میں سکھوں نے جہاں مسٹر وانس اگنیو اور لیفٹیننٹ اینڈرسن کو قتل کیا تھا' وہ بھی فروری ۱۸۶۳ء میں مسلمانوں کے

حوالے کر دی گئی۔ جب سکھوں نے حملہ کر کے ملتان شہر پر قبضہ کر لیا اور وہ پٹھانوں کی مزاحمت سے مشتعل ہوگئے تو انہوں نے اسے ضبط کر لیا۔ یورپی افسران کے قتل کے وقت یہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں تھی' وہ اس جنگ میں جس کے بعد وہ افسران ہلاک ہوئے' انگریزوں کی طرف سے نہایت بے جگری سے لڑے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ملتان کے مسلمانوں کی طرف سے حکومت برطانیہ کے متعلق کسی قسم کے ناروا سلوک کے باعث اس عبادت گاہ کو کبھی بھی ضبط نہیں کیا گیا' لہٰذا ان مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے مسلمانوں کے حوالے کرنے کا حکم دیا گیا۔

مارچ ۱۸۶۲ء میں لارڈ کیننگ کے بعد ہندوستان کے وائسرائے کے عہدہ پر لارڈ ایلجن ان کے جانشین بنے' جنہیں چین میں ملکہ عالیہ کے مختار کل سفیر کی حیثیت سے متعین کیا گیا تھا' لیکن ان کا دور حکومت بہت مختصر تھا۔ شملہ سے واپسی پر وہ ۲۰ نومبر ۱۸۶۳ء کو دھرم شالہ میں انتقال کر گئے۔ ان کے دور حکومت میں بنگال میں پٹنہ کے متعصب وہابیوں اور افغانستان کی سرحد پر سیتانہ اور ملکھا کے ہندوستانیوں کے درمیان موجود ایک سازش کا پتہ چلایا گیا۔ اس کا مقصد انگریزی حکومت کے خلاف پہاڑوں کے افغانوں کا اتحاد اور پنجاب پر حملہ کرنا تھا۔ کارروائیوں کا مرکز پٹنہ تھا' جس نے جہاد کرنے کے لیے آبادی کے چند سرکردہ رہنما اور روپیہ پیسہ فراہم کیا تھا۔ بھرتی کیے گئے ان بنگالیوں میں سے بیک وقت پانچ یا چھ کی ٹولیوں پر مشتمل افراد کو خودمختار پہاڑی علاقوں کے پڑاؤ میں شامل ہونے کے لیے بھیجا گیا۔ تھانیسر میں ایک رائیں لمبردار جعفر (جو وہابی تعلیمات پر کاربند ایک چیلا تھا) نے ان کا استقبال کیا۔ پنجاب میں ایک دوسرا اہم نمائندہ محمد شفیع تھا' جو انبالہ سے نوشہرہ تک تمام چھاؤنیوں میں انگریزوں کے لیے گوشت فراہم کرنے کا ٹھیکیدار تھا۔ کیپٹن پارسنز کو اس معاملہ کی تحقیقات کرنے کے لیے خصوصی طور پر پٹنہ روانہ کیا گیا' لہٰذا مذکورہ بالا حضرات کو چند سرکردہ سرغنوں کے ساتھ مقدمہ کی تفتیش کے لیے انبالہ کے کمشنر سر ہربرٹ ایڈورڈز کے سامنے لایا گیا' چنانچہ انہیں انتقال دائمی کی سزا سنائی گئی۔

سیتانہ کے متعصب وہابیوں کے خلاف مہم' ان نام کے پہاڑوں کے باعث "انبیلہ مہم" کہلاتی ہے۔ جنرل نیوائل چیمبرلین نے بڑی جوانمردی سے اسے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ یہ متعصب وہابی زیادہ تر پہاڑ کے شمال میں واقع قصبہ اور ضلع ملکھا میں آباد تھے جو دریائے سندھ کو دریائے کابل سے جدا کرتا ہے۔ وہاں پہ اصل میں کئی دست بدست لڑائیاں ہوئیں' لہٰذا انہیں میں سے ایک میں جنرل چیمبرلین بری طرح زخمی ہوگئے۔ دشمن کافی تعداد میں

جمع تھا لہٰذا کمک روانہ کی گئی۔ ۱۵ دسمبر کو جنرل گارک (جنہیں کمان سونپی گئی تھی) نے دشمن کے ایک مستحکم مورچہ لالو پر حملہ کیا' جہاں وہ ہزاروں کی تعداد میں جمع تھے۔ وہاں دھاوا بول کر قبضہ کر لیا گیا لہٰذا دشمن فرار ہو گیا۔ اگلے روز انبیلہ پر حملہ کیا گیا اور ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد اس پر قبضہ کر لیا گیا اور دشمن افغان پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔

بونرز نے اطاعت پیش کی لہٰذا باغیوں کے اہم قصبہ ملکا پر قبضہ کر لیا گیا' مکانات کو نذر آتش کر دیا گیا اور وہاں موجود بارود کے کارخانے کو اڑا دیا گیا۔ اس زبردست سزا کے بعد انگریزی سپاہی کرسمس کے روز ۱۸۶۳ء میدانوں کی طرف لوٹ آئے۔

دستکاریوں کی پہلی نمائش

دستکاریوں اور مصنوعات کی پہلی نمائش سر رابرٹ منٹگمری کے زیراہتمام ۱۸۶۴ء میں لاہور میں منعقد کی گئی اور تقریباً چھ ہفتوں تک جاری رہی۔ پنجاب اور کشمیر کی مصنوعات کا ذخیرہ بہت مکمل تھا۔ ہمسایہ ریاستوں کے علاوہ برطانوی اضلاع سے اشیاء موصول ہوئیں اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے شائقین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

سر جان لارنس جنہیں لارڈ ایلجن کے انتقال پر گورنر جنرل اور ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا' ۱۲ جنوری ۱۸۶۴ء کو کلکتہ پہنچے۔ یورپی و مقامی سبھی طبقوں نے نہایت گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا۔ موسم گرما کے لیے شملہ میں رہنے کے بعد وہ اکتوبر میں لاہور آئے اور چھ برس کی جدائی کے بعد خود کو اپنے پنجابی دوستوں کے درمیان پا کر بہت خوش ہوئے۔ سر جان لارنس کے باکمال تذکرہ نگار نے ان کے دورۂ لاہور کے لیے پورا ایک باب وقف کر دیا ہے۔ یہ دلچسپی سے بھرپور ہے اور اس ہفتے کے دوران شہر میں تمام کارروائیوں کے متعلق واضح بیان پیش کرتا ہے۔ جتنا عرصہ ہز ایکسی لینسی نے وہاں قیام کیا۔ امرتسر میں ان کے پرانے دوستوں اور ساتھیوں' لیفٹیننٹ گورنر سر رابرٹ منٹگمری' فنانشل کمشنر مسٹر (بعدازیں' سر) ڈونالڈ میکلوڈ اور جوڈیشل کمشنر مسٹر آرتھر رابرٹس نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچنے پر پنجاب کے راجگان' سرداروں اور امراء نے اپنے پرانے سردار کا والہانہ استقبال کیا۔ وہاں ہیرے جواہرات سے جگمگاتا پٹیالہ کا نوجوان مہاراجہ' جھنڈ کا نوجوان مہاراجہ اور کپورتھلہ کا مہاراجہ بھی موجود تھا' جس نے اپنی امتیازی خدمات اور اپنی ذاتی قابلیت کے اعتراف میں ایک یا دو روز کے بعد ان کے ہاتھوں حکومت ہندوستان کا انتہائی ممتاز اعزاز حاصل کیا۔

مسٹر بوسورتھ سمتھ لکھتے ہیں: "گورنر جنرل کے دوستوں نے اچٹتی نگاہ سے انہیں دیکھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اپنی حالت میں وہ بالکل تبدیل نہیں ہوئے"۔ ایک عینی شاہد بیان کرتا ہے: "انہوں نے اسی طرح کا سادہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ ان کے اعضاء اور سر کی ویسی ہی قوی حرکات و سکنات تھیں اور ان کے پرجوش طرز عمل سے ویسا ہی پرعزم اظہار ہوتا تھا"۔

۱۷ اکتوبر کی شام کو لارنس ہال (جسے ان کے پنجابی دوستوں نے صوبے میں ان کی خدمات کی یادگار کے طور پر تعمیر کیا تھا) کا رسمی افتتاح ایک پرجوش اجتماع کی موجودگی میں کیا گیا' لہٰذا اگلے روز ۱۸ تاریخ کو پنجاب کے شہزادگان' راجگان اور امراء کے استقبال کے لیے ایک عظیم دربار کا انعقاد کیا گیا۔ اس میں کابل کے ایلچی اور کوکند کے سفیروں نے بھی شرکت کی۔ ہزایکسی لینسی کی دائیں جانب مہاراجہ کشمیر اور اس سے آگے دیگر راجگان اور شہزادے اپنے منصب کے لحاظ سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی بائیں جانب سر رابرٹ منٹگمری' سر ہنری میئن' مسٹر ڈونالڈ میکلوڈ اور دیگر ڈویژنوں کے کمشنر بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی آخری توپ کی گھن گرج ختم ہوئی' سر لارنس اٹھے اور سرداروں کے اجتماع سے ہندوستانی میں اس طرح خطاب کیا:

مہاراجگان' راجگان اور سرداران --- میری بات سنئے۔ میں تقریباً چھ برس کی غیر حاضری کے بعد آپ کے درمیان آیا ہوں اور آپ نے جس مہربانی اور الفت سے مجھے خوش آمدید کہا ہے' میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے اپنے بہت سے پرانے دوستوں سے مل کر خوشی ہوئی ہے جبکہ جو گزر چکے ہیں ان کا انتہائی افسوس بھی ہوا ہے۔ شہزادگان اور راجگان مجھے یہ دیکھ کر انتہائی اطمینان ہوا ہے کہ آپ تقریباً چھ سو کی تعداد میں اس دربار میں میرے گرد جمع ہوئے ہیں۔ میں اپنے سامنے متعدد دوستوں کے چہرے دیکھ رہا ہوں۔ میں اپنے پرانے حلیفوں' مہاراجہ کشمیر' مہاراجہ پٹیالہ' مالوہ اور مانجھا کے سکھ سرداروں' پہاڑوں کے راجپوت راجاؤں' پشاور اور کوہاٹ کے مسلمان ملکوں' ہزارہ' دہلی اور ڈیرہ جات کے سرداروں کے بیٹوں کو پہچانتا ہوں۔ سب اپنے پرانے حکمران کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

میرے دوستو' مجھے یہ بتانا ہے کہ انگلستان کی ممتاز ملکہ عالیہ' ہندوستانی عوام کے اطمینان' آرام و سکون اور فلاح و بہبود سے وابستہ تمام معاملات میں بہت زیادہ دلچسپی لیتی ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جب میں واپس اپنے آبائی وطن گیا اور مجھے ہر میجسٹی کے

سامنے کھڑا ہونے کا شرف حاصل ہوا' تو انہوں نے کس قدر مہربانی اور خلوص سے مشرق میں اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے بارے میں دریافت کیا۔ مجھے بتانے دیجئے کہ جب ملکہ عالیہ نے مجھے ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا تو کس قدر گرمجوشی سے انہوں نے مجھے آپ کے مفادات کا خیال رکھنے کی تلقین کی۔ ہر میجسٹی کے شوہر نامدار' شہزادہ البرٹ جن کی عظمت اور اچھائی کی شہرت پوری دنیا میں پھیل چکی ہے' اس ملک سے وابستہ تمام امور سے بخوبی واقف ہیں اور ہر وقت یہاں کے عوام کو خوش و خرم اور پھلتا پھولتا دیکھنے کے متمنی ہیں۔ میرے دوستو' اب اٹھارہ برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ جب میں نے لاہور کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ میں تیرہ برس تک پنجاب میں رہا' کئی سال تک میرے بھائی سر ہنری لارنس اور میں نے اس وسیع و عریض ملک پر حکومت کی۔ آپ سب انہیں بخوبی جانتے ہیں اور ایک ایسے حکمران کے طور پر جو عوام کے سچے دوست تھے' ان کی یاد آپ کے دلوں میں ہمیشہ قائم رہے گی۔ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ جس دن سے ہم نے اس سرزمین پر حکومت سنبھالی' تو ہم نے اپنے ذمہ لگائے جانے والے فرض کی تکمیل کے لیے نہ تو اپنا وقت' نہ محنت اور نہ ہی اپنی صحت کا خیال کیا۔ ہم نے ہر طبقے اور قوم کے رسم و رواج' احساسات اور ضروریات سے خود کو بخوبی آشنا کرنے کے لیے مطالعہ کیا اور سب کی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اس صوبہ کے چند حصے ہیں جہاں میں نہیں گیا اور اس کی مجھے امید ہے کہ میں نے کسی حد تک اپنے دورہ کی بہتری کے لیے انہیں نہیں چھوڑا تھا۔ جب سے انگریزی حکومت متعارف کرائی گئی ہے ہر قسم کے محصول کو کم کیا گیا ہے' نہریں اور سڑکیں تعمیر کی گئیں ہیں اور علم و ہنر کی مدد سے قائم کیے گئے ہیں۔ اعلیٰ سے ادنیٰ تک لوگ مطمئن ہوئے ہیں اور انہوں نے خود کو وفادار ثابت کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی عظیم فوجی بغاوت رونما ہوئی تو انہوں نے انتہائی موثر طور پر اس کا خاتمہ کرنے کے لیے اپنے حکمرانوں کی مدد کی۔ سرداروں نے اپنی افواج جمع کیں' جنہوں نے ایمانداری سے خدمات سرانجام دیں' پنجاب کے ہزاروں سپاہی ہمارے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور اس عظیم جدوجہد کے سرد و گرم میں انگریزی سپاہیوں کے حصہ دار بنے۔ شہزادگان و معززین' اگر کسی ملک کے حکمرانوں کے لیے اپنے عوام کی زبان کو سمجھنا اور ان کے احساسات کو سراہنا مستحسن عمل ہے' تو یہ نہایت اہم بات ہے کہ عوام بھی اسی طرح اپنے حکمرانوں کے بارے میں علم رکھیں۔ یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب دونوں طبقے اکٹھے اور مل جل کر ہنسی خوشی رہیں۔ اس مقصد کے لیے میں آپ پر زور دیتا ہوں کہ اپنے بیٹوں' حتیٰ کہ اپنی بیٹیوں

کو بھی تعلیم سے آشنا کیجئے۔ آپ نے انگریزی حکومت سے جو ٹھوس فوائد حاصل کیے ہیں' اب میں ان میں سے صرف ایک کے بارے میں بتاؤں گا۔ اس نے ملک کو متعدد اعلیٰ منتظمین دیے ہیں۔ میرے قابل ترین اور مہربان ترین ہم وطنوں میں سے چند کو پنجاب میں متعین کیا گیا۔ اعلیٰ سے ادنیٰ تک ہر شخص' ایک اچھے حکمران کی تعریف کر سکتا ہے۔ آپ کے پاس سر رابرٹ منٹگمری' مسٹر ڈونالڈ میکلوڈ' مسٹر رابرٹس' سر ہربرٹ ایڈورڈز' کرنل لیک اور کرنل جان نکلسن جیسے افسران ہیں' جنھوں نے آپ کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر دیا ہے۔

میں اب صرف اس عظیم خدا سے دعا کروں گا (جو اس دنیا کی تمام اقوام اور تمام لوگوں کا خدا ہے) کہ وہ آپ کی حفاظت کرے' آپ کو اپنی پناہ میں رکھے اور آپ سب کو محبت' انصاف سکھائے اور جبر و ستم سے نفرت کرنا سکھائے اور مختلف انداز میں' آپ میں سے ہر ایک کو حتی المقدور اچھائی کرنے کے قابل بنائے۔ وہ آپ کو وہ سب کچھ دے جو حقیقی طور پر آپ کے فائدہ میں ہو۔ میں جب تک زندہ رہوں گا تو میں پنجاب میں گزارے ہوئے ماہ و سال اور اس صوبہ میں حاصل کردہ اپنے دوستوں کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔۔۔

گورنر جنرل کے الفاظ نے براہ راست سامعین کے دل پر اثر کیا' جنہیں ان کی اپنی زبان میں مخاطب کیا گیا تھا۔ وہ سادہ اور شیریں تھے اور انتہائی سادہ انداز میں' اپنے حکمرانوں اور خود اپنے لیے فرض کے بارے میں بتایا گیا۔ وہ پدرانہ نصیحت سے لبریز تھے اور ان سے پتہ چلتا تھا کہ اس عظیم مقرر کو' ان افراد کے درمیان خود کو گھرا ہوا پا کر کس قدر خوشی ہوئی' جن کی فلاح و بہبود کے لیے انہوں نے اور ان کے عظیم کام کے رفیق افسران نے کافی عرصے تک جانفشانی سے کام کیا۔ سب لوگ ان کی بلند و بالا وضع قطع' ان کے سنگلاخ چہرے اور مضبوط ڈھنگ کو بغور دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جس زبردست انسان دوستی اور خوش خلقی کا اظہار کیا' اس سے سب لوگ بہت محظوظ ہوئے۔ ماضی کے شاندار واقعات کی شکرگزار یاد' مستقبل کے لیے ان کی درخشاں پیش بینی اور امیدوں اور آخر میں وہاں موجود لوگوں کی خوشی اور خوشحالی کے لیے ان کی دعا سے ہر دل متاثر ہوا۔ وہاں جمع سرداروں سے مقامی زبان میں ان کا خطاب' حقیقی جذبات کا ترجمان تھا اور یہ کسی بلند حکمت عملی سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا اور جن لوگوں نے ان کی تقریر سنی' وہ اس کو اتنی جلد فراموش نہیں کر سکیں گے۔

ضلع منٹگمری کا قیام

جب لاہور اور ملتان کے درمیان ریلوے لائن زیر تعمیر تھی' تو یہ مناسب خیال کیا گیا کہ ضلع گوگیرہ کے صدر مقام کو لائن پر کسی ایسے مقام پر منتقل کر دیا جائے' جو گوگیرہ سے کسی غیر مناسب جگہ پر واقع نہ ہو' ضلع کے صدر مقام کے لیے منتخب شدہ مقام کے ساتھ ضلع کو بھی لیفٹیننٹ گورنر کے نام کی نسبت سے منٹگمری کا نام دے دیا گیا۔

سر رابرٹ منٹگمری کے زیرانتظام پنجاب میں زنانہ تعلیم کو ترقی دی گئی۔ ان کے دور میں خوبصورت باغات لگائے گئے (جو اب شہر لاہور کا احاطہ کیے ہوئے ہیں) اور ان کے درمیان بہنے والی نہر کھودی گئی' لارڈ کینینگ نے سر جان لارنس کے دور میں' پنجاب میں ہونے والے کام کا معائنہ کرتے ہوئے کہا:

مابعد ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی اپنے ملک کے لیے پنجاب کے موجودہ لیفٹیننٹ گورنر مسٹر منٹگمری کا احسان مند ہے۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں اور میری اس بارے میں یہی رائے ہے کہ ان کے فوری اور جرات مندانہ مشورے ہمیشہ درست اور انتہائی فیاضانہ مشاہدے کے حامل ہوتے رہے ہیں۔

سر رابرٹ منٹگمری نے ۱۰ جنوری ۱۸۶۵ء کو اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ اس سے تین روز پیشتر' مقامی سرداروں اور معززین شہر کی طرف سے انہیں الوداع کہنے کے لیے ایک عوامی دربار منعقد کیا گیا' انہیں ایک خطاب پیش کیا گیا' جس میں صوبہ کے لیے ان کے انتظام کے ذریعے مفادات اور ان کی فلاح و بہبود میں ان کی دلچسپی کے لیے انہوں نے احسان مندی کا اظہار کیا۔ ان کی انگلستان روانگی کے بعد انہوں نے ان کی یاد میں ایک عالیشان یادگار تعمیر کی' جو اب سر ہنری لارنس کے نام کی حامل یادگار کے ساتھ' منٹگمری ہال کی صورت میں استادہ ہے۔ لاہور سے روانگی سے قبل انگریز افسران اور شرفاء نے لارنس ہال میں سر رابرٹ کو ضیافت دی۔ اس اجلاس میں جوڈیشل کمشنر کے عہدہ پر ان کے جانشین مسٹر آرتھر رابرٹس نے ایک تعریفی تقریر میں ان کی شاندار خدمات کو گنوایا' لہٰذا اپنے رخصت ہونے والے حکمران کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے سبھی شامل ہوئے۔

سر رابرٹ منٹگمری کے بعد لیفٹیننٹ گورنر کے عہدہ پر سر ڈونالڈ میکلوڈ ان کے جانشین بنے' وہ ایک باکمال حکمران تھے' جنہوں نے پنجاب کے نظم و نسق میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا' یہ جب سے برطانوی صوبہ بنا' انہوں نے ۱۸۴۹ء میں بنارس سے جالندھر کے کمشنر کی حیثیت سے پنجاب میں شمولیت اختیار کی' اس عہدہ کے لیے انہیں سر جان لارنس کے بعد

منتخب کیا گیا' انہیں بورڈ میں ایک نشست حاصل ہوگئی تھی۔ خدا ترس اور قدرتی طور پر متحمل مزاج سر ڈونالڈ' جن احساسات کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے اپنے نئے عہدہ پر فائز ہوئے انہیں یکم جنوری ۱۸۶۵ء کو اس واقعہ سے چند روز پیشتر تحریر کردہ خط کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے اکٹھا کیا جا سکتا ہے:(۴)

سچ یہ ہے جب میں مڑ کر ماضی اور حال کی طرف دیکھتا ہوں تو مجھے حیرانی ہوتی ہے اور مجھ میں متضاد احساسات پیدا ہو جاتے ہیں' جن کے باعث اس بات پر ندامت ہوتی ہے کہ جو شخص کمزوریوں اور ناکامیوں سے بھرپور ہے اسے ایک ایسے عہدہ پر فائز کر دیا گیا ہے جس عہدے پر پہلے مضبوط اور توانا' سر ہنری اور سر جان لارنس اپنی شہرت کما چکے ہیں' جس عہدے کو سر رابرٹ منٹگمری نے گزشتہ پانچ برس کے دوران نیکیوں سے عزت بخشی ہے' جو شاذونادر ہی کسی ایک شخص میں جمع ہوتی ہیں اور اس پر ایسے اشخاص کو فائز کیا جاتا رہا ہے جو قابلیت' طاقت اور کامیابی کے حامل تھے' جس نے ان کے جانشین کے کام کو کٹھن اور ذمہ دار بنا دیا ہے۔ مجھے اپنی کمزوری کا احساس ہے اور متعدد اچھے افراد کی دعائیں ہی میری واحد طاقت ہیں اور میں یہ خوب اچھی طرح جانتا ہوں اور اچھی طرح محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے کبھی مذکورہ اشخاص کی رہنمائی اور طاقت ملنا بند ہوگئی تو میں ضرور ناکام ہو جاؤں گا۔ خدا کرے ایسا کبھی نہ ہو' میں اب جس حیثیت میں ہوں وہاں میں اپنے آپ کو خوشی سے زیادہ سنجیدگی میں پاتا ہوں...... میں اس شک کو کبھی بھی اپنے نزدیک نہیں آنے دوں گا کہ اس انتہائی دلچسپ صوبہ کی فلاح و بہبود کے لیے اسے ایک دانا حکمران کے احکامات میں لایا گیا ہے------

چیف کورٹ پنجاب کا قیام

۱۸۶۵ء میں جوڈیشل کمشنر کے عہدہ کو ختم کر کے دو ججوں پر مشتمل ایک چیف کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا' جسے دیوانی اور فوجداری مقدمات میں حتمی اپیل کا اختیار حاصل تھا۔ بعد کے سالوں میں دو اضافی ججوں کے ذریعے عدالت کے عملہ کو مستحکم بنایا گیا۔ پہلے سویلین جج مسٹر ایچ اے رابرٹس (جو جوڈیشل کمشنر رہ چکے تھے) اور بیرسٹر جج مسٹر چارلس بولنوکس تھے۔

افغانستان میں خانہ جنگی

امیر دوست محمد خاں کے انتقال کے بعد کابل کے تخت پر شیر علی خاں کی جانشینی کے

لیے' شیر علی کے بھائیوں محمد افضل خاں اور محمد عظیم خاں کے درمیان مقابلہ بازی شروع ہوگئی' لہٰذا افغانستان میں خانہ جنگیوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا' جس کے نتیجہ میں شیر علی کو شکست ہوگئی اور افضل خاں تخت پر قابض ہوگیا۔ ۷ جنوری ۱۸۶۷ء کو خلعت غلزائی کے مقام پر شیر علی خاں کی فوج اور سردار محمد عظیم خاں اور محمد افضل خاں کے بیٹے عبدالرحمٰن کی قیادت میں کابلی فوج کے درمیان ایک لڑائی میں' شیر علی خاں کو دوبارہ اٹھارہ توپوں کے نقصان کے ساتھ تباہ کن شکست ہوئی اور وہ ہرات کی طرف چلا گیا۔ لہٰذا ۲۶ جنوری کو افغانستان کا مغربی دارالحکومت' فاتحین کے قبضہ میں آگیا۔

محمد افضل خاں نے حکومت برطانیہ کو اپنی اہم کامیابی کے حصول سے آگاہ کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ سر جان لارنس نے والی کابل و ہرات' امیر محمد افضل خاں کو ایسے واقع پر مبارک باد دی' جس سے امن و امان لانے اور ایک مضبوط حکومت کے قیام کا امکان تھا۔ اس موقع پر گورنر جنرل نے صاف صاف بتایا کہ انھیں شیر علی خاں کی حکومت ختم ہونے کا ذاتی طور پر افسوس ہوا ہے' جس نے حکومت برطانیہ کے ساتھ اپنے تعلقات میں کوئی خلاف ورزی نہیں کی اور یہ کہ سختی سے ایک غیر جانبدار حکمت عملی پر عمل پیرا ہونے کے باوجود ہزایکسی لینسی نے اسے (محمد افضل خاں کو) قندھار اور کابل کے حقیقی حکمران کی حیثیت سے تسلیم کر لیا اور اسے حکومت برطانیہ کے امن اور نیک خواہشات کی پیشکش کی اور اسی طرح شیر علی خاں ہرات پر قبضہ کرتا اور حکومت برطانیہ کے ساتھ دوستی قائم رکھتا تو اسے بھی ہرات کے حکمران کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جاتا اور اس کے ساتھ دوستی کا تبادلہ کیا جاتا۔

یکم اکتوبر ۱۸۶۷ء کو افضل خاں کا انتقال ہوگیا اور اس کا بھائی محمد عظیم خاں اس کا جانشین بنا۔ دریں اثناء شیر علی خاں جو ابھی تک ہرات میں پاؤں جمائے بیٹھا تھا' اپنی مسلسل ناکامی سے دلبرداشتہ نہیں ہوا' اس نے کابل پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے سرگرمی سے تیاریاں کیں۔ اس نے پنج شہر کے مقام پر کابلی فوج پر حملہ کیا اور ۲۶ اگست ۱۸۶۸ء کو مکمل فتح حاصل کی۔ عظیم خاں شمال کی طرف فرار ہوگیا اور شیر علی خاں ۸ ستمبر کو فاتحانہ انداز میں کابل میں داخل ہوا۔

ستمبر ۱۸۶۸ء میں ان قبائل کے خلاف ایک مہم کا آغاز کر دیا گیا' جو کوہ سیاہ (انبیلہ مہم کی آبادی کے قریب) پنجاب کے شمال مغرب میں واقع دیگر پہاڑوں پر قابض تھے۔ حسن کی قبیلہ نے لڑائی کا آغاز کر دیا' اس نے ایک سرحدی پولیس کی چوکی پر حملہ کر دیا اور

چونکہ تاوان کے لیے حکومت کے مطالبات تسلیم کرنے کی خاطر کسی قسم کی یقین دہانی نہیں کرائی گئی تھی' اس لیے سزا سے دوچار کرنے کو ضروری خیال کیا گیا۔ جنرل وائلڈ کی قیادت میں ایک مہم تشکیل دی گئی' لہٰذا جب برطانوی فوج اکتوبر میں اوغی کی طرف بڑھی تو متعدد جھڑپیں ہوئیں جن میں قبائل کو مکمل طور پر شکست دے دی گئی اور ان کے بہت سے دیہاتوں کو تباہ کر دیا گیا۔ جب قبائل کے سرداروں کو مزید مزاحمت کی امید نہ رہی' تو انہوں نے اطاعت پیش کر دی' لہٰذا برطانوی فوج کو واپس بلا لیا گیا۔

سال ۱۸۶۸ء پنجاب میں پہلے قانون کرایہ داری کے قیام کے لیے قابل ذکر ہے (۱۸۶۸ء کا XXVIII) اس ایکٹ کے ذریعے زمین کے موروثی قابضین کے حقوق ملکیت (جن کا ابھی تک تعین نہیں کیا گیا تھا) کو قانونی حیثیت حاصل ہوگئی اور انہیں تسلیم کر لیا گیا۔ ایک باقاعدہ حکومت کے تحت (زمین کے بارے میں جس کا لگان اعتدال پسندانہ تھا) زمین کی مالیت میں اضافہ کیا گیا' لہٰذا مالک زمین اور کرایہ دار کے متضاد مفادات میں تصادم سے بچنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایک ایسا قانون متعارف کرایا جائے جو کرایہ دار کی حیثیت کا تعین کرے۔ اس سے مالک زمین اور کرایہ دار اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہوگئے اور اپنے باہمی فائدے کے لیے مل جل کر کام کرنے لگے۔ اس سے اراضی کے لیے انتہائی سودمند نتائج کی توقع کی گئی۔ اس وقت متعارف کرائے گئے قانون میں اس امید کا پورا خیال رکھا گیا--- پنجاب ٹیننسی ایکٹ کا تعارف قوانین وضع کرنے کے لیے کونسل میں سر جان لارنس کی آخری دستوری تدبیر تھی۔ اس ایکٹ کو ۱۸۸۷ء کے XVI ایکٹ نے منسوخ کیا۔

پنجاب یونیورسٹی کالج کا قیام

۱۸۶۸ء میں حکومت پنجاب نے لاہور میں ایک یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے اقتدار اعلیٰ کو ایک تجویز پیش کی۔ کثیر خط و کتابت کے بعد شاہی حکومت نے ازراہ کرم' ایک ادارے کے قیام کی منظوری دے دی' اسے "لاہور یونیورسٹی کالج" کا نام دیا گیا۔ اس کے ساتھ ایک سینٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ لیفٹیننٹ گورنر آف پنجاب اس کے صدر تھے' چند بااعتبار عہدہ اراکین حکومت نے مقرر کیے' لہٰذا پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر نے ادارے کے ممتاز خیر خواہ اور اس کو حقیقی معنوں میں ترقی دینے والے یا ادب و سائنس میں ممتاز حیثیت کے حامل افراد کو اس کے ارکان کے طور پر نامزد کیا۔ سینٹ کو قیام کے بعد اپنی مرضی سے فیلو شپ اور سکالر شپ کے قیام کی خاطر آمدنی میں اضافہ کرنے' ادارے کے اصولوں کے مطابق تعلیمی اداروں کو امدادی گرانٹس دینے' انگریزی کی معیاری کتابوں کے

دیسی زبان میں تراجم کے لیے اور مشرقی ادب کے ترجیحی مطالعہ کی حوصلہ افزائی کے لیے انعامات دینے' چند منظور شدہ اصولوں پر سینٹ کے تشکیل دیے گئے ضوابط کے تحت' امتحانات کے انعقاد کے بعد "استعداد کی اسناد" دینے کے اختیارات دیے گئے (جس کا عمومی مقصد مغربی ادب کے پھیلاؤ کے لیے جہاں تک ممکن ہو ملکی زبان کے ذریعے' لیکن جہاں یہ ممکن نہ ہو' انگریزی زبان کے ذریعے تعلیم دینے کی حوصلہ افزائی کرنا تھا)۔ اس کے علاوہ سینٹ کو صوبہ کی تعلیم سے متعلق معاملات میں حکومت کے تعلیمی افسران کے ساتھ "کونسل آف ایجوکیشن" یا "مشاورتی ادارہ" کی حیثیت حاصل تھی۔ ادارے کی مدد کے لیے حکومت نے چندوں اور عطیات کی آمدنی کے مساوی ۲۱ ہزار روپے سالانہ تک کی رقم کی منظوری دی۔ آخر میں فی الحال "یونیورسٹی" کا درجہ دینے کی اجازت نہیں دی اور ڈگریاں عطا کرنے کا اختیار دینے سے گریز کیا۔ شاہی حکومت نے مطلع کیا کہ پہلے یہ ادارہ ایک یونیورسٹی کے شایان شان اپنے برتر رتبہ کو ثابت کرے تو اس فیصلہ کے اس حصہ پر از سرنو غور کیا جائے گا۔ عام طور پر دیسی ادب کی توسیع و ترقی اور مشرقی کلاسیکی زبانوں و ادب کے ترجیحی مطالعہ کی حوصلہ افزائی کے لیے اس خیال کی ابتداء سر ڈونالڈ میکلوڈ سے ہوئی۔ انہوں نے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن سے اس موضوع پر بات کی اور اس منصوبہ کی ترقی کے لیے اپنے خیالات کا بھرپور اظہار کیا۔ ڈائریکٹر نے یہ خیالات انجمن پنجاب تک پہنچائے۔ یہ انجمن لاہور میں ڈاکٹر لیسٹر کی زیر صدارت قائم کی گئی تھی' جس کا مقصد مفید علم کا پھیلاؤ تھا۔ انجمن اور اس کے عالم فاضل صدر نے اس موضوع کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا' لہذا یورپی و مقامی ارکان کے متعدد معروف اجلاسوں میں' جن میں متعدد معزز اشخاص شریک ہوئے (مثلاً سر چارلس ایچی سن اور سر جیمز لائل) سر ڈونالڈ میکلوڈ کا منصوبہ' یونیورسٹی کی تحریک میں پروان چڑھ گیا۔ لہذا تب سے یہ درست کہا جاتا ہے کہ پنجاب میں یونیورسٹی نے اپنی ابتداء انجمن پنجاب سے حاصل کی۔

لاہور اورینٹل سکول و کالج

یونیورسٹی کالج کی پالیسی کو جاری رکھنے کے لیے سینٹ نے لاہور میں ایک اورینٹل سکول و کالج قائم کیا اور اس میں درس و تدریس' ادبی فیلو شپ اور سکالر شپ کا اہتمام کیا اور تعلیم کے مختلف مضامین میں سرکاری امتحانات منعقد کیے' جن میں حوصلہ افزائی کی ضرورت تھی۔

امیر شیر علی خاں' ہندوستان کے وائسرائے کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے اپنی

خواہش کا اظہار کر چکا تھا۔ مگر ناقابل عبور قسم کی رکاوٹوں نے دونوں ممالک کی سرحد پر سر جان لارنس کو امیر کے ساتھ ملاقات سے روکا ہوا تھا۔ جب لارڈ میو نے ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا تو امیر نے دوبارہ ملکہ عالیہ کے نمائندے کے ساتھ ملاقات کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ ہز ایکسی لینسی نے اس درخواست کو فوراً قبول کیا' لہٰذا اس بات کا انتظام کیا گیا کہ ملاقات کی جگہ انبالہ ہونی چاہیے۔ امیر اپنے بیٹے عبداللہ جان' اپنے سیکرٹری سید نورالدین شاہ' میر حاجب شیر دل خاں شاہ غازی اور دوسروں کے ہمراہ ۳ مارچ ۱۸۶۹ء کو برطانوی علاقے میں داخل ہوا۔ لیفٹیننٹ گورنر نے لاہور سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر اس کا استقبال کیا اور شاہی فوج کی حفاظت میں اس کو قلعہ کے اندر سرکاری مہمان خانے میں لائے' جہاں پانچ روز تک اس کی خوب خاطر مدارات کی گئیں۔ منٹگمری ہال میں اس کے اعزاز میں ایک دربار منعقد کیا گیا جس میں پنجاب کے تمام علاقوں کے مقامی سرداروں اور امراء نے شرکت کی' لہٰذا شالامار باغ (جس میں پر تکلف انداز میں چراغاں کیا گیا تھا) میں ایک شاندار ضیافت دی گئی۔ ۲۷ مارچ کی سہ پہر کو وائسرائے نے انبالہ میں ایک عوامی دربار میں امیر کا استقبال کیا' جس میں افسران' جاگیرداروں' سرداروں اور مقامی شرفاء نے شرکت کی۔

شیر علی کو افغانستان کا امیر تسلیم کر لیا گیا اور اس نے نہایت گراں قدر مالیت کے تحائف کے علاوہ بارہ لاکھ روپے سالانہ کی امداد کا وعدہ بھی وصول کیا۔ لارڈ میو نے اپنے پیشرو کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے امیر کو یقین دلایا کہ حکومت برطانیہ اسے افغانستان کا قانونی اور حقیقی حکمران سمجھتی ہے اور چونکہ وہ اس بات کی خواہش نہیں رکھتی کہ کوئی نیا مدمقابل اسے اقتدار سے محروم کر دے' لہٰذا کسی طرح بھی اس حکومت کے گھریلو جھگڑوں اور خانہ جنگیوں میں ملوث ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ایک ہفتہ کے معائنوں' دعوتوں اور دیگر ضیافتوں کے بعد امیر واپس کابل کی طرف لوٹ گیا' اس نے اس سے پیشتر ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کو اپنے استقبال کی شان و شوکت اور مہربانی پر حاصل ہونے والی اپنی خوشی کی اطلاع دے دی تھی۔

فروری ۱۸۷۰ء میں ہر میجسٹی ملکہ وکٹوریہ کے دوسرے بیٹے' ہز رائل ہائی نس شہزادہ ایلفرڈ' ڈیوک آف ایڈنبرگ نے اپنے دورہ سے پنجاب کو عزت سے سرفراز فرمایا۔ شاہی مہمان کے شایان شان استقبال کیا گیا اور اس موقع پر شاندار جشن' خوشیوں اور تاج برطانیہ کے لیے مخلصی وفاداری کے مظاہرے قابل ذکر ہیں۔ ہز رائل ہائی نس ۵ فروری کو

دہلی پہنچے' اس وقت شہر میں پر تکلف چراغاں کیا گیا۔ ۷ تاریخ کو شہریوں نے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے سپاسنامہ پیش کیا' لہٰذا انہوں نے قلعہ' محل' جامع مسجد اور ۱۸۵۷ء میں دہلی کے محاصرہ کے دوران برطانوی فوج کا مورچہ دیکھا۔ اگلے روز انہوں نے قطب میں کھنڈرات اور ہمایوں کے مقبرہ کی سیر کی اور ۹ تاریخ کو لاہور پہنچے۔ یہاں لیفٹیننٹ گورنر سول و ملٹری حکام' سرکردہ جاگیرداروں اور صوبہ کے سرداروں مثلاً مہاراجہ جموں و کشمیر' مہاراجہ پٹیالہ' نواب بہاولپور' جھنڈ' نابھہ' کپور تھلہ کے راجگان اور دوسروں نے ہزرائل ہائی نیس کا استقبال کیا۔ سبھی نے ممتاز مہمان کو تہ دل سے خوش آمدید کہا۔

لاہور میں قیام کے دوران ہزرائل ہائی نیس کو یورپی و مقامی شہریوں کی جانب سے سپاسنامے موصول ہوئے۔ انہوں نے شہزادگان' راجگان اور نوابین اور سول و ملٹری حکام کے ہمراہ شہر' قلعہ اور محل کا سرکاری دورہ کیا اور میاں میر میں سپاہیوں کی ورکشاپ نمائش کا افتتاح کیا۔ میاں میر میں افواج کا عظیم الشان معائنہ منٹگمری ہال میں پراونشل بال اور گورنمنٹ ہاؤس میں علمی گفتگو ہوئی۔ ۱۲ تاریخ کو ہز رائل ہائی نیس امرتسر روانہ ہوئے' جہاں شہریوں نے انہیں سپاسنامہ پیش کیا' لہٰذا انہوں نے سکھ گوردوارہ اور مقدس تالاب کا دورہ کیا' جسے ان کے دورہ کی مناسبت سے پر تکلف انداز اور انتہائی فیاضی سے روشن کیا گیا تھا۔ اگلی صبح ہزرائل ہائی نیس سہارنپور روانہ ہوگئے۔

ان کے دورہ کے موقع پر یورپی اور مقامی باشندوں کے تمام طبقوں کے درمیان زبردست جوش و خروش پیدا ہوگیا' لہٰذا ان کے خطاب' خوش خلقی اور متحمل مزاجی کے باعث سب نے ان کا احترام اور تعریف کی۔ لوگوں پر ان کے دورہ کے اخلاقی اثر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اپنی انتہائی جلیل القدر اور مہربان ملکہ کے بیٹے کو دیکھ کر ان کے دل باغ باغ ہوگئے۔ انہوں نے اب اپنی آنکھوں سے انگلستان کے شاہی خاندان کے شہزادے کو دیکھ لیا تھا اور ان کے خیالات اب ملکہ انگلستان کی مہربان حکومت کی عنایات پر مرتکز ہوگئے تھے۔ ہزرائل ہائی نیس کے دورہ پنجاب کی یادگار کے طور پر نواب بہاولپور' مہاراجہ پٹیالہ اور جھنڈ نابھہ کے راجاؤں نے پنجاب یونیورسٹی کالج سے وابستہ' ہزرائل ہائی نیس کے نام سے منسوب وظائف اور فیلوشپ قائم کیے۔

سر ڈونالڈ میکلوڈ نے نہروں' سڑکوں اور ریلوے کی تعمیر کے ذریعے پنجاب کے وسائل کو ترقی دینے کے لیے اپنے پیش رووں کی شروع کی گئی حکمت عملی کو زور شور سے جاری رکھا۔ انہوں نے صوبہ کے لیے نئی پیداواروں (مثلاً کونین' ریشم' چینی گھاس اور اچھے معیار

کی جائے) کی کاشت میں سرگرمی سے دلچسپی لی۔ انہوں نے کپاس' پٹ سن' بھنگ اور دیگر اشیاء کی کاشت کو ترقی دینے کے لیے تدابیر اختیار کیں۔ پنجاب کی ایگری ہارٹیکلچرل سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے انہوں نے نہ صرف ہندوستان کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک بلکہ کابل اور دور دراز کے ممالک' انگلستان اور آسٹریلیا سے بھی پودے اور درخت منگوائے اور ان کا ایک حصہ پنجاب کے سرداروں اور امراء میں تقسیم کر دیا۔ انہیں فطرت کے کاموں میں حصہ لے کر انتہائی خوشی حاصل ہوتی تھی' چنانچہ وہ ملک کی پیداواروں کو ترقی دینے میں زبردست دلچسپی لیتے اور اس مقولہ پر عمل کرتے تھے کہ وہ شخص جو ایسی زمین پر گھاس کی دو پتیاں اگاتا ہے (جہاں پہلے کچھ نہ اگا ہو) تو وہ اصل میں اپنی قوم کا خیرخواہ ہے۔

سر ڈونالڈ میکلوڈ نے' میڈیکل کالج لاہور اور صوبہ میں قائم ڈسپنسریوں کے جاری عمل اور چیچک کے ٹیکے لگانے کے کام کو توسیع دینے میں بھی سرگرمی سے دلچسپی لی۔ یہ ان کی فطرت میں شامل تھا کہ وہ اپنے ہم جنس انسانوں کی مشکلات کو حتی المقدور کم اور گھٹا سکیں' لہٰذا اس سلسلہ میں جو بھی تدبیر ہو سکتی تھی وہ اس پر پوری توجہ دیتے اور اس سے تعاون کرتے تھے۔ انہوں نے تین سو سے زائد مقامات پر بلدیاتی ادارے قائم کیے' تاکہ لوگوں کو اپنے معاملات نپٹانے کے لیے تربیت دی جا سکے اور ملک کے تعلیمی نظام میں انہیں اظہار رائے کا موقع دیا جا سکے۔ سکولوں کے لیے امدادی عطیات کے نظام کے ضوابط انہوں نے ایک بے باک جذبہ کے تحت لاگو کیے تھے۔ ان تمام لوگوں نے عوام کی بہتری کے لیے ان کی انتھک کوششوں کو سراہا' جو ملک کی ترقی میں حقیقی دلچسپی لیتے تھے' لہٰذا انہوں نے حکومت اور لوگوں کی فلاح و بہبود سے متعلق مختلف موضوعات پر متعدد بہترین مقالے تحریر کیے۔ مقامی و برطانوی حکومت کی متعلقہ خوبیوں پر ان کے ۵ ستمبر ۱۸۶۷ء کو تحریر کردہ مراسلہ سے مندرجہ ذیل اقتباسات دلچسپ ثابت ہو سکتے ہیں:

میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص جو واقعی ہندوستان کو جانتا ہو اور وہ اس سے انکار کرنے کی کوشش کرے کہ برطانوی حکومت کے تحت جان و مال کی حفاظت' ہر قسم کے جبر و ستم سے آزادی' قائم شدہ۔نظم و ضبط کے استحکام' سرمایہ کی تحصیل و استفادہ کے لیے سہولیات کی فراہمی اور تجارت کی ترقی کے لیے حوصلہ افزائی کو لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے ہمارے اردگرد موجود مقامی ریاستوں میں موجود لاقانونیت کے مقابلہ میں بہت زیادہ ترجیح دی۔

جہاں کوئی انگریز' لوگوں کے ساتھ ایک گرمجوش اور معتدل ہمدردی کا اظہار کرتا ہے'

تو وہ مسلسل اچوک انداز میں اس کا جواب دیتے ہیں اور الفت آمیز جذبات کے ساتھ اس کا احترام کرتے ہیں اور حکومت کے معاملہ میں بھی مجھے یقین ہے' یہی نتیجہ برآمد ہو گا کیونکہ لوگ اس کی انصاف سے محبت' مقصد کے ساتھ اس کی ایمانداری اور اس کے استحکام کو پوری طرح سراہتے اور اس کی تعریف کرتے ہیں اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اگر انہیں اس کی ہمدردی کے جذبے کا ادراک ہو جائے (جسے آسانی سے یاد کیا جاتا ہے' مگر اسے بیان کرنا بہت مشکل ہے) تو وہ اس کی خاطر جانثار وفاداری کے لیے بالکل تیار ہو جائیں گے۔ قصہ مختصر ہمیں لوگوں کا مطالعہ کرنا چاہیے' ان کی خواہشات اور جذبات میں حصہ لینا چاہیے اور انہیں اعتماد میں لینا چاہیے' اس سے ہم اس اجنبیت کو بڑی حد تک دور یا کم کر لیں گے جو اس وقت نسلی تفاوت کی صورت میں موجود ہے۔

جنوری ۱۸۷۰ء میں سر ڈونالڈ میکلوڈ کی پانچ سالہ مدت ملازمت ختم ہو گئی تو ان سے مزید چھ ماہ کے عرصہ تک یہیں رہنے کی درخواست کی گئی۔ اس مدت کے خاتمہ پر انہوں نے یکم جون کو اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ ۵ مئی کو ان کے اعزاز میں منٹگمری ہال میں ایک الوداعی ضیافت دی گئی' جس کی صدارت ہز ایکسی لینسی وائسرائے نے کی۔ اس موقع پر وائسرائے اور مگدلا کے لارڈ نیپر نے رخصت ہونے والے لیفٹیننٹ گورنر کی صفات بیان کیں اور ان کی خدمات کو سراہا۔ وہاں موجود کوئی شخص بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ اس موقع پر جن معزز مہمانوں نے اپنی شرکت سے اس دعوت کو وقار بخشا ہے' ان میں سے تین انتہائی مختصر عرصہ میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے——— لارڈ میو ایک افغان حملہ آور کے چاقو سے سر ہنری ڈیورینڈ اور سر ڈونالڈ میکلوڈ خوفناک حادثات کے باعث ان کی رخصتی کے بعد پنجاب کے یورپی شہریوں نے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ گورنر کے احترام اور محبت کے اظہار کے لیے ایک "یادگارہ چندہ" جمع کیا۔ جمع شدہ رقم سے انہوں نے پبلک ہال میں پنجاب کے دیگر منتظمین کے درمیان سر ڈونالڈ میکلوڈ کی ایک شاندار تصویر آویزاں کی اور "میکلوڈ پرائز میڈل" کے نام سے ایک تمغہ شروع کیا' جسے پنجاب کے طالب علموں کے لیے سالانہ مقابلے کی خاطر جاری کیا گیا تھا اور یہ انعام کے طور پر اس طالب علم کو دینے کے لیے تھا' جس نے شرقی ادب عالیہ میں اعلیٰ امتحان کو پاس کیا ہو اور اسے انگریزی زبان کے علم پر عبور ہو۔ تمغہ کی پیشانی پر سر ڈونالڈ کی شبیہ تھی اور اس کی پشت پر یہ الفاظ درج تھے: "میکلوڈ پرائز' شرقی ادب عالیہ و انگریزی"۔ مہاراجہ جموں نے لاہور یونیورسٹی کالج میں سر ڈونالڈ میکلوڈ کی نام سے فیلوشپ کے قیام کی خاطر خرچ کرنے کے لیے اکتیس ہزار

روپے دیے۔

انگلستان واپسی کے بعد سر ڈونالڈ نے جغرافیائی' ایشیائی اور دیگر عوامی انجمنوں (جن کا مقصد علم کا پھیلاؤ تھا) کی کارروائیوں میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دی۔ وہ لندن کے مشرق میں غریب طبقوں کی بدحالی پر گہری ہمدردی کا اظہار کرتے تھے' لہٰذا ۲۸ نومبر ۱۸۷۹ء کو ایک خیراتی ادارے کے اجلاس میں شرکت کے لیے جا رہے تھے کہ وہ یہ باور کرانے کے لیے کہ اس کام کے ساتھ انہیں دلی ہمدردی ہے' وہ چلتی ہوئی گاڑی پر سوار ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس زبردست حادثے سے دوچار ہوگئے' جس کے باعث وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔(۴)

سر ڈونالڈ ۶ مئی ۱۸۱۰ء کو فورٹ ولیم کلکتہ میں پیدا ہوئے' چنانچہ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۳ برس تھی۔

سر ڈونالڈ میکلوڈ کے بعد سر ہنری میرئن ڈیورنڈ' لیفٹیننٹ گورنر کے عہدہ پر ان کے جانشین بنے' تاہم وہ سات ماہ بعد' ٹانک میں ایک مہلک حادثے کا شکار ہوگئے۔ ان کے جانشین سر ہنری ڈیویز تھے۔

کوکہ بغاوت

جنوری ۱۸۷۲ء میں ضلع لدھیانہ میں کوکہ فرقے کی بغاوت پھیل گئی۔ اس فرقے کا بانی' ضلع راولپنڈی میں حضرو کا ایک رہائشی' بالک سنگھ تھا۔ اس نے ۱۸۴۷ء میں اس مذہب کی بنیاد رکھی۔ کوکے' سکھوں کے راسخ العقیدہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تعلیم کے اصول' توحید پرست اور اخلاقی ہیں۔ ان کے مذہب کی تعلیمات بتوں کی پوجا اور ذات پات کے امتیاز سے منع کرتی ہیں۔ وہ بیواؤں کی شادی کی اجازت دیتی ہیں' کسی بیٹی یا بہن کے عوض روپیہ پیسہ حاصل کرنے سے منع کرتی ہیں' اخلاق کی تلقین کرتی ہیں اور شراب اور دیگر نشہ آور مشروبات کے استعمال سے روکتی ہیں۔ فرقے کی علامت ایک اونی تسبیح' ایک نہ لپٹی ہوئی پگڑی اور ایک عصاء ہوتا ہے اور ہر پیروکار کو اپنے ساتھ ایک چاقو اور ایک چھوٹی کلہاڑی رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو نئے فرقے کے رکن بننے کی اجازت تھی لیکن پیروکار زیادہ تر نچلے طبقے کے ہندو اور سکھ ہوتے تھے۔ ۱۸۶۳ء میں بالک سنگھ کے انتقال کے بعد اس کا خاص چیلا' رام سنگھ فرقے کا گورو بن گیا۔ رام سنگھ انتہائی ذہین شخص تھا۔ وہ ضلع لدھیانہ میں موضع بھینی کے ایک ترکھان کا بیٹا تھا۔ اپنی پرہیزگاری اور تقدس کے باعث اسے اپنے پیروکاروں میں کافی حد تک شہرت حاصل ہوگئی۔ اس کے چیلوں میں

زبردست اضافہ ہوتا گیا اور ان پر اس کا اثر و رسوخ بھی بڑھتا رہا۔ پہلے پہل اس فرقہ کا رویہ منظم اور عام طور پر صلح کل تھا' مگر چند کوکوں نے' کوکوں کو ختم کیا اور قبروں و مزارات کو مسمار کیا (ان چیزوں کو فرقے کے پیروکار' بت پرستانہ عبادت کی اشیاء خیال کرتے تھے' لہٰذا مذہبی اجتماعات کے مواقعوں پر وہاں موجود لوگوں میں (احیاء کرنے والے چند افراد کی طرح) مذہبی جنون بھڑک اٹھتا تھا' اس پر انہیں قانونی عدالتوں کی طرف سے سزا دی گئی۔ اس کے بعد شکوک و شبہات کا اظہار کیا جانے لگا کہ رام سنگھ اور اس کے چیلوں کے مقاصد' محض مذہبی نہیں ہیں بلکہ مذہبی مصلح اور اخلاقی تعلیمات کے معلم کے بھیس میں' وہ گہرے سیاسی عزائم رکھتا ہے' چند سالوں تک گورو کو اس کے گاؤں میں سخت نگرانی میں نظربند رکھا گیا' لیکن جب اس کے خلاف نافرمانی کا کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہ کیا جا سکا' تو اسے نظربندی سے رہا کر دیا گیا اور اسے حکومت برطانیہ کے تحت اچھے رویہ کے دیگر فرقوں کے رہنماؤں کی طرح مذہبی آزادی کی اجازت دے دی گئی۔ رام سنگھ نے اپنی رہائی کے بعد چند سالوں تک اچھا رویہ اپنائے رکھا مگر نئے چیلے بنا کر اسے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی' تو اس کی تعلیمات اپنی نوعیت میں زیادہ سیاسی بن گئیں۔ اس کے پیروکاروں میں تکبر پیدا ہو گیا' لہٰذا ایسی مثالوں کی کمی نہیں جن میں انہوں نے اپنے خراب رویہ کے ذریعے میلوں اور عوامی اجتماعات میں امن عامہ کو تہس نہس کیا۔ ایک خطرناک فرقہ کے طور پر ان کے پہلے ثبوت' جون و جولائی ۱۸۷۱ء میں امرتسر اور ضلع لدھیانہ میں رائے کوٹ کے مقام پر ظاہر ہوئے جب چند مسلمان قصابوں کو گائے ذبح کرنے کے باعث قتل کر دیا گیا۔ بعد میں تحقیقات اور پوچھ گچھ سے پتہ چلا کہ اس قتل کے اکسانے اور ارتکاب کرنے والے کوکہ تھے۔

۱۴ جنوری کو دو سو کوکوں کی ایک جماعت نے قصبہ ملودہ پر حملہ کر دیا' لہٰذا کچھ نقصان کرنے اور ایک سکھ سردار کو زخمی کرنے کے بعد (معلوم ہوا کہ وہ اس کے خلاف کسی حد تک بغض رکھتے تھے) مالیر کوٹلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس اثناء میں ان کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے قصبہ پر حملہ کیا اور گلیوں میں سے ہوتے ہوئے خزانہ کی طرف بڑھے' مگر نواب کے آدمیوں نے زبردست لڑائی کے بعد انہیں پسپا کر کے شہر سے باہر نکال دیا۔ برطانوی فوج کو فوری طور پر بغاوت زدہ علاقے کی طرف روانہ کیا گیا' لیکن اس اثناء میں بغاوت مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی۔ باغی مالیر کوٹلہ میں اپنی پسپائی سے دلبرداشتہ ہو کر جنگل کی طرف فرار ہو گئے۔ جہاں ریاست پٹیالہ کے سپاہیوں نے ان کا شکار کیا اور یا

تو انہیں قتل کر دیا یا گرفتار کیا۔ کوکہ فرقے کو کچھ عرصے تک نگرانی کے تحت رکھا گیا لیکن جو پابندیاں بغاوت کے وقت لگائی بہتر خیال کی گئی تھیں' انہیں بتدریج اٹھا لیا گیا۔ فرقے کے پیشوا رام سنگھ کو گرفتار کر کے الہ آباد بھیج دیا گیا اور پھر برما روانہ کر دیا گیا' جہاں بعد میں وہ انتقال کر گیا۔

جنوری ۱۸۷۶ء میں ہز رائل ہائی نیس' پرنس آف ویلز نے اپنی آمد سے پنجاب کو عزت بخشی۔ تاج برطانیہ کے ولی عہد کے دورہ کے موقع پر وفاداری کے جس پرجوش ہیجان کا اظہار کیا گیا' ہندوستان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہندوستان کے عوام اور سردار محسوس کرتے تھے کہ انگریز عوام کے ساتھ ان کا مضبوط بندھن ہے اور یہ کہ ان کا ملک اس وسیع و عریض اور شاندار سلطنت میں شامل ہے جس پر ہر میجسٹی ملکہ عالیہ حکومت کرتی ہیں۔

ہز رائل ہائی نیس' ڈیوک آف سودر لینڈ' سر بارٹل فریئر' لارڈ سوفیلڈ' لارڈ ا۔ یلفرڈ پیجٹ' ارل آف ایلیس فورڈ' میجر جنرل پروبائن' مسٹر سڈنی ہال اور سیکرٹریوں پر مشتمل اپنے عملہ اور مصاحبین کے ہمراہ ۱۱ جنوری کو دہلی پہنچے۔ ہز رائل ہائی نیس پرنس کا ہندوستان کے قدیم دارالسلطنت میں داخلے کا شمار ہندوستان کی تاریخ میں متعدد ڈرامائی داستانوں میں ہوتا ہے' لہٰذا بے شمار یادگاروں اور دیگر تاریخی نشانیوں کے مقام پر اس موقع اور مقام کے شایان شان دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ شرکت کی گئی۔ ریلوے اسٹیشن سے شاہی پڑاؤ تک کے پورے راستے میں سپاہی قطار میں کھڑے تھے۔ انگلستان اور ہندوستان کی حکومت کے ولی عہد کو دیکھ کر لوگوں نے زبردست جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ جیسے ہی ہز رائل ہائی نیس جمعہ مسجد کے سامنے آئے' جس کے سامنے ۵ ویں رجمنٹ اور ۲۸ ویں پنجابی تھی' تو بہت بڑا ہجوم جس نے جامع مسجد کی طرف جانے والی سیڑھیوں پر بھیڑ لگا رکھی تھی' انہیں سلام کرنے کے لیے اٹھا۔ شاہی پڑاؤ میں میونسپلٹی کے اراکین کو ملاقات کی عزت بخشی گئی تو انہوں نے ہز رائل ہائی نیس کو ایک سپاسنامہ پیش کیا' جس میں انہوں نے ملکہ عالیہ کی شخصیت اور حکومت کے لیے وفاداری اور جانثاری کے جذبات کا اظہار کرنے اور اپنے انتہائی قدیم شہر میں ہز رائل ہائی نیس کو اپنی پوری برادری کی طرف سے خوش آمدید کہنے کے لیے استحقاق بخشے جانے پر خوشی اور عزت کا اظہار کیا۔ جب سے ہز ایکسی لینسی وائسرائے نے شاہی دورے کا پرمسرت اعلان کیا تھا' وہ اس مبارک دن کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے اور انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ

آخرکار انہوں نے شہزادے کا دیدار کر ہی لیا۔ وہ تاریخی دلچسپی اور آثار قدیمہ کی یادگاروں کے حامل' دہلی پر آباد تھے' جو ایک ہزار سے زائد برس تک عظیم خاندانوں کا پایہ تخت رہا تھا' جو یکے بعد دیگرے ابھرے' آباد ہوئے اور اپنے پیچھے شاندار مساجد' عالیشان محلات' بلند و بالا مینار' طویل ستونوں' متبرک گنبدوں اور خوبصورت مندروں کی صورت میں اپنی عظمت اور تہذیب کے نشانات چھوڑ کر گزر گئے۔ حالانکہ سلطنت کا دارالحکومت کافی عرصہ سے انگریزی حکومت کے تحت آباد اور خوشحال ہوگیا ہے۔ اس میں تین ریلوے لائنوں کا سلسلہ ہے جو تجارت و صنعت کے ذریعے اس کے وسائل کو ترقی دینے کا حقیقی ذریعہ ہیں۔ یہ ابھی تک معیاری ہندوستان زبان کا گھر اور علم و فضل کا گہوارہ ہے۔ انہوں نے زبردست خواہش کا اظہار کیا کہ ہز رائل ہائی نیس اپنے دورہ کی یادوں کو برقرار رکھیں گے اور یہ کہ ان کا باقی دورہ بھی آغاز کی طرح دلچسپی سے بھرپور ہوگا۔

شہزادے نے ان کی طرف سے اپنے استقبال کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ان کے قدیم دارالسلطنت کا دورہ کرنے کی انہیں خوشی ہے' جو انتہائی خوبصورتی اور شان و شوکت کی حامل یادگاروں سے بھرپور ہے اور اس کا تعلق عظیم تاریخی دلچسپی کے واقعات سے ہے۔ ہندوستان کے وسط میں قدرتی طور پر ان کے شہر کو جو مقام حاصل ہے' جہاں ریلوے کی کئی لائنوں کا ارتکاز ہوتا ہے' اس نے اسے سلطنت ہند کا ایک انتہائی اہم علاقہ بنا دیا ہے۔ وہ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے' انتہائی مشہور اور خوبصورت شہر میں خوشحالی کے احیاء کو دیکھ کر انہوں نے ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کو یقین دہانی کرانے میں بھی خوشی محسوس کی۔

۱۲ جنوری کو دہلی میں تمام افواج کے سپاہیوں کا عظیم الشان معائنہ ہوا۔ اس موقع پر شہزادہ عالم' فیلڈ مارشل کی وردی میں ملبوس تھے' جیسے ہی ہز رائل ہائی نیس پریڈ گراؤنڈ میں نمودار ہوئے' شاہی جھنڈا لہرا دیا گیا اور قطار کے ساتھ توپ کی سلامی دی گئی۔ عظیم ہجوم سے خوش آمدید کا نعرہ برآمد ہوا اور گاڑیوں کی ایک گنجان قطار سے ہوا میں رومال لہرائے گئے۔ بینڈوں نے قومی ترانہ بجایا اور نشانات کو نیچے کر دیا گیا۔ شہزادہ عالم گھوڑے پر سوار' قطار کی دائیں طرف سے بائیں جانب تک جا کر دوبارہ واپس آ گئے۔ ایک اشارہ کیا گیا اور سپاہی حرکت میں آ گئے' لہٰذا ڈیڑھ گھنٹہ تک سوار' پیادہ اور توپ خانے کا دریا' شاہی جماعت کے پیچھے روانہ ہوا۔ اس کے بعد پوری فوج نے مارچ پاسٹ پیش کیا اور شاہی سلامی کے بعد مختلف افواج اپنی قطاروں کی طرف لوٹ گئیں۔

۱۳ تاریخ کو ہز رائل ہائی نیس نے قطب مینار کا دورہ کیا' جو دنیا میں سب سے بلند

ترین ستون ہے۔ اس کی اونچائی میں پیائش ۲۳۸ فٹ ہے۔ مینار کی چوٹی پر چڑھ کر انہوں نے میلوں تک پھیلے تباہ حال شہروں' مساجد' محلات اور مقبروں کا نظارہ کیا۔ اسی روز انہوں نے مقبرہ ہمایوں کا دورہ کیا (مسٹر رسل اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ تاریک' دیوہیکل' وسیع و عریض ہے اور اس کا شمار دنیا کی عظیم ترین عمارات میں ہوتا ہے)

اس کے علاوہ انہوں نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے شاندار مقبرہ اور صفدر جنگ کے خوبصورت مزار کا دورہ بھی کیا۔ رات کے وقت زبردست چراغاں کیا گیا۔ لہٰذا سپاہیوں کی نقلی لڑائی کے ساتھ اگلے روز دہلی کی پر شکوہ دھوم دھام کا خاتمہ ہوگیا۔

۱۸ جنوری کی علی الصبح ہز رائل ہائی نیس بذریعہ خصوصی گاڑی لاہور پہنچے۔ ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر (سر ہنری ڈیویز) صوبہ کے سول و ملٹری افسروں اور یورپی باشندوں کے ایک بہت بڑے ہجوم نے ان کا استقبال کیا۔ شاہی جلو نے شہر کے گرد گزرتے ہوئے پنجاب کے حکمران سرداروں کے پڑاؤ کا بھرپور نظارہ کیا' جنہیں قلعہ کے شمال میں میدان قواعد میں نصب کیا گیا تھا۔ ہر راجہ کو ایک علیحدہ قلعہ زمین تفویض کیا گیا تھا اور ہر پڑاؤ کے سامنے لہرانے والا جھنڈا جگہ کی نشاندہی کرتا تھا۔ گھوڑوں کی پیٹھوں کو گلدار زین پوشوں کے ساتھ پر تکلف انداز میں آراستہ کیا گیا تھا۔ ہاتھیوں کو قیمتی ساز و سامان اور طلائی و نقرئی ہودوں سے مزین کیا گیا تھا۔ نقاروں کی دھمادھم اور توپ خانے کی گھن گرج نے اس نظارے کو مشرقی رنگ میں رنگ دیا تھا۔

ہر راجہ شان و شوکت کے لحاظ سے اپنے ہمسایہ سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈھالوں' بندقوں سے مسلح ان کے پیادہ سپاہی زنجیری زرہ بکتر میں ملبوس اور چمکدار سینہ بند و چار آئینہ کے ساتھ نیزہ اور تلوار سے مسلح سوار سپاہی انتہائی دلکش نظارہ پیش کر رہے تھے۔ ولی عہد اور اپنی مہربان ملکہ کے نمائندہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہونے والے سرداروں کا تعلق مختلف قومیتوں اور نسلوں سے تھا اور ان کے مسلح سپاہی پنجاب کے منتخب بہادروں پر مشتمل تھے۔ ان سرداروں کے باقاعدہ اور بے قاعدہ سپاہی سڑکوں کے ساتھ قطار بنائے کھڑے تھے۔ لہٰذا جب شہزادہ حضور وہاں سے گزرے تو انہوں نے سلامی دے۔

گورنمنٹ ہاؤس میں ہز رائل ہائی نیس کو میونسپلٹی کا سپاسنامہ (۵) پیش کیا گیا۔ اس کے بعد یورپی افسروں کا ایک عظیم الشان درشنی دربار منعقد ہوا۔ بعد میں پنجاب کے حکمران سرداروں کو ان کے منصب کے لحاظ سے شہزادہ حضور سے متعارف کرایا گیا۔ بعد ازیں

شہزادہ حضور اپنے عملہ کے ہمراہ قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لہٰذا شیش محل کے بلند مینار پر چڑھ کر انہوں نے ارد گرد کے علاقہ کا بھرپور نظارہ کیا۔ ایک جانب سرسبز و لہراتے ہوئے درختوں کے ساتھ ہرے بھرے میدان' دوسری جانب اپنے کشادہ مکانات' بلند و بالا میناروں' چمکدار گنبدوں اور شاندار مندروں کے ساتھ گنجان آباد شہر اور شمال مغربی جانب ایک نقرئی دھاگے کی طرح بہتا ہوا پرسکون دریا تھا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں "شیر پنجاب" رنجیت سنگھ ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھا کرتا تھا اور زیریں میدانوں میں سپاہیوں کی نقل و حرکت اور شہر میں زندگی کی رونق کا با آسانی جائزہ لیا کرتا تھا۔ محل ہزاروں ننھے ننھے آئینوں کی چمک دمک سے جگمگا اٹھتا ہے اور یہ مقام اس لیے بھی تاریخی دلچسپی کا حامل ہے کہ اسی جگہ سکھوں نے پنجاب کی بادشاہت کو رسمی طور پر حکومت برطانیہ کے حوالے کیا تھا۔ اسلحہ خانہ میں شہزادہ عالم نے سکھوں کے زیر استعمال رہنے والے ہتھیار اور جنگوں میں ان کے عسکری گورو' گوبند کے استعمال شدہ ہتھیار بھی دیکھے۔ ایک گھومنے والے فریم پہ رکھی ہوئی چھوٹی سی توپ نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔ اس کے بارے میں کہا گیا کہ دلیپ سنگھ لڑکپن میں اسے کھلونے کے طور پر استعمال کیا کرتا تھا۔ ہز رائل ہائی نیس کی خواہش پر اس کھلونے کو ایک عجوبہ کے طور پر انگلستان لے جانے کے لیے بمبئی روانہ کر دیا گیا۔

۱۹ تاریخ کی دوپہر کو ہز رائل ہائی نیس نے میاں میر میں سپاہیوں کی صنعتی نمائش کا افتتاح کیا' جہاں چند پہاڑی باشندوں نے چند انتہائی عمدہ شکرے' شکاری عقاب' چھوٹے پروں والے باز' پتلی ٹانگوں والے شکاری کتے اور تبتی کتے پیش کیے۔ شام کو شالامار باغ میں ایک عظیم الشان دعوت کا اہتمام کیا گیا' جس میں پرتکلف چراغاں کیا گیا تھا۔

۲۰ جنوری کو شہزادہ حضور نے جموں کا دورہ کیا۔ مہاراجہ نے بہت بڑی لاگت سے ہز رائل ہائی نیس کے استقبال کے لیے جموں کے اوپر ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک شاندار محل تعمیر کروایا تھا۔ اسے پرتکلف انداز میں آراستہ کیا گیا تھا اور اس میں قیمتی پشمینہ کے قالین بچھائے گئے تھے۔ مہاراجہ نے شاہی مہمان کا بڑی دھوم دھام سے اور والہانہ استقبال کیا۔ وہاں دربار منعقد کیا گیا اور آتش بازی کا مظاہرہ کیا گیا۔ یہ تقریبات ایک شکاری مہم کے ساتھ اختتام پذیر ہوئیں' جس میں ہز رائل ہائی نیس نے حصہ لیا۔ وزیر آباد کو واپسی پر شہزادے نے دریائے چناب پر ایک عظیم پل کا افتتاح کیا' جسے ہز رائل ہائی نیس پرنس آف ویلز کی نسبت سے الیگزینڈرا پل کا نام دیا گیا۔ شہزادے کی لاہور واپسی پر قلعہ'

سرکاری عمارات اور گلیوں میں چراغاں کیا گیا۔ لاہور کالج کے کشادہ حال میں علمی گفتگو کا اہتمام کیا گیا۔ ہز رائل ہائی نیس طلائی کشیدہ کاری سے مزین قالین سے ڈھکے ہوئے چبوترے پر تشریف فرما ہوگئے۔ اسے مرکزی ہال کے آخر میں رکھا گیا تھا۔ دائیں جانب ہز رائل ہائی نیس پرنس آف ویلز کی قد آدم تصویر تھی اور بائیں جانب شہزادے کی تصویر تھی۔ فنکارانہ خصوصیت کی حامل یہ دونوں تصاویر مہاراجہ پٹیالہ نے شہزادے کی بحالی صحت کی یادگار کے طور پر آویزاں کرنے کا حکم دیا تھا۔ دیواروں کو پنجاب کے راجگان کی زرہ بکتروں' جھنڈوں اور چمکدار ڈھالوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ہر ڈھال کے نیچے ایک ایک مسلح پنجابی ایک پائیدان پر کھڑا ہوا تھا' جو اپنے آبائی ضلع کی نمائندگی کر رہا تھا۔ پنجاب کے تمام حصوں سے تقریباً ایک سو بیس سرداروں کو اس موقع پر ہز رائل ہائی نیس سے متعارف کرایا گیا اور انہوں نے یکے بعد دیگرے ان کے ہاتھ سے تمغہ جات' ربن اور انعامات وصول کیے۔

تقریب ختم ہونے کے بعد شہزادے نے کالج کی چھت سے آتش بازی کے مظاہرے کا نظارہ کیا۔ بڑے بڑے الاؤ کے گرد' سرحد کے لوگوں کا مخصوص تلوار ناچ پیش کیا گیا۔

شہزادے نے آگرہ جاتے ہوئے سکھوں کے مقدس شہر امرتسر کا دورہ کیا اور بالکونی سے مشہور زمانہ دربار صاحب کا جائزہ لیا۔ جب لوگوں کے ہجوم ان کے قریب سے گزرتے تو انہوں نے انہیں پرنام کیا۔ ہز رائل ہائی نیس نے فیاضی کے ساتھ لاہور میں رنجیت سنگھ کے سمادھ اور امرتسر میں دربار صاحب کے لیے عطیات دیے۔ اول الذکر مقام پر انہیں ایک دلچسپ قصیدہ پیش کیا گیا۔

راج پورہ کے اسٹیشن پر مہاراجہ پٹیالہ نے ہز رائل ہائی نیس کو آداب پیش کیا اور ایک شاندار ضیافت میں مہاراجہ نے ملکہ عالیہ اور پرنس آف ویلز کے لیے جام صحت تجویز کیا۔ شہزادے نے ایک شاہی سلامی کے تحت خوش وضع مہاراجہ کو الوداع کہا اور زیریں علاقے کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ ہز رائل ہائی نیس کے دورہ کے ایک سال بعد شاہی قدر و منزلت کا ایک اور کام انجام دیا گیا جو برطانوی ہند کی تاریخ میں ایک نقطہ انقلاب بن گیا۔

یہ ہر میجسٹی ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے خطاب "قیصرۂ ہند" (Indian Imperatrix) اختیار کرنا تھا۔ پورے ہندوستان میں ملکہ کی رعایا کے لیے شفقت آمیز جذبات (جنہوں نے ہر میجسٹی کو تاج برطانیہ کی اس عظیم ریاست کے مفاد میں ایک اضافی لقب اور نام اختیار

کرنے پر آمادہ کیا) اور ہندوستان کے عوام اور راجگان کی الفت اور وفاداری میں ملکہ عالیہ کے اعتماد کا اعلان کرنے کے لیے ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل ہز ایکسی لینسی لارڈ لٹن نے یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو دہلی میں ایک شاہی اجتماع منعقد کیا۔ یہ ایسا موقع تھا' برطانوی حکومت کے تحت ہندوستانی اقوام اسے ہمیشہ یاد رکھیں گی۔ کیونکہ ان کے ملک کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ ہوگیا تھا۔ تاج برطانیہ کے لیے ہر میجسٹی کی مشرقی مملکت کی براہ راست حکومت کو اٹھارہ برس گزر چکے تھے۔ اس وقت یہ خطاب اختیار کرنا نامناسب ہوتا۔ کیونکہ برطانوی ہند کی تاریخ میں خوفناک واقعات کی یاد کو دائمی بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی اور اسے غداری اور دغابازی کی کہانیوں سے منسوب کیا جا رہا تھا۔ شاہی اجتماع امن کا جشن تھا اور خوشحالی و اطمینان کے دور کا قدرتی نتیجہ تھا۔ اس واقعہ نے اپنی شان و شوکت ان تاریخی تبدیلیوں سے حاصل کی تھی' جنھوں نے ہندوستان کو ایک طاقتور برطانوی سلطنت میں ڈھال دیا تھا۔ اس موقع پر ملکہ کی طرف سے "قیصرۂ ہند" کا لقب اختیار کرنا انتہائی موزوں اور لوگوں کے تمام طبقوں کے جذبات کا مکمل آئینہ دار تھا۔ اس نے ہندوستانی راجگان اور عوام کو تاج برطانیہ کے لیے جانثاری اور وفاداری کے قریبی بندھنوں میں باندھ دیا تھا۔ لہٰذا رائل ہائی نس پرنس آف ویلز اور ڈیوک آف ایڈنبرگ کے دورہ کے فوراً بعد یہ واقعہ اس بڑھتی ہوئی دلچسپی کا ثبوت تھا' جو ہر امپیریل میجسٹی اپنی اس عظیم ریاست کے معاملات میں لیتی تھیں۔

اس نے ہندوستان کے فرمانروا راجگان اور ان کے عوام کو انگریز حکمران کے ساتھ قریبی سنگت میں منسلک کر دیا۔ اس نے شمالی اور جنوبی ہندوستان کے سرداروں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو مستحکم کر دیا۔ ان میں سے سب' جو تاریخ میں ایک جوش و خروش کے ساتھ فقید المثال تھے' اپنی انتہائی مہربان ملکہ کے نمائندے کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ایک طرف تو اس نے ہندوستان کے عوام کے ذہنوں میں برطانوی سلطنت کی حقیقت کو قائم کرنے کا کام کیا اور دوسری طرف ان کے حقیقی مفادات کے ساتھ حکمران طبقے کی مطابقت پیدا کی۔ یہ برطانوی ہند میں ایک ممتاز واقعہ تھا۔ سب دل خوشی سے لبریز تھے۔ سب نے ملکہ عالیہ کے مہربان سمبندھ کو محسوس کیا تھا۔ سب کو اس بات پر فخر تھا اور وہ ملکہ کے لطف و کرم کے احسان مند تھے' جس نے انھیں تاج برطانیہ کے نزدیک کر دیا تھا۔

ہز ایکسی لینسی لارڈ لٹن نے وہاں جمع سرداروں اور عوام سے خطاب کیا اور اپنی تقریر

میں ملکہ عالیہ کی طرف سے اپنے آبائی تاج کی شان و شوکت کے ساتھ نئے خطاب کا اضافہ کرنے کے سلسلہ میں ان کے شفقت آمیز مقاصد کی وضاحت کی۔

لارڈ لٹن نے اس کے بعد اس شاہی پیغام کی اطلاع دی' جس میں ملکہ عالیہ نے ان سے اپنے شاہی نام کے ساتھ خطاب کیا تھا اور جو انہوں نے اسی صبح ہر میجسٹی سے موصول کیا تھا۔

خدا کے فضل سے ہم متحدہ برطانیہ کی وکٹوریہ ہندوستان کی ملکہ اپنے وائسرائے کے توسط سے اب دہلی میں جمع اپنے جملہ افسران (سول ملٹری) اور تمام راجگان' سرداروں اور عوام کو اپنا شاہی پیغام تہنیت روانہ کرتی ہیں اور انہیں انتہائی دلچسپی اور زبردست شفقت و مہربانی کا یقین دلاتے ہیں' جس کے ساتھ ہم اپنی ہندوستانی سلطنت کے عوام کا احترام کرتے ہیں۔

انہوں نے ہمارے پیارے بیٹے کا جس طرح استقبال کیا' اس سے ہمیں قلبی اطمینان حاصل ہوا اور ہمارے گھرانے و حکومت کے ساتھ انہوں نے جس قدر وفاداری اور وابستگی کا اظہار کیا ہے' اس سے ہم متاثر ہوئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے یہ موقع ہمارے اور ہماری عوام کے درمیان الفت و محبت کے روابط کو مزید مستحکم کرنے کا موجب ہوگا۔ یہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ تک تمام لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہماری حکومت کے تحت انہیں آزادی' مساوات اور انصاف کے اصول حاصل ہوئے ہیں اور یہ کہ ان کی خوشی میں اضافہ کرنا' ان کی خوشحالی اور فلاح و بہبود کی ترقی ہمیشہ سے ہماری سلطنت کے عزائم اور مقصد رہے ہیں۔

ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کی طرف سے شاہی لقب اختیار کیے جانے کے سلسلہ میں ذاتی امتیاز کے طور پر جموں' جھنڈ' نابھ اور مالیر کوٹلہ کے راجگان میں سے ہر ایک کی سلامیوں میں دو توپوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ مہاراجہ کشمیر کو "اندر مہندر بہادر" اور "سپر سلطنت" کے دو اضافی خطابات عطا کیے گئے اور جھنڈ کے راجہ کو "مشیر کیسور ہند" کا خطاب عنایت کیا گیا۔ کشمیر کے مہاراجہ رنمبیر سنگھ کو برطانوی فوج میں جنرل کا اعزازی منصب تفویض کیا گیا۔

۱۲ اپریل ۱۸۷۷ء کو سر رابرٹ ہنری ڈیویز کے بعد پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر کی حیثیت سے سر رابرٹ ایلز ایجرٹن ان کے جانشین بنے۔

کشمیر میں قحط

سال ۱۸۷۸ء اور ۱۸۷۹ء کے دوران کشمیر میں زبردست قحط پڑ گیا۔ لہٰذا متاثرہ طبقوں' خاص طور پر مسلمانوں میں شرح اموات بہت زیادہ تھی۔ مہاراجہ نے غلے کی تقسیم کا حکم دیا مگر یا تو اس کی تعمیل نہیں کی گئی یا غیر مساوی طور پر تقسیم کیا گیا۔ غریب ترین مسلمان طبقوں کو زندگی برقرار رکھنے کے لیے مناسب یا کافی مقدار میں کچھ حاصل نہ ہوا جب کہ امیر ترین پنڈتوں اور سرکاری لوگوں کو بہت بڑی مقدار میں خرد برد کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ انہوں نے عام ذخیرے کو کم کر دیا اور اپنے لیے بہت زیادہ منافع جات حاصل کر لیے۔ اس قحط کے باعث کشمیر کی وادی اور شہر میں زبردست بربادی پھیل گئی۔ شمال کی طرف چند اہم وادیاں بالکل سنسان ہو گئیں۔ سارے دیہات کھنڈر بن گئے۔ شہر کے چند مضافات خالی ہو گئے۔ دریا میں لاشیں پھینک کر اسے بھر دیا گیا۔ موت نے ہر طرف بربادی پھیلا دی۔ ۲۰ ہزار افراد جموں اور پنجاب کی طرف نقل مکانی کر گئے اور کئی ہزار شمال کی طرف بھاگ گئے۔ سڑک پر ہلاک ہونے والے سینکڑوں افراد کے بارے میں کبھی بھی کوئی بیان شائع نہیں کیا گیا۔

کشمیری شالوں اور پشمینہ کے کام کے لیے یورپی طلب کی مکمل بندش کے باعث کشمیر کی شال اور ریشم کی تجارت تقریباً تباہ ہو کر رہ گئی۔

جنگ افغان

نومبر ۱۸۷۸ء میں امیر شیر علی خاں کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ وہ روسی سازشوں کی حمایت کرتا رہا تھا اور جس وقت حکومت برطانیہ کی طرف سے روانہ کی گئی سفارت کو ملک میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کیا گیا' اسی وقت روسی سفارت (زیر قیادت ایک روسی افسر سٹولائی ٹوف) کا والہانہ و پرتپاک استقبال کیا گیا۔ امیر نے اپنے اور حکومت برطانیہ کے درمیان واضح اتفاق رائے میں براہ راست مخالفت کا رویہ اختیار کر لیا تو اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا۔ برطانوی فوج نے خیبر' کرم اور بولان' تین مختلف راستوں سے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ جب پنجاب کے سرداروں نے متفقہ طور پر ان کارروائیوں کے دوران اپنے مقدور بھر ذرائع کے ساتھ حکومت سے تعاون کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس سے ان کی خیر خواہی اور بے پایاں وفاداری کا پتہ چل گیا۔ پٹیالہ' بہاولپور' نابھہ' جھنڈ' کپور تھلہ' فریدکوٹ اور ناہن کی افواج' جو تقریباً تین ہزار

پیادوں' ایک ہزار سواروں کے ساتھ ۱۳ توپوں پر مشتمل تھیں۔ ان کی خدمات حکومت نے قبول کر لیں اور ان افواج کو بریگیڈیئر جنرل واٹسن کی کمان میں دے دیا گیا۔ حکومت نے انہیں نئی بندوقیں فراہم کیں اور نہایت احتیاط سے انہیں ان کے استعمال کی تربیت دینے کے بعد محاذ پر جانے سے قبل ۱۷ دسمبر ۱۸۷۸ء کو وائسرائے نے لاہور میں ان افواج کا معائنہ کیا۔ نواب بہاولپور کی فوج کو ڈیرہ غازی خاں کی سرحد پر روانہ کیا گیا جب کہ دیگر سرداروں کی افواج نے بنوں اور کوہاٹ کے اضلاع کی سرحدوں پر نگرانی اور پہرے کے فرائض سر انجام دیے۔ پس برطانوی افواج کی کرم ڈویژن پر کٹھن فرائض ڈال دیے گئے۔ جنرل واٹسن اور دیگر ملٹری افسران' جنہیں ان افواج کے کام اور ڈھنگ کو دیکھنے کا موقع ملا' انہوں نے ان کے رویہ کی بہت تعریف کی۔

انگریزی فوج بغیر کسی زیادہ مزاحمت کے دروں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ شیر علی افغانی ترکستان کی طرف بھاگ گیا اور روسیوں کے ساتھ برطانوی حکومت کے خلاف اس تعاون کے لیے بات چیت شروع کر دی' جس کی جنرل کوف مین کو توقع تھی لیکن اس طرف سے اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ شکستہ دلی کے باعث مزار شریف کے مقام پر انتقال کر گیا۔ مرحوم امیر کے بیٹے یعقوب خاں اور حکومت برطانیہ کے درمیان گندامک کے مقام پر ایک معاہدہ طے پایا' جس کی رو سے برطانوی سرحد میں دروں کی دوسری جانب تک توسیع ہو گئی۔ لہٰذا اس بات پر اتفاق رائے قائم ہو گیا کہ برطانوی افسر امیر کے دربار میں سفیر اور مختار کل وزیر کی حیثیت سے رہے گا۔ سر لوئس کیوگیزی' سابقہ ڈپٹی کمشنر پشاور (جو ایک باکردار اور صاحب بصیرت افسر تھے اور جنہوں نے کافی عرصہ تک سرحدی معاملات کو کامیابی سے نمٹایا تھا) انہیں اس منصب پر فائز کر کے ایک عملہ اور حفاظتی دستہ کے ہمراہ کابل روانہ کر دیا گیا۔ ان کا عملہ بنگال سول سروس کے مسٹر ڈبلیو جنیکنز (جو اپنے لسانی جوہروں کا لوہا منوا چکے تھے' انہیں کابل کے دربار میں پولیٹیکل اسسٹنٹ مقرر کیا گیا تھا) گائیڈ کارپس کے لیفٹیننٹ ڈبلیو' آر پی ہملٹن' وی سی اور اسی رجمنٹ کے ڈاکٹر اے کیلی پر مشتمل تھا۔ برطانوی سفارت کو کابل میں ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ افغانوں نے دغابازی سے اس پر حملہ کر دیا۔ برطانوی ریزیڈنٹ اور ان کے عملہ کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا اور حفاظتی دستہ کو کاٹ کے رکھ دیا گیا۔ یعقوب خاں کو سازش یا چشم پوشی کے شک و شبہ کے تحت ہندوستان سے دیس نکالا دے دیا گیا۔ لہٰذا دوسری جنگ ضروری ہو گئی۔

اپریل ۱۸۸۰ء میں لارڈ لٹن انگلستان میں کنزرویٹو وزارت کی شکست کے نتیجہ میں

حکومت سے دستبردار ہوگئے۔ لہٰذا مارکوس آف رپن ان کے جانشین بنے۔ اسی برس ایوب خاں کی قیادت میں افغان افواج نے قندھار اور دریائے ہلمند کے درمیان انگریزی فوج کے ایک دستہ کو کاٹ کے رکھ دیا لیکن موجودہ کمانڈر انچیف جنرل سر فریڈرک رابرٹس نے کابل سے قندھار کی طرف شاندار پیش قدمی کر کے اس قصبہ کے نزدیک یکم ستمبر ۱۸۸۰ء کو ایوب خاں کے سپاہیوں کو شکست فاش دے دی۔ انگریز اب افغانستان کے پورے ملک کے مالک تھے۔ مگر چونکہ حکومت اس ملک کو برطانوی علاقہ کے طور پر اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتی تھی' لہٰذا دوست محمد خاں کے خاندان کے زندہ بچ جانے والے سب سے بڑے فرد عبدالرحمٰن خاں (جس کا والد محمد افضل خاں امیر کابل رہ چکا تھا) کو امیر مقرر کر دیا گیا۔

ستمبر ۱۸۸۰ء میں برطانوی فوج (جس نے شمالی افغانستان پر قبضہ کر لیا تھا) درہ خیبر کے راستے واپس ہندوستان آ گئی۔ وقتی طور پر قلعہ کی حفاظتی افواج کو لنڈی کوتل اور علی مسجد میں رکھا گیا لیکن آخرکار انہیں بھی واپس بلا لیا گیا۔ جیسے ہی امیر عبدالرحمٰن خاں نے جنوبی افغانستان پر اپنی بالادستی قائم کر لی' برطانوی فوج نے قندھار کو خالی کر دیا۔ اس کے فوراً بعد ایوب خاں ہرات سے نیچے اتر آیا۔ اس نے کابلی فوج کو شکست دے کر قندھار پر قبضہ کر لیا لیکن اس کی کامیابی زیادہ عرصہ تک کے لیے نہیں تھی۔ عبدالرحمٰن خاں اپنی فوج کے ساتھ کابل سے روانہ ہوا۔ اس نے ایوب خاں کو تباہ کن شکست سے دو چار کیا۔ وہ بھاگنے پر مجبور ہوگیا۔ نئے امیر کے سپاہیوں نے قندھار پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ ایوب خاں قندھار میں اپنی شکست کے بعد ایران ہجرت کر گیا مگر بعد میں اس نے خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اسے ہندوستان کی طرف اس کی جلا وطنی میں اس کے ساتھ آنے والے منحصرین' اس کے خاندان اور اس کے لیے ایک اچھا خاصہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

سال ۱۸۸۱ء کے اختتام پر لاہور میں صنعتی دستکاریوں کی ایک نمائش منعقد کی گئی۔ اس کا دوہرا مقصد تھا۔ ایک یہ کہ ۱۸۶۴ء میں گزشتہ نمائش سے اب تک اس سلسلہ میں ہونے والی ترقی کا اندازہ لگانے کے لیے اور اصلی مشرقی نمونوں کے حقیقی مقامی کام کی پیداوار میں حوصلہ افزائی کرنے کے لیے' دیسی مصنوعات اور دستکاریوں کے نمونہ جات اور زیادہ تر گھریلو نوعیت کے کاموں کو انفرادیت حاصل تھی' جو صرف ہاتھ کی محنت کا ہی خاصا ہو سکتی ہے۔ کسان کی سوئی سے تیار کیے گئے ریشہ سے امراء کے پہناوے میں آنے والے جواہرات کے جڑاؤ دار زیورات کو اکٹھا کر دیا گیا تھا۔ سر رابرٹ ایجرٹن نے ۲۴ دسمبر ۱۸۸۱ء کو رسمی طور پر نمائش کا افتتاح کیا۔ وہاں جمع ہونے والے راجاؤں' سرداروں اور امراء سے

خطاب کے دوران سر رابرٹ نے کہا:

"اس طرح کے سرحدی صوبہ میں جہاں گزشتہ ادوار میں لوگوں کی زیادہ تر توجہ جنگی اور زراعتی پیشوں کی طرف رہتی تھی۔ یہ ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ دستکاریوں اور مصنوعات کو ترقی دی جائے۔ کیونکہ امن اور تحفظ کے دور میں جس طرح ہندوستان کو ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کی حکومت میں حاصل ہے' ان کو ترقی کا ایک ایسا موقع ہاتھ آگیا ہے کہ زراعت کے علاوہ ہر جانب' ملازمت کے چند ذرائع تلاش کیے جائیں' جو ملک میں پیسہ لائیں گے اور لوگوں کی مدد کریں گے اور اس قسم کی ملازمت مہیا کرنے کے زبردست ذرائع میں ایک مقامی دستکاریوں کی طلب میں حوصلہ افزائی کرنا بھی ہے۔ یہ اسی طرح بہتر طریقے سے کیا جاسکتا ہے' کہ ہمارے کاریگر بنانے کے لیے سب سے زیادہ کس چیز میں زیادہ وسیع علم رکھتے ہیں۔ لہذا مجھے امید ہے کہ اس کو (جو موجودہ نمائش کا ایک عظیم مقصد ہے) کسی حد تک پورا کرلیا جائے گا"۔

نمائش میں رکھی گئی اشیاء کے موازنہ کے ذریعے یہ درست اندازہ لگانے کے لیے کہ کون سی چیز وضع قطع اور تیاری میں بہتر ہے' پنجاب میں اہم شہروں سے منتخب شدہ اہل حرفہ کو نمائش میں بلوایا گیا۔ لہذا نمائش ایک غیر محدود کامیابی تھی۔

سر چارلس امفرسٹن نے ۲ اپریل ۱۸۸۲ء کو پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر کا عہدہ سنبھالا۔

پنجاب میں ذرائع آب پاشی کی ترقی

نومبر ۱۸۸۲ء میں ہز ایکسی لینسی وائسرائے نے ذاتی طور پر سرہند نہر کا افتتاح کیا۔ اس کو ملک کے ایک وسیع خطہ کو سیراب کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس نہر کے بڑے راستے کے علاوہ ابوہر شاخ اور ستلج کے جہاز رانی کے راستے کو مکمل کرلیا گیا تھا۔ نہرباری دو آب' سرہند اور مغربی جمنا کی نہریں' حکومت کی طرف سے بنجر خطوں کو زرخیز بنانے کے لیے اس کی کوششوں کے عظیم کام ہیں۔ مزید مغرب کی جانب نہر چناب اور متعدد دوسرے کام' جنہیں وسیع پیمانے پر شروع کیا گیا تھا' ان سے علاقے کو بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوا۔ دریائے سوات' سدنائی اور چناب کی نہریں' جنہیں کھولا گیا تھا' ان سے تقریباً ایک ملین ایکڑ رقبہ زرخیز ہوا ہے۔ نہر جہلم کی تعمیر نے حکومت ہند کی منظوری اور معتمد اعلیٰ کی اجازت حاصل کرلی ہے۔ ان تدابیر کو گنجان آباد اضلاع کے باسیوں کے لیے ایک نکاس مہیا کرنے اور ان کی حقیقی حالت کو ترقی دینے کے ذرائع اور ان کے علاقے کی دولت اور وسائل کو

ترقی دینے کے لیے شمار کیا جاتا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کا قیام

۱۸۸۲ء میں پنجاب یونیورسٹی ایکٹ (xvii) پاس کیا گیا۔ لہٰذا اس کے مطابق اس سال ۱۴ اکتوبر کو پنجاب یونیورسٹی معرض وجود میں آ گئی۔ وائسرائے نے اس ادارے کے سرپرست بننے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ لیفٹیننٹ گورنر کو بلحاظ عہدہ چانسلر مقرر کیا گیا اور سینٹ کے اراکین کو فیلوز نامزد کیا گیا۔

روسی کابینہ نے ۱۸۸۴ء میں زور دیا کہ روسی ترکستان کی سرحد پر واقع افغان علاقے سے متعلق پیدا ہونے والے جھگڑوں کو روکنے کے لیے افغانستان کی شمال مغربی سرحد کی حد بندی کی جائے۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے مقرر کیے گئے روسی کمشنروں کے ساتھ مل کر امیر کی رضامندی سے سرحد کی حدود کا تعین کرنے کے لیے حکومت برطانیہ نے ایک کمیشن مقرر کیا۔ اس کمیشن میں خبر رساں' مساحت' جغرافیہ' نباتاتی اور دیگر محکموں نے نمائندگی کی۔ ۱۱ ویں بنگال لانسرز کے تین سو تلوار بردار اور ۲۰ ویں پنجاب انفنٹری کے دو سو چالیس سنگین بردار' سواروں اور پیادوں کی ایک مضبوط حفاظتی دستے نے اس کی حفاظت کی۔ لندن سے سر پیٹر لمسڈن کی آمد تک پورے کمیشن کی کمان کرنل سر جوزف رج وے کے سپرد کر دی گئی۔ کمیشن کے دیگر ارکان کیپٹن سی ای ییٹس' لیفٹیننٹ آنریبل ایم' جی تلبٹ آر۔ ای' انٹیلی جنس برانچ کے کیپٹن میٹلینڈ (بمبئے شاف کارپس) طبی فرائض میں ڈاکٹر چارلس' ڈاکٹر اوون' ۱۱ ویں بنگال لانسر کے میجر بیکس' کیپٹن ہیتھ' لیفٹیننٹ ڈرمنڈ اور سروے پارٹی کے سربراہ میجر ہل' آر۔ ای' فطرت پرست اور ماہر نباتات ڈاکٹر ایچی سن' ۲۰ پنجاب انفنٹری کے میجر میکل جان' کیپٹن کائن' لیفٹیننٹ رالینز' کرنل رج وے کے پرسنل اسسٹنٹ مسٹر مرک' سروے کے کیپٹن گور' اسسٹنٹ کمیشری جنرل میجر رنڈ' ۲۳ ویں پائنیرز' انچارج ٹرانسپورٹ لیفٹیننٹ برن' انٹیلی جنس برانچ کے کیپٹن پی کاک آر۔ ای' لیفٹیننٹ ڈی لیسو اور مسٹر بارنز سی۔ ایس۔ مشن کے ہمراہ مقامی اتاشی سنٹرل انڈیا ہارس کے رسالدار میجر بہاء الدین' دوسری سکھ کے صوبیدار محمد حسین خاں' پنجاب میں ایک ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سردار رشید محمد خاں اور قندھار کے سابق گورنر کے بیٹے خیبر جنرل چیز کے کمانڈنٹ سردار محمد اسلم خاں' ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر خاں بابا خاں' مرزا غلام احمد' ۷ ویں بنگال کیولری رسالدار میجر محمد حسین خاں' قاضی محمد اسلم خاں اور عزیز اللہ خاں' ۱۸۷۲ء کی سیستان سفارت کے ہمراہ تھے اور جب لارڈ بلینڈ فورڈ (اب ڈیوک آف مارلبرو) نے ہندوستان کی

سیاحت کی تو عزیز اللہ ان کے ساتھ تھے۔ دنیا کے گرد بحری سفر کے دوران وہ لارڈ کے ہمراہ تھے اور انگلستان پہنچنے پر انہوں نے ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز کے پاس ملازمت حاصل کرلی۔ وہ ان کے ساتھ دو برس تک رہے۔ ۱۸۷۸ء میں انہیں ترکی کے سلطان کی فوج میں لیفٹیننٹ مقرر کیا گیا اور وہ کارس کے محاصرہ کے وقت موجود تھے۔ جنگ کے دوران ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں سلطان کی حکومت سے پانچویں درجے کا میڈ جیڈی اعزاز ملا۔ پنجاب واپسی پر انہیں ۵ ویں پنجاب کیولری کا جمعدار مقرر کیا گیا اور گزشتہ افغان جنگ میں انہیں تمغہ اور کلاسپ عطا کیا گیا۔

پس یہ سفارت ستمبر ۱۸۸۴ء میں ہندوستان سے روانہ ہوئی اور اسی برس نومبر میں وادی ہرات میں پہنچ گئی۔ روسی ترکستان اور افغانستان کے درمیان ایک واضح حد بندی کا تعین کیا گیا' جس کی رو سے ہری رود اور مرغاب کے درمیان سرحد روس کے لیے منظوری کی گئی۔ لہٰذا مرغاب سے او کسس (آملو دریا) تک کا تصفیہ ہوگیا۔ درہ ذوالفقار امیر کے پاس رہا۔ لہٰذا مجموعی طور پر روس کو اس کا بہت کم حصہ ملا' جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا۔ روس کی طرف سے ٹرانس کیسپَن صوبہ میں روسی افواج کے کمانڈر انچیف اور گورنر (جس کا صدر مقام اشک آباد میں ہے) جنرل کومروف نے کارروائیوں میں حصہ لیا۔ اس مقام کو ۸۱-۱۸۸۰ء میں جنرل سکو بیلیف کی قیادت میں روسیوں نے فتح کیا تھا۔ اس وقت کرنل ایخانوف مرو کے روسی گورنر تھے' جس میں *بنجدہ اور افغان علاقے کے دوسرے خطے شامل کر کے روس کے حوالے کر دیے گئے۔ حد بندی کے کام کا ایک مختصر حصہ جس کو کمیشن ختم نہیں کر سکا۔ اسے بعد میں نپٹا لیا گیا۔ لہٰذا اند خوئی علاقہ تک سرحد کا تصفیہ کر لیا گیا۔ اس پورے عرصہ میں امیر کے افسران نے مشن کو نہایت فوری اور موثر امداد بہم پہنچائی۔ انہوں نے رسد اور ذرائع آمد و رفت بہم پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جس نے حقیقی طور پر کمیشن کے کٹھن کام کو سہل بنا دیا تھا۔ کمیشن کی کوششوں اور جانفشانی نے ان ملکوں کے بارے میں حقیقی طور پر ہمارے علم میں اضافہ کیا ہے۔ کیپٹن پی کاک کی نگرانی میں ہرات کے دفاعی کاموں میں بہتری پیدا ہوئی۔ کیپٹن میٹلینڈ کی قیادت میں انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ نے نوشکی اور ہلمند کے درمیان راستوں کا پتہ چلایا۔ جنگی نقطہ نظر سے ان کی بہت اہمیت ہے۔ مرغاب پر علاقہ مروچک سے او کسس پر کیلیف تک کے علاقے کا سروے کیا گیا اور میمنہ کے خانیٹس اند خوئی شبرغاں اور انچہ کے راستوں کا پتہ چلایا گیا۔ مسٹر نیوی ایلیاز اور کرنل لوخرٹ نے افغان باؤنڈری کمیشن سے ہٹ کے اپنے طور پر پامیر' چترال'

کافرستان، بدخشاں اور وردستان سے پار، یارقند سے چار شنبہ تک کے راستوں کا پتہ چلایا۔ کیپٹن گور اور کیپٹن تلبٹ کی قیادت میں کمیشن کے سروے ڈیپارٹمنٹ نے بشمول مشرقی خراسان اور مشہد کی جنوب مشرقی جانب مغربی اور شمالی پورے افغانستان کا سروے کر لیا۔ مغربی اور شمالی افغانستان میں نباتات کے کئی قیمتی نمونہ جات جمع کیے گئے جب کہ نیچرل ہسٹری برانچ میں متعدد پرندے جنگلی جانور اور رینگنے والے جانور اکٹھے کیے گئے۔ کیپٹن گریز بیک نے جغرافیائی مساحتوں میں اہم اضافے کیے۔ جب کہ کیپٹن ڈی لیسو نے محکمہ آثار قدیمہ میں دلچسپ دریافتیں کیں۔ وہ اسی محکمہ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انہوں نے ہنجدہ کے قریب وادی مرغاب میں غار کے قدیم مسکنوں کے وسیع و عریض سلسلوں کا پتہ چلایا۔ لہٰذا کیپٹن ییٹ نے کیلاہونو کے قریب اسی طرح کے غاری مسکنوں کی کھدائی کروائی۔ کیپٹن ڈیورنڈ، کیپٹن تلبٹ اور مشن کے دیگر اراکین نے پرانے سکے اور دیگر نوادرات بھی اکٹھے کیے۔

امیر عبدالرحمٰن اپنے علاقہ میں ذرائع آمد و رفت کی ترقی کے سلسلہ میں بہت طاقتور تھا۔ اس نے بہترین سڑکوں کے ذریعے کابل کو بلخ اور ہرات سے ملا دیا تھا۔ نیز کابل سے ہرات اور ہزارہ جات تک سڑک کو بہتر بنایا گیا۔ امیر نے افغانی ترکستان کی حفاظتی فوج کو بھی مستحکم کیا۔ وسطی ایشیاء سے مشن کی واپسی پر امیر نے کابل میں اپنے نئے محل میں اس کے اراکین کو ایک پرتکلف دعوت دی اور انہیں بتایا کہ وہ ان کی کوششوں کے نتیجہ سے بہت خوش ہوا ہے۔

اپریل ۱۸۸۵ء میں ہز ہائی نیس امیر افغانستان عبدالرحمٰن خاں نے راولپنڈی میں وائسرائے لارڈ ڈفرن سے ملاقات کی۔ ایک عظیم الشان اجتماع ہوا، جس میں پنجاب کے سات حکمران سرداروں نے شرکت کی۔ ہز رائل ہائی نیس ڈیوک آف کوناٹ ہندوستان میں فوج کے کمانڈر انچیف مدراس اور بمبئی کے کمانڈر انچیف، شمال مغربی صوبہ جات اور پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنروں اور ایگزیکٹو کونسل کے اراکین نے بھی ان تقریبات میں حصہ لیا۔

۶ اپریل کی صبح کو ایک عظیم فوجی معائنہ منعقد کیا گیا۔ اس وقت تمام افواج کے ۲۰ ہزار انگریز سپاہیوں اور پٹیالہ، بہاولپور، جمنڈ، نابھہ، کپور تھلہ اور فرید کوٹ کی ریاستوں کی کل ۳ ہزار سپاہیوں پر مشتمل افواج نے پریڈ کی۔ ہز ہائی نیس امیر، لارڈ ڈفرن کے ہمراہ گھوڑے پر بیٹھ کر پریڈ گراؤنڈ میں آئے اور پوری کارروائیوں کے دوران گھوڑے کی پشت پر بیٹھے رہے۔ امیر نے سفید کوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کے گرد ایک پھولدار پٹی تھی۔ ہلکے

رنگ کی پتلون' اس پر سنہرے رنگ کی چوڑی پٹی تھی۔ اس کے ساتھ سواری کی لیے لمبے بوٹ پہن رکھے تھے۔ سر پہ حسب معمول ہلکے بھورے رنگ کی کھال والی ہموار ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ افغان فوج کے کمانڈر انچیف غلام حیدر خاں نے کالے رنگ کا آہنی خود پہن رکھا تھا۔ مسلح انگریز سپاہیوں کے نظارے نے امیر کے ذہن میں برطانوی حکومت کے لیے احترام کے جذبات پیدا کر دیے۔ لہٰذا اسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اسے لازماً انگریزوں کی دوستی پر انحصار کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان سے بہتر حلیف اور قابل اور اسے زیادہ موثر امداد پہنچانے والا کوئی اور مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ ۸ اپریل کی صبح کو ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا گیا' جس میں مذکورہ بالا قابل ذکر شخصیات موجود تھیں۔ یہ ایک عالی شان نظارہ تھا۔ اس تقریب میں امیر کو قیمتی تحائف پیش کیے گئے اور وائسرائے و امیر کے درمیان مختصر سی گفتگو ہوئی۔ جب دربار میں رسمی طور پر تحائف رکھ دیے گئے تو امیر نے اٹھ کر فارسی زبان میں مندرجہ ذیل تقریر کی:

"میں وائسرائے کی مہربانی اور ملکہ عالیہ کی عنایت و کرم کا بہت زیادہ ممنون و مشکور ہوں۔ ان کی مہربانی کے عوض میں حتی المقدور اور ممکن خدمت بہم پہنچاؤں گا۔ جہاں تک میری فوج اور عوام کا تعلق ہے' چونکہ انگلستان نے افغانستان کے دشمنوں کو مار بھگانے کے ارادے کا اعلان کیا ہے۔ چنانچہ افغان قوم اس میں بھرپور حصہ لے گی اور حکومت برطانیہ کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی ہوگی"۔

لارڈ ڈفرن نے امیر کو تلوار پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ امیر کو وائسرائے کے ذاتی احترام کی نشانی کے طور پر دی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا تحفہ ہے' جس کے بارے میں انہوں نے امید کی تھی کہ اس کو ایک انتہائی ممتاز سپاہی قبول کرے گا' جو ایک ہی وقت میں ایک طاقتور حکمران ہے اور جس نے ابھی خود کو انگلستان کا دوست اور حلیف کہا ہے۔ امیر نے جواب میں کہا: "وہ امید کرتا ہے کہ اس تلوار سے حکومت برطانیہ کے ہر دشمن کو کاٹ کر رکھ دے گا"۔ دربار میں اپنی تقریر کے اختتام پر امیر نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ اس کے الفاظ احتراماً اور سب کے سامنے ادا ہوئے ہیں تاکہ وہاں حاضر تمام لوگ یہ دیکھ لیں کہ اس نے کیا کہا ہے۔

وائسرائے نے امیر کے اعزاز میں وائسرائے کے پڑاؤ میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا۔ اپنے جام صحت کے جواب میں عبدالرحمٰن اٹھا اور فارسی میں ایک مختصر سی تقریر کی۔ اس

میں اس نے اس امید کا اظہار کیا کہ افغانستان مستقبل میں انگلستان کی طرح خوشحال رہے گا اور یہ کہ انگریزی افواج جہاں بھی جائیں گی' فتح سے سرفراز ہوں گی۔ یہ اجتماع ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس موقع پر سب کی طرف سے انگریزوں کے لیے خلوص اور انتہائی نیک جذبات کا مشاہدہ کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ متعدد سرداروں نے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات کی پیشکش کی۔ حکومت نے شکریہ کے ساتھ ان کو تسلیم کر لیا۔

۱۸۸۵ء کے موسم سرما میں حکومت ہند نے انتہائی وسیع پرامن مشقوں کے اہتمام کا ارادہ کیا' جسے برطانوی فوج ہمیشہ سے کرتی آئی تھی۔ لہٰذا یہ سوچنا بے جا نہ ہوگا کہ اس خرچ کے جواب میں کیا حاصل ہونے کا امکان تھا۔ چھاؤنیوں میں تمام افواج نے ہر علیحدہ شاخ کے لیے مناسب ہدایات پر عمل درآمد کیا۔ بڑی چھاؤنیوں میں تمام افواج کو ہدایت کے لیے جمع کیا جاتا ہے تاکہ میدان جنگ میں باہمی امداد اور تعاون حاصل کیا جائے جو ہر ایک دوسرے سے توقع کرتی ہے لیکن یہ سب کچھ حسب منشاء نہیں تھا۔ لہٰذا موثر خدمت کے تقاضوں کا حقیقی نظریہ پیش کرنے کے لیے یہ ضروری تھا اتنے سپاہیوں کو جمع کر لیا جائے' جتنے آسانی سے جمع ہو سکتے ہیں۔

مقصد یہ تھا کہ تمام عہدوں کے تقریباً ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل ایک بہت بڑی فوج دو افواج میں منقسم (جسے بالترتیب شمالی و جنوبی فوج کہا جاتا ہے) ہو کر دسمبر ۱۸۸۵ء کے ابتدائی حصہ میں انبالہ کے قرب و جوار میں جمع ہو۔ سپاہی جنوبی فوج میں شامل ہو کر گور گاؤں اور دہلی کے گرد اپنے میدان کی طرف پیش قدمی کریں۔ یہ توقع کرنا ایک قدرتی بات تھی کہ ایک اتنی بڑی فوج کا اجتماع اور اس کی نقل و حرکت کے باعث اضلاع کی وہ فصلیں بالکل تباہ ہو جائیں گی' جہاں سے یہ گزریں گی۔ لہٰذا اضلاع کے ضلعی افسران کو ہدایات جاری کی گئیں کہ حکومت کی طرف سے ان نقصانات کا فیاضانہ طور پر ازالہ کیا جائے۔

مشقوں کا پروگرام یہ تھا کہ دونوں افواج کا دہلی کے شمال میں پانی پت کے مقام پر آمنا سامنا ہوگا اور یہ کہ جنوبی فوج (جو کہ دفاعی فوج ہوگی) کو شکست دے کر دہلی کی طرف مراجعت پہ مجبور کر دیا جائے گا۔ وہ شمالی یا محاصر فوج کے خلاف اس کا دفاع کرے گی۔ آخرکار دہلی پر قبضہ کر لیا جائے گا اور دونوں افواج پر مشتمل تمام سپاہیوں کے عظیم معائنہ کا اختتام ہو جائے گا۔ شمالی فوج نے ۳۰ دسمبر کو اپنی پیش قدمی کا آغاز کیا۔ لہٰذا (جیسا کہ پہلے طے کیا گیا تھا) پانی پت کے مقام پر (کرنال اور دہلی کے درمیان مغربی ہند کا تاریخی میدان جنگ) جنوبی فوج سے رابطہ قائم کیا۔ اس لڑائی میں جنوبی فوج نے شمالی فوج کے حملہ کی

زبردست مزاحمت کی مگر آخرکار تیزی سے دہلی کی طرف پسپا ہوئی تو شمالی فوج نے اس کا قریبی اور زبردست تعاقب کیا۔ شمالی فوج اوسط شرح کے حساب سے روزانہ پچیس میل کا فاصلہ طے کرتی تھی۔ اس نے اپنے ذرائع بار برداری کو پیچھے چھوڑ دیا اور کئی دنوں کے لیے خوراک اور بستر وغیرہ کے لیے قلیل سامان کے سوا اپنے ساتھ کچھ نہیں لیا۔ افواج کو زبردست مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خاص طور پر ان کے راستہ میں موسلا دھار بارش شروع ہوگئی تو انہیں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔

جب پہلے پہل مشق کے پڑاؤ کی تجویز پیش کی گئی تو لاہور کے مضافات کو مشقوں کے لیے منتخب کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا مگر بعد میں چارے کی کمی کے باعث اسے دہلی کے اردگرد اضلاع کے حق میں ترک کر دیا گیا۔

ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ غیر ملکی یورپی حکومتوں کے نمائندوں نے برطانوی فوج کی مشقیں دیکھنے کے لیے ہندوستان کا دورہ کیا۔ وہ تھے نمائندگان فرانس کرنل ڈ-سچارمز اور کمانڈنٹ ڈی ٹورے، جرمنی کے میجرون ہینیو اور میجر بیرن ون ہینجن، روس کے کرنل ٹمبر اور کرنل پرنس اوڈو-سکی میلسوف، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لیفٹیننٹ کرنل ایچ ایم لیزل اور کیپٹن ایس۔ ایم ملز، اٹلی کے بریگیڈیئر جنرل سلیٹ اور کیپٹن ویلریس اور آسٹریا کے لیفٹیننٹ کرنل پرنس لوئس ایسٹرہیزی۔

ہندوستان میں جس طرح برطانوی فوج مختلف اقوام کی ایک بہت بڑی تعداد پر مشتمل تھی، اس طرح دنیا میں کوئی اور فوج نہیں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رنگ برنگی اور مختلف نوعیت کی وردی کے ذریعے غیر ملکی مہمانوں کے لیے ایک انتہائی خوبصورت نظارہ پیش کیا گیا مگر غیر ملکی حکومتوں کے ان تربیت یافتہ نمائندوں نے مختلف الخصائل عناصر کی ہم آہنگی اور آمیزش پر زیادہ توجہ دی۔ انہوں نے اس مظاہرے میں دلچسپی لی اور ہندوستان میں انگریزوں کی طاقت کے بارے میں انہوں نے جو کچھ دیکھا، اس کے بارے میں قیمتی بیانات لکھے۔ یہ وہی مسئلہ تھا، جس کے بارے میں یورپ کی فوجی حکومتیں خاص طور پر معلومات حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ برطانوی فوج نے ہندوستان میں معجزے رونما کیے ہیں۔ یہ کہ انہوں نے بڑے بڑے فسادات کے خلاف جنگیں جیتی ہیں اور فتح کو شکست سے چھینا ہے۔ وہ یہ جانتی تھیں کہ مقامی فوجیوں کی تیار کردہ فوج کو دور دراز کے ساحلوں کی طرف اور وحشی دشمنوں کے خلاف انگریزی وقار کو قائم رکھنے کے لیے بھیجا جا سکتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ہندوستانی فوج برطانوی سلطنت کی منظم

افواج کا ایک جزو لاینفک بن چکی ہے۔ انہوں نے ایک یورپی حکومت کے سپاہیوں کے خلاف اس فوج کی قدر و قیمت کے بارے میں جاننا چاہا۔ غیر ملکی نمائندے ایسے اشخاص تھے، جنہیں ان کی عسکری قابلیت کی بنا کر منتخب کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس بات کی امید کی جا سکتی تھی کہ انہوں نے خود کو قائل کرنے کے لیے کافی کچھ دیکھ لیا تھا کہ نہ صرف ہندوستانی فوج بلکہ ہندوستانی راجگان اور سردار آخری دم تک کسی غیر ملکی حکومت کے حملہ کی مزاحمت کرنے کے قابل اور اس کے لیے تیار ہیں اور یہ کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت نہ صرف اپنی بہت بڑی اور منظم فوج اور ذرائع آمدورفت و قلعوں کے ذریعے بلکہ ہندوستان کی تمام اقوام کی وفاداری اور احسان مندی کے ذریعے قائم و دائم ہے۔ روسی نمائندگان نے ایک برطانوی افسر کے ہمراہ شمال مغربی سرحد کا دورہ بھی کیا اور بلا شک و شبہ وہ یہ دیکھ کر قائل ہوگئے کہ اس سرحد کو محفوظ بنانے کے لیے تمام ضروری تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔

پنجاب چیف کالج

لاہور میں پنجاب ایٹن کی طرز کا پنجاب چیف کالج قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد فرمانرواؤں، سرداروں، خطاب دار اور دیگر نمایاں مقامی شرفاء کے بیٹوں اور محکمہ سرپرست نابالغاں کے بچوں کو تعلیم دینا ہے۔ لہٰذا انبالہ کے مدرسہ نابالغاں کو نئے ادارے میں شامل کر دیا گیا۔

میو سکول آف آرٹس

لاہور میں میو سکول آف آرٹس نے صوبہ میں تکنیکی تعلیم کے سلسلہ میں نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ عمارت جو ۱۸۸۲ء کے موسم بہار میں مکمل ہوئی، اسے آنجہانی لارڈ میو کی ایک یادگار قائم کرنے کے لیے جمع کیے گئے چندوں کی مدد سے تعمیر کیا گیا۔ لہٰذا اس سکول کا مقصد ڈرائنگ اور ڈیزائننگ میں تعلیم دینا ہے۔

ویٹرنری سکول لاہور

گھوڑوں کی نسل کشی کی ترقی اور اس مضمون میں تعلیم دینے کے لیے مئی ۱۸۸۲ء میں لاہور میں ایک ویٹرنری سکول قائم کیا گیا۔ سکول کے لیے وضع کردہ نصاب تعلیم عملی ہے، جو ویٹرنری میڈیسن، سرجری، اناٹومی، فزیالوجی، کیمسٹری، بوٹانی ہیتمالوجی، مویشیوں اور گھوڑوں کی بیماریوں پر کلینیکل لیکچروں اور نسل بندی پر مشتمل ہے۔ طلباء کو باڑے میں کام

کرنے اور لنگڑے و بیمار جانوروں کا علاج کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ سکول سے ملحقہ ہسپتال میں رکھے گئے گھوڑوں اور مویشیوں کی بہت بڑی تعداد اس اہم ادارے کی مقبولیت اور کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پنجاب میں خچر کی نسل کشی کو بھی بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ حصار میں گورنمنٹ کیٹل فارم نے کئی اضلاع کو بہترین بیل مہیا کیے ہیں' لہٰذا حصار میں سانڈوں کی نسل کشی کے مفید نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

پنجاب پبلک لائبریری کا قیام

۳۱ دسمبر ۱۸۸۵ء کو سر چارلس ایچی سن نے پنجاب پبلک لائبریری کا افتتاح کیا۔ وہ اس کے بانی تھے۔ پنجاب میں کافی عرصہ سے علم و ادب کے ایک بہت بڑے مرکز کی ضرورت کو محسوس کیا جا رہا تھا (جو ہر طالب علم کے لیے مہیا ہونا چاہیے تھا) لہٰذا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یہ مفید ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد ہے "ہر طبقہ کے لوگوں کی ذہنی ترقی میں مدد دینے کے لیے انہیں مغرب اور مشرق کے ادب میں جو سب سے بہتر ہو' وہ مہیا کرنا" آنجہانی مسٹر ٹی۔ ڈبلیو ایچ ٹولبرٹ سی۔ ایس نے یہ وسیع و عریض لائبریری مقامی حکومت کے لیے وقف کر دی۔ لہٰذا ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے کتب خانہ کو نئی لائبریری میں ضم کر دیا گیا' جو لوگوں کی علمی' اخلاقی اور عقلی ترقی کے محققین کو حقیقی مدد بہم پہنچاتی ہے۔

پنجاب پبلک سروس کمیشن

دسمبر ۱۸۸۶ء کے وسط میں سر چارلس ایچی سن کی زیر صدارت لاہور میں پنجاب پبلک سروس کمیشن کا اجلاس ہوا۔ اس میں اس صورت حال کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ جس کے تحت ہندوستان کے مقامی باشندوں کو متحدہ سول سروس کے لیے مخصوص آسامیوں پر ملازم رکھا جانا چاہیے اور غیر متحدہ ملازمت کی ان شاخوں کے لیے (جو براہ راست ملک کے انتظامی و عدالتی نظم و نسق سے وابستہ ہیں) بالترتیب ہندوستان کے مقامی و یورپی باشندوں کے داخلہ سے متعلق سوالات بھی کیے گئے۔

مختلف خیالات و مفادات کی نمائندگی کرنے والے کمیشن نے گواہیوں کا جائزہ لیا۔ تحقیقات کے دائرہ اختیار میں آنے والے گواہی دینے والے کسی شخص کو خارج نہیں کیا گیا۔ بشمول پانچ دستوری عہدیداران' سول سروس کے بیس اراکین' غیر متحدہ خدمت کے بیس ارکان اور بشمول انجمنوں اور اخبارات کے مدیران' عوام کے چالیس اراکین سے پوچھ گچھ

کی گئی۔ کمیشن نے مختلف سرکاری محکموں میں ملازمت کے حالات کا جائزہ لینے کی بعد حکومت ہند کو اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ لارڈ ڈفرن کے الفاظ میں معتمد اعلیٰ کو پیش کی گئی رپورٹ پر گورنر جنرل کی سفارشات پر اگر عمل در آمد کر لیا گیا تو اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اس سے ہر صوبہ کے مقامی باشندوں کے لیے اعلیٰ انتظامی آسامیاں پیدا ہوں گی اور ان کے لیے ایک پیشہ ورانہ زندگی کی راہ ہموار ہو جائے گی' جو ان کی آرزوؤں کو مطمئن کر دے گی۔

ہندوستان کی خواتین کو طبی امداد بہم پہنچانے کے لیے منصوبہ تیار کرنے کے لیے ہندوستان' لیڈی ڈفرن کا نہایت مشکور و ممنون ہے۔ قدرتی طور پر ایک ہمدرد ذہن کی حامل اور خیر خواہ و نیک طبیعت کی مالک اس عظیم خاتون نے نیشنل ایسوسی ایشن کا افتتاح کیا۔ اس کے تین مقاصد ہیں۔ یعنی طبی تعلیم' طبی امداد اور تربیت یافتہ نرسوں کی فراہمی۔

اس جیسے منصوبہ کے پسندیدہ مقاصد کے لیے یگانگت کے اظہار اور ہندوستان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اس کی حمایت انتہائی حوصلہ افزا ہے۔ پورے ہندوستان میں طبی امداد کے مختلف مراکز قائم کیے گئے ہیں۔ لہٰذا خواتین کو بہترین تربیت دینے' بطور زنانہ معالج' خدمت کرنے اور زنانہ آبادی کو طبی سہولت بہم پہنچانے کے ذریعے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہر کوشش کی جا رہی ہے۔ لاہور میں لیڈی ایچی سن ہسپتال' گھریلو خواتین مریضوں کو مدد بہم پہنچانے کے علاوہ میڈیکل کالج سے متعلقہ خدمات بھی سرانجام دے گا۔ بطور درس گاہ اس میں خواتین مکمل طبی تربیت حاصل کریں گی اور دیگر اضلاع میں علاج معالجہ کرنے کے لیے تیار کی جائیں گی اور دوسرے ہسپتالوں میں کام کرنے کے لیے انہیں تیار کیا جائے گا۔ جیسے ہی کلکتہ میں نیشنل ایسوسی ایشن کے کام کو ترقی ملتی ہے' اسے قائم کرنے کا ارادہ ہے۔ جہاں کہیں بھی زنانہ ہسپتال قائم کیے گئے ہیں' وہاں زنانہ ڈاکٹروں اور تربیت یافتہ نرسوں کو تعینات کیا گیا ہے۔ لہٰذا ایسے ہسپتالوں میں زنانہ وارڈوں کی بہتات اور تعلیم و تربیت میں مقامی خواتین کی شاندار استعداد کار سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں نے اس منصوبے کو بڑی گرم جوشی سے سراہا ہے۔ برآمد ہونے والے اس نتیجہ سے اس عظیم خاتون کے خاص طور پر بہت شکر گزار ہیں' جو اپنے ممتاز شوہر کے اعزازات میں شراکت کی مستحق ہے۔

ہز ایکسی لینسی نے کہا: "یہ ناقابل بیان حد تک مسرور کن ہے۔ کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر بدل پذیر مشرق میں جہاں خیال کیا جاتا ہے کہ ترقی بے سود ہی آہنی روایت

کے دروازوں پر دستک دیتی ہے' اگر صرف ہمدردی' مہربانی اور اچھا عملی جذبہ' کوشش میں روح پھونکتے ہیں' تو دروازے کھل جاتے ہیں اور نہایت خوشی سے عنایات کی گاڑی کو اندر آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے بعد بہترین اور اچھی بھلی ترقی آتی ہے"۔

نیشنل ایسوسی ایشن ہر ایکسی لینسی لیڈی ڈفرن کی طرف سے لاکھوں عورتوں کے لیے نیکی کی ایک دیرپا یادگار ثابت ہوگی۔ کیونکہ جب یہ خاتون اس ملک کے ساحلوں سے روانہ ہوئیں تو ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کی رعایا میں سے ہزاروں لوگوں کی دعائیں ان کے ساتھ تھیں۔

الحاق برما

بطور وائسرائے لارڈ ڈفرن کے دور میں شاندار کامیابیوں میں ایک بالائی برما میں مصالحت بھی ہے۔ برما کے باشندے قوم کے لحاظ سے منگول اور مذہب کے لحاظ سے بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ نسلوں تک ان کا ملک اندرونی خلفشار اور فسادات کا شکار تھا۔ جس سے یورپ کی ایک عظیم فوجی طاقت کے ساتھ انگریزوں کی لڑائی کا خوف پیدا ہوگیا۔ چنانچہ حکومت ہتھیار استعمال کرنے پر مجبور ہوگئی۔ انگریز سپاہیوں نے اس ملک پر حملہ کر دیا۔ لہٰذا پندرہ روز کے اندر اندر برمی فوج نے فاتحین کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ ان کے بادشاہ کو گرفتار کر لیا گیا اور اس کے دارالحکومت منڈلے پر قبضہ کر لیا گیا۔ یہ ملک' جو مکمل طور پر بدنظمی کا شکار تھا' اس میں امن و امان بحال کر دیا گیا۔ بدنظمی کے بعد امن کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ ڈاکوؤں کی خوفناک ٹولیوں کو منتشر کر دیا گیا اور ان کے سرداروں کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔ وسیع و عریض اور ناقابل گزر جنگلات کو صاف کر دیا گیا۔ سڑکیں زیر تعمیر ہیں' فوجی چوکیاں اور تار برقی کے ذرائع رسل و رسائل کو قائم کر دیا گیا ہے اور ایک مہذب ملک کی تمام اشیاء کو متعارف کرایا گیا ہے۔ برما اب سلطنت برطانیہ کا اٹوٹ انگ بن چکا ہے۔ اس کے جفاکش باشندے ڈاکہ زنی کی وبا سے آزاد ہو چکے ہیں۔ انہوں نے خود کو پرامن فنون میں مشغول کر لیا ہے۔ لہٰذا امید کی جاتی ہے کہ یہ صوبہ ہر میجسٹی کی ہندوستانی سلطنت کا ایک انتہائی خوش حال حصہ بن جائے گا اور حقیقی طور پر اس کی طاقت اور وسائل میں اضافہ کرے گا۔ حکومت ہند اگر اس صوبہ کے سلسلہ میں طاقت اور فیصلہ سے کارروائی نہ کرتی تو یہ خطرات اور مشکلات میں گھر جاتا' جس کا سامنا کرنا اور اس پر قابو پانا کوئی آسان کام نہ ہوتا۔ ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کے شہنشاہی ہند کو مربوط اور مضبوط بنانا' اس کے وسائل کو پھلتا پھولتا دیکھنا اور اس کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور طاقت کو بڑھتے ہوئے دیکھنا ملکہ عالیہ کی رعایا کے مفاد میں ہے۔ عوام اور حکومت کے حقیقی مفادات آپس میں مربوط ہیں۔

یہ اٹوٹ ہیں۔ درحقیقت یہ مماثل ہیں۔ ملک کا ہر خیر خواہ برما سے متعلق لارڈ ڈفرن کی اختیار کردہ حکمت عملی کے لیے خلوص دل سے شکر گزار ہے۔ لہٰذا جب خبر آئی کہ ہر میجسٹی ملکہ عالیہ قیصرۂ ہند کی حکومت شاہیہ نے الحاق سے متعلق لارڈ ڈفرن کی خدمات کو تسلیم کرنے میں سستی سے کام نہیں لیا اور یہ کہ ملکہ عالیہ نے لارڈ ڈفرن کو "مارکوس آف ایوا" کے خطاب سے سرفراز فرمایا ہے (یقیناً اپنی خدمات کے عوض وہ اس اعزاز کے مستحق تھے) تو لوگوں نے خوشیاں منائیں۔

۱۶ فروری ۱۸۸۷ء کو ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کی جوبلی منائی گئی۔ ہندوستان کے تمام اہم مقامات پر ۱۰۱ توپوں کی سلامی سے اس کا اعلان کیا گیا۔ دنیا نے کبھی اتنا خوش حال دور یا انتہائی محبوب ملکہ نہیں دیکھی تھی۔ پنجاب (جہاں پچاس سال پہلے رنجیت سنگھ کی حکومت تھی) نے ہر میجسٹی کے مبارک دور کا پچاسواں برس انتہائی جوش و خروش سے منایا۔ ہر طرف خوشیاں' جشن اور رنگ رلیاں روز کا معمول تھیں۔ تمام اضلاع کے صدر مقامات پر امراء کے استقبال کے لیے دربار منعقد کیے گئے۔ سپاسنامے پیش کیے گئے۔ ہر میجسٹی کی ذات اور حکومت کے لیے پرجوش وفاداری کے جذبے کا اظہار کیا گیا اور ہر فوجی مقام پر فوجیوں کے معائنے کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقع کی مناسبت سے پنجاب میں دو ہزار سے زائد مجرموں کو رہا کیا گیا۔ اس پرمسرت موقع پر غریبوں کو بھی فراموش نہیں کیا گیا۔ خیراتی یا عوامی عمارات قائم کی گئیں یا ان کا افتتاح کیا گیا۔ نیز عام چراغاں کیا گیا اور ہر طرح کی سماجی تفریحات کا انعقاد کیا گیا۔ لیفٹیننٹ گورنر نے لاہور میں (نوشہرہ کے سنگ مرمر پر مشتمل) وکٹوریہ جوبلی ہال کا سنگ بنیاد رکھا اور بشمول پنجاب یونیورسٹی' خالصہ دیوان' انڈین ایسوسی ایشن اور محمڈن ایسوسی ایشن پندرہ انجمنوں اور مقامی اداروں کی طرف سے مبارک بادی سپاسنامے وصول کیے۔ شاہی اجتماع میں قائم کردہ مثال کی پیروی میں پورے صوبہ میں چار سو مقامی شرفاء کو ان کی وفاداری اور بہترین خدمات کے اعتراف میں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر کی دستخط شدہ اسناد پیش کی گئیں۔ حکومت نے رنگ رلیوں اور خوشیوں کی ابتدا لوگوں پر چھوڑ دی۔ لہٰذا سلطنت کے طول و عرض میں عوام نے جس مسرت اور خوشی کا مظاہرہ کیا' وہ قابل ذکر ہے۔ دہلی میں جامع مسجد میں ہر میجسٹی کی خیریت کے لیے خصوصی دعائیں مانگی گئیں۔ پشاور میں ایک اولوالعزم ہندو (لورینداس) نے بیماروں اور محتاجوں کے لیے ایک غریب خانہ قائم کرنے کے لیے ایک لاکھ روپیہ دیا۔ ایک مسلمان صاحب (غلام رسول خاں) نے شہر کے لیے نئے دروازے اور دکانیں تعمیر کرنے کے لیے ۶۰ ہزار روپیہ

دیا۔ دکانات کی آمدنی خیراتی مقاصد کے لیے وقف کر دی گئی۔ امرتسر میں ہندو' سکھ اور مسلمان بہت بڑی تعداد میں اپنی عبادت گاہوں میں جمع ہوئے اور ملکہ عالیہ کے لیے دعائیں کیں۔ بنوں میں مسلمان' ملک' خان' ارباب اور افسران جامع مسجد میں جمع ہوئے اور ملکہ عالیہ کی درازی عمر کے لیے خصوصی دعائیں مانگیں(٦) راولپنڈی میں آہلووالیہ سنگھ سبھا کے اراکین نے اپنے زنانہ کی خواتین کی تیار کردہ خوبصورت کام کی صندوقچی اور پھلکاری ملکہ عالیہ کے لیے پیش کی۔ ڈیرہ غازی خاں میں سرداروں' تومانداروں اور شہریوں کا عوامی اجلاس منعقد ہوا' جس میں شاہی سرائے کے نام سے ایک سرائے عام تعمیر کرنے کے لیے بہت بڑی رقم منظور کی گئی۔ لدھیانہ میں جوبلی کی یادگار کے طور پر خواتین کے لیے ایک ہسپتال قائم کیا گیا۔ کانگڑا میں مشعل کی روشنی کے ساتھ قومی پہاڑی ناچ پیش کیے گئے۔ پورے ہندوستان میں کیتھڈرلوں اور گرجاؤں میں شکرانے کی عبادت منعقد کی گئی۔ جالندھر میں کمشنر نے آہلووالیہ سرداروں' بکرامان سنگھ اور سوچیت سنگھ کے پیش کردہ ہز رائل ہائی نیس پرنس آف ویلز کے مجسمہ کی نقاب کشائی کی۔ وزیر آباد میں مسلمانوں نے مسجدوں میں چراغاں کیا اور ملکہ کے لیے خصوصی دعائیں مانگیں۔ گوجرانوالہ کی خواتین نے جوبلی زنانہ سکول کے لیے جمع کیے گئے چندوں کی مدد سے جوبلی کی ایک یادگار کا باضابطہ افتتاح کیا۔ اس کے اخراجات مکمل طور پر انہیں چندوں کی مدد سے پورے کیے جانے تھے۔ پنجاب کے فرمانروا سرداروں نے ملکہ عالیہ کے لیے اپنی وفاداری کا اظہار کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔

بہاولپور کے نواب نے اپنے نور محل میں (جسے پر تکلف انداز میں روشن کیا گیا تھا) ایک سرکاری استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ ناہن میں جوبلی کے اعزاز میں ایک لاکھ روپے کی لاگت کے ساتھ واٹر ورکس قائم کیا گیا اور اسے قیصر ہند واٹر ورکس کا نام دیا گیا۔ نابھہ کے راجہ نے لندن میں امپیریل انسٹی ٹیوٹ کے لیے ۱۰ ہزار روپے ارسال کیے۔ کپور تھلہ میں راجہ نے خواتین اور بچوں کے لیے وکٹوریہ ہسپتال کا سنگ بنیاد رکھنے کی خاطر دربار منعقد کیا۔ مہاراجہ پٹیالہ نے ایک دربار عام منعقد کیا اور اس میں جوبلی سال کی یادگار کے طور پر ۵۴ ہزار روپے کے عطیات کا اعلان کیا۔ لاہور میں زنانہ میڈیکل سکول میں ہر سال بہترین طالبہ کو دینے کے لیے ایک طلائی میڈل کا اجراء کیا گیا۔ اس موقع کی یادگار کے طور پر پٹیالہ میں ایک بہت بڑا مہمان خانہ قائم کیا گیا۔ جب کہ مہندر کالج میں نصاب تعلیم کو بی۔ اے کے درجہ تک بڑھا دیا گیا۔ یہ سب برطانوی حکومت اور ملکہ عالیہ کے تخت شاہی کے ساتھ

لوگوں کی گہری وابستگی کا ثبوت تھا۔ دانش مندی' انصاف' پاکیزگی اور فرض جس کے سرپرست رہے ہیں اور جو ان کی (ملکہ عالیہ) روزمرہ زندگی کے رفیق رہے ہیں۔ ہر آنے والے سال کے ساتھ ان کی طاقتور حکومت کی بنیادیں زیادہ مضبوطی سے قائم ہوتی گئیں۔ جب کہ ان کی رعایا کی وفاداری و جانثاری زیادہ نرمی و سرگرمی سے بڑھتی رہی۔

ملکہ عالیہ کی جوبلی منانے کے لیے لاہور میں منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں شہر میں ایک "ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ" قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ ادارہ سکول آف آرٹس کے سلسلہ میں قائم کیا جانا ہے' جو بذات خود زبردست افادیت کا حامل ایک تکنیکی تعلیم کا ادارہ ہے۔ حکومت نے پنجاب پبلک لائبریری اور سکول آف آرٹس کے نزدیک انسٹی ٹیوٹ کے لیے ایک مرکزی جگہ عطیہ کے طور پر دی ہے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ فن' صنعتی و اقتصادی نمونہ جات کے علاوہ آثار قدیمہ اور علم الاقوام کے مثالی نمونوں کی نمائش کے لیے کشادہ کمروں پر مشتمل ہوگا۔ کیمیائی لیبارٹریوں' کمرہ ہائے جماعت' لیکچر رومز' کتب خانہ اور ایک انجن روم کے لیے گنجائش مہیا کی جائے گی' جہاں بوقت ضرورت بھاپ بل فراہم کی جا سکے گی۔ ریلوے ورکشاپوں میں ایک انتہائی عملی نوعیت کا کام جاری ہے جہاں شاگرد اوزاروں' مشینری کے استعمال اور دھاتوں و ساز و سامان کی خصوصیات کے بارے میں سیکھ سکتے ہیں۔ نئے ادارہ میں کیمیا' رنگ سازی و کاٹن پرنٹنگ' غذائی مسالہ جات' چمڑا رنگنے اور متعدد دیگر پیشوں کا عملی مظاہرہ ہوگا۔ وکٹوریہ جوبلی انسٹی ٹیوٹ کے اخراجات کے لیے مہیا ہونے والی رقم تقریباً ۹۳ ہزار روپے ہے (جسے چندوں کے ذریعے جمع کیا گیا ہے) لہٰذا ۲۰ ہزار روپے کی اضافی رقم حکومت سے موصول ہو جائے گی' جس میں پرانے عجائب گھر کی عمارت کی قیمت بھی شامل ہوگی۔

سر چارلس ایچی سن کے بعد لیفٹیننٹ گورنر کے عہدہ پر سول سروس کے سر جیمز براڈوڈ لائل ۲ اپریل ۱۸۸۷ء کو جانشین بنے۔ مسلمانوں کی خصوصی حوصلہ افزائی کے لیے حکومت نے ہائی سکولوں اور کالجوں میں استحکام کے لیے ایک مخصوص تعداد میں جوبلی وظائف کی منظوری دی اور بلدیاتی اداروں کو مڈل سکولوں کی اعانت کے لیے اسی قسم کے وظائف ادا کرنے کا اختیار دے دیا۔ سر جیمز لائل کی رہنمائی کے تحت شمال مغربی سرحد پر کالا پہاڑ قبائل کے خلاف ایک مہم کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ان قبائل نے کئی موقعوں پر انگریزوں کے علاقہ پر حملے کیے۔ سرحد پر دیہاتوں کو نذر آتش کیا اور انگریزی رعایا کو قتل کیا۔ ان کے مخالف رویہ کے باعث انہیں مناسب سزا دی گئی اور یہ باور کرا دیا گیا کہ

حکومت برطانیہ گرچہ انتقام لینے میں ست ہے مگر وہ زبردست سزا سے دو چار کرتی ہے۔ ان کے بڑے مینار کو اڑا دیا گیا اور ان کے سب سے بڑے دیہات پوکال کے ساتھ متعدد دیگر دیہاتوں کو بھی نذر آتش کر دیا گیا۔ پوکال میں تقریباً ساٹھ مکانات مضبوطی سے تعمیر کیے گئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر کی دہلیزیں کندہ کاری سے مزین تھیں۔ ان سب کو تباہ کر دیا گیا اور سپاہیوں نے دور افتادہ مکانات کے علاوہ دیہاتیوں کی ملکیت مکئی کے انباروں کو بھی جلا دیا۔ کیونکہ وہ پہاڑوں کی طرف چلے گئے تھے۔ تاخت و تاراج کیے گئے دیہاتوں سے بہت کم قیمتی سامان لوٹ مار حاصل ہو سکا۔ وہاں سب سے اہم چیز شہد تھا جو بہت بڑی مقدار میں ہر طرف پایا جاتا تھا۔ چوبی کندہ کاری سے مزین پشت والی چند کرسیاں فتح کی نشانی کے طور پر اٹھا لی گئیں۔ قبائل کو اطاعت اور رحم کی درخواست کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ لہٰذا اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ان کے لیے یہ سبق سرحد کی حفاظت اور آئندہ امن و امان کے لیے مناسب ضمانت ثابت ہو گا۔

نومبر ۱۸۸۸ء کے وسط میں ہز ایکسی لینسی لارڈ ڈفرن و ایوا نے پنجاب کے دارالحکومت کو اپنی تشریف آوری سے عزت بخشی۔ ریلوے اسٹیشن پر پنجاب کے سرداروں اور بلدیہ نے ہز ایکسی لینسی کو خوش آمدید کہا۔ انہوں نے اس کے سپاسنامہ کا مناسب انداز میں جواب دیا۔ گورنمنٹ ہاؤس میں ایک شاندار عشائیہ دیا گیا' جس میں پنجاب کے چند فرمانروا سرداروں کے علاوہ سرکردہ معززین کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ اگلے روز (۱۵ نومبر) ہز ایکسی لینسی نے لاہور میں مختلف عوامی اداروں کے وفود کا استقبال کیا۔ لہٰذا اس دن جن کو بھی ان سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا' وہ ان کی خوش اخلاقی اور مہربانی کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔ انہوں نے فرداً فرداً ہر ایک کا جواب دیا۔ ان کو پیش کیے گئے سپاسناموں میں انتہائی وفادارانہ انداز میں ہز لارڈ شپ کے دور میں مختلف اصلاحی تدابیر کا حوالہ دیا گیا۔ ہز ایکسی لینسی نے انجمن اسلامیہ لاہور کے سپاسنامہ کا جواب واضح طور پر فارسی میں دیا۔ لہٰذا وفد کے ارکان نے اسے بہت زیادہ سراہا۔ اسی روز لیڈی ڈفرن نے مقامی خواتین کے لیے لیڈی ایچی سن ہسپتال کا رسمی طور پر افتتاح کیا۔ ادارے کی انتظامی کمیٹی کا سپاسنامہ پڑھے جانے کے بعد لیڈی ڈفرن اٹھیں اور کہا "میں ہسپتال کھولنے کا اعلان کرتی ہوں' خدا اس پر اپنا فضل کرے" لارڈ ڈفرن اور سر چارلس ایچی سن نے تقاریر کیں۔ اس ادارے میں دلچسپی لینے والے سرداروں اور امراء نے انتہائی گرم جوشی سے ان کا خیر مقدم کیا۔

ہر ایکسی لینسی نے ایک علیحدہ کمرہ میں خواتین سے ملاقات کی' جہاں انتہائی دلچسپ تقریبات منعقد ہوئیں۔ ایک مقامی خاتون(ے) نے ہندی کے اشعار پڑھے' جو انہوں نے اسی موقع کے لیے مرتب کیے تھے۔ ہر ایکسی لینسی اور عملے کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے' جو انہوں نے پوری تقریب کے دوران پہنے رکھے۔ ٹوکریاں' پراندوں وغیرہ جیسی چند منتخب زنانہ دستکاریاں لیڈی ڈفرن کو پیش کی گئیں۔ لیڈی اور ان کے عملہ نے رخصت ہوتے وقت مقامی خواتین سے ہاتھ ملایا اور اس امید کا اظہار کیا کہ وہ اس کام سے ہمدردی جاری رکھیں گی' جو ان کی صنف کی بہتری کے لیے ہے۔

لاہور میں لارڈ ڈفرن کا قیام مختصر تھا مگر ان کی خوش مزاجی نے اور انہوں نے جس باوقار اور بامروت انداز میں عوامی اداروں کے متعدد وفود کا استقبال کیا' اس نے سب کے دل جیت لیے۔ ان کے الفاظ کا دلنشین تاثر تھا اور اس سے سامعین متاثر ہوئے۔ وفود سے ان کے آخری الفاظ انتہائی رقت انگیز تھے اور ایک ایسے حکمران کے ملک سے رخصت ہوتے وقت حقیقی دکھ سے لبریز تھے' جو ایک جواں ہمت اور سیاسی و انتظامی فہم و فراست اور بے باک خیالات کا مالک تھا۔ انہوں نے ان الفاظ میں لاہور کے شہریوں کو الوداع کہا:

> "حضرات! اب میں آپ کو الوداع کہوں گا۔ آپ نے ہمیشہ مہربانی کے ساتھ میرا استقبال کیا ہے۔ آپ نے فہم و فراست کے ساتھ میرے رویہ کا اندازہ لگایا ہے اور فرض کی ادائیگی کے لیے میری حکومت کی کوششوں کی کھلے دل سے تعریف کرنے میں کبھی گریز نہیں کیا۔ میں جب تک زندہ رہوں گا' پنجاب کی بہادر اور بلند حوصلہ اقوام کی انتہائی شفقت آمیز یاد میرے دل میں رہے گی۔ اس کے بہت سے سرداروں کے ساتھ میرے دوستانہ مراسم قائم ہیں۔ قدرت کاملہ آپ اور آپ کی نسلوں پر اپنی ہر رحمت نچھاور کرے"۔

اس سے زیادہ اور کوئی الفاظ رقت آمیز نہیں ہو سکتے تھے۔ نیز لارڈ ڈفرن نے اپنے اطوار سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے الفاظ محض خالی خولی نہیں ہیں بلکہ ان کی یہ خواہش ہے کہ اس ملک کے عوام کے مفادات کو ترقی دی جائے اور ان کی جائز اور مبنی بر انصاف خواہشات کو کامیابی سے ہمکنار کیا جائے اور ان کی تکمیل کی جائے۔

لاہور سے واپسی پر ہز ایکسی لینسی نے سر جیمز لائل کے ہمراہ پٹیالہ کا دورہ کیا' جہاں مہاراجہ کی شادی کے موقع پر ہونے والا جشن انتہائی دلکش اور رنگ رلیوں سے لبریز تھا۔ وائسرائے کے دورہ کی یادگار کے طور پر مہاراجہ نے اپنی ریاست میں ایک زنانہ ہسپتال قائم

کیا۔ ہسپتال کو تیس ہزار روپیہ کی لاگت سے تعمیر کیا جانا ہے۔ لہٰذا ریاست نے اس کی دیکھ بھال کے لیے سالانہ لاگت کے طور پر دس ہزار روپے مختص کیے ہیں۔ وائسرائے کے دورہ کے اعزاز میں ایک دربار عام منعقد کیا گیا۔ اس میں گورنر جنرل نے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی' جس میں ہز ایکسی لینسی نے مہاراجہ کو اس کی شادی کے مبارک موقع پر مبارک باد دی اور اس دنیا میں اس کے اور اس کے گھرانے کے لیے مسرت و شادمانی اور خوشحالی کی دعا کی۔ بعد ازیں انہوں نے مہاراجہ کو ایک شاندار گلو بند اور تیس ہزار روپے مالیت کے تحائف پیش کیے' جن میں دمشقی کام کی ایک عمدہ تلوار' ایک بندوق اور قیمتی ملبوسات بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ ہاتھی اور گھوڑے کے ساز و سامان کے لیے پانچ ہزار روپے بھی پیش کیے گئے کیونکہ یہ پیش نہیں کیا گیا تھا۔ لارڈ ڈفرن نے کہا "جب ہز ہائی نیس بر سر اقتدار آئے ہیں تو میں اس بات کا قائل ہوگیا ہوں کہ اب وہ اپنے آبائی گھرانے کے وقار کو شایان شان طریقے سے قائم رکھیں گے اور ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کے ایک وفادار اور بہادر جاگیردار کے علاوہ ایک ہوشیار اور روشن خیال حکمران کی حیثیت سے ہندوستان کے راجاؤں کے درمیان اعلیٰ مقام حاصل کریں گے"۔

ہز ہائی نیس کو ان کی وسیع و عریض مملکت پر پورے اختیارات تفویض کیے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ جان کر خوشی ہوتی ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے ذہین وائسرائے کے بھروسہ پر خود کو پوری طرح اس کا اہل ثابت کیا ہے۔

۱۸۸۵ء میں جب انگلستان اور روس کے درمیان جنگ قریب الوقوع معلوم ہوتی تھی تو جنوبی و شمالی ہندوستان کے فرمانروا راجگان ایسے وفادارانہ جذبے کے ساتھ (تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی) اپنی ریاستوں کے تمام وسائل شاہی حکومت کی مرضی پر چھوڑنے کے لیے آگے بڑھے۔ خوش قسمتی سے جنگ سے گریز کیا گیا مگر سرداروں نے جس قسم کے جذبات کا مظاہرہ کیا تھا' انہوں نے نہ صرف انگلستان میں انتہائی موافق تاثر پیدا کیا بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی اس کا انتہائی مفید اثر قائم ہوا۔ ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کی جوبلی کے سال میں ہندوستان کے راجاؤں کو دوبارہ وفاداری کا اظہار کرنے کے لیے موقع میسر آگیا۔ لہٰذا انہوں نے سلطنت کی سرحد کے دفاع میں تعاون کرنے کے لیے انتہائی فیاضانہ پیشکشیں کیں۔ دونوں مواقعوں پر فرمانروا سرداروں میں سب سے نمایاں پنجاب کے راجگان تھے' جن کی افواج گزشتہ مختلف مواقعوں پر مشرق میں انگریزوں کا وقار قائم رکھنے کے لیے برطانوی افواج کے شانہ بشانہ لڑیں۔ حکومت ہند ان محرکات کے خلوص کو اچھی طرح جانتی

تھی' جنھوں نے ان سرداروں کو ان وفادارانہ پیشکشیں کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ لہٰذا ان کے مشترکہ مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے' مملکت محروسہ کے لیے ان کی فرض شناسی کو سراہنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا گیا' جس کی رو سے ان کی پیشکشوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ پٹیالہ کا دربار' اس منصوبہ کے عوامی افتتاح کے لیے گورنر جنرل کو مناسب موقع فراہم کرنا چاہتا تھا' جسے مندرجہ ذیل اصطلاح میں پیش کیا گیا:

حکومت ہند نے ہندوستان کی مقامی ریاستوں کی طرف سے مالی اعانت (جو انہوں نے آزادانہ طور پر پیش کی تھی) کو قبول کرنے کے بارے میں نہ تو اس کو ضروری خیال کیا اور نہ ہی اس کی کسی بنا پر خواہش ہی کی۔ مگر ایک انتہائی اہم صورت حال کے پیش نظر حکومت نے ان کا تعاون حاصل کرنے کی آرزو کی۔ مقامی ریاستوں کی افواج تعداد میں بہت زیادہ تھیں مگر اس وقت ان کی استعداد کار کے مختلف درجات تھے۔ تجویز رکھی گئی کہ ایسے سردار جن کے پاس خاص طور پر بہترین لڑائی کا ساز و سامان ہے۔ انھیں ان افواج کے ایک حصہ کو اس قدر مستعد کرنے کے لیے کہا جائے' جو انھیں شاہی فوج کے ساتھ شانہ بشانہ لڑنے کے قابل بنا دے۔ خیال کیا گیا کہ اس مقصد کے لیے چند زائد کوششیں ضروری ہوں گی تاکہ سپاہیوں کو خدمت کے لیے مکمل طور پر موزوں بنایا جائے۔ انھیں اسلحہ' رسل و رسائل' ساز و سامان اور عام طور پر تنظیم کے لیے انتہائی مکمل انتظامات کی ضرورت ہے۔ سرداروں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے اور خدمت کے لیے منتخب شدہ سپاہیوں کی دیکھ بھال کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ چند انگریز افسران کو بطور مشیران اور نگہبان مقرر کیا جائے۔ افسروں کے صدر مقام برطانوی علاقہ میں کسی مرکزی مقام پر ہوں گے اور وہ اپنی باری پر متعدد ریاستوں کا دورہ کریں گے۔ برطانوی رجمنٹوں سے قابل ترین مقامی اساتذہ کی خدمات بھی ریاستوں کے لیے مستعار لی جائیں گی۔

منتخب شدہ سپاہیوں کو حکومت برطانیہ کی طرف سے متعدد ریاستوں کو پیش کردہ ڈبیہ بندوقوں پر مشتمل ہتھیاروں سے مسلح کیا جائے گا۔ سواروں کے لیے کاربینیں اور پیادوں کے لیے بندوقیں ہوں گی۔ اس کے علاوہ ہر پنجابی سردار چار توپوں پر مشتمل ایک بیڑی حاصل کرے گا۔ پس ہر فوج خالصتاً" ریاستی فوج رہے گی۔ اسے اس کے سردار کے علاقوں میں بھرتی کیا جائے گا اور وہ اسی کی حدود میں خدمات سرانجام دے گی۔ اس کے سپاہیوں کو بتدریج اس قابل بنا دیا جائے گا کہ شاہی حکومت کسی بیرونی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اسے اپنے دستیاب وسائل کے ایک حصہ کے طور پر استعمال کر سکے۔

چنانچہ حکومت کے خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے ہزایکسی لینسی نے کہا:

"مجھے یقین ہے کہ منتخب شدہ سردار کسی بھی صورت میں اپنی پیشکشوں کی منظوری کو ایک باوقار اعزاز خیال کریں گے۔ جب کہ ایسے سردار جن کی افواج سے اسی انداز میں استفادہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر وہ سلطنت کی لڑاکا فوج میں مفید طور پر حصہ نہیں لے سکتے تو وہ دوسرے طریقوں سے اسی طرح اپنی خدمات کو مستحسن بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کا یقین ہے کہ انہیں بھی ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کی منظوری حاصل ہو جائے گی"۔

دسمبر ۱۸۸۸ء کے آغاز میں لارڈ ڈفرن نے وائسرائے اور گورنر جنرل کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور مارکوئیس آف لینز ڈاؤن ان کے جانشین بنے۔ جب پہلے پہل وائسرائے کی تقرری کا اعلان کیا گیا تو انہوں نے اپنی عظیم انتظامی صلاحیتوں کے باعث خود کو پوری طرح امیدوں کے مطابق ثابت کیا۔ لہٰذا جب ان کی سبکدوشی کا وقت آیا تو انگریزی و مقامی تمام طبقوں کے لوگوں کو اس کا بڑا دکھ ہوا۔ حکمت عملی اور سیاست کے مکمل دھنی ہونے کے باعث وہ اپنے ساتھ لوگوں کے ایک حکمران کی حیثیت سے زبردست شہرت لے کے آئے تھے۔ لہٰذا اس ملک (جس پر حکمرانی کے لیے انہیں بلوایا گیا تھا) کی ضرورتوں میں گہری بصیرت اور سلطنت ہند کو اندرونی و بیرونی طور پر مستحکم بنانے اور دوسرے ملکوں کے ساتھ اس کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے ان کی متعارف کردہ عظیم تدابیر کے علاوہ انہوں نے اپنے عظیم کام کی تکمیل کے لیے جس ثابت قدمی و متانت سے کام لیا' اس کے باعث انہیں مجموعی طور پر سب کا اعتماد اور تعریف حاصل ہوگئی۔ جب وہ شروع میں ہندوستان آئے تو سلطنت ہند شمال مغربی سرحد پر یورپ کی ایک عظیم ترین فوجی طاقت کے ساتھ جنگ کے کنارے پر تھی۔ گورنر جنرل کی وضع کردہ دانشمندانہ حکمت عملی کے باعث اس وقت جب انگریز اس آفت کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار نہیں تھے' نہ صرف جنگ اور اس کی آفات کو ٹال دیا گیا' بلکہ فوجی چوکیوں' قلعوں کی تعمیر' چھاؤنیوں کے قیام نئی ریلوے لائنوں کی تعمیر اور سرحد کے ابھی تک ناقابل رسائی حصوں تک سڑکوں کے نظام کو وسیع کرنے کے باعث ذرائع رسل و رسائل کو بہتر بنانے سے سرحد کو مستحکم بنانے کے لیے موثر تدابیر اختیار کی گئیں۔ ان موثر تدابیر کے باعث جلد ہی سلطنت کے استحکام اور حفاظت کو بحال کر لیا گیا۔ لہٰذا اس وقت یہ سب کچھ کیا گیا۔ جب افیم کی آمدنی کی کمی اور تبدیلی پر نقصان کے نتیجہ میں ملک کے وسائل میں زبردست کمی کے باعث خصوصی طور پر

سخت مالی مشکلات کا سامنا تھا۔ معیشت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اور یورپ میں اسی طرح کے منصوبوں پر اٹھنے والے اخراجات کے مقابلے میں نہایت تھوڑی لاگت سے پوری شمال مغربی سرحد کی حالت کو اس قدر مستحکم کر دیا گیا ہے' جو کاشت کار کو امن و سکون کے ساتھ اپنے کھیتوں میں کھیتی باڑی کے قابل بنا دے گی۔ پنجاب کے مقامی سرداروں نے اپنی مملکتوں کے پورے وسائل حکومت کی مرضی پر چھوڑ کر اور اس منصوبہ پر خرچ ہونے والے مصارف میں حصہ ڈالنے کے لیے روپے کی بڑی بڑی رقموں کے نذرانے پیش کر کے سرحدی دفاع کی حکمت عملی کو جاری رکھنے کی خاطر تعاون کی پیش کش کرتے ہوئے ان منصوبوں کو سراہا۔ اس سے پہلے کبھی بھی اتنی وفاداری کا اظہار نہیں کیا گیا۔ نیز یہ پیشکشیں اس گہری دلچسپی کا ناقابل تردید ثبوت تھیں' جو جاگیرداروں نے انگریزوں کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے لی اور جس حد تک انہوں نے مملکت محروسہ کے صحیح مفادات سے اپنی مطابقت پیدا کی۔

لارڈ ڈفرن نے تعلیم کو ترقی دی اور تکنیکی مضامین میں تربیت کی حوصلہ افزائی کی۔ اس آخری موضوع کے حوالے سے ہز ایکسی لینسی نے نومبر ۱۸۸۸ء میں پنجاب کے دارالحکومت میں اپنے دورہ کے موقع پر لاہور میں نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کے سپاسنامہ کے جواب میں کہا کہ ان کی توجہ خاص طور پر اس امر کی طرف ہوئی ہے کہ ہندوستان میں مقبول عام تعلیم کا موجودہ نظام اپنے عزائم میں انتہائی بے باک ہے اور ایسے نوجوانوں کو پیدا کرنے میں ناکام رہا ہے' جو خود کو فنون' دستکاریوں اور سائنس کے لیے وقف کر کے اپنے لیے روزی کمانے کے قابل ہو سکیں۔ ہز ایکسی لینسی نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اب تکنیکی تعلیم کے ایک ایسے نظام کو متعارف کرانے کے باعث اپنے موجودہ عمل کے خلاف اس لعنت کو دور کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں' جو اس کے مساوی ہوں گی اور ادبی نصاب کے ضمن میں ہوں گی"۔

لارڈ ڈفرن کے مطابق پنجاب میں اسی نوعیت کے منصوبہ کو قابل عمل بنانے کے لیے بے پایاں ترقی ہوئی ہے۔ لارڈ ڈفرن نے بلدیاتی اصلاحات میں زبردست دلچسپی لی۔ وہ مقامی خود انتظامی منصوبہ کے خیر خواہ تھے اور ان بلدیاتی اداروں کے کام کے لیے پوری توجہ اور ہر سہولت دینے کے متمنی تھے' جنہیں ان کے ممتاز پیشرو نے انتہائی فیاضی سے بڑا اور مضبوط کیا تھا۔ انہوں نے حفظان صحت اور جیل خانے کی اصلاحات پر زور دیا۔ انہوں نے لوگوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے احتیاطی تحقیقات کروائیں۔ ترک وطن کے لیے سہولیات

بہم پہنچائیں اور سرکاری نوکری کی تنظیم نو کے لیے مفید سفارشات تیار کیں۔

۲۳ نومبر ۱۸۸۹ء کو ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل ہزایکسی لینسی مارکوئیس آف لینز ڈاؤن نے پنجاب کے دارالحکومت کو اپنی تشریف آوری سے عزت بخشی۔ ریلوے اسٹیشن پر پنجاب کے چند فرمانروا سرداروں اور خواتین و حضرات کے ایک بہت بڑے اجتماع نے ہزایکسی لینسی کا استقبال کیا۔ میونسپل کمیٹی نے انہیں ایک خیر مقدمی سپاسنامہ پیش کیا۔ ہزایکسی لینسی نے موقع کی مناسبت سے اس کا جواب دیا۔ ہزلارڈ شپ بیان کرتے ہیں:

"اس صوبہ کے سرحدی اضلاع کے کسی قدر طویل دورہ کے بعد خود کو اس کے دارالحکومت میں پا کر انہیں مسرت ہوئی ہے' جو ماضی کے ساتھ اپنی تاریخی وابستگی کے باعث اور اپنی موجودہ صورت حال کے بموجب پنجاب کی سیاسی زندگی کا مرکز ہے اور حکومت ہند سے وابستہ لوگوں کے انتہائی احترام کا مستحق ہے"۔

۲۵ تاریخ کو ہزایکسی لینسی نے رسمی طور پر لاہور مشن کالج کی عمارت کا افتتاح کیا۔ کالج کے پرنسپل کی طرف سے ہزایکسی لینسی کے لیے ایک سپاسنامہ پڑھے جانے کے بعد اس کے جواب میں محسوس کیا کہ ادارے کے مستقبل کے لیے اعتماد کے ساتھ بڑھنے کی معقول وجہ ہے۔ لہٰذا ان کا یہ عقیدہ ہے کہ "جن بنیادوں پر اسے تعمیر کیا گیا ہے وہ یقینی اور ٹھوس ہیں"۔

اسی روز لیڈی لینز داؤن نے کاؤنٹیس آف ڈفرن فنڈ کے کام سے متعلقہ تعمیر کے سلسلہ میں طالبات کی ایک نئی اقامت گاہ کا سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ادا کی۔ کاؤنٹیس آف ڈفرن فنڈ کی انتظامی کمیٹی کی پنجاب شاخ نے صوبہ میں ایک بہترین کام کیا ہے۔ اس نے طالبات کے لیے وظائف مہیا کر کے لیڈی ایچی سن ہسپتال لاہور سے تعاون کیا ہے اور گورداسپور و دہلی کے بلدیاتی اداروں اور شملہ میں رپن ہسپتال کی زنانہ وارڈ کی امداد کی ہے۔ کپور تھلہ میں ایک ہسپتال تعمیر کیا گیا ہے اور اسے کام کے لیے کھول دیا گیا ہے اور پٹیالہ میں دوسرا زیر تعمیر ہے۔

اگلے روز دوپہر کے وقت تقسیم اسناد کے لیے پنجاب یونیورسٹی کے چانسلر' وائس چانسلر اور اراکین کا اجلاس ہوا۔ یہ اجلاس گورنمنٹ کالج ہال میں منعقد ہوا' جس کو موقع کی مناسبت سے پرتکلف انداز میں آراستہ کیا گیا تھا۔ یونیورسٹی کے سرپرست ہزایکسی لینسی وائسرائے اور چانسلر سر جیمز لائل ایک بلند چبوترے پر اپنی نشستوں پر بیٹھے۔ وائس چانسلر ڈبلیو۔ ایچ ریٹی گن بہادر چانسلر کی بائیں جانب تشریف فرما ہوئے۔ یونیورسٹی کے ارکان

چبوترے کے دائیں اور بائیں جانب بیٹھے۔ ہال یونیورسٹی کے لیے عطیات دینے اور چندے دینے والوں' جامعہ علمی کے لباس میں ملبوس یونیورسٹی کے گریجویٹس اور مہمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سینٹ نے یہ پہلے سے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہزایکسی لینسی اپنی ممتاز حیثیت اور کمالات کے باعث ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے موزوں اور مناسب شخص ہیں۔ چنانچہ نعرہ ہائے تحسین کے درمیان ہزایکسی لینسی کو مذکورہ ڈگری سے نوازا گیا۔(۸) لارڈ لینز ڈاؤن نے پیش کی گئی ڈگری کو قبول کر کے یونیورسٹی کو وقار بخشا اور ایک اہم خطاب کیا۔ اسی روز منٹگمری ہال میں شاندار علمی گفتگو کا اہتمام کیا گیا' جس میں ہزایکسی لینسی اور لیڈی لینز ڈاؤن کو بے شمار یورپی و مقامی مہمانوں سے متعارف کرایا گیا۔ لارنس گارڈن میں گل داؤدی کی نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا۔ لہٰذا شہر اور اس مقام کی اہم قدیم عمارات کی سیر کے ساتھ ان تقریبات کا اختتام ہو گیا۔

۱۸۹۰ء کے آغاز میں ہر امپیریل میجسٹی ملکہ عالیہ کے پوتے کا دورہ ہندوستان' ہماری انتہائی مہربان ملکہ اور ہندوستان کی وسیع و عریض سلطنت کے ولی عہد کی طرف سے انتہائی دلچسپی کا ایک مزید اشارہ تھا۔ اس ملک کے عوام نے اپنے درمیان انگلستان کے شاہی گھرانے کے ایک نمائندے کی موجودگی کو بہت زیادہ سراہا۔ لہٰذا جب ممتاز مہمان نے اس ملک کو اپنی تشریف آوری سے وقار بخشا تو سلطنت کے طول و عرض میں تمام طبقوں اور اقوام کے لوگوں نے بہت زیادہ خوشی محسوس کی۔ ہز رائل ہائی نس ۳ جنوری ۱۸۹۰ء بروز جمعہ کو کلکتہ پہنچے۔ لہٰذا لکھنؤ' کانپور' بنارس اور آگرہ کا دورہ کرنے کے بعد ۲۵ جنوری ہفتہ کی صبح کو لاہور پہنچے تو وفاداری اور خوشیوں کے عام مظاہروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر ممتاز سول و ملٹری حکام نے ان کا استقبال کیا۔ اول الذکر کی قیادت لیفٹیننٹ گورنر سر جیمز لائل اور موخر الذکر کی قیادت سر ہیوگوہ نے کی۔ مقامی راجگان اور امراء کا ایک شاندار اجتماع تھا۔ جیسے ہی ریل گاڑی ہز رائل ہائی نیس کو لے کر اسٹیشن میں داخل ہوئی' (آرائشی پھول بوٹوں اور جھنڈیوں سے اسے سجایا گیا تھا) تو قلعہ کی فصیل سے توپ کی سلامی دی گئی۔ ہز رائل ہائی نیس (جو حیران کن حد تک اپنے چچا ڈیوک آف کوناٹ سے مشابہ تھے) ۱۰ ویں خوسارس کی وردی میں ملبوس تھے۔ تعارف ختم ہوا تو ہز رائل ہائی نیس کو راہداری میں اور اس کے بعد اسٹیشن سے باہر لے جایا گیا' جہاں پنجاب والنٹیئر رائفلز نے گارڈ آف آنر اور ۱۹ ویں پنجاب انفنٹری نے سلامی پیش کی۔ بینڈز نے بیک وقت قومی ترانہ بجایا۔ ریلوے اسٹیشن کے سامنے کا نظارہ زندگی اور چہل پہل سے

بھرپور تھا۔ گورنمنٹ ہاؤس کی طرف جانے والی سڑک کو جھلملاتے ستونوں' ڈھالوں' ہتھیاروں' پارچہ جات اور جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور ۱۷ ویں بنگال لانسرز نے اس کے ساتھ دلفریب قطار بنائی ہوئی تھی۔ اسٹیشن اور اس کے قرب و جوار کی طرف جانے والی سڑکیں تماشائیوں کے ہجوم سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ اپنی محبوب ملکہ کے پوتے کو دیکھ کر ان کے جوش و خروش کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دوپہر کے وقت ہز رائل ہائی نیس نے بہاولپور اور نابھہ کے سرداروں کا استقبال کیا۔ وہ دونوں ستارہ ہند کے گرینڈ کمانڈر تھے۔ لہٰذا سہ پہر کے وقت انہوں نے جوابی طور پر ان سرداروں سے ملاقات کی۔ ازاں بعد جھنڈ' پٹیالہ' بہاولپور اور نابھہ کی مقامی افواج (جن کو حال ہی میں فوج کے افسروں نے تربیت دی تھی) کا گورنمنٹ ہاؤس میں معائنہ کیا گیا۔

اسی روز ۴ بج کر ۴۵ منٹ پر ہز رائل ہائی نیس نے عزت ماب لیفٹیننٹ گورنر اور عملہ کے ساتھ ہاتھیوں پر بیٹھ کر شہر کا دورہ کیا۔ دہلی دروازے میں ایک محراب پر یہ عبارت درج تھی:

"ہمارے محبوب شہزادے وکٹر آف ویلز کو خوش آمدید"

سنہری مسجد اور گلیوں میں سے گزر کر ہز رائل ہائی نیس نے رنجیت سنگھ کی سمادھ کا دورہ کیا' جہاں منتوں نے انگریز مہارانی کے پوتے کو پانچ دریاؤں کی سرزمین پر خوش آمدید کہتے ہوئے ایک خوبصورت بھجن گایا تو اسے سن کر انہیں خوشی ہوئی۔ اس کے بعد یہ جماعت عظیم بادشاہی مسجد میں گئی اور وہ سب اس میں ننگے سر داخل ہوئے۔ ازاں بعد قلعہ میں داخل ہوئے اور شیش محل و سپاہیوں کے کوارٹروں کا معائنہ کیا گیا۔ سات بجے قلعہ اور اس کے مضافات کو روشن کر دیا گیا۔ لہٰذا ایک بڑے مقولہ "وفاداری' ایمانداری' فرمانبرداری" کو رنگ برنگے حروف میں پوری آب و تاب کے ساتھ روشن کیا گیا تھا۔ اس کے بعد آتش بازی کا نہایت شاندار مظاہرہ کیا گیا اور پھر یہ جلوس گورنمنٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے انار کلی اور اس کے گرد و نواح کے چراغاں کا معائنہ کیا' جو بہت ہی متاثر کن تھا۔

رات کے وقت منگمری حال میں نہایت شاندار علمی گفتگو کا اہتمام کیا گیا' جس میں انگریزوں' مقامی سرداروں کی ایک بہت بڑی جماعت اور مقامی پلٹونوں کے افسران کو ہز رائل ہائی نیس سے متعارف کرایا گیا۔ بعد ازیں شہزادے کو چبوترے کی طرف لے جایا گیا تو سر میریڈتھ پلوڈن نے ان کے سامنے سپاسنامہ پنجاب پڑھا' جس میں اجتماع نے سرکاری'

غیر سرکاری اس سرحدی صوبہ کی یورپی و مقامی برادری کے تمام طبقوں کے نمائندہ کے طور پر ہز رائل ہائی نس کو اس دارالحکومت میں وفادارانہ اور دلی خوش آمدید پیش کیا۔ چودہ برس پہلے ہز رائل ہائی نیس کے ممتاز والد نے لاہور کا دورہ کیا تھا۔ لہٰذا اس عرصہ کے دوران پنجاب نے تیزی سے ترقی کی ہے۔ لاہور اور کراچی کے درمیان ریلوے کے رابطہ کی تکمیل سے صوبہ کو اپنی سمندری تجارت کے لیے ایک قدرتی نکاس حاصل ہوگیا ہے اور پشاور تک ریلوے کی توسیع کے ذریعے خیبر کے سرکش قبائل کو رام کرنے میں مدد ملی ہے اور ڈیرہ جات کی سرحد کے ساتھ ذرائع آمد و رفت کی ترقی نے حقیقی طور پر ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کو غیر ملکی جارحیت کے خلاف محفوظ بنا دیا ہے۔ لاہور میں ایک خود مختار صوبائی یونیورسٹی کے قیام سے پر امن مشاغل میں تعلیم کے میدان میں ترقی ہوئی ہے۔ ہز رائل ہائی نیس کا مجوزہ دورہ' پنجاب کے اہم شہروں کو دیکھنے کا موقع فراہم کرے گا جب کہ مریدکے میں مشقوں کے لیے فوجی پڑاؤ میں فوج کی متعدد رجمنٹیں جمع ہوئی ملیں گی' جس کو اس صوبہ کی مختلف جنگجو اقوام میں سے بہت بڑی تعداد میں بھرتی کیا گیا ہے۔ پنجاب اپنے میدانوں میں دیگر صوبوں کے پیش کردہ قدرتی نظارے کی خوبصورتی رکھنے کے سلسلہ میں شیخی نہیں بگھار سکتا۔ جہاں سے ہز رائل ہائی نیس بعد میں گزرے تھے لیکن اس نے سلطنت کو ایک ایسی آبادی مہیا کی ہے' جو مردانہ خصوصیات کے لیے مشہور ہے۔ اس نے زراعت کے میدان میں بہت زیادہ خوشحالی حاصل کر لی ہے۔ جو حالانکہ مختلف مذاہب (سکھ' ہندو مت اور اسلام) کے بہت سے مختلف قبائل پر مشتمل ہے لیکن ہر میجسٹی ہماری محبوب ملکہ عالیہ کے لیے جانثار وفاداری اور وابستگی کے مشترکہ بندھن میں بندھی ہوئی ہے۔

ہز رائل ہائی نیس نے ایک مناسب جواب دیا' جس کا متن مندرجہ ذیل ہے:

"سر میریڈتھ پلوڈین اور معزز حضرات! میں اس انتہائی پرتپاک سپاسنامے کے لیے (جو ابھی میرے سامنے پڑھا گیا ہے) آپ کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں۔ یہ سپاس نامہ' جو پنجاب کی برادری کے توسط سے پیش کیا گیا ہے' اس نے مجھے بہت زیادہ خوشی دی ہے۔ یہ دیکھ کر میری دلچسپی میں اضافہ ہوا ہے کہ اس صوبہ کی وسیع و عریض اور مختلف النوع آبادی ہر میجسٹی ملکہ عالیہ کے لیے وفاداری اور جانثاری کے سلسلہ میں کس قدر متحد ہے۔ لہٰذا یہ میرا انتہائی مسرور کن فرض ہوگا کہ آپ نے ہر میجسٹی سے وابستگی اور لگاؤ کے لیے جس قسم کے

دلی جذبات کا اظہار کیا ہے' میں اسی انداز میں انہیں ہر میجسٹی کے سامنے دہراؤں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے اس قدر زیادہ دلچسپی اور ہمدردی کا بہتر تصور پیش نہیں کر سکتا لیکن میں آپ سے یہ کہوں گا کہ ہندوستانی سلطنت کی طرف اپنے دورہ سے معذوری کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اس پر افسوس کرنا نہیں چھوڑا۔ ہر میجسٹی نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ ہندوستانی زبان کا کچھ علم حاصل کر لیا ہے۔

ہندوستان کے دیگر صوبہ جات پنجاب سے زیادہ متمول ہو سکتے ہیں۔ چند ایک ہو سکتا ہے زیادہ خوبصورتی کے مناظر پیش کر سکتے ہوں مگر ہندوستان کا کوئی ایسا صوبہ نہیں' جو پنجاب کی طرح فخر و ناز کر سکتا ہو۔ یہ کہ کسی بھی غیر ملکی جارحیت کے خلاف یہ ایک دفاعی پشتہ ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ہماری مشرقی سلطنت کا نگہبان ہے۔

چونکہ پنجاب' بھرتی کا سب سے بڑا میدان ہے' چنانچہ یہ شمالی ہندوستان میں فوج کے ایک بہت بڑے حصہ کا میدان عمل بھی ہے۔ مجھے یہ خیال کر کے خاص طور پر خوشی محسوس ہوئی ہے کہ یہاں سپاہیوں کی سرزمین میں' میں مریدکے کے مقام پر ایک ایسی سوار فوج کو دیکھوں گا' جو دنیا کے کسی بھی حصہ میں شاید' شاذ و نادر ہی اتنی بڑی تعداد میں جمع ہوئی ہو۔

لاہور میں آج میں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ جس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے اور میری اس میں خاص دلچسپی رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں یہاں (جو ہندوستان کے قدیم ترین دارالحکومتوں میں شمار ہوتا ہے) نئی عمارتوں کی صورت میں (جن کا ہر جانب افتتاح کیا جا رہا ہے) اور ایک مطمئن اور جوانمرد آبادی کے وفادارانہ مزاج میں خوشحالی اور مضبوط تہذیب و تمدن کی علامات دیکھتا ہوں۔

حضرات! میں ایک بار پھر آپ سب کا اور آپ کے توسط سے پنجاب کے تمام طبقوں کا اس مسرور کن سپاس نامہ اور اس پرتپاک خوش آمدید کے لیے نہایت مشکور ہوں' جو آج آپ نے مجھے دیا ہے"۔

۲۶ جنوری بروز اتوار شاہی وفد بذریعہ ریل گاڑی مریدکے کے لیے روانہ ہوا' جہاں ہز رائل ہائی نیس کے اعزاز میں وہاں جمع سپاہیوں کا ایک عظیم معاینے کا اہتمام کیا گیا۔ یہ

مشقیں کمانڈر انچیف کے پڑاؤ کے مغرب میں واقع میدانوں پہ کی گئیں۔ حکومت ہند نے کافی دیر بعد اس ضرورت کو پہچانا کہ فوج کی ہر شاخ کو اپنے مخصوص فرائض کے سلسلہ میں دیگر افواج کے ساتھ مشترکہ طور پر کام کرنے سے پیشتر تربیت دی جائے۔ اس امر کو بھی تسلیم کیا گیا کہ سوار فوج کی صورت میں کمانڈروں کو مہارت اور پھرتی کے ساتھ سواروں کے بڑے بڑے دستوں کا انتظام کرنے کا اختیار حاصل ہونا چاہیے۔ سرفریڈرک رابرٹس کے مطابق اس میں کوئی شک نہیں کہ بیچ لوڈر نے حقیقی معنوں میں پیادہ فوج کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کر لیا تھا جب کہ اس بات کا امکان تھا کہ بے دھواں کے بارود کو متعارف کرانے سے جدید فن حرب میں انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ کمانڈر انچیف کو پیادہ سپاہیوں کو اس بات کی نصیحت کرنے کا موقع حاصل ہو گیا کہ انہیں یہ سکھایا جائے کہ وہ اپنی بندوقوں کو موثر طور پر کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ جب کہ بعد میں توپچیوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اس ضرورت کی نشاندہی کی کہ وہ خود کو مقدور بھر اپنی توپوں کے صحیح استعمال کے قابل بنائیں۔ انہوں نے سوار سپاہیوں پر زور دیا کہ یہ کس قدر ضروری ہے کہ وہ تلوار اور نیزے کے استعمال میں مہارت حاصل کریں۔ ہز ایکسی لینسی نے دلیل پیش کی "صرف ایک طریقہ ہے جس کی مدد سے سوار سپاہی اپنے ہتھیار کے استعمال اور اپنے گھوڑے کے انتظام میں بھی پوری طرح ماہر ہو سکتا ہے اور وہ ہے سواروں کی لڑائی کی مشق"۔

اس مقصد کے لیے گزشتہ چند سالوں کے دوران تربیت کی چھاؤنیوں کی منظوری دی گئی۔ چنانچہ اوناؤ' گور گاؤں اور پور میں توپ خانے کی چھاؤنیاں' لارنس پور اور دہلی میں سوار فوج کی چھاؤنیاں جبکہ ہر موسم سرما کے چند ہفتوں کے لیے بڑے بڑے اضلاع کے صدر مقامات پر کثیر تعداد میں پیادہ فوج اکٹھی کی گئی۔ مریدکے میں سوار فوج کے مشقی پڑاؤ کا مقصد اسی طرح کا فوجی نظم و نسق حاصل کرنا تھا۔ کچھ روز پہلے تربیتی کام کیا گیا لہٰذا افواج کے حملے' افواج کے اجتماع' نقلی لڑائیوں' اور دیگر مشقوں کے مقابلے ہوئے۔ ۲۹ جنوری کی صبح کو پریڈ کے لیے آئی ہوئی عظیم الشان سوار افواج کی پوری تعداد نے دو قطاریں بنا لیں۔ پہلی قطار جو دو میل کے فاصلے تک محیط تھی' وہ رائل ہارس آرٹلری کے دو توپ خانوں' مقامی سوار فوج کی دس رجمنٹوں اور ڈریگون گارڈز کے تین دستوں پر مشتمل تھی۔ پانچ نیزہ بردار رجمنٹیں مرکز میں اور تلوار بردار رجمنٹیں پہلوؤں میں تھیں۔ دوسری قطار مقامی ریاستوں کے سپاہیوں کے ۹ دستوں پر مشتمل تھی۔ اس کی تھوڑی دیر

بعد شہزادہ حضور کو لیفٹیننٹ گورنر سر جیمز لائل، کمانڈر انچیف سر فریڈرک رابرٹس اور بے شمار عملہ کے ہمراہ قطار کے بائیں پہلو کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا گیا۔ جیسے ہی یہ جلوس سلامی کے چبوترے پر پہنچا تو پوری قطار نے سلامی دی۔ ہز رائل ہائی نیس اور کمانڈر انچیف آگے بڑھے اور اسے قبول کیا۔ دونوں قطاروں کا معائنہ ختم ہوگیا تو جنرل لک اور ان کے سٹاف کی قیادت میں مارچ پاسٹ کا آغاز ہوا۔ اس کے پیچھے رائل ہارس آرٹلری اور دو سوار دستے آئے۔ دستے کے بعد دستہ گزرا۔ جیسے ہی آخری دستہ نظروں سے غائب ہوا تو توپ خانہ دوبارہ آگے بڑھا۔ اس کے پیچھے پوری فوج چل پڑی۔ سامنے کا حصہ فوج کے واپس پلٹنے اور دائیں جانب صف بندی کرنے کے باعث صاف ہوگیا۔ ہر رجمنٹ گیلوپنگ پاسٹ کرتے ہوئے گزری۔ گیلوپنگ پاسٹ ختم ہوا تو دو ڈویژنیں صف بندی کے وقفوں کی صورت میں صف آراء ہوئیں۔ لہٰذا پیش قدمی کا حکم دیا گیا۔ پوری قطار، جس کی لمبائی دو میل تھی، دلکی چال میں آئی اور جہاں ہز رائل ہائی نس کھڑے تھے، وہاں تک پچاس گز کے فاصلے تک آگے بڑھی۔ اس کے بعد ٹھہراؤ کی آواز سنائی دی۔ لہٰذا جب پوری قطار نے مشترکہ طور پر سلامی دے دی تو معائنے کا اختتام ہوگیا۔ ازاں بعد جنرل سر فریڈرک رابرٹس گھوڑے پر سوار سلامی کے چبوترے کی طرف بڑھے اور انگریز و مقامی افسران (جو وہاں جمع تھے) سے نہایت بہترین خطاب کیا۔ انہوں نے گزشتہ مشقوں کی کامیابی اور نقل و حمل کی پھرتی پر خوشی کا اظہار کیا۔ باقاعدہ اور احتیاطی انداز میں دستوں کی تربیت کے باعث یہ ایک کار عظیم تھا۔ لہٰذا ہز ایکسی لینسی نے خواہش ظاہر کی کہ یہاں جمع ہونے والے افسران کو اس بات کا یقین ہو جانا چاہیے کہ ان کی کوششوں کو مکمل طور پر سراہا گیا ہے۔

تقریر کے اختتام پر ہز ایکسی لینسی نے فرسٹ پنجاب کیولری کے افسروں کے لیے یہ اعلان کیا کہ ہر میجسٹی ملکہ عالیہ نے اس رجمنٹ کو ہز رائل ہائی نیس، پرنس البرٹ وکٹر آف ویلز کا نام دینے کی ازراہ کرم منظوری دے دی ہے اور یہ کہ اب سے اس کو "شہزادہ البرٹ وکٹر کی اپنی فوج" کے نام سے پکارا جائے گا۔ یہ ایک ایسا اعزاز ہے، جس کو یقیناً نہ صرف فرسٹ پنجاب کیولری کے تمام عہدیداران، بلکہ پنجاب فرنٹیئر فورس کی پوری فوج بھی سراہے گی۔ ۳۰-۲ بجے سہ پہر ہز ایکسی لینسی نے پڑاؤ کو برخواست کیا۔ لہٰذا مردان کے میں ۱۸۹۰ء کا کیولری کیمپ، جو ہندوستان میں جمع ہونے والی سوار فوج کی سب سے بڑی تعداد پر مشتمل تھا، اس کا اختتام ہوگیا۔

مردان کے سے پشاور کے لیے روانہ ہونے کے بعد ہز رائل ہائی نیس ۳۰ جنوری کی صبح

کو پشاور اسٹیشن پہنچے۔ وہ کمشنر کے ہمراہ شہر میں سے گزرے۔ لہٰذا گور کوٹری پہنچنے پر انہیں میونسپل کمشنروں سے متعارف کرایا گیا' جو سب اس مقام پر انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ان کے اعزاز میں باغ میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ لہٰذا اگلے روز ہز رائل ہائی نیس رائل آرٹلری ڈریگ میں سر ایڈورڈ براڈوڈ اور ان کے مصاحبین کے ہمراہ جمرود کے لیے روانہ ہوئے۔ جمرود میں خیبر رائفلز کے ۲۰۰ جوانوں نے سلامی کے ساتھ شہزادے کا استقبال کیا۔ ہز رائل ہائی نیس نے ۱۸۸۸ء کی کالا پہاڑ مہم کے لیے میجر اسلم خاں' مقامی افسران اور ان افراد کو تمغات پیش کیے' جنہوں نے اس مہم کے سلسلہ میں آرڈرز آف میرٹ وصول کیے تھے۔ انہوں نے مہم میں ان کی کارکردگی اور جنگ میں ان کی بہادری کی تعریف کی' جس کے باعث ان تمام جرنیلوں اور کمانڈروں نے ان کا احترام کیا اور ان کی خدمات کو سراہا' جن کے ساتھ ان کا رابطہ ہوا تھا۔ انہوں نے پہلی مرتبہ خیبر کا دورہ کرنے' خیبر رائفلز کو دیکھنے' ان کی سپاہیانہ وضع قطع کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملنے اور اپنے ہاتھ سے مستحق جوانوں کو تمغات دینے پر خوشی کا اظہار کیا۔

اس کے بعد شاہی وفد لنڈی کوتل کی طرف روانہ ہوا' جہاں شنواریوں کے سرداروں نے ہز رائل ہائی نس کو خراج عقیدت پیش کیا۔ راستے میں شہزادے کی ملاقات ذکا خیلوں کے ایک قبیلہ سے ہوئی۔ انہوں نے خیبر میں انہیں خوش آمدید کہا تھا۔ ازاں بعد ہز رائل ہائی نیس اور جماعت واپس علی مسجد کی طرف آئی اور نصف شب کو یہ راولپنڈی کے لیے روانہ ہوئے۔

یکم فروری ۱۸۹۰ء کو شہزادہ حضور راولپنڈی پہنچے تو خانہ کے میدان پر سپاہیوں کی ایک عظیم الشان پریڈ کا اہتمام کیا گیا۔ ہز رائل ہائی نیس نے سامنے سے گزرنے والی مختلف رجمنٹوں میں زبردست دلچسپی کا اظہار کیا' جو گورکھوں' سکھوں' پٹھانوں اور ڈوگروں پر مشتمل تھیں۔ اس کے علاوہ انتہائی بہترین انگریزی افواج بھی تھیں۔

۳ فروری بروز سوموار ہز رائل ہائی نیس نے انارکلی میں نئے جوبلی میوزیم اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کو قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ لندن میں عظیم ہندوستانی ادارے کے مددگار کے طور پر خدمات سرانجام دے گا اور اسے ڈیڑھ لاکھ روپے سے زائد لاگت سے تعمیر کیا جانا ہے۔ عجائب گھر کے مہتمم اور میوسکول آف آرٹ کے پرنسپل مسٹر جے۔ ایل کپلنگ نے سپاسنامہ پڑھ لیا تو ہز رائل ہائی نیس نے ایک متاثر کن اور فصیح و بلیغ انداز میں جوابی تقریر کی۔ جنگ کے اس صوبہ میں حقیقی عسکری جذبہ اور

حقیقی فوجی ساز و سامان اس قدر نمایاں تھے کہ وہ اس عسکری انحصار کو شمار کر سکتے تھے' جو اس روز پسندیدہ تھی۔ انہوں نے ہندوستان آنے سے قبل پنجاب کی سکھڑ چوبی کندہ کاری اور خوبصورت کشیدہ کاری کے بارے میں سن رکھا تھا۔ لہٰذا انہیں اس منصوبہ میں حصہ لینے میں خوشی محسوس ہو رہی تھی' جس کا دوہرا مقصد تھا۔ یعنی اس دلچسپ ملک کی مصنوعات کے لیے عظیم عجائب گھر اور نمونہ گھر بنانا اور ان لوگوں کے لیے تکنیکی تعلیم مہیا کرنا' جن کی زندگی ان لوگوں کے مقابلے میں دوسرے راستوں میں مصروف ہو' جن کا پیشہ کھیتی باڑی اور تلوار بازی ہو۔

وہ یہ جانتے تھے کہ ان کے والد نے انگلستان میں کس طرح ایک شاندار اور پائیدار ادارے کے قیام کے لیے ان تھک کوشش کی' جو انسانیت کو عظیم برطانوی سلطنت کی طاقت اور حقیقت کے بارے میں بتائے گا۔ لہٰذا پنجاب کے اس عجائب گھر اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے بھی بعینہ وہی مقاصد ہیں' جو امپیریل انسٹی ٹیوٹ کے ہیں۔ ہز رائل ہائی نیس پرنس آف ویلز کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پنجاب میں بھی لندن میں واقع انسٹی ٹیوٹ کے مقاصد پر مبنی ادارے کا قیام ہونے والا ہے۔ شاہی مقرر کو اس پر پورا یقین تھا کہ ملکہ عالیہ بھی اس خوشی میں شرکت کریں گی۔ صوبے کے عوام اور سرداروں کی طرف سے اس میں ڈالے گئے وفادارانہ نذرانوں کے لیے اس سے زیادہ اور کوئی مناسب اور مفید مقصد نہیں ہو سکتا تھا کہ تجارت اور زراعت کی ترقی اور پنجاب کے لوگوں میں آرٹ کی حوصلہ افزائی کے سلسلہ میں ایک ادارہ قائم کر دیا جائے۔

اس کے بعد ہز رائل ہائی نیس نے معمول کی رسومات ادا کرنے کے بعد ازراہ کرم سنگ بنیاد رکھنے کا اعلان کیا۔

بعد ازیں شہزادہ عالم نیو وکٹوریہ جوبلی ہال کی طرف روانہ ہوئے' جہاں ان کے سامنے بلدیاتی سپاسنامہ پڑھا گیا تو ہز رائل ہائی نیس نے جواباً فرمایا کہ آج یہاں موجود ہونے کی انہیں بہت زیادہ خوشی ہے۔ وکٹوریہ جوبلی ہال (جس کے افتتاح کے لیے انہوں نے شہزادے کو مدعو کیا تھا) ملکہ عالیہ کے دور حکومت کے پچاسویں سال کے لیے شایان شان اور مفید یادگار تھی۔ لہٰذا انہیں یقین تھا کہ یہ خالص اور وفادار صلاح کاروں کی متعدد' نرم و دانش مندانہ مباحث کا مقام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دوسرے ملکوں کی طرح ہر شہری کی یہ زبردست خواہش ہوتی ہے کہ اپنے شہر میں اس کو بلند مرتبہ حاصل ہو۔ چنانچہ لاہور اور اس کے ضلع کے افراد اسے شہرت کا ایک مناسب مندر پائیں گے' جہاں ان کے ناموں کو وقار بخشا

جائے گا اور ان کا احترام کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس بات کا امکان بھی ہے کہ ہندوستانی فنکاروں کے ذریعے بھی تصویروں کی صورت میں اس ہال کی دیواروں پر ان کے نقوش اگلی نسلوں کے حوالے کر دیے جائیں۔ پھر ہز رائل ہائی نس نے اپنے لیے ان کے مہمان جذبات کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس ہال کا افتتاح کر کے انھیں بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی ہے۔

سر جیمز لائل نے شالامار باغ میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا۔ جس میں یورپی و مقامی لوگوں نے شرکت کی اور منٹگمری و لارنس ہال میں ایک عوامی ناچ گانے کی محفل کا انتظام بھی کیا گیا۔ یہ دونوں ہال شاندار اور فقید المثال تھے۔ اس کے ساتھ ہی پنجاب کے دارالحکومت کے لیے شاہی دورہ سے منسلک تقریبات اختتام کو پہنچیں۔

۶ فروری کو ہز رائل ہائی نیس نے امرتسر کا دورہ کیا۔ شہزادے کا استقبال کرنے کی لیے وہاں عظیم الشان تیاریاں کی گئیں۔ سڑکوں کی آرائش انتہائی دلفریب تھی اور ہال گیٹ کے قریب باب الفتح' آرائشی فن کا ایک عظیم الشان نمونہ تھا۔ اندرون شہر کیسری باغ سے دربار صاحب تک مکانات کی پیشانیوں کو کشمیری شالوں اور دیگر قیمتی پارچات سے چھپایا گیا تھا۔ جب کہ مناسب وقفوں پر شالوں کی محرابیں بنائی گئی تھیں۔ بغلی گلیاں اور مکانات کی چھتیں پرجوش تماشائیوں کے ہجوم سے بھری ہوئی تھیں۔ ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پہ افسران کی معزز جماعت اور مقامی و یورپی شرفاء نے ہز رائل ہائی نیس کو خوش آمدید کہا تو اس کے بعد وہ ایک انتہائی شاندار بگھی میں سوار ہوئے' جو خاص طور پر انھیں مہیا کی گئی تھی۔ اسے چار گھوڑے کھینچ رہے تھے اور اس کے دو کوچوان تھے۔ وہ سب سے پہلے دربار صاحب گئے' جہاں دربار صاحب کی انتظامی کمیٹی نے شاہی جماعت کا سواگت کیا۔ اس وفد کے ارکان سنہری کام سے مزین کپڑے کے جوتے پہن کر (جو پہلے ہی اس موقع پر فراہم کر دیے گئے تھے) مندر میں داخل ہوئے اور گھوم پھر کر اسے دیکھا۔ روانگی پر ہز رائل ہائی نیس اور وفد کے اراکین کو منتوں نے پھولوں کے ہار پہنائے۔ یہ جماعت اس کے بعد خوبصورتی سے سجائے گئے ٹاؤن ہال کی طرف روانہ ہوئی۔ شہزادہ حضور نے مقامی شرفاء اور وہاں موجود ضلعی افسران کا خراج عقیدت وصول کیا۔ تحفے تحائف کا سلسلہ ختم ہوا تو ہز رائل ہائی نیس ایک ملحقہ کمرے کی طرف تشریف لے گئے' جہاں مقامی دستکاریوں کی شاندار اشیاء کی ایک بہت بڑی اور مختلف النوع ترتیب کی نمائش کی گئی تھی۔ انہوں نے اشیاء کی بہت بڑی تعداد کا بغور جائزہ لیا اور ان میں بہت زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا۔ ازاں بعد امرتسر کے

قالین بانی کے کارخانے کا معائنہ کیا گیا۔ لہٰذا رام باغ (جو رنجیت سنگھ کے دربار کی حیثیت سے تاریخی طور پر مشہور ہے) میں سے گزرنے اور مختصر سا آرام کرنے کے بعد ہز رائل ہائی نیس خصوصی گاڑی کے ذریعے کپور تھلہ روانہ ہوئے۔

کپور تھلہ میں راجہ نے ہز رائل ہائی نیس کا شاندار استقبال کیا۔ پورے شہر اور شاہراؤں کو پر تکلف انداز میں آراستہ کیا گیا تھا۔ بہترین کشتی اور سکھوں کی ورزشی کھیلوں کے مظاہرہ سے شہزادے کو محظوظ کیا گیا۔ ان کی بہت زیادہ تعریف کی گئی۔ شہر میں چراغاں کیا گیا اور خوبصورت دربار ہال کو بجلی سے روشن کیا گیا۔

۷ فروری کو شاہی وفد پٹیالہ پہنچا۔ اپنے ممتاز مہمان کا استقبال کرنے کے لیے مہاراجہ نے عظیم الشان تیاریاں کی تھیں۔ ریلوے اسٹیشن' سڑکوں کے علاوہ' موتی باغ میں پڑاؤ تک پر تکلف چراغاں کیا گیا تھا۔ بڑی گلیوں کو باذوق انداز میں آراستہ کیا گیا تھا اور دربار کے کمروں کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ شہزادہ حضور کے اعزاز میں مہاراجہ کی طرف سے منعقد کردہ ایک عظیم الشان دربار میں ہز ہائی نیس مہاراجہ نے وفادارانہ جذبات اور انگلستان کے شاہی خاندان کے لیے نیک خواہشات سے بھرپور ایک فصیح و بلیغ تقریر کی۔ اس پر مسرت اور مبارک موقع پر مہاراجہ نے پنجاب میں انتہائی ممتاز سکالر کو عطا کرنے کے لیے پنجاب یونیورسٹی میں البرٹ وکٹر پٹیالہ سکالر شپ کے نام سے ایک وظیفہ قائم کرنے کے لیے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

ہز رائل ہائی نیس نے جواب میں اپنے شاندار استقبال کے لیے مہاراجہ کا پر تپاک انداز میں شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے مہاراجہ سے جان پہچان ہونے پر مسرت کا اظہار کیا اور اپنے دورہ کو خوبصورتی سے منانے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ شہزادہ حضور اپنے پیچھے ایسی یاد چھوڑ کر' جسے پٹیالہ فخریہ طور پر ہمیشہ یاد رکھے گا' ۹ تاریخ کو دہلی کے لیے روانہ ہو گئے۔

اس ملک میں انگلستان اور ہندوستان کے تاج شاہی کے ولی عہد کی اس ملک میں آمد پر مقبول عام مظاہرہ اور خوشی کا طوفان' صوبوں کے تمام حصوں میں ان کے دورہ کے موقع پر زبردست دلچسپی کا محسوس کیا جانا اور ہر طرف وفادارانہ جذبات کا فطری اظہار بلا شک و شبہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ملکہ عالیہ اپنی ہندوستانی رعایا کی الفتوں اور محبتوں پر کس قدر اختیار رکھتی ہیں اور ان کی ذات اور تخت کے لیے ان کا کس قدر خلوص اور دلی وفاداری ہے۔

اس پر مسرت موقع پر اس برادری کے تمام طبقوں نے جس پر تپاک اتحاد اور نیک

خواہش کا اظہار کیا اور تخت کے لیے وفاداری اور جاںنثاری کا مظاہرہ جو اس نے ابھارا' یہ صرف تہذیب و تمدن کے بڑے مراکز تک ہی محدود نہیں تھے بلکہ خیبر سے جمنا تک' دور دراز جنوب سے شمال تک' سلطنت کے تمام حصوں میں ان کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس دور افتادہ صوبے کے عوام احسان مندی سے اس بات کو یاد رکھیں گے کہ شہزادہ حضور کئی ہزار میل کا سفر طے کرنے کے بعد انہیں اسی حیثیت سے دیکھنے کے لیے آئے اور ان کے آبائی ملک میں ان سے ملاقات کر کے انہیں عزت بخشی جب کہ اس بات کی امید ہے کہ ہزرائل ہائی نیس نے اپنے اس دورہ سے جو علم حاصل کیا ہے' جب وہ اپنی باری پر اس عظیم سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر اعصائے شاہی سنبھالیں گے تو خاص طور پر یہ ان کے لیے بہت مفید ثابت ہو گا۔

دریائے سندھ نے ڈیرہ غازی خاں کے شہر کی جانب رخ موڑ کر شہر کے اندر تین ہزار فٹ تک کنارے کو اور نہر کستوری کے کناروں تک (جو سیلاب کے خلاف ایک قسم کے دفاع کا کام دیتے تھے) زمین کو لپیٹ میں لے لیا تو حکومت نے شہر کے گرد سڑک کے ساتھ ساتھ ایک حفاظتی پشتہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ پشتہ کوہ نمک میں ورچہ کی کانوں اور سندھ میں سکھر سے لائے گئے کھردرے پتھر سے تیار کیا گیا۔ اسے کنارے کے ساتھ ڈال دیا گیا تاکہ زمین کو دریا کی دست برد سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ بتدریج دریا میں گرتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ پتھروں سے ایک قدرتی کنارہ تیار ہو گیا۔ شیر شاہ میں بھی چناب کے نئے پل کے لیے حفاظتی کاموں سے متعلقہ اسی طرح کے انتظامات کامیاب ثابت ہوئے۔ لہٰذا یہ امر مبارک باد کے لائق ہے کہ اس منصوبہ کے نتیجہ میں پنجاب کے ایک اہم شہر کو تباہی سے بچا لیا گیا۔ سات لاکھ روپے سے زائد تخمینی لاگت حکومت ہند' حکومت پنجاب اور ایک بلدیاتی قرضہ کے ذریعے یکساں طور پر فراہم کی گئی۔

سال ۱۸۹۰ء کے آغاز میں جموں ریلوے کو مکمل کر لیا گیا۔ اسی سال جنوری میں جموں کے اندر پہلا انجن چلایا گیا۔ لہٰذا اس کی تھوڑی دیر بعد لائن کو آمد و رفت کے لیے کھول دیا گیا۔

پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ سدا بہار نہروں کے علاوہ پنجاب میں سیلابی نہروں پہ بھی کام شروع کیا گیا' جنہوں نے ملک کی دولت میں ترقی کے لیے حقیقی طور پر اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ ہیں لوئر سوہاگ اور پارا نہر۔ سدھنائی نہر' اپر ستلج سیریز' لوئر ستلج و چناب سیریز' انڈس سیریز ضلع شاہ پور میں شاہی انہار اور مظفر گڑھ سیریز۔ مغربی جمنا نہر کی سرسہ شاخ

کے منصوبہ کے لیے معتمد اعلیٰ کی منظوری حاصل ہوگئی ہے۔ لہٰذا کام فوراً شروع ہو جائے گا۔

حکومت کے سامنے سدھنائی نہر سے اوپر راوی سے معاون نہروں کی تعمیر کے منصوبے بھی ہیں جب کہ مندرجہ ذیل نہروں کے لیے سروے کیے جا رہے ہیں۔ یعنی:

(الف) ایک نہر ڈیرہ اسماعیل خاں کے نزدیک دریائے سندھ کے بائیں کنارے سے پانی کی فراہمی لے کر سندھ ساگر دو آب کے نصف زیریں حصہ کو سیراب کرنے کے لیے۔

(ب) ضلع شاہ پور میں کھدر زمینوں اور گجرات میں قادر آباد کے قرب و جوار میں آب پاشی کے لیے دریائے چناب سے سیلابی نہریں بنانی ہیں۔

(ج) ضلع جھنگ کے شمالی حصہ میں کھدر زمینوں کو سیراب کرنے کے لیے دریائے چناب کے بائیں کنارے سے سیلابی نہریں۔

(د) قلعہ مچنی کے نزدیک دریائے کابل سے ایک نہر لے کر پشاور تک اس کی توسیع۔

بٹھنڈا، بہاولپور ریلوے کا سروے ۸۹-۱۸۸۸ء میں جاری تھا اور میدانی کام جنوری ۱۸۸۹ء کے آخر پہ ختم کر لیا گیا۔ اس ریلوے کے منصوبہ نے ایک ایسا رابطہ پیدا کیا ہے، جو پٹیالہ، بٹھنڈا ریلوے کے سلسلہ میں انبالہ اور کراچی کے درمیان فاصلہ کو ۸/۳ ۱۳۲ میل کم کر دے گا۔

پٹیالہ بٹھنڈا ریلوے کے کام کو اپریل ۱۸۸۸ء میں ہاتھ میں لے لیا گیا تھا۔ مستقل ساز و سامان کے ساتھ پہلا انجن نابھہ کے لیے ساڑھے پندرہ میل تک ۱۷ مارچ ۱۸۸۹ء کو چلایا گیا۔ لہٰذا لائن عام آمد و رفت کے لیے اکتوبر ۱۸۸۹ء میں کھول دی گئی۔

دہلی کو براستہ کوٹری کراچی سے ملانے کی لیے سروے ۸۹-۱۸۸۸ء میں شروع کیا گیا۔ صرف فوجی مقاصد کے لیے پشاور سے جمرود تک شمال مغربی ریلوے کی توسیع کے لیے راستے کا سروے کیا گیا ہے اور اس کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔

ملکہ عالیہ کی طرف سے ہر میجسٹی کے گھریلو ملازموں کی حیثیت سے ہندوستان کے مقامی باشندوں کی ملازمت (جس کا حوالہ ہز رائل ہائی نس پرنس وکٹر البرٹ آف ویلز نے بھی لاہور میں اپنی فصیح و بلیغ تقریر میں دیا تھا) نے اس ملک کے عوام کے ذہنوں میں گہرا تاثر قائم کیا ہے اور انہیں اس بات کا یقین کامل ہوگیا ہے کہ ہر رائل میجسٹی ملکہ عالیہ ہندوستان اور اپنی ہندوستانی رعایا کے لیے نہایت پر خلوص محبت رکھتی ہیں۔ ہر میجسٹی کے

چند مسلمان ملازمین جو رخصت پر اپنے گھروں کو آئے' تو انہوں نے انتہائی گرم جوشی سے ان اعلٰی خصوصیات اور شاہانہ اطوار کے بارے میں بتایا جو "ہندوستان کی ماں" کو ممتاز بناتی ہیں۔ (ان کی ہندوستانی رعایا نے ان کی مہان شخصیت اور تخت کے لیے انتہائی احترام کے باعث انہیں یہ نام دیا ہے)

۲ ستمبر ۱۸۸۵ء کو مہاراجہ گلاب سنگھ (یاد رہے حکومت ہند نے کشمیر کی خوبصورت و زرخیز وادی قیمتاً اس کے حوالے کر دی تھی) کا بیٹا اور جانشین مہاراجہ کشمیر انتقال کر گیا(۹) آنجہانی مہاراجہ کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا پرتاپ سنگھ اس کا جانشین بنا۔ حکومت ہندوستان کو نئے مہاراجہ کو مطلع کرنے کا موقع میسر آ گیا کہ مستقبل میں "کشمیر میں بکار خاص پر مامور برطانوی افسر" کی حیثیت تبدیل ہو کر "پولیٹیکل ریزیڈنٹ" کی ہو جائے گی۔ نیا مہاراجہ نہ صرف انتہائی کمزور اور کاہل ثابت ہوا' بلکہ اس نے باقاعدہ طور پر متعارف کرائی گئی ہر اصلاحی تدبیر کی مخالفت کی۔ سر اولیور نے لکھا "نئے مہاراجہ کے متعلق میرا تاثر یہ ہے کہ اگرچہ اس میں اپنے والد کی طرح فہم و فراست کی مکمل طور پر کمی ہے مگر اس کی ضد اور مکاری کا پورا حصے دار ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ اسی قدر مخالفت کرے گا' جس قدر چاہتا ہے" برطانوی ریزیڈنٹ کی اہم تقرری کے باوجود ملک میں بد انتظامی جاری رہی۔ لہٰذا لوگوں کی تکالیف کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مارچ ۱۸۸۸ء میں نئے ریزیڈنٹ مسٹر پلوڈین نے سر اولیور سینٹ جان کے انداز میں ہی لکھا۔ انہوں نے کہا "مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے معاملہ میں حکومت کو تذبذب کا شکار نہیں رہنا چاہیے۔ شروع سے آخر تک' میں اس میں اپنے ملک کا انتظام کرنے کی صلاحیت یا اس کی حالت کو بہتر بنانے کی کوئی اصلی خواہش یا وہ اصلاحات متعارف کرانے کی خواہش (جس کو وہ ضروری خیال کرتا ہو) دریافت کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ اس کی جانشینی کو دو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر نہ صرف وہ کوئی چیز حاصل کر سکا ہے' بلکہ اس نے دوسروں کی مجوزہ مفید تدابیر کی بھی مخالفت کی ہے۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ وفادار ہے' مگر خوش قسمتی سے وہ اپنے ملک کو اپنے ساتھ چلانے کے سلسلے میں کمزور ہے"۔

لارڈ رپن نے ۱۸۸۳ء میں لکھے گئے مراسلہ میں کشمیر کی بد انتظامی کی سخت شکایت کی ہے۔ انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ اس بگڑے ملک میں چیزوں کی اس موجودہ حالت کو کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا انہوں نے مشورہ دیا ہے کہ ایک نئی حکومت کی شکل میں اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے مناسب موقع فراہم کیا جانا

جما ہیے۔

کشمیر سے متعلقہ کاغذات برطانوی پارلیمنٹ کو پیش کیے گئے۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ کشمیر و جموں میں بد انتظامی کی صورت حال کس قدر خطرناک شکل اختیار کر گئی تھی اور اس سے ناانصافی و ظلم و ستم صاف عیاں ہوتا تھا۔ اس امر سے اس بات کا بہتر طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نصف صدی کے عرصہ میں آبادی کی تعداد میں بہت زیادہ کمی واقع ہوگئی۔ یہ بالکل واضح تھا کہ اگر مہاراجہ زیادہ دیر تک برسر اقتدار رہا تو کسی قسم کی اصلاحات نہیں کی جا سکیں گی۔ کیونکہ اس نے ان کی بھی مخالفت کی، جن کو وہ خود بھی ضروری خیال کرتا تھا۔ تحصیل مال گزاری میں اس قدر بد انتظامی پائی جاتی تھی کہ گرچہ غریب ترین رعیتوں کے لیے چاول پر ناجائز محصول عائد تھا، مگر امیر آدمی اس کے مقابلے میں کپاس کی طرح نفع بخش جنس پر کم محصولات ادا کرتے تھے۔

کشمیر میں انتظامی کونسل کا تقرر

کئی سال کے متملانہ التواء کے بعد حکومت ہند نے ظلم و ستم کے خلاف لوگوں کے محافظ کی حیثیت سے اس آبادی کے مفاد میں چیزوں کی ایسی حالت کو روکنا اپنا فرض اولین سمجھا۔

دراصل ظلم و ستم کی چکی میں پسی ہوئی آبادی کے توسط سے مملکت محروسہ کی مداخلت کو کافی عرصہ تک معرض التواء میں رکھا گیا تھا۔ (۱۰) چنانچہ مہاراجہ پرتاب سنگھ سے تقاضا کیا گیا کہ وہ وقتی طور پر اپنی ریاست کی حکومت میں سرگرمی سے حصہ لینے سے باز آجائے، لہٰذا ملک کی بادشاہت کو مہاراجہ کے سگے بھائیوں پر مشتمل ایک انتظامی کونسل کے سپرد کر دیا گیا اور حکومت کے تحت ثابت شدہ قابلیت اور یکجہتی کے حامل چند منتخب مقامی افسران کی خدمات ریاست کے لیے مستعار لے لی گئیں۔

جیسا کہ سر جے گورسٹ نے برطانوی پارلیمنٹ میں اس بات کی نشاندہی کی کہ ہندوستان کے سرداروں کے حقوق میں دخل اندازی کرنے کی حکومت کی کوئی خواہش نہیں ہے، محترم رکن نے کہا مگر ایک حق مشرقی راجاؤں کے حقوق سے بھی زیادہ مقدس ہے اور وہ برطانیہ کی فوجی طاقت کی زیر حفاظت رہنے والے لوگوں کا ایک صحیح و ایماندار حکومت کے لیے حق ہے۔ نہ ہی حکومت ہند کی کارروائی کو بطور مفید سرحد کے کشمیر کو حاصل کرنے کی خواہش کے ساتھ منسوب کرنا درست ہوگا کیونکہ ہمالیہ کے بلند و بالا پہاڑوں نے ہندوستان اور اپنے عقب میں واقع ممالک کے درمیان ناقابل عبور رکاوٹ قائم کر رکھی ہے۔(۱۱)

یاد رہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے نظم و نسق کا موجودہ دور نہ صرف سماجی بلکہ سیاسی نقطۂ نظر سے بھی حقیقی طور پر پیش رفت اور ترقی کا دور ہے۔ مطلق العنانیت' عدم رواداری اور ظلم و ستم کے نتیجہ میں ایک تاریک دور کے بعد روشن خیالی' انصاف' رواداری اور آزادی کا دور آگیا ہے۔ مملکت محروسہ یہ اپنا فرض اولین سمجھتی ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ قدرت نے جس رعایا کو اس کی نگرانی میں دیا ہے' آیا وہ مطمئن اور خوش و خرم ہے' کیا ان میں سے ادنیٰ ترین آدمی کو بھی انصاف مہیا ہے اور یہ کہ تمام لوگوں (چاہے وہ کسی بھی مذہب یا قومیت سے تعلق رکھتے ہوں) کو اس کے دانا اداروں سے یکساں طور پر مستفید کیا جا رہا ہے اور اس کے درست قوانین کے ذریعے پناہ حاصل ہے۔

تاج برطانیہ کی رعایا کو خوش و خرم اور مطمئن' ہندوستان کے سرداروں اور راجگان کو خوشحال اور ان کے ملک و عوام کو پھلتا پھولتا دیکھنا' ہندوستان کے انگریز حکمرانوں کا سب سے بلند عزم ہے۔ ہمیں تجربے نے پوری طرح سکھلا دیا ہے کہ کسی بھی حقیقی اچھائی کے لیے ہمارے حکمران کتنی جلدی اپنی قدردانی کا اظہار کرتے ہیں' تاج برطانیہ کے لیے سچی وفاداری کو کس قدر دلی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور کس قدر فیاضی سے اس کے بدلہ میں انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے۔ حالانکہ اس حکومت کے لیے جس نے ہمیں ظلم و ستم سے بچایا ہے اور ہمیں آزادی جیسا قیمتی تحفہ دیا ہے' وفاداری کا اظہار کر کے اصل میں ہم نے اپنے لیے اور اپنے ہم وطنوں کے لیے فرض ادا کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔

لیکن فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ حکومت نے اپنی کارروائیوں کے ذریعے ہر اس چیز میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے' جو ہماری حقیقی ترقی کی طرف مائل ہے اور کس قدر گرمجوشی سے وہ اس کو تسلیم کرتے ہیں' جسے منظوری کے قابل سمجھتے ہیں توقیر' شان و شوکت' فرض اور انصاف کے متعلق ان کا شدید احساس (یہ ایسی خصوصیات ہیں جو تمام انگریزوں کو ورثہ میں ملی ہیں) انھیں اس بات پر اکساتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے عزت پانے والوں اور عوام کے مختلف طبقوں کے نمائندوں اور اپنی حیثیت اور ذمہ داری کے علم اور مسلسل تنبیہات کے باوجود اپنی اغراض و مقاصد یا اپنے ماتحتوں کے مضر مشوروں کے باعث' علیحدہ ہو جانے والوں کی طرف سے فرض میں غفلت کرنے پر سختی سے غور کرے۔

ہنگامی حالت کے ان جیسے تمام مواقعوں پر حکومت اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام ہو جاتی' اگر وہ یکدم ان لاکھوں افراد کی تکالیف کو دور کرنے کے لیے امدادی ہاتھ آگے نہ بڑھاتے' بطور ایک غالب حکومت کے جن کی حفاظت کے وہ پابند ہیں اور ان کے مفادات کی حفاظت ان

کا فرض ہے۔

انتظامی کونسل کے تحت برطانوی ریذیڈنٹ کے مفید مشوروں کے ساتھ کشمیر کے نظم و نسق نے بلاشبہ ترقی کی علامات کا اظہار کیا ہے۔ پانی کی فراہمی' سڑکوں اور ریلوے کے لیے منصوبوں کو کامیابی سے متعارف کرایا گیا ہے۔ نیز گرچہ ریاست کا ہر محکمہ خوشحال ہوگیا ہے' یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ سالانہ بجٹ میں اضافے کا رجحان ہے۔ یہ سب اچھے اور دیانتدارانہ کام کا ناقابل تردید ثبوت ہے' لہٰذا اس کی امید کی جاتی ہے کہ انتظامی کونسل کے مفید اثر و رسوخ کے تحت وہ دن دور نہیں جب یہ "پرمسرت وادی" حقیقی خوشی اور خوشحالی کے اس درجہ پر پہنچ جائے گی' جو قدرت نے اس کے لیے سوچ رکھا ہے اور اس کے متعلق خواہش رکھنا ادنیٰ سے ادنیٰ کشمیری کا بھی پیدائشی حق ہے۔

سطح سمندر سے ۷۴۹۸ فٹ بلندی پر مری میں گرجا سے تقریباً اڑھائی میل کے فاصلے پر' سر ہنری لارنس میموریل دارالامان مری کے نام سے مشہور مفید ادارہ ہے۔ اس دارالامان کو ۱۸۶۰ء میں عوامی چندہ کے ذریعے سر ہنری لارنس کی یاد کو برقرار رکھنے کے لیے قائم کیا گیا۔ اس ادارے کا مقصد ہندوستان میں خدمات سرانجام دینے والے اور خدمات سرانجام دے چکنے والے سپاہیوں کے بچوں کے لیے تعلیم کی فراہمی ہے۔ عطیات' حکومت کی امداد اور عوامی چندوں کے ذریعے اس کی مدد کی جاتی ہے۔ یہ ادارہ ایک ہائی سکول' مڈل سکول اور اپر و لوئر پرائمری شعبہ جات پر مشتمل ہے۔ لڑکیوں کو جغرافیہ' تاریخ' ریاضی' الجبرا' یوکلیڈ' شیکسپئر' فزیالوجی اور ہندوستانی زبانیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں روزمرہ کی گھریلو زندگی میں بھی مکمل طور پر تربیت دی جاتی ہے' مثلاً بستر لگانا' فرشوں پہ جھاڑو دینا اور لڑکوں و لڑکیوں' دونوں کے لیے کپڑے تیار کرنا۔ یہ ادارہ بہت زیادہ اور بہتر کام کر رہا ہے اور اس عظیم کام کا سہرا برطانوی فوج کے سر جاتا ہے' جس کے توسط سے اسے قائم کیا گیا اور اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔

۱۸۹۰ء کے سال میں کشمیری دربار نے حکومت ہند کے ساتھ وادی کشمیر کو ہندوستانی ریلوے نظام کے ساتھ منسلک کرنے کے لیے ایک تجویز کے سلسلہ میں خط و کتابت شروع کی۔ بے شمار متبادل راستوں کے بارے میں مشورہ دیا گیا' لہٰذا ریاست کشمیر کے لیے چیف انجینئر جنرل ڈی بوربل نے ان راستوں کے قابل عمل ہونے پر ایک انتہائی دلچسپ رپورٹ جاری کی۔ فوجی حکام نے جس راستے کا انتہائی خیرمقدم کیا ہے وہ براستہ ایبٹ آباد' حسن ابدال میں نارتھ ویسٹرن ریلوے کے ساتھ شامل ہونے کے لیے جائے گا۔ دوسرا راولپنڈی یا

اس کے قریب کسی مقام سے شروع ہو کر' مری سے چار یا پانچ ہزار فٹ نیچے' پانچ میل تک گزرتا ہوا براہ راست کوہالہ کی طرف جانے والی نئی سڑک یا دریائے جہلم کی دوسری جانب بڑھے گا اور کوئٹہ سے راولپنڈی کے راستہ میں پونچھ کی ٹریفک کو لے جائے گا۔ اس انتہائی مفید رپورٹ کے نتیجہ میں سروے کیا گیا ہے اور اب ایک مقررہ منصوبہ زیرِ غور ہے۔ مجوزہ سرمایہ تیس لاکھ روپے ہے اور نقشہ ہائے سوداگری کا تخمینہ میں لاکھ روپے سالانہ لگایا گیا ہے۔ کشمیر کونسل نے کشمیری حصہ پر پندرہ سال تک ساڑھے چار فی صد سود کی ضمانت کے لیے حکومت کی زرِ ضمانت کو رکھنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے جو پوری لائن کے تقریباً دو تہائی حصہ پر مشتمل ہو گا" لہٰذا اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ حکومت ہند' اسی طرح لائن کے برطانوی حصہ کے ساتھ بھی کرے گی۔ حربی نقطۂ نظر سے یہ لائن حقیقی طور پر سرحد کی طاقت میں اضافہ کرے گی۔ سلطنت کے مفادات کا یہ تقاضا ہے کہ کشمیر کی سرحد پر' مستقل طور پر (کوئٹہ کی طرح) برطانوی سپاہیوں کی حفاظتی فوج تعینات کر دی جائے اور یہ کہ اس طرح سپاہیوں کو لے جانے کے لیے ہر سہولت بہم پہنچائی جائے۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ نارتھ ویسٹرن ریلوے کی طرف سے نئی لائن کو کام کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے خام آمدنی کے ۵۵ فیصد کے ذریعے پورا کر لیا جائے گا۔

سری نگر اور گلگت کے درمیان ذرائع آمد و رفت کو ان مقامات کے درمیان ایک زیرِ تعمیر سڑک کے ذریعے ترقی دی گئی ہے۔ مسٹر جانسن ایگزیکٹو انجینئر نے اپنے منتخب کردہ ایک مقام سے سڑک کا رخ تبدیل کرنے اور اسے دریائے سندھ کے اوپر ایک معلق پل پر لے جانے کے لیے ایک تجویز پیش کی ہے۔ اس منصوبہ کے ذریعے سیلاب کے وقت دریائے سندھ کو پار کرنے اور گلگت کے ساتھ ذرائع آمد و رفت کو ترقی دینے کے لیے سہولت پیدا ہو جائے گی۔ دریا کی اس طرف بونجی سے نئی سڑک کے ایک بڑے حصہ کو اس سطح پر لایا جائے گا جبکہ دوسری جانب تیرہ میل پاری کے مقام تک زمین کو بہتر بنا لیا جائے گا۔ یہ سڑک سیاحوں اور سوداگروں کے لیے ایک بہت بڑا عطیہ ہو گی اور اس کے بعد ہندوستان اور وسطی ایشیا کو ذرائع آمد و رفت کی خصوصی سہولیات بہم پہنچائے گی۔

اب مہیا کردہ' آمد و رفت کی سہولیات میں اضافہ اور افغانستان میں امن عامہ کے باعث' افغانستان اور وسطی ایشیا کے ساتھ اس صوبے کی تجارت میں ترقی ہو رہی ہے۔ مسٹر ڈی سی جان سٹون کی رپورٹ کے مطابق' یہ اضافہ زیادہ تر تھان اور ہندوستانی و یورپی کپاس کی تجارت میں ہے۔ وسطی ایشیا کے ساتھ تجارت مزید ترقی کا باعث ہو گی لیکن اس

کو روسی مالیاتی نظام کی معروف دشمنی بھی مول لینی پڑے گی' لہٰذا افغانستان سے گزرنے والے برطانوی سامان تجارت پر بھاری محصولات عائد کیے گئے ہیں۔

کراچی سے دہلی تک مجوزہ ریلوے کا منصوبہ پہلے حکومت ہند کے سامنے تھا۔ مسٹر گراوڈیس نے لائن کے سروے اور تخمینی لاگت کے بارے میں رپورٹ پیش کی۔ اگرچہ مجوزہ لائن کی تعمیر بہت زیادہ مہنگی ہوگی' مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ گراں قدر بھی ہوگی' کیونکہ یہ اس حربی نقطۂ نظر سے اہم مقام پر تینوں مائل بہ مرکز لائنوں (پشاور و راولپنڈی' دہلی اور جنوبی و مشرقی ہندوستان' کراچی اور یورپ) کے ذریعے افواج کے اجتماع کے لیے خصوصی سہولیات فراہم کرے گی اور فی الحقیقت سرحدی ریلوے نظام کو مستحکم کرنے کے لیے مدد دے گی۔ مزید براں یہ تجارتی شہر دہلی کا' عظیم و ابھرتی ہوئی بندرگاہ کراچی سے براہ راست رابطہ قائم کر دے گی۔ جیسا کہ نومبر ۱۸۹۰ء میں بلدیہ دہلی کے سپاسنامہ کے جواب میں لارڈ لینز ڈاؤن نے نشاندہی کی' اس کی کوئی امید نہیں کہ مستقبل قریب میں اس منصوبے کو حکومت کی براہ راست اعانت حاصل ہوگی' لیکن یہ ایک ایسا منصوبہ ہے کہ اگر یہ ٹھوس تجارتی اصولوں پر مبنی ہو تو اس کے لیے نجی طور پر بہت زیادہ حمایت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ہز ایکسی لینسی نے امید ظاہر کی کہ اگر ایسا ہی ہو تو حکومت ہند مددگاروں کو کسی قسم کی بھی ایسی سہولیات بہم پہنچانے میں انکار نہیں کرے گی جس کی وہ ذاتی طور پر توقع رکھتے ہوں۔

شمال مغربی سرحد کے دفاع کے لیے منصوبہ کے سلسلہ میں حکومت کے زیر غور دوسرا اہم موضوع' مجوزہ کراچی' لاہور کا راستہ ہے۔ بحری کمانڈر انچیف کی ہدایات کے تحت ۱۸۹۰ء کے اختتام پر بندرگاہ کو انگلستان سے سپاہیوں کو لانے اور اس طرف لے جانے کے لیے استعمال کرنے کی خاطر' کراچی کی بندرگاہ کا بغور معائنہ کیا گیا۔ یہ دیکھا گیا کہ راستہ گرچہ مقابلتاً" تنگ تھا مگر ابھی تک بہ سہولت جہاز رانی کے قابل تھا اور یہ کہ سپاہیوں کو نہایت پھرتی سے اور بندرگاہ کے دہانے کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تعداد میں اتارا جا سکتا تھا۔ بندرگاہ پر ہونے والی ترقی کے باعث اسے بھاری بھرکم جہازوں کے لیے قابل رسائی بنا دیا گیا۔ گودی کی گنجائش میں بہت زیادہ اضافہ کیا گیا' لہٰذا جدید ساز و سامان کے استعمال سے جہاز کے وزن کو اتارنے کے ذرائع میں بہت زیادہ بہتری پیدا کر لی گئی' مگر جہاں تک پنجاب ریلوے کے آخری اسٹیشن اور اس کی تجارت کے قدرتی نکاس کا معاملہ ہے' بندرگاہ میں ترقی و بہتری کی مزید صلاحیتیں موجود ہیں۔ یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ کراچی سے دس میل کے

فاصلے پر لانڈھی کے مقام پر ایک بہت بڑا گودام قائم کیا جائے اور اس کے ساتھ لانڈھی اور لاہور کے درمیان میاں میر، شیر شاہ، ریتی اور داود کے مقامات پر چار، ٹھہرنے کے پڑاؤ بنائے جائیں۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ نیا راستہ جب مکمل ہوگیا تو یہ نہ صرف عوام کے لیے کفایتی اور تجارتی طبقوں کے لیے مفید ثابت ہوگا، شمال مغربی ہندوستان کی قدرتی بندرگاہ کی حیثیت سے کراچی تک شمالی ہندوستان کے ساتھ غیر ممالک کی براہ راست تجارت کا بہت بڑا حجم لائے گا، بلکہ کراچی کے، انگلستان سے کمک کے لیے نزدیک ترین بندرگاہ ہونے کے باعث، یہ ہندوستانی فوجی تنظیم کی ترقی کے لیے بہت زیادہ مد و معاون ثابت ہوگا۔ خواجہ عمران سلسلہ کوہ میں سوراخ کے ذریعے خوجک سرنگ کی حالیہ تکمیل نے ریلوے کا کراچی سے قندھار تک کا فاصلہ آسان بنا دیا ہے، لہٰذا یہ امید کی جاتی ہے کہ اس اقدام سے افغانستان کے علاقوں سے بھی بہتر طور پر واقفیت پیدا ہوگی۔

انگریزوں کی طرف سے خوجک کے مقام پر عظیم الشان کاموں اور پہاڑوں کو چھیدنے کا کام اصل میں بیرونی جانب سے کسی بھی ممکنہ جارحیت کے خلاف دفاع اور احتیاطی تدابیر کے طور پر تھے اور اگرچہ انہوں نے شروع میں قندھار میں امیر کے گورنر کے لیے کچھ پریشانی بھی پیدا کر دی تھی، مگر امیر اس بات سے پوری طرح قائل ہوگیا تھا کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے اختیار کردہ یہ تدابیر اس کی اپنی سلطنت کی حفاظت کے علاوہ ملک کے اس حصہ میں انگریزی سرحد کی بہتر حفاظت کے لیے اشد ضروری ہیں۔

کوئٹہ، قندھار کے دفاعی کام جنہیں حکومت کے بہت زیادہ مصارف سے پایہ تکمیل کو پہنچایا گیا، انہیں سائنسی سرحدی نظام کا آغاز سمجھا جا سکتا ہے۔ کوئٹہ کا استحکام اس دور دراز علاقے میں بلاشبہ ہندوستان کے لیے عظیم فوجی طاقت کا ایک سرچشمہ ہے جبکہ وادی ژوب کا قبضہ، نئے چمن تک ریلوے کی توسیع، قندھار کی طرف لائن بنانے کے لیے بہت زیادہ ریلوے کے ساز و سامان کا ذخیرہ، درہ گومل کے دونوں کناروں کا حصول اور اب تک متعدد خودمختار دشمن قبائل کی مفاہمت اور ان کے علاقوں میں انگریزوں کی بالادستی کے قیام سے حکومت کی جانب سے ایک مضبوط اور برمحل حکمت عملی کا اظہار ہے۔ گومل ریلوے اور وادی ژوب ریلوے کے کام انتہائی سرگرمی سے کیے جا رہے ہیں۔ کوئٹہ کے آخری کونے سے سروے کا کام مکمل ہوچکا ہے، لہٰذا دو یا تین آزمائشی لائنوں میں سے (جن کا سروے کیا گیا ہے) حتمی طور پر اختیار کرنے کے لیے لائن کو منتخب کیا جانا باقی ہے۔(۳) ہرنائی لائن کی تجدید اور بہتری کے لیے بہت کچھ کیا گیا ہے اور سطح مرتفع پشین کے لیے بطور ایک متبادل

راستے کے اس کی حربی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے بولان ریلوے پر بہت بڑی رقم خرچ کی گئی۔ دریائے کابل ریلوے کے راستہ کے سروے کی منظوری دے دی گئی اور اسے مسٹر ایکوٹ کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ پشاور اور جمرود کے درمیان لائن کا سروے ۹۰-۱۸۸۰ء میں ختم ہوگیا' لہٰذا سندھ پشین ریلوے کی لائن میں بہتری پیدا کی گئی۔ مارچ ۱۸۹۰ء میں سر جیمز براؤن نے گومل سے کھوری کچھ اور اپرزئی میں سے کوئٹہ تک پورے راستے کا جائزہ لیا۔ نارتھ ویسٹرن ریلوے کی مجوزہ توسیع کے سلسلہ میں ان اور چند دیگر سرویز کی تکمیل' اولوالعزمی' سرگرمی اور بصیرت کے دور کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس کا مقصد سلطنت کی حفاظت اور کسی بھی ممکنہ بیرونی جارحیت کے خلاف اسے دفاع کے مناسب ذرائع بہم پہنچانا ہے۔

ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ ہندوستان کے باجگزار سردار' فرض شناسی کے جذبہ کے تحت کس طرح اپنی خوشی سے سلطنت کے دفاع کے لیے اپنا حصہ ڈالنے کی خاطر سرحدی دفاع کے سلسلہ میں شاہی حکومت کی مفید تدابیر میں تعاون کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ فاتحین مشرق' جن کے سپاہی معلوم دنیا کے دور دراز حصوں میں کامیابی سے لڑے تھے' انہیں ہندوستان کے فرمانروا سرداروں کی طرف سے مدد کی ضرورت مشکل ہی سے ہوسکتی تھی' مگر اپنے باجگزار سرداروں کی وفادارانہ پیشکش کو قبول کرتے ہوئے حکومت کی دوراندیش حکمت عملی کا مقصد تاج برطانیہ کے لیے وفاداری کی جانب اس ملک کے عسکری جذبہ کو شامل کرنا اور فیاضانہ طور پر ان سرداروں کو ان عظمتوں اور توقیروں میں حصے دار بنانا ہے' جنہیں اس کے اپنے بہادر سپاہی انفرادی طور پر حاصل کرنے کے اہل ہیں۔

لارڈ لینز ڈاؤن نے اپنے حالیہ دورۂ پٹیالہ کے دوران ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۰ء کو پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر جیمز لائل کے ہمراہ نوکر شاہی افواج کے معائنے کا موقع حاصل کیا۔ ۲۴۲۶ جوانوں پر مشتمل پوری فوج (۶۰۰ سوار اور پیادہ فوج کی چھ بٹالینوں کے مساوی) کو لیفٹیننٹ کرنل ایچ میلیس' مقامی ریاستوں کی فوج کے چیف معائنہ افسر کی قیادت میں معائنہ کے لیے پریڈ گراؤنڈ میں لایا گیا' لہٰذا ہز ایکسی لینسی اور ہز آنر دونوں صفوں کی استعداد کار سے بہت خوش ہوئے۔ تسلیم کیا گیا کہ آدمیوں اور گھوڑوں کا ساز و سامان ہر لحاظ سے بہت شاندار تھا اور تمام درجوں کے سپاہیوں کی جسمانی ساخت بہت عمدہ تھی۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے' دو سال پہلے' مقامی سرداروں کے عسکری جذبہ سے استفادہ کرنے اور ان علاقوں میں نوکر شاہی کو ترقی دینے کی حکمت عملی کا آغاز رسمی طور پر لارڈ ڈفرن نے

کیا تھا' لہذا یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ان کے جانشین نے ثابت قدمی سے اس پر عمل درآمد کیا ہے۔

۲۳ نومبر ۱۸۹۰ء بروز پیر کو کپور تھلہ کے راجہ جگت جیت سنگھ نے اپنا اٹھارواں برس مکمل کر لیا' تو پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر جیمس لائل نے رسمی طور پر اُسے اس کی ریاست میں نظم و نسق کے مکمل اختیارات تفویض کیے۔ اس موقع پر رنگ رلیوں سے بھرپور ایک ضیافت' ۲۴ نومبر کی رات کو معزز مہمانوں کے اعزاز میں دی گئی۔ ملکہ عالیہ کے لیے ایک وفادارانہ جام صحت تجویز کیا گیا' تو سر جیمز لائل نے اس کے جواب میں راجہ کے لیے جام صحت تجویز کرتے ہوئے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی' جس میں انہوں نے ریاست اور حکومت برطانیہ کے درمیان موجود دوستانہ تعلقات کو انتہائی گرمجوشی سے سراہا اور مملکت محروسہ کے لیے پنجاب کے عوام کے دلیرانہ و وفادارانہ رویہ کی تشریح کی۔ آنجہانی راجہ کی خدمات کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہز آنر نے کہا:

"بغاوت کے انتہائی مشکل دور میں برطانوی سلطنت کے لیے راجہ رنبیر سنگھ کی خدمات نہایت شاندار قسم کی تھیں۔ وہ ملکہ کی فوج کے شانہ بشانہ لڑنے کے لیے بذات خود اپنی فوج کو نہایت سرعت اور وفاداری کے ساتھ لے کر آئے تھے۔ لہذا انہوں نے اور ان کے آنجہانی بھائی کنور بکرمہ سنگھ' سی۔ ایس۔ آئی نے میدان جنگ میں سکھ روایات کے شایان شان انفرادی طور پر بہادری کا مظاہرہ کیا۔ دعا ہے' ایسی خدمات کے لیے ہماری یادداشت کبھی بھی سرد نہ ہو! اس وقت ہم نے کس قدر گرمجوشی سے ان کی خدمات کو تسلیم کیا تھا' شاید وہ لوگ اس کا اندازہ نہ کر سکیں جو اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ میں ان دنوں پنجاب میں آیا' لہذا انگریزوں اور پنجابیوں کے درمیان اس وقت نہایت دوستانہ قسم کے جذبات تھے' دونوں اقوام کے سپاہی شاندار انداز میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ (افغانستان اور کسی بھی جگہ کی طرح) لڑتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہمیں اس بات پر فخر تھا کہ ایک ہی عظیم سلطنت میں ہم ان کے ہم وطن ہیں"۔

سر جیمز لائل نے باہمی احترام اور بہترین خیالات کے بارے میں (جو بغاوت کے وقت اس صوبہ کے عوام اور ان کے حکمرانوں میں پیدا ہوئے تھے) جو اشارہ کیا وہ انصاف کے مضبوط جذبہ اور تعریف و توصیف کے مطابق ہر چیز کی انتہائی قدردانی کی ایک مثال ہے' جو انگریز قوم کی ضروری خصوصیات میں سے ایک پر مشتمل ہے۔ چنانچہ ہمارا ملک میدان جنگ میں ان مردانہ کارروائیوں' دلیری کے ممتاز کارناموں اور تاج برطانیہ کے لیے وفاداری کے

ذریعے بہادری کے اظہار پر فخر کر سکتا ہے' جس نے پنجاب کو یقیناً ایک مثالی صوبہ بنا دیا ہے۔

دربار خلعت میں ہز آنر کی تقریر' مہربانی کے جذبات اور حکمران سردار و اس کے ممتاز خاندان کی فلاح و بہبود اور اس کی رعایا کی مسرت و شادمانی کے لیے گہرے تاثرات سے بھرپور تھی۔ یہ تقریر سراسر نصیحتوں کے سلسلہ پر مشتمل ہے' بالکل اپنے ہی جیسے ایک مشفق باپ' اپنے بیٹے کو عملی زندگی میں داخل ہونے پر کرتا ہے' لہٰذا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس راجہ کی کمسنی کے عرصہ میں حکومت نے اس کے علاقے کی ترقی میں کس قدر دلچسپی لی۔ ایسی دلچسپی جس کے نتیجہ میں حقیقی طور پر ریاست کو فائدہ پہنچا۔ نوجوان راجہ کی صلاحیتوں کے موضوع پر بات کرتے ہوئے سر جیمز لائل نے اپنی تقریر کے دوران کہا:

"اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں حکمران راجاؤں کی کمسنی کا عرصہ' خطرناک حد تک مختصر ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بات میں سچائی بھی ہے' مگر راجہ آپ کے سلسلہ میں مجھے آپ کے مشاہدہ اور آپ کے کردار اور آپ کی قابلیت اور آپ کے ممتاز عملہ اور سرکاری افسران کی ایمانداری میں اس قدر بھروسہ ہے کہ مجھے کوئی خدشہ محسوس نہیں ہوتا"۔

ہز آنر نے راجہ کو نصیحت کی کہ وہ کاروبار سلطنت میں اس حقیقت کو تسلیم کر لے کہ ثابت قدمی اور سچائی کے بغیر محض بہترین خیالات اور زبردست چالاکی کے ذریعے بہترین حکومت حاصل نہیں ہوگی۔

آخر میں ہز آنر نے اس امید کا اظہار کیا کہ راجہ نے اب تک جس باوقار اور دانشمندانہ مزاج اور مہربان طبیعت کا اظہار کیا ہے' یہ اسے پنجاب میں اپنی رعایا کا ایک راست باز اور باشعور حکمران اور اودھ میں اس کی عظیم جاگیروں کا ایک فیاض مالک بنا دے گی' جہاں سے وہ نہایت شاندار آمدنی حاصل کر چکا ہے۔ ہز آنر نے راجہ کو ایک انگریز شاعر کے الفاظ یاد دلاتے ہوئے اپنی نہایت متاثر کن تقریر ختم کی' جن میں دو سو برس پہلے انگلستان کے ایک بادشاہ سے خطاب کیا گیا تھا' اور جن کی خصوصی طور پر تعریف کی گئی اور اس نے اکثر انہیں دہرایا:

"ہماری پیدائش اور حکومت کی عظمتیں' محض سایہ ہیں' کوئی حقیقی اشیاء نہیں ہیں۔ قسمت کے خلاف کسی کو جائے پناہ حاصل نہیں ہے۔ موت بادشاہوں پر اپنے سرد ہاتھ ڈالتی ہے' اعصائے شاہی و تاج کو ہر حال میں زوال

حاصل ہوتا ہے' چنانچہ خم دار کلہاڑی اور بیلچہ کے ساتھ انھیں خاک میں ملا دیا جاتا ہے' خاک میں صرف سچے لوگوں کی خوشبوئے شیریں ہوتی ہے اور شگوفوں کی صورت میں نمودار ہوتی ہے"۔

تاریخ کے بعید از قیاس بے سوچے سمجھے کاموں میں منحرف شخص' مہاراجہ دلیپ سنگھ کی طرف سے ملکہ عالیہ سے معافی مانگنے کے کام کو بھی درج کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ انگریزوں کی سخاوت کے ذریعہ اسے انگلستان میں چالیس ہزار پاؤنڈ سالانہ کا شاہانہ وظیفہ ملتا تھا' مگر وہ اس سے مطمئن نہ ہوا اور ۱۸۸۵ء میں روس کی طرف چلا گیا' اسے اس بات کی امید تھی کہ وہ گزارشات کے باعث (حالانکہ وہ جھوٹی تھیں) زار روس کی حمایت حاصل کر لے گا کہ وہ ابھی تک پنجاب کے سکھوں پر اثر و رسوخ رکھتا ہے اور اس ملک میں معاملات کے نقشہ کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر گیلا پٹاخہ' جسے اس نے ہندوستان کے لاحاصل سفر اور عدن سے واپسی پر ثابت قدمی سے چلانے کی کوشش کی' بھڑکنے میں ناکام رہا۔ توقع کے مطابق زار نے اس سے سردمہری سے برتاؤ کیا' چنانچہ مہاراجہ نے اپنی توقعات کا کوئی فائدہ نہ محسوس کیا اور یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ سینٹ پیٹرز برگ میں بن بلایا مہمان ہے' تو اس نے اپنی بہترین حکمت عملی کے مطابق اس کو بہتر خیال کیا کہ وہ ملکہ عالیہ سے معافی مانگ لے۔ وہ کافی عرصہ سے گمنامی میں رہنے کے باعث تقریباً فراموش ہوچکا تھا' لہٰذا اس کی بدنام زمانہ سازشوں کے بعد ملکہ اس کی طرف سے رحم کی درخواست پر دھیان نہیں بھی دے سکتی تھیں۔ تاہم فطری طور پر ایک عظیم اور اولوالعزم دل کی مالک ہوتے اور ایک ہمدردانہ مزاج کی حامل ہونے کے باعث' ملکہ نے اسے معافی دے دی اور اسے واپس انگلستان آنے کی اجازت دے دی۔ اس کی پنشن' جسے حکومت برطانیہ بند کرنے پر مجبور ہوگئی تھی' فیاضانہ طور پر بحال کر دی گئی اور بقایا جات ادا کر دیے گئے۔ ملکہ عالیہ کا یہ ذاتی حکم تھا کہ انگلستان میں دلیپ سنگھ کی سابقہ حیثیت پر واپسی کو جس قدر ممکن ہو سہل بنا دیا جائے' بعد میں بطور جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کے آرڈر آف دی سٹار آف انڈیا پر بحالی کے لیے اس کی درخواست کو بھی ازراہ کرم منظور کر لیا گیا۔

ایسا معاملہ کسی شخص کے ساتھ کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے اتنی عیاری اور آوارگی سے اپنے اوپر مصیبت کو مسلط کرایا ہو۔ جیسا کہ ایک براعظمی جریدے نے نشاندہی کی ہے' وہ اگر پورے یورپ میں آوارہ گردی کرنے کے بجائے تھیٹفورڈ ہال میں شکار پارٹیوں کا اہتمام جاری رکھتا تو خوش و خرم زندگی گزارتا۔ لیکن اختلافی مکتبہ فکر میں مہاراجہ کو جو

سبق پڑھایا گیا تھا اس نے (جسے اس نے منتخب کیا تھا) اسے نفع دیا تھا' کیونکہ اب اس نے یہ جان لیا تھا کہ بہرحال وہ اس طرح کا اہم شخص نہیں ہے جس طرح ہونے کا وہ خیال کرتا رہا ہے اور یہ کہ اس نے سب سے پہلے جس ملک کو اختیار کیا ہے وہاں اس کی زندگی اس کے سابقہ تجربات کے مقابلہ میں بہت زیادہ موافق ہے۔

قاری اس سے آگاہ ہے کہ یہ سکینڈل شاید رونما نہ ہوتا مگر یہ سب کچھ مہاراجہ کے ایک ننھیالی رشتے دار' ایک سندھیانوالہ سردار کی سازشوں کے باعث ہوا' بعد میں پونڈی چیری میں اس کی ذلیل زندگی کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل نے سردار کے بیٹوں کو معافی دے دی' جو پنجاب سے اس کے پراسرار فرار کے وقت اپنے والد کے ہمراہ تھے' لہٰذا انہیں دہلی میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ملکہ عالیہ کا رحم اور متحمل مزاجی (تاریخ اقوام میں جس کی کوئی مثال نہیں) نے انگریزوں کے گہرے دوست رنجیت سنگھ کے متبنی بیٹے کو تباہ ہونے سے بچا لیا اور اسے اس کے سابقہ رتبے پر بحال کر دیا۔ اس ملک نے آنجہانی مہاراجہ کے متبنہ بیٹے کے معاملات پر کبھی کسی دخ کا اظہار نہیں کیا مگر کوئی بھی اس کی کم توقع نہیں کرتا کہ وہ اس حکومت سے وفادار ہوگا' جس کے تحت اسے دوسروں کی مانند ایک آزاد رعایا کے حقوق حاصل ہیں اور اپنی واپسی پر وہ زیادہ دانشمندانہ مشوروں اور اپنی وفاداری کی تجدید کی طرف دیکھتا ہے' تو اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ ان کی ملکہ نے ایک انتہائی احسانمندانہ جذبہ کے تحت اس کے ساتھ بردباری سے برتاؤ کیا ہے۔

امرتسر' شملہ اور انبالہ کے بلدیاتی شہروں اور کساؤلی کی چھاؤنی تک ویکسی نیشن کے عمل اور گزشتہ چند سالوں کے دوران' ویکسی نیشن ڈیپارٹمنٹ کے ذریعے حاصل ہونے والے نتائج کو مجموعی طور پر بہترین کام اور ترقی کا اطمینان بخش ریکارڈ سمجھا جاتا ہے۔ چیچک کے لیے چیچک کا ٹیکہ لگانے کا عمل بتدریج ختم ہو رہا ہے' لہٰذا چیچک کا ٹیکہ لگانے والے بطور ایک طبقے کے یا تو ویکسی نیشن کی طرف آ رہے ہیں یا اپنے پرانے پیشے کو ترک کر رہے ہیں۔ لوگوں میں انسانی پنجا کے ساتھ شانہ بشانہ ویکسی نیشن غیر مقبول ثابت ہوئی ہے۔ کارروائیوں کی بغور نگرانی ناممکن ہے' ویکسی نیٹروں کی جانب سے ظلم و ستم اور زیادتیوں کی ادنیٰ کارروائیوں کی شکایات ملی ہیں' مگر حیوانی پنجا کے تعارف کو بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے' لہٰذا لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو بچھڑے سے حاصل کردہ ویکسین کے ٹیکے لگائے گئے ہیں۔ جیسا کہ پنجاب کے سینٹری کمشنر ڈاکٹر سٹیفن نے صوبہ میں

ویکسین کے ٹیکے لگانے کی کارروائیوں پر اپنی رپورٹ میں بیان کیا ہے' ان کارروائیوں کی انجام دہی کے سلسلہ میں ایک خصوصی ادارے کی خدمت سے موافق نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ پس ضلع کانگڑا میں ایک اعلیٰ ذات کے برہمن کی خدمت نے وہاں موجود ہندو آبادی کے درمیان اس منصوبے کی کامیابی اور مقبولیت کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا ہے' جبکہ مسلمان آبادی کے درمیان بھی اسی طرح ان کارروائیوں کی انجام دہی کے لیے ایک اعلیٰ حیثیت کے مسلمان کی تقرری کو بھی قبول کیا گیا ہے۔

گزشتہ ابواب میں یہ بتایا گیا ہے کہ گورو نانک نے دنیا کے لیے امن لانے کا بیڑا اٹھایا تھا مگر دسویں عسکری گورو' گووند سنگھ کے دور میں معاملات کی حالت نے پرامن مذہب کو تلوار کے مذہب میں تبدیل کر دیا۔ گورو کے چیلوں نے اپنی تسبیحوں اور ہلوں کو آلات جنگ میں تبدیل کر لیا' لہٰذا ہر بالغ مرد نے فولاد کو کسی شکل میں ڈھالنا اپنا مقدس فریضہ بنا لیا۔ لمبے بالوں اور داڑھیوں کے رکھنے کو لاگو کر دیا گیا' چنانچہ گورو کی پاحل یا "تلوار کی پتسما" میں شمولیت نے پجاریوں کو قوم کے سنگھ یا "شیر" بنا دیا۔ تاریخ کے اوراق اس عسکری قوم کے دلیرانہ کارناموں سے روشن ہیں' لہٰذا ان کی برادری کے رہنماؤں نے مشکل ترین حالات میں جانثاری' حب الوطنی اور برداشت کی جن مثالوں کا مظاہرہ کیا' اقوام کی تاریخ میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسے افراد کی قوم' جنہوں نے ان کارناموں پر فخر کیا اور جنہوں نے بطور ایک قوم کے سکھوں کی آئندہ عظمت کے لیے راستہ ہموار کیا' اپنا کام باوقار اور احسن طریقے سے سرانجام دینے کے بعد منظرعام سے غائب ہوگئے۔ سکھوں کی حکومت ایسی جس نے پنجاب کی محکوم ہندو اقوام کے خوابیدہ جذبے کو اجاگر کیا' اجڈ گوالوں اور گھسیاروں کو کامیاب سپاہیوں اور جنگجوؤں میں تبدیل کیا' جاگیردارانہ ریاستوں میں ضم ہوگئے' ہر کوئی حکومت کی خواہش کرنے لگا۔ ان مثلوں نے رنجیت سنگھ کی فہم و فراست کی رہنمائی کے ذریعے خود کو کیسے ایک طاقتور بادشاہت میں پروان چڑھایا' اس کے بارے میں گزشتہ اوراق میں پوری طرح بیان کیا جا چکا ہے۔ اپنی بادشاہت کے خاتمہ سے پہلے سکھ اپنے ٹھکانوں اور گھروں کے لیے سخت جانفشانی سے لڑے' مگر آخرکار عظیم طاقت کے مطیع ہوگئے' جس کے ساتھ (غیر دانشمندانہ مشوروں کے زیراثر) انہوں نے جنگ کو خود دعوت دی۔

اپنے ملک کے لیے پرخلوص اور اپنی قوم کے وفادار' بہادر سکھوں نے برغبت و رضا انگریزی حکومت کو تسلیم کر لیا' لہٰذا تقریباً نصف صدی کے تجربہ سے اب یہ پتہ چلتا ہے کہ

اپنے نئے حکمرانوں اور مالکوں کے لیے ان کی وفاداری کس قدر نمایاں رہی ہے۔ انگریزوں کے پرچم تلے وہ کرہ ارض کے دور دراز علاقوں میں انگریزوں کے شانہ بشانہ لڑے ہیں۔

مگر فتح کے بعد بلند آرزوؤں اور جنگ کی عظمتوں نے خالصہ میں نئی روح پھونکنا بند کر دیا ہے۔ آج کل کے سکھ بتدریج ایسی صلاحیتیں کھو رہے ہیں' جو کبھی ان کی قوم کی لازمی خصوصیات تھیں۔ مناسب نظم و نسق اور تربیت کے نظام کے تحت ان کی شاندار جسمانی ساخت اور پیدائشی بہادری کے قطع نظر' جو مفید حد تک نفع دینے کے قابل ہے' آج کل کے سکھوں میں خصوصی توجہ حاصل کرنے کے لیے اس کا شدید فقدان ہے۔ یقیناً سکھ وہی لوگ ہیں جنہوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ اپنے آباؤ اجداد کی شاندار روایات کو قائم رکھا ہے اور جو اپنے عظیم گوروؤں کی تعلیمات کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ مگر یہ جذبہ اپنی جگہ بے شک قابل تعریف ہے لیکن یہ ان ضروریات کو پورا نہیں کرتا' جس کا زمانہ متقاضی ہے۔ یہ ایک ایسا دور ہے جب تعلیم کامیابی کے لیے ایک فوری راہداری کا کام دے رہی ہے۔ مسلمانوں کی طرح انہوں نے بھی خود کو پیچھے ہٹا کر بہت زیادہ نقصان اٹھایا ہے' مگر ہندو اقوام انتہائی ہوشیار و زودفہم ہیں' کیونکہ انہوں نے ترقی کے اس مقابلہ میں حصہ لیا ہے' جو مغربی تعلیم نے اس ملک کے تمام لوگوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ بذلہ سنج بنگالی اور کفایت شعار ہندو نے نہایت ذوق و شوق سے برطانوی تہذیب کے فراہم کردہ ترقی کے مواقعوں سے فائدہ اٹھایا ہے' جنہیں مسلمانوں اور سکھوں نے اپنی اپنی باری پر نظرانداز کیا ہے۔

علی گڑھ محمڈن کالج کا قیام

مسلمانوں نے زبردست مخالفت کے اسباق سے بہت کچھ سیکھ لیا' آخرکار ان میں فرض شناسی کا جذبہ بیدار ہوگیا' چنانچہ انہوں نے زمانے کے تقاضے کے مطابق' تعلیم کے موضوع پر اس قدر توجہ دی کہ انہوں نے علی گڑھ میں اپنا کالج قائم کیا اور ہندوستان میں تہذیب و تمدن کے عظیم مراکز میں اجلاس منعقد کر رہے ہیں' جن میں تعلیم ہی ان کی سوچ بچار کا محور ہے۔ مسلمان برادری کے لیے اس سے زیادہ باعث عزت کوئی اور بات نہیں ہوسکتی کہ ان میں' رائے عامہ کے رہنما' سیاسی معاملات سے ہر قسم کا تعلق توڑ کر اپنے دل و جان کو اپنے بدقسمت بھائیوں کو تہذیب و تمدن کے پیمانے پر بلند کرنے کی کوشش کے لیے وقف کر دیں اور انہیں ایسی تعلیمی سہولیات بہم پہنچائیں جو انہیں زندگی کی جدوجہد کے لیے مدد دے سکے۔ خیال ہے کہ اب انہوں نے مکمل طور پر اس حقیقت کو پہچان لیا ہے کہ بہترین

اصولوں پر مبنی صرف تعلیم ہی حقیقی طور پر مستقبل میں ان کی حالت کو بہتر بنا سکتی ہے۔ آہنگی سے مگر یقین کے ساتھ وہ ترقی کے راستے پر گامزن ہیں' لہٰذا اگر انھوں نے چور گڑھوں سے خود کو بچا لیا' تو اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ علم و ادب کی دنیا میں ان کی سابقہ عزت و وقار بتدریج بحال ہو جائے گا۔

سکھوں میں ترقی کی علامات

خالصہ دیوان (سکھوں کی ایک ایسی جماعت' جس کا مقصد اپنی برادری کے افراد میں روشن اور بلند خیالات پھیلانا ہے) کی نمائندگی کرنے والے سکھوں نے "اتفاق میں برکت ہے" کے مقولہ کی سچائی کو پہچانتے ہوئے' حکومت کو چند مراعات و استحقاقات کے لیے درخواست پیش کر کے (جن کو وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کے ہم مذہب بھائیوں کی حالت کو بہتر بنا دیں گی) عوام کی ابتداء ہی میں توجہ حاصل کر لی ہے۔ تبدیلی کی ان ابتدائی علامات کو ملک کے تمام خیرخواہوں نے تسلی بخش احساس کے ساتھ سراہا ہے۔

ان کی درخواستوں پر خصوصی توجہ دی گئی مگر یہ واضح ہے' باوجودیکہ حکومت اپنی رعایا کی ترقی اور خوشحالی کی خواہش رکھتی ہو' مگر وہ اس کے لیے ہر کام نہیں کر سکتی اور یہ کہ یہ مناسب بھی اور موزوں بھی ہے کہ حکومت سے مدد کی توقع کرنے سے پہلے انہیں اپنی مدد آپ کرنی چاہیے اور ایسے ناگزیر منصوبوں کو اختیار کرنا چاہیے جس سے ان کی گزارشات درست ثابت ہو سکیں۔ چنانچہ خالصہ دیوان نے سکھ برادری کے نام پر ایک حقیقی قومی تحریک شروع کی' لہٰذا اپنے عزائم کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہوئے' پنجاب کی مردانہ اقوام کی خواہشات کے مطابق یہ ایک وسیع و عریض اور شاندار مستقبل کی نشاندہی کرتی ہے' چنانچہ اس نے ان کے لیے سرگرمی اور ذہنی ترقی کے لیے ایک نیا دائرہ کار وضع کیا ہے۔ اس تحریک نے علی گڑھ میں مسلمانوں کے کالج کے اصولوں پر قائم کرنے کے لیے ایک مرکزی خالصہ کالج کو شکل دینی ہے' جو دور دراز اضلاع میں سکولوں کے ایک نظام کے سلسلہ میں کام کرے گا' اس کے لیے یہ سرپرست کے طور پر خدمات سرانجام دے گا۔ مجوزہ کالج کے عزائم میں اپنے شاگردوں کو مغربی علم و ادب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ گوروؤں کی تعلیمات کی تربیت کی سہولت بہم پہنچانا' تعلیمی ترقی اور ذہنی صلاحیتوں کی ترقی کے سلسلہ میں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ نہایت گرمجوشی سے قدم سے قدم ملا کر چلنے کا موقع فراہم کرنا اور ان کے آباؤ اجداد کی روایت کو برقرار رکھنا اور اپنے گوروؤں کے وفادار چیلوں کی حیثیت سے ان کی انفرادیت کو قائم رکھنا ہے۔ چنانچہ اس کا مقصد سکھوں کو اس دور کے تقاضوں کے

مطابق تعلیم دینا ہے' جو نہ صرف انہیں بہترین عالم بنا دے گی' بلکہ قومی احساسات کو اجاگر کر کے انہیں بہتر سکھ بھی بنا دے گی اور انہیں اپنی قوم کی انتہائی قابل قدر خصوصیات حاصل کرنے کے قابل بنا دے گی۔ مجوزہ معاون سکول تعلیم کو سکھ برادری کے عام لوگوں کی رسائی تک پہنچا دیں گے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ اپنے رہنماؤں کے وضع کردہ مذہبی قواعد و ضوابط اور اپنے مذہب کی تعلیمات پر سختی سے عمل درآمد کرنے ہی سے سکھ ایک طبقے کی حیثیت سے اکٹھے رہ سکتے ہیں اور یہ کہ اس وقت عام سکھوں میں ان قواعد و ضوابط کے اختیار کرنے میں جو غفلت پائی جاتی ہے' اس کے باعث ان کی قوم کی خصوصیت بتدریج ختم ہو جائے گی' اس قوم کا عسکری جذبہ فنا ہو جائے گا اور سکھ مذہب اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہندومت میں غیر محسوس طریقے سے ضم ہو جائے گا یا وقت کے اتھاہ سمندر میں ناقابل تلافی حد تک کھو جائے گا۔

جیسا کہ خالصہ دیوان نے اپنے سکھ بھائی بندوں کی خاطر' مدد کے لیے اپنی درخواست میں نشاندہی کی ہے' حتیٰ کہ "پنجاب کے تسلیم شدہ کالجوں سے آگے بڑھنے والے چند خالصہ طالب علم اپنے آباؤ اجداد کی مذہبی اور شائستہ روایات سے روگردانی اور انہیں ترک کرنے کا رجحان رکھتے ہیں"۔ یہ نتیجہ اسی طرح یکساں طور پر سرکاری تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے دیگر مذاہب کے طالب علموں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ مثالی مقامی شخص اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے دشمنی کا جذبہ اختیار کر لیتا ہے' وہ معاشرتی پابندیوں سے خود کو آزاد خیال کرتا ہے اور اپنے بزرگوں کو نفرت سے دیکھتا ہے۔ وہ ان لوگوں کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے جو عالی شان جذبات اور بہترین خیالات کے حامل ہوتے ہوئے ملک کی حقیقی حکومت امراء کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ انگریزوں کی طرز زندگی کی نقل کرتا ہے' کسی انگریز کی طرح لباس زیب تن کرتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں انگریزی وضع قطع کو اپنا لیتا ہے' مگر وہ ہر حال میں ایک دیسی باشندہ ہی رہتا ہے۔ وہ انگریزوں کی چند اچھی خصوصیات کی نقالی کرتا ہے' مگر اپنے تکبر و نخوت میں وہ جو عادات اپناتا ہے' وہ اسے نہ صرف اپنے ہم وطنوں کے لیے بلکہ اپنے رشتے داروں کے لیے بھی عجیب و غریب بنا دیتی ہیں۔ یقیناً یہ اپنی مذہب کی تعلیمات اور اخلاقی قواعد و ضوابط سے لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ لیکن گرچہ معاملات کی یہ نوعیت قابل افسوس ہو سکتی ہے' مگر حکومت اس کی ذمہ دار نہیں ہے۔ حکومت نے خالصا" ایک غیرمذہبی نظام تعلیم مہیا کیا ہے' جو اس کی تمام رعایا کے حالات میں یکساں طور پر مناسب ہو گا۔ اگر یہ مسلمانوں کے لیے کسی

تعلیمی ادارے میں قرآن اور حدیث کی تعلیم مہیا کرتی' تو ہندو اپنی ویدوں اور سکھ اپنی گرنتھ میں تعلیم کا مطالبہ کرتے۔ اس سے اختلافات پیدا ہو جاتے' جو موجودہ حالات کے تحت حکومت کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتے۔ چنانچہ جہاں تک تعلیم کے معاملہ میں حکومت کی کارروائی کا تعلق ہے' یہ بات عیاں ہے کہ یہ جو کچھ ہمارے لیے کیا گیا ہے' یہ ہر قوم اور ایک عیسائی حکومت کی حیثیت سے خود اس کے لیے بھی یکساں طور پر انصاف مہیا کر سکتا ہے۔

۷ ستمبر ۱۸۹۰ء کو خالصہ کالج کمیٹی کے ایک وفد نے مہاراجہ پٹیالہ سے ملاقات کی اور ہز ہائی نیس کو ایک سپاسنامہ پیش کیا' جس میں مجوزہ تحریک کے اغراض و مقاصد کو پوری طرح بیان کیا گیا تھا اور اس ادارے سے تعاون کرنے کے لیے ان سے درخواست کی گئی تھی۔ مہاراجہ نے خالصہ کالج منصوبہ کی مدد کے لیے ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کا عطیہ دیا اور اس کے افسروں نے بھی اس کے علاوہ بہت بڑے بڑے عطیات دیے۔ مہاراجہ نے جو عطیہ دیا ہے وہ بہت زیادہ فیاضانہ ہے اور بے شک اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ ہز ہائی نیس' سکھ برادری کے حقیقی رہنما کی حیثیت سے اپنے ہم وطنوں کی فلاح و بہبود میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ ۲۶ دسمبر ۱۸۹۰ء بروز جمعہ کو مہاراجہ نابھہ نے خالصہ کالج کمیٹی کے ایک وفد کا استقبال کیا' جس نے ان کی درخواست پر ان سے ملاقات کی' لہٰذا ہز ہائی نیس نے ازراہ کرم خالصہ کالج فنڈ کے لیے ایک لاکھ گیارہ ہزار روپے کا شاندار عطیہ دیا اور اس کے علاوہ وعدہ کیا کہ اگر ان سے مزید اپیل کرنی ضروری ہوئی تو ایک اضافی تحفہ بھی دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اضافی چندے بھی وصول کیے گئے' لہٰذا مہاراجہ اور سرکاری افسران کے عطیات کی رقم اب دو لاکھ اور اسی ہزار روپے تک پہنچ گئی تھی۔ امید کی جاتی ہے کہ پنجاب کے دیگر سردار بھی پٹیالہ اور نابھہ کے روشن خیال راجاؤں کی قائم کردہ عظیم مثال کی تقلید کرتے ہوئے سکھ قوم کے لیے زبردست تعلیمی فوائد سے بھرپور منصوبہ کی ترقی کے لیے ہاتھ آگے بڑھائیں گے اور یہ کہ نہ صرف وہ بلکہ گورو کا ہر سچا چیلا' خلوص دل کے ساتھ اس قابل ستائش تحریک سے تعاون کرنے کو اپنا اولین فرض خیال کرے گا۔ لارڈ لینز ڈاؤن' سر فریڈرک رابرٹس اور سر جیمز لائل میں سے ہر ایک نے اس کی مدد کے لیے چندے دے کر اس تحریک سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس منصوبے کا بیڑا اٹھایا گیا ہے' لہٰذا ہمیں اس بات کی امید ہے کہ پٹیالہ اور نابھہ کے آزاد خیال راجاؤں نے جس نیک کام کا آغاز کیا ہے' دیگر سکھ راجگان اور عوام اپنے نام کے شایان شان اور اپنے سامنے

عظیم مثالوں کو رکھتے ہوئے ان کی تقلید کریں گے۔(۱۳)

دہلی کے شہریوں کو اپنی میونسپل کارپوریشن کے ذریعے' ۱۷ نومبر ۱۸۹۰ء کو اپنے درمیان ہز ایکسی لینسی مارکوئیس آف لینز ڈاؤن کی طرف سے ان کے تاریخی اور قدیم شہر کے موقع پر ان کی موجودگی اور انہیں خیر مقدمی سپاسنامہ پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ہندوستان کے دارالحکومت اور علم و ادب کے گہوارہ کی حیثیت سے قدیم خاندانوں کے تحت اپنے شہر کی حیثیت کے متعلق بیان کرنے اور اس حقیقت کی وضاحت کرنے کے بعد کہ' گرچہ کافی عرصہ سے یہ اب حکومت کا پایہ تخت نہیں' پھر بھی یہ ابھی تک شمالی ہندوستان کا تجارتی دارالحکومت ہے' عرض پردازوں نے بیان کیا کہ وہ وائسرائے کے دورہ کو انتہائی خوش آئند اور یادگار خیال کرتے ہیں' کیونکہ اس کے باعث انہیں تجارت' فنون' علم' ملک کی حقیقی ترقی اور خوشحالی کے لیے منصوبوں کی صورت میں بہتر حفظان صحت اور اسی طرح کے کاموں کے منصوبوں کی صورت میں بہترین اور قابل ذکر ترقی کے بارے میں اظہار کرنے کا موقع ملا ہے' جس کا تعلق اس ملک میں ہز ایکسی لینسی کے دور حکومت سے ہے۔ بلدیہ دہلی ایک پٹڑی دار سڑک بنانے میں کامیاب ہوگئی ہے' جو کافی حد تک شہر کی حفظانی حالت کو بہتر بنا دے گی اور نہایت اہم واٹر ورکس سکیم کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہے' جو شہریوں کو تازہ اور پینے کے قابل پانی فراہم کرنے کے علاوہ' شہر میں کافی عرصہ سے موجود ایک انتہائی بری شے کو بھی ختم کر دے گی' چنانچہ یہ شہریوں کی صحت اور طاقت میں بہتری پیدا کرنے کے لیے حقیقی طور پر اپنا کردار ادا کرے گی۔

جن شعبوں میں ترقی ہوئی' ان میں کارخانے' کاٹن پریس' آٹے کی ملیں اور روئی کو کاتنے اور کپڑا بننے کے کارخانے بھی شامل ہیں' جنہیں بعد میں قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ دہلی' انبالہ' کالکا' ریلوے بھی ہے' جو تکمیل کے مراحل میں ہے۔

اختتام پہ کارپوریشن نے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے مابین پیدا ہونے والے ۱۸۸۶ء کے بدقسمت جھگڑوں کا حوالہ بھی دیا اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ انہیں مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔

وائسرائے نے کارپوریشن کے ارکان کو اپنے شہر کے حفظان صحت اور پانی کی فراہمی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے ان کی کوششوں کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ اس کی دیکھ بھال کا فرض خاص طور پر ہندوستان کے بلدیاتی اداروں پر تھا' کیونکہ اگر اس ذمہ داری سے غفلت برتی جاتی تو ایک مہینہ کے بعد' اس کے مہلک نتائج دیکھنے کو ملتے۔

ہز ایکسی لینسی نے یہ سن کر اطمینان کا اظہار کیا کہ میونسپلٹی نے دہلی میں رونما ہونے والے ان مذہبی جھگڑوں کی سخت مذمت کی' جنہوں نے ایک وقت میں اس کے مضافات کو ناقابل رشک بدنامی سے دوچار کر دیا تھا۔ انہیں یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ دونوں جماعتوں کے سرکردہ افراد ان رسوائے زمانہ واقعات کے رونما ہونے کے سال سے یگانگت اور امن و امان قائم کرنے کے لیے متحد ہوگئے ہیں اور یہ کہ اب تک ان کی کوششیں کامیاب رہی ہیں۔ حکومت کا یہ حق ہے کہ وہ تمام آنریری مجسٹریٹوں اور بلدیاتی اداروں کے ارکان سے یہ امید رکھے کہ وہ اس مقصد کے لیے کوشش کریں گے اور ان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ حکومت کے تحت ان باوقار عہدوں کے حامل ہونے کے طور پر وہ اپنے اوپر عائد ذمہ داری کو پہچانیں گے۔ لارڈ لینز ڈاؤن نے بیان کیا' "یہ جھگڑے عدم رواداری کی بقا ہیں' جسے ایک مہذب معاشرے میں کوئی مقام نہیں دینا چاہیے۔ حکومت ان فسادات کو دبانے کے لیے کچھ کر سکتی ہے' جس کے لیے انہوں نے اشتعال دلایا ہے' لہٰذا یہ ضروری ہونا چاہیے کہ آپ بغیر حیل و حجت ہمارے فرض کی ادائیگی پر انحصار کریں"۔ ہز ایکسی لینسی نے نشاندہی کی' "تاہم سخت اقدامات کے بجائے میں رائے عامہ کے اثر و رسوخ پر بھروسہ کرنے کو زیادہ ترجیح دوں گا' لہٰذا مجھے یہ یقین ہے کہ اگر اس رائے کی وہ لوگ رہنمائی کریں' جنہیں اس کا ادھیکار ہے اور ان فسادات کے خالقوں کو صاف انداز میں باور کرا دیا جائے کہ وہ نہ صرف ملک کے قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں بلکہ اپنے ہم وطنوں کی بہت بڑی اکثریت کے معتبر یقین کامل کو بھی پامال کر رہے ہیں' تو یہ قابل افسوس واقعات' آپ کے شہر کی تاریخ کو مکمل طور پر مسخ کرنا بند کر دیں گے"۔

ہمیں کافی حد تک ہمارے ملک کے مقامی باشندوں کے درمیان مذہبی و قبائلی اختلافات کے موضوع پر ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل کے خیالات کو درج کرنے کا موقع ملا ہے' اس کا دوہرا مقصد ہے' پہلا یہ کہ ہمارے حکمرانوں نے ہمارے درمیان موجود جھگڑوں کا کس قدر سختی سے قلع قمع کیا اور کس قدر خلوص دل کے ساتھ وہ اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ ہم ہر اس جائز اور حقیقی طور پر عوام کی خوشی اور بہتری کے لیے کیے جانے والے کام کے سلسلہ میں متحد ہوں' دوسرا یہ کہ ہمارے ہم وطنوں پر زور دیا گیا کہ گرچہ ان میں سے چند لوگوں کے جذبات کو گمراہ کن خیالات سے برانگیختہ کیا گیا ہو مگر حکومت ان کے رویہ کے سلسلہ میں اپنے فرض کی ادائیگی میں کاہلی کی اجازت نہیں دے گی اور مجرموں کو انصاف تک لے جانے میں سستی سے کام ہرگز نہیں لے گی۔

اس ملک میں رائے عامہ کے رہنماؤں کا یہ فرض ہے کہ وہ ہندوستان کی دو عظیم اقوام (ہندو اور مسلمان) کے درمیان دوستانہ تعلقات کو مضبوط بنائیں۔ لہٰذا ایک آباد حکومت اور روشن خیال اقتدار کے نتیجہ میں صاحب اختیار لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ یہ دیکھ کر اطمینان کرلیں کہ ہندوستان کی مختلف اقوام کے درمیان باہمی خیرخواہی اور اعتماد اور ان کے درمیان موجود دوستانہ تعلقات نہ صرف لوگوں کی خوشی میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ تاج برطانیہ کے لیے جانثاری کی خاطر نمایاں مقام حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس جہاں اقوام' تاج برطانیہ کے لیے وفاداری کے سلسلہ میں متحد ہیں' جہاں نسلی تعصبات اور فرقہ وارانہ دشمنیاں' حب الوطنی کی انتہائی عظیم اور مردانہ خصوصیات کے تابع ہیں اور لوگوں میں اتحاد اور یکجہتی کی خواہش موجود ہے اور ہماری روزمرہ زندگی میں ایک صحت مند مقابلہ ہے' وہاں قدرت کی عنایات شروع ہو جائیں گی اور لوگوں کو خوش و خرم اور خوشحال بنا دیں گی۔ یہ درست کہا گیا ہے کہ حکمرانوں کے لیے وفاداری' پنجاب میں دیسی اور سدابہار بالیدگی کا پودا ہے' لہٰذا اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ مخالفانہ اختلافات کو موثر طور پر ختم کرنے اور معاشرتی اصلاح' سیاسی اولوالعزمی اور تجارتی سرگرمی کے لیے انتھک کوششوں سے ہمارے پنجاب کے ہموطن یہ دکھا دیں گے کہ اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو برقرار رکھنے اور مضبوط کرنے کے لیے بلند ترین عزم کو صرف ایک پنجابی ہی پہچان سکتا ہے۔

نومبر اور دسمبر ۱۸۹۰ء کے مہینوں میں سپاہی اٹک کے مقام پر جمع ہوئے۔ اس کا دوہرا مقصد تھا' ایک تو اٹک کے مورچہ کی طرف سے فراہم کردہ حملہ اور دفاع کے لیے سہولیات کی وضاحت کرنے کے لیے اور دوسرا ایک دشوار ملک میں جنگی کارروائیوں کے عملی تجربہ کو پیش کرنا۔ مشقوں کے اختتام پر ہزایکسی لینسی کمانڈر انچیف کے بیان کے مطابق دونوں لحاظ سے نتائج نہایت گراں قدر رہے' لہٰذا اس موقع پر تمام افواج نے اپنے کٹھن فرائض کی انجام دہی کے ذریعے جس سپاہیانہ ذوق و شوق' پرمسرت جذبہ اور چستی کا مظاہرہ کیا' سر فریڈرک رابرٹس نے اس کو خوب سراہا۔

سوار دستوں نے اس کام کی مفید مثالیں پیش کیں' جس کی ادائیگی کے لیے کسی مہم میں ان سے توقع کی جاتی ہے' کنا خیل درہ میں سے اکوڑہ فوج کی پیش قدمی' دفاعی افواج کی ترتیب اور جنگی اسلحہ کے ساتھ میدانی فائرنگ' یہ سب کچھ حسب منشا تھا۔ برطانوی کمانڈر انچیف نے نہایت مسرت کے ساتھ' اٹک کے مقام پر آسٹریلیا' مدراس اور بمبئی کی افواج

کے نمائندوں کا خیرمقدم کیا' جو سلطنت کے اس قدر دور دراز حصوں میں پنجاب کی افواج کے کام اور تنظیم میں دلچسپی لیے جانے کا ثبوت ہے۔

کالا پہاڑ مہم

کالا پہاڑ کے حسن زئی اور اکازئی قبائل (جو کافی عرصہ سے حکومت برطانیہ کے مبینہ دشمن چلے آ رہے تھے) کو مستقل طور پر مطیع کرنے کے لیے اس قبیلہ کے لوگوں کو موثر طور پر سزا دینے کے لیے انگریز فوج کو روانہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ گزشتہ فروری میں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر نے ایک نوٹیفکیشن جاری کیا تھا' جس میں عوام کو تنبیہہ کی گئی کہ (ماسوائے سرکاری ملازموں کے) ان کے لیے ہزارہ اور پشاور کے اضلاع کی سرحدوں کو پار کر کے حسن زئی اور اکازئی قبائل کے علاقوں میں یا دریائے سندھ کے ساتھ آباد قبائل کے علاقوں میں جانے کی ممانعت ہے۔ اس مجوزہ مہم کا مقصد ایسی سڑکوں اور بیرونی چوکیوں کی تعمیر بھی ہوگا' جن کو ضروری خیال کیا جائے گا۔ یہ کل تعداد چھ ہزار آٹھ سو لڑاکا جوانوں اور انیس سو مصاحبوں پر مشتمل ہوگی۔

ہماری انسان دوست حکومت نے جو سودمند تدابیر اختیار کیں' ان میں ایک ہندوؤں کے درمیان ستی کے نام سے مشہور قبیح رسم کا خاتمہ تھا' جو ہندوستان میں جڑ پکڑ چکی تھی' اس کے علاوہ طفل کشی کا قلع قمع کر دیا گیا' جو انگریزوں کی طرف سے الحاق پنجاب کے وقت مانجھا اور سس ستلج کے علاقہ میں بہت زیادہ پھیلی ہوئی تھی۔ خواتین کی شادی کے لیے رضامندی کی قانونی عمر سے متعلقہ بل' جو محکمہ دستور ساز میں حکومت کے زیرغور تھا' اسے آخرکار منظور کر کے قانون کی شکل دے دی گئی' لہٰذا یہ دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی ہے کہ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے' عمر کی زیادہ حد کے سلسلہ میں حکومت کے سودمند اقدام کا ہندوؤں اور مسلمانوں کے تمام طبقوں نے خیرمقدم کیا ہے۔

ہندوستان کے دیگر اہم شہروں میں قیام کے بعد پنجاب اور اس کے دارالحکومت میں زار روس کے بڑے بیٹے ہزامپیریل ہائی نیس سیزروچ کا دورہ اور پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر اور اس مقام کے اعلیٰ سول اور ملٹری افسران کی طرف سے لاہور میں ان کا فقید المثال استقبال' خاص طور پر دلچسپ ہے کیونکہ یہ دو عظیم طاقتوں' انگلستان اور روس کے درمیان دوستی اور اتحاد کے تعلقات کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ روس اور انگلستان' ایشیا میں دو متحارب عظیم یورپی طاقتیں تھیں اور تاتاری چنگیز خاں اور تیمور گورگان کی افواج کے ذریعے قائم کردہ مضبوط ترین بادشاہت کو تہس نہس کرنے والی تھیں' مشرق کی تاریخ میں

پہلی مرتبہ انھوں نے باہمی اعتماد کی شہادت پیش کی' یہ کسی طرح بھی کم سیاسی اہمیت کا معاملہ نہیں ہے۔ ہماری اپنی حکومت نے بلاشک و شبہ نہ صرف اپنی رعایا کے لیے بلکہ غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ اپنے تعلقات کے سلسلہ میں ایک فیاضانہ حکمت عملی اور کشادہ خیالات کے ذریعے رہنمائی کی' ہندوستان کی سرزمین پر روسی شہزادے کی آمد کا دلی طور پر خیرمقدم کیا بلکہ اسے ملک کے ان حصوں تک جانے کی اجازت دے دی' جنہیں دیکھنے کی اس نے خواہش ظاہر کی۔ شاہی مہمان ہر طرف اپنے خیرمقدم سے بہت خوش ہوا' لہٰذا اس بات کی اُمید کا اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان سے اپنے ساتھ ایک وفادار' مطمئن اور خوش و خرم عوام اور خوشحال و آباد ملک کے تاثرات اپنے ساتھ لے کر جائے گا تو جب وہ وقت گزرنے کے ساتھ' اپنے آباء کے تخت پر بیٹھے گا' تو ایشیائی ممالک کے ساتھ برتاؤ میں اس کے لیے مفید رہنمائی کریں گے۔

نئے دہلی' انبالہ اور کالکا ریلوے کے افتتاح کو ۷ مارچ ۱۸۹۱ء کو دہلی کے دربار ہال میں زبردست خوشیوں کے درمیان منایا گیا۔ شملہ کے پہاڑوں کے دامن تک ایک نئی ریلوے لائن کی تکمیل' نجی شعبے کی کوششوں کا نتیجہ ہے' لہٰذا اس بات کا امکان ہے کہ یہ ملک کے لیے ایک حقیقی عطیہ ثابت ہوگی۔

کالکا کے عقب میں بھی لائن کا سروے کر لیا گیا ہے' لہٰذا اس بات کی امید ہے کہ ہندوستان کے سرزار دارالحکومت تک لائن کی تکمیل پر نئے ریلوے کے ڈائریکٹروں کو آمادہ کرنے کے لیے ان کی مناسب حوصلہ افزائی کی جائے گی اور یہ کہ ایک یا دو سالوں کے عرصہ میں' شملہ' ڈگشائی' ساباتھو اور جتوغ کے عظیم فوجی مقامات' ریلوے کے ذریعے باقی ماندہ ہندوستان سے منسلک ہو جائیں گے۔

چناب پل کی تعمیر

۱۸۹۰ء کے اوائل میں چناب پل کی تکمیل' سندھ ساگر ریلوے کے ساتھ' نارتھ ویسٹرن سسٹم کو منسلک کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس کا ڈھانچہ دو سو فٹ کے سترہ دہانوں کے ساتھ سطح سیلاب سے چودہ فٹ بلند ایک بالائی راستے پر مشتمل ہے۔ پل کے فوجی دفاع پر خرچ ہونے والے مصارف کو شامل کرتے ہوئے تعمیر کی لاگت بیالیس لاکھ پچیس ہزار روپے تھی۔

حوالہ جات

(۱) ملاحظہ کیجئے کوپر کی تصنیف' پنجاب میں بحران (۱۸۵۸ء کا ایڈیشن) کے صفحات ۱۰۹ اور ۲۰۶ پر' باغی سپاہیوں سے پنڈتوں کا خطاب۔

(۲) ان کی یاد میں درہ مرگلہ (پشاور) کی پیشانی پر ایک مربع مینار تعمیر کیا گیا۔ ہر طرف سے کافی فاصلے پر اس یادگار کو دیکھا جا سکتا ہے۔ تہ خانے کے اندر مندرجہ ذیل عبارت ہے:

"یہ ستون انگریز و دیسی دوستوں نے برگیڈیئر جنرل جان نکلسن کی یاد میں تعمیر کیا جو برطانوی ہندوستان کے دفاع کے لیے چار عظیم جنگوں (یعنی کابل ۱۸۴۰ء' پہلی سکھ جنگ ۱۸۴۵ء' دوسری سکھ جنگ ۱۸۴۸ء' فوجی بغاوت ۱۸۵۷ء) اور پنجاب میں انتظامی حکومت کو قائم کرنے کے لیے اس کی فتح میں حصہ لیتے ہوئے دہلی کے محاصرہ کے دوران بڑی فوج کی قیادت میں حملہ کے وقت ۱۴ ستمبر کو بری طرح زخمی ہوگئے اور ۳۴ برس کی عمر میں ۲۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انتقال کر گئے۔ دو نسلوں نے یکساں دکھ کے ساتھ ان کا سوگ منایا"۔۔۔

(۳) حیات سر ڈونالڈ میکلوڈ' ہندوستان میں بیالیس سالہ خدمات کا ایک ریکارڈ' از میجر جنرل ایڈورڈ لیک' سی۔ ایس۔ آئی۔

(۴) ان کے ایک عزیز (جو آخر تک ان کے ساتھ تھے) نے ان کے آخری لحات کی رقت انگیز کیفیت تحریر کی ہے' جسے میجر جنرل لیک کی مختصر تصنیف میں دیا گیا ہے' ہم نے اس سے مندرجہ ذیل اقتباس حاصل کیا ہے:

"جب وہ بیہوشی کی حالت میں تھے' تو ان کا بایاں بازو جو بری طرح زخمی تھا' کاٹ دیا گیا۔ بعد ازیں انہیں ایک چھوٹے سے کمرہ میں ایک بستر پر لٹا دیا گیا۔ سرجن نے بتایا کہ اب کوئی امید نہیں ہے اور یہ کہ ان کی نبض تیزی سے ڈوب رہی ہے' لہٰذا وہ ایک آدھ گھنٹہ سے زیادہ دیر زندہ نہیں رہیں گے۔ (وہ اس کے بعد دو گھنٹوں سے زیادہ دیر زندہ رہے) جس وقت آپریشن کیا جا رہا تھا' میں ان کی بہن' مسز ھاکینز کو لینے کے لیے چلا گیا' لہٰذا ان کے ساتھ ہسپتال واپسی پر ہم نے یہ اندوہناک خبر سنی۔ ان کے کمرے میں جانے پر ہم نے دیکھا کہ وہ آنکھیں بند کیے بستر پر لیٹے تھے اور ان کے اردگرد ان کے سسر سر رابرٹ منٹگمری' ان کا ایک نوجوان دوست' لیڈی سپرنٹنڈنٹ' ایک نرس اور ایک سرجن بیٹھے ہوئے تھے.... اس وقت میں نے کہا' "بے شک آپ کہہ سکتے ہیں' تمہارے ہاتھوں میں' میں نے اپنی روح دے دی ہے' اے مالک اے سچے خدا' تم نے مجھے نجات دے دی

ہے"۔ انہوں نے جواب دیا' "یقیناً! اور تم کہہ سکتے ہو' آؤ! اے مالک عیسیٰ جلدی آؤ؟" انہوں نے اس کو دوہرایا اور کہا' "اس کے بعد میں گناہ اور دکھ سے آزاد ہو جاؤں گا اور ہمیشہ کے لیے مالک کے ساتھ رہوں گا"۔ اس کے بعد انہوں نے انتہائی عاجزی سے دعا شروع کر دی' لیکن آخری الفاظ تھے "ہمیشہ کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی کے نام کی تعریف ہے!" یہ ان کے آخری الفاظ تھے۔ اب ان کی نبض تیزی سے ڈوب گئی۔ وہ حادثہ سے تقریباً پانچ گھنٹے بعد انتقال کر گئے۔ اے موت تمہارا ڈنگ کہاں ہے؟ اے گور تمہاری فتح کہاں ہے؟"

(۵) ملاحظہ کیجیے ضمیمہ ا۔

(۶) اس موقع پر مصنف کی تقریر کا' خودمختار پہاڑی علاقے کے پٹھانوں اور ملکوں نے نہایت گرمجوشی سے خیرمقدم کیا۔ سابقہ باؤنڈری کمیشن سے ایک رکن' ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر خان بہادر' خان بابا خاں نے پشتو میں تقریر کی۔

(۷) وہ ہمارے ایک ہم وطن' رائے بہادر برج لال گھوش کی بیوی تھیں۔

(۸) ابھی تک یونیورسٹی کی فہرست میں اس کے اعزازی سند یافتہ افراد میں سے چھ ناموں کا اندراج کیا گیا تھا یعنی لارڈ رپن' لارڈ ڈفرن' سر چارلس ایچی سن' ریورینڈ ڈی فرنچ لاہور کے آنجہانی لارڈ بشپ اور ڈاکٹر لیسٹر۔ ہر ایک نے ڈاکٹر آف اورینٹل لرننگ کی اعزازی ڈگری حاصل کی۔ پہلے کے سوا سبھی حضرات اورینٹل اور کلاسیکل سکالر ہیں' لہٰذا موجودہ وائسرائے ہز ایکسی لینسی کو مناسب طور پر ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری عنایت کی گئی۔

(۹) سر اولیور سینٹ جان نے اس کے انتقال کا ایک دلفریب حال بیان کیا ہے۔ اس نے چوبیس گھنٹے پیشتر' اس برہمن کو واپس بلوا لیا' جسے اس نے گزشتہ کئی سال پہلے' اسے لعنت کرنے پر جلاوطن کر دیا تھا۔ اس پاکیزہ عمل سے اسے کوئی افاقہ نہیں ہوا' لہٰذا اس نے ذہن تیار کر لیا کہ موت ناگزیر ہے۔ اس نے شراب کا ایک ٹھیکہ ختم کر دیا' شراب کے کاروبار پر پرانی پابندی بحال کر دی' چند ناجائز محصولات ختم کر دیے' اپنے بیٹوں کو نصیحت کی اور پھر جب اسے بستر سے فرش پر لٹایا گیا تو انتقال کر گیا۔ اگلے روز اس کی نعش کو دریائے توی کے کنارے پر بہت بڑے ہجوم کی موجودگی میں نذر آتش کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے اس کی لاش کو اصل میں شالوں کی چالیس تہوں میں لپیٹا گیا تھا اور اس کے حرم کی خواتین نے دیگر قیمتی ملبوسات میں طلائی سکے اور انتہائی قیمتی جواہرات لپیٹ کر اس پہ رکھے ہوئے تھے مگر نعش کو چتا پر رکھے جانے سے قبل صرف خدمتگار برہمنوں نے ۱۳ غلاف اتار

لیے تھے۔ مہاراجہ کا مکمل توشہ خانہ' جواہرات' سواری کے گھوڑے' سات ہاتھی' بے شمار مویشی اور اس کے علاوہ بہت بڑی نقد رقم (جن کی کل مالیت تقریباً پانچ سے دس لاکھ روپے تھی) انہیں برہمنوں میں تقسیم کرنے کے لیے یا مضافات کے درویشوں کے لیے بھیجنے کی خاطر علیحدہ کر لیا گیا۔ کاروبار رک گیا' دوکانداروں نے اپنی دوکانوں کے دروازوں کا صرف ایک پٹ کھول کر کاروبار کیا۔ ماسوائے ان سکھوں' مسلمانوں' برہمنوں اور راجپوتوں کے جن کا مہاراجہ سے شادی کا بندھن تھا' تمام سرکاری ملازمین بشمول سپاہیوں کے سبھی نے سر اور چہرے منڈوا لیے۔ سب نے سفید لباس زیب تن کر لیا اور ہر قسم کے زیورات علیحدہ کر لیے گئے۔ سوگ کا عرصہ ۱۳ روز پر محیط تھا۔ ۲۵ ستمبر کو نیا مہاراجہ دربار میں اپنی مسند پر بیٹھا' اس کے بعد اس نے دستار بندی کی رسم ادا کی' قیاس ہے شاید یہ رنج و الم کے عرصہ کے اختتام کی نشانی تھی۔ صبح کو اس مقام پر جہاں مہاراجہ کی نعش کو جلایا گیا تھا' برہمنوں میں تحائف تقسیم کرنے میں گزارا گیا۔ ایک بہت بڑی رقم کے علاوہ یہ تحائف ان تمام چیزوں کے تیرہ سیٹوں پر مشتمل تھے جنہیں مہاراجہ نے اس دنیا میں استعمال کیا تھا۔ اس میں گھوڑے' گائیں اور دیگر پالتو جانور بھی شامل تھے' مگر ہاتھی صرف ایک تھا۔ مہاراجہ کے باقی ماندہ اثاثے اور اس کے نجی خزانہ میں سے پانچ لاکھ روپے کی رقم' اس کی طرف سے مندروں کے دائمی استعمال کے لیے مختص کردہ چندے میں شامل کرنے کے لیے رکھ دی گئی' یہ چندہ پہلے ہی پندرہ لاکھ روپے کی رقم پر مشتمل تھا۔

(۱۰) ایک دوست' جنہوں نے انتظامی کونسل کے قیام سے کچھ عرصہ قبل کشمیر کا دورہ کیا تھا' نے ہمیں کشمیریوں کی انتہائی غربت اور مفلسی کی ایک رقت انگیز کہانی سنائی ہے۔ وہ ایک گاؤں میں (جو سری نگر سے زیادہ دور نہیں تھا) کھانا کھا رہے تھے کہ اس دوران درجنوں بدحال مرد و عورتیں' اداس نگاہوں کے ساتھ چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے ان کے گرد جمع ہوگئے' انہیں امید تھی کہ انہیں کھانا دینے سے انکار کر دیا جائے گا۔ مسافر نے ان بھوکے افراد کی حالت کو دیکھتے ہوئے ہمدردی کے باعث ان میں روٹی کے لقمے تقسیم کرنے کا ارادہ کیا' لیکن انہوں نے اس مقصد کے لیے ابھی بمشکل اپنے ہاتھ کو جنبش دی تھی کہ انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان بھوکے افراد کی تعداد دوگنا سے بھی زائد ہوگئی تھی۔ ان میں سے ہر ایک زور زور سے چلانے لگا "نان' نان"۔ روٹی کو سب سے پہلے حاصل کرنے کے لیے ہر بھکاری ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگا' لہٰذا مسافر نے سب سے انصاف برتتے ہوئے ہر ایک کو روٹی کا ایک لقمہ دیا' جیسے ہی وہ

اس کو حاصل کرتا' تو انتہائی شکرگزار ہوتا' جیسے اس نے بہت بڑی فتح حاصل کر لی ہو۔ انہوں نے کہا اور جو کچھ ہمیں بتایا وہ وادی کے دیگر زائرین کی شہادت کے عین مطابق ہے کہ آدمی' مسافر کے پاس روٹی کے ایک لقمے کی خاطر اس طرح آئے جیسے ایک ہندوستانی سرائے میں کھانا کھاتے ہوئے کسی سیاح کے پاس کتے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کشمیر کے عوام کی تکالیف کے بارے میں بہت سی دردناک کہانیاں بیان کی گئی ہیں' مگر ہمیں یہاں ان کی تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ موجودہ انتظامات کے نفاذ سے پہلے کشمیریوں کی انتہائی غربت' مشکلات اور تکالیف سے پنجاب میں ہر کوئی بخوبی واقف ہے' لہٰذا یہاں تفصیلی بیان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۱) پارلیمنٹ میں سر رچرڈ ٹمپل اور مسٹر ڈبلیو ایچ سمتھ کی تقاریر' سر رچرڈ ٹمپل نے مسٹر بریڈ لاف کے اٹھائے گئے سوال کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ کشمیر سے بخوبی واقف ہیں اور معزول مہاراجہ کے والد اور دادا کے ساتھ ان کی خوب شناسائی رہی ہے اور یہ کہ وہ اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ انگلستان نے اس علاقے کو لالچی آنکھ سے دیکھا تھا۔

(۱۲) ایک نامہ نگار' سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کو ملک کی حالت کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتا ہے: "ملک بہت غریب ہے اور مقابلتاً" بہت کم کاشتکاری کی جاتی ہے۔ پانی قدرے ایک عجیب و غریب ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے' جو دنیا کے اسی حصہ کے لیے مخصوص ہے' جہاں پانی ملنے کا امکان ہوتا ہے وہاں عمودی سرنگیں ڈوب جاتی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا وہ ایک مخصوص مقام کس طرح منتخب کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات گہرائی میں ایک سو فٹ سے بھی زائد ہوتی ہیں۔ یہ نیچے سے ایک راستے کے ساتھ منسلک ہوتی ہیں' جہاں پانی بہتا ہے اور جو آہستہ آہستہ بالائی سطح پر لایا جاتا ہے اور ان کے کھیتوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہ کاریزیں' باقاعدہ پیشہ وروں نے بنائی ہیں' جو غزنی سے آتے ہیں' لہٰذا وہ اس کے ذریعے بہت اچھی چیز بناتے ہیں"۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ' اکتوبر ۱۸۹۰ء۔

(۱۳) جب مذکورہ بالا کو احاطہ تحریر میں لایا گیا' اس وقت جھنڈ کے راجہ نے اکیاسی ہزار روپے اور کپور تھلہ کے راجہ نے ایک لاکھ روپے بطور چندہ مجوزہ خالصہ کالج کے لیے دے دیے تھے۔ نابھہ کے سرکاری افسران نے بھی تیس ہزار روپے دیے تھے۔ کالج کے محل وقوع کا معاملہ ابھی تک تصفیہ طلب ہے۔

ضمیمہ ۱

ہز رائل ہائی نیس پرنس آف ویلز کو پیش کردہ بلدیہ لاہور کا سپاسنامہ

ہم نہایت عاجزی کے ساتھ اپنے شکریہ کا اظہار کرتے ہیں کہ ولی عہد سلطنت نے ملکہ عالیہ کی سلطنت کے اس دور دراز علاقہ میں اپنی تشریف آوری سے اس کو وقار بخشا ہے۔ کیونکہ ہز رائل ہائی نیس ڈیوک آف ایڈنبرگ کی آمد کی بعد ہم اس حبرک دورہ میں اپنی مہربان ملکہ اور شاہی خاندان کے افراد کی طرف سے اپنی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں گہری دلچسپی لیے جانے کا ایک اور ثبوت دیکھتے ہیں۔

گرچہ انگلستان کے دارالسلطنت سے دور ہیں اور ہمارا شمار ملکہ عالیہ کی سلطنت کے سب سے چھوٹے بیٹوں میں ہوتا ہے مگر اپنے مشترکہ ہم وطنوں کے ساتھ ہم تاج برطانیہ کی وفادار رعایا میں خود کو پہلی صف میں شمار کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان کے شمال مغربی دروازے پر ہونے (یعنی ایسے علاقوں کی سرحدوں پر جہاں یورپیوں نے سفر نہیں کیا) اور اپنی سابقہ تاریخ سے آگاہ ہونے کے باعث اب ہم اس حیثیت میں ہیں کہ دوسروں کے مقابلہ میں برطانوی راج کے فوائد کی قدردانی کریں۔

ہم نے ہمیشہ ان عظیم فوائد کے لیے عملی طور پر اظہار کرنے کی تمنا کی تھی۔ لہٰذا اب ہم ایک مخلص رعایا کی شکر گزاری کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔

ضمیمہ ۲

ہز رائل ہائی نیس پرنس آف ویلز کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھ کے محافظوں کی طرف سے پیش کردہ سپاسنامہ

ہم اس سمادھ کے منتظمین، حضور والا تک اپنی انتہائی وفاداری کے جذبات پہنچاتے ہیں اور اس عمارت (جو اس ملک کی رخصت شدہ بادشاہت کے کھنڈرات کے لیے حبرک ہے) کا دورہ کرنے پر اپنا دلی خیر مقدم پیش کرتے ہیں۔ ہز رائل ہائی نیس ڈیوک آف ایڈنبرگ کے یادگار دورہ کے وقت سے اب تک ہم اس جیسی غیر معمولی عزت افزائی کی توقع بھی

نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اب اس کا احساس ہو گیا ہے۔ ہمیں اس سے بڑی مسرت و شادمانی ہوئی ہے۔ لہٰذا ہم ایک بار پھر اس قدر افزائی کے سلسلہ میں حضور والا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اصل میں ہم شہزادہ حضور کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر پاک صاف ہو گئے ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے مالک بادشاہ کی عبادت کریں۔ کیونکہ ہندو شاستروں' بھوگ بنگیلا" باب ۲۷' شعر اور مسلمانوں کے مقولہ ظل الٰہی کے مطابق بادشاہ' خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ یہ سمادھ ۱۸۳۹ء تقریباً چھتیس برس قبل مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے راجہ کھڑک سنگھ نے تعمیر کرائی۔ گرچہ لاہور ان راجدھانیوں کے مقابلہ میں بہت کم تر ہے۔ رائل ہائی نیس نے جن کا دورہ کیا ہے' جو وفاداری اور جانثاری ہم اپنے سینہ میں تازہ محسوس کرتے ہیں' وہ رائل ہائی نیس اور ملکہ برطانیہ کے لیے کبھی تبدیل نہیں ہوگی۔ ہم خلوص دل سے حضور والا کی صحت' خوشی اور اس ملک میں آپ کے بخیریت سفر کی دعا کرتے ہیں۔

حضور والا کے انتہائی وفادار اور جانثار رعایا اور ادنیٰ نوکروں کی جانب سے بصد احترام۔

گرنتھی

جنوری ۱۸۷۶ء

ضمیمہ ۳

پنجاب کی ماتحت ریاستیں

پنجاب کی ماتحت اور جاگیری ریاستوں کی تعداد ۳۶ ہے۔ یعنی جموں و کشمیر' پٹیالہ' بہاولپور' جھنڈ' نابھہ' کپور تھلہ' منڈی' سرمر (ناہن) مالیر کوٹلہ' فرید کوٹ' چمبہ' سوکت' لوہارو' پٹودی' دوجانہ' کلیہ اور بیس دیگر ادنیٰ پہاڑی ریاستیں۔ ان میں سے پہلی (جموں و کشمیر) سیاسی طور پر حکومت ہند کے تحت اور دوسری ریاستیں پنجاب حکومت کے زیر انتظام ہیں۔ ان ریاستوں کا کل رقبہ تقریباً ۱۰۴۰۰۰ مربع میل' ان کی آبادہ (۱۸۹۱ء) ۶۷۸۰۵۳۴ تک' ان کی آمدنی تقریباً ۱۸٬۰۰۰٬۰۰۰ روپے سالانہ' محض مسلح مصاحبین کے علاوہ' ان کی افواج تقریباً ۵۰ ہزار جوانوں پر مشتمل ہیں۔ ان سے کل ۲٬۸۰٬۰۰۰ روپے سالانہ کا خراج وصول ہوتا ہے۔

ماتحت ریاستوں میں سے کشمیر اور بہاولپور کے حکومت برطانیہ کے ساتھ تعلقات کو

معاہدات کے ذریعے باقاعدہ بنایا گیا ہے۔ پٹیالہ' جھنڈ اور نابھہ کے تعلقات کو گورنر جنرل کی اسناد کے ذریعے باقاعدہ بنایا گیا ہے۔ آخری تینوں ریاستوں کے راجاؤں کو سرداری کی مسند پر پہنچنے پر حکومت برطانیہ کو ایک نذرانہ ادا کرنا ہوتا ہے اور یہ راجگان انصاف فراہم کرنے اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کو بہتر بنانے' ستی' غلامی اور بچوں کی طفل کشی کو روکنے' کسی دشمن کے خلاف حکومت برطانیہ سے تعاون' سپاہیوں کو رسد بہم پہنچانے اور اپنی ریاستوں میں ریل کے راستوں کے علاوہ سڑک کے شاہی راستوں کے لیے درکار بلا معاوضہ زمین عطا کرنے کے پابند ہیں۔ دوسری جانب حکومت برطانیہ ان کے علاقوں پر مکمل اور بلا شرکت غیرے قبضہ کی ضمانت دیتی ہے۔ یہ دوسری جاگیری ریاستوں سے اس حقیقت کے تحت مختلف ہیں کہ انہیں اپنی رعایا پر زندگی اور موت کا مکمل اختیار دے دیا گیا ہے۔ جن سے (چاہے وہ معافی دار' جاگیردار' عزیز رشتے دار' ماتحت' نوکر چاکر یا کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں) حکومت برطانیہ نے ان سے کسی بھی قسم کی شکایات وصول نہ کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔

باقی ماندہ جاگیری ریاستوں کو اپنی رعایا پر قضا و قدر کا اختیار نہیں ہے۔ سزائے موت کے تمام فیصلوں کے لیے برطانوی ایجنٹ کی توثیق درکار ہوتی ہے۔ مزید برآں وہ اپنی رعایا یا ماتحتوں کی طرف سے شکایت کے متعلق ہونے والی تحقیقات سے مستثنیٰ نہیں ہیں اور ماسوائے دو یا تین چھوٹی ریاستوں کے سبھی حکومت برطانیہ کو نقد خراج ادا کرتی ہیں۔

یہ ضروری ہے کہ زیادہ اہم ریاستوں کے بارے میں یہاں مختصر طور پر بیان کر دیا جائے۔

کشمیر

بشمول جموں' کشمیر کا رقبہ ۱۸۹۱ء کے تخمینہ کے مطابق ۸۰'۹۰۰ مربع میل اور اس کی آبادی ۲۵'۴۳'۸۵۷ افراد ہے۔ یہ ریاست پونچھ' لداخ' گلگت اور دارد ستان' بلتستان' لیہ کے اضلاع اور دیگر علاقوں پر مشتمل ہے۔ ریاست' شمال کی طرف قراقرم کے پہاڑوں تک' مشرق میں چینی تبت تک اور جنوب مغرب کی طرف پنجاب کے اضلاع تک پھیلی ہوئی ہے۔ تخمینے کے مطابق اس کی آمدنی ۸۰'۷۵'۸۲ روپے ہے۔ فوج تقریباً ۱۹ ہزار جوانوں پر مشتمل ہے۔

حکومت برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کی شرائط کی رو سے مہاراجہ' ریاستوں کے ساتھ تمام جھگڑوں کو ثالثی کے لیے اس کے پاس بھیجنے' ضرورت کے وقت برطانوی سپاہیوں کی مدد

کرنے اور کسی بھی انگریز شہری یا کسی یورپی یا امریکی ریاست کے شہری کو ماسوائے حکومت برطانیہ کی منظوری کے اپنے پاس نہ رکھنے کا پابند ہے۔ مہاراجہ' حکومت برطانیہ کو ہر سال ایک گھوڑے' ۲۵ پاؤنڈ کی پشم یا عمدہ اون اور شالوں کے تین جوڑوں کی صورت میں خراج ادا کرتا ہے۔

مہاراجہ ایک ڈوگرہ راجپوت ہے۔ جس کے دادا گلاب سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز ایک گھڑسوار کی حیثیت سے کیا تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے بغاوت کے دوران دہلی کے خلاف انگریز افواج سے تعاون کرنے کے لیے سپاہیوں کا ایک دستہ اور توپ خانہ فراہم کیا تھا۔ وہ ۱۸۷۵ء میں انتقال کر گیا تو اس کا بیٹا مہاراجہ رنبیر سنگھ اس کا جانشین بنا۔ ۱۲ ستمبر ۱۸۸۵ء کو اس کے انتقال پر اس کا بیٹا پرتاپ سنگھ جانشین بنا جو موجودہ مہاراجہ ہے۔ نئے مہاراجہ کی تخت نشینی کے وقت سے کشمیر میں ایک برطانوی ریزیڈنٹ کو تعینات کیا گیا ہے۔ ریاست اب ایک انتظامی کونسل کے زیر انتظام ہے۔

مہاراجہ کشمیر کو ۲۱ توپوں کی سلامی کا حق دیا گیا ہے اور اسے تبنیت کا حق بھی عطا کیا گیا ہے۔

کشمیر کے پہلے باشندے ہند' آریائی لوگ تھے جو سورج دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ بعد میں بدھ مت نے برہمنیت پر غلبہ پا لیا اور ہر جانب اپنا اثر و رسوخ پھیلا دیا۔ حتیٰ کہ صدیوں کی جدوجہد کے بعد آخرکار ہندوؤں کا مذہب اس پر حاوی ہوگیا۔ چودھویں صدی میں مسلمانوں نے شمس الدین التمش کے دور میں ہندوؤں کی قدیم بادشاہت کو تہس نہس کر دیا۔ لہٰذا آخری ہندو بادشاہ کی ملکہ نے مسلمان غاصب پر لعنت ملامت کرتے ہوئے خنجر سے خودکشی کر لی۔ لیکن اس سے کافی عرصہ پہلے (۱۰۱۲ء) محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کر کے اسے تہہ و بالا کر دیا تھا۔ اکبر نے ۱۵۸۶ء میں اس ملک کو فتح کر لیا تھا اور ۱۷۵۲ء میں احمد شاہ کی قیادت میں افغانوں کو اس پر فتح حاصل ہوئی۔ سکھوں نے ۱۸۱۹ء میں اسے فتح کیا۔ لہٰذا گلاب سنگھ جو سکھ دربار کے توسط سے اس پر حکومت کرتا تھا' مارچ ۱۸۴۶ء میں انگریزوں نے ۷۵ لاکھ کی ادائیگی کے عوض اسے خودمختار حکمران تسلیم کر لیا۔

سلطان بابر اپنی تزک بابری میں ذکر کرتا ہے کہ پرانے وقتوں میں ہندس (انڈس) کے بالائی راستے کے ساتھ پہاڑی علاقہ میں "کاس" نامی ایک قوم آباد تھی۔ اسی کے باعث یہ علاقہ "کاس میر" کے نام سے مشہور ہوا۔ میر کا نام شہر یا آبادی کو ظاہر کرنے کے لیے اس

میں شامل کیا گیا۔ جیسے ہندوستان کے مشہور زمانہ شہروں اجمیر' جیسلمیر وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

ابوالفضل لکھتا ہے پورا کشمیر دائمی بہار میں ایک چمن کی نمائندگی کرتا ہے اور قدرت نے اس کو جو قلعہ بندی عطا کی ہے' اس کی بلندی حیران کن ہے۔ تاتار اور ایران کی طرح اسی موسم میں یہاں بارش اور برفباری ہوتی ہے۔ جنگلوں میں بنفشہ' گلاب' نرگس اور دیگر اقسام کے بے مثال پھول اگتے ہیں۔

ایرانی شاعر رفیع الدین اس کی تعریف میں لکھتا ہے:

"میں نے عراق و ہند' خراسان و ایران کو دیکھا ہے مگر آب و ہوا کی خوبصورتی اور شان کے لحاظ سے کوئی مقام کشمیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ فضا میں ہلکی ہلکی پھواروں کی تازگی کے باعث موسم بہار کی ملائمیت ہے۔ وہاں پر پھول اور سرسبز و شاداب سبزہ' میدان' اٹھکیلیاں کرتی ندیاں' محلات' گنبد اور شاہی عمارات ہیں' جن کا نظارہ دلفریب ہوتا ہے۔ ہر جانب ڈھلوانی میدان' صاف و شفاف چشمے اور بلند و بالا درخت ہیں جن کے درمیان اخروٹ' سیب اور انجیر کے درختوں سے ڈھکے پہاڑ ہیں۔ لیکن میں اس ملک کی حسین و جمیل دوشیزاؤں کے بارے میں کس طرح بیان کر سکوں گا۔ کیونکہ میرے خیال میں خوبصورتی کے لحاظ سے چودھویں کا چاند بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قد و قامت دل فریب سرو کی طرح' خوشبو یاسمین جیسی۔ آپ کسی بھی پہلو سے ان پری پیکروں کی طرف دیکھیں' وہ چند آفتاب' چند ماہتاب دکھائی دیتی ہیں۔ وہ حوروں کی طرح حسین و جمیل ہیں۔ تمام کی تمام تر و تازہ' نوجوان اور پر شباب ہیں۔

وادی کشمیر اپنی رومانوی خوبصورتی' زمین کی زرخیزی اور صحت افزا آب و ہوا کے باعث پوری مشرقی دنیا میں مشہور ہے۔ دربار اکبری کے ملک الشعراء عرفی نے اس کی خوبصورتی کے سلسلہ میں اس طرح نغمہ سرائی کی ہے۔

ہر سوختہ جانیکہ بہ کشمیر در آید گر مرغ کباب است کہ بابال و پر آید

"ہر پریشان دماغ شخص کو کشمیر کی سیر کرنی چاہیے۔ اس بات کا یقین ہے کہ اگر وہ پرندے کے کباب کی صورت میں بھی ہے تو اسے بال و پر (صحت کے) عطا ہو جائیں گے"۔

اس علاقے کی سطح عام طور پر ہموار ہے۔ چاول کی فصل بکثرت ہوتی ہے' جو یہاں کے باشندوں کے لیے ایک نفع بخش خوراک ہے۔ یہاں پر ہر قسم کے پھل دار درختوں کی

بھرمار ہے اور سرممالک کے لیے مخصوص انگور اور جڑی بوٹیاں بکثرت ملتی ہیں۔ جھیلوں میں سنگھاڑا بکثرت اگتا ہے جو یہاں کے غریب طبقوں کی خوراک کے ایک کثیر حصہ کو پورا کرتا ہے اور میدانوں میں ایک اعلیٰ قسم کا زعفران بھی کاشت کیا جاتا ہے۔

کشمیر شالوں کی تیاری کے لیے مشہور ہے۔ انہیں تبت کے بلند و بالا میدانوں سے لائی گئی اون سے تیار کیا جاتا ہے۔ اون کا اصل رنگ گہرا بھورا ہوتا ہے مگر چاول کے آٹا کی تیاری کے ذریعے اسے صاف کر دیا جاتا ہے۔

وادی کے متعدد حصوں میں گندھکی چشمے موجود ہیں اور عموماً زلزلے بھی آتے رہتے ہیں۔ ۱۸۸۶ء میں وادی کشمیر میں زلزلے کے زبردست جھٹکے محسوس کیے گئے' جن کے باعث زبردست مالی نقصان ہوا۔ کئی ہزار جانیں تلف ہوئیں اور کئی ہزار بے گھر ہوگئے۔ مسلسل زلزلوں کے باعث مکانات لکڑی یا ٹائلوں اور گارے کے ساتھ تیار کیے جاتے ہیں' جن میں لکڑی کے شہتیر بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ متعدد مکانات دو یا تین منزلہ بلند ہوتے ہیں۔ لکڑی کی چھتوں پر مٹی کی ایک تہہ بچھا دی جاتی ہے جو موسم سرما کے دوران گرماہٹ کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کرتی ہے لور موسم گرما میں اس میں پھول کاشت کیے جاتے ہیں۔ گلیاں تنگ اور گندی ہوتی ہیں۔ شہر میں ایک موافق صحت افزا آب و ہوا ہوتی ہے اور دریا اس کے مرکز سے گزرتا ہے۔ جس کے کناروں پر تیرتے ہوئے حمام موجود ہوتے ہیں۔

کشمیر کی جھیل' جسے صوبائی طور پر ڈل کا نام دیا گیا ہے' اپنی خوبصورتی کے سلسلہ میں کافی عرصہ سے مشہور ہے۔ یہ شہر کی شمال مشرقی جانب ہے اور وہاں تک ایک نہر کے ذریعے پہنچا جا سکتا ہے۔ شمال و مشرقی اطراف میں سرسبز و شاداب و بلند و بالا پہاڑ ہیں جو اس کے کناروں تک ڈھلانی شکل میں ہیں اور انتہائی دلکش نظارہ پیش کرتے ہیں۔ میدان کے وسط میں جھیل کے کنارے پر شہنشاہ جہانگیر کا تعمیر کردہ وسیع و عریض شالا مار باغ ہے۔ یہ باغ ۵۹۰ گز طویل اور ۲۰۷ گز چوڑا ہے اور اس کے گرد اینٹ اور پتھر کی دس فٹ بلند دیوار ہے۔ یہ یکساں پیمائش کے چار چھجوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک میں بے شمار بارہ دریاں' فوارے اور جھرنے مہیا کیے گئے ہیں۔ وادی میں زیادہ دلچسپی کی حامل اشیاء میں تیرتے ہوئے باغات' جھولا پل' قدیم عمارات کے کھنڈرات' چٹانیں' چشمے' جھیلیں اور قدرتی مناظر ہیں جو ہر طرف بکثرت موجود ہیں۔

کشمیر میں فولاد بکثرت ملتا ہے۔ ساپور' رام پور اور اسلام آباد کے نزدیک اس پر کام ہو رہا ہے۔ متعدد حصوں میں سیسہ' گندھک اور تانبا موجود ہے۔ علاقے کی دیگر پیداواروں

میں شہتیر' شالیں' زعفران' سماکا اور خوردنی اجناس ہیں۔ کشمیر کاغذ سازی کے لیے بھی مشہور ہے۔ کاغذ نہایت عمدہ معیار کا ہے اور اس کا مقابلہ ہندوستان کے تیار کردہ دیگر کاغذوں سے کیا جاتا ہے اور یہ کاپیوں میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

یورپی باشندوں میں سب سے پہلے ایک ہسپانوی پادری اور گوئز' سینٹ فرانس ایکسویئر نے کشمیر کا دورہ کیا' جو ۱۵۹۴ء میں شہنشاہ اکبر کے ہمراہ وادی میں آیا تھا۔ فرانسیسی طبیب برنیئر نے ۱۶۶۳ء میں اورنگ زیب کے عملہ کے ہمراہ اس ملک کا دورہ کیا۔ اس نے اس وادی اور شہر کے بارے میں انتہائی دلچسپ اور رومانوی بیان اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔

پٹیالہ

یہ ریاست حکومت پنجاب کی سیاسی نگرانی کے تحت ہے۔ راجہ بھلکیہ خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اپنے مشترکہ جدامجد پھول کے دوسرے بیٹے راما کی اولاد میں سے ہے۔ نابھہ اور جھنڈ کے راجگان' پھول کے سب سے بڑے بیٹے تلوکہ کی اولاد میں سے ہیں۔ چنانچہ پٹیالہ' جھنڈ اور نابھہ کی تینوں ریاستیں بھلکیہ خاندان پر مشتمل ہیں۔

۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس ریاست کی کل آبادی ۱'۵۸۳'۸۰۳ ہے اور اس کا رقبہ ۵'۸۸۷ مربع میل ہے۔ تخمینے کے مطابق ریاست کی خام آمدنی ۴۴'۸۹'۵۶۰ روپے ہے۔ فوجی طاقت تقریباً ۲'۷۵۰ سواروں' ۴۰۰ پیادوں' ۲۳۸ توپچیوں کے علاوہ ۳۱ میدانی اور ۷۸ دیگر توپوں پر مشتمل ہے۔ مہاراجہ کو ۱۷ توپوں کی سلامی کا حق حاصل ہے۔ مہاراجہ نرندرا سنگھ' جس نے بغاوت کے دوران حکومت برطانیہ کو بہترین خدمات بہم پہنچائیں' ۱۸۶۲ء میں انتقال کر گیا تو اس کا بیٹا مہندر سنگھ اس کا جانشین بنا' ۱۸۷۶ء میں اس کے انتقال پر اس کا کمسن بیٹا رجندر سنگھ جانشین بنا جو موجودہ مہاراجہ ہے۔

ریاست کی سرحدوں کے اندر شملہ کے قریب سلیٹی پتھر اور سباتو کے نزدیک سیسہ کی ایک کان موجود ہے۔ نرنول میں بھی سنگ مرمر اور تانبے کی کانیں ہیں۔

۱۸۸۲ء میں سندھ' پنجاب اور دہلی ریلوے پر (اب نارتھ ویسٹرن ہے) راجپورہ سے ریاست کے دارالحکومت تک ایک چوڑی پٹڑی کی ریلوے لائن کا افتتاح کیا گیا۔ مقامی ریاست کے خرچ پر پنجاب میں یہ پہلی ریلوے لائن تعمیر کی گئی۔

بہاولپور

اس ریاست کا رقبہ ۱۵۰۰۰ مربع میل ہے' جس میں سے ۹۸۸۰ مربع میل صحرا پر

مشتمل ہے۔ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۶۳۸٬۹۰۰ ہے۔ تخمینے کے مطابق ریاست کی آمدنی سولہ لاکھ روپے ہے۔ اس کی فوجی طاقت تین سو سواروں، ۲۴۹۳ پیادوں و پولیس اور ۹۹ توپچیوں کے ساتھ بارہ توپوں پر مشتمل ہے۔ پنجاب کے سرداروں میں بلحاظ رتبہ تیسرے درجہ پر ہے اور اس کا نمبر مہاراجہ پٹیالہ کے بعد آتا ہے، لہٰذا اسے ۱۷ توپوں کی سلامی کا استحقاق حاصل ہے۔ ریاست میں اہم شہر بہاولپور (صدر مقام) احمد پور، خانپور، خیرپور اور منچن آباد ہیں۔

بہاولپور کے نواب کا تعلق داؤد پوترا قبیلے سے ہے اور وہ بہاول خاں کی اولاد سے ہے، جس نے شاہ شجاع کے انتقال کے بعد درانی سلطنت کے خاتمہ کے بعد، خودمختاری حاصل کی۔ یہ قبیلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس قبیلے کے جدامجد سلطان احمد دوئم نے مصر سے ہجرت کر کے دس ہزار سواروں پر مشتمل ایک فوج کے ساتھ سندھ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت سندھ پر ایک ہندو راجہ دھورنگ حکمران تھا، جس نے کمزور سی مزاحمت کے بعد سلطان کی اطاعت کر لی اور اپنی ایک بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ اس خاندان میں مبارک خاں وہ آخری شخص تھا جو شکارپور میں ۱۷۴۶ء میں امن و امان کی فضا میں فوت ہوا۔ اس کا جانشین صادق محمد خاں (موجودہ بادشاہت کا بانی) خدا یار خاں کلہوڑا کے مسلسل حملوں کے بعد شکارپور کو چھوڑنے پر مجبور ہو گیا، لہٰذا وہ بیت دیلی نامی ایک مقام پر اپنے خاندان کے ساتھ آ کر آباد ہو گیا (یہ جگہ اب ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ہے) اپنی افواج کے ذریعے اس نے اوچ کے مضافات میں آباد کئی قبائل کو مطیع کیا، لہٰذا ملتان کے مغل حاکم نواب ہدایت اللہ خاں نے اسے چودھری کے پرگنہ کا پٹہ عطا کیا، جو اب خانپور کی کارداری میں ہے۔ اس نے اللہ آباد اور دیگر شہروں کی بھی بنیاد رکھی اور بنجر زمین کے ایک بہت بڑے حصہ کو قابل کاشت بنایا۔

داؤد خاں (جس کے نام کی نسبت سے داؤد پترا کہلاتے ہیں) حضرت عباسؓ کی بارہویں پشت سے تھا۔ پرجی خاں المعروف فیروز خاں کے نام سے نسبت کے باعث مشہور پرجانی اس قبیلے کا ایک گروہ ہے، موجودہ نواب اسی کی نسل سے ہے۔ قبائل کی اولادیں جو پہلے نواب صادق محمد خاں کے ساتھ ہجرت کر کے بہاولپور آئیں، بہاولپور کے پورے علاقہ میں پھیل چکی ہیں اور اپنے اپنے آباؤ اجداد کے ناموں کی حامل ہیں مثلاً معروف خاں کی اولاد، معروفانی، عرب خاں کی عربانی، گل محمد خاں کی گولانی، اچر خاں کی اچرانی اور بہت سے دوسرے۔ (ملاحظہ کیجئے، دولت عباسیہ، بہاولپور کی تاریخ۔ قلمی نسخہ)

نواب بہاول خاں نے ۴۸-۱۸۴۷ء میں ملتان کے محاصرہ کے دوران' حکومت برطانیہ کو نہایت شاندار خدمات بہم پہنچائیں' لہٰذا اسے سبزل کوٹ اور بھونگ کے اضلاع کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا تاحیات وظیفہ بھی عطا کیا گیا۔ وہ انگریزوں کا پکا دوست تھا اور کافی عرصہ پہلے اسی حکومت کے ساتھ اس نے اتحاد قائم کر لیا تھا' جس کی رو سے (اپنی سرحدوں کے اندر خودمختاری حاصل ہونے کے باوجود) اس نے حکومت برطانیہ کی بالادستی کو تسلیم کر لیا تھا۔ ۱۸۵۲ء کے اختتام پر بہاول خاں کا انتقال ہوگیا' لہٰذا قبل از مرگ اس کی وصیت کے مطابق اس کے تیسرے بیٹے سعادت خاں کو سردار بنا دیا گیا۔ تاہم مرحوم نواب کے سب سے بڑے بیٹے حاجی خاں کی قیادت میں بہاولپور کے سب سے نمایاں گروہ' داؤد پتروں نے اس کی جانشینی پر جھگڑا کیا۔ سعادت خاں کو معزول کر کے اس کے خاندان کے ہمراہ لاہور لایا گیا۔ گورنر جنرل کے اجلاس میں کامیاب سردار' حاجی خاں کو تسلیم کر لیا گیا اور اسے خلعت اختیار سے نوازا گیا۔ سعادت خاں نے زیادہ عرصہ تک اس حالت کو یاد نہ رکھا' جس میں انگریزوں نے مداخلت کر کے اسے بچایا تھا' اپنے اقتدار کی بازیابی کی خواہش کرنے لگا' لہٰذا اس نے انتہائی ڈھٹائی سے اپنے توسط سے حکومت برطانیہ کو مداخلت کرنے کی التجا کی۔ اسے گرفتار کر کے قلعہ کے ثمن برج میں نظربند کر دیا گیا اور اسے مطلع کیا گیا کہ اسے اس وقت تک رہا نہیں کیا جائے گا' جب تک حکومت کو اس کے آئندہ اچھے رویہ کا اطمینان نہیں ہو جاتا۔ سابق نواب ۱۸۶۲ء میں انتقال کر گیا۔ چار سال بعد برسراقتدار نواب حاجی خاں کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا صادق محمد خاں (موجودہ نواب) جانشین بنا۔

طویل کم سنی کے بعد صادق محمد خاں کو ۲۸ نومبر ۱۸۷۹ء کو حکمرانی کے اختیارات دے دیئے گئے۔ نواب کی کمسنی کے دوران حکومت برطانیہ نے بہاولپور کے سرکردہ سرداروں' نواب کے مشیروں اور وزراء اور اس کے خاندان کے افراد کی لگاتار درخواست اور پرزور التجا کے بعد ملک کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ریاست کئی سال تک طوائف الملوکی کا شکار رہی۔ مالگزاری جسے ۱۸۶۵ء میں اکٹھا نہیں کیا جا سکا' قائم حکومت کے اگلے سال ۱۴ لاکھ تک بڑھ گئی' لہٰذا جب ملک کا نظم و نسق نواب کے حوالے کیا گیا تو سالانہ اوسط ۲۰ لاکھ روپے تک پہنچ چکی تھی۔ سڑکیں' پل اور سرکاری عمارات تعمیر کی گئیں' پرانی نہروں کو بڑا کیا گیا اور ان کی مرمت کی گئی۔ اس کے علاوہ نئی نہریں بھی کھودی گئیں جبکہ ایک چوتھائی ملین ایکڑ زمین کو آبپاشی کے علاقہ میں شامل کیا گیا۔ حکومت برطانیہ نے انتہائی

احتیاط اور دانشمندی سے کمسن نواب کی جاگیر کا انتظام کیا اور ایک اہم مسلمان ریاست کے حکمران کی حیثیت سے' کامیابی کے لیے ضروری خیالات کا رنگ چڑھانے کے لیے' نواب کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ سر رابرٹ ایجرٹن' جن کے سر یہ سہرا رہتا ہے کہ انہوں نے نواب کو بہترین تعلیم و تربیت دی اور ایسے منصوبہ جات تیار کیے جن کے باعث اصل میں اس کی ریاست خوشحالی کی طرف گامزن ہوئی' چنانچہ وہ اس نواب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

لیفٹیننٹ گورنر کا یہ یقین ہے کہ نوجوان نواب بہاولپور جو انتہائی بہترین' فیاضانہ اور مردانہ خصوصیات کا حامل ہے۔ اس کے پاس شیطانی مشیروں کے اثر و رسوخ کی مزاحمت کرنے کی طاقت اور حوصلہ بھی ہو سکتا ہے اور اپنے علاقہ کی رابست حکومت کے ذریعے' وہ مناسب طور پر حکومت کی اس توجہ کا بدلہ اتار سکتا ہے' جو سالہا سال تک اس پر خرچ کی گئی۔ ان توقعات کو پوری طرح محسوس کر لیا گیا تھا۔ افغان مہم ۸۰ - ۱۸۷۸ء کے دوران' نواب نے اپنی ریاست کے تمام وسائل حکومت برطانیہ کی مرضی پر چھوڑ دیے اور سپاہیوں کا ایک دستہ فراہم کیا' جس نے رسل و رسائل کو کھلا رکھنے کے لیے ڈیرہ غازی خاں کی سرحد پر گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

بہاولپور میں ریشم تیار کرنے کا ایک کارخانہ ہے۔ ریاست بہترین قسم کی لنگیاں' صوفی ریشم کی اشیاء تیار کرنے اور نیل' کپاس اور خوردنی اجناس پیدا کرنے کے لیے مشہور ہے۔ بعد کی اشیاء میں بہت زیادہ بہتری پیدا کر لی گئی ہے۔ وہاں پہ محکمہ تعلیمات عامہ' گھوڑوں اور مویشیوں کی نسل میں بہتری پیدا کرنے کے لیے ایک اسپ خانہ اور ایندھن کی فراہمی کے لیے ایک محکمہ جنگلات بھی ہے۔ ریلوے کا رابطہ قائم کیا گیا ہے' لہٰذا پوری ریاست میں نئی لائنیں اور نہریں کھولی گئی ہیں۔

جھنڈ

یہ پنجاب کی پھلکیہ ریاستوں میں سے ایک ہے۔ اس کا رقبہ ۱۲۳۲ مربع میل اور آبادی (۱۸۹۱ء) ۲۸۴٬۳۰۳ نفوس پر مشتمل ہے۔ آمدنی' چھ اور سات لاکھ روپے کے درمیان ہے۔ راجہ برطانوی علاقہ میں خدمات بہم پہنچانے کے لیے ۲۵ سوار مہیا کرتا ہے۔ فوجی طاقت ۱۶۰۰ پیادوں' ۳۹۲ سواروں اور ۲۳۴ توپچیوں کے علاوہ ۶ گھوڑ۔ اور ۶ خچر توپوں پر مشتمل ہے۔ راجہ سواروپ سنگھ نے دہلی میں باغیوں کے خلاف انگریزوں کی مدد کے لیے سپاہیوں کی ایک فوج فراہم کی' چنانچہ بطور انعام اسے ۱٬۸۱۰٬۱۶ روپے سالانہ کی آمدنی کا حامل

ایک اضافی علاقہ بھی عطا کیا گیا۔

نابھہ

نابھہ کا راجہ بھی' جھنڈ اور پٹیالہ کے راجگان کی طرح ایک ہی شاخ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ تینوں خاندان' بھلکیہ گھرانے کے نام سے مشہور ہیں۔ ریاست کا رقبہ ۹۲۸ مربع میل' آبادی (۱۸۹۱ء) ۲۸۲۷۵۶ ہے اور خام آمدنی ۱۵۰'۰۰۰ روپے سالانہ ہے۔ ریاست کے پاس ۲۵۰ پیادوں' ۵۹۰ سواروں اور ۵۰ توپچیوں کے علاوہ ۴ میدانی اور ۱۰ دوسری توپوں پر مشتمل فوجی طاقت ہے۔ راجہ کو گیارہ توپوں کی سلامی کا استحقاق حاصل ہے۔ راجہ بھوپور سنگھ نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے دوران حکومت برطانیہ کے لیے نمایاں وفاداری کا مظاہرہ کیا' لہٰذا اسے ایک لاکھ روپے سے زائد مالیت کا ایک علاقہ عطیہ کے طور پر دیا گیا۔

اس نے ۱۸۶۳ء میں انتقال کیا' تو اس کا بھائی بھگوان سنگھ جانشین بنا' وہ ۱۸۷۱ء میں لاولد انتقال کر گیا۔ چنانچہ دوسرے دونوں بھلکیہ سرداروں اور حکومت برطانیہ کے نمائندے نے ۶ مئی ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کے مطابق جھنڈ کے ایک جاگیردار اور پھول کی نسل سے تعلق رکھنے والے ہیرا سنگھ کو راجہ منتخب کر لیا۔ معاہدہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ تینوں بھلکیہ سرداروں میں سے کسی ایک کا نرینہ وارث نہ ہونے کی صورت میں پھول کی اولاد میں سے کسی ایک کو جانشین منتخب کیا جا سکے گا۔ راجہ ہیرا سنگھ ایک قابل اور سمجھ دار حکمران ثابت ہوا ہے۔

کپور تھلہ

یہ ریاست ۶۲۰ مربع میل پر محیط ہے اور اس کی آبادی (۱۸۹۱ء) ۲۹۹'۵۹۳ نفوس پر مشتمل ہے۔ آمدنی تقریباً دس لاکھ روپے ہے۔ اس میں سے ۱۳۱'۰۰۰ فوجی خدمات کے عوض حکومت برطانیہ کو قابل ادائیگی ہیں۔ بغاوت کے دوران خدمت کے عوض راجہ رندھیر سنگھ کو اضافی طور پر تقریباً آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی حامل جاگیریں اودھ میں عطا کی گئیں۔ فوجی طاقت ۱۸۶ سواروں' ۲۹۶ پیادوں' ۳۰۳ پولیس کے جوانوں' ۹ میدانی اور ۴ قلعہ کی توپوں پر مشتمل ہے۔ راجہ گیارہ توپوں کی سلامی وصول کرتا ہے اور اسے ا۔بنیت کا حق بھی عطا کیا گیا ہے۔ ریاست میں بڑے شہر کپور تھلہ' پھگواڑہ اور سلطانپور ہیں۔ کپور تھلہ کا راجہ ایک کلال ہے اور اس کا جد امجد جسا سنگھ گزشتہ صدی کے تقریباً وسط میں اہمیت کا حامل ہوا۔

راجہ رندھیر سنگھ انگریزی کا بہت اچھا عالم تھا اور وہ نہایت روانی سے اس زبان کو بول اور لکھ سکتا تھا۔ وہ ۱۸۷۰ء میں انگلستان جاتے ہوئے عدن کے مقام پر انتقال کر گیا تو اس کا بیٹا کھڑک سنگھ اس کا جانشین بنا۔

۱۸۸۷ء کے موسم گرما میں دماغی بیماری کے باعث راجہ کھڑک سنگھ کا انتقال ہو گیا' تو اس کا کمسن بیٹا جگت جیت سنگھ اس کا جانشین بنا۔

راجہ کی کمسنی کے دوران ریاست' حکومت برطانیہ کے براہ راست انتظام کے تحت تھی مگر بعد میں راجہ کو حکمرانی کے اختیارات تفویض کر دیے گئے۔

پولیس فورس کو' پنجاب پولیس فورس کے اصولوں پر از سرنو استوار کیا گیا ہے اور عدالتوں کے اختیار میں ضابطہ اور پختہ قانون کو تقریباً پنجاب میں نافذ قانون اور ضابطہ کے مطابق بنایا گیا ہے۔ ریاست کے دارالحکومت میں رندھیر ہسپتال بہت مقبول ہے۔ ریاست نے تعلیم پر خصوصی توجہ دی ہے' یہ کپور تھلہ میں ایک ہائی سکول' دو اینگلو ورنیکلر مڈل سکولوں اور پرائمری تعلیم کے لیے ۳۱ سکولوں کا انتظام کرتی ہے۔

دسمبر ۱۸۹۰ء میں حکومت ہند نے شکرگزاری کی خلعتوں کے معاملہ میں کپور تھلہ کے راجہ کا منصب بلند کر دیا' جو مستقبل میں ۴،۵۰۰ روپے کے بجائے ۶۰۰۰ روپے مالیت کی ہو جائیں گی۔ یہ عزت و توقیر افغان جنگ میں ریاست کی وفادارانہ خدمات اور موجودہ راجہ کی کمسنی کے دوران اس کے بہترین نظم و نسق کے اعتراف میں عطا کی گئی۔

منڈی

منڈی کا تخمینی رقبہ ۱۰۰۰ مربع میل' آبادی (۱۸۹۱ء) ۱۶۶،۹۲۱ اور مالگزاری تقریباً ۴،۶۰،۰۰۰ روپے ہے' جس میں سے ایک لاکھ روپے بطور خراج حکومت برطانیہ کو ادا کر دیے جاتے ہیں۔ فوجی طاقت سات سو پیادوں اور ۲۵ سواروں پر مشتمل ہے۔ راجہ کو گیارہ توپوں کی سلامی کا استحقاق حاصل ہے۔ راجہ کا تعلق منڈیال خاندان سے ہے اور وہ چندر بنسی راجاؤں کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ علاقہ پہاڑی ہے۔ ریاست میں نمک کی کانیں موجود ہیں۔ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی' مالگزاری کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ پورا کرتی ہے۔ لوہا بھی قلیل مقدار میں ملتا ہے اور صفائی و دھلائی کے ذریعہ سونے کے ذرات بھی حاصل ہوتے ہیں۔

منڈی میں ایک ہسپتال اسسٹنٹ (جس کی خدمات حکومت نے مستعار لی ہیں) کے زیرِ انتظام ایک مکمل ساز و سامان سے آراستہ ڈسپنسری ہے۔ ایک سکول بھی ہے' جس میں

انگریزی' فارسی' سنسکرت اور ہندی زبانیں پڑھائی جاتی ہیں۔ راجہ بذات خود سنسکرت کا عالم ہونے کے باعث اس میں کچھ دلچسپی لیتا ہے۔ راجہ نے منڈی کے مقام پر دریائے بیاس کے اوپر ایک خوبصورت معلق پل تعمیر کروایا ہے' جس کا دہانہ ۲۴۰ فٹ ہے۔ اسے ۱۸۷۸ء میں آمدورفت کے لیے کھول دیا گیا اور راجہ نے اسے "منڈی کا ایمپریس پل" کا نام دیا۔

سرمور

سرمور کا شمار' پنجاب کی ضمنی ہمالیائی ریاستوں میں ہوتا ہے اور اہم شہر کے نام کی نسبت سے اسے ناہن بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا رقبہ ۱۰۷۷ مربع میل اور آبادی (۱۸۹۱ء) ۱۲۴۲۲۴ نفوس پر مشتمل ہے۔ ریاست کی تخمینی مالگزاری ۲٫۱۰٫۰۰۰ روپے ہے۔ راجہ کسی قسم کا خراج ادا نہیں کرتا مگر وہ ضرورت کے وقت حکومت برطانیہ کو ایک فوجی دستہ فراہم کرنے کا پابند ہے۔ وہ گیارہ توپوں کی سلامی حاصل کرتا ہے اور اس کے پاس ۳۰۰ پیادوں' ۵۵ سواروں اور ۲۰ توپچیوں کے علاوہ ۱۰ میدانی توپوں پر مشتمل فوجی طاقت ہے۔ ریاست میں جنگلی ہاتھی' ٹائیگرز' چیتے' ریچھ اور لکڑبگھے گھنے جنگلات میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ سلیٹی پتھر کے وسیع و عریض ذخائر' ابرق کی ایک کان' خام لوہے کی کثیر تعداد اور سیسے کی ایک کان موجود ہے۔

موجودہ راجہ تقریباً ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوا' یہ انتہائی فیاضانہ خیالات کا حامل ہے۔ سرمور کو اپنے نظم و نسق کے معاملہ میں دیگر پہاڑی ریاستوں میں پہلا درجہ حاصل ہے۔ سڑکیں کشادہ ہیں اور ان کی خوب دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ جنگلات کو بہترین اصولوں پر محفوظ کیا گیا ہے جبکہ راجہ کا دارالحکومت اپنی دیکھ بھال اور عام وضع قطع کے سلسلہ میں برطانوی علاقہ کے بلدیاتی اداروں کے لیے ایک مثال قائم کر سکتا ہے۔ ریاست میں ۱۵ سکول ہیں' پولیس کا انتظام اور اس کو سازوسامان سے آراستہ کرنے کے لیے ایک یورپی افسر ہے۔ نیز انگریزی ملازمت سے ریٹائر ہونے والا ایک میڈیکل افسر سرکاری ڈسپنسریوں اور دارالحکومت کی صفائی وغیرہ کی نگرانی کرتا ہے۔

مالیر کوٹلہ

اس ریاست کا رقبہ ۱۶۴ مربع میل اور آبادی (بمطابق ۱۸۹۱ء) ۷۵٫۷۵۵ نفوس پر مشتمل ہے۔ تخمینی خام مالگزاری ۲٫۸۴٫۰۰۰ روپے ہے اور نواب کی فوجی طاقت ۲۰۰

پیادوں، ۶۷ سواروں اور ۲۹ توپچیوں کے علاوہ ۸ میدانی توپوں پر مشتمل ہے۔ وہ گیارہ توپوں کی سلامی حاصل کرتا ہے۔

مالیر کوٹلہ کا سردار ایک افغان برادری کا سربراہ ہے، اصل میں وہ کابل کے باشندے ہیں، جن کے پاس مغلیہ سلطنت کے تحت صوبہ سرہند میں بااعتماد منصب تھے، لہٰذا جیسے ہی مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہوئی، وہ بتدریج خودمختار ہوگئے۔

فرید کوٹ

ریاست کا رقبہ ۶۱۲ مربع میل ہے اور آبادی (۱۸۹۱ء) ۱۱۵،۰۴۰ ہے۔ تخمینی مالگزاری تین لاکھ روپے سالانہ ہے اور فوجی طاقت ۲۰۰ سواروں، ۶۰۰ پیادوں اور پولیس کے علاوہ ۳ میدانی توپوں پر مشتمل ہے۔ راجہ کو گیارہ توپوں کی سلامی کا استحقاق حاصل ہے اور حکومت نے اسے تبنیت کا حق بھی عطا کیا ہے۔

فرید کوٹ خاندان کا بانی پھولن تھا، جسے اکبر کے دور میں عروج حاصل ہوا۔ موجودہ راجہ کے دادا، پہاڑ سنگھ نے ۱۸۴۵ء میں سکھوں کی جنگ شروع ہونے پر حکومت برطانیہ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس کی خدمات کے عوض اسے انعام کے طور پر راجہ کا خطاب دے دیا گیا اور اس کی علاقائی جاگیروں میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا وزیر سنگھ جانشین بنا، جس نے ۱۸۴۹ء میں سکھوں کی دوسری جنگ کے دوران اور بغاوت کے دوران بذات خود انگریزوں کی جانب نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس کی خدمات کے عوض حکومت نے اسے نہایت فیاضی سے نوازا۔ اپریل ۱۸۷۴ء میں وزیر سنگھ کا انتقال ہوگیا، تو موجودہ حکمران، اس کا بیٹا بکرمہ سنگھ جانشین بنا، وہ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوا۔

راجہ بکرمہ سنگھ نے اپنی سلطنت میں ایک مضبوط حکومت قائم کی ہے، اس نے تمام محکموں میں جج کے فرائض اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، ایک مجسٹریٹ اور ایک سول جج اس کے تحت کام کرتے ہیں۔ مجسٹریٹ کی عدالت میں انتہائی خطرناک نوعیت کے فوجداری مقدمات باقاعدگی سے تیار کیے جاتے ہیں اور رسمی احکامات کے لیے بطور سیشن جج اس کو پیش کر دیے جاتے ہیں۔ ایک باقاعدہ طریق کار کے ذریعے کارروائیوں پر غور و خوض کیا جاتا ہے۔ راجہ کے فیصلوں کو پوری طرح اور احتیاط کے ساتھ قلمبند کیا جاتا ہے۔

ریاست فرید کوٹ کے علاقہ میں ریلوے کا رابطہ قائم کیا گیا ہے، جس میں چار اسٹیشن

قائم ہیں۔

چمبہ

کانگڑا اور گورداسپور کے اضلاع کے شمال میں، چمبہ ایک قدیم ہندو راجدھانی ہے۔ ریاست کا تخمینی رقبہ ۳۱۸۰ مربع میل اور ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۱۸،۳۳۷ ہے۔ (ماسوائے پنگی اور لاہول کے، ان کے بارے میں مردم شماری ابھی تک نہیں کی گئی) موجودہ راجہ کی کمسنی کے دوران، ایک انگریز افسر نے مقامی افسران کی مدد سے نظم و نسق چلایا۔ آٹھ ماہ کے دوران مالگزاری ۱۲۰،۰۰۰ روپے سے بڑھ کر ۴،۴۷،۰۰۰ روپے ہوگئی اور ۱۸۸۲ء تک ۵۰،۰۰۰ روپے کے بلامحصول عطیات کے علاوہ ۴،۴۰،۰۰۰ روپے تک ہوگئی۔ ریاست کی فوجی طاقت ایک سو ساٹھ جوانوں اور پولیس و ایک توپ پر مشتمل ہے۔

چمبہ کے جنگلات شہتیروں کی فراہمی کے لیے ایک نہایت اہم وسیلہ ہیں اور ان کو حکومت برطانیہ کو پٹہ پر دیا گیا ہے، یہ ریاست کو ہر سال ایک سے دو لاکھ روپے تک کی آمدنی دیتے ہیں۔ اس کی زمین، چائے کی کاشت کے لیے موزوں ہے۔ پہاڑوں میں تانبہ اور خام لوہا پایا جاتا ہے اور پورے علاقہ میں سلیٹ کے ذخائر موجود ہیں۔ ریاست شکاریوں کے لیے ایک پسندیدہ مقام ہے۔ ریاست کے پرگنہ براوَر میں مشک نافہ ہرن پایا جاتا ہے اور پہاڑی سلسلوں میں بارہ سنگھے، جنگلی بھیڑ، پہاڑی چیتے، بھورے ریچھ، گھرال اور بن بکری بکثرت پائے جاتے ہیں۔ راجہ کھتری النسل ہے۔ وہ اپنے علاقے کے انتظام میں ذاتی دلچسپی لیتا ہے، لہٰذا اس کے نظم و نسق کا فائدہ بھی اسے ہی ہوتا ہے۔

سوکت

ریاست کا رقبہ ۴۷۴ مربع میل ہے اور آبادی (۱۸۹۱ء) ۵۲۳۴۶ ہے۔ تخمینی مالگزاری ایک لاکھ روپیہ سالانہ ہے، جس میں سے گیارہ ہزار روپے حکومت برطانیہ کو خراج کے طور پر ادا کر دیے جاتے ہیں۔ راجہ کو گیارہ توپوں کی سلامی کا استحقاق حاصل ہے، اور اس کے پاس ۳۶۵ پیادوں اور ۴۰ سواروں پر مشتمل ایک مختصر سی فوج ہے۔ ریاست کا حکمران، راجہ دشت نکندرسین ہے جو ۱۸۸۴ء میں سن بلوغت کو پہنچا۔ وہ ریاست پر مضبوطی اور طاقت کے ساتھ حکومت کرتا ہے۔

لوہارو

ریاست کا رقبہ ۲۸۵ مربع میل ہے اور آبادی (بمطابق ۱۸۹۱ء) ۲۰٬۱۳۳ ہے۔ تخمینی مالگزاری ۶۹٬۰۰۰ روپے ہے۔ ریاست کا نواب حکومت برطانیہ کو بوقت ضرورت ۲۰۰ سواروں پر مشتمل ایک فوج فراہم کرنے کا پابند ہے۔ لوہارو' پٹودی اور دوجانہ کے نوابین ان افغان جانبازوں کی اولاد ہیں' حکومت برطانیہ نے ان کو موجودہ صدی کے آغاز میں لارڈ لیک کی قیادت میں خدمات سرانجام دینے کے عوض جاگیریں عطا کیں۔ ریاست کا بانی احمد بخش خاں تھا۔ اس کا بیٹا امین الدین خاں ۱۸۶۹ء میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا علاء الدین خاں اس کا جانشین بنا۔ ۱۸۷۴ء میں اسے حکومت برطانیہ کی بااعتماد اطاعت کی شرط پر نواب کا خطاب عطا کیا گیا۔ اسے تہنیت کی سند سے بھی نوازا گیا۔

علاء الدین خاں' عربی اور فارسی کا ایک مکمل عالم تھا۔ وہ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں انتقال کر گیا تو اس کا بیٹا امیر الدین خاں اس کا جانشین بنا۔ مرحوم نواب کی فضول خرچیوں کے باعث خزانے کی حالت دگرگوں ہوگئی ہے مگر موجودہ نواب محتاط ہے' لہٰذا امید کی جاتی ہے کہ وہ آخرکار ریاست کو مالی دشواریوں سے بچا لے گا۔

مصنف: سید محمد لطیف

تخلیقات

علی پلازہ، 3 مزنگ روڈ، لاہور فون: 7238014